حصّہ اوّل ۔ باب اوّل

قربِ الٰہی کے اوصاف

قرآن کریم
کے
پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

پروفیسر قاضی حلیم فضلی
شیر گڑھ ، مانسہرہ ، ہزارہ

تعارف

پروفیسر قاضی عبیداللہ حلیم فضلی صاحب اپنے علمی خاندان کے اعتبار سے بھی کہ وہ سابقہ ریاست امب میں منصب قضاء پر فائز تھا۔ صوبہ سرحد میں بالعموم اور ہزارہ ڈویژن میں بالخصوص تناول و اگرور میں خاصے متعارف اور معزز ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ انہوں نے تمام مدت ملازمت ابتدائی طور پر گورنمنٹ ہائی سکول اوگی اور پھر گورنمنٹ ڈگری کالج اوگی میں بحیثیت پروفیسر شعبہ اُردو گزاری ہے۔ ان دونوں اداروں میں کوہستان وبٹگرام کی بلند و بالا پہاڑی آبادیوں سے لے کر اگرور و تناول (سابق ریاست امب) کے طلبہ زیر تعلیم رہے۔ وہ اپنے شاگردوں کے اس وسیع و کثیر حلقہ میں مقبول، ہردلعزیز اور محترم اُستاد کی حیثیت سے بھی اچھی شہرت کے حامل ہیں۔ اس تعلق کی بناء پر کہ گورنمنٹ ہائی سکول اوگی میرے سکونتی گاؤں رشیدہ میں واقع تھا، مجھے اپنی ابتدائی جماعتوں سے لے کر میٹرک تک ان کی شاگردی کی سعادت نصیب ہوئی۔

میں ان کی تدریسی مہارت، اپنے مضامین پر عبور، اس کے علاوہ ان کی تدریسی لگن، اپنے پیشہ سے عشق کی حد تک انہماک کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کے ساتھ گہری دلچسپی، انفرادی شناسائی، ان کی مشکلات و مسائل سے پوری آگاہی اور پھر ان کی روشنی میں مشفقانہ رہنمائی ایسی صفات تھیں جو آج تعلیمی اداروں کی کثرت، طلبہ کے ہجوم اور کافی حد تک تعلیم کو تجارت بنانے کے اس دور میں اساتذہ میں نایاب و مفقود ہیں، جبکہ ہمیں اپنے اساتذہ اور بالخصوص قاضی صاحب جیسے اساتذہ کی معلمانہ صفات اور تدریسی خدمات کا جو موقع نصیب ہوا، اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ مجھ جیسے اُن کے ہزاروں شاگرد مکتب کی کرامات سے زیادہ ان کے فیضانِ نظر کے نتیجہ میں پاکستان کے مختلف محکموں میں اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ مجھے ان کی شاگردی کے علاوہ گورنمنٹ کالج اوگی میں شعبہ اسلامیات کے پروفیسر کی حیثیت سے ان کے رفیقِ کار ہونے کا موقعہ بھی ملا۔ اس عرصہ ملازمت میں، مَیں نے دیکھا کہ اوگی کالج کے بانی کی حیثیت سے اُنہوں نے اپنے تدریسی فرائض اور انتظامی ذمہ داریوں کو بڑی خوبی، لگن اور مشنری جذبہ کے ساتھ نبھایا، وہ اوگی کالج اپنی بے سروسامانی کے دور سے نکل کر ڈگری کالج کی منزل تک پہنچ چکا ہے اور آج کوہستان بٹگرام قبائلی علاقہ جات تناول و اگرور کی واحد درسگاہ ہے، جو ان پسماندہ علاقوں میں جہالت و ناخواندگی کے اندھیروں میں علم کی روشنی بکھیر رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ استاد محترم جناب قاضی صاحب کا یہ کارنامہ اُن کے دنیوی اعزاز اور اخروی نجات کا باعث ہوگا۔

اور پھر اپنی ریٹائرمنٹ کے مختصر ایک سالہ دور میں تقریباً آٹھ نو سو صفحات پر قرآنی انسانی صفات کے اٹھاسی ۸۸ موضوعات پر پھیلی ہوئی اس کتاب میں ایسے ایسے موضوعات اور عنوانات کو شامل کیا گیا ہے جن میں سے اکثر پر صاحبانِ محراب و منبر کو بولنے کی شاید نوبت نہیں آئی۔ قاضی صاحب نے اپنی کمال شفقت اور اپنے شاگرد پر بھروسہ کرتے

Marfat.com

ہوئے اشاعت سے بہت پہلے یہ مسودہ مجھے پڑھنے کو دیا تھا۔ میں نے بغور مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ کتاب کا ہر عنوان ایک وعظ و تقریر ہی نہیں اپنے موضوع پر پورے مقالے کی تحقیقات کا بھی حامل ہے۔ چنانچہ میرے مشورہ پر انہوں نے اسے تقریری اور واعظانہ انداز سے بدل کر مضمون کی شکل میں لکھا۔ انہیں اس سلسلے میں جس قدر محنت کرنا پڑی اور نئے سرے سے اس کا انداز و ترتیب بدلنے میں جس صبر آزما، وقت طلب اور محنت طلب مرحلوں سے گزرنا پڑا وہ میری حوصلہ افزائی اور میری تجویز کو خندہ پیشانی سے پذیرائی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم کے ابتدائی حکم علم بالقلم پر عمل کرتے ہوئے ان کا یہ دوسرا کارنامہ ہے جو اپنے موضوعات اور مقالاتی انداز کی وجہ سے محراب و منبر کے محدود دائرہ سے نکل کر عام خواندہ افراد کے وسیع و ہمہ گیر حلقہ ہائے مطالعہ تک پھیل گیا ہے اور کتاب کی افادیت انفرادی طور پر ذہنی اخلاق، تعمیر کردار اور دینی معلومات کے حصول کی حد تک خاصی بڑھ گئی ہے۔ میں محکمہ اوقاف مذہبی امور سے متعلق علماء کرام، تدریسی اداروں اور کتب خانوں تک اس کی رسائی کی پرزور تائید و سفارش کرتا ہوں۔ اللہ کرے کہ ان کی یہ کوشش علمی و تعلیمی حلقوں میں مقبول ہو کر پاکستان میں دینی مسالک کے اختلافی وعظوں سے نکل کر انسانیت کی تعمیر و اصلاح میں مددگار ثابت ہو سکے۔ آمین۔

حبیب الرحمٰن

ڈائریکٹر وزارت مذہبی امور، اسلام آباد

Marfat.com

مقدمہ وتعارف

مختصر خاندانی تعارف

محترم ومکرّم جناب قبلہ والد صاحب قاضی عبداللہ فضلی اور ہمارے سب سے بڑے بھائی قاضی غلام یحییٰ صاحب اور ۲۴ر نومبر ۱۹۸۴ء تک میرے دوسرے بڑے بھائی قاضی صبغت اللہ فضلی جامع مسجد شریف شیرگڑھ، سابق ریاست امب، مانسہرہ ہزارہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور وہ جب مندرجہ بالا تاریخ کو وفات پاگئے تو یہ ذمہ داری مجھے سونپی گئی، خطابت کا یہ فریضہ قبلہ والد صاحب قاضی عبداللہ فضلی سابق ریاست امب کے گرمائی دارالخلافہ شیرگڑھ اور علاقہ شیرگڑھ سے متعلق محکمہ قضا کے منصب پہ سربراہ کی حیثیت سے فائز ہونے کے ساتھ ساتھ اضافی ذمہ داری کے طور پہ ریاست کی جانب سے بغیر کسی معاوضہ وتنخواہ کے انجام دیا کرتے تھے۔ ان کے بعد میرے دو بڑے بھائیوں نے، جن کا ذکر کیا ہے، اس خاندانی روایت کو نبھایا۔ ان دونوں بھائیوں کی زندگی میں جب ۱۹۶۹ء میں ریاست امب کا ادغام ضلع ہزارہ کے ساتھ کیا گیا اور ریاست کے فوجداری، دیوانی اور شرعی عدالتی اختیارات اور حقوقِ حکمرانی ختم کر دیئے گئے تو عہدہ قضا کے اختتام کے بعد بھی جب اس عہدہ کے لئے ریاست سے وابستہ معاشی کفالت اور مراعات بھی ختم ہو چکی تھیں، خطابت کا یہ فریضہ حسبِ سابق انجام دیا جاتا رہا۔

ریاست میں مساجد و ائمہ مساجد کا نظام

سابق ریاست امب میں تمام بستیوں اور مواضعات کے ساتھ دینی امور "امامت" کی انجام دہی کے لئے ائمہ مساجد کے لئے اس گاؤں کی اراضی میں سے قطعات اراضی مخصوص تھے، جس طرح اس گاؤں کے افراد کو بعوض ملازمت اراضی دی ہوئی تھی، ائمہ مساجد بھی اس گاؤں کے دوسرے ریاستی ملازموں کی طرح اپنی مقبوضہ اراضیات پر خود کاشت برداشت کر کے حاصلات حاصل کرتے تھے جو ریاست کی طرف سے امامت کے فریضہ کی تنخواہ یا معاوضہ تصوّر ہوتا تھا، مگر ریاست کے ادغام، انضمام اور اختتام کے بعد دوسرے ملازمین ریاست کی ملازمتی ذمہ داریوں سے فارغ ہو گئے، لیکن وہ اپنی مقبوضہ اراضی پر حسبِ سابق کاشت برداشت کر کے حاصلات لیتے رہے، چنانچہ یہی قبضہ ریاست کے بندوبست اراضی ۵۴-۱۹۵۳ء میں ان کے نام متصور ہو کر ۱۹۵۸ء کے زرعی اصلاحات میں انتہائی قلیل معاوضہ کی ادائیگی کے بعد انہیں ملکیت اراضی کے حقوق دے دیئے گئے۔

مگر ائمہ مساجد کو ریاست کے دوسرے ملازمین کے برعکس ان کی مقبوضہ اراضی کی ملکیت سے محروم کر کے اس مقبوضہ اراضی کو سیری محرابی کا نام دے کر مساجد کی ملکیت قرار دے دیا گیا اور ائمہ مساجد کو اور اُن کی آئندہ نسلوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بستی کی امامت اور دینی امور کی ادائیگی کا پابند کر دیا گیا اور بستی کے افراد کو پوری دنیا اور بالخصوص پاکستان کے دوسرے شہریوں کے برعکس ائمہ مساجد کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت اور معاشی ذمہ داریوں سے یکسر آزاد اور بری الذمہ بنا دیا گیا۔

اس نظام کا عملی ونفسیاتی پہلو

ریاست امب کے مساجد اور ائمہ مساجد کے اس نظام نے، جیسا کہ ذکر ہوا، گاؤں کے افراد کو اپنے طور پر مساجد اور ائمہ مساجد کی تعمیری اور معاشی ضروریات سے یکسر بری الذمہ کر دیا جس کے نتیجے میں اُن کی مقبوضہ اراضی کو سیری محرابی سے منسلک کرنے کے بعد اب تک عوام کی طرف سے مساجد کے معاملات میں بے توجہی کی یہ فضا

اور روّیہ قائم ہے اور اگر کہیں مساجد کی تعمیر اجتماعی طور پر ہوئی بھی ہے تو بھی ائمہ کے معاملے میں نقد تنخواہ اور مہنگائی اور مالی ضروریات کے بڑھتے ہوئے اس دور میں انہیں اپنے ہی حاصلات اراضی کے عوض امامت کی ذمہ داریوں کا مستحق سمجھا جاتا ہے جسے وہ اپنے خون پسینے سے سیری محرابی یا کاشت برداشت کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں، جو ان پہاڑی و بارانی اراضیات میں نہ اس وقت اُن کی کفالت کر سکتی تھی اور نہ آج کی بڑھتی ہوئی ضروریاتِ زندگی میں ان کا ساتھ دے سکتی ہے۔ گاؤں کے افراد اپنی جگہ مطمئن ہیں کہ مولوی صاحبان ہماری دینی خدمات کے عوض سیری محرابی کے قابض ہیں اور مولوی صاحبان مجبور و بے بس کہ برسوں کی محنت و مشقت سے آباد کردہ ان سیری مساجد کو چھوڑ کر کوئی اور ذریعۂ روزگار اختیار نہیں کر سکتے۔

اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ پوری سابق ریاست امب میں عوام کی طرف سے اضافی عوضانے اور معقول کفالت کی عدم موجودگی میں دینی امور کی اشاعت، دینی علوم کی تدریس، عوام کی دینی و اخلاقی تربیت کا کام سکڑ سمٹ کر نماز پنجگانہ کی ادائیگی تک محدود ہے اور وہ بھی رسمی اور روایتی بے دلی کے ساتھ۔ کیونکہ ائمہ مساجد کی نفسیات یہ ہے کہ سیری محرابیوں سے اپنی محنت اور کمائی سے حاصل کیے ہوئے حاصلات کی قلیل آمدن میں یہ خدمات بھی اسی قدر ممکن ہیں جو انجام دی جا رہی ہیں۔ اپنی علمی استعداد میں وسعت، خطابت کے لئے مطلوبہ معیار اور علوم دینیہ کی اشاعت و تدریس کے لئے برسوں باہر رہ کر حصولِ علم کی کوشش کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ اپنی علمی استعداد میں اضافہ کرتے بھی ہیں تو سیری محرابیوں کے تین چار من غلہ کی آمدن پر بیٹھنے کی بجائے سابق ریاست سے باہر دینی مدارس میں تدریس اور مساجد میں خطابت کے معقول معاوضے پر ملازمت کرتے ہیں اور ادھر اپنی مساجد میں محض سیری محرابیوں پر قبضہ بحال کرنے کے لئے اپنے کسی صاحبزادے کو آخری سورتیں یاد کرا کر چھوڑ دیتے ہیں۔

مساجد کی ضروریات و معاملات اور ائمہ مساجد کے ساتھ عوام کی اس بے حسی، بے مروّتی، بے توجہی اور غفلت کی اس عمومی فضا میں ریاست کے گرمائی اور سرمائی دارالخلافوں شیرگڑھ اور امب کی جامع مساجد کے ساتھ شروع سے خطابت کے فرائض کی ادائیگی کے لئے کسی قسم کے قطعہ ہائے اراضی موجود نہ تھے، کیونکہ یہ خدمات تو ہمارے قاضی خاندان کے بزرگ قضا کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اضافی طور پر رضائے الٰہی اور توشۂ آخرت کے لئے عوام کی دینی تربیت اور مذہبی اشاعت کی خاطر انجام دیا کرتے تھے۔ جب غفلت اور بے توجہی کی عمومی فضا میں ریاست کا انضمام و اختتام ہوا تو یہ مساجد بھی ریاست کی جانب سے ہر قسم کی تعمیری ضروریات اور متعلقین مساجد کی کفالت سے یکسر محروم ہو گئیں۔ جس کے نتیجے میں دینی خدمات، امامت و خطابت، صفائی و اذان کے فرائض انجام دینے والے افراد اب تک معززین و ساکنین شہر کی بے حسی کا شکار چلے آ رہے ہیں اور دارالخلافوں سے متعلق حکمرانوں کی چشم عنایت، دستِ کرم کے خوگر اور دستِ نگر شہری و معززین کی نفسیات مساجد کے معاملات میں ہی نہیں بلکہ اپنی چھوٹی چھوٹی شہری ضرورتوں کے لئے بھی — مردے از غیب بروں آید و کارے بکند — کے منتظر ہیں۔

معزّزین شہر کا روّیہ

حکمران و فرمانروایانِ ریاست کی یکصد سالہ ساحری کے سحر میں مسحور و دم بخود شہریوں میں بیداری، جوشِ عمل، جہد و کوشش کا ذاتی جذبہ مفقود بلکہ معدوم ہونے کی وجہ سے ان گذشتہ چالیس سالوں میں بھی اپنے شہری معاملات میں نہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوا، نہ تنظیمی ضرورتوں کے تحت مساجد کمیٹی کی تشکیل ہوئی، نہ مساجد اور اُن سے متعلق افراد کے معاملات اور ضروریات کا خیال کیا گیا۔ اور تو اور معززین شہر نے ائمہ مساجد و خطیب صاحبان کے لئے ظاہری عزّت و احترام کو بھی حکمرانوں کی ذمہ داری سمجھ کر خود کو اس سے بری الذمہ سمجھا ہوا ہے اور ان کی تمام تر توجہ خوشامد اور چاپلوسی و احترام کا مرکز ریاست کے

Marfat.com

حکمرانوں کی اولاد ہی کے ساتھ اب تک علیٰ حالہٖ قائم ہے جو ریاست کے دوران حکمرانوں کے لئے وقف تھی۔ ان کے نزدیک گھی کے برتن میں گھی نہ ہو تو بھی چکنائی تو بہرحال ہوتی ہے، جسے کھایا نہ جا سکے تو بھی چاٹا تو جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ یاجوج ماجوج کی طرح شاید قیامت تک سابقہ ریاست کے اقتدار کی اس کھرچن کو چاٹنے میں مصروف رہیں گے۔

خاندانی روایت

سابق ریاست امب کے نظامِ مساجد اور ائمہ مساجد کی اس تفصیل میں اس علاقہ میں دینی معاملات میں اہلِ دیہہ کی بے حسی، ان کی نفسیات، ذہنی سوچ اور طرزِ عمل کے فطری مزاج کی اس فضا میں میرے بڑے بھائیوں نے ریاست کے اختتام کے بعد گزشتہ بیالیس سالوں میں جس اخلاص، نیک نیتی اور جذبۂ رضائے الٰہی کے تحت شیرگڑھ کی جامع مسجد میں خطابت کی ذمہ داری کو نبھایا وہ ہر آن اور ہر لمحہ مایوس کن، دل شکستگی و بیزاری کی حامل تھی، مگر انہوں نے نہ اپنی ضروریات کا رونا رویا، نہ شہریوں اور علاقہ سے اپنے لیے کسی مستقل آمدن کا مطالبہ کیا، نہ اس عمومی بے حسی، بے مروتی کی کوئی شکایت کی۔

میرے بڑے بھائی قاضی صبغت اللہ فضلی جو صوبہ سرحد میں خصوصاً اور پاکستان بھر میں عموماً اپنی سیاسی شہرت، علمی وسعت اور خطیبانہ صلاحیتوں کے باعث پاکستان کی کسی بھی جامع مسجد میں ہزاروں کما سکتے تھے، یہیں رہ کر اپنے خاندانی مشن کی آبیاری و کارراستگی میں مصروف رہے اور مرتے دم تک مردم ناشناسی، دینی و علمی ناقدریوں کا شکار ہو کر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کی وفات کے بعد ان سے چھوٹے بھائی قاضی عبدالرزاق خلیق، جو ریاست میں اپنے والد محترم کے ساتھ شیرگڑھ کی شرعی عدالت میں نائب قاضی کی خدمات انجام دیا کرتے تھے، ریاست کے انضمام کے بعد سندھ، لاہور، پنجاب اور سرحد کی مشہور دینی درسگاہوں میں شیخ الحدیث کے مناصب پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اپنی فقہی اور علوم دینیہ کی اعلیٰ تدریسی صلاحیتوں اور تحریری و تقریری قابلیتوں کے باوجود رعشہ کی بیماری کے باعث شیرگڑھ کی خطابت سے معذور تھے۔ ان سے چھوٹے بھائی قاضی محمد حمید فضلی اپنے ماہنامہ "فیض" کی ادارت اور صوفیانہ مشاغل کے باعث گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے تو شیرگڑھ کی خطابت کا قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند کے مصداق یہ گراں قدر بار میرے کندھوں پہ ڈال دیا گیا تاکہ میں اس خاندانی روایت کو برقرار رکھ سکوں۔

اپنا اجمالی تعارف

اور اپنا یہ حال کہ والد صاحب کی وفات اور ریاست کے انضمام کے بعد آزادی اور حقوق کی جنگ میں بڑے بھائی صاحبان کی مصروفیت نے دینی تعلیم کے حصول کا لبِ بام جبکہ دو چار ہاتھ رہ گیا تھا، سلسلۂ تدریس کی کمند ٹوٹ گئی تھی، جب نئے نظام اور نئے حالات نے ریاست کی وابستگیوں کے معاشی سلسلے توڑ دیئے تو حصولِ روزگار اور ذریعہ معاش کی ضرورتوں نے کچھ کر گزرنے کا ہوش دلایا تو اپنی اسی تعلیمی بنیاد پہ پہلے پہل ادیب عالم، پھر فاضل فارسی کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا تو دوسرے سال قریبی ہائی سکول اوگی میں اورینٹل ٹیچر کی حیثیت سے تقرری کا پروانہ مل گیا۔ ہائی سکول میں انگریزی کے اساتذہ کے مقابلے میں ہم مشرقی علوم کے مسکینوں کے ساتھ بے رخی، احساسِ کمتری اور فروتری کے سلوک نے انگریزی کے حصول کا ردِ عمل ابھارا تو انگریزی کے حروفِ تہجی کی پہچان سے لے کر ۱۹۶۰ء میں میٹرک، ۶۲ء میں ایف اے اور ۶۴ء میں بی اے کا امتحان کسی انگریزی کے استاد کی شاگردی اور تعاون کے بغیر ذاتی محنت سے پاس کیا۔

اس سے اگلے دو سالوں میں پشاور یونیورسٹی سے ۶۶ء میں ایم اے اردو کیا۔ اپنی تعلیم کی ان پرائیویٹ تیاریوں اور امتحانات میں کامیابیوں کی اس چھ سالہ جدوجہد میں خدا کے فضل و کرم سے نہ کسی رفیقِ کار کا شرمندۂ احسان ہوا نہ اپنی تدریسی ذمہ داریوں میں اپنے

Marfat.com

طلبہ کی حق تلفیوں کا مرتکب ہو کر اپنے سربراہان ادارہ کو کسی قسم کی کوتاہی کی شکایت کا موقع دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ گھریلو امور کی انجام دہی، زمینوں کے حقوق کی بھاگ دوڑ بھی کی اور بڑے بھائی صاحبان کے بُرے بھلے سیاسی نتائج اور اثرات بھی بھگتے۔ جن میں بھلے کم اور بُرے زیادہ تھے۔

۱۹۶۶-۶۷ء کو میں نے گورنمنٹ ٹیچر ٹریننگ کالج "حال فیصل آباد" میں بی ایڈ میں داخلہ لیا اور اپنی زندگی کی یہی وہ پہلی اور آخری باقاعدہ تعلیم تھی جو کسی ادارے میں پڑھ کر حاصل کی۔ اس ادارے میں تعلیم کے دوران کالج کے ترجمان مجلّہ الاستاد کے حصّہ اُردو کا مدیر رہا اور آخر تک اپنے اساتذہ کا اعتماد حاصل رہا۔ مقامی علماء اور شعراء سے تعلق اور تعارف رہا۔ اس ادارے سے تدریسی تربیت کا امتحان "بی ایڈ" پاس کیا تو اپنے اسی پرانے ہائی سکول اوگی میں ایس ای ٹی (S.E.T) کی اسامی پہ تقرر ہوا۔ جب ۱۹۶۸ء کے بیچ کے لئے مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن نے لیکچرارز کی اسامیاں مشتہر کیں تو پورے پاکستان کے طول و عرض پہ پھیلی ہوئی اسامیوں کے نتائج ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئے جن میں خدا کے فضل و کرم سے مجھے بھی منتخب کر لیا گیا اور گورنمنٹ کالج صوابی ضلع مردان میں لیکچرر اُردو کی حیثیت سے تقرر ہوا۔

اسی سال کے اختتام پر اس وقت کے گورنر سرحد ارباب سکندر خان خلیل نے ہزارہ کا دورہ فرمایا اور اوگی میں انٹر کالج کا اجراء کیا۔ مقامی دیرینہ معلمانہ خدمات کے تحت عوامی مطالبے اور محکمہ تعلیم کے شناساؤں کی سفارش پہ اس کالج کے عارضی پرنسپل کی حیثیت سے مجھے دوبارہ اوگی بھیج دیا گیا۔ اس وقت اس کالج کا آغاز انتہائی بے سروسامانی میں ہوا۔ محض اعلان کے بعد نہ تو یہاں کوئی عمارت تھی نہ عارضی اعلان کے بعد کالج کے تدریسی عمل کے لئے اخراجات تھے نہ کسی قسم کے لوازمات۔ کالج کیا تھا محض حلقۂ دام خیال تھا بس پرائمری سکول کے ایک کونے میں درخت کے سائے تلے کالج کا دفتر بھی، سٹاف روم بھی، اس کی تمام مضامین کی کلاسیں بھی تھیں جو درخت کے سائے کے ساتھ ساتھ کھسکتیں، ٹھہرتیں، سکڑتیں اور سمٹتی رہتی تھیں اور کالج کے بجٹ کی منظوری تک محض خدا کے توکل، جذبۂ خدمت اور احساسِ فرض شناسی کے بھروسے پورے نو (۹) ماہ اس صورتِ حال سے نبرد آزما رہا۔ اسی دوران داخلہ بھی ہوتا رہا۔ تدریسی اور دفتری کام بھی ہوتا اور مقامی معاملات و مسائل سے بھی لڑتے رہے اور آج تادمِ تحریر ان بنیادی محنتوں کا ثمرہ ہے کہ یہ کالج گزشتہ دسمبر ۹۱ء میں ڈگری کالج بن گیا اور اسی مہینے کے آخر ۳۱ دسمبر ۹۱ء کو میری مدتِ ملازمت بھی پوری ہو گئی۔

کالج اور میری تعلیمی اور ملازمتی روئیداد کی اس تفصیل کا بظاہر شیر گڑھ کی جامع مسجد کی خطابت سے تعلق معلوم نہیں ہوتا، مگر یہ بتانا مقصود تھا کہ اپنی ملازمتی ذمہ داریوں کی اس گوناگونی کے باوجود خطابت کا قرعۂ فال میرے نام نکلا تو کلاس لیکچرار اور سٹیج کے آدمی کے لئے منبر کا تقدس پیشِ نظر رکھتے ہوئے خالص علمی، ٹھوس حقائق و دلائل سے بھرپور تیاری اور تقاریر کی ادائیگی چنداں سہل کام نہ تھا۔

طبیعت کے تقاضے

اِدھر اپنی طبیعت کی افتاد چند بنی بنائی، رٹی رٹائی تقاریر کی چند کلیوں پہ قانع ہونے کی بجائے تفاسیر و احادیث، تاریخ و سیرت اور حالاتِ حاضرہ کے وسیع گلشنوں اور گلستانوں میں تنگیٔ داماں کے علاج کی متلاشی تھی اور اب ایک کالج کے پروفیسر کی حیثیت سے قدیم روایتی خطیبانہ و واعظانہ انداز سے ہٹ کر

Marfat.com

جدید اور اپٹوڈیٹ انداز پر مشتمل موضوعات و مواد کی جستجو نہ صرف جان جوکھوں کا کام تھا بلکہ اس دشت کی سیاحی میں ایک عمر کی ضرورت بھی تھی اور فرصت کے ان ڈھیروں اوقات کی بھی جن میں واعظ اور خطیب صاحبان اس منصب کی ادائیگی کے لیے وقف ہو کر جمعہ کی ایک تقریر کے بعد پورے چھ سات دن دوسرے جمعہ کی تقریر کے لئے فارغ ہوتے ہیں، بشرطیکہ ان کے خطبات متنوع اور نئے نئے ہوں۔

اور میرے ہاں یہ دُھن بھی اپنے پورے جوش اور جذبے کے ساتھ دل و دماغ میں سمائی ہوئی تھی کہ یہاں کے عوام کی اکثریت اگرچہ جاہل سہی، مگر جمعہ کی تقاریر کو روایتی بے مقصدیت، بے معنویت اور محض حصولِ ثواب کے لئے اس میں شمولیت کے خیال سے نکال کر مقصدیت، معنویت اور تربیتِ عوام کا حامل بنایا جائے۔ دینی احکامات، مذہبی روایات اور فکری نکھار و معلومات کا ذریعہ بنایا جائے تاکہ اصلاحِ احوال کے اس بہترین موقع جمعہ سے بھرپور فوائد حاصل ہو سکیں۔ جس کی میری زندگی کے طویل تجربے اور معلومات و مشاہدات کے مطابق، مساجد کے ہفتہ وار اجتماعات میں شدید کمی بلکہ فقدان محسوس ہوتا تھا۔

خطبات کے انداز

ہماری مساجد کے ہفتہ وار اجتماعات الّا ماشاء اللہ یا تو گروہی و مسلکی اختلافات کی نذر ہو جاتے ہیں یا خطیب صاحبان کی نثر کو نظم کے انداز میں ان کی خوش الحانیوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور اگر اعلیٰ علمی خطابت کے جوہر موجود ہیں تو ان کا سارا زور عوامی اور عمومی اصلاح اور ذہنی صلاحیت و استعداد سے ہٹ کر علمی اظہار کی بلندیوں، تفسیری نکتہ آفرینیوں، منطقی، نحوی اور فلسفیانہ پیچیدگیوں پر صرف ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں عوام تو کیا پڑھے لکھے معقول لوگ بھی کچھ سیکھے سمجھے بغیر خالی الذہن اور تہی داماں واپس چلے آتے ہیں اور نمازِ جمعہ میں شریک ہونے کے ثواب پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ غالباً اسی بے مقصدیت اور بے معنویت کا نتیجہ ہے کہ معاشرے اور سوسائٹی کے اعلیٰ افراد نے دوسری اذانِ جمعہ کے ساتھ مسجد میں آنے کا وطیرہ اختیار کر کے اس رویّہ کو خطیب صاحبان سے عدمِ تعاون اور اپنی امتیازی حیثیت کا سمبل، علامت بنا رکھا ہے۔

میں نہایت اخلاص اور نیک نیتی سے کہوں گا کہ ہم اگر اپنے تمام گروہی تعصبات، نظریاتی فرقہ واریت اور م[illegible] منازعات و مباحث سے ہٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرونِ اولیٰ کے علماء، صلحاء اور اولیاء کے قرآنی تشریحی انداز کو اپنائیں اور [illegible] ذاتی طور پر اپنے رویوں پر توجہ دے کر وسیع المشربی اور اخوتِ اسلامی کے ہمہ گیر پیغام کے مطابق رویّہ اختیار کریں اور دینِ اسلام سے محبت رکھنے والے آج کے مسلمان کی دینی تربیت اور اسلامی تعلیمات پر مشتمل زندگی کے معاشرتی و سماجی مسائل و معاملات سے متعلق موضوعات پر خطاب کے سلسلے شروع کریں تو تعلیماتِ قرآنی اور ہدایاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بے بہا خزانے میں کہیں بھی کسی بھی موضوع پر تشنگی یا کمی محسوس نہ ہوگی اور اگر تسلسل و تواتر کا سلسلہ جاری رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قلیل مدت میں اسلامی معاشرتی انقلاب برپا نہ ہو سکے۔

اپنی تیاری کا انداز

اسی خیال اور سوچ کے تحت میرے لئے خطابت کی ذمہ داری نہایت دشوار اور کٹھن تھی کہ مجھے اپنے موضوعات پر قرآن و احادیث کے ساتھ ساتھ بہت سی واقعاتی اور تاریخی تشریحات و توضیحات کے لئے تاریخ، سیرت کی کثیر کتب کو کھنگالنا پڑتا تھا۔ خطبات جمعہ سے متعلق اکثر بزرگوں کی تقاریر اور خطبات سے بھی استفادہ کیا، مگر ان خطبات کے مجموعوں میں میرے موضوعات یا تو سرے سے موجود نہ تھے اور اگر کوئی موضوع لیا بھی گیا تھا تو ان میں اکثر تقاریر میں موضوع اور عنوان سے ہٹ کر روایتی واعظانہ انداز کی غیر متعلق تفاصیل بیان کی گئی تھیں اور اگر کوئی سلسلۂ بیان ملا بھی تو وہ غیر منطقی اور غیر عقلی استدلال سے پُر تھا جس کا غیر سائنسی،

Marfat.com

انداز جدید ذہن اور جدید تعلیم یافتہ سامع کے لئے نہ پرکشش تھا اور نہ وہ اسے قابل تقلید مثال ماننے کو تیار تھا۔
ان داستانوی ادب جیسی خطبات کی کتب میں مافوق الفطرت اور زندگی کے حقائق سے بعید تر تمثیلات و تفصیلات میں وعظ تو تھا، مگر اثر آفرینی و ذہنی اثر پذیری مفقود تھی۔ قرآن کریم کے اس انداز کے مطالعے اور موضوعات کی اس انداز سے تیاری میں یہ نقطۂ نظر ہمیشہ ملحوظ رہا کہ انسان فطری اعتبار سے ہمیشہ عملی مثال کا متمنی ہوتا ہے۔ انسان کو آج بھی نیکی، شرافت، دیانت، امانت، صداقت، جرأت، اخلاص، پاکیزگی، حیا، عزیمت غرض انسانی اوصاف کی ہر اچھی صفت سے محبت ہے۔ ان اوصاف پر عمل کے لئے اور عمل پر ابھارنے کے لئے مجردمی اور فلسفیانہ انداز سے زیادہ ان کی قریب ترین زندگیوں میں سے کوئی نمونہ اور مثالی کردار پیش کیا جائے تو جہاں تفہیم میں آسانی ہوتی ہے وہاں عمل کی تحریک بھی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اس لئے تمثیلات بھی ہیں اور انبیاء کرامؑ کی زندگیوں کو بطور نمونہ بھی پیش کیا ہے، جو انسانی فطرت کا تقاضا تھا۔
میری ان تقاریر میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت و کردار کے حوالے دیئے گئے ہیں وہاں اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ سیرت و کردار کے یہ نمونے اس دور سے قریب تر افراد و اشخاص، صلحاء، اولیاء اور حکمرانوں تک کے پیش کئے جائیں تاکہ سننے والوں کے دلوں سے یہ احساس نکل جائے کہ ایسا کرنا صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے دامنِ تربیت سے متعلق صحابۂ کرامؓ سے ممکن تھا۔ اب اسلام کی ان تعلیمات و اقدار کا اپنانا اس جدید دور میں ممکن نہیں، اور دوسرا یہ کہ نیکی و شرافت کی یہ چلتی پھرتی تصویریں جو ان کے اپنے دور سے متعلق ہوتی ہیں، ان کے ذاتی مشاہدے، مطالعے اور علم کی دسترس میں ہوتی ہیں۔ جہاں موضوع کے ادراک میں مدد دیتی ہیں وہاں ان پر واضح ہوجاتا ہے کہ آج کے دور میں بھی نیکی سچائی اور عزیمت کا راستہ مشکلات کے باوجود طے کرنا ناممکن نہیں۔
میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کا فلسفہ تاریخ بھی یہی ہے اور تعلیماتِ اسلامی کا انداز بھی یہی ہے کہ اچھے اور برے کرداروں کو سامنے لاکر اللہ کے فرمانبرداروں اور خدا کے احکامات سے روگردانی کرنے والوں کے حالات اور نتائج کا تقابلی نقشہ پیش کیا جائے کہ ٹھیک روش کے کیا نتائج نکلتے ہیں اور غلط راہوں پر چلنے کے نقصانات اور انجام کیا ہوتا ہے۔ میری یہ تقاریر اس اعتبار سے محض وعظ نہیں بلکہ درس کے مسلسل سلسلے ہیں جنہیں قرآنی آیات کے کسی موضوع کو لے کر تمام تقریر اسی موضوع کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ شروع سے آخر تک غیر متعلق گفتگو سے اجتناب کیا گیا ہے۔ اپنے موضوعات پر ہر تقریر ایک مکمل مضمون بھی ہے، ایک تحقیقی مقالہ بھی اور ایک درس اور تقریر بھی ہے، جس سے خطیب صاحبان کو اس قرآنی موضوع پر مکمل مواد کی فراہمی کی سہولت بھی ہے اور ملک کے عام پڑھے لکھے افراد کے لئے اسلامی معاشرتی احکامات اور دینی معلومات کا بیش بہا خزانہ بھی ہے۔
ایک ایک موضوع پر متعلقہ آیات، احادیث، اقوال، احوال و آثار اور امثال و واقعات کی تلاش، فراہمی و یکجائی پہلے نوٹس کی صورت میں اکٹھا کرتا رہا۔ پھر اسے ترتیب دے کر لیکچر کی شکل دی۔ پھر انہیں صاف کر کے اپنے اپنے موضوعات اور ابواب میں لکھا گیا۔ پھر ہر تقریر کے شروع میں مختصر تقریری اشارات دیئے گئے تاکہ ان کی بنیاد پر مکمل تقریر کی جاسکے۔ ہر طرح کے موضوعات پر اپنی ان تقاریر کی اس تیاری میں کتنی محنت کرنا پڑی، کتنی کتب کا مطالعہ کیا گیا۔ تاریخ و سیرت کے بکھرے ہوئے کتنے نصیحت آموز

Marfat.com

کہاں کہاں تلاش کئے اور پھر انہیں کتنی بار اس کتابی صورت میں لکھنے کی نوبت آئی۔ یہ جاننا چنداں مشکل نہیں اور یہ سب ہفت خواں ایک ایک تقریر کے لئے طے کرنا پڑے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد شکرگزار ہوں کہ اپنی ملازمتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ خانگی مصروفیات و معاملات کے بے پناہ ہجوم میں یہ [illegible] اُسی کے فضل و کرم سے ممکن ہوُا اور تمامتر پرائیویٹ تعلیم کے حصول میں مطالعہ اور لکھنے کی انتھک عادت و مزاج نے اس سلسلہ میں بڑی مدد دی۔ میں اپنی مساعی کو مساجد کے خطیب صاحبان کی سہولت اور تعلیم یافتہ افراد کے استفادے اور اپنی دنیائے آخرت کے سرمائے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ انداز شرفِ قبولیت حاصل کر سکے گا۔

کتاب کا موضوعاتی تعارف

میری ان تمام تقاریر کا محور اور مرکز انسان ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پوری کائنات کی تخلیق کی علت بھی انسان ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ انسان کی تخلیق خداوند تعالیٰ کی نیابت اور خلافت کے فریضہ کی بجاآوری کے لئے ہوئی تھی تو آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تک تمام انبیاءؑ کی بعثت اور اُن پر اُتاری جانے والی کتبِ آسمانی کا موضوع بھی انسان ہی رہا ہے۔ انسان کی اصلاح، درستی، تربیت اور نیکوکاری پر کائنات کی سجاوٹ، سنوار اور امن کا دارومدار بھی ہے اور اس کے بگاڑ، گنوارپنے اور نادرستی پر کائنات کے بگاڑ، فساد اور بدامنی و خونریزی کا انحصار ہے۔ ایک انسان درست ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام منصوبے اور پروگرام درست ہو سکتے ہیں اور اگر انسان ہی ٹھیک نہ ہو تو نظم کائنات کی ساری مشینری بگڑ جائے گی۔ تعمیر و ترقی، حکومتوں کے منصوبے اور اُن پر عملدرآمد کے تمام انتظامات بیکار، بے فائدہ اور بے مقصد ہو جاتے ہیں۔ آج سب سے بڑی اہم اور بنیادی ضرورت انسانیت کی اسی بازیافت اور دریافت کی ہے جو خداوند تعالیٰ کا مقصدِ تخلیق، انبیاءؑ کا مطلوب بعثت اور تمام آسمانی کتب کا موضوع تنزیل، صلحاء، اولیاء اور علماء کا مرکز تبلیغ و توجہ و تزکیہ رہا ہے، مگر افسوس کہ انسانی سہولتوں، آسائشوں اور آرائشوں کے لئے تو ہر طرف توجہ ہو رہی ہے ایجادات و اختراعات ہو رہی ہیں، حکومتوں کے منصوبہ ساز اس پر کام کر رہے ہیں، اربوں روپیہ صرف ہو رہا ہے لیکن انسانیت کی بازیافت و دریافت کے لئے نہ کوئی منصوبہ بندی ہے نہ تربیت گاہیں ہیں، نہ تنظیمیں ہیں نہ اجتماعی ادارے ہیں۔ چنانچہ ان تقاریر و مضامین کا مرکزی موضوع انسان اور انسانیت کی بازیافت ہے، جسے اُس مطلوبہ انسان کی صفات کی مناسبت سے، قرآن مجید کے پسندیدہ انسانی اوصاف — کا نام دیا گیا ہے تاکہ ان اوصاف کو اپنا کر ہم اپنے اسی گم کردہ مقصدِ تخلیق کے اعلیٰ و ارفع مقام نیابتِ الٰہی پر فائز و متمکن ہو سکیں اور کُنتُم خیر اُمّۃٍ اُخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر — تم بہترین اُمت ہو جو انسانیت کو اچھائیوں کا حکم دیتے ہو اور بُرائیوں سے باز رکھتے ہو۔ یا — ولتکن منکم اُمّۃٌ یدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون۔ تم میں ایک گروہ انسانوں کا ایسا ہو جو دوسرے انسانوں کو نیکی کی طرف بُلائے، بھلائی کے کاموں کا کہے اور بُرائی و بدی کے کاموں سے روکے اور ایسے ہی لوگ بامراد و کامیاب ہوتے ہیں، کے مصداق خدا کرے کہ ان تقاریر اور مضامین کے ذریعہ ہم اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کی سعی کر سکیں۔

Marfat.com

انسانی صفات کی تقسیم

کتاب میں انسانی اعمال و افعال یا صفات کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن میں سے پہلے باب میں ان عقائد، اعمال و افعال کو لیا گیا ہے جو ایک بندے اور اس کے رب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خوبیاں اور عمل انفرادی طور پر کسی عبد کو اپنے معبود اور بندے کو رب سے قریب کرنے کا ذریعہ ہیں، قربِ الٰہی، رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ رب کے لئے ان اعمال کا کسی انسان میں ہونا ضروری ہے۔ اس میں پندرہ موضوعات ہیں جو عقائد سے اعمال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ دوسرے باب میں ان حقوق اور فرائض کی تفصیل ہے جو ایک انسان کے معاشرتی و سماجی روابط سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ باب اٹھارہ تقاریر پر مشتمل ہے جو قرآن کریم کی رُو سے انسان پر دوسرے انسانوں کے عائد کردہ حقوق ہیں۔ جن کی ادائیگی کسی کو جہاں بہترین انسان سے متصف کر سکتی ہے وہاں وہ معاشرے کا ایک مفید شہری بھی بناتے ہیں اور یہی وہ حقوق العباد ہیں جن کی خداوند تعالیٰ اور قرآن کریم کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت بھی ہے۔ تیسرے باب میں انسان کے شخصی اور ذاتی اوصاف کی تفصیل ہے۔ جس میں ذاتی نیکی، سچائی، دیانتداری، معافی و درگذر، شرم و حیا، جذبۂ خیر خواہی، صدقہ و خیرات جیسی انسانی صفات کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ انسانی صفات کا یہ دائرہ پچیس موضوعات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ اگرچہ کسی انسان کے ذاتی اوصاف ہیں، مگر انسان میں ان اوصاف کی موجودگی دوسرے انسانوں سے بھی متعلق ہے کہ اس کے ان اوصاف کا دائرۂ اثر اور دائرۂ فیض تمام انسانوں تک محیط ہے۔ ان اوصاف میں زیادہ تر سورۂ معارج اور سورۂ فرقان کے وہ اوصاف بیان ہوئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی صفات کے طور پر بیان فرمایا یا جنہیں اہلِ جنت کی صفات قرار دیا ہے۔

چوتھے باب میں ان تمام نواہی کا ذکر ہے جن سے قرآن نے منع فرمایا ہے اور جنہیں انسان میں قرآن کریم نے ناپسندیدہ صفات قرار دیا ہے جو تیسرے باب کی الٹ ناپسندیدہ صفات ہیں۔ یہ بھی مندرجہ بالا سورۂ معارج، سورۂ الحجرات اور سورۃ الفرقان کی بیان کردہ ناپسندیدہ صفات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں اور جنت کے مستحق لوگوں میں ہونا پسند نہیں فرماتے ہیں۔ اس باب میں اٹھائیس مضامین اور تقاریر ہیں اور یہی وہ تمام اخلاقی برائیاں ہیں جو مجموعی طور پر ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں اور یہی معاشرے کا وہ روگ ہیں جو انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ہمارے معاشرے کا بگاڑ اور ہماری انفرادی زندگیوں میں پریشانیوں کا موجب ہیں۔

ان چاروں ابواب کے مجموعی موضوعات چھیاسی (۸۶) بنتے ہیں جن کے کُل صفحات ہیں۔ اگر علماء کرام اور بالخصوص خطیب صاحبان ہر جمعہ کو ان موضوعات پر مسلسل تقاریر فرمائیں تو ان کا یہ تقریری نصابی یا درسی سلسلہ دو سالوں تک کے لئے کافی ہے اور اسی طرح ہر دو سال بعد انہی ترتیب سے دُہرایا جائے تو دو سالوں بعد ہر موضوع کے اظہار میں تکرار کا احساس پیدا نہ ہوگا۔ یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ان تمام موضوعات میں کسی حوالے کی کمی یا علمی تشنگی باقی نہ ہوگی۔ ان موضوعات میں اپنے علم، تجربے، مشاہدے اور حالات کے بدلتے ہوئے حوالے دیئے جا سکتے ہیں اور انہیں مزید مفید اور مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔

ابواب کی اس تقسیم اور تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ان میں کوئی موضوع ایسا نہیں جو مسلکی اور گروہی قسم کے اظہارِ بیان کی گنجائش رکھتا ہو۔ یہ تمام موضوعات انسان اور اس کی تعمیر سیرت و اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی چیز وقت کا تقاضا

Marfat.com

بھی ہے نجات کا ذریعہ بھی اور خوشنودیٔ خدا کا سبب بھی ہے۔ ان موضوعات میں کسی کی دِلآزاری سے حتی الوسع گریز کیا گیا ہے کسی کو نشانہ تنقید نہیں بنایا گیا۔ تاہم بعض موضوعات میں حکومتِ وقت، علمائے کرام اور قوم کے رہنماؤں کو محض جذبۂ اخلاص، نیک نیتی اور ہمدردی کے تحت اُن کے فرائض کا احساس دلانے کے لئے بسبیل تذکرہ یا موازنہ یا مقابلہ کے طور پر ذکر ہوا ہے کہ حالاتِ حاضرہ پزبحث کے تحت ایسا کرنا قدرتی امر تھا۔ اس کتاب میں خطیب صاحبان کی ہر جمعہ کے لیے تقریری ضرورت کا علمی سرمایہ موجود ہے وہاں بعض مخلص دوستوں کے مشورہ سے اس کے موضوعات کو خالص واعظانہ اور خطیبانہ انداز سے نہیں لکھا گیا تاکہ ملک کے عام پڑھے لکھے افراد اسے روایتی وعظ سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیں کہ ایسے وعظ تو وہ کئی نسلوں اور برسوں سے سنتے آرہے ہیں اور سنتے رہیں گے۔ یہ صرف ان کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ اسی لئے واعظانہ انداز سے ہٹ کر انہیں مضامین کا تحریری رنگ دیا ہے تاکہ ملک کا ہر خواندہ شہری اپنے طور پر پڑھ کر جہاں ہر موضوع پر قرآن کریم کے منشاء و مقصد کو سمجھ سکے وہاں موضوع کے حقائق و دلائل پر غور و فکر کر کے اپنی اصلاح خود کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

ان موضوعات میں بعض موضوعات کا تعلق خالص فنی اور شعبہ جاتی مہارت سے تھا، مگر انہیں ان فنی اصطلاحات، واعداد و شمار میں اُلجھائے بغیر عام افراد کی ذہنی استعداد کے پیشِ نظر ہلکے پھلکے انداز میں صرف خدا اور رسولﷺ کے احکامات تک ہی محدود رکھا ہے۔ اگر اس سلسلہ میں کسی کو تشنگی محسوس ہو تو زیادہ پڑھے لکھے افراد ان موضوعات پر تفاسیر اور فنی ماہرین کے مضامین اور کتب سے پیاس بجھا سکتے ہیں۔

میں آخر میں انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ خداوند کریم سے دست بدُعا ہوں کہ وہ میری ان کاوشوں کو شرفِ قبولیت بخش کر میری اُخروی نجات کا ذریعہ بنائے اور قرآن کریم، احادیث، تاریخ و سیرت کے ہزاروں صفحات میں بکھرے ہوئے ان موضوعات کی اس یکجائی کو علمائے کرام، خطیبانِ محترم اور عام تعلیم یافتہ افراد کے لئے استفادے اور اصلاح کا موجب بنائے۔ اگر اس کتاب میں کسی علمی فروگزاشت، اظہارِ بیان اور کسی تشریحی و توضیحی غلطی کو دیکھا یا محسوس کیا جائے تو اہلِ علم حضرات سے گزارش ہے کہ اس کی نشاندہی فرمائی جائے تاکہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔ میں اس کاوش کو اپنے والدِ محترم قبلہ قاضی عبداللہ فضلی مرحوم اور اپنے بڑے بھائیوں کے نام معنون کرتا ہوں جن کی تعلیمی، تدریسی اور علمی مجلسوں نے اس فقیر کی علمی، اخلاقی اور تربیتی آبیاری فرمائی اور آخر میں اپنی والدہ محترمہ کے اس تربیتی انداز کے نام منسوب کرتا ہوں جنہوں نے ہم تمام بھائیوں کی تربیت میں سیر چشمی، وسعتِ نظر اور کشادہ قلبی کے بیج بوئے اور کبھی بھی آج کی روایتی ماؤں کی طرح نہ ہماری کوتاہیوں پر پردہ ڈالا اور نہ ان پر چشم پوشی سے کام لیا۔ جن کی کشادہ ظرفی کے طفیل ہم بھائیوں کے ساتھ ساتھ اس گھر میں یتیم بچوں کی تربیت و پرورش بھی ہوتی رہی اور ہمارے وسیع تر خاندانوں کے تمام نوجوان بغرض تعلیم یہاں پرورش پاتے رہے اور ہم بھائیوں کو ان سب سے چرا چھپا کر کھلانے کی بجائے اکٹھا ایک پلیٹ پر کھلا کر باہمی محبت، رواداری، مروّت و اخلاص کا وہ عملی سبق سکھایا کہ نفرت و تعصب اور خود غرضی و لالچ کی عادت ہی چھوٹ گئی۔ اللّٰھم اغفرھم وارحمھم۔

پروفیسر قاضی حلیم فضلی ایم اے۔ بی ایڈ

Marfat.com

حصہ اوّل ۔ باب اوّل

خدا کے ساتھ تعلق کے اوصاف

قرآن کریم کے پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

نمبر شمار	موضوع	صفحات نمبر
۱	خدا کے بغیر کسی کو معبود نہ بنایا جائے	۱۹
۲	دعوت الی اللہ	۳۵
۳	استقامت فی الدین	
۴	دعوتِ دین میں صبر اور حوصلہ کی اہمیت	۴۵
۵	عقیدۂ آخرت اور قربِ الٰہی	۵۵
۶	عذابِ الٰہی کا خوف اُس کے نتائج	۶۷
۷	تعلیماتِ اسلامی میں عمل کی اہمیت	۷۵
۸	عمل صالح باعثِ نجات ہے	۸۳
۹	انحصار عمل پہ نہ ہو خدا کے فضل پر ہو	۹۱
۱۰	ذکر الٰہی کی فضیلت و قربِ الٰہی	۹۹
۱۱	نماز تہجد ذریعہ قربِ الٰہی	۱۰۹
۱۲	نفس مطمئنہ، تعریف، کردار وانعام	۱۱۷
۱۳	توبہ اس کی اہمیت، اخلاقی نتائج	۱۲۵
۱۴	دعا کی اہمیت فضیلت اور ضرورت	۱۳۵
۱۵	شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن	۱۴۷
۱۶	خدا پر توکّل، بھروسہ، اس کی اہمیت	۱۵۷

خدا کے سوا کسی کو بھی معبود نہ ماننا

آیت: وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ترجمہ: خدا کے بندے خدا کے بغیر کسی کو بھی معبود نہیں پکارتے۔ (الفرقان)

تفسیر و تشریح ہمارے سلسلۂ مضامین اور تقاریر میں سورۃ الفرقان کی اُن آیات کا بیان ہو رہا ہے جن میں خداوند تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور اُن صفاتِ حمیدہ و پسندیدہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ خدا کے محبوب بندوں نے کبھی بھی خدا کے بغیر کسی کو نہ اپنا معبود بنایا ہے اور نہ انہیں خدا کے بغیر اس بات کا مستحق سمجھا ہے کہ وہ ان کی پکار سن سکیں اور ان کی حاجت روائی کرنے کے قابل ہوں۔ دنیا میں جتنے پیغمبر بھی تشریف لائے ہیں اُن تمام انبیاء کرامؑ نے توحید کی تعلیم دی ہے۔ یعنی یہ کہ صرف خدا کو اپنا ربّ مانا جائے، صرف اُس کی بندگی کی جائے اور اُسی کو اپنی ضروریات و حاجات کے لئے پکارا جائے۔ توحید کی اس دعوت کی مخالفت ہر دور اور ہر زمانے میں ہوئی۔ خدا کے مقابلے میں خدائی کے دعویداروں نے اُن انبیاء کرامؑ کی شدید مخالفت کی، مگر اُن انبیاء کرامؑ نے شدید قربانیوں کے بعد خدا کے بندوں کو خدا کی پہچان سکھائی اور خدا کی خوشنودی اور اُس تک پہنچنے کا راستہ بتایا اور انسانوں کو سمجھایا کہ اُن کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اسکی خدائی میں انسانوں کی پیدائش اور اُس کی بندگی میں دوسرا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

ہم مسلمانوں کے عقیدہ کی یہی بنیاد ہے، دین کی یہی اساس ہے اور اسی توحید کے مقام سے دین کا پہلا قدم اُٹھتا ہے اور اسی مقام پر اس کا آخری قدم پڑتا ہے۔ یہی ہمارے دین کا دائرہ ہے اور ہم اسی دائرے میں رہ کر دین پر قائم رہ سکتے ہیں۔ عقیدۂ توحید سے باہر دین کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔ اللہ کے نبیوںؑ نے اسی نقطے سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ یہی وجہ ہے ہمارے نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُن پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم کا آغاز توحید سے ہوتا ہے اور اسی توحید کی تعلیم پر ختم ہوتا ہے۔

عقیدۂ توحید اور نماز قرآن کریم کی پہلی سُورت سورۂ فاتحہ ہے، جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری اور کامل تابعداری کا ذکر ہے، جسے ہم روزانہ اپنی پانچ نمازوں میں پڑھتے ہیں بلکہ ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اُس کے الفاظ اور معنی کو جانتے اور سمجھتے ہیں۔ ہم یہی پڑھتے ہیں کہ۔ سب تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، جو بڑا مہربان ہے اور نہایت رحم والا ہے، قیامت کا دن جو ضرور آنے والا ہے، اس میں اسی کی بادشاہی ہوگی۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اپنے تمام معاملات میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں، اے اللہ ہمیں اپنی بندگی کا سیدھا راستہ دکھا ایسا راستہ جس پر چلنے والے تمہارے انعام کے مستحق ٹھہرے اور ایسے لوگوں کے راستے پر نہ چلا جس پر چلنے والے تمہارے غضب کا نشانہ بنے اور نہ اُن لوگوں کے راستہ پہ چلا جو تمہارے سیدھے راستے سے بھٹک کر تمہارے انعامات سے محروم ہوئے۔ جب

Marfat.com

اللہ کو اپنا ربّ مان کر، اُس کے سامنے ہاتھ باندھ کر، کھڑے ہو کر اُس کی بندگی میں یہ آیات پڑھتے ہیں تو اس کے بعد قرآن کریم کی آخری سُورتوں میں سے سورہ اخلاص پڑھتے ہیں یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ - سورہ اخلاص میں بھی عقیدۂ توحید کا اظہار بھی ہے اقرار بھی ہے اور توحید کی تعلیم بھی ہے ۔ کہو اللہ ایک ہے ، اللہ سب سے بے نیاز ہے ، اُسے کسی کی حاجت نہیں سب اُس کے محتاج ہیں ، نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے ، اُس کا کوئی ہمسر اور مقابل نہیں ۔ اسی سورۃ اخلاص کو سورۂ فاتحہ کے بعد مسلمانوں کی اکثریت اپنی پانچ نمازوں کی ہر رکعت میں پڑھتی ہے ۔ گویا ہماری روزانہ پانچ مرتبہ بندگی کی ہر رکعت کا آغاز عقیدۂ توحید کے اقرار اور اختتام عقیدۂ توحید کی تعلیمات پر مشتمل سورۂ اخلاص پر ہوتا ہے ۔

سورۂ اخلاص

سورۂ اخلاص کو اخلاص اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو شخص بھی اسے سمجھ کر پڑھتا ہے وہ شرک سے نجات پا جاتا ہے ۔ حضورؐ نے جب اپنی نبوّت کے شروع میں دینِ اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا اور لوگوں کو بُت پرستی سے چھڑا کر ایک خدا کی طرف بُلانے کا مشن شروع کیا تو مکّہ کے مشرکین ، یہودیوں اور عیسائیوں نے حضورؐ سے خداوند تعالیٰ کا حسب نسب دریافت کیا ۔ اہلِ عرب کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ جس اجنبی شخصیت سے متعارف ہونا چاہتے تو اُس کا حسب نسب دریافت کرتے تھے چنانچہ حضورؐ سے بھی یہی دریافت کیا ، اِنْسِبْ لَنَا رَبَّكَ ۔ ہمیں اپنے ربّ کا نسب بتائیں ، تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کی اس دریافت پر یہی اشارہ ملتا کہ انہیں سورۂ اخلاص سنا دو اور حضورؐ انہیں سورۂ اخلاص کی صورت میں اپنے ربّ کا نسب بتا دیتے ۔ کیونکہ اس وقت تک اللہ کی صفات کے متعلق قرآن کریم کی مفصّل سورتیں نازل نہ ہوئی تھیں ۔ مکّہ مکرّمہ میں توحید کی دعوت کے ابتدائی دنوں میں حضرت بلالؓ کو جب اُن کا مالک اسلام قبول کرنے کے جرم میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر اُن کے سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتا تو وہ سورۂ اخلاص کا آخری جز اَحد اَحد پکار کر اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار فرماتے ۔

حضورؐ کی بعثت کے وقت شرک کی صورتیں

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں دنیا کے مذہبی تصوّرات یہ تھے کہ وہ لوگ جنہیں اپنا خدا اور ربّ مان کر اُن کی بندگی کرتے تھے ، وہ لکڑی ، پتھر ، چاندی اور سونے وغیرہ کے بنے ہوئے بُت ہوتے تھے ۔

۱ ۔ ان کے ٹھوس جسم اور شکلیں تھیں (۲) دیویوں اور دیوتاؤں کی باقاعدہ نسل چلتی تھی ، نہ کوئی دیوی شوہر کے بغیر تھی اور نہ دیوتا بیوی کے بغیر ہوتا تھا (۳) وہ کھاتے پیتے تھے (۴) مشرکین مکّہ کی بڑی تعداد اس بات کی قائل تھی کہ خدا انسانی شکل میں ہوتا ہے (۵) عیسائی خدا کو ایک مانتے تھے ، مگر اُن کا خدا بھی ایک بیٹا رکھتا تھا اور باپ بیٹے کی خدائی میں رُوح القدس بھی حصّہ دار تھا ، حتیٰ کہ خدا کی ماں بھی تھی ، اُس کی ساس بھی تھی (۶) یہودی بھی ایک خدا کو مانتے تھے ، مگر ان کا خدا بھی انسانی صفات کا حامل تھا ۔ اپنے کسی بندے سے کشتی بھی لڑ لیتا تھا ۔ ان کا خدا بھی عیسائیوں کی طرح ایک عدد بیٹے عُزیر کا باپ تھا ۔ ان تین مذہبی گروہوں کے علاوہ (۷) مجوسی آتش پرست تھے (۸) ستارہ پرست تھے ۔

توحید کی قرآنی تعلیم

ایسے مشرکانہ خیالات و نظریات کے ماحول میں جب اللہ وحدہٗ لاشریک کو خدا ماننے کی دعوت دی گئی تو اُن کے ذہن میں یہ سوالات ضرور پیدا ہوتے تھے کہ وہ کیسا ربّ ہے جس کے لئے ان تمام محسوس کئے جانے والے ، دیکھے جانے والے ، جسمانی صورت رکھنے والے انسانی صفات کے حامل خداؤں کو چھوڑ کر اُسے

Marfat.com

رب مانا جائے، جسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے، اس نے ان سب سوالوں کا جواب چند الفاظ میں دے کر اللہ کی ہستی کا ایسا تصور پیش کیا کہ جس نے مشرکانہ خیالات کا قلع قمع کر دیا اور اللہ کی ذات کے ساتھ مخلوقات کی صفات میں سے کسی صفت کی آلودگی کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ سورۂ اخلاص کے بعد قرآن کریم کی آخری دو سورتیں معوذتین ہیں جن میں شیطان کی آفتوں سے توحید کے خزانے کے ذریعہ حفاظت کی گئی ہے کیونکہ شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کو توحید کے نقطے سے ہٹائے اور شرک میں مبتلا کرے اور اللہ کے بندوں کو دوسروں کی بندگی میں مبتلا کرے۔ انسان جب ایک بار توحید کے نقطے سے ہٹ جاتا ہے تو وہ دنیا کی ہر معمولی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے۔

مگر جو اللہ کا بندہ بن جاتا ہے اور توحید کے عقیدے کو اپناتا ہے تو وہ دنیا کی ہر بڑی طاقت کا باغی ہو جاتا ہے، وہ صرف اللہ کا اطاعت گزار اور وفادار ہوتا ہے۔ وہ اللہ پر اعتماد رکھتا ہے اور صرف اسی سے مدد چاہتا ہے۔ توحید کی معراج یہ ہے کہ انسان مکمل طور پر خود کو خدا کے حوالے کر دے۔ کوئی مشکل یا مصیبت پیش آجائے تو خدا سے رجوع کرے، اس کی پسند خدا کی پسند کے مطابق ہو، اس کی محبت خدا کی محبت کے تابع ہو۔ اللہ کی ذات میں اس کی صفات میں، اس کے حقوق میں صرف اور صرف خدا کی یکتائی کو تسلیم کرے اور کسی پہلو کسی انداز اور کسی طور اطوار میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ نہ کسی فرشتے کو، نہ کسی جن کو، نہ کسی نبی کو، نہ کسی ولی کو اور نہ اپنی ذات کو۔ یہی توحید کا سیدھا راستہ ہے۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (سورۃ الانعام) اللہ کی ہدایت یہی ہے یہی میرا راستہ ہے اس پر چلو، دوسرے راستوں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہیں پراگندہ کریں گے، تمہارے درمیان جدائی ڈالیں گے۔

توحید کے عقیدے کی اس تفصیل کی روشنی میں زیر بحث آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا آخَرَ کا مطلب یہی ہے کہ خدا کے محبوب اور پسندیدہ بندے اللہ ہی کو اپنا رب مانتے ہیں۔ اس کے سوا کسی کو بھی اپنی عبادات، تکالیف، مصائب، ضروریات اور حاجات میں، اپنی بیماریوں میں، اپنے دکھوں میں، اپنے رنج و غم میں کسی دوسرے کو معبود، کارساز، حاجت روا، مشکل کشا اور مددگار نہیں مانتے اور نہ ہی انہیں پکارتے ہیں۔ عرب کی شرک پرستی کی اس تفصیل میں انہیں اور تمام دنیا کے انسانوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہارے مشرکانہ نظریات اور عقائد کے مقابلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے رحمٰن کے بندے ایسے لوگ ہیں جو صرف ایک رب کے بندے بن کر شرک کی برائیوں سے بچ گئے ہیں۔ ہماری آج کی زیر بحث آیت کا تعلق سورۃ الفرقان سے ہے اور اس سورت کی ابتدا جن آیات سے ہوتی ہے، ان میں بھی توحید کی تعلیم موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ اللہ کی وہ ذات ہے جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کی مالک ہے جس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا۔ اس آیت میں بھی توحید کی پوری تعلیم سمیٹ دی گئی ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حضورؐ کے خاندان میں جب کسی بچے کی زبان کھل جاتی تھی تو آپ اُسے یہ آیت سکھا دیتے تھے تاکہ بچپن میں ہی توحید کا تصور اس کے ذہن میں بیٹھ جائے۔

Marfat.com

سورۂ اخلاص کی طرح ان آیات میں بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب فرقان کو نازل کرنے والا ربّ وہ ہے جس نے کسی کو بھی اپنا بیٹا نہیں بنایا، اس ربّ کا نہ کسی سے نسبی تعلق ہے نہ کسی کو متبنّٰی بنایا ہے۔ اس کائنات میں کوئی ہستی نہیں جو خدا کے ساتھ نسلی تعلق کی بنا پر معبود ہونے کا حق رکھتی ہو، اس کی ذات یکتائے محض ہے۔ اس کا نہ کوئی ہمجنس ہے نہ خدائی خاندان ہے کہ معاذ اللہ ایک خدا کے بعد نسل چلی ہو اور بہت سے خدا پیدا ہوئے ہوں۔ اس لئے وہ تمام لوگ جاہل اور گمراہ ہیں جنہوں نے فرشتوں، جنّوں اور بعض انسانوں کو خدا کی اولاد سمجھا ہے اور انہیں دیوتا اور معبود قرار دیا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں جنہوں نے نسلی تعلق کی بنا پر نہ ہی کسی خصوصیت کی بنا پر یہ سمجھ لیا ہے کہ خداوند عالم نے کسی شخص کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔

بیٹا بنانے کے تین انسانی تصوّرات، وجوہات

انسانی دماغ میں بیٹا بنانے کا تصوّر تین وجوہات واسباب کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ انسان تنہائی سے گھبرا کر بے اولاد ہونے کی وجہ سے کسی بچے کو گود لے لیتا ہے۔

۲۔ محبّت کے جذبات سے مغلوب ہو کر کسی کے بچے کو بیٹا بنا لیتا ہے یا یہ محسوس کرے کہ مرنے کے بعد کوئی اس کا وارث ہو اور اس کے نام اور کام کو زندہ رکھے۔

انہی تین وجوہات کی بنا پر ہر انسان متبنّٰی بنانے کی فکر کرتا ہے۔ ان میں سے جس سبب اور وجہ کو بھی خدا کی طرف منسوب کیا جائے، وہ سخت جہالت، گستاخی اور کم عقلی ہے۔

سورۂ یونس میں اس قسم کی جہالت کا جواب یوں دیا گیا ہے، قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ھُوَ الْغَنِیُّ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِھٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ لوگ کہتے ہیں اللہ نے بیٹا لیا ہے، سبحان اللہ وہ تو بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اس کی ملکیت ہے۔ تمہارے پاس قول کے لئے کیا دلیل ہے۔ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کرتے ہو جو تمہارے علم میں نہیں ہیں۔ یہاں خدا کا بیٹا ہونے کی تردید میں تین باتیں کہی گئی ہیں ـــــ ایک یہ کہ خدا کی ذات بے عیب ہے۔ یعنی بیٹا کسی کا صلبی ہو سکتا ہے یعنی اس سے پیدا ہو یا متبنّٰی ہو سکتا ہے یعنی کسی اور کے بیٹے کو اپنایا جائے۔

۱۔ اگر کوئی کسی کو صلبی معنوں میں خدا کا بیٹا قرار دیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ خدا کو اس مخلوق پر قیاس کرتا ہے جو شخصی اعتبار سے فانی ہوتی ہے اور جس کے وجود کا تسلسل اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا کہ اس کی کوئی جنس ہو اور اس جنس سے اس کا جوڑ ہو اور دونوں کے صنفی تعلق سے اولاد پیدا ہو، جس کے ذریعہ اس کا صنفی وجود اور کام باقی رہے۔

۲۔ اگر بیٹا ان معنوں میں قرار دیتے ہیں کہ اس نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے تو بھی انہوں نے خدا کو انسانوں پر قیاس کیا ہے جو بے اولاد ہونے کی صورت میں اولاد نہ ہونے کے نقصان کی کم از کم تلافی کرنے کے لئے بیٹا بنا لیتا ہے، یا پھر یہ کہ خدا بھی انسانوں کی طرح جذباتی میلانات رکھتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے کسی کے ساتھ زیادہ محبت کی وجہ

۳۸۳۱۵

سے اسے بیٹا بنالے۔ ان تینوں صورتوں میں جن کی تفصیل سورۃ الفرقان کی اس آیت کے ذیل میں کی گئی ہے، ملاحظہ ہو تفہیم القرآن تفسیر سورۃ الفرقان: جو صورت بھی خدا کے متعلق تصوّر کی جائے وہ خدا پر بہت سے عیوب، کمزوریوں، نقائص اور ضرورتوں کی تہمت لگانے کے مترادف ہے۔ اس لئے اس فقرے میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے جو تم خدا کے متعلق سوچتے ہو۔ دوسرے فقرے میں بتایا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ ان ضرورتوں اور حاجتوں سے بھی بے نیاز ہے جس کی وجہ سے فانی انسان کو بیٹا پیدا کرنے اور بیٹا بنانے کی ضرورت پیش آئے۔

۲۔ بیٹا بنانے کی انسانی اختراع اور سبب اور وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر کسی بچے کو بیٹا بنالے، دوسرے فقرے میں اس کا جواب یہی دیا گیا ہے کہ اس قسم کی حاجت اور ضرورت سے بھی بے نیاز ہے۔ لہٗ مافی السمٰوٰت وما فی الارض کہ زمینوں اور آسمانوں میں سب کچھ اُس کی ملکیت ہے اور اُس کے بندے ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی لگاؤ اور تعلق نہیں ہے کہ وہ سب کو چھوڑ کر ایک کو بیٹا بنالے یا اکلوتا ولی عہد مقرر کرے۔

صفات کے اعتبار سے خدا بے شک اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے، مگر اس محبت کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ تعالیٰ کسی بندے کو بندگی کے مقام سے اُٹھا کر خدائی میں شرکت کا مقام دے دے۔ ملک سے مراد بادشاہی حاکمیت اور اقتدار ہے۔ اس کی فرمانروائی میں ذرا بھر بھی کسی کا کوئی حصّہ نہیں، تو یہ بات خود بخود لازم آتی ہے کہ معبود بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ کیونکہ انسان جس کو معبود بناتا ہے اُس کے خیال میں یہ ہوتا ہے کہ خدا کے پاس اختیار ہے، طاقت ہے جس کی وجہ سے وہ انسان کو نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ہماری قسمتوں یا حالتوں پر اچھا یا بُرا اثر ڈال سکتا ہے۔ بے طاقت، بے اختیار اور بے اثر ہستیوں کو ماویٰ و ملجا، معبود و مسجود بنانے کے لئے احمق سے احمق آدمی بھی تیار نہیں ہوتا۔

توحید کا اثر

جب یہ معلوم ہو جائے کہ خدا کے سوا اس کائنات میں کسی کے پاس کوئی زور نہیں، کوئی اختیار اور طاقت نہیں تو پھر نہ کوئی گردن اُس کے سوا کسی کے آگے جُھکے گی، نہ کوئی ہاتھ اُس کے سوا کسی کو نذر پیش کرنے یا سوال کرنے کے لئے پھیلے گا، نہ کوئی زبان اُس کے سوا کسی کی حمد کے ترانے گائے گی یا دُعا و التجا کے لئے کسی دوسرے کو پکارے گی اور نہ دنیا کے کسی نادان سے نادان شخص سے بھی یہ بے توفیقی سرزد ہو گی کہ وہ اپنے حقیقی خدا کے سوا کسی اور کو اپنی بندگی و اطاعت کا حق دے دے یا اُس کے سوا کسی اور کو حکم چلانے کا [illegible] مانے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيرًا۔ یعنی یہ نہیں کہ اس ربّ نے کائنات کی ہر چیز کو وجود بخشا بلکہ اس نے ہر چیز کے لئے شکل، جسم، طاقت، استعداد، اوصاف، خصوصیات، کام اور طریقۂ کار، زندگی کی مُدت، ترقی، عروج کی حد اور دوسری تمام تفصیلات مقرر کر رکھی ہیں جو اس چیز کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر اسی خدا نے اس عالمِ وجود میں وہ وسائل، اسباب اور مواقع بھی پیدا کر دیئے جس کے ذریعہ سے وہ اشیاء اپنے اپنے دائرے میں اپنے اپنے حصّے کا کام انجام دیتی ہیں۔

خدائی اور معبودیت کے ان اختیارات اور اوصاف کے بعد ارشاد ہوتا ہے: وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

لوگوں نے ان مندرجہ بالا اوصاف و اختیارات والے رب کو چھوڑ کر ایسے معبود بنا لئے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو خود اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ جو نہ مار سکتے ہیں اور نہ زندگی دے سکتے ہیں اور نہ مرے ہوؤں کو پھر سے زندہ کر سکتے ہیں۔

ہمارا رویّہ

اللہ تعالیٰ کے ان تمام اختیارات اور صفات کے علاوہ قرآن کریم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ خدا کے سوا اس کائنات میں نہ کوئی دوسری ذات مالک ہے نہ اُس کی شریک ہے، تو پھر انسان کو چاہیئے کہ وہ صرف اور صرف اُسی خدا کا فرمانبردار اور اُسی کے قانون کا پابند ہو اور رحمٰن کے بندوں کی اس صفت سے کہ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰہ۔ آخر۔ رحمٰن کے بندے رحمٰن کے بغیر حاجت روا، مُشکل کشا، شافع الامراض اور دافع البلیّات کی حیثیت سے کسی اور کو نہیں پکارتے ہم نے اگر خود کو رحمٰن کا پسندیدہ بندہ بنانا ہے تو اس صفت سے مُتصف کرنا ہوگا۔

مگر ہم اللہ پر بھروسے کی بجائے پیروں فقیروں کو پُکارتے ہیں، اُن کی نذر مانتے ہیں۔ مشرکینِ مکّہ کی طرح چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اپنی حاجات کی پرچیاں ان مزاروں پر لٹکاتے ہیں۔ دولت مانگنے کے لئے ان مزاروں پر ریت کی ڈھیریاں لگاتے، شادی کے لئے ڈولیاں گھماتے ہیں۔ اولاد کے لئے تنکوں پہ پگڑیاں باندھتے ہیں۔ یہ سب حرکتیں حرام اور شرک ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: نذر ہونے والی کوئی چیز کسی مصیبت کو نہیں روک سکتی۔ اس سے نہ کوئی کام بنتا ہے نہ بگڑتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا ہے کہ بخیل اور کنجوس جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ نذر مان کر اس لالچ میں خرچ کرتا ہے کہ یہ رشوت اور معاوضہ قبول کر کے میری تقدیر بدل دے۔ اصل نذر تو صرف اللہ اور اُس کی خوشنودی کے لئے ہوتی ہے۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اے ایمان والو، عالموں اور پیروں کی بڑی تعداد کا یہ عالم ہے وہ لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ سے بھٹکاتے ہیں۔ عالم اور درویش یہ ظلم ہی نہیں کرتے کہ فتوے بیچتے ہیں، رشوتیں کھاتے ہیں، نذرانے لوٹتے ہیں۔ ایسے ایسے مذہبی ضابطے اور مراسم ایجاد کرتے ہیں جن سے لوگ اپنی نجات اُن سے خریدتے ہیں۔ تعویذ گنڈوں اور نذر نیاز کے ذریعہ دولت کمانا، اپنے تعویذات پر لوگوں کا اعتبار بٹھانا یہ شرک نہیں تو کیا ہے؟

یہ اللہ والے عالم دین اور درویش غریب اور اَن پڑھ لوگوں کو پھانستے ہیں، سرمایہ داروں کو اُلّو بناتے ہیں، اپنا مرنا جینا غم شادی، غرض کوئی موقعہ انہیں کھلائے پلائے بغیر نہیں کرتے۔ اُن کی قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہوتے ہیں اور جب کوئی خدا کا بندہ توحید کی آواز اُٹھاتا ہے تو سب سے پہلے ہی عالم اور درویش اپنی فریب کاریوں اور فنکاریوں کے ہتھیار لے کر خدا کے دین کا راستہ روکتے ہیں اور مقابلے پر نکل آتے ہیں۔

واقعات و امثال

کہتے ہیں کسی ملک میں کوئی اللہ کا بندہ رہتا تھا۔ ایک امیر نے اُسے عقیدت اور محبت کے طور پر قیمتی لباس بھیجا کہ قبول فرمائیے۔ اُنہوں نے لباس کو دیکھا، تعریف کی اور واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اسے لینے سے معذور ہوں۔ میرا یہ پیوند لگا ہوا لباس میرے لئے بہتر ہے، کیونکہ میں اس لباس میں کسی کا احسان مند

Marfat.com

نہیں ہوں۔ میری نظریں کسی کے سامنے جھکتی نہیں ہیں، جو لباس مجھے کسی کا احسان مند بنا دے، مجھے کسی کے سامنے جھکا دے میرے کس کام کا؟

۲۔ اسی طرح کے ایک اللہ کے بندے کو شاہی کھانا بھیجا گیا ہے۔ آپ نے وہ روغنی چکنا کھانا آئینے پر مَلا تو آئینہ دھندلا گیا اور جب اپنی روکھی سوکھی جو کی روٹی اس پر ملی تو شیشہ صاف اور شفاف ہو گیا۔ کھانا لانے والے سے کہا۔ بھائی جس طرح اس شاہی کھانے سے شیشہ دھندلا گیا ہے اسی طرح اس سے دل کا شیشہ میلا ہو گا جبکہ میری یہ روکھی سوکھی روٹی صاف اور شفاف رکھے ہوئے ہے۔ اللہ کے بندے دنیاوی لذات اور رنگینیوں میں نہیں اُلجھتے۔ دنیا کی آلودگیوں سے دامن بچائے رکھتے ہیں۔ لالچ اور حرص کے پھندے گلے میں نہیں ڈالتے، نہ خاص رنگ ڈھنگ اختیار کرتے ہیں، نہ مالے اور منکے پہنتے ہیں، نہ فقیری کے لئے روپ دھارتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے چرسی بھنگی، پاگل، مخبوط الحواس اور گندے غلیظ کپڑوں میں ملبوس، بال داڑھیاں اُلجھی ہوئی نیم برہنہ لوگوں کو خدا کا ولی اور بزرگ مانتے ہوئے اچھے اچھے اور معقول لوگوں کو دیکھا ہے۔ اُن کا احترام کرتے، ہاتھ چومتے اور اُن کے آگے سر جھکاتے دیکھا ہے، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ہماری دوستی اور خدا کی دوستی کا معیار اتنا کیوں مختلف ہے۔ ہمارے دوست تو خوبصورت ہوں، وجیہہ اور شکل دار ہوں، صاف ستھرے ہوں، اعلیٰ انسان ہوں، کوٹھیوں والے ہوں، مگر خدا کے جنہیں دوست سمجھ کر پوجا جائے، وہ گندے اور غلیظ، چرسی و بھنگی کیوں سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ جو دوسرا حکم تبلیغ دین کے لئے ملا تو ساتھ یہ تاکید بھی فرما دی؛ قُم فانذر وربّک فکبّر وثیابک فطھر والرجز فاھجر۔ اے نبی اُٹھیئے لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیے۔ اللہ کی بڑائی بیان کیجئے۔ کپڑے پاک و صاف اور ستھرے رکھیئے اور گناہوں کی گندگی سے بچیئے۔

۳۔ کسی بادشاہ نے اپنے ملازم کو اشرفیوں کی تھیلی دے کر ہدایت کی اُسے جا کر زاہدوں درویشوں میں تقسیم کر دو۔ وہ تھیلی لے کر خانقاہوں، تکیوں، مسجدوں، قبرستانوں، لنگر خانوں میں اور شہر کی گلیوں میں گھوما پھرا اور شام کو تھکا ہارا واپس آیا تو تھیلی اسی طرح مُنہ بند سالم کی سالم بادشاہ کو دے دی اور کہا کہ جہاں پناہ آپ نے میرا بڑا امتحان لیا تھا۔ بادشاہ نے کہا۔ اس میں کیا مشکل تھی اور کونسا امتحان، روپیہ کمانا مشکل ہوتا ہے بانٹنا اور خرچ کرنا تو آسان ہوتا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ بادشاہ سلامت جو زاہد تھے وہ ان اشرفیوں کو لیتے نہ تھے اور جو مجھ سے مانگتے تھے میں انہیں دیتا نہ تھا۔ بادشاہ نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا۔ مانگنے والے زاہد نہ تھے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: کون ہے جو بلا اجازت اللہ کے حضور سفارش کر سکتا ہے۔ سورہ کہف میں ارشاد ہے کہ کیا بندوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ کر ہمارے بندوں کو کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا بنائیں گے اور ہماری طرف سے انکی باز پُرس نہ ہو گی۔ ہم نے ایسے کافروں کے لئے دوزخ بنا رکھی ہے۔ سورہ سبا میں خبردار کیا گیا ہے کہ اے پیغمبرؐ! مشرکین سے کہو، جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا ہے انہیں پکار کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت میں انہیں ذرا بھی اختیار نہیں بجز اس ایک ذات کے، جسے وہ خود اجازت

Marfat.com

دے گا۔

توحید اتحاد کا ذریعہ ہے

توحید ہی صرف اتفاق واتحاد کا ذریعہ ہے۔ دُنیا کے تمام مشرکین اس بات پر متفق نہیں ہوئے کہ خدا کے ہاں رسائی کا ذریعہ کونسی ہستیاں ہیں کسی کے نزدیک دیوتا اور دیویاں تھیں، کسی کے نزدیک چاند اور ستارے کسی کے نزدیک وفات یافتہ بزرگ اس کا ذریعہ ہیں۔ ان کے درمیان بھی اختلافات ہیں کہ کوئی کسی ایک بزرگ کو مانتا ہے تو کوئی دوسرے کو، کیونکہ کسی کو بھی علم نہیں کہ کونسا بزرگ خدا کا مقرّب ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے مشہور فتوے میں لکھا ہے کہ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ فرشتے، نبی یا کسی شیخ ولی یا پیر سے، چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ یہ کہا جائے کہ میری مغفرت فرمائیے یا کرائیے۔ دشمن پر فتح دیجئے یا دلائیے۔ بیمار کو شفا دیجئے یا دلائیے یا رُکا ہوا کام پورا کیجئے یا کرائیے۔ اس قسم کی ہر التجا، ہر بات منع ہے جو خدا کے بغیر کسی سے بھی کی جائے۔ جو ایسا کرتا ہے شرک کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام لوگوں سے بھاگ رہے تھے جو انہیں پکڑنے کے لئے پیچھا کر رہے تھے، جو بستی سے نکل کر ٹیلوں، پہاڑوں، کھوہ میں چھپتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ آخر جب لوگ قریب پہنچے تو انہوں نے سامنے درخت سے سوال کیا کہ مجھے اپنے اندر چھپا لے۔ خدا کا کرنا درخت کا تنا پھٹ گیا اور اس نے انہیں اندر چھپا لیا۔ حضرت زکریا علیہ السّلام لوگوں کو شرک سے روکتے تھے جو سلیمان علیہ السّلام کے بعد اس قوم میں پھیل گیا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السّلام حضرت سلیمانؑ کے سلسلے کے پیغمبر تھے۔ وہ ترکھان کی حیثیت سے روزی کماتے تھے۔ قرآن کریم کی سُورتوں، سورہ انعام، آل عمران اور سورۂ مریم میں اُن کا ذکر ہے۔ زکریا علیہ السّلام حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے والد اور حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ حضرت یحییٰؑ کو قتل کرنے کے بعد یہودی ظالم انہیں قتل کے لئے اُن کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ پیچھا کرنے والے جب اس درخت کے پاس پہنچے تو شیطان نے انسانی روپ دھار کر انہیں بتایا کہ جسے تم ڈھونڈ رہے ہو وہ اس درخت میں سما گیا ہے۔ لہٰذا تم ایسا کرو کہ آرا لا کر اس درخت کو چیر کر دو ٹکڑے کر دو۔ لوگوں نے آرے سے درخت چیرنا شروع کر دیا۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جب کسی بندے پر مصیبت آئے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارے تو اس پر آسمان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السّلام تک آرا پہنچا اور کھوپڑی پر آرا چلا تو بے اختیار چلاّئے۔ آواز آئی تم صبر کیوں نہیں کرتے۔ اگر ذرا بھی فریاد کی تو تمہارا نام نبیوں کی فہرست سے نکال دیا جائے گا۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر درخت سے پناہ مانگی تو انہیں یہ سزا ملی۔ حضرت زکریاؑ سر سے پاؤں تک چر گئے مگر پھر آہ نہ کی۔ اللہ کے بغیر دوسروں کو پکارنے کی یہ سزا ہے جس سے زکریاؑ جیسے نبی بھی نہ بچ سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب ترین بندوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں پکارتے، اگر ہمیں خود کو خدا کے بندوں اور محبوب بندوں میں شامل کرنا ہے تو اس صفت کو اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ خدا ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

دعوت الی اللہ اہمیت اور انعام

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت قرآنی	حٰم سجدہ۔ خدا کی طرف بلانے کی اہمیت۔ تخلیق آدم کا مقصد ہی یہ تھا۔ نیابت الٰہی۔ خلافتِ الٰہی کی ذمہ داریاں۔ خیر و شر کی کشمکش
۲	ازل سے ابد تک خیر کی طرف بلانے کا کام	معرکۂ خیر و شر آسمانوں سے زمین پر آگیا۔ انبیاءؑ کے ساتھ ابلیسی قوتوں کا ٹکراؤ۔
۳	دعوت الی اللہ کی اہمیت	دین کی طرف بلانا خدا کی امداد کے مترادف ہے۔ سورۂ حشر سورۃ الصفٰت۔ عمل صالح کی شرط دعوت کے لئے لازمی ہے۔
۴	ہماری غفلت اور دعوت کی عدم ادائیگی	نام کی مسلمانی۔ عقیدہ کی سچائی، عمل اور دعوت کا تقاضا کرتی ہے۔ حرفِ آخر

Marfat.com

دعوت اِلَی اللہ کی اہمیّت

آیت معہ ترجمہ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ (حٰمٓ السجدہ) اُس شخص کی بات سے بہتر اور اچھی کس کی بات ہوگی، جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے، نیک عمل کرے اور اس بات کا اعلان کردے کہ میں مسلمان ہوں۔

سورہ حٰمٓ السجدہ کی مندرجہ صدر آیت میں خدا کی طرف بُلانے، اپنے ربّ کو پہچاننے اور لوگوں کو اپنے ربّ کی بندگی کی دعوت دینے کی اہمیّت واضح ہوتی ہے کہ ایسے شخص کی بات سے بہتر اور اچھی کس کی بات ہوسکتی ہے۔ خدا کی طرف بُلانے کی بات اور یہ کام ہی دُنیا میں سب سے زیادہ بہتر اور برتر ہے۔ اس موضوع پر اظہارِ خیال سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ آدم اور ہبوطِ آدم کے خدائی مقصد کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ آدمؑ کی پیدائش کے مقصد اُسے زمین پر اُتارنے اور اپنی نیابت و خلافت کے اعلیٰ و ارفع مقام کا ذکر فرما کر انہیں فرشتوں پر فضیلت بخشتی ہے جس کے نتیجے میں فرشتوں کو آدمؑ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم بخشا۔ سورہ بقرہ کی اس تمام تفصیل میں چند باتیں خود بخود انسانی زندگی کی تخلیق کے مقصد اور مقام کو واضح کرتی ہیں۔

تخلیق آدمؑ کے نتائج

پہلی چیز زمین پر انسان کی خلافت اور نیابت ہے۔ دوسری چیز آدمؑ کو اشیاء کا علم دینا ہے اور تیسری چیز خیر و شر کی ابدی و ازلی کشمکش ہے۔

۱۔ خلافت کا مفہوم و دائرہ اختیار

ہر آدمی جانتا ہے کہ زمین پر آدم کی نیابت اور خلافت میں یہ فریضہ اور ذمہ داری خود بخود موجود ہے کہ خلیفہ کا کام وفاق سے مکمل علیحدگی اور خود مختاری نہیں ہوتا بلکہ مرکز اور وفاق کا اطاعت گزار رہ کر صوبے یا مرکز کے کسی بھی حصّہ حکومت میں اُسے دیئے گئے اختیارات کے تحت اسی حصّہ حکومت کے معاملات کو چلانا ہوتا ہے وہ ان معاملات کو مرکز اور وفاق کی اجتماعی پالیسی اس کی منشا اور اس کے ارادے کے مطابق چلاتا ہے، وہ مرکز کی پالیسی سے ہٹ کر یا پورے ملک کے قانون سے الگ ہو کر اپنی مرضی اور اپنے ارادوں میں آزاد نہیں ہوتا۔

اسی طرح خدا کا خلیفہ بھی خدا کی پوری مملکت کے حصہ زمین پر ارادے، عمل اور خیر و شر کے انتخاب کی پوری آزادی کے باوجود خداوند تعالیٰ کی ہدایت پر چل کر اپنے دائرۂ کار اور حلقۂ اختیار میں خداوند تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ، مالک اور معبود مان کر اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگا رہے اور اسی کے احکامات، ہدایات اور تعلیمات کے نفاذ میں

کوشاں رہے۔

۲۔ علم الاشیاء سے واقفیت آدمؑ کو منصب خلافت پر فائز کرنے کے بعد یہ لازمی تھا کہ اُسے خدا کی خدائی میں موجود قوتوں کا علم حاصل ہو تاکہ پوری کائنات کے نظام میں متحرک اور ردِعمل اشیاء کے خواص سے اسے واقفیت حاصل ہو جسے شعور کہا جاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے علم کے زور سے کام لے کر خدا سے بھٹکی ہوئی، خدا سے بھاگی ہوئی طاقتوں کو خدا کی طرف بلائے اور خدا کی ہدایتوں پر کاربند کرے اور ان اشیاء کے خواص کو کام میں لا کر انسانیت کی فلاح و بہبود میں استعمال کرے جو آج لادین اور خدا کے منکر لوگوں کے ہاتھوں میں آکر انسانیت کی تباہی و بربادی کا سبب بنی ہوئی ہیں اور مسلمان اس سے ناواقف ہو کر اور غافل رہ کر اُن لادین طاقتوں کے دستِ نگر بنے ہوئے ہیں اور ذلیل و خوار ہو کر خلافتِ الٰہی جیسی اعلیٰ و ارفع ذمہ داری کی بجا آوری سے درماندہ اور عاجز رہ چکے ہیں۔ گویا خداوند تعالیٰ نے آدم کو تخلیق و ایجاد کی صلاحیت ہی نہیں بخشی بلکہ باطل قوتوں کے مقابلے میں اُتر کر اپنے علمی استدلال کے ذریعے بھٹکی ہوئی گمراہ انسانیت کا رشتہ خدا سے جوڑنے اور اس کی حاکمیت کو منوانا بھی آدم کی ذمہ داری ہے۔

۳۔ خیر و شر کی کشمکش تیسری اہم بات آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ آدمؑ کی علمی فضیلت اور خدا کی بخشی ہوئی علمی برتری کو تسلیم نہ کر کے محض اپنے تخلیقی مواد اور میٹریل پر غرور میں مبتلا ہو کر شیطان نے نہ صرف آدمؑ کی فضیلتِ علمی سے انکار کیا بلکہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی بھی کر دی، جس خدا نے بقول اس کے اسے بہتر تخلیقی مواد سے پیدا فرمایا تھا۔ یہاں تک سرکشی اختیار کر دی کہ حق و باطل، خیر و شر، ہدایت و گمراہی، اطاعت و سرکشی کی کشمکش اور آویزش کی مسلسل جنگ کا اعلان بھی کر دیا کہ وہ خدا کی اطاعت کے مقابلے میں گمراہی کی نمائندگی بھی کرے گا اور حزب اللہ کے مقابلے میں حزب الشیطان کے لشکر لائے گا۔ چنانچہ رحمانی اور شیطانی طاقتوں کی اس پرانی اور ابتدائی معرکہ آرائی سے لے کر آج کے دور تک شیطانوں کا وہی ایک استدلال اختلافات کی بنیاد چلا آ رہا ہے کہ ہم خدا کو ماننے والوں، خدا کی طرف بلانے والوں غریب، بے وسیلہ اور کمتر ذات کے لوگوں کے مقابلے میں اپنی قوت، اپنے حسب و نسب، ذات پات، قوم اور نسل کے اعتبار سے بہتر اور برتر ہیں۔

آدم اور شیطان کا نفسیاتی پہلو پھر قصۂ آدمؑ و ابلیس پر غور کریں تو وہی غلطی جو ابلیس سے سرزد ہوئی تھی آدمؑ سے بھی ہوئی کہ اُنہیں جس درخت سے منع کیا تھا، ابلیس نے اپنا پہلا شکار انہی کو بنایا اور آدمؑ ابلیس کے بہکاوے میں آکر خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا۔ شیطان نے اُنہیں خدا کے حکم سے پھسلا دیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ شیطان خدا کے حکم کو نہ مان کر اپنی گستاخی اور سرکشی پر ڈٹ گیا اور مقابلے پر کمر بستہ ہو گیا، لیکن آدمؑ اپنی غلطی پر پشیمان ہوئے، روئے دھوئے، توبہ کی تو خداوند تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی، لیکن جنّت سے نکال کر زمین پر اُتارنے کا فیصلہ بحال رکھا، کیونکہ خلافت فی الارض کا جو مقصد، منصوبہ یا پروگرام کا خدائی ارادہ اسی صورت میں ممکن تھا، لیکن زمین پر اُتار کر صاف صاف بتا دیا کہ وہاں آپ کی ذمہ داری کیا ہوگی۔

Marfat.com

وَ قُلْنَا اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥
ہم نے انہیں، آدمؑ و حواؑ، کو حکم دیا کہ جنّت سے نکل جاؤ اور سب زمین پر اُتر جاؤ۔ اگر میری، خدا کی طرف سے ہدایات آئیں تو جو اُن احکام و ہدایات کی تابعداری کریں گے انہیں کوئی خوف اور غم نہ ہوگا اور جن لوگوں نے، تم میں سے اُن ہدایات سے انکار کر دیا اور انہیں جھوٹا جانا تو وہ آگ میں ڈالے جائیں گے، جس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اس طرح گویا حق و باطل، ایمان و کفر اور آدم و ابلیس کے درمیان دشمنی اور مخالفت یا علمی فضیلت اور نسلی برتری کی جہالت کے جس معرکہ کا آغاز جنّت میں ہوا تھا، اُس کا محاذ اور میدانِ کارزار زمین پر منتقل ہو گیا اور یہ سلسلہ آویزش اور کشمکش از آدمؑ تا ایں دم جاری ساری ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

معرکہ آدم و ابلیس کا آغاز

آدمؑ کے زمین پر اُترنے کے بعد اولادِ آدم خدا کی ابتدائی ہدایات پر کاربند رہی۔ اُن کے درمیان نظریوں اور عقائد کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ ایک ہی ملّت اور دین پر قائم تھی، مگر شیطان اپنے پروگرام سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اُن شیطانی گروہوں نے ذاتی مفادات کے پیشِ نظر خدا کی ہدایات میں تحریف و تغیّر کر کے ان میں ذاتی افکار و نظریات اور عقائد کو شامل کر دیا، جس سے اصلی ہدایات کا حُلیہ بگڑ گیا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف سے ترسیل ہدایت کا جو وعدہ فرمایا تھا اُس کے مطابق انسانوں کو انسانوں میں سے اپنے نمائندے منتخب فرما کر اپنا پیغام اور ہدایات بھیجتے رہے تاکہ وہ انسانیت کو راہِ راست پر چلانے اور اُنہیں خدا سے ملانے کا فریضہ انجام دیں اور اُن کے درمیان عقائد و نظریات کے اختلافات مٹا کر ایک ہی نظریے اور ایک ہی سچائی پر متفق کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔ ابتدا میں لوگ ایک ہی اُمّت تھے، ایک ہی ہدایت ربّانی پر قائم تھے۔ پھر خدا نے سچائی پر چلنے والوں کے لئے، خدا کی تابعداری اختیار کرنے والوں کے لئے، خوشخبری دینے والے اور کجروی اختیار کرنے والوں کو خدا کے عذاب سے ڈرانے والے بھیجے تاکہ لوگوں کے درمیان ہدایاتِ ربّانی کے اختلافات کو مٹا دیں۔

اللہ کے یہ نبیؑ مختلف قوموں، ملکوں اور مختلف زمانوں میں آتے رہے۔ وہ ہزاروں کی تعداد میں آئے، اُن سب کا دین ایک تھا اور خدا کی ایک ہی ہدایت لے کر آئے۔ ایک ہی مشن اور ایک ہی مقصد بعثت تھا۔ آخر کار سرزمین عرب میں سے مکہ مکرمہ میں نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ حضورؐ کی دعوت اُن کے لئے بھی تھی جو پہلے نبیوںؑ کی بگڑی ہوئی اُمتیں تھیں اور اُن کے لئے بھی تھی جو عام انسان تھے، کسی نبیؑ کے پیروکار نہ تھے۔ قرآن کریم اسی دعوت و ہدایت کی آخری کتاب ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی اور جس کا مقصدِ نزول انسانوں کو خدا کی طرف بلانا ہے اور

ہدایات خداوندی کو صحیح شکل میں پیش کرنا ہے۔

ابلیسی قوتوں کا حضورؐ سے مقابلہ

شیطانی اور رحمانی قوتوں کا یہ سلسلہ جو آدمؑ کی پیدائش کے بعد ان کے علمی تفوق کی تعظیم سے انکار کی صورت میں شروع ہوا تھا۔ وہ اپنی پوری قوت و جبروت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بھی جاہلیت، شرک اور کفر کے علمبرداروں کی شکل میں سامنے آ گیا اور وہی ہتھیار لے کر آ گیا، یعنی جھوٹے پراپیگنڈوں کا، معاشرتی و معاشرتی مقاطع، طائف کے واقعات کی صورت میں، بدر و حنین کے معرکے، تذلیل و تحقیر کی کمیٹیوں کے روپ میں، ہلڑ بازی کے بازار گرم ہوئے۔ حق کی آواز کو شیطانی شور میں دبایا گیا۔ سچائی، حقیقت اور ہدایت کے تمام راستے بند کر دیئے گئے اور یہ سلسلہ مسلسل نو سالوں تک چلتا رہا اور حالات ایسے مایوس کن بنائے گئے کہ ہماری زیر موضوع آیت سے پہلے کی آیات میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی و اطمینان دلانا ضروری سمجھا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا۔ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ الرَّحِیْمِ۔ (حٰمٓ السجدہ) جن لوگوں نے ایک بار کہہ دیا کہ ہمارا پروردگار رب ہے، پھر اس پر ڈٹ گئے۔ مصائب اور تکالیف کی پرواہ نہ کی۔ اُن پر فرشتے اتارے جائیں گے جو انہیں کہیں گے کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ۔ فرشتے انہیں جنت کی خوشخبری دیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور فرشتے کہیں گے کہ ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھی ہوں گے، جہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تمہیں ملے گی، جس چیز کی طلب ہوگی وہ ملے گی۔ ان لوگوں کیلئے بخشش کرنے والے ربّ کا دسترخوان ہوگا۔

دعوت الی اللہ کی اہمیت

ہمارے موضوع کا جو عنوان ہے کہ — وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ الخ۔ کہ خدا کی طرف بلانے والی بات سے بہتر بات کونسی ہوگی۔ اِسے بہتر بات ہی نہیں کہا گیا بلکہ انفرادی عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی نیکی تو ہے، مگر آدمؑ سے لے کر حضورؐ تک کے اس پورے پس منظر کو ذہن میں رکھ کر سوچا جائے تو خدا کی طرف دعوت دینے کا عمل اور کام خدا کے پیغمبروں کے فریضہ کا ایک گونہ تسلسل ہے۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنا اور اُن کے مشن اور کام کو جاری رکھنا ہے۔ ایسے افراد و اشخاص کو خداوند تعالیٰ نے اپنی رفاقت اور اپنا مددگار ہونے کا شرف بخشا ہے جو روحانی ترقی کا اعلیٰ اور افضل مرتبہ ہے۔ سورۂ محمدؐ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یا ایّھا الّذین اٰمنوا ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی طرف لوگوں کو بُلا کر خدا کی مدد کرو گے۔ اللہ کے دین کے نفاذ میں امداد دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہوگا۔ تمہیں اس کام میں ثابت قدم رکھے گا۔ سورۃ الحدید میں ارشاد ہوتا ہے، وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیاں اور ہدایات دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب ہدایت اور میزان نازل کی تاکہ لوگوں کو انصاف پر قائم رکھیں۔ یعنی اسلام کا نظامِ عدل و انصاف قائم رکھیں اور لوہا اتارا جس میں طاقت بھی ہے اور لوگوں کا نفع بھی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ خدا کو معلوم ہو جائے کہ کون خدا کو دیکھے بغیر اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ قدرت والا اور زبردست ہے۔

Marfat.com

دین کی دعوت خدا کی امداد ہے

انسانی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی نظام عدل و مساوات قائم کرنا، جس میں کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو، خدا وند تعالیٰ کا منشاء، پیغمبرانِ خدا کا مشن اور بندگانِ خدا کا فریضہ ہے۔ اس مشن کو پورا کرنے اور نظامِ عدل کو برپا کرنے کے لیے ان آیات میں لوہا اُتارنے کا ذکر خاص طور پر جنگی قوت کا حصول اور اظہار ہے تاکہ نظام عدل کے خلاف برسرِ پیکار قوتوں کے ساتھ ٹکرایا جا سکے، ان کی سرکوبی کی جا سکے اور کون نہیں جانتا آج کی جنگی قوت اور حربی ضرورتوں میں لوہے کا کتنا عمل دخل ہے اور خدا کے بتائے ہوئے نظامِ عدل کے قیام کی کشمکش اس لئے ضروری ہے تاکہ کھوٹے اور کھرے کا پتہ چل جائے کہ کون خدا کو دیکھے بغیر اس کے دین کو غالب کرتا ہے۔ خدا کے رسُولوں کے مشن کو برقرار رکھ کر خدا کا مددگار بنتا ہے اور کون پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور کون حق و باطل کی کشمکش میں دُور بیٹھا تماشا دیکھتا ہے، ورنہ خدا وند تعالیٰ اپنی ذات میں اتنی قدرت اور طاقت رکھتا ہے کہ وُہ چاہے تو کسی کی مدد کے بغیر باطل قوتوں کو ٹکرا کر اپنے رسُولوں کو کامیاب کر دے، لیکن ایسا کرنے میں اہلِ ایمان کی کیا آزمائش ہوگی اور ان کا کیا کمال ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دعوت لے کر اُٹھے اور اس دعوت کے لیے جن تکالیف، مصائب اور شدائد سے گزرے حتّٰی کہ اپنا وطن، شہر، رشتہ دار اور اپنی جائیدادیں چھوڑنا پڑیں۔ اس کا ذکر سورۂ حشر میں یوں فرمایا: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ جزیہ اور خراج سمیت وہ رقم جو غیر مسلموں سے حاصل ہو، وہ ان غریبوں اور مہاجروں کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکالے گئے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے فضل اور مہربانی کی تلاش اور خدا کی خوشنودی کے لئے ایسا کیا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی امداد پر کمربستہ ہیں، یہی لوگ اپنے دعوئ ایمان میں سچّے ہیں۔

سورۂ الصف میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ کون خدا کی طرف بُلانے کے کام میں میری مدد کرتا ہے؟ تو حواریوں نے جواب دیا۔ ہم اللہ کے مددگار ہیں، اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ پھر ہم (اللہ) نے اہلِ ایمان کو اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو کر رہے۔

عمل صالح کی شرط

قرآن کریم کی ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدا وند تعالیٰ کی طرف بلانے کا کام پیغمبروں کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے تو اس مقصد کی تکمیل میں رسُولوں کے ساتھ مل کر یا اُن کے بعد اس مقصد کو جاری رکھنا اللہ کی امداد اور خدا کا مددگار بننے کے منصب پر سرفرازی کی عزّت حاصل کرنا ہے۔ آج کی زیر بحث آیت میں خدا کی طرف بلانے کے عمل کو بہترین عمل یا بات کہا گیا ہے، مگر ساتھ عمل صالحًا بھی فرمایا گیا ہے کہ وہ اس

دعوت کے مطابق خود بھی نیک عمل کرے ۔ تب اُس کی بات اور دعوت مؤثر ہوگی، ورنہ دعوت دینے والے کا ذاتی عمل اگر دعوت کے مطابق نہ ہو تو اُس کی دعوت، جس پہ وہ خود عمل نہیں کرتا، دوسرے کیا کریں گے ۔

ہماری طرح کے واعظ مضمون نگار، محراب و منبر اور قلم و قرطاس ہی دعوت کے جلوے دکھائیں۔ کچھ دار تقریریں کریں۔ اپنے علم کا زور اور خطابت کا شور اور طوفان تو اُٹھائیں، مگر معمولی معمولی باتوں میں اور اکثر غیر نفع بخش صورتوں میں ان کا طرزِ عمل اپنی خطابت اور نگارش سے مختلف دیکھا جائے تو یہ طرزِ عمل " دعوت الی اللہ" کے ذریعہ لوگوں کے خدا کی طرف آنے کی بجائے اُلٹا نفرت و حقارت کا موجب بن جاتا ہے ۔ دوسری بات یہ کہ جس عقیدے، جس نظریئے، جس ہدایت اور جس دعوت کی طرف کوئی بلاتا ہے۔ اس پر اس کا اپنا اتنا پختہ یقین ہونا چاہیئے کہ اُسے اپنے قول اور عمل کے اظہار سے تسلیم کرتا ہو۔ ورنہ قول اور عمل کا تضاد اُس کی دعوتی فکر کو جھوٹا ثابت کردے گا۔

آج کے دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم مردم شماری کے سرکاری ریکارڈ اور شناختی کارڈ کے مسلمان تو ہیں، مگر اسلام کے مطابق عمل اور کام کے مسلمان نہیں ہیں۔ ہم میں سے جو مسجد کو نہیں آتے یا نماز کے پابند نہیں ہیں وہ خارج از بحث ہیں، مگر جو مسجد کو آتے ہیں اُن کی مسلمانی بھی سمٹ سمٹا کر مسجد تک محدود ہے مسجد سے باہر بازاروں، عدالتوں، دفتروں، اداروں، کارخانوں، کھیتوں، گھروں، حکومت کے ایوانوں، نجی مجلسوں، وزارتوں اور صدارتوں کے مناصب پر اسمبلی کے اندر غرض ہر آدمی اپنے اپنے دائرۂ کار میں وہ سب کچھ کر رہا ہے جو غیر مسلم کر رہے ہیں۔ غیر مسلموں کے ہاں پھر بھی وطن اور قوم کے حق میں دیانتداری اور امانتداری کا جذبہ ہے۔ ہمارے ہاں وہ بھی نہیں ہے۔ قول و عمل کے اسی تضاد کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۔ اے ایمان والو، وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے ۔ خدا کے نزدیک یہ انتہائی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وُہ کچھ کہو جس کو کر کے نہ دکھاؤ۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق قول اور عمل کا کھلا تضاد منافقت کی علامتوں میں سے ایک ہے کہ آدمی دعویٰ تو مسلمانی کا کرے، مگر اپنے عمل سے اسلام کی تکذیب کرے ۔

دعوتِ دین اور ہم

ہمارے ہاں حکومت اور سیاست کے تمام اکابرین اسلامی نظام کے نفاذ کے دعوے لے کر آتے ہیں اور جب اقتدار کی مسندوں پر براجمان ہوتے ہیں تو اُسی اسلام کے راستے کو روکتے ہیں۔ ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں اور اقتدار کو طول دینے میں لگے رہتے ہیں اور ایسا کرنے والے نہ ہندو ہیں نہ روسی ہیں نہ امریکی ہیں بلکہ سب مسلمان ہیں ـــ اب رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ دین کی تکمیل ہو چکی ہے مسلمانوں کے پاس ہدایات ربّانی اور تعلیماتِ نبویؐ بغیر کسی تحریف کے موجود ہیں۔ حضورؐ کی سنت اور صحابۂ کرامؓ کا عمل زندگی کے تمام شعبوں اور دائروں میں ہماری رہنمائی اور ہدایت کے لئے موجود ہے۔ اب نہ کسی نبیؑ نے آنا ہے اور نہ کسی کتابِ ہدایت نے اُترنا ہے تو یہ ہمارا فرض ہے کہ اپنے ارد گرد اور آس پاس سے لے کر اپنے اپنے دائرۂ کار اور دائرۂ عمل میں لوگوں کو خدا کی اس ہدایت کی طرف بلائیں۔ ان پہ خود بھی چلیں اور دوسروں کو بھی چلائیں تاکہ ہمیں خدا کی رفاقت اور اُس کی مددگاری کا شرف حاصل ہو۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

Marfat.com

وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ تم میں ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور برائیوں سے روکنے کا کام کرتا رہے۔ کیونکہ تم ہی اُمتوں میں سے بہتر اُمت ہو جسے یہ فریضہ سونپا گیا ہے اور یہی لوگ کامیاب لوگ ہوں گے۔ اس فریضہ کی ادائیگی ہمارا فرض بھی ہے اور مسلمان ہونے کے حوالے سے اس کا تقاضا بھی ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی ہماری بہترین اُمت ہونے کا ثبوت بھی ہوگی۔ ورنہ برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں کی طرف دعوت دیئے بغیر نہ ہم بہترین انسان کہلا سکتے ہیں اور نہ بہترین اُمت ہونے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

حرفِ آخر

ہماری زیرِ بحث آیت میں جو اس تقریر اور مضمون کا سرِ عنوان ہے، یہی کہا گیا ہے کہ اس شخص کی بات سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلایا جائے اور بلانے والا خود نیک عمل کرنے والا بھی ہو اور جو اپنے قول اور فعل دونوں اعتبار سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کرے۔ آج اپنی اپنی قوموں، نسلوں، پیشوں اور ملازمتی طبقوں کی تنظیمیں تو بنتی ہیں مثلاً طلبہ کی تنظیمیں، اساتذہ، مزدوروں، کسانوں حتیٰ کہ کھیلوں کی تنظیمیں بھی ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے اپنے اغراض و مقاصد کا پرچار کرتے ہیں، چندے اکٹھے کرتے ہیں منصوبے اور پروگرام وضع ہوتے ہیں۔ حکومت سے مطالبات منوائے جاتے ہیں۔ مگر ہمارے لئے کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے شہروں میں ایسی کوئی تنظیم نہیں بنتی جو نیکیوں کی طرف دوسروں کو بلائے اور برائیوں کے خلاف ڈٹ جائے۔

قابلِ عمل بات

بڑے پیمانے پر نہ سہی اپنے گھر کی اصلاح تک ہم اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہوتے، کیونکہ نیکی اور اصلاح کا کام گھر سے شروع ہوتا ہے۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤ۔ اصلاح اور خیر کا یہ دائرہ محلے، گاؤں، شہروں اور علاقوں تک پھیلتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر خود بھی سختی سے کاربند رہو۔ ہم تم سے رزق کا سوال نہیں کرتے کہ تم ساری زندگی رزق کے حصول میں لگا دو اور اپنے اصلی فریضہ یعنی نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے سے غافل ہو جاؤ۔ رزق دینا تو ہمارا ذمہ ہے۔ اللہ سے ڈرو کہ اللہ سے ڈرنے والوں کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ہم سب کو خدا کی طرف بلانے اور برائیوں سے روکنے کے ساتھ ساتھ خود بھی نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہماری دعوت میں تاثیر پیدا ہو جائے۔ آمین یا رب العالمین۔

Marfat.com

دعوت الی اللہ کیلئے استقامت کی ضرورت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	ترجمہ و آیت۔ بیان نزول	حٰمٓ السجدہ ترجمہ۔ دین کی دعوت میں سختیاں۔ پوری سورت کا اندازِ تخاطب۔ استقامت کی تعریف۔ عقیدے کا اختلاف ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔ سورۂ احقاف ۱۳-۱۴، عقیدے کا اعلان اور تبلیغ مخالفت کا سبب ہوتی ہے
۲	حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی تکالیف	حضورؐ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت بلالؓ۔ خباب بن ارتؓ۔ حضرت زبیرؓ کی استقامت۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کا واقعہ
۳	واقعات و امثال	

Marfat.com

دعوت الی اللہ میں استقامت کی ضرورت

آیت ترجمہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ (سورہ حم السجدہ: ۳۰ تا ۳۲)

"جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار ہمارا اللہ ہے، پھر وہ اپنے اس اعلان پر ڈٹ گئے، قائم رہے تو اُن پر فرشتے اُتریں گے اور وہ انہیں کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غم کھاؤ۔ فرشتے انہیں جنت کی خوشخبری دیں گے جس جنت کا خدا نے اُن سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ فرشتے انہیں کہیں گے کہ ہم دُنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں تمہارے دوست رہیں گے۔ جنت میں تمہارا جس چیز کے لئے جی چاہے گا وُہ ملے گی اور جس چیز کی تمہیں طلب ہوگی، دی جائے گی۔ یہ سب کچھ جنت میں اس بخشش کرنے والے رب اور مہربان خدا کی طرف سے اُتارا ہوا دستر خوان ہوگا۔"

تشریح وتفسیر گذشتہ صفحات میں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانے کی اہمیت اور اُس فریضہ کی ادائیگی کیلئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا تھا۔ آج اس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں یہ بتانا ہے کہ خدا کی طرف بلانے اور اقامتِ دین کی کوشش کرنے کا کام اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کی مشکلات کا اندازہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دین کی دعوت کو قبول کرنے والوں، دوسروں کو دین کی طرف بلانے والوں کو قرآن کریم میں جگہ جگہ اطمینان تسلی اور حوصلہ دیا ہے۔ مندرجہ آیات بھی انہی حوصلہ افزائیوں میں سے چند آیات ہیں کہ جو لوگ اللہ کو اپنا ربّ مانتے ہیں تو اس اعلان کے ساتھ ہی دنیا کے مجازی خدا اور اُن کے پیروکار ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، ان پر سختیوں، تکالیف اور ایذا رسانیوں کے طویل سلسلے شروع ہو جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

تو اُنہیں اللہ تعالیٰ سختیاں لاکر آزمائے گا ضرور، مگر اِنہیں بے یار و مددگار اور بے سہارا نہیں چھوڑا جائے گا۔ آسمان سے فرشتے ان کی امداد میں اُتریں گے جن کی اَن دیکھی امداد انہیں خوف و غم سے نجات دے گی اور انہیں قدم قدم پر محسوس ہوگا کہ خدا کی تائید اور امداد اُن کے ساتھ ساتھ ہے، انہیں ہر گھڑی فرشتوں کی سنگت اور رفاقت محسوس ہوگی۔ جنّت

Marfat.com

کا کیا ہوا وعدہ اور ان میں موجود نعمتیں ملنے کی خوشخبری دی جاتی رہے گی۔ جس کے نتیجے میں اسلام کی قبولیت اس کے نفاذ اور دین کے غلبہ کی ہر تکلیف اور مصیبت میں حوصلہ برقرار رہے گا اور قدم مضبوط ہوں گے۔

شانِ نزول

اس پوری سورت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام کے ابتدائی دور کی صورت ہے۔ اس کا زمانۂ نزول حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے پہلے اور حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کے بعد کا عرصہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ مسلمان مشرکینِ مکہ کے ڈر سے کھلم کھلا نماز نہ ادا کر سکتے تھے۔ مسلمانوں پر پھبتیاں کسی جا رہی تھیں الزامات لگائے جا رہے تھے۔ بدگوئی اور بدگفتاری کی انتہا کر دی گئی تھی۔ ان مٹھی بھر مسلمانوں کی جانیں ہر قسم کے ظلم و ستم کا شکار ہو کر مایوسی، بے یار و مددگاری، بے آسرا، بےکسی اور بےبسی کے عالم میں تھیں۔ انہیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے یہ تسلی آمیز، اطمینان بخش آیات نازل ہو کر حوصلہ اور سہارا بخشا گیا۔ اس سورت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانے سیرت نگار حضرت محمد اسحاق نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مسجدِ حرام میں سردارانِ قریش کی محفل جمی ہوئی تھی کہ حرم شریف کے دوسرے گوشے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ، جو حضرت ابوسفیان کے خسر تھے، حضورؐ کے سامنے چند تجاویز پیش کرنے کے لئے آئے۔ انہوں نے آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب کی تعریف کر کے انہیں قوم میں تفرقہ پھیلانے، ان کے بتوں کو برا بھلا کہنے سے روکتے ہوئے کہا کہ اگر آپؐ یہ کام دولت کے حصول کے لئے کر رہے ہیں تو ہم سب مل کر آپؐ کو مالدار بنا دیتے ہیں، اگر آپؐ قوم کی بڑائی اور سرداری چاہتے ہیں تو ہم سب آپؐ کو سردار بنا دیتے ہیں۔ اگر آپؐ یہ سب کچھ بادشاہت کے لئے کر رہے ہیں تو ہم آپؐ کو بادشاہ بنانے کو تیار ہیں، اگر آپؐ کے اندر دنیا کے ان اعلیٰ مراتب میں سے کسی کی خواہش نہیں تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ پر کسی جن کا اثر یا جادو کا پنجہ ہے۔ یہ بات درست ہو تو پھر آپؐ کے علاج کے لئے تیار ہیں۔ جب عتبہ بن ربیعہ اپنی بات مکمل کر چکا تو حضورؐ نے اس کی باتوں کا کوئی جواب دینے کی بجائے اس سورت حٰمٓ السجدہ کی تلاوت شروع کر دی۔ تلاوت کے دوران اس سورت میں واقعہ سجدہ پڑھ کر سجدہ فرمایا اور جب اس آیت پر پہنچے: فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ "اگر یہ لوگ تمہاری دعوت کی سچائی اور صداقت کو نہ مان کر منہ موڑیں، انکار کر دیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں عاد اور ثمود پر آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں"۔ تو عتبہ نے حضورؐ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا خدا کے لئے اپنی قوم پر رحم فرمائیں۔ عتبہ جب سردارانِ قریش کے پاس واپس آیا تو کہنے لگا، جو کچھ میں نے سنا ہے وہ ایسا کلام نہیں جیسے سحر، شعر اور کہانت کہا جائے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ کلام رنگ لائے گا۔

سورت کا انداز

اس پوری سورت میں عتبہ کی تجاویز، اس کے اندازِ ترغیبات و تحریصات سے صرفِ نظر کر کے اس کی کسی تجویز کا جواب دیئے بغیر ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے جو ہر شریف آدمی کسی بیہودہ کمینے کے جواب میں اختیار کرتا ہے، چونکہ عتبہ نے حضورؐ کو جاہ پرست، جاہ پسند، اقتدار پسند، دولت کا پجاری سمجھ کر سودا بازی کرنا چاہی تھی اور اس سودے بازی سے انکار کی صورت میں دیوانہ اور مجنون کہہ کر توہین کی تھی تو ایسی بیہودہ گفتگو، جھوٹے الزامات اور گرے ہوئے گندے انداز کے جواب میں اس سورت میں انہیں سرے سے کوئی اہمیت نہ دے کر صرف

Marfat.com

اپنی بات کہی گئی۔ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی، بداخلاقی اور ان کے اعتراضات پر انہیں خدا کا خوف دلایا گیا۔ اہلِ ایمان کی حوصلہ افزائی کی گئی، کیونکہ اس وقت تبلیغِ اسلام تو بڑی بات ہے۔ خود ذاتی طور پر کسی کا اسلام پر قائم رہنا اپنی جان عذاب میں ڈالنے کے برابر تھا۔ وہ خود کو بے سہارا سمجھ رہے تھے تو انہیں زیرِ موضوع آیت میں تسلی دی گئی۔

استقامت کی تعریف

استقامت کسے کہتے ہیں اور دینِ اسلام میں اس کا جو اجر اللہ نے رکھا ہے اس کی کیفیت کیسی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف یوں فرمائی ہے، قد قالہا الناس اللّٰہ ربی ثم کفر اکثرھم فمن مات علیہا ثمّ استقام۔ بہت سے لوگوں نے کہا، اللہ ہمارا ربّ ہے، مگر ان میں سے اکثر اپنے قول سے پھر گئے، کافر ہوئے۔ ثابت قدم وہ شخص ہے۔ استقامت یہ ہے کہ انسان مرتے دم تک اپنے عقیدے پر جما رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تعریف یوں فرمائی ہے: لَمْ یُشْرِکُوا لَمْ یَلْتَفِتُوْا اِلیٰ اِلٰہٍ غَیْرِہٖ ۔ خدا کو ربّ کہنے کے بعد اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ نہ کسی دوسرے معبود کی طرف توجہ دی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر ہمارے موضوع والی آیت تلاوت فرما کر استقامت کے متعلق فرمایا۔ خدا کی قسم استقامت اختیار کرنے والے وہ ہیں جو خدا کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ لومڑیوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑتے نہ پھریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جس نے اپنے عمل کو اللہ کے لئے خاص کر دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے استقامت کی تعریف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض فرمانبرداری کے ساتھ ادا کرتا رہے۔ ان تمام تعریفوں میں استقامت کے لئے ایک تعریف یا مفہوم مشترک ہے کہ انسان جس عقیدے، جس نظریے کو سچا مان کر اسے تسلیم کرلے تو پھر اس کا اظہار کرکے اس کے مطابق عملی اظہار کرے یعنی وہ نظریہ اگر خدا کی پرستش کا ہے تو اُسی کی عبادت کرے۔ دنیا کے تمام خداؤں سے بیزاری کا اظہار کردے، اگر وہ نظریہ نماز کا حکم دیتا ہے تو پھر ہر حال ہر موسم ہر قسم کے حالات میں اس کی ادائیگی کرے۔ اگر وہ نظریہ و عقیدہ جھوٹ بولنے سے منع کرتا ہے تو کسی بھی حال میں جھوٹ نہ بولے۔ خواہ اس کے جھوٹ نہ بولنے سے خود اُسے نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو۔ اگر اُس کے عقیدے میں سچ بولنا ہے اور حق کی حمایت اور طرفداری کا حکم ہے تو پھر یہ سچ بڑی سے بڑی قربانی دے کر بھی بولا جائے اور حق کی حمایت میں ہر سختی ہر قسم کا نقصان برداشت کرکے بھی حق کا ساتھ نہ چھوڑا جائے تو عقیدے اور نظریے کے ساتھ یہ وابستگی اور پختگی استقامت کہلاتی ہے۔

عقیدے کا اختلاف برداشت نہیں ہوتا

دُنیا کے جتنے بھی افکار و نظریات ہیں، اگرچہ وہ انسانی ذہن کی پیداوار ہیں، اس لئے وہ درست بھی نہیں ہوسکتے اور پائیدار بھی نہیں ہوسکتے۔ پھر بھی ان میں سے کسی بھی نظریئے اور عقیدے کے حامل گروہ یا معاشرے اپنے نظریئے اور عقیدے کے ساتھ گہری وابستگی اور دائمی تعلق کا تقاضا کرتے ہیں اور کوئی معاشرہ، سوسائٹی یا حکومت یہ نہیں چاہتی کہ کوئی فرد اس نظریئے اور عقیدے کے خلاف بغاوت کرے۔ کمیونزم ہو، سوشلزم ہو، قوم پرستی کا عقیدہ یا وطن پرستی کا ہر عقیدہ اور نظریہ اپنے پیروکاروں سے ایثار اور قربانی ضرور طلب کرتا ہے اور اگر کہیں کوئی فرد اس نظریئے کو نہ مان کر اس کے خلاف کوئی بھی قدم اُٹھائے تو اس نظریئے کا اجتماعی معاشرہ اور اس نظریہ پر قائم حکومت اس فرد کو حکومت اور نظریئے کے خلاف بغاوت کے جرم میں کڑی سزا دیتی ہے۔ اسے جہنم رسید کر دیا جاتا ہے۔

کمیونزم یا سوشلزم کے حامل ممالک اور حکومتوں میں جاسوسی کا نظام اتنا سخت ہے کہ گھر کے افراد بھی ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں کہ حکومت اور نظریئے کے خلاف ہونے والی بات گھر کی چار دیواری کے اندر اور گھر کے چولہے پہ بیٹھ کر کیوں نہ کی جائے، وہ حکومت تک پہنچ جاتی ہے اور بات کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے۔ جیلوں میں ٹھونسے جاتے ہیں، عقوبت خانوں میں گل سڑ جاتے ہیں۔

عقیدے کا اختلاف کشمکش کا موجب ہوتا ہے

ان انسانی تخلیق کردہ عقائد اور نظام کے خلاف بغاوت کرنے والا اگرچہ نئے اختیار کردہ عقیدے میں مخلص اور سچا ہوتا ہے تو اپنی جان کی قربانی دے دیتا ہے، مگر نیا اختیار کردہ نظریہ بدلتا نہیں ہے اور نہ حکومت اُسے زندہ چھوڑتی ہے۔ گویا کسی بھی اختیار کردہ نظریئے کو نہ فرد چھوڑنا برداشت کرتا ہے اور نہ اس عقیدے کا اجتماعی معاشرہ کسی کو تبدیلیٔ عقیدہ کی اجازت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے دنیا میں جہاں اختلافات، عقائد یا نظریات پیدا ہوئے وہ جنگ دائمی دشمنی، لڑائی اور فساد کا باعث بنے اختلافِ خیال نے شیطان کو بغاوت پر اُکسایا اور آج تک خیر و شر کی جنگ جاری ہے۔ اختلافِ خیال اور عقیدہ نے آدمؑ کے بیٹوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنایا تو دنیا پر قتل کی پہلی بنیاد رکھی گئی۔ ثابت یہی ہوتا ہے کہ دنیا میں آج تک عقیدہ عقیدے سے، نظریہ نظریئے سے، خیال خیال سے ٹکرایا ہے، لڑا ہے یا دوسرے لفظوں میں نظریاتی اختلافات نے اقوام و افراد کو باہم لڑایا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عقیدہ اور نظریہ انسان کو آگ میں کود نے، جنگوں کے برپا کرنے، اپنی اور دوسروں کی جان کا جانی دشمن بناتا ہے۔ جب باطل نظریات پر انسانی اور قومی استقامت کا یہ حال ہو تو پھر اسلام کا عقیدہ، خالقِ کائنات کو ربّ ماننے کا عقیدہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول اور اُنؐ پر اُتاری جانے والی کتاب کو خدا کی سچی کتاب ماننے کا عقیدہ تو بدرجۂ اُولیٰ اس قابل ہے کہ اُس کے لئے جان لڑائی جائے، اس پر ثابت قدم رہا جائے سختیاں برداشت کی جائیں اور ہر آزمائش پر پورا اُترا جائے، جبکہ انسان کو یہ یقین بھی ہو کہ فرشتے اُس کے مددگار، خداوند تعالیٰ ان کا محافظ و نگہبان ہو۔ دنیا اور آخرت میں فرشتوں کی رفاقت، اطمینان بخش ساتھ اور جنت کے خدائی وعدہ کا کامل و مکمل یقین بھی ہو۔

دینِ اسلام کی قبولیت کے بعد اس کی تبلیغ و اشاعت کے نتیجہ میں پیش آمدہ مشکلات، تکالیف اور سختیوں کا آنا ایک تو قدرتی طور پہ باطل قوتوں کے ساتھ تصادم کی صورت میں لازمی ہوتا ہے اور یہی تکالیف اور سختیاں اہلِ ایمان کی آزمائش کا سبب بھی ہوتی ہیں کہ کون اللہ کو اپنا رب کہنے کے اعلان پہ ثابت قدم رہتا ہے اور کون ان تکالیف و مصائب کے ہجوم کو دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگتا ہے، پیٹھ پھیرتا ہے اور دینِ اسلام سے منہ موڑتا ہے اور بالآخر مشکلات اور تکلیفات کی ان بھٹیوں میں تپ کر ہی وہ کھرا سونا بنتا ہے اور کندن ہوتا ہے۔ یہ جو اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے اللہ کو ربّ مان کر اس عقیدے پر سختی سے قائم ہوتے ہیں اُن پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ فرشتوں کا نزول ضروری نہیں کہ دکھائی دینے والے یا محسوس کیے جانے والے جسموں کے ساتھ ہو۔ خدا چاہے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے، مگر فرشتوں کے نزول کا مطلب اُن کی رفاقت، معیّت اور مددگاری کی آواز کانوں سے سُننے کی بجائے دل کی گہرائیوں میں قلبی سکون اور دلی اطمینان بن کر اُترتی ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک فرشتوں کا نزول قبر یا موت کے وقت یا میدانِ حشر میں ہوگا، مگر آیت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ زندگی میں دینِ حق کی سربلندی کے لئے جان لڑانے والوں پہ فرشتوں کے نزول کا ذکر ہے تاکہ انہیں تسلی ہو کہ وہ بے یار و مددگار نہیں۔ جس طرح باطل قوتوں کے ساتھ شیطان کی مدد ہوتی ہے اسی طرح

اس دنیا میں فرشتوں کے ذریعے اہلِ ایمان کی مدد ہوتی ہے۔ نہ ڈرنے اور خوف نہ کھانے کے الفاظ جامع ہیں یعنی دنیا سے لے کر آخرت تک یہ الفاظ اہلِ ایمان کے لیے باعثِ تسکین ہیں۔ دنیا کے اندر باطل کی قوتیں خواہ کتنی ظالم اور چیرہ دست ہوں ان سے خوف نہ کھاؤ اور نہ اسلام کی خاطر دنیا کے آرام و سکون، جائز و ناجائز آسائشوں اور عیاشیوں کے چھن جانے پر غمگین ہو۔ کیونکہ آنے والی زندگی میں وہ نعمتیں ہیں جو دنیا کی ہر نعمت سے بہتر ہیں۔

اسی مضمون کو سورۂ احقاف میں الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥ (احقاف: ۱۳، ۱۴) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر اس عقیدے اور اعلان پر قائم رہے انہیں نہ خوف ہے اور نہ غم، یہی لوگ جنّت کے حقدار ہوں گے جو اُن کے اِس عمل کی جزا ہوگی۔

سورۂ ہود میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یوں مخاطب فرمایا گیا ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ٥ (ہود: ۱۱۲) اے پیغمبرؐ تم اور تمہارے ساتھ توبہ کرنے والے۔ کفر اور شرک سے مسلمان ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ حد سے تجاوز نہ کرو، خداوند تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں ارشادِ خداوندی ہے: فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ۔ اے پیغمبرؐ آپ لوگوں کو اسی طرح خدا کی طرف بلاتے رہیں اور اپنے اس مشن پر مضبوطی سے قائم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ اپنے مخالفین کی باتوں میں نہ آئیں اور نہ اُن کی خواہشات کی پیروی اختیار کریں۔

عقیدے کا اعلان اور تبلیغ

اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مان کر اُس کی بندگی اور تابعداری پر ثابت قدم رہنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے کہ انسان نہ سختیوں سے گھبرائے نہ تکالیف پر پریشان ہو، نہ ترغیب و تحریص اسے راستہ سے بھٹکائے لیکن کام یہیں پر آکر ختم نہیں ہوتا۔ منکرینِ اسلام اور مشرکینِ مکّہ کو جس بات پر اعتراض تھا، جھگڑے اور تنازعے کا جو سبب تھی، مخالفت کی آگ کو بھڑکانے والا کام یہ تھا کہ وہ علی الاعلان اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے خدا کو اپنا ربّ کہہ کر ان کے ارباب، خداؤں اور بتوں کو کھلم کھلا بُرا بھلا کہتے تھے۔ اپنے عقیدے کا پرچار کرتے تھے، اگر حضورؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ دارِ ارقم میں بند ہو کر یا حرم شریف کا گوشہ مقرر کر کے بیٹھ جاتے اور اپنے مسلک اور عقیدے کی خانقاہی قسم کی بے ضرر تبلیغ کرتے تو پہلے تو اعتراض نہ ہوتا اگر کوئی کرتا بھی تو لوگ کہتے یا رہ یہ غاروں میں بستیوں سے دُور، خانقاہوں میں بیٹھنے والے اللہ اللہ کرنے والے ہیں، کسی کو ان سے کیا خطرہ ہے۔ یہ تقریریں نہیں کرتے، بُرائی کے خلاف جلسے نہیں کرتے، ہماری گناہ آلود مشرکانہ زندگی کو نشانہ تنقید و موضوعِ تقریر نہیں بناتے، ہمارے خلاف الیکشن نہیں لڑتے، حکومت اور اقتدار سے بھاگنے والے ہیں۔ ہمارے سیاسی حریف ہیں نہ اقتدار میں شریک ہیں۔ ہماری حدودِ عشرت و معصیت سے نہ واقف ہیں نہ اس میں قدم رکھ کر ہمیں للکارتے ہیں تو پھر کون اُن کا دشمن ہوتا، کون اُن سے ٹکراتا۔ ٹکرانے کا عمل ہوتا ہے تب ردِّ عمل ہوتا ہے۔

دارِ ارقم کی چار دیواری سے جب یہ دعوت باہر نکلی تو گویا اس وقت مسلمانوں نے اپنی ہلاکت اور تباہی کو دعوت دے دی، جیسے درندوں کے جنگل میں قدم رکھ دیا ہو، جہاں ہر ایک پھاڑنے چیرنے اور ہڑپ کرنے کو دوڑ پڑا۔ اسلام کی دعوت گویا

Marfat.com

درندوں کو پکارنا اور للکارنا تھا۔ آ بیل مجھے مار۔ ایسے موقعہ پر فرمایا گیا کہ کسی شخص کا اللہ کو ربّ مان کر سیدھی راہ اختیار کرنا، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا بلاشبہ انفرادی نیکی ہے، لیکن کمال درجہ کی نیکی یہ ہے کہ آدمی مشرکین کے نرغے میں اُٹھ کر کہے۔ میں مسلمان ہوں اور نتائج اور مصلحتوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے اسلامی نظریئے اور عقیدے کی طرف لوگوں کو بلانا بھی شروع کر دے۔ اپنے چاروں طرف برائیوں، ظلم، زیادتیوں، ناجائز کاموں، حرام کاریوں، رشوتوں، فحاشی اور بے حیائی، اربابِ اقتدار کی غیر اسلامی روش، لادین اور بے دین قسم کے اعمال اقوال کو دیکھ کر اس کے خلاف آواز اُٹھائیے۔ اسلام پر چلنے اور دوسروں کو چلانے کے پروگرام بنائیے تو پھر پتہ چلے گا کہ دین پر چلنا اور چلانا کتنا مشکل کام ہے۔ پہلے تو اپنے گھر کی چاردیواری میں غیر اسلامی اور غیر دینی طور اطوار کے خلاف آواز اُٹھا کر دیکھیں، آپ کے آوارہ بیٹے، فیشن زدہ لڑکیاں، آزاد خیال بیویاں آپ کا اپنے گھر میں جینا حرام کر دیں گی، لیکن اگر آپ ثابت قدم رہے اور گھر میں کسی کی پرواہ نہ کی خدا اور اُس کے دین کے لئے سب کو چھوڑا اور خدا سے تعلق جوڑا تو پھر اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندے کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ اس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ایک کوفی نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ آپ لوگوں نے حضور مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے، اُن کے ساتھ رہے ہیں تو آپ نے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس دورِ اوّل میں مشقتیں برداشت کیں، تکلیفیں سہی ہیں۔ خندق کے موقعہ پر بھوک، خوف اور سردی برداشت کی۔ لیلۃ الاحزاب کی مصیبتوں سے منہ نہ موڑا۔ کوفی نے کہا: اگر ہم اس وقت ہوتے تو یہ سب کچھ برداشت بھی کرتے اور حضورؐ کو زمین پر چلنے کی تکلیف اور سختی سے بچائے رکھتے، کندھوں پر اُٹھائے پھرتے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا، تم ایسی تمنا نہ کرو، شاید تم اُن سختیوں اور تکلیفوں میں گھبرا جاتے اور تمہارے پاؤں اکھڑ جاتے۔

حضورؐ کی تکالیف

۱۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کے لئے مجھے اتنی تکلیفیں پہنچائی گئی ہیں جتنی کسی کو نہ پہنچی ہوں گی اور اتنا ڈرایا گیا جتنا کسی کو نہ ڈرایا گیا ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلسل تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور بلالؓ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا۔ خوراک کی صرف اتنی مقدار تھی کہ بآسانی بلالؓ کی بغل میں دب سکتی تھی۔

۲۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ سے ایک بار پوچھا گیا کہ اُحد کی لڑائی سے زیادہ بھی کوئی تکلیف آپؐ پر گزری ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ طائف کا دن سخت ترین تکلیف کا دن تھا کہ اُس دن طائف کے سرداروں نے دعوتِ اسلام کے جواب میں سخت بے عزتی کی اور شہر کے اوباش لونڈوں کو آپؐ کے راستہ میں صف آرا کر دیا۔ حضورؐ پر پتھر برسائے، پاؤں زخمی ہوئے اور اتنے کہ پاؤں کا خون جوتیوں سے اُچھل کر گردن اور پیٹھ مبارک پر لگتا تھا۔

صحابہؓ کی استقامت

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت جب مسلمانوں کی تعداد صرف اڑتیس ۳۸ تھی۔ اپنے مسلمان ہونے کے اعلان کے بعد کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی تو مشرکینِ مکہ ان پر ٹوٹ پڑے اور عقبہ بن معیط نے جوتوں سمیت آپ کے چہرے پر کود پڑا جس سے چہرے اور ناک کے زخمی ہونے اور خون بہنے سے چہرہ پہچانا نہ جاتا تھا۔ زخموں سے ایسے چُور تھے کہ چادر میں لپیٹ کر لے جائے گئے۔ بیہوشی کے بعد پہلی بات یہ کی کہ حضورؐ کیسے ہیں؟ اس وقت تک کھانا نہ

Marfat.com

کھایا جب تک حضورؐ کو دیکھ نہ پائے۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد مشرکین مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان فرمایا تو وہ سب اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اکیلے سارا دن لڑتے رہے۔ آخر تھک کر بیٹھے تو فرمایا۔ اس وقت تم جو چاہو کرو، جب ہماری تعداد تین سو تک پہنچ جائے گی تو ہم اس قابل ہوں گے کہ یا تمہیں یہاں سے نکال دیں یا ہم خود یہاں سے نکل جائیں۔ اللہ نے اُن کے قول کی لاج ایسی رکھی کہ بدر میں اتنی تعداد نے مشرکین مکہ کے تمام بڑے بڑے سرداروں کا صفایا کر دیا اور اُن کے چھکے چھڑا دیئے۔

۳۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدائی سات مسلمانوں میں سے تھے۔ اس وقت کے تمام دوسرے مسلمان اپنی قوم اپنے قبیلوں اور خاندانی اثر و رسوخ کی وجہ سے اتنے مبتلائے آفات نہ ہو سکے تھے، مگر حضرت بلالؓ کی نہ قوم تھی نہ کوئی قبیلہ، نہ خاندان، نہ دولت۔ اسی طرح عمارؓ بن یاسرؓ، ان کی والدہ سمیہؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت مقدادؓ سب گمنام و بے نام قسم کے لوگ تھے دوسروں کے غلام خاص طور پر مشرکین مکہ کے سرداروں کے غلام تھے۔ چنانچہ انہیں خوب جی بھر کر ستایا گیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ کو مکہ مکرمہ کی آگ برساتی دوپہر میں تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا اور چھاتی پر پتھر رکھ دیا جاتا تھا، زبان پکڑ کر کھینچی جاتی تھی کہ احد احد کیوں پکارتے ہو۔ اسی وجہ سے زبان میں لکنت آ گئی تھی۔ گلے میں رسی ڈال کر مکہ کی گلیوں میں لڑکے گھماتے رہتے تھے۔ حضرت سُمیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہی سختیوں کی تاب نہ لا کر چل بسیں۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو آگ میں جلایا جاتا تو حضورؐ کی دعا اور خدا کی مہربانی سے آگ ٹھنڈی ہو جاتی۔

۴۔ حضرت زبیرؓ بن عوام آٹھ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ پورے جسم پر زخموں کے نشان تھے جو تلواروں اور تیروں کے تھے جو اسلام کی اشاعت اور مدافعت میں لگے۔ خدا نے ایسا بدلہ دیا کہ مدینہ میں سب سے بڑے کارخانہ دار ہوئے۔ ایک ہزار مزدور اس میں کام کرتے۔ جو کماتے راہِ خدا میں لٹا دیتے۔

۵۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشہ کے اعتبار سے لوہار تھے۔ انہیں مشرکین مکہ انگاروں پر لٹا دیتے اور اُن کی چھاتی پر سوار ہو جاتے، جلتے ہوئے انگارے اُن کے گوشت اور چربی کے پگھلنے سے بجھ جاتے۔ یہ اور سینکڑوں ایسے واقعات ہیں جو اسلام کی بالکل ابتدائی بے سروسامانی کے دور میں اس وقت کے مسلمانوں پر پیش آئے اور انہوں نے جب ایک مرتبہ اللہ کو ربّ کہہ دیا تو ان تمام تکالیف اور سختیوں میں ثابت قدم رہے۔ اپنی مسلمانی پر حرف نہ آنے دیا۔ کوئی ایک مثال یا وقتی طور پر کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے ان ابتدائی مشکل ترین دنوں میں کوئی مسلمان اسلام کے اعلان کے بعد کسی سختی، کسی لالچ کسی خوف کی وجہ سے بہک گیا ہو۔ اسلام اور خدا کی حدود کو پامال کیا ہو۔ جیسا کہ آج ہم معمولی خطرے، معمولی لالچ اور معمولی سے خوف کی وجہ سے کسی کو سچ نہیں کہہ سکتے، اپنے عقیدے کا اظہار نہیں کر سکتے، کسی کی آنکھوں کے سامنے ہونے والی برائی، جھوٹ اور تہمت کو روک نہیں سکتے۔ اپنے گھروں میں ہونے والی غیر اسلامی حرکات پر ٹوک نہیں سکتے تو پھر اس مسلمانی اور اس اسلام سے کسی کو کیا خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ ہمارا اسلام کسی کے لئے کیا غضب ڈھا سکتا ہے اور خود ہمارے جسم پر اس بے ضرر مرنجاں مرنج اسلام سے کیا خراش آ سکتی ہے۔ ہمارے ایمان و اسلام نے برائیوں، کفر اور شرک کے ساتھ سمجھوتہ کر رکھا ہے تو پھر ہم کسی کی آنکھ کا کانٹا اور کسی کے راستہ کی رکاوٹ کیسے بن سکتے ہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ کی ان ابتدائی دور کی مثالوں کے علاوہ اسلامی تاریخ مسلمانوں کی اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے جو مسلمانوں نے اپنے عقیدے اور نظریئے پر جانیں قربان کیں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ نے جیلوں کے اندر زہر کے پیالے نوش کئے، کوڑے کھائے، مگر حق کے اظہار سے باز نہ آئے۔ انہیں مارنے اور سزا دینے والے مشرکین مکہ اور کفارِ مدینہ نہ تھے، مسلمان بادشاہ ہی تھے، جن کے ناموں کے ساتھ خلفاء لکھا جاتا ہے۔ آج ہم اپنے ملک، اپنے علاقہ، گاؤں، محلے اور خود اپنے گھروں میں دیکھیں، کیا ہمارے آس پاس کا ماحول اور معاشرہ اسلامی احکامات و ہدایات پر کاربند ہے۔ اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ خود ہماری اپنی زندگی۔ اپنے ربّ کو پروردگار کہنے کے بعد اس ربّ کی کامل اطاعت اور تابعداری میں گزرتی ہے۔ کیا ہمارا ماحول اور دائرہ کار دعوت الی اللہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے بلکہ آج ہمارے اردگرد وہی خرابیاں اور برائیاں موجود ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور بعثت کے وقت تھیں۔ صوبائی عصبیت، قتل، خونریزی، فحاشی و بے حیائی، کفر و شرک، چوری و رہزنی، رشوت، زنا اور لواطت، تجارتی بددیانتی، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ، منشیات، شراب نوشی، قماربازی غرض کونسی ایسی بُرائی ہے جو حضورؐ کے دور میں تھی اور آج نہیں ہے، تو پھر کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار اور خدا کو اپنا ربّ ماننے والے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ اصلاح احوال پر کمربستہ کیوں نہیں ہوتے۔ ہماری مثال مُستی کے چھپڑے کی ہے جو حلال اور حرام کی دونوں چھپڑیوں میں چلتا ہے۔ نیکی اور بدی کی تمیز نہیں۔ برائی ہمیں غصّہ نہیں دلاتی، بُرائی سے ہمیں نفرت اور نیکیوں سے محبت نہیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ میں تیری قوم سے چالیس ہزار نیک آدمی ہلاک کروں گا اور ساٹھ ہزار بُرے و بدکردار ہلاک ہوں گے۔ حضرت یوشعؑ نے عرض کیا۔ بُرے اور بدکار تو ہلاک ہوں گے مگر نیکوکار کیوں ہلاک کئے جائیں گے۔ جواب ملا کہ وہ میری ناراضگی کے مواقع پر ناراض یعنی برائی کو دیکھ کر بُرا نہیں مناتے بلکہ بدکاروں سے رشتے اور دوستیاں پال رکھی ہیں ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے متعلق بیہقیؒ اور ابن عساکر نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں مسلمان شام کے علاقے فتح کر چلے جاتے تھے کہ ان کا ایک فوجی دستہ دشمن کے ہاتھوں میں پھنس گیا۔ رومی اس وقت زبردست قوت کے مالک تھے۔ انہوں نے اس دستہ سے اگلا پچھلا حساب چکانا چاہا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ ان گرفتار شدہ مسلمانوں کے سردار تھے۔ انہیں کہا گیا کہ تم اسلام چھوڑ کر عیسائی بن جاؤ تو چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ جواب دیا: یہ ناممکن ہے۔ کہا گیا، تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن حذافہؓ ان مسلمانوں میں سے تھے جو ایک مرتبہ خدا کو اپنا رب کہہ دیں تو اس پر ڈٹ جانے والے تھے۔ اُنہوں نے کہا۔ میں جان دے سکتا ہوں، ایمان نہیں چھوڑ سکتا۔ رومی جرنیل نے وہاں پیتل کی بنی ہوئی گائے کے پیٹ میں تیل ڈالا ہوا تھا جس کے نیچے آگ جل رہی تھی اور تیل اُبل رہا تھا، گائے کی پیٹھ خالی تھی۔ رومی جرنیل نے حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے ایک ساتھی کو بلا کر اسلام چھوڑ کر عیسائی ہونے کی دعوت دی تاکہ سزا سے بچ جائے۔ اُنہوں نے بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ اُٹھا کر پیتل کی گائے کے پیٹ میں کھولتے ہوئے تیل میں پھینک دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گوشت ہڈیوں سے الگ ہو گیا اور وہ بھُن کر رہ گئے۔ بڑا دلدوز منظر تھا۔ چنانچہ اپنے ساتھی کا یہ انجام دکھانے کے بعد ایک دفعہ پھر حضرت حذافہؓ سے وہی مطالبہ ہوا کہ اپنے آپ کو اس دردناک حشر سے بچانا ہے تو اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لو۔ حضرت حذافہؓ نے فرمایا۔ تم ایسے سینکڑوں بار کر

اس سے زیادہ ظلم ڈھا کر دیکھ لو، لیکن یہ بھول جاؤ کہ ہم میں سے کوئی بھی اسلام کو چھوڑ سکتا ہے۔ رومی جرنیل رُعب دار اور غصّے بھری آواز میں بولا۔ اسے اُٹھاؤ اور گائے کے پیٹ میں ڈال دو۔ انہیں اُٹھایا گیا تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ یہ دیکھ کر رومی جرنیل نے سپاہیوں کو روک دیا اور کہا۔ آخر ہمت جواب دے گئی اور جان کی محبت نے رُلا دیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ نے رومی جرنیل کا طعنہ سن کر فرمایا: ظالم تُو کیا جانے، میں کیوں رو رہا ہُوں۔ مجھے تو یہ خیال رُلا رہا ہے کہ بس ایک ہی بار خدا کی راہ میں شہید ہو جاؤں گا، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کاش میرے جسم کے ہر بال میں ایک جان ہوتی، تم بار بار تیل میں ڈالتے اور میں بار بار شہید ہوتا۔ ان کے الفاظ سُن کر ان کے دستہ کے تمام سپاہیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ حضورؐ کا ارشاد پاک ہے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ رومی جرنیل اور سپاہی حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کا یہ خیال سن کر حیران رہ گئے۔ انہیں مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کا کیا اندازہ تھا۔

تبلیغ دین میں صبر اور حوصلے کے نتائج

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	اشاعتِ دین اور تبلیغ دین میں صبر و تحمل اور حوصلے کی اہمیت دَورِ اوّل میں مسلمانوں کا صبر
۲	دین کو اختیار کرنے اور دعوت دینے میں آزمائشیں لازمی ہیں	سورۂ آل عمران: چھٹے پارہ کی ابتدار سورۂ شوریٰ
۳	برائی اور نیکی کا نفسیاتی تجزیہ	بُرائی بُزدلی ہے۔ نیکی قوت ہے۔ برائی چھپ کر کی جاتی ہے نیکی علی الاعلان ہوتی ہے۔ شرمندگی و خجالت نہیں ہوتی۔
۴	بُرائی کا بدلہ نہ لیا جائے۔ بُرائی کو نیکی کر کے روکا جائے۔ حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور اولیار اللہ کی واقعاتی مثالیں	ارشاداتِ رسولؐ۔ سورۂ رعد میں صبر۔ صفوان بن امیہؓ سے سلوک۔ صحابۂ کرامؓ کا رویہ۔ اولیار اللہؒ کا انداز

Marfat.com

تبلیغِ دین میں صبر اور حوصلے کے نتائج

آیت معہ ترجمہ

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ - نیکی اور برائی برابر نہیں ہوتی، تم اپنے ساتھ ہونے والی برائیوں کا بچاؤ/مدافعت نیکیوں سے کرو۔ ایسی نیکیوں سے جو بہترین ہوں۔ اس طرح تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جن کی دشمنی بڑی ہوئی ہوگی وہ تمہارے جگری دوست بن جائیں گے۔ برائی کے بدلے میں نیکی کرنا بڑے حوصلے اور صبر کا کام ہے اور ایسا صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو خوش نصیب ہوتے ہیں۔

پس منظر

گزشتہ اوراق میں اللہ کے دین کو اختیار کرنے کے اعلان اور اس دین کی طرف دوسروں کو بھی بلانے کے سلسلہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ استقامت اور ثابت قدمی کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کے لئے تسلی اور اطمینان کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے غافل نہیں رہتے بلکہ وہ اگر اپنے دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہیں تو فرشتے ان کی امداد کے لئے بھیجے جاتے ہیں جو خدا کے دین کو اپنانے اور اس کے راستہ میں پیش آمدہ مشکلات میں گھرے ہوئے اہلِ ایمان کو تسلی دیتے ہیں۔ انہیں جنت میں خدا کی نعمتوں کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔

اہلِ ایمان کے لئے گزشتہ تقریر کا موضوع موجبِ اطمینان ضرور ہے، مگر خدا کے دین پر قائم رہتے ہوئے اور دوسروں کو بھی اس طرف بلاتے ہوئے یا برائیوں سے روکتے ہوئے مخالفتوں کا پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ جب مخالفت ہوگی تو پھر جانی و مالی ہر قسم کی تکالیف اور نقصانات بھی ملیں گے، برا بھلا کہا جائے گا۔ ایسے مراحل اور مواقع سے واسطہ پڑے گا، غصہ آ جائے گا، معاملات برداشت سے باہر ہو جائیں گے تو یہ صورتِ حال خدا، اُس کے رسولؐ اور دین سے ہٹ کر انسان کی اپنی ذات کی طرف منتقل ہو جائے گی اور مخالفتوں کا سبب جو اللہ اور اس کے دین کیلئے تھا، درمیان سے نکل کر آپ کی انتقامی کاروائی آپ کی ذات کو درمیان میں لے آئے گی اور خدا کے لئے لڑائی آپ کی ذاتی دشمنی اور ذاتی لڑائی بن جائے گی۔

ایسی صورتوں میں معاملہ خدا کے دین پر چلنے چلانے کا ہو تو وہاں تو لازمی طور پر اس زیرِ بحث آیت کے مطابق اللہ نے برائی کے بدلے میں نیکی کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس پر عمل کیا جائے۔ برائی کا بدلہ لینا تو درکنار برائی کے بدلے میں نیکی کی جائے تاکہ اللہ کے دین کی اشاعت میں جو دشمنیاں رکاوٹ بنی ہوئی ہوں وہ دوستی، محبت اور پیار کی شکل اختیار کر کے دین کی معاون، مددگار اور دین کی قوتِ بازو بن جائیں۔ اس کے علاوہ انسانی معاشرے کی اجتماعی زندگی ہو یا انفرادی اور خاندانی روابط ہوں وہاں بھی برائی کے بدلے میں نیکی کا اصول انتہائی مفید، مؤثر اور خوشگوار ہوتا ہے۔ پورا معاشرہ امن کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

Marfat.com

خاندانی تنازعات اور نفرتیں مٹ کر محبت کے زمزمے پھوٹ سکتے ہیں۔

اسلام کا دورِ اوّل

اسلام کے دورِ اوّل میں ہر وہ سختی، زیادتی، دشمنی، ایذا رسانی برتی گئی جو اسلام دشمن قوتوں سے ممکن ہو سکتی تھی۔ بسا اوقات مظلومیت اور بے چارگی کے بادل چھا جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جہاں مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ خداوند تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہر وقت ان کی معیت اور امداد میں ہوتے ہیں وہاں ان آیات میں مسلمانوں کو یہ نصیحت کی گئی کہ خبردار دشمنوں کے رویہ کے مطابق رویہ نہ اپناؤ، وہ مجسّم بُرائی ہیں تو تم سرتا پا نیکی ہو۔ نیکی اور بُرائی کے رویّوں اور سلوک میں کچھ تو فرق ہونا چاہیئے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جیسا کچھ وہ آپ سے کریں آپ بھی ایسا ہی کریں گے تو نیکی اور بدی کا فرق باقی نہ رہے گا۔ کتّے کے ضرر کو اُس کی طرح کاٹ کر دُور نہیں کیا جا سکتا۔ اُس کے سامنے ٹکڑا ڈالا جائے، گوشت ڈالا جائے تو خونخوار کتّا بھی دوست بن کر دُم ہلانے لگتا ہے۔

دوسری تائیدی آیات

لیکن ایسا کرنا بہت مُشکل کام ہے۔ یہ سلوک وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو لوگ صبر والے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ سورۃ آلِ عمران میں یہی نصیحت یُوں بیان فرمائی ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ہ۔ مسلمانو! ”تمہیں خدا کی طرف اور خدا کے دین کو غالب کرنے کے سلسلے میں“، جان اور مال خرچ کرنے کی آزمائشوں میں سے گزارا جائے گا۔ اہلِ کتاب اور مشرکین کی طرف سے ایسی ایسی باتیں سننا پڑیں گی جو بہت زیادہ تکلیف دہ اور اذیت رساں ہوں گی۔ تم ان حالات میں صبر، خدا ترسی اور درگزر سے کام لو گے تو یہ بڑے حوصلے اور بڑے ارادے کی بات ہوگی۔

صبر اور حوصلہ

پھر چھٹے پارے کی ابتداء میں فرمایا ہے: لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ہ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں پسند فرماتے کہ کوئی بدگوئی پر اُتر آئے۔ ہاں مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو، مظلوم ہونے کی صورت میں بھی۔ اگرچہ اس کا حق بنتا ہے کہ بُرائی پر اُترے۔ مگر اچھی بات یہ ہے کہ تم ظاہر اور باطن، ظاہری اور خفیہ، بھلائی ہی کرتے رہو یا کم از کم بُرائی سے درگزر کرو۔ کیونکہ یہ اللہ کی صفت ہے کہ بُرائی کا بدلہ اور سزا دینے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔

بُرائی کے بدلے نیکی

پھر سورۃ شوریٰ کی ان آیات میں یہی نصیحت یُوں دی گئی ہے: وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ہ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ہ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ط اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ہ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ہ بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی کے مطابق دیا جائے، لیکن جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے، اس کا اجر اور ثواب خداوند تعالیٰ کے پاس زیادہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ اپنے

Marfat.com

اُوپر ہونے والے ظُلم کا بدلہ لیں تو انہیں ملامت نہیں کیا جا سکتا بلکہ ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پہ ظلم کرتے ہیں اور زمین پہ ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بلند ارادہ لوگوں کا کام ہے۔

بُرائی اور نیکی کا نفسیاتی تجزیہ

زیرِ موضوع آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ نیکی اور بُرائی برابر نہیں تو اس کا تجزیہ ایک اور پہلو سے لیا جا سکتا ہے۔ بُرائی بذاتِ خود کمزور ہوتی ہے یا کمزوری رکھتی ہے۔ بُرائی علی الاعلان نہیں ہوتی، ہمیشہ چھپ کر، پسِ پردہ رہ کر، گھات لگا کر، پسِ پشت ہو کر اندھیرے میں کی جاتی ہے۔ یہی اس کی کمزوری کی دلیل ہے کہ وہ جرأت، ہمت، دلیری جیسی اوصاف سے عاری ہوتی ہے۔ بُرائی کی یہ نفسیاتی کمزوری اور بزدلی اُس کی تباہی کا سبب بھی ہوتی ہے۔ دوسرے پہلو سے سوچا جائے تو انسانی فطرت خود بُرائی سے نفرت کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے بُرائی کرنے والوں کو یہ احساس رہتا ہے کہ وہ ظالم ضدی اور خود غرض ہیں۔ بُرے لوگوں کا اپنا یہ اندرونی احساس دوسروں کی نظروں میں باعزت بنانا تو بڑی بات ہے انہیں خود اپنی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نیکی اور نیکوکاروں کا تجزیہ کریں۔ وہ علی الاعلان کی جاتی ہے دن کی روشنی میں، لوگوں کے سامنے، آمنے سامنے کی جاتی ہے جس کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیکی قوت ہے، دلیری ہے، بہادری ہے، جرأت مندی ہے اور یہ ایسی سچائی اور حق ہوتا ہے جو ڈنکے کی چوٹ پہ کہا اور کیا جاتا ہے۔ جسے ظالم سے ظالم شخص بھی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بُرائی اور نیکی کی جنگ میں دونوں کے جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔ بُرائی مجسم شیطانی شکل بن کر آتی ہے اور نیکی فرشتہ صفت صورت میں سامنے ہوتی ہے تو نیکی کا مسلسل نیک عمل بُرائی کو شرمندگی، ندامت اور فرار پہ مجبور کر دیتا ہے۔

بدی کے مقابلے میں نیکی کا اثر ہو کر رہتا ہے، یہ یقینی بات ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں ایسے خبیث اور کمینے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن پر آپ جتنا احسان کریں، جتنی نیکی بھی کریں اور جس قدر حسنِ سلوک سے کام لیں، اُن کی طبیعت اور کمینہ سرشت کا زہر ختم نہیں ہوتا، وہ آستین کے سانپ بن جاتے ہیں، لیکن ایسے بچھو صفت گزندہ مزاج لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ اس لئے دو چار ایسی بُری مثالوں سے دل برداشتہ نہ ہونا چاہیئے۔ بُرائی کے مقابلے میں نیکی وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے ٹھنڈے دل سے حق کی سربلندی کا پختہ ارادہ کر لیا ہو اور جس نے عہد کر رکھا ہو کہ وہ کسی بھی حالت میں اشتعال انگیز سلوک پر، ذلت آمیز رویہ پر نہ صرف یہ کہ مشتعل نہ ہوگا بلکہ صبر و سکون سے کام لیتے ہوئے نیکی، احسان کا دامن نہ چھوڑے گا۔ وہ لوگ ارادتاً ایسا نہیں کرتے بلکہ نیکی اور شرافت اُن کی فطرت اور طبیعت کا جُزو بن جاتی ہے۔ مخالفوں کی شرارت اور خباثت انہیں ان کے اُونچے مقام سے نیچے لانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ایسی صفات کے حامل لوگ کامیابیوں کی منزلوں تک پہنچ کر رہتے ہیں، انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ گھٹیا درجے کے ہتھکنڈوں اور کمینی چالوں سے انہیں شکست دی جا سکے۔

ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے پوچھا کہ خدایا آپ کا مقبول پسندیدہ اور عزت مند بندہ کونسا ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا جو اپنے ساتھ ہونے والی بُرائی کا بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بدلہ نہ لے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ اس بات کا انتظار نہ کریں کہ

Marfat.com

دوسرا آپ پر احسان کرے تو آپ احسان کریں، بلکہ دوسروں کی بُرائی کے جواب میں احسان کرو. احسان کی ادنیٰ صورت خندہ پیشانی سے ملنا، پڑوسی سے برتاؤ کیلئے ہانڈی میں پانی زیادہ ڈالنا، کنوئیں سے نکالے ہوئے ڈول سے دوسروں کے برتن بھرنا بھی ہے۔

واقعات و امثال

خود حضورؐ کی زندگی سراپا رحمت تھی۔ تمام انبیاءؑ بالآخر صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور اپنی اُمتوں کے لیے عذاب مانگے۔ انہیں تباہی و بربادی سے دوچار کیا۔ دنیا سے نام ونشان تک مٹا ڈالنے کی دعائیں مانگیں. حضرت نوحؑ نے فرمایا: ربّ لا تذر علی الارض من الکافرین دیّارًا۔ اے اللہ زمین پر کافروں کا ایک گھر بھی نہ چھوڑ۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ مصائب اور تکالیف کے باوجود ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ طائف کا واقعہ مشہور ہے۔ تذلیل وتحقیر کی انتہا ہوئی، پتھر برسائے گئے، پاؤں مبارک زخمی ہوئے، حتّٰی کہ چھپ کر باغ میں پناہ لینا پڑی۔ خود حضورؐ نے بارہا بتایا کہ طائف کا دن آپؐ کی زندگی کا سخت ترین اور شدید ترین دن تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتقام اور بدلے کی پیشکش کے باوجود آپؐ نے ان کے حق میں ہدایت کی دعا ہی فرمائی۔

۲- صفوان بن امیہ مکّہ کے رئیس تھے۔ بڑے با اثر، متکبّر، بت پرستی اور عیش پرستی کے دلدادہ تھے، اسلام کے کٹر دشمن۔ جنگ بدر میں ان کے والد مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو ان کے دل میں اسلام دشمنی اور حضورؐ سے انتقام لینے کی آگ اور بھی بھڑک اُٹھی۔ حضورؐ کے خون کے اس پیاسے دشمن کو کسی پہلو چین نہ آتا تھا۔ اُس نے اپنے دوست عمیر بن وہبؓ کو بہت سا نقد انعام دے کر اور بصورتِ قتل اس کے بال بچوں کی پرورش وکفالت کا وعدہ کرکے حضورؐ کے قتل پر آمادہ کیا اور اُسے زہر میں بُجھا ہوا خنجر دے کر مدینہ بھیجا۔ عمیر بن وہب مدینہ پہنچے۔ حضورؐ کے چہرۂ رسالت پر نگاہ پڑتے ہی دل کی دنیا بدل گئی۔ خنجر کہیں پھینک کر مسجد نبوی چلے آئے اور حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کرکے نہ صرف اپنے آنے کا بُرا ارادہ ظاہر کیا بلکہ صفوان بن اُمیّہ کی دشمنی کا سارا حال کہہ سنایا۔ حضورؐ اُس کی اس ساری تفصیل کے دوران صرف مسکراتے رہے۔ غصّے کا اظہار بالکل نہ فرمایا۔ ہجرت کے آٹھویں سال جب مکّہ فتح ہُوا تو حضورؐ نے مکّہ کے اُن تمام پُرانے دشمنوں کی عام معافی کا اعلان فرما دیا، جنہوں نے حضورؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں دی تھیں اور مکّہ چھوڑنے پر مجبور کیا تھا (اور یہ ثابت کر دیا کہ سیاسی جھگڑے ہوں یا نظریات ومسالک کا اختلاف ہو، خدا معافی اور درگذر پر خوش ہوتا ہے۔ انہی دشمنانِ خدا و رسولؐ میں صفوان بن اُمیّہ بھی تھا جو انتقام کے خوف سے مکّہ سے فرار ہو گیا تھا۔ عمیرؓ بن وہب نے جسے اُس نے حضورؐ کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ حضورؐ سے سفارش کی۔ حضورؐ میرا دوست صفوان بن اُمیّہ ڈر کر بھاگ گیا ہے، اسے معافی دی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اُسے بلاؤ میں امان دیتا ہوں۔ عمیر بن وہبؓ نے فرمایا۔ یا حبیب اللہؐ آپؐ ایسی کوئی نشانی عطا فرمائیں جس سے صفوان کو اپنی جان بخشی کا یقین ہو جائے۔ اللہ کے پیارے رسولؐ نے اپنے جسم سے چادر اتار کر انہیں عنایت فرمائی۔ عمیر بن وہبؓ دونوں جہانوں کی یہ دولت لے کر جدہ پہنچے اور صفوان کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری سنائی۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ صفوانؓ جدہ سے خدمتِ نبویؐ میں پہنچا تو دو ماہ کی مہلت طلب کی تاکہ سوچ کر کفر اور اسلام کے متعلق فیصلہ کرلے۔ حضورؐ نے چار ماہ کی مہلت دے دی۔ اسی مہلت کے دوران جنگ حُنین سے واپسی پر اُسے سو اونٹوں کا فیاضانہ عطیہ بھی دیا تاکہ اس احسان اور سلوک سے اُسے یقین ہو جائے کہ آپؐ کے دل میں کوئی میل نہیں۔ دین اسلام میں زور

Marfat.com

اور زبردستی نہیں ہے۔ ورنہ ہندوستان میں سات سو برس اور سپین میں آٹھ سو برس حکومت کے دوران غیر مسلموں کی نسل کشی کر دیتے۔ یہی ناشکری قومیں آج اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں کو ختم کر رہی ہیں۔ ذرا ذرا سے بہانے بنا کر قتلِ عام کر دیا جاتا ہے چنانچہ حضورؐ کے بہترین سلوک اور نیک رویہ سے صفوانؓ جلد ہی مسلمان ہو گئے۔

۳۔ فتح مکہ کے بعد ایک دفعہ حضورؐ صحابہؓ کے ساتھ مکہ سے باہر تشریف فرما تھے کہ مشرکینِ مکہ کی ایک ٹولی ادھر آنکلی۔ نماز کا وقت ہوا۔ صحابہؓ میں سے کسی نے اذان دی۔ مشرکین کی اس ٹولی میں سے ابی محذورہ بڑے نڈر، لڑاکے اور شریر تھے، اذان کی نقل اُتاری۔ حضورؐ نے صحابہؓ کے ذریعہ اس گروہ کو پکڑ لیا۔ حضورؐ کے سامنے لائے گئے تو یہ لوگ ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔ نقل اُتارنے والے کے متعلق پوچھا تو پتہ چلا ابی محذورہ نے ایسا کیا ہے۔ ان کے باقی ساتھیوں کو رخصت کر دیا گیا، صرف ابی محذورہ کو ٹھہرائے رکھا۔ اس سے فرمایا کہ اذان کہو۔ اس نے اذان نہ آنے کا عذر کیا تو حضورؐ نے فرمایا، میں سکھاتا ہوں۔ آپ کے سکھانے پر اُس نے اذان دے دی۔ حضورؐ نے اسے چاندی کی تھیلی پیش کی۔ پھر اس کے ماتھے، سینے اور دل پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے جانے کی اجازت دے دی۔ اُن کا اپنا بیان یہ ہے کہ میرے دل میں اس وقت اتنی نفرت اور غصہ تھا، مگر ڈر کے مارے اظہار نہ کر سکتا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جاؤں گا لیکن اسی لمحے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلوک اور پیار بھرے رویے نے میرے پاؤں جکڑ لئے۔ میری طبیعت جانے کو اور ان سے جدا ہونے کو چاہتی ہی نہ تھی۔ میں نے مجبور ہو کر اور تڑپ تڑپ بیعت کی درخواست کی اور ساتھ عرض کی کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں، مجھے خانہ کعبہ کا مؤذن مقرر کیا جائے۔ ان کی یہ خواہش بھی پوری ہوئی۔ دنیا نے دیکھا کہ اذان کی نقلیں اتارنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک سے کعبہ کا مؤذن بن گیا۔ آج مسجدوں میں آنے والے بچوں اور اذان کا شوق رکھنے والوں کو جھڑک دیا جاتا ہے، غصہ کیا جاتا ہے، مذاق اڑایا جاتا ہے، پھر وہ مسجد کا رُخ بھی نہیں کرتے۔

حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے والے علماء کرام و اولیاءؒ نے بھی قدم قدم پر ایسی مثالیں پیش کی ہیں۔ ان کے بہترین نتائج ہیں کہ آج برصغیر ہند اور تمام دنیا میں اسلام کی روشنی پہنچی۔ چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ ہزاروں شہر ویران ہوئے، لاکھوں بے گناہ تہہ تیغ ہوئے۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تو اس سرکش طوفان کا رُخ جن اولیاء کرامؒ نے موڑا وہ اسی برائی کے بدلے میں نیکی اور گالی کے بدلے خوش گفتاری کے ذریعہ، جو ان اللہ والوں کا خاصہ اور مزاج بن چکی ہے۔

۴۔ ایک خراسانی بزرگ اشارۂ غیبی پا کر ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے بغداد آئے۔ وہ شکار سے واپس آ رہا تھا، اپنے محل کے دروازے پر درویش کو بیٹھے دیکھا تو ازراہ تمسخر پوچھا۔ اے درویش آپ کی داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دُم۔ آپ نے اس بیہودہ حقارت آمیز گفتگو پر برہم ہوئے بغیر تحمل سے فرمایا۔ اگر میں اپنی جان نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک خدا کی خوشنودی حاصل کرلوں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں ورنہ آپ کے کتے کی دُم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ تگودار اس غیر متوقع جواب سے متاثر ہوا اور شرمندہ بھی، آپ کو اپنا مہمان بنایا اور اسی بزرگ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اس نے اسلام قبول کیا اور اس کی قوم کے تمام سرداروں نے بھی ایسا کیا۔ اور جن کی تلواروں سے اسلام کی تباہی بربادی ہوئی تھی اُن کی نسلوں نے اسلام قبول کر کے اسے فروغ بخشا۔ اسلام کے دشمن اسلام کے دوست اور جاں نثار بن گئے۔

Marfat.com

سورۂ رعد میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ جو لوگ اپنے ربّ کی خوشی کی خاطر بُرائی اور آزمائشوں میں صبر سے کام لیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، خفیہ طور پر بھی اور ظاہری طور پر بھی اور بُرائی کے بدلے میں نیکی کر کے بُرائی کو اپنے آپ سے دُور رکھتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے ہی آخرت کا گھر ہے۔

۵ - حضرت زین العابدینؒ تابعین میں سے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ مدینہ میں ان سے زیادہ علم اور عمل میں بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔ اُن کی تربیت امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے فرمائی تھی۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ و اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضورؐ کے غلام صحابی حضرت ابو رافع ؓ نے ان کی تربیت میں حصّہ لیا۔ ایک بار مسجد سے نکلے، کوئی شخص ساتھ ہو گیا اور کوسنے دگالیاں دینے لگا۔ حضرت زین العابدینؒ سے محبت اور عقیدت رکھنے والوں کی کمی نہ تھی، وہ شخص کی طرف مارنے کو لپکے، مگر آپ نے روک لیا اور خود اُس کے قریب جاکر فرمایا۔ بھائی میری بہت کمزوریاں تو چھپی ہوئی ہیں میں اس سے زیادہ بُرا ہوں جو تم نے کہا ہے۔ یہ کہہ کر پلٹ آئے۔ وہ شخص حیران ہوا۔ آپ نے پھر فرمایا کسی خدمت کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ اس شخص کو انتہائی شرمندگی ہوئی۔ آپ سے اُس کی شرمندگی بھی برداشت نہ ہو سکی، اپنی قمیص اُتار کر اور ایک ہزار درہم اُسے دے دیئے۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اُس کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ "آپ بے شک خاندان نبوّت کے فرد ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے۔ جو شخص تمہارے معاملے میں خدا سے نہیں ڈرتا تو اُس کی سزا کا بہترین طریقہ یہ ہے تم خدا سے ڈر کر اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ خدا کے دین کی اشاعت وتبلیغ کا مقدس فریضہ ہو یا انسان کی اپنی زندگی کے معاملات ہوں، ان میں کسی کی زیادتی، دشمنی، مخالفت اور بُرائی کا تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ بُرائی کے بدلے میں نیکی کریں اور دوسروں کی زیادتیوں پر صبر کریں۔

۶ - امام مالکؒ کے بعد مدینہ میں ابو محمد عبداللہ بن وہبؓ کے درس کا بڑا شہرہ تھا۔ وہ عالم فاضل اور پرہیزگار آدمی تھے۔ ایک دن ایک فقیر درس کے دوران آیا۔ ڈانٹنے لگا کہ کل آپ نے مجھے خیرات میں کھوٹے سکّے دیئے تھے۔ آپ کو تو ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح گستاخانہ گفتگو کر کے آپ کی بے عزتی کرتا رہا۔ آپ خاموش رہے۔ ایک عراقی شاگرد نے مجبوراً ایک دو ہاتھ اسے جڑ دیئے تو وہ بھی چلّایا اور بُرا بھلا بکنے لگا۔ ابو محمدؒ نے شاگردوں کو روک دیا تو شاگرد نے کہا۔ ہم نے آپ ہی سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشادِ گرامی سنا ہے کہ "کسی منافق اور گستاخ کی بدگوئی سے مسلمان کو بچانے والا دوزخ سے محفوظ رہے گا۔" حضورؐ کا ارشاد تو عام مسلمان کے لئے ہے۔ آپ تو عالم اور انبیاءؑ کے وارث ہیں اس کی بدگوئی سے آپ کو بچانے کا زیادہ ثواب ملے گا۔

۷ - حضرت امام ابو حنیفہؒ اپنے وقت کے عالم، پرہیزگار، مسلک حنفی کے بانی تھے۔ ہماری مذہبی زندگی کے معاملات انہی کے طریقے کے مطابق ہیں۔ اُن کے پڑوس میں موچی رہتا تھا، جو انتہائی اوباش اور بدفطرت تھا، دن کی کمائی رات کو دوستوں کی محفل میں شراب نوشی، اگانے بجانے اور غلّ غپاڑے میں اُڑا دیتا اور ترنگ میں آ کر اکثر یہ شعر پڑھتا۔ مجھ ایسے شخص کو لوگوں نے ضائع

کر دیا ہے جو اتنا بہادر ہے کہ جنگ کے دوران دشمنوں کے منہ پر تلوار مارتا ہے ۔ اس موچی کے رویّہ سے آپ کی ساری رات کی عبادت اور ذکر و فکر میں فرق آتا ۔ آپ کی توجہ ہٹ جاتی، مگر وہ خاموش رہتے، اگر آپ چاہتے تو تدارک ہو سکتا تھا کہ شہر کے تمام چھوٹے بڑے حاکم و محکوم ان کی عزت کرتے تھے ۔ وہ نہایت صبر و تحمل سے پڑوسی کی یہ خرمستیاں برداشت کرتے تھے۔ ایک رات گشت کے دوران سپاہیوں نے شور و غل، گانا بجانا سُنا تو اُسے پکڑ کر لے گئے اور خاموشی چھا گئی ۔ دوسرے دن صبح آپ نے پوچھا ۔ آج رات کو ہمارا خوش فکر پڑوسی جلدی خاموش ہو گیا، کیا وجہ ہوئی ۔ لوگوں نے بتایا کہ اُسے سپاہی پکڑ کر لے گئے اور جیل میں بند کر دیا ۔ بتانے والوں کے انداز سے خوشی جھلکتی تھی کہ اچھا ہوا بدمعاش شرابی سے نجات مل گئی، مگر امام صاحبؒ کی اپنی سوچ تھی ۔ یہ سُن کر فوراً اُٹھے، کپڑے بدلے اور حاکم شہر کے پاس پہنچے ۔ ان دنوں موسیٰ بن عیسیٰ جو خلیفہ منصور کا بھتیجا تھا، اسے امام صاحبؒ کے چلے آنے کا علم ہوا تو درباریوں کو استقبال کے لئے بھیج دیا اور خود بھی چلا آیا ۔ انہیں عزت و احترام کیساتھ لے جا کر مسند پر بٹھایا اور کہا کوئی کام تھا تو آپ مجھے طلب فرماتے حاضر ہو جاتا، آپ نے کیوں تکلیف کی ہے ۔ آپ نے فرمایا ۔ میرا پڑوسی موچی آپ کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا ہے، میں اسے آزاد کرانے آیا ہوں ۔ گورنر نے اسی وقت سپاہی بھیج کر اسے حاضر کر دیا ۔ امام صاحبؒ شکریہ ادا کر کے چلے آئے ۔ موچی بھی پیچھے پیچھے ساتھ چلا آیا ۔ امام صاحبؒ نے راستہ میں وہ شعر یاد دلایا جسے وہ شراب کی ترنگ میں پڑھتا تھا فرمایا ہم نے آپ کو ضائع ہونے نہیں دیا ۔ وہ بیچارہ شرمندہ تھا ۔ کہنے لگا آپ نے اپنے مجھ جیسے نالائق اور غلط کار پڑوسی کی ہمسائیگی کا خوب خیال رکھا ۔ پھر اُس کی زندگی میں ایسا انقلاب آیا کہ تمام خرمستیاں شراب نوشی اور آوارہ دوستوں کی محفلیں چھوڑ چھاڑ کر پابندِ نماز ہو گیا اور امام ابو حنیفہؒ کے درس میں شریک ہونے لگا ۔

۸ ۔ کسی نیک دل شخص نے اپنے اکلوتے بچے کو سو اشرفیاں دے کر بغرضِ تجارت سفر پر بھیجا ۔ پہلی منزل پر ڈاکوؤں نے قتل کر کے تمام مال لوٹ لیا ۔ وہاں چند راہ گیروں نے تعاقب کیا، لیکن وہ ڈاکو رات کی تاریکی میں بھاگ گیا ۔ اتفاقاً اسی گاؤں میں مقتول کے والد کے ہاں پناہ گزین ہوا اور اُسے کہا کہ میری جان خطرے میں ہے مجھے پناہ دیجئے، میں لوٹی ہوئی اشرفیوں میں سے نصف آپ کو دوں گا ۔ لڑکے کے باپ نے اشرفیوں کی تھیلی اور دوسرا سامان پہچان لیا کہ اسی کا بیٹا مارا گیا ہے ۔ قاتل خود خدا نے گھر بھیج دیا تھا ۔ موقعہ غنیمت تھا، بدلہ لیا جا سکتا تھا، لیکن لڑکے کا والد انتہائی نیک اور صابر انسان تھا، گھر آئے ہوئے بیٹے کے قاتل اور دشمن کو پناہ دے چکا تھا ۔ تین دنوں تک پناہ میں رکھا، خوب تواضع کی ۔ چوتھے دن کہا کہ تم نے جس جوان کو قتل کیا ہے اور اشرفیاں لوٹی ہیں وہ میرا بیٹا تھا ۔ اب تم پر خطرے کا وقت گزر گیا ہے، مگر میرے لئے خطرہ ہے کہ شفقتِ پدری کے جذبے سے مغلوب ہو کر تمہیں نقصان پہنچا دوں گا یا قتل کروں تو میں صبر کے ثواب اور معافی کے اجر سے محروم رہ جاؤں گا ۔ بہتر ہے کہ تم فوراً چلے جاؤ ۔

۹ ۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ خواجگان ایک ریگستانی علاقے میں ٹھہرے ہوئے تھے ۔ اس علاقے کا راجہ پرتھوی راج تھا ۔ اُس نے حضرت کی مقبولیت، لوگوں کا قبولِ اسلام کرنا اور لنگر کی شہرت سنی کہ لوگ جوق در جوق چلے جا رہے ہیں اور مسلمان ہو رہے ہیں ۔ راجہ نے اپنے ایک رازدار کو بُلا کر چمکتا ہوا تیز خنجر دیا کہ جا کر اس فقیر کا کام تمام کر دو، یہ ذات پات کی تمیز مٹا کر راجا اور پرجا کا فرق ختم کر رہا ہے ۔ راجہ کے حکم سے وہ شخص آستین میں خنجر چھپائے حضرت معین الدین چشتیؒ کی محفل میں آیا ۔ اللہ والے صاحبِ بصیرت ہوتے ہیں ۔ ابھی وہ شخص محفل میں جگہ بنا رہا تھا کہ آپ نے بُلا کر پاس بٹھایا ۔ وہ بڑا سٹپٹایا ۔ انہوں نے بڑی شفقت

Marfat.com

اور مہربانی سے پاس بٹھایا۔ کچھ دیر لوگ اجنبی کو دیکھتے رہے، پھر توجہ ہٹ گئی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ کوئی بھی خنجر والے کی طرف متوجہ نہ تھا۔ حضرت خواجہ خواجگان نے آہستہ سے اُسے فرمایا۔ عزیز من موقع غنیمت ہے، کب تک انتظار کروگے، خنجر نکالو اور اپنا کام کرجاؤ۔ لیکن اس شخص کے ہوش اُڑ گئے۔ خنجر نکال کر سامنے رکھا اور بولا۔ آپ اس سے میرا کام تمام کردیں۔ جواب ملا۔ نہیں دوست سزا دینا اور بدلہ لینا مسلمان کا طریقہ نہیں۔ تم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ آرام سے گھر جاؤ۔ سیرالاقطاب میں ذکر ہے کہ اس شخص نے توبہ کی اور ایمان لے آیا۔ سرکا قاتل جاں نثار بن گیا۔ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہٗ عداوۃ کانہٗ ولیٌّ حمیم۔ بُرائی کو اچھائی کرکے روکو تو تمہارا جانی دشمن جگری دوست بن جائے گا۔

۹۔ ٹھیک ایسا واقعہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ یہ اکبرؔ کے زمانہ کے بزرگ تھے۔ حضرت مجدّد الف ثانی اُن کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔ ایک شخص اُن کے قتل کے ارادے سے بھیس بدل کر مسجد میں ٹھہر گیا۔ لوگوں سے کہا کہ مجھے ان سے عقیدت ہے۔ وہ اس مسجد میں نماز کو آتے ہیں تو دولتِ دیدار حاصل ہوتی رہیگی۔ مسافر کچھ دن ٹھہرا، پھر واپسی کی تیاری کی۔ حضرت باقی باللہؒ کو اُس کی روانگی کا پتہ چلا تو چل کر پاس آئے، باتیں کیں، بہت روکا، لیکن وہ ارادے سے باز نہ آیا۔ حضرت نے فرمایا۔ تمہیں کیا تکلیف ہے، یہ جگہ پسند نہ ہو تو اور کہیں ٹھہرا دیں گے، جہاں تمہارے دھرم کے مطابق کھانے اور رہنے کی سہولت ہو۔ وہ شخص بہت پچھتایا کہ میں نے بھیس بدلا ہوا تھا، لیکن میرا راز ان پر ظاہر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے ارادے کا بھی انہیں علم ہوگا۔ جب دیکھا کہ بھید کھُل گیا ہے تو مختلف باتوں سے پردہ ڈالنے لگا کہ میں تو مسجد میں ٹھہرا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، مسلمانوں کا کھانا کھاتا ہُوں، پھر آپ نے میرے دھرم کو الگ کیوں جانا۔ حضرت نے اُس کے راز کو راز میں رکھنے اور شرمندگی سے بچانے کے لئے بات کا رُخ پھیر دیا، جس سے وہ شخص اور بھی متاثر ہُوا کہ میرا راز جان کر بھی میرے ارادوں پر پردہ ڈالا جارہا ہے ورنہ میری تکا بوٹی لوگ کردیتے۔

چنانچہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جب آپ کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ میں آپ کے قتل کے ارادے سے ٹھہرا ہُوا ہُوں تو آپ نے مجھے قتل کیوں نہ کرالیا، کیا دشمنوں کو چھوڑنا آپ کے مذہب میں جائز ہے۔ آپؒ نے فرمایا، ہاں اسلام عفو، درگزر اور حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ ہم دشمنوں کو مارتے نہیں اصلاح کرتے ہیں، اگر میں تے تمہارے کھانے پینے کا خیال رکھا تو کیا ہُوا، خدا تعالیٰ تو اُس کو بھی روزی دیتا ہے جو خدا کا منکر ہوتا ہے بلکہ خدا کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ باتیں اُس کے دل کو لگیں اُس نے توبہ کی اور حضرت کے ہاتھ پر ایمان لے آیا۔

قرآن کریم میں خدا کی طرف بلانے کے فریضہ کی اہمیّت کے پیشِ نظر اس کے راستہ میں جس دشمنی، مخالفت اور تکالیف یا مصائب کے آنے کا امکان ہوسکتا ہے جو اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے ہوگا، اس کا تیر بہدف علاج یہی ہے کہ دین کے رہنما برائی کے بدلے میں نیکی کے ذریعہ مخالفتوں اور دشمنیوں کی مدافعت کریں۔ یہی اصول انسان کی ذاتی زندگی کے معاملات میں بھی اتنا ہی مؤثر اور مفید ہے جتنا دین کے معاملات میں۔ اس وقت ہم میں سے ہر فرد اور ہر فرد کا ہر گھر، ہر خاندان نفرتوں مخالفتوں اور دشمنیوں کی آگ میں گھرا ہُوا ہے اور اجتماعی حالات کا نقشہ یہ ہے کہ ہم کہیں سیاسی گروہوں میں تقسیم ہیں، کہیں مذہبی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، کہیں مختلف نظریات، افکار، عقائد اور مسالک کے انتشار کا شکار ہیں۔ ہمارے تعلیمی اور تدریسی ادارے، جن

Marfat.com

میں انسان ڈھل کر نکل سکتے تھے ، انہی انتشار و اختلافات کی وجہ سے پستول در بغل اور کلاشنکوف بر دوش کا منظر پیش کرتے ہیں ۔ کالج اور سکول ہی نہیں مذہبی اور دینی اداروں کا بھی یہی حال ہے ۔ ان تعلیمی اداروں میں شریف انسان تو نہیں البتہ اب ڈاکو، سمگلر اور بدمعاش بن کر نکلتے ہیں ۔ پورا معاشرہ بدامنی کا شکار ہے ، اگر ہم صبر سے کام لیں ، اپنے اندر قوتِ برداشت پیدا کریں ۔ جیسا کہ ان مثالوں سے ، ان واقعات سے ہمیں نصیحت ملتی ہے اور خود قرآن کی تعلیم بھی یہی ہے ، جس پر ان بزرگوں نے عمل کیا اور کامیاب ہوئے ۔ آئیں ہم بھی اسی تعلیم کو اپنی زندگی کا اصول بنالیں تاکہ دشمنیوں اور نفرتوں کی آگ حسنِ سلوک کے پانی سے بجھ جائے ۔

خدا ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمائے اور برائی کو نیکی کے ذریعہ دور کرنے کا حوصلہ اور ہمت بخشے ۔ آمین ۔

Marfat.com

عقیدۂ آخرت پر ایمان

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	حوالہ جات
۱	عقیدۂ آخرت پر ایمان	سورۂ معارج کی آیت اہلِ جنت کی صفت۔ زبانی ایمان نہ ہو بلکہ سچے دل سے اور عمل سے اس کا احساس ہو۔ زندگی کے تمام دائروں سے متعلق افراد کا ایمان ہو تو زیادتی و حق تلفی ممکن نہ ہوگی۔
۲	عقیدۂ آخرت پر ایمان کے نتائج	اعمال کی درستگی۔ ذمّہ داری کا احساس۔ اخلاق و کردار میں اصلاح کا کوئی ادارہ نہیں جو انسانی سیرت کو سنوار سکے۔ سورۂ بقرہ۔ سورۂ ابراہیمؑ میں آخرت کی جوابدہی کی تاکید۔
۳ -	سیرت سازی کا فقدان	
۴	عقیدۂ پر ایمان والوں کو تسلّی بگاڑ کا علاج۔ اس کے دلائل	سورۂ مریم۔ سورۂ قیٰمۃ۔ سورۂ عبس وغیرہ
۵	واقعات و امثال۔ عقیدہ آخرت پر ایمان والوں کے کردار	حضورؐ کی بیہوش لڑکے کو خوشخبری۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت سعید بن عامرؓ۔ حمص کے گورنر۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

Marfat.com

عقیدۂ آخرت پر ایمان

آیت معہ ترجمہ
وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ۔ جنّت کے مستحق لوگ قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ اپنے عمل کے اعتبار سے بھی اور اپنے قول کے لحاظ سے بھی۔

تفسیر وتشریح
آیت کا یہ مختصر سا ٹکڑا سورۂ معارج سے تعلق رکھتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے بہت سی صفات گنا کر آخر میں فرمایا ہے کہ ان صفات کے حامل لوگ عزّت والے باغوں میں ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں جنّت میں جانے کے لئے اور شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آدمی کا اس بات پر ایمان ہو کہ قیامت کا دن آنے والا ہے اور اس دن میں نے اپنی زندگی کے ہر لمحے میں ہونے والی بات اور کرنے والے عمل کا حساب دینا ہے جواب دینا ہے۔

قیامت پر ایمان
قیامت کے دن کی تصدیق کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی زبانی اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ میں قیامت کے دن کا اقرار کرے بلکہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کے آنے کا یقین اس کے اعصاب، احساس، دل و دماغ اور خیال میں ایسا رچا بسا ہوا ہو کہ اس کی زندگی کا ہر عمل، ہر قدم اور فیصلہ حتیٰ کہ ہر لفظ بھی اس دن کے احساس کے ساتھ کہا اور کیا جائے۔ وہ جب بھی کوئی کام کرے تو یہ احساس ہو کہ قیامت کے دن میں نے اس کام کا جواب دینا ہے۔ اس کا اجر یا سزا ملنی ہے۔ جب انسان کے اندر قیامت کے دن کی جوابدہی کا خیال پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ پختہ ہو اس کے اقوال و افعال پر چھا جائے تو انفرادی طور پر وہ انسان اور اجتماعی طور پر وہ قوم، وہ معاشرہ اور وہ سوسائٹی دنیا کا مثالی انسان، مثالی قوم، مثالی معاشرہ اور معیاری و مثالی سوسائٹی بن جاتی ہے۔ قیامت کے دن کا شدید احساس رکھ کر زندگی گزارنے والے اگر ارکان کی حکومت ہو تو انتہائی عادل، خداترس اور منصف مزاج و دیانتدار حکومت ہوتی ہے۔ ایسا شخص ملازم ہو تو دیانتدار، محنتی اور ایماندار ہوتا ہے۔ وہ مجسٹریٹ اور جج ہو تو خدا سے ڈرنے والا ہوگا انصاف پسند، رشوت سے بچنے والا اور سفارش نہ سننے والا ہوتا ہے۔ حاکم ہو تو رعیّت کی جان و مال کا نگران ہوتا ہے۔ زراعت پیشہ ہو تو عشر کی ادائیگی کا پابند، بیگانے مال سے بچنے والا اور چوری چکاری کا مرتکب نہیں ہوتا۔ قیامت کا شدید احساس رکھ کر زندگی گزارنے والا اگر تاجر ہو تو انتہا درجہ کا سچا، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری کرنے والا نہیں ہوتا، جائز منافع میں ستھرا مال دینے والا ہوتا ہے۔

عقیدۂ آخرت کے نتائج
عقیدۂ آخرت پر ایمان ہی وہ عقیدہ ہے جو انسانی اعمال و اقوال کو درست کرتا ہے۔ معاشرے کے افراد میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے کہ ہم اس دنیا میں ایک ایک بات

اور ایک عمل وحرکت کے ذمہ دار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن کریم کی جتنی سورتیں بھی نازل ہوئی ہیں ان میں دو باتوں یا دو عقیدوں پر زور دیا گیا ہے۔ ایک خدا کا یقین، دوسرا قیامت کے آنے کا یقین اور قیامت میں اعمال کی جوابدہی کا احساس۔ ان عقائد کا یقین جب دلوں میں راسخ ہوگیا تو حضورؐ کے دامنِ تربیت میں صالح افراد تیار ہوتے گئے، ایسے افراد جو خدا سے ڈرنے والے، انسانوں سے محبت کرنے والے، دوسروں کے لئے تکلیفیں اُٹھانے والے، اپنے پرائے معاملوں میں انصاف کرنے والے، مظلوم کی مدد کرنے والے، دنیا کے کسی فرد، کسی ادارہ، کسی تربیت گاہ نے ایسے افراد تیار نہیں کئے۔

دنیا کو اپنی ایجادوں پر ناز ہے۔ سائنسدانوں کو اپنی خدمات پر فخر ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کسی نے انسانیت کی خدمت نہیں کی۔ انبیاءؑ نے سب سے زیادہ بیش قیمت شے جو دنیا کو دی وہ صالح افراد تھے جنہوں نے دنیا کو گلزار بنایا۔ ان کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز کار آمد بن گئی اور ہر دولت ٹھکانے لگ گئی۔ انبیاء علیہم السّلام نے یہ صالح افراد کس طرح پیدا کئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانش نے عرب کے بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کے لئے جو نسخہ تجویز فرمایا وہ یہی تھا کہ انسانوں کو خدا کی ہستی کا یقین دلایا جائے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر اس زندگی کے اعمال کی جوابدہی کا پکا اعتقاد ان کے دلوں اور دماغوں میں راسخ کیا جائے، کیونکہ اس یقین و اعتقاد کے فقدان کی وجہ سے دنیا کا سارا نظام درہم برہم تھا۔ انسان گم ہوگیا تھا، اس کی جگہ خونخوار درندے اور حریص چوپائے انسان کہلانے لگے۔ اللہ اور آخرت پر یقین نے انسان کی کایا پلٹ دی۔ اُسے بے لگام جانور سے ذمہ دار انسان بنا دیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہزاروں برس کا تجربہ بتاتا ہے کہ انسان سازی کیلئے خدا اور آخرت پر یقین اور جوابدہی کے احساس سے زیادہ مؤثر قوت اور کوئی پروگرام نہیں ہوسکتا۔

قحط الرجال

آج کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انسانوں کی جماعتیں موجود ہیں۔ قومیں موجود ہیں، تنظیمیں ہیں، ادارے ہیں، لیکن صالح انسان اور خدا ترس افراد نایاب ہیں۔ آج ساری دنیا کے بازاروں میں انسانی سہولت و آسائش کی ہر چیز میسّر ہے، مگر خود انسان نایاب ہے۔ سو آج انسان سازی اور سیرت سازی کے جس بنیادی عقیدہ کو راسخ کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے بعثت کے متصل بعد اس پر زور دیا گیا تاکہ کفار کے ذہن سے یہ شک دُور ہو جائے کہ انسان مرنے کے بعد زندہ نہ ہوگا اور زندگی بس اسی زندگی کا نام ہے دوسرا کوئی جہان نہیں۔ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کا خیال ان دلوں اور دماغوں سے نکال کر یہ یقین بٹھا دیا گیا کہ خدا موجود ہے۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا، قیامت میں اعمال کی جزا و سزا لازمی ہے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ: ۴۸) اس دن کی سزا سے بچو، جس میں کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا، نہ کسی سے سفارش قبول کی جائے گی، نہ بدلہ اور معاوضہ قبول ہوگا اور نہ کوئی کسی کی مدد حاصل کر سکے گا۔

اسی سورۂ بقرہ میں آگے چل کر پھر ارشاد ہوتا ہے: اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ

Marfat.com

مِنَ النَّارِ ٥ (سورۃ البقرہ: ۱۶۶، ۱۶۷) - قیامت کے دن کفر اور گمراہی کے پیشوا اپنے پیروکاروں سے بیزار ہوں گے۔ قیامت کے دن قیامت کے منکر لوگ خدا کا عذاب دیکھ لیں گے۔ اُن کے تعلقات کے دائرے اور دنیاوی مال و اسباب کے سلسلے منقطع ہوں گے۔ یہ حال دیکھ کر گمراہی اور کفر کے پیشواؤں کے پیروکار حسرت و افسوس کے ساتھ کہیں گے۔ کاش ہمیں دنیا میں پھر جانا نصیب ہو جائے تو جس طرح اس وقت ہمارے یہ پیشوا ہم سے بے نیاز و بیزار ہیں ہم ان سے بیزاری کا اظہار کر سکیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں اپنے اعمال کی حسرتوں میں دھکیل دیں گے اور دوزخ کی سزا دی جائے گی۔

دنیا میں انسان اپنے نفس کی پیروی بھی کرتا ہے۔ خواہشات کے پیچھے بھی دوڑتا ہے۔ بُری سوسائٹی کا پیروکار ہوتا ہے۔ سیاسی اور نظریاتی پیشواؤں کا پیروکار بھی ہوتا ہے۔ جعلی پیروں کا مرید بھی ہوتا ہے۔ اپنے اپنے عقیدوں اور مسلکوں کی اپنی اپنی ڈفلیاں بجانے والے اور راگ گانے والے علماء کے پیچھے دوڑتا ہے۔ یہ ساری قسم کے پیشوا کسی بندے کو اُس کے ربّ کے ساتھ ملانے، خدا کا پیروکار و تابعدار بنانے کی بجائے اپنے پیچھے لگا دیتے ہیں۔ انہیں بدعات اور شریعت کے خلاف رسوم و رواجات کے چکروں میں ڈالتے ہیں۔ ایسے پیشواؤں کے پیروکار اور وہ لوگ جو اپنی دولت پر ناز اور رشتہ داریوں پر گھمنڈ میں مبتلا ہو کر قیامت کے دن اور اُس کے عذاب کو بھلا بیٹھتے ہیں، اُن کا حشر قیامت کے دن سوائے حسرت اور افسوس کے کچھ نہ ہوگا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۥ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ٥
مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۥ وَاَنْذِرِ النَّاسَ
يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ
وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۥ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ٥ (سورۂ ابراہیم: ۴۲، ۴۳)

مومنو، تم یہ خیال نہ کرو کہ خداوند تعالیٰ ظالم لوگوں کے اعمال سے غافل ہے، بے خبر ہے، نہیں بلکہ اللہ انہیں اس دن تک کی مہلت دے رہا ہے جس دن کی دہشت اور خوف سے لوگوں کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ جائیں گی اور لوگ سر اُٹھائے ہوئے میدانِ قیامت کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔ اُن کی نگاہیں خود ان کی اپنی طرف نہ لوٹیں گی اور اُن کے دل قیامت کے دن اُکھڑ جائیں گے، ہوا ہو جائیں گے۔ اے پیغمبر، لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ، یعنی قیامت کے دن سے۔ جب اس دن ان پر عذاب آئے گا تو یہ ظالم کہیں گے۔ اے ہمارے ربّ ہمیں تھوڑی سی مہلت دے دے، دنیا میں دوبارہ بھیج دے تاکہ تمہاری توحید کی دعوت پر ایمان لے آئیں اور تمہارے پیغمبروں کی پیروی اختیار کریں۔ اس وقت انہیں جواب ملے گا، کیا اس وقت تم دنیا میں قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ اس دنیا اور ہمارے موجودہ حالات کو زوال نہ آئے گا اور نہ قیامت نام کا کوئی دن ہوگا۔

اہل ایمان کو تسلی

سورۂ ابراہیم کی ان آیات میں جہاں قیامت کے دن کے آنے کا ذکر ہے کہ ضرور آئے گا، وہاں اس کی دہشت اور خوف کی حالت میں انسان کی بے بسی و بے چارگی کا نقشہ بھی ہے کہ وہاں سوائے مومنوں اور نیک بندوں کے باقی منکرین قیامت اور خدا کے باغی سخت دہشت اور ڈر کی حالت میں ہوں گے۔ ان آیات میں مومنوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے شک و شبے کا ازالہ بھی ہے کہ منکرینِ توحید و منکرینِ رسالتؐ و آخرت جو آج اس دنیا میں بے خوف و خطر دندناتے پھر رہے ہیں۔ انہیں ان کے اعمال کی سزا کیوں نہیں ملتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا اُن کے

Marfat.com

طرزِ عمل سے غافل ہے یا انہیں نعوذ باللہ من ذالک سزا دینے سے عاجز ہے کہ انہیں نہ قیامت کی فکر ہے اور نہ ان کے کاروباری دائروں میں کسی زوال کے آثار نظر آتے ہیں۔

اسی طرح یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ۙ وَّ نَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ وِرۡدًا ۘ لَا یَمۡلِکُوۡنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ۘ (سورہ مریم: ۸۵ تا ۸۷) جس دن نیکو کار لوگوں کو خدا کے سامنے بطور مہمان پیش کیا جائے گا اور اس کے برعکس گنہگاروں کو بھوکا پیاسا جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔ قیامت کا یہ دن ایسا ہوگا کہ اس میں کسی کو بھی کسی کی سفارش کا اختیار ہوگا نہ کسی کی سفارش سنی جائے گی۔ سوائے اُس کے جس نے خدا کے احکامات اور رسولؐ کی مکمل اطاعت کے نتیجے میں، خدا سے اپنی بخشش کا اقرار لے رکھا ہو یعنی خدا و رسولؐ کی تابعداری کی صورت میں ایسے لوگوں کی بخشش کے خدا نے خود ان سے وعدے کر رکھے ہیں۔ ان تمام گزشتہ آیات میں بھی اور ان کے علاوہ قرآن کریم میں بے شمار دوسری آیات میں قیامت کے عقیدے کو انسانوں کے دلوں میں اُتارنے اور ذہنوں میں بٹھانے کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی میں انسان کے اچھے بُرے اعمال کے بھلے بُرے نتائج سے خبردار کر دیا گیا ہے اور جیسا کہ ابتداء میں ذکر کیا ہے کہ عقیدۂ آخرت کی یقینی آمد کا نتیجہ تھا کہ انسان بالخصوص اسلام کے دورِ اوّل کے پیروکاروں کی ایسی سوسائٹی تشکیل پائی اور ان کا ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس کی مثال دُنیا کا کوئی ملک، کوئی نظریہ، کوئی فلسفہ اور کوئی تہذیب نہ پیش کر سکی ہے اور نہ قیامت تک پیش کر سکے گی۔

عقیدۂ آخرت انسانی بگاڑ کا علاج

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت معاشرے اور انسانی سوسائٹی کی بگڑی ہوئی صورتِ حال کے پیشِ نظر ان کی اصلاح اور تربیت کا یہی عقیدہ تھا جو اُس وقت کارگر، مؤثر اور تیر بہدف ثابت ہُوا اور آج بھی اس بگڑے ہوئے معاشرے میں اسی عقیدے کو راسخ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کالجوں تحقیقی اداروں، تجربہ گاہوں، تفریحی مرکزوں میں انسانی زندگی کی تمام فرضی اور حقیقی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کے لئے انتظامات ہوتے ہیں" لیا یہ سارے انتظامات اُن انسانوں کے لئے ہیں جو سانپ اور بچھو بن کر زندگی گزاریں گے، جن کی زندگی کا مقصد لہوالہوسی ... ر عیش پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ آدمیوں کے بنانے کی فکر کسی کو نہیں ہے جن کی زندگی کے لئے سب انتظام ہو رہے ہیں۔ اسلا[م] نے انسانیت کی تعمیر، انسانوں کی اصلاح اور آدمیوں کے بنانے کی فکر کی اور چند برسوں کی محنت کے بعد ایسے انسان پیدا کر دیئے کہ جن کی انسانیت کو آج بھی دُنیا اپنی مادّی ترقیوں کے باوجود سلام کرتی ہے اور اعتراف کرتی ہے۔ اُن کے دلوں میں یہ بات پُختہ تھی کہ خداوند تعالیٰ بندے کی ہر حرکت، عمل اور بات کو دیکھتا اور سُنتا ہے۔ ان کے دماغوں میں ہر وقت یہ خیال چپکا رہتا کہ ہم مریں گے اور پھر زندہ ہو کر خدا کے سامنے اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں گے۔ انہیں یقین تھا کہ مرنے کے بعد ہی زندگی کے اچھے بُرے اعمال کا بدلہ ملنا شروع ہوگا۔ کفارِ مکّہ اور مشرکین کے ذہنوں میں یہ بات نہ آتی تھی کہ آدمی جب مر جاتا ہے، اُس کا گوشت ہڈیاں گل سڑ جاتی ہیں، آگ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے پانی میں ڈوب مرتا ہے، وجود ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اُسے کیسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور کس طرح اس سے حساب کتاب ہوگا۔ قرآن کریم کی تمام مکّی سورتوں میں اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے اور خداوند تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کو مختلف انداز اور مثالوں سے بیان کیا گیا ہے، صرف دو آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

Marfat.com

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۔ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۔ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ؕ
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۔ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۔
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۔ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ـــ

(سورہ عبس: ۳۴ تا ۴۲) انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنے ماں باپ سے بھاگے گا، اپنے بیوی بچوں سے بھاگے گا۔ تمام لوگ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ ہر شخص اور ہر رشتہ اپنی اپنی فکر میں ہوگا۔ اس دن کے آنے پر یقین رکھ کر زندگی گزارنے والوں کے چہرے اس دن چمکیں گے۔ یہ ہنستے مسکراتے اور شاداب چہرے ان لوگوں کے ہوں گے جو اس دن کی تیاری میں نیک اعمال کرتے رہے اس کے مقابلے میں دوسرے چہرے ایسے لوگوں کے ہوں گے کہ گویا ان پر مٹی پڑی ہے، سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی، یہ کافروں اور بدکاروں کے چہرے ہوں گے جنہیں اس دن کے آنے کا یقین نہ تھا جس کی وجہ سے اس دن کے عذاب اور پوچھ گچھ کے خیال کے بغیر انہوں نے وحشی جانوروں کی سی زندگی گزاری ہے۔ مشرکینِ مکہ اور آخرت کا ہر دور میں انکار کرنے والے یہ سمجھ نہیں پائے کہ انسان مر کر مٹی ہو کر، جل کر کس طرح دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے۔ انسانی جسم کے یہ ذرات، یہ اجزاء کیسے اکھٹے کیے جائیں گے۔ ان سوالات کے جواب میں قرآن کریم میں غور و فکر کی بے شمار دلیلیں موجود ہیں۔ سورۂ قیامہ کی ان آیات پر غور فرمائیں: ـــ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۔ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۔ يَسْئَلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ؕ (سورہ قیامہ: ۲ تا ۶)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی بکھری ہوئی، سڑی ہوئی ہڈیاں اکھٹی نہ کر سکیں گے۔ ضرور کریں گے بلکہ ہم (اللہ) اس بات کی بھی طاقت رکھتے ہیں کہ اس کی (انسان) ایک ایک پور درست کریں، مگر انسان چاہتا ہے کہ خودسری کرتا چلا جائے اور پوچھتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ جب قیامت آئے گی تو آنکھیں چندھیا جائیں گی، چاند گہنا جائے گا، سورج اور چاند باہم اکھٹے ہوں گے، اس دن کے خوف سے انسان کہے گا کہ کہاں بھاگ جاؤں، بے شک اس کے لئے کہیں پناہ نہ ہوگی اس دن صرف پروردگارِ عالم کے پاس ہی ٹھکانا ہوگا۔ اس دن اس نے جو عمل کیا ہوگا بتا دیا جائے گا۔ مکی دور کی تمام سورتوں میں خدا کی توحید، شرک و بت پرستی کی مذمت، عقیدۂ آخرت کا ذکر اور عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا بیان موجود ہے۔ یہی عقیدہ انسانی اعمال اور معاشرتی احوال کی درستگی کا سبب بنا۔ اسی عقیدے کی تکرار، تذکرے اور ایمان کا جز بنانے سے انسانی زندگی امن و آشتی، صلح و سلامتی اور باہمی ہمدردی و ایثار کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

جو لوگ عقیدۂ آخرت کے منکر ہیں یا آج ہم مسلمانوں کی طرح یہ تو مانتے ہیں کہ قیامت آئے گی اور وہیں وہاں اپنے قول و فعل کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ برائیوں پر سزا ملے گی، اچھائیوں پر اجر ملے گا، مگر یہ سب کچھ ماننے کے باوجود اپنی زندگی کے تمام معاملات میں خدا کے احکامات اور حضورؐ کی تعلیمات کے خلاف چلتے ہیں، بدکاریوں سے پرہیز نہیں کرتے، بددیانتی، چوری، غبن، زنا، شرک ہر قسم کی برائیوں کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عملی طور پر ہمیں قیامت کی جوابدہی پر یقین نہیں ہے۔ جنگلی جانوروں کی طرح زندگی گزار کر حلال اور حرام کی تمیز کیے بغیر زندہ رہ کر یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم نہ خدا کے احکامات کو مانتے ہیں نہ رسولؐ کی تعلیمات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہم غیر ذمہ دار زندگی گزارتے ہیں کسی کے سامنے پیش ہو کر

Marfat.com

مقررہ دن کی جوابدہی کے قائل نہیں ہیں۔

قرآن کریم کی دوسری سورتوں، سورۂ مدثر، سورۂ ماعون میں قیامت کے منکروں اور دوزخ کے مستحق لوگوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ یہی ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے، یتیموں مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے۔ قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں۔ قرآنی آیات کو سُن کر مذاق اُڑاتے ہیں۔ قیامت کے ذکر پر ٹھٹھے بازی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں، قیامت کس نے دیکھی ہے، کون دیکھ کر آیا ہے۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں، یہ بنیاد پرست، قدامت پسند لوگوں کی باتیں ہیں۔ ایسے لوگ مادر پدر آزاد ڈھور ڈنگروں کی طرح بے مقصد زندگی گزارتے ہیں۔ قیامت اور اس میں خدا کے سامنے پیش ہو کر حساب کتاب کے احساسِ ذمہ داری سے عاری لوگ ہیں، ایسے لوگ جو چاہیں کریں۔ ان میں نہ انسانی ہمدردی ہوتی ہے نہ باہمی تعاون ہوتا ہے۔

عقیدۂ آخرت کے کردار

ان کے برعکس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کو برحق سمجھتے ہیں، اُس کے احکام کو سچا، اُس کے انبیاءؑ اور اُن پر اتاری جانے والی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں جنہیں مرنے کے بعد زندہ ہو کر اُٹھنے اور قیامت کے برپا ہونے اور اعمال کا حساب دینے کا یقین ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کا ہر سانس، عمر کا ہر لمحہ، عمل کا ہر قدم اسی احساس کے تحت گزارتے ہیں۔ زندگی کے تمام معاملات و معمولات جوابدہی کے احساس کے ساتھ گزارتے اور کرتے ہیں تو قیامت کے دن انہیں ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ قیامت میں خوشی و مسرّت کے ساتھ ہر کسی کو اپنا اعمالنامہ دکھاتا پھرے گا اور کہے گا۔ (اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَہْ - سورۂ الحاقہ) مجھے قیامت کے دن، اس میں حساب کتاب اور خدا کے سامنے پیش ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ اسی لئے میرا اعمالنامہ صاف ستھرا ہے میں نے اس دن کے ڈر سے کوئی بُرائی نہیں کی۔

اُس کی مثال اس طالب علم کی ہوگی جو امتحان کے خوف سے پڑھتا ہو، محنت کرتا ہو اور جب امتحان کے احساس سے ہر لمحہ اور ہر منٹ امتحان کی تیاری میں لگا تا ہو تو امتحان میں یقیناً شاندار نتیجہ آئے گا۔ اس طالب علم کو حق ہے کہ وہ اپنا نتیجہ لوگوں کو دکھائے، لوگوں سے شاباش حاصل کرے۔ اس کے برعکس دوسرا طالب علم ہے جس نے سارا سال کھیل کود میں گزارا ہو، غیر حاضریاں کرتا رہا ہو، تدریس کے دوران توجہ نہ دیتا ہو اور نہ کبھی کتاب ہاتھ میں لی ہو تو گویا اُسے امتحان کے آنے کا یقین نہیں ہے۔ جب امتحان سر پر آئے گا تو کورا ہوگا اور جب نتیجہ نکلے گا تو فیل ہوگا۔ وہ یقیناً شرمندگی، ندامت محسوس کرے گا اور مُنہ چھپاتا پھرے گا۔ قیامت کے دن قیامت کا یقین نہ رکھنے اور غیر ذمہ دارانہ زندگی گزارنے والوں کا بھی یہی حال ہوگا۔ لڑکے تو آجکل امتحان میں نقل مار لیتے ہیں، مگر قیامت میں ایسا نہ ہوگا۔ خدا کے سامنے ہیرا پھیری، رشوت، سفارش اور دعوتیں تو نہ چلیں گی وہاں اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا تو شرمندگی و خجالت سے کہے گا یالیتنی لم اوت کتابیہ ولم ادر ما حسابیہ۔ اے کاش میرا اعمالنامہ مجھے نہ دیا جاتا۔ میں اپنے اس شرمناک اعمال سے بے خبر ہی رہتا۔ میرا حساب کتاب نہ ہوتا۔ کاش موت ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتی۔ آج زندہ نہ کیا جاتا۔ آج میرا مال میرے کام نہ آیا، ہائے میری بادشاہی، میرا اقتدار خاک میں مل گیا۔ اُس کے بارہ میں حکم دیا جائے گا۔ اسے پکڑو، ذلت اور رسوائی کا طوق پہنا دو، دوزخ کی آگ میں جھونک دو، ستر ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ دو، کیونکہ اسے خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان و یقین نہ تھا۔ آوارہ زندگی گزاری،

کسی ضابطے اور قاعدے کا پابند نہ تھا۔ نہ فقیروں غریبوں کو کھانا کھلایا۔ آج اس کا کوئی دوست نہ ہوگا۔

عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے والوں کی سیرتوں اور اُن کے کردار کو دیکھیں۔ جس معاشرے میں ایسے انسان ڈھلتے ہوں، ایسی سیرتیں بنتی ہوں، ایسے کردار تخلیق پاتے ہوں تو اس سوسائٹی اور اس معاشرے کی بہار کیا ہوگی۔ افسوس یہ بہار تھوڑا عرصہ تک اجتماعی طور پر قائم رہی، پھر انفرادی زندگیوں میں بکھر گئی اور آج تو پوری دنیا، دنیا کی خرافات میں کھو گئی۔ انسانوں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بن گئیں، آسائشیں پیدا ہوگئیں، جس میں انسان خود گم ہوگیا۔

؎ فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

۱۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک قاری نے سورۃ المزمل کی یہ آیات پڑھیں: اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا۔ ہمارے پاس گنہگاروں کے لئے بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے، تو حضورؐ قیامت کے اس خوف سے بے ہوش ہو گئے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورؐ سے فرمایا۔ حضورؐ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا، مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورہ مرسلٰت، سورہ عم یتساءلون اور سورہ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا۔ کیونکہ ان سورتوں میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے صحابہؓ میں یہ آیت تلاوت فرمائی: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ۔ ایمان والو اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، تو ایک نوجوان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ گر پڑا۔ حضورؐ نے دل پر ہاتھ رکھا تو حرکت موجود تھی۔ آپؐ نے اُسے کلمہ طیبہ پڑھنے کو فرمایا اور جنت کی خوشخبری سنائی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ، جنت کی یہ بشارت ہم سب کے لئے ہے یا صرف اسی کے لئے ہے۔ حضورؐ نے فرمایا آپ نے خدا کا یہ فرمان سنا ہے؛ ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ۔ (سورۂ ابراہیم: ۱۴) جنت کی خوشخبری ہر اُس شخص کے لئے ہے جو خدا کے رُوبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور خدا کے عذاب سے ڈرے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔ جو شخص قیامت کے دن خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور اُس کے نتیجہ میں اپنے نفس کو بُری خواہشات سے روکے تو جنت یقیناً اس کا ٹھکانا ہے۔

۲۔ حضرت ثابتؓ بن حجاج فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اکثر فرماتے رہتے کہ تم اپنے نفسوں کو تولو اس سے پہلے کہ تمہیں تولا جائے۔ اپنا محاسبہ کرتے رہو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ ایسا کرنا قیامت میں آسانی کا موجب ہوگا۔ یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْکُمْ خَافِیَۃٌ۔ قیامت کے دن تمہارا کوئی عمل اور بات خدا سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ فرماتے، اگر فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوکا پیاسا مر گیا تو قیامت کے دن اس کی جوابطلبی مجھ سے کی جائے گی۔ آج بکری کے بچے نہیں آدمی اور اُن کے بچے دن دیہاڑے مارے جاتے ہیں، کسی کو جوابدہی کا احساس ہونا اور حکومت چھوڑنا تو بہت بڑی بات ہے، قاتلوں، ڈاکوؤں کی پُشت پناہی کی جاتی ہے اور دعویٰ ہے کہ حکومت عوامی اور جمہوری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ ایک دفعہ شام کے سفر سے واپس ہوئے تو حکومت کے کاموں سے فراغت پا کر گشت پر نکلے۔ عوام سے ملتے، حالات معلوم کرتے، شکایات رفع فرماتے، انتظامات کو بہتر بناتے۔ ایسا کرتے ہوئے

Marfat.com

اُنہیں بہت سی تلخ باتیں بھی سننا پڑتیں۔ اُنہیں منہ پر بھی بُرا بھلا کہا گیا، کڑی سے کڑی تنقید کی گئی، لیکن آج کے حکمرانوں کی طرح انہیں پٹوایا نہیں جاتا تھا، نہ جیل بھیجا جاتا بلکہ حوصلہ افزائی کی جاتی اور شکایت فوراً رفع کر دی جاتی۔

۳ - اسی قسم کی ایک گشت کے دوران انہیں ایک بڑھیا ملی۔ آپؓ نے اس کا حال پوچھا۔ جواب دیا، ٹھیک ہوں، اپنی مصیبت خود بھگت رہی ہوں۔ بڑھیا نے پوچھا۔ ہمارے امیر کا کیا حال ہے، آجکل کہاں ہے؟ بڑھیا انہیں نہ جانتی تھی۔ حضرت رضؓ نے فرمایا۔ کیوں کیا ہُوا، کیوں پوچھتی ہو، وہ شام کے دورے سے واپس آ گئے ہیں آجکل مدینہ میں ہیں۔ بڑھیا نے کہا۔ اللہ اس سے سمجھے۔ حضرت عمرؓ پریشان ہو گئے۔ پوچھا، کیوں ان سے کیا شکایت ہے؟ بڑھیا نے کہا۔ وہ امیر المومنین بنا بیٹھا ہے، لوگوں کے وظیفے مقرر کئے اور مجھ غریب کو پوچھا تک نہیں، نہ مجھے وظیفہ ملا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اسے علم نہ ہوگا۔ بڑھیا نے کہا۔ مسلمانوں کا امیر بنا ہے اور اُسے یہ علم نہیں کہ مملکت میں کون کس حال میں ہے۔

حضرت عمرؓ آج کے نام نہاد حکمران نہ تھے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے تھے۔ انہیں آخرت کی جوابدہی کا شدید احساس تھا اور اتنا کہ اکثر گھاس کا تنکا لے کر فرماتے۔ کاش میں تنکا ہوتا کہ آخرت کا حساب نہ دینا پڑتا۔ بڑھیا کی شکایت سنی تو لرز گئے، آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آخرت کی جوابدہی کا شدید احساس ہوا تو بڑھیا سے کہا، اگر تو اپنی اس شکایت کا مجھ سے یہ وعدہ کرے کہ "میں آخرت میں حضرت عمرؓ کے خلاف شکایت نہ کروں گی" تو میں تمہیں اس شکایت کی معقول قیمت دوں گا اور حضرت عمرؓ کو بھی راضی کروں گا کہ وہ تمہارا وظیفہ جاری کر دے۔ غرض اُنہوں نے بڑھیا کو راضی کر لیا کہ وہ قیامت کے دن خدا کے حضور ان کے خلاف شکایت نہ کرے گی اور شکایت کی قیمت بیس درہم لینے پر راضی ہو گئی۔ حضرت عمرؓ بیس درہم دے کر ابھی بڑھیا سے رُخصت ہو رہے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ وہاں آ گئے۔ انہوں نے یا امیر المومنین کہہ کر سلام کیا تو بڑھیا پریشان ہو کر بولی۔ آپ امیر المومنین ہیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی، تم نے مجھے میری ذمہ داری کا احساس دلایا ہے۔ میری غلطی مجھ پر واضح کی۔ یہ کہہ کر انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو واقعہ کی تفصیل بتا کر بڑھیا سے شکایت خریدنے کا گواہ بنایا۔ اللہ کا یہ ڈر، قیامت میں اپنے خلاف شکایت کا یہ خوف۔ عقیدۂ آخرت کو ماننے کا یہ نتیجہ ہے کہ اس عقیدہ نے مسلمانوں، حکمرانوں اور عام معاشرے کے افراد کو کیسا سنوارا اور کتنا باکردار بنایا۔ آج ہمارے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ بحیثیت مسلمان حکمران کے، با اختیار سرکاری منصب دار کے، دکاندار، ملازم غرض زندگی کے جس جس شعبے سے ہمارا تعلق ہے ہمیں اپنے خلاف دوسروں کی شکایات کا یہ احساس، یہ خوف اور ڈر ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ہمارا کردار یقیناً حضرت عمرؓ جیسا ہوتا، اگر ہمارے اندر یہ کردار پیدا نہیں ہُوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا قیامت کے آنے اور اعمال کی جوابدہی پر ایمان نہیں ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اسلامی مملکت کی سب سے بڑی شخصیت تھے۔ حضورؐ کے یارِ غار کی حیثیت سے قرآن میں ان کا ذکر ہے۔ جنت کی جن صحابہؓ کو ان کی زندگی میں خوشخبری ملی ہے، خلیفۂ اوّل اُن میں سے تھے۔ اتنے اعزازات کے باوجود امام شعرانیؒ نے اُن کے بارہ میں اپنی کتاب البحرالمورود میں لکھا ہے کہ خوفِ الٰہی اور آخرت کی جوابدہی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ جو آدمی اُن کے قریب جاتا تو جلے ہوئے دل کی بُو آتی تھی۔ ان کا دل خوفِ الٰہی سے پک گیا تھا۔ حضورؐ اکثر صحابۂ کرامؓ سے فرماتے کہ میں آپ سے زیادہ

Marfat.com

خدا کو پہچانتا ہوں اور آپ سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔ معلوم ہؤا کہ خدا کی معرفت جتنی بڑھے گی خدا کا خوف بھی اتنا ہی بڑھے گا۔

۴ - حضرت سعید بن عامرؓ حمص کے گورنر تھے۔ خیبر کی لڑائی سے پہلے ایمان لائے تھے، پھر عہدِ نبویؐ کے تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ آپ بڑے منتظم تھے، منصف مزاج، خداترس اور مجاہد تھے۔ جنگ یرموک میں ان کا کارنامہ یادگار رہے گا۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ حمص گئے۔ وہاں عوام سے ملاقاتیں کیں، واپسی سے پہلے کچھ لوگوں کو بلایا اور فرمایا۔ مجھے اپنے صوبے سے ایسے لوگوں کے نام لکھواؤ جو بیت المال کے مستحق ہوں۔ فہرست بننے لگی تو پہلا نام حمص کے گورنر سعید بن عامرؓ کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، وہ تو سرکاری تنخواہ دار ہیں، گورنر ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ وہ تنخواہ لیتے ہیں، مگر پاس نہیں رکھتے۔ چند درہم نکال کر باقی سب اللہ کی راہ میں بانٹ دیتے ہیں۔

آپؓ جب مدینے پہنچے تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حال سنا تھا تو حضرت خبیبؓ کو طلب فرمایا اور انہیں ایک ہزار درہم کی تھیلی دے کر آپ نے تاکید فرمائی کہ حمص پہنچ کر حضرت سعیدؓ کے مہمان بن کر رہنا، اگر یہ معلوم ہو کہ وہ واقعی فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے ہیں تو یہ تھیلی میری طرف سے انہیں دے دینا کہ ذاتی استعمال میں لے آئیں۔ حضرت خبیبؓ حمص جا کر گورنر کے مہمان ہوئے۔ دسترخوان پر سوکھی روٹی اور زیتون کے تیل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے امیرالمؤمنینؓ کی طرف سے تھیلی اُن کو دیدی تو بڑے زور سے اِنّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون پڑھا۔ اندر حجرے سے اہلیہ محترمہ نے زور سے پوچھا۔ خیریت تو ہے۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا۔ حادثہ ہو گیا، دولت گھر آ گئی ہے۔ امیرالمؤمنینؓ نے ایک ہزار درہم کی تھیلی بھجوائی ہے۔ بیوی نے اندر سے جواب دیا۔ واقعی قیامت ٹوٹ پڑی ہے، مگر اسے کونے میں ڈال دو، کل صبح مجاہد اس راستے سے گزریں تو ان میں بانٹ دینا۔

لوگ معمولی معمولی بابو ہوتے ہیں تو زندگی کے ٹھاٹھ اور کوٹھیوں پر حیرت ہوتی ہے۔ گورنروں اور وزیروں کا تو نقشہ ہی اور ہے۔ پھر آج کے افسران، ملازموں ہر طبقہ کے لوگوں کی بیویوں نے تو فیشن، امارت کے اظہار اور دولت کی حرص کے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ آجکل رشوت خوری کا سارا کاروبار بیگمات اور خواتین کے ذریعہ طے ہوتا ہے۔ یہ کاربرآری کے علاوہ ضرورت مندوں سے رونمائی اور شیریں بیانی کے زائد روپے وصول کرتی ہیں۔ شوہر نامدار کی رشوت ڈبل ہو جاتی ہے۔ حرام و حلال کی تمیز عورتوں سے اُٹھتی ہے۔ یہ بیویاں شوہروں کی گردنوں میں آگ کا طوق پہناتی ہیں، اسلامی معاشرہ کا سرطان ہیں۔

حضرت خبیبؓ نے واپس آ کر ساری تفصیل حضرت عمرؓ کو سنائی تو اُنہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ گورنری کے لئے اُن کا انتخاب کھرا نکلا۔ دولت بڑی بلا ہے، اس کے پنجے سے بچنا آسان نہیں۔ عورت ہو یا مرد، جس کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کے دن کی جوابدہی کا یقین ہو تو وہی حرص و ہوس کے پھندوں سے بچ سکتے ہیں۔ عقیدۂ آخرت اور جوابدہی کا احساس ہی تو تھا کہ اسلامی معاشرے میں ایسے ایسے قابلِ فخر کردار پیدا ہوئے۔

مسند احمد میں حضرت ابو امامہؓ کی روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اگر دس آدمیوں پر بھی والی ہے تو قیامت کے دن خدا کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوگا، اُس کی نیکیاں یا تو نجات دلا دیں گی یا اس کے گناہ اسے ہلاک کر دیں گے۔ حکومت کی ابتداء ملامت۔ درمیانی زمانہ ندامت اور آخری دور رسوائی

Marfat.com

قیامت ہے۔ سارا دارومدار خدا کے خوف اور آخرت کی جوابدہی پر ہے۔

آخرت پر عقیدہ کی پختگی اور خدا کے سامنے جن لوگوں کو کھڑے ہونے کا خوف ہوتا ہے، زندگی کی آسائشیں ان کے لئے بے مزہ ہو جاتی ہیں تب جا کر اخلاق سنورتے، کردار بنتے اور انسان پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سرکاری کام بیت المال سے تیل اور چراغ کی روشنی میں کرتے تھے۔ اس دوران کوئی ذاتی کام ہوتا یا غیر سرکاری کام کا ملاقاتی ملنے آتا تو سرکاری چراغ بجھا کر ذاتی گھر کا چراغ جلا دیتے۔ عمر بن مہاجر کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تنخواہ دو درہم یومیہ تھی۔ آپ کا چراغ وہاں تین لکڑیوں پر کھڑا کر کے اس پر مٹی ڈال کر بنایا گیا تھا۔ ایک دفعہ غلام سے پانی گرم کرنے کو کہا۔ وہ سرکاری شاہی باورچی خانہ سے گرم کر کے لایا۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے اتنی لکڑیاں گھر سے منگوا کر شاہی باورچی خانے میں بھجوا دیں۔ ایسا کیوں تھا کہ ان لوگوں کو قیامت کا یقین اور آخرت کی جوابدہی کا ڈر تھا۔ خلافت کے دوران یہ حالت تھی کہ باہر سے آ کر سجدہ میں سر رکھ دیتے، روتے روتے سو جاتے، آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگ جاتے۔ آخرت کا یقین اور جوابدہی کا احساس اتنا شدید تھا کہ کسی کل چین نہ آتا تھا۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

Marfat.com

عذابِ الٰہی کا خوف

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
سورۂ معارج - اہلِ جنت کی صفات - حضرت عائشہؓ کی تشریح	آیت معہ ترجمہ	۱
سورۂ دہر کی آیات - سورۂ نازعات - سورہ مزمّل	عذابِ الٰہی کی تائیدی آیات	۲
حضورؐ کا ارشاد کہ سورۂ ہود - سورۂ مرسلات - سورہ مزمّل کی آیت پر بیہوشی - قوا انفسکم واھلیکم نارًا پر لڑکے کا بیہوش ہونا - باب الرقاق	احادیث نبویؐ سے عذابِ الٰہی کی تائید	۳
حضورؐ کا خود کو محاسبے کے لئے پیش کرنا - موت کے بعد راکھ بکھیرنے والا - حضرت عثمانؓ - حضرت عمرؓ کا خوف نماز کے دوران انّ عذاب ربّکَ لواقع مالہ من دافع پڑھنا، بیمار ہونا - حضرت مقداد بن اوسؓ کی نیند اڑنا - حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خوف -	عذابِ الٰہی کے خوف والے کردار واقعات و امثال	۴
سکھدیو جی کا راجہ جنک کے پاس گیان حاصل کرنے جانا	عذابِ الٰہی کا خوف رکھنے والے دنیاوی لذتوں میں اس سے غافل نہیں ہو جاتے	۵

عذابِ الٰہی کا خوف اور اُس کے اخلاقی اثرات

آیت معہ ترجمہ وَالَّذِیْنَ ھُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّھِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّھِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ ۝
(سورۃ المعارج : ۲۸) - جنّت کے مستحق لوگوں کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ربّ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کا عذاب ایسی شے نہیں جس سے خوف نہ کھایا جائے۔

تفسیر و تشریح سورۂ معارج میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے مستحق لوگوں کی جو صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے عقیدۂ آخرت کی تفصیل اور اس کے انسانی اخلاق و کردار پر اثرات کی تفصیل گذشتہ اوراق میں بیان کی گئی ہے۔ اُن صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے۔ اہلِ جنت دنیا میں ہر وقت اس خوف کے تحت زندگی گزارتے ہیں کہ ذرا خطا ہوئی تو خدا کی ناراضگی کے باعث اُس کا غضب نازل ہوگا ——— چنانچہ اس خوف کے نتیجہ میں کسی بُرائی کا ان سے سرزد ہونا یا کسی گناہ آلود زندگی میں مبتلا ہونا تو بڑی بات ہے وہ دنیا کی جائز لذّات و آسائشوں سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ انہیں دنیا کے یہ تماشے، یہ ہنگامے، یہ لذّتیں اپنی طرف متوجہ ہی نہیں کر سکتیں۔ وہ دنیا کے منصب یا مرتبے، یا عزّت و توقیر پر اتراتے بھی نہیں، غرور اور تکبّر بھی نہیں کرتے اور نہ اپنی تقویٰ داری پر انہیں گھمنڈ اور ناز ہوتا ہے بلکہ نیکوکاری کے باوجود دل میں گزرنے والے معمولی خیال کی وجہ سے یا اپنی عبادت و ریاضت پر ذرا سا بھی برتری کا خیال آ جائے تو عبادت قبولیت سے محروم ہو سکتی ہے۔ جنت کے مستحق لوگ دنیا میں خدا کے عذاب سے شدید ڈر اور اس کی رحمت پر بھروسے اور اُمید کی حالتوں میں زندگی گزارتے ہیں۔

مومنانہ کیفیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت فرمایا۔ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ۔ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ برائی کرتے ہوئے خدا سے ڈریں اور اُن کے دل اس خیال سے کانپتے ہوں کہ انہیں ایک دن خدا کی طرف پلٹنا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو، نیکیاں کرتا اور برائیوں سے بچتے ہوئے بھی خداوند عزّوجل سے ڈرتا ہو، خدا کی فرمانبرداری کے باوجود ہر وقت خوفزدہ رہتا ہو۔ اس سے اندازہ ہوا کہ مومن اور اہلِ جنت اپنے دل کی کس کیفیت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور کس طرح خدا کی بندگی کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ اپنی تمام عمر اسلام کی شاندار خدمات انجام دینے، عدل و انصاف کی مثال قائم کرنے، فتوحات اور دنیا پر

Marfat.com

اسلام کا رُعب و دبدبہ جانے کے باوجود عذابِ الٰہی اور محاسبۂ قیامت کے متعلق اکثر فرماتے کہ قیامت میں اگر خدا کے سامنے برابر برابر بھی معاملہ ختم ہو جائے تو بھی بڑی بات ہوگی۔ حضرت بصریؒ نے فرمایا۔ مومن خدا کی اطاعت اور بندگی کے باوجود خدا کے عذاب سے ڈرتا ہے اور منافق گنہگار گناہ کر کے بھی بے خوف ہوتا ہے۔ سورۂ نازعات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاَمَّا مَنْ طَغٰی۔ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ہ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ۔فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔ جس کسی نے خدا کی سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دی تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جس نے خدا کے سامنے پیش ہونے اور اپنے اعمال کے کڑے اور سخت محاسبے کا خوف کھا کر اپنے نفس کو برائیوں سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

قیامت کے فیصلے کا مدار

قیامت کے دن ہر انسان کے متعلق فیصلے کا مدار انسان کے اپنے رویہ پر ہوگا۔ اس دنیا کی زندگی میں ایک رویّہ تو یہ ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کی حدود کو پھلانگ کر خدا سے سرکشی اور بغاوت کرے۔ اور اپنے لئے یہ فیصلہ کر دے کہ اُسے دنیا کی لذتیں، فائدے، عیش و عشرت، اور غیر ذمہ دارانہ قسم کی زندگی مطلوب ہے اور اس زندگی میں وہ ہر قسم کا بُرے سے بُرا رویّہ بھی اختیار کرے، اُسے کوئی باک، شرم اور حیا نہ آئے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا رویّہ یہ ہے کہ یہاں کی زندگی گزارتے ہوئے ہر وقت یہ بات اس کے دل و دماغ میں بیٹھی رہے کہ مجھے ایک نہ ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے، اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، خدا کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس خوف اور خطرے کے تحت اپنی نفسانی خواہشات کو دبائے شیطانی ارادوں سے دامن بچائے، برائیوں سے کنارہ کش رہے۔ اب ان دونوں رویّوں میں سے انسان جو رویّہ بھی اختیار کرے گا، قیامت کا اجر اُس کے اپنے اختیار کردہ رویّہ کے مطابق ہوگا۔ پہلا رویّہ چُنے گا جو سرکشی اور بغاوت کا ہے، نفسانی خواہشات کی غلامی کا ہے تو اس کا ٹھکانا اور انجام آخرت میں جہنم ہے۔ اگر دوسرا رویّہ چُنتا ہے کہ میں نے مرنے کے بعد قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے، ایک ایک قدم اور ایک ایک بات کا حساب دینا ہے۔ خدا کے عذاب کے خوف والا یہ رویّہ اختیار کر کے اپنی زندگی صاف ستھری گزارے گا تو اس کا ٹھکانا جنت ہوگا۔

چنانچہ اہلِ جنت کی صفات میں سے یہ صفت ہے کہ وہ خدا کے خوف، خدا کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اور خدا کا عذاب کوئی ایسی شے بھی نہیں کہ اُسے ہنسی مذاق میں اُڑایا جا سکے، اسے کسی نہ کسی ذریعے ٹالا جا سکے یا کچھ دے دلا کر بچا جا سکے۔ سورۂ دھر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا۔ وہ اس دن کے عذاب سے ڈرتے ہیں جس کی آفت و تباہی ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا۔ ہمیں اپنے ربّ کے اس عذاب والے دن کا خوف ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔ فَوَقٰھُمُ اللّٰہُ شَرَّ ذٰلِکَ الْیَوْمِ وَلَقّٰھُمْ نَضْرَۃً وَّسُرُوْرًا۔ خدا کے عذاب سے خوف کھا کر زندگی گزارنے والوں کو ــــ خدا اس دن کے عذاب سے محفوظ رکھے گا اور انہیں اس دن تازگی و سرور بخشے گا۔

حضورؐ کی تعلیم

حدیث کی کتابوں میں ایک مستقل جدا باب ہے جسے باب الرّقاق کہا جاتا ہے۔ اس میں حضورؐ کی ایسی احادیث جمع ہیں جن سے آخرت کی فکر بڑھتی ہے۔ عذاب کا خوف غالب آتا ہے اور دنیا سے

Marfat.com

رغبت کم ہو جاتی ہے۔ انسانی زندگی میں بہترین انقلاب اسی عقیدۂ آخرت اور عذاب الٰہی کے احساس اور خوف سے آتا ہے، زندگی سدھرتی ہے۔ تمام انبیاء کرامؑ اور بالخصوص حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس عقیدے پر سب سے زیادہ زور دیا اور مسلمانوں میں یہ عقیدہ ایسا راسخ اور دلوں میں پختہ کیا کہ تھوڑے عرصہ میں اسلامی سوسائٹی اور اسلامی معاشرہ ترقی، خوشحالی امن و امان، ہمدردی و ایثار اور پیار و محبت سے بھرپور ہو گیا۔

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا ادھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، قسم ہے خدا کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ کے قہر، غصّے اور جلال کا اور قیامت کے احوال کا جتنا علم مجھے ہے، اگر آپ کو اس کا تھوڑا سا علم بھی ہو جاتا تو آپ کی ہنسی کم ہو جاتی اور رونا زیادہ ہوتا۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضورؐ نے فرمایا۔ خداوند تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان لوگوں کو دوزخ سے نکال دو جنہوں نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا یا مجھ سے کسی موقعہ پر خوف کھا کر بُرائی سے بچ گئے۔

۳۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ جس شخص کی آنکھ سے خدا کے خوف اور ہیبت میں آنسو بہہ نکلے، خواہ مکھی کے سر کے برابر ہو تو اللہ اس چہرے پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ حضرت عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوجہاں صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ خدا کے خوف اور اُس کے عذاب کی ہیبت سے جس کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اُس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے سُوکھی ہوئی ٹہنی کے پتے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے گناہوں کی زیادتی اور خدا کے عذاب کے خوف سے اپنے بیٹوں کو وصیّت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری میّت جلا دی جائے اور اس راکھ میں سے آدھی سمندر میں بہا دو اور دوسری آدھی راکھ کو صحراؤں میں اُڑا دو۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح دوبارہ میرے وجود کا پیدا ہونا مشکل ہوگا تو میں قیامت میں خدا کے عذاب سے بچ جاؤں گا۔ بیٹوں نے اس کی وصیّت کے مطابق ایسا ہی کیا، مگر خداوند تعالیٰ، جو نابود سے بود کر سکتا ہے، راکھ کے اجزاء اُس کے خدائی اختیار سے کہاں باہر جا سکتے ہیں، سمندروں اور صحراؤں پر بھی اس کی حکمرانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے بتانا تھا کہ مجھ سے بچ کر کہاں جا سکتے ہو۔ اُس کی راکھ کے اجزاء اکٹھے ہوئے اور اُسے وجود بخش کر سامنے حاضر کر کے پوچھا۔ تمہاری تدبیر تو میری قدرت کے سامنے ناکام ہو گئی۔ اب بتا تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اُس نے جواب دیا۔ میرے مولا تو جانتا ہے میں گنہگار ہوں، تمہارے عذاب اور تمہاری ذات کے ڈر سے ایسا کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا مَرا اپنے گناہوں کے ماننے اور خدا کے عذاب سے خوفزدہ ہو کر ایسا کرنے پر خدا نے اسے بخش دیا۔

واقعات و امثال

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خود عذاب الٰہی کا خوف کتنا تھا۔ ظہر کی نماز سے پہلے حضورؐ اپنے چچازاد بھائی فضل بن عباسؓ کے ساتھ اپنے حجرے سے برآمد ہوئے اور مسجد نبوی کے منبر پر تشریف لائے۔ یہ سلھ ربیع الاوّل کے دن تھے۔ آپؐ کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی۔ اس بیماری میں چند دن بعد آنحضورؐ نے دُنیا سے پردہ فرما لیا۔ اس دن منبر پر تشریف فرما ہوئے تو الصّلوٰۃ الجامعۃ کا اعلان ہوا، جو اہم مسئلہ پر مسلمانوں کو مسجد میں بلائے جانے کا اعلان ہوتا تھا۔ مسلمان

جوق در جوق جمع ہوگئے تو آپؐ نے خطبہ کے بعد فرمایا کہ آپ میں سے جس کسی نے مجھ سے بدلہ لینا ہو لے لے، اگر میں نے کسی کو مارا ہے تو میرا جسم موجود ہے، آئے اور مار کر اپنا بدلہ لے۔ اگر میں نے کسی کو سخت سست کہا ہے تو آکر مجھے اسی طرح سخت سست کہہ لے۔ اگر کسی کا کوئی لین دین ہو تو آکر وصول کرلے۔ میری دلی خواہش ہے کہ جس کا بھی مجھ پر کچھ حق بنتا ہے وہ آکر مجھ سے لے لے یا مجھے معاف کردے تاکہ میں اپنے ربّ کے پاس ایسی حالت میں جاؤں کہ وہاں کسی کے حق میں پکڑا نہ جاؤں۔ آپؐ بخار کی حالت میں تھے، ماتھے پر سر درد کی وجہ سے پٹی بندھی ہوئی تھی اور اپنے بھائی فضلؓ بن عباس کے ساتھ منبر پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

آپؐ نے اپنی بات کہہ کر انتظار فرمایا کہ کوئی آگے بڑھے اپنا بدلہ لے، مگر نہ کوئی آگے آیا نہ کسی نے کچھ کہا۔ کوئی کہتا بھی کیا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر کوئی زیادتی کی ہی نہ تھی۔ غرض نماز کی ادائیگی کے بعد دوبارہ بھی اعلان فرمایا کہ اپنا بدلہ لینے میں ذرا بھی ڈر و نہ جھجکو ــــ عبادات کی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں، مگر معاملات کے معاملے میں آدمی بُری طرح پھنس جاتا ہے۔ کسی کو ستایا ہوتا ہے، کسی کو نقصان دیا ہوتا ہے، کم تولا ہوتا ہے، غیبت کی ہوتی ہے، عیب دار چیز بیچی ہوتی ہے، کبھی کو بدنام کیا ہوتا ہے۔ جن رتبے بڑے ہوں، ذمہ داریاں بھاری ہوں، اُن کی مشکلات بھی اور حساب بھی سخت ہوتا ہے۔ حکمران اور حکومت کے ارکان کا سرکاری خزانے کے استعمال اور غیر ضروری عیاشی و آسائشوں پر سخت پکڑ ہوگی۔ اُن کا حشر اور بھی بُرا ہوگا۔ حاکم چھوٹا ہو یا بڑا سب کے حقوق اللہ برابر ہیں۔ دنیا کو پہلا دستور دینے والے مدینہ کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ایک شہر تک محدود حکومت کو دس لاکھ مربع میل تک وسیع فرمایا تھا۔ اُنہوںؐ نے خود کو عوام سے الگ نہ فرمایا۔ وہی حکمران اور سیاستدان لوگوں کے سامنے خود کو محاسبے کے لئے پیش کرسکتے ہیں جو عدل کرنے والے، بے لوث، خدا سے ڈرنے والے، خدا کے عذاب کا خوف کھانے والے اور حکومت کو خدا کی طرف سے اور عوام کی طرف سے امانت سمجھنے والے ہوں، اگر ایسے حکمران اور صاحب کردار لوگ مل جائیں تو ملک کی کایا پلٹ سکتی ہے۔

۲ - ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیوی فاطمہؒ اپنے شوہر کی خدمت میں آئیں تو دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ مصلّے پر بیٹھے ہیں اور چہرہ آنسوؤں سے تر ہے۔ فاطمہؒ گھبرا کر قریب آئیں اور پوچھا، خیریت تو ہے ــــ فرمایا، مسلمانوں کا امیر بن کر پوری اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ سب کی دیکھ بھال میرا فریضہ ہے۔ میں اس مصلّے پر بیٹھا ہوا خدا کے سامنے اس فکر و غم میں رو رہا تھا کہ غریبوں، مسکینوں، مسافروں، قیدیوں اور حکومت کے دوسرے صوبوں کے بسنے والوں اور مختلف حاجتوں کے محتاج لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ مجھ سے سوال کریں گے تو کیا جواب دوں گا اور جانتی ہو اللہ کے دربار میں ان تمام مظلوموں کے وکیل کون ہوں گے؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ جوابدہی کے اس موقعہ پر میرا کیا حال ہوگا۔ یہی غم مجھے رُلا رہا ہے۔

۳ - حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ خلافت میں مالِ غنیمت میں بہت سا مشک ہاتھ آیا۔ خلیفہ نے ناک پر ہاتھ رکھ کر سونگھنے کا راستہ مسدود کردیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا، مسلمانوں کے مال میں میرا کوئی حق نہیں۔ مشک کی خوشبو بھی اس کا مصرف ہے اور یہ مصرف اور استعمال میرے لئے جائز نہیں۔

۴ - تاریخ نگار لکھتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انتقال کے بعد جو سرمایہ چھوڑا، کُل اکیس دینار تھے۔ ان میں سے پانچ دینار اُن کے کفن پر اور دو دینار اُن کی قبر کی زمین خریدنے پر صرف ہوئے۔ باقی چودہ دینار کا ترکہ ایک بیوہ اور گیارہ لڑکوں پر تقسیم کیا گیا تو

ہر ایک کے حصے میں انیس ۱۹ درہم آئے۔ مشہور بزرگ فرماتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک جب فوت ہوئے تو اُن کے بھی گیارہ لڑکے تھے۔ ہشام کے لڑکوں کو باپ کے ترکہ میں سے دس دس لاکھ درہم تقسیم ہوئے، لیکن کچھ عرصہ بعد ہشام کے لڑکے باپ کا اتنا چھوڑا ہوا ترکہ پانے کے باوجود لوگوں سے صدقے اور خیرات وصول کرتے تھے اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے لڑکے اپنے باپ کی خدا خوفی، پرہیزگاری کی وجہ سے خدا نے ایسے مالدار کیے کہ ایک دن میں جہاد کے لئے سو گھوڑے دیئے۔

۵ - جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری وقت آپہنچا، وصیت نامہ لکھوا چکے۔ اپنی تجہیز و تکفین کے بارے میں ہدایات دینے کے بعد آپ سے اہل و عیال کے بارہ میں سوال کیا گیا کہ آپ نے اپنی اولاد کا منہ دولت سے خشک رکھا۔ اب ان کے پاس کچھ نہیں ہے؟ آپ نے ٹیک لگا کر بیٹھنے کی خواہش کی، بٹھایا گیا تو فرمایا: میں نے اولاد کا منہ خشک نہیں رکھا۔ خدا کی قسم میں نے کبھی ان کا حق تلف نہیں کیا اور جس چیز میں ان کا حق نہیں تھا نہیں دیا۔ میری اولاد کے معاملے میں میرا وصی اور ولی صرف خدا ہے، وہی ملجا ماویٰ ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر خدا سے ڈرے تو خدا ان کے لئے کوئی صورت نکال دے گا، اگر وہ گناہوں میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کے گناہوں میں جائیداد چھوڑ کر کیوں شریک ہو جاؤں۔ پھر لڑکوں کو بلایا، انہیں آنکھوں میں آنسو بھر کر دیکھا اور کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، میں نے آپ کو مفلس چھوڑا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اچھی حالت میں چھوڑا ہے۔ میرے بیٹو! تمہارے باپ کو دو باتوں کا اختیار تھا۔ ایک یہ ہے کہ تمہیں دولت مند بنا دیتا اور جہنم میں داخل کرا دیتا۔ دوسرا تمہیں مفلس و محتاج چھوڑتا مگر جنت میں داخل ہونے کے قابل بناتا۔ مجھے دوسرا اختیار پسند آیا اسی کو اختیار کیا۔ جاؤ خدا تمہیں محفوظ رکھے۔ وقت کا سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار اپنے خدا سے جا ملا۔

ہندوؤں کی تاریخ میں ذکر ہے کہ سکھدیو جی نے اپنے باپ بید بیاس جی سے اجازت چاہی کہ گیان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ باپ نے کہا۔ راجہ جنک کے پاس جاؤ۔ سچی تڑپ اور طلب تھی۔ راجہ کے دروازے پر پہنچا، اندر اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی لیکن تین دن تک دروازے پر کھڑا رہا، داخلے کی اجازت نہ ملی۔ پھر اطلاع دی تو دوسرے دروازے پر تین دن کھڑے رہے۔ آخر اندر بلایا تو راجہ کے شاہی ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر سمجھا کہ راجہ تو دنیادار ہے، جگت بیوپاری ہے، مجھے کیا تعلیم دے گا۔ اُس کا یہ خیال راجہ پر منکشف ہو گیا، اسے ٹھہرایا۔ دوسرے دن تمام شہر کے گلی کوچوں میں ناچ گانوں اور کھیل تماشوں کا انتظام کیا گیا اور سکھدیو جی کو طلب کر کے دودھ سے لبالب بھرا ہوا کٹورا اُس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔ جاؤ جنک پور شہر کی مکمل سیر کرو، مگر خبردار دودھ کا ایک قطرہ بھی گرنے نہ پائے۔ دو سپاہیوں کو ننگی تلوار دے کر ساتھ کر دیا کہ اگر ایک قطرہ بھی دودھ کا گرے تو سکھدیو جی کا سر قلم کر دو۔

چنانچہ سکھدیو جی سپاہیوں کی نگرانی اور موت کے خوف سے پوری احتیاط سے شہر میں گھوم کر واپس آئے تو راجہ نے پوچھا۔ دودھ تو نہیں گرا۔ سپاہیوں نے کہا۔ اگر ایسا ہوتا تو سکھدیو زندہ آپ کے سامنے نہ ہوتا، قتل ہو چکا ہوتا۔ پھر راجہ، سکھدیو جی سے مخاطب ہوا۔ آج سارے شہر میں جگہ جگہ ناچ تماشے ہیں تم نے خوب سیر کی ہوگی، تماشے دیکھے ہوں گے۔ سکھدیو نے کہا۔ مہاراج مجھ کو اس کٹورے کی حفاظت بلائے جان تھی۔ ہر وقت اسی پر نظر اور اسی کا خیال تھا کہ کہیں ذرا غفلت سے قطرہ گرا تو مارا جاؤں گا۔ مجھے تو ناچ گانوں اور کھیل تماشوں کا خیال ہی نہیں آیا، پیالے پہ نظر تھی۔ راجہ نے کہا۔ سکھدیو جس طرح تم نے آج ایک دن گزارا ہے، خدا کے عذاب اور غضب سے ڈرنے والے ساری زندگی اسی طرح گزارتے ہیں۔ انہیں دُنیا کی

Marfat.com

لذّتوں کی طرف خیال ہی نہیں ہوتا۔

نیکی تلوار والے سپاہی ہوت، خدا کا عذاب۔ تن کٹورا اور من دودھ ہے، اردگرد تماشے کھیل گانے ناچ دنیائے فانی کے سیر تماشے لذّتیں اور گناہ ہیں۔ ہم جسم کے کٹورے میں ایمان کے دودھ کی فکر میں رہتے ہیں۔ دل یادِ الٰہی سے ذرا غافل ہو جائے تو مارے جائیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ سے فرمایا کہ یارسول اللہؐ، آپؐ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا سورۂ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کُوّرت نے بوڑھا کر دیا ہے ان سورتوں میں قیامت کے عذاب کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے کسی کو سورۂ مزمل کی یہ آیات اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا۔ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے، پڑھتے ہوئے سنا تو آپؐ بیہوش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عذابِ الٰہی سے ڈرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم دنیا کی لذّتوں میں ڈوب کر عذابِ الٰہی سے غافل نہ ہو جائیں اور زندگی کے ہر لمحہ میں یہ خوف مسلسل رہ کر ہمارے اعمال درست فرمائے اور ہمیں اہلِ جنت کی فہرست میں شامل فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

عمل صالح اور اُسکی اہمیّت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
١	عمل صالح کی اہمیّت	سورۂ توبہ۔ آیت کا پس منظر۔ داخلی و خارجی حالات تبوک کی مہم میں صحابۂ کرامؓ کی عدم شرکت۔ عقیدے کا اظہار و اقرار کافی نہیں عمل ضروری ہے۔ عمل پہ حضورؐ اور مومنین کی شہادت
٢	عمل کی اہمیّت کی وضاحت میں طویل تمثیلی واقعہ پر مشتمل حدیث	حضورؐ کی تمثیلی انداز میں موت کی منظر کشی ۔ بے بسی کے عالم میں مرنے والوں کا اپنے بھائیوں کو بلانا ۔ بڑا بھائی دولت و مال۔ درمیانہ بھائی بال بچے، رشتہ دار، چھوٹا بھائی عمل صالح
٣	نیک اعمال، عذاب قبر اور موت کی سختی میں امداد کریں گے جنت ہم خود اپنے اعمال سے تعمیر کرتے ہیں اور دوزخ بھی ۔	لہٗ معقّبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہٗ من امر اللہ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

Marfat.com

اسلامی تعلیمات میں عملِ صالح کی اہمیت

آیت معہ ترجمہ

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ط وَسَتُرَدُّونَ
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ - (سورۂ توبہ : ۱۰۵)

اے نبیؐ، تم کہہ دو کہ عمل کرتے رہو۔ اللہ اُس کا رسولؐ اور مومن دیکھیں گے کہ تمہارا طرزِ عمل کیسا رہا۔ تم اس خدا کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو کھلے اور چھپے ہوئے اعمال دیکھ سکتا ہے۔ وہ اس وقت بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

پس منظر

سورۂ توبہ کی یہ آیات اس موقعہ سے تعلق رکھتی ہیں جب بادشاہ روم نے جنگ موتہ میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے شام کی سرحد پہ فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ روم اُس زمانے کی ایسی ہی بڑی طاقت تھی جیسے آجکل امریکہ کو سمجھا جاتا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اور مسلمانوں کی بے سروسامانی کے باوجود اس سے ٹکرانے کا فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ اسلام کو اس وقت تینوں خطرات کا سامنا تھا۔ ایک طرف عرب کی جاہلیت حنین کی لڑائی کے بعد جی اٹھی تھی۔ دوسری طرف مدینہ کے منافق ابو عامر راہب کے ذریعہ، دینداری کے پردہ میں مدینہ کے متصل مسجد ضرار تعمیر کر کے مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم سے ٹکرانے کا فیصلہ کر دیا کہ وہ ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد اسلام کو کچلنے کے ارادہ سے بڑھ رہا تھا۔

داخلی اندرونی حالات

ان بیرونی حالات کے علاوہ اندرونی طور پہ ملک میں قحط سالی تھی۔ فصلیں پک کر تیار تھیں، جنگی سازوسامان کی کمی ہی نہیں تھی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ موسمی لحاظ سے گرمی اپنے پورے شباب پہ تھی۔ سرمائے کی ضرورت تھی۔ ملک کی سب سے بڑی طاقت کے ساتھ مقابلے کے اس موقع پہ مسلمانوں کے دین و ایمان کی آزمائش تھی۔ کھرے اور کھوٹے کا پتہ چلنا تھا۔ اسلام کے سچے اور سُچے پیروکاروں اور منافقوں میں تمیز ہونا باقی تھی۔ چنانچہ سچے مسلمانوں نے پورے جوش و خروش سے تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بڑھ چڑھ کر چندہ دیا۔ یہی وہ موقعہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے گھر کا نصف سامان و سرمایہ لا کر پیش کیا اور دل میں سوچ رہے تھے کہ آج کوئی سبقت نہ لے جا سکے گا، مگر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کی ساری پونجی معہ سامان لا کر پیش کر دی اور حضورؐ کے سوال پہ کہ گھر کے لئے کیا چھوڑا تو فرمایا، اللہ اور اُس کا رسولؐ! غریب صحابہ کرامؓ نے محنت مزدوری کر کے جو کمایا لا کر رکھ دیا۔ عورتوں نے زیور اتار کر دے دیئے، جو مال و دولت کے مالک نہ تھے، اُن سرفروشوں نے جانوں کے نذرانے پیش کرنے پہ آمادگی ظاہر کی۔ یہ سب کھرے سچے اور سُچے مخلص مسلمان جس جذبۂ اخلاص سے اس جنگ میں شرکت کے لئے بیتابی

Marfat.com

کا اظہار کر رہے تھے۔ اس پر حضورؐ کا دل بھر آتا تھا۔ یہ موقعہ ایمان و منافقت کی کسوٹی بن گیا۔ اس موقعہ پر پیچھے رہ جانے کا مطلب یہ تھا کہ اس کا اسلام سے تعلق مشکوک ہے یا وہ منافق ہے۔

شانِ نزول

آج ہمارے موضوع کے عنوان میں جو آیت درج ہے اس کا شانِ نزول بھی وہ موقع اور وقت تھا کہ تبوک کی مہم میں ابو البابہ بن عبدالمنذر اور اُن کے چھ ساتھی جو کسی منافقت کی وجہ سے نہیں بلکہ نفس کی وقتی کمزوری کے باعث تبوک کی اس مہم میں شریک نہ ہو سکے۔ حضورؐ جب اس مہم سے واپس تشریف لائے تو دوسرے منافقین نے مختلف بہانے اور عذر تراش کر اپنے منافقانہ رویہ پر پردہ ڈال دیا، مگر ابوالبابہ اور اُن کے ساتھیوں نے حضورؐ سے جھوٹ نہیں بولا اور نہ کوئی عذر تراشا بلکہ سیدھی طرح کہہ دیا کہ حضورؐ کوئی عذر نہ تھا، نہ مال کی کمی تھی نہ سواری اور اسلحہ کی کمی تھی، بس گھر کے آرام اور سکون نے پاؤں جکڑ لیئے اور یہ سوچتے رہے کہ عمدہ سواریاں موجود ہیں، جب بھی نکلے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اسی طرح آجکل کرتے کرتے رہ گئے۔ آپؐ کی واپسی کی خبروں نے پشیمان و پریشان کر دیا، ہمیں معاف کر دیجئے۔ حضورؐ معاف فرما دیتے، مگر ابوالبابہؓ نے اس غفلت کی سزا یہ تجویز کی کہ خود کو مسجد نبویؐ کے ستون سے باندھ دیا کہ جب تک معاف نہیں کیا جائے گا نہ خود کو کھولوں گا نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب ساتھیوں کے متعلق فیصلہ خدا پر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو ان سے سوشل بائیکاٹ کا کہہ دیا کہ جب تک خدا کی طرف سے فیصلہ نہ آجائے ان سے تعلق نہ رکھا جائے۔ آخر کار سخت بھوک اور پیاس کی طوالت کے باعث آپ ستون سے بندھے ہونے کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑے تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان کی توبہ قبول فرما لی گئی۔ خوشی و مسرت سے تمام مسلمان کھل اُٹھے، مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ابوالبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے توبہ کے لیئے یہ شرط مانی تھی کہ اگر میری توبہ قبول ہوئی تو گھر کا سارا سامانِ آرائش و آسائش جس کی موجودگی نے جنگ کی سختی اور سفر کی تکلیف سے روکا ہے، اسے خدا کی راہ میں دے دوں گا۔ اسی طرح دوسرے ساتھیوں نے بالخصوص حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا تمام مال خدا کی راہ میں دینا چاہا، مگر حضورؐ نے ان سے ایک تہائی وصول فرمایا۔

اس آیت کے اس شانِ نزول سے ثابت ہوتا ہے کہ تبوک کی مہم میں عدم شرکت، ان کی منافقت یا ایمان کی کمزوری اور دین اسلام سے بغاوت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ محض نفس کی کمزوری اور وقتی سستی کا نتیجہ تھی اور اس پر بھی پشیمان ہوئے تو ایسے کہ اپنی پشیمانی اور ندامت کی ایسی عملی مثال پیش کی جس کا ملنا مشکل ہے۔ ان کی یہ توبہ اور پشیمان ہونے کی اس مثال نے بہت سے دوسرے لوگوں کو بتا دیا کہ پشیمانی ہو تو ایسی اور توبہ کی جائے تو اس طرح کی جائے۔

کسی عقیدہ کا اقرار کافی نہیں عمل ضروری ہے

کسی بھی دعویٰ کے لئے اُس کی دلیل عمل ہوتی ہے۔ بہادری کے دعویدار کو بہادری کا جوہر دکھانا ہوگا۔ دوستی کا دعویٰ کرنے والے کو باہمی برتاؤ اور سلوک سے دوستی کا تعلق ثابت کرنا ہوگا۔ اسی طرح عقیدے کا اظہار کیا جائے یعنی اسلام پر ایمان لانے کا اقرار ... عقیدے کی سچائی کا معیار اور ثبوت اس کا عمل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جب بھی ایمان کا ذکر آیا ہے اس کے متصل بعد صالح عمل کا ذکر ضرور ہے۔ بغیر عمل کے عقیدے کا اظہار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خداوند تعالیٰ میرا معبود ہے، میری

بندگی وعبادت کا مستحق صرف وہی ہے تو دیکھا یہ جائے گا کہ اس کے اس دعویٰ پر عمل بھی ہے یا نہیں یعنی خدا کی بندگی کے لئے نماز پڑھتا ہے یا نہیں پڑھتا، اگر مسجد کو نہیں آتا نماز نہیں پڑھتا تو ثابت ہوگا کہ وہ اپنے زبانی خدا کو معبود ماننے کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ ایک شخص خدا کی محبت کا دعویدار ہو۔ خدا کا حکم ہے کہ میرے لئے مال خرچ کرو، اپنی محبوب ترین چیز دے دو، لیکن خدا کی محبت کے اس دعویدار نے نہ زکوٰۃ دی ہو، نہ صدقہ وخیرات دیتا ہو، نہ کسی مسافر ومسکین کا ہاتھ پکڑا ہو تو ثابت ہوگا کہ وہ خدا کی محبت میں جھوٹا ہے۔ گھوڑے کو دوڑا کر اور دوست کو آزما کر پرکھا جاتا ہے۔ آپ یہ عقیدہ رکھیں کہ آگ گرم ہے جلاتی ہے، کھانا پکاتی ہے، مگر آپ جب تک آگ جلائیں گے نہیں صرف زبانی اقرار سے نہ آپ گرم ہو سکتے ہیں نہ آپ کے کھانے پک سکتے ہیں۔ آپ کا یہ عقیدہ ہو کہ خوراک کھانے سے بھوک مٹتی ہے، طاقت قائم ہوتی ہے، مگر آپ نرا عقیدہ رکھیں، خوراک پیدا نہ کریں، اسے کھانے کا عمل ساتھ نہ کریں گے تو عمل کے بغیر یہ عقیدہ نہ بھوک مٹا سکتا ہے نہ آپ کی صحت بچا سکتا ہے۔ اسلام کے بنیادی عقیدہ خدا، اُس کے رسولؐ، اُس کی کتابوں، ملائکہ اور آخرت پر ایمان لانے والا، ان کو ماننے والا اپنے دعویٰ میں سچا نہیں ہو سکتا، جب تک اسلام کے عملی افعال، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرے۔ زبانی دعویٰ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آپ اپنے تعلقات میں زبانی جمع خرچ کرنے والے کو سچا نہیں سمجھتے تو خداوند تعالیٰ ایسے جھوٹے دعویدار کو عمل کے بغیر کیسا سمجھے گا۔ اس آیت میں ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے ساتھیوں کی صرف ایک بار تبوک کی مہم میں شریک نہ ہو سکنے کی وقتی کوتاہی تب ہی معاف ہوئی جب انہوں نے اپنی توبہ اور پشیمانی کی عملی مثال پیش فرمائی۔

عمل پر شہادت

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اگر مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہو، مجھے اپنا ربّ ومعبود مانتے ہو اور مجھے اپنی بندگی کا مستحق سمجھتے ہو تو میرے احکامات اور میرے پیغمبروں کی تعلیمات پر عمل کرتے رہو، میں تمہارا عمل دیکھتا رہوں گا۔ میرے پیغمبرؑ کی سُنّت پر عمل سے رسولؐ کی گواہی قائم ہوتی چلی جائے گی اور تمہیں اسلام کے احکامات، نماز کی ادائیگی، روزہ، تراویح پر عمل کرتے ہوئے دوسرے مسلمان بھی دیکھیں گے۔ اس طرح تمہارے اسلامی اعمال پر شہادتیں قائم ہوں گی، تم اسلام پر عمل کرتے ہوئے مشہور ہو گے اور جب اسی حالت میں خدا کی طرف لوٹو گے، مر جاؤ گے، قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہو گے۔ تو خدا تمہارے چھپے ہوئے اور ظاہری اعمال پر گواہ ہوگا اور تمہیں بتا دے گا کہ تم نے مجھے خدا ماننے کا جو دعویٰ کیا تھا اُس کے مطابق کیا عمل کرتے رہے۔

ظاہر ہے کہ انسان اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرے۔ اس کا نام مسلمانوں جیسا ہو۔ وہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو کر مردم شماری وخانہ شماری کا مسلمان ہو، شناختی کارڈ پر مسلمان درج ہو، مگر اس سارے سرکاری ریکارڈ کے برخلاف اس کی زندگی کا ایک لمحہ بھی اس کے اس ریکارڈ کے مطابق نہ ہو بلکہ خدا کی تعلیمات اور پیغمبرؐ کی ہدایات کے برخلاف ہو۔ خدا کے رسولؐ کے طور طریقوں کے مطابق نہ ہو، پھر اس کی مسلمانی پر نہ اس کا عمل گواہ ہو اور نہ لوگوں نے اسے اسلام پر چلتے دیکھا ہو نہ خدائے عالم الغیب والشہادۃ کی گواہی اس پر قائم ہوئی ہو تو اس کا زبانی اقرار کیا فائدہ دے گا۔

خطا اور غلطی انسانی فطرت ہے

انسان فرشتہ نہیں، غلطی اور خطا انسانی فطرت کا خاصہ ہے، لیکن غلطی اور خطا کے بعد توبہ کرنا، اپنے فعل پر پشیمان ہونا آدم علیہ السلام کا طرزِ عمل ہے کہ وہ اپنی غلطی

پہ روئے، معافیاں مانگتے رہے، توبہ کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف معاف فرما دیا بلکہ تمام انسانوں کا امام اور پیشوا بنا دیا۔ ان کے مقابلے میں غلطی شیطان سے بھی ہوئی۔ خدا کا حکم نہ مانا، آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا، اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھا اور اپنی غلطی پر نہ پشیمان ہوا نہ توبہ کی تو اب تک ملعون و مردود ٹھہرا ہوا ہے۔ غلطی کا اقرار نہ کرنا، اس پر پشیمان نہ ہونا، توبہ نہ کرنا شیطانی عمل ہے۔ غلطی پر عذر نہ تراشے جائیں، جھوٹ نہ بولا جائے کسی سے پوچھو نماز کیوں نہیں پڑھتے، کپڑے پاک نہیں، بیمار ہوں تھک جاتا ہوں، سر میں درد تھا، ٹانگوں میں درد تھا، یہ عذر تھا وہ عذر تھا۔ یہ سب شیطان کی چالیں ہیں اور جو ایسا کرتے ہیں وہ شیطان کے چیلے ہیں ۔۔۔ روزہ کیوں نہیں رکھتے، بیمار ہوں۔ تراویح کیوں نہیں پڑھتے، تھکا ہوا ہوں۔ پانی پی لیا پیٹ بھاری ہو گیا، نسوار لگ گئی تھی ۔۔۔ یہ ساری نازک مزاجیاں خدا کے ہاں کام نہ آئیں گی۔ یہ شیطانی عذر اور بہانے ہیں۔ آدم کا کام یہ ہے کہ غلطی ہوئی یا غفلت ہو گئی، توبہ کی، معافی مانگ لی۔

عمل کی اہمیت اس آیت کریمہ میں عمل کی اہمیت واضح ہے کہ تم عمل کرو، اللہ تمہارا عمل دیکھے گا۔ اللہ کا رسول اور مومن اس عمل پر گواہ ہوں گے اور جب تم قیامت کے دن خدا کے سامنے پیش ہو گے، اس خدا کے سامنے جس سے ہر ظاہر اور پوشیدہ عمل چھپا ہوا نہیں ہے، اُسے معلوم ہے، وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم اس زندگی میں کیا کچھ کرتے رہے، اپنے عمل کی وجہ سے ہی انسان جنتی بنتا ہے اور اسی عمل کی بدولت وہ دوزخ کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

معاملہ انسانوں کا انسانوں کے معاملات سے ہو تو انسان برادری، دوستی اور عام تعلقات میں اپنی کوتاہی اور بے عملی کے بہانے تراش سکتا ہے۔ دعویٰ دوستی کے برعکس بے عملی پر پردہ ڈال سکتا۔ اپنی منافقت اور جھوٹ کی وجہ سے دوسروں کو دھوکہ دے سکتا ہے، لیکن جہاں تعلق اور دعویٰ خدا سے ہو، خدا کی بندگی کے اقرار ہوں دعوے ہوں تو وہاں اسے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ وہ سینوں کے اندر دلوں میں " نے والے خیال سے بھی واقف ہوتا ہے، خدا کے ساتھ معاملات میں دعویٰ کے ساتھ کھلم کھلا عمل کام دے گا۔

حضورؐ کی تمثیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک تمثیل بیان فرمائی ہے کہ مرنے والا جب نزع اور جان کنی کے عالم میں ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر بے چارگی اور بے کسی کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اسے اس وقت تین طرح کی تکلیفات اور احساسات دامنگیر ہوتے ہیں ۔۔۔ ایک اپنی موت کا یقین ہو جاتا ہے اور روح نکلنے کی اذیت اور تکلیف کے دشوار تر مرحلے میں ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا اُسے اپنی ساری زندگی کی کمائی دولت جائیداد، روپیہ پیسہ، بیوی بچے، کوٹھیاں گھر کا سامان، آرائش سب کچھ رہ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا موت کے بعد قرار اور اگلے جہان کے لئے دامن خالی ہونے کا مجرمانہ احساس ہوتا ہے۔ خدا کے عذاب کا خوف مسلط ہوتا ہے۔ افسوس کرتا ہے۔ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ۔ افسوس اگلے جہان کی زندگی کے لئے میں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا۔
ان تینوں ذہنی اذیتوں میں وہ اپنے قریب تین بھائیوں کو کھڑا ہوا پائے گا،

Marfat.com

بڑا بھائی

اپنے سامنے کھڑے ہوئے بھائیوں میں بڑے کی طرف امداد طلب نگاہوں سے دیکھے گا اور اپنے احسانات گنائے گا کہ میں ساری زندگی تمہاری فکر میں لگا رہا۔ ہر طرح جائز و ناجائز ذریعے اختیار کر کے تمہیں حاصل کیا تجھے سنبھال کر رکھا، تمہاری عزت کا احترام کیا، ہر سختی برداشت کی، لیکن تمہیں ہوا نہ لگنے دی۔ اپنے پرائے لوگوں کے حقوق مار کر تمہیں پایا، مگر وہ بڑا بھائی جواب دے گا کہ بے شک تو نے ایسا ہی کیا، مگر میں مجبور ہوں کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہاری زندگی کے آخری سانس تک ہی میں تمہارا ہو سکتا ہوں پھر اس کے بعد نہیں۔

درمیانہ بھائی

بڑے بھائی سے مایوس ہو کر وہ درمیانے کی طرف دیکھے گا، اس پر اپنے احسانات جتائے گا کہ میں نے اپنی زندگی کی دوڑ دھوپ تمہارے لئے وقف کر دی تھی، تمہارے مستقبل، تمہارے سکھ، تمہارے آرام کا ہر وقت خیال رکھا، چوریاں کیں، غبن کیے، رشوتیں لیں، ہیرا پھیری کی سمگلنگ کی ناجائز اور حرام کا ہر ذریعہ اپنا کر تمہیں سکھ دیا، آرام دیا۔ اب اس کڑے اور مشکل وقت میں تم میری کیا امداد کر سکتے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں سب مانتا ہوں کہ تم نے احسانات کیے ہیں، مگر یہ موقع ایسا ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ قبر تک تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں، اس سے آگے جو کچھ تمہارے ساتھ پیش آئے گا میں اس میں امداد نہ کر سکوں گا۔

تیسرا بھائی

مرنے والا اپنی زندگی کے آخری سانسوں میں دونوں بھائیوں سے مایوس ہو کر تیسرے اور چھوٹے بھائی کی طرف دیکھے گا اور اس کے ساتھ اپنی زیادتیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہے گا۔ میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، ہر موقعہ پہ تمہاری بے عزتی کی، ہر قدم پہ تمہارا حق مارا ہے، جب بھی تمہارے ساتھ سلوک کا وقت آیا تو میں نے وہ سلوک نہ کیا، بہانے تراشے، عذر کیے اور تجھے ٹالتا رہا۔ اس کا بڑا بھائی دولتمند تھا۔ اس کی دولت آنکھیں بند ہوتے ہی دوسروں کی ہو گی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دوسرا درمیانہ بھائی، اس کے بیوی بچے، پوتے، بھائی اور رشتہ دار ہوں گے جن کی خاطر ساری زندگی لگائی ہوئی تھی، وہ مرنے کے بعد صرف قبر تک ساتھ دیں گے۔ تیسرا چھوٹا بھائی، اس کا نیک عمل ہو گا جسے کرنے کی اسے کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ نماز کا وقت آیا تو اس نے اس عمل کا گلا گھونٹ دیا۔ رمضان شریف آیا تو اپنے نفس کی خواہش پوری کی اور یہ عمل نہ ہو سکا۔ روزہ نہ رکھ کر اس عمل کی بے حرمتی کی۔ زکوٰۃ کے نیک عمل کے قریب نہ گیا، ہیرا پھیری کی، صدقہ اور خیرات کا کوئی عمل سرزد نہ ہو سکا، یتیم کی پرورش نہ ہو سکی، کسی بیوہ کے کام نہ آ سکا۔ غریب و نادار کی ضرورت پوری کرنے کی نوبت نہ آ سکی۔ غرض نیکی کے ہر عمل سے دشمنی، بے پرواہی، غفلت کا سلوک کیا ـــــ وہ نیک عمل کے اس چھوٹے بھائی کے ساتھ ساری زیادتیاں گن کر اسے کہے گا کہ اس سلوک کے ہوتے ہوئے منہ تو نہیں بنتا کہ تجھ سے امداد کی درخواست کروں، لیکن اس وقت تمہاری امداد کا محتاج ہوں۔ یہ چھوٹا بھائی، جو مرنے والے کی زیادتیوں کی وجہ سے دُبلا پتلا ہو گا، اسے تسلی دے گا اور کہے گا کہ فکر نہ کرو، اگرچہ میں تمہاری بے پرواہیوں کی وجہ سے توانا تو نہیں، مگر تمہارا ساتھ قیامت تک دوں گا اور تمہیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین بھائیوں کی مثال دے کر صحابہؓ سے فرمایا کہ اس بے بسی کے عالم میں کونسا بھائی بہتر ہے۔ صحابہؓ نے فرمایا: پہلے دونوں بھائی ذلیل اور کمینے تھے، خود غرض اور احسان فراموش تھے کہ اتنے احسانات کے باوجود سختی اور تکلیف کے وقت آنکھیں پھیر لیں۔ آخری اور چھوٹا بھائی با اخلاق، شریف اور با مروّت ہے، اچھے سلوک کا قدر دان اور نیکی کا بدلہ دینے والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو ہمیں اسی آخری چھوٹے بھائی کی قدر کرنا چاہیئے، جو نیک عمل ہے اور

جو جتنا زیادہ مقدار میں ہوگا اتنا ہی زیادہ توانا اور تندرست ہوگا اور اتنا ہی زیادہ وہ مرتے وقت سے لے کر قبر اور قیامت کے تمام مرحلوں میں کام آنے والا ہے، اسی سے دوستی اور برادری کا رشتہ استوار، مضبوط اور پائدار رکھنا چاہیئے۔ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۔ نیک اعمال مرنے والے کے دائیں بائیں آگے پیچھے ڈھال بنے رہیں گے اور خدا کے عذاب سے اُسے محفوظ رکھیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اَلصَّلٰوةُ بُرْهَانٌ نماز عذاب سے بچانے کی دلیل ہے۔ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ اور روزہ عذاب سے بچانے کے لئے ڈھال بن جاتا ہے۔ موت کی اس بےبسی، بےچارگی اور اگلے جہان کے عذاب کے خوف میں نہ دولت کام آتی ہے۔ جس کی خاطر زندگی کا ہر سانس لگا دیا اور آخری دم تک اسی کی کمائی کی فکر کرتا رہا، مگر وہ آنکھیں بند ہوتے ہی بیگانی ہو جاتی ہے کہتے ہیں جب جنازہ نکلتا ہے تو فرشتے پکارتے ہیں مَا تَقَدَّمَ فُلَانٌ۔ مرنے والے نے اپنی زندگی میں آگے کیا بھیجا اور وارث پکارتے ہیں مَا تَأَخَّرَ فُلَانٌ۔ مرنے والے نے وارثوں کے لئے کیا چھوڑا۔ وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ مال وہی اس کا ہوگا جسے اس نے اپنی زندگی میں نیک کاموں میں خرچ کر دیا۔ انسان اپنی زندگی میں بیوی بچوں کے لئے کماتا ہے، مگر ان کا عالم یہ ہے کہ وہ بھی کام نہیں آتے۔ وہ دو چار دن رو دھو کر بھول جائیں گے۔ قبر تک ساتھ دے کر واپس آئیں گے۔ بیگم صاحبہ کی ہر خواہش پوری کرتا ہے، اولاد کو ناز و نعم سے پالتا ہے، مگر اس کے مشکل مرحلوں میں وہ سہارا نہیں بن سکے۔ ہاں وہ اولاد اور بیوی بچے کام دیں گے جنہیں دین اسلام سکھایا، خدا خوفی کا نقش دلوں پہ بٹھایا، خدا کو یاد کرنا سکھایا۔ دینداری، تقویٰ داری کا عادی بنایا، نماز روزہ کی عادت ڈالی۔ قرآن کریم پڑھایا، حفظ کرایا تو ایسی اولاد یقیناً صدقہ جاریہ بن کر وہاں اولاد کے اعمال اس کو فائدہ دے سکیں گے۔

نیک اعمال آنکھیں بند ہوتے ہی کام آنا شروع نہیں ہوتے بلکہ زندگی میں بھی ان کا اجر ملتا ہے اور آخرت میں بھی ملتا ہے۔ نیک عمل کرنے والوں کے چہروں پر موت کے وقت افسردگی، اذیت اور تکلیف کی بجائے بشاشت، فرحت اور سکون و مسکراہٹ ہوتی ہے جو اس کے قلبی اطمینان کی علامت ہوتی ہے۔ حضرت بلال رضؓ مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر رونق دیکھ کر صحابہ رضؓ نے پوچھا تو فرمایا۔ رونق کیوں نہ ہو حضورؐ سے ملاقات ہونے والی ہے۔ حضرت عثمانؓ زخموں کی تکلیف اور خون میں لت پت ہونے کے باوجود ہشاش بشاش تھے اور فرماتے، کل رمضان کی افطاری حضورؐ کے ساتھ ہونے والی ہے۔

فارسی کے ایک شاعر نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے کہ جب تُو پیدا ہُوا تھا تو رو رہا تھا اور لوگ تیری پیدائش پر خوش تھے۔ اب تُو دنیا میں آ ایسے عمل کر اور ایسی زندگی گزار کہ مرتے وقت تُو مسکرا رہا ہو اور رشتہ دار رو رہے ہوں۔ علامہ اقبال رحؒ نے فرمایا:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم   چو مرگ آید تبسّم بر لب اوست

مؤمن کی پہچان یہ ہے کہ مرتے وقت، ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ یاد رکھیئے جنت کسی بنی بنائی کوٹھیوں اور اور باغات کا نام نہیں، اسے ہم خود اپنے عمل سے اپنے لئے تیار کرتے ہیں۔ اچھے عمل کریں گے جنت تیار ہوگی، بُرے اعمال

Marfat.com

سے دوزخ تیار ہوتی رہے گی۔ یہ ہماری اپنی مرضی ہے کہ ہم اپنے لئے کونسا مقام اور محل بنانا چاہتے ہیں، جنت کا یا دوزخ کا۔ اعمال کے مٹیریل یہاں سے بھیجتے ہیں تو مقامات تعمیر ہوتے ہیں۔ اچھے اعمال کریں تاکہ جنت میں خوشنما محل بن سکے۔ دنیا کے محلات، مکانات اور کوٹھیاں عارضی ہیں، جنت کی خوشنما کوٹھیوں کی فکر کریں جو تمہارے نیک عمل سے بھی زیادہ خوبصورت، آراستہ، کشادہ ہونگی۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ کتنی خوبصورت کوٹھی وہاں تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

عمل صالح کی جزا میں خلوص شرط ہے

مختصر اشارات

نمبرشمار	اشارات	مختصر حوالجات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ بیّنۃ ۔ دین قیّم کی شرائط ۔ اخلاص فی الدّین ۔ اخلاص فی العمل ۔ دکھاوا نہ ہو خالص خدا کے لئے ہو ، عبادات صرف خدا کی بندگی کے لئے ہوں اور کوئی نیّت شامل نہ ہو
۲	تائیدی آیات واحادیث عمل صالح پہ ناز نہ ہو	سورۂ الاعراف ۔ سورۂ یونسؑ ۔ سورۂ روم ، سورۂ زمر حدیث مبارکہ میں عمل صالح میں خلوص کے ساتھ خدا کے فضل پر بھروسہ ہو
۳ ۔	تین مسافروں کے اعمال صالح اور خالص کی تمثیل	والدین کی خدمت ۔ عذاب الٰہی کا خوف ۔ زنا سے بچنا ۔ دیانت امانت ۔ عالم کا قیامت کے دن پیش ہونا ۔ سخی بالدار اور شہید کا نکمہ قبول نہ ہونا ۔
۴	واقعات وامثال	حضرت جنید بغدادیؒ اور مکّہ معظمہ کا حجام ۔ حضرت رابعہ بصریؒ کا دوزخ کو بُجھانا اور جنّت کو جلانا تاکہ عبادت بے طمع ہو ، حضرت حاتم اصمؒ کی نصیحت ۔

Marfat.com

عمل صالح میں اخلاص کی اہمیّت

آیت معہ ترجمہ

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ۔ (سورۃ البیّنۃ : ۵) انہیں (بندوں کو) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی بندگی کریں اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ دو اور یہی نہایت درست دین ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ البینہ اور اس کے علاوہ قرآن کریم میں متعدّد مقامات پہ خالص اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کئے جانے والے عمل پہ زور دیا گیا ہے۔ خواہ عبادات ہوں یا معاملات، وہ کسی اور نیّت اور ارادے سے نہ ہوں۔ نماز کی ادائیگی میں یہ جذبہ شامل ہو کہ مجھے دیکھا جائے، نیک کہا جائے اور اس نیکی کے عوض مجھے عزّت دی جائے۔ حج کی ادائیگی میں یہ نیّت ہو کہ واپسی پہ لوگ حاجی صاحب حاجی صاحب کہیں، میری بات، میرا وجود اور میری حیثیت لوگوں میں محترم ٹھہرے اور مجھ پر اعتماد کیا جائے۔ یہی حال دوسرے اعمال و افعال میں بھی ہو سکتا ہے۔ تعلیماتِ اسلامی میں عمل کی اہمیّت سے انکار نہیں، مگر عمل خالص میں خدا کی رضا و خوشنودی بھی ضروری ہے۔ سورۂ الاعراف میں ارشادِ خداوندی ہے : وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ۔ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ۔ دین کو اللہ کے لئے خاص کرو، کسی اور کی بندگی کا شائبہ تک نہ ہو۔ معبودِ حقیقی کے سوا کسی دوسری طرف اطاعت، غلامی، عجز و نیاز کا ذرا بھی رُخ نہ ہو۔ سورۂ یونس میں ارشادِ خداوندی ہے : أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا۔ اپنا چہرہ دین پہ جما دے۔ تیرا رُخ ایک ہی طرف ہو، سب اطراف سے منہ موڑ کر ایک طرف کا ہو جا۔ خدا کی بندگی اس انداز سے اختیار ہو کہ کسی دوسرے کی طرف میلان ہی نہ ہو۔ خدا کی ذات، اُس کی صفات، اُس کے حقوق اور خدا کے اختیارات میں کسی اور کو شریک نہ کرو، خواہ یہ تمہارا اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو۔

سورۂ الروم میں ارشاد فرمایا : فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ یکسو ہو کر اپنا رُخ دین کی طرف جما دو اور اس فطرت پہ قائم ہو جاؤ جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل درست دین ہے خالص دین جسے قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ جس میں بندگی، اطاعت اور عبادت کا مستحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ فکر، سوچ، پسند ناپسند، قدریں، معیار، اخلاق، سیرت و کردار پر اسلام اور صرف اسلام کا ٹھپہ ہو۔ تمام انسانوں کو خدا نے فطرت پر پیدا کیا ہے کہ ان کا خالق اور معبودِ حقیقی خدا کے بغیر کوئی نہیں۔ تم اس فطرت پہ قائم رہو۔ غیر کی بندگی کا طوق گلے میں ڈالنا غیر فطری ہے۔

Marfat.com

سورۂ الزمر میں اسی بات کو دُہرایا گیا ہے: اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ؕ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ ؕ یہ کتاب قرآن حق پر نازل کی گئی ہے، لہٰذا تم اسی خدا کی بندگی کرو، اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ خبردار دین کو خدا کے لئے کرنا صرف خدا ہی کا حق ہے۔ عبادت ایسی ہو جو دین کو خدا کے لئے خالص کرتے ہوئے کی جائے۔ دل و جان سے فرمانبرداری، بے چون و چرا عبادت، شرعی قوانین کی برضا و رغبت پیروی، خداوند تعالیٰ کے احکامات کی دل و جان سے تعمیل، عبد کی تعریف ہے اور دین کا مطلب خداوند تعالیٰ کی برتری کو تسلیم کرکے اس کی اطاعت کی جائے۔ خالص بندگی، بے آمیز اطاعت صرف خدا کا حق ہے، دوسرا کوئی اس کا مستحق ہے ہی نہیں۔ ابن مردویہ نے یزید الرقاشی سے نقل کی جانے والی حدیث کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضورؐ سے کسی شخص نے پوچھا کہ اگر اللہ کی راہ میں مال دیں اور یہ خیال بھی ہو کہ نام بلند ہو تو ہمیں اجر ملے گا؟ حضورؐ نے جواب میں فرمایا، نہیں۔ دوبارہ پوچھا گیا، اگر مال اجر اور ذاتی ناموری کی نیت سے خرچ کیا جائے تو بھی اجر نہ ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقۡبَلُ الدِّيۡنَ اِلَّا اَخۡلَصَ لَهٗ ۔ اللہ تعالیٰ کسی کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتے جب تک وہ خالص خدا کے لئے نہ کیا جائے۔

تعلیماتِ رسولؐ

دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اَلنَّاسُ كُلُّهُمۡ هَالِكُوۡنَ اِلَّا الۡعَالِمُوۡنَ وَالۡعَالِمُوۡنَ كُلُّهُمۡ هَالِكُوۡنَ اِلَّا الۡعَامِلُوۡنَ ۔ وَالۡعَامِلُوۡنَ كُلُّهُمۡ هَالِكُوۡنَ اِلَّا الۡمُخۡلِصُوۡنَ وَالۡمُخۡلِصِيۡنَ عَلٰى خَطَرٍ عَظِيۡمٍ ۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ تمام لوگ ہلاک ہوں گے سوائے علماء کے، تمام علماء ہلاک ہوں گے سوائے علماء باعمل کے، اور تمام علماء باعمل بھی تباہ و برباد ہوں گے سوائے اپنے عمل میں اخلاص رکھنے والوں کے۔ خالص خدا کے لئے عمل کرنے والوں کے۔ لیکن خدا کے لئے خالص عمل کرنے والوں کو بھی اپنے عمل پر ناز و غرور نہ کرنا چاہیئے کہ اُن کی ہلاکت کے خطرے بھی موجود ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں علم، عمل اور عمل میں خلوص کی اہمیت بھی واضح ہے اور ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ خالص خدا کے لئے عمل کرنے والے عظیم الشان خطرات میں ہر وقت گھرے رہتے ہیں۔ کیا پتہ کب دل میں غرور کا شائبہ اور اپنی بے لوث بندگی پر بھروسہ اور گھمنڈ پیدا ہو جائے تو پھر بھی وہ سارا عمل غارت ہو سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ تو دلوں کا حال جانتا ہے۔ دل میں پیدا ہونے والی کھٹک کو بھی خداوند تعالیٰ جانتے ہیں۔ ہمارے کسی عمل میں اگر ذرا بھی نیّت کا کھوٹ شامل ہوا، عمل کے ساتھ خدا کی بجائے کوئی اور خواہش پیدا ہو گئی تو وہ عمل مسترد ہو سکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر کے معرکہ میں یہودیوں کے پہلوان کو زیر کر دیا اور چاہتے تھے کہ خنجر سے اس کا کام تمام کریں کہ اُس کمبخت نے آپؓ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اُس کے سینہ سے اُتر آئے اور مارنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ یہودی کو بڑی حیرانی ہوئی۔ کہنے لگا۔ میں نے آپؓ کے چہرے پر تھوک کر اپنے غصّے اور انتقام کی آگ بجھانے کی کوشش کی تھی، چاہیئے تو یہ تھا کہ آپؓ فوراً میرا کام تمام کر دیتے۔ آپؓ نے فرمایا کہ پہلے میں تمہیں اللہ کی رضا اور خالص اُس کی دشمنی میں قتل کرتا، لیکن جب تم نے میرے منہ پر تھوکا تو تمہارے قتل میں میرا ذاتی غصّہ بھی شامل ہو گیا، اگر قتل کرتا تو یہ عمل خالص خدا کے لئے نہ رہتا، میرا ذاتی انتقام بھی شامل ہو جاتا۔

انسان کی زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی جو خدا کے خوف اور خالص اس کی رضا کے لئے کیا جائے، وہ بخشش و مغفرت

Marfat.com

کا موجب بن جاتا ہے۔ احادیث مقدسہ میں ایسے اعمال کی مثالیں دی گئی ہیں جو خدا کی مقبولیت کا سبب بن کر بندے کی نجات کا ذریعہ بنیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

تین مسافروں کی تمثیل

تین مسافر سفر پر نکلے۔ راستہ میں انہیں بارش نے گھیر لیا۔ یہ سفر پہاڑی راستہ سے ہو رہا تھا۔ انہوں نے راستہ سے ہٹ کر ایک چٹان کے نیچے پناہ لے لی تاکہ بارش تھمنے یا اُس کا زور ٹوٹنے کے بعد سفر جاری رکھیں گے۔ اتفاق دیکھئے کہ وہی بھاری اور وزنی چٹان بارش کی وجہ سے سرک کر نیچے آگئی کہ رکاوٹ کی صورت اختیار کر کے ان تینوں مسافروں کے نکلنے کا راستہ مسدود کر دیا۔ تینوں مسافر اس افتاد سے پریشان ہو گئے، نہ آواز باہر جا سکتی تھی اور نہ کہیں سے مدد مل سکتی تھی۔ ان میں سے ایک سمجھدار ساتھی نے مشورہ دیا کہ اب باہر نکلنے اور باہر سے کسی امداد کے ملنے کی توقع فضول ہے۔ اب صرف خدا سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ اپنی مہربانی فرمائے اور اس مصیبت سے نجات دلائے لیکن ہم میں سے ہر ایک کو اپنی زندگی کا کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ یا عمل یاد ہوگا یا اس سے سرزد ہوا ہوگا جو خالص اللہ کے خوف اور اُس کی خوشنودی کی خاطر کیا ہو اُسی کے حوالے سے باری باری اللہ سے سوال کرتے ہیں، ممکن ہے وہ عمل خدا کے ہاں مقبول ہوا ہو اور اس کے طفیل اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے۔

بکری والے مسافر کا عمل

اُن مسافروں میں سے ایک نے اپنے عمل کا یوں ذکر کیا کہ خداوند تعالیٰ! تجھے علم ہے کہ میری ایک شیر دار بکری تھی، جس کے دودھ پر میرے کنبے کا گزارہ چل رہا تھا۔ میں دودھ دوہ کر لاتا تو سب سے پہلے اپنی والدہ کو اُس کی خوراک دیتا، وہ سیر ہو جاتیں تو پھر خود اور بچوں کو پلاتا تھا۔ ایک دن حسب معمول دودھ لے کر گھر آیا تو والدہ نہ جانے کیوں سو چکی تھیں، میں دودھ کا گلاس لے کر اُس کے سرہانے کھڑا ہو گیا اور جگانا مناسب نہ سمجھا کہ بے آرام نہ ہو جائے اور ماں کو پلائے بغیر بیوی بچوں کو بھی نہ پلایا کہ میرا معمول ہی یہ تھا۔ میں خود، بیوی بچے بھوک سے نڈھال تھے، مگر ماں کے جاگنے کے منتظر رہے حتیٰ کہ رات آدھی گزر گئی اور ماں کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے دعائیں دیتے ہوئے دودھ پیا، تب ہم سب نے دودھ پیا۔ میرے خدا میرا یہ عمل اپنی ماں کی خدمت اور اُس کی اطاعت تمہارے فرمان اور حکم کے مطابق بھی تھا اور خود میری ماں کا بھی مجھ پہ یہ حق تھا۔ میرے اس عمل میں کوئی ریاکاری نہ تھی، دکھاوا نہ تھا۔ ماں کے حق کی ادائیگی اور تمہارے حکم کی تابعداری میں ایسا کیا، اگر میرا یہ عمل مقبول ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے! دیکھا تو چٹان ایک تہائی سرک گئی۔

دوسرے مسافر کا عمل

اب دوسرے دونوں مسافروں کو اُمید پیدا ہو گئی تھی کہ عمل کے واسطے سے خدا اس مصیبت سے نجات دے سکتا ہے تو دوسرے نے اپنے اس عمل کا واسطہ دیا کہ خدایا میری چچا زاد بہن خوبصورت تھی مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ میری غربت کی وجہ سے ہماری شادی نہ ہو سکتی تھی میں نے اُس سے برائی کا ارادہ کیا تو اُس نے اس شرط پر آمادگی ظاہر کی کہ میں اُسے ایک ہزار گنی لا کر دوں تو خواہش پوری ہوگی۔ میں نے یہ شرط اور یہ رقم پوری کرنے کے لئے کئی سالوں تک مزدوری کی۔ رقم پوری کر کے آیا اور رقم دے کر وعدہ یاد دلایا۔ جب میں بدکاری پہ آمادہ ہوا تو اُس نے اس موقعہ پہ کہا۔ اتق اللہ اللہ سے ڈرو۔ میں نے اُسی وقت تمہارے ڈر سے ارادہ ترک کر دیا۔ نفس کو برائی سے روکا۔ اُس وقت تمہارے خوف کے سوا

Marfat.com

مجھے روکنے والا کوئی نہ تھا اور نہ کوئی دیکھنے والا تھا۔ اے خداوندا! تمہارا وعدہ ہے: فَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔ جو کوئی ایسے موقع و مقام پر خدا کا خوف کر کے نفس کو برائی سے روکے تو اُس کا مقام جنت ہوگا۔ (نازعات)، میرا یہ عمل اگر مقبول ہے تو خدایا ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے۔ یہ کہنا تھا کہ چٹان ایک تہائی اور سرک گئی۔

تیسرے مسافر کا عمل

تیسرے مسافر نے اپنے عمل کا ذکر شروع کیا کہ میرے ایک دوست نے دُور دراز سفر پر جاتے ہوئے مجھے کچھ رقم امانت کے طور پر دی اور اس میں مناسب تصرف کا اختیار دے کر کہا کہ جب واپسی ہوگی تو لے لوں گا۔ میں نے اُس کی رقم سے بکریاں خریدیں اور انہیں فروخت کرتا رہتا، اتنی برکت ہوئی کہ بکریوں سے گائیں اور گائیوں سے بھینسوں اور اونٹوں تک نوبت آگئی۔ اس طرح تجارت بڑھتی چلی گئی کہ عرصہ کے بعد میرا دوست سفر سے واپس ہوا تو میں نے اُس کی امانتی رقم سے تمام پھلی اور پھیلی ہوئی تجارت کا مال اُس کے حوالے کر دیا کہ یہ تمہاری امانتی رقم پر ابتدا ہونے والی تجارت کا منافع ہے۔
اے خداوند تعالیٰ! میرے دوست کو اس کا کیا علم تھا، اگر میں وہ سب کچھ ہضم کر کے اُسے اس کی نقد رقم دیتا تو کیا ہو سکتا تھا، مگر میں نے اس کی امانت میں خیانت نہ کی، اُس کا حق اسے دے دیا۔ خدایا! اگر میرا یہ عمل جو خالص تمہارے خوف اور حکم کی وجہ سے تھا، آپ کے ہاں مقبول ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے۔ چنانچہ ایک تہائی چٹان اور بھی سرک گئی اور تینوں مسافروں کے نکلنے کا راستہ بن گیا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ یا تمثیل کے ذریعہ ایسے عمل کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے جو خالص خدا کی رضا اور اسی کی خوشنودی کی خاطر کیے گئے اور پھر ان اعمال کے اخروی نتائج تو جو ملیں گے ضرور ملیں گے لیکن یہ بات بھی ثابت ہوگئی، خلوصِ عمل کے اثرات و ثمرات انسان کو اس دنیا میں بھی مل جاتے ہیں۔

خلوص کے بغیر عدمِ قبولیت

کہتے ہیں علماء کی ایک جماعت سے قیامت کے دن سوال ہوگا۔ کیا کر کے آئے ہو؟ جواب دیں گے ہم نے علمِ دین کے حصول میں زندگی لگا دی اور باقی زندگی اس دین کی تعلیم و تربیت اور وعظ و نصیحت میں گزار دی۔ دینی مدرسے قائم کیے، تبلیغ دین کے لیے رسائل اور کتب لکھیں، دین پھیلایا۔ جواب ملے گا۔ یُقَالُ اَنْکُمْ عَالِمٌ۔ تم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ تم عالم کہلاؤ، مصنّف کہلاؤ، مفتی کہلاؤ، شیخ الحدیث کہلاؤ، واعظ کہلاؤ۔ سو یہ سارے اعزازات و القابات تمہیں دنیا میں مل گئے تھے۔ تمہاری خواہش اور مراد پوری ہوگئی۔ اب کیا لینے آئے ہو؟

یہی سوال مالداروں سے کیا جائے گا۔ وہ بھی کہیں گے، ہم نے غریبوں مسکینوں پر دولت خرچ کی مسجدیں تعمیر کیں، مدرسے چلائے، یتیموں کی پرورش کی، صدقہ و خیرات دی۔ انہیں کہا جائے گا۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ تمہیں سخی کہا جائے، فیّاض کہا جائے، سو وہ شہرت مل گئی، تمہاری تعریفیں ہوگئیں، تمہارا مقصد پورا ہوگیا ——— یہی سوال شہیدوں سے ہوگا۔ وہ بھی کہیں گے۔ خدایا! ہم نے تمہارے راستہ میں جانوں کے نذرانے پیش کیے، جہاد کیے، جسم پر زخم سہے، سر کٹائے۔ جواب دیا جائے گا۔ یُقَالُ اَنْکُمْ جَرِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ تاکہ تو بہادر اور شجاع کہا جائے، سو ایسا کہہ دیا گیا۔ اب آخرت میں تمہارا کوئی بدلہ نہیں ہے۔
غور فرمائیں تو یہ تینوں عمل تمام اعمال میں بہت بڑے عمل ہیں، مگر ان اعمال میں چھپی ہوئی انسانی خواہش موجود ہوتی ہے جس

Marfat.com

کے نتیجے میں یہ خالص خدا کے لئے عمل نہ تھے یا نہ ہوں گے تو مسترد کر دیئے جائیں گے قبولیت نصیب نہ ہوگی۔ ثابت ہوا کہ ہر بڑے سے بڑا عمل بھی خالص خدا کے لئے نہ ہوگا تو موجب نجات نہ ہوگا۔ اُس کے مقابلے میں چھوٹے سے چھوٹا عمل اگر خالص خدا کی رضا اُس کی خوشنودی اور اُس کے عذاب کے خوف کے تحت کیا جائے گا، وہ قبول بھی ہوگا، موجب اجر بھی ہوگا اور باعثِ نجات بھی ہوگا۔

ان مثالوں میں ایک طرف پوری زندگی کا حاصل کیا ہوا علم اور اس کی اشاعت و تدریس ہے، وعظ و تبلیغ ہے۔ دوسری پوری زندگی کا کمایا ہوا سرمایہ ہے، اس کا خرچ ہے، مسجدوں کی تعمیر، مدرسوں کی امداد کے صدقاتِ جاریہ جیسے مستقل اور مسلسل ثواب بخشنے والے عمل تھے۔ تیسری طرف اپنی پوری زندگی خدا کی راہ میں لگا دینا ہے، خطروں میں کُودنا اور خدا کی راہ میں مرنے مارنے پر تُل جانا ہے، مگر خدا کے علم میں یہ ذاتی نفسیاتی خواہشات کے تابع ہوں گے، ان میں نمود و نمائش کا آمیزہ ہوگا، شہرت و ناموری کے لئے کیے گئے ہوں گے، اس لئے مقبولِ بارگاہِ خداوندی نہ ہوسکیں گے، نہ کوئی صلہ ملے گا اور نہ مشکلات میں کام آسکیں گے۔ اُس کے برعکس زندگی کے ایک لمحے کے اعمال جو خلوص، خدا خوفی اور رضائے الٰہی کے لئے انجام دیئے گئے۔ ماں کی خدمت میں دودھ لے کر کھڑا ہونا چند ساعتوں کا عمل ہے۔ چچا زاد بہن کے ایک لفظ پر برائی پر آمادگی کے باوجود رُک جانا چند منٹوں کا عمل ہے اور دوست کی امانتی رقم پر پھیلے ہوئے کاروبار اور لالچ میں آکر بددیانتی اور خیانت کاری کا ارتکاب نہ کرنے کا فیصلہ اور سب کچھ سے دستبرداری ایک لمحے کی بات تھی۔ چند منٹوں کا فیصلہ تھا، مگر یہ اعمال خالص خدا کی رضا و خلوص سے بھرپور تھے۔ اس لئے خدا کے ہاں مقبول ہو کر دنیاوی مصیبت سے بھی نجات کا موجب بنے اور آخرت میں بھی اجر و بدلے کا باعث ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث میں عذابِ الٰہی سے نجات کی یہی تین شرائط ہیں کہ تمام لوگ عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوں گے، سوائے عالموں کے اور تمام عالم ہلاک ہوں گے سوائے علماء باعمل کے اور تمام باعمل بھی ہلاک ہوں گے، سوائے عمل خالص کرنے والوں کے۔ للّٰہیتِ رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ ربّ کا جذبہ جس عمل میں کارفرما ہوگا وہی عمل خدا کا پسندیدہ، مرغوب اور مقبول ہے اور یہی راستہ خدا کے نزدیک دین کا سچا اور سیدھا راستہ ہے کہ انسان اپنا چہرہ، اپنا رُخ، اپنا ارادہ خالص خدا کے لئے کر دے، اس کے دین میں مخلص بن جائے، خالص اُس کا ہو کر رہ جائے۔

واقعات و امثال

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خلوصِ عمل ایک حجام سے سیکھا۔ جب میں مکہ معظمہ میں تھا تو ایک حجام ایک خواجہ کی حجامت بنا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا: "کیا میرے بال بھی خدا کے لئے کاٹ دو گے؟" اُس نے کہا: ہاں اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ خواجہ کی حجامت ابھی باقی تھی کہ اس نے اسے اُٹھا دیا کہ جب خدا کا نام بیچ میں آگیا ہے تو پھر کسی اور کا کام مناسب نہیں۔ حجام نے مجھے بٹھایا، میرے سر کو بوسہ دیا اور میرے بال مونڈ دیئے۔ اس کے بعد اُس نے مجھے کاغذ دیا جس میں ریزگاری تھی اور کہا کہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرو۔

میں نے حجام کا اپنے ساتھ یہ رویّہ اور عقیدت مندانہ سلوک دیکھا تو دل میں یہ نیّت کی کہ جب بھی مجھے مالی طور پر طاقت ملی تو میں بھی اس کے سلوک کے بدلے میں مروّت سے پیش آؤں گا۔ ابھی تھوڑے دن گزرے تھے کہ بصرہ سے لوگوں نے مجھے اشرفیوں کی تھیلی بھیج دی۔ میں تھیلی لے کر اُسی وقت حجام کے پاس گیا اور تھیلی پیش کی تو مجھ سے پوچھا: کیا ہے؟ میں نے اپنے

Marfat.com

ساتھ اس کا سلوک یاد دلا کر کہا کہ میں نے نیّت کی تھی کہ جب بھی مجھے کہیں سے کشائش نصیب ہوئی تو وہ مال میں تجھے دوں گا۔ اُس نے کہا۔ تجھے شرم نہیں آئی کہ تو نے کہا تھا کہ خدا کے لئے میری حجامت بنا دے اور اب اس کا معاوضہ لے کر آ گئے ہو۔ بھلا کہیں ایسا ہوا ہے کہ کوئی خدا کے لئے کام کرے اور اُس کا بدلہ طلب کرتا پھرے۔ اُردو کے شاعر مرزا غالب نے کیا خوب فرمایا ؎

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ　　　دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

یعنی اللہ کی بندگی خالص اللہ کے لئے کی جائے، جنت کے طمع اور دوزخ کے خوف سے نہ کی جائے۔ حضرت رابعہ بصریؒ کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی آگ کی مشعل اور دوسرے میں پانی کا لوٹا لئے جا رہی تھیں، کسی نے دریافت کیا۔ یہ آگ اور پانی کہاں لے جا رہی ہیں تو فرمایا۔ آگ سے جنت کو جلانا چاہتی ہوں اور پانی سے دوزخ کی آگ بجھانا چاہتی ہوں کہ خدا کی بندگی میں اُمید و بیم کی یہ فکر ختم ہو جائے۔

حضرت حاتم اصمؒ نے مریدوں سے پوچھا کہ آپ میں سے کوئی ایسا ہے جسے شائستہ کہا جائے۔ سب مریدوں نے کسی کے جہاد کا ذکر کیا، کسی کی عبادت کی زیادتی کا ذکر کیا، کسی کی سخاوت، کسی کا حج۔ آپ ہر ایک کے بارہ میں فرماتے رہے کہ جہاد والا غازی کہلایا، عبادت والا عابد اور مال خرچ کرنے والا سخی ہوا، دوسرا حاجی کہلایا، مگر ہم شائستہ کہلانے والے کا پوچھ رہے ہیں۔ مریدوں نے کہا آپ ہی بتا دیں شائستہ کون اور کیسا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ ہے جو صرف خدا سے ڈرے اور صرف خدا کے لئے عمل کرے، وہ شائستہ ہوتا ہے کہ اُسے اس کے اعمال کے ناموں سے نہیں پکارا جاتا اور نہ اس کا عمل اُس کی پہچان بن سکتا ہے جیسے حاجی، سخی، پیر جی وغیرہ وغیرہ۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

نجات کا مدار صرف اللہ کے فضل پر ہے

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت کریمہ معہ ترجمہ	مخلصانہ عمل پر گھمنڈ نہ ہو، خدا کے فضل پر بھروسہ ہو۔ زندگی کے آخری سانس تک بھی خطرہ باقی ہوتا ہے کہ کہیں خدا ناراض نہ ہو جائے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت۔
۲	اپنے اعمال پر بھروسہ نہ ہو بھروسہ خدا کے فضل پر ہو	بنی اسرائیل کے عبادت گزار کا واقعہ بزبانی حضورؐ اور بروایت جلال الدین سیوطیؒ۔ خدا کی نعمتوں کے بے حد و حساب شمار کے مقابلے میں ہماری بندگی کی حیثیت کیا ہے۔ جسمانی نعمتیں۔ کائناتی و خارجی نعمتیں۔ ہوا پانی، خوراک، روشنی۔
۳	ہماری عمریں اور عبادت کا عرصہ	تھوڑی سی عمر میں راتیں نکال دو۔ قبل از بلوغت کی عمر ہر نماز کا ایک گھنٹہ عرصہ عبادت صرف تیس سال۔ اس میں سے ہر نماز کا وقت بمشکل آٹھ سال۔ عبادت کے مقابلے میں نعمتیں کتنی ہیں؟
۴	شیطانی بہکاوے۔ عبادت پر غرور خدا کی توفیق کے بغیر کوئی نیکی ممکن نہیں واقعات و امثال	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ۔ جعلی پیر کا واقعہ کہ نماز خانہ کعبہ میں پڑھتا ہوں۔ روم کے صہیبؓ، ایران کے سلمانؓ اور حبش کے بلالؓ کو توفیق ہوگئی، مگر ابولہب اور ابوجہل قریب رہ کر محروم ہوئے۔ غلام اور اُس کے بے نماز آقا کی مثال۔ مسجدوں میں اذان ہوتی ہے مگر جسے خدا توفیق دے وہی مسجد آتا ہے۔
۵	نیکی اور بندگی پر شکر گزار ہونا چاہیئے کہ خدا نے توفیق دی، غرور نہ ہو اور نہ بھروسہ	حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی موت کا وقت اور ایمان کی حفاظت کا شدید احساس۔

Marfat.com

خدا کے فضل پر نجات کا انحصار ہو

آیت معہ ترجمہ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۔ اے پیغمبرؐ، انہیں کہو کہ تم عمل کرو، خداوند تعالیٰ، اُس کا رسولؐ اور مومن لوگ تمہارا عمل دیکھیں گے اور جب تم اس خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے تو وہ تمہیں خبردار کر دے گا کہ تم کیا کر کے آئے ہو۔

تمہیدی گفتگو گذشتہ دونوں مضامین میں بحث یہ چلی آ رہی تھی کہ حضورؐ کی حدیث مبارکہ کی رُو سے نجات کا ذریعہ نرا علم ہی نہیں بلکہ اُس کے لئے عمل بھی ضروری ہے اور پھر بتایا گیا کہ اعمال کے لحاظ سے بھی نجات یقینی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہو سکتا ہے اس عمل کی ادائیگی کے دوران خدا کی رضامندی یا خدا ہی کے لئے خالص اس عمل کی بجائے ہماری کوئی اور نیت اس میں کارفرما ہو تو ایسا عمل، جو خدا کے لئے خالص نہ ہو گا، اُسے خدا کے ہاں قبول نہ کیا جائے گا۔ گویا انسان کی نجات اور خدا کی خوشنودی کا دارومدار صرف حسنِ نیّت اور خلوصِ عمل پر ہے۔ کام میں، عمل میں جذبے کی سچائی ہو، اخلاص ہو، محبت، وارفتگی اور شیفتگی ہو تو وہ عمل کتنا ہی قلیل ہو خدا کی خوشنودی کا باعث بن جاتا ہے۔

مخلصانہ عمل مگر حضورؐ نے اسی حدیث مبارک کے آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ وَالْمُخْلِصِيْنَ عَلَىٰ خُطْرٍ عَظِيْمٍ۔ مخلص لوگوں کو اپنے اخلاص اور خلوصِ عمل پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے، اپنے اس عمل پر گھمنڈ نہ ہو، غرور نہ ہو، کیونکہ انسان پر خدا کی رحمتوں، مہربانیوں کی اس قدر بہتات اور کثرت ہے کہ اس کے مقابلے میں انسان کی ساری زندگی کی عبادت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ مخلصانہ عمل کرنے والا زندگی کی آخری سانسوں تک بڑے خطرے میں رہتا ہے کہ ذرا بھی اُس کے دل میں اپنی خالص عبادت کا خیال آیا اُسی وقت اللہ تعالیٰ اسے مسترد کر دے گا اور یہ بدنصیب محروم رہ جائے گا۔ انسان کو امید و بیم کی حالت میں زندگی گذارنا چاہیئے کہ خدا کی رحمتوں، مہربانیوں کا امیدوار بھی ہو اور اُس کی ناراضگی، غصّے اور اُس کے سامنے پیش ہو کر حساب دینے کا ڈر بھی ہو۔ اُس دن کا خوف ہر وقت مسلّط رہے۔

مخلصانہ عمل پر بھروسہ نہ ہو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہ دے سکے گا۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ حضورؐ آپؐ کا بھی؟ فرمایا۔ ہاں میرا بھی، بشرطیکہ خدا کا فضل شاملِ حال نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے جلیل القدر صحابی، بہترین عدل و انصاف قائم کرنے والے خلیفہ تھے، جن کی سیاسی، انتظامی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُنکی مومنانہ بصیرت نے اسلام کو وہ

ترقی دی، ایسا فروغ نصیب ہُوا اور اتنی روشن و درخشاں مثالیں قائم فرمائیں، انتظاماتِ حکومت کے وہ نمونے چھوڑے کہ آج بھی دُنیا اتنی ترقی کے باوجود انہیں پر چلنے کو فخر سمجھتی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ کو اُن کی زندگی میں جنت کی بشارت بھی مل چکی تھی۔ اس کے باوجود اُن کے خوف کا یہ عالم تھا کہ گھاس کا تنکا لے کر کہتے کہ کاش میں گھاس کا تنکا ہوتا کہ قیامت کے حساب کا غم نہ ہوتا۔ وہ فرماتے، اگر قیامت کے دن معاملہ برابر برابر بھی رہ جائے تو بڑی خوش نصیبی ہوگی ۔۔ کسی بہت بڑے عالم کو خواب میں دیکھا پوچھا بتاؤ معاملہ کیسا رہا۔ کہا کہ موت کے بعد پیشی ہوئی تو فرمایا۔ کیا لائے ہو؟ میں نے کہا۔ خدایا! تمہارے احکامات پر عمل کیا ہے، وعظ کئے، درس دیئے، تمہارا دین سیکھا، سکھایا۔ جواب ملا۔ کوئی عمل قبول نہیں۔ سخت پریشان ہُوا۔ نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو کہا۔ خدایا تمہاری رحمت کا بھروسہ اور سہارا لے کر آیا ہُوں تو گلو خلاصی ہو گئی۔

ہمارے دامن میں نہ نیک عمل کا سرمایہ ہوتا ہے، نہ نیکیاں ہوتی ہیں۔ ہم بڑی حقارت سے دوسروں کو دیکھتے ہیں۔ اپنی بزرگی و پرہیزگاری پر گھمنڈ ہوتا ہے۔ انسان کا یہی احساس اسے لے ڈوبتا ہے۔ ابلیس فرشتوں میں سے افضل، علم میں بہتر اور عبادت میں برتر تھا۔ اسی بہتری کے اظہار نے اُسے لعنتی بنا دیا۔ انسان کی پیدائش مٹّی سے ہے اور مٹّی کے مزاج میں عاجزی مسکینی اور خاکساری ہے۔ جو لوگ دنیا کے سازوسامان پر، مرتبوں اور منصبوں پر غرور کرتے ہیں، وہ فرعون اور نمرود بن کر تباہ ہو جاتے ہیں۔ جنہیں اپنے علم پر ناز ہوتا ہے، خدا کے فضل و کرم سے بے نیاز ہو کر اپنی نیکی و پرہیزگاری پر اکڑتے ہیں، وہ شیطان کی طرح مردُود و متروک ہو جاتے ہیں۔

نجات کے لئے بے شک عمل میں اخلاص کی شرط ہے کہ وہ خالص اللہ کے لئے ہو، مگر اس عمل پہ ذرا بھی بھروسہ نہ ہو۔ خدا کی رحمت کا امیدوار رہو اور یہ دعا کرتا رہے کہ خدا اس عمل کو قبول فرمائے۔ خدا سے اُس کی بخشش کی اُمید بھی ہو اور اُس کے غیض و غضب کا خوف بھی ہو۔

بنی اسرائیل کا عبادت گزار

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے قیامت کے اجر اور ثواب کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ واقعہ لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے دَور میں ایک نہایت عبادت گزار اور پرہیزگار شخص تھا جس نے آبادیوں سے دُور ایک ویران جزیرے میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اُس کے قریب انار کا درخت تھا اور ایک میٹھے پانی کا چشمہ تھا۔ خورد و نوش کی یہ دونوں نعمتیں اللہ نے مہیا کر دی تھیں تو وہ یکسُو ہو کر خدا کی بندگی میں لگ گیا۔ رات دن اس کی بندگی میں مصروف رہتا۔ سارے تعلقات، رشتے اور بندھن چھوڑ چھاڑ کر خدا کا ہو گیا۔ اس ویران جزیرے میں تن تنہا یہ بندگی نہ دکھاوا تھی، نہ لوگوں میں تقویٰ داری کی شہرت کا سبب تھی، خالص خدا کی خاطر تھی جو اس جزیرے میں پورے پانچ سو سال تک کی گئی۔ عبادت کے شوق اور بندگی کا جنون ایسا تھا کہ خدا سے سوال کیا۔ خدایا مجھے سجدے میں موت آ جائے تاکہ قیامت تک تمہارے سامنے مر کر بھی سربسجود رہوں۔ اُس کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ نے پوری فرما دی۔ مرنے کے بعد جب خدا کے حضور پیشی ہوئی تو فرشتوں کو حکم ہُوا کہ میں نے اس بندے کو اپنے خاص فضل و کرم سے بخشا ہے اسے جنّت کے فلاں مقام پر لے جاؤ۔ اُس وقت اس کے دل میں خیال آیا کہ خداوند تعالیٰ نے میرے پانچسو سالہ عمل کا حوالہ دینے کی بجائے اپنے خاص فضل و کرم سے بخشا ہے۔ میری وہ بندگی اور اس کا اجر کوئی نہ ملا۔

چنانچہ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃ۔ خفیہ اور ظاہر کے اعمال، خیالات و افکار کا علم رکھنے والے ربّ نے اُس کے اس خیال کو جان لیا۔ فرشتوں کو فوراً حکم ہُوا کہ اسے دوزخ سے ذرا دُور فاصلے پر کھڑا کر دو۔ جب اُسے دُور فاصلے

Marfat.com

تک لے جایا گیا تو جہنم کی آگ کی تپش نے اُس کے جسم کی ساری تازگی و تری خشک کر ڈالی۔ بدن جلی ہوئی لکڑی کی طرح سُوکھ گیا۔ پیاس کی شدت نے پانی کی شدید طلب پیدا کر دی۔ گلا خشک ہو کر چٹخنے لگا اور جسم میں تازگی و نمی کی رمق تک باقی نہ رہی۔ پانی کی طلب سے اس کی آواز نہ نکلتی تھی۔ زبان خشک ہو کر کانٹا ہو گئی کہ اتنے میں ایک ہاتھ نمودار ہوا جس پر ٹھنڈے پانی کا کٹورا دھرا ہوا تھا۔ اُس نے نہایت بے تابی میں کٹورے کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ آواز آئی تمہیں یہ ٹھنڈا پانی مل سکتا ہے مگر اس شرط پہ کہ تم اپنی زندگی کی تمام عبادت اس کی قیمت کے طور پہ دے دو۔ بڑی بے تابی سے کہا۔ خدا کے لئے اس وقت پانی پلا دو، میری پانچ سو سالہ عبادت بے شک لے لو۔ چنانچہ پانی مل گیا۔ ایک سانس میں کٹورا ختم کیا۔ پانی کی تاثیر تھی کہ جسم کی تازگی، توانائی اور شادابی لوٹ آئی۔ حکم ہوا۔ اب پیش کرو۔ خدا کے حضور پیش کیا گیا تو ارشاد ہوا۔ تمہیں اپنی جس عبادت پہ ناز تھا وہ پانی کے ایک کٹورے کے بدلے میں دے دی، اب حساب کرو۔

پانچ سو برس تک میرے پیدا کئے ہوئے پانی کے چشمہ سے تُو نے کتنے ہی کٹورے پئے۔ انار کے کروڑوں لاکھوں دانے تمہاری خوراک بنے جو میرے مہیا کردہ اور پیدا کردہ تھے، جن پہ تُو زندہ رہا اور عبادت کرتا رہا۔ وہ عبادت تو گئی، اب تمہارے پاس ان نعمتوں کے بدلے میں کتنے سجدے، کتنی رکعتیں اور کتنے رکوع ہیں۔

زندہ رہنے کے لئے سانسوں کی ضرورت تھی۔ اُن سانسوں کا شمار کرو۔ میری چلائی ہوئی ہوا میں سانس لیتا رہا۔ آنکھوں کو بینائی بخشی، جسم کو طاقت دی، زبان کو گویائی دی۔ بتا ان نعمتوں کے بدلے میں کتنا شکریہ ادا کیا، کتنی بندگی کی، جسم کی ایک ایک نعمت گن کر حساب مانگا گیا۔ کہا جائے گا، ان تمام نعمتوں کے بدلے میں اُسے جس عبادت پہ ناز تھا وہ ایک کٹورے پانی کے بدلے میں دے دی، اب تمہارے پاس کیا رہ گیا ہے۔

انسان کو اپنے جسم میں خدا کی موجود نعمتوں کی قدر و قیمت تب یاد آتی ہے، جب ان نعمتوں میں سے کوئی ضائع ہو جائے یا کام چھوڑ دے تو ہم اُس کی صحت اور بحالی پر لاکھوں روپیہ لگاتے ہیں۔ جسم کی انہی نعمتوں کی وجہ سے ہم دانشور ہیں، حکمران ہیں، بادشاہ ہیں، مجسٹریٹ اور جج ہیں، کاریگر اور انجینئر ہیں۔ حتیٰ کہ زمیندار، تاجر، ملازم اور مزدور ہیں۔ انہی نعمتوں کی وجہ سے ہم فنکار، گلوکار اور موسیقار بنے۔ بتائیں ان نعمتوں کا تم نے کونسا حق ادا کیا، کتنا شکر ادا کیا، کتنی بندگی کی اور کتنی عبادت کی۔ ان نعمتوں کے بل بوتے پہ کمائی ہوئی کتنی دولت خدا کی راہ میں خرچ کی؟

اپنے جسم سے باہر نظر ڈالیں تو ہزاروں نعمتیں ہمارے اردگرد بکھری ہوئی ہیں، جن سے ہماری زندگی اور اُس کی ضروریات وابستہ ہیں۔ ہوا، پانی، زمین اور اس کی پیداواری صلاحیت اور پیداوار ہیں۔ حیوانات کی تسخیر، اُن سے ہمارے فائدے اور بے شمار نفعے، دریا، سمندر، ان پر کشتیاں، جہاز چلنا، ملکوں ملکوں گھومنا پھرنا۔ لوہا پیدا فرمایا۔ اس سے اوزار بنائے ہتھیار بنائے، دولت روپیہ، بیوی بچے دیئے جو قلبی سکون کا باعث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی ان تمام جسمانی و کائناتی نعمتوں کے بدلے میں سوچیں۔ ہم نے کتنا شکریہ ادا کیا، کتنی اس کی بندگی کی اور کی بھی تو کیا وہ بندگی ان نعمتوں کا بدلہ اور قیمت بن سکتی ہے؟ بنیادی طور پہ جسمانی اور کائناتی نعمتیں خدا کی عطا کردہ ہیں اور ان کی بنیاد پہ تم نے جو کمال حاصل کیا اس کا سبب خدا کی دی ہوئی نعمتیں تھیں۔

چنانچہ پانچسو سالہ عبادت گزار جسے اپنی عبادت پہ ناز کا تصوڑا سا خیال گزرا تھا۔ خدا کی ان نعمتوں کی تمام تفصیل سُن کر

Marfat.com

کانپ گیا، مارے خوف کے جواب نہ بن پڑا۔ ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ خدایا! انسان عاجز ہے اس عاجز کی بندگی اتنی بے شمار نعمتوں کا کیا بدلہ ہوسکتی ہے۔ نجات صرف تیرے فضل و کرم سے ممکن ہے ہمارے عمل سے نہیں۔ ہماری ساری زندگی کی عبادت تو ایک کٹورے پانی کی قیمت بھی نہیں۔

اپنا موازنہ اپنا حساب

اسرائیل کے اس عابد و زاہد کی پانچسو سالہ عبادت کے مقابلے میں ہم اپنا حساب لگائیں تو ہماری اوسط عمر ستر سال بنتی ہے۔ اس میں سے راتوں کا نصف حصّہ نکال دیا جائے تو باقی پینتیس سال رہ جاتے ہیں۔ اس میں سے بھی ہر نماز کا ایک گھنٹہ عرصہ عبادت لگایا جائے تو روزانہ پانچ گھنٹے بن جائیں گے۔ تیس سال کا تہائی حصّہ صرف دس سال ساری عمر میں سے عبادت کا رہ جاتا ہے۔ بشرطیکہ ہر شخص پانچ وقت کا نمازی ہو۔ آپ خود ہی حساب کریں کہ ساری عمر میں سے سات آٹھ سال عبادت میں لگا دیئے تو کیا یہ تھوڑا سا عرصہ خدا کی ان بے شمار نعمتوں کا بدلہ، معاوضہ یا قیمت بن سکتا ہے، اگر قیامت میں خداوند تعالیٰ نے اسی طرح ہمارے ساتھ حساب کیا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ پھر اس عبادت اور اس عمل پہ کیوں بھروسہ کیا جائے اور یہ سوال قیامت کے دن ہم سے ضرور ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ قیامت کے دن نعمتوں کے بارہ ضرور پوچھا جائے گا۔

عبادت پر غرور شیطانی بہکاوا ہوتا ہے

بعض لوگ بلکہ اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ اپنی ریاضت اور عبادت کی وجہ سے شہرت پا لیتے ہیں اور انہیں بزرگ، ولی نہ جانے کیا کیا سمجھنے والے ہاتھ چومنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر ننگے پاؤں چلنے والے مل جاتے ہیں تو پیر جی کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ کچھ اپنی امتیازی شان اور اپنے جیسے انسانوں کو اپنے اردگرد سر جھکائے، دم سادھے، مؤدب بیٹھا دیکھتا ہے تو انہیں اپنی برتری، رفعت، اولوالمرتبہ ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جو نفس کا دھوکا ہوتا ہے اور کچھ شیطان بھی اسے بہکانے کے لیئے طرح طرح کے جال پھینکتا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے قسم کے ولی صاحبان تو بآسانی پھنس جاتے ہیں۔ البتہ تصوّف و معرفت اور دریائے ولایت و معرفت کی بڑی بڑی مچھلیاں بہت کم شیطان کے جال میں آتی ہیں شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے ساتھ شیطان نے یہی حربہ استعمال کیا۔ وہ کسی صحرائی راستہ سے گزر رہے تھے کہ شدید پیاس لگی۔ پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھنے لگے کہ اتنے میں بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا اور چھم چھم بارش برسنے لگی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے پیاس بجھائی۔ معاً بادلوں میں روشنی نمودار ہوئی اور آواز آئی " عبدالقادر! آج سے تم پر تمام حرام حلال کر دیئے گئے ہیں"۔ پیاس کی شدید حالت میں بادل کا آنا، بارش برسانا اور پھر اس تسلسل کے بعد یہ آواز دے کر انہیں پھانسنا تھا کہ میں خدا کا اتنا پیارا اور محبوب ہوں کہ میری پیاس کا خدا نے خیال فرمایا اور پھر یہ انعام اور خاص مہربانی سے نوازا کہ مجھے ہر قسم کی حدود و قیود سے آزاد کر کے سارے حرام حلال کر دیئے جو چاہے کہوں، جو چاہے کروں اور جو مرضی آئے کھاؤں۔ اگر ایسا کر لیتے ساری ولایت، بزرگی، غوثیت اور قطبیت خاک میں مل جاتی، مگر شیخ عبدالقادر جیلانی رح شیطانی چالوں کو سمجھتے تھے، وہ اس جال میں نہ آئے۔ وہ جانتے تھے کہ حرام خداوند تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے لیئے جائز نہیں کیئے تو مجھے یہ اعزاز کیسے بخشا جاسکتا ہے۔ یہ ضرور شیطانی جال اور چال ہے۔

Marfat.com

جاہل اور جعلی پیر

ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر بحث حدیث مبارکہ بیان کی تھی کہ — اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ ھَالِکُوْنَ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔ تمام لوگ ہلاک ہوں گے سوائے عالموں کے — تو علم اچھی چیز ہے۔ وہ انسان کو خدا کی پہچان بھی سکھاتا ہے اور حرام و حلال کی تمیز بھی سکھاتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر پیر صاحبان بالخصوص اَن پڑھ و جاہل پیر اپنے شیطانی جالوں میں خود بھی پھنسے ہوئے ہیں اور مخلوقِ خدا کو اپنے حلقۂ ارادت و عقیدت میں داخل کر کے گمراہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ذرا سا بھی ان کی زندگیوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو ان کی زندگی غیر شرعی انداز سے گزرتی ہے۔ چرس، بھنگ نوشی کے لئے عجیب عجیب جواز پیدا کرتے ہیں۔ نماز کی خود پابندی کرتے ہیں نہ مریدین اور زائرین کی نماز کا وہاں کوئی انتظام ہوتا ہے نہ وضو خانے ہوتے ہیں نہ مسجد۔ اپنی بے نمازی پر پردہ ڈالنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہم پانچوں وقت خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے جاتے ہیں، اگر مان لیا جائے تو یہ سوال پھر بھی باقی ہے کہ عقیدت مندوں کی نماز کے لئے خانقاہ کے قریب مسجد تعمیر کرا دیجئے لیکن ایسا کرنے سے ایک تو خانہ کعبہ میں ادائیگیٔ نماز کا رُعب اور جواز ختم ہو جائے گا۔ دوسرا قریب مسجد ہوتے ہوئے نماز کی عدم ادائیگی مریدوں کے دلوں میں ولایت کو مشکوک کر دے گی۔ کیونکہ حضورؐ نے آخر دم تک باجماعت نماز نہ چھوڑی اور وہ مسجد نبوی کو چھوڑ کر خانہ کعبہ میں نماز کی ادائیگی کو نہ آئے بلکہ ایسا ہوتا تو مشرکینِ مکّہ نے جب حج کی ادائیگی کی اجازت نہ دی تو حج کے بغیر واپس مایوس لوٹنا پڑا۔ انہوں نے یہ نہ فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو کفار کی نظروں سے چھپا کر حج کر آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ مسجد کے محراب میں شہید ہوئے۔ حضرت عثمانؓ پر باغیوں نے مسجد نبوی میں داخلہ بند کر دیا تھا، مگر یہ تقریر نہ فرمائی کہ کیا ہوا میں خانہ کعبہ میں اُڑ کر نماز پڑھ آتا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا، مگر مسجد نبویؐ میں پڑھتا ہوں۔ حضرت علیؓ مسجد جاتے ہوئے شہید کئے گئے، ورنہ وہ روحانی طور پر کعبہ میں نماز ادا کر سکتے تھے کہ روحانی طور پر بھی اور مقامی مخالفتوں میں انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا۔

بہرحال جعلی پیر صاحبان جاہل مریدوں پر رعب ڈالنے اور اپنی بے نمازی کو چھپانے کے لئے کہا کرتے ہیں۔ ہم جسمانی طور پر تو اِدھر ہوتے ہیں، مگر روحانی طور پر پانچوں نمازیں خانہ کعبہ میں پڑھتے ہیں اور اس خیال کو زیادہ پختہ اور قابلِ یقین بنانے کے لئے وہ عجیب حرکتیں بھی کرتے ہیں۔ مثلاً ایسے ہی ایک پیر صاحب اپنی عقیدت مند مریدنی کے مہمان ہوئے ساتھ حسب روایت دوسرے بہت سے مریدوں کا لاؤ لشکر بھی تھا۔ مریدنی ضیافت و دعوت کے انتظامات میں مصروف تھی۔ پیر صاحب مریدوں کے حلقے میں بیٹھے اچانک "کُرّے کُرّے" — کُتے کو بھگانے، روکنے کی آواز — کرنے لگے، تو سب مرید متوجہ ہو گئے۔ مریدنی سمجھی شاید کُتّے نے کھانا یا برتن جھوٹے کر دیئے۔ جب وہاں کوئی کُتّا کسی نے موجود نہ پایا، تو حضرت صاحب فرمانے لگے۔ حیران ہونے کی کوئی بات نہیں، کُتّا خانہ کعبہ میں داخل ہو رہا تھا تو میں نے یہاں سے — پاکستان کے دُور دراز پہاڑی اور دیہی علاقہ میں بیٹھے ہوئے اُسے روکا ہے — اب جو حضرت خانہ کعبہ میں کُتّے بلّیوں کی یہاں بیٹھ کر نگرانی فرما سکتے ہیں، اُن کا وہاں جا کر نماز پڑھنا کونسا مشکل کام ہے۔ تھوڑی دیر بعد کھانا تیار ہوا اور سامنے رکھا گیا تو عقیدتمند مریدنی نے حضرت صاحب کی پلیٹ میں بوٹیاں چاولوں کے نیچے چھپا کر رکھیں تاکہ دوسرے مریدوں کی حرص بھری نظریں نہ پڑیں۔ حضرت بے چارے بڑے [illegible] نظر تھے۔ مریدنی سے سرِعام جواب طلبی فرمائی — ہائیں ہماری پلیٹ بوٹیوں سے خالی کیوں ہے؟ — مریدنی اتنی محنت مشقت اور مالی نقصان کے باوجود حضرت صاحب کی اس بدگمانی، کوتاہ اندیشی و کوتاہ نظری پر پھٹ پڑی اور بولی: او مردود

Marfat.com

بداری، تجھے خانہ کعبے میں داخل ہونے والا کُتّا یہاں بیٹھے ہوئے دکھائی دے گیا، مگر اپنی پلیٹ میں چاولوں کے نیچے بوٹیاں نظر نہ آئیں؟ — یہ کہتے ہوئے اُس نے ڈنڈا اُٹھایا، مگر حضرت مع مریدوں کے صافے اور لنگیاں سنبھالتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بوٹیوں کی حرص نے حضرت کی بزرگی، کشف و کرامات کا پول کھول دیا۔

نیک عمل خدا کی توفیق سے ہی ہوتا ہے

کسی کو اپنے نیک ہونے، پرہیزگار و تقویٰ دار ہونے پر اس لئے بھی گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے کہ انسان کو عمل کی توفیق بھی تو خدا ہی دیتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق نہ دے تو کب کوئی کام ہو سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ میں یکساں طور پر آفتابِ نبوت کی روشنی بکھیر رہے تھے۔ اس روشنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور دوسرے سینکڑوں صحابہ کرامؓ نے اسلام کا راستہ پا لیا، اللہ نے انہیں توفیق دے دی تھی، مگر اسی مکہ مکرمہ میں حضورؐ کے حقیقی چچا قریبی پڑوسی ہو کر محروم رہے۔ ابولہب و ابوجہل کو توفیق نہ مل سکی۔ ایک ہی شہر، محلے، معاشرے اور وقت میں سانس لیتے ہوئے خدا کی توفیق اور فضل شاملِ حال نہ ہوا تو ذلت آمیز انجام سے دوچار ہوئے اور جنہیں توفیق مل گئی، وہ کہاں سے کہاں جا پہنچے۔ اسی مکہ کے ذرّے حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ بن ارتؓ، حضرت یاسرؓ آفتاب بن کر چمک گئے اور جنہیں اپنی سرداریوں پر ناز تھا، خدا نے توفیق نہ دی تو گمنام و بدنام ہو کر رہ گئے۔

اس لئے اگر کسی کو خدا کی بندگی اختیار کرنے، اُس کے احکامات کی تعمیل کرنے اور اطاعت و تابعداری خلوصِ نیت اور خلوصِ عمل کی سعادت مل گئی ہے تو اُسے ذاتی کمال سمجھ کر فخر نہ کرے بلکہ اسے خدا کی طرف سے ملی ہوئی توفیق اور مہربانی سمجھ کر خدا کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ اُس نے اس حقیر ذرّے کو اپنی بندگی کے لئے چُنا، اپنی دوستی، نزدیکی اور قُرب کے قابل سمجھا۔ اگر خداوند تعالیٰ ہمارے دلوں میں ارادے نہ ڈالتا، عمل کی توفیق نہ دیتا، اپنی بندگی اور نیکیوں میں ہمارا دل نہ لگاتا تو ناممکن تھا کہ کوئی اپنی محنت اور ارادے سے ایسا بن جاتا۔

غلام کا واقعہ

ایک مالدار دنیا دار آدمی کا ملازم نیک اور نماز گذار تھا۔ ایک دن اُسے لے کر بازار گیا کہ گھر کے لئے سامان خرید لائے۔ شہر پہنچے تو شام کے وقت مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی۔ مالدار شخص کے ملازم نے کہا۔ آپ ذرا دیر کے لئے انتظار فرمائیں میں نماز پڑھ کر آ جاؤں۔ مالک بھی مسلمان تھا۔ وہ مسجد کے دروازے پر ٹھہر گیا اور ملازم مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ نماز باجماعت ختم ہوئی تو نفل شروع کر دیئے۔ مالک انتظار کرتے کرتے اور کھڑے کھڑے تنگ آ گیا۔ آواز دی "جلدی آ جاؤ"۔ ملازم "ابھی آیا!" کہہ کر پھر نیت باندھ دیتا۔ ہر دفعہ سلام پھیرنے کے بعد مالک جلدی آؤ کہتا اور ملازم آیا کہہ کر دوسرے نفلوں کی نیت باندھ دیتا۔ آخری مرتبہ جب مالک نے ترش رُوئی اور غصّے سے پکارا تو ملازم نے نہایت مجبوری سے کہا۔ "کیا کروں آنے نہیں دیتے!" مالک نے مسجد کے دروازے سے کھڑے کھڑے پوچھا "کون آنے نہیں دیتے؟" — "جی! وہی جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا، مجھے باہر جانے نہیں دیتا۔" یعنی جس خدا نے آپ کو اندر آنے کی توفیق نہیں بخشی اُس نے اپنی بندگی میں میرا دل لگا دیا ہے، مجھے باہر جانے نہیں دیتا۔

مسجدوں میں اذانیں ہوتی رہتی ہیں، جنہیں توفیق دی ہوئی ہوتی ہے وہ خوش نصیب آ جاتے ہیں۔ خدا کے گھر میں، خدا کی بندگی میں مصروف ہو جاتے ہیں، جو بدنصیب ہوتے ہیں وہ اپنی جہالت، حماقت میں مشرکینِ مکہ اور منافقینِ مکہ کی طرح بہانے ڈھونڈتے

Marfat.com

ہیں، سہارے اور جواز پیدا کرتے ہیں اور اپنی بے غیرتی کو چھپانے کے لئے عذر گھڑتے رہتے ہیں، حالانکہ خدا نے انہیں اپنی بندگی، اطاعت اور قربت کے لئے چنا نہیں ہوتا، وہ خدا کی توفیق اور فضل سے محروم ہوتے ہیں جنہیں آنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اسی طرح نہ آنے والوں کو اُٹھا کر کوئی لا نہیں سکتا۔

شکرگزاری لازمی ہے

انسان کو جہاں اللہ تعالیٰ کی بے شمار جسمانی اور دنیاوی نعمتوں کی موجودگی پر خداوند تعالیٰ کا شکرگزار ہونا چاہیئے وہاں اس بات کا بھی شکرگزار ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی بندگی کی توفیق دی۔ اُس کے سامنے سر جھکانے کے قابل سمجھا، اُسے اپنے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا اعزاز بخشا، اپنے گھر مسجد شریف میں داخلہ کی اجازت بخشی۔ ورنہ آپ دیکھتے ہیں یہیں اس دنیا میں ہزاروں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں خدا کی بندگی کی توفیق نہیں دی گئی، مگر اس کے مقابلے میں اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے غلام بندے بنا دیئے گئے۔ ان کی خوشامدیں کریں گے۔ ان کی تعریفیں کریں گے۔ بعض کو اللہ نے جانوروں کی بندگی پر لگا دیا ہے۔ وہ اپنے پالتو گدھوں، بھیڑوں، بھینسوں، کُتّوں کی دلداری میں لگے رہتے ہیں۔ خدا نے اپنی بندگی کی توفیق بخش کر اس ذلّت سے بچا لیا۔

اس لئے انسان کو نیکی، تقویٰ داری اور خدا کی بندگی و اطاعت کی اگر توفیق ملی ہے تو اُسے اس پر فخر کرنے کی بجائے خدا کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ اُس نے اُسے اپنی بندگی کی توفیق بخشی۔ فرشتے رات دن خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں لگے رہتے ہیں۔ پھر بھی کہتے ہیں: ما عبدناک حق عبادتک۔ ہم آپ کی عبادت اور بندگی کا حق نہ ادا کر سکے۔ سمجھنے اور عمل کرنے کی آخری بات یہ ہے کہ خالص خدا کی خوشنودی، اُس کی رضا جوئی اور خالص اُس کی اطاعت میں کئے جانے والے اعمال پر بھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ بھروسہ صرف خدا کے فضل و کرم پر ہو۔ وَالْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ۔ خالص خدا کے لئے عمل کرنے والے ہر وقت بہت بڑے خطرے میں ہوتے ہیں کہ کیا پتہ کب شیطان اُن کے دل میں اس خیال کا جھونکا، غرور کا شائبہ اور پرہیزگاری پر تکبّر و مستی کی کوئی لہر پیدا کرے کہ میں تو پرہیزگار نیکوکار ہوں، خدا کا مخلص بندہ ہوں تو اسی وقت ساری پرہیزگاری پر پانی پھر جائے گا۔ نہ جانے کب نیک عمل کی توفیق چھن جائے اور اس کے منکروں کی صف میں شامل ہو جائے۔

امام احمد بن حنبلؒ پر جب نزع کا عالم طاری ہوا تو آپ کے بیٹے نے پوچھا۔ اے باپ کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ وقت پُرخطر ہے جواب کی جگہ نہیں دعا سے مدد کرتے رہو۔ کیونکہ جو لوگ میرے دائیں بائیں بیٹھے ہیں اُن میں شیطان بھی ہے۔ وہ میرے سامنے کھڑا سر پر خاک ڈال رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ اے احمد! تو میرے ہاتھ سے جان سلامت لے گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جب تک ایک سانس بھی باقی ہے خطرہ موجود ہے۔ یہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا حال تھا جو انتہائی پرہیزگار، عبادت گزار اور فقیہہ تھے۔ جنہوں نے ساری زندگی تحصیلِ علم اور اشاعتِ علم میں گزاری اور آج بھی ایک دُنیا ان کی پیروکار ہے اور امامِ وقت سمجھے گئے۔ ان کے آخری سانس کا وقت بھی اگر خطرہ سے خالی نہیں ہو سکتا تو ہمارا کیا حال ہے جبکہ ہم روزانہ اور ہر وقت شیطان کے جال میں پھنس کر اپنے اعمال و ایمان کی حقیر سی پونجی لٹا بیٹھتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہمیں اپنے اعمال پر غرور اور گھمنڈ سے بچائے، شیطانی حربوں سے محفوظ رکھے اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ کیونکہ حضورؐ کا فرمان سچا ہے کہ والمخلصون علی خطرٍ عظیم۔

ذکرِ الٰہی کی فضیلت و اہمیّت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ عنکبوت۔ نماز بھی خدا سے ذکر کی صورت ہے۔ نماز کے لئے تیاری اور اس کے دوران خدا کے حضور میں تسبیح و تذکیر۔ دونوں عمل ذکر ہی ہیں۔ تیاری اگر جسم ہے تو خدا کی موجودگی کا احساس روح ہے
۲	جسم اور روح کا تعلق لازم ملزوم جسم روح کی وجہ سے قیمتی ہے۔ زندہ آدمی اور مردہ آدمی کا فرق	لطافت کے لئے کثافت ضروری ہے شعلہ آتش بغیر لکڑی کے ممکن نہیں اور نہ بہار کے موسم کی لطافتیں باغ کے بغیر جلوہ گر ہو سکتی ہیں۔ خدا کا نور کائنات کی تخلیق کے بغیر پوشیدہ تھا
۳	کائنات کی روح بھی ذکر ہی ہے	سبّح للہ ما فی السّمٰوات والارض۔ ذکر کرنے والے گویا مُردوں میں زندہ لوگ ہوتے ہیں۔
۴	عبادات کی روح بھی ذکر ہی ہے	نماز، روزہ، حج کے ظاہری اور روحانی اعمال تعلق الٰہی کو مضبوط بناتے ہیں۔
۵	عبادت میں ذکر نہ ہو تو صرف عادت اور رسم ہے	خدا کی بندگی احساس کے بغیر کی جائے تو عبادات ہیں، اس کے بغیر رسماً ہوں تو عادات۔ خدا کی یاد کے ساتھ دنیاوی امور بھی عبادت ہو جاتے ہیں۔
۶	ذکر الٰہی کرنا خود کو یاد کرنا اور دائمی زندگی پانا ہے	کائنات کا ذکر غیر شعوری ہے۔ انسان کا شعوری ہے۔ فاذکرونی اذکرکم ذکر کرنے والے آج بھی زندہ ہیں۔ حضورؐ سے وعدہ۔ ورفعنا لك ذکرك۔ خواجہ اجمیریؒ دوسرے اولیاء۔ حضورؐ کے رفیع ذکر کی دلیل۔ خدا کے نام کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ اذان
۷	ولذکر اللہ اکبر	خدا غیر فانی ہے۔ اس کا ذکر بلند ہے تو اس کے ساتھ تعلق والے بھی غیر فانی اور عظیم المرتبہ ہوتے ہیں۔ ذکر الٰہی کے دوران اس کا خیال و تصور رہو ورنہ وہ ذکر روح سے خالی ہوگا۔
۸	ذکر کے چند اعمال	درود شریف، تسبیحات، وظائف

Marfat.com

ذکر الٰہی کی اہمیّت و فضیلت

آیت معہ ترجمہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۔
(سورۂ عنکبوت) نماز بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی شے ہے۔ اللہ جانتا ہے جو تم فیصلہ کرتے ہو۔

تفسیر و تشریح

سورۂ عنکبوت کی اس آیت میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل بات نماز کی گئی ہے اور ذکر کی بات ضمنی ہے۔ نماز کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ انسان کو بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور فوراً بعد خدا نے اپنے ذکر کی عظمت اور بڑائی بیان کی ہے۔ دراصل نماز اور ذکر ایک ہی تصویر کے دو پہلو یا ایک ہی عمل کی دو صورتیں ہیں۔ نماز کی ظاہری یا ایک عملی صورت اس کی تیاری سے لے کر قیام، رکوع اور سجود ہیں اور دوسری صورت اس قیام، رکوع سجود اور قعود کے دوران پڑھا جانے والا سبق اور وہ خیال ہے جو نماز کے دوران دل و دماغ پر طاری ہو کہ میں یہ سب کچھ کیوں کر رہا ہوں، کس لئے کر رہا ہوں اور جس کے لئے کر رہا ہوں وہ سامنے اگر دکھائی نہیں دیتا تو بھی کم از کم یہ احساس ہو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ان دو صورتوں میں سے پہلی صورت قیام و رکوع اگر جسم ہے ظاہری شکل ہے تو اس میں خدا کا تصوّر، اُس کی یاد، اُس کا ذکر ہے، جسے اس جسم کی رُوح کہا جانا چاہیئے۔

جسم اور روح کا تعلق

اب نماز کی ان روحانی اور جسمانی دو صورتوں کے بعد آیت پر غور کیا جائے تو نماز اور ذکر کا آپس میں گہرا تعلق ہے، جن میں سے کسی ایک کے بغیر وہ عمل مکمل نہیں ہو سکتا اور شاید مقبول بھی نہ ہو سکے۔ جسم اور رُوح کا تعلق لازم ملزوم ہے۔ روح نہ ہو تو جسم ایک بے قیمت چیز ہے اور جسم نہ ہو تو رُوح کہاں سما سکتی ہے ؎

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی   چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

مرزا غالبؔ نے اس شعر میں یہی حقیقت بیان کی ہے کہ لطافت اپنی خوبصورتی اور جلوہ گری اس وقت تک نہیں دکھا سکتی جب تک کہ کثافت کا وجود نہ ہو۔ آگ کا شعلہ لطیف ہے مگر اس کے اظہار کے لئے لکڑی کا وجود لازمی ہے، ورنہ آگ کیسے نمودار ہوگی؟ آئینہ لطیف چیز ہے، مگر اس میں عکس تب ہی نظر آئے گا کہ اُس کے پیچھے زنگار، مسالہ لگا ہوا ہو۔ بہار بذاتِ خود لطیف ہے، مگر یہ اُسی وقت جلوہ دکھائے گی جب اُس کے لئے باغ کا وجود ہو۔ باغ نہ ہو تو بہار کہاں اُترے گی۔ اِسی طرح نماز اسی وقت مؤثر ہوگی جب اُس کے ظاہری جسم کے اندر خدا کے ذکر اور اُس کی یاد یا اُس کے تصور کی روح موجود ہوگی، تو تب نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ نماز بُرائیوں سے روکے گی۔

کائنات کی تمام چیزوں میں آپ غور کریں تو جسم اور رُوح کا آپس میں گہرا تعلق موجود ہے۔ ہر جسم میں اس کی قدر و قیمت والی چیز اس میں رُوح ہوتی ہے۔ ہر جسم کی زندگی کا دارو مدار رُوح پر ہے۔ رُوح ہے تو جسم قیمتی بھی ہے، موجود بھی ہے اور اگر وہ نہیں تو پھر اس کے بغیر جسم کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ انسان کو لیں، جب تک اس کے جسم میں رُوح ہوتی ہے تو وہ اپنے خاندان کا فرد ہوتا ہے، خاندان کے سارے رشتے قائم ہوتے ہیں، وہ باپ بھی ہوتا ہے، بیٹا بھی ہوتا ہے، بھائی بھی ہوتا ہے، خاوند بھی ہوتا ہے کسی کا دوست بھی ہوتا ہے، محلے اور شہر کا ذمہ دار اور قابلِ ذکر فرد بھی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ملک کا سربراہ، صدر، بادشاہ اور وزیر اعظم تک ہوتا ہے، لیکن اس شخص کے جسم سے جب روح نکل جاتی ہے تو اُس کے سارے رشتے اور تعلق ٹوٹ جاتے ہیں۔ اُسے اُس کے رشتوں، تعلقات، عہدوں اور منصب سے کوئی بھی نہیں پکارتا بلکہ کہا جاتا ہے جنازہ تیار ہے، میّت آ رہی ہے، میّت کو دفنایا جا رہا ہے۔ وہ چند منٹ پہلے سب کچھ ہوتا ہے، مگر چند منٹ بعد آنکھیں بند ہوتے ہی، جسم سے رُوح نکلتے ہی وہ جنازہ اور میّت کہلاتا ہے بلکہ مُردہ بدست زندہ ہوتا ہے۔ وہی محترم و محبوب جسم میّت بن کر ساری کشش کھو بیٹھتا ہے۔ ہیلی کاپٹروں میں اُڑنے والے، مرسڈیز میں گھومنے والے اور دبیز قالینوں پر چلنے والے اتنے حقیر ہو جاتے ہیں کہ فوراً زمین میں دبا دیئے جاتے ہیں یا آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں ایندھن کی لکڑی اور وہ ایک ہو جاتے ہیں۔ ہندکو میں کہا جاتا ہے۔ موئی مائی ترُٹی آشنائی — مرنے کے بعد آشنائی ٹوٹ جاتی ہے۔

پھر ایک اور رُخ سے بھی دیکھئے کسی مریل سے مریل انتہائی کمزور اور مریض جسم کو بھی اگر اس میں روح موجود ہو، آپ اُسے مار دیں تو فوراً حکومتوں کا قانون حرکت میں آ جائے گا۔ آپ پر قتل کا کیس بنے گا اور پھانسی نہ ہوئی تو کئی سالوں تک جیل ضرور ہوگی، مگر رُوح کے بغیر جسم کو لوگ گڑھا کھود کر دباتے ہیں، آگ کے شعلوں میں ڈالتے ہیں۔ نہ قانون حرکت میں آتا ہے نہ ہتھکڑی لگتی ہے، نہ جیل ہوتی ہے، نہ تھانہ و عدالت قائم ہوتی ہے کیونکہ رُوح کے بغیر جسم کے ساتھ یہ سلوک قابلِ دست اندازیٔ پولیس نہیں ہوتا نہ قانون کو مداخلت کا حق پہنچتا ہے۔

کائنات کی رُوح ذکر ہے

اس آیت میں نماز کے بعد خدا کے ذکر کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ بڑی اہم چیز ہے تو مطلب یہی ہے کہ ذکرِ الٰہی کے بغیر نماز بھی بے روح اور بے جان ہوتی ہے اور جب بھی کوئی عبادت ذکر کی رُوح کے بغیر ہو تو اُس کی مثال بے روح جسم اور بے جان لاش کی ہے بلکہ خدا کا ذکر تو پوری کائنات کی رُوح ہے۔ جب کائنات خدا کے ذکر سے خالی ہو تو پوری کائنات مر جائے گی۔ قرآن میں ارشاد ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا یَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے، اُس کا ذکر کرتی ہے، مگر لوگ اس تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ پھر ارشاد ہوا، یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان اور زمینوں کی ہر چیز خدا کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یُقَالُ فِی الْاَرْضِ اللّٰهُ اللّٰهُ، قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ زمین میں اللہ اللہ پکارا جاتا ہے۔ گویا خدا کا ذکر، اس کی پکار جب تک زمین میں پکاری جائے گی، ذکر کیا جائے گا، قیامت برپا نہ ہوگی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: مثل الذاکرین فی العالمین کمثل الحیّ فی الاموات۔ دنیا یا جہانوں میں ذکرِ الٰہی کرنے والوں کی مثال مُردوں میں زندہ شخص کی ہوتی ہے۔ ذکرِ الٰہی خود زندگی کا اور زندہ رہنے کا

Marfat.com

سبب ہے، اس کے بغیر مُردہ ہوتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ چلتا ہوا پانی ذکر کرتا ہے۔ جب ٹھہر جاتا ہے تو تسبیح کا عمل بند ہوتے ہی مردہ ہو جاتا ہے۔ بدبُودار ہوتا ہے۔ درختوں کی سبز ٹہنیاں پتے تسبیح کرتے ہیں، خشک ہوتی ہیں تو گویا تسبیح نہیں کرتیں۔ حتیٰ کہ نیا ستھرا کپڑا یا لباس تسبیح بیان کرتا ہے۔ صفائی چھوڑ دے یا میلا ہو جائے یا بدبُودار ہو جائے تو تسبیح چھوڑنے کی علامت ہے۔ کپڑے اور لباس کی صفائی خدا کے ذکر سے قائم ہے جبکہ میلے اور بدبُودار کپڑوں میں نماز بھی مکروہ ہو جاتی ہے۔

عبادات کی رُوح ذکر ہے

عباداتِ الٰہی کی روح بھی ذکر ہی ہے۔ عبادات میں اثر پذیری اور اثر آفرینی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب عبادات خدا کے ذکر کے شعوری جذبے سے ادا ہوتی ہوں۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے ذکر اور یاد کو قائم رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔ جب نماز میں یہ احساس و شعور بیدار نہ ہو کہ میں خدا کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوں، خدا سے ہمکلام ہوں، اُس سے دعا مانگتا ہوں، اُس کی بندگی کا اقرار کرتا ہوں، اُس کی تکبیر اور بڑائی بیان کرتا ہوں۔ اس شعور و احساس کے ساتھ نماز اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی کی تعریف میں آئے گی، ورنہ اس کا نہ اثر ہوگا نہ انقلابی تبدیلی پیدا کرے گی، کیونکہ وہ بے جان ہوگی۔

روزہ تو ایسی عبادت ہے کہ سارا دن خدا خوفی، خدا کی اطاعت، حکم کی تعمیل کے جذبہ کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ بھوک لگتی ہے، پیاس ستاتی ہے، بہت سی چیزوں کے لئے طبیعت چاہتی ہے، مگر خدا کے حکم کی تعمیل میں خدا کے ظاہر و باطن اور حاضر و ناظر ہونے کے احساس سے نہیں کھایا جاتا ہے۔ شام ہوتی ہے، تراویح پڑھی جاتی ہیں، نیند کا غلبہ ہے مگر سحری کی جاتی ہے، گویا رمضان شریف کے ایک دن کے چوبیس گھنٹوں میں خدا کی یاد، اُس کی موجودگی اور دیکھنے کا احساس ساتھ رہتا ہے، اگر دنیا کے اجتماعی نظام کے تحت لوگوں کے ڈر سے منہ باندھ لیا جائے، نماز نہ پڑھے، تراویح ادا نہ کرے، قرآن کریم نہ سُنے، نہ خود پڑھے، دوسری برائیوں سے خود کو نہ بچائے تو ایسا روزہ گویا نہ خدا کے لئے ہوتا ہے نہ اس کے ذکر سے کیا جاتا ہے، وہ فاقہ کہلا سکتا ہے روزہ نہیں ہوگا۔

یہی حال حج کا ہوتا ہے۔ وہاں قدم قدم پہ خدا کی یاد، خدا کا ذکر اور خدا کے احکامات کی تعمیل ہوتی ہے۔ اپنی آنکھوں سے خدا کا گھر دیکھ کر خدا کی عظمت و حرمت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ خدا کے جلال و جمال سے دل و دماغ مرعوب ہوتا ہے اور اس گھر کے ساتھ ابراہیم و اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی دینی و تاریخی یادوں سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک قدم قدم پہ یادگاریں اور نشانیاں بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ ہر ذرہ اپنے اندر یادوں کا خزانہ رکھتا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کا جذبۂ ایثار، اُن کی والدہ کی بے قراری اور ٹیلوں پہ دوڑنا۔ زمزم، منیٰ میں قربانی، عرفات میں حضورؐ کا حجۃ الوداع صحابہ کرامؓ کی سرشاریاں و سرمستیاں، یہ سارے نقوش خدا کی یاد دلاتے ہیں، خدا کے ذکر پہ مجبور کرتے ہیں۔ خدا کا یہی حکم ہے۔ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا۔ اللہ کو مسجد حرام کے پاس حج کے دوران ایسا یاد کرو، یُوں ذکر کرو جیسا کہ تم حج کے دنوں میں اپنے حسب و نسب کے کارنامے بیان کر کے فخر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ خدا کا ذکر کرو۔

حج کے دنوں میں حج کا ایک ایک رکن ادا ہوتا ہے تو خدا کے ساتھ اپنے تعلق اور ایمان کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔

Marfat.com

آدمی سوچتا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر کسی نے اپنی یادوں کے خزانے چھوڑے، خدا کے ساتھ اُسی وارفتگی اور سرمستی کے جذبے ہیں جو حج کرنے والوں کو تازہ دم کر کے ایمان کو مضبوط اور خدا کے ذکر کو تازہ ہی نہیں گہرا کر کے حج کرنے والے کو واپس لاتے ہیں، اگر ان شعائر کی تعظیم دل میں نہیں بیٹھتی، بس انسانوں کے ہجوم میں غیر شعوری دوڑ دھوپ کے ساتھ حج کی ادائیگی کسی میلے میں شرکت یا سیر و سیاحت اور پکنک پروگرام ہو سکتا ہے ——
فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ھدٰکم۔ مسجد حرام کے آس پاس جہاں خدا کی نشانیاں اور خدا کی تابعداری و اطاعت کے نقوشِ قدم جو مسلمانوں نے چھوڑے ہیں، انہیں دیکھ دیکھ کر اور یاد کر کے تم بھی خدا کو یاد کرو جیسا کہ تمہیں پیغمبرِ خدا ؐ نے ہدایت دی ہے۔ اگر وہ ذکر اور وہ یادیں دلوں میں تازہ نہ ہوں تو حج اپنی اصلی روح سے خالی ہوگا۔

عادت اور عبادت میں فرق

بعض بلکہ اکثر امور ہم اپنی زندگی میں اپنے نفسانی اور جسمانی تقاضوں کے تحت انجام دیتے ہیں۔ مثلاً روٹی کا تقاضا بھوک پیاس کی ضرورت پانی ہے، مکان کی ضرورت، معاشی حالت کے ... روزگار، تاجر، زراعت پیشہ افراد۔ ان میں سے ایسے بھی ہوں گے جو ان ضرورتوں کے علاوہ نماز روزہ کی عبادت بھی کرتے ہیں جو جسمانی تقاضے یا معاشی ضرورت کے تحت نہیں ہوتے بلکہ خدا کے حکم اور بندگی کے طور پر انجام دیئے جائیں، وہ عبادت کہلاتے ہیں۔

لیکن عبادات بھی اگر غیر شعوری طور پر سوچے سمجھے بغیر، ذہنی اور قلبی توجہ کے ساتھ نہ ادا کی جائیں، تو وہ بھی عادت ہی بن جاتی ہیں اور دنیاوی امور یا معاشی ضروریات کے تحت اختیار کردہ کام اس احساس اور شعور کے ساتھ کئے جائیں کہ اپنی اور بچوں کی پرورش مجھ پر خدا کی طرف سے ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری اس کے حکم سے ادا کرتا ہوں تو یہ کام بھی اس سوچ اور شعور کی وجہ سے عبادت بن جائیں گے۔

شعوری عادت بھی عبادت بن جاتی ہے

اعمال کا دارو مدار تو نیّت پر ہے۔ اچھی نیت سے انجام دیئے جانے والے کام اگرچہ بظاہر دنیاوی ہوں، مگر نیّت کی وجہ سے ان کا بھی ثواب ملتا ہے۔ مثلاً خوراک انسان اور جانور سب کھاتے ہیں، نفس کا تقاضا ہے، مگر اس نفسی تقاضے سے ہٹ کر خوراک کی فراہمی اور کھانے میں یہ نیّت، سوچ اور یہ شعور شامل ہو جائے کہ نفس کا مجھ پہ خدا کی طرف سے حق ہے۔ میں خدا کے عائد کردہ حق کو ادا کرتا ہوں نیز یہ کہ اس خوراک سے جو صحت اور زندگی کا وقفہ ملے گا اسے میں خدا کی اطاعت میں لگاؤں گا تو یہ طبعی اور خالص نفسانی ضرورت کے تحت ہونے والی دوڑ دھوپ عبادت بن کر خدا کے ذکر کی ایک صورت بن جاتی ہے۔ دل بہ یار اور دست بہ کار۔ دل دوست کے خیال میں لگا ہوا اور ہاتھ کام کر رہے ہوں۔ یہی ذکر ہے اور یہی شعوری کام عبادت ہے۔

خدا کو یاد کرنا خود کو یاد کرانا ہے

اتنی بات ذہن نشین ہونے کے بعد کہ شعور کے دخل سے طبعی اور فطری اُمور عبادت ہو جاتے ہیں اور خدا کے ذکر کی ذیل میں آ جاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر محض طبعی اور فطری تقاضوں کے تحت ہونے والے کام عادتِ مستمرہ مسلسل عادت کہلاتے ہیں۔ یہیں یہ فرق واضح ہو جاتا ہے کہ پوری کائنات خدا کے ذکر میں مبتلا ہے، مگر وہ ذکر غیر شعوری ہے اور انسان کا ذکر، عبادت، تسبیح شعوری ہے۔ خدا کا ذکر اور خدا کی یاد

Marfat.com

خود انسان کی اپنی دائمی بقا اور حیاتِ ابدی کے لئے بھی ضروری ہے: وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ۔ تم اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے خدا کو بھُلا دیا۔ انہوں نے خدا کو نہیں بھُلایا بلکہ اپنے آپ کو بھلا دیا۔

ذکر الٰہی اپنی بقا و تازگی کا سبب ہے

انسان کی اپنی جسمانی اور روحانی زندگی کا انحصار ذکر الٰہی پہ ہے۔ جب دل اور روح خدا کے ذکر سے معمور رہیں گے تو نہ صرف یہ کہ زندگی برقرار رہے گی بلکہ اس میں تازگی اور پاکیزگی بھی ہوگی، خواہ اس عارضی زندگی پر موت ہی کیوں نہ واقع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ۔ تم میرا ذکر کرتے رہا کرو تو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ خدا کا ذکر کرنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کرنے والے محبوب بندوں کو لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں آباد کر دیتے ہیں۔ خدا کے ذکر اور یاد کے بغیر اس کی نعمتوں کا استعمال، اُن نعمتوں کی ناشکری خدا کا انکار ہے۔ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ کون ہے میری طرح جو آپ کو کھلاتا پلاتا ہے۔

جن لوگوں نے خدا کو یاد کیا، خدا کے ذکر میں جتنے مصروف رہے، خدا نے اُن کا ذکر اور اُن کی یاد ضرور برقرار اور قائم رکھی ہے۔ انہیں وفات پائے صدیاں گزر گئیں، مگر آج بھی ہمارے دلوں میں، ہماری زبانوں پہ ان کا نام ہے۔ ہماری محفلیں ان کے ذکر اور اُن کے حوالوں سے بھرپور ہوتی ہیں۔ کوئی علمی تذکرہ، کوئی تقریر، کوئی تصنیف ان کی مثالوں، ان کے ناموں اور کارناموں کے حوالے کے بغیر نہیں ہوتی ہے۔ انبیاء کرام تو خود خدا کے محبوب اور برگزیدہ تھے۔ خلفاء راشدینؓ، صحابہ کرام رضؓ، تابعین تبع تابعینؒ، اولیاء المقربین، ائمہ مجتہدین، صوفیاء السالکین، غازی شہداء، سپہ سالار اب تک زندہ ہیں جنہوں نے خدا کے ذکر کو قائم رکھا، جانوں کے نذرانے پیش کر کے بندگی کا حق ادا کیا، خدا نے انہیں دائمی زندگی بخشی اور تذکرے قائم رکھے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ یہ جو لوگ خدا کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں، یہ مرتے نہیں جاتے بلکہ ہمیشہ زندہ ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی زندگی کے انداز سے آپ واقف نہیں ہوتے۔ یہ لوگ خدا کے مقبول ہوئے تو عوام کے محبوب ہو گئے۔

خواجہ اجمیریؒ کے متعلق پروفیسر آرنلڈ نے اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں لکھا ہے کہ مدتوں سے قبر میں پڑا ہوا یہ شخص اب بھی ہندوستان پر حکمران ہے، جسے آج بھی لوگ سلطان الہند، امیر الہند اور امام الہند کے القابات سے پکارتے ہیں۔ بابا فرید شکر گنجؒ کو دیکھئے، وہ وقت اور آج کے اس سائنسی اور مادّی دَور میں بھی بڑے بڑے متکبر، حکمران، دولتمند اپنی سختیوں، تکلیفوں میں ان کی قبروں پہ حاضری دیتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگیاں خدا کے ذکر کے لئے وقف کر دی تھی۔ ان کے ہاتھ پہ ننانوے لاکھ آدمی مسلمان ہو کر ذکر الٰہی میں مصروف ہوئے تو فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے۔ حالانکہ ابھی ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں والے، امیر کبیر، روساء اور بڑے بڑے دنیا دار بھی گزرے ہیں۔ تاریخوں میں ذکر ہو تو ہو، دلوں میں نہیں اور نہ زبانوں پہ ہے۔

صاحبانِ خدا خدا نہ باشند　　ولیکن ز خدا جدا نہ باشند

خدا کے ہو جانے والے بندے خدا نہیں ہوتے، لیکن خدا سے جُدا نہیں ہوتے۔

Marfat.com

حضورؐ سے وعدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خداوند تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اے نبیؐ، ہم تمہارا ذکر بلند رکھیں گے۔ حضورؐ کو یہ خوشخبری اس وقت دی گئی تھی جب حضورؐ کے ساتھ گنتی کے چند صحابہ کرامؓ تھے۔ کسی کے گمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ حضورؐ کا ذکر دُنیا کے ہر کونے اور گوشے میں بلند ہوگا۔ انسانی آوازوں سے ہی نہیں لاؤڈ سپیکر کی آوازوں نے اسے اور بھی اُونچا کر دیا، دُور دُور تک پھیلا دیا ہے۔ نماز پنجگانہ میں درُود ہے یا اذان ہے، خدا کے نام کے ساتھ حضورؐ کا نام سنایا جا رہا ہے۔ حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے انہیں فرمایا ہے کہ میرا ذکر ہوگا تو آپؐ کا بھی ذکر ہوگا۔

امریکہ کے رہنے والے ایک مؤرخ اور مفکرّ (REPLAY) ریپلے کو دنیا کے عجائبات اور نوادراتِ علمی جمع کرنے کا شوق تھا اور یہ شوق جنون کی حد تک تھا۔ لندن اور امریکہ کے اخبارات میں اس کے علمی نوادرات اور چٹکلے شائع ہوتے رہتے۔ لوگ مذاق اُڑاتے، مگر واقعات اور تحقیق کی دنیا میں اس کے چٹکلے اور عجائبات سچے ہوتے تھے۔

ایک دفعہ اسے یہ خیال آیا کہ پتہ چلاؤں کہ دنیا میں سب سے زیادہ سنی جانے والی آواز کونسی ہے۔ اس آواز کی تحقیق اور تلاش میں نکلا۔ پھرتا پھرتا آوازیں معلوم کرتا ہوا ہندوستان آ پہنچا۔ کلکتہ میں اس کی آمد ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ ان دنوں مولانا ابوالکلام آزاد تفسیر قرآن لکھ رہے تھے۔ روزنامہ ہند کے ایڈیٹر علامہ عبدالرزاق ملیح آبادی کو بھی اسلامی حقائق کو سچا ثابت کرنے کا جنون تھا۔ انہوں نے جب ریپلے کی آمد اور اس کی تحقیق کی خبر اخبارات میں پڑھی کہ ریپلے ہندو مذہب پر تحقیق کر رہا ہے۔ ہندو مذہب کے عالم کا متلاشی ہے جو اُس کے اس موضوع پر معلومات فراہم کر سکے کہ دنیا میں سب سے زیادہ سنی جانے والی آواز کونسی ہے؟

چنانچہ سنسکرت کے ایک عالم پنڈت جی ریپلے کے پہلے سوال پر ہی ٹھُس ہو گیا۔ ریپلے نے اس سے سوال کیا تھا کہ ہندوستان میں مندروں کی تعداد کتنی ہے؟ عبادت کے اوقات کیا ہیں اور عبادت کا طریقہ کیسا ہے؟ پنڈت جی لاجواب ہو گئے۔ پھر ریپلے پروفیسر احمد الدین مارہروی اور عبدالرزاق ملیح آبادی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں ایسی آواز کی تلاش میں ہوں جو دنیا میں سب سے زیادہ سُنی جاتی ہو۔ جانوروں کی بولیاں، انسانوں کی آوازیں بھی مختلف ہیں۔ ریلوے کی وسل کا جائزہ لیا تو یہ بھی مختلف ممالک میں مختلف قسم کی ہے۔ اس پہلو پر تحقیق کر رہا ہوں کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں کوئی مناجات، کوئی حمد مشترک ہو اور بین الاقوامی بھی ہو، عام بھی ہو۔ دنیا کے چار بڑے مذاہب عیسائیت، بدھ مت، اسلام اور ہندو دھرم کا جائزہ لے رہا ہوں۔

عیسائی مذہب کی مناجات ایک دوسرے سے مختلف ہیں بدھ مت میں یکسانیت ہے، مگر اُن کی عبادات اور بلند آوازوں کو پہلا نمبر نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام کے بارے میں ابھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا۔ ریپلے کی اس تحقیقی کوشش پر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور پروفیسر احمد الدین نے اسلام کی سچائی کو منوانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے آپس میں میٹنگ کی۔ مولانا عبدالرزاق صاحب مصر، قسطنطنیہ، شام، عرب اور فلسطین میں رہ چکے تھے۔ اُنہوں نے اپنے اخباری وسائل کے ذریعہ پتہ چلایا کہ ان ملکوں میں ڈیڑھ لاکھ مسجدیں ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں تقریباً ایک لاکھ تھیں۔ اُن دنوں حسین شہید سہروردی کے چچا، حسان سہروردی کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، اُنہوں نے مشورہ دیا کہ آپ عبادات کی بجائے اذان کی آواز پر زور دیں کہ یہ آواز ہر ملک میں یکساں بھی ہے، اور بلاتفریق

Marfat.com

ہر کوئی سنتا بھی ہے۔ انہوں نے "ہز ماسٹرز وائس" کمپنی والوں سے سودا کیا کہ مختلف مساجد کی اذانوں کو مختلف اوقات میں ریپلے کے سامنے ریکارڈ کیا جائے۔ اس زمانہ میں گراموفون کے ذریعہ آواز ریکارڈ ہوتی تھی۔ معاوضہ اگرچہ گرانقدر تھا، مگر اسلام کی عالمگیریت کے ثبوت کے مقابلے میں اس کے بغیر دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔ چنانچہ دو دنوں میں بیس ایسی اذانوں کے ریکارڈ تیار ہو گئے، جن کا فاصلہ ایک دوسرے سے بیس میلوں سے زیادہ تھا۔

ریپلے نے اذانوں کے ریکارڈ غور سے سنے تو اچھل پڑا۔ مولانا عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ہمیں ریپلے سے زیادہ مسرت ہوئی کہ ہم نے رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے خدائی وعدہ اور قول کو سچا ثابت کر دیا۔ ریپلے نے امریکہ پہنچ کر اپنی مشہور زمانہ کتاب "مانو یا نہ مانو" کی دوسری جلد میں یہ ذکر کیا کہ دنیا میں سب سے زیادہ سنی جانے والی آواز مسلمانوں کی اذان ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور ثبوت میں دنیا کی مساجد کے اعداد و شمار شائع کئے جو اُسے فراہم کئے گئے تھے۔

زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ خداوند تعالیٰ خود بڑے ہیں اُن کا ذکر بھی بڑا۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ خود غیر فانی ہے، اس لئے اُن کا ذکر کرنے والے کو بلندیاں اور بڑائیاں نصیب ہوتی ہیں بلکہ اس ذکر کی برکت سے دوام اور بقا بھی حاصل ہوتا ہے اور وہ دوام ضروری تو نہیں کہ زندہ رہ کر ہی حاصل ہو، کیونکہ خداوند تعالیٰ خود حیّ و قیوم ہے، اُس کے نام لیوا اور اسے یاد کرنے والے کیسے مٹ سکتے ہیں۔

ذکر کے لئے شرط یہ ہے کہ دل کی توجہ سے ہو۔ دماغ کو متوجہ کر کے خدا کا ذکر کیا جائے تو فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کا وعدہ پورا ہو گا۔ بے توجہی، غفلت اور بے پرواہی سے ادا کی جانے والی عبادت ہو یا یونہی ذکر ہو، بے جان اور بے روح ہو گی۔ اجسام کی زندگی روح پر ہے اور ذکر و عبادات کی روح دل کی توجہ پر ہے۔ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے اور وہی بات طاقتِ پرواز بھی رکھتی ہے، جو رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور اليه يصعد الكلمة الطيب والعمل الصالح يَرْفَعُهُ کی سچائی اور حقیقت کو ثابت کرتی ہے۔ ذکر الٰہی اور یاد الٰہی دل میں اُتر جائے تو بندۂ فرشی بندۂ عرشی بن جاتا ہے۔ بندۂ خاکی بندۂ نوری ہوتا ہے اور بندۂ فانی بندۂ باقی بن جاتا ہے۔ ذکر کا بہترین اظہار نماز ہے اور وہی نماز انسانی سیرت و کردار کو سنوارتی، برائی سے بچاتی اور بے حیائی سے روکتی ہے جو دل کی توجہ اور حضوری کے ساتھ ادا کی جائے۔ ؎

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

بر زباں تسبیح در دلِ گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ چونکہ نماز میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں، توجہ اور یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا اسے سرے سے چھوڑ دیا جائے، نماز ادا ہی نہ کی جائے بلکہ یہ تو ہے کہ خیالات کا آنا یا انہیں روکنا ہمارے اختیار میں نہیں۔ لہٰذا وہ ہمارا گناہ اور قصور نہیں تو گرفت بھی نہیں، جو بات ہمارے اختیار میں ہے وہ خدا کے سامنے نماز میں کھڑا ہونا ہے خیالات سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ نماز کے معنوں پر غور کر کے پڑھا جائے اور اس خیال کو دل میں رکھ کر پڑھی جائے کہ میں کہاں کھڑا ہوں اور کس سے ہمکلام ہوں تو خود بخود یہ کیفیت پیدا ہو گی۔ نماز کی ظاہری صورت اور اپنے اختیار کی بات کو نہ چھوڑا جائے۔ صورت ہو گی تو سیرت پیدا ہو گی، جسم ہو گا تو روح اُترے گی۔

Marfat.com

ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذکروا اللہ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۔ اے ایمان والو خدا کا ذکر کثرت سے کرو، کثرت ذکر سے ہی روح بیدار ہوگی۔ دن اور رات کا تھوڑا سا حصہ اس کے لئے وقف کر دیا جائے۔ مثلاً صبح کی نماز کے بعد اگر سو مرتبہ کلمہ تمجید، سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر، سو مرتبہ استغفار، استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا اللہ ھو الحیّ القیّوم واتوبُ الیہ، سو مرتبہ درود شریف اللّٰھمّ صلّ علیٰ سیّدنا محمّدٍ وعلیٰ اٰل سیّدنا محمّدٍ و بارک و سلّم۔ تو اس پر بمشکل ایک گھنٹہ لگے گا۔ کلمہ توحید تو ہر وقت چلتے پھرتے بھی پڑھا جا سکتا ہے، اگر اس پر بھی عمل ہو تو ہم ذکر کرنے والوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اَلَا بذکر اللہ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب ۔ خبردار دل کا اطمینان صرف اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

Marfat.com

نمازِ تہجّد کی ادائیگی فضیلت وفضائل

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ	سورۂ مزمل ۔ انفرادی فریضہ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ۔ آیت میں قیام کا تعین
۲	نمازِ تہجد کے قرآنی مقاصد وفوائد	بھاری کلام کو قابل برداشت بنانا ۔ نفس پر قابو پانا ۔ ذکر الٰہی میں حضوری یکسوئی کا موزوں وقت ۔ ثابت قدمی ۔ ارادے کی پختگی ۔ سب سے بے رغبتی خدا سے رغبت وتعلق ۔
۳	فرض سے نفل کیوں ہوئی	سفر ۔ روزی کی تلاش ۔ جہاد میں مصروفیات ۔ بیماری ضعف میں رعایت ۔
۴	نمازِ تہجد کی تاکید ۔ دوسری قرآنی آیات	سورۂ بنی اسرائیل ۔ سورہ السجدہ ۔ سورۂ المعارج ۔ سورۂ زُمر سورۂ فرقان ۔ سورۂ الفتح
۵	واقعات وامثال	ایرانی پہلوان رستم کے درباری کا کہنا ۔ بالیل رہبانٌ وبالنہار فرسان ۔ شاہ جہان بادشاہ ۔ سلطان التمش ۔ شاہ اسمٰعیل شہید

تہجّد خوانی کی فضیلت وفضائل

آیت معہ ترجمہ

یَاۤ اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ نِصْفَہٗۤ اَوِانْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا۔ اَوْزِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ اے کمبل اُوڑھ کر لیٹنے والے۔ مراد حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ اٹھو اور رات کو نماز میں کھڑے رہو۔ آدھی رات تک۔ آدھی رات سے تھوڑا کم یا زیادہ بڑھالو اور اس نماز میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھو۔

تشریح وتفسیر

یہ آیات قرآن کریم کے اُنتیسویں پارہ میں سورۂ المزمل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس تمام سورت میں تقریباً تہجد کی نماز کے متعلق احکامات ہیں۔ سورۂ المزمل کی ان ابتدائی آیات میں جو مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئیں تہجد کی نماز کو حضورؐ کے لئے فرض کیا گیا اور مخاطب کرنے کا انداز تاکیدی اور تنبیہی ہے کہ نبوّت کا بوجھ اور ذمہ داری ایسی نہیں کہ انسان لمبی تان کر سو جائے اور غفلت کی نیند میں پاؤں پھیلائے رکھے بلکہ غفلت اور غیر ذمہ داری کو پھینک کر اٹھو اور راتوں کو خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ۔ آدھی رات کا حصّہ نماز میں کھڑے ہو کر گزارو، اس میں تھوڑی بہت کمی بیشی کا اختیار حاصل ہے۔

انفرادی فرض

چونکہ سورۂ المزمل میں تہجد کی نماز کا یہ حکم اور اُس کی تاکید صرف حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو کی گئی تھی، اس لئے یہ نماز حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر فرض قرار پائی، مگر حضورؐ کی تقلید اور پیروی کا صحابۂ کرامؓ کو از حد شوق اور لالچ ہوتا تھا۔ وہ حضورؐ کو دیکھ دیکھ کر اُنؐ کے انداز رفتار گفتار نشست و برخاست حتیٰ کہ اُنؐ کی زندگی کے ہر لمحے میں ہونے والی بات اور کام کا تجسّس کر کے معلومات حاصل فرماتے اور خود کو بھی اُسی سانچے میں ڈھالتے تھے۔ تہجد کی نماز کے سلسلہ میں بھی انہوں نے نبی کریمؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوب پیروی کی۔ ان کا پورا عمل اپنایا۔ جسے اس سورۂ میں آگے چل کر خود خداوند تعالیٰ نے تعریفی انداز میں ذکر فرمایا ہے۔

قیام کتنا ہو

قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اوپر کی آیت میں دونوں مطلب نکلتے ہیں۔ پوری رات کا کم حصّہ سونے میں گزار کر یعنی رات کا تھوڑا سا حصّہ سو کر باقی رات کے لئے نماز میں کھڑے رہو۔ جیسا کہ سورۂ دھر میں حکم دیا گیا ہے۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَہٗ وَسَبِّحْہُ لَیْلًا طَوِیْلًا۔ رات کو خدا کے ہاں سجدہ ریز رہو اور طویل رات تک خدا کی تسبیح بیان کرتے رہو۔ دوسری بات جو اس آیت سے واضح ہوتی ہے، یہ ہے کہ آدھی رات سے کسی قدر کم یا زیادہ نماز تہجد میں گزارنے کا بھی اختیار ہے اور درمیانی صورت یہی ہے کہ آدھی یا قیام میں گزار دی جائے اور اس نماز میں جتنا قرآنِ کریم یاد ہو اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ ترتیل کے معنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا، غور کر کے پڑھنا اس نماز میں کسی بھی نماز میں یا ویسے بھی تلاوت کرتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت صرف الفاظ کی ادائیگی کی حد تک نہ ہو بلکہ الفاظ کے معانی و مطالب پر غور و فکر بھی ہو۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کو مختلف رکعتوں میں پڑھا ہے۔ حضورؐ عشاء کی نماز میں سے فرائض اور سنتیں پڑھ لیتے تھے اور وتر، تہجد کی نماز کے بعد پڑھتے تھے۔
اسی وجہ سے اُن کی نماز تہجد کو طاق رکعتوں میں بیان کیا گیا ہے یعنی سات، گیارہ اور تیرہ۔ سات میں چار رکعت نماز تہجد کی ہوئیں اور تین وتر ہوتے تھے۔ گیارہ میں سے آٹھ رکعتیں تہجد کی ہوئیں، وتر ملا کر گیارہ اور تیرہ رکعتوں میں دس تہجد کی اور تین وتر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ترتیل قرآن یہ تھا کہ وہ ان رکعتوں میں خواہ سات ہوتیں، گیارہ ہوتیں یا تیرہ ان میں قرآن کریم کی ابتدائی لمبی سورتیں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء پڑھا کرتے تھے۔ ان تین سورتوں کا مجموعہ تقریباً سوا پانچ سپارے بنتا ہے، اگر ان میں قرآن کریم کو، جیسا کہ حکم ہے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے تو وقت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضورؐ رات کا کتنا حصّہ تہجد کی نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طویل قیام کی وجہ سے آپؐ کے پاؤں سُوج جاتے تھے۔ جب انہیں کہا جاتا کہ آپؐ تو ویسے بھی پیغمبر اور محبوب خدا ہیں کیوں خود کو اتنی مشقت میں ڈالتے ہیں، تو فرماتے کہ پھر تو اس محبوبیت اور نبوّت کے اعزاز پر زیادہ حق بنتا ہے کہ میں خدا کا زیادہ سے زیادہ شکر یہ ادا کروں کہ اتنے انسانوں میں مجھے اپنا محبوب اور نبی بنایا۔

مقاصد و فوائد

اِنَّا سَنُلْقِی عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ ہم تم پر بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا۔ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا۔ رات کا اُٹھنا در حقیقت نفس پر قابو پانے کے لئے مفید ہوتا ہے اور قرآن کریم کو پڑھنے کے لئے موزوں ہوتا ہے۔ ذکر خدا میں محویت اور خدا کی طرف یکسوئی حاصل ہو۔

۱۔ کلام کا بھاری پن

خداوند تعالیٰ نے خود نماز تہجد کے اہم مقاصد اور فوائد کا ذکر فرما دیا ہے کہ ہم آپؐ پر بھاری کلام نازل کر رہے ہیں جس کا بوجھ اُٹھانے کے لئے قوتِ برداشت کی ضرورت ہے اور اس نماز سے وہ قوتِ برداشت و تحمل پیدا ہوگی۔ قرآن کو بھاری دونوں معنوں میں کہا گیا ہے۔ ایک تو اُس کے احکامات پر عمل کرنا، اس کی تعلیمات کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت کو لے کر ساری دنیا میں اُٹھنا اور مخالف قوتوں کا مقابلہ کرنا اور دُنیا کے پورے نظام تہذیب و تمدن میں قرآنی تعلیمات کا انقلاب برپا کرنا ایسا کام ہے جس کی مشکلات اور گراں ہونے کے تصوّر سے ہی آدمی کانپ اُٹھتا ہے۔ یہ تو قرآن کریم کی عملی گرانباری تھی۔ اسے نزولی اعتبار سے بھی گراں کہا گیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے زانوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھے تھے کہ وحی نازل ہوئی۔ اُس وقت میرے زانوں پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اپنا زانو ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سخت سردی میں بھی اگر وحی کا نزول ہوتا تو آپؐ کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔ (بخاری و مسلم)۔ ایک اور روایت میں حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ وحی کے نزول کے وقت اگر آپؐ اُونٹنی پر بیٹھے ہوتے تو اُونٹنی اس بوجھ سے اپنا سینہ زمین پر ٹکا دیتی اور جب تک یہ سلسلہ ختم نہ ہو جاتا، وہ حرکت کے قابل نہیں ہوتی تھی۔

۲۔ نفس پر قابو پانا

نماز تہجد کا دوسرا مقصد اَشَدُّ وَطْاً کہہ کر بیان ہوا جو وسیع معنی رکھتا ہے یعنی رات کو عبادت کے لئے اُٹھنا اور نماز کے لئے دیر تک کھڑے رہنا ایسا مشکل ہے کہ طبیعت، مزاج اور آرام و راحت کے خلاف ہے۔ یہ فعل اور یہ عبادت ایسا مجاہدہ ہے جو نفس کو دبانے اور اُس پر قابو پانے کی زبردست تاثیر رکھتا ہے۔ اپنے جسم

Marfat.com

اور ذہن پر تہجد کی نماز کے ذریعہ تسلّط اور قابو پانے والا شخص اپنے نفس کے قابو کردہ گھوڑے کو خدا کی راہ میں استعمال کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ نفس کی باگیں ہاتھ میں آ جائیں تو وہ اس قابو یافتہ گھوڑے کی باگیں کھینچ کر برائیوں سے روک سکتا ہے اور نیکیوں کے راستے میں ان باگوں کو ڈھیلی کر سکتا ہے۔

۳۔ یکسوئی

تہجد کی نماز میں رات کی تاریکی، خاموشی اور سناٹے میں خدا اور بندے کے درمیان کوئی بھی حائل نہیں ہوتا۔ اس لیے دل اور زبان کی موافقت ہوتی ہے، جو زبان سے کہتا ہے وہ دل کی آواز ہوتی ہے۔

۴۔ اخلاص

رات کی تاریکی میں لحاف چھوڑ کر، گرم بستر کو لات مار کر اُٹھتا ہے، وضو بناتا ہے اور پھر نماز میں صرف اور صرف خدا سے ہمکلام ہوتا ہے۔ کسی کو دیکھنے اور کسی کو دکھانے کے امکانات سرے سے نہیں ہوتے تو اس کی یہ نماز خالص خدا کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لئے ہوتی ہے۔ ریاکاری کا کوئی موقعہ نہیں ہوتا۔

۵۔ ثابت قدمی ارادے کی پختگی

رات کو نیند، بستر کا آرام چھوڑ کر اس نماز کے لئے اُٹھنا زیادہ مشکل اور دشوار کام ہے۔ اس نماز کو مستقل اور باقاعدگی سے ادا کرنے والے لوگ زندگی کے دوسرے معمولات اور دینی معاملات میں ارادے اور کردار کے ایسے ہی پختہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے نظریے اور اُس کے مطابق عمل کے معاملے میں وہ زیادہ سے زیادہ ثابت قدم ہوتے ہیں۔

۶۔ قرآن ٹھیک پڑھنے کا موزوں وقت

اَقْوَمُ قِيْلاً۔ تہجد کی نماز کا ایک مقصد خود خداوند کریم نے یہ بتایا ہے کہ تہجد کا وقت قول کو درست بناتا ہے یعنی تہجد کی نماز میں قرآن کریم کو زیادہ سکون، اطمینان اور توجہ سے پڑھ سکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ تہجد کی نماز اس سلسلہ میں زیادہ موزوں ہے کہ آدمی قرآن کے مطالب و معانی پر غور کرے۔ (ابوداؤد)

۷۔ سب سے کٹنا اسی کا ہونا

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلاً۔ اپنے ربّ کا ذکر کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو جاؤ۔ یہ اور اس سے اگلی آیت میں نماز تہجد کا یہی مقصد بیان ہوا ہے کہ تہجد کی نماز میں خدا کے ذکر میں مشغول رہو اور اس خاموشی و سناٹے میں دنیاوی آلائشوں، تعلقات اور رشتوں کو چھوڑ چھاڑ کر خدا کے ہو کر رہ جاؤ یا خدا کا ہو کر رہ جانے میں مدد ملتی ہے اور اپنی دنیا و آخرت کے تمام معاملات میں خدا کو وکیل بنا لیا جاتا ہے۔ وکیل ایسی با اعتبار شخصیت ہوتی ہے کہ ہم اپنا مقدمہ اُس کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ سب سے کٹ کر اپنے معاملات دنیاوی و اُخروی خدا کے حوالہ کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ دین پر خود مضبوط رہتے ہوئے جب اُسے دوسروں تک پہنچایا جائے گا تو لازماً مخالفتیں ہوں گی، مشکلات پیش آئیں گی تو نماز تہجد کی باقاعدہ ادائیگی سے دل میں اطمینان اور سہارا ہوتا ہے کہ میرے معاملات کا وکیل خداوند تعالیٰ خود ہے۔ مجھے کیا فکر ہے، مخالفوں سے وہ نمٹے گا اور سارے کام وہ بنائے گا۔

تہجد کو فرض سے نفل میں بدلنے کی رعایت

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ۔ الخ۔ اے نبیؐ تمہارا ربّ جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو اور تمہارے ساتھیوں میں سے بھی ایک گروہ ایسا ہی کرتا ہے۔

Marfat.com

لہٰذا خدا نے تم پر یہ مہربانی فرمائی ہے کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ مریض ہوں گے، کچھ دوسرے لوگ خدا کے فضل کی تلاش میں سفر میں ہوں گے اور کچھ جنگ، جہاد میں مصروف ہوں گے۔ پس جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو نمازِ تہجد میں پڑھو۔ سورہ مزمل کا یہ دوسرا رکوع ہے جس کے بارہ میں مختلف روایات اور اقوال ہیں کہ تہجد کے بارہ میں پہلی آیات میں فرضیت کے بعد یہاں اس حکم میں تخفیف کی گئی ہے۔ سورہ مزمل کے ان دونوں رکوع کے وقفۂ نزول کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں۔ مختلف صحابہ کرامؓ اس دوسرے رکوع کو پہلے رکوع سے آٹھ ماہ بعد، ایک سال بعد، سولہ ماہ بعد اور حضرت سعید بن جبیرؓ کے نزدیک دس سال بعد نازل ہوا اور یہ آخری دس سال بعد والی روایت اور قول زیادہ صحیح سمجھا جاتا ہے، کیونکہ پہلا رکوع تو مکہ میں نازل ہوا تھا۔ جو ابتدائی دور سے تھا۔ اس کے برعکس دوسرا رکوع اپنے مضامین کے لحاظ سے مدینہ منورہ کا نازل شدہ ہے، جبکہ کفار سے جنگ کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مسلمان جنگی ضرورتوں اور روزگار کی تلاش کے سلسلہ میں سفر اختیار کرتے تھے۔ احادیث کی مستند کتب مسند احمد، مسلم شریف، ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ تہجد کے لئے رات کا قیام فرض سے نفل میں بدل دیا گیا۔

ابتدائی حکم میں صرف حضورؐ کو مخاطب کیا گیا تھا، مگر صحابہ کرامؓ کو حضورؐ کے اتباع اور نیکیاں کمانے کا شوق زیادہ تھا۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ بھی حضورؐ کے مطابق اہتمام فرماتے تھے، جس کا ذکر آیت طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ۔ آپؐ کے ساتھیوں کا ایک گروہ بھی ساتھ تہجد میں کھڑا رہتا ہے۔ چونکہ نماز کے طویل اور مختصر ہونے کا دار و مدار قرآن کریم کے اس میں زیادہ یا تھوڑا پڑھنے پر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ رعایت بھی دے دی گئی کہ قرآن کریم جس قدر تمہیں سہولت ہو اتنا ہی پڑھو تو گویا اس کا قیام پڑھنے والے کی اپنی مرضی پر ہے کہ زیادہ قرآن کریم پڑھ کر نماز لمبی کرے یا تھوڑا پڑھ کر نماز مختصر کر دے۔ اس دوسرے رکوع میں اگرچہ تہجد کی فرضیت کا حکم معلوم ہوتا ہے، مگر یہ نماز بالاتفاق نفل ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ رات کو تہجد کی نماز پڑھو۔ یہ تمہارے نفل ہیں۔ عنقریب تمہارا ربّ تمہیں مقامِ محمود پہ فائز کرے گا۔

مزید قرآنی احکامات

سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیت میں حضورؐ سے فرمایا گیا کہ تہجد نماز آپ کے لئے نفل ہیں انہیں پڑھا کرو جس کے نتیجہ میں عنقریب تمہارا ربّ تمہیں ایسے مقام پر سرفراز فرمائے گا، جو محمود مقام ہوگا۔ ایسا کہ دنیا و آخرت میں جس پہ تحسین و آفرین، عزّت و احترام کی بارش ہو، انتہائی قابلِ تعریف ہستی بن جاؤ گے۔

سورۃ السجدہ میں تہجد گزار لوگوں کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ تہجد گزار ایسے لوگ ہیں جو رات کو خدا کے حضور کھڑے ہونے کے لئے بستروں سے پہلوؤں کو الگ کر دیتے ہیں اور تہجد کی نماز میں خدا کو خدا کے خوف اور خدا سے طمع کے ملے جلے جذبات سے پکارتے ہیں جو کچھ خدا نے ان پر مال و دولت کی مہربانی کی ہوتی ہے۔ اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یعنی خدا کے حضور راتوں کو سجدہ ریزی اور دست بستہ قیام کے باوجود ان کے دلوں میں اس عبادت اور بندگی پہ کوئی گھمنڈ نہیں ہوتا۔ وہ پھر بھی آخرت کی جوابدہی سے ڈرتے ہیں اور ساتھ ساتھ خدا کی مہربانیوں اور بندہ پروریوں پر انہیں اپنی بخشش کا طمع بھی ہوتا ہے۔

سورۂ ذاریات میں تہجد گزاروں کی یوں تعریف کی گئی ہے: کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ۔ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ جنت کے مستحق لوگوں کی یہ تعریف بھی ہوتی ہے کہ وہ راتوں کو بہت کم سوتے ہیں۔ راتیں بندگی میں گزرتی ہیں اور صبح کے وقت خدا سے گناہوں کی معافیاں مانگتے ہیں۔ راتوں کی عبادات کے باوجود اہلِ جنت اور رحمٰن کے بندوں کی صبحیں گناہوں کی بخشش کی دعاؤں میں گزرتی ہیں۔

سورۂ زُمر میں فرمایا گیا ہے: اَمَّنْ ھُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَۃَ وَیَرْجُوْا رَحْمَۃَ رَبِّہٖ ؕ کیا اُس شخص کا انجام اور مشرک کا انجام ایک جیسا ہو سکتا ہے جو شخص خدا کا فرمانبردار ہو، راتوں کو خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہو، عبادتِ الٰہی میں کھڑا رہتا ہو۔ آخرت کے عذاب اور پوچھ گچھ سے ڈرتا ہو اور خدا کی رحمت کی آس بھی رکھتا ہو۔ اسی طرح سورۃ الفرقان میں جنت کے مستحق لوگوں کی بہت سی دوسری صفات اور خوبیوں کے بیان میں یہ خوبی بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ: وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا۔ جنت کے مستحق وہ لوگ ہیں جن کی راتیں خدا کے سامنے سجدے اور قیام میں گزرتی ہیں۔ اہلِ جنت اور رحمٰن کے بندوں کے برعکس دوسرے گروہ کا ذکر فرمایا ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّہٗ مُنِیْبًا اِلَیْہِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعْمَۃً مِّنْہُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ (زمر) رحمٰن کے بندوں کے برعکس دوسرے گروہ والے خود غرض اور مطلب پرست ہوتے ہیں جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کو پکارتے ہیں، اسُی کی طرف مڑ جاتے ہیں اور انہیں ہماری (خدا) کی طرف سے خوشی و خوشحالی میسر ہو جاتی ہے وہ اپنے اس ربّ کو بھول جاتے ہیں جسے پہلے پکارتے تھے۔ یہ دوسرا گروہ خود غرض ہے۔ خدا کے ساتھ اس کا تعلق وقتی اور مصیبت کے وقت میں ہوتا ہے۔ ع

جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا

جبکہ خدا کے حقیقی بندے خوشی و غمی، تنگی و ترشی ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں، وہ اپنے تعلق میں مخلص ہوتے ہیں۔

خود غرض قسم کے افراد جاہل اور بے عمل ہوتے ہیں، خواہ دنیاوی اعتبار سے کتنے ہی تعلیم یافتہ اور سند یافتہ ہوں۔ خدا کو ہر حال میں یاد رکھنے والے گروہ کے افراد سچے عالم ہوتے ہیں، خواہ دنیاوی علوم کے لحاظ سے ان پڑھ کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ علم کی حقیقت اپنے ربّ کی پہچان ہے اور علم کے مطابق عمل ہے۔ اس لئے یہ دونوں آپس میں مزاج کے اعتبار سے اگر یکساں نہیں ہو سکتے تو عملی دنیا میں بھی اکٹھے نہیں چل سکتے اور نہ آخرت کے انجام و انعام کے لحاظ سے ایک جیسے انجام سے دوچار ہوں گے۔

سورۃ الفتح میں ارشادِ خداوندی ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھی، کافروں کے لئے سخت اور آپس کے تعلقات میں بڑے نرم ہیں۔ تم انہیں جب بھی دیکھو گے رکوع و سجدہ میں دیکھو گے اور ہر وقت خدا کی خوشنودی اور خدا کی طلب میں سرگرداں پاؤ گے۔ وہ اپنے چہروں پر سجدوں کے اثرات سے پہچانے جاتے ہیں۔ سجدوں کے اثرات کا مطلب پیشانی پر گومڑ نہیں بلکہ ان کے چہروں پر شرافت، خدا ترسی، کریم النفسی اور حسنِ خلق کے اثرات ہیں جو خدا کے آگے جھکنے، اسُ کی بندگی کرنے والوں میں فطرتاً پیدا ہو کر چہروں سے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ خدا پرستی کا نور چہروں پر چمکتا ہے جس سے ان کی شریف النفسی اور خیر الخلائق

Marfat.com

کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ کی روایت ہے کہ مسلمانوں کی فوجیں، جن میں زیادہ تر صحابۂ کرامؓ ہوتے تھے، جب شام میں داخل ہوئیں تو عیسائیوں نے انہیں دیکھ کر کہا کہ "مسیح کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے آئے ہیں، یہ لوگ اسی شان کے مالک ہیں۔

واقعات و امثال

۱۔ کہتے ہیں کہ ایران کے بہادر سپہ سالار رستم نے جب مسلمانوں سے پے در پے شکستیں کھائیں تو اپنے تمام جرنیلوں اور تجربہ کار فوجیوں کو بلا کر اپنی مسلسل ذلت آمیز ناکامیوں اور مسلمانوں کی مسلسل کامرانیوں کے اسباب و وجوہات پر بحث کی تاکہ اپنی خامیوں کو دور کیا جائے اور مسلمانوں کے جنگی حربے اختیار کئے جائیں۔ اسی مجلس میں ایک آزمودہ کار فوجی افسر نے رستم سے کہا کہ بات جنگی تکنیک اور حربی انداز کی نہیں، یہاں بات اخلاق و کردار کی بلندی و پستی کی ہے۔ ہمارے فوجی جوان اور افسر عیاش ہیں، شرابی اور زانی ہیں، بدکار اور بدقماش ہیں۔ ہم بستیوں میں جاتے ہیں تو بستیوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے، فصلوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، زنا کاریاں کرتے ہیں، مفتوح لوگوں کی عزتوں سے کھیلتے ہیں اور جی بھر کر حرام کاریاں کرتے ہیں، بوڑھوں، بچوں پر ظلم کرتے ہیں، جبکہ مسلمان فوجی باکردار، نیک اور پرہیزگار رہیں۔ وہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرتے بستیوں میں اُن کا داخل ہونا رحمت سے کم نہیں ہوتا۔ وہ دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور راتیں مصلے پر گزارتے ہیں۔ شام کی فتوحات کے زمانہ میں رومیوں نے اپنے جاسوس مسلمانوں کی فوجوں میں بھیجے تاکہ حالات معلوم کئے جاسکیں۔ جاسوسوں نے جو رپورٹ دی وہ یہ تھی کہ مسلمان فوجی رات کو راہب بن جاتے ہیں اور دن کو مجاہد ہوتے ہیں۔ عدل و انصاف کا یہ عالم ہے کہ بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو سزا ملتی ہے۔

۲۔ شاہ جہان

دہلی کی جامع مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنا تھا تو شاہ جہان بادشاہ خود آیا۔ بادشاہ کو ایک نظر دیکھنے کے لئے کئی لاکھ کا مجمع تھا۔ شاہ جہان بادشاہ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اس مجمع میں سے جس شخص کی نماز تہجد قضا نہ ہوئی ہو، آگے آئے اور مسجد کا سنگِ بنیاد رکھے۔ لاکھوں افراد پر مشتمل اس مجمع میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا تو شاہ جہان نے خود آگے بڑھ کر مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اُس دور کے بادشاہ نظامِ سلطنت کی ہزاروں خرابیوں کے باوجود اخلاق و کردار کے اعتبار سے اتنے بلند مرتبہ تھے کہ تہجد کی نماز تک قضا نہ ہوتی اور آج جمہوریت کے چہیتے شہزادوں کی عیاشیوں، بدکاریوں کو دیکھ کر شخصی حکومتوں کی یاد ستاتی ہے۔ آج اگر انہیں عمر سے کا یا نفلی روزے کا اتفاق ہو جاتا ہے تو ٹی وی اور اخبارات میں اس عمل کی دھوم مچ جاتی ہے۔

۳۔ سلطان التمش

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ ان کی نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے، جس میں یہ تینوں شرائط پائی جاتی ہوں۔ ان تین شرائط میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اُس نے نماز تہجد کبھی قضا نہ کی ہو۔ ہندوستان کے بہت بڑے روحانی پیشوا کی وفات کے موقع پر ہندوستان کے طول و عرض سے اُن کے عقیدتمندوں اور محبت کرنے والوں کی لاکھوں پر مشتمل تعداد میں اولیاء اللہ بھی تھے، علماء بھی تھے، مگر کسی میں وہ شرائط نہ پائی جاتی تھیں، سوائے ایک ان کے عقیدتمند اور نہایت متقی بادشاہ سلطان التمش کے، جس نے اپنے وقت کے ولیٔ کامل کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۴۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ: امیر المجاہدین شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور سید احمد شہیدؒ کے

Marfat.com

خلیفہ تھے۔ آٹھ برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ اُنہیں خدا نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ علمی پختگی ایسی تھی کہ ایک دنیا اُن کا لوہا مانتی تھی۔ اس کے علاوہ بہترین گھڑسوار، اعلیٰ درجہ کے نشانہ باز اور پہلوان تھے۔ تحریر و تقریر دونوں پر قدرتِ کاملہ تھی۔ یہی اسمٰعیل شہیدؒ سکھوں کے ساتھ جہاد میں بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔ مزار آج بھی بالاکوٹ میں موجود ہے۔ شاہ صاحبؒ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور حاصلات کی وصولی کے لئے جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بیماری کی وجہ سے خود جانا نہ ہوسکا تو اپنے تایا زاد بھائی محمد موسیٰ کو مفصّل ہدایات اور طریقۂ کار بتا کر روانہ فرمایا اور یہ کہا کہ زمینوں پر جاتے ہوئے راستہ میں غازی آباد کے مقام پر فلاں بھٹیارن کی سرائے میں ٹھہرنا، جہاں شب گزاری کا خرچ اتنا ہوتا ہے۔ بھٹیارن کو کہنا کہ میں اسمٰعیلؒ کا بڑا بھائی ہوں۔ شاہ محمد موسیٰ جب سرائے پہنچ کر رات کے لئے ٹھہرے تو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے حوالہ سے بھٹیارن نے ان کی بڑی خدمت اور تواضع کی۔ چونکہ وہ شاہ صاحبؒ کے معمولات سے واقف تھی، اُس نے رات کے کھانے کے بعد جائے نماز اور پانی کے دو لوٹے لاکر رکھ دیئے، لیکن محمد موسیٰ نے بھٹیارن سے کہا۔ جا نماز اور پانی کے لوٹوں کی ضرورت نہیں، میں صبح کی نماز کے لئے مسجد جاتا ہوں، وہیں جاکر نماز پڑھوں گا۔ بھٹیارن مُنہ پھٹ تھی۔ پہلے اُس نے انہیں غور سے دیکھا، پھر جائے نماز سمیٹ کر بولی کہ میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ تم شاہ اسمٰعیلؒ کے بھائی نہیں ہو سکتے۔ ایک تو تمہاری رنگت ان سے نہیں ملتی۔ دوسرا وہ بھی صبح کی نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے، لیکن رات بھر سوتے نہ تھے۔ ایک نیند لے کر اُٹھ جاتے۔ پھر ساری رات تہجد، ذکر اور تلاوت میں گزار دیتے۔ اُن کے برعکس آپ کہتے ہیں، آپ کو جائے نماز اور پانی کی ضرورت نہیں۔ آپ کیسے اُن کے بھائی ہو سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو آپ عبادت میں بھی اُن سے بڑے ہوتے۔ لیکن افسوس آپ کچھ نہ نکلے۔ مولوی محمد موسیٰ شرمندگی کے باعث کچھ نہ بول سکے۔ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ کا یہی مطلب ہے کہ اَن پڑھ بھٹیارن بھی چہرے کی رنگت سے اندازہ لگالیتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال عشاء کے وضوء سے صبح کی نماز ادا کی۔ سچ ہے "جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا ملتا ہے"۔ علّامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

نفس مُطمئنّہ تعریف، کردار اور انعام

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۃ الفجر۔ سورۃ کا مجموعی تعارف اور اس کی روشنی میں نفس مُطمئنّہ کا ذکر۔
۲	نفس مطمئنّہ کی تشریح	نفس کی از روئے قرآن اقسام۔ نفس امّارہ، نفس لوّامہ اور نفس مطمئنّہ۔ راضیۃً مرضیہ۔ خدا کی رضا پہ راضی ہونے والا نفس ہر حال میں راضی اور خوش۔
۳	نفس کو کس موقعہ پہ خوشخبری دی جائے گی۔	موت کے وقت۔ میدان حشر کی طرف لے جاتے وقت۔ خدا کے سامنے حاضری اور فیصلے کے وقت۔
۴	موت کے وقت پر اتفاق کردہ تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔	موت کی سختی، نزع کا عالم اور اس کے اسباب اور تصویر کشی۔
۵	راضیۃً مرضیۃً کے لوگ اور کردار	دنیا میں ہر حال پہ راضی، لوگوں کے ہر بُرے روّیہ پہ راضی، خوشحالی پہ مغرور اور تکالیف پہ مغموم نہ ہو، خدا کی مرضی اُن کی مرضی بن جاتی ہے۔
۶	واقعات و امثال	انبیاء میں سے حضرت ابراہیمؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات حضرت عمرؓ کی خواہش پہ قرآنی آیات۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ کا واقعہ۔ حضرت عمران بن الحصینؓ کسی کے خرید کردہ غلام کی مثال آخری بات، آخری خواہش۔

Marfat.com

نفس مطمئنہ کی تعریف، کردار اور انعام

آیت معہ ترجمہ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۔ (سورۃ الفجر آخری آیت) ۔ اے نفسِ مطمئنہ رکھنے والے میرے بندے میری طرف لوٹ آ۔ ایسی حالت میں کہ تو مجھ سے راضی ہو یعنی میری رضا اور میری مرضی کے مطابق زندگی گزاری ہو اور میں تم سے راضی ہوا۔ میرے بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنّت میں داخل ہو جا۔

مجموعی تعارف ا۔ مندرجہ بالا زیر بحث آیت تیسویں پارے کی سورۃ الفجر کی آخری آیت ہے۔ اس سورت میں قیامت کے یقینی طور پر واقعہ ہونے کے دلائل دیئے گئے ہیں اور اس بات کا خاص طور پر ذکر ہے کہ اس دن خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا ضرور دیں گے۔ راتوں اور دنوں کی باقاعدگی کے نظام کا ذکر کر کے یہ دلیل دی گئی ہے کہ اتنے باقاعدہ اور منظم نظام کا چلانا یقیناً کسی دانا اور حکیم ذات اور صاحب ارادہ و اختیار ہستی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ وہ ہستی اور ذات اگر اتنے بڑے نظام پر قدرت اور اختیار رکھتی ہے تو وہ آخرت کا نظام بھی برپا کر سکتی ہے اور اس دن لوگوں سے اُن کے اعمال کی باز پُرس کر کے اچھے اعمال کی جزا اور بُرے اعمال کی سزا دے سکتی ہے۔

۲۔ نظمِ کائنات کی اس دلیل کے بعد تاریخی استدلال کے ذریعہ فرعون، عاد اور ثمود کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ ان قوموں کے انکار اور خدا کی نافرمانی کے نتیجہ میں ان کی طاقت اور قوت کے باوجود خدا نے اُن پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کا یہ نظام کسی اندھی بہری طاقت کے زیر اثر نہیں ہے اور نہ اندھی نگری چوپٹ راج ہے کہ کسی کے دل میں جو آئے کرے، اُس کو پوچھنے والا نہیں ہے۔

۳۔ پھر اس سورت کے آخر میں معاشرتی نقشہ کھینچا کہ اس میں اخلاق و کردار اور نیکی و بھلائی کو چھوڑ کر لوگوں نے دولت کو ذریعہ عزّت اور دنیاداری و سرمایہ داری کو معیارِ فضیلت سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ نہ دولت مند ہونا معیارِ عزّت ہے اور نہ تنگدست ہونا موجبِ ذلّت ہے۔ نہ کسی کی دولت انعامِ خداوندی ہے اور نہ رزق کی تنگی عذابِ الٰہی ہے بلکہ یہ دونوں حالتیں خدا کا امتحان اور آزمائشیں ہیں کہ دولتمندی و تنگدستی میں کون کیا روّیہ اور روش اختیار کرتا ہے۔ تنگدستی، بیماری اور مصیبتوں میں صبر و رضا یعنی راضی برضائے الٰہی کا روّیہ اور دولتمندی یا عزّت و سرافرازی کی حالت میں خدا کی یاد اور اُس کی نعمتوں کا شکرگزار بن کر زندگی گزارنے کی روش اختیار کرنا ہے۔

۴۔ لہٰذا انسانوں کے ان دونوں روّیوں پر انہیں سزا و جزا کے لئے کسی حساب اور فیصلے کے دن کا ہونا ضروری ہے اور فیصلے

کا یہ دن خدا کی عدالت کا دن ہوگا جس میں سزا و جزا کے اس دن سے انکار کرنے والوں کو اپنی خواہشات کے تحت زندگی گزارنے کی وجہ سے عذاب کا جب سامنا ہوگا تو انہیں اس وقت اس دن کی فراموش کاریوں کا شدید احساس ہوگا، مگر یہ افسوس اس وقت کام نہ آئے گا۔ البتہ اس دن خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے اور خدا کی مرضی کے مطابق قانع اور مطمئن زندگی گزارنے والے خوش ہوں گے کیونکہ یہی لوگ خدا کے پسندیدہ بندے ہوں گے جنہیں جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔

نفسِ مطمئنہ کی تشریح

اس آیت میں نفسِ مطمئنہ کو مخاطب کرکے اسے خدا کی طرف لوٹنے اور خدا کے بندوں میں شامل ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا کرکے انہیں جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ خوش قسمت اور خوش نصیب نفس کونسا ہے جسے قیامت کے دن یہ اعزاز بخشا جائے گا۔ قرآن کریم میں نفس کے متعلق تین قسم کے رویوں کا ذکر ہے۔

١۔ نفسِ امّارہ: ایک نفس امّارہ ہے جس کا ذکر سورۂ یوسف میں آیا ہے، وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي۔ یہ وہ نفس ہے جو انسان کو برائیوں پر اکساتا رہتا ہے۔ جب تک کہ خدا کا رحم اور فضل شاملِ حال نہ ہو انسان اس کے اکسانے پر برائیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس نفس کا تابع ہو کر سرکشی، بغاوت اور خدا کے احکامات کی نافرمانی کرتا ہے۔ خدا کا باغی اور مجرم ہو کر زندگی گزارتا ہے۔ خدا کی مرضی کی بجائے اس نفس کا غلام بن کر رہتا ہے۔

٢۔ نفس کی دوسری قسم، جس کا ذکر سورۂ قیامہ میں آیا ہے، وہ نفسِ لوّامہ ہے۔ لَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ اس نفس کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے ہر غلط کام، غلط سوچ اور خدا کی مرضی کے خلاف اٹھنے والے ہر قدم پر پشیمانگی اور ندامت اور شرمندگی محسوس کرکے خود اس پر ملامت کرتا ہے۔ اس قسم کے نفس کو زندہ و بیدار نفس کہا جاتا ہے جسے آجکل ضمیر کہا جاتا ہے اور ہر وقت حوالہ دیا جاتا ہے کہ "میرے ضمیر نے ملامت کی" یا "میرا ضمیر یہ گوارا نہیں کرتا" وغیرہ وغیرہ۔

٣۔ نفس کی تیسری قسم جس کا ذکر آج کی زیرِ بحث آیت کا موضوع ہے اور ہماری تقریر کا عنوان ہے نفسِ مطمئنہ ہے جسے اس آیت میں مخاطب کرکے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری طرف سے پیش آمدہ حالات اور واقعات پر مطمئن رہنے والے نفس میری طرف لوٹ آؤ۔ چونکہ تم میری مرضی پر راضی رہے، اپنی رضا کو میری رضا کے حوالے کر رکھا تھا، اس لئے تم میرے بندوں میں شامل ہونے کے حقدار ہو اور اس کا انعام یہ ہے کہ آج تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس نفس کی تعریف خود رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کے الفاظ میں فرما دی ہے۔ یہ نفس رکھنے والا انسان خدا کی مرضی، اس کے احکامات اور خدا کی طرف سے اس کے حق میں ہر فیصلے پر خوش اور مطمئن ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے احکامات پر دل و جان سے ایمان لاتا ہے۔ اس کی منع کی ہوئی باتوں اور کاموں سے رک جاتا ہے اور اس کے کہے ہوئے ہر کام کو بخوشی و رغبت انجام دیتا ہے۔ وہ بغیر کسی شک و شبہ کے پورے اطمینان اور ٹھنڈے دل سے خدا کو اپنا ربّ مان کر انبیاءؑ کی تعلیمات کو حق اور سچ مانے۔ اس دینِ الٰہی اور تعلیماتِ محمدیؐ پر قائم رہتے ہوئے جن قربانیوں، جس ایثار اور جن مصائب و مشکلات میں سے اسے گزرنا پڑے، انہیں نہایت خندہ پیشانی اور صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کرے۔ اسے جن مالی نقصانات غم و بیماری سے دوچار ہونا پڑے انہیں خدا کی طرف سے آزمائش سمجھ کر برضا و رغبت برداشت کرے۔ خدا کے باغیوں کی دولت،

Marfat.com

مالی منفعتوں، آسائشوں، دنیاوی لذّتوں اور عیاشیوں کے سامان دیکھ کر اپنی محرومیوں کا گلہ گزار نہ ہو اور نہ اسے کوئی افسوس ہو۔

نفسِ مطمئنہ کی اس خوشخبری کا موقعہ

زیرِ بحث آیت میں نفسِ مطمئنہ کو اپنے بندوں میں شامل ہونے اور جنت میں داخل ہونے کی جو خوشخبری سنائی گئی ہے۔ مفسرین اس کے موقع و محل کے بارہ میں تین قسم کے مواقع بتاتے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ خوشخبری اسے موت کے وقت دی جائے گی۔ دوسرے کا خیال ہے کہ یہ خوشخبری میدانِ حشر کی طرف لے جانے والے موقعہ پر دی جائے گی۔ مفسرین کے تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ یہ خوشخبری اور خدا کی خوشنودی کا اظہار اُس وقت ہوگا جب قیامت کے دن خدا کی عدالت قائم ہوگی تو اُن کی جزا و سزا کے فیصلے کے وقت اُن کے حق میں یہ فیصلہ دے دیا جائے گا۔

موت کا وقت

مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ اس خطاب کا موقعہ آدمی کی موت کا وقت ہے۔ حضورؐ کی اس حدیث کی روشنی میں موت کا وقت ایسا ہوتا ہے جب انسان اپنی زندگی کی تمام جد وجہد اور دوڑ دھوپ کے نتیجہ میں اپنی کمائی ہوئی دولت، اپنی آل اولاد، عزیز رشتہ داروں کے بچھڑنے کا نظارہ بڑی بے بسی سے کرتا ہے کہ کوئی بھی موت کے موقعہ پہ اُس کے کام نہیں آتا۔ موت کا پنجہ پڑتا ہے تو رُوح نکلنے کی تکلیف اُسے بے چین کئے دیتی ہے۔ مرنا یقینی اور خدا کے سامنے پیش ہونے کا خیال آتا ہے تو اپنے دامن میں ایسا کوئی عمل دکھائی نہیں دیتا۔ جس کی بنیاد پر اُسے خدا کے غضب سے بچنے کی اُمید ہو۔ موت کے اس وقت میں انسانی بے بسی بے چارگی کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے کہ كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ۔ جب مرنے والے کی رُوح اُس کے حلق تک پہنچ جائے گی اور موت یقینی نظر آئے گی تو کہے گا کہ کسی جھاڑ پھونک اور دم درُود کرنے والے کو بلاؤ۔ ڈاکٹروں طبیبوں اور حکیموں سے مایوس ہو کر مولویوں کے پیچھے دوڑیں گے۔ تعویذ کرنے والوں کو بلایا جائے گا۔ خدا کے کلام کے سہارے ڈھونڈے جائیں گے۔ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ۔ مرنے والا محسوس کرے گا کہ اب جدائی کا لمحہ آ پہنچا۔ دُنیا اور اُس کی آسائشوں سے جدائی، کمائی ہوئی دولت اور جائیداد سے جدائی، آرام دہ رہائشوں اور پُر آسائش محلات سے جدائی، بیوی بچوں اور عزیز رشتہ داروں سے جُدائی کا لمحہ، جن کے لئے اپنی زندگی، اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو خرچ کرتا رہا، جن کی خاطر جھوٹ بولا، چوریاں کیں، غبن اور رشوت خوری کا مرتکب ہوا۔ خدا کے احکامات کو ٹھکراتا رہا، خدا کی حدود کو پھلانگتا رہا۔ خواہشات کی تکمیل و تسکین میں لگا رہا۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ کا مطلب یہی ہے کہ موت کے اس لمحہ میں اِن ساری چیزوں سے جدائی کے شدید احساس اور اپنی بے عملی و بد عملی کے خوف سے اُس کی پنڈلی سے پنڈلی جُڑ جائے گی۔ ٹانگوں کو تاؤ دیتا رہے گا اور یہی وہ لمحہ ہوگا تیرے ربّ کی طرف روانگی کا۔

موت کی تکلیف کیوں

اس لمحہ میں اس کی یہ حالت کیوں ہوگی؟ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ، کہ اُس نے اپنی زندگی میں موت کے لمحے کی تصدیق نہ کی تھی۔ موت کو یقینی آنے والی شے سمجھتے ہوئے بھی اپنی باغیانہ روش اور سرکشانہ رویّے کی وجہ سے گویا عملاً جھٹلاتا رہا۔ اس کی تصدیق اور سچائی کو وہ مانتا ہی نہ تھا۔ اُس نے اپنے رسولؐ کی ہدایات کے مطابق زندگی نہ گزار کر اس لمحۂ روانگی کی تصدیق نہ کی تھی۔ اس کا دل خدا کے احکامات اور حضورؐ کی تعلیمات پر مطمئن نہ تھا، جس کے نتیجہ میں اس نے نہ نماز پڑھی جو خدا کی اطاعت کا عملی اظہار تھا، جو زندگی کی مشکلات میں صبر و استقامت اور

Marfat.com

خدا کی استعانت کا سبب تھی۔ اب موت کے اس لمحہ میں ایک طرف موت کی سختی اور تکلیف ہوگی، دوسری طرف اپنی تمام زندگی کی عزیز ترین چیزوں سے جدائی کا غم ہوگا اور تیسری طرف عالمِ آخرت میں اپنی مجرمانہ حیثیت سے خدا کے رُوبرو کھڑے ہونے اور خدا کے غضب کا سزاوار ہونے کا خوف ہوگا، جس سے ہر کافر، ہر گنہگار اور ہر قسم کے خطاکار کو سابقہ پیش آئے گا۔ ایسے لوگوں کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ موت کے وقت ڈراؤنی شکل میں فرشتے آئیں گے اور نہایت درشت اور ظالمانہ رویّہ اختیار کرکے اس کی رُوح قبض کریں گے۔ اُس کی رُوح بدن سے یوں کھینچی جائے گی جیسے کسی خاردار جھاڑی سے باریک کپڑا زور سے کھینچا جائے جو کانٹوں میں اُلجھ کر پھٹ جاتا ہے اور نیک لوگوں کے متعلق رُوح قبض کرتے وقت احادیث میں ذکر ہے کہ فرشتے نورانی صورتوں میں آئیں گے۔ اسے دُور سے روشنیوں کا ہجوم بڑھتا دکھائی دے گا جو قریب آکر فرشتوں کی شکلیں اختیار کرلے گا۔ قریب آکر اُسے اگلے جہان کی خوشیوں اور راحتوں کے ذکر سے بہلائیں گے۔ وہاں کے سکون، لذّات اور علیش وعشرت کے ذکر سے ذہنی طور پر موت کے لئے آمادہ کریں گے۔ دُنیا کی برائیوں کا ذکر کرکے اس کی زندگی کو قابلِ نفرت بناکر پیش کریں گے۔ گویا دنیا کی نفرت اور اگلے جہان کی رغبت پیدا کرکے موت پر آمادہ کریں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے فرمائیں گے۔" اے مطمئن نفس والو، اب میری طرف لوٹ کر آنے کا وقت ہے ہنسی خوشی آجاؤ۔ میں تمہاری زندگی کے رویّہ اور عمل سے راضی ہوں اور تم میری طرف سے پیش آنے والے ہر قسم کے حالات پر راضی و خوش تھے۔ اب تمہارا انعام یہ ہے کہ تم میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ، جن کا دوسرا بڑا انعام یہ ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ" ایسے لوگوں کی رُوح فرشتے ایسے کھینچ لیں گے جیسے پانی سے بھری مشک خالی ہوتی ہے۔

راضیۃً مرضیہ کا کردار

ان الفاظ کے معنی خود کو مکمل طور پر خدا کے حوالہ کرنے کے ہیں۔ زندگی کے تمام معاملات میں خود کو خدا کے حوالے کرنا، مکمل طور پر خدا کا ہو جانا، ہر غم اور خوشی میں، ہر دُکھ و سُکھ میں، ہر مصیبت اور آسانی میں صبر و سکون سے رہنا اور ہر حالت کو خدا کی طرف سے آزمائش جان کر اپنی رضامندی کا اظہار کرنا۔ رضامندی صرف خدا کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کا یہ بندہ ساری دنیا سے راضی ہو، ہر کسی کے رویّے اور سلوک پر برہم نہ ہو راضی ہو، ہر بُری بھلی تقدیر پر راضی ہو، خدا کے احکامات کی ہر حالت میں تعمیل و بجاآوری پر راضی ہو، حرام کو چھوڑنے پر راضی ہو، دنیاوی لذتوں سے محرومی پر راضی، تکلیف بیماری، آفات اور لوگوں کی نفرتوں اور دشمنیوں پر راضی، خوشیوں، عہدوں، مرتبہ اور منصبوں پر مغرور اور محرومیوں پر مغموم نہ ہو۔ جسے عیش میں یادِ خدا رہے اور طیش میں خدا کا خوف دامنگیر ہو۔ بقول بہادر شاہ ظفرؔ

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکا\
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

صاحبِ نسبت لوگ

راضیۃً مرضیہ کے مرتبہ پر فائز لوگ صوفیاءؒ اور اولیاءؒ کی اصطلاح میں صاحبِ نسبت کہلاتے ہیں۔ انبیاءؑ تو خیر اولوالعزم ہستیاں ہوتی ہیں۔ ان کی زندگیوں میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ خدا کی طرف سے آزمائش کی ہر گھڑی میں اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ہر لمحہ خدا کی رضا کا تابع تھا۔ ماں باپ، وطن سے دُوری، جلاوطنی، نمرود کی آگ، غیر آباد اور ویرانے میں بیوی اور شیر خوار بچے کو چھوڑنا، بچے

کو ذبح کرنا۔ ان کی زندگی کے یہ سارے واقعات خدا کی رضا پر راضی ہونے کے بے مثال واقعات ہیں، مگر اولیاء اللہؒ میں بھی جو لوگ اس مرتبہ پر فائز ہوں، صاحبِ نسبت کہلاتے ہیں۔

واقعات و امثال

پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آزمائشوں کے سلسلوں کو دیکھیے۔ کفارِ مکہ کی دشمنیاں ہیں۔ تذلیل و تحقیر کے سلسلے ہیں۔ طائف کا دردناک سلوک ہے۔ مکہ سے ہجرت۔ بے بسی کا عالم، دشمن کا تعاقب۔ بدر کا معرکہ۔ اُحد کی جنگ، جبینِ اقدس کا خون آلودہ ہونا۔ دانتوں کی شہادت۔ عزیز ترین اور محبوب ترین ساتھیوں اور چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی شہادت، جگر گوشوں کی موت، یہ سب کچھ خدا کے تعلق اور اُس کی رضامندی کی خاطر برداشت ہوتا ہے۔ پھر اسی پیارے نبیؐ کا پیارا نواسہ میدانِ کربلا میں شہید ہوتا ہے، پاک خاندان خاک بسر ہوتا ہے۔ یہ سب راضیۃً مرضیۃ کے عملی مظاہر اور صورتیں ہیں۔ انبیاءؑ کے ان واقعات سے ہٹ کر اُن کے عام پیروکار بھی ایسی مثالیں پیش کر کے راضیۃً مرضیۃ کے مقام اور مرتبہ پر فائز ہوئے۔ ان صاحبِ نسبت لوگوں کی ذاتی رضا خدا کی رضا میں فنا ہوتی ہے۔ ان کا تعلق اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ خدا اور اُس کے بندوں کی مرضی ایک ہو جاتی ہے۔ من تو شدم تو من شدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔

حضرت عروہؓ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ حق اُدھر گھومتا ہے جس طرف حضرت عمرؓ گھومتے ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیاتؐ ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق اتاری گئی ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے آخری حصہ میں پیدا ہوئے۔ ۹۴ھ میں وفات پائی۔ علمی اعتبار سے مدینہ شریف کے سات فقہاء میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ بڑے فیاض اور حد سے زیادہ عابد و زاہد تھے۔ مزاج میں نفاست تھی۔ ایک مرتبہ عبدالملک سے ملنے کے لئے شام گئے، ان کا بیٹا محمد ان کے ہمراہ تھا۔ خلیفہ عبدالملک نے خوب آؤ بھگت کی۔ بیٹے محمد نے گھوڑے کی سواری کا ارادہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہوا، مگر وہ ایسا شریر نکلا کہ اس نے انہیں گرا دیا اور گرتے ہی جاں بحق ہو گئے۔ سفر میں نوجوان بیٹے کی وفات کا دکھ تھا کہ پاؤں کا زخم بگڑ کر ناسور بن گیا۔ جراح نے پاؤں کاٹنے کا مشورہ دیا۔ عروہ بن زبیرؓ نے فرمایا، ٹھیک ہے کاٹ دیجیے۔ جراح نے آپریشن کی تیاری کی اور ایک پیالہ پیش کیا کہ اسے پیجیے۔ پوچھا اس میں کیا ہے، بتایا گیا کہ نشہ آور عرق ہے، اس کے پینے سے پاؤں کٹنے کی تکلیف نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا: پاؤں کٹنے کی تکلیف سے زیادہ تکلیف دہ اس چیز کا پینا ہے جسے خدا نے حرام کیا ہے، میں نہیں پیوں گا۔ جب دیکھا کہ بے ہوشی کی دوا پینے پر آمادہ نہیں تو دوستوں نے کہا کہ ہم آپریشن کے دوران آپ کے ہمراہ ہوں گے۔ پوچھا: کیوں؟ انہوں نے کہا۔ اس تکلیف کے دوران صبر نہ ہو سکے گا۔ ہم آپ کو سنبھالیں گے۔ فرمایا، انشاء اللہ اس کی نوبت نہ آئے گی۔ یہ کہہ کر تسبیح میں مصروف ہو گئے۔ جراح نے پاؤں کاٹ دیا، لیکن آپ نے اُف تک نہ کی۔ البتہ خون بند کرنے کے لئے زخم کو داغا گیا تو آپ بیہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو پیشانی سے پسینہ پونچھا۔ اپنا کاٹا ہوا پاؤں منگایا تو بے اختیار فرمایا۔ میرے پاؤں! اُس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرے جسم کا بوجھ اُٹھوایا، وہ خوب جانتی ہے کہ میں نے تجھے کسی بھی حرام راستے پر نہیں چلایا۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ دعا کرتے تو فرماتے۔ خدایا تیرا شکر ہے تو نے چار ہاتھ پاؤں میں سے ایک لیا اور تین چھوڑے اور چار بیٹوں میں سے ایک کو مجھ سے لے لیا اور تین میرے پاس چھوڑے۔ اے اللہ تو نے بہت دیا اور تھوڑا سے لیا، تیرا شکر کس منہ سے ادا کروں۔

یہ ہے راضیۃً مرضیہ کے مقام اور مرتبہ پہ فائز لوگوں کا طرزِ عمل۔

حضرت عمران بن الحصینؓ خدا کی مرضی پر راضی ہونے والے بندوں میں سے حضرت عمران بن الحصینؓ تھے۔ جن کے پہلو پہ پھوڑا نکلا اور ناسور بن گیا۔ وہ بتیس ۳۲ برس تک اس کی وجہ سے چت لیٹے رہنے، نہ کسی پہلو سو سکتے نہ کروٹ بدل سکتے۔ اسی حالت میں وضو کرتے، نماز پڑھتے۔ بتیس برس کا عرصہ آدھی زندگی کا عرصہ ہوتا ہے اگر کبھی بھی تنگی، شکایت اور چڑچڑاپن پیدا نہ ہوا۔ چہرے پر بشاشت، تازگی اور رونق رہتی۔ کبھی ملول وافسردہ نہ ہوئے، نہ فریاد نہ شکایت کی۔ لوگوں نے چہرے کی تازگی کا سبب پوچھا یا اس طویل معذوری پر اظہار افسوس کیا تو فرماتے۔ میں نے اپنی اس تکلیف پر خدا کی رضامندی پر راضی رہنے کا وعدہ کر رکھا ہے، جس حال میں وہ رکھے میں راضی رہوں گا۔ خدا کی مرضی میری طبیعت اور مزاج بن گئی ہے۔ میرے صبر و رضا کا خدا نے یہ انعام دیا ہے کہ ملائکہ کی زیارت کرتا ہوں، عالم غیب مجھ پر منکشف ہے اور عالم ملکوت مجھ پہ روشن۔ یہ انعام واکرام اس تکلیف پر خدا کی رضا پر راضی رہنے کے سبب ملا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ تکلیف مجھ سے جاتی رہے۔

خدا کی مرضی پر راضی تو ہر کوئی ہوتا ہے نہ راضی ہوگا تو کیا کر سکے گا، مگر خدا کے بندے خدا کی مرضی اور اُس کی طرف سے ہر قسم کے سلوک پر خوشی و مسرت کے ساتھ اور رضا و رغبت کے ساتھ راضی ہوتے ہیں۔ مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے راضی نہیں ہوتے۔ مصیبت میں صبر کیا جائے اور اس صدمے کو خوشی برداشت کر لیا جائے، ورنہ وقت گزرنے کے بعد تو ہر کسی کو صبر آ ہی جاتا ہے۔ خدا کی مرضی پر راضی ہونا اپنے اختیار اور ارادے سے ہو مجبوری و بے بسی سے نہ ہو۔

غلام آقا کی مرضی کا تابع ہوتا ہے کسی شخص نے غلام خریدا، جو سمجھدار اور مہذب تھا۔ مالک نے پہلے دن پوچھا کہ تم مجھے اپنے مزاج سے واقف کرو تاکہ تمہارے ساتھ اس کے مطابق سلوک ہو۔ پہلا سوال خوراک کے متعلق کیا کہ تمہیں کونسی خوراک مرغوب ہے۔ غلام نے جواب دیا۔ وہی جو آپ کھلائیں گے۔ پھر پوچھا پہننا کیسا پسند کرو گے؟ کہا جو آپ پہنائیں گے مالک سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔ اچھا یہ بتاؤ، تم کہاں رہنا پسند کرو گے؟ جواب دیا، جہاں آپ رہنے دیں گے۔ مالک نے پوچھا، اچھا تم کام کونسا پسند کرو گے؟ کہا جس کام کا آپ حکم دیں گے، وہی کروں گا۔ غلام کا مالک نیک، ورسوچنے سمجھنے والا تھا۔ اپنے غلام کے یہ جوابات سُن کر رونے لگا۔ اُسے روتا دیکھ کر غلام نے ہاتھ جوڑے اور کہا۔ مالک کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی۔ مالک نے کہا۔ نہیں بھائی! میں سوچتا ہوں جس طرح تُو نے اپنی مرضی اور پسند میرے تابع کر لی ہے اسی طرح میں بھی اپنے آقا کی مرضی کا تابع ہو جاتا تو کتنی خوش نصیبی ہوتی۔ غلام نے کہا۔ بیشک وہ غلام ہی کیا جو اپنے مالک کے سامنے اپنا اختیار اور اپنی مرضی چلائے۔ غلام تو آقا کا تابع ہوتا ہے۔ جیسا اور جس حال میں وہ رکھے گا ویسا ہی رہے گا۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا۔ کیا حال ہے؟ اُس نے کہا۔ بہت اچھا ہے۔ میری مرضی پر دنیا کا تمام کارخانہ چل رہا ہے۔ پوچھنے والے نے حیران ہو کر پوچھا۔ وہ کیسے؟ جواب دیا۔ یہ کائنات اور اس کا نظام خدا کی مرضی پہ چل رہا ہے، چونکہ میں نے اپنی رضا اور مرضی خدا کی مرضی میں فنا کر دی ہے، اس لئے اب خدا کی مرضی سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ میری مرضی سے ہو رہا ہے۔

آخری بات: جو لوگ اپنی خواہش اور اپنے نفس کو خدا کی رضا اور اُس کی مرضی کا تابع کر کے ہر حال میں مطمئن ہو جاتے ہیں،

Marfat.com

انہیں اللہ تعالیٰ موت کے وقت یا میدانِ حشر کی طرف لے جاتے وقت یا قیامت کے دن خدا کی عدالت میں حاضری کے وقت یہ خوشخبری سُنا دے گا کہ تمہارا نفس چونکہ میری مرضی اور رضا پر مطمئن تھا، اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو مٹا دیا تھا۔ اس لئے میرے بندوں میں شامل ہو جاؤ اور میرے انعامات سے بھری جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ کاش ہم اپنے آپ کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے کاموں پر مطمئن کر سکیں ۔

Marfat.com

رحمٰن کے بندے توبہ کرتے ہیں

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ فرقان، رحمٰن کے بندوں کی صفت کہ توبہ کرتے ہیں۔ توبہ کی تعریف قبولیت توبہ کی شرائط
۲	توبہ ذریعہ اصلاح ہے، مایوسی سے نکالتی ہے	پشیمانی و ندامت کو اہمیت دیتی ہے۔ آیت کی تشریح میں واقعہ حضورؐ کی خدمت میں بوڑھے آدمی کا استفسار
۳	توبہ کی شرائط	اس کے ساتھ نیک عمل ہو، دوبارہ اعادہ نہ ہو۔ سورۂ نساء، سورۂ بقرہ۔ توبہ کا اظہار کرے۔ اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں لگ جائے۔ توبہ پر ثابت قدم رہے۔
۴	سورۂ توبہ کی تشریح میں ابوالبابہ رضؓ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ، مایوسی نہ ہو،	گناہ اور غلطی پہ عذر نہ تراشنا، خود کو سزا دی، صدقہ اور خیرات کی، آئندہ عمل توبہ کے مطابق ہے یا نہیں،
۵	توبۂ نصوح	اس کی تشریح۔ سورۂ تحریم کی تفسیر
۶	حضورؐ کی تمثیل توبہ کرنیوالے پہ خدا کی خوشی	صحرا میں گم شدہ اونٹ کا مل جانا
۷	واقعات و امثال۔ توبہ کے اثرات	حضرت فضیل بن عیاض رضؓ کی توبہ۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کی توبہ۔ بازاری عورتوں کی توبہ۔ خوارزم کے بادشاہ کی حالات سے باخبری سے ڈر کر درباری نے توبہ کی کہ سزا نہ بھی ملے، خدا تو زیادہ باخبر اور علام الغیوب ہے۔ اس سے کیوں نہ ڈر کر توبہ کی جائے۔

Marfat.com

توبہ کے اخلاقی اور معاشرتی نتائج

آیت معہ ترجمہ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا۔ (سورۂ فرقان: ۷۰، ۷۱)۔ ہاں، مگر وہ لوگ جو توبہ کر کے نیک عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ جو آدمی توبہ کر کے نیک عمل کرتا ہے وہ خدا کی طرف ایسا پلٹتا ہے جیسا پلٹنے کا حق ہوتا ہے۔

تفسیر و تشریح مندرجہ بالا آیات سورۃ الفرقان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جنت کے مستحق لوگوں کی صفات گنائی ہیں جن میں یہ آخری صفت ہے۔ ان آیات سے پہلے جو صفات بیان فرمائی ہیں کہ جنت کے مستحق لوگ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور اگر ان سے یہ افعال سرزد ہو جائیں تو انہیں سخت سزا ملے گی۔ بشرطیکہ وہ ان افعال کے بعد توبہ نہ کریں اور اگر وہ توبہ کر لیں، اپنے ربّ پر ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو اُن کی برائیاں نیکیوں میں بدل دی جاتی ہیں۔ توبہ کر کے نیک عمل کرنے والا خدا کی طرف ایسا پلٹتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہوتا ہے۔ عربوں کے اندر تین قسم کے گناہ بہت عام اور بہت زیادہ تھے، ان آیات میں ان تینوں گناہوں کے ذکر کے بعد توبہ کی اہمیت اور خوبی یہ بیان فرمائی کہ توبہ کے ذریعہ نہ صرف اُن گناہوں کی معافی مل جاتی ہے بلکہ اُن کی برائیاں بھی نیکیوں میں بدل جاتی ہیں۔ گناہوں پر ندامت بجائے خود نیکی ہوتی ہے اور جب کوئی گنہگار انسان اپنے گناہوں پر پشیمانی اور ندامت کا اظہار کرتا رہتا ہے تو اُس کی نیکیوں میں اضافہ ہو کر برائیوں کا گراف گرتا چلا جاتا ہے۔

توبہ کی تعریف توبہ کے معنی مُڑنا، رجوع کرنا یا پلٹنا کے ہیں۔ سرکشی اور بغاوت کا راستہ ترک کر کے خدا کی بندگی کا راستہ اختیار کرنے کے ہیں اور خدا کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ توبہ کرنے والے بندے کی طرف رحمت اور مہربانی کے ساتھ مائل ہو جائے۔ خدا کے سچے بندے اور جنّت کے مستحق لوگوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ انسانی اور بشری کمزوری کے باعث اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اُس پہ ڈٹ نہیں جاتے اور نہ خدا کے ساتھ بغاوت اور سرکشی کی راہ پہ چل نکلتے ہیں بلکہ فوراً اپنے کیے پہ نادم ہو کر توبہ کرتے ہیں اور خدا کی اطاعت، بندگی اور نیک عمل کرتے ہیں۔

Marfat.com

توبہ کی قبولیت کی شرائط

ان آیات میں توبہ کی قبولیت کے لئے تین شرائط بیان ہوئی ہیں کہ بغاوت اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنے والا اپنے رویّے پر اصرار نہ کرے۔ توبہ کرے اس رویّے کو ترک کرکے خدا پر ایمان لے آئے۔ توبہ اور خدا پر ایمان کے زبانی دعویٰ کی عملی تصدیق کے طور پر نیک عمل کرے تاکہ اس کے نیک عمل کے ذریعہ یہ ثابت ہو کہ واقعی یہ اپنے سابقہ رویہ پر نادم ہے۔ خدا پر اس کا ایمان ہے اور اس ایمان کا عملی ثبوت یہ ہے کہ اس کا عمل نیک اور درست ہے۔ جب تک ایمان اور توبہ کے ساتھ نیک عمل کا واضح ثبوت نہ ہوگا اُس کی توبہ قبول نہ ہو سکے گی۔

توبہ اصلاح کا ذریعہ ہے

دراصل اسلام ایسا بہترین مذہب ہے جو انسانوں اور انسانی معاشرے کی اصلاح چاہتا ہے اور یہ اصلاح توبہ کے ذریعہ ایک انسان کی اور انسان کے ذریعہ اُس کے پورے معاشرے کی مقصود ہے۔ خدا کے دربار میں جرم نہیں گنے جاتے بلکہ انسان کے اندر پشیمانی وندامت کا جذبہ اور اُس کی نیّت دیکھی جاتی ہے۔ اگر دینِ اسلام میں توبہ اور خدا کے ہاں اس کی قبولیت کا تصوّر نہ ہو تو انسان کی پوری زندگی بغاوت اور سرکشی، فتنوں اور فساد کی نذر ہو جائے، گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جائے اور جب یہ صورتِ حال پورے انسانی معاشرے کی ہو جائے تو پھر انسانی معاشرہ درندوں، خونخوار جانوروں اور جنگل کے مکینوں کا معاشرہ بن جاتا۔ افراد کی اصلاح کی کوئی صورت نہ ہوتی، لیکن توبہ کے ذریعہ خدا کی خوشنودی، خدا کی رضامندی اور اُس کی نظروں میں محبوبیت کا مقام حاصل کر لینے کی یہ یقین دہانی ہی ہوتی ہے کہ آدمی توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور اپنے نیک اعمال سے سوسائٹی کا بہترین فرد بن جاتا ہے۔ وہ نہ صرف دوسروں کے حقوق کا پاسبان بن جاتا ہے بلکہ اس کی ذات معاشرے کے اجتماعی تقاضوں کی امین بن جاتی ہے۔ وہ گناہوں کے مسلسل چکر سے خود ہی نہیں نکل آتا بلکہ برائیوں، زیادتیوں اور ناانصافیوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ توبہ کے ذریعہ اُسے خدا کی بخشش کی امید ہو جاتی ہے اور اُمید کی یہ روشنی پورے معاشرے کو منوّر بنا دیتی ہے۔

ابنِ جریرؒ نے اس آیت کی تشریح میں طبرانیؒ کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آیا تو ایک عورت کو گھر کے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا۔ میں اپنے حجرے میں چلا گیا، نوافل پڑھنے لگا، تو عورت نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں باہر آیا اور اُس سے پوچھا کہ تُو کیا چاہتی ہے۔ اُس نے کہا۔ ایک سوال کرنے آئی ہوں، وہ یہ کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا تھا، میرا حمل ٹھہرا، بچّہ پیدا ہوا، جسے میں نے مار ڈالا۔ میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ میں اپنے اِس فعل پر نادم ہوں، سخت بے چین و بے قرار ہوں۔ کیا اب میری معافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ نہیں اب کوئی صورت نہیں۔ جس پر وہ مایوس ہو کر پلٹی اور آہ بھرتی ہوئی کہنے لگی۔ افسوس میری خوبصورتی دوزخ کی آگ میں جلنے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز کے بعد حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ تم نے غلط جواب دیا اور اُسے مایوس کر دیا۔ کیا تم نے سورۂ فرقان کی یہ آیت نہیں پڑھی اور آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اسی وقت اس عورت کی تلاش میں نکلا۔ سارا دن ڈھونڈنے کے بعد دوبارہ عشاء کے وقت مل گئی تو میں نے اُسے خوشخبری سنائی۔ جسے سُن کر سجدے میں گر گئی، کہنے لگی۔ خدا کا شکر ہے جس نے میرے لئے معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ گناہوں سے توبہ کی اور اسی وقت اپنی لونڈی کو اس کے بچے سمیت آزاد کر دیا۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھا شخص آیا، کہنے لگا۔ میری ساری زندگی گناہوں میں گزری ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا ارتکاب میں نے نہ کیا ہو، اگر میرے گناہوں کو دنیا کے تمام انسانوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سارے انسان اس میں ڈوب جائیں، کیا مجھ ایسے گنہگار کی معافی ہو سکتی ہے؟ حضورؐ نے پوچھا۔ کیا تم ایمان لے آئے ہو؟ اس نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا تو حضورؐ نے فرمایا۔ جاؤ خدا معاف کرنیوالا اور مہربان ہے اور تمہاری بُرائیوں کو نیکیوں میں بدلنے والا ہے۔ یعنی یہی سورہ فرقان کی آیت پڑھ کر اُسے توبہ کے بعد خدا کی بخشش کی امید دلائی۔

ان دونوں روایات سے ثابت کرنا مقصود ہے کہ توبہ کے ذریعے خدا کی خوشنودی اور گناہوں کی معافی کی اُمید دلا کر خداوند تعالیٰ اور دینِ اسلام نے انسان کی ذاتی اصلاح بلکہ پوری دنیا کی اصلاح کا بہترین موقعہ فراہم کیا ہے کہ انسانوں کو مایوس نہ ہونا چاہیئے بلکہ انہیں اپنے ربّ کی طرف مُڑ کر صالح اور نیک اعمال کرنے چاہئیں۔ سورۂ فرقان کی ہی آیات نہیں بلکہ قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پہ توبہ کے بعد گناہوں کی معافی کا یقین اور خوشخبری دلائی گئی ہے اور اس نظریہ و مفروضہ کو غلط قرار دیا گیا ہے کہ انسانوں کو اُن کے گناہوں کی سزا بہرحال مل کر رہے گی بلکہ یہ سزا قیامت کے دن تک ملتوی نہیں، خود اس زندگی میں بھی اُسے گناہوں کی سزا ملتی ہے۔

؎ عدل و انصاف فقط حشر تک محدود نہیں ۔۔۔ زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

یہ اسی صورت میں ہے کہ کوئی آدمی اپنے گناہوں سے توبہ نہ کرے اور گناہ آلود زندگی میں مبتلا رہ کر عمر گزار دے تو برائیوں کے بوئے ہوئے بیج کا پھل خود اُسے بھی چکھنا پڑے گا۔ جو بوؤ گے سو کاٹو گے۔ قرآنی نظریہ کے مطابق اپنے گناہوں پر پشیمانی کے بعد توبہ کر کے نیک عمل کرے تو نہ صرف اُس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں بلکہ اُس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے اور پھر نیک عمل کے سلسلہ میں اسے خدا کی طرف سے انعام بھی ملتا ہے۔

قبولیت توبہ کی شرائط

توبہ کے ساتھ اصلاح اور عمل صالح کی شرط لازمی ہے

۱۔ سورۂ نساء کی آیات ۱۷، ۱۸ میں توبہ کی صورتیں اور معافی کی شرائط یوں بیان کی گئی ہیں: اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔

توبہ کی قبولیت اس صورت میں ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنی جہالت یا کمزوری کے باعث کوئی گناہ کر بیٹھیں، پھر فوراً اس

Marfat.com

پر پشیمان ہو کر جلدی توبہ کریں تو اُن کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ، اُس کی نیت اور جذبۂ پشیمانی کو جاننے والا اور دانا ہے، البتہ توبہ قبول نہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ کوئی بُرے کام کرنے والا اس وقت تک بداعمالی اور برائیوں میں مُبتلا رہے جب اس پر موت آ جائے اور کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہُوں تو اُن کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو توبہ تو کریں مگر اپنے افعال و اعمال کے اعتبار سے کفر میں مبتلا ہُوں۔ ایسے افراد کی توبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ ان کے لئے سخت عذاب تیار کیا گیا ہے۔ ان آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کی شرط اوّل گناہوں پر سچے دل سے ندامت کے بعد توبہ کرنا، یعنی ان گناہوں سے باز آ جانا اور پھر اپنے عمل کے ذریعہ ثابت کرنا کہ واقعی اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔

۲- آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں جو تفصیل سورہ بقرہ کی آیات ۳۶، ۳۷ میں بیان ہوئی ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے:
فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ آدمؑ سے حکمِ خداوندی کی نافرمانی ہوئی تو فوراً پشیمان ہو کر معافی مانگنا چاہی تو خداوند تعالیٰ کی رحیم ذات نے خود توبہ و معافی کا طریقہ سکھایا جس پر انہیں معاف کر دیا گیا، ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ نہ صرف توبہ قبول فرمائی بلکہ انہیں امامت اور پیغمبری کے منصب پر سرفراز فرمایا، لیکن اس کے مقابلے میں شیطان نے نافرمانی کی اور اپنی نافرمانی پر عذر تراشے، دلیلیں دیتا رہا۔ نافرمانی اور گستاخی کے جواز پیدا کئے فلسفے بگھارتے۔ ضرورت سے زیادہ ہوشیاری و دانائی کا مظاہرہ کیا۔ پشیمانی اور ندامت اور توبہ کا راستہ اختیار نہ کیا تو عمر بھر کے لئے لعنتی ٹھہرایا گیا۔ فَاخْرُجْ اِنَّكَ رَجِيْمٌ ۔ نکل جاؤ، دفع ہو جاؤ تم بھگائے ہوئے ہو، راندۂ درگاہ ہو۔

۳- برائی سے اعلانِ برأت و اظہارِ نفرت

اسی سورہ بقرہ میں توبہ کے بعد ایک اور شرط کا اضافہ بھی ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ جو لوگ اپنے کئے پر نادم ہو کر توبہ کریں، اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں لگ جائیں اور خدا کے احکامات پر نہ صرف خود عمل کریں بلکہ دوسروں سے بیان کریں تو ان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ مطلب یہاں بھی وہی ہے کہ اپنے گمراہی کے رویّہ پر پشیمان ہو کر توبہ کریں۔ اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں لگ جائیں۔ خدا کے احکامات صاف صاف بیان کر کے برائیوں اور سرکشی کے خلاف علی الاعلان نفرت اور اپنی بیزاری کا اظہار کریں۔ خود توبہ کرنا اور نیک عمل کرنا اپنی جگہ، مگر بُرائیوں سے سمجھوتہ نہ کریں۔ انہیں جہاں اور جس میں دیکھیں اُن سے نفرت کا اظہار کر کے دوسروں کو خدا کے احکامات بیان کر کے اُن کی اصلاح کرنا، نہ صرف اس کی توبہ کا واضح ثبوت ہوگا بلکہ ان بُرائیوں سے نفرت کا اظہار اور کھُلی مخالفت ایک جہاد کی حیثیت رکھے گی۔

بُرائی کو بُرائی اور بُرے کو بُرا وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اپنے عقائد نظریات اور افکار میں منافق نہیں ہوتا۔ برائیوں سے نفرت کا اظہار نہ کرنے والے اور بُروں کو بُرا نہ کہنے والے یقیناً بزدل، ایمان کے کمزور اور بے اعتبار لوگ ہوتے ہیں جو کسی بھی وقت بُرائیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ برائی کے ساتھ تعلقات و روابط کی وجہ سے اور بُرائیوں سے نفرت نہ ہونے کی وجہ سے وہ کسی بھی وقت برائیوں میں ملوث اور بُروں کے شریکِ کار و معاون بن سکتے ہیں، ورنہ ایسے موقعوں پر اس کا اظہارِ نفرت اور اعلانِ برأت نہ کر کے خاموش رہ جانا یقیناً اس کی طرف سے حوصلہ افزائی کا موجب ہوگا۔ جس

سے برائی کے خاتمہ کی بجائے برائی کے پھیلنے اور پنپنے کے مواقع پیدا ہوتے رہیں گے۔

توبہ پر ثابت قدمی

۴۔ سورہ طٰہٰ کی آیت ۸۲ میں یہی تین شرائط بیان ہوئی ہیں، وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ بے شک میں بہت زیادہ بخشنے والا ہوں، مگر اس شخص کے لئے جو اپنی سابقہ گناہ آلود اور باغیانہ زندگی سے توبہ کرے۔ مجھ پر میرے رسولوں اور میرے احکامات پر ایمان لا کر ان کے مطابق نیک عمل کرے اور ہدایت خداوندی پر ثابت قدم رہے۔

۵۔ سورۂ توبہ، جس کا نام ہی توبہ ہے اور اسے مفسرین نے حضرت ابو لبابہؓ بن عبدالمنذر اور اُن کے چھ ساتھیوں کی توبہ کے متعلق نازل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ حضرت ابو لبابہؓ بیعت عقبہ کے وقت ہجرت مدینہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ جنگ بدر، جنگ اُحد اور کفر و اسلام کے دوسرے معرکوں میں شریک ہونے کا شرف و اعزاز انہیں حاصل تھا جنگ تبوک کے موقع پر اپنی سستی کی وجہ سے رہ گئے۔ آج کل کرتے کرتے دن گزرتے رہے حتیٰ کہ حضورؐ واپس آ گئے۔ انہیں سخت ندامت ہوئی، شرمندگی کے احساس سے پریشان تھے۔ دوسرے منافقین مدینہ کے برعکس عذر بہانے تراش کر دھوکہ دینے کی بجائے سیدھی طرح اعتراف کر لیا کہ کوئی عُذر نہ تھا۔ سواری کا گھوڑا موجود تھا، بیماری کوئی نہ تھی، بس سستی ہو گئی۔ گناہ اور غلطی کا اعتراف کر لیا اور اپنے آپ کو خود اس غلطی کی یہ سزا دی کہ مسجد نبویؐ کے ستون کے ساتھ باندھ دیا کہ جب تک خدا اور اس کا رسولؐ معاف نہ کریں گے نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا، نہ خود کو کھولوں گا اور سچے دل سے توبہ تائب ہو کر قبولیت توبہ کے منتظر ہے۔ حضورؐ نے بھی اُن کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا کہ خود خداوند تعالیٰ فیصلہ فرمائیں۔ ان سات آدمیوں کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ بیویوں کو ان کے ساتھ گفتگو سے منع کر دیا۔ غالباً پچاس پچپن دن اسی حالت میں گزرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت توبہ کی خوشخبری سورۂ توبہ کی صورت میں نازل ہو گئی۔ صحابہؓ توبہ کی قبولیت کی خوشی میں سرشار ہوئے تو فرمایا۔ میں نے توبہ کی قبولیت کے لئے یہ وعدہ کیا تھا کہ گھر کے سکون و آسائش کا جملہ سامان خدا کی راہ میں دوں گا جو غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کا سبب بنا۔ حضورؐ نے ان سے تمام مال و اثاثہ کا ایک تہائی لیا اور باقی چھوڑ دیا۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہوا کہ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے صدقات لیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ حد سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ حضرت ابو لبابہؓ اور اُن کے ساتھیوں کی توبہ سے چند نتائج سامنے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کو اپنے قصور پر اصرار نہ ہو اور اس کے جواز کے لئے عُذر نہ تراشے، جیسا کہ ابو لبابہؓ نے کھلے دل سے سچ بات کہہ کر اپنے قصور اور غلطی کا اعتراف فرمایا۔ دوسرا یہ دیکھا جائے گا کہ توبہ کرنے والے کا سابقہ عمل کیا تھا، اس میں اخلاص تھا، عادی مجرم تو نہ تھا اور ایک قصور پر اس کے سابقہ اعمال کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ تیسرا یہ کہ اس کا آئندہ کا عمل دیکھا جائے گا کہ توبہ کے بعد اس میں واقعی تبدیلی آئی ہے یا نہیں۔ یہ زبانی توبہ نہیں عمل سے ذریعہ اس توبہ پر صدقہ دے کر اپنی پشیمانی اور

مخلصانہ توبہ کا ثبوت فراہم کرے۔

۶۔ سورہ تحریم آیت ۸ میں ارشاد خداوندی ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًاؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔
اے ایمان والو، اللہ کی طرف مڑ جاؤ اور ایسی توبہ کرو کہ دوبارہ اس گناہ کا اعادہ نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ——
خداوند تعالیٰ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسی جنت میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے توبۃ النصوح کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ توبہ کرنے والے کو پشیمانی اور ندامت ہو۔ جن فرائض کی ادائیگی میں اس سے غفلت ہوئی ہے انہیں ادا کرے۔ جس کا حق مارا ہے وہ حق ادا کرے۔ جس کو تکلیف دی ہو اس سے معافی مانگے اور آئندہ وہ اپنے سابقہ رویہ کا اعادہ نہ کرے۔ عَسٰى رَبُّكُمْ۔ ہو سکتا ہے تمہارا ربّ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے، کے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نیکی کا انعام اور برائی کی سزا طبعی نہیں ہے کہ لازماً مل کر رہے گی بلکہ یہ خدا کے اختیار میں ہے کہ اپنے فضل و کرم سے اسے بخش کر انعام دے دے یا اس کی مرضی پر ہے کہ اسے برائی پر سزا دے دے۔ خداوند تعالیٰ اگر توّاب ہے، رحیم ہے اور غفار ہے تو شدید العقاب بھی ہے یعنی سخت سزا کا مالک بھی ہے۔ البتہ یہ بات ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا اندھا دھند استعمال نہیں فرماتا، بلکہ اپنی حکمت اور علم کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے کہ نیکی پر انعام دیا جائے یا برائی پر سزا دی جائے۔ انعام دیتے وقت دیکھتا ہے کہ نیکی خالص اس کی رضا، تابعداری اور اطاعت کے جذبہ کے تحت ہوئی ہے یا اس میں نیت کا کوئی کھوٹ موجود ہے۔ جس نیکی کو خداوند تعالیٰ قبول نہیں فرماتے وہ بظاہر تو نیکی ہوتی ہے، مگر وہ خدا کی رضا اور اطاعت کی نیت اور جذبے سے خالی ہوتی ہے۔ نمود و نمائش اور دکھاوے کے لئے ہوتی ہے۔

جس برائی پر سزا دیتا ہے، یہ دیکھ کر دیتا ہے کہ یہ باغیانہ جذبے، گستاخانہ ارادے اور خدا کا خوف کھائے بغیر سرزد ہوتی ہے یا محض وقتی طور پر بشری کمزوری اور جہالت کی وجہ سے ہوئی ہے، اگر ایسا ہے تو اس کے پیچھے ندامت، شرمساری کے ساتھ ساتھ بار بار اس پر اصرار اور اعادہ تو نہیں کیا، تو اسے معاف فرما دیتا ہے۔ کسی بزرگ کا فرمان ہے کہ نیکیوں پر غرور سے گناہوں پر ندامت بہتر ہے۔ بڑے سے بڑے مجرم اور کافر کے لئے بھی مایوسی نہیں ہے، بشرطیکہ وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر توبہ کرے۔ نافرمانی پر اصرار نہ ہو۔ بغاوت کی بجائے اطاعت کا رویّہ اختیار کرے — باز آں ہر چہ کردی باز آ — خدا کی طرف مڑ جاؤ جو کچھ بھی کر چکے ہو باز آؤ۔

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

خدا کا دروازہ مایوسی و ناامیدی کا دروازہ نہیں ہے، اگر تم سو بار بھی توبہ توڑ چکے ہو تو بھی مایوسی کی ضرورت نہیں، باز آ جاؤ اور سچے دل سے توبہ کر لو تو معافی مل سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو توبہ کرنے والے کی سچی توبہ پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے پذیرائی اور خوشنودی کو ایک تمثیل کے ذریعہ ذہن نشین کرا کر اس کی اہمیت بتائی ہے کہ جس طرح کسی صحرا کے مسافر کا اونٹ صحراؤں کی وسعتوں میں کھو جائے جس پر اس کے سفر اور زندگی کا انحصار پانی و خوراک بھی ہو تو وہ پریشانی و بے قراری کے عالم میں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ

Marfat.com

کر بھوکا پیاسا ہو کر تھک جائے، چاروں طرف سے مایوسی ہو، زندگی کے اسباب و وسائل نہ ہوں، اس پر بیہوشی و غنودگی طاری ہو جائے۔ ایسی ہی حالت میں اچانک آنکھ کھل جائے تو وہ اونٹ معہ سامان کے سامنے کھڑا ہو تو اُسے کس قدر خوشی ہوگی؟ صحابہؓ، جو صحرائی زندگی کے ان مواقع سے بخوبی واقف تھے، صحراؤں کی گرمی، پیاس اور گم گشتگی کی کیفیات سمجھتے تھے، فرمایا، حضورؐ، اس مسافر کی خوشی اور اس غیر متوقع زندگی پر اُس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا پس خداوند تعالیٰ کو اتنی ہی خوشی کسی گنہگار بندے کی سچی توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ (انس بن مالکؓ۔ بخاری و مسلم)

عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ توبہ سانس اُکھڑنے سے پہلے قبول ہوتی ہے، لیکن جتنی جلدی ہو اتنی بہتر ہے۔

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری ست — وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

اللہ تعالیٰ سزا دینے کی بجائے معاف کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔ بہشت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک توبہ کا ہے باقی کھلتے بند ہوتے رہتے ہیں، مگر توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ خداوند تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی بخشوانا چاہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے پاس ایک بوڑھا شخص آیا۔ کہنے لگا کہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ عمر گزر گئی ہے پتہ نہیں ان کی تلافی کر سکوں گا یا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں تم بروقت آئے ہو کہ موت سے پہلے آگئے۔

امثال و واقعات

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا پیشہ لوٹ مار کا تھا۔ اُن کے ساتھ بدمعاشوں، لٹیروں کا گروہ تھا اور ایسے کہ ان میں سے ہر ایک باون گز کا تھا۔ خواجہ فضیل اُن کے سرغنہ تھے۔ ایک دفعہ طے کیا کہ قافلہ گزرنے والا ہے اسے لوٹا جائے۔ چنانچہ تیاری کے ساتھ گھات میں بیٹھ گئے۔ قافلہ پڑاؤ پر رُکا تو خواجہ فضیل کا گروہ ان پر ٹوٹ پڑا۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ سراسیمہ و خوفزدہ افراد سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جدھر منہ آیا بھاگ نکلے۔ بچوں کی چیخ و پکار ماؤں کی فریادیں تھیں، مگر ڈاکوؤں کے دلوں میں ترس کہاں ہوتا ہے۔ وہ ہر جذبے اور احساس سے عاری اپنی دھن اور کام میں لگے رہے۔ خواجہ فضیل قافلے کے ایک حصے میں پہنچے تو ایک شخص تلاوت میں مصروف تھا۔ ہر قسم کے خوف اور ہنگامے سے بے نیاز۔ یہ غصے سے بھنائے ہوئے قریب گئے کہ اسے نہ لوٹ مار کا خوف ہے نہ جان کی پرواہ ہے اور نہ اس پر ڈاکوؤں کی دہشت سوار ہے۔ فضیل آگے بڑھے تو اُس شخص کی آواز کانوں میں آئی، جو سورۂ حدید کی آیت تلاوت کر رہا تھا۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل خدا کے خوف سے ڈر جائیں۔ خدا کے کلام کا اعجاز تھا اور اثر پذیری کی گھڑی تھی کہ فضیل کے دل کی دنیا بدل گئی۔ ہتھیار پھینک دیئے، گھوڑا چھوڑا، قتل و غارت گری چھوڑی اور سیدھی جنگل کی راہ لی۔ تنہائی میں بے اختیار رونے لگے۔ بارگاہ خداوندی میں توبہ کی اور دنیا سے منہ موڑ کر جنگل میں مصروفِ عبادت ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد ایک اور قافلہ ڈاکوؤں سے بچتا بچاتا ادھر سے گزرا جہاں فضیل مصروف عبادت تھے۔ اُن سے پوچھا کہ فضیل ڈاکو کا پتہ ہے؟ عبادت گزار فضیل نے جواب دیا۔ تم اب فضیل سے نہ ڈرو، اب تو وہ خود بچے بچے سے ڈرتا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اُن کی یہ حالت تھی کہ شہر شہر، نگری نگری گھومتے قافلے والوں کا پتہ لگاتے اور ان سے لوٹا ہوا مال انہیں واپس کرتے

Marfat.com

اور ایک ایک سے معافی مانگتے۔ حضرت مقداد بن اسود فرماتے ہیں۔ آدمی کا دل پلٹنے والا ہوتا ہے کیوں نہ اُسے اچھائیوں کی طرف موڑ دیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ آپ ایک کنیز پر فریفتہ تھے اور اس کے فراق میں بے قرار رہتے۔ ایک دفعہ برفباری اور سردی کی تمام رات محبوب کی دیوار کے زیر سایہ گزار دی۔ سردی، برفباری اور رات کا احساس تک نہ ہوا۔ جب صبح ہوئی تو خیال آیا کہ رات کیسے گزاری، پتہ نہ چلا۔ امام صبح کی نماز میں قیام کو طول دیتا ہے تو ناگوار گزرتا ہے اور اب کنیز کے عشق میں پوری رات اور سردی کا احساس تک نہ ہوا۔ خود کو مخاطب کر کے کہا مبارک کے بیٹے تجھے شرم آنا چاہیئے کہ تو نے ساری رات ایک کنیز کی محبت اور نفس کے جنون میں گزار دی۔ یہ ندامت اور شرمندگی ایسی طاری ہوئی کہ توبہ کر کے خدا کی محبت اور اس کی خوشنودی میں لگ گئے۔ پھر اس درجہ پر پہنچے کہ خدا کے خاص بندوں میں شامل ہو گئے۔ (مخزن اخلاق ۲۸۱)

۳۔ بازاری عورتوں کی توبہ لکھنؤ کے نواح میں سندیلہ نامی قصبہ میں سخت خشک سالی ہوئی۔ قحط پڑ گیا، لوگ پریشان تھے۔ نماز استسقاء پڑھی گئی، مگر بارش نہ ہوئی۔ وہاں کی بازاری عورتوں نے جمع ہو کر ایک رئیس سے کہا کہ ہم جنگل میں جا کر بارش کی دعا کرتی ہیں۔ ہمیں نماز استسقاء تو نہیں آتی، آپ صرف یہ انتظام کریں کہ وہاں کوئی بھی ہمیں دیکھنے نہ آئے۔ ورنہ بارانِ رحمت کی بجائے قہر نازل ہوگا۔ رئیس مذکور نے پکا انتظام کر دیا۔ یہ عورتیں جنگل میں پہنچیں، سجدوں میں سر رکھ کر رونا شروع کر دیا اور توبہ و استغفار کیا کہ اے اللہ ہم سب سے زیادہ گنہگار ہیں، رُوسیاہ ہیں، ہماری گنہگارانہ زندگی کی وجہ سے بارش بند ہو گئی، قحط پڑ گیا ہے اور ساری مخلوق پریشان ہے۔ اب رحم فرما، ہمارا گناہ معاف کر۔ سجدوں سے سر نہ اُٹھے تھے کہ موسلا دھار بارش ہو گئی۔ استسقاء کی نمازوں میں علماء بھی تھے اور عابد و زاہد بھی، مگر دعا کی قبولیت گناہوں کے اعتراف اور اُن پر شرمسار ہونے والوں کو نصیب ہوئی جو لوگوں کی نظروں میں ذلیل و حقیر تھیں۔

ما بروں را ننگریم و قال را　　　　ما دروں را بنگریم و حال را

خدا کسی کے ظاہر اور اس کے قول کو نہیں دیکھتے بلکہ انسان کی اندرونی کیفیت اور اس کے حال، جذبہ کو دیکھتے ہیں۔ (ملفوظات حضرت اشرف علی تھانویؒ)

۴۔ خدا کو حاضر ناظر سمجھنا خوارزم میں ایک نہایت انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں کسی کو بھی علی الاعلان بُرے کام کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اپنی حکومت کے ہر فرد کے ذاتی حالات سے واقف تھا۔ اس کا ایک بااختیار درباری بظاہر بڑا نیک و پرہیزگار تھا مگر پوشیدہ بدسرشت اور بدکار تھا لیکن کسی کو اُس کے خلاف بادشاہ سے شکایت کی جرأت نہ تھی۔ بادشاہ اُس کی بدکاریوں سے واقف تھا لیکن اسے بُرا بھلا کہنے یا سزا دینے کی بجائے اس کی ندامت و توبہ کا ایک عجیب طریقہ نکالا کہ اُسے بلا کر کہا کہ مجھے ایک ایسے مرغ کی ضرورت ہے جس کی چونچ سرخ، سر کے بال سیاہ اور باقی سب سفید ہو، چونکہ آپ سارے شہر کے حالات سے واقف ہیں آپ ایسا مرغ پیدا کریں۔ اس نے ہفتے کی مہلت مانگی اور مرغ کی تلاش میں لگ گیا۔ تلاش بسیار کے بعد اپنی ناکامی کا اظہار کر کے معذرت مانگی۔ بادشاہ نے کہا۔ فلاں محلے میں

Marfat.com

فلاں مکان میں اس قسم کے چار مرغ موجود ہیں جو ایک پنجرے میں بند ہیں۔ چنانچہ اسے بھیجا گیا، دیکھا تو واقعی چار مرغ اسی قسم کے پنجرے میں بند تھے۔ درباری سمجھدار تھا، ڈر گیا کہ جو بادشاہ شہر کے مکانوں اور مکانوں کے اندر کی اتنی تفصیلات سے آگاہ ہو سکتا ہے کہ کہاں کیا کچھ موجود ہے، وہ یقیناً میری بدکاریوں سے بھی واقف ہوگا۔ بادشاہ کے خوف اور اس کی آگاہی و باخبری سے ایسا ڈرا کہ اسی وقت توبہ تائب ہوگیا۔ ہمارا معاملہ بھی اس قسم کے بادشاہ سے بھی زیادہ علیم وخبیر بلکہ خیال اور ارادے سے بھی واقف خدا کی ذات سے ہے۔ ہمیں اس کی باخبری سے ڈرنا چاہیئے اور شرمندگی سے بچنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:
وَسَتُرَدُّونَ اِلٰی عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ تمہیں خدا کی ایسی ذات کی طرف پلٹنا ہے جو کھلی اور پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔ اس دن، قیامت کو تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ لہٰذا ابھی اور آج ہی سے توبہ کر کے اس کے غصہ، سزا اور ناراضگی سے بچا جائے تاکہ کل جب موت آئے تو پشیمانگی نہ ہو اور قیامت آئے تو اپنے اعمال پر شرمندگی نہ ہو۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

رحمٰن کے بندے دعائیں مانگا کرتے ہیں

دعا کی فضیلت، اہمیت اور ضرورت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ فرقان۔ رحمٰن کے بندوں کی صفت خدا سے دعا مانگنا، دنیا داری کی نہیں تقویٰ داری کی اور نیک اولاد کی دعا۔
	دعا کی تعریف	دنیاوی و اخروی معاملات کے لئے خدا کو پکارنا، مدد مانگنا
۳	انسان کی کمزوری	انسان خواہ کتنا ہی با اختیار ہو، بے بس اور مجبور ہے۔ اسی مجبوری نے دیوتا ایجاد کئے، بُت بنائے، مظاہر کائنات کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔
۴	خدا ہی پکار کو سنتا ہے، حاجت روائی کر سکتا ہے	سورہ بقرہ کی آیت واذا سألك عبادی عنی فانی قریب الخ سورۂ نحل کی آیت۔ دوسروں کو پکارنا شرک ہے مصنوعی خدا کی بارش کا لطیفہ مصنوعی خدا پکار کو نہیں سن سکتے۔ سورۂ رعد کی آیت۔
۵	مصائب زندگی کا لازمہ ہیں	اذا مسّکم الضرّ فی البحر من تدعون الّا ایّاہ۔ انبیاء کی پکار۔ ابراہیمؑ کی دعائیں۔ حضرت نوحؑ کی پکار
۶	ارشادات رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم	دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ دعا مانگنے سے عاجز نہ رہو
۷	دعا کے آداب و شرائط	اخلاص ہو، غفلت سے نہ مانگی جائے، مال حرام نہ کھائے، عاجزی، دعا سے پہلے صدقہ کرے یا نفل پڑھے، نیک اعمال کا واسطہ، ترک دعا نہ کرے ناجائز کام کی دعا نہ ہو، مشروط نہ ہو، بار بار شاہ کی دعا، ناقص دعا نہ ہو، بد دعا نہ ہو۔
۸	ایک رئیس کی دعا، خدا کے بندوں کی دعائیں دعا کی قبولیت کے اوقات و مقامات، دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں	بیٹے کے لئے نیکی نانا نانگا۔ مصیبت زدہ کی دعا قبول ہوتی۔ محمد ابن قاسم کی دعا، خدا پر کامل بھروسہ، کردار ہو تو دعا سنی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے عدم قبولیت دعا کے کئی اسباب بتائے ہیں۔
۹	چند قرآنی دعائیں	

Marfat.com

دُعا کی اہمیّت، فضیلت اور ضرورت

آیت معہ ترجمہ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْلَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ہ (سورۂ فرقان : ۷۴) اے خداوند تعالیٰ ہمیں بیویوں سے ایسی اولاد عطا فرما، جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور ہمیں پرہیزگار لوگوں کا امام بنا دے۔

تفسیر و تشریح سورۂ فرقان کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنّت کے مستحق لوگوں کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اپنے ربّ کے حضور نیک اولاد کی دُعا کرتے رہتے ہیں جو اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکے اور تقویٰ دار و پرہیزگار لوگوں کی امامت اور پیشوائی کی صلاحیتوں کے مالک بن سکیں۔ یعنی اس آیت میں جہاں اہلِ جنّت کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے کسی دنیاوی اعزاز، دولت اور محض اپنی دنیاوی جائیداد کا وارث نہیں چاہتے بلکہ ایسی اولاد چاہتے ہیں جو اپنے کردار اور سیرت کے اعتبار سے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتے ہوں اور پرہیزگاروں کے سردار بن سکیں۔ اہلِ جنت کی اس دُعا کے ذکر سے خداوند تعالیٰ نے انسانوں اور بالخصوص اہلِ ایمان کو دُعا کے یہی الفاظ اور معنی سکھائے ہیں۔ دنیا کی خوشحالی، ترقی اور مناصب کی دعا نہیں سکھائی کہ ایک مسلمان کے لئے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اصل شے خدا کی رضامندی، تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

دعا کی تعریف دعا کے لفظی معنیٰ پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ اصطلاحًا اپنے دنیاوی و اُخروی معاملات و ضروریات اور خواہشات کی دستیابی یا تکمیل کے لئے خدا سے امداد طلب کرنا ہے۔ انسان اپنے معاملات زندگی میں عاجز اور مجبور ہوتا ہے۔ وہ اپنے ارادوں کی تکمیل اور خواہشات کی یافت اور حصول میں ایسا اختیار نہیں رکھتا کہ اِدھر ارادہ ہؤا تو اُدھر پورا ہوگیا۔ اِدھر کسی خواہش نے سر اُٹھایا تو فورًا حسبِ خاطر و خواہش پوری ہوگئی۔ پھر دنیاوی زندگی میں اُسے طرح طرح کے حالات، واقعات اور مصائب کا سامنا بھی ہوتا ہے۔ بیماری آتی ہے، مخالفتیں، دشمنیاں اور مشکل معاملات بھی پیش آتے ہیں تو ایسے حالات میں خداوند تعالیٰ پر ایمان و یقین رکھنے والا شخص خدا کو ہی کارساز اور مشکل کشا سمجھنے والا آدمی اپنی تمام حاجات، خواہشات اور مشکلات میں خدا کو پکارتا ہے، اس سے امداد طلب کرتا ہے اور اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے۔

بشری کمزوری انسان خواہ تاج و تخت کا مالک ہو کہ قارون کے خزانے پہ بیٹھا ہؤا سرمایہ دار ہو، علم و حکمت کا بادشاہ ہو کہ دو وقت کی روٹی کا محتاج ہو، زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق ہو، وہ بے بس و بے اختیار

Marfat.com

ہوتا ہے کسی نہ کسی مقام پر اس کی زندگی کی گاڑی پھنس جاتی ہے، کہیں نہ کہیں اُس کی ضرورت اٹک جاتی ہے اور کسی نہ کسی مقام پر اُسے اپنی بے بسی و بے کسی کا احساس ہو جاتا ہے اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو بے اختیار پکارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ انسان کی اِسی فطری کمزوری نے اُسے شرک اور بُت پرستی پر مجبور کیا ہے۔ دیوتاؤں کا تصوّر، بُتوں کی ایجاد اور اپنے سے برتر قوت کے سامنے سجدہ ریزی و جبیں سائی پر مجبور ہوا۔ چنانچہ ہر حاجت اور ہر ضرورت کے الگ الگ خدا بنائے گئے۔ بارش برسانے کا خدا، خوف کا خدا، سفر کے خدا، جنگوں کے خدا غرض ہر حاجت کے خدا ایجاد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی انسانی کمزوری اور فطری خواہش کی تسکین کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے اور انہیں بتایا گیا کہ تمہاری بندگی کا مستحق اور تمہاری ضروریات و حاجات کا حاجت روا صرف اور صرف میں ہوں۔ تم میری بندگی کرو اور صرف مجھ سے مدد طلب کرو۔ ہم اپنی نمازوں کی ہر رکعت میں اسی بات کا تکرار کرتے ہیں۔ ایاك نعبد وایاك نستعین اھدنا الصراط المستقیم۔ اے اللہ ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھی سے اپنے معاملات میں مدد طلب کرتے ہیں ہمیں سیدھا، سچا اور اسلام کا راستہ دکھا دے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں اسّی[۸۰] مقامات پر خدا سے مانگنے اور طلب کرنے کی دعائیں بتائیں اور بائیبل[۲۲] مقامات پر دعاؤں کی قبولیت کی بشارت دی گئی ہے کہ تمہارے بنائے ہوئے اور اختیار کئے ہوئے یہ خدا اور فطرت و قدرت کے یہ مظاہر، چاند سورج، بادل اور سمندر یا پہاڑ یہ خود خدا کے پیدا کردہ ہیں، یہ تمہیں وہ کچھ نہیں دے سکتے جو تم ان سے مانگتے ہو۔ تم اپنے ربّ کی بندگی کرو اور اُسی سے مانگو۔ سورۂ بقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے، وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔ اے پیغمبرؐ، میرے بندے جو محسوس خداؤں کے عادی ہو کر اور مجھے نظروں کے سامنے نہ پا کر یہ سمجھتے ہیں کہ میں اُن کی پکار نہیں سُن سکتا۔ اُنہیں کہو کہ میں اپنے بندوں کے قریب ہوں، وہ جب بھی مجھ سے کچھ مانگتے اور سوال کرتے ہیں میں قریب ہونے کی وجہ سے پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں۔ لہٰذا انہیں میری تعلیمات و ہدایات کو قبول کر کے مجھ پر ایمان لانا چاہیئے تاکہ وہ راہِ راست پر چل سکیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی فطری تسکین کے لئے اپنے قریب ہونے کا اور اُن کی دعا کی قبولیت کا یقین دلاتے ہیں۔ وہی تمہارا معبود بھی ہے اور اُسی کا بتایا ہوا راستہ سیدھا، درست اور سچا راستہ ہے۔ تم اس خدا پر ایمان لاؤ اور اُس کے راستہ کو اپناؤ۔

حاجت روائی کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے

سورۂ النمل میں ارشاد ہوتا ہے: اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ کون ہے، خدا کے سوا، جو بے کس اور مصیبت زدہ کی فریاد کو سُنتا ہے اور اُس کی سختی اور تکلیف کو دُور کرتا ہے۔ وہ صرف وہی خدا ہے جس نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنایا ہے۔ کیا اُس خدا کے بغیر تمہارا کوئی دوسرا معبود اور تمہاری دعا کا مستحق ہو سکتا ہے؟ افسوس، تم اس حقیقت کو نہ جان کر عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں، حقیقت کو جانتے ہیں، وہ تم میں سے بہت تھوڑے ہیں۔ اس آیت میں نائب یا خلیفہ کے اعزاز کا ذکر کر کے یہ حقیقت یاد دلائی ہے کہ نائب مقرر کرنے والا کسی کو اپنا نمائندہ

Marfat.com

بناتا ہے تو نائب ہر لحاظ سے اپنے مقرر کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے۔ مرکز سے بغاوت، ہلاکت، تباہی اور کمزوری کا موجب ہوتی ہے بلکہ اس منصب سے اس کی برطرفی اور کسی دوسرے وفادار اور اطاعت شعار کے انتخاب و تقرری کا موجب ہوتی ہے۔ خلیفہ مقرر کرنے والے ۔ خدا کے بغیر کوئی دوسرا اس قابل نہیں ہوتا کہ اُس کے احکامات کی تعمیل کی جائے یا دوسرے لفظوں میں اُسے دعا کی قبولیت کا اختیار اور قوت سونپ دی جائے۔ یہ صرف خدا کی ذات ہے جس کے ہاں بے قرار کو قرار، بے سہارا کو سہارا، بھٹکے ہوئے کو راہنمائی، مایوس کو آس ملتی ہے۔

مصنوعی خدا کی مصنوعی بارش

کسی بادشاہ نے حکومت اور اختیار کے نشہ میں خدائی کا دعویٰ کر دیا جو اکثر کرتے ہیں شیطان تو ایسے گمراہوں کی تلاش میں ہوتا ہے، اُس نے بادشاہ کی خدائی کو پکا کرنے کے لئے خود کو اس کا پیغمبر بنا لیا۔ بادشاہ کا سلسلۂ خداوندی اور شیطان کا کاروبارِ رسالت عام حالات میں جاری تھا کہ حقیقی خدا نے انہیں اور انکی گمراہ کردہ مخلوق کو سزا دینا چاہی اور بارش کا سلسلہ اُن پر بند کر دیا۔ بادشاہ کی سلطنت خشک سالی اور قحط سالی کا شکار ہو کر چیخ اُٹھی۔ لوگ، مال مویشی بھوکوں مرنے لگے تو بادشاہ سلامت یعنی خداوند عالم کی خدمت میں جمع ہو کر فریاد کی کہ آپ کیسے بے اختیار خدا ہیں کہ مخلوق مر رہی ہے اور آپ بارش کا ایک قطرہ نہیں برسا سکتے؟ بادشاہ نے اپنے پیغمبر شیطان کو بلا کر کہا کہ اب کیا کیا جائے، میری خدائی اور تمہاری پیغمبری خطرے میں ہے۔ کچھ کرو۔ شیطان نے کہا۔ فکر نہ کریں۔ چنانچہ اس نے اپنی ذریّت شیطانی کو حکم دیا کہ اوپر جا کر پیشاب کرو۔ شیطانوں کے لشکر دارالحکومت پر اُٹھے اور پھیل کر موسلا دھار پیشاب برسا دیا، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ پیشاب کی شدید بارش نے زمین کو روئیدگی اور تازگی کی بجائے تعفن اور بدبو سے مالا مال کر دیا۔ ہر طرف بدبو، ہر طرف تعفن کا وہ عالم ہوا کہ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ لوگ دوڑ کر بادشاہ کے پاس گئے کہ یہ کیسی بدبودار بارش تھی کہ اس کی تیزابیت نے رہی سہی فصلیں جلا دیں۔ بادشاہ نے اپنے شیطان پیغمبر کو پھر بلایا کہ یہ کیا کیا؟ شیطان نے کہا کہ جہاں تم جیسا خدا ہو اور مجھ ایسا پیغمبر تو پھر وہاں پیشاب کی بارش ہی برس سکتی ہے۔ نہ تم حقیقی خدا ہو نہ میں حقیقی پیغمبر ہوں تو بارش کیسے حقیقی اور اصلی ہو سکتی ہے۔ مصنوعی دعووں کے نتائج بھی مصنوعی ہوں گے۔

خدا کے بغیر پکار کا انجام

ایسے جھوٹے خدا اور شیطانی راہنماؤں کے بارے میں خود خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ —

سورۃ الرعد: ۱۴)۔ پکارنا، دعا مانگنا صرف اسی حقیقی خدا کا حق ہے۔ اس کے بغیر جسے بھی پکارا جاتا ہے وہ اس کی دعا اور پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ خدا کے بغیر دوسروں کو پکارنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی دور پانی کی طرف دونوں ہاتھ پھیلائے اور یہ چاہے کہ پانی اُس کے منہ تک آ جائے۔ حالانکہ اتنی دُور سے پانی اُس تک نہیں آتا۔ اسی طرح کافروں اور خدا کے بغیر دوسروں کو پکارنے والوں کی دعائیں بے نتیجہ اور بے فائدہ بھٹکتی رہتی ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ حاجت روائی، کارسازی و کارکشائی کے تمام اختیارات صرف خدا کے پاس ہیں۔ اُس حقیقی خدا کے بغیر کسی کو کوئی

Marfat.com

اختیار حاصل نہیں ہے۔

مصائب و ابتلائیں زندگی کا لازمہ ہیں مصیبتیں، ابتلاء اور آزمائشیں زندگی کا لازمہ ہیں۔ ہر کسی کو اپنی زندگی میں ان سے واسطہ پیش آتا ہے۔ خواہ پیغمبر ہو، ولی ہو یا عام آدمی ہو۔ جب بھی کسی پر ایسا موقعہ آیا تو اُس نے خدا کو ہی پکارا ہے اور خدا سے ہی امداد طلب فرمائی ہے تو جواب میں اللہ نے ان کی دستگیری فرمائی اور امداد دی ہے ۔سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے : وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ۔ جب تمہیں سمندروں میں طوفان گھیر لیتا ہے تو تم خدا کے سوا کسے پکارتے ہو؟

۱۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی شانِ بندگی کے بارہ میں یوں تعریف کی گئی۔ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا (مریم) جب انہوں نے اپنے ربّ کو چپکے چپکے پکارا۔ ادعوا ربّکم تضرعاً وّخفیۃ۔ اپنے ربّ کو گڑگڑا کر چپکے چپکے پکارو۔ (اعراف)

۲۔ آدم ؑ سے غلطی ہوگئی تو خود خدا نے انہیں اپنے ربّ کو پکارنے، دعا مانگنے اور توبہ قبول کرنے کی درخواست سکھائی فتلقی اٰدمُ من ربّہٖ کلمات فتاب علیہ (البقرہ) آدم ؑ کو دعا پکارنے اور معافی مانگنے کا طریقہ القا کیا اور جب انہوں نے اس کے مطابق خدا سے معافی طلب فرمائی تو اُن کی توبہ قبول کر لی گئی۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر تھے۔ ان کی ساری زندگی آزمائشوں سے بھرپور رہی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران اُنہوں نے جو دعا مانگی وہ قبولیت کی دعا تھی۔ پھر اپنی اور اپنی تمام اولاد کے لئے سچے مسلمان ہونے کی دعا مانگی۔ وَاِذْ یَرْفَعُ ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربّنا تقبل منّا انّک انت السمیع العلیم۔ ربّنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذرّیّتنا امّۃً مسلمۃً لک۔ ربّنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک وَیُعَلِّمُھُمُ الکتٰب والحکمۃ ویزکّیھم انّک انت العزیز الحکیم۔ جب ابراہیم ؑ خانہ کعبہ کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو اُنہوں نے اور اسمٰعیل ؑ نے خدا سے دعا فرمائی کہ خدایا ہماری تعمیرِ کعبہ کی کوششوں کو قبول فرما تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے خدا ہمیں اپنی تابعداری نصیب فرما اور ہماری اولاد کو بھی اور اُمتِ مسلمہ کو بھی اپنی اطاعت گزار اُمت بنا دے ہمیں اپنے اس گھر کے حج کے ارکان اور مناسک بتا دے اور اس گھر کی تعمیر اور دیدار کے نتیجہ میں ہماری توبہ قبول فرما کہ تو سب سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ اے ہمارے ربّ اس اُمت میں اپنے رسول مبعوث فرما جو تمہاری نازل کردہ کتابوں کی تعلیم دیں اور انہیں تمام اخلاقی اور روحانی گندگیوں سے پاک صاف کریں۔ تو زبردست قوت والا اور دانا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ابراہیم ؑ کی مانگی ہوئی یہ دعائیں خداوند تعالیٰ نے قبول فرمائیں اور اُن کی اولاد میں سے کتنے ہی نبی مبعوث ہوئے۔ انہیں اور اُن کی اولاد کو خداوند تعالیٰ نے انسانیت کی امامت کا شرف بخشا۔ انی جاعلک للنّاس اماما کا وعدہ پورا فرمایا۔ پھر اُن کے دوسرے بیٹے حضرت اسمٰعیل ؑ کی نسل سے نبیٔ کریم خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر قیامت تک اس اعزاز کو اُن ؑ ہی کی نسل پر ختم کر دیا اور اُن ؑ کا تعمیر کردہ خدا کا گھر قیامت تک خدا کی قبولیت

Marfat.com

کا درجہ پاکر ایسا مرجعِ خلائق ٹھہرا کہ ہر سال لاکھوں فرزندانِ توحید پروانوں کی طرح سر برہنہ و پا برہنہ بادشاہوں سے لے کر محتاجوں تک ایک ہی فقیری لباس میں اس کے گرد گھومتے اور اُن کے ایک ایک فعل اور ایک ایک قدم کے مطابق مناسکِ حج ادا کرتے ہیں۔

۴۔ حضرت نوح ؑ نے نو سو سال تک نہایت صبر و تحمّل سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور خدا کے راستہ سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو خدا کی طرف بلایا اور بالآخر پکار اُٹھے۔ ربّ لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیّارا۔ انّک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرًا کفارا۔ اے میرے ربّ تو اپنے ان منکروں کا ایک گھر بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ، اگر ان میں کوئی باقی رہ گیا تو ان کی اولاد بھی تمہارے منکر اور کافر ہی پیدا ہوگی۔ چنانچہ مستجاب الدعوات نے دعا قبول فرمائی اور ایسا پانی کا طوفان آیا کہ اُن منکرینِ خدا کا کوئی فرد اور نہ ان کا کوئی گھر باقی بچا۔

ارشادات حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم

جس طرح قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ کو پکارنے اور دعا کرنے کی تاکید ملتی ہے اُتنی ہی درخواست منظور کرنے والا خود درخواست کرنا ہی نہیں سکھاتا بلکہ درخواست کے انداز اور الفاظ بھی بتاتا ہے۔ مثلاً رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ۔ الخ۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیات ربّنا اٰتنا فی الدّنیا حسنةً وفی الاٰخرة حسنةً وقنا عذابَ النّار۔ مرنے والوں کے لئے ربّنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ الخ۔ اولاد اور ماں باپ کے لئے ربّ اجعلنی مقیم الصلاة من ذرّیتی ربّنا وتقبل دعاء۔ ربّنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔ اور اسی طرح کی بے شمار دعائیں۔ اسی طرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات میں بھی دعا پہ زور دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ الدّعاء سلاحُ المومن وعماد الدین ونور السّمٰوٰت والارض۔ (مستدرک حاکم)۔ دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور آسمانوں و زمینوں کا نور ہے۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے جس سے مصائب کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ دعا ہی دین کی عمارت کا ستون، جس کے ذریعہ خدا کا تعلق حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ پھر فرمایا۔ لا تعجزو فی الدعاء فانّہٗ من یھلک مع الدعاء احدٌ (ابن حبان) دعا کرنے سے عاجز نہ رہو، کیونکہ دعا کرنے والا کبھی بھی ہلاک نہیں ہوتا۔ دعا ہلاکت اور تباہی سے بچاتی ہے۔ پھر فرمایا۔ الدّعاءُ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ ومِمّا لم ینزل۔ دعا آسمان سے اُترتی ہوئی اور ابھی نہ اُترنے والی مصیبتوں میں فائدہ دیتی ہے۔ لَا یُرَدُّ القضَا الّا الدعاء۔ تقدیر نہیں بدلتی مگر دعا سے۔ پھر فرمایا۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ الدّعاء ھو العبادة۔ الدّعاء مخ العبادہ۔ (ترمذی شریف)

دعا کے آداب و شرائط

(۱) دعا کے لئے ضروری ہے، اخلاص اور ایمانِ کامل کے ساتھ کی جائے۔ فادعوہ مخلصین لہ الدین۔ اللہ کو پورے اخلاص اور دینِ اسلام پر بھروسے کے ساتھ پکارا جائے (۲) بے توجہی اور غفلت کے ساتھ مانگی ہوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَآءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ۔ اچھی طرح جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے۔ (۳) حاجی صاحبان کے متعلق حضورؐ فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

پراگندہ سر اور پراگندہ چہروں والے دُور دراز کا سفر کر کے آتے ہیں۔ ہاتھ اُٹھا کر یا ربّ یا ربّ پکارتے ہیں لیکن ان کا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا حرام کا ہوتا ہے، حرام سے پرورش پاتے ہیں تو اُن کی دعا کیسے قبول ہو۔ حاجی حرام مال لے کر جاتا ہے اور پکارتا ہے۔ لبّیك اللّٰھمّ لبّیك۔ آسمانوں سے اس کی پکار کا جواب آتا ہے۔ لا لبّیك ولا سعدیك۔ تمہارا لبیک و سعدیک قبول نہیں، کیونکہ تمہارا توشہ حرام ہے، تمہارا حج قبول نہیں۔ خدا پاک ہے اور اس کے ہاں پاکیزگی قبول ہوتی ہے۔

۴۔ دعا کرتے وقت جسمانی و قلبی عاجزی کا اظہار ہو۔ ظاہری طور پہ عاجزانہ انداز ہو اور دل میں عاجزی کے جذبات ہوں۔ ادعو ربّکم تضرّعًا۔ اپنے ربّ کو گڑگڑا کر، رو رو کر اور بلند آواز سے پکارو۔

۵۔ دعا کرنے سے پہلے نیک عمل کیجیے، نوافل پڑھیں، روزہ رکھیں اور صدقہ و خیرات دیں۔ دعا مانگتے وقت اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ اور حوالہ دے کر دعا مانگیں۔ جیسا کہ بارش سے بچنے کے لیے تین مسافر ایک چٹان کے نیچے بیٹھے تھے کہ چٹان کھسک کر غار کے منہ پر آ گئی، نکلنے کا راستہ نہ رہا۔ ان تینوں نے اس ناگہانی مصیبت سے نجات پانے کے لیے اپنے نیک اعمال کا حوالہ اور واسطہ دیا تو اُسی واسطے سے چٹان کھسک گئی اور نکلنے کا راستہ بن گیا۔ حضورؐ کا یہ بیان کردہ واقعہ مخلصانہ عمل کے نتائج کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ جن میں سے ایک نے اس عمل کا حوالہ دیا کہ میں بکری کا دودھ لا کر پہلے والدہ کو پلاتا، پھر اپنی بیوی بچوں کو دیتا۔ ایک رات دیر سے آیا تو والدہ سو چکی تھی، دودھ لے کر سرہانے کھڑا رہا، اُسے نہ جگایا کہ بے آرام نہ ہو۔ جب خود جاگ گئی تو دودھ پیش کیا، بعد میں خود اور بچوں کو پلایا۔ دوسرے نے اس عمل کا واسطہ دیا کہ مزدوروں سے کام لیا کرتا تھا کہ ایک مزدور مزدوری لیے بغیر کہیں چلا گیا۔ اُس کی مزدوری سے الگ تجارت کی، بہت زیادہ نفع ہوا۔ بکریاں، گائیں اور اُونٹ تھے کہ وہ آیا تو اسکی مزدوری کا سارا منافع اور سب مال تجارت اس کے حوالے کر دیا۔ تیسرے نے چچازاد بہن سے محبت کا ذکر کیا اور ایک دن اس سے اپنے بُرے ارادے کا خیال ظاہر کیا۔ اُس نے خاص رقم کی ادائیگی کے بعد میری خواہش پوری کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مشروط رقم جمع کرنے میں کئی سال مزدوری کرتا رہا۔ رقم پوری ہوئی تو لے کر آیا اور اُسے اس کا وعدہ یاد دلا کر بُرائی کا ارادہ ظاہر کیا، مگر عین بُرائی کے آغاز سے پہلے اُس کی بہن نے خدا کا خوف دلایا تو بُرائی سے باز آ گیا۔ ان تینوں نیک اور مخلصانہ اعمال کے حوالے سے اللہ نے اُن کی دعائیں سن لیں اور وہ مصیبت سے نجات پا گئے۔

۶۔ دعائیں اگر وقتی طور پہ قبول ہوتی نظر نہ آئیں تو بھی اُکتا کر یا دل برداشتہ ہو کر دعا کا عمل ترک نہ کیا جائے بلکہ مسلسل دعا کرتے رہنا چاہیئے، قبول کرنا یا نہ کرنا خدا کا اختیار ہے۔ بندوں کا کام اُسے پکارنا اور مسلسل پکارنا ہے۔ اُردو کے شاعر نے کہا ہے؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے   میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

یعنی جس طرح کوئی فقیر کسی دروازے پر دستک دیتا ہے تو اس کا اُس گھر کے افراد پہ کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ گھر والوں کا اپنا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جیسا چاہیں فقیر کے ساتھ سلوک کریں۔ خیرات دیں، دھکے دیں، جھڑکیاں دیں یا گئے

چھوڑیں۔ فقیر کا کام صرف دروازے پہ آواز دینا ہے اور ہر قسم کے سلوک پہ دعا ہی دینا ہے۔ اگر کسی کی دعا دنیا میں قبول نہ ہو تو بھی اس کا یہ عمل اور اس کی یہ پکار بجائے خود نیکی ہے جس کا اجر قیامت کے دن بہر حال ملے گا۔ اور کہتے ہیں کہ دنیا میں بظاہر دعاؤں کی عدمِ قبولیت محرومی نہیں اور نہ ہی مایوسی کا سبب ہے بلکہ جب آخرت میں اسے ان دعاؤں کا اجر ملے گا تو انسان کہے گا، کاش میری ساری دعائیں آخرت کے لئے ذخیرہ ہو جاتیں۔

۷۔ کسی بُرے کام، ناجائز حاجت اور غلط خواہش کے پورا ہونے کی دعا نہ مانگی جائے، ایسی دعا خداوند تعالیٰ کے حق میں گستاخی اور بے ادبی ہے، یعنی کوئی چوری کرنے یا ڈاکہ ڈالنے اور قتل کے ارادہ سے جائے تو خدا سے دعا کرے کہ مجھے کامیابی نصیب ہو یا بدکاری اور بدچلنی کی نیّت سے دعا کرے یا کرائے کہ فلاں محبوب رام ہو جائے اور میری ہوس کی تکمیل ہو سکے، یہ غلط کام اور شیطانی عمل ہوگا۔

۸ - دعا مشروط بھی نہ ہو اور ایسی بھی نہ ہو کہ جس میں اپنے لئے ہلاکت، ابتلاء اور آزمائش کا پہلو موجود ہو۔ خداوند تعالیٰ ہر چیز اور عمل پہ قادر ہے۔ اس سے مشروط دعا نہ مانگی جائے کہ اس کے عوض ایسا ہو جائے۔ ہماری تاریخ میں بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کی صحت اور زندگی کے لئے ایسی ہی مشروط دعا کی تھی۔ وہ مردِ آہن سمجھا جاتا تھا، تیر و تفنگ سے کھیلنے والا تھا، آگ اور بارود کے درمیان بے خطر کودنے والا سپاہی تھا۔ جس نے تاج و تخت کی ذمہ داری بارہ سال کی عمر میں سنبھالی تھی۔ اقتدار کی کشمکش میں عزیزوں اور دشمنوں کا منہ پھیرنے کے لئے برسوں جنگلوں کی خاک چھانی تھی، وسط ایشیا کی چھوٹی سی ریاست کے بدلے میں ہندوستان پر قبضہ کیا۔ دنیا کے جلیل القدر بادشاہوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ نامور سپہ سالار اپنے بیٹے ہمایوں کی بیماری میں آخر کار عاجز و درماندہ ہو گیا۔ بیٹا بستر پر موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ظہیر الدین بابر اس کے سرہانے کھڑا تھا، پریشان حال، سینہ چاک اور سر برہنہ۔ اس وقت وہ نہ شہنشاہ تھا نہ فاتح، نہ سپہ سالار صرف باپ تھا۔ دل پگھل کر آبگینہ بن گیا۔ اس کے بازوؤں کی ہمت اور بڑھاپے کا سہارا سامنے پڑا تھا۔ اس نے پلنگ کے گرد سات چکر لگائے، بے اختیار سجدے میں گرا اور یہ الفاظ دعا بن کر نکلے۔ میرے مولا، تُو بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے، پتھر سے پانی نکالتا ہے اور پانی کی بوند کو موتی بنانے والا ہے، میری زندگی کے دن میرے بیٹے کو دیدے۔ تُو سننے والا ہے میری بھی سُن لے۔ دُنیا نے دیکھا بیٹا موت کے منہ سے نکل آیا، صحتمند ہو گیا اور باپ موت کی آغوش میں چلا گیا۔ باپ بیٹے پہ قربان ہو گیا۔ اُس نے بیٹے کی صحت اور زندگی کے بدلے میں اپنی موت کی شرط خود خدا سے باندھ لی۔ خدا اُس کی زندگی کے بدلے اور عوضانے کے بغیر بھی بیٹے کو صحت اور زندگی دے سکتا تھا، مگر اس کی اپنی نادانی نے قبولیت کی اس گھڑی میں اپنی زندگی کے خاتمے کے ساتھ بیٹے کی زندگی اور صحت کو مشروط کر دیا۔

اسی طرح حضورؐ کے ایک صحابیؓ بیمار تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلم اُس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ وہ حضورؐ کی آمد پہ خوش ہُوا۔ اُٹھا کر بٹھایا گیا۔ اُس کی حالت دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا۔ تم بیماری سے پہلے کیا دعا مانگا کرتے تھے؟ ذہن پہ زور دے کر یاد کیا تو دعا یاد آئی کہ میں اکثر یہ دعا کیا کرتا تھا کہ مولا میری ساری تکلیفیں اور آزمائشیں اسی دنیا میں مجھ پہ لے آ، جو عذاب اور سختی آخرت میں دینی ہے دنیا میں دے دے۔ بعض لوگ خود مصیبتوں میں مبتلا ہونے

Marfat.com

کی دعا کرتے ہیں۔ مصیبت اور بیماری میں اُن سے نجات پانے کی دعا کی بجائے موت کی آرزو اور دعا کرتے ہیں۔ حضورؐ نے اس بیمار صحابی رضؓ سے فرمایا۔ تم نے ناقص دعا مانگی۔ انسان چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ہے، وہ آزمائشوں کی کب تاب لا سکتا ہے۔ صحابیؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ بیماری کی تکلیف خود اُس کی اپنی مانگی ہوئی ہے۔ عرض کیا، اب کیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ اب یہ دعا مانگا کرو۔ خدایا ہمیں دنیا و آخرت میں خیر عطا فرما اور زندگی کے راستہ کی مشکلات کو اپنے فضل و کرم سے دُور فرما۔ میرے اپنے کانوں کی سُنی ہوئی دعا اور اس کا نتیجہ میری ان آنکھوں کا دیکھا ہے۔ (مصنف) ایک والد اپنے اکلوتے بیٹے پر غصے ہوا۔ معاملہ بیٹے کی تھوڑی سی رقم خرچ کرنے کا تھا اور باپ انتہائی کنجوس تھا۔ میرے سامنے بیٹے کے اس عمل پر اتنا غصّے ہوا کہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور کہا کہ اے اللہ ایسی اولاد سے تو میں لاولد ہوتا تو بہتر تھا۔ چند ماہ بعد وہی اکلوتا، جوان اور کماؤ بیٹا حادثہ کا شکار ہو کر چل بسا۔ اکثر مائیں اور والدین اولاد پر غصہ ہو کر خدا سے اصلاح اور اُن کی نیک بختی کا سوال کرنے کی بجائے ناسمجھی و نادانی میں بد دعائیں دیتے ہیں۔ "تیرا سر گرے"، "تیری چارپائی اُٹھے" اور "تیری موت کا حلوہ پکے"۔ اور جب خداوند تعالیٰ ایسے ناشکرے والدین کو اولاد جیسی نعمت کی ناقدری کرتے سنتا ہے تو انہیں ان کی سزا دیتا ہے اور جب اولاد کا سر واقعی گر جاتا ہے، اُن کی چارپائی واقعی اُٹھ جاتی ہے تو وہی بد دعائیں دینے والے والدین کے اپنے سر نیچے ہو جاتے ہیں جو اولاد کے فخر سے اُونچے ہوتے تھے اور اولاد کی چارپائی اُٹھنے کے بعد وہ خود چارپائی پر سوار ہو جاتے ہیں۔ کمر ٹوٹ جاتی ہے، نڈھال اور صاحبِ فراش ہوتے ہیں۔

ہمارے موضوع کی اس آیت میں کتنی اچھی دعا ہمیں سکھائی گئی ہے کہ اہلِ جنت خدا سے ایسی اولاد کی دعا مانگا کرتے ہیں جو اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے اور تقویٰ داروں کے پیشوا اور امام بنیں۔ ہم صرف اولاد مانگتے ہیں، چار کھیتوں کا وارث طلب کرتے ہیں، مال چرانے، بیگار کرنے اور پیسے کمانے کیلئے بیٹا مانگتے ہیں۔ ہم۔ ربّ ھب لی من الصالحین والے خدا ہمیں صالح اولاد دے کی دعا نہیں مانگتے تو جب سر گرے۔ سر پھرے پیدا ہوں تو پھر گلا کیوں کرتے ہیں۔

واقعات و امثال

کسی رئیس۔۔۔ نے اپنی دولت اور کاروبار کا وارث پیدا ہونے کی بہت دعائیں مانگیں تو کسی نے مشورہ دیا کہ دعا کی قبولیت کے لئے خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا مانگی جائے تو قبول ہوگی۔ وہ حج کو گیا اور وہاں غلافِ کعبہ کو پکڑ کر بیٹے کی دعا مانگی۔ دعا قبول ہوگئی۔ صاحبزادہ بڑا ہوا، لاڈلے بیٹے نے دولت اُڑانی شروع کر دی۔ خوب گلچھرے اُڑانے لگا۔ عیاش دوستوں کی محفلیں برپا ہوتیں، شراب چلتی، جوا کھیلا جاتا اور ناچ گانے کا اہتمام ہوتا، رنڈی بازی کے مشغلے شروع ہوئے تو باپ کو فکر ہوئی۔ روک ٹوک شروع ہوئی۔ روپیہ دینا بند ہوا تو بیٹے کے دوستوں نے مشورہ دیا۔ یار! جب تک تمہارا باپ زندہ ہے یہ کاروبار جاری نہیں رہ سکتا اس کی موت کی دعا مانگو۔ اسے بھی حج کا مشورہ دیا گیا۔ بیٹے نے باپ سے حج کی خواہش ظاہر کی تو خوش ہوا چلو بیٹا راہِ راست پہ آگیا ہے۔ حج پر روانہ ہوا تو غلافِ کعبہ کا وہی پردہ جو اُس کے باپ نے اُس کی پیدائش کے لیے تھام کر دعا مانگی تھی بیٹے نے اپنے والد کی وفات کی دعا مانگی۔

Marfat.com

۹۔ دعا کے شروع و آخر میں خدا کی پاکیزگی اور درود پڑھا جائے اور آمین پر دعا ختم کی جائے۔ خدا کی سکھائی ہوئی دعائیں۔ جو قرآن کریم میں ہیں کی جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعائیں کی جائیں کہ وہ زیادہ مؤثر ہیں۔

دعا کے اوقات و مقامات

رات کا پچھلا پہر نماز تہجد کے بعد کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ شب قدر کی رات کی دعا جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اذان کے وقت کی دعا، رمضان شریف میں افطاری کے وقت، فرض نماز کے بعد، قرآن شریف کی تلاوت اور ختم کے بعد کی دعا، نماز جمعہ کی دعا، عصر اور مغرب کا درمیانی وقت، حج کے موقعہ پر مقام ابراہیم پر دعا، خانہ خدا کے دیدار کے وقت میزاب رحمت اور ملتزم خانہ کعبہ کی چوکھٹ پکڑ کر دعا کرنا۔ میدان عرفات کے قیام کے دوران دعا کرنا۔ مزدلفہ میں، چاہ زمزم کے پاس اور منیٰ میں مانگی ہوئی دعائیں۔

خدا کے بندوں کی دعائیں

۱۔ خداوند تعالیٰ کا رشتہ اپنے بندوں کے ساتھ ستر ماؤں کی اولاد کے ساتھ محبت سے بھی زیادہ ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی بندہ خدا کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر حد سے زیادہ مہربانی فرماتے ہیں۔ حسن بصریؒ نے ابو معلقؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ سامان تجارت لے کر جا رہے تھے کہ راستہ میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ سامان لوٹا اور انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے نماز کی مہلت مانگی اور سجدے میں سر رکھ کر دعا شروع کی۔ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ کسی نے کہا۔ سر اٹھاؤ تمہارا دشمن ہلاک ہو گیا ہے۔ ابو معلق انصاریؓ صحابہ میں سے نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ بحوالہ حافظ ابن قیم۔ الجواب الکافی لمن سأل عن دواء الشافی

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جسے خدا نے دعا کی توفیق دے دی، اس پر رحمتوں کے دروازے کھل گئے۔ صحابہؓ میں سے اکثر مستجاب الدعوات تھے۔ بہت سے بزرگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ماں باپ کی دعائیں اولاد کے لئے قبول ہوتی ہیں۔ سعادت مند اور پرہیزگار اولاد کی دعا بھی ماں باپ کے حق میں قبول ہوتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک شاگرد نے اپنی بیمار ماں کی صحت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ امام صاحبؒ فقیہہ تھے، عابد و زاہد تھے، چھ دفعہ حج کیا تھا۔ انہوں نے شاگرد کی درخواست پر غسل کیا، مصلے پر بیٹھ گئے، نفلیں پڑھیں۔ خادم نے شاگرد سے کہا۔ جاؤ تم بھی خدا کی بارگاہ میں دعا کرو، امام صاحبؒ تمہارے کام میں لگ گئے ہیں۔ بیٹے نے گھر کے دروازے پر قدم رکھا تو سامنے بیمار ماں کھڑی ہوئی تھی ـــ بیٹے نے ماں کو صحت مند پا کر سجدۂ شکر ادا کیا۔

۳۔ خانہ کعبہ میں حضرت زبیر بن عوامؓ کے تینوں بیٹے مصعب بن زبیرؓ، عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ اور چوتھے عبدالملک بن مروانؒ بیٹھے تھے۔ امیر معاویہؓ کا دور حکومت تھا۔ انہوں نے الگ الگ دعائیں مانگیں۔ عبداللہ ابن زبیرؓ نے حکومت ملنے کی، مصعب بن زبیرؓ نے محبوبہ سے نکاح کی، مروان کے بیٹے نے امیر معاویہؓ کا جانشین ہونے کی اور عروہ بن زبیرؓ نے زہد اور آخرت کی بھلائی کی دعا مانگی۔ چاروں کی دعائیں قبول ہوئیں۔

۴۔ جہاں اب دریائے سندھ بہتا ہے اُس وقت نیرون کوٹ کی بستی تھی۔ آج کی کوٹڑی اور حیدرآباد سندھ کے آس پاس راجہ داہر کا قلعہ تھا۔ بلہار کے مقام پر اسلامی لشکر ٹھہرا ہوا تھا۔ ریگستانی علاقہ تھا۔ وطن سے دور پڑے ہوئے مجاہدین پر

آزمائش آگئی۔ خشک سالی نے گھیر لیا، پانی کی بوند نہ تھی اور پورے لشکر کو پیاس کی شدت سے جان کے لالے پڑ گئے۔ سب کی جانیں قیمتی تھیں۔ ایسے کڑے اور مشکل وقت میں سپہ سالار نے حکم دیا۔ میدان میں نکل آؤ، بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگتے ہیں۔ پورا لشکر نمازِ استسقاء کے لئے جمع ہو گیا۔ مجاہدوں کے سپہ سالار نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو رو رو کر دیر تک خدا کے حضور کچھ پڑھتے رہے۔ پھر پکارا۔ یا غیاث المستغیثین اغثنی بحق بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اے پریشان حالوں کے مالک، اے فریادیوں کے فریاد رس ہماری فریاد سن لے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی لاج رکھ لے تھوڑی دیر بعد بارش ہوئی اور خوب ہوئی۔ یہ مجاہدوں کے سپہ سالار محمد ابن قاسم کی دعا تھی۔ ایسا کردار ہو تو دعا کیوں قبول نہ ہو۔ کردار کا تو فرق ہوتا ہے، باکردار لشکر ہو تو تین سو تیرہ نہتوں کو فتح حاصل ہو جاتی ہے اور ان کے سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوتی ہے۔ لشکر باکردار نہ ہو تو بانوے ہزار اسلحہ سے لیس ہتھیار پھینک کر آ جاتے ہیں، ہمارا کردار ہو تو آج بھی دعا با اثر ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ کو مصر کے بازار میں لوگوں نے گھیر لیا اور پوچھا کہ [illegible] کا وعدہ ہے کہ ادعونی استجب لکم۔ "مجھے پکارو میں پکار قبول کروں گا"۔ ہم پکارتے ہیں اور پکار نہیں سنی جاتی، سبب کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا۔ ایک سبب نہیں کئی سارے ہیں۔

۱۔ جسے پکارتے ہو اُس کی عبادت کا حق ادا نہیں کرتے۔ ۲۔ اس کا کلام پڑھتے ہو، مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔

۳۔ حضورؐ سے محبت کا دعویٰ ہے، مگر اُس کی پیروی نہیں کرتے۔ ۴۔ شیطان کو دشمن جانتے ہو، مگر کہنا اسی کا مانتے ہو۔

۵۔ خود کو اہلِ جنت سمجھتے ہو، مگر جنتیوں کی کوئی صفت تم میں نہیں۔ ۶۔ موت کو برحق سمجھتے ہو، مگر اس کی تیاری کی فکر نہیں۔

۷۔ دوزخ کو مانتے ہو، مگر اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے ۸۔ دوسروں کے عیب ڈھونڈتے ہو، مگر اپنے عیب نہیں دیکھتے۔

۹۔ خدا کی نعمتیں کھاتے ہو، مگر اُس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ ۱۰۔ مُردوں کو دفناتے ہو، مگر عبرت لے کر نہیں لوٹتے۔

چند قرآنی دعائیں

دعائے مغفرت : ربّنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخٰسرین۔
آدمؑ اور اماں حوّا کی دعا۔

دعائے فلاح دارین : ربّنا اٰتنا فی الدّنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النّار۔

دعائے صبر و استقامت: ربّنا افرغ علینا صبرًا وّثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین۔

دعائے اصلاح قلب : ربّنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدّنک رحمۃً انّک انت الوھّاب۔

دعائے مغفرت سابقون و صفائی قلب = ربّنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلًّا للّذین اٰمنوا ربّنا انّک رؤوف الرّحیم۔

دعائے اصلاح احوال : ربّنا اٰتنا من لدّنک رحمۃ وھیّئ لنا من امرنا رشدا۔

اولاد سے سکون کی دعا: ربّنا ھب لنا من ازواجنا وذریّتنا قرۃ اعین وجعلنا للمتّقین اماما۔

Marfat.com

دعائے مغفرت مومنین و والدین = ربنا اغفر لی و لوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب۔
دعائے خاتمہ بالخیر = فاطر السموات و الارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلماً والحقنی بالصلحین۔
نقصان سے بچنے کی دعا = بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء۔
اضافہ علم کی دعا ۱۲۸ = رب زدنی علماً۔
ذکر وشکر کی توفیق کے لئے = اللھم اعنا علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔
ادائے قرض کی دعا = اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عن من سواک۔
اصحاب کہف کی دعا ۱۲۰/۱ = ربنا اتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔ الکہف: ۱۰
موسیٰ کی دعا، فرعون کے دربار میں جاتے ہوئے، ۹۲ = قال رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی۔ طٰہٰ ۲۵، ۲۸

موسیٰ کی دعا، قبطی کو قتل کرنے کے بعد = رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی۔ القصص =۱۶
〃 〃 ، مصر سے مدین جاتے ہوئے = رب نجنی من القوم الظالمین 〃 =۲۱
〃 〃 مدین پہنچ کر ۶۲۸ = رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر =۲۴
حضرت ایوبؑ کی دعا بیماری میں = اذنادیٰ ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ الانبیا =۸۳
حضرت یونسؑ کی دعا مچھلی کے پیٹ میں = لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ 〃 ۸۷
شیطان کے بہکاوے سے بچنے کی دعا، ۲۹۹ = رب اعوذبک من ھمزات الشیطین۔ مومنون =۹۷
خدا کے صالح بندوں کی دعا ۳۰۲، ۳۰۴ = رب اغفر وارحم وانت خیر الرحمین 〃 ۱۸
ربنا امنا فاغفرلنا وارحمنا وانت خیر الرحمین۔ مومنون: ۱۰۹

عباد الرحمٰن کی دعا ۴۶۹ موضوع بحث آیت ہے
حضرت ابراہیمؑ کی دعا دعوت توحید دینے کی دعا ۵۰۳، ۵۰۵ = رب ھب لی حکماً والحقنی بالصالحین واجعلنی من ورثۃ جنۃ النعیم۔ الشعرا
ولا تخزنی یوم یبعثون ۸۳، ۸۷
حضرت سلیمانؑ کی دعا چیونٹی کی بات سن کر = رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلیٰ والدی وان عمل صالحا ترضہ وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین۔ النمل = ۱۹

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورہ بقرہ، خدا کی راہ میں مارے جانے والے زندہ ہوتے ہیں
۲	جہاد کی ضرورت اور مسلمان کی ذمہ داری	عقیدہ جان سے پیارا ہوتا ہے اس کا تحفّظ لازمی ہے۔ لوگوں کو سچائی کی دعوت دینا ہر مسلمان کا فرض۔ تو دشمنی پڑے گی عقیدہ عقیدہ سے نظریہ نظریے سے لڑے گا۔
۳	اشاعتِ دین میں صبر اور حوصلہ	سورۂ عصر، دوسری قرآنی آیات
۴	شہید کی تعریف	مصائب کی برداشت صبر ہے۔ قرآنی صداقتوں کی زبانی و عملی تصدیق۔ صدیقین کا درجہ اور صداقتوں کے لئے جان کا نذرانہ شہادت اور نذرانہ پیش کرنے والا شہید ہے۔
۵	شہادت کی ترغیب۔ ارشادات حضور صلی اللہ علیہ وسلم	سورہ آل عمران۔ سورۂ حج، سورۂ محمد۔ شہید جنت کے راہی دائمی ہوکر بار بار شہادت کا آرزومند ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی آرزو۔ عبداللہ بن جحشؓ۔ عمار بن یاسرؓ
۶	جذبۂ جہاد اور شوق شہادت	واقعہ ربیع کے شہداء۔ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت حمزہؓ
۷	شہید زندہ ہوتا ہے، واقعاتی تصدیق	حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ بستی سلمان پاک، بغداد میں ان کی قبروں کا موجود ہونا جو دجلہ کے کنارے عراق میں تھیں۔ شاہ فیصل کا خواب میں خبردار کرنا کہ پانی آرہا ہے ہمیں نکالا جائے۔ مفتئ اعظم فلسطین کا فتویٰ (سفرنامہ محمود عثمان)

Marfat.com

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

آیت معہ ترجمہ

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۵۴) جو لوگ خدا کے راستہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہوتے ہیں، لیکن ان کی زندگی کے انداز کو تم نہیں سمجھتے۔ ان کی زندگی تمہارے شعور و ادراک اور سمجھ سے باہر ہے۔

تشریح و تفسیر

قرآن کریم کی یہ آیت دوسرے پارہ میں سورۂ بقرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس آیت میں شہادت کی موت کو زندگی کہا گیا کہ شہید مر کر بھی زندہ ہوتا ہے۔ شہید کے مراتب اور درجات میں یہ سب سے بڑا درجہ ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں شہادت کی موت کی فضیلت کے اظہار اور اس کے لئے مومن کی خواہش اور آرزوؤں کے تفصیلی بیان سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیا میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئی ہیں یا لڑی جاتی ہیں وہ عقیدے کے اختلاف کے تحت لڑی جاتی ہیں کہ ایک فریق خود کو ہی حکومت، اقتدار اور بادشاہی کا اہل سمجھتا ہے اور دوسرا ایسا نہیں سمجھتا ــــ جو ٹکراؤ کی شکل اختیار کرتا ہے۔ عقائد کا اختلاف ہو یا اپنے حق کا دعوی اور اس کی تردید کا معاملہ ہو، خواہ دو فریقوں کے درمیان ہو یا دو قوموں اور ملکوں کا باہمی معاملہ ہو، جنگ و جدال اور قتل و قتال کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جب اختلاف پیدا ہوتا ہے تو لازمی طور پر ایک فریق دوسرے کے مقابلے میں آتا ہے یا ایک قوم دوسری قوم کے مقابلے میں اترتی ہے، جس سے ایک دوسرے کے ملکوں، شہروں اور شہریوں پر تباہی و بربادی مچ جاتی ہے۔ دنیا کی یہ لڑائیاں ایک دوسرے پر اپنے نظریات مسلط کرنے کی غرض سے ہوں یا اپنی بادشاہی اور تسلط جمانے کے ارادے سے ہوں یا اپنی قوت اور طاقت کے نشے میں دوسروں کو زیر کرنے، کمزور کرنے اور اپنے سامنے سر نہ اٹھانے کے خیال پر غرور سے ہوں۔ فی سبیل اللہ کے ذیل میں نہیں آتیں۔ یہ مال غنیمت اور کشور کشائی کے بہانے ہوتے ہیں، اگر نظریاتی لڑائی ہو تو بھی وہ نظریات ذاتی و انسانی تصورات و خیالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ خدائی اور الوہی و الہامی نہیں ہوتے۔

خدا کے راستہ کی تشریح

خدا کے راستہ میں مرنا یا مارنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسولوں کے ذریعہ زندگی گزارنے کے جو طریقے، جو ہدایات اور تعلیمات ملی ہیں، جو نظریات اور عقائد دیئے گئے ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ وہ سچے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام نظریات اور عقائد جو آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب سے ہٹ کر قوموں نے اپنا رکھے ہیں یا کسی دانشور یا فلسفی نے ذاتی وہم و گمان کے بل بوتے پر گھڑ رکھے ہیں، وہ اسلام کے مقابلے میں جھوٹے اور باطل ہیں۔ جب ہمارا یا کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہو کہ خدا کی یہ آخری کتاب سچی ہے اور جس پر اتاری

Marfat.com

گئی ہے وہ خدا کا سچا فرستادہ ہے، تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم اس رسولؐ اور اس کتاب کی تعلیمات و ہدایات پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی زندگی کے انہی راستوں اور اصولوں پر چلائیں۔ اللہ کے دین کی سچائی کو خود بھی مانیں اور اس پر عمل کر کے اس سچائی کا عملی ثبوت دیں اور دوسروں کو اس سچائی کی دعوت دیں۔

سچے عقیدے کی موت

بنی اسرائیل کی قوم کو یہی کہا گیا کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ۔ تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا بیٹھے ہو، حالانکہ تم خدا کی طرف سے نازل کی گئی کتاب ہدایت کو پڑھتے ہو یعنی مانتے ہو۔ گویا دوسروں کو اس کتاب کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دینا اور خود اس کے مطابق زندگی نہ گزارنا ایک ایسا عملی تضاد ہے جو ان عقائد اور کتاب پر ایمان والوں کے دعوائے ایمان کی تصدیق نہیں کرتا۔

قرآن کریم میں جہاں بھی خدا، اس کے رسولوں اور اس کی کتاب پر ایمان کا ذکر آیا یعنی ان پر ایمان لانے کا ذکر آیا ہے وہاں اس ایمان کے مطـ ان احکامات پر عملوا الصّٰلحٰت، نیک عمل کا ذکر بھی ہوا ہے۔ کسی چیز، عقیدے پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم و ملزوم ہے۔ عمل کے بغیر نِرا دعوائے ایمان ایسا ہی ہے جیسے زہر کو مہلک چیز سمجھنے کا عقیدہ رکھے، مگر زہر کھانے سے پرہیز نہ کرے۔ آگ کو گرمی اور حرارت بخش شے سمجھنے کا عقیدہ تو ہو، مگر سرد ترین رات میں اس کی فراہمی کا سامان نہ کرے تو زبانی آگ کو گرم کرنے کے دعویٰ اور تکرار سے گرمی نہ پہنچ سکے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ تم وہ دعویٰ کیوں کرتے ہو جسے کر کے نہیں دکھاتے؟ خدا کے نزدیک یہ نہایت بری بات ہے کہ کہو اور، اور کرو اور۔ منافقت اور تضاد بیانی کا یہ رویّہ نہ زندگی کے انفرادی معاملات میں چلتا ہے اور نہ انسان کے باہمی تعلقات میں قابلِ اعتماد ہے اور نہ کسی کے ساتھ دعوائے تعلق کی سچائی کو ثابت کرتا ہے، تو خدا کے ساتھ، اس کے نبیوں کے ساتھ اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی کتب پر ایمان لانے اور انہیں سچا سمجھنے کے بعد کسی کے دعوائے ایمان کو کیسے سچا ثابت کرے گا؟

اب جب کسی نظریے اور عقیدے کی سچائی کو مان لینے کے بعد اس کے مطابق عمل کرنا لازم اور ملزوم ہے تو پھر یہ فرض بھی خود بخود عائد ہو جاتا ہے کہ ہماری اپنی زندگی بھی اس ایمان اور عقیدے کی آئینہ دار ہو اور دوسروں کو بھی اس سچائی کے ماننے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیں۔ اس لئے سچائی غالب ہو کر رہتی ہے مغلوب ہو کر نہیں۔ خدا کا سچا دین حاکمیت کا مستحق ہے، محکومیت کا نہیں۔ خدا کا دین بااختیار و بامراد ہونے کی شے ہے، مجبور و بےبس ہونے کو نہیں۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم المفلحون۔ جو لوگ خدا کے احکامات کے مطابق حکم نہیں دیتے (انہیں حکم اور فیصلے کا درجہ نہیں دیتے) وہ ظالم ہیں۔

دوسروں تک سچائی کی تبلیغ

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اس شخص کی بات سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو لوگوں کو خدا کے دین کی طرف، اس کے احکامات کی طرف بلاتا ہے اور اس کے مطابق خود بھی نیک عمل کرتا ہے اور اپنے مسلمان ہونے

کا اس طرح قول و فعل سے اعلان کر دیتا ہے۔ یہاں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بعد اس پر یہ بات فرض ہو جاتی ہے کہ لوگوں کے سامنے مسلمان ہونے کے اعلان کے بعد عملاً یہ کرے کہ خود بھی اور دوسروں کو بھی مسلمان ہونے کی دعوت دے، انہیں مسلمانی کے طریقوں پر چلنے کی نصیحت کرے۔ انہیں سمجھاتا رہے کہ خدا کے یہ احکامات مسلمانی کے یہ انداز اور زندگی کے یہ معاملات ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی کے ضامن ہیں۔ سورۃ العصر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ خداوند تعالیٰ زمانے کی قسم کھا کر فرماتے ہیں انسان سراسر خسارے اور گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو دوسروں کو حق ۔ خدا اور اس کی بھیجی ہوئی کتب، اس کے رسولوں اور اُن کی تعلیمات پر نہ صرف ایمان لاتے ہیں۔ دعوت دیتے ہیں اور اس حق پر چلنے کے نتیجہ میں پیش آنے والی مشکلات، مصائب اور تکالیف پر ساتھیوں کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ، ایمان، اخلاقی معاملات ۔ انفرادی ہوں یا اجتماعی، شخصی ہوں یا قومی، اپنوں کے ہوں یا غیروں کے، لوگوں کو حق اور سچائی کے ساتھ ادا کرنے کی نصیحت کریں۔

تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یہ ہے، جب خود بھی مسلمان ہونے کا اعلان کرے گا اور اس کے مطابق نیک کام کرے گا تو لازمی طور دوسروں کو تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کی نصیحت بھی کرے گا۔ نیکی کرنے برائی سے بچنے۔ حلال کھانے اور حرام سے رُکنے۔ خدا کی بندگی کرنے اُس کی عبادت کرنے، بے نمازی، روزہ خوری سے منع کرے گا، بےحیائی اور بے شرمی سے روکے گا۔ جھوٹ فریب اور دھوکہ دہی سے باز رکھے گا، وغیرہ وغیرہ تو نتیجہ کے طور پہ اُس کے گھر، محلّے، گاؤں اور شہر میں پھیلی ہوئی بُرائی کی قوتیں اور نمائندے، جھوٹے خداؤں کی خدائی اور اس کی طاقت، سب مل جل کر ایک متحدہ قوت

کی صورت میں اس کے آگے آئیں گے۔ اسے مخالفتوں، دشمنیوں، نفرتوں، گالیوں، سازشوں سے واسطہ پڑے گا۔ وہ اپنی مسلمانی کے اعلان کے بعد جہاں اپنے نفس کو بُرائیوں سے روکے گا تو دوسری طرف نیکی کی تبلیغ، دین کی اشاعت اور اسلام کی دعوت میں اپنے شرکار کار کو برداشت، حوصلے اور صبر کی نصیحت بھی کرے گا۔ ان کو حوصلہ دے گا ہمت بڑھائے گا۔ اس کا یہ رویّہ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کہلاتا ہے۔ صبر کیا ہے، قرآن کریم کے مفہوم میں اسلام کے مقدس مقصد کے لیے، صدموں، تکلیفوں ناگواریوں، طعن و تشنیع، ملامت و لعنت کو برداشت کرنا۔ دین اسلام کی سچائیوں پر ثابت قدم رہنا۔ دُنیا کی لذتوں، نفسانیوں، عیاشیوں، مال حرام اور حرام کاریوں کی نفسانی خواہشات سے نفس کو روکنا صبر ہے۔ سو سورۃ العصر میں خدا کے نزدیک ایسے لوگ جو تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ اور تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ بظاہر دنیا کی نظروں میں سراسر خسارے میں دکھائی دیں گے، مگر نتائج کے اعتبار سے یہ گھاٹے میں نہ ہوں گے۔ خسارے والے وہ ہوں گے جو ایمان اور عمل صالح کے بغیر دوسروں کو حق و صبر کی نصیحت کئے بغیر غافل ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔

یا ایّھا الّذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلّکم تفلحون۔ ایمان والو تم خود بھی سچائی کے راستہ پہ چلتے ہوئے صبر و تحمل سے کام لو، دوسروں کو بھی صبر پہ آمادہ کرو، نیکی پر چلنے اور چلانے کی کوشش کرتے رہو اور تم نیکو کاروں کے گروہ ایک دوسرے سے اتحاد و رابطہ برقرار رکھو۔ خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ اور پھر خدا

Marfat.com

نے انسانوں کو یہ دعا بھی سکھائی ہے کہ ربّنا افرغ علینا صبرًا وّثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین۔ اے اللہ ہمیں صبر کی توفیق عطا فرما، ہمارے قدم دینِ اسلام پر مضبوط رکھ اور ہمیں کافروں پر فتح نصیب فرما۔

شہید کی تعریف

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ دینِ اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے تو پھر اس سلسلہ میں جن تکالیف اور مصائب سے گزرنا ہوگا، جن سے انبیائؑ، صلحائ گزرتے رہے تو ان کو برداشت کرنا صبر کہلاتا ہے اور ایسے لوگ صابرین کہلاتے ہیں۔ گویا قرآنی صداقتوں کی قولی اور فعلی تصدیق کرنا صدیق کہلاتا ہے اور ان صداقتوں کو منوانے میں مصائب برداشت کرنے والے صابرین کہلائیں گے اور برداشت اور صبر سے گزر کر اپنی جان کو صداقتوں پر قربان کردینا شہادت کہلاتا ہے اور جان قربان کرنے والے شہید یا شہداء ہوتے ہیں، کیونکہ ایک شہید جان کا نذرانہ پیش کرکے ان صداقتوں پر گواہی دیتا ہے۔

موت تو ایسے بھی آتی ہے وہ برحق ہے۔ کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت۔ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خدا کی راہ میں مرنے کی ترغیب

دنیا کی یہ زندگی، اس کی خوشیاں، لذّتیں سب عارضی ہیں، اس کی بہاریں، اس کی خزائیں، اس کے دُکھ، غم، عیش و عشرت، مناصب اور مراتب سب عارضی اور اور چند روزہ ہیں۔ تقدیر کی ایک گردش، اور موت کا ایک پنجہ دنیا کی تمام زندگی پر جھاڑو پھیر دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ وہاں کی نجات اور خوشی، کامیابی یا اس کے برعکس ناکامی و نامرادی مستقل بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والی بھی ہے۔

قرآن کریم میں بار بار طبعی موت مرنے کی بجائے خدا کی راہ میں مرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیکی کی اشاعت، صداقتوں کو ماننے اور منوانے، انسانیت کی فلاح و بہبود میں آنے والی موت کو دائمی زندگی کا سبب قرار دیا ہے: لئن مُتّم او قُتلتم لالی اللہ تحشرون۔ تم عام حالات میں مرجاؤ یا خدا کی راہ میں مارے جاؤ، لوٹنا ہر حال خدا کی طرف ہے۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کی اپنی غلطی سے جب صورتِ حال بگڑ گئی اور بہت زیادہ نقصان ہوا، مسلمانوں کے چیدہ چیدہ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے اور خود حضورؐ شدید زخمی ہوئے تو بعض لوگوں نے کہا۔ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا۔ اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم اس طرح نہ مارے جاتے، تو خداوند تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: لَوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ۔ اگر تم گھروں کے اندر بھی ہوتے تو جن لوگوں کو موت آنی تھی وہ خود اپنی موت کے مقام کی طرف چلے آتے۔ (آل عمران)

موت کے خوف کو دُور کرنے اور خدا کی راہ میں مرنے کی تمنّا اور آرزو پیدا کرنے کے لئے زیرِ بحث آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا کی راہ میں مرنے والے مرتے نہیں زندہ ہوجاتے ہیں۔ انہیں باقاعدہ رزق دیا جاتا ہے، مگر ان کی زندگی اور رزق کے انداز کو آپ نہیں جانتے۔ دوسرے مقام پر اسی یقین دہانی کو یوں فرمایا گیا۔ ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربّھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ۔ خدا کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ خدا کے ہاں انہیں کھلایا پلایا جاتا ہے۔ وہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں

پر خوش ہیں اور خدا کے فضل اور مہربانیوں پر راضی ہیں جو انہیں دی جاتی ہیں۔

سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے : وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ جو لوگ خدا کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرتے ہیں اور پھر اسی راہ میں کفر سے برسرِ پیکار ہو کر مارے جاتے ہیں یا مر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں رزق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

سورہ محمدؐ میں یہی مضمون یوں بیان ہوا ہے : وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ۔ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں اُن کے اعمال ضائع نہیں ہوتے، انہیں ہدایت دی جاتی ہے، اُن کے احوال درست کر دیئے جاتے ہیں اور بالآخر اس جنت میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ جس سے قرآن اور احادیث کے ذریعہ بیان کردہ تفصیل کے مطابق واقف ہوتے ہیں۔

مسند احمد میں حضورؐ سے روایت ہے کہ جو شخص نیک عمل کر کے دُنیا سے جاتا ہے، اسے خدا کے ہاں اس قدر پُر کیف اور پُر لطف زندگی ملتی ہے کہ وہ دنیا میں آنے کی خواہش نہیں رکھتا، مگر کسی شہید کو خدا کی راہ میں شہید ہونے کی اتنی لذت ملتی ہے کہ جنت کی خوشیوں اور لذّتوں کے باوجود بار بار زندہ ہونے اور خدا کی راہ میں شہید ہونے کی آرزو کرتا رہتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ اکثر دعا فرمایا کرتے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ حَبِيْبِكَ۔ اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما اور میری موت اپنے حبیبؐ، حضورؐ کے شہر مدینہ میں واقع فرما۔ اور یہ دعا حرف بحرف درست واقع ہوئی۔ وہ شہید محراب بنے امامت فرماتے ہوئے شہید کیے گئے۔ مسجد نبوی کے محراب میں اور دفن بھی حضورؐ کے پہلو میں ہوئے۔ خدا نے اپنے بندے کی خواہش پوری فرمادی۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی دعا یہ تھی کہ میں کفر و حق سے معرکہ کارزار میں بہادری کے جوہر دکھاتا ہوا شہید ہو جاؤں اور دشمن میرے ناک، کان اور اعضائے جسم کاٹ دیں تاکہ قیامت کے دن تُو مجھ سے پوچھے کہ ایسا کیوں ہوا؟ تو میں کہوں گا کہ خدایا تیری خاطر اور تیرے دین کی خاطر میرا یہ حشر کیا گیا۔ خدا نے اس محبوب بندے کی دعا حرف بہ حرف قبول فرمالی اور حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی یہ آرزو بھی پوری ہوئی۔ اُن کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ آج اللہ تعالیٰ کے یہ دونوں پیارے جانثار میدانِ اُحد میں اکٹھے دفن ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ جنگِ صفین میں پوری جانثاری سے لڑتے رہے، مگر شہادت کی آرزو پوری نہ ہوئی تو حضرت علیؓ کی خدمت میں آکر اپنی محرومی و مایوسی کی شکایت کرتے اور افسوس فرماتے کہ شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ تین دفعہ ایسا ہی افسوس کرنے آتے اور واپس جا کر پھر لڑائی میں کود پڑتے کہ شاید شہادت کی حسرت پوری ہو جائے۔ آخری مرتبہ جب اظہارِ افسوس کے لئے تشریف لائے تو اُن کے سامنے دودھ پیش کیا گیا تو خوشی کا نعرہ مارتے ہوئے فرمایا۔ اب میں شہید ہو جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ عمارؓ دنیا کے رزق میں سے تمہارا آخری حصّہ دودھ کا گھونٹ ہوگا۔

Marfat.com

اوراب یہ آخری رزق پی لیا ہے۔ جب پھر لڑنے کے لئے گئے تو واقعی شہید ہو گئے۔

اسلام کی تاریخ میں شہادت کی آرزو رکھنے والوں اور شہید ہونے والوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ان میں سے کس کس کے جذبہ شہادت کا ذکر کیا جائے۔ وہ ہر واقعہ انتہائی قابلِ فخر بھی ہے اور انتہائی دردناک بھی۔ ان میں سے بعض واقعات انتہائی بے بسی اور مظلومیت کے ایسے دل گداز اور جاں سوز ہیں کہ جب یاد پڑتے ہیں تو آدمی خون کے آنسو روتا ہے۔ واقعہ رجیع کے جانثاروں حضرت عاصم بن ثابتؓ، حضرت خبیب بن عدیؓ، زید بن وثنہؓ اور عبداللہ ابن طارقؓ کی شہادت کے واقعات کہ اس بے بسی و بے چارگی کے باوجود نہایت جرأت و ہمت سے شہادت کا جام نوش فرمایا۔ ان میں حضرت خبیبؓ، اور حضرت زیدؓ کو درخت پر سولی کی شکل میں لٹکایا گیا۔ ارد گرد تمام مکہ کے کفار جمع تھے، پھندے گلے میں ڈالے ہوئے تھے ارد گرد نیزہ بردار کھڑے تھے، موت سامنے تھی۔ اسلام سے منحرف ہو کر آزادی کے وعدے کئے جارہے تھے، مگر جواب ایک ہی تھا، نہیں نہ اسلام سے پھریں گے نہ شہادت سے منہ موڑیں گے۔ ہمیں یہ کبھی گوارا نہیں کہ اپنی جان کی آزادی کے بدلے میں حضورؐ کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے۔ آخری الفاظ تھے۔ ہماری جانیں اللہ کا نذرانہ ہیں۔ دعا فرمائی، خدایا یہاں سب دشمن ہیں تو آخری سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے۔ جنگ بدر میں مارے جانے والے لوگوں کے وارثوں نے اُن پر نیزوں کے حملے کر دیئے تو شمع رسالتؐ کے پروانوں اور راہِ حق کے دیوانوں نے اپنی جانیں جانِ آفریں کے سپرد کر دیں۔ ادھر اسی وقت حضورؐ مسجد نبوی میں صحابہؓ کے درمیان بیٹھے تھے کہ چہرے پر وحی کے آثار پیدا ہوئے اور زبان سے نکلا علیک السلام یا خبیبؓ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیبؓ کا سلام جبرئیلؑ کے ذریعہ پہنچا دیا۔ حضورؐ نے حضرت خبیبؓ کی میت مدینے لانے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ مکہ روانہ ہوئے۔ شہادت کے مقام پر دیکھا کہ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں اور چالیس آدمی نگرانی پر مامور ہیں۔ حضرت زبیرؓ نے رات کو لاش درخت سے اُتاری اور گھوڑے پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ مشرکوں کو علم ہوا تو تعاقب میں دوڑے اور ایک جگہ حضرت زبیرؓ کو گھیر لیا۔ انہوں نے لاش زمین پر رکھ کر تلوار سونت لی اور مشرکوں کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ لاش زمین پر رکھی ہی تھی کہ زمین نے نگل لی اور مشرکوں کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ منہ دیکھتے رہ گئے۔ اس واقعہ کے بعد انہیں "بلیع الارض" کا خطاب ملا۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے بسی کی حالت دیکھئے جنہوں نے مسجد نبویؐ کے لئے زمین خریدی، اُن پر اُسی مسجد کے دروازے بند کر دیئے۔ اہلِ مدینہ کے پینے کے لئے کنواں خریدا تو اس کنوئیں کا پانی اُن پر روک دیا گیا، اہل مدینہ کے لئے سینکڑوں اونٹوں پر لدے ہوئے غلے اور سامانِ تجارت کو اُن پر تقسیم کیا، اُن پر اسی مدینہ کا غلہ اور سامانِ خوراک ممنوع قرار دیا اور چند تلنگوں نے گھر میں گھس کر بے حرمتی کی اور بُرے طور پر نہایت شقاوت و سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تلاوت کے دوران شہید کر دیا۔ اور اسلام میں اس بے گناہ خون کے قطروں کے گرتے ہی مسلمانوں کے خون کی ایسی ارزانی ہوئی، ایسی ارزانی کہ آج تک رکنے میں نہیں آتا، کیونکہ ایک بے بس و مجبور محسنِ اسلام اور حضورؐ کے داماد کا خون خود مسلمانوں نے گرایا تھا۔

پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اپنے اور اہلِ بیت کی جانوں کا جو نذرانہ پیش کیا، وہ خود ایک طرف مسلمانوں کی شقاوتِ قلبی کا مرقع ہے تو دوسری طرف نواسۂ رسولؐ اور اُن کے جگر گوشے کی بے بسی، بے چارگی کے باوجود حق کی آواز کو

Marfat.com

بلند کرنے اور غیر اخلاقی، غیر قانونی اور غیر شرعی حکومت کے خلاف اپنے مٹھی بھر خاندان کے ساتھ ڈٹ جاتا ہے۔ دنیا کی نظروں میں وقت کے حکمرانوں نے نہایت کمینگی، رذالت اور سفاکی کا مظاہرہ کرکے حق کی آواز کو دبا دیا۔ اقتدار کے ایوانوں میں شادیانے بجے، خوشیاں منائی گئیں، ڈھول پیٹے گئے۔ خوشامدی درباریوں نے مبارک سلامت کا شور برپا کیا، قصیدے کہے گئے کہ اقتدار محفوظ ہوگیا، باغی مارا گیا۔

مگر سوچنا یہ ہے کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ کس نے شہادت کا پیالہ نوش کرکے ہمیشہ کی زندگی مول لی اور کون انہیں شہید کرکے ہمیشہ کی موت مرگیا۔ عقیدت، محبت اور احترام اتنے برس گذرنے کے بعد بھی کس کے لئے ہوتا ہے اور نفرتوں، لعنتوں کی بارش کس پر برس رہی ہے۔ ایک مرکر زندہ ہوگیا اور دوسرا زندہ ہوکر مرگیا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ نے خوب فرمایا ہے

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے　　　اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت امام حسینؓ کی زندگی اور اسلام کی راہ میں ہزاروں دوسرے شہدا، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عبداللہ ابن حجشؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ، حضرت حذیفہ یمانیؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کی شہادتوں سے یہی سبق ملتا ہے۔ گھروں کے اندر کروڑوں مرنے والے حقیقی موت مرگئے لیکن خدا کی راہ کے یہ شہید تاریخ کے صفحات میں لوگوں کے دلوں میں، عوام کے دماغوں میں، ان کی محفلوں میں اب بھی زندہ ہیں اور خدا کے ہاں ان کی زندگی کی جو کیفیت ہے وہ خدا بہتر جانتا ہے۔ ہم تو انہیں اپنی محفلوں میں اور زبانوں پر اُن کے تذکروں اور یادوں کی بنیاد پر بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وَلَا تَقُولُوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ کا فرمودۂ خداوندی حق اور سچا ہے۔ شہداء کی فہرست میں آخری دو نام حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کا واقعہ تو ہماری صدی کا واقعہ ہے۔ جس کی تفصیل یوں ہے کہ بستی سلمان پاک بغداد سے تیس بتیس میل ادھر واقعہ ہے جو انہی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے مزار کے قریب نئی قبریں حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کی بنی ہوئی ہیں۔ یہ قبریں اسی صدی میں عراق کے بادشاہ شاہ فیصل کے دور میں بنی ہیں۔ پہلے یہ صحابیؓ موجودہ مقام سے آدھ میل اُدھر دجلہ کے کنارے پر دفن تھے۔ عراق کے بادشاہ ملک فیصل کو خواب میں حذیفہ بن یمانؓ نے بتایا کہ ان کی قبروں میں دریا کا پانی اُتر رہا ہے۔ لہٰذا انہیں وہاں سے نکال کر دوسرے کسی مقام پر دفنایا جائے۔ یہ خواب تین دن تک ملک فیصل دیکھتے رہے۔ عراق کے مفتیٔ اعظم بھی یہ خواب دیکھتے رہے۔ اس زمانے نوری سعید عراق کے وزیر اعظم تھے۔ مفتیٔ اعظم نے اُن سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے ملک فیصل سے بات کی تو اُنہوں نے بھی اپنے خوابوں کا ذکر کیا؛ لیکن ملک فیصل پس و پیش کر رہے تھے کہ کہیں اتنے جلیل القدر صحابہؓ کی عظمت و مرتبہ کو دھچکا نہ لگ جائے۔

اُنہوں نے خوابوں کی تصدیق کے لئے دریا کے کنارے گڑھا کھود کر پانی دیکھا، مگر پانی نہ نکلا تو ملک فیصل نے قبریں منتقل کرنے سے انکار کر دیا، لیکن خوابوں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔ آخر مفتیٔ اعظم نے فتویٰ دے دیا، جسے شاہی فرمان کے ساتھ شائع کر دیا کہ یہ قبریں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر کھولی جائیں گی، لیکن عالم اسلام کے گوشے گوشے سے اپیلیں ہوئیں کہ یہ قبریں عید کے دس دن بعد کھولی جائیں تاکہ حج پر آئے ہوئے تمام حاجی صاحبان بھی وہاں جمع ہوسکیں۔ محمودہ عثمان جو اس واقعہ کی چشم دید گواہ ہیں، اُنہوں نے سفرنامے میں لکھا ہے کہ شاہ فیصل، مفتیٔ اعظم عراق، ترکی کے سفیر، مصر کے ولی عہد فاروق نے

Marfat.com

قبریں کھولیں، انہیں شیشے کے پہلے سے تیار کردہ تابوت میں رکھا۔ دیکھنے والے ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ دونوں صحابہ کرامؓ کی داڑھیوں کے بال حتیٰ کہ کفن تک محفوظ تھے۔ دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اُن میں ایسی چمک تھی کہ کسی کی نظر نہ ٹھہر سکتی تھی۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ حضور سرورِ کائناتؐ کے رازداروں میں سے تھے۔ حضرت جابرؓ ۲۵ھ میں آذربائیجان کے گورنر رہے تھے۔ کلام الٰہی کی تعلیم میں اُنہوں نے بڑا کام کیا۔ حدیث کی روایات میں اُن کا بڑا مقام ہے۔ انصار کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی میّتوں کو لاکھوں آدمیوں کے علاوہ یورپ، امریکہ کے سائنسدانوں نے بھی دیکھا۔ اسلام کی سچائی کے اس زندہ ثبوت نے لوگوں پر ایسا اثر کیا کہ اس موقعہ پر موجود بہت سے یہودی اور نصرانی ایمان لے آئے اور یہ حقیقت سچی ثابت ہوئی کہ زندگی بھر اسلامی اصولوں پر عمل کرنے والے مرکر بھی زندہ ہوتے ہیں۔ اُن کے جسم اور جسم کے بال تک محفوظ تھے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

خُدا پر توکّل اور بھروسہ

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ طلاق ۳ ، خدا پر توکّل کرنے والوں کو خدا کافی ہے تفسیر وتشریح ، زندگی کی مشکلات و مصائب پر خدا توکّل سے اطمینان ہوتا ہے ، مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔
۲	توکّل کی تعریف، ترکِ عمل اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں	بھروسہ، سہارا ، خدا کی تقدیر پر راضی ہونا۔ سب دروازے چھوڑ کر خدا کا دروازہ پکڑے رہے کوششوں کے نتائج خدا کے حوالہ کرے۔ ہاتھ توڑ کر بیٹھے رہنا کہ خدا ہی کام سنوارے گا، خوراک پہنچائے گا، توکّل نہیں
۳	توکّل کی قر تاکید	آل عمران ، شاورھم فی الامر۔ الخ ، انبیاء کا توکّل حضرت ابراہیمؑ کا توکّل، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بھروسہ حضرت علیؓ کا واقعہ اور بھروسہ
۴	واقعات۔ خدا پر توکّل کے نتائج	مصر کا بادشاہ ۔ مالک بن دینار۔ اُمّ جعفر کے نابینا فقیر۔ حضرت شفیق بلخی رح
۵	بندوں پر بھروسہ نہ ہو	حضرت حبیب عجمی رح

Marfat.com

خدا پر توکل اور بھروسے کی اہمیت

آیت معہ ترجمہ

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ (سورہ طلاق ۳) جو شخص خدا سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لئے مصائب سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اُسے ایسے ایسے راستوں سے روزی دیتا ہے کہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے، اور جو خدا پہ توکل کرتے ہیں اور بھروسہ کرتے ہیں، خداوند تعالیٰ ان کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ارادے پہ پہنچ کر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

تفسیر و تشریح

انسان کو اپنی زندگی میں ہر قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ مشکلات و مصائب بھی آتے ہیں۔ دکھ اور رنج بھی پہنچتا ہے۔ دشمنی، حسد اور بغض سے بھی دوچار ہوتا ہے اور رزق کی تنگی بھی بسا اوقات پیش آتی ہے۔ زندگی کی ان تمام مشکلات اور صورتوں میں خداوند تعالیٰ نے ہمیں قرآن کے ذریعہ ایک ہی حل بتایا ہے کہ خدا پر ایمان لانے والا ایسے حالات میں حوصلہ ہارنے، ہمت چھوڑنے اور مایوس ہونے کی بجائے خدا سے ڈرے اور خدا پہ مکمل بھروسہ رکھے تو خداوند تعالیٰ اُس کی مشکلات کو آسان اور قابلِ برداشت بنا کر اُن سے نکلنے کے راستے خود بخود پیدا فرما دیتے ہیں اور خداوند تعالیٰ ایسے وسائل و اسباب سے رزق دیتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ خدا پہ مکمل بھروسہ اور توکل والوں کے لئے صرف خدا کا سہارا کافی ہوتا ہے، دوسرے سہاروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خداوند تعالیٰ اپنے ارادوں کو ضرور پورا کرتے ہیں، کوئی چیز یا قوت ان ارادوں کی تکمیل میں مانع نہیں ہوتی اور نہ رکاوٹ پیدا کر سکتی ہے۔

توکل کی تعریف

توکل کے معنی بھروسہ، آسرا اور سہارے کے ہیں۔ علماء کے نزدیک خدا کی تقدیر پہ راضی ہونا بھی توکل ہے۔ جیسا کہ خود قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ اور تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔ لہٰذا دنیا کی آزمائشوں اور تکلیفوں کو خدا کی تقدیر جان کر اُن پہ راضی ہو جانا توکل کی صورت ہے کہ خدا نے یقیناً کسی مصلحت اور حکمت کے تحت یہ حالات مقرر کئے ہوں گے۔ اس لئے اُسکی حکمت و مصلحت کے متعلق خوش گمانی اور رضامندی کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ توکل کی ایک صورت یہ بھی ہے اور یہ صورت بھی مندرجہ بالا تعریفوں کی وضاحت ہے کہ انسان سب دروازوں کو چھوڑ کر خدا کے دروازے سے ہی وابستہ رہے اور اپنی کسی حاجت کے لئے دوسرے سہارے اور دروازے نہ تلاش کرے۔

۲۔ اور یہ کہ انسان اپنی کوششوں اور مشکلات میں جدوجہد کے نتائج کو اور واقعات کے فیصلے کو خدا کے سپرد کر دے۔

Marfat.com

اسباب وعلل کے پردے اُٹھ جائیں اور ہر چیز خدا کے اختیار میں نظر آئے اور شدید سے شدید تر حالات میں مایوسی کا شکار نہ ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ توکّل اس یقین کا نام ہے کہ انسان اپنے لئے نفع کا حصول اور نقصان سے بچنے کا عقیدہ صرف اور صرف خدا سے وابستہ کردے۔ اپنی تدبیر اور اسباب پر بھروسہ نہ کرے اور اسباب کے ہوتے ہوئے بھی جو نفع ملے اسے خدا کی طرف سے سمجھے اور نقصان پہنچے تو اس کے دفعیہ کے لئے جو تدابیر اور وسائل اختیار کرے اُن پر انحصار نہ ہو۔

۳ - امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت ہوا کہ جو شخص ہاتھ توڑ کر اور کام چھوڑ کر بیٹھ جائے اور خیال کرے کہ خدا مجھے خود بغیر کسی محنت اور کام کے روزی دے گا تو کیا یہ توکّل ہوگا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا۔ نہیں یہ توکّل نہیں حماقت ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ النَّفْسَ لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا فاجملوا فی الطلب وتوکلوا علیه انّ الله یحب المتوکّلین۔ حضورؐ کا فرمان ہے "یہ الفاظ جبریل علیہ السّلام نے ان کے دل میں القاء کئے ہیں کہ کوئی نفس ذی روح۔ جو زندہ ہے۔ اس وقت تک اسے موت نہیں آتی جب تک وہ اپنا مقررہ رزق ختم نہ کرے گا۔ اس لئے اس مقررہ رزق کی تلاش اور طلب میں حلال راستے اختیار کرو اور پھر اپنی اس طلب اور تلاش کے نتائج کے سلسلہ میں خدا پر توکّل کرو۔ اللہ تعالےٰ ایسے توکّل والوں سے محبت کرتا ہے۔ اُن کی کوششوں کے نتائج انہیں ضرور دیتا ہے۔

توکّل کی قرآنی اور دینی اہمیت

سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ اے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی بھی کام کے سلسلہ میں آپس میں مشورہ کرو اور جب مشورہ کی رُو سے کسی تدبیر پر فیصلہ کرکے اس کا ارادہ کرلو تو پھر اُسے خدا پر توکّل کرکے کرگزرو۔ خداوند تعالیٰ توکّل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔ توکّل بے دست وپائی اور بے عملی کا نام نہیں ہے بلکہ پورے ارادے کے ساتھ کام انجام دے کر کامیابی کے لئے خدا پر بھروسے کا نام ہے۔ نتائج کی سپردگی خدا کے لئے کرنے کا نام ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ اور انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے طرزِ عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے دین کی سربلندی اور اپنے مشن اور مقصدِ بعثت کے لئے مقدور بھر سعی وکوشش کی ہے اور ان کے نتائج کو خدا کے سپرد کردیا۔ انہوں نے یہی کہا۔ اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ میں نے خدا پر توکّل کیا جو میرا اور آپ سب کا ربّ ہے۔ کامیابی اور ناکامی اسی کے اختیار میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جب آگِ نمرود میں ڈالا جا رہا تھا۔ آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کررہے تھے۔ بظاہر ان کے بچاؤ اور سلامتی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ عشق آگ میں کودنے پر آمادہ تھا اور عقلِ انسانی محوِ تماشائے لبِ بام تھی۔ بظاہر مایوسی، بے بسی وبے چارگی کا عالم تھا، مگر ایسے حالات میں بھی خدا پر توکّل اور بھروسے کا یہ عالم تھا کہ جبریلؑ اس آزمائش کی گھڑی میں آکر اپنی امداد کی پیشکش فرماتے ہیں۔ ابراہیمؑ اُن سے مدد نہیں لیتے جس پر جبریل علیہ السّلام خدا تک اس موقعہ پر امداد کا پیغام لینا چاہتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السّلام کے خدا پر بھروسے کی حالت نے یہ بھی گوارا نہ فرمایا۔ جبریلؑ سے فرماتے ہیں کہ تمہیں خدا سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ میرے حال سے واقف ہے کہ

دیکھ رہا ہے، کچھ کرنا ہُوا تو خود کرے گا۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے جو کچھ کیا ایسا کیا کہ آگ کے شعلے باغ کے پھول بن گئے آتش نمرود کو گلزار ابراہیمی میں بدل دیا ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا　　آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ایک با اختیار، قادرِ مطلق اور صاحبِ ارادہ خدا پر مکمل ایمان، اس پر بھروسے اور اُسے حاجت روا سمجھنا، کسی اور کو کارساز نہ سمجھنا توکّل کہلاتا ہے۔ جتنا کسی کا خدا پر ایمان زیادہ ہوگا اُتنا ہی اُسے کسی دوسرے پر بھروسہ نہ ہوگا۔ سورۂ احزاب پارہ ۲۲ آیت ۴۸ میں ارشاد ہے: وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلاً۔ اللہ پر توکّل کرو، وہی تمہارا کافی وکیل ہے۔ توکّل کا مطلب خدا کو اپنے معاملات کا وکیل بنانا ہے۔ وکیل سرپرست ہوتا ہے اور سرپرست وہی ہوتا ہے جو اپنے زیرِ سرپرستی فرد کے اچھے بُرے کا خیال رکھے اور نقصان سے بچائے۔

حضورؐ نے توکّل کی چار اقسام بتائی ہیں۔ مخلوق پر توکّل، خدا کے بندوں اور اس کی مخلوق کا سہارا ہو۔ جیسا کہ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں: "آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں کیا فکر ہے"، "آپ نہ کرتے تو یہ کام نہ ہوتا"، "آپ کا دیا کھاتے ہیں" وغیرہ۔ دوسری قسم اپنی دولت پر توکّل ہو۔ اپنی دولت، جائیداد کو کامیابی کا ذریعہ سمجھا جائے۔ دولت پر بھروسہ رکھے کہ اس کے ذریعہ کام بنتے ہیں جیسے "دام بنائے کام"، "دولت ہے تو سارے کام آسان ہیں"، "جیب میں پیسہ ہے تو سارے افسر جیب میں ہیں"۔ تیسری قسم اپنی ذات، اپنی ذہانت اور صلاحیت پر اعتبار اور بھروسہ، خود اعتمادی، خود انحصاری، میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا، میں خود ساختہ ہوں، SELF MADE وغیرہ۔ توکّل کی چوتھی قسم خدا پر مکمل بھروسہ و توکّل۔ یہ توکّل ہی پسندیدہ اور مضبوط توکّل ہے۔ ایسا شخص لالچی اور حریص نہیں ہوتا۔ کل کا دن رزق ساتھ لائے گا۔ انبیاءِ کرامؑ اور اولیاءِ عظامؒ اسی توکّل کے مالک رہے۔ حضورؐ کے واقعۂ ہجرت، بے سروسامانی، گھر بار چھوڑنا سب اسی توکّل کا کرشمہ تھا۔ غارِ ثور میں جب نہتے اور بے بس بیٹھے ہیں، دشمن غار کے منہ پر آ جاتا ہے، باتوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ابوبکرؓ پکڑے جانے کا خطرہ محسوس فرماتے ہیں تو حضورؐ فرماتے ہیں۔ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ ایسے حالات میں گھبراہٹ اور پریشانی کا شائبہ تک نہیں آتا اور کامل توکّل کا اظہار ہوتا ہے "گھبراؤ نہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

غزوہ نجد سے واپسی پر ایک مقام پر ٹھہرتے ہیں۔ حضورؐ ساتھیوں سے دُور ایک درخت کے سائے میں آرام کی خاطر لیٹ جاتے ہیں۔ تلوار درخت کی شاخ پر لٹکا دی جاتی ہے۔ بدّو قتل کے ارادہ سے دبے پاؤں آتا ہے۔ حضورؐ کی تلوار ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ حضورؐ جاگ جاتے ہیں۔ بدّو تلوار تول کر کہتا ہے: "اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟" حضورؐ نہایت اطمینان سے فرماتے ہیں۔ اللہ۔ اس نام کے سنتے ہی بدو کے ہاتھ سے تلوار گر پڑتی ہے۔ وہ تھر تھر کانپتا ہے۔ اب اس کی اپنی جان حضورؐ کے رحم و کرم پر ہے۔ حضورؐ کی سیرت و اخلاق پر قربان جائیے کہ وہ اپنے سر کے قاتل پر پورا قابو رکھتے ہوئے بھی معاف فرما دیتے ہیں۔

یہودی عورت کھانے میں زہر ملا دیتی ہے۔ کھانا کھلاتی ہے۔ حضورؐ کو پتہ چل جاتا ہے۔ عورت سے پوچھتے ہیں۔ تم نے یہ کیوں کیا؟ کہتی ہے، آپؐ کے قتل کے ارادے سے۔ آپؐ اس دشمنِ جان کو معاف فرماتے ہیں۔ یہ سب خدا پر بھروسے

Marfat.com

اور توکّل کا نتیجہ ہے۔ وَمَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَی اللہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ جو بھی خدا پہ توکّل کرے خدا اس کے لئے کافی ہے۔ اُحد اور حنین میں ایسا موقعہ آیا کہ جاں نثاروں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اس موقعہ پہ فرمایا۔ اگر تم خدا پر توکل کرتے جیسا توکّل کا حق ہے تو ایسا نہ کرتے۔ خدا تمہیں ایسے روزی دیتا جیسے پرندوں کو، جو صبح بھُوکے اُڑتے ہیں تو شام کو سیر ہو کر آتے ہیں۔ (ترمذی)

توکّل ترکِ عمل اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں۔ معمولی جاندار چیزیں بھی اپنی روزی کی تلاش اور بہم رسانی میں لگی رہتی ہیں۔ پرندوں کو پَر دے کر روزی کی تلاش کا وسیلہ دیا۔ چیونٹیوں کو قوتِ شامہ کی وہ خاصیت دی کہ جہاں اُن کی روزی کا سامان ہوتا ہے انہیں اُس کی خبر ہو جاتی ہے اور پورے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ جاتی ہیں اور پھر تسلسل اور نظم کے ساتھ اسے اپنے مقام تک پہنچا دیتی ہیں۔ گوبریلے اپنی خوراک پہ پہنچ جاتے ہیں اور مکھیاں جن کا نام ونشان بھی اپنے رزق کی موجودگی سے پہلے نہیں ہوتا مگر جب موجود ہوتا ہے تو نہ جانے کہاں سے اور کیسے خبر پا کر جمع ہو جاتی ہیں۔ زمین پہ رینگنے والے کیڑوں تک کی روزی خدا کے ذمّہ ہے۔ ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا۔ کوئی بھی ایسا جاندار زمین پر نہیں جسے اللہ رزق نہ پہنچاتا ہو۔

ایک بدوی اُونٹ پہ سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، تو پوچھا۔ اگر میں اپنے اُونٹ کو کھلا چھوڑ کر خدا پہ توکّل کر بیٹھوں تو میرا اونٹ گم تو نہ ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم اُس کے گم نہ ہونے کی اختیاری تدبیر کر کے خدا پر توکّل کرو یعنی اُس کا گھٹنا باندھ لو۔ (ترمذی)

گفت پیغمبر بآوازِ بلند بر توکّل زانوئے اشتر بہ بند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُونٹ کا گھٹنا باندھ کر توکّل کرو۔

واقعات وامثال

۱۔ حضرت علیؓ کے متعلق اُن کے رفیقِ خاص یحییٰ بن مرّہ کی روایت ہے کہ ہم حالات کی ناسازگاری کے باعث حضرت علیؓ کی حفاظت کرتے، پہرہ دیتے رہتے۔ وہ جب مسجد میں دیر تک نوافل میں مصروف ہوتے ہم نگرانی پر مامور ہوتے۔ ایک دن وہ شام کو دیر سے نوافل پڑھ کر باہر آئے ہم حسبِ معمول کھڑے تھے۔ فرمایا کیوں کھڑے ہو؟ عرض کیا: حالات نازک اور ناسازگار ہیں، آپ کی حفاظت کے خیال سے کھڑے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا۔ آپ آسمان والے کی طرف سے میری حفاظت کر رہے ہیں یا زمین والوں کی طرف سے کسی اندیشے اور نقصان کی خاطر حفاظت کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا۔ آسمان کی طرف سے آنے والی مصیبت کا بچاؤ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے، ہم ایسا زمین کی طرف سے کسی اندیشے اور خطرے کے تحت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو پھر جاؤ، زمین والے اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتے جب آسمان والا اس کا فیصلہ نہ کرے۔ پھر فرمایا۔ ہر شخص پہ دو حفاظتی فرشتے مامور ہوتے ہیں۔ جب تقدیر نازل ہوتی ہے یعنی آسمانی فیصلے کے مطابق اس شخص کے بارے میں کسی تکلیف، مصیبت یا موت کا فیصلہ ہوتا ہے تو فرشتے اُٹھا لئے جاتے ہیں۔

۲۔ مصر کا ایک شخص بہت زیادہ مقروض ہو گیا اور قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نہ رہی تو قرض خواہوں کے مطالبات اور شرمندگی سے بچنے کے لئے بھاگ کر کوفہ چلا گیا۔ وہاں خدا کی یاد اور فریاد میں مصروف ہو گیا اور التجا کرتا، الٰہی میری مشکل آسان

Marfat.com

بنا دے۔ ایک دن اسی طرح رو رو کر فریاد کرنے کے بعد سو گیا تو ایک شخص نے آکر جگا دیا اور تین ہزار اشرفیاں دے کر کہا۔ مجھے خواب میں حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہاری امداد کروں۔ یہ اشرفیاں لو اور اپنی ضرورت پوری کرو۔ وہ اشرفیاں لے کر وطن آیا، قرضہ ادا کیا۔ باقی رقم سے کاروبار شروع کیا۔ پھر مرتے دم تک نہ مقروض ہوا نہ محتاج۔

۳۔ مالک بن دینارؒ کا واقعہ ہے کہ وہ حج پہ جا رہے تھے۔ سفر کے دوران دیکھا کہ ایک کوّا منہ میں روٹیاں پکڑے جا رہا ہے۔ انہیں تجسس ہوا کہ خلاف عادت کوا یہ روٹیاں کہاں لے جا رہا ہے، کیونکہ کوّے کی یہ عادت نہیں ہوتی کہ خوراک منہ میں دبا کر دُور لے جائے۔ آپ اس کے پیچھے چلے۔ دیکھا تو کوّے نے روٹیاں ایسے آدمی کے سامنے رکھ دیں جس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ مالک بن دینارؒ نے سبب پوچھا تو اُس شخص نے کہا۔ میں حج پہ جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں نے میرا مال واسباب لوٹ لیا اور مجھے باندھ کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کوّے کو میری خوراک پہ مامور فرما دیا ہے۔ آپ نے اُس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور ساتھ حج پہ لے گئے۔ اس غیبی امداد اور غائبانہ رزق کی مثالوں کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آدمی ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے، یہ بتانا مقصود ہے کہ خدا پہ کامل یقین ہو، اُس کی ذات پہ مکمل بھروسہ اور توکّل ہو تو ایسی بے بسی و بے چارگی میں خدا اپنے بندوں کی ضرور مدد کرتا ہے، اُس کا لکھا ہوا رزق ضرور مل کر رہتا ہے۔ اس کے لئے وسائل و اسباب بھی خداوند تعالیٰ خود پیدا فرما دیتے ہیں۔ ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔ جو لوگ خدا کا خوف رکھیں نیکوکار و پرہیزگار ہوں خدا پہ مکمل ایمان اور توکّل والے ہوں تو خدا خود اُن کے لئے رزق کے راستے کھول دیتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے ؎

کُن توکّل بر خدا ہر صبح و شام ۔۔۔ اُو رساند رزق تو از لامقام (مولانا رومؒ)

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید کے حکم پر سپاہیوں نے چند رہزنوں کو پکڑا۔ ان میں سے ایک موقع پا کر بھاگ گیا۔ سپاہیوں نے گنتی برابر کرنے کے لئے کسی غریب اور بے گناہ آدمی کو دھر لیا اور سب کو جیل میں ڈال دیا۔ باقی رہزن اور مجرم بااختیار لوگوں کی سفارش یا رشوت پر رہا ہو گئے۔ وہ بے گناہ، نامعلوم اور گمنام تھا، جیل میں پڑا رہا۔ آخر اُس نے خداوند تعالیٰ کے نام خط لکھا کہ ۔۔ الٰہی! ایک عبد ذلیل ربِّ جلیل سے درخواست کرتا ہے کہ جن کی سفارش تھی وہ رہائی پا گئے۔ میں کیا کروں، تیرے سوا میرا کون ہے نہ مددگار نہ سفارشی۔ مجھے تُو ہی اس ناکردہ گناہ کی سزا سے رہائی دلا دے ۔۔ یہ رقعہ داروغہ جیل کو دیا کہ جیل سے باہر ہوا میں اُڑا دیا جائے۔ اسی رات ہارون الرشید کو خواب میں حکم ہوا کہ اس غریب کو رہا کر دو۔ ہارون الرشید نے نہ صرف رہائی دلائی بلکہ دس ہزار درہم، دس گھوڑے اور دس جوڑے کپڑے بھی دے کر اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا۔ مولانا رومؒ نے ایسی واقعہ کو نظم کیا ہے ؎

گر رسد بر تو مصیبت شکر کُن ۔۔۔ بر توکّل باش راضی صبر کُن

پس کُند حق بر تو نعمت و کرم ۔۔۔ ہم رہا و ہم عطا و ہم درہم

اگر تم پہ کوئی مصیبت آجائے تو تُو اس پہ خدا کا شکر کر، توکّل اختیار کر اور خدا کی لائی ہوئی مصیبت پر صبر کر، پھر خدا تم پر اپنی نعمت اور بخشش کرے گا، مصیبت سے رہا بھی کرے گا، مہربانی بھی کرے گا اور درہم بھی دلائے گا۔

Marfat.com

۴۔ اُمّ جعفر انتہائی مالدار خاتون تھیں اور فیاض بھی تھیں۔ لوگ اس کے راستے میں بیٹھتے، وہ کسی کا سوال ردّ نہ کرتی تھیں۔ ان کے حاجتمندوں میں دو اندھے فقیر بھی تھے۔ جب وہ راستہ سے گزرتی تو ایک فقیر آواز دیتا۔ "الٰہی! اپنے فضل وکرم سے روزی دے دے"۔ اُمّ جعفر اسے دو درہم دے دیا کرتی۔ دوسرا اندھا فقیر خوشامدی قسم کا تھا، وہ کہتا۔ اُمّ جعفر کا بچا ہوا مجھے مل جائے۔ اُمّ جعفر اس خوشامدی پر زیادہ التفات فرماتی۔ وہ اسے بھُنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دے دیتی۔ یہ اندھا فقیر اندھے پن کی وجہ سے مرغی میں دینار دیکھے بغیر مرغی دوسرے اندھے کو دو درہم میں بیچ دیتا۔ اسے دولت کا لالچ تھا پہلا اندھا مرغی حاصل کرتا تو درہم بھی پالیتا اور دوسرے فقیر سے اس کا ذکر نہ کرتا۔ دس دنوں بعد اُمّ جعفر نے اپنے خوشامدی اندھے سے پوچھا۔ میں نے ان دس دنوں میں تجھے سو دینار اور دس بھُنی ہوئی مرغیاں بھیجی ہیں، تم نے ان کا کیا کیا؟ اُس نے کہا۔ مجھے مرغی میں دس دیناروں کا علم نہ تھا۔ میں مرغی کو دوسرے اندھے پہ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔ اُمّ جعفر کی خوشامد کرنے والے کو خدا نے بھُنی ہوئی مرغیوں اور سو دینار سے محروم رکھا۔ دوسروں کی خوشامد کرنے والے لالچی اور حریص ایسے ہی محروم رہتے ہیں اور خدا کے تعلق والوں کو خدا وہم وگمان میں نہ آنے والے ذرائع سے یوں نواز دیتا ہے کہ دوسرے کے منہ کا نوالہ انہیں کھلا دیتا ہے۔

حضرت شفیق بلخیؒ نے عجیب نصیحت فرمائی ہے کہ کسی کو یار بنانا ہو تو خدا کافی ہے۔ ہمسفری وہمراہی چاہتے ہو تو خدا پہ یقین کافی ہے۔ مونس وہمدرد چاہتے ہو تو قرآن کافی ہے۔ کام چاہتے ہو تو عبادت بہترین اور کافی کام ہے۔ وعظ ونصیحت چاہتے ہو تو روزانہ مرنے والوں کی موت کو نصیحت اور وعظ سمجھو، اگر یہ سب چیزیں کسی کو پسند نہیں ہیں تو پھر اس کے لئے دوزخ کافی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تجارت کی غرض سے ترکستان گئے۔ وہاں ایک بُت پرست کو دیکھا کہ بے جان بُت کی پرستش میں لگا ہُوا ہے، آہ وزاری کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا پیدا کرنے والا زندہ وقادر ہے، تجھے شرم نہیں آتی بے جان بُت کے سامنے رو رہا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ کچھ دے سکتا ہے۔ اُس نے کہا۔ اگر وہ خدا ایسا ہی ہے، جیسا تمہارا عقیدہ ہے تو کیا وہ اس بات پہ قادر نہیں کہ تمہیں تمہارے شہر میں روزی دے دے تاکہ تُو اس آوارہ گردی سے بچ جائے جو روزی کے لئے مارے مارے پھرتے ہو۔ تم دولت کی ہوس میں ہو۔ (اگرچہ بت پرست کی یہ منطق خود خدا کی ہدایات کے منافی ہے) مگر شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے متوکل اور خدا رسیدہ لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت تھا سورۂ جمعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں منتشر ہو کر خدا کے فضل رزقِ حلال کی تلاش میں لگ جاؤ۔

جُلّن جاٹ پنجاب کا مشہور عارف شخص گزرا ہے۔ جس کی اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی۔ جب وہ جوان ہوئی تو اُس کی بیوی نے مجبور کیا کہ لڑکی کی شادی کے لئے قریبی قصبہ میں ایک پنڈت سے شبھ لگن "ساعت سعید" دریافت کرو تاکہ اس میں اس کی شادی کردی جائے۔ بیوی کے اصرار پہ جُلّن اس قصبہ میں پہنچا تو دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں اور ایک گھر سے رونے دھونے کی آواز آرہی ہے۔ پوچھنے پر اُسے بتایا گیا کہ یہاں کے ایک مشہور حکیم کا اکلوتا لڑکا فوت ہوگیا ہے جُلّن

Marfat.com

حیران ہوا کہ جو حکیم زندگی سے مایوس مریضوں کو شفا بخش دیتا تھا وہ اپنے اکلوتے لڑکے کو موت سے کیوں نہ بچا سکا۔ اسی سوچ بچار میں وہ اس پنڈت کے ہاں پہنچا تو معلوم ہوا پنڈت جی معمول کے مطابق "اشنان" نہانے گئے ہوئے ہیں۔ اس کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ انتظار کے دوران دو چار بچے کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ جلّن نے بچوں کے بارہ میں پوچھا تو بتایا گیا کہ پنڈت جی کے نواسے ہیں، ان کی جوان بیٹی جوانی میں بیوہ ہو گئی ہے۔ اب وہ بچوں سمیت باپ کے ہاں مقیم ہے۔ جلّن حیران ہوا کہ جو پنڈت اپنی بیٹی کا شبھ لگن اور شگون نہ معلوم کر سکا وہ میری بیٹی کی خوش بخت ساعت اور نیک گھڑی کیا بتائے گا۔ چنانچہ واپسی کا فیصلہ کر کے روانہ ہوا ہی تھا کہ پنڈت جی آتا دکھائی دیا۔ پنڈت نے یوں مایوس اور مطلب بتائے بغیر واپسی کا سبب پوچھا۔ جلّن نے کہا۔ جس مطلب کے لئے میں آیا تھا وہ حل ہو گیا۔ اب آپ کو بتانا بے سود ہے۔ پھر پنڈت جی کو سارا واقعہ سنایا۔ حکیم کے بیٹے کی وفات اور پنڈت کی بیٹی کی بیوگی کا تأثر لے کے گھر کی راہ لی۔ اُس نے ہندی کا یہ دوہا اسی واقعہ پر لکھا۔

بیدوں[1] کے گھر پیٹنا برہمنوں کے گھر رنڈ[2] مُڑ چل گھر کو جلّنا اور ساہا[3] کر نسنگ[4]

حکیموں اور طبیبوں کے گھر موت پہ بین اور رونا ہے اور برہمن پنڈت جو لوگوں کو نیک شگون اور اچھی فال بتاتے ہیں، ان کی بیٹی بیوہ ہے جلّنا بہتر ہے کہ گھر چل اور اپنی بیٹی کی شادی بے دھڑک کر دے کسی پہ بھروسہ نہ رکھ۔ اسی مضمون کو فارسی میں کسی نے یُوں ادا کیا ہے۔

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار گر کسے گوید کہ من دانم ازو باور مدار

مصطفےٰ ہرگز نگفتہ تا نگفتا جبرئیل جبرئیلش ہم نگفتہ تا نگفتا کردگار

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کی وفات کا وقت آیا تو اپنا تمام مال درویشوں میں بانٹ دیا۔ ایک مخلص آپ کے سرہانے بیٹھا تھا، اُس نے کہا۔ آپ کی تین بیٹیاں ہیں، آپ وفات پا رہے ہیں، اُن کے لئے بھی کچھ چھوڑ دیجئے۔ آپ نے اُن کے لئے کیا تدبیر کی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ هُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِين یعنی صالح لوگوں کا کارساز وہی اللہ ہے جب کسی کا کارساز اللہ ہو وہاں عبداللہ کی کیا ضرورت ہے؟

حضرت شفیق بلخیؒ نے بلخ میں شدید قحط سالی کے دوران کہ "لوگ ایک دوسرے کو کھانے پہ مجبور تھے"، ایک غلام کو دیکھا کہ نہایت خوشحال ہے۔ آپ نے پوچھا کہ ان دنوں جبکہ سارے لوگ پریشان اور غمزدہ ہیں، تمہاری خوشی و مسرت کا سبب کیا ہے؟ غلام نے بے فکری و بے پرواہی سے کہا۔ مجھے کیا غم ہے۔ میں جس شخص کا غلام ہوں اس کے بہت سے گاؤں ہیں، جاگیریں ہیں اور بکثرت غلّہ گھر میں جمع ہے۔ اس کے ہاں غلامی میں کیسے بھوکا رہ سکتا ہوں۔ یہ سن کر آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور کہا۔ یہ غلام اپنے مالک کے چند غلّے کے گوداموں پر اس قدر بے فکر اور بے پرواہ ہے تو میں اپنے مالک الملک کی غلامی پہ کیوں نہ بھروسہ کروں جو ہمیشہ روزی دینے والا ہے اور جس کے رزق کا کوئی حساب نہیں۔ اسی دن سے آپ

۱۔ بید، حکیم ۲۔ رنڈ، بیوہ ۳۔ ساہا، شادی ۴۔ نسنگ، بے دھڑک

کا توکّل ایسا بڑھا کہ حدِکمال تک پہنچ گئے اور اکثر فرماتے۔ میں اس سلسلہ میں ایک غلام کا شاگرد ہوں۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا ویرزقہُ من حیث لا یحتسب ومن یتوکّل علی اللہ فھو حسبہ ۔ جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے رزق کے راستے کھول دیتا ہے اور اتنا دیتا ہے کہ کوئی حساب نہیں ہوتا اور جو اللہ پہ توکل کرتے ہیں اللہ ان کے لئے کافی ہوتا ہے۔

حضرت حبیب عجمیؒ ایک دفعہ کہیں جارہے تھے کہ نماز کے لئے وضو بنانے قریبی پانی پہ گئے اور اپنی پوستین وہیں راستے پہ رکھ دی ـــــ اسی وقت پیچھے حسن بصریؒ تشریف لائے۔ آپ کی پوستین پہچان کر کھڑے ہو گئے تاکہ کوئی گزرنے والا لے نہ جائے۔ حضرت حبیب عجمیؒ واپس ہوئے۔ حضرت حسن بصری کو کھڑے دیکھا۔ سلام دعا ہوئی تو حضرت حسن بصریؒ سے فرمایا۔ خیر تو ہے آپ کیوں کھڑے ہیں؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا۔ اس خیال سے ٹھہر گیا کہ کوئی آپ کی پوستین نہ لے جائے آپ نے کس کے بھروسے اسے راستہ میں چھوڑ دیا، کوئی راہ گزرتا لے جاتا تو ـــ؟ حضرت حبیب عجمیؒ نے فرمایا۔ اُس کے بھروسے چھوڑی تھی جس نے آپ کو اس کی حفاظت پر مامور فرمایا ہے۔

کہتے ہیں کوئی شخص جنگل میں اپنی بھیڑیں چرتی چھوڑ کر کسی کام سے شہر آگیا۔ اتفاق سے بھائی مل گیا۔ جس نے پوچھا۔ تم یہاں پھر رہے ہو اور بھیڑوں کو جنگل میں چھوڑ آئے کس کے حوالے کی ہیں۔ اس نے کہا۔ میں توکّل بر خدا چھوڑ آیا ہوں۔ بڑے بھائی نے کہا۔ تم نے غلطی کی ہے، ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ چھوٹے بھائی نے کہا۔ کمال ہے تم خدا پہ توکّل کرنے کو غلطی کہتے ہو۔ یہ خدا کی شان میں بے ادبی ہے۔ بڑے بھائی نے کہا۔ بدبخت جنگل میں بھیڑیئے بھی خدا کے توکّل پہ پھر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے خدا نے تمہاری غفلت کو ان بھیڑیوں کی روزی کا سبب بنا دیا ہو۔ تم نے توکّل کا مطلب غلط سمجھا ہے۔ توکّل اختیار کرتے وقت مناسب تدبیر کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ حفاظت کی کسی تدبیر اور امکانی کوشش کے بغیر توکّل کرنا بڑی حماقت ہے۔ توکّل کے لئے خدا نے انسانی سعی وکوشش کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ کیا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ نہیں فرمایا۔ اُونٹ کو خدا کے توکّل اور بھروسے پہ چھوڑنے سے پہلے اس کا گھٹنا باندھ لو۔ بر توکّل زانوئے اشتر بہ بند ۔ وما علینا الا البلاغ ۔

حصہ دوم۔ دوسرا باب

انسان کے معاشرتی وسماجی اوصاف

قرآن کریم
کے
پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

پروفیسر قاضی حلیم فضلی
شیر گڑھ، مانسہرہ
ہزارہ

Marfat.com

حصّہ دوم - دوسرا باب
حقوق و فرائض

قرآن کریم کے پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

نمبر شمار	موضوع	صفحات
۱	انسانی جان کی حرمت اور حق	۱۶۹
۲	انسانی حقوق کی اہمیّت	۱۷۹
۳	انسانی مساوات اور اسلام	۱۸۹
۴	صلۂ رحمی، رشتہ داروں کے حقوق	۱۹۹
۵	اسلام کا نظام عدل و انصاف	۲۰۹
۶	تعلیمات اسلامی میں احسان کی اہمیت	۲۱۹
۷	یتیموں اور بیواؤں کے حقوق	۲۲۹
۸	دوستی کے آداب و حقوق	۲۳۷
۹	تاجر اور خریدار کے حقوق	۲۴۷
۱۰	تجارت کے اصول	۲۵۷

Marfat.com

انسانی جان کی حرمت، قتل خونریزی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت سورہ فرقان	خدا کا محبوب اور پسندیدہ بندہ بننے کی اہمیت۔ مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ کسی بھی کنبے کا سربراہ اپنی اولاد کو لڑتا جھگڑتا اور قتل و خونریزی کرنا پسند نہیں کرتا ۔
۲	تخلیقِ آدم کے موقعہ پر فرشتوں کا اندیشۂ فساد	بندگی کے لئے ہم کافی ہیں۔ انسان زمین پر فساد پھیلائے گا۔ اتجعل فیہا من یفسد فیہا۔ قتل کا پہلا اقدام۔ عمر بھر کی ذلت پشیمانی ۔ نوعِ انسانی کی بقا عدم تشدد و عدم قتل پر ہے
۳	قتل حق کی صورتیں	(۱) کسی کو قتل کیا ہو تو اس کا قتل حق ہے (۲) دین کے راستہ میں رکاوٹ پر جہاد اور قتل جائز ہے (۳) اسلامی حکومت کا باغی اور فسادی ۔ حضورؐ نے مزید دو صورتوں کا جائز اضافہ فرمایا (۴) زناکار مرد اور عورت ۔ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے۔ ان صورتوں کے بغیر سزا کی آیات اور احادیث بنی اسرائیل
۴	(۱) ان صورتوں کے بغیر سزاؤں کا تعین اور احکامات۔ خدا کے قوانین کا منشا	طویل خاندانی دشمنیوں میں جانی و مالی پریشانیوں سے بچنے کی صورت ہے۔ معافی کو ترجیح دی گئی۔ قاتل کو بغیر ورثا کی اجازت یا خون بہا کے چھوڑنے کے معاشرتی نقصانات

قتل، خونریزی

آیت معہ ترجمہ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ بندے کسی بھی ذی رُوح کو ناحق قتل نہیں کرتے۔

تفسیر و تشریح یہ آیت سورۃ الفرقان کی اُن چھ آیات میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں بلکہ پسندیدہ اور محبوب بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کی وجہ سے ایسے صفات و اخلاق کے حامل افراد کو خداوند تعالیٰ پسند ہی نہیں فرماتے بلکہ انہیں محبوب گردانتے ہیں۔ ان صفات میں کچھ ایسی صفات ہیں

________ انہیں اپنے اندر پیدا کرنے اور اپنانے کا حکم دیا ہے وہ اوامر کہلاتی ہیں، دوسرے لفظوں میں وہ مثبت صفات ہیں۔ ان کی تفصیل ان تمام اخلاق و صفات کی ذیل میں اکھٹی آئیں گی۔ یہاں اس کتاب اور فہرست میں اخلاقِ رذیلہ اور بری صفات و عادات کی تفصیل ہے جو اسلام اور قرآن کریم کی روشنی میں نہ صرف خدا کے نزدیک ناپسندیدہ اور نامحمود صفات ہیں بلکہ انسانی سوسائٹی، انسانی معاشرے، خاندان تمدن اور گھروں کے علاوہ خود انسان کے حق میں بھی ذاتی طور پر تباہی و بربادی کا موجب ہیں۔ اسی لئے ان سے روکا گیا ہے۔

گذشتہ اوراق میں بیان کی گئی ان اخلاقی برائیوں میں سے سب سے بڑی برائی قتل ناحق بھی ہے۔ جیسے دوسری تمام اخلاقی برائیوں کی طرح نہ صرف خداوند تعالیٰ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ________ ناپسند فرمایا ہے بلکہ قتلِ ناحق بھی انسانی معاشرے اور خود انسان کی ذات اور خاندان کے لئے انتہائی مہلک مضر اور تباہ کن ہے۔

خدا کی پسندیدگی کی اہمیت قتل ناحق کی اخلاقی برائی پر اظہار سے پہلے کسی انسان کو خدا کے ہاں محبوبیت اور پسندیدگی کا درجہ ملنا اور خداوند تعالیٰ کا اسے اپنا محبوب گردانا کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے سب سے پہلے سمجھنا ضروری ہے تاکہ ہم خدا کے محبوب بندوں میں شامل ہونے کی کوشش کریں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہر انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی بندگی کرنا، اس کی خوشنودی و رضامندی حاصل کرنا ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں کچھ ایسے طریقے اور راستے بتائے ہیں جنہیں اختیار کر کے ہم خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان طریقوں میں سے خدا کا ذکر کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، حج کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے، جن کے ذریعہ ہم اس کی بندگی کرتے ہیں، اُس کی کبریائی و بڑائی کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر عبادات کے یہ طریقے صرف خدا اور بندے کے تعلق کو مضبوط بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے بھی اس کے بندوں پر حقوق ہیں، جنہیں حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چونکہ یہ ساری کائنات اور مخلوق خدا نے پیدا کی ہے۔ اس اعتبار

Marfat.com

سے یہ ساری مخلوقات خدا تعالیٰ کا گھرانہ اور کنبہ ہے۔ جس طرح گھر کا سربراہ اور خاندان کا کوئی بڑا اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ اس کے کنبے اور خاندان کے لوگ آپ میں لڑتے جھگڑتے ہوں، دشمنیاں اور نفرتیں رکھے ہوئے ہوں، ایک دوسرے کو مارتے مرواتے ہوں، گالی گلوچ اور بدگوئی اور بدکلامی سے پیش آتے ہوں، ایک دوسرے کا حق مارتے ہوں۔ ایک دوسرے کے خلاف ظلم و زیادتی کرتے ہوں اور اس طرح اپنے ہی رہنے بسنے والے گھر کو آرام و سکون، خوشی و خوشحالی کا ٹھکانہ بنانے کی بجائے فتنہ و فساد اور دشمنیوں کی آگ میں جلانا شروع کر دیں۔ قتل و غارت گری کی آماجگاہ بنا دیں تو جہاں اُس گھر، خاندان اور کنبے کے افراد ہراساں اور پریشان زندگی گزاریں گے۔ ان کا سکھ، آرام تباہ ہوگا اور وہ گھر بدنظمی و انتشار کا شکار ہوگا، وہاں اس کنبے کے سربراہ کی بدنامی بھی یقینی طور پر ہوگی، اسے ضرور کنبے کے افراد پر غصہ آئے گا۔ وہ ایسے گھر اور کنبے سے محبت نہ کرے گا جو اس کی نصیحت کو نہ ماننے اور اس کی تابعداری اختیار نہ کرے۔ اس کا بس چلے گا تو ایسے خاندان کے ہر فرد کو سزا دے گا، انہیں عاق کر کے اپنے نسبی و نسلی تعلق سے کاٹے گا۔ وراثت سے محروم کرے گا اور گھر سے نکال دے گا اور گھر سے نکال کر مکان، جائیداد وغیرہ سے انہیں محروم کر دے گا۔

یہی حالت اور یہی نقشہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ اُس کی مخلوق کا بھی ہے۔ اُس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے اسے اپنی بندگی اور اطاعت کا حکم دیا، اپنی مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کے طریقے بتائے۔ ایک دوسرے کے حقوق مقرر فرمائے تاکہ ان کی ادائیگی اور بجاآوری سے ان کی زندگی امن و آشتی اور باہمی پیار و محبت سے گزرے اور ہر اُس کام اور عمل سے منع فرمایا جو دوسروں کے لئے تکلیف اور اذیّت کا موجب بنے اور اسی لئے ہماری ہر وہ بات اور عمل اللہ کو ناپسند ہے جو دوسروں کی تکلیف کا سبب بن کر اس کے اس کنبے اور کائنات کے اس گھر کو فتنوں اور فساد کا گہوارہ بنا دے۔

تخلیقِ آدم پر فرشتوں کی پیش گوئی

جب خداوند تعالیٰ نے زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب۔ آدمؑ۔ کو پیدا کرنے کا اظہار فرشتوں سے کیا تو انہوں نے اسی اندیشے اور خطرے کا خیال کر کے کہا تھا: قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا۔ آپ اس زمین پر ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتے ہیں جو وہاں فساد برپا کرے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ خداوند تعالیٰ کو فرشتوں کی نری حمد و تسبیح ہی مقصود نہ تھی کہ وہ کام تو فرشتے کر رہے تھے بلکہ اس کائنات پر معرکۂ خیر و شر برپا کر کے انسانوں سے جذبۂ خیر و فلاح کی آزمائش مقصود تھی کہ کون اس معرکۂ خیر و شر میں اپنے ازلی دشمن ابلیس کے لشکر کا سپاہی بنتا ہے اور کون فرشتوں کی خدائی احکامات و تعلیمات پر کاربند ہو کر الٰہی، ملکوتی اور مصطفوی قوتوں کا ساتھ دیتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی کے ساتھ ہی اس کی فطرت میں فسق و فجور اور تقویٰ کی تمیز رکھ دی کہ کون ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر فسق و فجور کا راستہ اختیار کر کے خائب و خاسر بنتا ہے اور کون تقویٰ کی راہ اختیار کر کے اپنے نفس کو پاک کرتے ہوئے کامرانی و کامیابی کی منزلوں تک لے جاتا ہے۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔ انسانی فطرت میں فجور اور تقویٰ دونوں کا الہام کر دیا کہ کون خود کو پاک کر کے فلاح پاتا ہے

Marfat.com

۲۔ رمضان شریف

پھر رمضان شریف کو لے لیجئے۔ ایک ہی مہینہ ہے جس میں تمام دنیا کے مسلمان بلاتمیز رنگ و نسل شریک ہوتے ہیں۔ اوقات کے جغرافیائی فرق کے سوا سب اسی دن رات اور طلوع و غروب کے پابند ہیں۔ فدیہ کی رعایت جو صاحب استطاعت کو حاصل تھی ۔۔ لی گئی۔ اب صاحب توفیق اور غریب سب ایک روزہ رکھنے کی پابندی میں شریک کر دیئے۔ مسافر، معذور، بیمار جس طبقے کا ہو، سب کے لیئے ایک جیسی رعایت، روزہ کی قضا سب پر لازم۔

۳۔ حج

اس کے بعد اس عبادت کو لے لیں جو تمام دنیا کے بسنے والے مسلمانوں پر فرض ہوتی ہے۔ اس میں بھی غریبوں کو اس میں شریک ہونے کی رعایت ہے، اور نہ ہر ملک و قوم اور ہر رنگ و نسل کے مسلمانوں کا ایک مرکز میں سالانہ اجتماعی طور پر ارکان حج کی ادائیگی مساوات کی ایسی مثال ہے جسے دوسرا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ ایک ہی خدا کے گھر کے گرد، ایک جیسے لباس، ایک ہی نعرہ مجنونانہ لبیک اللھم لبیک لا شریک لک۔ سب کی زبان پر، ایک ہی جیسی حالت میں منیٰ ہو کہ عرفات، قربانی ہو یا شیطان کی رمی جمار، ایک جیسا عمل، ایک جیسی گردش طواف، کوئی تفریق نہیں، کوئی امتیاز نہیں، کوئی جداگانہ و امتیازانہ سلوک نہیں، ہٹو بچو نہیں، باادب با ملاحظہ ہوشیار باش کی صدائیں نہیں، سب درخواست گزار ہیں تو ایک ہی بالا و برتر ذات کے سامنے، آنسوؤں کے نذرانے ہیں، فریادوں سسکیوں اور سرگوشیوں کے سلسلے ہیں۔ نگاہیں جھکی ہوئی، سر برہنہ و پا برہنہ، فقیرانہ سوالی لباس ہے۔ مالداروں، سربراہوں، وزیروں، شاہوں، رئیسوں، سیٹھوں کے لئے جداگانہ اوقات نہیں، بھیڑ سے بچنے کے امکانات و انتظامات نہیں ۔۔۔ اگر کسی نے کیئے ہیں تو ذاتی طور پر خدا کا حکم توڑ کر کئے ہیں۔ زمزم سب کا ایک، حجر اسود کے بوسے سب کے لئے، صفا مروہ کے چکر میں سب شریک، مزدلفہ کی رات کا قیام کھلے آسمان تلے زمین کے فرش پر، کنکریوں کی جمع آوری اور کرید ۔۔ یہ ساری مصروفیت چند روزہ ہے، مگر ان مناسک اور ارکان حج کی ادائیگی میں کوئی تخصیص کسی کے لئے نہیں ہوتی۔ اسلامی تعلیمات، احکامات اور عبادات میں مساوات کا اس سے زیادہ مؤثر اور خوش کن منظر کسی مذہب کسی دوسری قوم اور کسی دوسرے ملکوں کے تہواروں میں نظر نہیں آتا اور پھر اسی حج کے دوران ایام جاہلیت میں جو خاندانی غرور اور نسلی تفاخر کے جو بیان ہوا کرتے تھے اس [illegible] تے انہیں سختی سے منع کر کے صرف ایک اللہ کی کبریائی، بڑائی اور بزرگی کے ذکر پر زور دیا جو آج تک اسی طرح ہے

موت میں مساوات

پیدائش سے موت تک سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک [illegible] لوگوں نے اپنے لئے جداگانہ رسوم و رواج داخل [illegible] کے بعد تجہیز و تکفین اسلامی انداز کے مطابق امیر اور غریب سب کے ساتھ ایک [illegible] قبر میں دفنایا جاتا ہے کفن سادہ ہی سادہ لباس ہوتا ہے اور قبر کا بھی وہی [illegible] اہتمام کرتے ہیں اور قبروں کو امتیازی رنگ دیتے ہیں، مگر موت کے [illegible] کوئی بھی مال و متاع اور علم و فضیلت لے کر نہیں جاتا۔ خدا کی رُو [illegible]

قوانین اور انصاف میں برابری

ہو سکتا ہے کہ کوئی [illegible] کا اپنے بندوں اور [illegible]

Marfat.com

سے آپ نے پہلا ظلم یہ کیا کہ میری تعظیم کی ہے اگر نزدیک عام آدمی اور خلیفہ برابر نہ ہو تو تم قضا کے منصب کے قابل ہی نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور مقدمہ کہ انہوں نے ایک یہودی کے خلاف اپنی زرہ چرانے کے سلسلہ میں دائر کیا۔ زرہ کو اپنی ثابت کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے غلام قنبر کو بطور گواہ پیش فرمایا۔ قاضی شریحؒ قاضی تھے۔ انہوں نے یہ گواہ مسترد کر دیئے کہ یہ مدعی کے زیرِ اثر بیٹا اور غلام ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت امام حسنؓ کے مرتبہ اور حیثیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو علم ہے کہ حضورؐ نے حسنؓ کو جنت کا سردار فرمایا ہے۔ پھر اس کی گواہی مشکوک کیوں ہے؟ قاضی شریحؒ نے کہا ہم زمین پر رہ رہے ہیں اور معاملہ زمین سے تعلق رکھتا ہے آپ جنت کی باتیں کر رہے ہیں۔ واضح ہو کہ اس وقت حضرت علیؓ خلیفہ تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے شاہی خاندان کے معزز فرد مسلمہ بن عبدالملک کے خلاف عام آدمی کا مقدمہ پیش ہوا۔ مسلمہ سیدھے شاہی فرش پر جا بیٹھے تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں اُتار کر مدعی کے برابر کھڑا کر دیا کہ آپ اس وقت عدالت میں ہیں۔

مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک مصری کو کوڑے مار دیئے۔ مصری شکایت لے کر مدینہ منورہ میں حضرت امیرالمؤمنین عمرؓ کے ہاں حاضر ہوا۔ آپ نے اسی وقت عمرو بن العاصؓ اور اُس کے بیٹے کو طلب فرمایا۔ دونوں باپ بیٹا جب حاضر ہوئے تو امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصری کے ہاتھ میں کوڑا دے کر حکم دیا کہ گورنر کے صاحبزادے کو اپنی شکایت کے مطابق کوڑے مارے۔ مصری نے گورنر مصر کی موجودگی میں اس کے بیٹے کو کوڑے مارے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ایک کوڑا مصر کے گورنر کو بھی مارو تاکہ اس کے بیٹے کے دماغ سے باپ کی گورنری کا غرور نکل جائے۔ مصری نے کہا میرا انصاف مجھے مل گیا ہے جس سے شکایت تھی اُس سے بدلہ لے لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر تم گورنر کو بھی مارتے تو میں منع نہ کرتا۔ پھر عمرو بن العاصؓ سے فرمایا "عمرو! لوگوں کو اُن کی ماؤں نے آزاد جنا ہے تم نے کیوں غلام بنا لئے؟"

شام کا رئیس اعظم اور شہزادہ جبلہ مسلمان ہوا۔ خانہ کعبہ میں ایک دفعہ طواف کے دوران اُس کی رئیسانہ قبا کا کونہ کسی بدو کے پاؤں تلے آ گیا۔ جبلہ نے مڑ کر دیکھا تو بدو کے منہ پہ تھپڑ جڑ دیا۔ بدو شکایت لے کر حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ آپؓ نے جبلہ کو بلایا۔ اُس نے کہا کہ اس نے میرے شاہی لباس پہ پاؤں رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بدو سے معافی مانگیں ورنہ میں آپ کے منہ پہ تھپڑ مارنے کا حکم دوں گا۔ جبلہ بڑا حیران ہوا اور اپنے شاہی امتیازات کا حوالہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ جاہلیت کے دور کے امتیازات ہیں۔ اسلامی قانون واضح ہے۔ جبلہ نے ایک رات کی مہلت مانگی اور راتوں رات بھاگ کر مرتد ہو گیا۔ خس کم جہاں پاک۔

قصاص

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ ... وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى۔ الخ۔ اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آدمی کے بدلے میں آزاد اور غلام کے بدلے میں غلام ... اور مساوات کے ہیں اور اسی قسم کی مساوات میں خداوند تعالیٰ ...

Marfat.com

مِنۡھُمۡ۔ اور اپنے لوگوں میں سے ایک محکوم طبقہ کو دبا کر رکھا ہوا تھا۔ اسی جنگ قادسیہ سے پہلے ایران کے ایک سردار "جابان" نامی نے دھوکہ دے کر ایک فوجی سپاہی کے ہاں پناہ لے لی تھی۔ دوسرے مسلمان سپاہی اُسے پکڑ کر حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ ایرانی سردار ہے۔ اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ جب ایک مسلمان اسے پناہ دے چکا ہے میں اسے کیسے سزا دے سکتا ہوں۔ مسلمان تمام ایک جسم کے اعضاء ہیں، ایک کی دی ہوئی پناہ کو نباہنا سب پہ فرض ہے۔ یہ ہے انسانی مساوات کی اسلامی تفصیل۔ کیا کوئی دوسرا مذہب اور دوسری قوم خواہ وہ کتنی مہذّب اور ترقی یافتہ کیوں نہ ہو، ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے اور اپنی قوم کے افراد کے ساتھ یہ برابری اور مساوات قائم رکھ سکتی ہے۔ تا بہ دیگراں چہ رسد۔

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

اور کون مجبور اختیار کرکے ذلیل ہونا چاہتا ہے۔ پھر آدمؑ کی تخلیق کے بعد شیطان نے سجدہ سے انکار کرکے بغاوت اور سرکشی کا جھنڈا بلند کیا اور انسانی عظمت اور خدا کی نیابت و خلافت کا منکر ہوا تو خیر و شر کی یہ دونوں قوتیں زمین کے محاذ پر اتر آئیں اور شیطان کے دعوائے بغاوت اور انسان کو اپنے مذموم مقاصد میں استعمال کرنے کا جو پہلا کارنامہ انجام دیا گیا، وہ ہابیل کا قتل تھا جو اس کے بھائی قابیل نے شیطان کے بہکاوے میں آکر کیا۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں ہے:

قتل کا پہلا اقدام

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ لَئِن بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ۔ جب دونوں بھائیوں نے خدا کے حضور قربانیاں پیش کیں تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی جبکہ دوسرے کی قبول نہ ہوئی ________ اس نے قربانی قبول نہ ہونے پر دوسرے سے کہا۔ میں تمہیں قتل کردوں گا۔ پہلے نے کہا کہ بھائی قربانی تو اللہ تقویٰ داروں کی قبول فرماتا ہے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ پھر بھی اگر تو اپنے ہاتھ میری طرف بڑھائے گا تو میں اپنے ہاتھ تمہیں قتل کرنے کے لئے نہ بڑھاؤں گا، کیونکہ میں خدا سے ڈرتا ہوں کہ وہ ایسا کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس ابتدائی قتل کی وجہ محض حسد، بغض تھا کہ اس کی قربانی قبول نہ ہو کر اس کی بے عزتی اور سبکی ہوگئی اور دوسرے کی قبول ہو کر اس کی عزت و توقیر کیوں بڑھ گئی۔ قربانی کے قبول نہ کئے جانے کی وجہ اس بھائی کا کوئی قصور اور سازش تو نہ تھی بلکہ اس کے اپنے اندر اخلاص اور تقویٰ کی کمی تھی۔ اُس نے اپنا رویّہ درست کرنے کی بجائے، خود میں اخلاص، تقویٰ اور خدا خوفی پیدا کرنے کی بجائے تقویٰ، خدا خوفی اور اخلاص کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تاکہ دنیا میں نیکی اور بدی، اچھے اور برے، تقویٰ داری اور بدکرداری کے باہمی مقابلے اور موازنے کی نوبت ہی نہ آئے اور خیر کی عدم موجودگی میں شر کی برائی محسوس ہی نہ کی جائے۔

اس پہلے قتل کے واقعہ میں قرآن کریم کے الفاظ سے خیر و شر کے دونوں کرداروں اور اُن کی سوچ کا اندازہ ہوتا ہے کہ قتل کرنے والے کے پاس کوئی معقول وجہ نہیں، سوائے اس کے کہ بھائی کی قربانی کیوں قبول ہوگئی۔ وہ تقویٰ دار، پرہیزگار اور نیکی کا نمائندہ کیوں بنا ہوا ہے۔ دوسرے کا کردار یہ ہے کہ قربانی کی قبولیت کو اپنا کمال نہیں بتاتا خدا کا پسندیدہ فعل بتاتا ہے کہ وہ تقویٰ دار کی قربانی کو پسند کرتا ہے، اس میں میرا کیا قصور ہے کہ اُس نے مجھے تقویٰ کی نعمت سے نوازا۔ پھر یہ کہ اپنے بھائی کی کھلم کھلا قتل کی دھمکی سن کر بھی مشتعل نہیں ہوتا، جواب میں وہی کچھ کہتا ہے جو شریف اور خداترس آدمی کہتا ہے کہ اگر تو عملی طور پر قتل کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ قتل ہونا منظور ہے مگر ظلم و زیادتی کیلئے ہاتھ اُٹھانا منظور نہیں۔ انسان کو دوسروں پر ظلم و زیادتی سے بچانے والی یہی ایک صفت ہے۔ وہ خدا خوفی ہے۔ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ۔ میں اپنے خدا سے ڈرتا ہوں۔ دنیا پر پہلے انسانی جھگڑے اور اس کے نتیجے میں قتل کے اس واقعہ میں یہی نصیحت ملتی ہے کہ ایک طرف شر اور برائی کا مجسمہ بھائی ہے اور دوسری طرف نیکی اور خدا خوفی کا بُت ہے۔ وہ بھائی کو خدا کے غضب اور قتل کے اس فعل سے مطلع کرتا ہے۔ إِنِّي أُرِيدُ أَن تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ خود سمیٹ لے اور دوزخی بن جا،

Marfat.com

کیونکہ دوسروں پہ ظلم زیادتی اور قتل کا بدلہ دوزخ ہی ہے ۔ مگر قابیل پر شیطان کا جادُو چلا ہُوا تھا ، اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہُوا اور وہ شر و فساد اور شیطانی گروہ کا نمائندہ بن کر بھائی کو قتل کر بیٹھا ۔

عمر بھر کی ذلّت و ندامت

چونکہ دنیا پہ ہابیل اور قابیل کے درمیان جھگڑے میں یہ پہلا انسانی قتل تھا اور پہلی موت تھی اس لئے قاتل کو یہ سمجھ نہ آتی تھی کہ بھائی کی لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے ۔ قاتل کی ذہنی پستی کا اندازہ لگایئے کہ خدا نے کوّے جیسے گندگی خور پرندے کو اس کا استاد ٹھہرایا اور اسے کوؤں کے ذریعہ لاش دفن کرنا سکھایا ۔ جس پر قاتل بھائی تمام عمر ندامت اور ذلّت محسوس کرتا رہا کہ ہائے میں کوؤں سے بھی گیا گزرا ہوں ۔ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْن وہ ہمیشہ ہمیشہ ندامت محسوس کرتا رہا ۔

کسی آدمی کی جان لینا بہت بڑا گناہ ہے اور یہ گناہ دیت ، قصاص اور عمر بھر کی قید سے بھی معاف نہیں ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے کہ اس کے ذریعے پوری انسانیت میں قتل و خونریزی کا رواج پڑتا ہے ۔ قیامت کے دن خانہ کے فیصلوں کے بعد قاتلوں کے بارے میں دوزخ میں ڈالے جانے کا فیصلہ ہوگا ۔ حکم ہے کہ جو نیکی اور بھلائی کی ابتدا کرے گا اُسے اس وقت تک ثواب اور اجر ملتا رہے گا جب تک دنیا میں وہ نیکی جاری رہے گی اور جو کسی برائی کی ابتدا کرے گا ، اُسے قیامت تک اس برائی کے گناہ اور عذاب میں شریک کیا جائے گا جب تک برائی ہوتی رہے گی ۔ اس لحاظ سے قتل کی ابتداء کرنے والے کو قیامت تک ہونے والے قتلوں کی سزا میں شریک کیا جائے گا اور اُس کی اپنی سزا ، جو قتل کے لئے مقرر ہے ، وہ اس کے علاوہ تو ہوگی ہی ۔

نوعِ انسانی کی بقا کا انحصار

دنیا میں نوعِ انسانی کی بقاء کا راز اس بات میں مضمر ہے کہ انسان کے دل میں دوسرے انسانوں کا احترام ہو ۔ انسان دوسروں کی بقاء اور اُن کے تحفّظ میں مددگار بنے اور قاتل یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے دل میں انسانی جان کا کوئی احترام نہیں ، وہ پوری انسانیت کا دشمن ہوتا ہے ، کیونکہ یہ عدمِ احترام اور عدمِ تحفظ کی صفت اگر سب انسانوں میں پائی جائے تو پھر انسانیت کی بقا ناممکن اور اس کا خاتمہ یقینی ہے ۔

حق کی صورتیں

ہمارے موضوعِ بحث میں دی گئی آیت میں خدا نے اپنے پسندیدہ بندوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ ناحق کسی ذی رُوح کو قتل نہیں کرتے ۔ اب سوچنا یہ ہے کہ حق کے ساتھ اگر قتل کی اجازت ہے تو وہ حق کیا ہے تاکہ اس کے علاوہ ناحق صورتوں کا تعین ہو سکے ۔ (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کے قتلِ عمد کا مجرم ہو اور اس پر قصاص ۔ قتل کا بدلہ لینا ۔ قائم ہو گیا ہو تو اُس کا مارا جانا حق ہے ۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی دینِ حق کی راہ میں مزاحمت کرے ، مقابلہ کرے یا جنگ پر آمادہ ہو تو وہاں کسی کو مارنا حق ہے اور مارا جانا شہادتِ حق ہے ۔ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اسلامی حکومت میں فساد پھیلائے یا اسلامی نظامِ حکومت کو اُلٹنے کی کوشش کرے تو اس کو قتل کرنا حق ہے ۔ ان تین قرآنی صورتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے مزید دو صورتوں کا اضافہ فرمایا ہے ۔ وہ یہ کہ (۴) شادی شدہ مرد اور عورت زنا کا ارتکاب کریں تو انہیں سنگسار کر کے مارنا حق ہے (۵) اور پانچویں صورت یہ ہے کہ ارتداد یا خروج کی صورت میں ، یعنی مسلمان ہونے کے بعد پھر کفر اختیار کرے اور اپنے کفر کا اعلان کرے تو اس کا قتل کرنا

Marfat.com

حق ہے ـــــ ان پانچ صورتوں کے سوا کسی انسان کا قتل کسی کے لئے حلال نہیں ہے، خواہ وہ مومن ہو۔ اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعیت ہو یا عام کہیں کا بھی کوئی کافر ہی کیوں نہ ہو۔

قتل کی دنیاوی سزائیں

قتل کی حرمت کے بعد اس کے بدلے کے جواز میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۚ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ (۳۳) جس جاندار نفس کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے اسے ہرگز نہ مارو، مگر جائز طور پر جو شخص کسی کے ظلم سے ناجائز طور پر قتل ہو جائے تو ہم نے اس کے وارثوں کو اختیار دیا کہ وہ ظالم قاتل سے بدلہ لے، لیکن اسے چاہیئے کہ بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے۔ اس آیت میں قتل کے بدلے کو قصاص کی صورت میں صرف قاتل تک محدود رکھا گیا ہے۔ اُن کے علاوہ اس کے بیٹے، بھائی اور خاندان کے کسی دوسرے فرد کو مارنا اور بدلہ لینا زیادتی اور حد سے تجاوز ہی نہیں بلکہ ایک قصور میں دوسرے بے گناہ کو مارنا ناحق قتل کے مترادف ہوگا، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ہم اصل قاتل اور اصل مجرم کی بجائے اس کے پورے خاندان بلکہ قبیلے کو اپنی دشمنی اور انتقام کی باڑ پر رکھ دیتے ہیں اور اس طرح دو طرفہ قتل کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے اور اس حد تک کہ ایک قتل کی سزا میں تمام خاندان بلکہ پورے قبیلوں کے قبیلے خونریز جنگوں کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ انسانی جانوں کا ضیاع پوری انسانیت کے ضیاع کا موجب بن جاتا ہے۔ سورۂ المائدہ میں بنی اسرائیل کی قوم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے جس کا اطلاق اُمتِ مسلمہ پر بھی ہے کہ: كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۚ ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی جان کے بدلے کے بغیر ناحق قتل کرے گا یا زمین میں فساد پھیلانے کی غرض سے ایسا کرے گا تو گویا وہ تمام لوگوں کے قتل کا مجرم بنے گا۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۚ جو کسی کی زندگی بچائے گا تو گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل ہونے سے بچا لیا۔

۲۔ سورۂ نساء میں قتل کی سزا کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا۔ الخ نساء: ۹۲) کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے۔ الّا یہ کہ اس سے غلطی کے ساتھ کوئی مارا جائے، اگر غلطی سے کوئی مارا جائے تو اس کی تلافی اور کفارہ یہ ہے کہ وہ ایک مومن غلام کو کسی کی غلامی سے آزاد کردے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کردے، اگر وہ خون بہا معاف کردیں تو یہ اُن کی مرضی ہے۔ حضورؐ نے خون بہا کی مقدار ایک سو اونٹ، دوسو گائیں یا دو ہزار بکریاں مقرر فرمائی ہیں، اگر دوسری کسی صورت یا نقد شکل میں خون بہا ادا کرنا چاہے تو ان چیزوں کی موجودہ قیمت کے مطابق ہوگی۔

یہ خیال رہے کہ خون بہا کی یہ سزا قتل عمد کے سلسلہ میں نہیں ہے، یہ غلطی یا خطا سے قتل کرنے کی سزا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قتل عمد کی سزا کتنی زیادہ ہوسکتی ہے۔ اس کی اخروی سزا تو دائمی جہنم ہے۔ قتل کی باقی سزاؤں کی

Marfat.com

تفصیل اسلامی قوانین کی کتب میں موجود ہے۔ البتہ ان آیات میں توبۃً من اللہ کے الفاظ قابل غور ہیں کہ قتل عمد کی یہ سزائیں ایک گونہ کفارہ اور توبہ ہے، کیونکہ جرمانہ کی ادائیگی میں شرمساری اور پشیمانی کی روح نہیں ہوتی بلکہ مجبوری اور ناگواری کی کیفیت ہوتی ہے جس میں تلخی اور دشمنی باقی رہتی ہے۔ اس کے برعکس توبہ اور کفارہ جس کے ذریعہ خداوند تعالیٰ چاہتے ہیں کہ جس بندے سے غلطی کے ساتھ کوئی قتل ہو جائے تو وہ عبادت، کارِ خیر اور ادائے حق کے ذریعے اپنے احساسِ جرم کو مٹائے اور گناہ کے اثرات دھو ڈالے اور شرمندگی و شرمساری کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرے۔

۳ - رہا وہ شخص جو جان بوجھ کر بالارادہ کسی مومن کو قتل کرے، تو اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۤؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۔

جو شخص جان بوجھ کر بالارادہ کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر خدا کا غضب اور لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۴ - سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۤءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (۱۷۸، ۱۷۹)

اے ایمان والو، تمہارے لئے قتل کے معاملے میں قصاص، بدلے کا حکم دے دیا ہے۔ آزاد آدمی کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلے میں غلام، عورت کے بدلے میں عورت کو قتل کیا جائے، یعنی جس طبقے اور جنس سے مقتول کا تعلق ہو اسی طبقے اور جنس کا آدمی مارا جائے، البتہ اگر قاتل کے ساتھ مقتول کے وارث نرمی پر آمادہ ہوں یعنی قتل کرنے کی بجائے خون بہا لینے پر آمادہ ہوں تو خون بہا کا فیصلہ معروف رواجی طریقہ کے مطابق ہو۔ ایسی صورت میں قاتل کو چاہیے کہ وہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ خدا کی طرف سے خون بہا کی تخفیف ایک قسم کی رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عقل اور سمجھ رکھنے والو! تمہارے لئے بدلہ لینے میں زندگی کا راز مضمر ہے تاکہ تم اس پر عمل کر کے تقویٰ دار بن جاؤ۔

خون کا بدلہ لینا اندازِ قتل نہیں بلکہ جان لینے کا فعل جس نے کیا ہے اُس کی بھی جان لی جائے۔ عربوں میں جاہلیت کے زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ ایک آدمی کے قتل پر صرف اسی کی جان لینے کی بجائے اُس کے خاندان اور قبیلے کے بیسیوں آدمی قتل کئے جاتے تھے، پھر بھی آتشِ انتقام ٹھنڈی نہ ہوتی۔ کسی قبیلے کا معزز آدمی دوسرے قبیلے کے چھوٹے آدمی سے مارا جاتا تو اصلی قاتل کے قتل پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ سینکڑوں آدمیوں کی جان لے لیتے۔ یہ اُس وقت ہی نہ تھا بلکہ آج کی مہذب قوموں میں، جو اسلام کی سزاؤں کو وحشیانہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے، باقاعدہ سرکاری اعلانات میں بغیر کسی شرم و خجالت کے پکارا جاتا ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا گیا تو قاتل کی قوم کے پچاس آدمی ماریں گے۔ اسی بیسویں صدی میں ایک انتہائی مہذب قوم نے اپنے ایک فرد، سرلی اسٹیک کے قتل کا بدلہ پوری مصری قوم سے لے کر چھوڑا، بلکہ ان بزعم خویش مہذب

Marfat.com

قوموں کی انصاف پسندی کا یہ عالم ہے کہ قاتل اگر حاکم خاندان یا قوم کا فرد ہے تو اُن کی عدالتیں محکوم کے حق میں فیصلہ دینے سے گریز کرتی ہیں۔

خدا کے قانون کا منشاء

اللہ تعالیٰ دنیا کو فتنوں، فسادات اور دشمنیوں کے دیرپا سلسلوں میں اُلجھے رہنے کے بے مقصد مشغلوں کی بجائے قاتل اور مقتول کے خاندانوں اور قبیلوں کو ان احکامات کے ذریعے خدا کی بندگی کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول کے لئے اور ذاتی و خاندانی تعمیر و ترقی، خوشی و خوشحالی تعلیم و تربیت میں مصروف و مشغول رہنے کا موقعہ اور فرصت فراہم فرمائی ہے کہ ایک قصور وار ہی اپنے قصور کی سزا بھگتے اور باقی خاندان و قبیلہ دشمنی کی آگ، زندگی کے ہر لمحے میں گھات، حملے اور بچاؤ کی ہمہ وقتی چوکسی میں اپنی عمریں ضائع نہ کرے اور اسی میں فرد، خاندان اور قبیلے کی زندگی کا راز مضمر ہے۔

خداوند تعالیٰ نے مقتول کے بدلے میں صرف قاتل کی جان لینے کا حکم دیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ قاتل کون ہے؟ اور مقتول کون؟ ہاں البتہ کوئی کسی قاتل کو رعایت دے دے یا معافی دے دے۔ فمن عفی لہ من اخیہ شیئٌ۔ جو کوئی اپنے بھائی، قاتل کو کسی قسم کی معافی دے دے۔ لفظ اخیہ میں بھائی ہونے کا لطیف اشارہ دیا گیا ہے کہ اگر تمہارے درمیان قتل مقاتلہ کی صورت میں دشمنی ہو گئی ہے تو بھی قاتل تمہارا انسانیت کے رشتہ میں بھائی ہے۔ لہٰذا اگر خطا کار بھائی کے لئے انتقام اور غصّے کی حالت کو بھائی چارے میں بدل کر معاف کر دو تو یہ انسانیت کے شایانِ شان عمل ہوگا۔ اسلام کے تعزیراتی قوانین میں قتل تک کا معاملہ قابلِ معافی و راضی نامہ ہے، اگر مقتول کے وارث کسی قاتل کو معاف کر دیں تو حکومت اور عدالت کے لئے جائز نہیں کہ وہ قاتل کی جان لینے پر اصرار کرے، البتہ معافی کی صورت میں خون بہا ادا کرنا ہوگا۔ معروف کا مطلب صحیح طریق کار ہے جو اس معاشرے اور سوسائٹی میں جانا پہچانا ہوگا۔ ذاتی رو رعایت کے بغیر حق و انصاف کے مطابق ہو جسے سن کر ہر شخص پکار اُٹھے کہ حق و انصاف یہی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ خون بہا لے کر بھی دشمنی جاری رکھی جائے اور موقعہ ملنے پر قاتل کی جان لے لی جائے یا خون بہا کی رضامندی کے بعد اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لیا جائے تو یہ زیادتی اور حدودِ قانون سے تجاوز ہوگا۔ اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آجکل پھانسی کی سزا کو جاہلیت کی سزا کہا جاتا ہے۔ معافی کے لئے فراخدلی کا یہ عالم ہے کہ قاتلوں اور ڈاکوؤں تک کو معاف کرنا، جو انسانیت کش، امن دشمن اور فساد خلق کا باعث ہیں اور گھر کے اندر مظلوم و معصوم کی جان، مال اور آبرو لوٹنے اور مارے جانے والے پر اور اس کے پسماندگان کی بیچارگی پہ ترس نہ کھایا جائے کتنی باعثِ شرم بات ہے۔ جو سوسائٹی انسانی جانوں کا احترام نہ کرنے والے کو محترم ٹھہراتی ہے، وہ آستینوں میں سانپ پالتی ہے۔ ایک قاتل سے قصاص نہ لے کر بہت سی جانوں کو خطرے میں ڈالنا کونسی عقلمندی ہے۔ ڈسنے والے سانپ کا سر نہ کچلنا اور باؤلے کُتے کو آوارہ گھومنے دینا اگر حماقت ہے تو قاتل کو قصاص نہ لینا کس دانشمندی کے زمرے میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فی القصاص حیاۃ" کہ بدلہ لینا دوسروں کی زندگی کی ضمانت فراہم کرتا ہے" کہہ کر ہمیں یہی دانشمندی کا نکتہ سمجھایا ہے۔

Marfat.com

قاتل کو سزا نہ دینے کے اثرات

آج ہمارے ملک میں بدامنی، فساد، لوٹ مار، رہزنی اور ڈکیتی کا جو بازار گرم ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے قاتلوں اور ڈاکوؤں کو آزاد کر دیا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ "سنگہا را بستہ وسگاں را کشادہ"۔ قانون کے ہاتھوں کو باندھ دیا اور مجرموں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے سیاسی زعماء، بااثر افراد اور معززین انہی قاتلوں کو قانون کی گرفت سے بچانے کے لئے قانون کا پنجہ مروڑتے ہیں۔ قانون کے محافظ ہی رشوتیں وصول کر کے قانون کی دیواروں میں شگاف ڈالتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں قاتل اور ڈاکو قانون کی گرفت سے بیخوف ہو کر من مانیاں کرتے ہیں اور دندناتے پھرتے ہیں یا مخالف فریق قانون کی ڈھیل سے فائدہ اُٹھا کر خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور اس طرح پورے ملک میں پُرامن شہریوں پر خوف وہراس اور عدم تحفظ کے سائے منڈلا رہے ہوئے ہیں۔

قاتلوں کی سرپرستی

انسانی جان کا لینا جتنا بڑا جرم ہے اس سے کسی طرح بھی کم جرم قاتلوں و ڈاکوؤں کے بچاؤ کی کوششیں، سفارشیں اور سہارے بننا نہیں ہے اور یہ آج کے دَور کا سب سے بڑا المیہ ہے اسی لئے رحمٰن کے بندوں کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی ذی رُوح یا انسانی جان کو بغیر حق کے قتل نہیں کرتے، بلکہ وہ تو انسانیت کے لئے رحمت و رافت ہوتے ہیں۔ انسان تو انسان وہ تو چلتے ہوئے بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ "آہستہ خرام بلکہ مخرام زیر قدمت ہزار جان است" آہستہ چلو بلکہ چلو ہی نہیں، کیونکہ تمہارے قدموں کے نیچے ہزاروں جانوں کی پامالی کا اندیشہ ہے۔

بعض وقتی جھگڑوں اور تنازعات میں افہام وتفہیم، ایثار و قربانی و صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کی بجائے کسی کی جان لینے پر اُتر آنا سخت قلبی شقاوت اور سنگدلی کی علامت ہے۔ انسانوں اور جنگلی وحشی بھیڑیوں میں کچھ فرق تو ہونا چاہیئے۔

گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں آدمی کرتے ہیں اکثر آدمی کا یوں شکار

چار پیسوں کے مفاد اور زمین کی معمولی مقدار پہ ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں۔ لسانی اور گروہی تعصبات پر فسادات بپا ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ خونِ ناحق کی ذیل میں آتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی عزت، آبرو، جان و مال کے بارہ میں مطمئن ہوں۔ اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَآءِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔ مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جان و مال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ اَمِنَهُ النَّاسُ کا لفظ عام انسانوں کے لئے ہے خواہ مسلم ہو یا مشرک۔ مومن بدمست بیل نہیں ہوتا کہ جو سامنے آئے اُسے سینگوں پہ رکھ لے، مومن بھیڑیا نہیں ہوتا کہ جسے دیکھے اُسی کو چیر پھاڑ کر چھوڑ دے۔ مومن باؤلا کتا نہیں ہوتا کہ راہ چلتوں کو کاٹتا پھرے۔ مومن ڈاکو نہیں ہوتا کہ لوگوں کی نیندیں حرام کرتا رہے اور ان کی محنتوں کی کمائی کلاشنکوف کی زد پر رکھ کر لوٹ لے۔ مومن رہزن، لٹیرا اور قاتل نہیں ہوتا کہ لوگوں کی عزتیں اور عصمتیں لوٹ کر موت کے گھاٹ اتار دے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ نہ مومن ہے نہ رحمٰن کا بندہ ہے۔ اس کا ٹھکانا دوزخ کی وادی اثاما ہے۔ وَمَن يَفْعَلْ ذَالِكَ يَلْقَ اَثَامًا جس سے جہنم کی آگ بھی پناہ مانگتی ہے، اُس کے لئے دوگنا عذاب ہے جس میں ہمیشہ رہے گا۔ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ

Marfat.com

وَيُخَلِّدُ فِيهِ مُهَانًا۔ کسی نے خوب تمثیل بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن شہداء کے اعزازات، انعامات اور مراتب کے فیصلے کے بعد ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی آئے گا جن کے سر پھٹے ہوئے ہوں گے، پیٹ چاک ہوں گے، جسموں پہ زخموں کے گہرے گھاؤ ہوں گے جن سے خون بہتا ہوگا۔ پوچھا جائے گا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا جائے گا کہ یہ زن، زمین اور زر کے شہید ہیں جنہوں نے کسی قطعۂ اراضی پہ یا کسی عورت کی خاطر یا زر و مال کے لئے جان لی اور جان دی ہے۔ اس موقعہ پر شیطان درخواست کرے گا۔ خدایا یہ میرے راستے کے شہید ہیں۔

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ يَلْقَ اثَامًا۔ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيُخَلِّدْ فِيهِ مُهَانًا۔ جو اس کے بعد قتل اور خونریزی سے باز نہ آئے اُسے دوزخ کی وادی اثاما میں ڈالا جائے گا۔ قیامت کے دن اُسے دوگنا عذاب دیا جائے گا، جس میں وہ ہمیشہ کے لئے ذلّت آمیز سزا بھگتے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

Marfat.com

انسانی حقوق کی اہمیّت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	انسانی جان کا احترام۔ دوسرے کو زندہ رہنے کا حق دیا جائے۔ اہلِ مغرب کے ہاں انسانی حقوق کا تصور ہی نہ تھا اور نہ اب موجود ہے۔ انسانی حقوق اور اسلام۔ انسانی حقوق کا دائرہ تمام بنی نوع انسانوں تک پھیلا ہوا ہے۔
۲	زندگی کا حق۔ جان کی حفاظت کا حق	زیرِ موضوع آیت۔ جب زندگی کا حق نہ دیا جائے تو دوسرے حقوق کا سوال کیا ہوگا۔ عورتوں کی عصمت کی حفاظت کا حق۔ لاتقربوا الزنا۔
۳	انسانی آزادی کا حق	انسانوں کو غلام بنانا، آزادی چھیننا حرام ہے۔ اسلام نے آتے ہی غلامی کی لعنت کو مختلف انداز سے ختم کیا۔ خلافت راشدہ کے دور تک پرانے غلام ختم ہو گئے۔
۴	انصاف کا حق	رنگ ونسل کے بغیر اسلامی عدالتوں میں غیر مسلموں کے حق میں فیصلے۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا۔
۵	برسرِ پیکار دشمنوں کا حق	غیر مقاتلین کا حق، مقاتلین کا حق۔ غارت گری کی ممانعت مفتوح شہریوں کے مال کی ممانعت۔ لاشوں کا احترام۔ بدعہدی نہ کرنا
۶	اظہارِ رائے واعتقاد کی آزادی	تعمیری رائے ہو۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ مذہبی دل آزاری کی ممانعت
۷	محروموں کا حق	فی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ السلطان ولی من لا ولی لہ۔

Marfat.com

انسانی حقوق کی اہمیّت

آیت معہ ترجمہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ جس کسی نے کسی نفس کو بدلے کے بغیر قتل کیا یا زمین میں فساد برپا کیا، گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس کسی نے کسی کی زندگی بچالی گویا تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

تفسیر و تشریح حقوق انسانی کے سلسلہ میں جس آیت کو موضوع بنایا گیا ہے، اس میں یہ بات سوچی گئی ہے کہ سب سے پہلے انسان کا انسانوں پہ زندہ رہنے یا زندہ رکھنے کا حق بنتا ہے۔ کیونکہ زندگی کا احترام اور اس کی حفاظت کے بعد دوسرے حقوق مفید اور موثر ہو سکتے ہیں۔ اگر انسان کے دل میں دوسروں کی زندگی کی قدر و قیمت ہی پیدا نہ ہو پھر دوسرے کے حق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اسے ادا کرے۔ اہلِ مغرب انسانی حقوق کی نسبت میگنا کارٹا سے لے کر دنیا کو یہ باور کراتے آرہے ہیں کہ یہ سہرا صرف ان کے سر ہے۔ حالانکہ یہ اسلام سے چھ سو برس بعد کی بات ہے۔ بترہویں صدی سے پہلے اہل مغرب میں انسانی حقوق کا کوئی تصور بھی نہ تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں امریکہ اور فرانس کے دستوروں میں انسانی حقوق کا ذکر ہے اور وہ بھی ان حقوق کا ذکر کاغذوں میں ملتا ہے۔ زمین پر چلتے پھرتے زندہ انسانوں میں اس کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ وجود۔

اسلام اور انسانی حقوق موجودہ صدی میں اقوام متحدہ، جسے اقوام متفرقہ بلکہ مُفسدہ کہنا زیادہ موزوں ہے، نے انسانی حقوق کا اعلان کیا اور نسل کشی کی قرارداد منظور کی، لیکن یہ ضابطہ بھی اُس کے دوسرے ضابطوں کی طرح واجب العمل نہ بنا۔ اس کے انسانی حقوق ہر جگہ پامال ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اسلام کے انسانی حقوق نہ کسی ملک نے دیئے ہیں، نہ کسی ادارے نے دیئے ہیں بلکہ یہ حقوق خود خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو دیئے ہیں۔ ان میں تبدیلی و تنسیخ یا واپس لینے کا کوئی امکان نہیں ہے اور نہ یہ حقوق نمائشی اور دکھاوے کے ہیں کہ اہلِ مغرب کی طرح دے کر لے لئے جاتے ہیں یا ان کے خلاف خود عمل کرتے رہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کے دیئے ہوئے ان حقوق کو جب اہلِ اسلام یا اسلامی حکومت بحیثیت مسلمان مانے گی اور انہیں ہر قیمت و ہر حال میں تسلیم کرنا پڑے گا اور اگر ان میں ترمیم و تنسیخ کر کے اپنے قوانین بنائے گی اور انہیں نافذ کرے گی تو ایسی حکومت کے متعلق خداوند تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ـ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو حکومتیں اسلام کی دعویدار ہو کر اپنے قوانین بنائیں اور اپنے قوانین کو برحق سمجھ کر خدا کے قوانین کو رَدّ کر دیں تو وہ کافر ہیں۔ ظالم ہیں اور فاسق

Marfat.com

ہیں۔ اسلام سے تعلق نہ ہوگا۔ خدا کے قوانین اور حقوق دائمی اور اٹل ہیں۔ ان کے خلاف اپنے قوانین نافذ کرنے والی حکومت خدا کی اطاعت سے نکلی ہوئی اور حق کے خلاف عمل پیرا سمجھی جائے گی۔

خالص انسانی حقوق

جیسا کہ عنوان میں دی ہوئی آیت کے الفاظ اور ترجمہ سے ظاہر ہے، اسلام انسان سے حقوق انسانوں پر لاگو کرتا ہے۔ اس میں اپنی قوم، اپنے ملک اور اپنے مذہب کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ انسان کہیں بھی بستا ہو کسی قوم، ملک اور مذہب سے تعلق رکھتا ہو، شہری ہو یا دیہاتی، جنگلوں میں رہتا ہو یا صحراؤں کا باشندہ ہو، کسی کی کوئی تمیز نہیں، سب بحیثیت انسان کے اس حق میں شریک ہیں اور وہ حق زندہ رہنے اور زندہ رہنے دینے کا حق ہے۔

۱۔ زندگی کا حق

اگر کوئی انسان دوسرے انسان کو۔ بغیر انسانی جان کے بدلے کے۔ مارے گا، قتل کرے گا تو وہ گویا زمین میں فساد برپا کرنے کا مجرم ہوگا اور یہ کہ اس طرح وہ تمام انسانوں کا قاتل ہوگا۔ انسانی جان کے بدلے کا جواز بھی اسی وقت پیدا ہوگا کہ کوئی عدالت اس کا فیصلہ کرے گی کہ اس کا قتل جائز ہے اور مبنی برانصاف ہے، ورنہ انفرادی طور پر یا جوابی طور پر یہ حق بھی کسی فرد کو حاصل نہیں کہ اس کا مارنا حق ہے۔ لا تقتلوا النّفس الّتی حرم اللہ الّا بالحقّ۔ کسی نفس کو قتل نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے سوائے اس کے کہ اس کا مارا جانا حق پر ہو۔ گویا حق کے ساتھ قتل کو مستثنیٰ کر دیا ہے، مگر حق کا فیصلہ عدالت کرے۔ ذاتی طور پر کسی کو بھی حق اور ناحق کے فیصلے کا اختیار نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ انسانی کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

ان دونوں قرآنی آیات میں نفس کا استعمال ہوا ہے جو تمام نفوس کے لئے ہے۔ اپنی قوم، ملک، رنگ و نسل اور مذہب کے امتیاز اور فرق کے بغیر تمام انسانوں کا ایک دوسرے پر قتل نہ کرنے کا یہ حق صرف اسلام کی خصوصیت ہے اور اس ربّ کائنات کی جس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اُسی نے اپنے سچے مذہب اسلام میں اپنے ماننے والوں کو بالخصوص اور تمام انسانوں کو بالعموم یہ حق دیا ہے۔ خیال رہے کہ اسلام میں کسی دوسرے نفس کو مارنا بغیر حق کے، تو بڑی بات ہے خود انسان کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خودکشی کرے اور اپنے نفس کو عذاب دے۔ برخلاف اس کے اسلام کے منکر اہلِ مغرب کے دستوروں میں کسی جان کو نہ مارنے کا حق صرف اپنے شہریوں اور سفید نسل کو حاصل ہے۔ انہوں نے آسٹریلیا کے باشندوں کا قتلِ عام کر کے اپنی نسل کے لئے زمین خالی کی۔ امریکہ میں پرانے باشندوں کی نسل کشی کر کے یا دوسرے علاقوں میں قید کر کے اُن کے گھروں میں گھس کر جانوروں کی طرح انہیں ہلاک کیا گیا۔ اہلِ مغرب میں انسانی جانوں کا احترام موجود ہی نہیں، اگر ہے بھی تو صرف اپنی قوم اور رنگ والوں کے ساتھ ہے، لیکن اسلام نے یہ حق تمام انسانوں کو دیا ہے۔

۲۔ جان کی حفاظت کا حق

اگرچہ جان کی حفاظت کا حق اُوپر بیان ہونے والی آیت کے اس حصہ کی تشریح اور تفصیل میں آچکا ہے تاہم اس آیت کے دوسرے حصے ہیں۔ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا۔ جس نے کسی نفس کو بچا لیا تو اُس نے تمام انسانوں کو زندگی بخش دی، کے ذیل میں موت سے بچانے کا یہ مطلب ہی نہیں کہ کسی کے قتل سے باز آگیا بلکہ اس کی مختلف صورتیں پیش آسکتی ہیں۔ بیمار ہے تو اس کی بیماری میں امداد کرے، یا زخمی پڑا ہوا ہے تو قطع اس بات کے کہ وہ کون ہے، خواہ دشمن ہی کیوں نہ ہو، اس کی بروقت امداد کرے

Marfat.com

اس کی جان بچائی جا سکتی ہے۔ اُس کی بیماری اور زخموں کا علاج کیا اور کرایا جائے۔ بھوک سے مر رہا ہے تو کھانا کھلا کر اُسے بچایا جا سکتا ہے۔ ڈوب رہا ہے تو فرض یہ ہے کہ اُسے حتی الامکان خود کو خطرے میں ڈال کر بچایا جا سکتا ہے۔ جلتے ہوئے مکان میں گھرا ہوا ہے تو اُس کے بچاؤ کی امکانی تدبیر اور جل مرنے کا تدارک کیا جا سکتا ہے یا اور بے شمار صورتیں ہیں جن کی وجہ سے کسی کی جان کو خطرہ ہے تو اس کی جان بچانا مسلمان کا فرض ہے۔ یہ نہ دیکھا جائے کہ کس مذہب اور قوم یا رنگ کا ہے۔

یہودیوں کی کتاب تلمود میں یہ حق صرف اسرائیل کو دیا گیا ہے" جس نے اسرائیل کی جان کو ہلاک کیا، الکتاب کی نگاہ میں ساری دنیا کو ہلاک کیا۔ جس نے اسرائیل کی جان کو محفوظ کیا، اُس نے ساری دنیا کی حفاظت کی"۔ عجیب بات ہے کہ صرف اسرائیل کو ہلاک کرنے اور اسرائیل کی جان کو محفوظ کرنے کے ساتھ "ساری دنیا" کے الفاظ کا تکلّف کیوں برتا گیا۔ وہاں بھی اسرائیلی قوم کا ذکر کیا جاتا تو کیا مضائقہ تھا۔ اسی کتاب میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ جس نے غیر اسرائیلی کو ڈوبنے سے بچا لیا اُس نے گناہ کیا۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو ہر انسان کی جان بچانے کا حکم دیتا ہے، لیکن یہودیوں کا مذہب اور اُن کی مذہبی کتاب صرف اسرائیلیوں کو بچانے کا حکم دیتی ہے۔ قرآن کریم میں یہودیوں کی اس ذہنیت کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔ لیس علینا فی الامیّین سبیل ۔ ہم، اسرائیلیوں پہ غیر یہودیوں کا مال کھانے پہ کوئی گرفت نہیں۔

۳۔ عورتوں کی عصمت کی حفاظت کا حق

اسلام کے انسانی حقوق میں عورتوں کی عصمت کا احترام اہم چیز ہے، خواہ وہ عورت کسی بھی قوم، مُلک اور مذہب کی ہو۔ اپنے شہر کی ہو یا غیر کے شہر کی کسی حالت میں بھی اس پہ ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اسی لئے زنا کو قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے اور فرمایا، لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰی۔ زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ اس فعل کی سزا مقرر ہوئی، جس سے کوئی بھی مسلمان نہیں بچ سکتا اور زنا کا فعل نکاح کے بغیر کسی بھی ملکی یا غیر ملکی قومی یا غیر قومی، مذہب سے متعلق ہو یا غیر مذہب سے ہو، عورت کے ساتھ مباشرت پہ بولا جاتا ہے۔ عورت کی عصمت کا یہ احترام اسلام کے بغیر کہیں نہیں پایا جاتا۔ اہلِ مغرب کی تہذیب اور ممالک میں مرد و زن کا روزانہ اختلاط بالکل جانوروں، سؤروں اور کتوں کی طرح عام ہے۔ عام شہریوں سے ہٹ کر مغربی ممالک کی فوجوں کی جنسی ضرورت کے لئے خود اپنی قوم کی لڑکیاں مہیّا کی جاتی ہیں۔ غیر قوم کے ساتھ جنگ کی صورت اور ان کے شہروں پہ قبضے میں اس مُلک اور قوم کی عورتوں کا جو حشر ہوتا ہے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ "انفرادی غلطیوں سے قطع نظر" اس قسم کی فوجی خرمستیوں سے خالی ہے اور نہ مسلمان فوجیوں کے لئے "فاحشات" کی بہم رسانی ہوئی ہے۔ یہ تحفّظ، عزّت اور احترام دنیا کی عورتوں کو صرف اسلام نے دیا ہے۔ اہلِ مغرب تو خلائی سفر کے چند روزہ دنوں کے لئے بھی مردوں کے ساتھ ایک آدھ لڑکی کا بھیجنا ضروری جانتے ہیں۔

۴۔ انسانی آزادی کا حق

اسلام میں کسی کو پکڑ کر غلام بنانا، اُس کی آزادی چھیننا یا خرید کر بیچنا حرام ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ تین قسم کے لوگوں کے خلاف مقدمات میں قیامت کے دن میں خود مدعی ہوں گا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو پکڑ کر بیچے اور اُس کی قیمت کھائے۔ رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فاکل ثمنہ۔ جس نے آزاد کو بیچا اور قیمت کھائی۔ کے الفاظ بھی عام انسانوں کے لئے ہیں۔ ان میں کسی قوم، نسل، رنگ اور وطن کی تخصیص نہیں ہے۔

Marfat.com

اہلِ مغرب اس دعویٰ پر بڑا ناز کرتے ہیں کہ غلامی کے انسداد کا کارنامہ صرف اُنہوں نے انجام دیا ہے۔ انہیں یہ توفیق پچھلی صدی کے وسط میں ہوئی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ افریقہ سے پکڑ پکڑ کر انسانوں کو اپنی نوآبادیوں میں لے جاتے رہے اور اُن سے جانوروں سے بدتر سلوک کرتے رہے، جس کے ذکر سے خود انہی کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

امریکہ اور مغربی ہندوستان کے جزیروں پر اُن کا قبضہ ہوا تو ساڑھے تین سو سال تک یہ لوگ غلامی کی ظالمانہ تجارت کرتے رہے۔ افریقہ کے جس ساحل پر ملک کے اندرونی حصّوں سے سیاہ فام لوگ پکڑ پکڑ کر لائے جاتے تھے، اس ساحل کا نام ہی ساحلِ غلاماں SLAVE COAST پڑ گیا تھا۔ ۱۶۸۰ء سے ۱۷۸۶ء تک ایک صدی میں برطانوی مقبوضات کے جو آدمی پکڑ کر لے جائے گئے، اُن کی تعداد خود برطانوی مصنفین نے دو کروڑ بتائی ہے۔ ۱۷۹۰ء کے سال میں جو افریقی غلام بنائے گئے ان کی تعداد ۷۵ ہزار ہے۔ جن جہازوں میں انہیں لے جایا جاتا تھا ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا، نہ ڈھنگ کی غذا دی جاتی، نہ بیماری و زخمی حالت میں علاج ہوتا۔ ان مغربی مصنّفین کے اپنے قول کے مطابق بیس فیصد افریقی باشندے راستے میں مر جا[تے]۔ مجموعی طور پر ایسے جبری غلاموں کی تعداد دس کروڑ بتائی گئی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہی اہلِ مغرب اسلام اور مسلمانوں پر غلامی کا الزام لگاتے ہیں یعنی چھاننی کوزے کو دو سوراخوں کا طعنہ دیتی ہے یا کوئی نک کٹا چھوٹی ناک والے کا مذاق اُڑائے۔

۱۔ اسلام میں غلامی کی حیثیت

اس میں کچھ شک نہیں اسلام سے پہلے عربوں میں غلام رکھنے اور ان کی خرید و فروخت کا رواج تھا، لیکن اسلامی حکومت کے قیام کے بعد غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب اور تحریص دی گئی۔ کہیں گناہوں کے کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا، کہیں ان کی آزادی کا بہت زیادہ ثواب اور اجر بتایا گیا۔ اس حد تک فرمایا کہ غلام آزاد کرنے والے کا ہر عضو غلام کے اعضاء کے بدلے میں جہنم کی آگ سے محفوظ ہوگا۔ اسلام کی اس تعلیم و ترغیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافتِ راشدہؓ کے دور تک تمام پرانے غلام آزاد ہو گئے۔ یہ کاغذی دستور اور اعلانات نہ تھے بلکہ عملی دنیا میں نافذ اور جاری تھے۔ حضورؐ نے ۶۳، حضرت عائشہؓ نے ۶۷، حضرت عباسؓ نے ۷۰، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیس ہزار غلام آزاد کیے۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرامؓ کے متعلق بھی تفصیل موجود ہے۔ اس طرح تیس سال میں غلامی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے بعد جو غلامی کی شکل موجود رہی وہ جنگی قیدیوں کی تھی۔ جنگی قیدی بھی وہ غلام ہوتے جو قیدیوں کے باہمی تبادلے یا فدیہ دے کر آزاد ہونے والوں میں سے بچ جاتے تھے، انہیں اسلامی حکومت گرفتار کرنے والے فوجیوں میں تقسیم کر دیتی تھی جو ان کے مالک ہوتے۔ یہ طریقہ اہلِ مغرب کے جنگی قیدیوں سے زیادہ بہتر تھا جو قیدیوں کو باڑوں میں بند کر دیا جاتا اور جن سے جبری مشقت لی جاتی تھی یا ایسی جنگی قیدی عورتوں کو قحبہ گری کے لئے مختص کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کے برعکس ایسے جنگی قیدیوں کو معاشرے میں تقسیم کر کے افراد سے افراد کا سابقہ پیدا کر دیا اور مالکوں کو حکم دے دیا کہ ان سے بہتر اور نیک سلوک کیا جائے۔ اسی بہتر اور نیک سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مسلم قوموں کے ان جنگی قیدیوں میں سے اکثر مسلمان ہوئے اور اُن کی اولادوں میں سے ائمہ، فقہاء، مجتہدین اور نامور محدث پیدا ہوئے بلکہ سلطنتوں کے مدبر، فوجوں کے سپہ سالار اور آگے چل کر وہ مسلمانوں کے حکمران بھی بنے۔ مغربی قوموں نے جنگِ عظیم دوم میں خود روس نے جرمنی اور جاپان کے جنگی قیدیوں کا

وہ حشر کیا کہ آج تک پتہ نہیں کہ اُن کا کیا ہوا۔ اُن سے جو خدمات لی گئیں وہ غلاموں سے بھی بدتر تھیں۔ سائبیریا اور دوسرے غیر ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی ان جنگی قیدیوں کی شدید جبری خدمات کی مرہون منّت ہے۔

۵۔ انصاف کا حق

اسلام نے قطع نظر اس کے کہ کوئی انسان کس قوم، مُلک اور مذہب کا ہے، اُسے پورا پورا انصاف دیا ہے۔ ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الاّ تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ خبردار کسی قوم کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہی تقویٰ کے قریب ہے۔ معلوم ہُوا کہ عام انسانوں سے ہی نہیں بلکہ دشمنوں تک سے بھی انصاف کرنا انصاف اور تقویٰ کی علامت ٹھہرایا۔ اسلامی تاریخ میں سینکڑوں واقعات ایسے ہیں کہ خلفائے راشدینؓ اور دوسری حکومتوں کے سربراہوں نے کسی سے اپنا حق بھی اپنے اختیارات سے کام لے کر حاصل نہیں کیا بلکہ عدالتوں سے رجوع کرکے حاصل کیا یا ان کے خلاف کسی نے دعویٰ کیا تو انہوں نے عدالتوں میں حاضری دی اور عدالتی فیصلہ کو تسلیم کیا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہٗ نے یہودی کے خلاف زرہ کی چوری کا مقدمہ دائر فرمایا جو یہودی کے حق میں ہُوا۔ حضرت عمرؓ کے خلاف حضرت ابی بن کعبؓ کا مقدمہ وغیرہ۔ اسلام جس انصاف کی دعوت دیتا ہے وہ ملک کے باشندوں، اپنی قوم کے لوگوں اور اہلِ اسلام کے ساتھ ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔

۶۔ برسرِ پیکار دشمنوں کا حق

جنگی تہذیب اور قانون اہلِ مغرب میں سرے سے موجود نہ تھا اور نہ اب ہے۔ اہلِ مغرب جنگ کے دوران ہر طرح کا ظلم روا رکھتے ہیں۔ برسرِ پیکار اور برسرِ جنگ قوم کے کسی قسم کے حقوق نہ مانے جاتے ہیں نہ انسانی ہمدردی اور انسانی اخلاق کا اظہار ہوتا ہے، اگر دو برسرِ پیکار قوموں میں کوئی قواعد وضوابط بنتے بھی ہیں تو وہ ان کے درمیان معاہدہ کی صورت ہوتی ہے۔ دوسری قوموں کے لئے واجب العمل نہیں ہوتے، بلکہ ہر جنگ میں ان بین الاقوامی ضوابط کے پُرزے اُڑائے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کی جنگی تہذیب اور قانون خدا اور رسولؐ کے دیئے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں ماننا اور عمل کرنا مسلمان فوجوں، جرنیلوں اور حکمرانوں کا مذہبی فریضہ بھی ہوتا ہے۔ جن کی مندرجہ ذیل تھوڑی سی تفصیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ا۔ غیر مقاتلین کے حقوق

اسلام نے سب سے پہلے یہ فرق قائم کیا کہ دشمن ملک اور قوم کے مقاتل اور غیر مقاتل سے کیا سلوک کیا جائے یعنی مقاتل۔ جنگ میں حصّہ لینے والے فوجی یا شہری اور غیر مقاتل۔ جنگ میں نہ لڑ سکنے والے شہری، جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، اندھے اور اپاہج شامل ہیں، اُن سے کیا سلوک کیا جائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: لا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأۃً کسی بوڑھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کرو۔ پھر فرمایا: لا تقتلوا اصحاب الصوامع۔ خانقاہ نشین راہبوں کو قتل نہ کرو یعنی عبادت گاہوں میں مقیم یا بیٹھے ہوئے لوگوں کو نہ مارو۔ جنگ کے ایک موقعہ پر حضورؐ نے ایک عورت کی لاش دیکھی تو فرمایا: "یہ تو نہیں لڑ رہی تھی؟" — اس سے فقہاء اسلام نے یہ اصول وضع فرمایا۔ جو لوگ غیر مقاتل ہوں انہیں قتل نہ کیا جائے۔ کیا آج جنگی ہتھیاروں کے باعث ایسا ممکن ہے۔ فوجی ٹھکانوں اور چھاؤنیوں کی بجائے شہری آبادیوں پر بم نہیں پھینکے جاتے۔ عراق میں لاکھوں ٹن بارود نے کتنی شہری آبادی اور انسانی جانوں کا نقصان کیا۔ کشمیر میں عورتوں سے ساتھ

Marfat.com

کتنا انسانیت سوز سلوک ہو رہا ہے۔ اور ہیروشیما اور ناگاساکی کے ایٹم بم آج بھی مغربی تہذیب اور اقوام اپنے دامن کے اس داغ سے شرمندہ ہوں گے۔

۲۔ مقاتلین کے حقوق یہی نہیں بلکہ جنگ میں لڑنے والوں کو بھی اسلام نے حقوق دیئے ہیں۔ انہیں آگ کا عذاب نہ دیا جائے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ آگ کا عذاب آگ کے ربّ کے سوا کسی کو مناسب نہیں۔ یعنی دشمن کی بستیوں کو نہ جلایا جائے۔ انہیں آگ میں نہ جھونکا جائے۔ زخمی ہونے والے پہ حملہ نہ کیا جائے۔ لا تجھزنّ علیٰ جریح۔ زخمی پہ حملہ نہ کرو۔ جو لڑنے کے قابل نہ رہا اور نہ عملاً لڑ رہا ہے۔ لَا یُقْتَلَنَّ اَسِیْرٌ۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ نھی النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عن قتل الصبیر۔ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے باندھ کر قتل کرنے یا بندھے ہوئے قیدی کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابوایّوب انصاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں۔ جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اُس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی مُرغ کو بھی باندھ کر ذبح نہ کروں گا۔

۳۔ غارتگری اور لوٹ مار اسلام نے برسرِپیکار قوم اور مُلک کو یہ حق بھی دیا ہے کہ اگر ان کے شہروں میں داخل ہوں تو لوٹ مار نہ پھیلائی جائے، بستیوں کو ویران نہ کیا جائے، کسی شخص کے مال پہ ہاتھ نہ ڈالا جائے۔ حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ لوٹ مار کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں یعنی مردار کی طرح حرام ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فوجوں کو روانہ فرماتے وقت ہدایات دیتے۔ بستیوں کو ویران نہ کرو، کھیتوں اور باغوں کو برباد نہ کرو، مویشیوں کو ہلاک نہ کیا جائے۔ مالِ غنیمت کا معاملہ الگ ہے۔ یہ وہ مال ہوتا تھا جو دشمن فوجوں کے لشکروں، فوجی کیمپوں اور چھاؤنیوں سے ملتا تھا۔ یہ شہری آبادی کا مال نہ ہوتا تھا۔

۴۔ مفتوح شہریوں کا مال مفت نہ لینا جو آبادی اسلامی فوج کے قبضہ میں آجاتی یا سرِراہ آبادی کے قریب کیمپ لگتا تو اسلامی فوج کو حکم تھا کہ شہریوں کی کوئی چیز زبردستی نہ چھینی جائے، اگر ضرورت پڑے تو معاوضہ ادا کیا جائے۔ اپنے قیام کے دوران شہریوں کی چیزوں کا استعمال نہ کرو حتیٰ کہ مالکوں کو اس کی قیمت ادا کی جائے بلکہ خلیفۂ اوّل رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ یہاں تک فرماتے کہ شہریوں کے دودھ دینے والے جانوروں کا دودھ بھی تم نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ مالک اجازت نہ دے۔

۵۔ لاشوں کے احترام کا حق نَھَی النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عن المُثْلَۃ۔ نبیٔ کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی اور تذلیل سے منع فرمایا۔ مثلہ یعنی لاشوں کے اعضاء کی قطع برید سے روکا ہے۔ حالانکہ یہ حکم ایک انتہائی جذباتی اور انتقامی جوش و جذبہ کے موقعہ پر دیا گیا ہے، جب جنگ اُحد میں حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور عبداللّٰہ بن جحشؓ شہید ہوئے تو اُن کی لاشوں کا مثلہ کیا گیا۔ اُن کے ناک کان کاٹ کر ہار بنائے گئے۔ پیٹ چاک کر کے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے کی کوشش کی گئی۔ ایسے جذباتی، انتقامی اور اشتعال انگیز موقعہ پر بھی حضورؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ تم دشمن کی لاشوں سے یہ سلوک نہ کرو۔ دینِ اسلام کی سچائی اور خدا کے فرستادہ دین ہونے کی بڑی دلیل ہے جس میں انسانی جذبات و اشتعال کا کوئی دخل نہیں، اگر انسانی جذبات کو دیکھا تو ایسے موقع پر بستیوں کی بستیاں

تباہ کر دی جائیں۔

۶۔ دشمن کی لاشیں ان کے حوالے کرنا جنگ احزاب میں دشمن کی فوج کا مشہور شہسوار خندق میں گر کر ہلاک ہو گیا تو کفار نے حضورؐ کے سامنے دس ہزار دینار پیش کئے کہ اس کی لاش لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں مُردے فروش نہیں ہُوں، آپ لاش بیشک لے جائیں۔

۷۔ بدعہدی کی ممانعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی فوجوں کی روانگی کے وقت سخت تاکید فرماتے: لا تغدروا، بدعہدی نہ کرنا۔ اسلام میں ویسے بھی وعدہ خلافی کی سخت ممانعت ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ دشمن اگر جنگ کے دوران ایسا کرتا ہے تو کرے، لیکن مسلمان ایسا نہیں کر سکتا۔ صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ صلح نامے کی شرائط کے مطابق اسی وقت مسلمان نوجوان حضرت ابو جندلؓ جن کا والد ابھی صلح کی تحریر کے بعد بیٹھا ہُوا تھا، بیڑیوں میں جکڑے ہوئے کفار مکہ کے نرغے سے بھاگ کر آ گئے اور مسلمانوں سے اپنے بچاؤ کی فریاد کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم صلح نامے کی اس شرط کے مطابق تمہیں کفار کو واپس کرنے پر مجبور اور پابند ہیں۔ خداوند تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔ اُن کی حالت زار اور اس وقت کی بے بسی دیکھ کر سب صحابہ کرامؓ رو پڑے، لیکن حضورؐ نے اپنے عہد کی خلاف ورزی نہ فرمائی، تو صحابہؓ کی بڑی تعداد کے باوجود کوئی ہاتھ بھی اُن کی امداد کو نہ اُٹھ سکا اور نہ قدم آگے بڑھا۔ چنانچہ کفار مکہ سب مسلمانوں کے سامنے اُنہیں گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کے وعدوں کی پابندی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

۸۔ اظہار رائے کی آزادی کا حق اظہار رائے کی آزادی کا حق اس شرط کے ساتھ ہے کہ تعمیری ہو، بھلائی اور اخلاص کے ساتھ ہو۔ تخریب اور بُرائی کے لئے نہ ہو۔ تنقید کے نام سے دشنام طرازی اور الزام تراشی نہ ہو۔ بُرائی کی اشاعت کے لئے نہ ہو۔ بھلائی کی اشاعت صرف حق ہی نہیں فرض ہے اور برائی سے منع کرنا بھی فرض ہے۔ برائی کوئی فرد کرے یا گروہ، مُلکی ہو یا غیر ملکی یا دوسری قوم کر رہی ہو۔ "تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" کا قرآنی اور خدائی اجازت نامہ ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ کوئی شخص برائی کو دیکھے تو ہاتھ سے روکے، ایسا نہ کر سکے تو زبان سے روکے، یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں برائی کو بُرا جانے۔ حکومت اگر اس اظہار کے راستے کو روکے اور کسی کو یہ حق ادا نہ کرنے دے تو گویا وہ حکومت خدا اور رسولؐ سے مقابلہ کر رہی ہے۔

۹۔ اعتقاد کی آزادی کا حق اسلام اپنی مملکت میں لوگوں کو اعتقاد کی آزادی کا حق دیتا ہے۔ قرآن پاک میں واضح ارشاد ہے: لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ دین میں کوئی زور اور زبردستی نہیں۔ اگرچہ دین حق بجائے خود حق ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کی دعوت فرض ہے، مگر یہ حق دوسروں پر زبردستی مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص دلائل اور دین کی سچائی سے متاثر ہو کر مان لے تو اُسے سینہ سے لگانا چاہیئے، اگر نہ مانے تو اُسے اپنے اعتقاد کے مطابق عمل کی آزادی کا حق دیا گیا ہے۔ لا اکراہ فی الدّین قد تبین الرشد من الغی۔ الخ۔ دین میں زبردستی نہیں۔ جب دین سرکشی

Marfat.com

سے جدا ہوگیا تو جس کی مرضی ہے دین اپنائے۔

۱۰۔ مذہبی دلآزاری سے تحفظ کا حق غیر مذہب والوں کو یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ ان کے عتقاد کے مطابق ان کی دلآزاری نہ کی جائے۔ قرآن کا ارشاد ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ جن معبودوں کو یہ مشرک خدا کے سوا پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو۔ معاملہ بتوں تک ہی نہیں بلکہ اس قوم کے بزرگوں، پیشواؤں کے لئے بھی یہی حکم ہے، انہیں گالیاں دے کر، انہیں بُرا بھلا کہہ کر ان کا دل نہ دکھایا جائے۔ مذہبی بحث مباحثہ ضرور ہو مگر تہذیب اور شائستگی کے ساتھ ہو۔ وَلَا تُجَادِلُوا اَھْلَ الْکِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو، البتہ مباحثہ احسن انداز سے کرو۔

۱۱۔ حاجتمندوں اور محروموں کا حق حاجتمندوں کی دستگیری اور امداد کا حق دیا گیا ہے۔ وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ مسلمانوں کے مال میں ہر محروم اور سائل کا حق ہے۔ صرف اس بات کا حق نہیں کہ وہ مدد مانگیں تو انہیں مدد دی جائے بلکہ وہ مانگیں یا نہ مانگیں، اگر کسی مسلمان کے علم میں یہ بات آجائے کہ فلاں شخص ضروریات میں محروم اور حاجتمند ہے تو اس تک خود پہنچ کر مدد کرنا مسلمان کا فرض اور حاجتمند کا حق ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت، صدقات کی ترغیب کے علاوہ حکومت کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ کسی کا کوئی دستگیر نہ ہو تو اس کی دستگیری کرے۔ اَلسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ۔ حکمران اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

حرفِ آخر انسانی حقوق کا یہ مختصر نقشہ جو اسلام نے انسان کو دیا ہے، اس میں دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ حقوق خدا اور اس کے رسولِ مقبول ؐ نے مقرر فرمائے ہیں جو اپنے ماننے والوں پر فرض کیے گئے۔ یہ کسی سوسائٹی، معاشرے، ادارے یا مجلس قانون ساز کے وضع کردہ نہیں ہیں کہ اِس ہاتھ دینے اور اُس ہاتھ سے لینے کا خطرہ موجود ہو اور ان حقوق کی قوتِ نافذہ اسلام کا اپنا عقیدہ اور ایمان ہے جو عام مسلمانوں یا حکمرانوں کو ان کی ادائیگی پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے برعکس یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ ترقی پسندی اور روشن خیالی کے مدعی ان سے زیادہ منصفانہ قوانین نہیں بنا سکتے اور نہ ان سے بہتر حقوق پوری انسانیت کے لئے مقرر کر سکتے ہیں۔ اس کے باوجود اس بات پر افسوس آتا ہے کہ جن کے پاس اتنے بلند پایہ اور منصفانہ قوانین موجود ہوں اور ہر دور میں پوری انسانیت کی فلاح و بہبود اور راہنمائی کے مدعی بن سکتے ہوں، وہ اپنی راہنمائی اور ہدایت کے لئے اُن قوموں اور ملکوں کی طرف ہدایت و رہنمائی کے لئے دیکھ رہے ہوں، جن کے تصور میں بھی حق و انصاف کی اتنی بلندیاں نہیں آئیں اور نہ کبھی آسکتی ہیں۔ اس بات پر افسوس آتا ہے کہ اسلام پر ایمان رکھنے والے مسلمان حکمران آج دنیا بھر میں اپنے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہوئے غیروں کے خود ساختہ قوانین پر اپنی حکومتوں کی بنیادیں استوار کر رہے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔ (ماخوذ از مضمون مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ انسانی حقوق)

Marfat.com

Marfat.com

انسانی مساوات اور اسلام

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ حجرات۔ تمام انسانوں سے خطاب۔ پیدائشی برابری۔ سورۂ نساء پرورش و ربوبیت میں برابری۔ سورۂ بقرہ کی آیت، رزق، ہواؤں پانی اور زندگی میں برابری۔ عبادات میں مساوات۔ نماز، روزہ، حج موت میں یکسانی۔
۲	قوانین اور انصاف میں برابری	تمام انسانوں کے ساتھ مسلمانوں کا رویۂ انصاف برابر رہا، چوری کا مقدمہ حضورؐ کا انصاف۔ غیر مسلم شہریوں کے متعلق حضرت علیؓ کا قول۔ خلفاء کے خلاف مقدمات۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاں شاہی خاندان کے شخص کا مقدمہ۔ مصر کے گورنر کے خلاف شکایت، اس کے لڑکے نے کوڑا مارا عام آدمی کو انصاف دلایا۔ شام کے رئیس جبلہ کی شکایت۔
۳	قصاص میں برابری و مساوات	کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر۔
۴	واقعات و امثال	حکمرانی کے باوجود معاوضہ نہ لیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا رستم کے دربار میں بے خوف جانا۔ خلفاء راشدینؓ نے تحفظ ذات اور ذاتی مراعات میں کوئی امتیازی سلوک اپنے لئے روا نہ رکھا۔ فرعون کے بدترین جرائم میں سے بڑا جرم جعل اھلھا شیعاً۔ خدائی اور بندگی میں تقسیم انسانیت قائم کی۔ اسلامی سپہ سالار نے فوج کے سپاہی کے وعدہ کا پاس رکھا۔

انسانی مساوات اور اسلام

آیت معہ ترجمہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ (سورۃ الحجرات) لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ تمہارے قبیلے اور گروہ تمہاری پہچان کے لئے بنائے ہیں، ذریعہ عزت اور فخر نہیں۔ تم میں سے خدا کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو تقویٰ دار، پرہیزگار اور خدا ترس ہو۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ بالا آیت میں سب سے بڑی بات جو قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی ملک، قوم اور مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، مخاطب فرمایا کہ تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ اس حقیقت سے قطع نظر کہ انسانوں کو پیدا کرنے والی ذات ہی اس حق کی سزاوار اور بدرجۂ اولیٰ یہ حق رکھتی ہے کہ صرف اس کی بندگی اور اطاعت کی جائے۔ ہم اپنے موضوع کی مناسبت سے دوسرے نکتہ کو لیتے ہیں کہ جب ہماری پیدائش یعنی تمام انسانوں کی پیدائش کا مبدا و منشاء خدا کے بعد آدمؑ اور حواؑ ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے انسانوں کا سلسلۂ تخلیق و پیدائش جاری فرمایا تو قدرتی طور پر تمام انسان ایک دوسرے کے ساتھ گہرے سلوک اور باہمی روابط میں یکساں اور برابر حق رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک خاندان اور رشتہ کے انسان ایک دوسرے پر دعویٰ اور حق رکھتے ہیں۔ خدا کے خالق ہونے کے سبب سے جس طرح اس کی اطاعت فرض ہے اسی طرح ایک ہی سلسلۂ نسب اور نسل کے لحاظ سے تمام مخلوقاتِ بنی نوع کے ساتھ رعایت اور حسنِ سلوک انسانوں پر فرض ہے، کیونکہ سب کا سببِ وجود ایک ہی ہے، شرعاً بھی اخلاقاً بھی اور یکساں سبب تولید و تخلیق سے بھی انسان باہم حسن سلوک اور مساوات میں شریک ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے اس قرآنی حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

پیدائش میں برابری

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

آدم علیہ السلام کی اولاد کی مثال انسانی بدن میں اعضاء کی سی ہے، کیونکہ تمام کا جوہر پیدائش ایک ہی ہے، اگر زمانے کے ہاتھوں کسی عضو کو دکھ ملتا ہے تو بدن کے دوسرے اعضاء اس دکھ میں شریک ہوتے ہوئے بے قرار اور بے چین ہو جاتے ہیں تو اس طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تخلیق کے ذرائع واحد، مرد اور عورت، کا ذکر فرما کر پیدائشی برابری اور مساوات کی بنیاد پر یہ مسئلہ حل فرما دیا ہے کہ تمام انسان باہم جس طرح ایک عورت اور مرد کے ملاپ

Marfat.com

سے وجود میں آتے ہیں۔ اسی طرح یہ دوسرے انسانی حقوق میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مساوات اور برابری کا حق رکھتے ہیں۔ اس خیال کو قرآن کریم میں متعدد دوسرے مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے۔ سورۂ نساء کی یہ آیت ملاحظہ ہو۔
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔ لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس میں سے تمہارے جوڑے پیدا کئے اور ان کے ذریعے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ خدا کا خود انسان کو پیدا کرنا اور نفس واحد کے ذریعہ اس کے پھیلاؤ اور کثرت کا مطلب یہی ہے کہ وہ انسانی حقوق میں برابر کے شریک ہیں اور کسی کو کسی خاندانی برتری، نسلی امتیاز، منصبی جاہ و جلال اور دولت کے باعث امتیاز حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی اعلیٰ خاندان میں پیدا ہونا، اعلیٰ قبیلے سے تعلق کسی کا ذاتی کمال نہیں ہے۔ سب کی بنیاد ایک ہے اور قبائلی یا طبقاتی اور گروہی جدائی صرف ذریعہ تعارف اور وسیلۂ پہچان ہے۔ خدا کی دی ہوئی اس برتری کا تقاضا ہے کہ وہ خدا سے ڈرے، پرہیزگاری اختیار کرے اور دوسرے اپنی طرح کے انسانوں کے حقوق کا خیال رکھے۔ دیکھئے اس آیت میں بھی مخاطب تمام انسان ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملّت سے تعلق رکھتے ہوں۔

۲۔ پرورش اور ربوبیت میں مساوات پیدائشی مساوات اور برابری کے بعد خدا کی طرف سے دوسرا مرحلہ انسان کی پرورش اور خدا کی ربوبیت میں یکساں سلوک کا آجاتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔ اے لوگو اپنے ربّ کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا تمہارا ربّ "تمہاری عبادت کا مستحق ہے" ے نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمانوں سے تمہارے لئے بارش برسائی، جس سے ط طرح کے پھل، میوے اور رزق اس زمین سے نکالا جسے تم کھاتے ہو۔ اس آیت کے مخاطب بھی تمام انسان ہیں۔ اس میں ن اپنے خالق کی بندگی کی وہی پیدائشی اور تخلیقی دلیل پیش کی ہے اور اس کے نتیجہ میں اسی پرہیزگاری اور تقویٰ داری کے مطلوب مقصد کو اہمیت دی گئی ہے جو خدا کی خالقیت کے تصوّر اور اس کی عبادت کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ بہت سے خدا اور ان کی بندگی پر نہ تمام انسان جمع ہو سکتے ہیں نہ اتفاق و اتحاد پیدا ہو سکتا ہے اور نہ انسانی مساوات، برابری اور ان کے اندر اتحاد کی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ پھر آگے چل کر تمام انسانوں کو رزق کے بنیادی ذرائع زمین، آسمان، اس کے تمام مظاہر چاند، سورج، بارش اور اس کے ذریعہ زمین سے پھوٹنے والے تمام رزق کا ذکر فرمایا ہے۔ جنہیں ہم براہ راست خود بھی کھاتے ہیں اور جنہیں ہمارے جانور یا رزق و خوراک کے دوسرے ذرائع کھا کر زندہ رہتے ہیں اور ہماری خوراک و پرورش کا ذریعہ بنتے ہیں۔

خدا کے پیدا کردہ رزق کے یہ تمام ذرائع جو مختلف افعال و اثرات کے باعث ہماری خوراک کی پیدائش، اس کی نشوونما اور ان کے پھلنے پھولنے میں مددگار ہوتے ہیں، تمام انسانوں کی یکساں خدمت گزاری اور رزق برآری میں دن رات

Marfat.com

محسوس اور غیر محسوس طور پر مصروفِ کار رہتے ہیں۔ زمین کی پیداواری صلاحیتیں، پانی کی زندگی بخش قوتیں، سورج کی تمازت، چاند ستاروں کی تراوت، اور ہواؤں کی ہمہ وقت سانس لینے کے لئے سہولت، زمین کے اندر نفع بخش کانیں اور معدنی ذخائر، سمندروں میں چلنے والی کشتیاں، لعل و جواہر اور خوراک، پہاڑوں میں سونے چاندی اور لوہے اور نمک کے دُور دُور تک پھیلے ہوئے کانوں کے سلسلے ہیں جو آجکل کی صنعتی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت رکھتے ہیں۔ بجلی کی پوشیدہ قوتیں اور پیٹرول کے اُبلتے ہوئے چشمے ہماری ضروریات اور خوراک مہیا کرنے والے گونا گوں جانور پرندے جنہیں ہمارے پالنے والے ربّ نے ہمارے لئے حلال اور ہمارا تابع بنا یا ہوا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں کوئی ذی عقل آدمی نہیں کہہ سکتا کہ یہ تمام انسانوں کے یکساں رزق نہیں یا جن پر تمام انسانوں کی زندگی کا مدار اور انحصار نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ انسانوں نے خود خدا کی دی ہوئی بے شمار نعمتوں کو اپنی لالچ، خود غرضی اور ہوس کے باعث آپس میں بانٹ رکھا ہے اور دوسرے انسانوں کو محروم چھوڑ رکھا ہوا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے بطور ربّ اور پالنے والے کی حیثیت سے کسی خاص گروہ انسانی کے لئے یہ نعمتیں پیدا نہیں کیں۔ ان سے تمام انسانوں کو انتساب و انتفاد کا حق دے رکھا ہے۔ غریب و امیر، مشرک و مومن، مسلمان و کافر، گورے اور کالے، ہر قوم اور ہر نسل ان سے فائدہ اُٹھا رہی ہے۔ اُس کو ربّ ماننے والے بھی اور نہ ماننے والے، اُس کی بندگی کرنے والے بھی اور بندگی سے انکاری بھی، مگر یہ صرف خدا کے سچّے دین اور اسلام کی برکات ہیں کہ اُس نے ہمیں اپنے حقیقی معبود کو پہچانتے میں مدد دی اور اُس کی ان تمام نعمتوں کی شکرگزاری میں اس کی بندگی کا راستہ سمجھایا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر مشتمل قرآن کا نزول تو سب انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں خدا کی شناخت اور اس کی عبودیت کی دعوت دیتا ہے اور انہیں ان کے حقیقی مالک اور رازق کا پتہ دیتا ہے، مگر کوئی جانوروں کی طرح ان سب نعمتوں سے مستفید ہوتے ہوئے اُس کی کبریائی، اُس کی ربوبیت اور اس کی عبودیت سے انکاری ہے تو وہ دنیا میں بے شک ان نعمتوں، رزق اور تمتع کے ذرائع سے فائدہ اُٹھائے، آخرت میں اُسی طرف جانا ہے جہاں ان کا حساب دینا پڑے گا۔ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۔ قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

عبادات میں مساوات

خداوند تعالیٰ کی تخلیقی و تربیتی یا پرورشی انسانی مساوات کے اس نظام کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کی عبادات پر نظر ڈالی جائے تو بھی جہاں اس کی دعوت تمام انسانوں کے لئے برابر ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت میں موجود ہے۔ وہاں عبادات کے تمام طریقے خدا کو ماننے والوں کے لئے مساوی اور برابر ہیں۔ نماز کو دیکھئے تو بقول علامہ اقبالؒ ؎

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے ۔۔۔ تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

۱۔ نماز

نماز کے لئے اوقات، مقامات، مساجد اور نماز کے ارکان سب کے لئے یکساں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی کے لئے اُونچی مسند بنی ہو اور کسی کے لئے نیچی۔ کسی کے نیچے قالین ہو تو کسی کے نیچے چٹائی یا صرف خاکی فرش ہو۔ یہ بھی نہیں کہ مالداروں، امیروں اور منصب داروں کے لئے گھر کی رعایت ہو تو غریبوں مسکینوں کے لئے مسجدوں کی شرط ہو۔ یہ بھی نہیں کہ بادشاہوں، وزیروں کے لئے رکعتوں کی تعداد تھوڑی ہو تو ناداروں کے لئے زیادہ ہو۔ احکامات، قیام و قعود اور سجود سب کے لئے ایک جیسے برابر ہیں۔ سفر، بیماری اور معذوری کے احکامات میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔

۲۔ رمضان شریف پھر رمضان شریف کو لے لیجئے۔ ایک ہی مہینہ ہے جس میں تمام دُنیا کے مسلمان بلاتمیز رنگ نسل شریک ہوتے ہیں۔ اوقات کے جغرافیائی فرق کے سوا سب اسی دن رات اور طلوع و غروب کے پابند ہیں۔ فدیہ کی رعایت جو صاحبِ استطاعت کو حاصل تھی لے لی گئی۔ اب صاحبِ توفیق اور غریب سب ایک روزہ رکھنے کی پابندی میں شریک کر دیئے۔ مسافر، معذور، بیمار جس طبقے کا ہو، سب کے لئے ایک جیسی رعایت، روزہ کی قضا سب پر لازم۔

۳۔ حج اس کے بعد اس عبادت کو لے لیں جو تمام دنیا کے بسنے والے مسلمانوں پر فرض ہوتی ہے۔ اس میں بھی غریبوں کو اس میں شریک ہونے کی رعایت ہے، ورنہ ہر ملک و قوم اور ہر رنگ و نسل کے مسلمانوں کا ایک مرکز میں سالانہ اجتماعی طور پر ارکان حج کی ادائیگی مساوات کی ایسی مثال ہے جسے دوسرا کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ ایک ہی خدا کے گھر کے گرد، ایک جیسے لباس، ایک ہی نعرہ مجنونانہ لبّیکَ اللّٰھُمّ لبّیک لاشریک لک۔ سب کی زبان پر، ایک ہی جیسی حالت میں منیٰ ہو کہ عرفات، قربانی ہو یا شیطان کی رمی جمار، ایک جیسا عمل، ایک جیسی گردشِ طواف، کوئی تفریق نہیں، کوئی امتیاز نہیں، کوئی جداگانہ و امتیازانہ سلوک نہیں، ہٹو بچو نہیں، باادب با ملاحظہ ہوشیار باش کی صدائیں نہیں۔ سب درخواست گزار ہیں تو ایک ہی بالا و برتر ذات کے سامنے، آنسوؤں کے نذرانے ہیں، فریادوں سسکیوں اور سرگوشیوں کے سلسلے ہیں۔ نگاہیں جُھکی ہوئی، سر برہنہ و پا برہنہ، فقیرانہ سوالی لباس ہے۔ مالداروں، سربراہوں، وزیروں، شاہوں، رئیسوں، سیٹھوں کے لئے جداگانہ اوقات نہیں، بھیڑ سے بچنے کے امکانات و انتظامات نہیں — اگر کسی نے کیئے ہیں تو ذاتی طور پر خدا کا حکم توڑ کر کیئے ہیں۔ زمزم سب کا ایک، حجرِ اسود کے بوسے سب کے لئے، صفا مروہ کے چکر میں سب شریک، مزدلفہ کی رات کا قیام کھلے آسمان تلے زمین کے فرش پر، کنکریوں کی جمع آوری اور کرید — یہ ساری مصروفیت چند روزہ ہے، مگر ان مناسک اور ارکانِ حج کی ادائیگی میں کوئی تخصیص کسی کے لئے نہیں ہوتی۔ اسلامی تعلیمات، احکامات اور عبادات میں مساوات کا اس سے زیادہ مؤثر اور خوش کُن منظر کسی مذہب کسی دوسری قوم اور کسی دوسرے ملکوں کے تہواروں میں نظر نہیں آتا اور پھر اسی حج کے دوران ایامِ جاہلیت میں جو خاندانی غرور اور نسلی تفاخر کے جو بیان ہوا کرتے تھے اسلام نے انہیں سختی سے منع کر کے صرف ایک اللہ کی کبریائی، بڑائی اور بزرگی کے ذکر پر زور دیا جو آج تک اسی طرح ہو رہا ہے۔

موت میں مساوات پیدائش سے موت تک سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ غیر مذہب لوگوں نے اپنے لئے جداگانہ رسوم و رواج داخل کر دیئے۔ ہندو جلاتے ہیں اور مسلمان مرنے کے بعد تجہیز و تکفین اسلامی انداز کے مطابق امیر اور غریب سب کے ساتھ ایک ہی طرح کا سلوک کرتے ہیں، جنازہ ہوتا ہے۔ قبر میں دفنایا جاتا ہے کفن کا وہی سادہ لباس ہوتا ہے اور قبر کا بھی وہی ایک جیسا ناپ ہوتا ہے، اگرچہ امراء تابوت کا اہتمام کرتے ہیں اور قبروں کو امتیازی رنگ دیتے ہیں، مگر موت کے بعد تو بادشاہ اور غریب سب برابر ہو جاتے ہیں کوئی بھی مال و متاع اور علم و فضیلت لے کر نہیں جاتا۔ خدا کی رُوبروئی اور حاضری میں سب برابر ہیں۔

قوانین اور انصاف میں برابری ہو سکتا ہے کہ کوئی گزشتہ تمام تفصیلات کو پڑھ کر یہ کہہ دے کہ یہ تو خداوند تعالیٰ کا اپنے بندوں اور تمام انسانوں کے ساتھ رویّہ ہے جن میں واقعی مساوات کا اصول

Marfat.com

کارفرما ہے، لیکن یہ بھی تو سوچا جائے کہ اگر انسان تمام خدا کے پیدا کردہ اور پرورش یافتہ ہیں تو اسلام بھی خدا کا بھیجا ہوا دین ہے، حضورؐ بھی اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور قرآن کریم بھی اسی خدا کی فرستادہ کتاب ہے اور اسی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ تمام دلائل دے کر خود کو خدا منوانے اور اپنی بندگی کرنے کی دعوت دی ہے اور اپنے سچے دینِ اسلام پر عمل پیرا ہونے کا کہا ہے تو کیا وجہ ہے کہ خدا کے رویے کو تو آدمی تسلیم کرے اور خدا کو معبود ماننے اور اس کے دین کو تسلیم کرنے اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے سے انکار کرے۔ تاہم اس سے ہٹ کر اسلامی نظام عدل وانصاف کی رو سے بھی دیکھا جائے تو بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدا پر ایمان لانے والے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے والے مسلمان حکمرانوں نے اللہ تعالیٰ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تمام انسانوں کو عدل وانصاف کا حق دیا ہے۔

حضورؐ اس وقت حکمرانِ وقت بھی تھے اور قاضیٔ عدالت بھی تھے۔ چوری کے مقدمہ میں قبیلہ مخزوم کی عورت فاطمہ ماخوذ ہوتی ہے۔ یہ عورت شریف با اثر اور معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ سب کا خیال تھا کہ اس سے نیازی سلوک ہوگا اور اگر نہ ہو تو بھی ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے حضرت اسامہؓ کا انتخاب ہوتا ہے کہ حضورؐ کے لاڈلے اور محبوب تھے تاکہ ان سے رعایت کی سفارش کرائی جائے۔ سفارش ہوتی ہے۔ آپؐ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو جاتا ہے اور اسامہؓ سے فرماتے ہیں: اتشفع فی حد من حدود اللہ۔ کیا تم حدودِ الٰہی کی عدم اجراء کی سفارش کرتے ہو؟ — پھر صحابہ کرامؓ کو بلا کر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم سے پہلی اُمتیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ جب کوئی معزز آدمی ان میں سے جرم کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی غریب اور بے وسیلہ آدمی جرم کرتا تو اُسے سزا دی جاتی تھی۔ پھر نہایت تاکید سے ساتھ فرمایا: لَو اَنَّ فاطمۃ بنت محمدٍ سَرَقَتْ لقطعَ محمدٌ یدَھا۔ خدا کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی چوری کرتی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے تم سب کا باپ ایک ہے کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر بندگی ہے۔ نہ کسی سُرخ کو کالے پر فوقیت ہے، نہ کسی کالے کو گورے پر برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معظم و مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہو۔ غیر مسلم شہریوں کے متعلق حضرت علیؓ کا قول ہے: لتکون اموالھم کاموالنا ودماءھم کدمائنا ——— غیر مسلم شہریوں نے مسلمان حکومت کا ذمہ اسی لئے لیا ہے کہ اُن کے مال ہمارے مالوں کی طرح اور اُن کا خون ہمارے خون کی طرح ہو جائے۔ یعنی اُن کے جان و مال کی حرمت مسلمانوں کے جان و مال کی طرح ہو جائے۔ اسلام کی نظروں میں حکمران بھی قانون سے بالاتر نہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے فرد سے لے کر صدرِ مملکت تک سب برابر ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے شہری کے خلاف عام مسلمان بھی دعویٰ کر سکتا ہے۔ مسلمان حکمرانوں سے بارہا ایسا ہوا کہ ان کے خلاف کسی شہری کو شکایت ہوئی تو عدالت کی طرف بے خوف و خطر رجوع کیا اور اگر مسلمان حکمرانوں کو ایسی کوئی شکایت کسی شہری کے خلاف پیدا ہوئی تو انہوں نے بھی اپنے انتظامی اختیارات کو بروئے کار لا کر اپنا حق لینے کی بجائے خود عدالت کے دروازے کھٹکھٹائے اور انصاف طلب فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف حضرت ابی بن کعبؓ کا تنازعہ ہوا تو مقدمہ زید بن ثابتؓ کی عدالت میں دائر ہوا۔ حضرت عمرؓ امیر المومنین تھے اور بڑے دبدبے اور شان کے امیر تھے۔ عدالت میں عام آدمی کی طرح گئے تو حضرت زید بن ثابتؓ نے تعظیم فرمائی۔ اُن کے مرتبے کا لحاظ فرمایا، لیکن حضرت عمرؓ اپنے مدعی کے پاس جا بیٹھے اور کہا کہ قاضی کی حیثیت

Marfat.com

سے آپ نے پہلا ظلم یہ کیا کہ میری تعظیم کی تمہارے نزدیک عام آدمی اور خلیفہ برابر نہ ہو تو تم قضا کے منصب کے قابل ہی نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور مقدمہ کہ انہوں نے ایک یہودی کے خلاف اپنی زرہ چرانے کے سلسلہ میں دائر کیا زرہ کو اپنی ثابت کرنے کے لیے حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے غلام قنبر کو بطور گواہ پیش فرمایا۔ قاضی شریحؒ قاضی تھے۔ انہوں نے یہ گواہ مسترد کر دیئے کہ یہ مدعی کے زیر اثر بیٹا اور غلام ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت امام حسنؓ کے مرتبہ اور حیثیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو علم ہے کہ حضورؐ نے حسنؓ کو جنت کا سردار فرمایا ہے پھر اس کی گواہی مشکوک کیوں ہے؟ قاضی شریحؒ نے کہا ہم زمین پر رہ رہے ہیں اور معاملہ زمین سے تعلق رکھتا ہے آپ جنت کی باتیں کر رہے ہیں۔ واضح ہو کہ اس وقت حضرت علیؓ خلیفہ تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے شاہی خاندان کے معزز فرد مسلمہ بن عبدالملک کے خلاف عام آدمی کا مقدمہ پیش ہوا۔ مسلمہ سیدھے شاہی فرش پر جا بیٹھے تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں اُتار کر مدعی کے برابر کھڑا کر دیا کہ آپ اس وقت عدالت میں ہیں۔

مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک مصری کو کوڑے مار دیئے۔ مصری شکایت لے کر مدینہ منورہ میں حضرت امیرالمؤمنین عمرؓ کے ہاں حاضر ہوا۔ آپ نے اسی وقت عمرو بن العاصؓ اور اُس کے بیٹے کو طلب فرمایا۔ دونوں باپ بیٹا جب حاضر ہوئے تو امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصری کے ہاتھ میں کوڑا دے کر حکم دیا کہ گورنر کے صاحبزادے کو اپنی شکایت کے مطابق کوڑے مارے۔ مصری نے گورنر مصر کی موجودگی میں اس کے بیٹے کو کوڑے مارے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ایک کوڑا مصر کے گورنر کو بھی مارو تاکہ اس کے بیٹے کے دماغ سے باپ کی گورنری کا غرور نکل جائے۔ مصری نے کہا میرا انصاف مجھے مل گیا ہے جس سے شکایت تھی اُس سے بدلہ لے لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر تم گورنر کو بھی مارتے تو میں منع نہ کرتا۔ پھر عمرو بن العاصؓ سے فرمایا "عمرو! لوگوں کو اُن کی ماؤں نے آزاد جنا ہے تم نے کیوں غلام بنا لیئے؟"

شام کا رئیس اعظم اور شہزادہ جبلہ مسلمان ہوا۔ خانہ کعبہ میں ایک دفعہ طواف کے دوران اُس کی رئیسانہ قبا کا کونہ کسی بدو کے پاؤں تلے آگیا۔ جبلہ نے مڑ کر دیکھا تو بدو کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا۔ بدو شکایت لے کر حضرت عمرؓ کے پاس گیا۔ آپؓ نے جبلہ کو بلایا۔ اُس نے کہا کہ اس نے میرے شاہی لباس پر پاؤں رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ آپ اس سے معافی مانگیں ورنہ میں آپ کے منہ پر تھپڑ مارنے کا حکم دوں گا۔ جبلہ بڑا حیران ہوا اور اپنے شاہی خاندان اور حیثیت کا حوالہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ جاہلیت کے دور کے امتیازات ہیں۔ اسلامی قانون و انصاف میں سب برابر ہیں۔ جبلہ نے سوچنے کی مہلت مانگی اور راتوں رات بھاگ کر مرتد ہو گیا۔ خس کم جہاں پاک۔

قصاص

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی۔ الخ۔ اے ایمان والو، تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص (بدلہ) فرض کیا جاتا ہے۔ آزاد آدمی کے بدلے میں آزاد اور غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت۔ قصاص کے معنی ہی برابر اور مساوات کے ہیں اور اسی قسم کی مساوات میں خداوند تعالیٰ کے فرمان کے مطابق معاشرتی اور انسانی زندگی کی بقا کا راز

Marfat.com

مضمر ہے۔ ولکم فی القصاص حیاۃ" یا اولی الالباب لعلکم تتقون ۔ اسلام کے ہر معاملے میں غایت اور منتہائے مقصود تقویٰ ہی ہے یعنی خدا خوفی، آخرت کی جوابدہی کا احساس اور خدا کے رُوبرو پیش ہونے کا یقین۔ سورۂ مائدہ میں تو ہر اعضاء کے بدلے میں اعضاء سے نقصان کا بدلہ اور قصاص کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ نساء میں حق و انصاف کی گواہی پر قائم رہنے کا حکم ہے خواہ یہ گواہی اپنی ذات، اپنے والدین، اپنے رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ کوئی غریب ہے یا امیر، خدا کا تعلق سب سے زیادہ اہم اور بہتر ہے۔

حکمرانی کا معاوضہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ حکمرانی و خلافت میں بیت المال سے اتنا ہی وظیفہ لینا منظور فرمایا تھا جتنا اُس دور سے ایک عام آدمی کے کنبے کا اوسط خرچ ہوتا تھا۔ انہوں نے سرکاری وسائل اور سرکاری خزانہ میں سے کبھی بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں فرمایا۔ آج عوامی خدمتگار اور عوامی نمائندے آسمانوں میں اُڑتے ہیں اور لوگوں کو سادگی کے وعظ سناتے ہیں۔ خود اُن کی سرکاری تقریبات فائیو سٹار ہوٹلوں کے پُر تعیش و پُر آسائش ماحول اور ہالوں میں منعقد ہوتی ہیں اور لوگوں کو مہنگائی برداشت کرنے کی نصیحتیں کی جاتی ہیں۔ اسمبلی کے ممبران کے روزینے اور وظیفے لاکھوں سے تجاوز کر جاتے ہیں اور سرکاری ملازمین کو اسی لگی بندھی تنخواہ میں آسائشوں، علاج معالجہ کی سہولتوں اور رہائشی ضرورتوں سے محروم رکھا جاتا ہے۔ یہ اُونچ نیچ، یہ تفاوت و امتیاز صحیح اسلامی حکومت میں ناجائز ہے۔ آج کے دور کے کسی بھی حکمران کا وجود، اُس کی زندگی اور اُس کی خدمات مسلمان ملکوں یا مسلمانوں کے لیے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص خلفاء راشدینؓ سے نہ زیادہ قیمتی ہے نہ لازمی ہے اور نہ بہتر ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ لوگ ان سے زیادہ تحفظ، ان سے زیادہ آسائشوں اور ان سے زیادہ خدمات کے عوض مراعات کے مستحق ہوں۔ اسلامی نظام عدل کے قیام اور اسلام کی سربلندی و سرفرازی کے سبب اُن کے دشمن بھی بے شمار تھے اور اُن کی جانوں کو بھی خطرے زیادہ درپیش تھے، لیکن انہوں نے اپنے لیے نہ تحفظات حاصل کیے اور نہ ضرورت محسوس کی۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جنگ قادسیہ کے موقعہ پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے سفارت کے فرائض انجام دیئے۔ رستم کے دربار میں پہنچے تو سیدھے رستم کے ساتھ اُس کے شاہانہ فرش پر جا بیٹھے کہ مسلمان اپنے امراء اور خلفاء کے درمیان اسی طرح آزادانہ اور بے تکلفانہ نشستوں کے عادی تھے۔ وہاں شاہانہ قسم کے امتیازی آداب ہوتے تھے۔ رستم کو ان کا یہ رویّہ ناگوار گزرا اور اُس کے چوبداروں نے انہیں وہاں سے اُتار دیا۔ حضرت مغیرہؓ نے بے باکی اور بے خوفی کے ساتھ اس سلوک پر انہیں ڈانٹا اور رستم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہماری اطلاعات کے مطابق ہم تمہیں عقلمند اور سمجھدار سمجھتے تھے، مگر معلوم ہوا کہ تم لوگ بیوقوف اور گنوار ہو۔ مجھے آپ نے آنے کی دعوت دی تھی، میں خود نہیں آیا تھا۔ تم میں سے با اختیار لوگ خدا بن بیٹھے ہیں اور لوگوں کو اپنے بندے بنا رکھا ہے جو ہر وقت سر جھکائے مؤدب کھڑے رہتے ہیں۔ یاد رکھو جس قوم میں اس قسم کی خدائی اور بندگی کی لکیر کھینچ جائے وہ مغلوب ہو کر رہتی ہے۔

فرعون کے بدترین جرائم میں سے اس جرم کا ذکر قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا۔ فرعون نے اپنے ملک کے باشندوں کو الگ الگ بانٹ دیا تھا۔ یعنی خدائی اور بندگی میں تقسیم کر دیا تھا اور یہ کہ يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً

Marfat.com

مِنھُم۔ اور اپنے لوگوں میں سے ایک محکوم طبقہ کو دبا کر رکھا ہوا تھا۔ اسی جنگ قادسیہ سے پہلے ایران کے ایک سردار "جابان" نامی نے دھوکہ دے کر ایک فوجی سپاہی کے ہاں پناہ لے لی تھی۔ دوسرے مسلمان سپاہی اُسے پکڑ کر حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ ایرانی سردار ہے۔ اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ جب ایک مسلمان اسے پناہ دے چکا ہے میں اسے کیسے سزا دے سکتا ہوں۔ مسلمان تمام ایک جسم کے اعضاء ہیں، ایک کی دی ہوئی پناہ کو نباہنا سب پر فرض ہے۔ یہ ہے انسانی مساوات کی اسلامی تفصیل۔ کیا کوئی دوسرا مذہب اور دوسری قوم خواہ وہ کتنی مہذّب اور ترقی یافتہ کیوں نہ ہو، ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے اور اپنی قوم کے افراد کے ساتھ یہ برابری اور مساوات قائم رکھ سکتی ہے تا بہ دیگراں چہ رسد۔

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

رشتہ داروں کے حقوق، صلۂ رحمی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی سورۂ نحل، سورہ بقرہ ویقطعون ما امراللہ بہ ان یّوصل الخ
۲	صلۂ رحمی کی تشریح	رحم شکم مادر، رحمٰن خدا کے نام سے مشتق ہے۔ فھل عسیتم ان تولیتم۔ تقطعوا ارحامکم۔ میراث کے احکامات میں خیال۔ والدین کے حقوق کی تاکید۔ واتی المال علیٰ حُبّہٖ ذوالقربیٰ۔
۳	تعلیمات اسلامی کی ہمہ گیری	انّما المؤمنون اخوۃ۔ مردہ بھائیوں تک کا خیال دعائے مغفرت۔ ربنا اغفرلنا ولاخواننا۔ الخ
۴	واقعات و امثال	حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مسطح بن اثاثہ کی امداد بند کرنا ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ (النور) مومن کا کردار۔ حضور گرامیؐ کے ارشادات۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خاندانی افراد کا گھیرنا۔
۵	اسلام کی برکات، حضورؐ کے احسانات	ہمیں خود اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کی تعلیم دی۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الاالمودۃ فی القربیٰ ہمارا روّیہ کیا ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

رشتہ داروں کے حقوق، صلۂ رحمی

آیت معہ ترجمہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی (سورۃ النحل ۹۰) اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں عدل و احسان کا اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا۔

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (سورۃ البقرہ: ۲۷) فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ سے کئے ہوئے وعدوں کو توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو کاٹتے ہیں جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا۔ اس طرح وہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی لوگ خسارے والے ہیں۔

تفسیر و تشریح قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے تعلقات کو باہم مربوط و مضبوط رکھنے کے لئے مندرجہ بالا آیات کو بطور عنوان درج کیا ہے۔ ان میں پہلی آیت سورۃ النحل سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں عدل و احسان کا حکم دیا گیا اور پھر قرابت داروں کے ساتھ عطا و بخشش اور دینے دلانے کا حکم ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس سوسائٹی یا معاشرے میں خود اپنے قرابت دار محروم اور منقطع چلے آرہے ہوں، وہاں معاشرے کے دوسرے افراد کے ساتھ عدل و احسان کا نہ تو دعویٰ سچا اور قابل تسلیم سمجھا جاتا ہے اور نہ حقیقی عدل قائم رہ سکتا ہے۔ عدل و احسان کے چشمۂ سلوک اور فیضان عمل کی ابتدائی سیرابی جب یک قریب ترین خاندانی افراد میں موجود نہ ہو، دوسروں تک اس کی رسائی اور فیض رسانی ناممکن ہے۔ پھر تو عمومی احسان اور عدل کے دعویداروں پر یہ پھبتی چسپاں کی جا سکتی ہے کہ ـــ دروں درچہ کردی کہ بروں خانہ آئی ـــ آپ نے اپنے گھر اور خاندان میں کیا سلوک کیا ہے کہ دوسروں کے ساتھ عدل و احسان کا دعویٰ لے کر باہر آ گئے ہو۔ گھر میں عذاب ہو تو باہر ثواب کے سارے واقعات سراب اور دھوکہ لگتے ہیں۔

سورۃ النحل میں تین باتوں کا حکم دیا ہے۔ عدل کا، احسان کا اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ کا، جن میں پہلے دو احکامات کو اس لئے بعد میں ہم نے رکھا ہے کہ ان کا تعلق عمومی ہے۔ وہ اپنے موقعہ پہ بیان ہوں گے، فی الحال قرابتداروں کو پہلے بیان کرتے ہیں تاکہ عام حقوق انسانی اور مساوات کا دائرہ سمٹ کر قرابت داروں تک آ جائے۔ پھر اس کے بعد اسی حصہ کتاب میں والدین، خاوند بیوی اور اولاد کے حقوق کی بحث الگ آرہی ہے۔ عنوان میں اس آیت کے ساتھ سورۃ البقرہ کی آیت میں فاسق لوگوں کی صفات سیئہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ خدا کی حدود اور بندگی کے دائرے سے نکلتے ہوئے فاسق لوگ خدا کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو توڑتے ہیں جو انہوں نے خدا کی بندگی میں رہنے کیلئے کر چکے ہوتے ہیں اور پھر خداوند تعالیٰ

Marfat.com

نے جن رشتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہوتا ہے وہ انہیں کاٹ پھینکتے ہیں۔ یہ دونوں رویّے زمین پر فساد کا سبب بنتے ہیں اور دنیا و آخرت میں انسان کے نقصان کا موجب ہوتے ہیں۔ اپنے جسم کے اعضاء، جو خاندانی عمارت کے اجزاء ہوتے ہیں انہیں کاٹنے سے اپنا جسم یا خاندانی عمارت کیسے سلامت رہ سکتی ہے۔ جس طرح عمارت کے اجزاء پتھر اینٹوں کی خرابی کی کمزوری عمارت کی تخریب و تباہی پر منتج ہوتی ہے، اسی طرح رشتہ داریوں کے سلسلے معاشرے کے فرد سے متعلق ہو کر پورے معاشرے میں پھیلے اور بکھرے ہوتے ہیں، ان کا کاٹنا کس طرح پورے معاشرے کے اتصال و استواری کا کیسے سبب بن سکتا ہے۔

صلۂ رحمی کی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ ۔ الرّحم شجنۃٌ من الرحمٰن فقال اللہ من وصَلَکَ وصلتہٗ ومن قطعکَ قطعتہٗ ۔ (بخاری شریف) رحم شکم مادری رحمٰن سے مشتق ہے۔ اس لئے رحیم خدا نے اسے مخاطب کر کے فرمایا، جو تجھے ملائے گا میں اُسے ملاؤں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں اسے اپنے تعلق سے کاٹ دوں گا۔ رحم اور رحمٰن کا اشتراک لفظی و معنوی محبت اور مودّت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ (سورہ نساء:۱) اور جس خدا کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو تو اس خدا کا اور رشتہ کا تم خیال رکھو۔ صلۂ رحمی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مال میں سے اپنی ذات، اپنے والدین اور بیوی بچوں کو ہی حق دار نہ جانے بلکہ اس مال میں دوسرے رشتہ داروں کا حق بھی تسلیم کرے۔ شریعت اسلامی ہر فرد کو یہ ذمہ داری سونپتی ہے کہ وہ خاندان کے تمام افراد کو بھوکا ننگا نہ چھوڑے۔ ہر خاندان کے غریب افراد کا حق خاندان کے خوشحال افراد پر ہے۔

حضورؐ کی احادیث میں متعدد بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسان کا اوّلین حقدار اُس کے والدین، بیوی بچے، بھائی اور پھر قریبی رشتہ دار ہیں۔ پھر اس کے بعد دُور کے رشتے دار ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے کا ہر فرد و احاد۔ اکائی۔ اپنے اپنے افراد کنبہ و خاندان کو سنبھال لے تو اس معاشرے میں معاشی لحاظ سے خوشحالی، معاشرتی اعتبار سے محبت و خلوص اور اخلاقی طور پر کس قدر شیرینی، مٹھاس اور پاکیزگی آ جائے گی۔

سورہ محمدؐ میں ارشاد خداوندی ہے: فَہَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْ ۔ مشرکین مکہ سے مخاطب ہو کر وہی انداز تخاطب اختیار کیا گیا جو عنوان میں دی گئی سورۃ البقرہ کی آیت کا ہے کہ اگر لوگوں نے دین اسلام کی حمایت اور خدا کے احکامات پر عمل نہ کیا اور حضورؐ کی مدافعت پر تیار نہ ہوئے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس دین کی مصلحانہ، محبت و مودّت سے بھرپور برکات اور باہمی اخوت و یگانگت کے ثمرات سے محروم ہو جاؤ گے اور زمین پر پھر فساد برپا کرنے کے ذمہ دار ٹھہرو گے، ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے۔ عرب کی جاہلیت اور اس کے فساد سے کون واقف نہیں۔ قبیلوں کی لڑائیاں، دشمنیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ نسلوں تک نفرتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ خانہ جنگیاں، خون خرابے روزانہ کے معمولات تھے۔ وہی لوگ جب اسلام کی نعمت سے نوازے گئے تو دنیا کے بہترین افراد پر مشتمل سوسائٹی اور معاشرہ وجود میں آ گیا۔ سورہ محمدؐ کی اس آیت میں انہیں خبردار کیا گیا کہ تم لوگوں نے اس ستھرے، پاکیزہ اور غمخوار معاشرے کی حفاظت نہ کی تو جاہلیت کی درندگی، وحشت اور بربریت دوبارہ لوٹ آئے گی اور تمہاری خاندانی اور

Marfat.com

قبائلی قرابتداریاں ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں گی۔

دُور اور قریب کے رشتہ دار ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔ اچھے سلوک، عمدہ برتاؤ، لین دین، باہمی محبّت کے سلوک سے ہی یہ رشتے جوڑے جاسکتے ہیں۔ خاندان اور کنبے کے اندر بچوں اور بچیوں کے رشتوں سے یہ روابط مستحکم ہوتے ہیں، اس کے برعکس بُرے سلوک، بُرے برتاؤ، بے توجہی، غریبی اور امیری کے احساس کے تحت نفرت و حقارت، بخیلی و کنجوسی، شادی بیاہ کے رشتوں میں اُونچ نیچ، غریبی امیری کے دلائل اور بحثوں سے قطع رحمی ہو جاتی ہے۔ قرابتداریاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ کا یہی مطلب ہے اور یقطعون ما امراللّٰہ بہ ان یوصل میں اسی رویہ کو بیان کرکے فساد فی الارض کا موجب اور خسارے کا سبب بتایا ہے۔

میراث کے احکامات میں قرابتداروں کا خیال

میراث کی تقسیم میں، اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کے احکامات واضح ہیں کہ کون میراث کا حقدار اور کس کا کتنا حصہ بنتا ہے، مگر اس کے باوجود اس مال میں بطور میراث نہ سہی بطور امداد وحسن سلوک، قریبی رشتہ داروں اور یتیموں مسکینوں کو دینے کا ذکر فرمایا ہے: وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (سورہ نساء: ۸) جب وراثت کی تقسیم کرو تو کنبے کے دوسرے افراد، جو وارث نہ ہوں، انہیں اور یتیموں مسکینوں کو بھی دے دیا کرو۔ وسعتِ قلبی، فراخدلی اور فیاضی کی بہترین نصیحت فرمائی گئی ہے۔ اسی سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کرنے، شرک سے بچنے کا حکم دے کر والدین، ذی القربیٰ، یتیموں مسکینوں کے بعد پڑوسی رشتہ داروں، اجنبی پڑوسیوں اور پہلو کے ساتھی، ہم نشین، ہم سفر کے ساتھ احسان اور حسنِ معاملہ کا حکم بھی دیا ہے۔ اپنی بندگی کے متصل بعد معاشرتی احکامات اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے افراد سے حسنِ سلوک کی یہ تاکید اسلام کے بغیر کسی مذہب، کسی تہذیب اور کسی دوسری نام نہاد اور بزعم خویش ترقی یافتہ اور مہذب قوم میں نہیں ہے۔

تعلیمات اسلامی کی ہمہ گیری

اسلامی برادری تو خاندانی برادری اور قرابتداری تک محدود نہیں اسلام تو تمام ایمان والوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنانے اور سمجھنے پر زور دیتا ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوتا ہے: انّما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتّقوا اللّٰہ لعلّکم تفلحون۔ تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تنازعہ پیدا ہو جائے تو تم ان میں صلح کراؤ۔ ہماری حالت اس کے برعکس یہ ہوتی ہے کہ ہم اس قسم کے تنازعات و مقدمات میں اُلٹا یا تو تماشائی بن کر اپنی اپنی مصلحتوں کے شکار ہو جاتے ہیں یا اپنے مفاد کی خاطر اور اختلافات میں اپنی عزت بڑھانے کی خاطر ایک کی تھالی پہ دوسرے کی برائی اور دوسرے کے دسترخوان پر اس کے مخالف کو بُرا بھلا کہہ کر اپنی عزت بناتے اور ٹکڑے میٹھے کرتے ہیں، لگائی بجھائی کرتے ہیں اور دُوری و مخالفت کی خلیج کو اور وسعت دیتے ہیں۔ لڑاؤ اور مزے اُڑاؤ کہ اسی میں ہماری بہتری اور اسی میں ہماری آؤ بھگت ہوتی ہے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہماری فلاح و بہبود صلح کرانے میں ہے، لڑانے میں نہیں۔

مُردہ بھائیوں تک کی خیر خواہی اور مغفرت

ایک اچھے مسلمان اور مومن کی تو یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف زندہ انسانوں کا خیر خواہ ہوتا ہے بلکہ وہ اُمتِ مسلمہ کے تمام وفات یافتہ لوگوں کی مغفرت بھی چاہتا ہے۔ اُنہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتا ہے: وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (الحشر: ۱۰) اہلِ ایمان خدا سے کہتے ہیں اے ربّ ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ان کے لئے بخیلی اور بُغض نہ رکھ۔ اے ربّ تُو بخشنے والا اور مہربان ہے۔ سوچیے کہ اسلام اور اس پر ایمان کا رشتہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا کتنا خیر خواہ بنا دیتا ہے۔ یہ عین ایمان ہے کہ ایک مسلمان کا دل دوسرے مسلمان کے لئے نفرت اور بُغض سے خالی ہو۔

اسلام کے ابدی احکامات

قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ کا حکم صرف یہ نہیں کہ حضورؐ کی تعلیمات کا حصّہ ہے بلکہ اس قسم کا حکم حضورؐ سے پہلے بنی اسرائیل کو بھی دیا گیا تھا: واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللّٰہ وبالوالدین احسانًا و ذی القربٰی والیتمٰی والمساکین وقولوا للناس حسنًا۔ ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا تھا کہ تم خدا کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو، ماں باپ سے اچھا سلوک کرو، قرابتداروں، یتیموں، محتاجوں سے اچھی طرح پیش آؤ اور گفتگو میں خوبصورتی اور شائستگی کا خیال رکھو۔

حق قرابت کی مزید اہمیت

صلۂ رحمی کی تاکید، جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ ہم رحمی خالقِ فطرت اور خالقِ انسانیت کی باندھی ہوئی وہ گرہ ہے کہ اس سے انسانوں کی متفرق ہستیاں ایک رسّی میں پروئی گئی ہیں۔ شعوب اور قبائل بے شک تعارف کا ذریعہ ہیں، مگر ایک مرد اور ایک عورت سے انسانی پیدائش کا اشارہ یہی بات اور اسی ذمہ داری کو بیان کرتا ہے کہ دنیا کے تمام انسان قرابت داری کے اعتبار سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ اسی لئے ان کے حقوق کی نگہداشت سب انسانوں پر ضروری ہے۔ اس ایک مرد اور ایک عورت سے پیدائش کی گرہ اور تعلق کو توڑنے والے فاسق اور گمراہ ہیں۔ قرآن کریم کی کم از کم بارہ آیات میں اس قرابت داری کو برقرار رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ یہ عمومی عدل و احسان کے طور پر نہیں بلکہ فرض اور حق بتایا ہے، مثلاً واٰتِ ذاالقربٰی حقّہ (الروم) قرابت دار کو اُس کا حق دے دو۔ یہی حکم سورہ بنی اسرائیل میں انہی الفاظ سے بیان ہوا۔ سورہ بقرہ میں مال کی محبت اور ذاتی ضرورت کے باوجود صرف خدا کی مرضی اور خوشنودی کی خاطر قرابت دار کی ضرورت کا حکم ہے یہ کہ قرابت دار کی حاجت روائی اصل نیکی ہے۔ واٰتی المال علیٰ حُبّہٖ ذوی القربٰی (سورہ بقرہ) اصل نیکی یہ ہے کہ ذاتی ضرورت اور مال کے ساتھ فطری محبت کے باوجود اسے قرابتدار کو دیا جائے۔ والدین کے بعد قرابت دار ہماری امداد کے زیادہ مستحق ہیں۔ قل ما انفقتم من خیرٍ فللوالدین والاقربین۔ (سورہ بقرہ: ۳۶) بھلائی اور فائدے کی جو چیز بھی خرچ کرو اسے والدین اور قرابتداروں میں خرچ کرو۔ پھر اسی سورہ بقرہ میں والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔ وبالوالدین احسانًا وّذی القربٰی۔

مسطح بن اثاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رشتہ دار تھے جن پر حضرت ابوبکرؓ کے بے شمار احسانات تھے، اُس نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ پر بہتان تراشی کی تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ نہ قرابت داری کا لحاظ رکھا، نہ قرابت کی غیرت و ناموس کی پرواہ

کی، نہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے احسانات کی پاسداری کی۔ جس کے نتیجہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا یہ فیصلہ قدرتی اور فطری تھا کہ آئندہ اس سے کوئی سلوک نہ کروں گا اور اس فیصلے کی شدت اس حد تک تھی کہ آپ نے قسم تک کھالی، مگر اللہ تعالیٰ کو قرابت داری کے حقوق کا اس قدر پاس و لحاظ تھا کہ اس قدرتی اور فطری ناراضگی کے باوجود خلیفۂ اوّل کے فیصلے کو پسند نہ فرمایا اور سورۃ النور کی یہ آیت اُتری۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (النور:۲۲)

تم میں سے جو فضیلت اور استطاعت والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ قرابت داروں، مسکینوں اور مہاجرین کو خدا کی راہ میں کچھ نہ دیں گے۔ انہیں معاف کر دو اور درگذر کرو۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ ان کے ساتھ حسبِ سابق بہتر سلوک اور برتاؤ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے ـــ اس آیت کے اُترتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا: بلیٰ واللہِ انا یحبّ ان یغفرلنا ربّنا۔ ہاں خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا ہمیں بخش دے۔ انہوں نے مسطح کی امداد نہ صرف جاری رکھی بلکہ پہلے سے زیادہ احسانات فرمانے لگے۔

اس ایک ہی واقعہ سے قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک اور برتاؤ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسطح کی شدید مخالفانہ بلکہ معاندانہ روش اور گھٹیا پن کے باوجود خداوند کریم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی قطع تعلقی کا فیصلہ پسند نہ فرمایا اور فوراً حضورؐ کے یارِ غار کی اصلاح فرمادی کہ حضورؐ کے ساتھی ایسے نہیں ہو سکتے۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے کردار کی خوبی، فیاضی، فراخدلی اور اطاعتِ خداوندی کے سامنے سرنہاری و خودسپردگی ملاحظہ ہو کہ انہوں نے خدا کا حکم سنتے ہی اور اس کی منشاء کو پاتے ہی ذاتی دشمنی یا انتقام کی پرواہ نہ کی۔

یہ آیات اور احکامات آج بھی قرآن کریم میں موجود ہیں، یہ منسوخ نہیں ہوئے اور نہ پُرانے اور ناقابلِ عمل قرار دیئے گئے ہیں بلکہ آج کے دورِ پُرآشوب اور افراتفری میں تو ان کی ضرورت اور اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ہم نہ ان پر عمل کرتے ہیں اور نہ آمادہ ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص گریبان میں جھانک کر دیکھ لے۔ ہم چھوٹی چھوٹی رنجشوں کی آڑ لے کر ان رشتوں کو توڑ دیتے ہیں جنہیں جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امداد تو درکنار ظاہرداری اور شہرداری کے سلوک کے بھی روادار نہیں ہوتے بلکہ آجکل ایسے حالات ہیں کہ معمولی رنجشوں پر بھی یہ فقرہ ہماری زبان پہ فوراً آجاتا ہے۔ آج سے قبر بند ہے۔ یعنی زندگی سے لے کر قبر تک تعلقات کا سلسلہ بند ہے۔

مومن کا کردار

ان تاکیدی احکامات و آیات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا سچا پیروکار اور اسلام کے احکامات کو دل و جان سے ماننے والا مومن، اپنے معاشرے میں، اپنے خاندان میں، اپنے ماحول اور بستی میں کس قدر رحمت و شفقت کا پیکر ہوتا ہے اور جب تمام مسلمان اجتماعی طور پہ ان احکامات کی بجا آوری کا سچا جذبہ پیدا کر کے اس پہ عمل کریں گے کہ مسلمانوں کے تنازعات میں صلح جُو ہوں۔ ان کی مغفرت کے لئے دعاگو ہوں ـــ دلوں سے نفرت و کدورت کی دوری کے آرزومند ہوں۔ حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ پہ کاربند ہوں۔ نرم رفتار اور خوش گفتار ہوں۔ اقربا نواز اور اقربا پرور ہوں۔ یتیموں کے والی اور مسکینوں کے دستگیر ہوں۔ پڑوسیوں، ہمنشینوں اور ہم سفروں کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہوں۔ تو پھر

Marfat.com

بتائیے وہ معاشرہ، وہ سوسائٹی کتنی پاکیزہ، کتنی پیاری، کتنی پُرسکون، کتنی آسودہ حال و خوشحال، کتنی اطمینان بخش ہوگی کہ اپنی زندگی میں کوئی شخص اپنی اولاد کے بارہ میں فکرمند ہوگا نہ مرنے کے بعد اسے کسی طرف سے زیادتی، ظلم اور درندگی و سنگدلی کا خطرہ ہوگا۔

مرنے والے یا زندہ کو یہ فکر نہ ہوگی کہ میری عزّت و ناموس پر ڈاکہ ڈالا جائے گا، سروں سے دوپٹے، ہاتھوں سے پرس چھینے جائیں گے، اغوا کیا جائے گا۔ جائیداد سے محرومی کے منصوبے بنیں گے۔ مالی، معاشی اور جانی تحفظ نہ ملے گا۔ خدا کے احکامات پر عمل کے نتیجے میں اور ان احکامات سے روگردانی کے باعث دونوں معاشرتی صورتوں کا خاکہ دماغ میں بھر کر جواب دیجئے کہ مرنے والا کونسی صورت میں موت پر مطمئن اور رب سے ملنے کا آرزو مند ہوگا اور پھر اس اطمینان کی صورت میں وہ اپنی جان و مال خدا کی راہ میں کیوں نہ لٹائے گا۔ جبکہ دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ اسے مال سے محبت ہوگی، خود غرضی اور لالچ ہوگی۔ دولت کی ہوس ہوگی۔ اولاد اور بیوی بچوں کے تحفظ کے لیے، خوشحالی اور راحت کے لیے وہ وسائل پیدا کرے گا۔ حق و حلال سے نہ ہوئے تو حرام کاری، بددیانتی اور خیانت کاری پر اُترے گا۔ اُسے نہ مُلک سے دلچسپی ہوگی نہ اس سے وفاداری ہوگی۔ اس کی ذہنی، جسمانی صلاحیتیں، اس کی تمام دوڑ دھوپ، سعی و محنت کا مرکز اپنی اور اپنی اولاد کے حال اور مستقبل میں سمٹ کر اور سکڑ کر رہ جائے گی۔

ہم آجکل اسلام کے ان احکامات سے محرومی اور ذاتی بداعمالیوں کے باعث اِسی دوسری صورتِ حال میں رہ رہے ہیں جو خود غرضی، لالچ، ہوس اور اُس کے نتائج کی صورتِ حال ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج آدمی کی آنکھیں بند ہونے کی دیر ہوتی ہے پھر ہم سب قرابت دار اُس قریبی مرنے والے کے بیوی، بچوں، بیٹوں اور دولت پر ایسے جھپٹتے ہیں جیسے کسی مردار پر چیل، کوّے، کُتے اور گدھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ خدا کی پناہ۔ پھر ان کوؤں کُتوں میں جو جتنا زیادہ خونخوار اور لڑاکا ہوتا ہے وہی سب کچھ ہتھیا لیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی

حضورؐ نے فرمایا: رحم حق قرابت کی ادائیگی کا نام ہے جو خدا کے نام رحمٰن سے نکلا ہے۔ رحمت خدا کی صفت اور رحمۃ للعالمین حضورؐ کا لقب ہے۔ مومن دوسرے مومن کے لیے رحمت ہوتا ہے۔ قرابتداروں کے لیے تو اور بھی زیادہ جذبہ رحم ہونا ضروری ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی اور زندگی میں درازی ہو۔ عمر اور رزق میں برکت ہو اور اس کے ثواب اور صدقات کا سلسلہ اجر تادیر دنیا میں رہے تو وہ قرابتداروں سے صلۂ رحمی کرے۔ اپنی کمائی سے ان پر خرچ کرے۔ اپنے وقت اور صلاحیتوں میں سے زیادہ سے زیادہ ان کی ضرورتوں کے لیے وقف کرے۔ ان کی حاجت برآری، خدمت گزاری اور دست گیری کرے۔ آدمی وقتی طور پر نہیں سمجھتا، مگر خاندانی حقوق کی عدم ادائیگی، نفرتوں، جھگڑوں اور تنازعات و مقدمات کے طویل سلسلوں کا روپ دھار کر انسانی زندگی میں ایسی تلخیاں گھول دیتی ہیں اور ان میں رات دن کی بے آرامی، بے خوابی صحت کو بُری طرح متاثر کر دیتی ہے۔ مقدمات اور علاج میں روپیہ پانی کی طرح بہتا ہے، اگر اس سے بھی تھوڑی رقم قرابت کے ساتھ حسن سلوک میں خرچ کر دی جائے تو زندگی پُرسکون گزر جائے اور خاندان میں ہمدردوں اور غم خواروں کا پورا حلقہ پیدا ہو جائے۔ حضرت عمرؓ ایک دن ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ شور ہوا۔ آپؓ نے

Marfat.com

اس کا سبب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایک لونڈی کو مالک نے بیچ دیا ہے اور ماں سے اس کی بچی چھینی جا رہی ہے جس پر وہ رو رہی ہے۔ آپ نے ان قرآنی آیات سے استدلال فرماتے ہوئے فرمان جاری کیا کہ صاحب اولاد لونڈیوں کو بیچنے کا اختیار نہیں تاکہ اس کی فروختگی پر اولاد نہ چھینی جا سکے۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے، حضورؐ نے فرمایا، لا یدخل الجنۃ قاطع اہل قرابت کو کاٹنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا، لہٰذا قطع رحمی کرنے والے سے بھی صلۂ رحمی کرو، ورنہ قطع رحمی کا مرض متعدی ہو جائے گا اور پورا معاشرہ ایک دوسرے سے کٹ جائے گا۔ قرابتداروں کے سلسلہ میں حسن سلوک اور حسن معاملہ، فیاضی اور کنبہ پروری سے کسی کو یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ حکومت کے سربراہ، مشیر و وزیر یا با اختیار سرکاری افسران احکامات کا سہارا لے کر ملازمتوں، عہدوں، مراعات، جاگیروں، ایجنسیوں اور پرمٹوں کی تقسیم میں رشتہ داروں کو نوازتے رہیں تو ان احکامات کا غلط استعمال ہوگا، کیونکہ سرکاری عہدے اور وسائل یا ملازمتیں حکومت کے تمام باشندوں کا مشترکہ حق ہے اور اس حق میں اہلیت کے بغیر کسی کا حق مار کر ہی رشتہ دار کو پالا جا سکے گا۔ دوسروں کا حق مار کر قرابتدار کا پیٹ بھرنا یا اپنی پارٹی کے کارکنوں اور عہدیداروں پر حکومت کے خزانے لٹانا قومی بددیانتی اور قومی خیانت ہے۔

اس سلسلہ میں امام اوزاعیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، جنہیں ان کے عدل و انصاف اور دیانتدارانہ اندازِ حکومت کے باعث خلفاء راشدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب وہ خلیفہ بنے تو انہیں ان کے خاندان کے تمام بااثر افراد نے گھیر کر دباؤ ڈالا کہ یہ کنبہ پروری اور صلۂ رحمی ہے کہ تمام لوگ اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ انہیں مراعات دی جاتی ہیں۔ عہدوں پر فائز کیا جاتا ہے۔ سرکاری بیت المال سے امداد دی جاتی ہے۔ اللہ کا بھی یہی حکم ہے کہ ساری دنیا سے پہلے رشتہ داروں کا حق اوّل ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بڑی سختی کے ساتھ اپنے خاندان کا احتساب کر رکھا تھا، جنہوں نے اس سے پہلے کے خلفاء سے رشتوں اور دوستیوں کی وجہ سے حکومت کے خزانے سے فائدے اٹھائے تھے، انہوں نے ان تمام لٹیروں سے جاگیریں چھینی تھیں اور اس طرح حاصل کیا ہوا اور کمایا ہوا سرمایہ واپس لے کر بیت المال میں جمع کر رکھا تھا حتیٰ کہ اپنی بیوی کا تمام زیور بھی لے کر بیت المال میں جمع کر دیا تھا کہ اس زیور کو اس کے باپ نے دے کر قومی خیانت کی تھی۔ سربراہِ مملکت خود دیانتدار ہو تو پورے معاشرے کو امانت دار بنا دیتا ہے۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے خاندان کے تمام بااثر افراد سے کہا۔ تم چاہتے ہو کہ تمہیں جاگیریں ملیں۔ روزگار کے مواقع ملیں۔ عہدے مل جائیں۔ کوئی وزیر بنے تو کوئی مشیر لگ جائے کسی کو سفیر بنا دوں تو کسی کو پارلیمانی سیکرٹری بنا دوں۔ کسی کے نام پر کارخانے چالو ہو جائیں تو کسی کو ایجنسیاں کھول دوں۔ کسی کو درآمد اور برآمد کے پرمٹ مل جائیں کسی کو لائسنس جاری کر دوں۔ نہیں تم سب لوگ یہ باتیں بھول جاؤ اور ایسی امیدیں کرنا چھوڑ دو جو سربراہ حکومت اور با اختیار افسر اقربا پروری میں لگ جائے وہ ملک کا دشمن اور قوم کا غدار ہوتا ہے اور رعیت کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ یہ تمام رعائتیں اور عہدے اہلیت، قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر ملتے ہیں، ان میں خونی رشتوں اور پارٹی ورکروں کا کوئی دخل نہیں قرآن کریم کا یہی حکم ہے اور اس پر میں سختی سے عمل کروں گا۔ رہا صلۂ رحمی کرنا، قرابتداری کے تعلق کو پالنا اور جوڑنا تو یہ ذاتی چیز ہے، میری جائیداد میں سے جتنی چاہو لے لو، مجھے خوشی ہوگی، لیکن بیت المال کا نام نہ لینا، مجھے اس کا صرف امین اور محافظ بنایا گیا ہے، مجھے اس پر تصرف کا کوئی حق نہیں ہے۔ قرآن کریم میں قرابتداروں کے حقوق کی ادائیگی اور پرورش ذاتی دولت اور جائیداد سے متعلق

Marfat.com

ہے قومی دولت اور سرکاری اختیارات سے نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يصلون ما امر الله به ان يوصل ويخشون ربهم ويخافون سوء الحساب۔ جو لوگ رشتوں کو جوڑتے ہیں، جنہیں جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے، وہ گویا خدا سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے حساب کتاب سے خوفزدہ ہوتے ہیں — دوسرے مقام پر سورۃ البقرہ کی گزشتہ آیت کے الفاظ پر خدا کی لعنت اور پھٹکار کا اضافہ فرمایا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ —— وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ —— اولٰئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار۔ جو لوگ اللہ سے کیے وعدے توڑتے ہیں، رشتوں کو کاٹتے ہیں جنہیں جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ لوگ زمین پر فساد برپا کرتے ہیں، یہی لوگ لعنتی ہیں ان کے لیے آخرت میں برا ٹھکانہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت پر کتنے بڑے احسانات فرمائے ہیں۔ خدا کے دین کو ہم تک پہنچانے میں انہوں نے کتنی تکلیفیں برداشت کیں۔ ہمیں پاکیزہ اور اعلیٰ دینی و اخلاقی تعلیمات دیں۔ رہن سہن کے عمدہ طریقے سکھائے۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے کی نصیحتیں فرمائیں۔ جنت کی خوشیوں کے راستے بتائے۔ دوزخ کی آگ میں جلنے سے بچاؤ کے طریقے بتائے۔ آخرت میں ہماری بخشش و شفاعت کی ذمہ داری اُٹھائی۔ ان تمام احسانات کے بدلے میں انہوں نے ہمارے ہی فائدے کیلئے ہمارے رشتہ داروں سے سلوک کا مطالبہ فرمایا جس میں خود ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربٰی۔ میں تم سے اس ساری خدمت اور خیر خواہی کا اپنی ذات کے لئے کوئی بدلہ نہیں چاہتا صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے رشتہ داروں سے محبت کرو۔ پھر فرمایا: فانّ صلة الرحم محبةٌ فی الاهل ومثراةٌ فی المال ومنساةٌ فی الاثر (بخاری) صلۂ رحمی سے قرابت داروں میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔ صلۂ رحمی میں احسان اور شکرگزاری یا ...... بدلے کے خیال سے نہ کی جائے — لیس الواصل بالمکافی ولکنّ الواصل اذا قطعت رحمه وصلها۔ بدلے کے طور پر صلۂ رحمی نہیں ہوتی یعنی بدلے کے خیال سے صلۂ رحمی کرنے والا صلۂ رحمی نہیں کرتا بلکہ ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جوڑنے والا دراصل صلۂ رحمی کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

ایک بار صحابہؓ سے فرمایا: میں تمہیں دونوں جہانوں کے بہترین اخلاق بتاتا ہوں کہ قطع تعلق کرنے والوں کو جوڑو، نہ دینے والوں کو دو اور ظالم کے قصور معاف کرو۔ (طبرانی۔ ترغیب) یاد رکھنے اور سمجھنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرابتداروں کے حقوق کی ادائیگی اور رشتہ قرابت کو برقرار رکھنے پر زور دیا ہے اور یہ اسلامی تعلیمات کی امتیازی شان ہے۔ زندگی کے دن تھوڑے اور زندگی کی آسائشیں باقی رہنے والی ہیں، انہیں اپنی زندگی میں دوسروں تک پھیلا دو تاکہ ہمارے تعلقات کا دامن خدا سے جڑ جائے۔ اپنے لئے تو جانور جیا کرتے ہیں، انسان وہ ہے جو دوسروں کے لئے زندہ رہے۔ خدا ہم سب کو قرابتداروں کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

Marfat.com

اسلام کا نظامِ عدل و انصاف

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ	تین باتوں کا حکم ہے اور تین باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ عدل کی تعریف۔ آیت میں عدل کی اہمیت۔ کائنات میں نظامِ عدل۔ آیت کی جامعیت۔
۲	نمائندوں کے انتخاب اور ان کے عدل کی ضرورت	نمائندوں کے چناؤ میں سیرت و عدل کی خوبی ہو۔ جب انتخاب ہو تو پھر لوگوں میں عدل و انصاف کرنے والے ہوں۔
۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوکِ عدل	قبیلہ انصار کے بنی ظفر سے متعلق طعمہ کا معاملہ۔
۴	عدل کا دائرہ اثر	ہارون الرشید اور امام لیث بن سعد کا مکالمہ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدمہ زرہ۔ قاضی شریح کا اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ۔ محمد بن موسیٰ دمیری کا تجربہ کہ عادل بادشاہ فوت ہو گیا ہے۔ عادل بادشاہ کی اہمیت۔ خلیفہ منصور کا عدل۔ آج کا نظامِ عدل۔ موازنہ۔

Marfat.com

اسلام کا نظامِ عدل و انصاف

آیت معہ ترجمہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۔ (سورۂ نحل: ۹۰) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم عدل، احسان اور صلۂ رحمی کرو۔ بے حیائی، بُرے کاموں اور سرکشی سے روکتا ہے۔ یہ نصیحت ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔

تفسیر و تشریح

سورۂ نحل کی اس مختصر آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کے کرنے کا اور تین کاموں سے رُک جانے کا حکم دیا ہے۔ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ اپنے اختصار کے باوجود معاشرتی اصلاح اور دینی کے اعتبار سے انتہائی مؤثر اور لازمی ہیں۔ ان کے بغیر کسی معاشرے کا استحکام، اس کا امن اور اس کی مضبوطی ناممکن ہے اور جن کاموں کے کرنے سے روکا گیا ہے اُن کی موجودگی میں کسی بھی سوسائٹی، معاشرے یا قوم میں اندرونی بگاڑ، فساد اور تباہی لازمی ہے۔

عدل کی تعریف، تائید

جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے، ان میں سے "عدل" ہمارا آج کا موضوع ہے۔ عدل کے معنی میں جو لفظ اُردو زبان میں استعمال ہوتا ہے وہ انصاف ہے، مگر یہ لفظ عدل کے پورے مفہوم کو ادا نہیں کرتا کیونکہ انصاف حقوق کی برابر تقسیم کے لیے بولا جاتا ہے اور عدل کا مفہوم توازن و تناسب ہے نہ کہ برابری۔ توازن و تناسب کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، سماجی، معاشی، سیاسی اور قانونی حقوق پوری دیانتداری اور ایمانداری سے ادا کیے جائیں۔

یہ آیت قرآن کریم میں اپنی اہمیت کے اعتبار سے جمعہ کے خطبوں میں پڑھی تو جاتی ہے، مگر خطبات جمعہ کا موضوع نہیں بنائی جاتی۔ عدل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو بات یا کام کیا جائے وہ حق، درستی اور سچائی کی میزان پر پورا اُترے، اس میں توازن ہو۔ اعتدال ہو اور تناسب ہو۔ اس کائنات اور اس کے جس نظام پر بھی آپ غور فرمائیں اس میں توازن اور تناسب کارفرما نظر آئے گا۔ سورج کے طلوع و غروب میں مقررہ اوقات کا توازن بھی ہے اور اس کی فیض رسانی اور نفع بخشی میں ہر طرح کا تناسب بھی ہے یعنی خدا کے بندوں اور خدا کے منکروں پر بلا کسی افتراق و امتیاز کے جلوہ افروز ہے۔ سب کی فصلوں کو توانائی بخشتا ہے سب کے کھیتوں کو نمو، تکمیل اور پکانے میں مصروف ہوتا ہے۔ ستارے بھی اسی توازن و تناسب کے پابند ہیں۔ پانی بھی اسی توازن و تناسب کی روش پر عمل پیرا ہے۔ اپنی سیرابی، آسودگی اور پاکیزگی میں کالے، گورے، غریب، امیر، شاہ و گدا، آقا و غلام اور کافر و مومن کا کوئی فرق نہیں رکھتا۔ راتوں اور دنوں کی گردش، ماہ و سال کے چکر، موسموں کے تغیّر سب اسی توازن و تناسب کے ترازو میں تلے ہوئے ہیں۔ کسی کا وزن کسی کے پلڑے میں کم یا زیادہ نہیں اور نہ ان کی حرکت و عمل دوسرے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

سورہ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ کائنات کے اسی توازن و تناسب کی طرف توجہ دلا کر ہمیں اپنی ذات اور زندگیوں میں توازن برقرار رکھنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ - أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ - وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ - ہم نے آسمانوں کو بلند کیا، ان میں توازن قائم کیا۔ تم اس توازن میں خلل نہ ڈالو۔ عدل کے ساتھ توازن قائم رکھو۔ عدم توازن کے ذریعہ اس میزان میں ڈنڈی نہ مارو۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ ان آیات میں میزان سے مراد کائنات کا نظام عدل و توازن ہے جس کی طرف متوجہ کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے اعمال و افعال میں اسی طرح کا توازن برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔

سورہ شوریٰ آیت ۱۵ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مطلب بھی یہی بیان فرمایا ہے۔ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ - حضورؐ کی زبانی اللہ تعالیٰ بعثت کا مطلب اور مقصد یہی بتاتے ہیں کہ مجھے تم لوگوں میں گروہ بندیوں، اونچ نیچ، بلندی و پستی کے تمام امتیازات کو مٹانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ خدا ہم سب کا نگہبان ہے۔ خدا کے مربیانہ سلوک میں ہم سب یکساں طور پر حقدار ہیں۔ اس کی نعمتوں میں ہمارا حصہ ہے۔ وہ رحیم ہے تو سب کے لئے، رحمٰن ہے تو سب کے لئے۔ تم اگر میرے عدل کے برتاؤ اور خدا کے مربیانہ یکساں سلوک کے برعکس کوئی عمل کرو گے تو ان اعمال کے ذمہ دار خود ہو گے اور میں اپنے اعمال کا جوابدہ ہوں گا۔

آیت کی جامعیت

اسلام زندگی کا ایک مکمل ضابطہ ہے۔ اسلام کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات زندگی کے تمام شعبوں میں ______ تعمیر اور صورت گری کا حق ادا کرتی ہیں۔ انسانی زندگی کے تمام پہلو، خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، معاشرتی ہوں یا سیاسی، مادی ہوں یا روحانی، ملکی ہوں یا بین الاقوامی، عدالتی ہوں یا انتظامی، اسلام ان سب کی اصلاح اور درستی چاہتا ہے۔ یہ آیت اپنے اندر اتنی جامعیت رکھتی ہے کہ پوری انسانی زندگی کے معاملات ـ کرنے کے احکام اور بچنے کے افعال ـ اس میں آ جاتے ہیں۔ جب یہ آیت اتری تو اسلام کے بڑے بڑے دشمن بھی اس کے اعجاز اور جامعیت پر حیران رہ گئے۔ عکرمہؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت حضورؐ نے ولید بن مغیرہ کو پڑھ کر سنائی تو انہوں نے کہا "میرے بھتیجے اسے ایک بار پھر پڑھو"۔ حضورؐ نے دوبارہ پڑھی تو وہ دشمن اسلام یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ بخدا یہ کسی بشر کا کلام نہیں، یہ کتنا شیریں کلام ہے۔ حضرت اکثم بن صیفیؓ تو اسی ایک آیت کو سن کر مسلمان ہوئے اور فرمایا حضورؐ اخلاق شریفہ کا حکم دیتے ہیں اور اخلاق رذیلہ سے روکتے ہیں۔ وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ انہوں نے اپنے قبیلے سے فرمایا۔ تم سب لوگوں سے پہلے اسلام میں داخل ہو کر مقدم ہونے کا اعزاز حاصل کرو، متاخرین نہ بنو۔ (ابن کثیر)

حضرت عثمانؓ بن مظعون فرماتے ہیں کہ اس آیت کی وجہ سے میرے دل میں اسلام مضبوط اور مستحکم ہوا اور حضورؐ کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ یہ آیت تمام قرآنی احکامات اور حضورؐ کی ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ہر اس اچھی بات کا حکم ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے اور ہر اس برائی سے روکا ہے جس سے بچنا لازمی ہے۔ حضرات تابعینؒ کے خیال میں بھی زندگی کے تمام دستور کا خاکہ اس آیت میں آ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کو اہل سنت کے خطبہ میں شامل فرمایا تاکہ ہر ہفتہ مسلمانوں کے کانوں [illegible] رہے اور وہ اسلام کے جامع احکام و

نواہی سے آشنا ہوتے رہیں۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُکُم اَن تُؤدُّوا الاَمَانَاتِ اِلیٰ اَھلِھَا وَ اِذَا حَکَمتُم بَینَ النَّاسِ اَن تَحکُمُوا بِالعَدلِ ۔ خدا تمہیں اپنے لئے ایسے حاکموں، نمائندوں اور ایسے رہنماؤں کے انتخاب کا حکم دیتا ہے جو تمہارے حقوق کے پاسدار ہوں اور ان کی حفاظت کے اہل ہوں۔ اپنی سیرتوں کے اعتبار سے، دیانت و امانت کے لحاظ سے، سمجھ اور فراست کے خیال سے، اخلاق و کردار کے معیار پر پورے اُتر کر اس ذمہ داری کے اہل ہوں اور جنہیں یہ اختیارات، اور حقوق کا تحفظ اور ان کی تقسیم سونپ دی جائے۔ انہیں لوگوں کے درمیان فیصلوں کا اختیار دے دیا جائے تو ان کے لئے حکم ہے۔ تحکموا بالعدل، وہ عدل کے ساتھ فیصلے فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ چند حاشیہ نشینوں اور کاسہ لیسوں کے درمیان ہی اختیارات و مراعات کے پیمانے گھومتے رہیں اور چند رشتہ دار و مقربین ہی فیضان حاکمیت سے مستفید ہوتے رہیں اور اقتدار کے مزے اور ثمرات سمیٹتے رہیں اور دوسروں پہ مایوسیوں و محرومیوں کو مسلط کر دیں۔

حضورؐ کا ذاتی عدل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صاحبِ فراست اور منشار الٰہی کا رازداں اور کون ہو سکتا تھا انہوں نے یمن کے مختلف صوبوں کے لئے گورنروں کا انتخاب فرمایا تو معاذ بن جبلؓ اور موسیٰ اشعریؓ کو یہ فرائض سونپے۔ انہیں رخصت فرماتے وقت خاصا راستہ ان کی سواریوں کے ساتھ پیادہ چلتے ہوئے انہیں نصیحت فرماتے رہے۔ یمن کے لوگ یہودی، اہلِ کتاب ہیں، وہ ایما ندار بھی ہیں اور سمجھدار بھی ہیں۔ اُن سے ایسا سلوک کرنا جس سے ان کے دلوں میں محبت پیدا ہو۔ خبردار ان کے مال ہڑپ نہ کرنا، ان کے خادم بن کر رہنا، ان کے حقوق کی حفاظت کرنا، ان پر ظلم نہ کرنا، ورنہ مظلوم کی فریاد خدا تک پہنچتی ہے اور ظالم خدا کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اگر کوئی مسلمانوں سے دشمنی بھی کرتا ہو تو تم عدل سے کام لینا۔ ایسا نہ ہو کہ انہیں دشمن سمجھ کر عدل و انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھو۔

اور یہ ہدایات، نری ہدایات نہ تھیں، نہ منبروں کے وعظ تھے، نہ اجلاسوں کے لیکچر تھے بلکہ اسلام کے ابتدائی اور مشکل حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل فرما کر حق و راستی اور عدل و انصاف کی ایسی روشن مثالیں قائم فرمائیں کہ دنیا کی کوئی مہذب سوسائٹی ایسی مثالیں پیش نہیں کر سکتی۔ عرب کے قبائل کی باہمی دشمنیاں اتنی گہری اور شدید تھیں کہ کسی ایک کے حق میں عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا دوسرے قبیلے کی نفرت، ناراضگی اور دشمنی کو دعوت دینا تھا، مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے حکم اور خدا کے فیصلے کو کسی کی دشمنی اور خطرے کی پرواہ کیے بغیر نافذ فرمایا۔ خدا کا حکم ہے۔ لَا یَجرِمَنَّکُم شَنَاٰنُ قَومٍ اَلَّا تَعدِلُوا اِعدِلُوا ھُوَ اَقرَبُ لِلتَّقویٰ ۔ تمہیں عدل کو برقرار رکھتے ہوئے کسی کی دشمنی خوفزدہ نہ کرے۔ عدل سے کام لو یہی تقویٰ کے قریب بات ہے۔

۱۔ مدینہ منورہ میں انصار کے قبیلہ بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ یا بشیر بن ابیرق نے ایک انصار کی زرہ چرائی۔ زرہ کے مالک نے دعویٰ دائر کر کے اپنا شبہ طعمہ پر ظاہر کر دیا۔ طعمہ نے خود کو بچانے کے لئے متنازعہ زرہ یہودی کے ہاں خفیہ طور پر رکھ دی تاکہ اس پر چوری ثابت ہو جائے۔ طعمہ اپنی برادری کے ذریعہ سفارش اور پروپیگنڈہ کر کے یہودی کو پھنسانا چاہتا تھا۔ یہودی کا بیان یہ تھا کہ زرہ میں نے نہیں چرائی بلکہ میرے ہاں رکھ کر مجھے پھنسوایا گیا ہے۔ اِدھر طعمہ کے قبیلے نے گواہیاں دیں اور حضورؐ

Marfat.com

سے کہا کہ یہودی لادین ہے، اس کی بات کا اعتبار نہ کیا جائے، ہم مسلمان ہیں، آپؐ پہ ایمان لائے ہیں۔ لہٰذا اُس کے مقابلے میں ہم سچے اور یہودی جھوٹا ہے۔

اُس وقت کے حالات کو سامنے رکھا جائے کہ مدینہ کے انصاریوں نے حضورؐ اور اُن کے ساتھ مہاجر مسلمانوں کو پناہ دی تھی جبکہ اُن کے اپنے گھر مکہ معظمہ میں مشرکین مکہ نے جینا حرام کر دیا تھا۔ وہ اس وقت مسلمانوں کے مددگار بنے جبکہ اُن کے اپنے قبیلے کے لوگ اور رشتہ دار انہیں ذلیل و رسوا کر رہے تھے۔ مدینہ کے انصار نے نہ صرف پناہ دی تھی بلکہ انہیں اپنی تجارت، جائیدادوں اور مزرعات میں بھی حصہ دار بنایا تھا۔ بھائی چارے اور برادری کی ایسی مثالیں قائم کی تھیں جو اسلامی تاریخ میں اب تک روشن باب ہیں۔ ایثار اور قربانیوں کے وہ وہ سلوک کئے تھے کہ خود قرآن کریم نے سورۂ حشر میں ان کا اعتراف کیا ہے۔ يُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ اُنہوں نے اپنے نفسوں پر ایسا ایثار کیا تھا کہ وہ خود اس امداد و ایثار کے مستحق تھے۔ گویا مسلمان ان کے احسان کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ خود حضورؐ کے ساتھ ان کی محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپ کی مدافعت، حفاظت اور حمایت میں سب کچھ لٹاتے پہ آمادہ و تیار رہتے تھے۔

۲۔ انصار کے ان احسانات کو مدِنظر رکھ کر یا ان کی ناراضگی اور دل شکنی کے نتیجے میں نہیں بلکہ مقدمے کی ظاہری صورتِ حال اور گواہیوں کی موجودگی میں قریب تھا کہ انصاری کے حق میں فیصلہ ہو جاتا اور یہودی کو چوری کے الزام میں ملوث ہونے کا فیصلہ کر دیا جاتا، مگر عین وقت پہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے میں خود مداخلت فرما کر حضورؐ پر وحی نازل فرمائی۔ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا۔ یہ قرآن ہم نے تم پر حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ جو سیدھا راستہ اللہ نے تمہیں دکھایا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تم بددیانت اور خیانت کار لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔ سورۂ نساء کی اس آیت کی بروقت وحی سے مقدمہ کی حقیقت کھُل گئی کہ اصل مجرم طعمہ ہے، وہی خیانت کار ہے۔

اس مقدمہ میں نہ تو اللہ تعالیٰ نے انصاریوں کی اسلام دوستی و سرفروشی کا لحاظ فرمایا اور نہ حضورؐ نے اس وحی کے بعد انصار کے ساتھ کوئی رعایت برتی، اگر یہ وحی نہ آتی اور حضورؐ مقدمے کی ظاہری صورت کے مطابق طعمہ انصاری کے حق میں اور یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے تو بے گناہ آدمی، خواہ یہودی ہی کیوں نہ تھا، مجرم بن جاتا اور یہودیوں کو اسلام کے اس ابتدائی دَور میں یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقعہ مل جاتا کہ یہ کیسا اندھا اسلام ہے کہ گنہ گار اور بے گناہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ پھر اسلام پر مسلمانوں کی ناجائز طرفداری اور یہودی کے خلاف ناجائز دشمنی اور ناجائز جتھہ بندی کا الزام لگ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے میں خود مداخلت فرما کر حق کی حمایت کرنے والوں کو تنبیہہ کر دی کہ ناجائز اور ناحق کی حمایت، اگر برادری میں بھی کیوں نہ ہو، ہرگز نہ کی جائے۔ کیونکہ یہ بات دیانت کے خلاف ہے۔

جب اس مقدمے میں وحی کے ذریعے خیانت کار مسلمان کے متعلق حضورؐ کو آگاہ فرمایا گیا اور فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو وہ غصے سے مدینہ چھوڑ کر اسلام کے دشمنوں سے مل گیا اور کھلم کھلا اسلام دشمنی پر اُتر آیا، لیکن اسلام کے نظامِ عدل کی روشن مثال قائم ہو گئی کہ اسلام حق کی حمایت میں کسی کی دشمنی کی پرواہ نہیں کرتا اور نہ عدل کے قیام میں اپنوں کی ناجائز طرفداری کا روادار ہے۔

جو۔ ابوجہل کے قبیلے خاندان مخزوم کی فاطمہ کا چوری کے الزام میں ماخوذ ہو کر حضورؐ کے سامنے مقدمہ کا پیش ہونا صحابہؓ کا اضطراب اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سفارش کرانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہارِ ناراضگی بلکہ غصہ ہونا مشہور واقعہ ہے۔ جس کا صرف حوالہ ہی کافی ہے۔ حضورؐ کے الفاظ تھے: "اتشفع فی حد من حدود اللہ" کیا تم خدا کی حدود کے نفاذ میں سفارش کرتے ہو؟ پھر فرمایا: پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے با اختیار اور طاقتور چوری کر کے چھوٹ جاتے اور غریب و کمزور قانون کے شکنجے میں کس دیا جاتا تھا۔ آخر میں یہ تاریخی فقرہ ادا فرمایا: "خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری میں ماخوذ ہوتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹتا۔" اور قبیلہ مخزوم کی باعزت و بارسوخ فاطمہ سزا سے نہ بچ سکی۔

عدل کا دائرہ اثر

پانچویں صدی ہجری کے سب سے بڑے فقیہ اور مفکر ابوالحسن بن محمد بن حبیب البغدادی البصری تھے۔ وہ ماوردی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان سے کسی نے پوچھا: اخلاق کا کمال کیا ہے؟ فرمایا عدل۔ پھر پوچھا: دین کا کمال کیا ہے؟ جواب میں فرمایا: عدل۔ تحکموا بالعدل۔ اپنے فیصلوں میں اپنی اصطلاحات میں عدل سے کام لو۔ عدل پر کاربند رہنے کا حکم ان کے لئے ضروری ہے جنہیں اختیارات کا استعمال اور تنازعات میں فیصلوں کا منصب سونپا گیا ہو۔ اس حکم میں قاضی، جج، مجسٹریٹ، کمشنر، ڈپٹی کمشنر، صوبے کے حاکم، ملک کے حکمران، وزراء، اسمبلیوں کے ممبر سب لوگ شامل ہیں۔ اس کا دائرہ امرائِ جرگہ، سفید پوشوں، حتیٰ کہ کنبے کے سربراہ اور گھرانے کے بزرگوں تک پھیلا ہوا ہے۔ جو بے انصافی اور کسی کے حق میں جانبداری، رو رعایت، دوسروں کا حق مار کر کسی کے حق میں فراخدلی کا ثبوت دیتے ہیں اس سے جہاں حقدار کی حق تلفی ہوتی ہے وہاں خدا کے قانونِ عدل کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے۔ جھوٹے دعوے، جھوٹی گواہیاں اور جھوٹے فیصلے خدا کے قانون سے بغاوت اور سرکشی ہوتی ہے۔ گھر کا معاملہ ہو یا باہر کا، ہر آدمی کو جو اختیار دیا گیا ہے اس کے ناجائز اور غیر منصفانہ استعمال کی پوچھ گچھ ضرور ہوگی۔

واقعات و امثال

ہارون الرشید بڑے دبدبے والے حکمران تھے۔ اس نے تیس سال حکومت کی۔ والیٔ مصر اس کا گورنر تھا۔ ہارون الرشید نے امام لیث بن سعدؒ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ مصر کی شادابی و زرخیزی کا سبب کیا ہے؟ امام لیثؒ نے فرمایا: ظاہری وجہ تو دریائے نیل ہے، مگر اصلی اور دوسری وجہ مصر کے حاکم کی انصاف پسندی اور عدل گستری ہے۔ ایک عجمی جاسوس خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کی شہرت، اس وقت کی فتح مندیوں اور خوشحالی کے اسباب معلوم کرنے کے لئے مدینہ منورہ آتا ہے۔ ہر کسی سے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے متعلق پوچھتا تو جواب ملتا ہے کہ یہیں کہیں ہوں گے، گلیوں میں گھومتے ہوئے، درّہ ہاتھ میں لئے لوگوں کی اصلاح کرتے نظر آئیں گے۔ عجمی جاسوس پھرتا پھرتا شہر کی حدود سے نکل جاتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ ایک درخت کے سائے میں کڑی دھوپ کے وقت آپ زمین پر اطمینان سے سوئے ہوئے نظر آتے ہیں، پسینے کے قطرے پیشانی پر چمک رہے ہیں۔ جاسوس کے پاؤں کی آہٹ پا کر اٹھ بیٹھتے ہیں۔ باہمی تعارف ہوتا ہے تو اس بے سروسامانی کی حالت میں نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کے ایوانوں اور حاجب دربانوں کے بغیر انہیں زمین پر اس طرح لیٹا ہوا دیکھ کر عجمی جاسوس کہتا ہے کہ آپ کا اطمینان اور سکون آپ کے عدل و انصاف کی وجہ سے ہے اور اس خیال سے متاثر ہو کر وہ شخص پکار اٹھتا ہے کہ آپ کا دین سچا ہے۔ پھر مسلمان ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ان ہر نظام اسی دو طرح سے پھیلتا ہے۔ خوف کی وجہ سے یا محبت اور پیار کے سلوک سے۔ اسلام پیار و محبت اور عدل و انصاف سے پھیلا ہے۔ حضور ﷺ کا دورِ رسالت دس سالوں پر محیط ہے۔ ان دس سالوں میں جنگیں بھی لڑیں، سخت دشمنیوں اور نفرتوں کے طوفانوں سے بھی گزرنا پڑا۔ مخالفت کے اس دور میں اخلاق و شرافت اور عدل و مساوات کا اصول قائم رہا۔ فتح مکہ کے بعد کا رویہ اس کی بہترین مثال ہے۔ حضور ﷺ کے دس سالہ دورِ حکمرانی میں صرف ایک سو بیس مسلمان شہید ہوئے اور ڈیڑھ سو مشرکین مارے گئے یعنی ایک مہینے میں ایک مسلمان کی شہادت ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں جب دشمنی اور مخالفت زوروں پر تھی اور اسلام چاروں طرف سے دشمنوں اور منافقوں کے گھیرے میں تھا، اس کے باوجود حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو جو کامیابیاں نصیب ہوئیں اور اسلامی سلطنت کا رقبہ پاکستان کے رقبے سے چار گنا بڑا ہو گیا تو اس کی وجہ صرف پیار محبت اور عدل و مساوات کا نتیجہ تھی۔

۲۔ ہجرت کے پچیس سال بعد ایک زرہ کی چوری کا مقدمہ دورِ رسالت کے مقدمۂ زرہ کی طرح مدینہ میں قاضی شریح بن حارثؓ کی عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ یہ مقدمہ اسلامی حکومت کے ایک کمزور ذمی شخص کے خلاف مسلمانوں کے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دائر کیا ہوتا ہے۔ عدالت میں امیر المومنین حضرت علیؓ کے مقام و مرتبہ اور سچائی سے واقفیت کے باوجود عدالتی کاروائی میں ان سے امتیاز برتا جاتا ہے نہ مقدمہ کی کاروائی میں رعایت دی جاتی ہے۔ عدم شہادت کے باعث فیصلہ یہودی کے حق میں ہو جاتا ہے۔ یہودی بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ یہ دین سچا ہے۔ میں جھوٹا ہوں۔ زرہ واقعی امیر المومنین کی ہے۔ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ اس مقدمہ کا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ امیر المومنینؓ اپنی زرہ کو پہچان لیتے ہیں۔ انہیں اپنے دعویٰ کی صداقت پر یقین بھی ہے مگر اپنے انتظامی اختیارات سے کام لے کر یہودی سے زرہ حاصل نہیں کرتے بلکہ عدالت سے انصاف طلب کرتے ہیں۔

۳۔ یہی قاضی شریح بن حارثؓ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت سے لے کر عبدالملک بن مروان کے عہد تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ان کا یہ تمام عرصہ تقریباً ساٹھ برسوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ساٹھ برس کا عرصہ بڑا عرصہ ہوتا ہے۔ اتنی مدت تک ایک عہدے کو سنبھالنا اس کی نازک ذمہ داریوں کو پورا کرنا اور وہ بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق غیر معمولی بات ہے۔ ان کے اپنے بیٹے کا کچھ لوگوں سے لین دین کا تنازعہ تھا۔ لڑکے نے اپنے والد بزرگوار کو تفصیلی حالات سنا کر قانونی مشورہ مانگا کہ اگر وہ مقدمہ میں کامیاب ہو سکتا ہے تو اسے دائر کر دیا جائے۔ لڑکے کا خیال تھا کہ والد صاحب کے ساتھ قبل از مقدمہ مشاورت مقدمہ میں ان کی تائید اور حمایت کا سبب بن جائے گی۔ قاضی شریحؓ نے فرمایا۔ بہتر ہے کہ تم مقدمہ دائر کر دو۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ بیٹے نے مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ باپ کے سامنے پیش ہوا۔ بیانات، شہادتوں اور دلائل کے بعد عدالتی کاروائی کے بعد قاضی شریحؓ نے فیصلہ اپنے بیٹے کے خلاف صادر کر دیا۔ عادل جج یا منصف جب مسندِ انصاف اور عدل پر بیٹھتا ہے تو وہ کسی کا بیٹا یا کسی بیٹے کا باپ یا کوئی اور رشتہ دار نہیں ہوتا۔ وہ عادل منصف اور جج ہی رہتا ہے۔

اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ دینے کے بعد جب قاضی شریح گھر آئے تو بیٹے کو ناراض اور غمگین پایا۔ پوچھا کیوں؟ بیٹے نے کہا آپ سے مشورہ کر کے دعویٰ دائر کیا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو افسوس نہ ہوتا، مگر آپ نے خود مشورہ دے کر میرے خلاف فیصلہ کر دیا۔ فرمایا اس بات پر ہر آدمی چاہتا ہے کہ انصاف ہونا چاہیے، مگر جب اس انصاف کی زد اس پر پڑتی ہے تو شور مچاتا ہے۔ قاضی شریحؓ نے خود اپنے بیٹے پر انصاف کا کوڑا مارا تھا۔ بیٹے سے کہنے لگے جب

Marfat.com

تم نے مشورہ لیا تھا تو میرے نزدیک تم حق پر تھے، اگر میں اس وقت یہ بتا دیتا تو تم اپنے حریفوں سے صلح کر کے اُن کا حق مار لیتے۔ اب اس فیصلے کے ذریعہ انہیں ان کا جائز حق مل گیا ہے۔ میرے بیٹے تم مجھے سب سے پیارے ہو لیکن اپنا ایمان اور ایک ہستی تم سے بھی زیادہ پیاری ہے، وہ ہے آخرت میں ہم سب کا حساب لینے والی ہستی۔

۴۔ آٹھویں صدی ہجری کے مسلمان سائنسدان محمد بن موسیٰ دمیری ماہر حیوانات گزرے ہیں۔ وہ جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل تھے۔ اس کے علاوہ فقہ، تفسیر اور حدیث کے بھی زبردست عالم تھے۔ فلسفہ ان کا خاص مضمون تھا جسے جامعہ ازہر میں پڑھاتے بھی رہے۔ انہوں نے چھ جج کئے تھے۔ ان کی شہرۂ آفاق کتاب "حیواۃ الحیوان" ہے۔ یہ کتاب جانوروں کے متعلق پورا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اس کتاب میں ہر حیوان کا نام اس کی وجہ تسمیہ، عادات کی تفصیل کے علاوہ احادیث میں جس جانور کا نام آیا ہے تو بحث کی ہے، اس کے حلال و حرام کا ذکر ہے جس جانور کے نام سے محاورات، حکایات، ضرب الامثال ملتی ہیں تو ان کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ جانوروں کے جسمانی اعضاء کے خواص طبی لحاظ سے بھی لکھے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ خواب میں جس جانور کو دیکھا تو اس کی تعبیر بھی لکھی ہے۔ ان کی اس کتاب میں ایک ہزار اُنتیس مضامین ہیں۔

ان کی اس کتاب میں یہ ذکر بھی ہے کہ بنو اُمیہؓ کے دور میں موسیٰ بن اعین کرمان کے جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، مگر کبھی بھی کسی جنگلی درندے نے بھیڑ بکریوں پر حملہ نہ کیا تھا۔ اُردو محاورے کے مطابق سچ مچ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے، مگر ایک دن ایک شیر نے بکری پر حملہ کر دیا تو موسیٰ بن اعین نے کہا، آج مسلمانوں کا نیک دل اور عدل پرور حکمران دنیا سے چل بسا ہے۔ یہ رجب کے مہینے میں ۱۰۱ھ کا واقعہ ہے۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ اسی دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وفات پائی تھی۔ تمام مورخین لکھتے ہیں کہ ان کے دورِ حکمرانی میں عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔ رعیت خوشحال اور پُرامن تھی۔ شیر سے بکری کو، ظالم سے مظلوم کو، امیر سے غریب کو اور طاقتور سے کمزور کو کسی قسم کی زیادتی اور ظلم کا خطرہ نہ تھا۔

آج خدا کے قانونِ عدل کو پامال کیا جا رہا ہے۔ حکمرانوں کے ذریعہ سے بھی، عدالتوں میں بھی، انتظامیہ کے ہاتھوں سے بھی، سفید پوشوں اور اہلِ جرگہ کے ذریعہ سے بھی، خاندان اور کنبے کے بزرگوں کے ہاتھوں سے بھی بلکہ والدین کے ذریعہ بیٹیوں اور اولاد کے حقوق بھی مارے جاتے ہیں۔ بدامنی نہ ہو تو کیونکر نہ ہو۔ شیر بکری تو دُور کی بات ہے، مسلمان مسلمانوں کے، بھائی بھائیوں کے خون بہاتے اور گلے کاٹتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کا حکم خود ہماری اپنی بھلائی اور بہتری کے لئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی اُمتوں کی ہلاکت و تباہی کا سبب ناانصافی، عدم توازن اور فقدانِ عدل کو قرار دیا ہے۔ کیا ہماری تباہی میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟ ہماری عزتیں، ہمارے مال اور جانیں محفوظ نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہماری سوچ، ہمارے خیالات، ہمارے ارادوں، ہماری نیتوں، ہمارے اعمال و افعال میں خود غرضی، لالچ اور ہوس نے عدل و انصاف کو سرے سے خارج کر دیا ہے۔ سکندر اس بات پہ فکر مند اور شرمندہ تھا کہ اتنی سی حقیر دنیا کے لئے میں گھوڑے کی پیٹھ پر ہوں۔ یہ دنیا میری ہمت اور جوانمردی کے مقابلے میں بہت چھوٹی ہے۔ میری عالی حوصلگی ہفت اقلیم کی فتح پر مطمئن نہ ہوگی۔ ارسطو جو اس کا وزیر تھا، نے کہا کہ بے شک یہ جہاں تمہارے حوصلے اور بلند ہمتی کے آگے ہیچ ہے، مگر اسے اگر اپنے عدل و انصاف سے قائم رکھو تو دونوں جہانوں پہ قبضہ ہو جائے گا اور آپ کی پریشانی دُور ہو جائیگی۔

Marfat.com

ملکِ عقبیٰ خواہ کاں ترنّم بود   ذرۂ زاں ملک صد عالم بود

۵۔ کسی بادشاہ کے دل میں حج کا ارادہ پیدا ہوا، مگر ارکانِ حکومت نے اسے خود جانے سے منع کر دیا کہ آپ کی غیر حاضری میں خرابیوں اور فساد کا امکان ہے۔ بہتر ہے کہ یہاں ایک درویش نے ساٹھ حج کئے ہیں۔ آپ اُس سے ایک حج کا ثواب خرید لیں۔ بادشاہ فقیر کے ہاں گیا اور مدعا بیان کیا۔ فقیر نے کہا۔ میرے ان تمام حجوں کے لیے اُٹھنے والے ایک ایک قدم کی قیمت تمام دنیا ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ میرے قبضے میں تو دنیا کا تھوڑا سا ملک ہے، پھر کیسے معاملہ ہو سکے گا۔ فقیر نے کہا۔ بادشاہ، میرے تمام حجوں کی قیمت دینا آپ کے لیے آسان ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ وہ کیسے؟ فقیر نے کہا۔ آپ نے جو کسی مظلوم کی دادرسی کی ہے اُس وقت کے عدل کا ثواب مجھے بخش دو میں تجھے ساٹھ حجوں کا ثواب دینے کو تیار ہوں۔ گویا عدل و انصاف کا ایک لمحہ ساٹھ حجوں سے زیادہ موجبِ ثواب ہے۔

۶۔ خلیفہ منصور کے ایک مشیر با تدبیر نے ایک شخص کے متعلق سفارش کی کہ اسے فلاں صوبے کا گورنر بنایا جائے تو مناسب ہوگا کہ وہ آپ کا پرانا خدمت گار ہے اور اُس کے آپ پر کافی حقوق ہیں منصور نے جواب دیا۔ بے شک اُس کے حقوق ہیں لیکن وہ مجھ پر ہیں مسلمانوں کے مال پر نہیں ہیں۔ اس لئے میں اپنی کسی خدمت کے صلے میں اسے مسلمانوں پر حکومت نہیں دے سکتا کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے، ناانصافیاں کرے اور کوئی شکایت کرے تو کہے کہ خلیفہ پر میرے حقوق ہیں۔ گورنری یا عہدہ ان لوگوں کو دیا جا سکتا ہے جو پرہیزگار، نیک دل، دیانتدار اور کفایت شعار ہوں تاکہ مسلمانوں کے امور خیر و خوبی سے جاری ہوں۔ عباسی خلیفہ منصور کی عدل پروری کی مثال خود ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ جب مدینہ آیا تو عدالت کی طرف سے اُسے سمن ملا اور عدالت میں حاضری کا بلاوا تھا۔ اُس وقت مدینہ کی عدالت کے قاضی محمد بن عمران طلحی تھے۔ اونٹوں والوں نے خلیفہ منصور کے خلاف دعویٰ دائر کیا تھا۔ اہلکاروں کے لیے سمن پر دستخط لینا مشکل مرحلہ تھا، مگر خلیفہ نے دیکھا تو بخوشی عدالت میں حاضری دی اور حکم دیا کہ میں اکیلا عدالت میں جاؤں گا کسی قسم کے شاہی آداب و لوازمات کی ضرورت نہیں، کیونکہ بادشاہ کی حیثیت سے نہیں ملزم کی حیثیت سے جا رہا ہوں۔ مقررہ دن خلیفہ منصور عباسی عدالت میں آیا تو استقبال کے لیے کوئی بھی نہ تھا۔ مقدمہ کی سماعت کے دوران عدالت میں کھڑا رہا۔ کندھے سے چادر گری تو خود اُٹھائی۔ مقدمہ کی کاروائی کی روشنی میں فیصلہ اس کے خلاف ہوا۔ لوگوں کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ لوگ سانس روکے کھڑے تھے کہ اب خلیفہ قاضی کا سر قلم کرے گا۔

عدالت برخاست ہوئی تو خلیفہ خود بڑھ کر قاضی کے پاس گئے اور کہا۔ آپ قانون کے محافظ ہیں۔ آپ نے انصاف کیا خدا آپ کو اجر دے۔ آپ نے پرواہ نہ کی کہ مجرم حاکم وقت ہے۔ یہ دس ہزار اشرفیاں آپ کا انعام ہے۔ فیصلہ سنانے والے قاضی پھانسی پر چڑھ سکتے تھے مگر مطمئن تھے کہ انہوں نے فرض ادا کیا اور عدل قائم رکھا۔

آج عدالتوں کی طرف سے سمن جاری ہونے کی تو نوبت ہی نہیں آتی اور آئے تو ضمانت قبل از گرفتاری کا راستہ موجود ہے جمہور کے غمخوار اور جمہوریت میں انسانی حقوق کا ڈھول پیٹنے والے اگر خلافِ قانون حرکت پر پوچھ بھی لیے جائیں تو نمائندگان اسمبلی کا استحقاق مجروح ہو جاتا ہے۔ تحاریکِ استحقاق پیش ہوتی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

[illegible]

Marfat.com

تعلیمات اسلامی میں احسان کی اہمیت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
	آیت معہ ترجمہ دوسری قرآنی آیات	عدل اور احسان کا فرق ۔ تعریف ۔ احسان کی اہمیت ۔ تمام انبیاءؑ کے ساتھ اپنی مہربانیوں کا ذکر فرما کر کہا گیا کہ محسنین کی یہی جزاء ہے ۔ سورہ صفت ، سورۂ زمر میں عمومی احسان ۔ سورۂ بقرہ ، سورۂ توبہ میں احسان کا ذکر ۔
۲	آج کی تعلیم خود زو بزم خویش ترقی یافتہ قوموں کا رویہ	فاتح کی حیثیت سے رویہ ۔ فتح مکہ کے وقت حضورؐ کا عمل حضرت ابراہیم ادھمؒ اور شفیق بلخیؒ کی گفتگو
۳	واقعات و امثال	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالیں ۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ سر سید احمد خان ۔ والیٔ کرمان اور عضد الدولہ صلاح الدین ایوبی ۔ حرفِ آخر ۔

Marfat.com

تعلیماتِ اسلامی میں احسان کی اہمیت

آیت معہ ترجمہ

انّ اللہ یا مرُ بالعدل والاحسان و ایتاءِ ذی القربٰی ۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا اور قرابت داروں کے ساتھ امداد اور حسنِ سلوک کا ۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ بالا آیت کی تشریح میں عدل و انصاف اور قرابتداروں کے مضامین نظروں سے گزر چکے ہیں۔ اس آیت کی جامعیت کے بارہ میں بھی لکھا جا چکا ہے اور عدل کے سلسلہ میں لفظی وضاحتوں اور عبارت آرائیوں سے ہٹ کر اسلامی حکومت کے دورِ اوّل سے لے کر شخصی حکمرانوں تک کے واقعات پر زیادہ تر انحصار اس لئے کیا گیا کہ مفہوم کی وضاحت اور عدل کے عملی مظاہروں کے باعث اس کی اہمیت اور اسلام میں اس کے عملی واقعات سے قاری اور سامع خود موازنہ کر سکے کہ آج کے انسان دوست اور عوام پرور جمہوری دور میں کتنا فرق تھا اور موجود ہے اور اس دور کے امن، سکون، خوشحالی اور علم پروری کا کس قدر رواج اور خیال رکھا جاتا تھا۔ جبکہ آج عوام کے ذریعہ عوام پر حکمران بننے والے عوامی عدل و انصاف سے کتنے دُور ہیں آجکل عدالتوں میں انصاف کے حصول کیلئے نوحؑ کی عمر اور قارون کے خزانے کی ضرورت ہے اور وہ بھی کسی حق و انصاف پر مبنی نہیں ہوتا۔

امراء وزراء اور معروف سیاسی افراد کے خلاف کسی بے انصافی کا دعویٰ تو بڑی بات آواز تک نہیں اُٹھائی جا سکتی اور آواز اُٹھے تو وہ اپنے ہی کانوں سے آ کر ٹکرا جاتی اور دم توڑ دیتی ہے۔ آنکھوں سے اندھے، کانوں سے بہرے اور دلوں کے احساس سے عاری اس دورِ حکمرانی و محکومی میں آدمی سوچتا ہے کہ ؎

اب تو سوچا ہے کہ پتھر کے صنم پوجیں گے   تاکہ گھبرائیں تو ٹکرا بھی سکیں مر بھی سکیں

لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم آج کے جمہوری دور میں جن لوگوں کو صنم بنا لیتے ہیں ان سے ٹکرانے اور مرنے کے مواقع بھی نہیں ملتے اور اس سیاسی و جمہوری صحرا میں اپنی شوریدگی سر سے گلو خلاصی کے لئے کوئی دیوار بھی نہیں ملتی۔ جس سے بقول غالب سر ٹکرایا جا سکے۔

؎ شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

احسان کی تعریف

عدل کے بعد اس آیت میں جس دوسرے حکم کا ذکر ہے وہ احسان ہے کہ "تم احسان کا رویہ اختیار کرو"۔ احسان اور حسن کا مادہ لفظی ایک ہے یعنی کسی کام کو خوبی اور خوبصورتی سے انجام دینا ہے۔ ہر کام کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ کسی

Marfat.com

کے ذمہ جو کام سپرد ہو وہ اسے کر دے۔ یہ اطاعت و تابعداری کا درجہ ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان اس کام کو اپنی پوری قابلیت، پوری توجہ، انہماک اور خوبی کے ساتھ انجام دے۔ یہ درجہ اطاعت سے بڑھ کر احسان کہلاتا ہے۔ پہلے درجے میں خوفِ خدا اور تقویٰ کافی ہوتا ہے جبکہ دوسرے درجے میں خوفِ خدا، تقویٰ داری کے ساتھ ساتھ انسان کا ذاتی شوق، محبت اور قلبی لگاؤ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لئے جب حضورؐ سے احسان کی تعریف پوچھی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اپنے رب کی بندگی اس احساس سے کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ تو اطاعت محض ہے، مگر اس طرح بندگی کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو تو یہ احسان ہے۔ ظاہر بات ہے جب بندگی، اطاعت اور زندگی کے تمام معاملات میں ہر طرف خدا ہی جلوہ فرما اور جلوہ گر نظر آئے تو پھر محبت، شیفتگی، ذوق و شوق کا کیا عالم ہوگا۔ عام طور پہ مزدور مالک کی موجودگی کے بغیر جو کام کرے گا وہ کیسا ہوگا۔ جب احساس ہو کہ مالک دیکھ رہا ہے وہ کیسا کام کرے گا اور جب مالک کو خود سامنے بیٹھا ہوا دیکھے گا تو اس کام کی انجام دہی کیسی ہوگی۔ احسان کے لئے کسی انسان میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، خوش خلقی، معافی درگذر، ایک دوسرے کا پاس و لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے تھوڑے پر راضی ہونا۔ احسان عدل سے زائد چیز ہے۔ عدل زندگی کے وسائل سے خود لطف اُٹھانے اور دوسروں کو بھی اٹھانے دینے کا نام ہے۔ احسان ـــــــ زندگی کے تمام وسائل کو دوسروں میں بانٹنے کا نام ہے۔ عدل یہ ہے کہ خود بھی جئے اور دوسروں کو بھی جینے دے۔ احسان یہ ہے کہ انسان دوسروں کے لئے زندہ رہے۔ عدل یہ ہے کہ اس کے ہاتھوں کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ احسان یہ ہے کہ دوسروں کے دُکھ لے لے اور اپنے سُکھ دوسروں کو دے دے۔ عدل مساوات ہے اور احسان سراسر ایثار ہے۔ جب معاشرے میں تمام لوگ ان صفات اور ان خوبیوں کے مالک بن جائیں تو پھر ہر طرف ایثار و قربانی کے مظاہرے ہونگے۔ محبت و خلوص کے سلسلے ہوں گے۔ پھر اس ملک سے، اس قوم سے تمام برائیاں مٹ جائیں گی اور نیکیوں و احسانات کی پُربہار رنگینیاں اور رونقیں ہوں گی۔ انّ الحسنات یذھبن السیّئات۔ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معاشرے میں اس کی اہمیت اتنی بڑھ جاتی ہے۔ احسان انسانی زندگی کو جمال بخشتا ہے۔ عدل اگر معاشرے میں ناگواریوں، تلخیوں اور نفرتوں کو دُور کرتا ہے تو احسان اس میں مٹھاس، شیرینی اور خوشگواری کا رس گھول دیتا ہے۔ انسانی زندگی اجتماعی طور پر اس بات پہ قائم نہیں رہ سکتی کہ آدمی ہر وقت ناپ تول میں لگا رہے کہ کس کا کتنا حق بنتا ہے اُسے دیا جائے اور اپنا کتنا بنتا ہے کہ اسے وصول کیا جائے۔ اس قسم کے کھرے معاشرے میں جھگڑے اور کشمکش تو نہ ہوگی، مگر احسان کے بغیر اس معاشرے میں باہمی محبت، شکر گزاری، ایثار، خلوص اور خیر خواہی جیسی صفات و اقدار پیدا نہ ہوں گی جو زندگی میں لطف و خوبی اور خوبصورتی پیدا کرنے والی ہیں۔

قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ نے احسان کی روش اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ مختلف مقامات پر اس کی اہمیت بتائی ہے۔ سورۂ لقمان میں فرمایا ہے؛ تلک آیات الکتاب الحکیم ھدًی و رحمۃً للمحسنین۔ اس دانائی اور حکمت سے بھری ہوئی کتاب کی آیات میں احسان کرنے والوں کے لئے ہدایات ہیں اور رحمت ہے۔ سورۂ الصّٰفّٰت میں تمام پیغمبروں، حضرت نوح علیہ السّلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام، حضرت ہارون علیہ السّلام، حضرت الیاس، حضرت یونس اور حضرت لوط علیہم الصلوٰۃ

Marfat.com

والسلام کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان پر سلام بھیجا اور ہر ایک پر دنیاوی و اخروی انعامات کو اُن کے حسنِ عمل کا نتیجہ قرار دیا۔ اور ہر ایک کے ذکر کے ساتھ اس جملے کا بار بار اعادہ فرمایا۔ انا کذالک نجزی المحسنین۔ ان کے ساتھ سلوک اور انعامات کی یہی جزاء ہے کہ وہ احسان کرنے والے تھے۔

سورہ زمر میں عام انسانوں کے متعلق ارشاد ہے: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ لَھُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّھِمْ ذٰلِکَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ۔ جو شخص سچ، خدائی احکامات لے کر آیا اور جن لوگوں نے اس سچائی، آسمانی ہدایات کی زبانی و عملی تصدیق کی۔ زبان سے سچ مانا، دل سے اس سچائی کا اقرار کیا اور عملاً اس کا اظہار کیا، وہی حقیقت میں خدا سے ڈرنے والے ہیں۔ انہیں خدا کے ہاں سے وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے اور یہی احسان کا رویہ اختیار کرنے والوں کی جزاء اور بدلہ ہے۔

پھر سورۂ شوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَّزِدْ لَہٗ فِیْھَا حُسْنًا۔ جو بھلائی اور نیکی کمائے اس کی بھلائی میں اضافہ ہوگا۔ وہ جتنی زیادہ نیکی کی کوشش کرے گا، خدا اس سے زیادہ اسے نیک بنائے گا پھر تھوڑی سی نیکی پہ زیادہ اجر ملے گا۔ اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے گی۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے: وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، احسان کا رویہ اختیار کرو، اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ احسان کرنے والوں کا حقِ خدمت ضائع نہیں ہوتا۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہوا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور اُن کے ساتھ ہے جو محسن ہیں۔ پھر ایک مقام پر یوں فرمایا گیا۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی ان تمام آیات میں احسان کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ احسان کا درجہ عدل سے زیادہ ہے۔ کسی کے ذمہ قرض ہے اسے پورا پورا ادا کرنا عدل ہے، مگر کسی محتاج و مجبور مقروض کو معاف کر دیا جائے تو یہ احسان ہے۔ عدل یہ ہے کہ قاتل سے قتل کا پورا پورا بدلہ لیا جائے۔ آزاد مقتول کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلے میں غلام، آنکھ، ناک کان کے کٹنے کے بدلے میں انہی اعضاء کا بدلہ لینا عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ مقتول کے وارث اپنی خوشی، رضا و رغبت سے خون بہا لئے بغیر قاتل کو معاف کر دیں۔ عدل و احسان میں بنیادی فرق یہی ہے کہ عدل میں دلوں کی کدورت اور میل دُور نہیں ہوتا۔ انتقامی جذبہ فساد پہ اکسانا رہتا ہے، مگر احسان کی صورت میں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احسان کرنے والے کا نقصان ہوا ہے، لیکن حقیقت میں اس سے محبت، رواداری اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ خاندانی دشمنیاں خاندانی محبتوں میں بدل جاتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ امن، خوشحالی اور مسرتوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے قتل کے بدلے چکانے کی بجائے فرمایا گیا ہے کہ فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ

وادآءٌ الیہ باحسانٍ (سورہ بقرہ) جس کسی نے اپنے بھائی کو قتل کے بدلے میں معاف کر دیا۔ اُس نے اچھا کیا اور احسان کی روش اختیار کی (سورہ بقرہ کی اس آیت سے قبل قصاص یعنی قتل میں بدلے کا حکم دیا گیا جو عین عدل و انصاف کا تقاضا ہے، مگر آخر میں سرکے قاتل کو بھائی کہہ کر اسے معاف کرنے کی ترغیب دی گئی۔ عدل کے تقاضوں کو پورا کرو تو ٹھیک ہے، مگر ہے تو تمہارا بھائی اسے معاف کر کے اس پہ احسان کیا جائے تو باہمی رواداری، مروّت اور خوشدلی کی فضا پیدا کرنے کو ترجیح دی گئی ہے۔

واقعات و امثال

۱۔ آج دنیا کی نام نہاد مہذب اور بزعم خویش شائستہ اور بقلم خود ترقی یافتہ قومیں اسلام کو بنیاد پرست اور رجعت پسندی کے حقیرانہ القاب سے پکارتی ہیں۔ خود ان کی شائستگی تہذیب کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی قوم یا ملک کو فتح کرتی ہیں تو اُن کے فاتح سپاہیوں کی درندگی، بربریت اور سفاکی سے معصوم اور بے گناہوں تک کی جان پہ بن آتی ہے۔ قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عزتیں اور عصمتیں لُٹتی ہیں۔ اس بستی کی دولت حتیٰ کہ جانوروں اور فصلوں تک تباہی مچا دی جاتی ہے۔ فتح کے جشن منائے جاتے ہیں، شراب کے خم لنڈھائے جاتے ہیں، ناچ ہوتا ہے مفتوح قوم کی بیٹیوں کو نچایا جاتا ہے۔ ان ساری سرمستیوں اور چیرہ دستیوں کے مقابلے میں مکہ فتح ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین جب مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو جس اُونٹنی پہ ہوتے ہیں اسی اُونٹنی پہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں اور شکر گزاری کے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ الحمد للہ الذی انجز وعدہٗ و ھزم الاحزاب وحدہٗ۔ خداوند تعالیٰ تو میری حمد و ثنا کا مستحق ہے کہ تُو نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور دشمنوں پہ غلبہ عطا فرمایا۔ یہ غلبہ اپنی ذاتی طاقت اور قوت کا نتیجہ نہ سمجھا گیا۔ اس دن مسلمانوں نے ساری رات عبادت میں گزاری۔ خدا کی حمد و ثنا کے ترانے گائے گئے۔ حضور نے اعلان فرمایا۔ لا تثریب علیکم الیوم۔ اے مکہ والو! آج تمہاری دشمنیوں کا بدلہ لینا اور تمہاری بدسلوکیوں کی سزا دینا تو درکنار تمہیں تمہارے سلوک اور ظالمانہ رویّہ پہ ملامت بھی نہ کیا جائے گا۔

۲۔ مشرکین مکہ کے لیڈر ابوسفیان، جو سخت ترین دشمن اسلام تھا اور جس نے مسلمانوں کے خلاف ہر لڑائی میں سرداری و سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے تھے، وہ کڑی سے کڑی سزا بھی پاتا تو مستحق تھا۔ اُس کے جسم کے پُرزے اُڑائے جاتے تو روا تھا مگر محافظ اسلام اور اسلامی لشکر کے سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان ہوتا ہے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، وہ محفوظ ہوگا۔ جو شخص کعبۃ اللہ میں داخل ہوگا امن میں ہوگا، جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھے گا اُسے نہ چھیڑا جائے گا۔

۳۔ اس اعلان نے مکہ والوں کے ڈرتے کانپتے دلوں کو تسکین دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمدلانہ اور محسنانہ سلوک پر وہ حیران بھی تھے اور خوش و خرم بھی۔ ہبّار ایک ظالم شخص تھا۔ اس نے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مدینہ ہجرت کرتے ہوئے اُن کے اُونٹ پر تیر چلا کر ــــــ گرا دیا تھا۔ حضرت زینبؓ کے پیٹ میں بچہ تھا۔ اُونٹ پر سے گرنے کے باعث وہ خود بھی بُری طرح زخمی ہوئیں اور بچہ بھی ضائع ہوگیا اور یہی تکلیف بعد میں اُن کی وفات کا سبب بھی بنی۔ حضور کو اپنی بیٹی کے ساتھ اس سلوک اور ان کی دردبھری وفات پہ بہت زیادہ صدمہ پہنچا تھا، مگر فتح مکہ کے موقعہ پر اُسے

Marfat.com

بھی معاف فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔ غصہ کو دبانے والوں، لوگوں کو معاف کرنے والوں کے ساتھ خدا محبت فرماتے ہیں، کیونکہ وہ ایسا کر کے انسانیت کے محسن ہوتے ہیں۔

۴۔ فتح مکہ کے دوران ایک دشمنِ اسلام اُمِّ ہانی رضؓ کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ حضرت علی رضؓ انہیں قتل کرنے کے لئے ان کے ہاں پہنچے تو اُمِّ ہانی اُسے بچانے کے لئے ڈٹ گئیں۔ حضرت علی رضؓ کے نزدیک وہ قتل کا مستحق تھا، مگر اُمِّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک پناہ گزین کی جان بچانا واجب تھا۔ یہ تکرار و تنازعہ حضور ؐ کے سامنے پیش ہوا تو محسنِ انسانیت نے فرمایا۔ اَجَرنا مَنْ اَجرتِ۔ جسے تُو نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔

۵۔ ابوسفیان کی بیوی نے جنگِ اُحد میں حضور ؐ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعضاء کاٹے، کلیجہ چبانا چاہا، لاش کی بے حرمتی کر کے اپنی شقاوتِ قلبی اور حد درجہ دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا۔ حضور ؐ نے اس سفاکیہ و خونخوار کو بھی معاف فرما دیا۔ حضور ؐ کی احسان مندی، رواداری اور درگذر کا نتیجہ تھا کہ اسلامی معاشرہ امن و سلامتی کا مثالی معاشرہ بنا۔ انہوں نے اپنے عدل و احسان کے قرآنی اور الٰہی حکم پر اپنی ذاتی دشمنیوں کی پرواہ نہ کی۔

۶۔ اسلام کی اسی تعلیم و تربیت کا ثمرہ تھا کہ تاریخ کے ہر دور میں اور اسلامی دنیا کے ہر معاشرے میں احسان کی یہی جگمگاتی چمکتی اور دمکتی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحؒ ایک بڑی سلطنت کے مالک تھے، لیکن اقتدار و بادشاہت کو چھوڑ کر فقیری اختیار کی تاکہ تنگدستی، فاقہ کشی اور غربت میں خدا کی یاد کی جا سکے۔ تلاشِ حق میں ملکوں ملکوں پھرتے، بھوکے پیاسے رہتے، بے گھر، بے ٹھکانہ بے وطن زندگی گزار دی۔ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ حضرت شفیق بلخی رحؒ سے ملاقات ہوئی۔ دونوں بڑے پائے اور مرتبے کے بزرگ تھے۔ حضرت شفیق بلخی رحؒ نے پوچھا، کہو ادھم کیسے گزرتی ہے؟ حضرت ابراہیم ادھم رحؒ نے فرمایا۔ جو مل جاتا ہے شکر کرتا ہوں نہیں ملتا تو صبر کر لیتا ہوں۔ حضرت شفیق بلخی رحؒ نے فرمایا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آوارہ کتا بھی ایسا کرتا ہے، کوئی چیز مل جاتی ہے تو دُم ہلاتا ہے نہیں ملتی تو صبر کر لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحؒ نے فرمایا: حضرت آپ کا رویہ کیا ہے؟ جواب ملا، بھائی ہمیں نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اور جب ملتا ہے تو دوسروں پر بانٹ دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحؒ بے اختیار اُٹھے اور آپ کا سر چُوم لیا۔ انہیں معلوم ہوا کہ ایثار کس کو کہتے ہیں اور احسان کیا چیز ہوتی ہے؟ احسان دوسروں پر بانٹنے اور دوسروں کے لئے زندہ رہنے کا نام ہے۔ احسان کے اسی رویّہ سے زندگی میں لطف پیدا ہوتا ہے۔ خدا کے بندوں کی مشکلات دُور کرنا احسان ہے اور صدقہ بھی ہے۔ کسی کو جانور پر بوجھ لادنے میں مدد دینا، تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹانا بھی احسان ہے اور یہ صدقہ کی آسان صورتیں ہیں۔

حضرت ابراہیم ادھم رحؒ نے حضرت شفیق بلخی رحؒ کی نصیحت کو پلّے باندھ لیا تھا۔ ایک رات سخت سردی میں وہ پناہ لینے کے لئے بستی کی مسجد میں داخل ہوئے۔ وہ مسجد بھی ہماری مسجدوں کی طرح ہماری غفلتوں کی وجہ سے بے کواڑ و بے در تھی۔ ٹھنڈی ہوا مسجد کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ آپ نے دیکھا کہ مسجد کے اندر تین اور مسافر بھی سردی سے سُکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحؒ خدا کے نیک بندے تھے۔ یہ لوگ انسانیت کے خادم اور محسن ہوتے ہیں۔ خدا ترسی، رحمدلی اور انسانیت نوازی ایسے

Marfat.com

لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ سوچا ان خدا کے بندوں کو سردی سے بچانا میرا اخلاقی فرض بھی ہے اور خدا کے حکم کے مطابق احسان کا رویہ بھی ہے۔ چنانچہ مسجد کے بے کواڑ دروازے پر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ اندر جانے والی سرد ہوا کو اپنے جسم پر روک لیا۔ رات بھر یونہی کھڑے رہنے سے اُن کا اپنا جسم تو سردی سے اکڑ گیا، مگر خوش تھے کہ دوسرے انسانوں کو سرد ہوا سے مقدور بھر بچا لیا۔

۷۔ سر سید احمد خان اپنے ایک دَور میں صدر امین تھے تو ایک آدمی کی بڑی مدد کی تھی۔ وہ آدمی جھوٹے مقدمے میں پھنسایا گیا تھا۔ دفتری چھان بین سخت تھی۔ سر سید احمد خان کے درمیان میں آنے سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اللہ اور اُس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ جس نے تم پر احسان کیا ہو ہمیشہ یاد رکھو، کوشش کرو کہ اس کے احسان کا بدلہ دو۔ بدلہ چکانے کے باوجود جذبہ احسان مندی کو مٹنے نہ دیا جائے۔ سر سید احمد خان فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ میں نے جس شخص کو سزا سے بچانے کی کوشش کی تھی وہ میری مخالفت کر رہا ہے اور میرے خلاف گمنام عرضیاں میرے محکموں کے افسروں کو بھیجتا ہے۔ میں اُسے پھنسانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ میری والدہ کو علم ہوا تو انہوں نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ بیٹے اسے معاف کر دو۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں معافی دینے پر آمادہ نہیں تو فرمایا، اگر بدلہ لینا ہے تو اسے زبردست حاکم کے انصاف پر چھوڑ دو جو سزا و جزا کا مالک ہے۔ اپنے دشمن کو دنیا کے کمزور حاکموں سے کیا بدلہ دلوانا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے فرمایا ہے جب اللہ کا بندہ بدلہ لینے پر قادر ہوتا ہے اور نہیں لیتا تو پھر اللہ پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی طرف سے بدلہ لے۔ سر سیدؒ فرماتے ہیں۔ پھر اس کے بعد میں نے زندگی میں کسی سے بدلہ لینے کا سوچا بھی نہیں۔ احسان کی صورت یہ بھی ہے کہ سخت دشمنی، مخالفت کے باوجود انتقامی جذبات پر قابو پایا جائے اور دوسروں کو معافی دے دی جائے یا زیادہ سے زیادہ خدا کے انصاف پر چھوڑ دیا جائے۔

۸۔ احسان کا ایک ایسا ہی مظاہرہ اس وقت پیش آیا جب کرمان کے والی اور عضد الدولہ کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔ دونوں کی فوجیں آمنے سامنے تھیں۔ اس زمانے کے ہر طرح کے ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔ دن بھر کی لڑائی میں دونوں طرف سے بیسیوں سپاہی مارے گئے تھے۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ آخر سورج ڈوب گیا اور رات کی سیاہی پھیلی تو دونوں لشکر اپنے کیمپوں میں چلے گئے۔ عضد الدولہ کرمان کے والی پر حملہ آور ہوا تھا۔ کرمان کے والی نے دیکھا کہ دشمن کا لشکر زیادہ اور طاقتور ہے تو وہ کھلے میدان کی بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنے لگا۔ عضد الدولہ شیر ہو رہا تھا آخر اس کا لشکر قلعہ کے قریب پہنچ گیا۔ حضورؐ نے فرمایا، بہادر وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے بہادر وہ ہے جو غصّے پر قابو پا لے۔

جس دن عضد الدولہ کا لشکر قلعہ کی دیوار تک پہنچا تھا اُس دن خوب لڑائی ہوئی تھی۔ دونوں فوجوں نے بہادری کے خوب جوہر دکھلائے تھے۔ سورج غروب ہونے پر دونوں فوجیں جب پڑاؤ میں لوٹ گئیں تو عضد الدولہ نے دیکھا کہ مخالف سمت سے دیگیں چلی آ رہی ہیں۔ اس کا ماتھا ٹھنکا، لیکن پہلی ہی دیگ کے پہنچنے پر گرم گرم کھانے کی خوشبو اڑ رہی تھی۔ اُسے پھر بھی دشمن کی طرف سے دھوکہ دہی کا شبہ تھا، مگر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ ان سب دیگوں میں گرم گرم کھانا تھا۔ دشمن کی طرف سے کھانا بھیجنے کی بات اُسے سمجھ نہ آ رہی تھی۔ محاورہ یہ ہے کہ دشمنی اور محبت میں سب کچھ روا ہے، مگر اسلام کہتا ہے کہ نہیں، کردار و اخلاق، شرافت و مروّت اور احسان و رواداری کا دامن کسی حال میں بھی نہ چھوڑا جائے۔ رزم ہو یا بزم ہمارے اسلام کی قدریں نہیں بدلتیں۔ عضد الدولہ کو اس کھانے کی ترسیل پر شبہ ہو رہا تھا کہیں کہ ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں"۔ لیکن اسے یقین بھی

Marfat.com

تھا کہ اس کا واسطہ کس کمینے دشمن سے نہیں۔ سارے لشکر کو کھانا کھلانے کے بعد عضدالدولہ نے والیٔ کرمان کو پیغام بھیجا کہ دن کو لڑائی اور رات کو کھانا کھلانا، کیا مطلب ہے؟ جواب آیا لڑنا اعلانِ بہادری ہے اور کھانا کھلانا بہادری کی شان اور رویّہ مروّت و احسان ہے۔ آپ لوگ اگرچہ میرے مخالف ہیں مگر میرے شہر کی دیوار تلے میرے پڑوسی اور مسافر ہیں اور یہ بات مروّت سے بعید ہے کہ آپ میرے مہمان پڑوسی ہوں اور میں آپ کی میزبانی نہ کروں۔

عضدالدولہ میدانِ جنگ میں ڈھیر نہ ہو سکتا تھا، مگر بہادری کی اس شان اور مروّت و احسان کے اس اظہار پر ڈھیر ہو گیا۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو کرمانیوں نے دیکھا کہ دشمن کا لشکر پڑاؤ کے خیمے اکھاڑ رہا ہے اور واپس جا رہا ہے۔ کسی نے عضدالدولہ سے پوچھا۔ آپ تو کرمان فتح کرنے آئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا۔ میں کرمانیوں کے لشکر اور طاقت سے نہیں والیٔ کرمان کی شرافت سے ہار کر جا رہا ہوں۔ ایسے اخلاقی بہادر آدمی سے کیا لڑنا؟ عضدالدولہ آل بویہ کا سب سے بڑا امیر تھا۔ ۴۸ برس کی عمر میں ۹۸۳ء کو فوت ہوا

۹۔ اسی طرح کا کردار آج سے تقریباً نو سو برس پہلے فلسطین کی لڑائی میں مسلمانوں کے سپہ سالار صلاح الدین ایوبی نے پیش کیا۔ فلسطین کا علاقہ میدانِ کارزار بنا ہوا تھا۔ سارا یورپ مسلمانوں کے خلاف امڈ آیا تھا۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ شیر دل کہلاتا تھا۔ فرانس کے بادشاہ، پاپائے روم اور دوسرے بہت سے یورپی حکمرانوں نے فوج اور روپے سے بھرپور مدد دی تھی تاکہ فلسطین سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ القدس کی سرزمین پہ آج بھی معرکہ کارزار گرم ہے۔ مسلمانوں پر مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب اسلام کا مایۂ ناز جرنیل صلاح الدین ایوبی اسلامی پرچم کو سرنگوں ہونے سے بچا رہا تھا۔ اس خونریز لڑائی کے دوران صلاح الدین ایوبی کو خبر ملی کہ رچرڈ بیمار ہو کر بستر پہ پڑا ہے اور اس کی فوج حوصلہ ہار رہی ہے۔ صلاح الدین کے لئے یہ موقعہ بڑا اچھا تھا کہ رچرڈ کی بیماری اور فوج کی بزدلی سے فائدہ اٹھایا جاتا، لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ لڑائی روک دی اور رچرڈ کو پیغام بھیجا کہ جب تک ٹھیک نہیں ہو جاتے، میں نہیں لڑوں گا۔ آستین کے سانپ دوستی کے پردے میں ڈستے ہیں، لیکن اللہ کے بندوں کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ وہ دشمنی میں بھی اخلاقی اقدار کا لحاظ رکھتے ہیں۔ انسانیت کا احترام میدانِ جنگ میں رکھا جاتا ہے۔ خبریں آنے لگیں کہ رچرڈ کی حالت بگڑ رہی ہے اور اس کے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی اس خبر پہ خوش ہونے کی بجائے فکرمند ہوا اور اپنے بہترین طبیب کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ رچرڈ کا علاج کرو۔ طبیب دشمن کے پڑاؤ میں پہنچا تو گھیر لیا گیا، جب بات بڑوں تک پہنچی تو سب کا خیال تھا کہ دشمن پر کیا بھروسہ یہ زہر دینے آیا ہو۔ لیکن رچرڈ نے حکم دیا۔ طبیب کو بلاؤ۔ صلاح الدین ہمارا دشمن ہے مگر کمینہ نہیں، میں اس کے طبیب سے علاج کراؤں گا۔

حرفِ آخر

لڑائی ہتھیاروں کا کھیل ہے، مگر اس کھیل میں کامیابی، دل میں نیکی اور انسانی اوصاف و کردار کی ہوتی ہے۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ کر بھلا ہو بھلا۔ نیکی اور احسان کا رویہ ضائع نہیں ہوتا۔ دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے جو احسان فراموش اور بدفطرت ہوتے ہیں، لیکن زمین میں اُگنے والی چند خودرو خاردار بوٹیوں یا جھاڑیوں کو دیکھ کر بیج بونے، پودے لگانے اور

Marfat.com

پھولوں کی کاشت سے کیوں ہاتھ روک دیئے جائیں۔ کیا ایک اچھے بھلے شریف النفس انسان کو چند کمینوں کے رویہ پر اپنی فطرت بدل لینا چاہیئے۔ خدا کا فرمودہ سچا ہے۔ اس کے نتائج، اثرات اور ثمرات یقیناً بہتر ہوں گے۔ اس لئے خدا کے اس حکم کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑا جائے اور وہ حکم یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ عدل اور احسان کے رویہ پر کاربند رہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کوئی والد اپنے گھر میں، کنبہ کے بزرگ اپنے کنبے میں، اہلِ فیصلہ فیصلے کرتے وقت عدل و احسان کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ کیا ہم معاشرتی برتاؤ اور سماجی سلوک میں احسان کے ان خدائی احکامات اور تعلیماتِ نبوی کے مطابق بزرگان مثالوں کے مطابق سلوک کرتے ہیں؟ اگر نہیں ہے تو ہمیں احسان کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ ہماری یہ چند روزہ زندگی پرسکون گزر سکے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

یتیموں اور بیواؤں کے حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ قرآنی ہمدردی۔ موجودہ معاشرتی حالات میں بیوہ اور یتیم بچوں کی بے بسی۔ منحوس جاننا، دوسرا نکاح نہ کرنے دینا۔
۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور ارشادات	امہات المومنین رضی اللہ عنہن بیوہ تھیں سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہماری معاشرتی سوچ اور مثالیں، حسن بصری رضی اور رابعہ بصری رضی کا واقعہ
۳	طبعی و انسانی تقاضے	عظیم آباد کی عابدہ و زاہدہ کا واقعہ۔ اسلام فطرت انسانی کا خیال رکھتا ہے۔ نکٹوں اور زنگوں کا معاشرہ
۴	یتیم کے حقوق	یتیم کی تعریف۔ قرآنی آیات، سورۂ ضحیٰ، سورۂ دھر یتیم کے مال کا خیال رکھنا۔ سورۂ بنی اسرائیل، البقرہ، انفال
۵	تعلیمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم	میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا مرتبہ میں برابر ہوں گے
۶	موجودہ مادی گھرانوں اور خواتین کی مصروفیات	ملازمتوں، سماجی تقریبات اور سوشل تعلقات میں مصروفیت کے باعث خود ان کی اپنی اولاد ان کی زندگی میں یتیم ہو جاتی ہے۔
۷	واقعات و امثال	محمد ولی قصاد کا یتیم کے مال کا خیال رکھنا

Marfat.com

یتیموں اور بیواؤں کے حقوق

آیت معہ ترجمہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۚ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (سورہ نور: ۳۲) اے مسلمانو! بیوہ عورتوں کے نکاح کرو، اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نیک بخت ہوں، اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ گنجائش والا اور سب کے حالات سے واقف ہے۔

تفسیر اور تشریح بیوہ عورت ہماری معاشرتی زندگی کا وہ فرد ہے جو انتہائی بے کس، مظلوم اور انسانی ہمدردی کا محتاج ہے۔ کیونکہ اس کے سر کا تاج، اس کے سہاگ کی چھاؤں اور اس صنفِ نازک انسانیت کا سہارا چھن جاتا ہے۔ وہ شادی کے وقت والدین کے گھر سے اپنے گھر والوں کی مرضی و مشوروں سے رخصت ہوتی ہے تو رواجی طور پر بھی اور معاشرتی و سماجی لحاظ سے بھی اس گھر سے ساتھ اس کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ جہاں بیاہ کر دی جاتی ہے تو ہمارا معاشرہ اس سے یہی توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے سسرال کو اپنا گھر سمجھے اور اپنے خاوند کو اپنی زندگی کا ہمسفر جانے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عورت کا ایک جنازہ زندہ صورت میں ماں باپ کے گھر سے نکلتا ہے تو دوسرا جنازہ سسرال سے بصورت موت نکلتا ہے۔ بالکل جانا چاہیئے، گویا اس کا دوسرا گھر اس کے سسرال اور خاوند کا گھر ہوتا ہے۔ اس کی امیدیں، تمنائیں، آرزوئیں اسی گھر اور خاوند سے وابستہ ہوتی ہیں۔ والدین کے ساتھ اور ماں باپ کے گھر میں اس کے حقوق ختم ہو جاتے ہیں اور ہوتا یہی ہے کہ والدین کے گھر میں پھر اس کی بھابیوں اور بھائیوں کی بیویوں کا راج ہوتا ہے جن کی موجودگی میں بھابیوں اور بھائیوں کے حسنِ سلوک کی تھوڑی بہت توقع ہی امید کی کرن ہوتی ہے ورنہ زور اور زبردستی نہیں چل سکتی۔

ایسے حالات میں قضا و قدر کے فیصلوں کے مطابق اگر اس کے خاوند کا سہارا موت کے بے رحم ہاتھوں سے چھن جائے تو پھر یہ گھر بھی اس کا اپنا نہیں بیگانہ بن جاتا ہے اور یہ صورتِ حال اس وقت اور بھی سنگین بن جاتی ہے کہ جب سسرال کے ہاں اس کے خاوند سے اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر ہو تو وہ بچے اور بچیاں چھوٹے چھوٹے ہوں۔ جن کی تعلیم و تربیت اور مستقبل کا انحصار سسرال والوں، دیوروں، دیورانیوں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ انسان کی معاشرتی زندگی کے احوال پر نظر ڈالی جائے تو سسرال والوں کا رحم و کرم اور اس کے اپنے بھائیوں کے ہمدردانہ رویّوں کے سلسلے زیادہ دُور تک اور زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دیتے، کیونکہ ان کی اپنی اولاد ہی ان کے رویّوں کی مستحق اور پدرانہ شفقتوں کی حقدار ہوتی ہے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ خود سگے بھائیوں نے کھاتی پیتی زندہ شوہروں والی بہنوں کو حق وراثت سے محروم کر رکھا ہوتا

Marfat.com

ہے اور ادھر سسرال والے دیور اور جیٹھ بھی اپنی جائیداد بالخصوص والدین کی چھوڑی ہوئی جائیداد سے اُسے محروم کرنے کی سازشوں میں لگے رہتے ہیں بلکہ ایسے سنگدل بھی ہوتے ہیں کہ بیوہ بھابی کے ایک آدھ بچے بچی کو موت کے گھاٹ بھی اُتار دیتے ہیں تاکہ جائیداد کے یہ دعویدار بڑھنے نہ پائیں، پھیلنے نہ پائیں۔

دوسری طرف معاشرے کی اس سنگینی و سنگدلی کا حال یہ ہوتا ہے کہ والدین کا خاندان اور سسرالی کنبہ بھی اس کے دوسرے نکاح کو اپنی غیرت اور اَنا کا مسئلہ بنا دیتا ہے۔ اُسے پہلے تو دوسری شادی کی اجازت نہیں دی جاتی کہ خاندان کی ناک بیچارگی کٹ جائے گی، خواہ وہ اُن کے چہرہ پر کتنی ہی بدنما اور چھوٹی ہو اور اگر دوسرے نکاح پر آمادہ بھی ہوں تو اُسے منڈی کے مال کی طرح خود دلالی اور سودے بازی کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور خود اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

حضرت خنساء بنت خذامؓ فرماتی ہیں کہ میں بیوہ تھی۔ میرے والد نے میری مرضی کے بغیر نکاح کر دیا۔ میں اس پر راضی نہ تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپؐ نے میرا نکاح رد کر دیا۔ (بخاری)

زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا۔ اسے ڈائن، منحوس اور قابلِ نفرت سمجھا جاتا تھا۔ ہندوؤں میں بیوہ عورت کو تو اپنے خاوند کے ساتھ جل مرنے کا حکم تھا، جسے "ستی" ہونا کہا جاتا تھا۔ جب تک یہ رواج رہا عورت کے جینے کا حق اُس کے خاوند کی موت کے ساتھ ختم سمجھا جاتا تھا۔ اب اگرچہ یہ رواج نہیں لیکن بیوہ عورت اب بھی ہندو معاشرے میں عزت کی نظروں سے نہیں دیکھی جاتی۔ اسے ہندوؤں کے مذہبی آشرموں میں پناہ ملتی ہے جہاں مذہبی خدمات کے پردے میں اُس کی عزت لوٹی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اس معاشرے میں جہاں کسی کی عزت محفوظ نہیں وہاں بیوہ عورتوں کے تحفظ کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد و عمل

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کا حکم دے کر اُنہیں جہاں اُن کا حق دیا وہاں انہیں معاشرتی و سماجی تحفظ بھی بخشا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اُم المومنین آئیں۔ اُن سے نبی کریمؐ کو بے انتہا محبت تھی اور انہیں سے سلسلہ نسب بھی چلا۔ ان کے بعد حضورؐ کی متعدد ازواجِ مطہرات بیوہ تھیں۔ گویا حضورؐ نے جاہلیت کی اس رسم کو خود توڑ کر بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کر کے انہیں اُمہات المومنات والمومنین۔ تمام مسلمان عورتوں اور مردوں کی ماؤں کے جلیل القدر منصب پر سرفراز فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ الساعی علی الارملۃ والمساکین کالساعی فی سبیل اللہ واحسبہ قال کالقائم لا یفتر وکالصائم لا یفطر۔ (بخاری) بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اور ان کی خدمت کرنے والا ایسا ہے جیسے خدا کے راستے میں جہاد کرنے والا اور غالباً آپؐ نے یہ بھی فرمایا جیسا وہ نمازی ہے جو نماز سے نہیں تھکتا یا ایسا روزہ دار ہے جو روزہ کبھی ناغہ نہیں کرتا۔ دوڑ دھوپ اور سعی سے مراد اس کی خدمات اور ضروریات کو پورا کرنا۔

لیکن اگر کوئی بیوہ عورت اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرتے ہوئے اپنے بچوں کی تربیت اور پرورش کے خیال سے دوسرا نکاح نہ کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق اس کی بڑی فضیلت ہے اور ثواب ہے اور اس کی اہمیت اس اعتبار سے اسلام میں زیادہ ہے کہ ایسی بچوں والی عورت کے پہلے شوہر سے بچوں کو دوسرا شوہر اپنے لئے بوجھ سمجھتا ہے۔ وہ ماں کی دوسری شادی کے باعث اور دوسرے شوہر پر اس گھر میں درست طور پر نہ تو تربیت پا سکتے ہیں، کیونکہ دوسرا

Marfat.com

انہیں اپنا خون نہیں سمجھتا اور پہلا خاندان اُن کی والدہ کے نکاح کے باعث بالعموم خود کو بری الذمہ اور لاتعلق سمجھتا ہے اور اگر ان بچوں کے دادا دادی زندہ نہ ہوں تو صورتِ حال اور بھی بگڑ جاتی ہے۔ ایسے بچے سرپرستوں کے سائے سے محروم ہو جاتے ہیں، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت کو، جو اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے انہیں پرورش کرتی ہے تو قدرتی طور پر جہاں از روئے اسلام اس کی فضیلت ہے وہاں بچے بڑے ہو کر اپنی والدہ کے اس ایثار اور قربانی کو جسے صرف اُن کی پرورش کی خاطر وہ برداشت کرتی ہے، اپنی ساری زندگی میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کا احترام کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ "میں اور وہ شریف حسین و جوان عورت بیوہ، جو شوہر کے انتقال کے بعد اپنے یتیم بچوں کی خاطر اپنے نفس کو نکاح سے روکے رہے اور محنت و مشقت اُٹھانے کی وجہ سے اس کی رنگت کالی ہو گئی ہو، قیامت کے دن مرتبے اور درجے میں اِن دونوں انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔" (ابوداؤد) یزید نے، جو اس حدیث کے راوی ہیں، وسطی اور سبابہ کی انگلیاں باہم ملا کر حضورؐ کی قربت کا مفہوم سمجھایا۔ جیسا کہ حضورؐ نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کیا تھا۔

ہماری معاشرتی سوچ

ہمارے ہاں ایسی بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ نوجوان لڑکی، جو کسی خاندان میں بیاہ کر لائی جاتی ہے، اگر اس کا شوہر فوت ہو جاتے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کا سسرال اس بیوہ کو اپنے گھر کا مال سمجھ کر بٹھائے رکھتا ہے یا تو اُس کی کہیں اور شادی میں اسے فروخت کر کے اس کی شادی پر اپنے اخراجات کی وصولی معہ سود و منافع وصول کرتا ہے جو بدقسمتی سے اس بچی کے والد نے سسرال سے وصول کی ہوتی ہے اور ایسا نہ کرے تو گھر میں اپنے دوسرے معصوم بیٹے کے لئے بٹھائے رکھتا ہے جس کی شادی کی عمر تک پہنچنے میں کئی سال لگتے ہیں اور بیوہ کو اس کے انتظار میں اپنی جوانی اور عمر مجبوراً برباد کرنا پڑتی ہے۔ یہ ایسے گھر کی مثال ہے جو اپنے گاؤں کا امام مسجد ہے اور بقول خود انتہائی متقی و پرہیزگار ہے اور تقویٰ داری کے اعلیٰ مقام کے لحاظ سے ہر کسی ہما و شما خطیب کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا۔ اس بندۂ خدا نے خود اپنی ہٹ دھرمی کے باعث اپنی بیٹی کو بھی بیوگی کی حالت میں خاصا عرصہ گھر میں بٹھائے رکھا اور اُن کا یہ کفر رشتہ کے خواہشمند کے صبر و تحمل اور اصرار کے بعد خدا خدا کر کے ٹوٹا۔

اب خود دین کے ٹھیکیداروں اور دعویداروں کا بیوگان کے ساتھ یہ سلوک ہو تو پھر اُسے لوگ خواہ مخواہ اسلام ہی کے سر منڈھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کے احکامات اور تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں واضح ہیں۔ ہماری مشرقی عورتیں اور بالخصوص جہاں جدید تہذیب و تمدن کے منحوس سائے نہیں پھیلے، بیوگان کچھ خاندانی عزت و وقار کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں اور کچھ اپنے ذاتی حیا و شرم کے مارے صبر و رضا کی پالیسی پہ گامزن رہتی ہیں، ورنہ انسان کے طبعی تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں۔

مخزن اخلاق میں سیرۃ الاولیاء کے عنوان کے تحت یہ واقعہ لکھا ہے کہ حسن بصریؒ ایک دن حضرت رابعہ بصریؒ کے عبادت خانہ میں گئے اور اُن سے فرمایا: وہ علوم جو آپ نے علم کے ذریعہ حاصل کئے اور نہ کسی سے سنے بلکہ بلاواسطہ خلق آپ کے دل میں پیدا ہوئے اُن کے بارہ میں مجھے بتائیے۔ رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ میں نے چند لڑیاں بُنی تھیں تاکہ انہیں فروخت کر کے قوت حاصل کروں۔ انہیں دو درہم کے عوض فروخت کیا۔ ایک درہم کو ایک ہاتھ میں اور دوسرے کو دوسرے ہاتھ میں رکھا تاکہ دونوں کو ایک ہی ہاتھ میں پکڑوں گی تو جفت ہوں گے اور ان کی جفتگی مجھے راہ سے بدراہ کر دے گی۔ میری آج کی فتح کا سبب یہی ہے کہ

Marfat.com

نفس پہ قابو رکھا ہوا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد طریقت و حقیقت کی گفتگو ہوتی رہی، مگر اس دوران نہ میرے دل میں خیال گزرا کہ میں مرد ہوں اور نہ اُن کے دل میں ایسا خیال پیدا ہوا کہ وہ عورت ہیں اور جب وہاں سے اُٹھا تو خود کو مفلس اور انہیں مخلص پایا اور طبعی تقاضوں کو مارنا صرف رابعہ بصریؒ جیسی اولوالعزم خدا کی بندی ہی سے ممکن ہے۔ ہر عورت تو رابعہ بصریؒ نہیں ہوسکتی۔ اسی "مخزن اخلاق" میں حکایات کے ذیل میں ایک انتہائی پارسا عورت کا واقعہ لکھا ہے کہ عظیم آباد میں ایک عورت چھوٹی سی عمر میں بیوہ ہوگئی۔ اس نے یادِ الٰہی اور عباداتِ الٰہی کو وطیرہ بنا لیا حقیقی معنوں میں صائم النہار اور قائم اللیل ہوگئی۔ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو نوافل تہجد اور ذکرِ الٰہی میں گزارتی۔ روزہ افطار کرتے وقت سوکھی روٹی یا گیہوں کا چوکر کھایا کرتی۔ شب و روز تلاوت قرآن میں مصروف رہتی۔ اسی مصروفیت اور خدا کی بندگی میں وہ بوڑھی ہوگئی۔ سینکڑوں عورتیں اس کی نفس کشی اور پارسائی سے متاثر ہو کر اس کی مرید ہوگئیں۔

مرتے وقت اس نے سب عورتوں کو بلا کر اپنی زندگی کے متعلق پوچھا کہ کیسی گزری ہے۔ سب نے اس کی پارسائی، تقویٰ اور دینداری کی تصدیق کر کے کہا کہ ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ ایسا پاکدامن رہنا ہر عورت کے بس کی بات نہیں کہ آپ نے کبھی کسی مرد کا منہ تک نہ دیکھا۔ اس نے سب کو مخاطب کیا۔ میرا یہ ظاہری عمل واقعی ایسا ہی تھا، مگر میرے دل کا حال سنو۔ اکثر رات کو تلاوت و نوافل ادا کرتے وقت اگر چوکیدار کی آواز کان میں پڑتی تو بے اختیار دل چاہتا کہ کسی طرح اس کے پاس چلی جاؤں اور اس خیال سے دل میں ہیجان اُٹھتا۔ ذکرِ الٰہی کا سلسلہ ٹوٹ جاتا، مگر خدا کے خوف اور دنیا کے شرم سے بچتی رہی۔ اب میرا آخری وقت ہے، موت آنے والی ہے، میں تمہیں نصیحت کرتی ہوں کہ کبھی بھی جوان بیوہ کو نکاح کے بغیر نہ چھوڑنا۔ معلوم ہوا کہ آدمی بالخصوص عورت کتنی نیک اور پارسا ہو، کتنا ہی نفس کشی کرے، فطرت کے تقاضے سر ابھارے بغیر نہیں رہتے۔ فطرت کا یہ تقاضا اٹل ہے۔ اس سے نہ مرد بچ سکتا ہے نہ عورت اسے مار سکتی ہے۔ حتیٰ کہ تمام جانور، چرندے پرندے وقت آنے پر ساتھی کی تلاش اور آشیاں بندی کی فکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

گھاس پھوس جو کھاوت ہیں اُن کو ستائے کام   میرا اَن جو کھاوت ہیں ان کو راکھے رام

گھاس کھانے والے تو کام سے فراغت نہیں پاتے، ان کے لئے مقررہ موسم ہے، مگر سیروں اناج کھانے والے انسان خدا کی حفاظتِ خاص اور عنایتِ خصوصی کے بغیر کیسے بچ سکتے ہیں۔ اسلام فطری مذہب ہے اس نے اسی انسانی فطرت کا خیال کر کے اس بات پہ زور دیا ہے کہ بیوہ کو نکاح کا حق دو، اسے زبردستی نہ بٹھائے رکھو، کوئی اپنی غربت اور بیوگی کے باعث اس کے نکاح سے گریز کرتا ہو تو اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں مالی وسعت دے دے گا اور لڑکیوں کے لئے خصوصی حکم ہے کہ بلوغت میں داخل ہوتے ہی نکاح کر دیا جائے۔ شادی کر دی جائے، ورنہ ان کی بے احتیاطی اور طبعی مجبوری کے نتیجہ میں گناہ سرزد ہوں گے تو والدین اس کے گناہوں میں شریک ہوں گے۔ ہماری اخلاقی بے راہروی، بے پردگی، تعلیمی اداروں میں مخلوط میل جول، دفتروں میں، سرکاری اداروں میں، تربیتی اداروں میں، بازاروں میں، تفریح گاہوں میں اختلاط کے ان تمام مواقع کے باوجود کوئی یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کی بیٹی، بیوہ پاکدامن و باعصمت ہے تو وہ بیوقوفوں کی جنت کا باسی ہے۔ لوگوں نے تجاہل عارفانہ اور چشم پوشی کا عمداً جو رویہ اپنا رکھا ہے تو اس سے حقائق میں تبدیلی نہیں آتی۔ نکٹوں کے شہر میں کون کسی کو ناک کٹنے کا طعنہ دے سکتا ہے۔ جیسی حمام

Marfat.com

میں سب ننگے ہوں تو وہاں کون کسی کو ننگا کہہ سکتا ہے، لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ نکٹے نکٹے اور ننگے ننگے نہیں ہوتے۔ لوگوں نے دھوپ سے بچنے کے بہانے گہرے کالے چشمے پہن رکھے ہیں تاکہ سامنے کی سچی تصویر پر کم از کم تاریکی کا پردہ پڑ جائے، لیکن حقیقت تو بہر حال حقیقت ہوتی ہے۔ اسے روزِ روشن میں دیکھا جائے یا تاریکی میں۔ گڑ میٹھا ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی کالا کیوں نہ ہو اور جب ننگوں اور نکٹوں کے اس معاشرے میں کوئی خدا کا بندہ "اس معصوم بچے کی طرح جس نے سرِ عام بادشاہ کو جلوس کے آگے ننگا چلتے ہوئے، ننگا کہہ دیا تھا۔" خدا اور رسولؐ کے احکامات سنا کر انہیں نکٹے اور ننگے کہہ دیتا ہے تو یہ لوگ اسے بنیاد پرست اور رجعت پسند کہہ کر اپنی شرمندگی پہ پردہ ڈال دیتے ہیں۔

یتیم کے حقوق

یتیم اس بے سہارا بچے کو کہا جاتا ہے جس کے باپ کا سایہ بچپن میں اُٹھ جائے اور اگر چھوٹی سی عمر میں والدہ کی شفقت اور محبت بھری چھاتی سے محروم ہو جائے تو یہ بچہ انسانی ہمدردی، سلوک اور امداد کا مستحق ہوتا ہے۔ اُس کی تعلیم و تربیت، اُس کی پرورش اور اس کی ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی والا کوئی نہیں ہوتا۔ اسلام نے اس کے اُن تمام حقوق کا ذمہ دار مسلمانوں اور مسلم معاشرے کو قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پہ اس کی تاکید کی گئی ہے: فاما الیتیم فلا تقھر۔ یتیم کو نہ دباؤ اور اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ۔ سورۂ دھر میں ارشاد ہوتا ہے: ویطعمون الطعام علیٰ حبہٖ مسکیناً و یتیماً و اسیرا۔ نیک بخت لوگ ہیں جو خالص خدا کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یتیموں کی تکریم نہ کرنے کی وجہ سے انسانوں کے اپنے رزق میں تنگی آجاتی ہے اور اسے ابتلاء و آزمائش سے دوچار کیا جاتا ہے اور جب اس پہ یہ ابتلاء اور تنگی آجاتی ہے یا وہ ذلیل ہوتا ہے تو وہ اس کی ذمہ داری خدا پر ڈال دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس کے اپنے رویہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۔ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۔ (سورۂ فجر) جب خدا اسے آزماتا ہے اور اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔ ہرگز نہیں بلکہ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکینوں کو کھانے کی ترغیب دیتے ہو۔

اگر کوئی یتیم کسی خاندان میں رہ جاتا ہے تو لوگ اُس کی کمسنی سے فائدہ اٹھا کر اُس کے مال، جائیداد اور روپے کو سرپرست بن کر ہڑپ کرتے ہیں، اس پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس مال کا بے جا اسراف کر کے اسے ضائع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت وعید آئی ہے: ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً و سیصلون سعیرا۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھرتے ہیں۔ عنقریب ایسے لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ یتیموں کے مال میں خیانت نہیں کرنا چاہیئے اور نہ اسے فضول خرچی کے طور پہ خرچ کرنا چاہیئے اور نہ ایسا کیا جائے کہ اُن بچوں کے حوالہ کر دیا جائے، جسے اپنی ناسمجھی اور نادانی کی وجہ سے ضائع کر دیں (اور جب وہ عقلمند اور سمجھدار ہو جائیں اور اپنے مال کو حفاظت اور استعمال کو بخوبی جانتے ہوں تو پھر ان کا مال اُن کے حوالہ کر دیا جائے اور جب اس مال کی واپسی کرو تو پھر اس پر گواہ بناؤ تاکہ فساد کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ یہ تمام احکامات

Marfat.com

سورۂ نساء میں۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ـــــ سے لے کر۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔ جن سے مندرجہ ذیل احکامات اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ جب یتیم عاقل، بالغ اور ہوشیار ہو جائے تو ان کا امانت رکھا ہوا مال پورا پورا انہیں واپس دیدو (۲) یتیموں کے اچھے مال کو اپنے خراب سامان سے نہ بدلو۔ یہ مطلب بھی ہے کہ اُن کا مال جو امانت کے طور پر پاک ہے، اُسے اپنے مال میں شامل کر کے، حرام اور خبیث مال نہ بناؤ۔ جائیداد کے معاملے میں بھی ایسا ممکن ہے کہ اچھے قطعات اراضی جو خدا کے نزدیک اُن کے ہوں انہیں خود لے کر خراب زمین انہیں دے دو یا اپنی بے توجہی سے اُن کی اچھی زمین کو بنجر بناؤ۔ (۳) ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ ہوسکتا ہے مشترک اخراجات میں اُن کا زیادہ مال کھا لیا جائے (۴) یتیم لڑکی سے نکاح کرو تو یتیم اور بے سہارا سمجھ کر سستا مال نہ جانو، ان کا پورا پورا رواجی حق انہیں دو، پورا انصاف برتو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر خواہ مخواہ انہیں بے انصافیوں کا شکار بنانے کے لئے انہیں نکاح کے بندھن میں نہ باندھو۔ (۵) جو یتیم بچے نا سمجھ ہوں انہیں ان کی امانتی وراثت حوالے نہ کرو، کہیں ضائع نہ کر بیٹھیں۔ البتہ ان کا خرچ انہیں دیتے رہو، انہیں اخراجات کی تکلیف میں مبتلا نہ کرو (۶) انہیں کاروبار میں لگائے رکھو (۷) سمجھدار ہو جائیں تو ان کی امانت ان کے حوالے کر دو (۸) ان کے بڑے ہو کر مطالبہ کرنے کے خوف سے اُن کے مال کو ہڑپ نہ کرو (۹) اگر ان کا سرپرست غریب ہے تو سرپرستی اور مال کی حفاظت کے معاوضہ کے طور پر حسب دستور کھا سکتا ہے۔ مال کو واپس کرتے وقت گواہ بنا لو تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے۔

۱۔ یتیموں کے متعلق قرآن کریم میں اس کے علاوہ متعدد دوسرے مقامات پر تاکیدی احکامات آئے ہیں۔ سورہ البقرہ میں:
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى۔ الخ
جب اللہ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ صرف خدا کی تابعداری کرو، والدین، قریبی رشتہ داروں اور یتیموں سے حسن سلوک کرو۔

۲۔ قل ما انفقتم من خير فللوالدين والاقربين واليتمى (البقرہ) خرچ کرنے کے بارہ میں انہیں بتا دو جو خرچ کریں اس میں سے ماں باپ، قریبی رشتہ داروں اور یتیموں کا حق ہے۔

۳۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى (الانفال) جو مال غنیمت اللہ دلوادے اس میں سے خدا اور اُس کے رسولؐ، قرابتداروں اور یتیموں کا حق ہے۔

۴۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى۔ (سورہ حشر) لڑ کر غنیمت کے مال کے سوا مفت خدا دلوادے اس میں خدا، اُس کے رسولؐ، قرابتداروں اور یتیموں کا حق ہے۔

تعلیمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضورؐ نے فرمایا۔ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا اس طرح جنت میں ساتھ رہیں گے جیسے یہ دو انگلیاں یعنی انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی اور ان کے درمیان آپؐ نے ذرا سا فاصلہ رکھا۔ (بخاری شریف)

پھر فرمایا: جو کسی یتیم مسلمان بچے کو اپنے ساتھ کھلائے پلائے گا اُسے اللہ تعالیٰ یقیناً جنت میں داخل فرمائے گا سوائے اس کے وہ کوئی ایسا گناہ نہ کرے جو معاف نہ ہو سکتا ہو۔ جیسے شرک اور کفر۔ (ترمذی شریف)

اللہ کے نزدیک سب گھروں سے پیارا گھر وہ ہے جس میں یتیم کی عزت اور خاطر داری کی جائے۔ (طبرانی) جو اللہ کے لئے یتیم کے سر پر شفقت اور پیار کا ہاتھ پھیرے گا اُس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال گزریں گے ہر بال کے بدلے میں کئی نیکیاں ملیں گی۔ (احمد ترغیب)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سنگدلی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا۔ تم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، مسکین کو کھانا کھلاؤ، تمہارا دل نرم ہو جائے گا۔ (احمد ترغیب)

ایک اور حدیث میں یوں فرمایا: اُس ذات پاک کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے، قیامت کے دن خدا اُسے عذاب نہ دے گا جو یتیم پر رحم کرے اور نرمی سے گفتگو کرے۔

ان تمام قرآنی احکامات اور حضور صلی اللہ کے فرمودات مبارکہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے ان بے کس اور بے سہارا بچوں کے لئے کس قدر تاکیدی، تادیبی اور تحدیدی قسم کے احکامات اور حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔ اگر کسی ملک میں صحیح اسلامی حکومت قائم ہو اور صحیح اسلامی معاشرہ قائم ہو تو ان بے سہارا بچوں کو عدم سرپرستی اور عدم توجہ کا احساس ہی نہیں ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے دورِ اوّل میں ہر مسلمان جان پر کھیل کر جہاد میں دادِ شجاعت دیتا تھا کہ اُس کو اپنے بعد اپنے کنبے بیوہ اور بچوں کے ساتھ پورے پورے انصاف اور سرپرستی کا یقین ہوتا تھا۔ آج اس قدر مادّی ترقی اور علمی برتری کے باوجود ہمارا حال یہ ہے کہ ہماری عورتیں ملازمتوں کے شوق اور سماجی تعلقات کے ذوق کے باعث اتنی مصروف اور اس قدر اپنے اپنے دائرہ ہائے کار کو پھیلا دیتی ہیں کہ انہیں گھر کے ہانڈی چولہے کی فکر تو کیا ہوگی خود اپنی اولاد کی پرورش، نگہداشت اور دیکھ بھال کے لئے وقت نہیں ملتا اور اس مقصد کے لئے اپنے حقیقی بچوں کو یتیم خانوں کی طرح، بچوں کے نگہداشتی مرکزوں میں چھوڑ دیتی ہیں، جنہیں CHILD CARE CENTRE کہا جاتا ہے۔ ایسے معاشرے اور اس قدر مصروف سوسائٹی میں یتیم بچوں کی پرورش اور نگہداشت کون کرے گا؟ خدا رحم فرمائے۔

حمدون قصارؒ ایک رات اپنے دوست کے سرہانے بیٹھے تھے۔ دوست نزع کی حالت میں تھا۔ جب وہ وفات پا چکا تو آپ نے چراغ بجھا دیا۔ لوگوں نے پوچھا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا۔ جب تک ہمارا دوست زندہ تھا، دیئے کا تیل اُس کی ملکیت تھا، اب اُس کی وفات پر یہ تیل یتیموں کا مال ہے جس پر ہمارا حق نہیں رہا اور نہ میت کا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

Marfat.com

دوستی کے آداب اور حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ	ہم عقیدہ ہم خیال ہونا معیار ہو۔ اللہ کی دوستی بھی عقیدے کی ہم خیالی پر منحصر ہے خیر خواہ ہو، گمراہی سے نکالے، ایمان کے روشن راستے پر چلائے۔ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں دوست ہوتے ہیں۔ سورۂ توبہ۔
۲	دوستی کا خدائی حق، خدا کا منکر باغی مسلمان کا دوست نہیں ہوسکتا بلکہ رشتۂ نسب بھی نہیں رہتا۔	عادات و کردار میں مماثلت یگانگت۔ سوسائٹی اور صحبت کا اثر۔ خربوزہ خربوزے کا رنگ پکڑتا ہے۔ خدا کے دشمنوں سے دوستی نہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا رویّہ۔ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم۔ نوحؑ کا رویّہ عقیدے کے اختلاف سے بیٹا بھی بیٹا نہ رہا۔ انّہ لیس من اھلک دعائے قنوت نخلع و نترک من یفجرک۔
۳	مسلمانوں کی باہمی دوستی کے حقوق	محبت و اخلاص ہو۔ جانوروں میں بھی جذبۂ رفاقت اور محبت ہوتا ہے۔ حضورؐ کے صحابۂ کرامؓ کا جذبۂ اخلاص۔ معاملات میں شراکت۔ دکھ سکھ میں شریک ہو۔ مسلمانوں میں سے صالح لوگوں کا انتخاب ہو۔ ہر آدمی دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کی نظم۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے اور اصحاب کہف کا کتّا۔
۴	حضرت امام جعفرؓ کا معیارِ دوستی	جھوٹا نہ ہو۔ احمق نہ ہو۔ کنجوس نہ ہو۔ فاسق نہ ہو۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا فرمان سچے دوست بنو سچا دوست مل جائے گا۔
۵	خدا کے محبوب بندوں کی دوستی	خدا کے لئے دوستی ہو، دوستوں پر اعتماد کیا جائے۔ بے تکلفی اور بشاشت ہو۔ محبت میں جنون اور دشمنی میں نفرت نہ ہو۔ ہدیے بھیجنا تحفے دینا۔ دعوتیں کرنا۔ مل بیٹھ کر کھانا۔ مددگاری اور حاجت برآری ہو۔ رازداری۔
۶	اجتماعی اور ہمہ گیر صفتِ اخلاق	حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اجتماعی اور ہمہ گیر صفتِ اخلاق سے مزین تھے کہ ان کے صحابۂ کرامؓ اپنے مزاج اور طبائع کے اختلاف کے باوجود ان سے محبت کرتے تھے۔

Marfat.com

دوستی کے آداب اور حقوق

آیت معہ ترجمہ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دوست رکھتے ہیں جنہیں اندھیروں سے نکال کر نور، روشنی کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

تفسیر و تشریح مندرجہ بالا آیت میں جہاں اہلِ ایمان کے لئے دوستی کے انتخاب کی رہنمائی ملتی ہے وہاں اس سے ایک سچے دوست کے حقوق و فرائض کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دوستی کے لیے ایسے شخص کا انتخاب ہو جو آپ کے نظریے، عقیدے اور خیال کے مطابق ہو۔ آپ کا مزاج، آپ کا عقیدہ اور ہم خیالی دوستی کی بنیاد بھی بنتا ہے اور یہی چیز دوستی کے استحکام کا سبب بھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بھی دوستی کے انتخاب میں مومن کو منتخب فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ مومن خدا کی خدائی، اس کی بندگی کے عقیدے اور نظریے کو مانتا ہے اور جب دوستی کی یہ بنیاد پیدا ہوتی ہے تو پھر دوستی کا دوسرا تقاضا یہ ہوتا ہے۔ دوست، دوست کا خیر خواہ اور ہمدرد ہو، اُسے نقصان دہ اور خطرناک راستوں سے بچائے۔ گمراہی، جہالت اور بدکرداری کی تاریکیوں سے نکالے اور ان کے بجائے اعلیٰ اخلاق، اچھے کردار، نیکوکاری، تقویٰ داری، پرہیزگاری کی روشنیوں کی طرف لائے۔ جن پر چلتے ہوئے نہ ٹھوکروں کا اندیشہ ہوتا ہے نہ بدنامی و رسوائی کا ڈر ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے گناہ و بدکاری تاریکی اور چوری چھپے کی پیداوار ہوتے ہیں اور نیکی روزِ روشن اور علی الاعلان سب کے سامنے کرنے کے کام ہوتے ہیں۔ تاریکیوں سے نکالنے کے یہی معنیٰ ہیں کہ برائی کی تاریکیوں سے نکالنا، جس میں تمام وہ اعمال و افعال شامل ہیں جو رات کی تاریکیوں میں چھپ کر کرنے کے ہوتے ہیں اور روشنی میں لانے کا یہی مقصد ہے کہ ان اُمور کی عادت ڈالنا، ترغیب دینا، مشورہ دینا، معاونت و امداد کرنا جو اچھے ہوں اور سب کے سامنے کرنے کے قابل ہوں۔ جس طرح اللہ اپنی رفاقت اور دوستی کا حق ادا فرماتے ہیں کہ اپنے دوستوں کو تاریکیوں اور اندھیروں میں کرنے والے امور سے بچا کر روشنی میں کرنے والے اُمور کی طرف لا کر گمراہی و بدکاری سے بچاتے ہیں۔ یہی حق ایک سچے دوست کا اپنے دوسرے دوست پر بنتا ہے۔ ایک حق یہ ہے کہ دوستی کے انتخاب میں کسی کو دوست بنایا جائے جو مومن ہو، ہم عقیدہ ہو، ہم خیال ہو۔ دوسرا یہ کہ اُسے گمراہی کی تاریکی سے نکال کر نیکوکاریوں کی روشنی کی طرف لانا۔

دوستی کا خدائی حق اسی آیت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو لوگ طاغوت، شیطان اور شیطانی قوتوں کے ساتھی ہوتے ہیں، وہ انہیں ہدایت اور سچے راستوں کی روشنیوں سے نکال کر بدی اور برائی کی تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں اور اس طرح۔ صحبتِ صالح ترا صالح کند کے برعکس صحبتِ طالح ترا طالح کند۔ بروں کی صحبت انسانی اخلاق و کردار

پر اثر انداز ہو کر اُسے بُرا بنا دیتی ہے - قرآن کریم کا ارشاد ہے : والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض - (توبہ) مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں - یہ بات فطرت کے بھی خلاف ہے کہ ایک آدمی نیک اور صالح ہو اور وہ بدکاروں اور بُروں کا دوست بھی ہو - انگریزی کا محاورہ ہے - انسان کی پہچان اُس کی اس سوسائٹی سے ہو جاتی ہے جس میں وہ اُٹھتا بیٹھتا ہے - جس سے اُس کے سماجی اور معاشرتی تعلقات ہوتے ہیں، اگر وہ سوسائٹی اپنے افعال و کردار کے اعتبار سے اچھی ہے تو اس آدمی کے متعلق یہ تسلیم کیا جائے گا کہ یہ اچھا ہے اور اگر اس کی سوسائٹی لوفروں، غنڈوں، بدمعاشوں اور آوارہ افراد پر مشتمل ہے تو یہ فیصلہ بآسانی ہو جاتا ہے کہ ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا - کانِ نمک میں پہنچ کر نمک بن جانا یقینی بات ہے - ہر کہ در کان نمک رفت و نمک شد - خربوزہ اگر خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے تو بُری سوسائٹی کا رنگ انسان پر ضرور چڑھ جاتا ہے -

اسی لئے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر تم واقعی مومن ہو، مسلمان ہو، خدا کے ساتھ تعلق اور دوستی کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر خدا کے دشمنوں سے دوستی اور تعلق نہ رکھو - يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ - (سورۃ الممتحنہ آیت: ۱) اے ایمان لانے والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ - تم ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی کے مراسم کس طرح قائم کر سکتے ہو جو تمہارے پاس آئے ہوئے حق یعنی خدا کے دین اور حضور کی رسالت کے حق کو ماننے سے انکاری ہیں - ثابت یہی ہوتا ہے کہ خدا کے دشمن مسلمانوں کے دوست ہونے کے معیار اور اہلیت کے مطابق نہیں ہو سکتے - ماں کی سوکن بیٹی کی سہیلی کیسے ہو سکتی ہے - معاشرتی معاملات میں مذہبی رواداری اور اخلاق و حسنِ سلوک کا رویّہ اور بات ہے لیکن دوستی کے تقاضے اور ہوتے ہیں -

پھر دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت ابراہیمؑ کے رویّہ کو اپنانے کا حکم دیتا ہے : قد كانت لكم اسوة حسنة فی ابراهيم والذين معه اذ قالوا لقومهم انا برآء منكم ومما تعبدون من دون الله كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء ابدا حتى تؤمنوا بالله وحده - مسلمانو، تمہارے لئے حضرت ابراہیمؑ کا طرزِ عمل ایک اچھا نمونہ ہے - انہوں نے اپنی قوم سے صاف صاف لگی لپٹی کے بغیر کہہ دیا - ہم تم سے اور خدا کے سوا پوجے جانے والے معبودوں سے علیحدگی اور برأت کا اعلان کرتے ہیں - ہم انہیں خدا ماننے سے انکاری ہیں - لہٰذا یہی ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کی بنیادی وجہ ہے - جب تک کہ تم صرف خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ یہ دشمنی قائم رہے گی -

حضرت ابراہیمؑ کو جب احساس ہوا کہ ان کا والد خدا کا دشمن ہے تو انہوں نے دوستی تو دُور کی بات ہے، اپنے والد سے بھی صاف صاف کہہ دیا - سلامٌ عليك سأستغفر لك ربی - میرا سلام ہے، اس تعلق پر، البتہ میں آپ کے لئے مغفرت کی دعا اپنے ربّ سے مانگتا رہوں گا اور وہ اپنے اس وعدہ دعائے مغفرت کو نبھاتے رہے - ربنا اغفر لی ولوالدیّ الخ - (سورہ ابراہیم) - سورۂ شعراء میں - واغفر لابی انه كان من الضالين ولا تخزنی يوم يبعثون - خدایا میرے والد کو بخش دیجیے - وہ گمراہ تھے، مجھے قیامت کے دن شرمسار نہ فرمانا - مگر جب ان پر ظاہر ہوا کہ میرا اور میرے والد کا نسبی تعلق

تو ہے مگر عقیدے اور ایمان کے اعتبار سے یہ تعلق اہمیت نہیں رکھتا تو انہوں نے مغفرت کی دعائیں مانگنا بھی چھوڑ دیا۔ فلمّا تبیّن لہٗ انّہٗ عدوٌّ للّٰہ تبرّأ منہ انّ ابراھیم لاوّاہ حلیم۔ جب ابراہیمؑ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ میرے والد تو خدا کے دشمن تھے تو وہ مغفرت کی دعاؤں سے بھی بیزار ہوگئے۔ دعا مانگنا بھی چھوڑ دیا۔ بے شک ابراہیمؑ نرم خو اور رقیق القلب تھے۔

اسی طرح نوحؑ نے جب اپنے بیٹے کو طوفان کی موجوں میں ڈوبتے دیکھا تو جذبۂ پدری جوش میں آیا اور خدا سے اُس کے لئے دعا مانگی لیکن اللہ تعالیٰ نے جھڑک دیا۔ انّہٗ لیس من اھلک۔ وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔ اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ جب سچے عقیدے اور مذہبی خیالات خونی رشتوں کو جدا کر دیتے ہیں تو پھر دوستی کے مراسم کا خدا کے دشمنوں کے ساتھ نبھانا یا برقرار رکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ خدا پر سچے ایمان اور دین اسلام کو سچے دل سے قبول کرنے کا یہی تقاضا ہے کہ آدمی خدا کے دشمنوں سے کوئی تعلق نہ رکھے اور اگر ان واضح مثالوں کے باوجود کسی کو اصرار ہو تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ بھی دوست کے مذہب اور عقیدے پر ایمان رکھتا ہے یعنی خدا کا دشمن ہے اور کم از کم احتیاط برتی جائے تو کہا جائے گا کہ یہ شخص خدا کا دشمن اگر نہیں تو اسلام کے ساتھ اس کا تعلق منافقت پر مبنی ہے۔ دوستی اور دشمنی یا برادری اور بیگانگی کے اس اصول کو اگر دور تک اسلامی تاریخ میں تلاش کیا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ دوستی اور تعلق کے معاملات میں خدا کی دوستی اور تعلق سب پر فائق اور فائز ہے۔ اسے سب سے زیادہ اہمیت ملنا چاہیئے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کے مراسم نہ رکھنے چاہیئے۔ اسلام کے ابتدائی دور، ہجرت مدینہ اور جنگ بدر و اُحد کے واقعات اس کی شہادت بھی ہیں اور دلیلیں بھی۔ مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد ان تمام رشتوں اور تعلقات کو کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ ہجرت میں بیویاں مشرک تھیں تو چھوڑ دیں، والدین مشرک تھے تو چھوڑے، اولاد مشرک تھی توڑ دی گئی۔ پھر جنگ بدر میں سگے رشتے آمنے سامنے آئے تو کاٹ کر رکھ دیئے اور سر خدا سے تعلق کو نہ توڑا۔ یا ایّھا الّذین اٰمنوا لا تتولّوا قومًا غضب اللّٰہ علیھم۔ اے ایمان والو خدا کی مغضوب قوم سے تعلق نہ رکھو۔ خدا کے منکر خدا کے غضب والے ہوتے ہیں۔ ہم روزانہ نماز میں دعا مانگتے ہیں۔ ہمیں اُن لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تُو نے انعام و اکرام فرمایا۔ ان لوگوں کے راستہ سے بچا جو گمراہ و بدراہ ہیں۔ پھر ہر عشاء کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے۔ نخلع و نترک من یّفجرک اور چھوڑتے ہیں ترک کرتے ہیں اُس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔

مسلمان کے ساتھ مسلمان کی دوستی اور اُس کے حقوق

خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کے مراسم اور تعلقات سے ہٹ کر عام مسلمانوں کی باہمی دوستی کے بارہ میں بھی اسلام نے جو حدود و حقوق مقرر فرمائے ہیں، ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کی ادائیگی اور لحاظ ہم سب پر فرض ہے۔ دوستی اور رفاقت ایک شریفانہ جذبہ ہے۔ انسان متمدن ہے، مل جل کر رہنے پر مجبور ہے تو اسی حوالے سے اُس پر جہاں دوسرے حقوق کی ادائیگی واجب اور فرض ہے وہاں دوستی اور رفاقت کے بھی اصول و قواعد ہیں۔

۱۔ محبت و خلوص

دوستی جب ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے ہو تو اُن میں ہم خیالی، عقیدے اور مزاج کو اولیت حاصل ہوگی اور جب وہ ہم خیال، ہم عقیدہ اور ہم مزاج دوستی کا ہاتھ بڑھائیں تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ اُن

میں باہمی محبت بھی ہو۔ وہ شخص خوش قسمت ہوتا ہے جسے اُس کے دوست پسند کرتے ہوں، محبت کرتے ہوں اور ایسا آدمی انتہائی مفلس ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو یا جو لوگوں سے دُور بھاگتا ہو، نفرت کرتا ہو۔ دوستی زندگی کی خوشگواری، زندگی کے سفر کا سہارا اور زندگی کی مشکلات و مصائب میں مددگار و معاون ہوتی ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق مومن سرتاپا اخلاص و محبت ہوتا ہے۔ وہ آدمی کوئی انسانی خوبی نہیں رکھتا جو دوسروں سے محبت نہیں رکھتا۔ رفاقت کا جذبہ تو جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک تھان پہ کھانے والے جانور گائیں، بھینس بھی ایک دوسرے سے اتنے مانوس اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی فروخت ہوجائے یا کسی وجہ سے جدا ہوجائے تو بچھڑنے والا بھی اور پیچھے رہ جانے والا جانور بھی اُس کی جدائی میں بے قرار ہوتا ہے، اسے ڈھونڈتا ہے، پکارتا ہے بلکہ گھاس کھانا چھوڑ دیتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنے جیسے دوسرے انسان سے محبت کرے تاکہ اس سے بھی محبت کی جائے۔ (مشکوٰۃ شریف باب الشفقۃ)

حضورؐ کے تمام ساتھی جنہیں آج صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں، آپؐ سے بے انتہا محبت فرماتے تھے اور خود حضورؐ بھی اُن سے ایسی محبت اور اپنائیت سے پیش آتے کہ ان میں سے ہر ایک یہی سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مجھے ہی چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بن العاص فرماتے ہیں کہ حضورؐ اس توجہ، خلوص اور محبت سے میرے ساتھ گفتگو فرماتے تھے اور میرا اتنا خیال رکھتے تھے کہ مجھے یہ خیال آتا رہتا کہ شاید میں اپنی قوم کا سب سے بہتر آدمی ہوں۔ چنانچہ ایک دن اسی خیال کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ بیٹھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل ہوں یا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکرؓ افضل ہیں۔ اسی طرح بار بار اپنا اور دوسرے صحابہ کرامؓ کا موازنہ کراتا رہا، جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شامل تھے۔ حضورؐ نے بلاکسی رورعایت کے انہیں افضل قرار دیا تو مجھے ندامت محسوس ہوئی کہ مجھے ایسا نہ پوچھنا چاہیئے تھا۔

۲۔ معاملات میں شرکت میل جول

دوستی کا یہ حق بھی ہے کہ ان کے معاملات، دُکھ سکھ میں شریک ہوں۔ باہمی میل جول ہو۔ اس اشتراکِ عمل میں مختلف تجربات سے گزرنا پڑے گا، طرح طرح کی تکلیفیں سہارنا پڑیں گی۔ جذبات کو ٹھیس بھی پہنچے گی۔ وقار کے خلاف رویہ بھی پیش آئے گا۔ آرام و سکون بھی برباد ہوگا۔ معمولات میں فرق بھی آئے گا۔ اپنی خواہشات اور رجحانات کو بھی قربان کرنے کی نوبت آئے گی۔ کبھی مالی اور جسمانی قربانی بھی دینا پڑے گی، اگر یہ ساری باتیں تعلقات میں صبر و استقامت اور برداشت و حوصلے کا امتحان ہوں گی اور اس قسم کی اذیتوں کو برداشت کرنے میں دل کو جِلا ملے گی۔ اچھے اخلاق کی نشو و نما ہوگی اور تزکیہ و تربیت کے مراحل سے گزر کر روحانی و اخلاقی ترقی حاصل ہوگی اور اچھے اخلاق و صفات پیدا ہونے کے مواقع ملیں گے۔ مثلاً تحمل و برداشت، ایثار و قربانی، ہمدردی و غمگساری، مروّت و وفاداری، خیرخواہی، تعاون، سخاوت و شجاعت، رحمدلی و دلجوئی کی اعلیٰ ترین صفات پیدا ہو کر انسان سراپا خیر و برکت بن جاتا ہے۔ جس سے ہر دل میں عزت اور قدر و منزلت پیدا ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو مسلمان لوگوں سے مل جُل کر رہتا ہے اور اُن کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ اور لوگوں کی تکلیفوں سے دل برداشتہ ہوتا ہے۔

(ترمذی شریف)

Marfat.com

۳۔ صالح لوگوں کا انتخاب

دوستی کے معاملے میں صالح لوگوں کا انتخاب اور اُن کی محبت اختیار کرنا چاہیئے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہر آدمی اپنے دوست کے دین پہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر آدمی کو یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (مشکوٰۃ/مسند احمد)

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد پاک کو ایک تمثیل کے پیرائے میں نظم فرمایا ہے

گلِ خوشبوئے در حمام روزے　　رسید از دستِ محبوبے بدستم!
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری　　کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم　　ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ایک دن حمام میں خوشبودار مٹی میرے ہاتھ میں محبوب کے ہاتھوں سے پہنچی تو اس کی دلآویز خوشبو نے مجھے مست کر دیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا تعلق مشک سے ہے یا عبیر سے، تو بولی کہ نہیں میں تو وہی مٹی ہوں، البتہ چند دن خوبصورت لوگوں کی محفل نصیب ہونے سے میں خوشبودار ہو گئی۔

حسن بصریؒ اپنے دَور کے ولی اللہ، نیک اور پارسا شخصیت تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کی صحبت انسان میں اخلاق و کردار کا انقلاب پیدا کر دیتی تھی اور لوگ اُن کے ساتھ لمحے کی رفاقت پہ بھی فخر کرتے تھے۔ کسی نے ایک شخص کو گنوار اور کم عقل ہونے کا طعنہ دیا تو اُس نے بڑے فخر کے ساتھ جواب دیا۔ میں کیونکر ایسا ہو سکتا ہوں مجھے حسن بصریؒ کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل رہا ہے۔

حضرت شیخ سعدیؒ نے نوحؑ کے بیٹے کی بُری صحبت کا کیا نتیجہ نکلا۔ گمراہی اور اصحاب کہف کی صحبت میں رہنے والے کتے کے بارے میں منظوم قطعہ لکھا ہے کہ نیک لوگوں کی ہمسفری و ہم مجلسی کے نتیجہ اس کا ذکر قرآن پاک میں آیا اور قیامت تک یہ ذکر اچھائی کے ساتھ باقی ہے اور نوحؑ کے بیٹے کا ذکر نافرمانی کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام پہ وحی آئی کہ آپ کی اُمت میں سے چالیس ہزار نیکو کار ہلاک ہوں گے اور ساٹھ ہزار بدکار، تو انہوں نے پوچھا۔ خدایا نیکو کاروں کی ہلاکت کا سبب کیا ہے؟ جواب ملا کہ یہ نیکو کار ان لوگوں کے ساتھ دوستی اور تعلق رکھتے ہیں، اُٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے ہیں، مجلسی روابط رکھتے ہیں، جن سے میں ناراض ہوں اور جو میرے غضب اور غصے کے مستحق ہیں۔

حضرت جعفر صادقؒ نے دوستی کے انتخاب کے لئے ان پانچ صفات کے حامل افراد کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

۱۔ وہ جو جھوٹا ہو، نہ جانے کب آپ کو دھوکہ دیدے۔ (۲) احمق۔ ایسے بیوقوف کو دوست نہ بناؤ جس کا فائدہ بھی اس کی حماقت کے باعث نقصان بن جائے۔ (۳) بخیل۔ کنجوس و بخیل آدمی کی فطرت میں دغا اور دھوکہ دینا ہوتا ہے۔ (۴) بزدل۔ بزدل آدمی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ (۵) فاسق۔ ایسا آدمی دوسرے کی تھالی کے ایک لقمے پر آپ کو بیچ دے گا۔

اس آئینے میں ہر آدمی کو اپنے دوستوں کا بھی اور خود اپنا چہرہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ کہیں اس میں تو یہ صفات موجود نہیں ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے شکایت کی کہ آجکل سچے دوستوں کا فقدان ہے کہیں نہیں ملتے۔ آپ نے فرمایا۔ تجھے سچے دوست کی تلاش ہے؟ کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا۔ تم سچے دوست بن کر دکھاؤ سچا دوست مل جائے گا۔ سچا دوست خود تمہارے اندر چھپا ہوا

Marfat.com

ہے اسے باہر تلاش نہ کرو۔ جب اسے خود میں ڈھونڈ لوگے تو باہر بھی مل جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مومن ہی سے رشتۂ محبت استوار رکھو اور اسی کے ساتھ میل جول اور کھانا پینا رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے اور بُرے دوست کو بلیغ تمثیلی انداز میں یوں بیان فرمایا ہے کہ اچھے اور بُرے دوست کی مثال مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے لوہار کی ہے۔ مشک بیچنے والا اچھا دوست ہے جس کی صحبت میں یہ فائدہ ضرور ہوگا کہ اگر مشک نہ بھی خریدی تو بھی اس کی خوشبو تو پاؤ گے اور بُرا دوست بھٹی دھونکنے والا لوہار ہے جس کی صحبت تمہارے کپڑے جلائے گی یا انہیں کالا کرے گی۔ (بخاری و مسلم)

۴۔ خدا کے محبوب بندوں کی دوستی

دوستی کے انتخاب میں اس بات کا خیال رہے کہ وہ خدا کے لئے ہو، اگر خدا کے لئے دوستی کا ارادہ ہوا تو یقیناً وہی منتخب کئے جائیں گے جو خدا کے محبوب ہوں گے۔ اس طرح آپ خدا کے دین کے لئے ایک دوسرے سے جڑیں گے، آپ کے دل ایسے لوگوں سے ملیں گے جو خدا کے دین کی حفاظت اور اقامت کا کام کرتے ہوں گے۔ قرآن پاک میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ۔ (الصف:۴)۔ حقیقت میں خدا کے محبوب وہ لوگ ہیں جو خدا کی راہ میں اس طرح پرے جما کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں ــــــ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قیامت میں خدا فرمائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو صرف میرے لئے لوگوں سے محبت کیا کرتے تھے، آج میں اُن کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ (مسلم)۔ پھر فرمایا۔ جو لوگ خدا کے دین کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کریں گے، قیامت میں اُن کے مرتبے پر شہداء بھی رشک کریں گے۔ ایسے لوگ خدا کے دوست ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو قیامت میں نہ خوف ہوگا اور نہ غم۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ الا انّ اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے لئے دوستی کی اہمیت کو یوں واضح فرمایا کہ ایک دوست اپنے دوست سے ملنے کے لئے اُس کی بستی میں جارہا تھا۔ خدا نے راستہ میں فرشتہ بٹھا دیا۔ فرشتے نے اس شخص سے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا، فلاں بستی میں اپنے بھائی سے ملنے جارہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا۔ کیوں اس کا کوئی حق دینے یا اپنا حق لینے جارہے ہو؟ اُس نے کہا کہ ہمارا ایک دوسرے پر کوئی ایسا دنیاوی معاملہ نہیں، بس خدا کی خاطر اس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا۔ تو سنو خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تمہیں خوشخبری سناؤں کہ خدا بھی تجھ سے ایسی ہی محبت کرتا ہے جیسے تُو خدا کی خاطر اس دوست سے رکھتا ہے۔ (مسلم)

۵۔ دوستوں پر اعتماد کرنا

جب ایک دفعہ دوست بنایا جائے پھر اس پر مکمل اعتماد کیا جائے۔ کسی کے کہنے سُننے میں آکر بدگمانی اور شکوک و شبہات کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔ شکوک اور بدگمانی باہمی تعلقات کو کھا جاتی ہے۔ وہمی اور بدگمان کسی کے دوست بن بھی نہیں سکتے۔

۶۔ بے تکلفی، بشاشت

دوستوں کے ساتھ بے تکلفی اور بشاشت کے ساتھ رہیئے۔ افسردہ، ناک چڑھا، تیوری پر بل ڈالنے والے پوری محفل کو افسردگی دے دیتے ہیں۔ دوست ایسا خوش مزاج، ہنس مکھ ہو کہ اس کی محبت میں انسان اپنا دُکھ اور پریشانیاں بھول جائے۔ آپ کی صحبت میں آکر اکتاہٹ اور بوریت محسوس نہ ہو بلکہ خوشی و مسرت محسوس ہو۔

Marfat.com

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی سو سے زیادہ مجلسوں میں بیٹھا ہوں۔ ان محفلوں میں صحابۂ کرامؓ اشعار بھی پڑھتے، زمانۂ جاہلیت کے قصّے کہانیاں سناتے، حضورؐ خاموشی سے سنتے بلکہ خود بھی کبھی کبھی مسکراتے اور ہنسنے میں شریک ہوتے۔ (ترمذی)

حضرت بکر بن عبداللہؓ صحابۂ کرامؓ کی بے تکلفی اور خوش طبعی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ تفریح کے طور پر ایک دوسرے پر تربوز کے چھلکے پھینکتے، لیکن جب دشمنوں سے لڑنے اور اسلام کی مدافعت کا وقت آتا تو اس میدان کے شہسوار آپ ہی ہوتے تھے۔ (الادب المفرد)

اکثر ان میں ایسی بے تکلفی بھی ہوتی کہ کسی کے ہاں مہمان آیا اور کسی دوسرے کے ہاں چولہے پر ہانڈی چڑھی ہوتی تو مہمان والا دوست دوسرے کی ہانڈی اُتار لاتا اور مہمان کی تواضع کر دیتا۔ جب ہانڈی والا اپنی ہانڈی ڈھونڈتا پھرتا اور لوگوں سے پوچھتا پھرتا کہ میری ہانڈی کون لے گیا تو میزبان دوست کہتا، بھائی میں اپنے مہمان کے لئے لے آیا ہوں تو وہ غصّے یا ناراضگی کی بجائے خوش ہو کر کہتا کہ خدا تمہیں اس میں برکت دے۔ ایسا کسی چوری، خیانت یا تنگ کرنے کی خاطر نہ ہوتا تھا بلکہ باہمی اعتماد اور پُرخلوص محبت کی خاطر ایسا کرتے ورنہ اعتماد نہ ہوتا تو کون ایسا کر سکتا ہے۔

خوش مزاجی، بشاشت اور ظرافت حد سے بڑھنے نہ پائے۔ اس میں دینی وقار اور دوسرے کی قوت، برداشت کا لحاظ ضرور رکھا جائے۔ مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ سے کسی نے کہا۔ مذاق ایک آفت ہے۔ آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ سنت ہے مگر اس شخص کے لئے جو اس کے مواقع جانتا ہو اور اچھا مذاق کر سکتا ہو۔ دوست کے لئے خلوص و محبت کا اظہار زبانی بھی ہو تاکہ باہمی تعلق میں استواری و استحکام پیدا ہو جائے۔

۷۔ محبت میں جنون اور دشمنی میں مضرّت نہ ہو

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ محبت اور دوستی جنون کی شکل اختیار نہ کرنے پائے اور دشمنی مُضرّت اور ایذا رسانی کی حد تک نہ پہنچے۔ کسی نے پوچھا، وہ کیسے؟ فرمایا، محبت میں بچوں کی طرح چمٹنا لپٹنا اور بچگانہ حرکتیں نہ کرو اور جب ناراض ہو جاؤ تو اس کے جان و مال کی تباہی و بربادی کا نہ سوچو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ دوست سے دوستی میں نرمی اور میانہ روی اختیار کرو اور دشمن سے دشمنی میں اعتدال برتا جائے تاکہ دوست کسی وقت دشمن بن جائے اور دشمن دوست بن جائے تو شرمندگی اور خفت نہ اُٹھانا پڑے۔ اگر کسی بات پر اختلاف پیدا ہو جائے تو معافی مانگنے اور صلح کرنے میں دیر نہ کی جائے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان سخت کلامی ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے پاس تشریف لے گئے اور کہا یا رسول اللہؐ، میرے اور عمرؓ کے درمیان سخت کلامی ہو گئی۔ مجھے شرمندگی ہو گئی اور اُن سے معافی چاہی مگر انہوں نے معاف نہ کیا۔ میں پریشان ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ خدا تمہیں معاف فرمائے گا۔ اسی دوران حضرت عمرؓ کو بھی غلطی کا احساس ہُوا، وہ بھی حضرت ابوبکرؓ کو تلاش کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر حضورؐ کے چہرے پر غصّے کے آثار نمودار ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ بہت ڈرے اور نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر

حضورؐ سے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ، عمرؓ کا کوئی قصور نہیں قصور میرا ہے، میں نے زیادتی کی ہے، میں نے سخت سست کہا ہے۔

دوستوں کی جانب سے اگر کوئی بات طبیعت اور ذوق کے خلاف بھی ہو جائے تو آپ اپنی زبان پر قابو رکھیئے اور جواب میں کبھی سخت کلامی اور بدزبانی نہ کیجیئے۔ دوستوں کی تنقید پر بپھرنا، خفا ہونا اور خود کو اس سے بے نیاز سمجھنا ہلاکت ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی بھی ہلاکت ہے؛ اگر دوستوں کے دامن پر ان کے مزاج و عادات اور عیوب کے بدنما داغ نظر آئیں تو بے چینی محسوس کیجیئے اور انہیں دُور کرنے کی حکیمانہ کوشش کیجیئے اور جب وہ یہ فریضہ انجام دیں تو نفس کو پھلانے کی بجائے عالی ظرفی، خوش دلی اور احسان مندی سے ان کے جذبات کی قدر کریں اس سے معاشرے کی اصلاح ممکن ہوسکتی ہے اور دوستی کا حق یونہی ادا ہوسکتا ہے۔

۸۔ ہدیہ بھیجنا، تحفے دینا

ہدیہ اور تحفہ بھیجنے کا انحصار انسان کے خلوص پر ہے۔ اس لئے اس کی ترسیل اور وصولی میں اپنی اور دوست کی حیثیت اور خلوص کو دیکھا جائے نہ کہ تحفے اور ہدیے کی قیمت اور اچھائی کو۔ ہدیے اور تحفے باہمی محبت کے استحکام و استمرار کا موجب ہوتے ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خود اپنے اصحابؓ کو ہدیے بھیجتے تھے اور صحابہؓ بھی آپس میں ایسا ہی کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر کوئی مجھے بکری کا ایک پایہ بھی پیش کرے تو میں ضرور قبول کروں گا۔ ہدیے کے بدلے میں ہدیہ ضرور دیا جائے۔

۹۔ باہم کھانا، دعوت دینا

اگر دوست احباب دعوت کریں تو خوشی سے شرکت کرنا چاہیئے۔ البتہ دعوتوں اور کھانوں میں غیر معمولی تکلف اور کھانوں کی فراوانی، جیسا آجکل ہوتا ہے، نہ برتی جائے کیونکہ اس قسم کی دعوتیں ہمیشہ نہیں کی جاسکتیں اور نہ ہونے کی صورت میں آپ دوستی کے باہمی برتاؤ کو جاری نہ رکھ سکیں گے۔

۱۰۔ مددگاری و حاجت برآری

دوستوں کی خبر گیری کرنا، ضرورتوں میں کام آنا اور جان و مال سے مدد کرنا بھی دوستی کے حقوق میں سے ہے۔ حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے۔ خدا کے نزدیک سب لوگوں میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ اور پیارا وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ اعمال میں سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو دوسروں کے دلوں کو خوش کردے اور یہ کہ مجھے کسی مسجد میں اعتکاف کرنے کی نسبت زیادہ پسند ہے کہ میں کسی بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے جاؤں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ جو کسی بھائی کی حاجت پوری کرے گا خدا اُس کی حاجتیں پوری کرے گا اور یہ بھی فرمایا کہ خدا اُس بندے کی مدد میں اُس وقت تک لگا رہتا ہے جب تک وہ بندہ دوسروں کی مدد میں لگا رہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی)

۱۱۔ رازدار بنیئے

آپ پر دوستوں کو ایسا اعتماد ہو کہ اگر وہ اس اعتبار پر کوئی راز آپ سے کہہ دیں تو اُس کے راز کی حفاظت کریں اور ان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ حضرت انسؓ ایک دن لڑکوں میں کھیل رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لائے۔ انہیں سلام کیا۔ پھر حضرت انسؓ کو اپنے کسی کام سے کہیں بھیجا۔ انہیں اس کام کی انجام دہی میں دیر لگی۔ والدہ نے پوچھا، اتنی دیر کہاں لگائی؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا۔ حضورؐ کے ایک کام سے گیا تھا اسے کرنے میں دیر لگ گئی۔ والدہ نے پوچھا۔ کیا کام تھا؟ میں نے کہا۔ وہ راز کی بات ہے۔ والدہ نے تاکید کی کہ دیکھو حضورؐ کا راز کسی کو

نہ بتانا۔ (مسلم)

۱۲۔ اجتماعی اخلاق و رواداری

حضورؐ کے حلقۂ تعلق کے اسیر ہر قسم، ہر مرتبے اور ہر مزاج کے صحابہؓ تھے۔ ہر فرد کے لئے اُن کی ذات اور ان سے تعلق میں عجیب کشش تھی۔ جس طرح آسمان پہ تمام ستارے باہمی کشش سے منسلک ہیں۔ حضورؐ کا سلوک ہر کسی کے ساتھ ایسا حکیمانہ اور ہر کسی کا مزاج آشنا تھا کہ ان کے ساتھ انہی کے مزاج کے مطابق برتاؤ فرماتے۔ کبھی بھی کسی کو اپنے مزاج اور اپنی طبیعت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی۔ فطرتوں اور مزاجوں کا اختلاف فطری ہوتا ہے اور فطرت کا یہ اختلاف ہی خوبصورتی اور رنگا رنگی کا موجب ہے۔ ہر دوست کو اس کے فطری مقام پر چھوڑ کر اس سے اسی طرح کی دوستی کرنا چاہیئے۔

حضورؐ کی عبقری شخصیت کا یہ کمال تھا کہ ہر ذوق اور ہر طبیعت کا آدمی وہاں سکون پاتا تھا۔ کسی کو بھی ان کی محفل میں اپنی غیر طبعی اور غیر فطری اوپریت کا احساس نہ ہوتا تھا۔ ان کی مجلس پھولوں کا گلدستہ یا کیاری تھی۔ جہاں ہر رنگ اور ہر بُو کے پھول سجے سجائے رہتے۔ ایک طرف ابوبکرؓ جیسے سراپا علم و ایثار، حضرت عمر فاروقؓ جیسے غصیلے شمشیر برہنہ، حسان بن ثابتؓ جیسے جنگ و جدال سے لرزاں، حضرت علیؓ جیسے شجاع و بہادر، ابوذر غفاریؓ جیسے فقیر درویش اور غم پسند، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے دولتمند امیر کبیر، حضرت بلالؓ جیسے خاک نشین غریب۔ حضرت عثمانؓ جیسے سخی و حیادار۔ غرض ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ کا مصداق تھے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ اخلاق و مزاج اعلیٰ کردار اور حسنِ سلوک کا کمال یہ تھا ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ حضورؐ سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں۔ اخلاق و کردار کی اسی ہمہ جہتی اور ہمہ پہلو خوبی کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کا وہ جتھہ تیار کیا جس میں طبیعتوں اور مزاج کے اختلافات کے باوجود بے مثال یک جہتی، باکمال اتحاد و تعاون اور لازوال محبت و خلوص تھا کہ انسانی تاریخ اس دور کو اپنی طویل ترین عمر کا بہترین حاصل اور قابلِ رشک دور سمجھتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دوستوں اور تمام مسلمانوں کے حق میں مخلص ہمدرد اور ایثار پیشہ بنائے۔ ہمارے دلوں کو ہر قسم کے بغض، عناد اور کدورتوں کے غبار سے پاک و صاف بنا دے۔ ہمارے سینوں کو باہمی محبت سے جوڑ دے۔ ہمارے تعلقات کو اتحاد و یگانگت اور حسنِ سلوک سے خوشگوار بنا دے۔ آمین ثم آمین یا اللہ العالمین۔

Marfat.com

اسلامی اصولِ تجارت
تاجر اور خریدار کے حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ مطففین۔ لینے میں پورا لیتے ہیں اور دینے میں کم دیتے ہیں۔ روز حشر کی جوابدہی کا احساس پیدا کرنا، نہ صرف تجارت بلکہ معاشرت میں بھی ایک دوسرے کے حقوق میں برابری کا خیال رکھنا۔ تطفیف کی تعریف یعنی توازن و تناسب کائنات میں ہے۔
۲	تجارتی توازن کے مزید احکامات	سورۂ بنی اسرائیل، حضرت شعیبؑ کی قوم کا جرم اور سزا۔ تجارت ذریعہ حکومت بنی۔
۳	موجودہ تاجرانہ بددیانتیاں	غیر ملکی سامان و صنعت کی زیادتی، صنعتی بددیانتی۔ ملاوٹ، ذوا سازی زائدالمیعاد ادویات۔ مویشی کی خرید و فروخت میں بددیانتی۔ ناقص عیب دار مال۔
۴	نرخوں پر کنٹرول حکومت کی ذمہ داری ہے	
۵	واقعات و امثال	حضرت عمرؓ کا گھوڑوں کے تاجر کو پابند کرنا۔ حضرت امام مالکؒ کے تجارتی اصول۔ محمد بن سیرینؒ کی تجارت و دیانت۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ۔ ارشاداتِ حضورؐ۔ حضرت سری سقطیؒ کا پانچ فیصد منافع۔ حضرت یونس بن عبیدؒ۔ حضرت حرث محاسبی کا خواب۔

Marfat.com

اسلامی اصُول تجارت

تاجر اور خریدار کے حقوق

آیت معہ ترجمہ

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۔ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۔ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ؕ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۔ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۔ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ (سورۂ المطفّفین : ۱تا۶)

تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لئے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب دُوسروں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر کم تول کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ گمان نہیں کرتے کہ ایک دن انہیں اُٹھایا جائے گا اور وہ دن بہت بڑا دن ہوگا جس میں یہ لوگ اپنے ربّ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

تفسیر و تشریح

یہ آیات قرآن کے تیسویں پارہ کی سورۂ المطفّفین کی ابتدائی آیات ہیں۔ آخری پارہ کی تمام مکّی سورتوں میں عقیدۂ آخرت اور حیات بعداز وفات کا ذکر مختلف دلائل اور مختلف انداز سے بیان ہوا ہے انسانی اعمال کی درستی، ایمان و اخلاق کی اصلاح کا دارو مدار اسی عقیدہ پر موقوف ہے۔ جب یہ عقیدہ کسی کے دل و دماغ میں پوری طرح بیٹھ جائے اور اُسے یہ یقین ہو جائے کہ ایک دن خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے ایک ایک عمل اور قول کا جواب دینا ہے اور اپنے رب کے فیصلے کے مطابق جزا و سزا پانا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنے رب کی تابعداری نہ کرے۔ اس کے احکامات کو نہ مانے اور ہر قسم کی بُرائیوں سے اپنا دامن نہ بچائے۔ آخرت کی بازپرس کا یہی احساس تھا کہ حضرت سالم بن عبداللہؓ کے بقول حضرت عمرؓ اپنے اونٹ کی پیٹھ کے زخم کو اپنے ہاتھ سے دھوتے اور فرماتے کہ مجھے یہ خوف ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے میرے اُونٹ کی دیکھ بھال کے متعلق بازپُرس ہوگی۔

ایک موقعہ پہ اسی قیامت کے خوف کے شدید احساس کے تحت فرمایا کہ کاش میں دُنبہ ہوتا کہ لوگ ذبح کر کے کھا جاتے اور انسان نہ ہوتا کہ آخرت کی بازپُرس سے بچ جاتا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اکثر فرماتے۔ کاش میں سڑک کے کنارے کا درخت ہوتا جسے راہ چلتے ہوئے اُونٹ چبا ڈالتے اور اس طرح آخرت کی جوابدہی نہ ہوتی۔ آخرت کے احساس کے سلسلے میں یہ صرف ان دو ہستیوں کی مثالیں ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی دوستی کا شرف حاصل تھا۔ انہیں خدا کی خوشنودی کی خوشخبریاں ملی تھیں اور اُنہیں اُن کی زندگی میں جنتی ہونے کے سرٹیفیکیٹ ملے تھے، مگر اس کے باوجود آخرت کی جوابدہی کا خوف اُن پہ غالب تھا کہ انسان ہونے کے ناتے سے انہیں اپنے اعمال پہ بھروسہ اور ناز نہ تھا۔

Marfat.com

آج کی زیرِ موضوع آیات میں قیامت کے دن خدا کے رُوبرو کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کے حوالے سے جس عمل کی بنیاد پر تباہی و ہلاکت کا ذکر کر کے اس سے باز رکھا گیا ہے، وہ ناپ تول میں کمی کر کے دوسروں کو نقصان پہنچانے کا عمل ہے کہ اس قسم کے کاروباری لوگ یا ویسے بھی لین دین کرنے والے دوسروں سے تو پورا لیتے ہیں، مگر اپنی طرف سے تول کر دیتے ہیں کمی کرتے ہیں۔

تطفیف عربی زبان میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کے لئے بولا جاتا ہے اور اصطلاحی معنی ناپ تول میں کمی کر کے اسے گھٹانا اور تھوڑا کرنا کے ہیں۔ کیونکہ ناپ تول میں کمی کر کے انسان کوئی زیادہ وزن نہیں مار سکتا بلکہ ہاتھ کی صفائی سے گاہک کا تھوڑا بہت حصہ چُراتا ہے۔

سماجی عدم توازن

ناپ تول میں کمی کے اس مفہوم کو اگر وسیع کیا جائے تو معاشرتی، ملازمتی اور سماجی حقوق بھی اسی کے دائرۂ قانون میں آ سکتے ہیں، یعنی انسان کے بحیثیت انسان، جہاں جہاں بھی ایک دوسرے پر حقوق بنتے ہوں، دوسروں سے ان کی وصولی اور دستیابی کا حق جتاتا رہتا ہے بلکہ حاصل بھی کر لیتا ہے، مگر اپنی طرف سے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں بخل سے کام لیتا ہے، ڈنڈی مارتا ہے بلکہ بسا اوقات سرے سے ادا ہی نہیں کرتا۔

مثال کے طور پر سرکاری ملازمین کو لے لیجئے۔ آئے دن ان کے مطالبات، حقوق اور مراعات کی فہرستیں طویل سے طویل تر ہوتی رہتی ہیں۔ جلسے ہوتے ہیں، جلوس نکلتے ہیں، ہڑتال ہوتی ہے، سڑکوں پر نکلنے کی دھمکیاں اور توڑ پھوڑ کے معرکے سر ہوتے ہیں، مگر خدا لگتی کہئے اور گریبان میں سر جھکا کر ذرا انصاف سے سوچا جائے تو کیا ہم اپنے ملازمتی اوقات و فرائض کی بجا آوری اور انجام دہی اسی تناسب سے کرتے ہیں۔ دفتری کارکردگی ہو یا عدالتی کاروائی، اتنی ہی دیانتداری سے کی جاتی ہے۔ تدریسی فرائض ہوں یا حصولِ تعلیم کا فریضہ۔ وزارتی اُمور ہوں یا علاقائی نمائندگی کا حق۔ کیا اس دیانتداری، فرض شناسی اور ذمہ داری کے احساس سے کیا جاتا ہے جتنی مراعات، سہولتیں اور آسائشیں اس وقت مل ہوتی ہیں، کیا خلفاء راشدینؓ، اسلامی جرنیلوں، سپاہیوں اور اصحابِ صُفّہ کے اساتذہ و طلبہ کو یہ سب کچھ حاصل تھا جس کے بدلے میں انہوں نے زندگی کا ایک ایک لمحہ، اپنی صلاحیتوں کا پورا پورا حصّہ حتیٰ کہ اپنے خون کا ایک ایک قطرہ ان فرائض کی بجا آوری میں لگا دیا۔ بے شک اس دَور میں آسمانوں پر اُڑنے والے ہیلی کاپٹر تو میسر نہیں تھے، مگر اسلامی بیت المال کے خزانے ان کے تصرف و اختیار میں ہوتے تھے جس میں سے اپنی روز مرّہ کی سہولتیں تو بڑی بات ہے شہد کا ایک چمچ بھی لینا حرام سمجھا گیا۔ سال میں دو جوڑے کپڑوں پر اکتفا ہوتا تھا اور خوراک میں سوکھی روٹی اور زیتون کا تیل کھا کر گزارا کیا گیا۔ سوچا جائے اور انصاف کیا جائے تو کیا ہم میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہم اُن سے بڑھ کر ملک، قوم اور دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اُن سے زیادہ باصلاحیت اور باکردار ہیں، ہمارا وجود ملک اور قوم کے لئے ان سے زیادہ قیمتی ہے؟

دراصل سیاسی امراء، وزراء اور اعلیٰ مناصب پر فائز لوگوں کے عیش و نشاط کی فراوانیوں، سہولتوں، آسائشوں اور مراعات اور معمولی ملازم پیشہ افراد کے درمیان تفاوت، توازن اور تناسب کے اسی فرق اور اسی بلندی و پستی نے ملکی معاملات کی ترتیب و تنظیم بگاڑ کر رکھ دی ہے اور جہاں توازن و تناسب نہ ہو وہاں ملک و قوم کی کشتی ڈوب کر رہتی ہے۔

Marfat.com

کائناتی توازن

سورہ رحمٰن میں اسی توازن کا ذکر فرمایا ہے: وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ۔ آسمان کو بلندی پہ قائم کیا۔ میزان قائم کی گئی۔ خبردار تم اس میزان۔ توازن۔ میں کمی نہ ڈالو۔ خلل پیدا نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو۔ ترازو میں نقصان یا خسارہ نہ دو۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے نزدیک میزان سے مراد کائنات کے نظام میں توازن و تناسب اور عدل کو لیتے ہیں۔ بے شمار ستارے آسمان پہ گھومتے ہیں۔ زمین اپنے محور کے گرد پورے اندازے اور ناپ تول سے ساتھ چکر لگاتی ہے۔ اس کائنات کی ہر قوت اپنا کام اور فریضہ مقررہ وقت پر انجام دیتی ہے۔ موسموں کی تبدیلیاں، رات دن کے چکر اپنے ٹھیک اوقات پر آتے ہیں۔ زمین سے مختلف اشیاء، پھلوں، سبزیوں، غلوں اور فصلوں کا اپنے وقت پہ پیدا ہونا، پک کر تیار ہونا۔ لاتعداد مخلوقات کی روزی کا سامان فراہم ہونا۔ بروقت حسب ضرورت پیدا ہونا اور ختم ہونا۔ اگر سارے نظام کائنات میں ذرا بھی فرق آجائے۔ توازن و اعتدال میں کمی بیشی ہو جائے تو پوری کائنات کا نظام بگڑ جائے گا۔ کائنات کے اس نظام کے حوالے سے ہمیں یہی درس دیا گیا ہے کہ ہم بھی اس متوازن، معتدل اور متناسب نظام کائنات کا ایک حصہ ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنے اپنے دائرۂ عمل میں توازن اور اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ بے انصافی، زیادتی اور عدم توازن سے کام لیں گے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور خدا کے حقوق کی بجاآوری میں ذرا بھی کمی، خسارے اور غیر متوازن رویّے کو اختیار کریں گے تو کائنات کے نظامِ عدل کے خلاف بغاوت کریں گے۔

تجارتی توازن کے احکام

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے: وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاً۔ کسی کو ناپ کر دو تو پورا دو، ترازو سے تولو تو ٹھیک تولو۔ یہی طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں حکم دیا جاتا ہے۔ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ۔ ناپ تول میں انصاف کرو۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بعثت کا تو مشن ہی یہ تھا۔ جس کی تفصیل سورہ شعراء، سورۃ الاعراف اور دوسری متعدد سورتوں میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ جن میں ان کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پہ آنے والے عذاب کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السّلام کی بعثت اور ان کی قوم پہ عذاب کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاروبار میں بددیانتی اور تجارت میں بے اصولی کی کس قدر اہمیت ہے۔ خدا کے نزدیک کتنا بڑا جرم اور ان پہ عذاب سے خدا کی ناراضگی کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں انفرادی طور پہ بھی اور حضرت شعیب علیہ السّلام کی قوم پہ عذاب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بھی اُمتِ مسلمہ کو تجارتی ہیرا پھیری، بددیانتی اور خیانت کاری سے منع کیا گیا ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض

مسلمانوں کی کوئی بھی حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری، اُس پہ اس کی رعایا کا حق بنتا ہے کہ وہ تاجروں کے ساتھ بھی اور خریداروں سے ساتھ بھی ہونے والی تجارتی بددیانتیوں پر کڑی نگاہ رکھے۔ مال پیدا کرنے والے کارخانہ داروں، صنعتی اداروں، تھوک فروشوں اور ذخیرہ اندوزوں کو اسلامی اصولوں کا پابند بنائے اور خوردہ فروشوں اور خریداروں کے استحصال کا خاص خیال رکھے۔ منڈیوں اور بازاروں میں اوزان اور پیمانوں کی نگرانی کرے اور تطفیف کو بزور قانون بند کرے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے۔ مقررہ نرخوں سے زیادہ فروختگی پہ کنٹرول کرے۔ کیونکہ اسی ایک عمل سے

جہاں حکومت پہ عوام کا اعتبار و اعتماد قائم ہوتا ہے وہاں اسلامی تجارت کو فروغ ہوتا ہے اور آخرت میں خدا کی خوشنودی و بہتر انجام کا موجب ہوتا ہے۔

دیانتدارانہ تجارت کے نتائج

اسلام کی ترقی میں تجارت کے دیانتدارانہ اسلامی اصولوں پہ کاربند رہتے ہوئے مسلمان تاجروں نے مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ حضورؐ کی بعثت اور نبوّت اُن کی تجارت میں ایمانداری کے باعث قابلِ اعتبار بنی۔ برِصغیر ہند و پاک میں انگریزوں نے ابتدائی طور پر تجارت ہی کے ذریعہ حکومت قائم کی۔ آج بھی ہم غیر ملکی اشیائے صرف اور استعمال میں آنے والے سامان پر اُن کی تاجرانہ دیانتداری کی وجہ سے بھروسہ کرتے ہیں۔ اُن کی مصنوعات کو ہم لوگ آنکھیں بند کر کے مہنگے داموں خریدتے ہیں۔ جھوٹے اور بددیانت تاجر ہوں یا صنعتکار اُن کا کاروبار اور مصنوعات تھوڑا عرصہ چلتی ہیں۔

ہماری تاجرانہ بددیانتی

ہمارے صنعتکار ہوں یا تاجر، ہر حربہ اور ہر قسم کا فریب اختیار کر کے صرف پیسہ کمانے کو سمجھداری ہوشیاری اور دانائی خیال کرتے ہیں۔ غیر ملکی سامان پہ بھروسے اور اُس کی طلب کے مقابلے میں اپنی مصنوعات کو قابلِ اعتماد بنانے کی بجائے غیر ملکی سامان کی نقل کرتے ہیں اور اسے ہو بہو بنا کر اُن پہ غیر ملکی مہر اور تجارتی مفنوعی نشان لگانے میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ ہم نے ایک دفعہ ہو بہو جاپانی تالے کی نقل سے دھوکہ کھا کر اپنا ملکی بنا ہوا تالا خریدا اور مطمئن تھے، مگر جب اُسے استعمال کیا تو چابی کے بغیر ذرا سا زور دینے پہ کھُل گیا اور جب اسے غور سے دیکھا تو اپنا پاکستانی تالا نکلا جس پہ انتہائی باریک حروف I.R.P لکھے تھے جو اسلامک ری پبلک آف پاکستان کا مخفف تھے۔ پاکستان کے ساتھ "اسلام" کے اضافے نے جہاں پاکستانی مصنوعات کا اعتبار مٹی میں ملایا وہاں اسلام کا وقار اور بھروسہ بھی ختم کر دیا۔

ملاوٹ کا یہ حال ہے کہ کوئی چیز بھی خالص نہیں رہی۔ بھینسوں کے گھی میں ڈالڈا، ڈالڈے میں گریس، مرچوں میں سرخ اینٹیں، آٹے میں باسی ٹکڑے، لکڑی کا برادہ، سوجی میں ریت، دودھ میں پانی، کس کس چیز میں کیا کیا نہیں ڈالا جاتا۔ جب ہمارا ایمان اور اسلام خالص نہیں تو پھر کسی اور چیز کا خالص ہونا کیسے ممکن ہے۔ کھانے کی تمام اشیاء، علاج کی تمام ادویات، سانس لینے کی ہوا تک کوئی چیز بھی خالص، قدرتی اور ستھری نہیں چھوڑی تو پھر ڈاکوؤں، قاتلوں اور لٹیروں کو کیوں بدنام کیا جائے جو کم از کم للکار کر اور سامنے آ کر ایک ہی دفعہ کام تمام کر دیتے ہیں۔ ہمارے صنعتکاروں، تاجروں، کارخانہ داروں، ذخیرہ اندوزوں، چور بازاروں اور ملاوٹ کرنے والوں کو کیا پرواہ کہ کون مرتا ہے اور کس کے ہاتھوں مرتا ہے، کس کے دامن پر اپنے خون کے چھینٹے دیکھیں اور کس سے دیت و قصاص طلب کریں۔ کتنے گھر اُجڑتے ہیں۔ کتنے بچے یتیم ہوتے ہیں۔ ملاوٹ کرنے والوں کو اپنا آمدن اور پیسے سے غرض ہوتی ہے۔

بیرونی غیر ملکی دواساز کمپنیوں کی طرف سے دواؤں پر اس کے استعمال کی تاریخ درج ہوتی ہے۔ جس کے بعد وہ دوائیں بے اثر ہی نہیں ہو جاتیں بلکہ خطرناک اور نقصان دہ بھی ہوتی ہیں، لیکن کیا مجال کہ ہمارے دوا فروشوں نے انہیں ضائع کیا ہو۔ حکومت کی طرف سے ایسا کوئی اہتمام نہیں ہوتا ہے کہ چھاپہ مار کر سٹوروں سے ان دواؤں کو ضائع کیا جاتا ہو اور دوا فروشوں کو سزا دی جاتی ہو، اگر کوئی ایسا محکمہ قائم ہے بھی تو رشوت ستانی، میل ملاپ، سفارش اور "لک مکا" کے اصول پہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور سزا کی

نوبت نہیں آتی۔ سینیٹری انسپکٹر صاحبان اکثر دورہ پر تشریف لاتے ہیں تو پرچون فروش دکانداروں کو رشوت بٹورنے کی خاطر پکڑ لیتے ہیں۔ بصورت دیگر مقدمہ کھڑا کر کے عدالتوں میں گھسیٹتے ہیں، لیکن کوئی یہ کہنے والا نہیں ہوتا کہ یہ اشیاء تو پرچون فروش نے نہیں بنائیں، جہاں سے مارکیٹ میں آتی ہیں اُس سرچشمہ کے خلاف کاروائی کیوں نہیں کی جاتی۔

کون نہیں جانتا کہ ملک میں گوشت کی فروختگی سے پہلے مہر لگتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ گوشت طبی معائنے کی رُو سے اور جانور کی کسی بیماری میں مبتلا نہ ہونے کی دلیل ہے، مگر ہوتا یہ ہے کہ بیمار جانور اور مُضر صحت گوشت کی تحقیق کئے بغیر یہ مہر لگ جاتی ہے، کیونکہ قصابوں کے ہاں سے اور سبزی فروشوں کی طرف سے ان افسران کو گوشت سبزی فری، مفت پہنچاتی ہے۔

نرخوں پر کنٹرول کا اسلامی اصول

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے دورِ حکومت میں مدینہ شریف میں ایک شخص گھوڑوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اُس نے گھوڑوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اُسے بلایا اور فرمایا۔ تم اپنے تجارتی گھوڑوں کے لئے چارہ اور خوراک مدینہ کی حدود سے حاصل کرو گے اور لوگوں کے پالتو جانوروں کے لئے یہ چارہ اور خوراک کم ہو کر اس کی قیمت میں اضافہ یقینی ہے جس سے عام جانور رکھنے والوں کی قوتِ خرید میں دشواری پیش آئے گی۔ موجودہ معاشیات کا اصول یہی ہے کہ رسد میں کمی ہو تو طلب بڑھ جاتی ہے اور طلب بڑھ جائے تو نرخ بھی بڑھ جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں خریداروں پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ تم تو گھوڑے فروخت کر کے اُن کی قیمتوں میں اضافہ سے یہ بوجھ تو بوجھ نہ سمجھو گے، لیکن جن لوگوں کی زندگی کا انحصار اُن کے پالتو جانوروں پر ہے وہ کیا کریں گے۔ وہ چارے کی قیمت کا اضافہ کہاں سے پورا کریں گے۔ آخر گھوڑوں کے تاجر نے یہ ضمانت دی کہ وہ اپنے تجارتی گھوڑوں کا چارہ یمن سے منگائے گا جس سے مدینہ کے چارے پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اس ضمانت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے گھوڑوں میں اضافہ کی اجازت دے دی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس نہ مدینہ کے شہریوں میں سے پالتو جانوروں کے مالکان کا کوئی وفد گھوڑوں کے تاجر کے خلاف پیش ہوا تھا، نہ ان کا جلوس نکلا تھا اور نہ اُن لوگوں نے خلیفۂ وقت کی توجہ مبذول کرنے کے لئے کوئی احتجاجی مظاہرہ کیا تھا، نہ بھوک ہڑتال کی دھمکی دی تھی، نہ بڑے بڑے چوکوں میں اپوزیشن نے جلسے کئے تھے بلکہ صحیح اسلامی حکومت کے دیانتدار فرض شناس اور رعیت کے سچے خیر خواہ خلیفہ نے از خود نرخوں میں اضافے کا اندیشہ محسوس فرما کر بروقت اس کا تدارک فرما دیا تھا۔ آج غریب ملازم پیشہ اور مزدور عوام کو جھوٹی تقریروں اور نہ پورے ہونے والے وعدوں پر بہلایا جاتا ہے اور سرمایہ داروں، کارخانہ داروں اور تاجروں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوتی کہ وہ لوگ یا تو خود حکومت کے ایوانوں میں حاکم بنے ہوتے ہیں یا ان کی مالی امداد اور تعاون سے حکومتیں برسرِ اقتدار آتی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ جنہوں نے احادیثِ نبویؐ جمع فرمائیں اور ان احادیث پر مشتمل ان کی کتاب مؤطا سب سے زیادہ معتبر خیال کی جاتی ہے، اپنے دور کی بے حد قابلِ احترام شخصیت تھی۔ حکومت کے سربراہ ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت امام مالکؒ حکامِ وقت کو تاجروں کے جمع کرنے کا حکم دیتے۔ جب تاجر جمع ہو جاتے تو آپ سب تاجروں سے تجارت کے اسلامی اصولوں کے بارے میں سوالات کرتے۔ تجارت کے احکامات پوچھتے، تجارتی بددیانتی کی سزاؤں کے متعلق دریافت فرماتے۔ وزن کے

بارہ میں اسلام کا کیا حکم ہے۔ شرح منافع کا کیا حکم ہے۔ عیب دار مال بیچنے کی سزا کیا ہے۔ جب کوئی تاجر تجارت کے اسلامی اصولوں سے واقف نہ ہوتا اور اُسے حلال و حرام کی تمیز نہ ہوتی تو حضرت امام مالکؒ اُسے ان احکام کے ذریعہ سے بازار سے اُٹھوا دیتے کہ یہ تجارت کے قابل نہیں ہے۔ ناجر سے فرماتے، پہلے تجارت کے متعلق اسلامی قوانین سیکھو پھر بازار میں بیٹھو۔

۱۔ آثار و امثال

محمد بن سیرینؒ ایک لڑائی میں قیدی ہو کر اپنے والد سیرین کے ساتھ حضرت انس بن مالکؓ کے حصے میں آئے۔ حضرت انس بن مالکؓ نے اُن کے والد کی تعلیم و تربیت کی تو انہوں نے علم و عمل میں نام پیدا کیا۔ اُن کے بیٹے محمدؒ اپنے والد سے بھی زیادہ شہرت کے مالک بنے۔ خواب کی تعبیر میں اُن کا بڑا مقام تھا۔ خوابوں کی تعبیر کا علم اُنہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سیکھا تھا۔ وہ اپنے زمانے میں اُن تین شخصیتوں میں سے تھے جن کا کوئی جواب نہ تھا۔ جن میں سے حجاز میں قاسم بن محمدؒ، شام میں رجاء بن حیوۃ اور عراق میں یہ خود تھے۔

محمد بن سیرینؒ تاجر تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے زیتون کا تیل خریدا۔ جس میں مرا ہوا چوہا نکلا جو غالباً کولہو میں آ کر پچک گیا۔ تیل میں مرے ہوئے چوہے کو نہ کسی نے دیکھا تھا اور اگر بیچتے تو پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ بڑی آسانی سے چوہے کو نکال کر تیل فروخت کر سکتے تھے، جیسے ہمارے اکثر دکاندار اشیاء خوردنی میں ایسی چیزیں پا کر فروخت کر دیتے ہیں بلکہ زندہ چوہے بلیاں تو اکثر دوڑتی پھرتی رہتی ہیں، لیکن محمد بن سیرین نے وہ تیل فروخت نہ کیا اور پھینکوا دیا۔ بیچنے والے کی رقم چالیس ہزار درہم بنتی تھی۔ اُس نے رقم کا مطالبہ کیا۔ اس رقم کا یہ خسارہ محمد بن سیرین کے لئے ناقابلِ ادائیگی تھا۔ انہوں نے عدم ادائیگی کی بنیاد پر مقدمہ میں سزا کاٹ دی، مگر مرے ہوئے چوہے کے تیل کو فروخت کرنا گوارا نہ کیا۔

۲۔ مالک کی ناواقفی سے فائدہ نہ اُٹھانا

حضرت جریر بن عبداللہؓ نے اپنے غلام کے ذریعے گھوڑا خریدا۔ گھوڑے کے مالک نے اُس کی قیمت تین سو درہم بتائی تھی، مگر حضرت جریرؓ نے گھوڑے کو ہر طرح سے پرکھ کر اُس کی قیمت آٹھ سو درہم مقرر کر کے مالک کو دے دی۔ مالک اپنے گھوڑے کی خوبیوں سے ناواقف تھا۔ حضرت جریرؓ نے اُسے دوڑایا، چلایا اور جوں جوں اُس کی خوبی انہیں معلوم ہوتی وہ اُس کی قیمت میں اضافہ فرماتے۔ گھوڑے کا مالک اپنی مقررہ قیمت سے دوگنی تگنی رقم پا کر خوش تھا۔ غلام نے کہا۔ اس نے خود جب یہ قیمت مقرر کی تھی تو آپ نے کیوں خواہ مخواہ اتنی اضافی قیمت دے دی۔ آپ نے فرمایا۔ گھوڑے کا مالک یا تو مجبور ہوگا جو اتنی کم قیمت پر بیچتا ہے یا اپنے گھوڑے کی خوبیوں اور صحیح قیمت سے ناواقف ہے۔ اس لئے دونوں صورتوں میں اس کی مجبوری سے فائدہ اُٹھانا یا لاعلمی کی بنا پر اسے دھوکے میں رکھنا ہمارے لئے ناجائز ہے۔ یہ تجارتی بددیانتی ہے اور خرید و فروخت کے معاملات میں دھوکہ دہی ہے۔ مسلمان کو مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیئے۔

ہمارے ہاں دوسروں کی مجبوریوں سے خوب فائدہ اُٹھایا جاتا ہے اور ہمارے زمیندار حضرات اپنے جانور بیل، بھینس، گائے وغیرہ بیچتے ہوئے کتنے دھوکے کرتے ہیں۔ سوکھی گائے بھینس کو گابھن کر کے بیچتے ہیں۔ بوڑھی بھینسوں کو پہلی بار کی گابھن بنایا جاتا ہے۔ سیر ڈیڑھ سیر دودھ والی کا دودھ دو تین دن روک کر منڈی میں لایا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ

شیردار بتا کر زیادہ قیمت وصول کی جاتی ہے۔ مال کا عیب نہیں بتایا جاتا اور دوسرے کی لاعلمی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو سراسر ناجائز اور حرام ہوتا ہے۔ جھوٹ بولا جاتا ہے اور سو طرح کی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔

۳۔ جھوٹا دعویٰ نہ کرنا

حضرت محمد بن سیرینؒ کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ ایک آدمی نے اُن پر دو درہم کے بقایا کا دعویٰ کیا اور سر ہو گیا کہ فوراً یہ رقم دے دو۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے نہ آپ کو پہلے دیکھا ہے نہ کبھی آپ سے معاملہ ہوا ہے۔ پھر کیسے آپ کا بقایا میرے ذمہ ہے، مگر وہ شخص دو درہم کی ادائیگی پر مُصر رہا اور ہتک آمیز حد تک اصرار کیا۔ مجلس میں موجود لوگوں نے پوچھا۔ یہ رقم کب قرض لی تھی۔ کس لین دین میں باقی ہے؟ مگر اُس شخص کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ سچا ہوتا تو جواب دیتا۔ وہ تو کسی منصوبے کے تحت اُن کی توہین پر آمادہ تھا۔

ابن سیرینؒ بہت بڑے آدمی تھے، صاحبِ علم تھے، عابد و زاہد تھے۔ دُور دُور تک اُن کی شہرت تھی۔ شاگردوں کی بڑی تعداد تھی۔ تجارت کے ذریعہ کھاتے پیتے آدمی تھے، بڑی آسانی سے دو درہم دے کر جان چھڑا سکتے تھے لیکن وہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ اس آدمی نے آخر کار تنگ آکر انہیں قسم کھانے کو کہا تو آپ نے قسم کھالی کہ میرے ذمہ آپ کا کوئی بقایا نہیں۔ لوگوں نے کہا۔ آپ نے دو درہم کی معمولی رقم کے لئے قسم کھالی؟ فرمایا۔ ہاں چونکہ اس کا دعویٰ جھوٹا تھا میں نے قسم کھا کر اُسے حرام مال کھانے سے بچا لیا ہے جو اس کے حق میں خیر خواہی اور بہتری ہے۔ آپ اکثر لوگوں سے فرماتے جب اللہ نے ہر نفس کی روزی لکھ دی ہے۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ تمہارا رزق آسمانوں پر وعدہ کے مطابق لکھ دیا گیا ہے یا جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا۔ الا ان نفس لن تموت حتٰی تستکمل رزقہا۔ کوئی ذی روح بھی اپنا رزق ختم کئے بغیر نہ مرے گا، تو پھر رزق کو حرام اور ناجائز طریقوں سے کیوں حاصل کیا جائے جو ملنا ہے مل کر رہے گا۔ اسے اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقوں سے کیوں نہ کمایا جائے۔ لوگوں نے تجارت کو بےایمانی کا نام دیا ہے جس کے دل میں ایمان نہیں اُس کی تجارت یا کمائی کے دوسرے ذرائع ہیرا پھیری اور چوری ہوں گے۔

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ مکہ مکرمہ میں سعی کے دوران حضرت قیلہؓ اُم بنی انمار حضورؐ سے ملیں اور کہا۔ میں تجارت کرتی ہوں۔ چیزیں خریدتے وقت دام کم لگاتی ہوں اور بڑھاتے بڑھاتے مطلب کی قیمت پر آجاتی ہوں۔ اسی طرح بیچتے وقت زیادہ قیمت لگاتی ہوں اور کم کرتے کرتے جو قیمت لینا چاہوں اس پر فروخت کرتی ہوں۔ حضورؐ نے انہیں منع فرمایا کہ جو چیز جتنے پر بیچنا چاہو یا لینا چاہو وہی قیمت بتا دیا کرو، خوشی ہوئی تو گاہک لے گا یا دکاندار دیدے گا ورنہ نہیں۔ حضرت قیلہؓ جب تک رہیں یہی اصول اپنایا تو خدا نے ان کی تجارت بڑھا دی اور تجارت میں برکت عطا فرمائی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ قیمت گھٹا کر خریدنا اور بڑھا کر بیچنا گاہک سے دھوکہ ہے اور یہ ناجائز صورت ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے تین آدمیوں کے بارہ میں فرمایا کہ خدا اُن پر رحمت کی نظر نہ فرمائے گا، نہ اُن کے گناہ بخشے گا۔ ایک احسان جتانے والا، دوسرا کپڑے لٹکا کر پہننے والا تاکہ اس طرح ٹھاٹھ اور شان کا اظہار ہو سکے۔

تیسرا وہ شخص جو اپنا مال جھوٹی قسمیں کھا کر فروخت کرے۔ (ترمذی شریف)، اگر کوئی شخص جھوٹی قسم کھا کر گاہک کو یقین دلائے کہ مجھے اس مال پہ اتنے دام ملتے تھے تاکہ گاہک پھنس جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے قرآن کریم میں سخت وعید ہے کہ ان کا حشر قیامت میں بہت بُرا ہوگا۔ تجارت سنت نبویؐ ہے اور اس میں دیانتداری اور سچائی اس کے سنہری اصول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوعمری ہی سے تجارت شروع کی تھی اور چالیس سال تک تجارت کرتے رہے۔ اسی تجارت میں دیانتداری اور سچائی کی وجہ سے وہ امین اور صادق کہلائے۔ ہجرت سے پہلے مدینہ شریف کی تجارت پر یہودی چھائے ہوئے تھے مسلمانوں کے آتے ہی یہودیوں کی تجارتی بددیانتیوں، ہیرا پھیری اور ناپ تول کی کمی اور ایمان بیچ کر پیسہ کمانے کی ساری خرابیاں دُور ہوگئیں اور مثل مشہور ہوئی کہ تول گئیں تول مدینہ کا تول۔

۳۔ حضرت سرّی سقطیؒ خوردہ فروش تھے۔ بغداد میں دکان کرتے خوب بکری ہوتی، لوگوں کا تانتا بندھا رہتا۔ لوگ آنکھیں بند کرکے سودا خریدتے۔ وہ تجارت میں عبادت کرتے۔ خدا کی مخلوق کی تجارتی خدمت پر خوش ہوتے۔ ان کا اصول تھا کہ طلب بڑھے یا رسد گھٹے، وہ پانچ فیصد کی مقررہ شرح سے زیادہ منافع نہ لیتے۔ وہ حضرت علیؓ کے اصولِ تجارت پر کاربند تھے کہ تھوڑے نفع کو نظر انداز کرکے زیادہ منافع سے محروم نہ رہتے۔ مدینہ شریف میں حضرت عثمانؓ کے برابر ایک اور تاجر تھا۔ پانچ سو اونٹوں پہ اُن کا تجارتی سامان آتا تو ایک دُنیا ان کے تجارتی مال پہ ٹوٹ پڑتی۔ اُن سے اس کامیاب تجارت کا راز پوچھا گیا تو بتایا کہ میں نے کبھی بھی زیادہ منافع کے لالچ میں تھوڑے منافع کو رد نہیں کیا۔ حضورؐ نے دعا فرمائی ہے اے اللہ، اُس تاجر پہ رحم فرما جو خرید و فروخت کو آسان کرتا ہے یعنی زیادہ نفع نہیں لیتا۔ ناجائز منافع کے حصول کے لئے گاہک سے حجت نہیں کرتا یا کم داموں کے ملنے پر چیزوں کو چھپاتا نہیں اور دھوکہ نہیں دیتا۔ ذکر حضرت سرّی سقطیؒ کے بارہ میں ہو رہا تھا کہ ایک دفعہ اُنہوں نے ساٹھ دینار کے اکٹھے بادام خریدے۔ بازار میں اچانک باداموں کا بھاؤ چڑھ گیا۔ دلال نے چاہا کہ بازار کے بھاؤ پہ بادام فروخت کرے، مگر حضرت سرّی سقطیؒ نے فرمایا کہ میں نے تجارت کے کاروبار میں ربّ سے وعدہ کیا ہُوا ہے کہ دس دینار پہ آدھا دینار منافع لوں گا یعنی پانچ فیصد شرح منافع اس سے زیادہ حرام ہے۔ چنانچہ بازار کے چڑھے ہوئے بھاؤ کے باوجود اسی شرح منافع پہ بادام فروخت کردیئے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جوانمرد وہ ہے جو بازار میں بھی خدا کو یاد رکھے۔

۴۔ حضرت یونس بن عبید تابعیؒ تھے۔ اُنہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا تھا۔ اُن کی صحبتوں سے فیض اُٹھایا تھا۔ انہوں نے تیس ہزار درہم کا ریشم خریدا کہ ریشم کا بھاؤ چڑھ گیا۔ چاہتے تو سستے خریدے ہوئے ریشم پہ ہزاروں کما سکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے اس سوداگر کو ڈھونڈا جس سے ریشم خریدا تھا۔ پوچھا تمہیں ریشم کے موجودہ بھاؤ کی اطلاع تھی؟ اُس نے جواب دیا۔ اطلاع ہوتی تو کم نرخ پہ کیوں فروخت کرتا۔ حضرت یونس بن عبیدؒ نے اسے تسلی دی کہ میں تمہاری لاعلمی سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا۔

۵۔ ہمارے ہر عمل کا حساب دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے کندھوں پہ دو فرشتے مقرر ہیں، کراماً کاتبین یعلمون ماتفعلون۔ وہ ہمارا ہر عمل جانتے اور لکھتے ہیں۔ ہماری ذرا سی کوتاہی بھی اُن سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ حرث محاسبی نے ایک تاجر کے متعلق خواب دیکھا جو غلہ بیچا کرتا تھا۔ خدا ترس تھا، ناپ تول میں کمی نہ کرتا اور نہ بددیانتی سے کام لیتا۔ اس نے خاصا

عرصہ تجارت چھوڑ کر عبادت میں زندگی گزار دی تھی اور اسی حال میں اُس کی موت آگئی۔ موت کے بعد اُسے حرث محاسبی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیسے گزری؟ اُس نے بتایا۔ میرے ذمہ غلہ کی پندرہ بوریاں نکلیں جو تجارت کے دوران میرے کھاتہ میں جمع ہوئی ہیں۔ خواب دیکھنے والے نے تعجب سے پوچھا۔ تم تو دیانتدار اور ایماندار تاجر تھے، یہ کیسے ہوگیا۔ اُس نے کہا۔ یہ پندرہ بوریاں غلہ بددیانتی سے نہیں نہ ناپ تول میں کمی سے جمع ہوا ہے بلکہ میری ذاتی غفلت سے میرے نام جمع ہوتا رہا۔ دراصل غلہ کی تجارت کے دوران میرے ترازو کے پلڑوں میں گرد جمع ہو جاتی تھی۔ میں اپنی بے خیالی اور غفلت کی وجہ سے اسے صاف کئے بغیر غلہ تول تول کر دیتا رہا تو گرد کے تھوڑے تھوڑے وزن کا غلہ جمع ہو کر میرے نام پندرہ بوریاں بن گیا۔ اور آجکل اسی کی سزا بھگت رہا ہوں۔ ذرا سوچئے جو لوگ جان بوجھ کر ناپ تول میں کمی کرتے ہوں، کم باٹ سے دیتے اور وزنی باٹ سے لیتے ہوں انہیں کتنا حساب دینا پڑے گا اور کتنی سزا بھگتنا ہوگی۔

حرف آخر

ہمارے موضوع کی آیت میں اسی حساب کے دن سے خبردار کیا گیا ہے۔ الا یظن اولٰئک انھم مبعوثون لیوم عظیم یوم یقوم النّاس لربّ العالمین۔ خبردار ناپ تول میں کمی کرنے والے تاجروں کو یہ گمان رکھنا چاہیئے کہ وہ ایک دن ـــ جو بہت بڑا قیامت کا دن ہوگا ـــ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے اور انہیں اپنے اعمال و معاملات کا حساب دینا ہوگا ـــــ زندگی کے تمام معاملات اور بالخصوص تجارت کے معاملات میں اس دن کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کہ ہم زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں اس دن خدا کے سامنے حاضری اور کھڑے ہونے کے خیال سے معاملات کیا کریں۔ سورۂ زلزال میں یہی تاکید کی گئی ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ جس نے جس قدر تھوڑی نیکی بھی کی ہوگی، وہ اُسے اس دن ـــ قیامت ـــ دیکھے گا اور جس نے معمولی سی برائی کی ہوگی وہ بھی دیکھے گا، یعنی ذرا ذرا سی حرکت اور عمل پوشیدہ نہ رہے گا اور نہ نظر انداز ہوتا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ صحیح تاجر وہ ہے جس سے دنیا خفا ہو اور وہ خود آخرت میں خوش ہو۔ حماد بن زیدؒ فرماتے ہیں تاجر کبھی مفلس نہیں ہوتا، جب تک وہ کاروبار میں جھوٹ نہ بولے۔ جھوٹی قسمیں نہ کھائے۔ خیانت نہ کرے اور نماز پڑھنا نہ چھوڑے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

تجارت کے اصول

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	حضرت شعیبؑ کی قوم مدین ۔ ان کی اخلاقی حالت عذاب، سورۂ الاعراف ، وزن میں کمی دیتے وقت اور پیمانوں میں زیادتی لیتے وقت ، بجٹ کے دنوں میں ہمارے صنعت کاروں اور تاجروں کا رویّہ ذخیرہ اندوزی ۔
۲	قائداعظمؒ کی معاملاتی دیانت	مقدمہ میں زائد رقم واپس دے دی ۔ حضورؐ کے ارشادات
۳	واقعات وامثال	حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ۔ حضرت فضیل بن عیاضؓ کے صاحبزادے ، ہمارا رویّہ ، حضرت یونس بن عبیدؒ ۔ حرفِ آخر

Marfat.com

تجارت کے اصول

آیت معہ ترجمہ

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْٓ اَرٰىکُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۔ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِکْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ہ (سورہ ہود: ۸۴، ۸۵) - اہلِ مدین کی طرف ان کی قوم کا بھائی شعیب علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجا۔ جس نے قوم سے کہا۔ اے میری قوم کے لوگو، خدا کی بندگی کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں، ناپ تول میں نقص نہ کرو آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں، مگر تم پر ایسا وقت آئے گا کہ تم خدا کے عذاب کے گھیرے میں آ جاؤ گے - اے برادرانِ قوم ٹھیک انصاف کے ساتھ ناپو اور تولو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین پر فساد نہ پھیلاتے پھرو - بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ - خدا کی طرف جائز بچت تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم مومن ہو- وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا ـــ وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ ۔ کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا - جس وقت خدا کی طرف سے عذاب کا حکم آیا تو انہیں ایک ایسے دھماکے نے پکڑا کہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے رہ گئے، گویا وہ وہاں تھے ہی نہیں -

تفسیر و تشریح

گزشتہ تقریر میں تجارت کے متعلق ایک عام قرآنی حکم پر بحث کی گئی تھی - اسی سلسلہ میں حضرت شعیبؑ اور اُن کی قوم کے متعلق ان تجارتی خرابیوں کے حوالہ سے مزید کچھ بیان کرنا ہے - تجارتی بددیانتی اور ناپ تول میں کمی اللہ کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کے لئے حضرت شعیبؑ کو محض اسی خرابی کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا اور جب انہوں نے اپنے اندر اس خرابی کی اصلاح نہ کی تو اُن پر ایسا عذاب مسلّط فرمایا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے اور ایسے نیست و نابود ہوئے کہ گویا وہ اس سرزمین پر موجود ہی نہ تھے -

اہلِ مدین کی اخلاقی حالت

اہلِ مدین مصر اور عراق کی عظیم شاہراہ پر آباد تھے - اس شاہراہ سے تجارتی قافلے گزرتے تھے ۔ شعیب علیہ السلام کی قوم ان تجارتی قافلوں کو لوٹتی بھی تھی اور خود اپنی تجارتی و کاروباری زندگی میں انتہائی بددیانت بھی تھی- ناپ تول میں کمی کرتے ۔ خسارے اور گھاٹے کا سودا کرنے میں ہر وہ حربہ اور طریقہ اختیار کرتی جو انہیں زیادہ نفع دیتا اور دوسروں کو خسارہ پہنچتا - یہ قوم بھی مشرکینِ مکّہ کی طرح بگڑی ہوئی قوم تھی - خدا پر ان کا ایمان ایسا ہی تھا جیسا مشرکین مکّہ کا، یا پھر آجکل کا ایمان ہے یعنی زبانی جمع خرچ کا ایمان تھا، عمل نہ تھا - اچھائی برائی، راستبازی اور جھوٹ، دیانتداری

Marfat.com

خیانت میں اُن کا معیار دنیا پرستوں جیسا تھا جو آخرت کی جوابدہی اور خدا کے منکر ہیں۔ تجارت میں ہیرا پھیری کرنا، بددیانتی، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کرنا ان کے نزدیک جائز اور منافع کی تجارت تھی۔ آج کے دور اور مشرکین مکہ کی طرح اُن کا بھی یہی خیال تھا کہ تجارت، سیاست اور دنیا کے دوسرے معاملات جھوٹ، بے ایمانی اور دھوکے کے بغیر نہیں چلتے۔ حضرت شعیبؑ کی قوم کے سردار بھی لوگوں سے کہتے کہ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۔ اگر تم شعیبؑ کی تعلیمات سچائی، دیانتداری اور تجارت کے اصولوں پہ چلو گے تو یقیناً خسارے میں رہو گے۔ تمہارا کاروبار کیسے چلے گا۔ سچائی کے پابند ہو گئے تو بھوکے مرو گے۔ تجارتی منافع کیسے حاصل کرو گے۔

دیانتداری اور سچائی کی تجارت میں شعیبؑ کی قوم ہو، حضورؐ کے دور کے بگڑے ہوئے تاجر ہوں یا آج کے زمانہ کے بددیانت کاروباری لوگ ہوں، انہیں یہی خطرہ نظر آتا ہے کہ اگر جھوٹ، دھوکہ، فریب دہی اور خیانت کاری سے کام نہ لیا گیا تو تجارت میں خسارہ ہوگا۔ حالانکہ شعیب علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۔ خدا کی ہدایات اور رسولوں کی تعلیمات کے مطابق اسلامی اندازِ تجارت میں حاصل شدہ بچت ہی تمہارے لئے بہتر ہے بشرطیکہ ان تعلیمات پہ تمہارا ایمان ہو، مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی اور نہ آئی۔ نتیجہ یہ ہوا انہیں خدا نے اپنے عذاب کے شکنجے میں ایسا کسا اور ایسے تباہ ہوئے کہ صفحۂ ہستی سے نام تک مٹ گیا۔

حضرت شعیبؑ کی قوم کا ذکر سورۃ الاعراف میں یوں کیا گیا ہے: فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ حضرت شعیبؑ نے انہیں کہا کہ وزن اور پیمانے پورے رکھو، لوگوں کو اشیائے خرید میں خسارہ نہ دو، اس طرح زمین میں اسکی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو، لیکن انہوں نے ان احکامات پہ عمل نہ کیا تو فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۔ انہیں دل ہلا دینے والی آفت نے پکڑ لیا اور گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۔ جنہوں نے شعیبؑ کی تعلیم کو جھٹلایا وہ ایسے تباہ و برباد ہوئے کہ گویا اپنے گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۔ حضرت شعیبؑ کے تجارتی اصولوں کو خسارے کی تجارت کہنے والے خود خسارے میں رہے۔ اسی طرح سورۃ الشعراء میں الفاظ کی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ حضرت شعیبؑ کی قوم کے متعلق یہی فرمایا گیا کہ انہوں نے نافرمانی کی، اپنی اصلاح نہ کی تو خیانت کارانہ تجارت اور ناپ تول میں کمی کے باعث ان پر ایسا عذاب آیا کہ اُن کا نام و نشان تک مٹا ڈالا۔ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۔ آخرکار چھتری والے دن کا عذاب ان پہ لایا گیا۔ وہ بڑے خوفناک دن کا عذاب تھا۔ مفسرین کے نزدیک اس دن بادل چھایا رہا جب تک کہ وہ تباہ نہ ہو گئے۔ بادلوں میں دھماکے اور زلزلے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے متعلق ان تمام آیات میں دو باتوں کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ ایک ناپ تول میں کمی۔ کہ خود ترازو یا پیمانے کے ذریعے کسی سے کوئی چیز لیتے تو زیادہ لیتے تھے اور جب دوسروں کو چیزیں دیتے تو پیمانے اور وزن میں کمی کرتے تھے۔ دوسری بات ترازو یا پیمانے کے معمولی وزن کی جو سزا اس قوم کو دی گئی وہ تی

Marfat.com

سخت تھی کہ گھروں سے نکلنے کی نوبت نہ آسکی اور ان کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا اور پھر اس تجارتی بد دیانتی کے ساتھ
زمین پر فساد کے ارتکاب کا ذکر بھی ہے۔ گویا ایک دکاندار یا تجارت پیشہ شخص وزن اور پیمانہ میں جو خسارہ لوگوں کو دیتا ہے
وہ بظاہر سیروں کے حساب سے ہوگا یا کم از کم تھوڑے وزن میں چھٹانک کے حساب سے ہوگا، مگر اس کے نتائج اور اثرات زمین
پر عمومی فساد اور اجتماعی خرابی کا موجب بن سکتے ہیں بلکہ بن جاتے ہیں — آج ہمارے ہاں ناپ اور تول میں کمی تو چھوٹے پیمانے
کا منافع شمار ہوتی ہے۔ آجکل تجارتی بد دیانتی اور کاروباری ہیرا پھیری کی اور بھی زیادہ نفع بخش صورتیں پیدا ہو چکی ہیں ذخیرہ
اندوزی اس کی زیادہ کامیاب صورت ہے۔ بااثر تاجر اور صنعت کار بجٹ کے دنوں میں بجٹ سازوں اور وزیروں سے میل ملاپ
کرکے، انہیں بھاری رشوتیں یا کمیشن دے کر قبل از وقت معلوم کر لیتے ہیں کہ کن کن اشیاء پہ چھوٹ ہوگی اور کن اشیاء پہ
ٹیکس یا ڈیوٹی لگے گی، کن چیزوں کے دام بڑھیں گے۔ چنانچہ بجٹ سے پہلے ان اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کرکے ذخیرہ اندوزی
کی جائے گی اور بجٹ میں نرخوں کے اضافے یا ڈیوٹی اور ٹیکس کے بہانے اسی ذخیرہ کو مہنگے داموں بیچ کر کروڑوں روپیہ
کمایا جاتا ہے۔

اس طرح وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بجٹ کے مختصر عرصہ میں بڑی کمائی کر لی، مگر اللہ تعالیٰ جو اعمال و افعال کو دیکھتے ہیں۔ کراماً
کاتبین یعلمون ما تفعلون۔ اعمال و اقوال کا ریکارڈ رکھنے والے دو فرشتے مقرر ہیں جن کے احاطۂ تحریر میں ہر چھوٹی بڑی
حرکت اور بات آجاتی ہے۔ دنیا کو انسان دھوکہ دے سکتا ہے، وقتی طور پہ لوٹ سکتا ہے، مگر خدا کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ جلد یا بدیر
سزا مل کر رہتی ہے۔

ذخیرہ اندوزی

بصرے کے ایک تاجر کو اس کے ایجنٹ نے سوس سے اطلاع بھیجی کہ یہاں گنے کی فصل کو پالا مار گیا
ہے اور ساری فصل تباہ ہوگئی ہے، اس لئے جتنی بھی شکر مل سکتی ہو خرید کر ذخیرہ کر لو۔ لہٰذا اس تاجر نے
ذخیرہ کر لیا بلکہ اس میں گڑ ملا کر اوپر سے پانی کے چھینٹے مار دیئے اور پھر پورے اطمینان سے بازار کا بھاؤ چڑھنے کا منتظر ہوگیا۔
جب بھاؤ خوب چڑھا تو اپنی ذخیرہ کی ہوئی شکر بیچنا شروع کر دیا۔ ایک دن میں اس نے تیس ہزار درہم کمائے۔ خوش تھا اور اپنی
ہوشیاری پہ نازاں تھا کہ رات کو اس کے بچے ہیضہ کی بیماری سے چل بسے۔ ہوا یہ تھا کہ اس کی بیوی نے دودھ میں وہی شکر ملا کر
بچوں کو پلائی تھی۔ بچوں کو دفنا کر واپس ہوا تو پتہ چلا کہ سارے شہر میں اس کی شکر کے استعمال سے ہیضہ پھیلا ہوا ہے۔ اسے اپنی غلطی
کا احساس ہوا۔ ضمیر بیدار ہوگیا اور وہی تیس ہزار درہم اس کے لئے آگ کے انگارے بن گئے جو اس کی ذہنی اذیت جسمانی آگ کا
موجب بنی رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزگار کے سلسلہ میں دو کام کئے تھے یا بکریاں چرائی تھیں یا تجارت کی تھی۔ تجارت کے سلسلہ
میں مکہ سے باہر بھی جاتے رہے۔ آپؐ کے تجارتی اصولوں اور کاروباری دیانتداری نے انہیں ایسی شہرت دی کہ امین وصادق کے
لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپؐ سے اپنے مال کی تجارت کے لئے درخواست فرمائی۔ مکہ سے جتنا تجارتی
مال دوسرے تاجروں کا ہوتا تھا اس تمام سامان جتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ہوتا تھا۔ اس وسیع کاروبار کو حضورؐ نے اپنی سچائی
اور دیانتداری سے اتنی ترقی دی کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ حیران رہ گئیں۔ آپؐ نے چالیس برسوں تک تجارت کی۔ آپؐ کی

Marfat.com

ہجرت سے پہلے مدینہ کی تجارت پر یہودی چھائے ہوئے تھے۔ ان کی تجارت ہیرا پھیری اور بد دیانتی پر مبنی تھی مسلمانوں کی امداد اور اُن کی دیانتداری کے نتیجہ میں مدینہ کی منڈیاں اور تجارتی کاروبار بد دیانتیوں سے پاک وصاف ہو گیا۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ناپ تول میں کمی کرنے والا بدترین فاسق ہوتا ہے۔ وہ حرام کی کمائی کرتا ہے اور حرام کھاتا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ خدا سے ڈرو اور حلال روزی کے طریقے اختیار کرو۔ جس طرح حرام چیزوں کی تجارت حرام ہے اسی طرح حلال چیزوں کی ناجائز طریقوں سے خرید و فروخت بھی حرام ہو جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کوئی نفس بھی دُنیا سے اپنا رزق ختم کئے بغیر نہیں مرتا۔ روزی میں دیر ہو سکتی ہے، مگر اس کا ملنا رُک نہیں سکتا تو پھر روزی کے حرام طریقے کیوں اختیار کئے جائیں۔ لہٰذا تم حصولِ رزق کے اچھے انداز اختیار کرو، خدا پر توکّل رکھو۔ خدا پر توکّل رکھنے والے خدا کے محبوب بندے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے۔ و رزقکم فی السّماء وما توعدون — تمہارا رزق آسمان پر خدا کے ہاں مقرر کردہ ہے اسے ہر صورت تمہیں ملنے کا وعدہ ہے۔ ہم خدا کی طرف سے رزق کے اس قطعی وعدے پر بھروسہ کی بجائے بیقرار ہو کر خود جائز و ناجائز رزق سمیٹنے اور کمانے میں لگ جاتے ہیں۔ گویا خدا پر بھروسہ نہیں کرتے، خود اپنا رازق بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

لین دین میں توازن و اعتدال برقرار رکھنا صرف تجارت کے لئے ضروری نہیں بلکہ رزق کے تمام وسائل اور معاش کے تمام ذرائع میں اپنے حقِ محنت سے بڑھ کر لینا اور دوسروں کو اُن کے حق سے کم از کم دینا بھی معاملات کی بددیانتی میں شمار ہوتا ہے۔ مزدور اپنا وقت اور قوتِ کار، مستری اپنی فنی مہارت، ڈاکٹر حکیم، اُستاد وکیل اور زندگی کے تمام شعبوں میں ادنیٰ و اعلیٰ ملازم اپنا علم، اپنا ہُنر فروخت کرتے ہیں۔ ان میں جو شخص بھی خیانت کاری اور بددیانتی سے کام لیتا ہے، تھوڑا وقت، تھوڑا ہُنر، تھوڑی قابلیت اور تھوڑی تعلیم دیتا ہے یا اتنی نہیں دیتا جتنا معاوضہ وصول کرتا ہے تو وہ حرام کماتا ہے۔

اس سلسلہ میں قائداعظمؒ کی مثال بڑی واضح ہے کہ ان کے سامنے مقدمہ کی فائل آتی ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد مشورہ کی فیس طے ہوتی ہے۔ قائداعظمؒ فیس لے لیتے ہیں، مگر فائل کے مطالعے کے بعد مشورہ دیتے ہوئے اپنے مؤکل کو مقررہ فیس میں سے کچھ رقم واپس کر دیتے ہیں۔ مؤکل حیران ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ آپ کی فائل دیکھ کر اندازہ ہوا تھا کہ اس کے مطالعہ پر زیادہ وقت لگے گا۔ لہٰذا فیس اُسی وقت کے اندازے سے طے کی تھی، مگر فائل کا مطالعہ کیا تو اندازے سے کم وقت صرف ہوا۔ لہٰذا باقی وقت کی شرح فیس تمہیں واپس کی جاتی ہے، یہ میرے وقت کے حساب سے زیادہ ہے جو میرا حق نہیں بنتا۔ کیا آج عدالتوں میں ایسا ہوتا ہے؟ سرکاری ملازم، کارخانوں کے کاریگر، مزدور جب وقت اور مہارت کا معاوضہ وصول کرتے ہیں اس میں پورا وقت اور فنی مہارت سے کام نہیں لیتے تو وہ بھی تاجروں کی طرح ڈنڈی مارتے ہیں۔

حضورؐ کے ارشادات

دفتری لوگ ضرورت مندوں کے کاغذات پر کارروائی نہیں کرتے تاکہ انہیں رشوت دینے پر مجبور کیا جائے۔ حالانکہ وہ اسی دفتری کارروائی کے لئے ملازم ہوتا ہے اور تنخواہ کھاتا ہے، پھر تو چاہئیے کہ سارا دفتری نظام، تعلیمی ادارے، عدالتیں سب نجی شعبے کو دیئے جائیں یا سالانہ ٹھیکہ پر دیئے جائیں اور حکومت ٹھیکہ وصول کر کے غیر جانبدار ہو کر بیٹھ جائے۔ مستری مزدور کی عمر اور طاقت کے اعتبار، قوتِ کار میں کمی آتی رہتی ہے، مگر قیمت کار میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ یہ رویّہ بھی کم دینے اور زیادہ لینے میں آتا ہے۔

Marfat.com

۱۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ حضورؐ کے رشتہ میں ماموں تھے۔ وہ ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے اور جنت کی خوشخبری پانے والوں میں سے تھے۔ ہجرت کے بعد جہاد کا حکم آیا تو راہِ خدا میں پہلا تیر انہوں نے چلایا تھا۔ صحابہ کرامؓ اُن کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تھے۔ اُن کی دعا قبول ہوتی تھی۔ حضورؐ نے انہیں فرمایا۔ اے سعدؓ اپنے رزق کو حلال اور پاک رکھو، تیری دعا ہمیشہ قبول ہوگی۔ جس آدمی کے پیٹ میں ایک نوالہ بھی حرام کا ہوگا اُس کی دعا چالیس روز تک قبول نہ ہوگی۔ یہ بات حضورؐ نے قسم کھا کر فرمائی۔ مسند احمد میں ہے جس پر دس درہم کے لباس میں سے ایک درہم بھی حرام کا ہو تو بدن پر اس لباس کے دوران دعا قبول نہ ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ حضورؐ سے فرمایا۔ میں نماز پڑھتے ہوئے غافل ہو جاتا ہوں۔ یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، یہ اُلجھن کیسے دُور ہوگی۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا، اپنا پیٹ حرام کے لقمے اور جسم کو نجاست آلودہ کپڑوں سے پاک رکھو۔ رشوت خور افسروں، بے ایمان تاجروں، صنعت کاروں اور مزدوروں کو سوچنا چاہیئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ حرام کی کمائی سے پلا ہوا جسم جنت میں داخل نہ ہوگا۔ غرض حضرت شعیبؑ کی قوم کی تاجرانہ بددیانتی کا ذکر فرما کر اُن کی نافرمانی کے نتیجہ میں عذاب سے دوچار کر کے ہمیں یہ نصیحت دی گئی بلکہ اس قسم کا حکم دے کر اس انجام سے خبردار کیا ہے۔ اسلامی تعلیمات، قرآنی ہدایات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس دور کے مسلمان تاجر اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد حضورؐ نے مہاجرین مکہ اور مدینہ کے مقامی مسلمانوں کے درمیان برادرانہ رشتے قائم فرمائے تھے۔ ان رشتوں میں سے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ بھائی بنائے گئے۔ انہوں نے اپنا نصف مال حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو پیش فرمایا۔ حضرت سعدؓ تمام انصار میں زیادہ مالدار تھے، مگر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اُن کی پیشکش پر شکریے اور مال میں مزید برکتوں کی دعا کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے بازار کی رہنمائی طلب فرمائی۔ چنانچہ وہ انہیں قینقاع کے بازار میں لے گئے اور تاجروں سے تعارف کرایا۔ انہوں نے اس بازار میں گھی اور پنیر کی فروخت کا معمولی کام شروع کیا۔ بیوپار تھوڑا تھا، مگر سچائی اور دیانتداری کی وجہ سے اتنی برکت ہوئی کہ وہ مدینہ کے بہت بڑے تاجر بن گئے۔ کروڑوں تک کاروبار پھیلا۔ تجارت میں اتنی ترقی کے باوجود وہ آج کے عیاش سرمایہ دار، صنعت کار اور بڑے ڈیلر نہ تھے۔ جہاد میں شریک ہوتے تو مرنے میں پیش پیش رہتے۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر آتے تو ایک ایک دن میں تیس تیس غلام آزاد کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کو اپنی جائیداد فروخت کی تو اُس کی تمام رقم راہِ خدا میں دے دی۔ سورۂ برأت کے نازل ہونے پر حضورؐ نے صدقہ کی اپیل فرمائی تو اپنا نصف مال صدقہ میں دے دیا۔ اسد الغابہ میں ہے ایک دفعہ جہاد میں پانچسو گھوڑے، پانچسو اونٹ پیش کیے۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جہاد کے اخراجات کے لئے چالیس ہزار درہم دیئے تھے۔ خدا کی راہ میں اتنی فیاضی کے باوجود ڈرتے کہ کہیں دولت کی فراوانی اپنے ساتھ اخلاقی برائیاں اور خدا کی نافرمانیاں لے کر نہ آ جائے۔ حضرت اُم سلمہؓ سے فرمایا۔ اُم المومنینؓ مجھے ڈر ہے کہیں مال کی کثرت مجھے تباہ نہ کر دے۔ اُنہوں نے فرمایا۔ بیٹا خدا کی راہ میں خرچ کیا کرو۔

واقعات وامثال

۱۔ ایک دفعہ مدینہ میں اُن کا تجارتی قافلہ آیا۔ سات سو اونٹ تجارتی سامان سے لدے ہوئے تھے۔ مدینہ میں دھوم مچ گئی۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا۔ میں نے حضورؐ سے

Marfat.com

سُنا ہے کہ عبدالرحمن رضؓ رینگتے ہوئے جنت میں جائیں گے۔ کسی نے اُم المؤمنینؓ کی یہ بات آپ کو بتا دی۔ یہ دوڑتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور فرمایا۔ آپ گواہ رہیں کہ یہ پورا تجارتی قافلہ، تجارتی سامان، اُونٹوں اور اُن کے پالانوں سمیت خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔ اُنہوں نے نہ غلہ روک کر مہنگا کیا، نہ طلب پیدا کر کے زیادہ سے زیادہ منافع کمایا۔ ان کی اس ساری تجارتی ترقی کا راز کم سے کم منافع لے کر زیادہ سے زیادہ مال فروخت کرنا ہوتا تھا۔ پنیر سے کاروبار کا آغاز کرنے والے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس تمام ترقی اور تجارتی وسعت اُن کی سچائی، دیانتداری اور کم سے کم منافع کے علاوہ خدا کی راہ میں بے تحاشا اور بے حساب خرچ کرنے کا نتیجہ تھی۔

۲ - حضرت فضیل بن عیاضؓ کے صاحبزادے تجارت کرتے تھے۔ اس زمانہ میں شاہی سکّہ تول کر دیا اور لیا جاتا تھا۔ ایک دن باپ نے دیکھا کہ بیٹا سکّوں کو تولنے سے پہلے صاف کر رہا ہے تاکہ ان پر جمی ہوئی میل دُور ہو جائے اور اُن کا اپنا وزن درست ہو جائے۔ باپ نے یہ دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا۔ بیٹا وزن کا اتنا خیال رکھ کر تم نے دو حج اور دو عمروں کا ثواب کمایا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی چیز تولو تو جھکتی ہوئی تولو۔

۳ - ہمارے گھروں میں بھی اُدھار اور ناپ تول کا سلسلہ ہوتا ہے۔ پڑوسی اُدھار آٹا، غلّہ لے جاتے ہیں اور ضرورت کی چیزیں بھی برتنوں کے پیالوں میں دی جاتی ہیں۔ خیال رکھا جائے کہ وہاں بھی یہی ٹھیک ٹھیک وزن اور پیمانے کا اصول قائم ہو۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت نماز گزار اور وظیفہ خواں عورت کے پیمانے مشہور ہیں۔ اُس نے دینے والے باٹ کا نام استغفراللہ رکھا ہوا تھا اور وصول کرنے والے دوسرے باٹ کو وہ لاحول ولا قوّۃ کہتی تھی۔ گھر کی خادمہ کو علم تھا کہ استغفراللہ کا وزن کم ہے اور لاحول ولا قوّۃ کا وزن زیادہ ہے۔ چنانچہ کسی کو اُدھار کچھ دینا ہوتا تو جن بی بی تسبیح گھماتے ہوئے زور سے کہتی استغفراللہ۔ خادمہ سمجھ جاتی چیز اُدھار دینی ہے اور کم وزن والے باٹ استغفراللہ سے تولتی۔ جب اُدھار یا غلّہ واپس لینا ہوتا تو جن مالکہ تسبیح پر ورد کرتے ہوئے زور سے لاحول ولا قوّۃ کہتیں تو خادمہ زیادہ وزن والا باٹ، جس کا نام لاحول ولا قوۃ رکھا تھا، استعمال میں لاتی۔ دیکھیے تسبیح اور اوراد کے پردے میں نیکوکاری کی دھاک بھی بٹھا دیتی اور حرام خوری اور بددیانتی بھی کر دیتی۔

۴ - گذشتہ صفحات میں حضرت یونس بن عبیدؒ کا ذکر ہوا ہے۔ جب آسمان پر بادل چھا جاتے، اندھیرا ہو جاتا تو دکان بند کر دیتے اور فرماتے دکان میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے گاہک کو مال کا عیب معلوم نہ ہوگا۔ وہ چادروں اور اوڑھنیوں کی فروخت کرتے تھے۔ حکم ہے کہ گاہک کو مال کا عیب بتا کر نہ بیچا جائے تو دھوکہ ہوگا اور اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔ اس سلسلہ میں ابن حریبؒ اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے مجھے کپڑا بیچنے کے لیے دیا، جسے میں پھیری کے ذریعہ بیچا کرتا تھا۔ ایک دن میں کپڑا فروخت کر کے شام کو گھر آیا اور اس دن کی رقم والد صاحب کو دے دی تو آپ نے پوچھا۔ فلاں کپڑے کا عیب گاہک کو بتا یا تھا یا نہیں۔ میں نے والد صاحب سے کہا کہ مجھے تو ایسا کرنا یاد نہ رہا۔ والد صاحب نے خریدار کا حلیہ اور مقام دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ وہ کوئی مسافر تھا۔ البتہ گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ عراق یا فارس کا ہے۔ والد صاحب سخت بگڑے اور کہا۔ چلو میرے ساتھ تاکہ تلاش کریں۔ ہم پھرتے پھرتے ٹھکانے پر پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ جا چکا

Marfat.com

کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ تیز رفتار گھوڑے لے کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے اور آدھے راستہ پر جا پکڑا، اور کہا تم نے فروخت کردہ کپڑا عیب دار ہے۔ واپس کر دو ورنہ زائد قیمت لے لو۔ گاہک کپڑا ابھی دیکھتا اور تاجر کو بھی خریدار نے پوچھا میری دی ہوئی قیمت تمہارے پاس ہے؟ والد صاحب نے جیب سے رقم نکال کر اسے دی تو گاہک نے اسے پھینک کر اتنے ہی دینار اور دیئے۔ تاجر نے کہا۔ یہ کیا کیا۔ وہ بولا۔ یہ نئی رقم تمہارے کپڑے کی قیمت ہے۔ مجھے اسی قیمت پر یہ کپڑا منظور ہے۔ پہلی رقم جو دی تھی وہ کھوٹی تھی۔ اس لئے واپس لے کر پھینک دی۔ میں مسلمان نہیں ہوں، مگر جب تم نے اتنی دیانتداری کا مظاہرہ کیا، میرے پیچھے دوڑ کر آئے تو میرا ضمیر بھی جاگ گیا کہ ایسے شخص سے دھوکہ کرنا نامناسب اور ناروا ہے۔

حرف آخر

اسلام کے تجارتی اصولوں پر کاربند لوگوں کا یہ کردار اور ان کی مثالیں پڑھ کر اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں اعلیٰ روایات و اقدار اور ایسی شاندار مثالیں پیش کی ہیں، وہاں تجارت میں بھی کتنے دیانتدار کردار کے لوگ پیدا کئے۔ یہ فرضی قصّے نہیں، اس دور میں ایسے کردار زندگی کے تمام شعبوں میں پائے جاتے تھے اور ان کے اسی مومنانہ طرز عمل اور دیانتدارانہ سلوک کا نتیجہ تھا کہ اسلام جزیرۂ عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز گوشوں تک پھیلا۔ ان کے کردار کی سچائی نے اسلام کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ آج بھی بحیثیت مجموعی نہ سہی ایسے کردار موجود ہیں، جب ان سے واسطہ پیش آتا ہے تو تعجّب ہوتا ہے کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

Marfat.com

تیسرا باب

قرآن کریم

کے

پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

پروفیسر قاضی حلیم فضلی

شیر گڑھ۔ مانسہرہ۔ (ہزارہ)

تیسرا باب

انسان کے تمدنی اور سماجی اوصاف

تقاریرِ جمعہ کے موضوعات

نمبر شمار	موضوع	صفحات
۱	والدین کے حقوق	۲۶۷
۲	ازدواجی حقوق	۲۷۹
۳	اولاد کے تربیتی حقوق	۲۹۵
۴	پڑوسی کے حقوق	۳۰۷
۵	مزدوروں کے حقوق	۳۱۷
۶	مہمان اور میزبان کے حقوق	۳۲۵
۷	حاجتمندوں اور معذوروں کے حقوق	۳۳۵
۸	مریض اور میت کے حقوق	۳۴۵
۹	جانوروں کے حقوق	۳۵۵

Marfat.com

والدین کے حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ	سورۂ بنی اسرائیل ۔ معاشرتی استحکام کی بنیاد مغربی سوسائٹی کا موازنہ ۔ والدین کی خدمت خدائی فرمان بھی ہے اور گھریلو استحکام بھی ۔
۲	دوسری آیات	سورۂ لقمان ۔ سورۃ احقاف کی روشنی میں اولاد کا رویّہ ۔ کونسا رویّہ اختیار کیا جائے ، شرافت کا یا کمینگی اور رذالت کا ۔
۳	ارشاداتِ رسول ؐ	والدہ کی ذمہ داریاں ، تہری ذمہ داری اور تین فضیلت کے درجے ۔ والدین کی وفات کے بعد حقوق اہم
۴	واقعات و امثال	کا سلوک دیکھ کر پچھتانے کا خیال ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ کا احترام ۔ حضرت کہمش بن حسنؒ کا والدہ سے سلوک حضرت مسعر بن کدامؒ کی مثال
	قابلِ غور بات	جس اولاد کے احترام کا ذکر ہے اُن کے والدین کیسے تھے ۔ آپ ابراہیمؑ جیسا فیضانِ نظر پیدا کریں تو اولاد میں بھی حضرت اسمٰعیلؑ جیسے آدابِ فرزندی پیدا ہوں گے ۔

Marfat.com

والدین کے حقوق

آیت معہ ترجمہ

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىْ صَغِيْرًا ۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِىْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۲۳ تا ۲۵)

تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر اُس کی یعنی اللہ کی۔ والدین سے نیک سلوک کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو چکے ہوں تو اُنہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان کے ساتھ احترام سے بات کرو، نرمی اور رحمدلی کے ساتھ اُن کے سامنے جھکے رہو اور دعا کیا کرو کہ اے پروردگار، ان پر ۔ ہمارے والدین پر ۔ رحم فرما، جس طرح انہوں نے رحمت اور شفقت کے ساتھ ہمیں پالا ہے۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے، اگر تم صالح بن کر رہو تو خدا ایسے سب لوگوں سے درگذر کرنے والا ہے جو خود کو قصور وار جان کر بندگی کی طرف پلٹ آئیں۔

تفسیر و تشریح

زندگی کے نظام کی عمارت کو مضبوط اور مستحکم رکھنے اور اسلام کے احکامات کی طرف بلانے میں پہلا اصول یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کی عمارت کن اصولوں اور اخلاقی رویوں پر رکھی جائے۔ ان میں خدا کی بندگی اور اطاعت کے بعد مقدم حق والدین کی اطاعت کا ہے کہ انسان والدین کا مطیع و فرمانبردار ہو۔ ان کا خدمت گزار اور سعادت شعار ہو۔ اُن کی تابعداری سے بے نیاز نہ ہو بلکہ احسان مند ہو، قلبی احترام اور عقیدت رکھے۔ ان کے بڑھاپے میں ان کی ایسی ہی خدمت کرے جس طرح اس کے قرار حمل سے لے کر سنِ شعور تک اُنہوں نے اس کے ناز اُٹھائے ہیں۔

یورپ کی موجودہ تہذیب و تمدن کو جیسے ہمارے ہاں ذہنی غلامی اور فکری مرعوبیت کے تحت شائستگی اور اعلیٰ اخلاقی حیثیت دی جاتی ہے۔ وہاں اولاد ڈھور ڈنگروں کی طرح بڑی ہو کر پرورش پاتی ہے تو اس کے بعد وہاں اپنی زندگی کے تمام معاملات میں، خواہ خاوند و بیوی کا انتخاب ہو، یا دوستی کے مراسم ہوں، والدین کی مداخلت اور مرضی یا رائے کو اہمیت نہیں دی جاتی اور کہا جاتا ہے کہ معاملات ہمارے ذاتی اور نجی ہیں۔

والدین بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اُٹھا کر کیئر ہاؤس ۔ بوڑھوں کے مسکن میں ڈال دیا جاتا ہے جیسے گھر میں ناکارہ ناقابلِ استعمال اشیاء کو کباڑ خانے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ والدین پھر اولاد کی خوشیوں اور مسرتوں میں، ان کی کمائی، ان کے بود و ماند اور دوسرے معاملات میں شریک ہونے کا حق نہیں رکھتے اور نہ اولاد ایسا کوئی حق انہیں دینے پر آمادہ ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ کرسمس یا

Marfat.com

دوسرے تہواروں میں انہیں یاد فرمائی کا ایک کارڈ بھیج دیا جاتا ہے۔ مرجائیں تو ان کے کفن دفن اور تجہیز و تکفین کا ٹھیکہ کسی ایجنسی کو دے دیا جاتا ہے یا حکومت ہی یہ انتظام کرلیتی ہے یا سوشل ادارے یا نیم سرکاری کارپوریشنیں آخری رسومات ادا کرتی ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا[1]

یہی وجہ ہے کہ ان مغربی مہذب ممالک کا تہذیبی اور معاشرتی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکا ہے اور وہاں جو لوگ ہمارے ہاں سے روزی کمانے کے لئے مسلمان گئے ہوئے ہیں وہ بھی اس رنگ اور اس معاشرت میں ایسے رنگے گئے ہیں کہ ان کی اولاد بچیاں اور بچے قطع نظر مذہب کے امتیاز اور فرق کے باہم دوستیاں گانٹھنے اور رشتے طے کرنے میں آزاد ہو جاتے ہیں، کیونکہ ان کے ذاتی معاملات ہیں جن میں والدین کی مداخلت قانوناً رسماً اور رواجاً جائز نہیں ہے۔

وہاں کی انسانی سوسائٹی، دوسرے لفظوں میں انسان نما جانوروں کی سوسائٹی ہے، جیسے گائے بھینسوں، کتوں، بکریوں کے بچے ہیں جو والدین کے دودھ پہ پلنے کی حد تک ان کی اولاد کہلاتی ہے بس۔ پھر عام شہریوں کے سمندر میں وہ بھی گم ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ہمارے جانور، جانوروں کے ہجوم میں مل جاتے ہیں اور والدین سے کوئی سماجی معاشرتی رشتہ برقرار نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ خونی، نسلی اور نسب کے رشتوں کو برقرار اور یاد رکھا جائے: ہماری دینی خاندانی اور نسلی بنیادوں کے ساتھ ہماری گہری وابستگی کی بنیاد پر انہوں نے ہمارے لئے "بنیاد پرست" کی اصطلاح گھڑی ہے، کیونکہ ان کی خاندانی بنیادوں کا خود کوئی سراغ نہیں ملتا۔

وہاں معاشرتی اقدار اور سماجی روابط کا کوئی تصور ہی نہیں گویا ۔ کسے رلبا کسے کار سے نباشد۔ جنسی اختلاط جانوروں کی طرح سرِ عام ہے اور اس کے نتیجہ میں ناجائز اولاد۔ ولدالحرام اور ولدالزنا لوگ سوسائٹی میں کثرت سے موجود ہیں۔ اکثریت کو اپنے والدین سے روشناسی ہوتی ہی نہیں تو والدین کے حقوق کا تصور اور ذکر کیا معنیٰ رکھتا ہے۔

برخلاف اس کے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو خدا کی بندگی کے متصل بعد والدین کی اطاعت و تابعداری کا حکم دیا۔ شرعی حقوق اور اختیارات مقرر فرمائے اور اُن کے باہمی تعلق کو باقاعدہ ادارے کی حیثیت دی۔ جسے محفوظ و مضبوط رکھنا اسلامی ریاست اور اسلامی سوسائٹی کا اوّلین فرض ہے۔

اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ لوگو! تمہارے ربّ کا قطعی حکم ہے کہ صرف اسی ربّ کی اطاعت اور بندگی کرو۔ پھر ماں باپ سے اچھا برتاؤ کرو، ان کی خدمت کرو۔ بڑھاپے میں انسان اپنے ضعف کی وجہ سے خدمت کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ مزاج میں چڑچڑاپن آجاتا ہے، اُسے اپنی بیکاری کا احساس ہوتا ہے کہ وہ جس گھر اور خاندان کا کبھی مؤثر اور فعال فرد رہا تھا آج عضوِ معطّل ہو کر رہ گیا ہے۔ گھریلو معاملات اور خاندانی اُمور میں مؤثر کردار ادا نہیں کرسکتا اور نہ خاندانی معاملات کو جدید تقاضوں اور بدلتے ہوئے معاشرتی دھاروں کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اولاد اکثر اوقات اُن کے چڑچڑے پن، ذہنی پسماندگی اور جسمانی کمزوری کے باعث انہیں یا تو سرے سے نظر انداز کردیتی ہے یا انہیں خود پہ بوجھ سمجھنے لگتی ہے۔

اس لئے والدین کی یہ عمر اور یہ حالت اولاد کے لئے ایک کڑی آزمائش اور سخت امتحان کی عمر ہوتی ہے جس میں نہایت صبر و تحمّل

---

[1] یہ جملہ جیسے بولا جاتا ہے اسی طرح لکھا ہے ورنہ سلا کی بجائے صلاح لکھنا چاہیئے

Marfat.com

اور قوتِ برداشت کے بغیر گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ انسانی نفسیات اور طبعی تقاضوں سے بخوبی واقف خداوند کریم نے اسی لئے
ایسی عمر میں یہ تاکید فرمائی ہے کہ ایسے وقت میں والدین کی خدمت گزاری، تابعداری اور فرمانبرداری کی ضرورت ہے۔ ان کے
احترام اور اطاعت شعاری پر زور دیا ہے کہ اگر تمہارے والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں اس عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اپنی
طرف سے کسی قسم کی محرومی کے احساس سے دوچار نہ کیا جائے۔ اُن کی کسی بات کو ناگوار سمجھ کر اُف تک نہ کہا جائے اور نہ انہیں جھڑکا
جائے جس سے غصّے اور بے ادبی یا گستاخی کا اظہار ہوتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اُن کے لئے رحم کی دعا مانگی جائے کہ جس طرح انہوں
نے نہایت صبر و تحمّل اور رحمت و شفقت سے تمہاری شفقت فرمائی ہے اُن پر ایسا ہی رحم فرمایا جائے۔

اولاد کا یہ انداز اور روّیہ دکھاوے اور نمائش کا نہ ہو بلکہ دلی احترام اور قلبی عقیدت کا مظہر ہو۔ اسی لئے اس آیت میں
فرمایا ہے کہ خداوند تعالیٰ تمہارے دل کی بات کو جانتا ہے، اگر تم واقعی نیکوکار اور صالح بن کر والدین کے حقوق ادا کرتے رہے تو
خداوند تعالیٰ تمہارے دوسرے گناہوں سے درگذر فرمائے گا، اگر ایسی کوئی بے ادبی اور کوتاہی اُن کے حق میں ہو گئی ہو تو اپنے اس
روّیہ سے پلٹ آؤ۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔

والدین کی خدمت اور اطاعت کے سلسلہ میں سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ۔ وَاِنْ جَاهَدٰكَ
عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ
مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کی نصیحت کی ہے۔ اس کی ماں ضعف پر ضعف اُٹھا کر اُسے
پیٹ میں اُٹھائے رکھتی ہے۔ دو سال دودھ پلانے میں لگاتی ہے۔ اسی لئے اسے وصیّت کی گئی کہ وہ میرا شکر ادا کرے اور اپنے
والدین کا شکر گزار رہے۔ انسانو! یاد رکھو تم نے میری طرف لوٹنا ہے، اگر تمہارے والدین تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی
کو شریک کرو، کسی دوسرے کو خدا مانو اور ربّ جانو، جس کے متعلق تمہیں علم نہ ہو تو تم ہرگز ان کی بات نہ مانو۔ دنیا میں اُن کے
ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہو، مگر پیروی صرف اس شخص۔ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی کرو۔ جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔
تم نے میری طرف لوٹنا ہے جب وہاں تمہیں تمہارے اعمال سے خبردار کر دیا جائے گا۔

سورۂ لقمان کی یہ آیات جو سرزمین عرب کے مشہور دانا و حکیم کی زبانی اپنے بیٹے کو نصیحت کے انداز میں خداوند تعالیٰ
نے قرآن کریم میں بیان فرما کر ایمان والوں کو بالواسطہ حکم دیا ہے۔ کیونکہ مکّہ کے قریش حضورؐ کی بعثت کے زمانہ میں اپنی اولاد
کو بتوں کی پرستش پر مجبور کرتے تھے اور حضورؐ کی دعوت توحید سے منع کرتے تھے۔ یہ چیز اُن کی اولاد کے حق میں بدخواہی تھی۔
بحیثیت والدین اُن کا احترام بجا اور تسلیم کہ والدہ بچے کا بوجھ اُٹھاتی ہے۔ اس تکلیف اور مشقت کو برداشت کرتی ہے۔ دو سالوں
تک دُودھ پلا کر اُس کی پرورش کرتی ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں اس قدر محنت و مشقت کے اعتبار سے وہ اس کے مستحق ہیں
کہ تم میری تخلیقی مہربانی اور والدہ کی محنت کے باعث میرے اور والدہ کے شکر گزار بنو، لیکن اگر وہ تمہیں میرے ساتھ کسی کو شریک
ٹھہرانے کا راستہ اختیار کرنے میں کہیں تو اُن کی بات نہ مانی جائے اور اس سلسلہ میں تمہارے اور والدین کے راستے جدا بھی

Marfat.com

بھی ہو جائیں تو بھی دنیاوی معاملات اور سماجی تعلقات اور معاشرتی روابط کے حقوق کی ادائیگی میں ان سے بہتر سلوک کرو۔ دینی و مذہبی معاملوں میں پیروی صرف میری اور میرے فرستادہ رسولؐ کی کرو جو میری طرف لوٹنے اور مڑنے کا راستہ ہے اور میری طرف لوٹو گے تو تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دی جائے گی۔

اس آیت میں فَصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ کے الفاظ سے اسلامی قوانین کے ماہرین امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام یوسفؒ اور امام محمدؒ نے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ بچے کے دودھ پینے کا عرصہ دو سال کا ہے۔ اس عرصہ میں اگر کسی بچے نے ماں کے دودھ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پی لیا تو حرمتِ رضاعت تسلیم ہوگی، یعنی وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں، دودھ پلانے والی ماں تسلیم ہوگی اور اگر اس دو سال کے عرصہ کے بعد کوئی دوسری عورت اسے دودھ پلائے گی تو دودھ کا رشتہ تسلیم نہ کیا جائے گا جس کے نتیجہ میں دودھ پلانے کی وجہ سے جو رشتے حرام ہوتے تھے حرام نہ ہوں گے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہؒ نے مزید احتیاط کی خاطر ڈھائی سال کا عرصہ رضاعت۔ دودھ پلانے کا عرصہ مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ دو سال سے کم عرصہ میں کسی ماں نے بچے کو دودھ پلانے سے روک دیا ہے اور وہ بچہ اپنی غذا میں ماں کے دودھ کا محتاج نہ ہو تو اس حالت میں ماں کے علاوہ کوئی عورت اسے دودھ پلا دے تو وہ دودھ کی ماں تسلیم نہ کی جائے گی۔

سورۂ لقمان کی مندرجہ آیات سے ملتی جلتی آیات سورہ احقاف میں بھی والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ جن کے پہلے اور آخری الفاظ لکھ کر پوری آیات سے گریز کرتے ہیں البتہ ترجمہ پورا لکھا جا رہا ہے۔ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا ——— كَانُوا يُوعَدُونَ ——— وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَكُمَا ——— إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ۔

ہم نے انسان کو ہدایت کی وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کریں، کیونکہ ماں نے اُسے پیٹ میں اُٹھانے کی مشقت برداشت کی اور جنم دینے کی مشقت اُٹھائی۔ اس کے حمل سے لے کر دودھ چھڑانے تک تیس ماہ لگے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا اور اُس نے کہا کہ میرے ربّ اب مجھے طاقت دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تُو نے مجھے عنایت فرمائی ہیں اور میرے والدین پر کیں اور مجھے طاقت دے کہ میں نیک عمل کروں جن سے تُو راضی ہو جائے۔ میری اولاد کو بھی نیک بنا دے جو مجھے سُکھ دے۔ میں توبہ کرتا ہوں اور تیرے تابع فرمان بندوں میں سے ہوں۔ ایسے لوگوں سے ہم اُن کے بہترین اعمال قبول کرتے ہیں، اُن کی برائیوں سے درگذر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جنت کے حقداروں میں شامل ہیں۔ خدا کے اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جس نے والدین سے کہا "اُف تم نے مجھے تنگ کر دیا۔ اور یہ کہ تم۔ والدین۔ مجھے خوف دلاتے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے نکالا جاؤں گا۔ زندہ کیا جاؤں گا۔ اور تمہارے ساتھ بدسلوکی کی سزا پاؤں گا۔ مجھ سے بہت پہلے نسلیں گزر چکی ہیں۔ وہ قبروں سے اُٹھ کر واپس نہیں آئیں گی"۔ ایسی باتیں کرنے والی اولاد کو ماں باپ دہائی دے کر کہیں گے "اے بدنصیب یہ جان لے خدا کا وعدہ سچا ہے"۔ مگر اولاد کہے گی "یہ سب اگلے وقتوں کی باتیں ہیں"۔ یہی وہ اولاد ہوگی جن پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

Marfat.com

اس قسم کی اولاد اس گروہ میں شامل ہوگی جو اس سے پہلے جنّوں اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں۔ اس قسم کا طرزِ عمل رکھنے والی اولاد گھاٹے اور خسارے والی ہوگی۔

اولاد کے دو گروہ

سورہ احقاف کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کے دونوں رویّے بیان فرما دیئے کہ نیک اور صالح اولاد کا رویّہ والدین سے کیسا ہوتا ہے اور نافرمان اولاد کیا طرزِ عمل اور اندازِ گفتگو اختیار کرتی ہے۔ پہلی قسم کی اولاد ماں کے تکلیف دہ عرصۂ حمل، پیدائش کے مرحلے اور پرورش کی صبر آزما محنت کے بعد جب طاقتور ہوتی ہے تو اس جوانی کے گھمنڈ اور طاقت کے غرور میں آنے کی بجائے اُسے والدین کی خدمت میں صرف کرنے، آرام پہنچانے اور انہیں سُکھ دینے میں لگا دیتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ خدمت اور توفیق کی دعائیں مانگتی ہے۔ نیک عمل کی توفیق چاہتی ہے۔ ایسا عمل جس سے خدا راضی ہو جو خدا کے قانون کے مطابق ہو۔ یعنی حلال کے ذریعہ کمائی ہوئی دولت پر والدین کو سکھ و آرام دینا۔ حلال کی کمائی سے انہیں حج کرانا۔ آرام دہ مکان میں رکھنا آسائش مہیا کرنا۔ یہ سب بظاہر خدمت گزاری اور تابعداری کی صورتیں ہیں، لیکن یہی صورتیں حرام کی کمائی، رشوت، غبن، دھوکے فریب، بددیانتی اور خیانت کاری کے ذریعہ حاصل کردہ دولت سے بہم پہنچائی جائیں تو نیک اعمال میں شمار نہ ہوں گی۔ ان اعمل صالحًا ترضٰہُ کے الفاظ میں یہی نکتۂ حکمت مضمر ہے کہ ایسا نیک عمل جو تمہیں پسند ہو۔ تیرا مقبول عمل ظاہر ہے حرام کی کمائی والا عمل نہ ہوگا، خواہ اس کمائی سے کتنے ہی اچھے کام کئے جائیں۔ صدقات، خیرات، مسجدوں کی تعمیر، حج اور عمرہ وغیرہ۔

والدین کے حق میں فرمانبردار اور نیک اولاد اپنے اور والدین کے لئے ہی دعا نہیں مانگتی بلکہ اپنی اولاد کے لئے نیک اور صالح ہونے کی دعا مانگتی رہتی ہے۔ وہ اپنی کوتاہیوں اور والدین کے حق میں ہونے والی غیر شعوری یا شعوری غفلتوں یا زیادتیوں پہ توبہ کرتے ہیں۔ اس قسم کا کردار اور رویّہ رکھنے والی اولاد کے بارہ میں خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں ایسی خوش نصیب اولاد کے نیک اعمال قبول کرلئے جاتے ہیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی برائیوں کو ان کی شکرگزاری اور والدین کی اطاعت شعاری کے باعث معاف کر دیا جاتا ہے اور انہیں اہلِ جنت میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ جیساکہ ایسے کردار کے افراد سے خدا نے وعدہ کیا ہوتا ہے۔

اولاد کا دوسرا گروہ

مگر اولاد کا دوسرا گروہ بھی ہے جو ہمارے آس پاس معاشرے میں موجود ہے اور جس کی تصویر کشی قرآن کریم کی ان آیات میں کی گئی ہے۔ ان کا اندازِ گفتگو والدین سے یوں ہوتا ہے۔ اُف میں تم سے تنگ آگیا ہوں۔ ہر وقت بے ادبی وگستاخی سے پیش آتے ہیں، اگر والدین انہیں خدا کا خوف دلائیں اور عذابِ الٰہی سے ڈرائیں تو کہتے ہیں۔ میں تمہاری ان دھمکیوں سے نہیں ڈرتا کہ قیامت کے دن قبر سے اٹھایا جا کر تمہاری نافرمانی کی سزا بھگتوں گا۔ میں اس نظریے کو سرے سے مانتا ہی نہیں۔ مرنے کے بعد وہاں سے کون واپس ہے جو اس نظریے کی تصدیق کرے۔ مجھ سے پہلے کئی نسلیں گزر چکی ہیں اُن میں سے کوئی بھی تو واپس نہیں آیا۔

والدین کی مربیّانہ اور مشفقانہ نفسیات اور مزاج اس کی اس کافرانہ گفتگو کو سن کر کانپ جاتے ہیں اور دہائی دیتے ہیں کہ اے بدنصیب خدا کے غضب سے ڈرو، خدا کے عذاب کا وعدہ سچا ہے، مان جا کہ خدا کا عذاب آکر رہے گا، مگر وہ یہی کہے گا کہ یہ اگلے وقتوں کی فرسودہ کہانیاں ہیں، جن کا اس جدید سائنسی اور ترقی یافتہ نظریات و افکار سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تنگ نظر، بنیاد پرست اور رجعت پسند مولویوں کی باتیں ہیں۔ چنانچہ اس قسم کے رویّے، کردار اور خیالات کے روشن دماغ اور آزاد خیال اولاد کے متعلق خداوند تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ ان کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اولاد کی یہ جدید پولرٹی فارمی نسل، دنیا اور آخرت دونوں میں خسارے اور گھاٹے میں رہے گی۔

کونسا رویہ اختیار کریں ان آیات میں والدین کے ساتھ اولاد کے ان دو رویّوں میں ہمارے لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کردار کی ان دو صورتوں میں سے کسے اختیار کرتے ہیں اور اپنے لئے کونسی صورت پسند کرتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے کردار دنیا کے ہر دور میں، ہر زمانے میں اور ہر ملک میں موجود ہیں۔ ہماری بستیوں میں، ہمارے محلوں میں، ہمارے خاندانوں اور گھروں میں، ہم انہیں نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور ان کی باتیں کانوں سے سنتے ہیں بلکہ خود اپنے ساتھ یہ سلوک ہوتا دیکھتے اور خود کرتے بھی ہیں۔ قرآن کریم نے ہمارے معاشرے کے ان کرداروں کو ہمارے سامنے پیش کر کے مخاطب کیا ہے کہ خدا کے حق کی ادائیگی کے بعد تم پر والدین کی اطاعت و تابعداری کا حق ہے۔ خدا کے شکرگزار بندوں اور والدین کی خدمت گزار اولاد کے لیے جنت کا سچا وعدہ بھی ہے اور ان کی چھوٹی موٹی خطاؤں سے درگزر کرنے کی خوشخبری بھی ہے۔ اس کے برعکس خدا کی نافرمانی اور والدین کے حق میں گستاخی، بے ادبی اور بے پرواہی کی سزا خدا کا عذاب اور دوزخ کی آگ ہے۔ سوچیے، غور کیجیے اور فیصلہ فرمائیے کہ کونسا رویّہ اختیار کرنا ہے۔ شرافت یا کمینگی اور رذالت کا؟

حضورؐ کے ارشادات

ماں کی تہری ذمہ داری ان آیات میں ماں کے حق کو اُس کی تین ذمہ داریوں کی وجہ سے برتر اور فائق رکھا گیا ہے۔ ایک استقرار حمل کے بعد اسے پیٹ میں اُٹھانا۔ دوسرا انتہائی تکلیف دہ صورت میں اسے جنم دینا اور تیسرا اُس کی پرورش کا صبر آزما اور محنت طلب عرصہ۔ حتیٰ کہ وہ بچہ طاقتور ہو جاتا ہے۔ ان سہ گونہ ذمہ داریوں کی وجہ سے ایک مرتبہ حضورؐ سے کسی نے پوچھا کہ مجھ پر والدین میں سے کس کا حق زیادہ ہے؟ تو حضورؐ نے جواب میں فرمایا۔ ماں کا۔ پوچھنے والے نے پھر پوچھا۔ اس کے بعد۔ سرورِ کائنات نے پھر فرمایا۔ ماں کا۔ تیسری مرتبہ پھر پوچھا کہ اس کے بعد۔ حضورؐ نے پھر ماں کا کہا۔ چوتھی مرتبہ پھر یہی سوال کیا تو حضورؐ فرمایا۔ باپ کا۔ تین بار جواب میں ماں کا فرما کر حضورؐ نے ماں کی ان تین ذمہ داریوں کو پیش نظر رکھا۔

ماں کا درجہ فضیلت ۲۔ حضرت ابی امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا۔ حضورؐ اولاد پر ماں باپ کتنا حق ہے تو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ھما جنتک و نارک دونوں تمہارے لیے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی ہیں۔ فرمانبرداری کا رویّہ اختیار کرو گے تو جنت ہیں، نافرمانی کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے دریافت کیا۔ حضورؐ والدین میں سے اچھے سلوک کا مستحق میرے لیے کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہاری ماں، تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، تین دفعہ ماں کے حق کی تاکید فرما کر پھر فرمایا۔ تمہارا باپ۔ پھر رشتہ دار اور قریبی رشتہ داروں کا حق ہے۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں۔ قال امّک، ثم امّک، ثم امّک۔ ثم اباک

Marfat.com

ثم اذنك - فاذنك -

۴ - انہی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذلیل ہؤا، رسوا ہؤا وہ آدمی۔ پوچھا گیا۔ حضرت کون؟ فرمایا۔ وہ بدنصیب جو ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پائے پھر ان کی خدمت نہ کرے۔ اور جنت سے محروم ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

۵ - انہی سے روایت ہے کہ جہاد میں شریک ہونے کی خواہش رکھنے والے ایک شخص نے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تو حضورؐ نے فرمایا تمہارے والدین زندہ ہیں، ان کی خدمت و آرام پہنچانے میں جہاد کرو۔ دوسری احادیث میں بھی والدین کی خدمت کو جہاد پر ترجیح دی بالخصوص ایسے بیٹے کو جو والدین کا اکلوتا ہو اُس کے لئے جہاد سے زیادہ والدین کی خدمت افضل ہے۔

۶ - حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا۔ مجھ سے بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ کہا نہیں۔ پھر دریافت فرمایا۔ کیا خالہ زندہ ہے؟ کہا۔ زندہ ہے تو فرمایا۔ اس کی خدمت کرو۔ اس سے اچھا سلوک کرو، توبہ قبول ہوگی۔

والدین کی وفات کے بعد

۱ - کسی شخص نے پوچھا۔ حضرتؐ میرے والدین وفات پا چکے ہیں، اُن کے مجھ پر کیا حقوق ہیں؟ فرمایا۔ اُن کی بخشش کی دعا مانگا کرو ان کے لئے خیر و برکت کی دعا مانگا کرو۔ انہوں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو تو اُسے پورا کرو۔ ان کے تعلقات اور رشتوں کا لحاظ رکھا کرو۔ والدین کے دوستوں کا احترام کرو۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ جو شخص چاہے کہ قبر میں میرے والدین کو آرام پہنچے اور وہ خوش ہو سکیں تو اسے چاہیئے کہ والدین کے بہن بھائیوں سے اچھا سلوک رکھے۔

۲ - حضرت انسؓ نے فرمایا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص والدین کی زندگی میں ان کی خاطرداری نہ کر سکا یا گستاخی کا مرتکب ہؤا ہو یا نافرمانی کی ہو تو اسے چاہیئے کہ سچے دل سے اُن کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا مانگتا رہے تو اللہ اُسے نافرمانی کے عذاب سے بچالیں گے اور رحمت و مغفرت کی قرآنی دعا یہ ہے۔ ربِّ اغفرلی ولوالدی۔ ربِّ اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین والمؤمنات یوم یقوم الحساب۔ ربِّ ارحمھما کما ربّیٰنی صغیرا۔

۳ - حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ والدین کی تابعداری سے آدمی کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ والدین کی تابعداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری تابعدار ہوگی۔ تم پاکدامن رہو تمہاری عورتیں پاکدامن ہوں گی۔ والدین کی نافرمانی شرک کے برابر ہے اور قتل کے مطابق گناہ کبیرہ ہے۔

امثال و واقعات

کہتے ہیں ایک کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ بچے بوڑھے سب ساتھ رہتے تھے۔ بوڑھوں میں صرف ایک والدہ تھی۔ ماں جو کبھی گھرانے کا نقطۂ آغاز ہوتی ہے۔ بچے کو پال پوس کر بڑا کرتی ہے۔ دولہا بناتی ہے۔ پھولاتی ہے پوتے پوتیوں کو دیکھ کر جیتی ہے، خوش ہوتی ہے، لیکن یہی ماں اپنے سنوارے سجائے اور سینچائے ہوئے باغ سے الگ کر کے ایک گوشے

میں ڈال دی جاتی ہے۔ اس گھرانے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اس خوشحال گھر میں ماں کو نوکروں کے کمرے میں ڈال دیا۔ اس کے کھانے پینے کے لئے لکڑی کا پیالہ الگ کر دیا، کیونکہ چینی کے برتن اس کے ناتواں اور کمزور ہاتھوں سے گر کر ٹوٹنے کا اندیشہ تھا۔ بچے آخر بچے ہوتے ہیں۔ بہو کا بیٹا جب کھیل کود کا ہوا تو دادی کے ساتھ ماں کا سلوک دیکھ کر اس نے بھی لکڑی کا پیالہ بنایا۔ بچے کی ماں نے پوچھا۔ اسے کیا کرو گے؟ تو لڑکے نے معصومیت سے کہا۔ جب تم بھی دادی اماں کی طرح بوڑھی ہو جاؤ گی تو آپ کو الگ کمرے میں اسی پیالے میں کھانا دوں گا۔

ماں نے اپنے لاڈلے بچے کی بات سنی تو ضمیر جاگ اٹھا اور اپنا مستقبل تاریک نظر آیا، شرمندگی نے گھیر لیا اور توبہ کر کے ساس کے ساتھ اپنا رویہ بدل دیا۔ قدرت کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے، جو بونے والا گندم کیسے کاٹ سکتا ہے۔ ہماری گھریلو زندگیوں اور چار دیواری کی دنیا میں ساس اور بہو کے جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ جھگڑے ان گھروں میں زیادہ ہوتے ہیں جہاں بے دینی اور جہالت ہو۔ جو بہو شوہر کی ماں کی حق تلفی کرتی ہے وہ نامراد و ناپسندیدہ ہوتی ہے اور ایسی ساس بھی ناپسندیدہ ہوتی ہے جو اٹھتے بیٹھتے بہو پر طعن و تشنیع کے تیر چلاتی رہتی ہو اور بیٹے کے گھر کو اجاڑنے پر تلی ہوئی ہو، اس کی گھریلو زندگی کے سکون اور آرام کو تباہ کرتی ہو۔

تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ بیٹے کے بچپن سے جوانی تک جو والدین اس کے لئے ایثار و قربانی سے کام لیتے ہیں اس کی نازبرداریاں کرتے ہیں، اس کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اولاد کو بھی چاہیئے کہ وہ ان کے احسان کو یاد رکھے، ان کی زیادتیوں سے درگذر کرے۔ ساس کو آخر تک ماں بن کر رہنا چاہیئے اور بہو کو اس گھر میں بیٹی کا کردار ادا کرنا چاہیئے تو گھر کا سکون برقرار رہے گا، ورنہ ایک نہ ایک دن اگر ساس کا پیالہ جدا ہو گا تو دوسرے دن بہو کا پیالہ بھی جدا ہو گا کہ قدرت کا انصاف یہی ہے۔

۲۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ

ان سے کون واقف نہیں۔ بہت بڑے عالم اور بہت زیادہ پرہیزگار تھے۔ اسلامی قانون کو ترتیب دینے والے تھے۔ آج بھی آدھی دنیا ان کے مرتب کردہ قانون کے مطابق زندگی گزارتی ہے۔ ہزاروں افراد ان کے درس میں شریک ہوتے۔ جدھر نکل جاتے ایک دنیا ان کے احترام میں جھک جاتی۔ ان کی وفات پر گیارہ بارہ سو سال گزر چکے ہیں، مگر اسلامی قوانین میں آج بھی ان کا ڈنکا بجتا ہے۔ ان کی والدہ دین کے معاملے میں وہمی اور شکی تھیں۔ انہیں امام ابو حنیفہؒ جیسے، ایک دنیا کو دین کا راستہ دکھانے والے بیٹے پر اعتبار نہ تھا اور کوفہ کی گلی میں رہنے والے زرقہ پر اعتقاد تھا، جو صرف واعظ تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی والدہ کو جب بھی کسی مسئلے پر کسی عالم کی رائے معلوم کرنا ہوتی تو اپنے عالم و فاضل بیٹے کو حکم دیتیں کہ مجھے زرقہ کے پاس لے چلو۔ امام صاحبؒ اپنی والدہ کو خچر پر سوار کر کے خود خچر کی لگام تھام کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ چلتے۔ راستہ کے لوگ انہیں دیکھ کر جھک جاتے، سلام کرتے۔ اس طرح امام صاحبؒ زرقہ کے دروازے پر انہیں پہنچا دیتے۔ زرقہ باہر نکلتے۔ امام صاحبؒ فرماتے۔ ایک مسئلہ میں آپ کی رائے معلوم کرنا ہے۔ زرقہ فرماتے۔ آپ کے ہوتے ہوئے میری رائے کی کیا اہمیت ہے؟ امام صاحبؒ فرماتے۔ والدہ کا اصرار ہے کہ میں زرقہ سے پوچھوں گی۔ امام صاحبؒ، زرقہ کی رائے اور فتویٰ سن کر فرماتے۔ آپ نے درست فرمایا ہے۔ والدہ کی تسلی ہو جاتی تو فرماتیں، اب گھر چلو۔

کئی بار ایسا ہوا کہ والدہ نے اپنے بیٹے ابو حنیفہؒ کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ یہ بات عمرو بن زرقہ سے پوچھ آؤ۔ امام ابو حنیفہؒ سارے کام چھوڑ کر ان کے پاس جاتے، مسئلہ بیان کرتے۔ وہ کہتے، بھلا میں آپ کے سامنے کیا فتویٰ دے سکتا ہوں۔ کہاں آپ کا علم اور کہاں مجھ ایسے چلتے ہوئے واعظ کی معلومات۔ امام صاحبؒ فرماتے۔ نہیں مجھے والدہ کا حکم ہے کہ آپ سے پوچھوں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نہیں

Marfat.com

مسئلہ کا جواب معلوم نہ ہوتا تو امام صاحبؒ سے کہتے، آپ ہی بتادیں میں اسے دُہرا دوں گا۔ لائق وفائق امام صاحبؒ مسئلہ کا جواب بتادیتے تو عمرو بن زرقہ اسے دُہرا دیتے۔ سعادت مند بیٹا اپنے بتائے ہوئے اور اُنکے ہرائے ہوئے جواب کو ماں کی خدمت میں آکر سنادیتا۔ ماں مطمئن ہوتی تو امام صاحبؒ کو خوشی ہوتی۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو اپنی والدہ کے اس رویّہ پر ایک لمحہ بھی یہ خیال نہ آیا کہ میرے درس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ ایک دنیا میرے علم سے استفادہ کرتی ہے، مگر میری والدہ میرے علم کو نہیں مانتی۔ انہیں اپنی ماں کے اس سلوک سے کبھی بھی اپنی توہین کا احساس نہ ہوا کہ وہ علمی دنیا کے مشہور و معروف آدمی ہیں اور ماں اسے چھوٹے چھوٹے مولویوں کے دروازوں پر ان کی بے عزتی کرا رہی ہے بلکہ انہوں نے اپنی ماں کی خوشنودی اور اطمینان کے لئے یہ سب کچھ گوارا کیا اور کبھی بھی یہ اشارہ نہ دیا کہ میرے وقار اور علمی مرتبہ کو پامال نہ کیا جائے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

بڑے بلند پایہ صحابیؓ تھے۔ اُن کی والدہ بوڑھی تھیں۔ وہ پانچ وقت کی نماز کے بعد سارا وقت ماں کی خدمت میں گزارتے۔ مدینہ سے ہر سال حاجیوں کے قافلے مکہ روانہ ہوتے تو آپ انہیں بڑی حسرت سے دُور دُور تک رخصت کرنے جاتے۔ حج کے دنوں میں رنجیدہ و غمگین رہتے۔ لوگ پوچھتے تو فرماتے میرے لئے زیارتِ کعبہ کا وقت نہیں آیا۔ لوگ سفر سے معذوری کا سبب سمجھ کر زادِ راہ کی پیش کش کرتے تو فرماتے۔ ایسی مجبوری نہیں ہے بلکہ میں اس وقت ایک انتہائی اہم فرض ادا کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ خود حج پر چلا جاؤں اور ماں کی خدمت کسی اور کے سپرد کروں۔

۴۔ حضرت کہمش بن حسنؒ

حضرت کہمش بن حسنؒ کی والدہ ضعیف تھیں۔ وہ ہمیشہ اپنی والدہ کی خدمت میں لگے رہتے۔ ایک دفعہ ان کے دوست سلمان بن علیؒ نے ان کی خدمت گزاری کی محنت کو دیکھ کر انہیں روپوں کی تھیلی بھیجی کہ ان روپوں پر اپنی والدہ کی خدمت کے لئے ملازمہ رکھ لیں۔ انہوں نے جواب بھیجا۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جب میں بچہ تھا تو میری والدہ نے خود میری خدمت کی، مجھے پالا پوسا، بڑا کیا، اپنی خدمت کے قابل بنایا تو میں ان کی خدمت دوسروں کے سپرد کیوں کروں۔

آج کے ترقی یافتہ دور کی ماڈرن بیگمات اپنی سماجی، سیاسی اور سوشل یا ملازمتی سرگرمیوں کی وجہ سے اپنی اولاد کو آیاؤں، ماماؤں، خادماؤں کے سپرد کر کے یا مہذب ملکوں میں بچہ سنٹروں (CHILD CENTRS) میں چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ کل اپنی اولاد سے خدمت کی کیا توقع رکھ سکتی ہیں۔ یقیناً ان کی اولاد بھی کل انہیں خانساماؤں اور بہرے میٹوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گی۔ اسلام یہ نہیں سکھاتا اور نہ ایسی تعلیم دیتا ہے۔

۵۔ حضرت مسعر بن کدامؒ

حضرت مسعر بن کدامؒ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ انہیں اللہ نے علم تو ایسا دیا کہ لوگ دور دور سے آکر اُن کی زیارت کرتے۔ ان کے علم سے فیضیاب ہوتے۔ بڑے بڑے عالم انہیں علم حدیث میں پختہ مانتے تھے۔ ان کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ سجدہ کرتے کرتے پیشانی بکری کے گھٹنے کی طرح سخت ہوگئی تھی۔ کوئی رات ایسی نہ گزرتی کہ جس میں ان کا آدھا قرآن شریف نماز میں ختم نہ ہوتا تھا۔ لوگ انہیں دیکھ کر جنتی پکارتے۔

کوئی بچہ جب علم میں بڑا ہو جائے تو ساتھیوں اور لوگوں کے لئے بڑا ہوتا ہے۔ دُنیا والوں سے بڑا ہوتا ہے۔ اپنی عمر کے بڑے

Marfat.com

لوگوں سے بڑا ہو سکتا ہے یعنی عزت اور مرتبے میں بڑا ہو جاتا ہے لیکن اُستاد اور ماں باپ سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ علم اور مرتبے میں بڑے ہو کر اپنے اُستاد اور ماں باپ کا احترام نہیں کرتے۔ زندگی اور آخرت دونوں میں ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

مسعر بن کدامؒ، علم، مرتبے، تقویٰ داری اور بزرگی میں بڑے آدمی تھے، مگر والدہ کی خدمت، احترام اور ادب کا یہ عالم تھا کہ جب مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تو اُن کی والدہ، جو مسجد میں نماز پڑھا کرتی تھیں، وہ والدہ کا مصلّےٰ لے کر گھر سے نکلتے۔ لوگ اُن کی عزت و احترام میں جلوس کی شکل اختیار کر کے ساتھ چلتے، مگر وہ والدہ کی خدمت میں لگے رہتے۔ اُن کے جُوتے اُٹھاتے۔ مسجد میں اُن کے لئے جگہ بناتے۔ انہیں بٹھا کر اجازت لیتے اور مسجد میں اگلی صف میں بیٹھ جاتے۔ نماز باجماعت ادا کرتے تو شاگرد اور عقیدت مند حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے۔ والدہ نہ جانے کتنی دیر تک نوافل پڑھتی رہتی، اُٹھتیں تو سعادت مند بیٹا جُوتے اُٹھا کر مصلّٰی بغل میں دباتا اور آگے چلتا، مسجد میں جُوتے پہناتا اور گھر تک پیچھے پیچھے چلتا۔ اس خدمت کے علاوہ ایک دن عشاء کی نماز کے بعد مسعر سے پانی مانگا۔ جب آپ پانی لے کر آئے تو والدہ کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اللہ کی آزمائش تھی کہ اتفاق تھا کہ وہ تہجد کی نماز تک پانی لئے سرہانے کھڑے رہے۔ والدہ کو جگانا اس کے آرام اور نیند میں خلل ڈالنا تھا۔ پانی لے کر سرہانے کھڑے رہے کہ نہ جانے کب آنکھ کھل جائے اور پانی کی طلب ہو ایسا نہ ہو کہ ماں آواز دے اور بیٹا موجود نہ ہو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ لوگ اسی لئے انہیں جنتی کہتے تھے۔

ان واقعات میں جہاں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت مسعر بن کدامؒ جیسے اولوالعزم اور برگزیدہ بیٹوں کی والدین کے حق میں تابعداری، خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کے نمونے ملتے ہیں وہاں ان کی ماؤں کی ذاتی نیکی، تقویٰ داری اور پرہیزگاری بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خود ایسی تھیں تبھی تو اُن کے دامن تربیت میں بڑی ہونے والی اولاد بھی ایسی نکلی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو آدابِ فرزندی اور اطاعت کا درس ابراہیم علیہ السلام کے ذاتی کردار اور اُن کی مومنانہ اور معجزانہ توجہ کا نتیجہ تھا اور فیضانِ نظر کا کرشمہ تھا۔

اولاد سے سعادت مندی، اطاعت گزاری اور تابعداری کی توقع رکھنے والے والدین کے لئے بھی ان واقعات میں ایک نصیحت ہے کہ وہ بھی اپنی اولاد کے سامنے اُن ماؤں اور والدین جیسا کردار پیش کریں۔ ورنہ جاہل، بے دین، بے نماز اور حرام خور و بدکردار والدین کی اولاد کا پھل یقیناً تلخ ہوگا۔ ببکائن کے درخت پر سیب نہیں لگ سکتے۔ والدین کے ذاتی کردار کا اثر اولاد پر ضرور پڑتا ہے۔ اولاد کو اسلامی اور دینی تعلیم سکھاؤ گے تو وہ ضرور دیندار ہو کر ان کے حقوق کو پہچانیں گے اور ان کے مرتبہ کو سمجھیں گے۔ ہمارے ہاں اولاد کے بڑے ہوتے ہی یا تو ڈنگر اور بکریاں حوالے کر دی جاتی ہیں یا انگریزی پبلک سکولوں میں داخل کر کے انگریزی تہذیب میں رنگ دیا جاتا ہے اور مائیں سماجی سرگرمیوں میں چاک و چوبند رہنے کے لئے اور یہ تاثر دینے کے لئے کہ۔ ابھی تو میں جوان ہوں۔ اپنا دودھ پلانے کی زحمت گوارا کرنے کی بجائے ڈبے کا دودھ پلائیں تو پھر ایسی اولاد بچھڑوں اور ڈنگروں کی عادات کی حامل ہوگی۔ اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

طفل سے بُو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی ‏ ‏ ‏ دودھ ڈبوں کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

Marfat.com

حقوق الزوجین

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالجات
۱	آیت مع ترجمہ	سورۂ روم، سامانِ تسکین، باہمی مودّت ورحمت کا حکم، کنبوں قبیلوں اور نسلوں کی بقاء، سورۂ حجرات، سورۂ رعد
۲	نکاح کی ضرورت اور فائدہ	حکم خداوندی، خدا کا فضل شمار ہوتا ہے، نسلِ انسانی کی بقا، کنبوں کی پہچان، گھریلو اور خاندانی وجود کا اجراء، حلال اولاد کی نعمت، مفادات کا باہمی تحفظ، مجاہدہ اور محنت، بدنگاہی زناکاری سے بچاؤ۔
۳	نکاح کا اسلامی طریقہ	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت۔ نکاح میں آسانیوں کی تفصیل۔ نکاح کا انداز
۴	خاوند کے فرائض، بیوی کے حقوق	نان نفقہ در ہائش، مسائل اسلامیہ کی تعلیم، دوسری عورتوں کی تعریف نہ ہو، رشتہ داروں کی تکریم، رہائش خوراک اور لباس وزیورات حسبِ توفیق رہے، احسان نہ جتائے، اس کے جنسی اور نفسانی تقاضوں کا خیال رکھنا، زیادہ بیویوں کی صورت میں انصاف برتنا، موت کے بعد بیوی کا حق۔
۵	خاوند کے حقوق اور بیوی کے فرائض	خاوند کی خواہش کا احترام، قناعت وشکر گزاری، من مانی نہ کرنا، نامحرم سے احتراز، خاوند کی جسمانی اور مالی کمزوری کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا جائے، غلط اور ناجائز خواہش نہ کرے، اصلاح معاملہ، شوہر کی وفات کے بعد حقوق۔
۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانگی طرزِ عمل	ایک سے زیادہ بیویوں اور ان کے رشتہ داروں کے حقوق نبھائے، سفر وحضر میں منصفانہ سلوک، محبت کا برتاؤ، مصارف میں آزادی، دلجوئی، شیریں گفتاری، نصیحتیں۔
۷	حجۃ الوداع کا خطاب	اچھے سلوک کا حکم
۸	طلاق کے احکام	طلاق سے حتی الوسع گریز، اصلاح کا موقعہ دینا، بعد از طلاق اچھی طرح رخصتی اور حسن سلوک

Marfat.com

حقوق الزوجین

آیت معہ ترجمہ

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ (سورۃ روم ۲۱)

اُس خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں غور کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

تفسیر و تشریح

آیت زیر بحث سورۃ الروم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی جنس ہی سے اُن کے لئے تسکین کا سامان فراہم کرنے کے لئے عورت کی تخلیق کو اپنی نشانی بتایا ہے اور پھر اس جوڑے کے دلوں میں باہمی محبت اور رحمت کا سلوک ہی اُن کی تسکین کا موجب ہو سکتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو، جہاں خاوندوں کے دلوں میں بیویوں کے لئے اور بیویوں کے دلوں میں اپنے خاوندوں کے لئے محبت نہ ہو گی، رحم اور شفقت کا جذبہ نہ ہو گا تو اس گھر کا سکون باقی نہ رہے گا۔ وہ گھرانہ پریشانی، ابتری اور انتشار و خلفشار کا شکار ہو گا۔

لہٰذا رشتۂ ازدواج میں پہلی بات اور ضروری بنیادی بات یہی ہو گی کہ خاوند اور بیوی کے درمیان محبت اور رحمت ہو تاکہ سکون کی فضا برقرار رہ سکے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، الدّنیا کلّھا متاعٌ خیر متاع الدّنیا المرأۃ الصالحہ دنیا کے تمام منافع عارضی ہیں اور دنیا کا بہترین منافع صالح بیوی ہے۔ کیونکہ صالح بیوی ہی امن و سکون کا باعث ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ذات نے جہاں دوسری تمام تخلیقات میں بقائے نسل کے لئے جوڑے پیدا فرمائے تاکہ ان کی بقا و نسل کے سلسلے جاری رہ سکیں، وہاں انسانوں کے لئے بھی اس کی جنس میں سے عورت کا جوڑا پیدا فرمایا تاکہ ان کے درمیان معرفت و پہچان، قبیلے اور کنبے نسلیں و نسب کے سلسلے بھی باقی رہیں اور نسب و نسل و قبائل شعوب کا امتیاز اسی وقت ممکن ہے جبکہ ایک مرد اور ایک عورت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کا جائز اور معروف نکاح کا طریقہ اپنائیں گے۔ یوں تو مِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ۔ کہ ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا۔ سے صرف سلسلۂ نسل کا ہونا ممکن ہے، مگر گھروں، خاندانوں، قبیلوں اور نسلوں کی پہچان معروف طریقۂ نکاح کے بغیر ممکن نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ۔ یا ایّھا النّاس انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ انسانو، ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت کے بطن سے پیدا کر کے تمہارے درمیان قبیلے اور گروہ کا فرق رکھا تاکہ تم ان قبیلوں کے باعث ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ البتہ خدا کے نزدیک عزت و احترام اسی کو حاصل ہو گا جو تم میں سے سب سے زیادہ تقویٰ دار و پرہیزگار ہو گا۔ گویا قبائل اور شعوب صرف باہمی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ وہ

عزّت واحترام، برتری وبلندی، بہتری وکہتری کا ذریعہ نہیں ہیں۔ ثابت یہ ہوا کہ مرد اور عورت کی تخلیق یا پیدائش یا انسانوں کے جوڑے دوسری اشیاء جانوروں وغیرہ کی طرح بقاء النسل یا افزونیٔ نسل اور تسکین شہوت یا جنسی ضرورت کے تحت ہی نہیں پیدا کیے گئے بلکہ ——— بلکہ یہ ضرورت جائز اور حلال ذریعہ نکاح کے ساتھ مشروط ہے تاکہ کسی سلسلۂ نسب اور سلسلۂ نسل وقبیلوں کا امتیاز بھی قائم رہ سکے اور اس کے ذریعہ انسانوں کی باہمی پہچان بھی برقرار رہ سکے۔ نکاح کا جائز سلسلۂ زوجیت آدمؑ سے لے کر آج تک تمام انبیاء کرامؑ اور ان کی اُمتوں کے درمیان جاری رہا اور ہوتا رہا ہے۔ نکاح کے بغیر جنسی ملاپ کا تصور غیر فطری، غیر اخلاقی اور غیر شرعی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ (سورۂ رعد: ۳۸) خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہم نے تم سے پہلے بھی رسُول بھیجے ہیں اور ان کے لیے بیویاں بچے بنائے ہیں۔ ثابت ہوا کہ نکاح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی سنت ہے اور اسی سنّت کی وجہ سے ان کی بیویوں اور اُن کے بچّوں کا تعیّن وتقرر ممکن ہوا۔ اس کے بغیر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ کوئی کسی کو اپنی ذاتی بیوی اور اپنی اولاد کا دعویٰ کرسکتا۔ حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (کنز العمال باب نکاح) نکاح میرا طریقہ اور سنت ہے جو اس جائز اور حلال طریقے سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے یعنی میری اُمت سے نہیں ہے۔ گویا نکاح حضورؐ کی سُنت ہے اور اسی ذریعہ سے وہ حضورؐ کی اُمت میں داخل ہوسکتا ہے اور اُمت کا فرد کہلا سکتا ہے۔

نکاح اور اس کے فوائد

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان تکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ واللہ واسعٌ علیم۔

تم میں سے جو مرد اور عورتیں بغیر نکاح کے ہوں، اُن کے نکاح کر دیا کرو۔ لونڈیوں میں سے جو نکاح کی صلاحیت رکھتی ہوں ان کا نکاح کرو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ خدا وسعت دینے والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت میں صاحب توفیق کے علاوہ مالی وسعت نہ رکھنے والی لونڈیوں اور غلاموں کے بارہ میں تاکید ملتی ہے کہ غربت اور مفلسی کے خوف سے نکاح نہ کرنا دوسری معاشرتی خرابیوں کا موجب ہوسکتا ہے اور یہ کہ نکاح کے بعد بیوی بچوں کے اخراجات سے فرار ایسی وجہ نہیں کہ نکاح سے گریز کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ حلال اور جائز ضرورت اور خواہش کو پورا کرنے میں خود معاون ومددگار ہوگا۔

نکاح کی تعریف

نکاح دو افراد۔ میاں بیوی کا سماجی بندھن ہے۔ یہ صرف ذاتی اور طبعی ضرورت نہیں بلکہ انسانی معاشرے کی تشکیل اور اس کی بقاء کا بنیادی مسئلہ بھی ہے۔ اسی لئے اسلامی شریعت میں از اوّل تا ابد ہر شریعت میں اس کی ضرورت موجود تھی۔ ایمان اور نکاح کے بغیر کوئی عبادت اتنی مسلسل نہیں ہے جتنا نکاح کا تسلسل ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ نکاح کے معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہوں۔ اس کے احکامات اور شرائط بدلتی رہی ہوں، مگر نکاح کا تسلسل اور اس کا وجود بہرحال مسلم اور متفقہ ہے۔

نکاح کے فوائد: نسلِ انسانی کی بقاء

یہ بات اجمالاً بیان کی گئی ہے کہ نکاح کے ذریعہ انسان کے جنسی ہیجان میں کمی کی جائز ضرورت ہی پوری نہیں ہوتی بلکہ دو وجود جب ایک دوسرے کے لئے خاص ہو جاتے ہیں یعنی مرد اور عورت تو پھر ان کے ذریعہ ان کا خاندان اور کنبہ وجود میں آتا ہے۔ پھر یہی کنبہ پھیل کر نسل اور نسب، قبیلے

Marfat.com

کی شکل اختیار کرتا ہے اور یہی خاندان یا کنبہ اور یہی نسل یا قبیلہ اس کی پہچان بنتا ہے۔ باہمی خونی تعلق ایک دوسرے کے ساتھ محبت، انس اور پیار کا موجب بنتا ہے، اگر نکاح نہ ہوتا انسان جانوروں کی طرح آزادانہ اختلاط اور میل ملاپ کے ذریعہ جنسی ہیجان کا تدارک کرتے تو پھر گھر، خاندان اور کنبے اور معاشرہ تشکیل نہ پاتا۔ نسل و نسب کی پہچان نہ ہوتی۔ تعارف و تعلق کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا، کوئی دستاویز نہ ہوتی، کوئی معروف دستور ثبوت نہ ہوتا۔ کوئی مرد عورت کے بچے کا وارث نہ کہلاتا۔ کوئی بچہ باپ کا وارث نہ بنتا کوئی مرد اس بچے کی پرورش، اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری نہ نبھاتا اور نہ اُسے مجبور کیا جاسکتا کہ تم اس کے ذمہ دار ہو۔ آج مغربی دنیا میں جو نسل چلی آ رہی ہے۔ وہ اسی جنسی بے راہ روی اور آزادانہ اختلاط کا نتیجہ ہے۔ حکومت کے رفاہی اداروں میں پلنے والی اولاد کس کا دامن تھام کر اسے اپنی تربیتی ذمہ داریوں کا سزاوار ٹھہرائے گی۔ ہمارے ہاں ایسی ناجائز اولاد کو پیدا ہوتے ہی مار دیا جاتا ہے کہ ان کی کفالت کرنا گناہ کو آشکارا کرنا ہے یا کہیں جھاڑیوں میں پھینک کر اپنے گناہ کا بوجھ دوسروں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ شریعت اسلامی نے انہی وجوہات کی بناء پر نکاح کو ضروری قرار دیا اور زنا کے لئے اتنی سخت سزائیں مقرر فرمائی ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سزاؤں کو دیتے وقت تمہارے دلوں میں رحم و رافت نہ پیدا ہو۔ نکاح کے بغیر جنسی عمل کسی رحم کا مستحق نہیں۔

۲۔ گھریلو وجود کا ابھار

خاوند اور بیوی جب نکاح کے ذریعہ ایک دوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں تو نکاح کے معاہدے کے ساتھ ہی دونوں پر گھریلو ذمہ داریاں اور ایک دوسرے کے حقوق عائد ہو جاتے ہیں۔ وہ ان حقوق کی بجاآوری میں لگ جاتے ہیں۔ زندگی کی راہ متعین ہو جاتی ہے اور خانگی مصروفیات کا آغاز ہو جاتا ہے۔ دونوں کا اپنا گھر ہوتا ہے۔ ذاتی اور نجی ملکیت اور ذمہ داری کا احساس بیدار ہو کر مل جل کر رہتے اور مل جل کر گھر کو آراستہ اور پُر آسائش بنانے کی فکر ہوتی ہے زندگی میں دلچسپی، لطف اور آسودگی آجاتی ہے اور گھر کا ماحول میسر آکر سکون و اطمینان کی زندگی مل جاتی ہے۔

۳۔ اولاد کی نعمت سہارا

نکاح کے بعد اولاد کی نعمت میسر آتی ہے۔ مرد اور عورت بلکہ مرد کو زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ اس کا اپنا خون ان میں شامل ہے۔ خاندان تشکیل پاتا ہے۔ قبیلے اور کنبے کی صورت گری ہوتی ہے بچوں کو اپنے خاندان، برادری کی محبتوں، چاہتوں اور خوشیوں کا سلسلہ مل جاتا ہے۔ ایک دوسرے کا سہارا، ایک دوسرے کے بازو، قوت اور طاقت میسر آجاتی ہے۔ خوشی و غموں میں سہارے، امداد اور خوشگوار تعاون کے سلسلے پھیلتے ہیں۔

۴۔ حقوق و مفادات کا تحفظ

نکاح کے ذریعہ صرف یہ نہیں کہ کمزور عورت کو خاوند کے ذریعہ سہارا ملتا ہے۔ اُسے حقوق کا تحفظ ملتا ہے بلکہ خاوند کو بھی اس گھر اور خاندان میں ایک گونہ مفادات کا تحفظ مل جاتا ہے۔ اس کے حقوق بیوی پر متعین ہو کر اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ بعد اولاد پر بھی دونوں کے حقوق قائم ہو جاتے ہیں۔ بچے اور والدین ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔ پورا کنبہ، پورا قبیلہ بلکہ پوری نسل ان حقوق کے حصول میں جدوجہد کرتی ہے۔ آج اپنے قبیلوں پر فخر اور امتیاز سے قطع نظر کہ یہ غیر اسلامی ہے، ساری قومیں اور قبیلے، برادریاں اپنے اپنے حقوق کی آواز بلند کرتے ہیں اور لینے میں کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ الیکشنوں میں کامیابیاں اسی برادری کے زور پر حاصل ہوتی ہیں، جو اگرچہ نسلی اور قومی تعصب کے باعث غیر شرعی اور غیر اسلامی نعرہ ہے، مگر اس کی بنیاد تو نکاح کے ذریعہ ممکن ہوتی ہے۔ البتہ ہمیں ان برادریوں اور قبیلوں کو اپنی پہچان کی حد تک رکھنا چاہیئے، امتیاز اور برتری کا موجب نہ بنانا چاہیئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں فرمایا ہے۔ تاہم اپنے حقوق کے

حصول کی جدوجہد میں جائز حدود کے اندر یہ قوت، طاقت اور کثرت نکاح کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

۵۔ مجاہدہ اور محنت

جو لوگ نکاح اور زوجیت کے حقوق و فرائض سے بھاگ کر رہبانیت اختیار کرتے ہیں۔ اسلام میں وہ ممنوع ہے۔ اسلام کسی معاشرے میں اس کی تمام ذمہ داریوں اور حقوق کو قبول کر کے برسرپیکار رہ کر خدا کی حدود کو قائم رکھنے پر زور دیتا ہے۔ وہ ساحل سے موجوں کے تماشے کو پسندیدہ نہیں سمجھتا بلکہ معاشرے کے سمندر کی موجوں میں کود کر غیر شرعی دھاروں کے خلاف جدوجہد کا حکم دیتا ہے۔ نکاح کر کے انسان حضورؐ کی سنت اور خدا کے حکم کو پورا کرتا ہے تو اس پر اس کی بیوی بچوں کی پرورش، ان کی درست تربیت بھی اس کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ رزق حلال کی جدوجہد کرتا ہے۔ ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ بیوی بچوں کی آسودگی، خوشی و آرام اور سکھ کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ اس کی زندگی کی یہ ساری جدوجہد اور کوشش عبادت کہلاتی ہے۔ اجر اور ثواب ملتا ہے۔ وہ کسی غار کی کھوہ میں بیٹھ کر یا کسی خانقاہ میں گوشہ نشین ہو کر دوسروں کی کمائی اور نذرانوں پر گزارہ کرتا ہے تو اس کی دن رات کی عبادت و ریاضت سے وہ لوگ بہتر ہیں، ان کا ثواب زیادہ ہے جو خود کما کر اس کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور اسے عبادت کے لئے فارغ کر دیتے ہیں۔ حضورؐ کی محفل سے ایک شخص کا گزر ہوا تو صحابہؓ نے اس کی بڑی تعریف کی کہ یہ شخص دن رات عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ خدا کی بندگی کے لئے خود کو وقف کر دیا ہے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ اس کی زندگی کی ضروریات کون پوری کرتا ہے؟ کہا گیا اس کا بھائی پوری کرتا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اس کے بھائی کا عمل اس کے عمل سے بہتر ہے کہ وہ کماتا ہے اور اسے فارغ کر دیا ہے۔ غرض نکاح انسان کو کارزار حیات میں برسرپیکار کر کے اس سے سستی، تغافل، بیکاری اور کاہلی کی عادت اور دوسروں پر انحصار ختم کر دیتا ہے۔

۶۔ صالح اور نیک بخت اولاد کا سرمایہ

نکاح کی سنت اور حلال ذریعہ سے پیدا ہونے والی اولاد اگر والدین کی توجہ اور درست تربیت کے باعث نیک اور صالح ہو تو اس سے بڑا سرمایہ دنیا اور آخرت میں کیا ہوگا۔ نیک اور صالح اولاد جہاں والدین کی نیک نامی، عقیدت اور عزت کا سبب بنتی ہے وہاں خدا کے ہاں ان کی خوشنودی اور مغفرت کا باعث بھی ہوتی ہے۔ یہی صالح اولاد والدین کے حقوق سے آشنا ہو کر ان کی فرمانبرداری، تابعداری اور خدمت گزاری میں اپنی سعادت اور نیک بختی سمجھتی ہے۔ والدین کی وفات کے بعد بھی اولاد اور ان کا نیک عمل والدین کے لئے صدقہ جاریہ بن کر مسلسل ثواب اور اجر کا موجب ہوتا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ سخت مزاج، کنجوس اور جھگڑالو شخص جو آئندہ چل کر بیوی اور اولاد کے لئے ظلم اور تشدد اور زیادتیوں کا موجب بن جاتا ہے اور اسے اپنے مزاج کے مطابق اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے تو ایسے آدمی کے لئے نکاح کرنا حرام اور مکروہ ہے اور پھر نکاح کے ذریعہ اس سے پیدا ہونے والے چھوٹے چھوٹے بچے اگر مر جائیں تو وہ بچے والدین کی شفاعت کا سبب ہوتے ہیں۔ حضورؐ کا فرمانِ مبارک ہے: انّ الطفل یاخذ ثوب ابویه و یجرّ الی الجنّة۔ چھوٹے چھوٹے وفات پانے والے بچے قیامت کے دن والدین کا دامن پکڑ کر جنت میں کھینچ لے جائیں گے۔ اولاد کی یہ صالح نعمت نکاح اور اس کے بعد خود والدین کی بہتر تربیت اور ذاتی نیکوکاری کے سبب پروان چڑھ سکتی ہے۔

۷۔ بدنگاہی سے بچاؤ

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ نیک اور صالح بیوی سے نکاح انسان کے نصف ایمان کی حفاظت کرتا ہے اور دوسرے نصف کی حفاظت اس پر آسان ہے وہ خود کرے۔ پھر فرمایا۔ گھر میں صالح عورت دنیا کی زندگی

Marfat.com

کا بہترین منافع ہے۔ دوسری بار فرمایا۔ صالح عورت گھر میں ایک نعمت ہے۔ صالح عورت ہزار غیر صالح مردوں سے بہتر ہے۔ نکاح کے ذریعہ آدمی دوسری طرف بد نگاہی اور بُرے ارادوں سے بچ جاتا ہے۔ فاسد خیالات نہیں پیدا ہوتے۔

۱۔ نکاح کا اسلامی طریقہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بابرکت نکاح وہ ہوتا ہے جس میں خاوند بیوی کے لئے آسانیاں ہوں۔ یہ آسانیاں چار قسم کی ہوسکتی ہیں۔ (۱) پہلی آسانی تو رشتہ کے متعلق ہے، اگر کسی کے ہاں بچی جوان ہو تو وہاں دولت، جائیداد اور نسلی امتیاز یا عہدوں کی بجائے اخلاق و کردار اور کسی کے کیریکٹر اور خدا خوفی کو ترجیح دی جائے۔ جونہی ایسا موقعہ پیدا ہو تو دیر نہ کی جائے۔ آجکل بالعموم لڑکی والے ظاہری حسن، دولت مندی اور عہدوں کو معیار ٹھہراتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں ہماری بچی سکھ سے ہوگی، مگر ایسے گھرانوں کے رشتے اپنے عوامل اور عواقب سے سو فیصد کامیاب نہیں کہے جاسکتے تھے۔ اس اعتبار سے کہ اسلامی اخلاق کردار اور دینی تہذیب و تمدّن کی عدم ترجیح دنیا تو بناسکے گی، لیکن آخرت میں سراسر گھاٹا اور نقصان ہوتا ہے۔ پھر ایسے رشتوں کی تلاش میں بچیاں شادی کی عمر سے گزر جاتی ہیں جس سے معاشرتی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

یہی حال لڑکوں کے رشتوں میں بھی ہے کہ لڑکی کے اخلاق و کردار، اس کی عفّت و پاکیزگی اور اسلامی سیرت و کردار سے زیادہ اس بات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ لڑکی ماڈرن ہو۔ جدید سوسائٹی کے تقاضوں پر کہاں تک پورا اترتی ہے۔ جدید فیشن کے آداب آتے ہیں اور پھر آخری اور ضروری چیز یہ ہے کہ وہ جہیز کتنا لائے گی تاکہ لڑکا ضروریاتِ زندگی اور آسائشوں سے بری الذمہ ہو جائے اور بیوی کے ساتھ آئی ہوئی دولت پر فخر کرسکے اور اس کے جہیز کی وجہ سے سوسائٹی میں باعزّت ہو جائے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر باکردار اور متوسط اور حلال کی کمائی پر گزارہ کرنے والے خاندانوں کے لئے مشکلات پیدا ہوگئی ہیں اور معاشرے میں بچوں کی شادی کے اس مطالبے اور ضرورت نے بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا کردی ہیں، رشوت خوری، چور بازاری، اسمگلنگ، غبن، خیانت اور بدیانتی جیسے امراض کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بچی کا باپ اس کے ہاتھ پیلے کرسکے اور معاشرے میں اس کی یا دوسرے خاندان میں اُس کی بیٹی کی ناک اونچی ہو جائے۔

۲۔ دوسری آسانی

حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق اس قسم کی شادی آسانی کی نہیں ہوسکتی اور نہ ایسا نکاح بابرکت نکاح ہوسکتا ہے۔ مہر کی رقم لڑکے کی وسعت اور اُس کی آمدن کے مطابق ہو کہ مہر کی زیادتی کو خاندانی تفوق اور امتیاز بنایا جائے۔ مہر سے کسی رشتے کی قیمت میں اضافہ کرنا سراسر فضول بات ہے۔ حالانکہ مہر کی ادائیگی حقوق زوجیت کی پہلی شرط ہے۔ اس کے بغیر یا بیوی کی طرف سے اس کی معافی کے بغیر یہ معاہدہ ہو نہیں سکتا۔ ہمارے ہاں جرگہ میں نکاح کے وقت اسے لاکھوں کے حساب سے مقرر کیا جاتا ہے اور مجلس نکاح میں اس جھوٹے اعزاز کے بعد خاوند اور بیوی دونوں رنگ ریلیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں نہ خاوند کو ادائیگی کی فکر ہوتی نہ بیوی اپنا حقِ زوجیت لئے بغیر تعلقات کو ناجائز خیال کرتی ہے، اگر باہمی رضامندی سے حق مہر کی ادائیگی قرض کے طور پر تسلیم کی جائے تو اس پر ہر سال زکوٰۃ کی ادائیگی لازمی ہوتی ہے کہ بیوی ادا کرے۔ مہر کی عدم ادائیگی کے بغیر سرے سے نکاح ہی مشکوک ہوتا ہے، مگر ہمارے ہاں فیشن کے طور پر بھاری بھاری رقوم کا سودا ہو جاتا ہے۔ یہ طریق کار مہر کے اعتبار سے آسانی والا معاملہ نہیں ہے اور نہ ایسا نکاح بابرکت نکاح کہلایا جاسکتا ہے۔ بابرکت نکاح آسان مہر کا نکاح

Marfat.com

ہے جو لڑکے کی مالی حالت اور بقدر وسعت ہو جس کی ادائیگی وہ آسانی سے ہی وقت کر سکتا ہو۔ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نیت یہ رکھی کہ یہ مہر دینا ہی نہیں ہے۔ (الحدیث۔ مسند احمد)

۳۔ تیسری آسانی شادی کے اعتبار سے

بابرکت نکاح شادی کے وقت اور اس کی رسومات کے اعتبار سے ہو نہایت سادہ اور آسان صورت میں یہ معاملا ادا کیا جائے۔ غیر ضروری تکلفات سے اجتناب ہو۔ سادہ جرگہ اور سادہ ہی حسب توفیق دعوتِ ولیمہ کے ساتھ شادی کی رسم ادا ہو جو دونوں فریقوں کے لیے آسان ہو۔ غیر ضروری رسومات کا رواج بہت زیادہ اخراجات کے بعد ہی ممکن ہے۔ مزامیر ناچ گانوں، قوالیوں، گانے والیوں کا اہتمام، اُن کے بھاری معاوضے اور شمر کا شادی پہ مالی بوجھ، لغو قسم کے کھیل، فضول خرچیاں، فائر نگ، زیبائش و آرائش، شادی ہالوں میں شادی کی تقریبات کا انعقاد، ہوٹلوں میں راتوں کی پُر تکلف دعوتیں، بیوٹی پارلروں میں دلہنوں اور دولہا کی سجاوٹ، مووی فلموں کی تیاری وغیرہ رسومات پر بے انتہا دولت کا ضیاع ہوتا ہے۔ حد سے زیادہ کھانا ضائع ہوتا ہے۔ رزق کی بے قدری، باہمی میل جول، بے حیائی وبے پردگی کے ان دنوں میں کیا کچھ نہیں ہوتا ہے۔ پھر لڑکی اور لڑکے کو ایک دوسرے سے پہلے کتنی ہولناک نگاہیں دیکھ لیتی اور کتنی بُری خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ بے حیائی، بے پردگی اور بے غیرتی کے یہ تمام لمحات مووی فلموں میں بند ہو کر بے پردگی کی دوامی سند حاصل کر لیتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے فرمان کے مطابق نہ نکاح بابرکت ہوتا ہے اور نہ شادی بابرکت ہوتی ہے، جس میں اسلام کی حدود پامال ہوں، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روندی جائے اور خداوند تعالیٰ کے واضح احکامات کو ٹھکرا کر شیطان کو نکاح اور ایسی شادی کا چیف گیسٹ بنا دیا جائے۔

۴۔ بابرکت نکاح کی چوتھی آسانی آرام و آسائش کے اعتبار سے

حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بابرکت نکاح کی جو آسانی کا ذکر فرمایا ہے، ایک آسانی یہ ہے کہ لڑکی والے لڑکے پر اور لڑکے والے لڑکی کے لئے آسان اور با سہولت سکونت و آسائش سے زیادہ ایسی شرائط اور ایسی پابندیاں عائد نہ کریں جو اُن کی طاقت سے سوا ہوں یعنی لڑکا بنگلہ بنائے، جائیداد لکھ کر دے، ماہوار مقرر ہو۔ ملازم اور خادمہ ہو۔ گھر داری اور باورچی خانہ نہ ہو۔ ماں باپ، بہنیں، بھائیوں سے جدا ہو، اِتنا جیب خرچ ہو وغیرہ وغیرہ، یا لڑکے والے لڑکی پر غیر ضروری پابندیاں اور شرائط مسلط کریں۔ ماں باپ، بہن بھائیوں کے ساتھ آمدورفت کی پابندی، مجلسوں، محفلوں اور دوستوں کے ساتھ بہتر سلوک، بے پردگی، خدمت، ملازمت کی صورت میں متعلقہ افسروں سے میل جول (بشرطیکہ لڑکی مزاج کے اعتبار سے باحیا، باعصمت اور باپردہ رہنا چاہے)، زیادہ خرچ نہ کرنا وغیرہ اور ایسی بے شمار پابندیاں اور شرائط جن کی وہ عادی نہ ہو یا جن کی ادائیگی میں آسانی نہ ہو۔

نکاح کا انداز

نکاح کے لئے ضروری ہے کہ جلسہ عام یا جرگہ میں اعلان ہو یعنی بلند آواز سے خطبہ اور نکاح کے بندھن کے بول پڑھے جائیں۔ اسے مسجد میں ادا کیا جائے۔ درود شریف کا ورد ہو اور نکاح کے بعد خوشی کا مناسب اظہار ہو۔ پھر سب لوگ اس رشتہ کے بعد دعا کریں کہ خداوند تعالیٰ اس کے اثرات ثمرات دونوں خاندانوں کے لئے اچھے کرے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کرے اک

Marfat.com

دوسرے کی عزت، شرم اور غیرت کا لحاظ اور خیال رکھنے کی توفیق بخشے۔ دونوں کے والدین اور خاندانوں کو اُن کی خواہشات اور توقعات پر پورا اُترنے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائے۔

حقوق الزوجین

۱۔ خاوند کے فرائض اور بیوی کے اُس پر حقوق

سب سے پہلا بیوی کا حق اور خاوند کا فرض یہ ہے کہ اس کا حق مہر ادا کرے۔ مہر کی معافی کا حق صرف بیوی کو حاصل ہے۔ اس پر کسی قسم کا دباؤ یا زیادتی اور زور کے ذریعہ اُسے معاف نہ کرائے، اگر خاوند کے مزاج، طبیعت اور حسنِ سلوک کے ساتھ ساتھ اُس کے رشتہ داروں کا برتاؤ ایسا ہو کہ اُسے اپنے مستقبل کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جائے تو وہ خود رضا کارانہ طور پہ اُسے معاف کر سکتی ہے، اگر خاوند فوری طور پہ ادائیگی کے قابل نہ ہو تو قرضِ حسنہ کے طور پہ اُسے بیوی کی مرضی کا حصول ضروری ہے، مگر جب تک ادائیگی نہ ہو سکے اتنے مہر کی بطور قرض زکوٰۃ باقاعدہ ادائیگی لازمی ہے۔ ہمارے ہاں بعض جاہل لوگوں میں یہ روایت عام ہے کہ وہ شادی کے متصل بعد اس کی ادائیگی نہیں کرتے بلکہ بیوی کی مجبوریوں سے فائدہ اُٹھا کر اس سے معافی نامہ لکھوا لیتے ہیں یا زبانی معافی پر گواہ ٹھہرا دیتے ہیں۔

۲۔ نان نفقہ وسکونت کی ذمہ داری

خاوند کے فرائض اور اُس پر بیوی کے حقوق میں یہ بات شامل ہے کہ وہ بیوی کی جائز خوراک و رہائش کا انتظام کرے۔ یہ جائز ضروریات خاوند کی استطاعت اور توفیق کے مطابق ایسی ہوں کہ کسی قسم کا احتیاج نہ ہو۔ اجتماعی سکونت، جہاں پورا کنبہ اکٹھا رہتا ہو، تو بھی خاوند کو بیوی کی الگ ضروریات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اسے اجتماعی لنگر خانے اور گھر کے انتظام کے حوالے نہ کرے۔ وقتاً فوقتاً اس کی زائد از خوراک ضروریات بھی ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مناسب جیب خرچ دیا جائے اور ضروریات پوچھ کر اس کی ضرورت اور خواہش پوری کی جائے لباس، علاج معالجہ وغیرہ۔ خاوند بیوی کا محافظ ہو، نگران ہو اور معاشی ضروریات کا ذمہ دار ہو۔

۳۔ مسائل اسلامیہ کی تعلیم

ایک مسلمان خاوند کا یہ بھی فرض ہے کہ خدا کے حکم کے مطابق دینی تعلیم اور احکامات سے واقفیت دلائے اور اُن احکامات پر خود بھی اور اپنی بیوی کو بھی عمل پیرا ہونے کی تلقین کرے۔ وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا۔ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دو اور اس پر خود بھی قائم رہو۔ قوا انفسکم واھلیکم نارًا۔ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ خدا کے ان احکامات کے مطابق مسلمان شوہر کا بیوی پہ یہ فرض ہے کہ گھر کی فضا کو دینی اور اسلامی بنائے۔

۴۔ بیوی کے سامنے دوسری عورتوں کی تعریف نہ کرے

اپنے گھر کے ماحول کو سازگار بنانے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خاوند اور بیوی کے درمیان بدگمانی اور شک و شبہ کی فضا پیدا نہ ہو اور یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب خاوند دوسری عورتوں کے حسن، ان کے رویّہ اور ان کی امارت اور جہیز وغیرہ کی

تعریف کرتا رہے جس سے جہاں شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں وہاں بیوی کی عزّتِ نفس کے مجروح ہونے اور اس میں احساسِ کمتری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اسے سمجھانے کے انداز سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسا روّیہ اختیار کرے، خانہ داری کا ایسا انداز اپنائے جیساکہ میں نے فلاں گھر میں فلاں عورت کا دیکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ بیوی کے رشتہ داروں کی تکریم اور اُن سے حسنِ سلوک

خاوند کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کی بیوی اس کے رشتہ داروں اور اُس کے تعلقات کا خیال رکھے، اُن کی عزت کرے، خدمت کرے۔ اسی طرح اس کا یہ بھی فرض ہے کہ اپنی بیوی کے رشتہ داروں کی عزت و احترام کرے، حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے اُن کی توہین اور تحقیر کا پہلو نکلتا ہو، اگر وہ بیوی کے رشتہ داروں کا خیال نہ رکھے گا اُن کی عزت و احترام کو ملحوظ نہ رکھے گا تو لازمی طور پر بیوی بھی اس کے رشتہ داروں کی عزت نہ کرے گی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کی عزّت نہ کرے، خود اپنے کو بھی اپنی نظروں سے گرادے۔ دونوں خاوند بیوی کو یہ ضرور سوچنا چاہیئے کہ رشتے کے اندر اگر شادی ہوئی ہو تو پھر تو دونوں طرف کے رشتہ دار دونوں خاوند بیوی کے رشتہ دار ہوں گے، مگر یہ شادی اگر باہر کے خاندان سے ہوئی ہو تو دونوں خاندانوں کے خوشگوار تعلقات اور باہمی محبت کا انحصار اس بات پر ہے کہ یہ دونوں فریق ایک دوسرے کے خاندان کی عزّت کریں۔ ایک خاوند کا ایک بیوی کو لے کر خاندانوں کے رشتوں کو نظرانداز کر لینا رشتوں کے باہم ملاپ کے منافی ہوگا۔

۶۔ احسان نہ جتانا

خاوند اگر حسبِ توفیق بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اچھے انداز سے رکھے، اچھا تحفہ زیور یا کپڑے پہنائے تو اس کے فرائض میں شامل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُٹھتے بیٹھتے احسان جتائے یا محفلوں میں تذکرے کرکے بیوی کو شرمسار کرتا پھرے۔ اس قسم کا روّیہ اس کے ہلکے پن اور ہلکے مزاج کی دلیل ہوگا۔ بیوی پر سلوک کرکے گننا کونسی بڑائی اور مردانگی ہے۔ بیوی ہر آدمی کی اپنی عزّت، اپنی شرم اور غیرت ہوتی ہے۔ اپنی غیرت کو ہر آدمی حسبِ توفیق بچاتا بھی ہے اور اچھی طرح نبھاتا بھی ہے۔ گھر والوں پر خرچ کرنا موجبِ اجر اور ثواب ہے۔ بیوی پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اجر اور ثواب کے لحاظ سے بڑھا ہوا دینار وہ ہے جسے خاوند اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہے۔ قرآن کریم کا حکم ہے۔ وَعَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (البقرہ ۲۳۶) خوشحال مرد اپنی طاقت کے مطابق اور غریب اپنی طاقت کے مطابق معروف طریقے سے بیوی کے اخراجات پورے کرے۔ نہ بخل سے کام لے کہ بیچاری پاس پڑوس سے مانگ تانگ کر ہانڈی روٹی چلائے اور نہ اتنا اسراف اور فضول خرچی ہو کہ ہتھیلی پر آیا گلی میں اڑایا والا معاملہ ہو۔ خدا کا حکم ہے۔ عاشروھنّ بالمعروف۔ عمدہ اور بھلے انداز سے زندگی گزارو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہو۔ حضورؐ اپنی بیویوں کے حق میں بہتر تھے۔ ایک زاہد شب بیدار سے فرمایا۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

۷۔ عدل و انصاف برتنا

بیوی کے ساتھ معاملات میں عدل و انصاف سے کام لے۔ جو اپنے لئے پسند نہ ہو وہ روّیہ بیوی کے حق میں روا نہ رکھے۔ ظلم اور زیادتی سے کام نہ لے، اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو وہاں اُن کے درمیان انصاف اور برابر کے سلوک کی اور بھی ضرورت ہے۔ خدا کا حکم ہے۔ تمہیں عورتوں میں سے دو تین اور چار کے ساتھ نکاح کا اختیار ہے، لیکن ۔ فان خفتم الا تعدلوا فواحدہ ۔ لیکن اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم ان کے درمیان عدل و انصاف کے

Marfat.com

ساتھ مساوی سلوک نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کے ساتھ رہو۔ سورہ نساء: ۱۲۹ میں ارشاد ہے: فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۔ تم ایک سے زیادہ بیویوں میں ایک کی طرف زیادہ مائل ہو کر دوسری کو اپنے نکاح میں لٹکتا نہ چھوڑو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دو بیویوں کا شخص ان میں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن کبڑا آئے گا۔ (ترمذی)

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ ہر پہلو سے بیویوں کے درمیان انصاف فرماتے تھے۔

۸۔ مرنے کے بعد کے فرائض

بیوی کے فوت ہونے کی صورت میں خاوند کا حق ہے کہ بقدر توفیق تجہیز و تکفین کرے اس کے لئے مغفرت کی دعا مانگتا رہے۔ اس کی کسی کوتاہی اور غلطی کو معاف کرے۔ اس کے بچوں کی نگہداشت اور حقوق کا خیال رکھے۔ اس کے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور رویّہ میں وہی برتاؤ کرے۔ عدم التفات اور بے توجہی کا مظاہرہ نہ کرے۔

خاوند کے حقوق اور بیوی کے فرائض

۱۔ خاوند کی خواہش کا احترام

ایک اچھی بیوی کو اپنے خاوند کا مزاج شناس ہونا چاہیئے اور اسے چاہیئے کہ وہ اس کی خواہش اور مزاج میں خود کو ڈھال دے۔ کیا پسند کرتا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ کس بات پہ خوش ہوتا ہے اور کس پہ ناراض ہوتا ہے۔ کھانے، لباس اور تعلقات میں اُس کی پسند کا خیال رکھے اور اگر کوئی ایسی ہی ناپسند عادت ہو یا خُو ہو تو اُسے نہایت ہوشیاری اور سمجھداری سے بدلنے کی سعی کی جائے تاکہ اس کا رویّہ درست ہو جائے۔ عادات و اخلاق میں معقولیت ہے تو بیوی کا فرض ہے کہ اس کی معقول عادت کو اپنائے اور کھلے دل سے اسے اختیار کرے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مرد کی خواہشات اور مطالبات خدا اور رسولؐ کے احکام اور حدود کے اندر ہوں تو اس کی اطاعت لازمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی نماز کی پابند ہو اور خاوند اسے بُرا جانے اور اس پہ خفا ہو کر نماز چھڑائے، تو اطاعت یہاں نہ صرف یہ کہ لازمی نہیں بلکہ بے ادبی اور گستاخی بھی جائز ہے۔ جہاں خاوند کی خواہش اور مطالبے میں خدا اور حضورؐ کی نافرمانی کرنا پڑے تو وہ خواہش پوری نہ کرے۔

۲۔ قناعت اور شکر گزاری

خاوند کی توفیق اور مالی حیثیت کے مطابق گھر چلائے۔ اگر آمدن تھوڑی ہے تو جگہ جگہ گلے شکوے، شکایتیں نہ کرے بلکہ قناعت، صبر اور شکر سے کام لے۔ خاوند کو لعن طعن، بُرا بھلا نہ کہے بلکہ دونوں مل جل کر حالات کا مقابلہ کریں۔ خدا کا وعدہ ہے کہ ان تکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ۔ اگر نکاح اپنی غریبی اور مفلسی کے خوف سے نہیں کرتے تو یہ خوف نہ کرو، تمہاری مفلسی کو میں اپنے فضل سے بدل دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اکثر مکہ معظمہ اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے ملنے آتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ تشریف لائے تو دروازے پہ دستک دی۔ اسمٰعیلؑ کی بیوی اُن سے واقف نہ تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کے متعلق دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ وہ باہر کہیں گئے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے حال احوال پوچھا تو حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی نے گلے شکوے شروع کر دیئے۔ گھر کی تنگی ترشی کی داستان لے بیٹھیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے کہا۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ جب آپ کے خاوند۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ آ جائیں تو

Marfat.com

انہیں میرا یہ پیغام دے دیں کہ گھر کی چوکھٹ بدل دے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی بیوی اُن کا اشارہ نہ سمجھ سکیں اور انہیں پیغام دے دیا۔ انہوں نے اپنے والد صاحب کا اشارہ سمجھ کر بیوی کو چھوڑ دیا۔ دوسرا نکاح کیا تو دوسری بیوی کی موجودگی میں پھر حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے۔ یہ بھی انہیں نہ جانتی تھیں۔ آپؑ نے حسب سابق حضرت اسمٰعیلؑ کا پوچھا۔ حال احوال دریافت کیا تو اس بیوی نے فرمایا خدا کا شکر ہے، اس کی مہربانی ہے۔ اگزارہ ہوتا ہے، کسی چیز کی کمی نہیں۔ رخصت ہوتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے پیغام چھوڑا کہ آپ کا خاوند آجائے تو کہنا کہ اس گھر کی چوکھٹ کا بہت خیال رکھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو پیغام ملا تو خوش ہوئے اور اپنی اس بیوی کو اگلا پچھلا سارا واقعہ سنایا کہ یہ میرے والد جلیل القدر پیغمبر تھے۔ وہ تم سے تمہاری شکر گزاری اور قناعت پر زیادہ خوش ہوئے اور میرے نام پیغام کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا خیال رکھوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے دوزخ میں عورتوں کی اکثریت کو دیکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ خاوند کی شکر گزار نہیں ہوتیں، ہر وقت سب کچھ ہوتے ہوئے خاوند کے حالات سے واقف ہو کر بھی گلے شکوے اور خرچ کی تنگی کی شکایات اِدھر اُدھر کرتی رہتی ہیں۔ خاوند کی بدنامی کا باعث بنتی ہیں۔ گفتگو میں لعن طعن، کوسنے کرتی رہتی ہیں اور یہ کہ عقل اور دین کے معاملات میں ناقص ہوتے ہوئے بھی اچھے خاصے دانشمند اور سمجھدار خاوند پہ غالب ہونے کی کوشش میں رہتی ہیں۔

۴۔ خاوند کی اجازت کے بغیر

اکثر بیویاں خود سری اور آزادانہ رویّہ کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ خاوند کی مرضی اور اجازت کے بغیر گھر سے باہر گھومتی پھرتی اور آتی جاتی رہتی ہیں۔ اس کی اجازت کے بغیر گھر کی اشیا پر تصرف کرتی ہیں۔ عام روزمرہ استعمال کی اشیاء تو خیر کوئی بات نہیں، مگر گھر کی قیمتی اشیاء اور رقومات خاوند کی مرضی اور اجازت کے بغیر دینا ناجائز ہے۔ عورت خاوند کے گھر کی امین اور محافظ ہوتی ہے۔ خاوند کی اجازت کے بغیر اپنا تصرف دیانت اور امانت میں خیانت ہے۔ گھر کے داخلی اور خارجی معاملات خاوند کے مشورے اور اجازت کے بغیر نہ کرے۔ نفلی عبادات، نماز اور روزہ تک بھی اگر خاوند کی اجازت کے بغیر منع ہیں تو دوسرے معاملات کے بارہ میں اجازت ازحد ضروری ہے۔

۵۔ نامحرم کی نظروں سے بچے

آجکل تو اسلامی احکامات بالخصوص پردہ کے معاملے میں آزادی کا زور شور ہے محرم اور نامحرموں کی قید سے آزاد معاشرہ ہے، مگر اسلام کے احکامات یہی ہیں کہ عورت پردہ کی پابند ہو اور اسے اپنے آپ کو بہر حال نامحرموں کی نظروں سے بچانا ضروری ہے۔ اس صورت میں خاص طور پر جبکہ خاوند اسلامی پردہ کا قائل اور کاربند ہو۔ بے پردگی، بے حیائی کا راستہ ہے اور اس کی منزل بالآخر خاوند کی نظروں میں خود کو مشکوک کرنا، غلط فہمیاں پیدا ہونا، علیحدگی کی نوبت آنا اور بچوں کے مستقبل کا خراب ہونا یقینی ہے۔ ہم نے مغربی تہذیب کی بے راہروی اور آزادی کے شوق میں یہ بے پردگی اختیار کی ہے، جو لوگ حد سے زیادہ آزاد معاشرت کے قائل ہیں اُن کے ہاں ــــــــ جو کچھ ہو رہا ہے "وہ آپ سے کٹے تو آنے دے" کے مصداق سب کچھ روا اور جائز ہے۔ بے غیرتی اور بے حیائی جہاں معیوب نہ ہو وہاں دوسرے مراسم اور نتائج کب ناپسندیدہ ہوں گے، مگر جن لوگوں میں ابھی غیرت اور شرم کی روایات و اقدار موجود ہیں انہیں اس سلسلہ میں ہوشیاری اور احتیاط کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل ایک باعزت خاوند اپنی برادری اور معاشرے میں آنکھ اُٹھانے کے قابل نہ رہے۔

Marfat.com

۶۔ خاوند کی مالی، جسمانی یا کسی اور کمزوری پر تحقیر نہ کی جائے

شادی کے بعد خاوند بیوی کا ہی نہیں دونوں خاندانوں کا شرم اور عزت، بے عزتی و بدنامی مشترک ہو جاتی ہے۔ ایک کی عزت دوسرے کی عزت اور ایک کی بے عزتی دوسرے کی بے عزتی ہوتی ہے۔ اگر خاوند مالی اعتبار سے یا کسی جسمانی نقص کی وجہ سے کمزور ہے تو بیوی کو مناسب نہیں کہ اسے اس کے نقص کے نام سے پکارے، اس کی تحقیر و تذلیل کرے، اسے حقیر نہ جانے اور اگر اسے اس کے برعکس خاندانی پوزیشن حاصل ہو یا جسمانی حسن ملا ہوا ہو تو بھی مناسب نہیں کہ خود پر غرور کرے اور خاوند پر لعن طعن کرے۔ گفتگو میں حقارت آمیز گفتگو کر کے اس کی دلآزاری کرے۔

۷۔ غلط اور ناجائز فرمائشیں

آجکل ہر طرف مادی وسائل کی دوڑ ہے۔ شہروں میں ایک محلے میں غریب لوگوں کے ساتھ ساتھ امراء کے مکانات اور ان میں آسائشوں کی فراوانیاں ہیں۔ فیشن کے نت نئے انداز ہیں۔ جس کے نتیجہ میں غریب لوگوں کے بیوی بچوں کا ترسنا اور ان کے ساتھ برابری کا نہ بھی ہو تو بھی تھوڑی بہت آسائیوں کی خواہش قدرتی بات ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ ایک صابر و شاکر بیوی کو اپنے حالات و وسائل کے مطابق رہنا چاہیئے اور ایسی فرمائشوں سے گریز کرنا چاہیئے جو خاوند کی مالی استعداد سے باہر ہوں۔ حضورؐ نے ہدایت فرمائی ہے کہ اگر کوئی مالدار آدمی گھر میں کچھ فروٹ وغیرہ بھی کھائے تو اس کے چھلکے باہر گلی میں نہ پھینکے تاکہ غریب پڑوسیوں کے بچے دیکھ کر محرومی کا شکار نہ ہوں۔ اس حکیمانہ نصیحت میں جہاں مالداروں کے لئے اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنے میں مصلحت ہے، وہاں ایسے لوگوں کی بیویوں کے لئے نصیحت بھی ہے کہ وہ دولت و امارت کی دوڑ میں شریک نہ ہوں تاکہ خاوند کا ذہنی سکون برباد نہ ہو اور وہ بیوی کی نت نئی فرمائشوں سے تنگ آکر یا تو ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کے طریقے سوچے یا آئے دن کی محرومیوں کے ہاتھوں زندگی سے بیزار نہ ہو جائے۔

۸۔ بیماری میں خاوند کی خدمت کرے

خاوند اور بیوی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں، اگر خدانخواستہ خاوند بیمار ہو جائے تو اچھی وفاشعار بیوی کو چاہیئے کہ وہ اپنے خاوند کی بیماری میں اسے آرام پہنچائے، اس کی خدمت بجا لائے۔

۹۔ شوہر کی فوتیدگی کے بعد کے فرائض

اگر شوہر بیوی سے پہلے فوت ہو جائے تو وفادار بیوی چار ماہ دس دن اس کی فوتیدگی کا سوگ منائے۔ زیب و زینت نہ کرے اور خاوند کے لئے خداوند تعالیٰ کی اطاعت و تابعداری کرے۔ خدا کے فیصلے پر راضی برضا الٰہی رہے اور ہمیشہ خاوند کے لئے مغفرت و بخشش کی دعا کرے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھے۔ خاوند کے رشتہ داروں سے بہتر سلوک کرے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جو عورت گھر میں بچوں کے ساتھ بیٹھی رہے، ان کی تربیت میں مصروف رہے وہ جنت میں میرے برابر ہوگی۔ (کنز العمال) گھر کی ذمہ داری نبھانا خدا کی راہ میں لڑنے والے مجاہد کے ثواب کے برابر اجر کی مستحق ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانگی طرز عمل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی عام انسانوں کی طرح دو دائروں میں منقسم تھی۔ ایک دائرہ ان کی خارجی زندگی کا تھا جس کا ایک ایک لمحہ

Marfat.com

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذریعہ ریکارڈ ہوتا رہا اور اُن کی مصدقہ اور مستند روایات کے ذریعہ مسلمانوں تک پہنچ کر زندگی کے تمام خارجی معاملات میں ہماری رہنمائی کا موجب بنا ہُوا ہے۔ اسی طرح اُن کی زندگی کا دوسرا دائرہ اُن کی خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، جسے لوگ اپنی پرائیویٹ لائف یا نجی زندگی کہتے ہیں۔ حضورؐ کی یہ نجی اور پرائیویٹ لائف بھی اُن کی ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کے ذریعہ ہمارے سامنے اسی طرح آشکارا اور واضح ہے جیسے کہ خارجی زندگی کا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ اخلاق وضابطۂ حیات ہے کہ وہ ہمیں ہماری اندرونی اور بیرونی زندگیوں میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ حضورؐ اور اُمہات المومنات رضؓ کا اُمت پر بہت بڑا احسان ہے کہ اُنہوں نے اُمت سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا اور پوشیدہ اس لئے بھی نہیں رکھا کہ حضورؐ کی زندگی کے گھریلو معاملات میں ایسی کوئی ناگفتنی تھی ہی نہیں کہ جس پر کوئی ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی تھیں، اولاد بھی تھی اور ان سے متعلق رشتے بھی تھے۔ انہوں نے تمام رشتوں کو ایک بااخلاق اور انتہائی شریف النفس انسان کی حیثیت سے نبھایا اور ایک پیغمبر کی حیثیت سے بھی ہمارے لئے روشن مثالیں چھوڑی ہیں تاکہ ہر دور کے خاوند بیویاں ان کی پیروی اور اتباع کرسکیں۔ اپنی ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان اُنہوں نے عدل وانصاف کی روایات واقدار کو برقرار رکھا۔ البتہ غیر اختیاری جذبۂ محبت کی وجہ سے اگر کسی سے زیادہ محبت کے اظہار پر مجبور تھے تو محبت کے غیر اختیاری جذبہ کے اظہار پر خدا سے ملامت نہ کرنے کی دعا فرماتے رہتے۔ ازدواجی معاملات میں طلاق کی نوبت بھی آئی۔ ایلا۔ ایک ماہ تک علیحدگی کے سلسلے بھی آئے، مگر حسنِ معاشرت اور حسنِ سلوک کی روشن مثالیں چھوڑیں۔ ناراضگی کا اظہار اور محبت کا سلوک انسانی فطرت کے مطابق اور شریفانہ انداز سے کیا۔

۱۔ سفر میں عدل وانصاف

اگر سفر کا ارادہ ہوتا اور بیویوں میں سے کسی ایک کو ساتھ رکھنا ہوتا تو اُن کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ جس بیوی کے نام قرعہ نکل آتا اُسے ساتھ لے جاتے۔ اس طرح دوسری بیویوں کی دلآزاری نہ ہوتی، نہ اعتراض کا موقعہ پیدا ہوتا۔

۲۔ شب گزاری میں انصاف

مختلف بیویوں کے حجرے الگ الگ تھے۔ شب گزاری کے لئے سب کی باریاں مقرر تھیں۔ جس کی باری آتی اس کے ہاں شب بسر ہوتی۔ اس میں ایسا نہ ہوتا کہ کسی دوسری بیوی کو اعتراض ہوتا۔ البتہ جب کبھی بغیر باری کے رات ٹھہرنے کی کسی کے ہاں ضرورت پڑتی تو اس کی اجازت سے ایسا کرتے یعنی باری والی بیوی کی اجازت ضرور لے لیتے۔ عصر کے بعد سب بیویوں کے حجروں میں جاتے۔ اُن کے حالات اور ضروریات معلوم فرماتے اور رات وہاں گزارتے جس کی باری ہوتی۔

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اظہارِ محبت

جیسا کہ پہلے ذکر ہُوا ہے کہ محبت کے غیر اختیاری جذبہ سے مجبوری کے باعث اظہارِ محبت فرماتے۔ حضرت عائشہ رضؓ سے محبت تھی۔ اُن کی عمر دوسری ازواجِ مطہرات رضؓ سے چھوٹی تھی۔ اُن کے بچپنے کی وجہ سے انصار کی لڑکیوں کو اُن کے ساتھ جا کر کھیلنے کا فرماتے اور بھیجتے۔ وہ پانی پیتیں تو آپؐ اُن سے پیالہ لے کر وہیں اُسی کنارے پر اپنا مُنہ رکھ کر بقیہ پانی پیتے جہاں حضرت

Marfat.com

عائشہؓ نے ہونٹ رکھے ہوتے۔ وہ روٹی جہاں سے کھاتیں تو اُن کی ذات کا ٹی روٹی کو وہیں سے کھاتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے دوڑنے کا مقابلہ فرمایا تو حضرت عائشہؓ اس دوڑ میں جیت گئیں، لیکن جب اُن کا بدن بھاری ہو گیا تو دوبارہ دوڑ کا مقابلہ کر کے حضورؐ ان سے جیت گئے۔ بیویوں کے پاس بیٹھ کر اُن کے واقعات سُنتے اور اپنے واقعات سناتے اور اس دوران ہنستے اور انہیں ہنساتے رہتے۔ اس بے تکلفی سے پیش آتے جیسے اولوالعزم نبی ہونے کا گمان بھی نہ ہوتا، لیکن جب دینی معاملات کا کوئی مرحلہ آتا تو پھر احساس ہوتا کہ وہ بے تکلف شوہر ہی نہیں اولوالعزم نبی بھی ہیں۔

۴۔ گھریلو مصارف میں آزادی

نبیؐ کے ہاں آسائشوں اور دولت کی فراوانیاں نہ تھیں، مگر جو کچھ میسر تھا اس میں کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ حضورؐ کو سونے چاندی کے زیورات پسند نہ تھے اور نہ گھر میں اس کا رواج اور نہ ان کی ازواجؓ نے اس کی خواہش فرمائی۔ البتہ ہاتھی دانت کے زیورات کا رواج تھا۔ اس کے استعمال کی اجازت تھی۔

۵۔ گفتگو اور تخاطب

حضورؐ نے کبھی بیویوں سے درشت لہجہ اختیار نہ فرمایا اور نہ کبھی لعن طعن فرمائی۔ گھر کے اندر نہایت خندہ پیشانی سے داخل ہوتے، ہاں اگر کسی بات پر ناگواری گزرتی تو غصہ ہونے اور جھڑکنے کی بجائے توجہ اور التفات میں کمی کر دیتے۔ بس یہی سے اُن کا رویہ درست ہو جاتا اور بے توجہی برداشت نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ حضرت صفیہؓ سے کسی بات پر ناراض ہو کر منہ موڑ لیا تو انہیں نہایت افسوس ہوا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو اپنی باری بخوشی دے کر اُن سے معافی کی سفارش کروائی۔

۶۔ بیویوں کی دلجوئی کا خیال

اگر کسی بیوی سے دوسری کے ساتھ زیادتی ہو جاتی تو کسی کی طرفداری کی بجائے زیادتی کرنے والی کو سزا دلواتے، مگر یہ انداز باہمی ہنسی خوشی اور بے تکلفی میں ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے لئے کھانا تیار فرمایا اور حضرت صفیہؓ نے بھی کھانا تیار کرایا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی لونڈی کو بھیجا کہ اگر حضرت صفیہؓ کھانا رکھے تو تم پلیٹ اُلٹ کر کھانا گرا دو۔ یہ حضرت عائشہؓ کے لڑکپن کی ضد یا مذاق تھا۔ لونڈی نے ایسا ہی کیا۔ کھانا گرا پلیٹ ٹوٹ گئی تو آپؐ نے حضرت صفیہؓ کی دلجوئی فرماتے ہوئے کہا۔ تم عائشہؓ سے اس سلوک کا بدلہ لو تاکہ حضرت صفیہؓ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت عائشہؓ کا یہ سلوک مجھے گوارا ہے۔ (المسند احمد)

ایک دفعہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت عائشہؓ حریرہ لے کر آئیں۔ حضورؐ کے سامنے رکھا۔ حضرت سودہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں کھانے کو کہا۔ انہوں نے انکار کر دیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اگر نہ کھایا تو حریرہ تمہارے منہ پر مَل دُوں گی۔ چنانچہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حریرہ حضرت سودہؓ کے منہ پر مل دیا۔ حضورؐ ہنسے اور حضرت سودہؓ سے فرمایا۔ تُم بدلہ لو، عائشہؓ کے منہ پر مل دو۔ انہوں نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ لئے۔ حضرت سودہؓ نے اپنا بدلہ مجھ سے لے لیا اور حریرہ میرے منہ پر مل دیا۔ حضورؐ ہماری چھیڑ چھاڑ پر ہنستے رہے اور اس بات کو یوں ہنسی مذاق، بے تکلفی اور دلجوئی میں بدل کر ختم کر دیا۔ (جمیع الفوائد عن الموصلی)

۷۔ حضورؐ کی نصیحتیں

حضورؐ اکثر صدقہ اور خیرات کی نصیحتیں فرماتے اور زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار پڑھنے کی تلقین فرماتے، اگر خدا کے بغیر کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو عورت کو خاوند کے سجدے کا حکم دیتا۔

Marfat.com

۸۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مردوں کو حکم حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا۔ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔ تمہیں ان پر سختی کا کوئی حق نہیں سوائے اس کے کہ وہ کھلی نافرمانی کریں، اگر وہ کھلی نافرمانی پر اُتر آئیں تو انہیں اپنی خوابگاہوں سے علیحدہ رکھو، اگر مارنا پڑے تو خیال رکھو کہ انہیں چوٹ یا زخم نہ آئے۔ اگر وہ تمہارا کہا مانیں تو انہیں ستانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں اور بیویوں کے حق تم پر ہیں۔ تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے بستروں کو پامال نہ کرائیں اور جنہیں تم ناپسند کرتے ہو تمہارے گھروں میں انہیں داخل نہ ہونے دیں اور تم پر حق یہ ہے کہ تم انہیں کھلاؤ پلاؤ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ خدا اور رسولؐ انہیں کوئی حکم دیں تو وہ اس میں اپنا اختیار چلائیں۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

طلاق کے احکامات ہمارے دینی علوم سے ناواقف لوگ طلاق کے احکامات سے عدم واقفیت کی وجہ سے ذرا ذرا سی بات پر اکٹھا تین طلاق دے دیتے ہیں شریعت اسلامی میں طلاق ایک انتہائی ناپسندیدہ صورت میں حلال فعل ہے، ورنہ خداوند تعالیٰ کی ذات ازدواجی تعلق ٹوٹنے پر خوش نہیں ہوتی۔ ما احل اللہ بغض الیہ من الطلاق۔ خدا نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو طلاق سے بڑھ کر ناپسندیدہ ہو۔ (ابوداؤد)

طلاق کے تفصیلی احکامات سورہ بقرہ، آیات ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۲ اور سورۂ احزاب کی آیت ۴۹ اور سورۂ طلاق میں موجود ہیں۔ البتہ یہاں اتنا سمجھنا ضروری ہے کہ مرد زیادہ سے زیادہ تین طلاق دے سکتا ہے مگر وہ بیک وقت نہ ہوں۔ وقفے وقفے سے ایک دو طلاق دی جائیں۔ اصلاح ہو جائے تو مرد عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے، اگر عدت گزر جائے تو اس میں نکاح کر سکتے ہیں اور اگر وہ تین طلاق دے دے تو پھر عدت کے اندر نہ رجوع کا حق ہے نہ عدت کے بعد۔ دوبارہ پشیمانی کی صورت میں دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ضروری ہے اور دوسرا مرد بھی جب اپنی مرضی سے طلاق دے دے تب پہلے کو نکاح کا حق ہوگا۔

ایک طلاق یا دو طلاق کی صورت میں عورت مرد کی زوجیت میں رہتی ہے۔ وہ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔ عدت کی صورت یہ ہے کہ ایک بار طلاق دے دو کہ تو مجھ پر طلاق ہے۔ پھر انتظار کرو یہاں تک تین حیض آجائیں۔ تاکہ اس دوران دونوں کو پشیمانی اور اصلاح کا موقعہ مل جائے اور رجوع کی گنجائش باقی ہو اور حسب سابق رشتے کا امکان ہو۔ یہ طلاق حالت حیض میں نہ دی جائے۔ حیض کے بعد پاک ہو اور مباشرت نہ کی ہو تو طلاق دو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے مباشرت کی صورت میں حمل ٹھہرا ہو۔

بیک وقت تین طلاق جہلا کی عادت ہے اور یہ عام ہے۔ اس سے ہمیشہ علیحدگی ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے حالتِ حیض میں عورت کو طلاق دے دی اور بیک وقت تین طلاق کا سن کر حضورؐ غصے میں کھڑے ہو گئے، اور فرمایا۔ کیا تم خدا کی کتاب سے کھیلتے ہو، حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ حضورؐ کے غصے کی حالت کو دیکھ کر ایک صحابیؓ نے تین طلاق دینے والے کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ (نسائی)

حضرت عبادہ بن الصامتؓ کے والد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم ہزار بار مجھ پر طلاق ہو۔ حضورؐ سے مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ تین طلاقوں پر تو اللہ کی نافرمانی کے باعث بیوی تم سے جدا ہو گئی۔ باقی ۹۹۷ طلاقیں ظلم اور نافرمانی کے طور پر ہیں جن پر خدا

Marfat.com

چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ تین طلاق کا فعل گناہ ہے اور ایسا کرنا خدا کی نافرمانی ہے۔ حضرت علیؓ کا فیصلہ ہے کہ تین طلاق پر وہ بیوی جدا ہوگئی، اب باقی طلاقوں کو دوسری عورتوں پر تقسیم کرتے پھرو۔ (تفہیم جلد ۵ ص ۵۵۶) حضرت ابن عباسؓ نے تین طلاق بیک وقت دینے والے سے فرمایا کہ تو نے خدا کے خوف سے کام کیا ہوتا تو خدا مشکلات سے نکلنے کا راستہ پیدا کر دیتا۔ اب جب تم نے نافرمانی کی ہے تو میرے پاس کوئی راستہ نہیں، تیری بیوی تم سے جدا ہوگئی ہے۔

بیک وقت تین طلاق خدا کی نافرمانی، گناہ کا ارتکاب اور شیطان کی پیروی ہے اور گنجائش کو خود اپنے ہاتھوں سے چھوڑنا ہے۔ حضرت عمرؓ تو تین طلاق دینے والے کو مارتے تھے۔ بیک وقت تین طلاق، طلاق بدعت ہے۔ ایک ایک مہینہ بعد طلاق پسندیدہ اور معقول ہے۔ خدا کرے ہم جہالت اور حماقت کے باعث بیک وقت تین طلاق نہ دیں تاکہ خاوند بیوی کے ازدواجی تعلقات بحال اور برقرار رہنے کی گنجائش باقی رہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

اولاد کے حقوق

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
اولاد کی تمنا اور قرآنی دعا۔ خونی رشتوں کا چھوٹ جانا۔ عقیدہ کی سچائی۔ صحیح اسلامی طرزِ حیات پر تعلیم و تربیت کا فقدان۔	آیت معہ ترجمہ	۱
والدین پر بچے کی تربیت فرض ہے اسلامی احکامات چند تربیتی اصول اور باتیں۔	تربیت کے حقوق، والدین کی ذمہ داری	۲
عمر بن عبدالعزیزؒ۔ خواجہ فضیل بن عیاض خضر کے واقعہ سے نصیحت۔	درست اسلامی تربیت اور والدین کی نیکی کا اثر۔	۳
غیر فطری تعلیم نہ ہو۔ بچے کی رغبت اور دلچسپی کے مطابق۔ مچھلی اور ریت کے مقام کی مثال۔	بچے کے رجحان کے مطابق تعلیم دی جائے۔	۴
مغربی شخصیات کی مثالیں۔ بادشاہ اور تیلی کے بیٹے کی مثال۔	واقعات و امثال	۵

Marfat.com

اولاد کے حقوق

آیت معہ ترجمہ

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ (سورہ فرقان: ۷۴) خدا کے نیک بندے اپنے ربّ سے دعا مانگتے ہیں۔ اے ہمارے ربّ ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک بخش اور ہمیں متقین، نیکوکاروں کا پیشوا اور امام بنا۔

تفسیر و تشریح

سورۂ فرقان کی یہ آیت، جو اس سے قبل دعا کے سلسلہ میں تقریر کا موضوع قرار دی گئی ہے، اسے اولاد کے حقوق اور والدین کے فرائض کا موضوع بھی بنایا جا رہا ہے تاکہ اولاد دینے کے بارے میں انسان کی بنیادی خواہش کا اندازہ ہو سکے کہ انسان کو کس قسم کی اولاد کی تمنا ہونی چاہیئے اور اسے اپنی تمنا کے مطابق ڈھالنے میں کس قسم کی ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیئے۔

یہ آیت سورۂ الفرقان سے تعلق رکھتی ہے اور یہ اس سلسلہ بحث میں آئی ہے کہ رحمان کے بندوں کی صفات کون کون سی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے وہ خدا کے مقبول اور پسندیدہ بندوں میں شمار ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ جنت کے مستحق قرار دیئے جاتے ہیں۔ متعدد دوسری صفات کے ذکر میں اُن کی ایک صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنے ربّ سے یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ خدایا ہماری بیویوں اور اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے اور ہمیں نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری میں اتنا آگے بڑھا دے کہ دوسرے لوگ ہماری پیروی اور تقلید کو معیاری و مثالی سمجھ کر اختیار کریں۔ یہ آیات مکہ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئی تھیں کہ جب کفر و شرک کے ساتھ ایمان و حق کا معرکہ ابتدائی مرحلے میں تھا اور ایک ایک گھرانے، کنبے اور خاندان کے لوگوں میں سے قریبی رشتہ داریاں کفر اور ایمان کے دائروں میں بٹ کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئی تھیں۔ بیوی ایمان لے آئی تو خاوند بچھڑ گیا۔ خاوند ایمان لے آیا تو بیوی بچے جُدا ہو گئے۔ بھائی بھائی سے، بہن بھائی سے، بیٹی ماں سے اور ماں بچوں سے جدا ہو گئی۔

سخت آزمائش کا مرحلہ تھا۔ انتہائی پیارے خونی رشتے اسلام کے نظریہ اور فکر کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس پس منظر میں مذکورہ آیت کی تشریح کی جائے اور اولاد کے حقوق کا خیال کیا جائے تو پہلی بات یہی سامنے آتی ہے کہ عقیدے اور ایمان کے مقابلے میں خونی رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہے، جیسے کسی بھی وقت عقیدے پہ ایمان پہ اور خدا کے دین کی خاطر چھوڑا جانا انبیاءؑ کی سنت اور صلحاءؒ کی تقلید ہے اور دیکھا جائے تو حضرت نوحؑ نے بیٹے کو طوفان کی موجوں میں ڈوبتا ابھرتا دیکھا تو جذبۂ پدری سے مجبور ہو کر خدا سے اس کے بچاؤ کا سوال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھڑک دیا کہ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ۔ وہ تمہارے اہل سے نہیں، کیونکہ اس کا عمل غیر صالح تھا۔ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ اس کے بارے میں سوال نہ کرو تمہیں اس کا

Marfat.com

علم نہیں۔

ہمارے لئے مندرجہ بالا آیت کے پس منظر اور حضرت نوحؑ کے اس واقعہ سے یہی نتیجہ ملتا ہے کہ کسی والد کی اولاد، بشرطیکہ والد اپنے عقیدے اور عمل میں سچا مسلمان ہے، اُسی وقت اس کی اولاد ہو سکتی ہے، جب اپنی اولاد کی ٹھیک دینی اور اسلامی، تعلیمی و تربیتی ذمہ داریوں سے پوری طرح عہدہ برآ ہو۔ اُسے اسلامی عقیدے اور عمل کے اعتبار سے سچا مسلمان بنانے کی فکر کرے اور اپنی طرف سے کوئی کسر اور کوئی غفلت، کوئی کمی نہ چھوڑے۔ ثابت ہوا کہ باپ بلکہ والدین کا بچے پر پہلا حق یہ ہے کہ اسے اسلامی تعلیمات، اسلامی اخلاق اور اسلامی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنے کا حق ادا کرے اور اگر خدانخواستہ اس کی ساری کوششیں اس سلسلہ میں بارآور نہ ہو سکیں تو پھر اسے سیدھی طرح اپنے عقیدے، ایمان اور نظریے پر قربان کر کے لاتعلق ہو جائے۔

اچھی باکردار اور تقویٰ دار اولاد کی دعا

مندرجہ بالا آیت میں کسی والد کے لئے یہ حق اور ذمہ داری بیان ہوئی ہے کہ والدین کو چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ سے ہمیشہ ایسی اولاد کی دعا مانگی جائے جو اپنے کردار کے اعتبار سے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکے اور خدا خوفی و پرہیزگاری کے ایسے مقام پہ ہو کہ دوسرے لوگوں کے لئے باعثِ تقلید اور موجبِ پیروی بن سکے۔

تعلیمی ادارے

ہمارے ہاں اولاد تو مانگی جاتی ہے، مگر رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْن کی بنیادی حقیقت کو بھلا دیا جاتا ہے اور جب اولاد پیدا ہوتی ہے تو پھر اُس کی درست دینی اور اسلامی تربیتی ذمہ داریوں سے اغماض برتا جاتا ہے بلکہ سرے سے ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اکثر گھرانوں میں چونکہ خود والدین اسلامی طرزِ حیات اور دینی طرزِ زندگی کے حامل نہیں ہوتے، اس لئے ایسے گھروں میں پروان چڑھنے والی اولاد بھی اسلام سے دُور ہوتی ہے۔ جہاں تعلیم ہے یعنی وہ گھرانے جو خود تعلیم یافتہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُن کی اولاد بھی تعلیم حاصل کرے۔ اس کے لئے یہاں دُوہرا قسم کا نظامِ تعلیم رائج ہے۔ ایک خالص مغربی طرز کا، جہاں دینی تہذیب اور اسلامی طرزِ بود و ماند کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ ان کی نشست برخاست، لباس، کھانا پینا سب کچھ انگریزی انداز کا ہوتا ہے۔ ایسے گھریلو ماحول اور تعلیمی ادارے کی تربیت سے ظاہر بات ہے کہ جعلنا للمتقین اماما کی حسرت پوری نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرف عام لوگوں کے لئے جو سرکاری تعلیمی ادارے موجود ہیں وہ اکثر و بیشتر حکومت کی بے توجہی اور غفلتوں کا شکار ہیں۔ نہ اساتذہ کا اخلاقی اور تعلیمی معیار پرکھا جاتا ہے نہ نصابِ تعلیم میں اسلامی تہذیب و تمدن کو سمویا گیا ہے۔ ان کی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ تدریسی ذمہ داریوں کو نبھایا نہیں جا رہا اور امتحانی معاملات کا یہ عالم ہے کہ جعلی سندیں، پرچہ جات کی کڑی مارکنگ تو کجا انہیں قبل از وقت آؤٹ کرنے اور زیادہ تر زور نقل نویسی پر ہے۔ تعلیم کا یہ حال ہو تو تربیت کا جو حال ہوگا، اُس کے نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں۔

جدید تعلیم کے ان مردہ اداروں اور نظاموں کے ساتھ ساتھ دینی تعلیمی ادارے بھی موجود ہیں، مگر وہ حکومت کی سرپرستیوں اور بھرپور امداد سے محرومی کے باعث کسی نظامِ تعلیم، نصابِ تعلیم اور معیارِ تدریس و معلمین کے پابند نہیں ہیں۔ ہر مکتبِ فکر اور مسلک سے وابستہ افراد و علماء کے تحت چلنے والے ان دینی اداروں کے طلبہ وسعتِ نظر، وسعتِ فکر اور وسعتِ قلب سے محروم ہیں۔ اور اپنے اپنے مسلکوں کے کنوؤں کے مینڈک ہیں۔ ایک ہی مسلک کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے یہ طلبہ دوسرے مسالک کے بارہ میں

سخت متعصب ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دنیا کی امامت کے اہل بن سکیں۔

ایسے حالات میں کہ سلطانی بھی عیاری ہو اور درویشی بھی عیاری، تو پیدا ہونے والا بچہ ٹھیک اسلامی اور دینی تربیت کہاں سے پائے۔ گھریلو ماحول غیر اسلامی ہو، تعلیمی اداروں کا یہ حال ہو اور باہر معاشرے میں چاروں طرف اخلاقی برائیوں کی بدبو، تعفن اور سڑاند موجود ہو تو والدین کی سچی دعاؤں اور خداوند تعالیٰ کے خاص فضل و کرم کی ضرورت اور اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ خداوند تعالیٰ ہماری اس قسم کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشے اور فطری اُفتاد اور طبعی عادات پر مشتمل صالح اولاد کی نعمت سے نوازے۔

تربیت اولاد کی اسلامی اہمیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، مگر یہ والدین ہوتے ہیں جو اسے یہودی اور نصرانی بناتے ہیں۔ گویا والدین کے ذاتی عقائد، نظریات اور ان کا ذاتی رہن سہن، اخلاق و کردار، بچوں کی عادات، خیالات اور نظریات پر اثر انداز ہوتا ہے اور وہ ان سے سیکھتا، اخذ کرتا اور اثر لیتا ہوا بڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ہمیں خود کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور بچے کو بھی اسی کے مطابق تربیت دینا ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا۔ اے ایمان والو، خود کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اور دوزخ کی آگ سے تب ہی بچ سکے گا جبکہ اس کی تعلیم و تربیت، اسلامی تعلیمات و احکامات کے عین مطابق ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وامر اھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا۔ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ وانذر عشیرتک الاقربین۔ اے نبیؐ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤ۔ ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایک بچے پر اسلامی تعلیمات کی رو سے سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اسے اسلامی عقائد و اخلاق کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کسی باپ کا بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔ (مشکوٰۃ) پھر فرمایا۔ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرو۔ جب دس سال کے ہوں تو نماز نہ پڑھنے پر سزا دو، اور اس عمر تک پہنچنے کے بعد ان کا بستر الگ کر دو۔ (مشکوٰۃ شریف) تم قیامت کے دن اپنے والد کے نام سے پکارے جاؤ گے اس لئے اپنا نام اچھا رکھو۔ (ابو داؤد) حضرت ابو وہبؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا نام پیغمبروں کے نام پر رکھو۔ سب سے پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں۔ (ابو داؤد، طبرانی) ناموں کے سلسلہ میں آجکل ان ہدایات پر عمل کی بجائے فلمی دنیا کے فنکاروں، ناولوں کے کرداروں کے نام رکھے جاتے ہیں یا ایسے لایعنی نام جن کے معنی والدین کو بھی نہیں آتے۔

لڑکی کی پیدائش پر رواج یہ ہے کہ اتنی خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا، جس قدر بیٹے کی پیدائش پر ہوتا ہے اور یہ چیز ہماری معاشرتی زندگی میں لڑکیوں کے سلسلے میں والدین پر جہیز اور شادی کی بے جا رسومات کے بوجھ کا نتیجہ بھی ہے اور بگڑتے ہوئے معاشرے میں بچیوں کی عزت و ناموس کی پاسداری کے شدید احساس کا ردِ عمل بھی ہے۔ ایسے حالات میں یہ احساس اور ردِ عمل قدرتی بات ہے اگر دیکھا جائے تو معاشرے کی اس بگڑی ہوئی حالت کے باوجود بچوں کی نسبت سے بچیاں آج بھی تعلیمی، اخلاقی اور خدمت گزاری کے لحاظ سے لڑکوں سے ہزار گنا بہتر ہیں، اگر کہیں کوئی ایسی خرابی موجود بھی ہے تو وہ ہماری اپنی پیدا کردہ اور اسلامی تعلیمات سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو خداوند تعالیٰ اس گھر میں فرشتے بھیجتے ہیں جو آکر کہتے ہیں کہ

Marfat.com

اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ فرشتے لڑکی کو پروں کے سائے میں لیتے ہیں، سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کمزور جان ہے جو کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے جو اس کی پرورش کرے گا، قیامت تک خدا اُس کی مدد کرے گا۔ (طبرانی)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ جو شخص لڑکیوں کی پرورش کے ذریعہ آزمایا جائے گا اور وہ اُن کی صحیح پرورش کرکے آزمائش میں پورا اُترے گا تو یہ لڑکیاں قیامت کے دن والدین کے لئے جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال بن جائیں گی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، لیکن تین ذریعے ایسے ہوتے ہیں جس سے اس کے لئے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ (۱) صدقہ جاریہ، یعنی ایسا کام جس کی وجہ سے لوگوں کا دینی اور دنیاوی نفع جاری رہے۔ (۲) تعلیم، جس سے موجودہ اور آنے والی نسلیں فائدہ اُٹھا سکیں۔ (۳) صالح اور نیک اولاد جو والدین کی وفات کے بعد ان کی مغفرت کی دعا مانگتی رہے۔ (ادب المفرد)

تربیت کے حقوق اور ذمہ داری

اگر کسی وجہ سے خاوند اور بیوی کے درمیان جدائی ہو گئی اور طلاق مل گئی، ایسے وقت میں بیوی کی گود میں بچہ ہو تو بچے کی پرورش کا حق ماں کو ہے۔ خاوند بچے کو زبردستی نہیں چھین سکتا۔ البتہ بچے کے اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے اور یہ اخراجات بچے کی سات برس کی عمر تک ہیں۔ اس کے بعد باپ اپنے بچے کو بیوی سے زبردستی لے سکتا ہے۔ اگر لڑکی ہے تو اس کی پرورش کے اخراجات نو ۹ برس تک ہوں گے۔ نو ۹ برسوں کی عمر کے بعد باپ اپنی بچی کو زبردستی لے سکتا ہے۔ اگر ماں بچے کی تربیت یا پرورش کرنے سے انکاری ہو تو باپ بچے کو لے سکتا ہے۔ زبردستی عورت کو نہیں دے سکتا، اگر بچے کی ماں نہ ہو تو پھر پرورش کا حق بچے کی نانی کو حاصل ہے۔ اس کے بعد دادی، پردادی، اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر لڑکے کی سگی بہنوں کا حق ہے بشرطیکہ وہ گھر بار والی ہوں۔

پرورش اور تربیت کیلئے ضروری ذمہ داریاں

یہ خیال رہے کہ بچے کی چھوٹی عمر کی عادات ہی ساری زندگی میں باقی رہتی ہیں۔ اس لئے ابتدا ہی سے اچھی عادات پیدا کرنا ایک اچھی ماں اور باپ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بچے کو دودھ پلانا ماں کی ذمہ داری ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے بھی اور دُودھ کے اثرات کے خیال سے بھی بچے کی ماں اپنی اس ذمہ داری سے گلو خلاصی سے کام نہ لے۔ آج کل جدید فیشن ایبل مائیں اس ذمہ داری اور پابندی سے آزاد ہونا چاہتی ہیں اور بچے کو بازاری بوتلوں کا دُودھ پلایا جاتا ہے جس کے لئے کوئی عورت رکھی جاتی ہے۔ یہ بات اسلامی قوانین کی ذمہ داری سے گریز بھی ہے اور طبی اعتبار سے غلط بھی اور اس لحاظ سے بھی کہ بچے میں ماں کے دُودھ کے خونی اثرات باقی نہ ہوں گے۔ اکبر الٰہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

طفل سے بُو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دُودھ ڈبوں کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

یہی وجہ ہے کہ آج کی اس قسم کی پروردہ نسل میں خاندانی روابط ماں باپ سے فطری محبت باقی نہیں رہی۔ دودھ کے معاملے میں یہ خیال ضرور رکھا جائے کہ بچے کو ہر قسم کی عورتوں کا دودھ نہ پلایا جائے بلکہ نیک اور دین دار عورت کو ترجیح دی جائے بشرطیکہ ماں اپنے دودھ کی کمی یا کسی وجہ سے پلانے کے قابل نہ ہو۔ دودھ اور کھانے کے اوقات مقرر ہوں تاکہ مقررہ اوقات کی عادت ساری عمر برقرار رہے اور ہر وقت دودھ کے لئے رونے اور کھانے کے لئے ضد پیدا نہ ہو۔ بعض مائیں بچوں کو

چپ کرانے کے لئے ڈرانے کی ضرورت محسوس کرتی ہیں، ایسا نہ کیا جائے۔ اس طرح اس میں خوف اور بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ بچے کو ہر وقت صاف ستھرا رکھا جائے اور ستھرا رہنے کی عادت پیدا کی جائے۔ صفائی اور ستھرائی کا یہ مطلب نہیں کہ اسے بناؤ سنگار اور ہمہ وقت کنگھی شیشہ کے استعمال کا عادی بنایا جائے۔ لڑکی کو پردہ میں بیٹھنے کی عمر تک زیور پہننے سے روکا جائے کیونکہ باہر گھومتے ہوئے زیور کے گم ہونے، چھینے جانے کے علاوہ خود اس کی اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنا ہوگا۔ بچوں کے ذریعہ غریبوں محتاجوں کی امداد کی جائے۔ یہ امداد بچوں کے ہاتھ سے دلائی جائے تاکہ ان میں سخاوت اور غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔ گھر میں کھانے کی چیزیں تقسیم کرنا ہوں تو بچوں کے ذریعہ تقسیم کرائی جائیں تاکہ ان میں باہمی سلوک، رواداری اور ایثار کا جذبہ پیدا ہو۔

کسی کی برائی نام لے کر نہ کی جائے

کسی کا نام لئے بغیر اُس کی بُری عادات کا ذکر بچوں کے سامنے نفرت سے کیا جائے تاکہ ان عادات کے بارہ میں ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو اور انہیں معلوم ہو کہ یہ عادات بُری ہیں۔ چوری، لالچ، جھوٹ وغیرہ۔ لالچ، حرص اور کھانے میں زیادہ اور جلدی جلدی بھوکوں کی طرح کھانے سے روکا جائے۔ ٹھہر ٹھہر کر آرام سے کھانے کی عادت ڈالی جائے۔ لڑکوں میں لڑکیوں جیسا لباس اور عادات پیدا نہ ہونے دی جائیں تاکہ ان میں مردانہ اوصاف پیدا ہوں۔ اسی طرح لڑکیوں میں لڑکوں جیسی گفتگو، مردانہ صیغوں کا استعمال، سختی سے منع کیا جائے۔ میں کھاتا ہوں، میں جاتا ہوں نہ کہے اور نہ لڑکوں کے انداز اور لباس اختیار کرے۔

ضد پوری نہ کی جائے

بچے کی ضد پوری نہ کی جائے۔ اس سے مزاج بگڑ جائے گا۔ پھر اس کی ضدوں کو پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بلند آواز اور چلّا کر بولنے سے روکا جائے۔ بچّوں کو آوارہ مزاج اور بُری عادات والے بچوں کی صحبت اور دوستی سے روکا جائے۔ غصّہ، جھوٹ، حسد، چوری، چغلی، حرص، بے فائدہ باتوں اور بڑوں کی گفتگو میں دخل اندازی سے سختی کے ساتھ روکا جائے۔ بے بات ہنسنا۔ زیادہ ہنسنا۔ دھوکہ دینا، بُری بھلی بات کا نہ سوچنا۔ ایسی تمام باتوں اور عادتوں سے منع کیا جائے اور ٹوکا جائے۔ گھر میں توڑ پھوڑ اور کسی کو مارنے پر سزا دی جائے تاکہ یہ پھر ایسا نہ کرے۔ غلطیوں پر اُلٹا پچکارنا، لاڈ پیار کرنا سخت خطرناک ہو سکتا ہے۔ صبح دیر سے جاگنے اور رات کو جلد سونے سے روکا جائے۔ اس سلسلہ میں زبردستی کی جائے۔ سات برس کا ہو جائے تو نماز کا عادی بنایا جائے۔ پڑھنے کی عمر کا ہو تو قرآن کریم کی تعلیم دی جائے۔ دنیاوی تعلیم جیسی بھی دی جائے، لیکن کسی با اخلاق، با کردار استاد کا انتخاب کر کے قرآن کریم ناظرہ اور باترجمہ پڑھانے کا اہتمام گھر پر ضرور کیا جائے۔ نماز، روزہ کے ضروری مسائل اور اوراد و وظائف اور قرآنی دعائیں ضرور یاد کرائی جائیں تاکہ حسبِ ضرورت دعا مانگ سکے۔

گھریلو دینی تعلیم پر سختی کی جائے اور غیر حاضری یا جی چُرانے کو برداشت نہ کیا جائے۔ آخری پارہ اگر تمام یاد کرایا جائے تو بہت بہتر ہوگا، ورنہ ہر نماز کے لئے مختصر اور میانہ درجے کی سورتیں یاد کرائی جائیں۔ سورۂ ملک، سورۂ یٰسین، سورۂ سجدہ، سورۂ مزمل ضرور یاد کرائی جائیں اور ان کی تلاوت کے فوائد بچے کو سکھائے جائیں۔

Marfat.com

بچوں کے ساتھ میل جول

گھر میں والدین کو سب بچوں کے ساتھ مل بیٹھنے کا وقت ضرور مقرر کرنا چاہیے جس میں گھریلو مسائل، معاملات، خاندانی روابط، رشتہ داروں سے سلوک کے پند ونصائح ضروریات ہوں تاکہ بچے ان معاملات ومسائل میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور انہیں ان معاملات سے مکمل آگاہی ہو سکے اور گھریلو خانگی پالیسی اور بیرونی پالیسی کے مطابق رویہ اپنا سکیں، اگر کسی معاملے میں وہ رائے دینے کے قابل ہوں تو اُن کی رائے سنی جائے۔ ایسی نہ ہو تو دلائل سے سمجھایا جائے۔ مشترکہ طور پر جو فیصلہ ہو اُس پر مشترکہ عمل کیا جائے اور ہر ایک کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے۔ اس طرح معاملات میں اُسے اپنی اہمیت کا احساس ہوگا۔ وہ غیر متعلق رہنے کی بجائے شریک ہو کر ذاتی دلچسپی لے گا جس سے والدین کا بوجھ کم ہو جائے گا اور عملی زندگی میں گھریلو ذمہ داریاں نبھانے کے قابل ہوگا۔

مسلمان باکردار لوگوں کا ذکر

اس قسم کی مشترکہ گھریلو محفلوں میں اسلامی سپہ سالاروں، نیکوکاروں کی کہانیاں شجاعت اور بہادری کے کارنامے ضرور سنائے جائیں۔ فحش لٹریچر اور فحش باتوں سے دُور رکھا رکھا جائے۔ دین کی باتیں کی جائیں۔ اُن کے حقوق وفرائض سے آگاہ کیا جائے۔ دنیاداری کے معاملات سمجھائے جائیں کھیل کود کا موقعہ دیا جائے تعلیمی کھیل جسمانی کھیل کھیلنے دیئے جائیں تاکہ صحت برقرار رہے سستی وکاہلی پیدا نہ ہو۔ کھیلوں میں چوٹ لگنے اور برائی سیکھنے کا کھیل نہ ہو۔ مثلاً آتش بازی، باجے، گانے بجانے کے کھیل نہ ہوں

ہُنر سکھانا

تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسا ہُنر ضرور سکھایا جائے جس سے چار پیسے کمائے جا سکیں اور مصیبت میں کام آئے۔ لڑکیوں کے معاملے میں کھانا پکانا، گھریلو صفائی، آرائش، سینا پرونا، بُننا اور زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم اور بچیوں کے مسائل سے آگاہی کے لئے بہشتی زیور پڑھایا جائے جس میں بچوں کی نگہداشت، بیماریاں اور ان کے علاج، کھانے پکانے صابن سازی، اچار سازی وغیرہ کے بہترین نسخے موجود ہیں۔ بچوں کو اپنا کام خود اپنے ہاتھوں کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ بستر بچھانا تہہ کرنا، کپڑے نکالنا، استری کرنا، بوٹ پالش کرنا، اپنی کتابیں سنبھالنا، تعلیمی ضروریات کا خیال رکھنا وغیرہ۔

اچھی باتوں کی حوصلہ افزائی

اچھی باتوں اور اچھے کاموں پر حوصلہ افزائی کی جائے۔ شاباش دی جائے بلکہ انعام دیا جائے۔ بُری باتوں اور حرکتوں پر سمجھایا جائے۔ علیحدگی میں نصیحت کی جائے۔ انداز غصے کا نہ ہو سمجھانے کا ہو مثلاً یہ بُری بات ہے، لوگ کیا کہیں گے، نیک بچے ایسا نہیں کرتے، بدنامی ہوتی ہے، لوگ نفرت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی باتوں کے بعد بھی دوبارہ بُری بات یا کام کا اعادہ کرے تو پھر سزا دی جائے۔ اس سمجھانے میں ماں باپ دونوں کا رویہ ایک جیسا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ باپ بُرا منائے تو ماں دلاسہ دے دے یا ایسی بُری حرکت کو باپ سے چھپا کر اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ ماں بچے کو باپ کی ناراضگی کا احساس دلاتی رہے۔ چھپا کر کوئی کام کرنے یا چھپا کر کھانے کی عادت نہ ڈالی جائے۔ سب کے سامنے کرے، سب کے ساتھ کھائے۔ بچے کو محنت طلب کام سپرد کیا جائے۔ بازار سے سودا سلف لانے کی ذمہ داری سونپی جائے تاکہ بھاؤ تاؤ معلوم ہوں۔ اس کا حساب چیک کیا جائے۔ غلطی کرے، خراب یا مہنگی چیز پہ باز پُرس ہو تاکہ غلطی کا احساس پیدا ہو اور ذمہ داری نبھانے کا عادی ہو سکے۔ بچے کی نشست وبرخاست، چلنے پھرنے، گفتگو کرنے کے ہر انداز کا خیال رکھا جائے۔ گفتگو میں شیخیاں نہ بگھارے۔ بیٹھنے میں بے ادبی وگستاخی نہ ہو۔ چلنے میں اکڑ یا غرور نہ ہو بلکہ عاجزی

Marfat.com

انکساری ہو۔

کھانا دائیں ہاتھ سے کھائے۔ شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالی جائے۔ محفل میں ہو تو دوسروں سے پہلے شروع نہ کرے۔ اپنے سامنے سے کھائے۔ دوسرے کھانوں والوں کا خیال رکھے۔ بھوکے پن اور حرص کا مظاہرہ نہ کرے۔ نیچے نہ گرائے۔ محفل میں بیٹھے تو ادب اور نرمی سے بات کرے۔ محفل میں تھوکنا، ناک صاف کرنا، انگلی گھمانا نہ کرے۔ جمائی یا چھینک آجائے تو منہ پہ ہاتھ رکھے۔ محفل میں دوسروں کی طرف پاؤں یا پشت نہ ہو۔ بات بات پر قسم نہ کھائے۔ گفتگو کے سلسلے میں اسی موضوع پر بولے، کسی کی بات نہ کاٹے۔ نئے آنے والے کا احترام کرے، اسے جگہ دے۔ محفل سے اُٹھے تو اجازت لے کر اُٹھے۔

تربیت کے سلسلے میں جو کچھ اُوپر بیان ہوا ہے یہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی تو نہیں ہے، لیکن اگر والدین ان باتوں کا خیال رکھیں اور بچوں کو ان عادات کے مطابق پروان چڑھائیں تو یقین ہے کہ وہ بچے کے حقِ تربیت سے ضرور سرخرو ہوں گے اور ان عادات کی حامل اولاد یقیناً معیاری اور مثالی ہوگی اور ایسی اولاد ہی والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکے گی۔ اولاد کا ماں باپ پر سب سے بڑا حق اُن کی تعلیم و تربیت کا حق ہے۔ باقی سب باتیں رواجی اور رسمی ہیں۔ تربیت سے بڑی نیکی اولاد کے حق میں اور کوئی نہیں ہے کسی بزرگ کا قول ہے کہ بچوں میں اچھائی اور برائی کی تمیز پیدا کی جائے اور برائی کا پہلا چسکا گالی سے پڑتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کی تربیت

ماں باپ اور استاد کی ناراضگی یا غصہ اصلاح کے لئے ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے بغیر ساری دولت اور جائیداد بیکار ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی وفات پر کُل اکیس دینار اپنی اولاد کے لئے چھوڑے تھے۔ ان میں سے دو دینار قبر کے لئے زمین خریدنے پر صرف ہوئے، پانچ دینار اُن کے کفن دفن پر خرچ ہوئے۔ باقی چودہ دینار سے درہم بنائے گئے تو وارثوں پر تقسیم ہوئے۔ ان کے ہر لڑکے کو انیس انیس درہم ترکہ ملا۔ یہ ترکہ تاریخ اسلام کے عظیم ترین حکمران کا تھا جو پانچواں خلیفہ راشد کہلاتا تھا، جس کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ اُن کی زندگی میں اُن کے پاس کپڑوں کا دوسرا جوڑا نہ ہوتا تھا۔ بیت المال کو عوامی خزانہ سمجھتے تھے۔ اس میں سے اپنی ذات اور اولاد پر خرچ نہ فرماتے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے چچازاد بھائی ہشام بن عبدالملک بھی اسی سلطنت کے بادشاہ تھے۔ وہ شاہانہ جاہ و جلال سے رہا۔ اُس کی وفات پر ایک ایک لڑکے کے حصے میں دس دس لاکھ درہم آئے تھے۔ ان دونوں حکمرانوں میں جو فرق تھا وہ یہ تھا کہ ایک خدا سے ڈرنے والا اور دوسرا خدا سے غافل تھا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری وقت آیا تو مسلم بن عبدالملک نے انہیں کہا۔ آپ نے اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا۔ انہیں ایسی حالت میں چھوڑ رہے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا، یہ غلط ہے کہ میں نے ان کا منہ خشک چھوڑا ہے۔ میں نے ان کا حق کبھی تلف نہیں کیا۔ البتہ جو ان کا حق نہ تھا وہ نہیں دیا۔ میں نے اُن کا معاملہ خدا پہ چھوڑا ہے۔ میری اولاد اگر اللہ سے ڈرے گی تو خدا خود اُن کی صورت نکالے گا۔ ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ جو شخص خدا سے ڈرنے والا ہوگا خدا اس کے لئے راستہ نکالے گا اور اسے بے حساب رزق دے گا۔ رزق کے ذرائع اس کے وہم و گمان میں

Marfat.com

نہ آئیں گے ۔ اور اگر میری اولاد بُری نکلی تو میں ان کے لئے دولت چھوڑ کر خرابی کے اسباب کیوں پیدا کروں۔ پھر عمر بن عبدالعزیزؒ نے لڑکوں کو پاس بُلایا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا۔ تم پہ میری جان قربان ہو۔ تمہارے لئے میں نے دولت و جائیداد تو نہیں چھوڑی، لیکن تمہاری بہترین تربیت ضرور کی ہے، تمہیں صراط مستقیم پہ چھوڑا ہے۔ میرے بیٹو! مجھے دو باتوں کا اختیار تھا۔ ایک یہ کہ دولت چھوڑ کر جاتا تو تم گمراہیوں میں مبتلا ہو کر دوزخ میں جاتے۔ دوسرا دولت نہ چھوڑوں، لیکن ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاؤ۔ صراطِ مستقیم پہ چلانے کی کوشش کرتا۔ لہٰذا میں نے دوسرا راستہ اختیار کر کے تمہیں دوزخ کی آگ سے بچایا ہے۔ تم اللہ پر بھروسہ رکھو، خدا تمہارا حافظ و مددگار ہوگا اور تاریخ گواہ ہے کہ

ہشام کے لڑکے جنہیں دس دس لاکھ درم ملے، دو لقموں کے محتاج تھے۔ لوگ انہیں صدقہ و خیرات دیتے تو حلق بھیگ جاتا۔ ان کے مقابلے میں اولاد کی بہترین تربیت، ایمان اور خدا خوفی کی صفات پیدا کرنے والے عمر بن عبدالعزیزؒ کی اولاد کا یہ حال تھا کہ انہیں باپ کے ترکہ میں سے صرف انیس انیس درم ملے تھے، ایسے ہوئے کہ جہاد کا موقعہ آتا تو ایک ایک سو گھوڑے ہدیہ دیتے تھے۔ جو لوگ خدا ترس، تقویٰ دار اور خدا پہ توکل کرنے والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے ایسے دوستوں سے دوستی کا حق نبھانا جانتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے سفر کی تفصیل موجود ہے کہ خداوند تعالیٰ نے یتیم بچوں کے خزانہ کو محفوظ فرمانے کے لئے گری ہوئی دیوار کو تعمیر کرایا۔ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۔ (الخ ۸۲)۔ دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے بچوں کے لئے خزانہ ہے۔ ان کا باپ نیک آدمی تھا، اس لئے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ والدین کی نیکی کا لحاظ و خیال اللہ نے ان کی ساتویں پشت میں بچوں کا خزانہ محفوظ فرما کر کیا کہ خدا کے ساتھ تعلق ساتویں پُشت تک کو بھی فائدہ دیتا ہے۔ اسی سورۂ کہف میں اُوپر آیت نمبر ۸۰، ۸۱ میں نوجوان کے قتل کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ خضر علیہ السلام نے اس لئے قتل کیا کہ اس کے والدین مومن تھے اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی، بغاوت اور کفر سے انہیں تنگ کرے گا۔ اس لئے اُس کے بدلے میں مومن والدین کو ان کا ربّ ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی کی بھی توقع زیادہ ہو۔ سورۂ کہف کی ان دو آیات سے یہ سبق ملتا ہے کہ خدا سے تعلق ہو اور یہ تعلق ایک باپ اپنی اولاد تک پھیلا دے تو اللہ تعالیٰ اپنے تعلق کا پاس فرماتا ہے اور اپنے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ پھر یہ بات سامنے آتی ہے کہ مومن کا اعتماد دنیا اور اس کے اسباب پر نہ ہو کر اولاد کے لئے یہ کروں، وہ کروں، بلکہ خدا کے ساتھ تعلق کو برقرار رکھ کر اولاد کو بھی اسی تعلق سے جوڑ دے اور دنیاوی معاملات و اسباب پر بھروسے کی بجائے خدا پر توکل ہونا چاہیئے۔

والدین کی نیکی کا خدا خیال رکھتا ہے

حضرت فضیل بن عیاضؒ کے متعلق مشہور ہے کہ مرتے وقت اپنی اہلیہ سے وصیّت کی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد تم دونوں بیٹیوں کو لے کر ابُوقبیس کی پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنا۔ خدایا! فضیلؒ نے وصیّت کی ہے کہ جب تک زندہ رہا، ان پناہ گزین بچیوں کو طاقت کے مطابق اپنے پاس رکھا، اب تُو نے مجھے قبر میں قید کر لیا ہے تو میں تمہاری امانت تمہارے حوالہ کرتا ہوں۔ حضرت فضیلؒ کی اہلیہ

Marfat.com

نے وصیت کے مطابق ایسا ہی کیا۔ اتنے میں یمن کا امیر وہاں دو بیٹوں کے ہمراہ آگیا۔ بچیوں کی ماں کو روتے دیکھ کر حال پوچھا۔ اُس نے سب حال سنایا تو امیر یمن نے دونوں لڑکیوں کا اپنے دونوں بیٹوں کے لئے رشتہ مانگا۔ لڑکیوں کی والدہ نے اسے تائیدِ غیبی جان کر اور وصیت کی قبولیت سمجھ کر دے دیا۔ امیر یمن دونوں لڑکیوں کو یمن لے گیا اور دس دس ہزار دینار مہر مقرر کر کے بیٹوں سے نکاح کر لیا۔ جو خدا کا ہوتا ہے خدا اس کا ہوتا ہے۔

انصاف کا خیال رکھے

ایک والد کی ساری اولاد اس کی اپنی ہوتی ہے، لیکن بعض والدین تعلیم و تربیت، لاڈ پیار اور حصہ داری میں سب اولاد سے یکساں سلوک نہیں کرتے۔ بیٹوں میں سے کسی کو بہت کچھ دے دیا اور کسی بے چارے کو محروم کر دیا۔ بچوں میں سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک اور بہت زیادہ مال دے دیا اور دوسرے غریب یا غیر محبوب بیوی کی اولاد یا پہلی بیوی کے یتیم بچوں کو سرے سے محروم کر دیا۔ یہ بات انتہائی بڑی ناانصافی اور گناہ ہے۔ اولاد کا حق تربیت اور باپ کی جائیداد میں سب کا حق ہے اور اس حق سے کسی کی محرومی قیامت میں خدا کے غضب کی دعوت ہوگی۔

فطری رجحان اور طبعی میلان کا خیال رکھنا

ہر بچہ خاص صلاحیت لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اسے اس کے فطری رجحان اور طبعی میلان کے خلاف کام پر مجبور کیا تو ناکامی ہوگی اور ظلم بھی ہوگا۔ اکثر لڑکے جنہیں نالائق، سست اور کند ذہن کہہ کر زیادتی اور سختی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ وہ دراصل ناموزوں اور نامناسب کام پر لگا دیئے گئے ہوتے ہیں۔ چوکور چیز کو گول سوراخ میں ٹھونسنے کی کوشش بے جا ہے۔ خلافِ طبع ہونے کی وجہ سے انہیں مارا پیٹا جاتا ہے یہ فطری تربیت نہ ہوگی۔

ناموزوں، خلافِ طبع تعلیم نہ ہو

اکثر والدین ہرچہ باشی زود باش کے مصداق بچوں کو اپنی عمر کی سوجھ مہارت اور علم کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ جیکب آسٹر کا والد قصاب تھا۔ اسے موروثی پیشہ میں ڈالنا چاہتا تھا، لیکن اس بچے کے اندر زبردست تجارتی صلاحیت تھی۔ چنانچہ آگے چل کر وہ ملک التجار بنا۔ اسی لئے ایرن نے اس کے قصاب والد کو سمجھایا کہ تم اپنی طرح اپنے بچے کو دوسرا قصاب کیوں بنا رہے ہو۔ ہمارے ہاں والدین دوسروں کی دیکھا دیکھی بچوں کی صلاحیتوں کا اندازہ کئے بغیر خواہ مخواہ سائنسدان، انجینئر اور ڈاکٹر بننے پر اصرار کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر بننا تو درکنار عام تعلیم سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

آرک رائٹ کے نادان والدین نے اسے حجام کا شاگرد بننے پر مجبور کیا، لیکن قدرت نے اس کے دماغ میں عجیب ایجاد بھر رکھی تھی جس سے آگے چل کر بنی نوع کو فائدہ پہنچایا اور انگلستان کے لاکھوں مفلسوں کو مزدوری سے نجات ملی۔ قدرت کبھی ایک طرح کے دو انسان پیدا نہیں کرتی۔ شکلوں کا اختلاف طبیعتوں کے اختلاف کا بڑا ثبوت ہے۔ ناموزوں، غیر مناسب اور خلافِ طبیعت تعلیم و تربیت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مچھلی دریا کے کنارے ریت پر پڑی تڑپتی ہو، دریا کی ایک لہر آکر جب اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے تو وہ تیر کی طرح دریا میں تیرنے لگ جاتی ہے۔ ریت پر پڑے بھی پر اور دُم اس کے ساتھ تھی، لیکن ریت اس کے لئے ناموزوں مقام تھی۔

Marfat.com

مولیر نے محسوس کیا کہ وہ وکالت کے قابل نہیں۔ اُس نے اس پیشہ کو چھوڑ کر اپنی طبیعت کے مطابق علم وادب کا میدان چُنا تو لازوال شہرت حاصل کی۔ رابرٹ کلائیو اپنے سکول میں احمق اور کند ذہن خیال کیا جاتا تھا، لیکن اس نے اپنی فوجی موزونیٔ طبع کے باعث بتیس سال کی عمر میں تین ہزار رومیوں سے پلاسی کے میدان میں پچاس ہزار فوج کو شکست دے کر ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی بنیادیں رکھیں۔ گولڈسمتھ کا نام طبابت میں نالائقی کی وجہ سے خارج کر دیا تھا۔ علم وادب کے شعبہ میں داخل ہوا تو آسمانِ ادب پر سورج بن کر چمکا۔ سر والٹر سکاٹ کو اُس کے استاد بدھو کہا کرتے تھے۔

بہرحال والدین کا حق بنتا ہے کہ وہ بچے کی صلاحیتوں کو اُبھرنے کے مواقع مہیا کریں۔ ان کا میلانِ طبع معلوم کر کے انہیں انہی راستوں پر ڈالیں جنہیں بچے خود اختیار کرنا چاہتے ہوں۔ علم دلانا والدین کا اولین فرض ہے کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ انسانیت کی بنیاد اخلاق پر ہے اور اخلاق کی بنیاد علم پر ہے۔ کسی بادشاہ نے ایک تیلی سے پوچھا۔ ایک من تلوں میں سے کتنا تیل نکلتا ہے؟ تیلی نے کہا۔ دس سیر۔ پھر پوچھا۔ دس سیر میں سے۔ تیلی نے کہا۔ اڑھائی سیر۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اڑھائی سیر تلوں میں سے کتنا تیل نکلتا ہے۔ تیلی نے کہا۔ اڑھائی پاؤ۔ بادشاہ نے پھر پوچھا۔ اڑھائی پاؤ تلوں میں سے؟ اسی طرح سلسلۂ سوالات کے آخر میں بادشاہ نے پوچھا۔ اچھا بتاؤ کہ ایک تِل سے کتنا تیل نکلتا ہے؟ تیلی نے جواب دیا۔ جس سے ناخن کا سرا تر ہوسکے۔ بادشاہ تیلی کی اپنے کاروبار میں اس قدر مہارت اور معلومات پر بہت زیادہ خوش ہوا اور پوچھا کیا تمہیں علم دین سے بھی واقفیت ہے؟ تیلی نے کہا۔ نہیں ہے۔ بادشاہ اس کی کاروباری ہوشیاری کے مقابلے میں دینی بے علمی پر ناراض ہوا اور اُسے قید کر دیا۔ تیلی کا بیٹا یہ خبر سُن کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا اور عرض کی۔ بادشاہ سلامت، مجھے میرے باپ کے جرم سے مطلع فرمائیں تو شاہانہ کرم ہوگا۔ بادشاہ نے کہا۔ تمہارا باپ اپنے کاروبار میں تو اتنا ہوشیار ہے، لیکن دین کے علم سے بے بہرہ ہے، اس لئے اُس کی دین سے غفلت کی سزا میں قید کیا ہے۔

تیلی کے لڑکے نے دست بستہ عرض کی۔ عالیجاہ یہ قصور تو اُس کے باپ کا ہے کہ جس نے اُسے تعلیم دین سے محروم رکھا ہے، میرے باپ کا تو نہیں۔ ورنہ میرا باپ تو مجھے تعلیم دلا رہا ہے، اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ اُسے اُس کے باپ کے قصور میں کیوں پکڑا جا رہا ہے۔ بادشاہ لڑکے کے اس معقول جواب پر بہت خوش ہوا اور کہا۔ تمہاری تھوڑی سی تعلیم نے اپنے باپ کو قید سے چھڑا لیا بلکہ تمہیں انعام کا مستحق بھی بنا دیا ہے۔ چنانچہ تیلی کو رہا کر دیا گیا اور بچے کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

پڑوسی کے حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ سورۂ نساء	پڑوسی کے حق کا حکم۔ انسانی تمدن کے تقاضے۔ پڑوسیوں کی اقسام۔
۲	تعلیمات نبویؐ اور پڑوسی	مختلف احادیث کے ذریعہ پڑوسی کے ساتھ برتاؤ کی تاکید۔ انسان کے اچھے برے کا گواہ اس کا پڑوسی ہوتا ہے۔
۳	تعلیمات اسلامی کی برکات	ہماری زندگی پُرامن ہو سکتی ہے باہمی خیر خواہی و ہمدردی کی فضا پیدا ہوگی۔
۴	موجودہ تہذیبی اثرات	کسی کو کسی سے تعلق نہیں۔ لاتعلقی بے نیازی سنہ ۶۵ء کی جنگ کے دوران۔ پڑوسی کے مزاج حالات کا خیال کئے بغیر اپنے گھر میں شور و غل، ریڈیو گانے کیسٹ، غم اور خوشی میں عدم شرکت، بدامنی، پڑوسی کی جاسوسی پر اغوا، قتل، ڈاکے۔
۵	واقعات و امثال	امیر آدمی کا غریب پڑوسی۔ بایزید بسطامیؒ کا پڑوسی امام ابو حنیفہؒ کا پڑوسی۔ مالک بن دینارؒ کا پڑوسی۔

Marfat.com

پڑوسی کے حقوق

آیت معہ ترجمہ

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۔ (النساء: ۳۶)

اللہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ احسان اور سلوک کرو، اپنے رشتہ داروں سے یتیموں سے مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تم بنائے گئے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تکبّر کرنے والوں اور خود پسندوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا۔

پڑوسی کی تعریف

مندرجہ بالا آیت میں من جملہ دوسرے انسانی حقوق کے پڑوسی کا حق بیان ہوا ہے جو اس مضمون کا موضوع ہے۔ دو آدمی، جو ایک دوسرے کے قریب بستے ہوں، پڑوسی کہلاتے ہیں۔ قریب بسنے کے اس معنی اور مفہوم کو پھیلایا جائے تو ساتھ ساتھ گھروں میں بسنے والوں سے بات پھیل کر محلوں، قریبی بستیوں، جنہیں ہم اپنی زبان میں باسی کہتے ہیں، سے نکل کر دو قریبی ملکوں تک دائرہ بڑھ جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں پڑوسی کا اطلاق جہاں قریبی دو گھروں کے مکینوں پر ہوتا ہے، اسی طرح قریبی محلے دار، قریبی گاؤں اور شہروں کے لوگ اور ہمسایہ ممالک تمام پڑوسی کی تعریف میں آجاتے ہیں جس سے ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ مفہوم اپنے دائرہ عمل میں اور دائرہ سلوک میں کس قدر وسیع ہے۔ جن کے ساتھ حسن سلوک اور حسنِ تعاون کی ہدایت دی گئی ہے۔

انسانی تمدّن کے تقاضے

انسانی تمدّن کی بنیاد حسنِ سلوک، حسنِ عمل اور باہمی خوشگوار تعاون اور اشتراک پر ہے۔ اسلام سے قطع نظر محض انسانی تمدنی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے بھی ہر آدمی دوسرے کے حسنِ سلوک اور اشتراکِ عمل کا محتاج ہے۔ انسانی معاشرہ باہمی محبت اور حقوق کی ادائیگی پر قائم رہ سکتا ہے۔ کسی کا قریبی پڑوسی دُور کے رشتہ دار سے زیادہ اس کے دُکھ سُکھ میں شریک ہو سکتا ہے اور اسی کے ساتھ تعلقات کی ناہمواری و نا استواری آدمی کے لئے تکلیف دُکھ اور مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ اسلام نے انسانوں کی باہمی معاشرتی، تمدنی اور فطری ضرورتوں کے تحت جہاں دوسرے انسانی حقوق پر زور دیا ہے وہاں پڑوسی کے حق کو با اصرار اور بہ تاکید بیان فرمایا ہے تاکہ انسانی سوسائٹی امن و آشتی کا گہوارہ بنی رہے۔ پڑوسی کے معاملے میں بالخصوص انسان اسی صورت میں سفر و حضر میں پُرسکون و پُرامن رہ سکتا ہے جب وہ اپنے پڑوسی کے حسن سلوک اور حسنِ اخلاق سے مطمئن ہو۔

پڑوسی کی اقسام

حضورؐ کی ایک حدیث کی رُو سے پڑوسی تین قسم کے ہو سکتے ہیں اور ان کی یہ تینوں اقسام اپنے حقوق اور باہمی برتاؤ کے اعتبار سے قابلِ ترجیح ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ایک کافر اور مشرک ہے۔ زیرِ موضوع آیت کریمہ میں اجنبی ہمسایہ سے یہی مراد ہے کہ وہ آپ کے مذہب اور دین سے تعلق نہ بھی رکھے لیکن بحیثیت انسان اور بحیثیت پڑوسی کے وہ اچھے سلوک اور برتاؤ کا مستحق ہے۔

۲۔ دوسرا مسلمان پڑوسی ہے جس کے دو حق بنتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان کے بھی اور بحیثیت پڑوسی کے بھی۔ لہٰذا اس کے ساتھ سلوک اور حقِ ہمسائیگی میں ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا۔

۳۔ تیسرا رشتہ دار پڑوسی جس کے تین حقوق ہوتے ہیں۔ ایک پڑوسی ہونے کا حق، دوسرا مسلمان ہونے کا حق اور تیسرا رشتہ داری کے ناتے اور حوالے سے پہلے دو پڑوسیوں سے زیادہ فائق ہے۔ (بزار)

تعلیمات نبوی اور پڑوسی

قرآن کریم کی متذکرہ آیت جس میں بالترتیب انسانی حقوق کی ادائیگی کا ذکر ہے اور جس میں پڑوسیوں کے ساتھ احسان اور مہربانی کے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے، کے علاوہ بے شمار احادیث اور روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ طبرانیؒ کی ایک روایت کی رو سے ایک شخص نے حضورؐ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہؐ، میں اپنے پڑوسی سے تنگ آگیا ہوں۔ وہ ہر وقت مجھے ستاتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ حضورؐ نے اس کی شکایت سُن کر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا کہ جا کر مسجد کے دروازے پہ کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ ہمسائیگی کی حدود چالیس گھروں تک ہے اور یہ کہ جس کا ہمسایہ اپنے ہمسائے کے بُرے سلوک سے خوفزدہ ہو، وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔ گویا ایک پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی اور ایذا رسانی اس کے لئے جنت سے محرومی کا سبب بن سکتی ہے۔ اس حدیث میں یہ تفصیل تو نہیں، لیکن یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ پڑوسی کو تنگ کرنے والا خواہ کتنا ہی نیکوکار و پرہیزگار ہو وہ انسانی حقوق اور بالخصوص پڑوسی کا حقِ ہمسائیگی ادا کرنے کی بجائے اس کی اذیت اور دُکھ کا موجب ہے تو اُس کی عبادت اور نیکوکاری بے معنیٰ بے مصرف ہے۔

۲۔ ایک دفعہ ایک شخص نے بار بار حضورؐ سے پڑوسی کے بُرے سلوک کی شکایت کی۔ حضورؐ اُسے ہر دفعہ صبر کرنے کی تلقین فرماتے رہے، مگر جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو حضورؐ نے اُسے یہ حکیمانہ مشورہ دیا کہ تم اپنے گھر کا سامان باہر راستے پر ڈال دو۔ اور جب آنے جانے والے اس کا سبب پوچھیں تو بتاؤ کہ اپنے پڑوسی سے تنگ آ کر نقلِ مکانی کر رہا ہوں۔ تمہارے اس طرزِ عمل سے لوگوں میں اپنی بُری شہرت سے خائف ہو کر یا بدنامی کے ڈر سے شاید باز آ جائے۔ چنانچہ اس آدمی نے ایسا ہی کیا۔ حضورؐ کے اس حکیمانہ مشورہ کے نتیجہ میں وہ شخص خود حضورؐ کے پاس آیا۔ اپنے رویّہ پر ندامت کا اظہار کر کے اپنے پڑوسی کو مکان چھوڑنے سے روک دیا۔ اس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی نقل کیا ہے۔

۳۔ حضورؐ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھمّ انّی اعوذبك من یوم السّوءِ ومن لیلۃ السّوءِ ومن ساعۃ السّوءِ ومن صاحب السّوءِ ومن جارِ السّوءِ فی دار المقامۃ۔ (نسائی۔ ابن ماجہ)۔ اے اللہ میں تمہاری پناہ مانگتا ہوں بُرے دن، بُری رات، بُری گھڑی، بُرے ساتھی اور بُرے پڑوسی سے اپنی رہائش گاہ میں۔

Marfat.com

۴۔ حضورؐ کا ارشاد پاک ہے کہ نیک پڑوسی کی برکت سے سو گھروں کی مصیبت دور ہو جاتی ہے۔ (طبرانی) پھر فرمایا۔ خدا کے نزدیک ساتھیوں میں سے بہتر وہ ہے جو ساتھی کے لئے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں سے بہتر پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی کے لئے بہتر ہو۔ (ترمذی)

باہمی برتاؤ اور ہدیہ دینا

پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی اور ان میں خوشگوار تعلقات کا بڑا ذریعہ باہمی تحفوں اور ہدایا کا تبادلہ ہے، جسے ہم لین دین اور برت برتاؤ کہہ سکتے ہیں، یعنی کھانے پینے کی اشیاء، ہانڈی کا سالن، گھر میں لائے ہوئے پھل فروٹ وغیرہ ایسی روزمرہ برتاؤ کی چیزیں جنہیں ایک دوسرے کے ساتھ تبادلے میں محبت اور سلوک میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضورؐ امہات المؤمنین کو اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں۔ تو میں ان میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہے۔ اسی سلسلہ میں رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ کو نصیحت فرمائی کہ اذا طبخت مرقة فاكثر ماءها وتعاهد جيرانك جب تم شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ملا لو تاکہ پڑوسی کو بھیج سکو۔ (بخاری)

چونکہ پڑوسیوں کے ساتھ اس قسم کے سلوک کا تعلق بیویوں اور گھر کی عورتوں سے ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو دینے کے لئے کسی چیز کو حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ دینے کے لئے بکری کا کھُر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری و مسلم) یہ نصیحت دونوں پڑوسنوں کو دی گئی ہے کہ نہ تو بھیجنے والی اپنی چیز کو حقیر سمجھ کر اس باہمی برتاؤ سے باز رہے اور نہ دوسری پڑوسن اس کی بھیجی ہوئی چیز کو حقیر جان کر منہ پھیرے یا اس میں سے کیڑے نکال کر اس تعلق کا راستہ مسدود کر دے بلکہ شکریہ کے ساتھ قبول کرے۔ اسی سلسلہ میں یہ قرآنی تنبیہ بھی خداوند تعالیٰ نے سورہ ماعون میں فرما کر باہمی برتاؤ کی اشیاء روکنے اور نہ دینے والوں کو قیامت کا انکاری بتایا ہے۔ اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ـــــ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ـ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جو قیامت کے دن کو جھٹلاتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ مسکین کو کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔ ان نمازیوں کے لئے افسوس ہے جو اپنی نمازوں میں سستی برتتے ہیں اور دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اور برتاؤ کی چیزیں ایک دوسرے سے روکتے ہیں ـــــ برتنے کی چیزوں میں ہر وہ چیز شامل ہوتی ہے جو دو گھروں میں حسب ضرورت دی جاتی اور لی جاتی ہے۔ ان میں وقتی طور پر فوری ضرورت کی خوردنی اشیاء، آگ، پانی، مرچ مصالحے، نمک وغیرہ کے علاوہ رسّی، کدال، کلہاڑی، چھری، بیلچہ، پھاوڑا وغیرہ بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ روزمرہ استعمال کی اشیاء ہیں، جو گھروں میں مانگی جا سکتی ہیں، مگر کنجوس، بداخلاق قسم کی پڑوسن انہیں دینے میں بخل سے کام لیتی ہے اور گھر میں یہ اشیاء ہوتے ہوئے بھی جھوٹ بول کر صاف صاف انکار کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ خیال بھی رہے کہ اگر ضرورت مند پڑوسی کو ان اشیاء کے فراخدلی کے ساتھ دینے کی تاکید ہے تو دوسری طرف یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ان چیزوں کی واپسی کا خیال رکھا جائے، انہیں ضائع نہ کیا جائے اور بے پرواہی نہ برتی جائے تاکہ لین دین کا یہ خوشگوار سلسلہ قائم رہے۔ ورنہ مستعار مانگی ہوئی اشیاء کے استعمال میں بے پرواہی اور عدم واپسی میں غفلت دوسرے پڑوسی کو بد دل کر دے گی۔

پڑوسی کے سلسلہ میں اس کی ضروریات کا اس قدر خیال رکھا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ پڑوسی کو اگر ملی ہوئی دیوار میں کیل گاڑنے کی ضرورت پیش آئے تو منع نہ فرمایا جائے۔ لا يمنع جارٌ جارهُ ان يغرز

Marfat.com

خشیتہ فی جدار۔ (بخاری و مسلم) کوئی پڑوسی اپنے ہمسایہ پڑوسی کو دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے منع نہ کرے۔ حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ آسودہ حال پڑوسی غریب پڑوسی کی خبر گیری نہ کرے تو وہ کامل مومن نہیں ہے۔ لیس المومنُ الذی یشبعُ و جارہٗ جائعٌ۔ وہ مومن نہیں جو آسودہ حال ہو اور اس کے بغل کا پڑوسی بھوکا ہو ۔۔۔ ایک مرتبہ نہایت تاکیدی انداز میں فرمایا۔ واللہ لا یومن واللہ لا یومن۔ قیل من یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذی لا یامن جارہٗ بوائقہ۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ کہا گیا کون یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ وہ شخص جس کی ایذا رسانی سے اس کے پڑوسی بے خوف و بے خطر نہ ہوں ۔۔ اس حدیث پاک کی رو سے تو پڑوسی کو تکلیف دینے والا شخص ایمان کامل سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ، فلاں عورت نماز بہت پڑھتی ہے، روزے بکثرت رکھتی ہے اور خیر خیرات بھی زیادہ کرتی ہے، مگر اپنی بدزبانی سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ وہ دوزخ میں جائے گی۔ نماز روزہ، صدقہ اور خیرات اگرچہ افضل عبادات ہیں، مگر پڑوسی کی ایذا رسانی کے گناہ کی تلافی نہیں کر سکتے۔ اس کے مقابلے میں دوسری عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ نماز، روزہ کم کرتی ہے، خیر خیرات بھی کم ہی دیتی ہے، مگر اس کے ہمسائے اس کی زبان اور رویّے سے تکلیف میں نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ جنت میں جائے گی۔ ثابت یہ ہوا کہ دوسرے کی دل آزاری، تکلیف اور دکھ سب سے بڑا گناہ ہے اور اس سے بڑھ کر گناہ پڑوسیوں کو تنگ کرنا ہے۔ جس کی معافی یا ازالہ نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات سے ممکن نہیں۔ حضورؐ کا مزید ارشاد ہے۔ اوّل الخصمین یوم القیمۃ جاران۔ (مسند احمد) قیامت کے دن سب سے پہلے دو پڑوسی خدا کے سامنے پیش ہوں گے ۔۔۔ جو ایک دوسرے کا حق ہمسائیگی ادا کرنے کی بجائے لڑتے جھگڑتے رہے ۔۔۔ ایک ہمسائے کا دوسرے ہمسائے پر یہ حق بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اچھی باتوں کی نصیحت کریں۔ نماز کا کہیں، روزہ رکھنے کا کہیں، ورنہ قیامت کے دن ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے بارہ میں یہ شکایت بھی کرے گا کہ خدایا میرے پڑوسی نے مجھے اچھی باتوں کی نصیحت نہیں کی۔ بُری باتوں سے نہیں روکا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الصلوٰۃ وما یلزم لہا ۔۔۔ میں یہی فرمایا ہے۔

اچھے بُرے کا معیار

کسی آدمی کے اچھے یا بُرے ہونے کا معیار اور پسند اُس کا پڑوسی ہوتا ہے کہ اس کا پڑوسی اس کے بارہ میں کیا رائے رکھتا ہے۔ کیونکہ پڑوسی کو ہی اسے قریب سے دیکھنے اور برتنے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ، مجھے اپنے بُرے عمل کا کیسے پتہ چلے گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تیرا پڑوسی اگر کہے کہ اچھائی کی ہے تو جان لے کہ تیرا عمل اچھا ہے اور اگر وہ کہے کہ بُرائی کی ہے تو سمجھ لے کہ تو نے بُرا کام کیا ہے۔ (ابن ماجہ)

طبرانی اور مسند احمد کی روایت کے مطابق حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ تم لوگ زنا کے بارہ میں کیا کہتے ہو۔ صحابہؓ نے فرمایا۔ حرام ہے، جسے خدا اور اُس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے، قیامت تک حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دس عورتوں سے زنا آسان ہے بہ نسبت اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے سے ۔۔ یعنی پڑوسی کی بیوی کے ساتھ

Marfat.com

زنا کا گناہ دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنے کی نسبت زیادہ سخت ہے۔ پھر پوچھا۔ تم لوگ چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے کہا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا ہے، اس لئے وہ حرام ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ پڑوسی کے گھر چوری کرنا دس گھروں سے چوری کرنے کی نسبت زیادہ سخت گناہ ہے۔

پڑوسی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کا دوسرا پڑوسی بغیر اس کی مرضی اور اجازت کے اپنا مکان اور زمین نہیں بیچ سکتا، اگر ایسا کرے گا تو یہ سودا باطل ہوگا۔ اسے شریعت کی اصطلاح میں شفعہ کہا جاتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حقدار ہے جبکہ دونوں کا ایک ہی راستہ ہو، اگر وہ پڑوسی موجود نہیں تو اس کا انتظار کیا جائے۔ الترغیب کی طویل ترین حدیث میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو اپنے دروازے بند رکھتا ہے کہ پڑوسی اور بال بچے نہ آنے پائیں تو وہ مومن نہیں۔ پڑوسی کو تکلیف دینے والا مومن نہیں۔ پڑوسی کا حق یہ ہے کہ جب وہ مدد طلب کرے تو اُس کی مدد کرو۔ جب قرض مانگے تو قرض دو۔ جب حاجتمند ہو جائے تو حاجت پوری کرو۔ جب بیمار ہو جائے تو بیمار پرسی کرو۔ جب اسے بھلائی پہنچے تو مبارکباد دو۔ جب مصیبت پہنچے تو تسلی دو۔ جب مر جائے تو جنازے میں شرکت کرو۔ اس کی اجازت کے بغیر اپنے مکان کی دیوار اُس کے مکان کی دیوار سے اونچی نہ کرو کہ ہوا رُک جائے۔ اپنی ہانڈی بھگارنے کی خوشبو سے اسے نہ ستاؤ، مگر یہ کہ اس میں سے اس کو بھی دو۔ اگر پھل خریدو تو اُس کے ہاں تحفے کے طور پر بھیج دو، اگر یہ کام نہ کر سکو تو تمہاری اولاد وہ پھل لے کر باہر نہ نکلے تاکہ پڑوسی کے بچے اپنی محرومی کے احساس سے ناخوش نہ ہوں۔

پڑوسی کے معاملے میں اسلامی تعلیمات اور حضورؐ کی ہدایات کی اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے اور حضورؐ کا یہ ارشاد بجا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں پڑوسی کو وراثت میں حصّہ دار نہ بنا یا جائے۔ ہمارے ہاں یہ فقرہ مشہور ہے کہ ہمسایہ ماں جایا۔

تعلیمات اسلامی کی برکات

قرآن کریم کی زیر بحث آیت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث اور روایات کے علاوہ بے شمار دوسری روایات اور عمل کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہے کہ اسلام اور اس کی تعلیمات ہی ایسی ہیں جو دوسرے تمام مذاہب اور تہذیبوں سے کسی معاشرے کو خوشگوار، دلآویز، پُرسکون اور اطمینان بخش بنا سکتی ہیں۔ جس میں کسی بھی شخص کو، خواہ وہ کسی مذہب و عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو۔ انسانوں کے کسی بھی طبقے سے متعلق ہو۔ امیر ہو یا غریب، پٹھان ہو یا پنجابی، سندھی ہو یا بلوچی، مہاجر ہو یا مقیم، تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ، عالم ہو یا جاہل، خود کو غیر محفوظ، اجنبی اور نا آشنا نہیں محسوس کر سکتا۔ وہ جب بھی کسی کا پڑوسی ہوگا، اُسے یہ احساس ہوگا کہ میں اپنے ہی کنبے، اپنی ہی برادری اور اپنے ہی رشتے داروں میں رہ رہا ہوں۔ بستی بستی، گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں امن ہوگا، سکون ہوگا اور اطمینان ہوگا۔ کسی کو بھی کسی سے خوف، ڈر اور خطرہ محسوس نہ ہوگا۔ اپنی جان، اپنے مال اور اپنی عزّت و ناموس کے لئے کسی پہ شک و شبہ، کسی پر بدگمانی اور نہ اندیشہ لاحق ہوگا۔ وہ سفر میں ہوگا تو یہ خیال پریشان نہ کرے گا کہ میرے

امام غزالیؒ۔ احیاء العلوم ۔ اپنے پڑوسی کی جیب خالی کئے بغیر کوئی بھی اپنی جیب نہیں بھرتا۔ (ٹالسٹائی)

Marfat.com

بچوں اور میرے گھر کا کیا ہوگا ؟ -

موجودہ تہذیب کے اثرات

آج جب ہم نے اپنی اسلامی تعلیمات سے روگردانی اختیار کر رکھی ہے اور نام نہاد ترقی یافتہ معاشرے کے فرد بن گئے ہیں۔ مغربی تہذیب اور اس کے افکار و نظریات کے دلدادہ اور اُن کے اندازِ حیات کے خوگر ہو گئے ہیں تو حال یہ ہے کہ پڑوسی تو پڑوسی خود اپنوں سے بھی بیگانے بن گئے ہیں۔ کسے رلیا کسے کارے نہ باشد کی سی کیفیت سے دوچار ہیں۔ اگر محلوں یا شادی بیاہ کی تقریبات میں شرکت بھی کرتے ہیں یا کہیں آنا جانا ہوتا بھی ہے تو وہ بھی کسی ہمدردی، مزاج پُرسی اور دل داری، دل دہی کے جذبے کی بجائے نمود و نمائش اظہار تمول اور رسمی قسم کا ہوتا ہے۔ ہمارے بڑے شہروں میں تو حال یہ ہے کہ کوئی بھی اپنے پڑوسی کے نام، کام اور مشاغل سے واقف تک نہیں ہوتا۔ اجتماعیت کی بجائے انفرادی طرزِ حیات پر زیادہ توجہ ہے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت کی لڑائی میں میرا قیام یا سکونت پشاور یونیورسٹی کے رہائشی علاقہ میں تھی۔ ہمیں ایک دوسرے کے متعلق قطعی کوئی علم نہ تھا کہ کون کس شعبہ میں کس حیثیت سے ملازم ہے اور یہ پاکستان کے کس علاقہ اور کس شہر کے کون سے محلے کے باشندے ہیں۔ حالانکہ یونیورسٹی کا رہائشی علاقہ ظاہر ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ پروفیسروں، دانشوروں اور اُونچی مالدار سوسائٹی کے افراد پر مشتمل تھا، جو خود کو مہذب، اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک سمجھتے تھے، مگر کسی کو بھی کسی سے واقفیت، تعلق اور باہمی سلوک سرے سے موجود نہ تھا جنگ کے دوران بمباری اور دوسری جنگی خانہ ویرانیوں کے سبب یہ خیال آیا، اگر ایسا کوئی حادثہ یہاں پیش آ جائے تو متاثرین کو اُن کے آبائی گاؤں لے جانے کے لئے ہمارے پاس کوئی معلومات نہیں ہیں۔ کہاں لے جایا جائے گا اور ان کے لواحقین کو کہاں اور کس پتے پر اطلاع دی جائے گی! چنانچہ ہم نے اس سلسلہ میں یونیورسٹی کے درجہ وار محلوں کا سروے کیا، ملاقاتیں کیں ہر ایک سے پتوں کے تبادلے کئے۔ گاؤں کے رشتہ داروں کے نام، ٹیلیفون نمبر اور دوسری ضروری معلومات اکٹھی کیں۔ گھروں کے سامان کی فہرستیں تیار کیں اور بصورت حادثہ مخصوص رقم کا بندوبست کیا گیا۔

اسی قیام کے دوران ایک بم ہوائی اڈے کے قریب ایک بستی پر گرا تھا۔ دوسرے دن سارا پشاور شہر اور مضافات کے دیہاتی تماشہ دیکھنے آئے تھے۔ وہاں جو نقشہ دیکھا وہ یہ تھا کہ اس شہر کے بقیہ لوگ ریڑھوں پر سامان لاد کر جا رہے تھے۔ متاثرہ محلے یا گھروں کے لوگ جو مورچوں میں ہونے کی وجہ سے زندہ رہ گئے تھے، اپنے مکانات کے ملبے کے نیچے سے سامان نکالنے میں مصروف تھے۔ جو گرمی اور گرد و غبار سے اَٹے ہوئے پریشان حال تھے کہ نہ کھانے کو کچھ تھا نہ پکانے کی جگہ تھی۔ پولیس کی نفری تباہ شدہ مکانوں کے قریب بیٹھی ہوئی گپ بازی میں مصروف تھی۔ ہزاروں تماشائیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ لوگ آتے اور جاتے تھے، مگر اتنے لوگوں میں کوئی ایک یا چند خدا ترس نہ تھے جو اس وقت متاثرہ خاندانوں کیلئے خورد و نوش کا بندوبست کرتے یا ان کے لئے اس مصیبت میں مالی امداد کی اپیل کرتے۔ اگر کوئی خدا کا بندہ انسانی ہمدردی کے تحت ایسا کرتا تو مجھے یقین ہے کہ بھرپور امداد ہو جاتی۔ یہ پشاور کے ایک ایسے علاقہ کا منظر ہے جن کی مہمان نوازی اور ہمدردی کے متعلق ہر کوئی متفق ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صفت قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے کہ اشداء علی الکفار و رحماء بینھم۔ کہ وہ لڑائی کے دوران کفار کے لئے شدید تر ہیں اور آپس میں وہ رحمدل اور خدا ترس ہیں، مگر آج معاملہ اُلٹا ہے۔ اجتماعی طور پر بھی بحیثیت قوم کے

Marfat.com

غیروں کے دستِ نگر، خوشامدی اور چاپلوس ہیں اور اپنوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ انفرادی طور پر "گھر عذاب اور باہر ثواب" کی مثال صادق آتی ہے۔ غیروں کے آگے دب جاتے ہیں، اپنوں اور پڑوسیوں پہ رعب جھاڑتے ہیں۔

ریڈیو کا استعمال

کہتے ہیں سائنس کی تمام ایجادات نے انسانیت کی خدمت کی ہے۔ فاصلوں کو کم کر دیا، دنیا سمٹ کر رہ گئی، مگر اس کی اس ایجاد، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور وی سی آر نے پڑوسیوں کے درمیان نفرت و حقارت کی خلیج حائل کر کے ایک دوسرے سے دور بہت دور کر دیا۔ اُونچی آواز میں گانے سننا، ریکارڈ پلیر کا ہر وقت استعمال اور خود بھی شوقِ نغمہ سرائی و رقص فرمائی اور محفل آرائی نے پڑوسی کا جینا بلکہ اس کا گھر میں بسنا حرام کر دیا ہے۔ کوئی بھی نہیں سوچتا کہ میرے اس شغلِ بیہودگی سے دوسروں کے آرام میں کتنا حرج ہوتا ہے اور وہ کس قدر پریشان ہوتا ہے۔ بیشک اپنے گھر میں ہر کسی کو آزادی حاصل ہونا چاہیئے، مگر کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "آپ کا ہاتھ اپنی لمبائی کی حد تک آزاد ہے اس سے آگے میرے ناک کی سرحد شروع ہوتی ہے" اسے یہ آزادی حاصل نہیں کہ میری ناک تک پہنچ کر اُسے توڑ دے۔ آپ اتنی ہی آواز دل کی حد تک آزاد ہیں کہ اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر نہ جا سکیں۔ یہ کیا کہ ان سے پورے محلے اور آس پڑوس کے در و دیوار بھی گونجتے رہیں اور اگر وہاں شادی ہو رہی ہو تو پھر معاذاللہ، استغفراللہ۔

ماتمی رسومات

ماتم کے دوران دیہاتوں میں یہ ہوتا تھا کہ گاؤں کے لوگ بیرونی مہمانوں کے ہاتھ پکڑ کر لے جاتے اور مستورات کے لئے گھروں میں سے کھانا بھیجا جاتا تھا اور یہ سلسلہ تین دنوں تک چلتا رہتا ہے۔ اب پتہ نہیں شہروں میں کیا ہوتا ہوگا، مگر ہمارے ہاں دس پندرہ سیر چاولوں کی دیگ پکائی جاتی ہے جس کا چندہ پورے گاؤں سے پانچ سے دس روپیہ فی گھر جمع ہوتا ہے اور وہ دیگ سلیمان علیہ السلام کے لئے ہُدہُد کی روایتی دعوت کے مطابق اسی دن مقامی اور غیر مقامی لوگوں کو کھلا پلا کر ختم کر دی جاتی ہے۔ پھر ماتمی گھر میں اسی شام سے اپنے اور رشتہ داروں کے کھانے کا بندوبست ہوتا ہے جو آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ پکتا ہے۔ مرتا کیا نہ کرتا، شہریوں نے تیر مار کر پندرہ سیر چاول پکا دیئے بقیہ رقم منتظمین دیگ نے ہضم کر لی۔ اب مزید کسی مروّت اور ہمدردی کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ اگر ماتم رات کو کسی گھر میں ہو جائے تو آس پاس کے گھروں میں یہ خیال کسی کو نہیں آتا کہ سردیوں کی ان راتوں میں غمخواروں اور ماتم گساروں کو چائے ہی بھیج دی جائے۔

ڈاکہ زنی میں پڑوسی کا کردار

اس کے علاوہ ہمارے ہاں امن و امان کی جو صورتِ حال ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ محلوں میں دن دہاڑے قتل و خونریزی اور ڈاکہ زنی کی وارداتوں میں کون نہیں جانتا کہ گھریلو ملازمین یا پاس پڑوس کے رہنے والوں کی جاسوسی اور فراہمیٔ معلومات سب سے بڑا ذریعہ ہوتی ہے جو پڑوسی کی نقل و حرکت، موجودگی اور غیر موجودگی، سامان اور زیور کی نشاندہی یا اسلحہ کی موجودگی یا عدم موجودگی کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ لڑکیوں کا پیچھا کرنا، تانک جھانک اور رقعہ بازی کے واقعات پڑوسی ہی انجام دیتے ہیں۔

واقعات و امثال

پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ آج بھی اس گئے گزرے دور میں بہت سے پڑوسی اپنے پڑوسیوں کے لئے خیر و برکت

Marfat.com

کا موجب ہوں گے۔ ہم صرف متاخرین کی چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ ان واقعات کی روشنی میں موضوع کی افادیت کا اندازہ بھی ہو سکے اور ہمارے لئے اس پر عمل کرنے کی واضح مثال بھی سامنے آ سکے۔

۱۔ کسی امیر ترین آدمی کے پڑوس میں ایک انتہائی غریب اور فاقہ کش آدمی رہتا تھا۔ ایک وقت اس غریب پر ایسا آ گیا کہ گھر میں تین دن فاقہ رہا۔ بڑی کوشش کے باوجود جب کچھ نہ مل سکا تو حرام یا مردار کھانے پر مجبور ہو گیا، جو ہمارے ہاں بطور محاورہ بھی بولا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کی حالت ایسی ہے کہ اس پر مردار بھی حلال ہے یعنی کھانے کو کچھ نہیں اور اگر مردار کھائے تو اُس کے لئے جائز ہے۔ چنانچہ اس غریب آدمی نے مردار اور حرام کھانا پکایا ہوا تھا اور گھر والے بیٹھے اسے کھانے میں مصروف تھے کہ اتنے امیر آدمی کا بچہ ان کے ہاں آ گیا۔ انہیں کھاتا دیکھ کر دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ ان کے ساتھ کھائے، مگر غریب گھر والے نے توجہ نہ دی نہ کھانے کو کہا، تو دل میں اُن کی بے رُخی پر کڑھتا ہوا گھر جا کر باپ سے اس کی شکایت کی اور اصرار کیا کہ میں ان کا کھانا ہی کھاؤں گا۔ امیر آدمی از راہِ شکایت بچے کو لے کر گیا اور بچے کے ساتھ عدمِ التفات کی شکایت کی۔ غریب آدمی نے مجبوراً انکشاف کیا کہ ان کے لئے یہ مردار کھانا تو حلال تھا، مگر آپ کے بچے کو کھلانا مناسب اور جائز نہ تھا۔ امیر آدمی سخت شرمندہ ہوا کہ میرے پڑوس میں یہ حال ہے تو خدا تعالیٰ کی سخت باز پرس ہو گی۔ اسی وقت آخرت کی جوابدہی کے احساس سے اپنی دولت کا نصف اسے دے کر تلافی کر دی۔

۲۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے پڑوس میں ایک آتش پرست رہتا تھا۔ وہ گھر سے باہر کہیں گیا ہوا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں بیوی اتنی مجبور تھی کہ گھر میں چراغ جلانے کو کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اس کا شیر خوار بچہ رات کو اندھیرے میں روتا رہتا۔ حضرت بایزید بسطامی کو علم ہوا تو روزانہ گھر سے چراغ لے کر پڑوسن کو دے آتے، جس کی روشنی میں بچہ رات کو چپ رہتا۔ جب مرد گھر واپس آیا تو اس کی بیوی نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے حسنِ سلوک کا ذکر کیا۔ آتش پرست اتنا متاثر ہوا کہ کہا۔ جب بایزید بسطامیؒ کی روشنی ہمارے گھر آ گئی ہے تو پھر ہمارا اندھیرے میں رہنا ٹھیک نہیں۔ اُسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ پڑوسی اور وہ بھی غیر مسلم پڑوسی کے ساتھ اس تھوڑے سے سلوک کا کتنا بڑا نتیجہ برآمد ہوا کہ اس نے دینِ اسلام کو قبول کر لیا۔ کیا ہمارے سلوک سے ہمارے پڑوسی ہمارے حق میں مخلص اور وفادار نہیں بن سکتے۔ یہی بات سمجھنے کی ہے۔

۳۔ امام ابو حنیفہؒ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا۔ وہ دن بھر جتنی مزدوری کرتا رات کو اپنے ساتھیوں کی محفلیں سجا کر شراب نوشی کرتا اور اس کے نشہ میں غل غپاڑہ کرتا، جس سے امام صاحبؒ کی نماز اور ذکر و اذکار میں خلل پڑتا رہتا، مگر آپ صبر و تحمل سے برداشت کرتے تھے۔ ایک رات گشت کے دوران سپاہیوں نے شور و غل اور بے ہودگی کا مظاہرہ سن کر اُسے گرفتار کر لیا۔ دوسرے دن صبح امام صاحبؒ نے دریافت فرمایا آج رات پڑوسی کے ہاں خاموشی رہی کیا وجہ ہوئی۔ لوگوں نے بتایا کہ اُسے سپاہی گرفتار کر کے لے گئے تھے بتانے والوں کا خیال یہ تھا کہ امام صاحبؒ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ چلو اچھا ہوا ایک بُرے پڑوسی سے جان چھوٹ گئی، مگر معاملہ اُلٹا ہوا۔ امام صاحبؒ اُسی وقت تیار ہو کر حاکم شہر خلیفہ منصور کے بھتیجے موسیٰ بن عیسیٰ کے ہاں پہنچے جنہوں نے نہایت عزت و احترام سے استقبال کیا اور آنے کا سبب پوچھا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا۔ رات کو آپ کے سپاہی میرے پڑوسی کو پکڑ کر لے آئے، اس کا حق ہمسائیگی بنتا ہے کہ اسے آزاد کراؤں۔ چنانچہ اُسی وقت اُسے آزاد کر کے آپ کے سامنے

پیش کر دیا۔ امام صاحب شکریہ ادا کر کے چلے آئے۔ آپ کا پڑوسی بھی ساتھ ہو گیا۔ راستہ میں امام صاحبؒ نے اُسے اس کے ترنگ میں آکر پڑھنے والے شعر کے حوالے سے کہا۔ بھائی ہم نے تجھے ضائع ہونے نہیں دیا۔ انتہائی شرمندہ ہوا۔ کہنے لگا۔ آپ نے مجھ جیسے غلط کار اور نالائق پڑوسی کے حق ہمسائیگی کا خوب خیال رکھا۔ امام صاحبؒ کے اس چند گھنٹوں پر مشتمل حسن سلوک نے اُس کی زندگی میں ایسا انقلاب پیدا کیا کہ تمام خرمستیاں شراب نوشی اور آوارہ گردوں کی محفلیں ترک کر کے پابندِ نماز ہو گیا اور اُن کے درس کا مستقل طالب علم بن گیا۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا وہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ اُنہوں نے حج کے دوران خواب دیکھا کہ فرشتے آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ فلاں شخص کی وجہ سے تمام حاجیوں کا حج اللہ نے قبول فرمالیا ہے۔ حالانکہ وہ حج پر نہیں آسکا۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اس کے شہر پہنچے تاکہ معلوم کریں کہ اس کے کون سے عمل کے نتیجے میں خداوند تعالیٰ نے گھر بیٹھے بٹھائے اس کا حج بھی قبول فرمالیا اور اس کی وجہ سے تمام حاجیوں کا حج بھی مبرور ہوا۔ اس کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ اُس نے کئی سالوں سے حج کے لئے جمع کی ہوئی پونجی ایک ایسے شخص کو دے دی تھی جو فاقہ زدہ تھا اور جسے مردار کھانے کی نوبت آگئی تھی۔ دل بدست آور کہ حج اکبر است۔ یہ واقعہ غالباً صدقہ و خیرات کے موضوع پر درج ہے۔

مالک بن دینارؒ نے کرایہ پر گھر لیا۔ ہمسایہ میں یہودی رہتا تھا۔ آپ کے گھر کا محراب یہودی کے دروازے پر تھا۔ اُس نے وہاں پائخانہ بنایا ہوا تھا۔ غلاظت آپ کے گھر پھینکتا۔ محراب کو پلید کر دیتا۔ آپ نے کافی عرصہ تک اُس کے طرزِ عمل پر صبر سے کام لیا، نہ شکایت کی نہ کسی سے ذکر کیا۔ اُن کی خاموشی اور صبر و تحمل کو دیکھ کر یہودی نے پوچھا میرے اس سلوک پر آپ پریشان نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا۔ پریشانی تو ہوتی ہے، مگر میں نے جھاڑو اور تغاری اس کی صفائی کے لئے رکھ لی ہے جس سے جگہ پاک کر دیتا ہوں۔ یہودی حیران ہوا اور کہا کہ برداشت کی انتہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے مذہب کی یہی تعلیم ہے جس پر عمل کرتا ہوں۔ یہودی شرمندہ ہوا کہ خدا کے اس بندے کو تکلیف دے کر برا کیا۔ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ وما علینا الا البلاغ۔ (مخزن اخلاق سیرت الاولیاء)

Marfat.com

مزدُوروں کے حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ سورہ زلزال	دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو عمل کی مزدوری کی جاتی ہے، آخرت میں اس کی مزدوری ملے گی۔
۲	انسانی حقوق کا دائرہ	دوسرے تمام حقوق کے ساتھ آجر اور اجیر کے حقوق بھی ہیں۔ اور مزدوروں کا دائرہ کار وسیع ہے۔ صدارت سے وزارت اور وزارت سے دفاتر۔ دفاتر سے عدالت اور زراعت سب مزدوری ہے۔ سب کے حقوق مشترک ہیں۔
۳	عمل خواہ دنیاوی ہوں یا اخروی مزدوری ہے	قرآن کریم میں عمل ۳۶۰ بار اور فعل ۱۰۹ بار استعمال ہوا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔
۴	محنت و مشقت کے اسلامی حقوق	اسلام ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ مزدوروں کی عظمت کو بھی مانتا ہے۔ اُجرت کا تعین۔ حضرت موسیٰؑ و حضرت شعیبؑ کا تعین اُجرت۔ حضورؐ کے ارشادات۔
۵	اُجرت کے اصول	اُجرت کا تعین معلوم ہو۔ معینہ وقت کے لئے ہو۔ معقول ہو۔ طے شدہ ہو۔ جلد ادا ہو، وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ہو۔
۶	انفرادی مزدور کی اُجرت	معروف رواج کے مطابق طے شدہ ہو۔ مجبوری سے فائدہ نہ اٹھایا۔ پنشن مقرر ہو۔ عمومی ہدایات برادرانہ سلوک، عدم ترفع عزت و احترام
۷	حرفِ آخر	پاکستان کے سیاسی نعرے۔ مزدوروں کا استحصال، یوم مئی مزدوروں کا دن سیکورٹی سکیمیں۔

مزدوروں کے حقوق

آیت معہ ترجمہ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ (سورۂ زلزال) جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کا عمل کیا اُسے وُہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بھی برائی اور شر کا عمل کیا اُسے وہ قیامت کے دن دکھایا جائے گا۔

تفسیر و تشریح

اُوپر عنوان میں دی ہوئی آیت سورہ زلزال سے تعلق رکھتی ہے۔ بظاہر مضمون کے عنوان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، مگر اس اعتبار سے تعلق ضرور ہے کہ انسانی اعمال کا خدا کے ہاں باقاعدہ ریکارڈ بھی ہے اور اس کے مطابق اچھے بُرے اعمال کی سزا اور جزا بھی ہے، جو قیامت کے دن انسان کو ملے گی۔ اس لحاظ سے یہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے جس کا پھل ہر آدمی آخرت میں بھی کاٹتا ہے اور دنیا میں بھی اس کے اثرات و نتائج ملتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی اس وسیع تعلیم کی روشنی میں مزدور جو وقتی طور پر یا مستقل طور پر کسی فرد، ادارے یا حکومت سے معاملہ کرتا ہے وہ مزدوری کی ذیل میں ہی آتا ہے۔ اسے اپنی مہارت، اوقات اور محنت کا معاوضہ اس فرد، ادارے یا حکومت سے ملتا ہے، وہ اس کی اُجرت بھی ہے اور آخرت کے اس تصور کے نقطۂ نظر سے آخرت میں بھی اس کی کارکردگی کا انعام یا سزا ملے گی۔

دائرہ حقوق کی وسعت

اُوپر کے اجمال کی تفصیل کو یُوں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرما کر جہاں اُن پر اپنے کچھ حقوق رکھے ہیں جو عبادات و عقائد کی ذیل میں آتے ہیں، وہاں انسانوں کے انسانوں پر بھی حقوق کا تعیّن فرمایا۔ جن کی باحسن ادائیگی انسانی معاشرے میں اعتدال و توازن کو برقرار رکھتی ہے اور ہماری معاشرتی زندگی حق تلفیوں کے نتیجہ میں فتنے اور فسادات اور عدم توازن سے بچ جاتی ہے۔ دوسرے تمام حقوق جو اس کتاب کے گزشتہ عنوانات کے تحت بیان ہوئے ان کے علاوہ انسانوں میں سے انسانوں پر مزدوروں کے حقوق بھی ہیں اور اسی طرح مزدوروں پر اس حکومت، ادارے اور افراد کے حقوق بھی ہیں جو کسی مزدور کو اس کی قوتِ کار، اوقاتِ کار، محنتِ کار اور تکمیلِ کار کا معاوضہ اور بدلہ دیتے ہیں۔ یہ حقوق یک طرفہ نہیں دو طرفہ ہیں۔ مزدور کا حق اگر بنتا ہے تو مزدوری کا معاوضہ دینے والے کا حق بھی بنتا ہے کہ وہ جس کام کا معاوضہ دے رہا ہے آیا وہ کام اس حقِ معاوضہ کے مطابق ہوا بھی ہے یا نہیں، اگر ہوا ہے اور وہ اس معاوضہ کی ادائیگی میں لیت ولعل ٹال مٹول یا تھوڑا دینے کا رویہ اپناتا ہے تو وہ جہاں مزدور کا حق مارتا ہے وہاں خدا کے ہاں بھی مسئول و ماخوذ ہوگا اور اگر مز[دور] نے حقِ معاوضہ یا طے شدہ معاملے و معاوضے کے مطابق کام نہیں کیا۔ بددیانتی، ہیرا پھیری سے کام کیا ہے۔ اس کا کام ن[...] ہے تو اُس نے جہاں مزدوری دینے والے فرد کے ساتھ دھوکہ کیا ہے، اس کا حق مارا ہے، وہاں خدا کے ہاں اپنے اس

عدم ادائیگی کے نتیجے میں سزا کا سزاوار ہوگا۔

مندرجہ صدر آیت کو اس وسیع مفہوم میں دیکھا جائے تو مثقال ذرّہ خیرًا سے مراد اس حق کی پوری پوری ادائیگی ہے جس میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہ کی ہو، تو آخرت میں اُسے اس کا زیادہ سے زیادہ اجر ملے گا اور مثقال ذرّۃ شرًا سے مراد مزدور اور مستاجر دونوں کی کوتاہی عمل اور عدم ادائیگی حقوق کے معنوں میں لیا جائے تو وہ دنیا میں ممکن ہے ایک دوسرے کو دھوکہ دے کر ایک دوسرے کے شر اور فساد سے بچ جائیں، مگر آخرت میں حق کی عدم ادائیگی کے حشر سے نہ بچ سکیں گے۔ انہیں ان کے اعمال کا آئینہ دکھایا جائے گا، جس میں اپنی صورت دیکھ لیں گے کہ یہ کام چوروں، بد دیانتوں اور خیانت کاروں کا چہرہ ہے اور یہ دیکھو اس آئینے میں دیانتداروں، محنتی اور ذمہ داریوں کو بخوبی اپنی استعداد اور قوتوں کے مطابق پورا پورا ادا کرنے والوں کا چہرہ ہے۔ ایک بھدّا، خاک آلودہ اور مسخ شدہ ہے تو دوسرا صاف، خوبصورت، روشن اور پُرنور چہرہ ہے۔

وُجُوہٌ یَوْمَئِذٍ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرہ ہ وَوجُوہٌ یومئذ علیہا غبرۃ۔ ترھقہا قترۃ۔ اولئک ھم الکفرۃ الفجرہ۔ کچھ چہرے قیامت کے دن دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے اور کچھ چہروں پر اُس دن خاک اُڑ رہی ہوگی اور کلونس چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی کافر و فاجر لوگ ہوں گے ۔۔ دنیا اگر آخرت کی کھیتی ہے اور یقیناً ہے تو دونوں چہروں کی یہ شناخت اور آئینہ ہمیں بتاتا ہے کہ ایک چہرہ خدا اور بندوں کے حقوق کی پہچان کرنے اور انہیں بخوبی ادا کرنے والوں کا ہوگا اور دوسرا چہرہ مکاروں، فاسقوں، مجرموں اور بدمعاملہ لوگوں کا ہوگا، اگر دنیا میں جَو بو کر گندم نہیں پیدا کی جاسکتی۔ کڑوے پھل والے درخت لگا کر ان پر میٹھے پھلوں، سیب، ناشپاتیوں اور آموں کے پھل کی توقع حماقت، جہالت کے سوا کچھ نہیں، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہاں ہم خدا، رسولؐ اور اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ دھوکہ دہی، فریب اور حق ماری کے بیج بوئیں اور آخرت میں میٹھے پانی کے چشموں اور میٹھے پھلوں کے باغ میں بٹھا دیئے جائیں۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جَو ز جَو

عمل کی تشریح

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت جسے اس مضمون کا عنوان بنایا ہے اور عمل کے لفظ کو وسیع معنی دیئے گئے ہیں اور عمل کی اہمیت کے پیشِ نظر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اُسے قرآنی اور لغوی معنوں میں بھی بیان کیا جائے۔ عمل عربی زبان میں ہر طرح کے انسانی فعل کو کہا جاتا ہے جو اس سے سرزد ہو۔ اس تعریف کی رُو سے عمل کا دائرہ انسانی اعمال و افعال سے متعلق زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوجاتا ہے۔ اس میں پیشہ، محنت، صنعت اور زراعت سب عمل کے میدان میں آجاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ملازمت اور حکومت کا دائرہ کار و عمل بھی شامل ہوجاتا ہے۔ عمل کی جمع اعمال ہوتی ہے۔ سرکاری اہلکار یا ادارے کے ملازمین اور کام کرنے والوں کو عامل کہا جاتا ہے اور اس کی جمع عمّال یا عاملین آتی ہے۔ لفظ عمل قرآن کریم میں ۳۶۰ آیات اور فعل ۱۰۹ آیات میں استعمال ہوا ہے۔ اس لحاظ سے جہاں عمل کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں اس لفظ کے دنیاوی اور دینی امور دونوں پر یکساں استعمال ہونے کی دلیل بھی آتی ہے۔ لِیَاکُلُوا مِن ثَمَرِہٖ وَمَا عَمِلَتْہُ اَیْدِیْہِمْ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ۔ (سورہ یٰسین: ۳۵) تاکہ یہ کھائیں اس کے پھل اور وہ چیزیں جو ان کے اپنے ہاتھ سے تیار ہوتی ہیں۔ تم خدا کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے۔

ایک وضاحت یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے اس موضوع کا تعلق ایک ہلکی پھلکی تقریر کا ہے کسی ٹھوس علمی اور تحقیقی مقالے کا نہیں ہے جس میں سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ اور اشتراکی نظام میں مزدوروں اور کاشتکاروں کے حقوق پر بحث کر کے ان کے نظامِ معیشت و معاشرت کے حسن و قبح کو زیرِ بحث لایا جائے اور اسلام کے نظامِ معیشت کا موازنہ کر کے اسے برتر اور بہتر ثابت کیا جائے۔ ہمارے پیشِ نظر خطباتِ جمعہ کے عام سادہ دیہاتی اور معمولی تعلیم یافتہ لوگ ہوتے ہیں یا اس کتاب سے اسلامی حقوق سے آگاہی حاصل کرنے والے عام قاری ہیں۔ اسی لئے اس بحث کو صرف اسی حد تک محدود رکھا جائے گا جس میں معاشرے کا عام رکن، عامل کے حقوق و فرائض کا تعلق ہے اور فرد، ادارے یا حکومت کے حقوق و فرائض سے بحث کی جائے گی جو ایک عامل کو عمل اور محنت پر لگاتے ہیں۔ البتہ تمہیدی طور پر اتنا ضرور کیا جائے گا کہ موجودہ انسانی زندگی میں معاشیات نے اہمیت حاصل کر لی ہے۔ حکومت کے جتنے نظام بھی رائج ہیں ان میں نظامِ معیشت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ نظام پورے نظامِ حکومت پر کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جاگیرداری نظام کے بعد صنعتی انقلاب آیا تو اس کے پیٹ سے سرمایہ دارانہ نظام نے جنم لیا تو وہی خرابیاں جو جاگیردارانہ نظام میں موجود تھیں، یعنی زرعی مزدوروں اور کاشتکاروں کا استحصال وہی جبر، وہی طبقاتی تقسیم، انسانیت کی تذلیل و توہین اس سرمایہ دارانہ نظام میں بھی در آئیں تو اس جبر و استحصال کی چکّی میں پسنے والے انسان ایک تیسرے نظام کو قائم کرنے پر مجبور ہوئے تو اشتراکیت کے فلسفے نے جنم لیا اور محنت کش و مزدور طبقے کو وہ سبز باغ دکھائے گئے کہ صدیوں سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں ظلم برداشت کرنے والے اشتراکیت کی گود میں چلے گئے۔ اس نظام کی بنیاد بھی ظلم و زیادتی پر رکھی گئی۔ کروڑوں لوگ قتل ہوئے، حکومتوں کے تختے اُلٹے گئے، بستیاں ویران ہوئیں، انسانی سروں کے مینار بلند ہوئے اور انسانی خون سے سرخ انقلاب لایا گیا۔

اس نظام کے بانی لینن نے مذہب کو افیون قرار دیا اور خداوند تعالیٰ کو اپنی حدودِ سلطنت سے نکال دینے کے دعوے کئے گئے، لیکن خدا کی لاٹھی بے آواز تھی۔ دیر سے گرفت کی جاتی ہے، مگر وہ گرفت سخت ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں کی جگہ ظالم و جابر سرمایہ دار نے لوگوں کو مزدوروں کی جنت کی بجائے مزدوروں کا جہنم فراہم کیا۔ انسانی فکروں، عقائد و اخلاق، تہذیب و تمدن حتیٰ کہ تصورات پر پہرے بٹھائے تو اللہ تعالیٰ نے ظلم و زیادتی کے اس نظام کو خود اُس کے اپنے ملک میں ذلیل و خوار کر کے چھوڑا اور آج وہ نظام خود اپنے ملک میں اپنی شکست کی آواز بن گیا۔

اب ایسے دور میں یہ ماننا پڑے گا کہ انسان کے تمام فکری نظام اور فلسفے انسان کی طرح فنا پذیر، زوال پذیر اور عارضی اور وقتی ہیں۔ انسانوں کی فلاح و بہبود اسی نظام، اسی فلسفے، اسی فکر اور اسی عقیدے میں ہے جو خالقِ کائنات نے اپنی مخلوق کے لئے وضع فرمایا ہے اور جسے اس کے رسولوں نے اپنی عملی زندگی میں نافذ و رائج کر کے انسانوں کے تمام طبقات کو عزت و شرف، سربلندی و سرفرازی سے ہمکنار کیا ہے۔ ہماری بہتری اس وقت بھی انہی اصولوں، انہیں قوانین اور اسی نظام میں تھی اور آج بھی اسی میں ہے۔

اسلامی حقوقِ محنت و معیشت اسلام انسان کی ذاتی ملکیت کو بھی تسلیم کرتا ہے اور محنت و مزدوری کی عظمت کا بھی علمبردار ہے۔ قرآن کریم اجیر کو آجر کا غلام نہیں بناتا کہ آجر اس کا خون چوس کر مطلقیں

Marfat.com

پر اپنی عیاشی کے سامان فراہم کرے اور محل تعمیر کرے بلکہ اسلام کے نزدیک دونوں یکساں حقوق کے مالک ہیں۔ دونوں معزز و محترم ہیں۔ دونوں کے درمیان مخصوص معاوضے کی بنیاد پر معاہدہ طے ہوتا ہے جس کا احترام دونوں پر لازمی ہے۔ اجیر اپنے فرائض دیانتداری سے ادا کرے گا تو آجر پوری ایمانداری سے اس کا معاوضہ جو طے شدہ ہوگا ادا کرے گا۔ دونوں میں سے کوئی بھی مفوضہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے گا۔

اُجرت کا تعیّن

اسلامی قانون میں اُجرت کا تعیّن ضروری ہے۔ اُجرت کے تعیّن کے بغیر باہمی معاہدہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں کام اور اُجرت دونوں کی وضاحت کردی تھی۔ حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان جو گفتگو ہوئی، قرآن کریم نے یوں نقل کیا ہے۔

حضرت شعیبؑ نے فرمایا، اگر آپ نے ہماری بکریاں آٹھ برس تک چرائیں تو میں اپنی لڑکی کا نکاح آپ سے کروں گا۔ اس کے بعد اُنہوں نے فرمایا: فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّالِحِينَ۔ اگر تم بکریاں چرانے کی مدت دس برس پوری کر دو تو یہ تمہارا احسان ہوگا اور میں تمہارے اُوپر کوئی سختی و زیادتی کرنا نہیں چاہتا۔ ان شاء اللہ تم مجھے اچھا آدمی پاؤ گے ۔۔ ایک مستاجر یا مالک کے طرز عمل اور مزدور کے کام کی مقدار اور اُجرت کے تعیّن کے سلسلے میں حضرت شعیبؑ نے خود ہی وضاحت کردی کہ یہ کام کرنا ہوگا اور اس کی اُجرت کی ادائیگی میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے اجیر کی حیثیت سے اپنی پوزیشن بھی واضح فرمادی۔ چنانچہ انہوں نے جواب میں فرمایا: قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ۔ (سورہ قصص: ۲۸) میرے اور آپ کے درمیان یہ طے شدہ معاہدہ ہے۔ اس سلسلہ میں دونوں مدتوں میں سے جس مدت تک چاہوں گا کام کروں گا۔ اس سلسلہ میں مجھ پر کوئی جبر نہ کیا جائے اور ہم جو بات طے کر رہے ہیں اللہ اس کا اصل نگران ہے۔

حضورؐ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ: من استاجر اجیرًا فلیعلمہ اجرہ۔ جو شخص کسی کو اُجرت پر رکھے تو آجر کو چاہیئے کہ اُس کو مزدوری دے ۔۔ ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آجر کو اجیر سے اُجرت بتائے بغیر کام سے منع فرمایا ہے۔ سنن کبریٰ بیہقی کتاب الاجارۃ ج ۶۔ حضورؐ نے اُجرت کے تعیّن پر اس لئے زور دیا ہے کہ اُجرت اور کام کے تعیّن کے بغیر مزدور پر زیادتی نہیں ہوتی اور آجر کے مطالبہ کام میں کمی نہیں ہوتی جو اس قسم کے تعیّن و تقرر کے بغیر اکثر وجۂ نزاع بن جاتا ہے۔

اُجرت کے تعیّن اور تقرر میں کارکردگی کا بھی فرق ہوتا ہے، یعنی اُجرت بلحاظ وقت دی جائے۔ جیسے سو روپیہ ماہانہ وغیرہ یا بلحاظ مقدار کار یعنی اتنے کام کی یہ اُجرت ہے۔ اس میں مزدور کی محنت، مہارت اور کارکردگی کو بھی دخل ہوتا ہے۔ جو مزدور مخلص، سمجھدار، ماہر اور جفاکش ہو اُن کو ہر شخص زیادہ مزدوری پر پسند کرتا ہے، بخلاف کام چور، سست، کاہل اور بد دیانت کے، جسے کم مزدوری ملتی ہے۔ اسے معاشیات کی اصطلاح میں اُجرت مہارت یا اُجرت کارکردگی کہتے ہیں۔

اسلام نے تعیّن اُجرت میں جسمانی قوت کے ساتھ اخلاقی اوصاف کا لحاظ بھی رکھا ہے، اگر کوئی مزدور جسمانی قوت اور اخلاقی اوصاف میں بھی نمایاں ہو تو اسے زیادہ اُجرت کا حقدار بنایا ہے۔ کیونکہ اسلام جفاکشی، محنت، دیانتداری، مہارت اور

Marfat.com

حسنِ کارکردگی کو پسند کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کام چوری، کاہلی، سستی، بددیانتی اور دھوکہ دہی کو ناپسند کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی ہمیں حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان معاملے کی روشنی میں مدد ملتی ہے جسے قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی نے اپنے والد محترم سے حضرت موسیٰؑ کو اجیر رکھنے میں ان کی صفت خاص کا ذکر فرمایا۔ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۔ (سورۂ قصص) اچھا مزدور وہ ہے جس میں دو صفات ہوں۔ ایک قوی اور دوسری امانتداری۔ حضرت موسیٰؑ کی ان ہی دو صفات کا ذکر کیا گیا تاکہ اسے جس کام پہ لگایا جائے اسے جسمانی قوت اور دیانتداری کی عادت سے بخوبی انجام دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ خازن اور امین وہ شخص ہے جس کے ذمہ جو کام سپرد ہوا ہے دیانتداری اور خندہ پیشانی سے انجام دے۔ مہارت اور حسنِ کار کو بھی اسلام پسند کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جو کام کیا جائے وہ خوشنما اور پائیدار ہو۔ خداوند تعالیٰ اپنی صنعت گری کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ۔ (سورہ نمل: ۸۸) اللہ نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ انّ اللہ یحبّ اذا عمل احدکم عملاً ان یتقنہ۔ بخاری
خدا یہ بات پسند کرتا ہے کہ تم جب کوئی کام کرو تو اس میں خوبی اور مضبوطی کا خیال رکھو۔

اُجرت کے اصول

اُجرت، مزدوری۔ کسی کام کے معاوضے اور بدلے کو کہتے ہیں اور اس میں یہ شرط ضروری ہے کہ وہ معلوم قسم کی جنس ہو۔ اس کی کیفیت اور مقدار معلوم ہو۔ مزدوری مکمل عرصہ ملازمت کے لئے طے نہ ہو بلکہ معینہ وقت کے لئے ہو تاکہ تجدید معاہدہ کی گنجائش باقی رہے۔ ادائیگی اُجرت کے لئے اسلام کے تین اصول ہیں۔ معقول ہو۔ اُجرت طے ہو۔ جلد ادا ہو۔

معقول اُجرت

مزدور کی جائز ضروریات سے آجر غافل نہ ہو۔ یہ نہیں کہ خود تو زندگی کے وسائل اور سہولتوں سے مالامال ہو اور مزدور جو اُس کے وسائل اور آسائشوں کا رفیق کار ہو، زندگی کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہو۔ مکان کے علاوہ اس کے بچوں کی تعلیم کا خیال رکھا جائے۔ اُجرت اتنی ہو کہ اس کی صحت پر خوشگوار اثر پڑے صحتمند مزدور کی استعداد زیادہ ہوگی تو ملکی پیداوار پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

قرآن پاک میں نکاح، وصیت اور رضاعت کے بیان میں جہاں جہاں معاوضہ یا اُجرت دینے کا ذکر آیا ہے وہاں لفظ معروف کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اُجرت معروف طریقے پہ دی جائے۔ حضورؐ نے بھی اُجرت کے سلسلہ میں معروف کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اجیر، مزدور کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اس کا کھانا کپڑے معروف طریقہ پہ دیئے جائیں۔ آجر اور متاجر دونوں کی حیثیت اسلام میں مساویانہ ہے۔ لَا تُکَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَھَا۔ (سورہ بقرہ: ۲۳۳) کسی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ اس آیت سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ اُجرت دینے اور اُجرت لینے دونوں کی حیثیت اور ضرورت کا لحاظ رکھا جائے۔

Marfat.com

اُجرت کی جلد ادائیگی

اُجرت کی ادائیگی میں عجلت کتنی ضروری ہے۔ وہ حضورؐ کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ (ابن ماجہ) اُجرت کی عدم ادائیگی کے بارہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں سے جھگڑوں گا۔ ایک اس شخص سے جس نے میرے نام سے عہد کیا اور توڑ دیا۔ دوسرا اس شخص سے جس نے آزاد آدمی کو فروخت کیا۔ تیسرا اس شخص سے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پہ لگایا، اس سے پورا کام لیا، مگر مزدوری نہ دی۔ اُجرت کی کم ادائیگی بھی عدم ادائیگی کے ذیل میں آتی ہے۔

ان شرعی دلائل کے اندر ہم یہ بات واضح انداز میں دیکھ رہے ہیں کہ اسلام نے کتنے احسن انداز سے مزدوروں کے حق کا تعین و تحفظ کیا اور مالک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ مزدوروں کا استحصال کرے بلکہ فقہاء نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ مزدور کام کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھ لے تا آنکہ مالک اُس کی مزدوری چکا دے۔ اسلام نے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ہی نہیں کیا بلکہ مالکوں کو اس بات کی بھی رغبت دلائی کہ وہ مزدوروں کی عزت کریں، ان کی مزدوری سے زیادہ ان کو دیں اور اسے نیکی میں شمار کیا ہے۔ اس سلسلہ کی متعدد احادیث موجود ہیں۔

انفرادی مزدور کی اُجرت

صنعتی اور دوسرے مستقل اداروں کے مزدوروں کی اُجرت طے ہوتی ہے، مگر عام مزدوروں کی اُجرت پہلے سے طے کرنا اور کام کی نوعیت کا بتانا ضروری ہے۔ ورنہ معروف رواج اور اُجرتی نرخ کے مطابق اُجرت کا تعین کرنا ضروری ہے تاکہ بعد میں یہ چیز جھگڑے کا باعث نہ بنے۔ عام قلیوں اور بازار کے مزدوروں سے سامان اُٹھانے کے دام طے کر لیے جائیں۔ مزدوروں کی مجبوریوں سے مالک کو اور مالک کی مجبوری سے مزدور کو فائدہ اُٹھانا ناجائز ہے۔

شہروں میں روزمرہ مزدوروں، مستریوں اور مختلف کام کرنے والوں کی اکثریت صبح سے چوک میں موجود ہوتی ہے جنہیں حسبِ ضرورت کام پر لگا دیا جاتا ہے، مگر دیہاتوں میں مزدوروں کو مستریوں اور کاریگروں کا ملنا محال ہوتا ہے۔ اکثر لوگ پیشہ ور مزدور نہیں ہوتے، وہ اپنی کھیتی باڑی کے فارغ اوقات میں یہ دھندہ کرتے ہیں، اس لیے دیہی علاقوں میں ناز برداریاں اٹھانا پڑتی ہیں اور کاریگر و مستری، مزدور من مانے نرخ طلب کرتے ہیں، ساتھ چائے روٹی کا مطالبہ الگ ہوتا ہے، جس کی تیاری اور فراہمی اتنے لوگوں کے لئے وبالِ جان ہوتی ہے۔ خصوصاً جہاں بازار نہ ہوں، جہاں سے پکی ہوئی روٹی ترکاری مہیا نہ ہو۔

اس حساب سے ایک مزدور کی مزدوری زیادہ عرصہ کے کاموں کے لئے روٹی چائے سمیت ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، مگر مزدور و کاریگر کام کرانے والوں کا استحصال کرتے ہوئے مزدوروں کی کمیابی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں جو سراسر زیادتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: یہ تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں۔ خدا نے انہیں تمہارے تحت بنایا ہے، جس کے ماتحت اس کا بھائی۔ مسلمان، مزدور، خادم یا ملازم ہو۔ تو جس طرح خود کھاتا ہو اُسے کھلائے جس طرح خود پہنتا ہو اسے پہنائے۔ ان کی استطاعت سے زیادہ انہیں کام نہ دو، اگر ذمہ داری دے دو تو تعاون کرو۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان باب ۲۲)

اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک بوڑھے یہودی کو مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا،

Marfat.com

ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ہم نے تمہاری جوانی کی کمائی تو لے لی اور بڑھاپے میں تجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا پھر اس کا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ استدلال اخذ ہوتا ہے کہ مستقل مزدور کی پنشن مقرر کی جا سکتی ہے۔

اسلام کی عمومی ہدایات

برادرانہ سلوک

محنت کشوں کے سلسلہ میں حضورؐ کی مندرجہ بالا حدیث، جس میں انہیں بھائی کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے۔ بجائے خود اس رویہ کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مزدور آجر کا بھائی ہونے کی حیثیت سے مساوی حیثیت رکھتا ہے۔ دونوں مفاد میں شریک ہیں، یعنی آجر کا نقصان اجیر کا نقصان اور ایک کا فائدہ دوسرے کا فائدہ ہے۔ ایک کی بے حرمتی دوسرے کی بے حرمتی ہے۔ ایک کی عزت دوسرے کی عزت ہے۔ جس طرح دو بھائیوں کے درمیان اخلاقی طور پر یہ روا نہیں کہ ایک بھائی زندگی کی آسائشوں سے فائدہ اٹھائے اور دوسرے بھائی کو اس کی جائز مزدوری نہ ادا کرے۔ وہ خود اچھا کھائے اور ملازم و خادم کو سوکھی روٹی کھلائے۔ خود اچھا پہنے اور محنت کش کو پھٹے پرانے پہ ٹرخائے اور وہ ہر چیز کو ترستا رہے۔ حالانکہ دونوں بھائیوں کا وسیلۂ رزق ایک ہی زمین، ایک ہی کارخانہ اور ایک ہی کاروبار ہو۔

عدم ترفع

دوسری چیز یہ کہ مالک خود کو صاحبِ فضیلت سمجھے اور کارکن کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ خلفاء راشدینؓ کی مثالیں روشن اور تابناک ہیں۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس میں باری باری غلام کو اُونٹ پر سوار کراتے رہے۔ کوئی فرق اور مرتبہ ملحوظ نہ رکھا حتیٰ کہ بیت المقدس میں داخلہ کے وقت خلیفۂ دوم اُونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے اور خادم اُونٹ پر سوار تھا۔ حضرت عمرؓ کے اس رویہ سے اُن کی شان میں کوئی فرق واقعہ نہ ہوا تھا، نہ درجے اور عزت میں کمی آئی۔ حضرت عثمانؓ تہجد کے لئے اُٹھتے تو وضو کا پانی خود گرم کرتے تاکہ خادم کی نیند اور آرام میں خلل نہ آئے۔ اسے اپنے ساتھ سواری پر بٹھاتے۔ ایک دفعہ خادم کا کان مروڑ دیا تو پشیمان ہو کر اپنا کان پیش کیا کہ قیامت کے مواخذہ سے بچ جاؤں۔

عزّت و احترام

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اکرموھم ککرامۃ اولادکم اطعموھم مما تطعمون۔ ان کی اتنی عزت کرو جتنی اپنی اولاد کی کرتے ہو اور انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ انہیں محض معاشی حیوان نہ سمجھا جائے بلکہ ان کے معاشرتی احساسات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جس طرح اولاد کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کا بھی خیال رکھا جائے۔ ایک موقعہ پر فرمایا: لا یدخل الجنۃ سیئی الملکہ۔ اپنے ماتحتوں سے بدخلقی اور بدمعاملگی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔ حضورؐ کی ان تعلیمات کی روشنی میں محنت کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صدیوں سے مظلوم طبقے کو اپنی رحمتوں کے سائے میں چھپا لیا۔

ایک مرتبہ آپؐ نے ایک صحابیؓ کے ہاتھ پر گھٹے دیکھے تو فرمایا آپ نے ہاتھ میں سیاہی لگائی ہے۔ صحابیؓ نے کہا۔ میں دن رات پھاوڑا چلاتا ہوں۔ محنت مزدوری کرتا ہوں، اس لئے ہاتھوں پر گھٹے پڑ گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اُس کے ہاتھوں کے گھٹوں کو چوم لیا۔ بہرحال اسلامی تعلیمات میں مزدوروں کے ساتھ جس رحمت و شفقت کا ذکر ہے اُس کے ساتھ ساتھ آجر کے

Marfat.com

بھی اس پر حقوق ہیں۔ حضرت موسیٰؑ و شعیبؑ کے واقعہ میں حضرت موسیٰؑ کا قوی اور امانتدار ہونے کا ذکر ہے۔ مزدور کو بھی اپنی جسمانی قوت کے مظاہرہ کے ساتھ ساتھ امانتداری و دیانتداری کا خیال رکھنا چاہیئے۔

حرفِ آخر

ہمارے پاکستان میں لوگ محنت کشوں، مزدوروں، کاشتکاروں کے نعرے لے کر اُٹھے اور تقریروں میں دعوے کئے کہ ہم مزدوروں کے استحصال کی اجازت نہ دیں گے، صنعتکار تالہ بندیاں نہ کریں۔ مزدور ہمارے حاکم ہیں۔ میں مزدوروں کو بتاتا ہوں کہ ہم قوم کے وسائل آپ کے لئے وقف کریں گے۔ آپ اقتدار اور دولت کا سرچشمہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور ان لیڈر صاحب نے پاکستان میں پہلی بار یوم مئی منایا جو مزدوروں کا عالمی دن ہے، مگر ہوا کیا۔ ۱۹۷۲ء میں کراچی کے صنعتی ادارے میں مزدوروں پر فائرنگ کر کے انہیں موت کی نیند سُلا دیا کہ وہ اُجرتوں کے ساتھ منافع میں ڈھائی فیصد کا مطالبہ کر رہے تھے، جو اس حکمران کی لیبر پالیسی کے مطابق قانونی حقدار تھے۔ دوسرے دن ایک مزدور کے جنازے کے جلوس پر دوبارہ فائرنگ کی گئی اور مزید دس افراد مزدور ہلاک ہوئے۔

ان بزعم خویش مزدوروں کے ہمدرد لیڈر کے دور حکومت میں ۷۲ء سے ۷۴ء تک اڑھائی سال میں تہتّر مزدور ہلاک ہوئے۔ ایک صدی قبل شکاگو میں مزدوروں نے اپنی جانوں پر کھیل کر مزدوروں کے حقوق کا پھریرا لہرایا اور وہ پھریرا آج تک ہر سال بلند ہوتا ہے۔ یکم مئی کو مزدوروں کا دن منایا جاتا ہے۔ تقاریر ہوتی ہیں، مزدوروں کے حقوق کے تذکرے اور دعوے ہوتے ہیں۔ اس دن گودیوں، منڈیوں، کارخانوں اور دفتروں کے مزدور جلسے کرتے ہیں، جلوس نکلتے ہیں، مطالبات پیش ہوتے ہیں، قراردادیں پاس ہوتی ہیں۔ یہ سارا عمل دہراتے ہوئے سو سال بیت گئے۔ نہ جانے کتنی صدیاں اور بیت جائیں گی، لیکن مزدور ایک صدی پہلے بھی پس رہا تھا اور آج بھی ۔۔ ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات ۔۔ مغرب کی ترقی روشن خیالی و خوشحالی کے باوجود مزدوروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے۔ سیکورٹی سکیم اور سیکورٹی ہسپتالوں کے باوجود طبی سہولتوں سے محروم ہیں۔ ان کی یونینیں بھی ہیں، حقوق کے چارٹر بھی ہیں۔

لیکن جب تک اسلام کا نظام عدل و انصاف، انسانی ہمدردی، احترام انسانیت، اسلامی اخلاق و کردار جیسی اقدار و روایات اور اسلامی نظام قائم نہیں ہو پاتا، آخرت کی جوابدہی کا احساس نہیں اُبھرتا اس وقت تک یہ ساری باتیں ہی باتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنے اُونٹ کے زخم خود دھوتے تھے۔ کسی نے کہا۔ امیر المؤمنینؓ یہ کام خادم سے کرا لیجئے۔ فرمانے لگے۔ اُونٹ میری سواری ہے اس کے اچھے بُرے کی باز پُرس مجھ سے ہو گی اور مجھ پر اس کی دیکھ بھال کا حق ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

Marfat.com

معذوروں اور حاجتمندوں کے حقوق

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
حضرت ابن اُمِ مکتوم ؓ کے ساتھ بے رخی پہ خدائی تنبیہ۔ حکومتِ وقت معذوروں کی دستگیری کا حق رکھتی ہے۔ عام سرمایہ داروں کے مال میں ان کا حق ہے۔ فی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ سورہ بقرہ۔ بیت المال کا قیام۔ فطرانہ۔	آیت معہ ترجمہ سورۂ عبس	۱
نمائشی خیر خواہی۔ سفید چھڑی کا ادارہ، اندھوں، گونگوں کے تعلیمی ادارے۔ معاشرتی رویہ۔ اشرفی ہے تو اشراف ہے۔ موازنہ و مقابلہ۔ بے شمار اقوال	ہمارے حکمرانوں کا رویہ	۲
پانچ لیکیں، چندہ دینے والے نے دوسری بتی بُجھا دی۔ آدمی کو تیشہ نہ بننا چاہیئے کہ سب کچھ آگے ڈالے، نہ رندہ بننا چاہیئے کہ سب کچھ باہر پھینکے۔ آرا بنے کچھ اپنے لئے کچھ باہر غریبوں، محتاجوں کے لئے پھینکے۔ پھلدار درخت نہ بنے کہ سارا پھل اپنے قدموں میں ڈال دے اور دوسروں کو بغیر پتھر کھائے کچھ نہ دے۔	واقعات و امثال	۳

Marfat.com

معذوروں اور حاجتمندوں کے حقوق

آیت مع ترجمہ

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰٓی۔ تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا، اس لئے کہ آنے والا اندھا تھا اور تجھے کیا خبر کہ وہی پاکیزگی اختیار کرے یا نصیحت قبول کرے۔

تفسیر اور تشریح

مندرجہ صدر آیات حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے رُوساء سے محوِ گفتگو تھے، ابن اُمِ مکتوم تشریف لائے۔ آپ اندھے تھے۔ اُنہوں نے آپ سے اسلام کے بارہ میں کچھ پوچھنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مداخلت ناگوار گزری اور آپؐ نے ان سے بے رخی برتی جس پر اس سورت میں اس رویہ پر گرفت کی گئی۔

ان آیات کی تفسیری تشریحات سے قطع نظر اپنے مضمون کا عنوان بنانے کا مقصد یہ ہے کہ خداوند کریم اور قرآن کی تعلیمات میں کسی اندھے محتاج اور اسلام کی تڑپ رکھنے والے معذور آدمی کی کتنی اہمیت ہے کہ اس کے حق میں ذراسی بے رخی، عدم توجہ اور نظر انداز کئے جانے کو برداشت نہ کیا اور بروقت ٹوک دیا گیا جو قیامت تک اسلام کے پیروکاروں کے لئے ایک نصیحت اور ابدی تعلیم کی صورت اختیار کر گیا کہ قریش کے رئیس اور سردار جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داعیانہ ذمہ داریوں کی بناء پر فطری طور پر قابلِ توجہ اور لائقِ التفات سمجھتے تھے کہ قوم کے بااثر لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں تو دعوتِ اسلامی کا کام آسان ہو جائے گا۔ ورنہ عام بے اثر، معذور اور مجبور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس میں فرق نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو یہ سمجھایا کہ اسلامی دعوت کا نقطۂ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ ہر آدمی اہمیت رکھتا ہے جو طالبِ حق ہو، چاہے وہ کیسا ہی کمزور، بے اثر معذور ہو۔ اس کے مقابلے میں ہر وہ شخص غیر اہم ہے جو حق سے بے نیازی برتے۔ حق کی طلب نہ رکھتا ہو خواہ معاشرے میں وہ کتنا ہی معزز و محترم ہو۔

حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ اس اعتبار سے وہ حضورؐ کے خاندان کے فرد تھے۔ کوئی گرے پڑے آدمی نہ تھے۔ اصل وجہ جس سے آپؐ نے ان سے بے اعتنائی برتی وہ لفظ اعمیٰ (نابینا) سے ظاہر ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ حضورؐ کی بے اعتنائی کے سبب کی حیثیت کو خود بیان فرما دیا اور یہی ہمارے موضوع کا مقصد ہے۔

کسی بھی معاشرے میں عام بے کس، غریب اور مسکین لوگوں کی کفالت اُس کی حکومت کا حق ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں یہ ذمہ داری حکومت وقت کی ہوتی ہے کہ ان لوگوں کی دستگیری کرے جن کا کوئی ولی یا دستگیر نہ ہو۔ السلطان ولیُّ من لا ولیَّ لہٗ۔ بادشاہ اس کی سرپرستی کرے جس کی سرپرستی والا کوئی نہ ہو۔ حکومت وقت کے اس فریضہ کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد

Marfat.com

اور بے شمار آیات میں یتیموں کے الفاظ کے ساتھ ساتھ مسکین کا لفظ استعمال ہوا ہے جنہیں کھلانے پلانے، امداد دینے، خبرگیری اور دستگیری کی تاکید اور ترغیب دی گئی ہے۔

یتیموں، بیواؤں کے علاوہ مسکین کی اصطلاح بالعموم ایسے افراد کے لئے استعمال ہوتی ہے جو اپنی جسمانی معذوری، بڑھاپے یا کمزوری کے باعث کما کر کھانے کی طاقت و قدرت نہ رکھتے ہوں ۔ ولا یحض علیٰ طعام المسکین ۔سورۂ ارئیت یا الماعون ۔ میں فرمایا گیا ہے۔ قیامت کے دن کا انکار کرنے والے آدمیوں میں یہ علامات پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں اکساتے، انہیں ترغیب نہیں دیتے۔ ایک مقام پہ فرمایا گیا ہے۔ فی اموالھم حق للسائل والمحروم ۔کہ مالدار لوگوں کے مالوں اور دولت میں سوال کرنے والے اور محروم لوگوں کا حق ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ انہیں محتاج اور حاجتمند سمجھ کر بطور احسان دستگیری نہ کی جائے بلکہ ان کا حق جان کر ان کی مدد کی جائے۔ سورۂ بقرہ میں جہاں نیکی کی تعریف میں عقائد اور ایمانیات کا ذکر ہے وہاں ۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ۔ الخ ۔ کہا کہ نیک لوگوں کی صفات میں یہ صفت بھی ہے کہ وہ خدا کی محبت میں اپنا مال قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور غلاموں کو آزادی دلانے پر خرچ کرتے ہیں ۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کے حوالے سے اس وعدے کا ذکر ہے۔ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۔ بنی اسرائیل سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں ۔ والدین سے حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور یہی سلوک قریبی رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے معاملے میں بھی روا رکھیں گے اور عام لوگوں سے اچھی گفتگو کریں گے۔

غرض قرآن کریم کی بے شمار آیات میں معاشرے کے معذور، مجبور، حاجتمند اور ضرورت مند افراد کو پورے اسلامی معاشرے کی توجہ، دستگیری، امداد اور تعاون کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی طرف سے غفلت، بے پرواہی، بے رُخی اور بے اعتنائی کی سخت سزا دوزخ کے مستحق ہونے سے ڈرایا گیا ہے ۔۔ قرآن کریم کی رُو سے زکوٰۃ جو ہر مالدار پہ فرض ہے، جو صاحب نصاب ہو، زکوٰۃ کی ادائیگی کے مستحق افراد کی فہرست میں بھی ایسے افراد کا ذکر ہے جو یتیم ہوں۔ جسمانی معذوری، کمزوری، عمر کی زیادتی، اندھے، لنگڑے، اپاہج اور دائم المریض افراد کو اس زکوٰۃ کی ادائیگی کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے اور یہی لوگ حقیقی طور پر اس کے مستحق بھی ہوتے ہیں۔

بیت المال کا قیام

مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے متصل بعد "بیت المال" قائم ہوا۔ جسے خلفاءِ راشدینؓ کے دور میں زیادہ سے زیادہ مالدار اور فعال ادارے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ جس میں سے اس قسم کے معذور و حاجتمند اور مستحق افراد کے وظیفے اور روزینے مقرر ہوئے۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ خدا کے نام سے بیت المال میں جمع ہوتا اور اس کی تمام آمدنی ناداروں، غریبوں، حاجتمندوں پر صرف ہوتی۔ خلفائے راشدینؓ اس میں سے اپنے استحقاق خدمت سے زیادہ لینے کے روادار نہ تھے ۔ متعدد مثالیں اور واقعات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں کہ انہوں نے کس حد تک اس کا دیانتدارانہ استعمال فرمایا۔ خود اپنی پیٹھ پہ بوریاں اُٹھا کر حاجتمندوں کے گھروں تک پہنچائیں۔ حضرت عمرؓ

بے شمار واقعات ہیں۔ یہ واقعہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک یہودی کو اپنی احتیاج سے مجبور ہو کر بڑھاپے میں سوال کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا، تمہاری جوانی سے فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں بیکار سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر فرمایا۔

فطرانہ عید الفطر کی نماز سے پہلے فطرانہ کی رقم کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اور یہ گھر کے تمام افراد پر واجب ہے، خواہ دودھ پیتا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ یہ رقم معاشرے کے ان افراد کو دی جائے جو محتاج، حاجتمند اور غریب ہوں تاکہ اس رقم کی وجہ سے وہ مالدار لوگوں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں اور انہیں کسی قسم کی محرومی کا احساس نہ ہو۔ اسی طرح قربانی کے گوشت کا تیسرا حصہ ان کے لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ ان پر تقسیم کیا جائے کہ وہ اس موقعہ پہ اپنی محتاجی اور معذوری کے باعث قربانی نہ کر سکیں تو وہ اور اُن کے بچے گوشت کے لئے نہ ترسیں۔ وہ بھی سال میں ایک مرتبہ ہی سہی سیر ہو کر گوشت کھا سکیں۔

اسلامی تعلیمات میں تو اس حد تک ہدایات دی گئی ہیں کہ آپ اپنے گھر میں اپنے بچوں کے لئے کھانے کی چیز لائیں، فروٹ وغیرہ تو اُسے کھا کر اس کے چھلکے تک باہر گلی میں نہ پھینکیں تاکہ محلے کے بے سہارا، محتاج لوگ اور ان کے بچوں کے دلوں میں محرومیوں کا احساس پیدا نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ جہاد سے واپس ہوئے تو سب سے پہلے مدینہ کے معذوروں کو جمع کر کے اُن سے فرمایا کہ آپ لوگ اپنی جسمانی معذوریوں کے باعث جہاد میں شریک نہیں ہو سکے۔ آپ کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ کے بھائی جو جہاد میں شریک ہوئے آپ کو ان کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔

ایک دفعہ مدینہ شریف میں کوئی اجتماعی دعوت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دُور ایک شخص اپنی جسمانی معذوری کے باعث کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا تو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم خود چل کر اُس کے پاس گئے اور اپنے ہاتھ سے اُسے کھانا کھلایا۔

حضرت عمرؓ ایک اندھی اپاہج بڑھیا کی خبر گیری فرماتے تھے جو مدینہ طیبہ کے پاس رہتی تھی، مگر چند دنوں کے بعد جب آپ اُس کی خدمت گزاری کے لئے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ کوئی پہلے ہی سے اُس کی خبر گیری اور خدمت کر چکا تھا۔ ایسا دو تین دفعہ ہوا تو آپ کو حیرت ہوئی کہ کون ایسا شخص ہے جو یہ نیکی اور سعادت ان سے پہلے کر جاتا ہے۔ آخر کار ایک رات یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ شخص کون ہے، وہاں ٹھہر گئے۔ دیکھا تو ان سے پہلے یہ خدمت انجام دینے والے حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ آپ کے سوا ایسا سعادت مند اور کون ہو سکتا ہے۔

آج ہماری زندگی اشتہاری، اخباری اور نمائشی ہے، اگر ہمارے کوئی وزیر صاحب عید کی نماز کہیں پڑھتے ہیں تو ٹی وی کے کیمرے اس منظر کو دوام بخش کر عوام کو ٹی وی پر دکھاتے ہیں۔ کہیں حکمران ایسے ناداروں، غریبوں کے ساتھ ہاتھ ملاتا ہے تو اس کی نمائش ہوتی ہے۔ سال میں ایک دفعہ یا کئی سالوں بعد غریبوں کی دستگیری و خبر گیری کا شوق انگڑائی لیتا ہے تو دعوت کر کے ان کے ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے اور اسے ہمارے ذرائع ابلاغ قوم کے سامنے پیش کر کے اس کی خوب تشہیر کرتے ہیں اور اس طرح اپنی نیکی کی شہرت حاصل کر کے سیاسی مفاد حاصل کئے جاتے ہیں۔ حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کو غریبوں کی امداد

اور اُن کی حمایت کی ضرورت نہ تھی، نہ اُن کے حلقۂ انتخاب میں ووٹوں کی محتاجی تھی۔ وہ ایسے کام خالص خدا کی خوشنودی اور اپنی طبعی اور فطری نیکی کے جذبہ کے تحت کیا کرتے تھے۔ عام زندگی کے چلن اور رویئے سے ہٹ کر یہ وقتی اور غیر طبعی عمل نہ ہوتا تھا۔

اب تو ماشاء اللہ معاشرے میں اندھے، اپاہج اور معذور لوگوں کے فلاحی ادارے موجود ہیں، جن میں ان کی ضروریات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ انہیں ان کی جسمانی معذوریوں کے مطابق مختلف ہنر سکھا کر انہیں معاشرے کا کارآمد شہری بنایا جاتا ہے۔ اندھوں کے تعلیمی ادارے موجود ہیں۔ گونگوں کی اشاراتی تعلیم کا اہتمام موجود ہے۔ سفید چھڑی کے نام سے ادارے اور تحریکیں چل رہی ہیں، مگر اس کے باوجود معاشرے میں سینکڑوں ایسے اندھے، اپاہج اور معذور افراد ہیں جو لاریوں کے اڈوں، ریلوں کے ڈبوں اور بازاروں میں مانگتے پھرتے ہیں اور ہمارے معاشرے کے متمول اور سرمایہ دار لوگوں کے دستِ شفقت اور ترحم کے محتاج ہیں۔ آج بھی ہماری اس فیشن زدہ سوسائٹی میں محتاجوں، غریبوں اور معذوروں کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ انہیں اپنی ذہنی قابلیت کے مطابق وہ مقام نہیں دیا جاتا جو دوسرے کھاتے پیتے، مگر بیوقوف و بدتہذیب لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ "جس کے پاس نہیں پیسہ وہ بھلا مانس کیسا"؟ اشرفی والا اشراف ہے۔ جہاں روپیہ بولتا ہو وہاں سب خاموش ہوتے ہیں اور دولت کے تین نام تو مشہور ہیں کہ دولو، دولا، دولت رام۔

زمانہ امیروں کا وصّاف ہے اگر اشرفی ہے تو اشراف ہے

مثل مشہور ہے خالی تھیلا سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا۔ اسے بھر دیا جائے تو تب سرفراز و سربلند ہوتا ہے۔ محتاج اور حاجتمند مجلس میں بات کرے تو گستاخ، چپ رہے تو بیوقوف، سچ کہے تو مفسد، عاجزی کرے تو خوشامدی و چاپلوس کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ناداروں کے سارے ہنر عیب بن جاتے ہیں اور زرداروں کی حماقتیں ہنر اور عقلمندی کہلاتی ہیں۔

؎ زردار و بیوقوف بھی دانا ہیں ہوشیار بے زر ہو عقلمند تو سمجھیں اسے چمار

ناداری آزادی کی قاتل ہے، بے زری بے سری ہے۔ زر ہے تو زر ہے ورنہ خر ہے۔ یک مفلسی و صد عیب۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرتی تقاضوں، سوسائٹی کے آداب اور سماجی مراتب و مناسب کے حصول کے لئے لوگوں میں زر اور حصولِ زر کی ہوس نے ایسی آگ بھڑکا دی ہے کہ اس میں سیرت و اخلاق، کردار، تقویٰ داری سب بھسم ہو کر رہ گئے۔ دینی اقدار، مذہبی معیار اور اخلاقی اطوار آج کے بازار میں کھوٹے سکے ہیں۔ ہم اپنی مجلسوں، جلسوں اور تقاریب میں حضورؐ کی سیرت کے تذکرے کرتے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ، صلحاءؒ، علماء اور اولیاءؒ کی مثالیں دیتے ہیں جس سے ہماری خطابت کا رعب بیٹھ جاتا ہے۔ علم اور دانشوری کا سکّہ جم جاتا ہے، مگر ہمارے بدن پر سادہ لباس نہیں ہوتا، ہمارے پیٹ میں سادہ اور سوکھی روٹی نہیں ہوتی۔ ہمارے نیچے زرنگار کرسی کی بجائے وہ فرشِ خاک نہیں ہوتا۔ ہمارے سفر میں ہیلی کاپٹر اور گزوں لمبی کاریں ہوتی ہیں۔ وہ سادگی، بے سرسامانی نہیں ہوتی جو ہماری تقاریر کے مثالی کرداروں، حضورؐ، صحابۂ کرامؓ، علماء، صلحاء اور اولیاء کا طرۂ امتیاز تھا، تو پھر اثر ہو تو کیسے، اسلامی حکومت کا قیام ہو تو کیسے۔ ہماری عزت، ہماری شہرت، ہمارا احترام اقتدار کی ڈوری سے بندھا ہوا ہے، جونہی اقتدار کی ڈور حزبِ اختلاف کے کسی پتنگ نے کاٹی اسی دن سے ہم آسمانی پہنائیوں یا زمین کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں۔

Marfat.com

نہ کوئی یاد کرتا ہے، نہ عزت کرتا ہے نہ احترام اور ان لوگوں نے روکھی سوکھی کھا کر غریبوں کی دردمندیوں، معذوروں کی ہمدردیوں، ان کے دکھ سکھ میں ہاتھ بٹا کر، لنگر کھول کر، الیکشن میں کامیابیوں کے لالچ کے بغیر ان پر اپنی دولت لٹا کر جو عزت، جو مرتبے، جو منصب، جو عقیدت، جو احترام کی دولت سمیٹی ہے وہ آج بھی اس اعتبار سے سرمایہ دار و عزت دار ہیں کہ جن کے آستانوں پر، جن کی قبروں پر بڑے بڑے شاہ، بڑے بڑے سرمایہ دار اور بڑے بڑے منصب دار سر جھکاتے ہیں اور ماتھے رگڑتے ہیں۔

یہ سب کچھ ہوتے دیکھ کر اور ان سب تجربوں سے گزر کر بھی نہ جانے کیوں ہماری کھوپڑی میں یہ بات نہیں آتی کہ ایسا کیوں ہے اور ہم کیوں ایسے نہیں بن جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آج کے حکمرانوں سے زیادہ با اختیار حکمران تھے۔ سرکاری خزانے میں عراق، شام، مصر اور ایران اور پورے جزیرۂ عرب کی دولت جمع تھی، وہ اس برطانیہ جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، سے تین گنا بڑے رقبے کے حکمران تھے، مگر سفر میں نہ شاہی خیمے ہوتے، نہ لاؤ لشکر، نہ طعام خانے، چلتے چلتے تھک جاتے تو کسی جھاڑی تلے چادر بچھا کر اُس کے سائے میں سو جاتے۔ کنکریوں اور سنگریزوں کا سرہانہ ہوتا اور عرب کے تپتے صحرا کی ریت اُن کا بچھونا ہوتی اور یہ طرزِ عمل اور زندگی کے اطوار، دولت کے استعمال سے ناواقفی یا وسائل کی کمی کی وجہ سے نہ تھے بلکہ دلوں میں خدا کے خوف، آخرت کی جوابدہی اور قومی و دینی فرائض کے شدید احساس کا نتیجہ تھا۔ ایک دفعہ عوام کی خبر گیری کے لئے گشت کر رہے تھے تو راستے میں ایک نوجوان عورت ملی، اُس نے اپنا حال سنایا کہ میں فلاں صحابیؓ کی بیٹی ہوں، میرے والد حدیبیہ میں حضورؐ کے ساتھ تھے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ زمین نہیں کہ روزی کا ذریعہ بنے، جانور نہیں کہ معاش کا گزر ہو سکے، بچے بھوکے رہتے ہیں۔ آپ نے پوری توجہ سے اُس کی باتیں سنیں اسے مرحبا کہا۔ ساتھ لیا، گھر سے اُونٹ لیا اور اس پہ دو بوریاں غلہ سامان اور خوراک کی اشیاء بھر کر اُونٹ کی مہار اسے تھما دی اور فرمایا۔ جاؤ اس سے تمہارا گزارہ چل جائے گا۔

آج خود چل کر خبر گیری تو بڑی بات ہے کہ حکمران یا ہواؤں میں اُڑتے یا ہوا پہ دوڑتے ہیں۔ شاہی ایوانوں تک ناداروں کی رسائی ناممکن ہے۔ عرضیاں اور درخواستیں بھیجیں تو جواب ندارد۔ دفتری فائلوں میں گم ہو جاتی ہیں۔ امارت اور دولت کو جو لوگ نفسانی خواہشات پر لگاتے ہیں، نفس پرست ہوتے ہیں، شہرت اور ناموری میں لگاتے ہیں، دنیا پرست ہوتے ہیں اور خدا پرست غیروں کی بھلائی پہ خرچ کرتے ہیں۔ نیکوں کی کمائی کنبے، قومی مصالح اور ناداروں کی دستگیری پر خرچ ہوتی ہے۔ مجرموں کی کمائی عیاشی و بربادی میں لگتی ہے۔

کسی دانا کا قول ہے کہ تلیشہ نہ بنو جو سب کچھ آگے ڈالتا ہے۔ رندہ بھی نہ بنو جو سب کچھ باہر پھینک دیتا ہے۔ آرہ بنو، کچھ آگے ڈالو کچھ باہر تاکہ غریبوں، مسکینوں، حاجتمندوں اور معذوروں کو فائدہ پہنچے۔ دو عورتیں ایک امیر آدمی کے پاس خیراتی امور کے لئے چندہ مانگنے گئیں۔ وہ اس وقت دو موم بتیوں کی روشنی میں کچھ لکھ رہا تھا۔ جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئیں اُس نے ایک موم بتی بجھا دی۔ خواتین نے یہ دیکھا تو مایوس ہو گئیں کہ ایسے کنجوس سے کیا ملے گا، مگر اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اُس نے بیس اشرفیاں خیراتی کام میں دے دیں۔ خواتین نے اپنی حیرانگی اور بتی بجھانے پر بخیلی کے گمان کا اظہار کیا تو کہا۔ دراصل میں اسی کفایت شعاری اور میانہ روی کے باعث آپ کو نیک کام میں چندہ دینے کے قابل ہوا ہوں۔ باتوں کے لئے ایک موم بتی کی روشنی کافی تھی اسی لئے بجھا دی تھی۔

Marfat.com

آج ہماری ذاتی آرائش اور آسائشوں کے لئے تو بہت کچھ ہوتا ہے، مگر غریبوں، معذوروں اور حاجتمندوں کے لئے "معاف کرو بابا" کا جملہ بچا کر رکھا ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ تم درخت تو نہیں کہ اپنا پھل اپنے پاؤں میں گراؤ یا اینٹ پتھر کھا کر دوسروں کی جھولی بھرو۔ تمہاری کمائی سے بغیر مانگے محتاجوں کا حصّہ ہونا چاہیئے۔ وفی اموالھم حق" للسائل والمحروم۔ اہل جنت کی یہ صفت ہوتی ہے کہ ان کے مال میں محتاجوں اور محروموں کا حق ہوتا ہے، وہ انہیں بغیر مانگے دیتے ہیں، حق کے طور پہ دیتے ہیں۔ احسان و خیرات کے طور پہ نہیں دیتے۔

دُور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افگند

دُور پار محتاجوں کو یاد کرنا، نوازنا اہلِ ہمت کا کام ہے، ورنہ اپنے پاؤں میں پھل تو ہر درخت گرا دیتا ہے۔ انسانی زندگی اگر توفیق و طاقت کے باوجود محتاجوں کے سہارے اور اُٹھانے میں خرچ نہیں ہوتی تو کس کام کی۔ ایک شخص نے اپنے دوست سے اپنی احتیاج اور ضرورت کا ذکر کیا تو وہ دوست رونے لگ گیا۔ بیوی نے کہا۔ شرم کی بات ہے کہ اپنے حاجتمند دوست کی ادنیٰ حاجت پوری کرنے کی بجائے بیٹھ کر رونے لگا ہے۔ حالانکہ خدا نے اُس کی ضرورت پوری کرنے کی توفیق بھی دی ہے۔ اس نے کہا۔ میرا رونا اس پر نہیں کہ اسے کچھ دینا پڑے گا، اس خیال سے ہے کہ مجھے خود اپنے دوستوں کی ضروریات کا علم کیوں نہ ہُوا کہ اسے میرے دروازے پر آنا پڑا اور اسے یہ خفت اٹھانا پڑی۔

کسی پادری کے بخل کا بڑا چرچا تھا، لوگ اس سے نفرت کرتے تھے، لیکن اچانک اس نے ایک نہر کھود کر جاری کر دی اور ساری دولت اس پہ لگا دی اور لوگوں سے کہا کہ محتاجوں کو تھوڑا تھوڑا دینے سے ساری مخلوق کا اتنا بڑا رفاہی کام کیسے ہو سکتا تھا۔ اگر اس بخیل کی سوچ ہمیں آ جائے تو ایک یا چند اہل ثروت مل کر ایسے رفاہی ادارے کی بنیاد رکھیں جس سے حاجتمندوں، معذوروں کو باعزت زندگی گذارنے کا فن آ سکے۔ حکومت نے تعلیمی اداروں اور ملازمتوں میں صرف چند سیٹیں مختص تو کی ہیں، لیکن تعلیم کے حصول اور ملازمت کے معیار تک رسائی کا کیا سامان کیا ہے۔

بخیل دولتمندوں اور ضرورت مندوں کی ضرورتوں سے غافل حکمرانوں کو آخری نصیحت یہی کی جا سکتی ہے کہ وہ کمینے دولتمندوں کی طرح نہ بنیں، جن کے پاس دولت آ جاتی ہے تو پانچ کیلیں اُس کے جسم میں گڑ جاتی ہیں۔ ایک گردن میں جو اسے اکڑا دیتی ہے۔ دو سری دو آنکھوں میں جو معذروں اور ضرورت مندوں کی حالت دیکھتا نہیں۔ دو کانوں میں کہ وہ کسی کی امداد اور حاجت کی آواز کو سنتا نہیں۔ اور اندھا بہرہ ہو کر اپنی عیاشیوں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آخر کار چھٹی کیل خدا کی طرف سے اس کی "جاءِ نشست" میں گاڑ دی جاتی ہے تو جسم کی پانچوں کیلیں نکل جاتی ہیں۔ گردن جُھک جاتی ہے، آنکھیں کھل جاتی ہیں اور کان فریادیوں کی فریاد سننے لگ جاتے ہیں، لیکن یہ احساس، یہ بصیرت، یہ نصیحت پذیری اور عاجزی بعد از وقت ہوتی ہے۔ آؤ چھٹی کیل ٹھکنے سے قبل ہم حاجتمندوں کی حاجت روائی اور معذوروں کی معذوریاں دُور کرنے میں زندگی گزار دیں۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً "مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں، اللہ نے بیٹھنے والوں کی نسبت جان و مال سے لڑنے والوں کا درجہ بڑھایا ہے۔ (النساء: ۹۵)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

Marfat.com

(دولت بشترا)

Marfat.com

مہمان اور میزبان کے حقوق

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
سورۂ کہف، قصہ حضرت موسیٰؑ و حضرت خضرؑ۔ بستی کے لوگوں نے مہمانی نہ کی۔ اسلامی تعلیمات۔ روایات و اقدار۔ مغربی انداز۔	آیت معہ ترجمہ	۱
گفتگو کی ابتداء سلام۔ ان کی روٹی کا اہتمام۔ مہمان کی جان اور آبرو کا تحفظ۔ حضرت لوطؑ کے مہمانوں سے سبق۔	حضرت ابراہیمؑ کے فرشتے مہمانوں کی سبق آموز باتیں	۲
احادیثِ نبویؐ۔ قرآنی تعلیم، دعوت میں بن بلائے نہ آنا۔ مہمان کا زیادہ دیر تک قیام نہ کرنا۔ سورہ احزاب میں مسلمانوں کو تعلیم۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات،	۳
بن بلائے آنا۔ بے وقت آنا۔ زیادہ تعداد میں آنا۔ مہمانوں کی تین اقسام۔ پڑق، چڑق، دن پڑق۔	ہمارے انداز میزبانی و مہمانی	۴
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ امیر طلحہ کا واقعہ۔ شیخ سعدیؒ کا واقعہ۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ۔ کرمان کے والی کا جذبۂ مہمان نوازی۔ بدخو بیوی کا خاوند کے مہمان پر غصہ ہونا، بے عزتی کرنا۔	واقعات و امثال	۵
خواتین کی ذاتی تقریبات برائے نمائش۔ بچوں سمیت دوسروں کے ہاں ورود اور بدتہذیبی کے مظاہرے۔	حرفِ آخر	۶

مہمان اور میزبان کے حقوق و آداب

آیت معہ ترجمہ

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اِۨسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ (الکہف: ۷۷)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر دونوں۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام۔ چلے، یہاں تک کہ ایک بستی پہ اُن کا گزر ہوا تو انہوں نے وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا۔ سو انہوں نے اُن کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ اُنہوں نے اس بستی میں دیوار کو دیکھا جو گرا چاہتی تھی تو انہوں نے اسے مرمت کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا، اگر تم چاہتے تو ان سے اس مرمت کی اُجرت ہی لے لیتے۔

تفسیر و تشریح

یہ آیت سورہ کہف سے تعلق رکھتی ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی رفاقت کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو روحانی اسرار و رموز کی تعلیم دینا چاہتے تھے اور اس سفر میں ان کی یہی تربیت مقصود تھی کہ بعض امور جو بظاہر دنیا کی نگاہوں میں معقول معلوم نہیں ہوتے، لیکن ان میں چھپی ہوئی حکمت اور بھلائی کا تقاضا ہوتا ہے کہ ظاہر بین نگاہوں کی پرواہ کئے بغیر انہیں انجام دیا جائے۔

ظاہری طور پر اس آیت میں بھی بستی کے لوگوں کا رویہ ایسا تھا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی تواضع نہ کی۔ مہمان نوازی کے انسانی تقاضے سے روگردانی کی بلکہ طلب کرنے کے باوجود کھانا نہ کھلایا، لیکن حضرت خضرؑ نے ان کے اس رویہ کے باوجود اس بستی کی گری ہوئی دیوار کو از سر نو تعمیر کر دیا۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض فرمایا کہ مفت کی اس خدمت سے تو بہتر تھا کہ ان سے اس کام کی اُجرت طلب کر لی جاتی۔ دیوار کی اس تعمیر اور دوسرے تمام امور جو ظاہری طور پر موسیٰؑ کے لئے اعتراض کا سبب تھے، ان میں پوشیدہ حکمت کی تفصیل اس سورۂ کہف میں موجود ہے۔ یہاں صرف اس آیت سے یہ سہارا اور دلیل لی گئی ہے کہ مہمانوں کی عدم تکریم اور مہمانوں کے حقوق کی عدم ادائیگی کے اس بُرے رویّے کو قرآن کریم نے ذکر کر کے قیامت تک اس بستی کے منہ پہ لگی ہوئی کالک کو دوام بخش دیا۔

مشہور بات ہے کہ دانے دانے پر لکھا ہے کھانے والے کا نام۔ جس رزق اور جس دانے پہ کھانے والے کا نام لکھا ہو اور اس کی قسمت میں مقدر کیا گیا ہو اسے دوسرا شخص نہیں کھا سکتا۔ وفی السماء رزقکم و ما توعدون۔ تمہارا رزق آسمانوں پہ خدا نے مقرر کر رکھا ہے اور اس کے دینے اور پہنچانے کا خدا نے وعدہ کر رکھا ہے۔ تو گھر آئے ہوئے مہمان کو اُن کی

Marfat.com

قسمت میں لکھا ہوا رزق خندہ پیشانی اور خوشدلی سے کھلانا چاہیئے بلکہ خوش ہونا چاہیئے کہ یہ رزق میزبان کو اُٹھا کر مہمان کے گھر لے جانا نہیں پڑا اور خود چل کر آپ کے ہاں قسمت جُدا کرنے آیا ہے۔

مغربی اندازِ مہمان نوازی

ہمارے مشرقی آداب و اقدار آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں۔ دینی تعلیم کا رشتہ تو عرصہ ہوا ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ ہندوستان پر انگریزوں کے صد سالہ دورِ حکومت نے ان کی جگہ ہمارے اندر اس قوم کی تہذیب و تمدن کی نقالی کو ذریعۂ فخر اور موجبِ فخر بنا دیا۔ جن کے ہاں مہمان نوازی کا تصور سرے سے موجود نہیں اور اسے یہ لوگ بے تکلفی۔ سٹیٹ فارورڈنس۔ کا نام دے کر پسندیدہ اوصاف میں شمار کرتے ہیں۔ لینڈ لیڈی۔ پیئنگ گیسٹ۔ بامعاوضہ مہمان اور ڈامی سسٹم مغربی تہذیب کی بے تکلفانہ، آزادانہ تعلقات کی اصطلاحات ہیں۔ یہ بات یا روّیہ کسی حد تک ٹھیک ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھائے اور نہ دوسروں پر اپنا بوجھ ڈالے مگر اس میں اس حد تک تو سختی نہ ہونا چاہیئے کہ علیک سلیک ہوتے ہی اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور انسانی رواداری و اخلاق کا اتنا بھی اظہار نہ ہو کہ آدمی تھوڑی دیر کے لئے کسی کے ہاں سفر کی تکان ہی دُور کر سکے۔

مغرب کا کیا ہے، وہاں تو انسانی معاشرت کے تمام دائرے بکھر گئے۔ انہیں دنیا میں خدا نے آخرت کے مناظر سے دوچار کر کے نفسا نفسی کی زندگی میں مبتلا کر دیا — یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ۔ قیامت کے دن ایسی نفسا نفسی کی کیفیت ہوگی کہ بہن بھائی سے، ماں باپ اہل خانہ اولاد سے دُور بھاگیں گے، کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ آج مغرب کا یہی عالم ہے۔ اولاد جوان ہوتے ہی ناآشنا ہو جاتی ہے۔ گھر کے سارے افراد منہ اندھیرے بھاگتے ہیں۔ روزگار اور ذرائع معاش کی لہروں کی نذر ہو کر ڈوب جاتے ہیں۔ وہاں تعلقات کے دائرے اور اخلاص کے سلسلے سکڑ سمٹ کر ہیلو اور ٹاٹا تک کے الفاظ میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔

ایثار برائے مہمان

قرآن کریم کی سورۂ حشر میں ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ کے متعلق تفسیری اور تشریحی بیان ملتا ہے کہ حضورؐ کے پاس اکثر و بیشتر مہمان آتے تھے کبھی خود اور کبھی ان کی مہمان نوازی کی خدمت صحابہؓ کے ذمہ سپرد ہوتی۔ اسی طرح معمول کے مطابق جب مہمانوں کی تقسیم ہوئی تو ایک صحابیؓ انصاری کے ذمہ ایک مہمان سپرد ہوا۔ وہ انہیں گھر لے گئے۔ بیوی نے بتایا کہ گھر میں اتنا ہی کھانا موجود ہے جو آپ کے لئے ہو سکتا ہے، مگر عرب کی مہمان نوازی اور اسلامی تعلیمات کے تحت مہمان کی تواضع کی یہ ترکیب نکالی کہ خاوند اور مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر بیوی نے اس انداز سے جو اتفاقی ہو، جان بوجھ کر دیا بجھا دیا۔ چنانچہ اندھیرے میں مہمان کو محسوس نہ ہونے دیا کہ میزبان یونہی ساتھ بیٹھا ہے اور کھانا صرف مہمان کھا رہا ہے۔ چنانچہ مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور میزبان بھوکا سو رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میاں بیوی کے اس ایثار اور بے مثال مہمان نوازی کی تفصیل سے آگاہ کر کے خداوند کریم نے سورۂ حشر کی مندرجہ بالا آیت اُتاری کہ مومن لوگ اپنی تنگی ترشی اور احتیاج و ضرورت کے باوجود دوسروں کے لئے ایثار سے کام لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس صحابیؓ کے اس سلوک پر خداوند تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ کا طرزِ عمل

اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمان نوازی کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ جب فرشتے انسانی صورت میں ان کے ہاں مہمان بن کر آئے۔ ھل اتاک حدیث ضیف ابراھیم المکرمین۔ اے نبی کیا آپ کے پاس حضرت ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔ اذ دخلوا علیہ فقالوا سلامًا۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ قال سلامٌ قومٌ منکرون۔ ابراہیمؑ نے اُن کے سلام کا جواب دیا، اور سوچنے لگے کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔ فراغ الیٰ اھلہٖ فجاء بعجل سمین۔ پھر جلد ہی گھر والوں کے پاس آئے اور موٹے تازے بچھڑے کا گوشت بھنوا کر مہمانوں کو پیش کیا۔ فقربہٗ الیھم قال الا تاکلون۔ ان کے پاس جو کھانے میں تامل کر رہے تھے تو انہیں فرمایا۔ آپ لوگ کیوں نہیں کھا رہے۔ فاوجس منھم خیفۃ۔ اس پر بھی انہوں نے کھانا نہ کھایا تو ابراہیمؑ دل میں ڈرے۔ قالوا لا تخف وبشروہ بغلام علیم۔ مہمانوں نے ان کی حالت دیکھ کر کہا۔ ڈرو نہیں۔ ہم فرشتے ہیں، کھاتے پیتے نہیں۔ ہم آپ کو ایک ہونہار اور ذی علم بیٹے کی خوشخبری دینے آئے ہیں۔ (ذاریات)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ مہمان فرشتے تھے جو انسانی شکل میں اُن کے پاس آئے تھے۔ وہ کھانے پینے سے بے نیاز تھے، مگر حضرت ابراہیمؑ نے ان کی مہمان نوازی اور اپنی میزبانی کا جو حق ادا کیا، قرآن کریم میں اس تفصیل کے ذریعہ میزبانی اور مہمان نوازی کے آداب کا پتہ چلتا ہے۔

آدابِ مہمان نوازی

۱۔ میزبان اور مہمان کے درمیان گفتگو کی ابتداء سلام سے ہوئی۔ جیسا کہ انہوں نے آتے ہی حضرت ابراہیمؑ کو سلام کیا۔ حضورؐ کا ارشاد مبارک بھی یہی ہے کہ السلام قبل الکلام (ترمذی) گفتگو سے پہلے سلام کیا جائے۔

۲۔ مہمانوں کے ساتھ سلام دعا کرنے کے بعد انہیں ٹھہرایا جائے اور پھر اہل خانہ سے ان کی ضیافت کا کہا جائے۔ چنانچہ حضرت حضرت ابراہیمؑ اُن کو بٹھا کر گھر آئے اور ان کے کھانے کے لئے بچھڑے کو جو موٹا تازہ تھا، ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر لے آئے۔

۳۔ میزبانی اور خوراک کا اہتمام مہمان کی لاعلمی اور بے خبری میں کیا جائے تاکہ مہمانوں پر اس پُرخلوص اہتمام کا اظہار نہ ہو کہ وہ ازراہِ تکلف یا تصنع ایسا کرنے سے منع کریں اور اُن کا حق تواضع ادا نہ ہو سکے۔ فراغ کے یہی معنیٰ ہیں کہ چپکے سے علیحدہ ہو کر گھر چلے گئے، تاکہ اس دوران وہ سستا سکیں۔ ان سے یہ علیحدگی آداب کے خلاف نہیں۔

۴۔ کھانا ان کے سامنے لا کر پیش کرنا چاہیئے اور اگر وہ نہ کھائیں تو حکم نہ چلایا جائے نہ زبردستی کی جائے۔ خیر یہ تو فرشتے تھے، کھانے سے بے نیاز تھے، مگر انسان مہمانوں پر زبردستی کھانا نہ ٹھونسا جائے۔ انہیں ان کی طبیعت اور مزاج کے مطابق کھانے میں اختیار اور آزادی دی جائے۔ البتہ ایک آدھ بار حضرت ابراہیمؑ کی طرح۔ آپ کھاتے کیوں نہیں۔ کہنے میں حرج نہیں، لیکن ہمارے بعض علاقوں میں مہمانوں کی طبیعت کے تقاضے کے برعکس زبردستی اور بار بار کھانے پر اصرار کیا جاتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مہمان کی مقدار خوراک اور پسند کا خیال رکھے بغیر خود سالن میں روٹیاں توڑ دی جاتی ہیں اور مہمان کو ان کے ختم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

۵- مہمان کے نہ کھائے یا تھوڑا کھانے پر مغموم نہ ہونا چاہیئے۔ تاہم اگر وہ کوئی معقول عذر کرے تو اُسے قبول کر لیا جائے۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب اطمینان ہو جائے تو پھر آنے کا مقصد پوچھا جائے۔ جیسے کہ ابراہیمؑ نے ان سے پوچھا۔ فما خطبکم ایّھا المرسلون - آپ لوگ کس مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں اور بقدر ضرورت گفت گو فرمائی۔

۶- قرآن کریم میں مہمانوں کی عزت و تکریم کی تعلیم بھی ملتی ہے اور اگر آپ کے مہمان کی کوئی اور بے عزتی کرے تو مہمان کی مدافعت کی جائے۔ انہیں بے عزتی سے بچایا جائے۔ حضرت لوطؑ کے ہاں مہمان فرشتے آئے اور جب اُن کی قوم نے اُن سے توہین آمیز برتاؤ کرنا چاہا تو حضرت لوطؑ نے انہیں روکا - ان ھؤلاء ضیفی فلا تفضحون واتقوا اللہ ولا تخزون۔ یہ میرے مہمان ہیں ان کے بارے میں مجھے فضیحت نہ کرو، خدا سے ڈرو، مجھے رسوا نہ کرو۔

حضورؐ کے ارشادات

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ مہمان کی عزت کرے اور جو قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اُسے چاہیئے کہ قرابتداروں کے حقوق ادا کرے اور جو شخص قیامت کو سچا جانتا ہو اُسے چاہیئے کہ وہ بھلی بات کہے، ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری)

۲- حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وانّ لزورن علیك حقاً۔ (بخاری) یقیناً تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے - مہمان کو بلا ضرورت کسی کے ہاں تین دنوں سے زیادہ نہ ٹھہرنا چاہیئے، خواہ مخواہ میزبان کے لئے موجب پریشانی نہ بنے - حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص قیامت کے دن کو سچا مانتا ہو اُسے چاہیئے کہ مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ ایک دن ایک رات کرے۔ مہمان کا حق تین دن ہے، اس سے زیادہ ٹھہرے گا تو مہمان صدقہ کھائے گا اور اتنا زیادہ ٹھہرنا اس کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کو تنگی میں ڈالے۔ (مالک۔ بخاری)

۳- اور یہ بھی سنّت ہے کہ جب مہمان رخصت ہونے لگے تو اُس کے ساتھ کچھ دُور تک جائے - صحیح مسلم میں ہے کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اس کو گنہگار کردے - لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ، گنہگار کیسے کرے گا؟ فرمایا۔ وہ اتنا ٹھہرے کہ اُس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لئے کچھ نہ رہے یا وہ اپنی مصروفیات یا خانگی مجبوریوں کے باعث اس کی خاطرداری کے بجائے نفرت کرنے پر مجبور ہو کر خدا کے ہاں گنہگار بن جائے۔

۴- اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ میزبان کے ہاں قیام کے دوران اپنی نازک مزاجیوں، عادات اور پسند و ناپسند کے مطابق میزبان سے فرمائشیں کرتے رہتے ہیں۔ میں فلاں چیز پسند کرتا ہوں، فلاں کھانے سے پرہیز ہے، میری یہ عادت ہے، یہ معمول ہے اور اس طرح وہ اپنے میزبان کے لئے موجب آزار بن جاتے ہیں۔ کھانے میں نقص ڈال دیا۔ نمک مرچ کی شکایت کردی - اپنی عادات اور مزاج کو اپنے گھر چھوڑ کر جانا چاہیئے اور دوسرے گھروں میں دوسروں کی سہولت، مزاج اور معمولات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دوسروں کے گھر سے ان کا پیش کیا ہوا کھانا نہ صرف رغبت اور شوق سے کھاتے بلکہ تعریف بھی فرماتے تھے۔ جس سے مہمان کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔ آپؐ ایک بار حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاں تشریف لے گئے، تو آپؐ کو روٹی اور زیتون کا تیل پیش کیا گیا۔ آپؐ نے بخوشی تناول فرمایا اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

قرآنی تعلیمات : کسی کے ہاں دعوت ہو تو مناسب یہی ہے کہ کھانے سے فارغ ہو کر فضول اور بیکار محفل نہ جمانا چاہیئے کہ

پوری رات یا دن اس میں گزر جائے اور میزبان کے آرام اور گھریلو ضروریات کا خیال نہ رکھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایسی ہی صورت حال پر اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو تنبیہ فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ (الاحزاب: ۵۳)۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبیؐ کے گھر بلا اجازت نہ چلے آیا کرو، نہ کھانے کے وقت تاکتے رہو۔ ہاں تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ، باتوں میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبیؐ کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ شرم کی وجہ سے نہیں بولتے۔ اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔

غیر مہذب انداز سورۂ احزاب کی اس آیت میں اہل عرب کو اس غیر مہذب عادت سے روکا گیا ہے کہ دوسرں کے گھر ایسے موقعہ پر جا دھمکتے تھے جب عین کھانے کا وقت ہوتا، یا آکر بیٹھے رہتے کہ کھانے کا وقت ہو جاتا۔ ان غیر مہذب عادتوں کی وجہ سے صاحب خانہ کو عجیب مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ ایسا بھی نہ کہہ سکتا کہ جاؤ اب میرے کھانے کا وقت ہے۔ کھلائے تو اچانک آئے ہوئے کتنے آدمیوں کو کھلائے۔ ہر وقت ہر آدمی کے بس میں یہ نہیں ہوتا کہ جب بھی جتنے لوگ بغیر اطلاع عین کھانے کے وقت آجائیں تو وہ انہیں کھلائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ عادت سے منع فرمایا اور حکم دیا ہے کہ کسی کے گھر اسی وقت جایا جائے جب وہ تمہیں کھانے پر بلائے۔ یہ حکم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص نہیں بلکہ حضورؐ کے نمونے کے گھر میں اس قسم کے قواعد کا اجراء عام مسلمانوں کی تہذیب کا لازمہ اور ضابطہ بن جائے۔

اس حکم میں جہاں بن بلائے جانے سے منع فرمایا ہے، وہاں خصوصاً کھانے کے اوقات کی تاک میں رہنے اور تحصالی میں پاؤں ڈال کر زبردستی مہمان بننے سے روکا ہے، وہاں اس بات سے بھی سختی کے ساتھ منع کیا ہے کہ اگر صاحب خانہ دعوت پر بلائے تو کھانا کھا کر دھرنا مار کر بیٹھنا اور گپیں ہانکنا نہ چاہیئے اور گفتگو کے سلسلے دراز ہو کہ ایسا نہ بن جائیں کہ صاحب خانہ اور اس کے گھر والوں کے آرام، ضروریات اور مصروفیات کا خیال تک نہ رہے۔ غیر شائستہ لوگ حضورؐ کے لئے بھی زحمت اور تنگی کا باعث بن جاتے، مگر اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے آپ صبر و تحمل اور برداشت سے کام لیتے اور ان لوگوں پر اپنی تنگی کا اظہار نہ فرماتے۔ آخر کار حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ولیمہ کی دعوت میں یہ حرکت اذیت رسانی کی حد سے گزر گئی۔ حضورؐ کے خادم حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ دعوت میں کھانے سے فارغ ہو کر بعض لوگ تو رخصت ہو گئے، مگر دو تین حضرات بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ حضورؐ نے انہیں احساس دلانے کے لئے اٹھ کر ازواج مطہراتؓ کے ہاں چکر لگایا، مگر واپسی پر وہ بدستور بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ آپؐ پھر پلٹ گئے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بیٹھے رہے۔ خاصی رات گزرنے کے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ چلے گئے ہیں تو حضورؐ حضرت زینبؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضورؐ کے اسی اضطراب اور تنگی کے باعث خداوند تعالیٰ کو خود ان بری اور غیر شائستہ عادات سے منع کرنا پڑا اور یہ آیت اسی واقعہ پر نازل ہوئی۔

(مسلم، النسائی، ابن جریر)

Marfat.com

ہمارے انداز

ایسی صورت حال اسلامی تعلیمات کے برعکس آج بھی ہمارے ہاں جاری وساری ہے۔ لوگ بن بلائے مہمان بن جاتے ہیں، تو مان نہ مان میں تیرا مہمان کا محاورہ اُردو میں عام ہے۔ اس پہ مستزاد یہ کہ لوگ ایک نہیں ٹولیوں کے حساب سے عین کھانے کے وقت چلے جاتے ہیں جو صاحبِ خانہ کے لئے تکلیف کا موجب تو ہوتا ہی ہے کہ وہ بے چارہ اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ میں لگا رہتا ہے، کہیں سے کچھ مانگا جاتا ہے کہیں سے کیا طلب کیا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں جہاں بازار اور ہوٹل نہ ہوں، تیار کھانا نہ مل سکتا ہو تو سوچا جائے کہ صاحبِ خانہ کو کتنی اذیت اور تکلیف میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اور بے وقت کھانے کی تیاری کے بعد یہ اور بھی مصیبت بن جاتا ہے کہ مہمان اہلِ خانہ کا آرام اور نیند کا خیال رکھے بغیر مجلس آرائی میں لگا ہے۔ امیر خسرو شاید اسی اذیت سے دوچار رہے تھے جس پر انہیں کہنا پڑا۔ نان کہ خوردی خانہ برو۔ نہ کردی خانہ گرد۔ روٹی جب کھالی ہے تو مناسب ہے کہ گھر چلے جاؤ نہ کہ یہاں گھر کو گردی رکھ دو۔ اس کا گھر ہی گروی کر دو اور اُٹھنے کا نام نہ لو۔

۱۔ ہمارے ایک عزیز اس سلسلہ میں بڑے حساس تھے۔ انہیں اپنے آرام کا اس قدر خیال رہتا کہ گھر میں بلائے ہوئے مہمانوں کی آمد کا بھی انتظار نہ کرتے، خود کھانا کھا کر لیٹ جاتے، مہمان کو اکیلے کھانا پڑتا اور اگر دیر تک بیٹھنا ہوتا تو وہ عجیب حرکتوں سے اُسے اُٹھنے پر مجبور کرتے۔ ایک دفعہ کھانے سے تھوڑی دیر بعد ہی رسماً بیٹھنا پڑا تو اُنھوں نے چارپائی سے اُٹھ کر پانی پیا اور پانی کا پیالہ اس زور سے گھڑے پر رکھا اور غصّے کا اظہار کیا کہ مہمان کو یہ کہہ کر رخصت ہونا پڑا۔ اگر اور بیٹھتا ہوں تو دوسری بار یہ پانی کا گھڑا میرے سر پر ٹوٹے گا۔ مہمان کی تھوڑی سی رسمی نشست پر اُن کی طرف سے بد اخلاقی کا یہ مظاہرہ بجا، مگر اس سے میزبان کی طبیعت، اس کے آرام اور سکون کا احساس ضرور ملتا ہے۔

۲۔ دعوت کے سلسلہ میں بھی ہمارے ہاں غیر شائستگی کے عجیب عجیب مظاہرے ہوتے ہیں۔ دعوت دینے والے نے محدود آدمیوں کو بلایا ہوتا ہے، مگر آنے والا دو چار کو ساتھ لے کر ضرور آجاتا ہے۔ یہ خیال قطعاً نہیں رکھا جاتا کہ چند آدمیوں کے محدود کھانے میں مزید اضافہ جہاں میزبان کے لئے کھانا کم ہونے کی صورت میں خفت اور شرمندگی کا موجب ہوگا، وہاں مہمانوں کی ہتک اور بے عزتی بھی ہوتی ہوگی۔ ہمارے ہاں مثل مشہور ہے " بیگانے گھر دس مہمان معمولی بات ہے "۔ سورۂ احزاب کی گزشتہ آیت کے سلسلہ میں ہمارے ایک دوست کا ایک لطیفہ زیادہ پُر لطف ہے۔ وہ فرماتے تھے۔ مہمانوں کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک پڑق، چمک، جو آپ کے بلانے پر آئے۔ آپ اس کی تیاری کر چکے ہوں، ٹھیک وقت پر آئے تو دونوں کے چہرے ایک دوسرے کو دیکھ کر چمک اُٹھتے ہیں۔ خوشی و مسرت کا اظہار ہوتا ہے ــــ دوسرا چٹرق۔ تند بجلی ہے، جو عین کھانے پر جب آپ کھانا کھانے بیٹھے ہوں تو آسمانی بجلی بن کر نازل ہوتا ہے۔ نہ پلائے رفتن نہ جائے ماندن۔ تیار کھانے پر مجبوراً چہرے پر منافقت اور نفرت کو چھپانے کے لئے مسکراہٹ بکھیرنا پڑتی ہے، خوش اخلاقی کا اظہار کرنا پڑتا ہے اور اپنے منہ کا نوالہ اسے کھلائے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا۔

تیسرا دن پڑق۔ مقامی زبان کی گالی ہے کہ جب کھا پی کر برتن سنبھال لیتے ہیں۔ دوپہر کے آرام یا رات کے سونے کی تیاری کر لیتے ہیں کہ آدھمکتا ہے۔ اس کے لئے اُٹھ کر نئے سرے سے تیاری کرنا پڑتی ہے۔ نئے سرے سے اہتمام ہوتا ہے اور اس بلائے ناگہانی کو جس انداز سے بھگتنا پڑتا ہے، اس کا اندازہ اہل خانہ کو ہی ہوتا ہے۔ اسے اگر دن پڑق جیسی گالی کا نام نہ دیا جائے تو کیا کیا جائے۔

Marfat.com

واقعات و امثال

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مہمانوں کی خدمت خود فرماتے۔ اپنے ہاتھ سے چراغ درست فرماتے۔ جب انہیں خود اس قسم کی خدمت گزاری سے لوگ منع فرماتے تو کہتے۔ جب یہ خدمات انجام دیتا ہوں تو بھی عمر بن عبد العزیزؒ ہی ہوتا ہوں، جب یہ خدمت کر کے بیٹھ جاتا ہوں تو بھی عمر بن عبد العزیزؒ ہی ہوتا ہوں۔ یعنی میرے نام شخصیت اور مرتبے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

امیر طلحہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ تنہا کسی قبیلے میں گئے۔ قبیلے کا سردار مالک بن عوف تھا۔ اس نے انہیں نہ پہچانا اور عام آدمی سمجھ کر مہمان نوازی میں تقصیر کی۔ جب وہ چلے گئے تو بعد میں پتہ چلا کہ یہ تو امیر طلحہ تھے۔ انہیں مالک بن عوف نے معذرت نامہ بھیجا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ مجھے تو اتنی پرواہ نہیں نہ کوئی شکایت ہے، لیکن آپ کو چاہیئے کہ مہمانوں کے حقوق کا خیال رکھیں خواہ کوئی بھی اور کسی بھی حیثیت کا ہو اور بارش کی طرح خشک و تر پر یکساں برسو اور آفتاب کی طرح ہر جگہ چمکو۔ عربی کا مقولہ ہے ۔

اکرم الضیف و لو کان کافرا۔ مہمان کی عزت کرو خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

شیخ سعدیؒ کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ پھٹے پرانے کپڑوں میں کسی دعوت میں گئے۔ ان کی خستہ حالی کو دیکھ کر کسی نے صاحب خانہ امیر کے ہاں داخل نہ ہونے دیا۔ واپس آئے تو بڑے علمی لباس میں جبہ و دستار کے ساتھ دوبارہ گئے تو ظاہری لباس کو دیکھ کر کسی نے بھی منع نہ کیا بلکہ عزت و احترام سے پیش آئے۔ آپ نے دعوت میں پیش کیئے گئے کھانوں میں اپنے لباس کو ڈبونا اور تر کرنا شروع کر دیا۔ ان کی یہ حرکت دیکھ کر سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ جب میں پھٹے پرانے کپڑوں میں آیا تھا تو یہی شیخ سعدیؒ تھا، کسی نے اندر نہ آنے دیا۔ جب اس لباس میں آیا تو خوب آؤ بھگت ہوئی۔ گویا یہ دعوت میری نہیں اس لباس کی ہے۔ اسی لئے اس لباس کو کھانا کھلا رہا ہوں ۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے ہاں ایک مہمان آیا۔ آپ نے حسب توفیق اس کی تواضع کی۔ آپ کی اہلیہ نے جھگڑا کیا کہ گھر میں جو کچھ تھا مہمان پہ خرچ کر دیا۔ آپ نے اہلیہ کو اس کا مہر ادا کر کے طلاق دے دی کہ یہ نیک کام میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ اس لئے اس گھر میں رہنے کے قابل نہیں۔ خداوند تعالیٰ نے یہ بدلہ دیا کہ آپ کی مجلس میں ایک سردار کی لڑکی وعظ سننے آئی۔ آپ سے متاثر ہو کر اپنے والد سے ان کے عقد میں آنے کا اظہار کیا۔ سردار نے اپنی بیٹی کی خوشی میں پچاس ہزار دینار نقد دے کر آپ سے نکاح کر دیا۔ خواب میں دیکھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ تم نے بیوی کو میرے لئے طلاق دی، اس کے عوض یہ بیوی دے دی اور ساتھ دولت بھی لے آئی تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ خدا کے ساتھ اس قسم کی سوداگری اور معاملے میں نقصان اور گھاٹا نہیں ہوتا۔

کرمان کے والی پہ عضد الدولہ نے لشکر کشی کی اور اس کا ملک فتح کرنا چاہا۔ وہ کھلے میدان میں لڑنے کی بجائے قلعہ بند ہو گیا۔ عضد الدولہ لڑتے ہوئے شہر کے قلعہ کے قریب آ گیا۔ جب رات کو لشکر لڑتے ہوئے ستانے کے لئے پڑاؤ میں پہنچا تو دیکھا کہ شاہ کرمان کی طرف سے دیگوں میں بھرا ہوا کھانا لایا گیا۔ پہلے تو عضد الدولہ نے شک و شبہ سے دیکھا کہ کہیں دشمن کی چال نہ ہو، مگر کھانے کی خوشبو نے شک دور کر دیا۔ پھر زہر کا خیال آیا، لیکن لانے والوں نے چکھ کر یہ شبہ بھی دور کر دیا۔ عضد الدولہ کے لشکر نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ شاہ کرمان سے اس سلوک کا سبب پوچھا کہ دن کو لڑائی اور رات کو کھانا

Marfat.com

بھیجنا سمجھ میں نہیں آیا۔ اُس نے جواب میں کہا۔ لڑنا بہادروں کی شان ہے اور گھر آئے ہوئے دشمن کی مہمان نوازی بہادروں کی آن ہے کہ میرے شہر میں آئے ہوئے مسافر اپنا کھانا کھائیں۔ یہ بات مروّت اور جوانمردی کے خلاف ہے۔ عضدالدولہ اس سلوک سے ایسا متاثر ہوا کہ کرمان کی بادشاہت کو فتح کرنے والا خود مفتوح ہو کر دوسرے دن وہاں سے چلا آیا کہ ایسے شخص سے لڑنا بے مروّتی ہے۔

کسی دانا کے ہاں اس کا دوست آیا۔ اس نے اس کے سامنے کھانا رکھا، مگر جیسا کہ عام طور پر عورتوں کا طریقہ ہوتا ہے وہ مہمان نوازی کے خلاف خاوندوں سے جھگڑتی رہتی ہیں اور بے عزتی کی نوبت آتی ہے۔ دانا کی بیوی نے مہمان کے سامنے سے کھانا اٹھا لیا اور خاوند کو گالیاں دینے لگی۔ مہمان غصّے سے بھرا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ دانا نے راستہ میں جا پکڑا اور کہا۔ بھائی تمہارے گھر میں ہم سے ایک دفعہ ایسا ہی سلوک ہوا تھا۔ میں آپ کی مجبوری سمجھ کر خفا نہ ہوا تھا، تم بھی ناراض نہ ہونا۔

ہمارے ہاں زیادہ تر خواتین سے شکایت رہتی ہے کہ وہ خاوند کے دوستوں اور مہمانوں کی تواضع میں تعاون نہیں کرتیں اور اس سلسلہ میں اکثر تعلقات ناخوشگوار رہتے ہیں۔ اس کے برعکس ان کی اپنی دعوتوں، پارٹیوں اور تقریبات میں خوب دولت لُٹتی ہے، مگر جائز اور نیکی کے کام یعنی مہمانداری میں وہ بخل کا مظاہرہ کرتی ہیں اور اگر یہ خود کسی کے ہاں مہمان بن جائیں یا جانا ہو تو پھر گھر میں تمام لاؤ لشکر کے ساتھ وارد ہوتی ہیں۔ اس دن میزبانوں کو کھانے پر بلانے کی جو زحمت اٹھانا ہوتی ہے وہ تو ہوتی ہی ہے، مگر بچوں کے ہاتھوں گھر کا اور گھر کی آرائش اور ترتیب کا جو حشر ہوتا ہے، خدا کی پناہ جس کی صفائی اور ترتیب میں ہفتوں لگ جاتے ہیں۔ غرض مہمانوں اور میزبانوں کے حقوق کے سلسلہ میں دو طرفہ طور پر یہ خیال رہنا چاہیئے کہ ہم دوسروں کے لئے تکلیف کا موجب تو نہیں بن رہے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

مریض اور میّت کے حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	(۱) سورہ بقرہ۔ رمضان کی رعایت	عبادات میں مریض کی رعایت۔ خدا کی یہ رعایت ہے تو بندوں کو بھی مریض کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اجتماعی ضرورت اور خیر خواہی ہے: تکریم انسانیت ہے۔ حضورؐ کی تائیدی تعلیمات اور تکرار و اصرار۔
۲	(۲) ارشادات رسول صلّی اللہ علیہ وسلم	
۳	معاشرتی اہمیّت	ہر آدمی اپنی بیماری میں دوسرے کا محتاج ہے تو دوسرا بھی ہو سکتا ہے۔ سوسائٹی کا فرد ہوتا ہے۔
۴	بیمار پُرسی کے آداب	آرام کا خیال۔ کچھ لے کر آنا۔ صفائی کا خیال
۵	معالجوں کا رَوّیہ۔ سرکاری ہسپتال	انسانی اعضاء کے سپئیر پارٹس کے ڈیلر ہیں۔ انسانوں کے اعضاء بانٹ رکھے ہیں، سرکاری ہسپتال معالجوں کے لئے انسانی جانوں کی منڈیاں ہیں۔ ذاتی کلینک۔
۶	حالات نزع کے آداب۔ موت کے بعد میّت کے آخری حقوق	اچھی باتیں۔ موت کی دعائیں۔ تعزیت و تسلّی ایصالِ ثواب۔ دعائے مغفرت۔

Marfat.com

مریض اور میّت کے حقوق

آیت مع ترجمہ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ...... وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ تم میں سے جو شخص رمضان شریف کے مہینے میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ روزہ نہ رکھے، لیکن بیماری اور سفر کے بعد دوسرے مہینوں میں کھائے ہوئے روزوں کی تعداد پوری کرے۔

تفسیر و تشریح آیت کریمہ رمضان شریف کی فرضیت اور اس کے احکامات کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے جو سورہ بقرہ میں موجود ہے۔ یہ دونوں آیات کے ٹکڑے دو مختلف اوقات میں نازل ہونے والی آیات سے متعلق دونوں میں دو جگہ رمضان کے سلسلہ میں بیمار کو اس کی بیماری کی وجہ سے رعایت دی گئی۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین اسلام میں انسان کی فطری و قدرتی حالتوں کا کتنا خیال رکھا گیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ اس کے احکامات میں اندھے کی لاٹھی کی طرح سب کو ہانکا جائے اور ان میں کسی کی جسمانی کمزوریوں اور مجبوریوں کا خیال نہ رکھا جائے۔

ایک رمضان شریف پر ہی منحصر نہیں بلکہ تمام عبادات میں سے نماز جیسے اہم فریضہ میں بھی یہی رعایت برتی گئی ہے کہ بیمار اگر وضو کے سلسلہ میں مجبور ہو تو وہ تیمم کرے، اگر کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر ادا کرے اور اگر بیٹھنے میں تکلیف محسوس ہو تو لیٹ کر پڑھے اور اشاروں کے ذریعہ رکوع و سجود کرے یعنی سینے پر ہاتھ باندھے تو قیام ہوگا۔ لیٹا ہوا گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے تو رکوع اور ساتھ چارپائی پہ ہاتھ رکھے تو سجدہ کی حالت ہوگی۔

عبادات کی ادائیگی میں یہ رعایت اور یہ آسانیاں۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں۔ تکلیف اور تنگی میں نہیں ڈالتے۔ مریض کے ساتھ خدا کی مہربانی و ہمدردی اور اسلامی اصول عبادت کی بہترین تعلیم ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام جب عبادات کی ادائیگی میں یہ رعائتیں ملحوظ رکھتا ہے تو عام معاشرتی حقوق میں بھی یہی چاہتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ رہن سہن اور گزر بسر میں اس قسم کے بیمار لوگوں کا خیال رکھیں۔ ان کی بیمار پرسی کریں، ان کی تیمارداری کریں، ان کی دوا دارو میں مدد دیں اور علاج معالجہ میں مناسب مدد بہم پہنچائیں۔

حضورؐ کی تعلیمات بیمار صحت مند افراد کی دلجوئی، بیمار پرسی، دیکھ بھال اور خبر گیری کا زیادہ محتاج ہوتا ہے اور یہ سب کچھ ایک انسان کے دوسرے پر حقوق ہیں جن کی ادائیگی فرائض میں شامل ہے اور انسانی اخلاق و کردار کے بہترین پہلو ہیں۔ قرآن کریم میں عبادات میں رعایتوں سے ہٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل اور ارشادات میں اس

Marfat.com

کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اس کے آداب اور دعائیں سکھائی ہیں اور بیمار پرسی، عیادت اور تیمارداری کے اجر سے آگاہ فرمایا ہے۔

۱۔ ایک موقعہ پہ فرمایا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ بیمار کی عیادت کرو، خدمت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔ بیمار کی بیمار پرسی اجتماعی زندگی کی ضرورت ہی نہیں یا باہمی خیر خواہی، تعاون اور خیر خواہی کے جذبے کا فروغ ہی نہیں بلکہ یہ مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق بھی ہے مسلمان پر مسلمان کا دینی حق اور بھائی چارے کا تقاضا بھی ہے۔ خدا سے تعلق اور محبت رکھنے والا خدا کی مخلوق سے بے نیاز و بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ قیامت کے دن خدا فرمائے گا۔ اے آدمؑ کے بیٹے میں بیمار پڑا تو تُو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا اے میرے ربّ، آپ ساری کائنات کے رب ہیں آپ میری عیادت کے کیسے محتاج تھے۔ خدا کہے گا۔ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تُو نے اس کی عیادت نہیں کی، اگر تُو اُس کی عیادت کرتا تو یہ میری عیادت ہوتی ۔۔۔ تو میری خوشنودی اور رحمت کا مستحق قرار پاتا۔ (مسلم)

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پہ پانچ حق ہیں۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ بیمار ہو تو عیادت کرے۔ مر جائے تو جنازے کے ساتھ چلے۔ کھانے پہ بلائے تو قبول کرے۔ چھینکنے کا جواب دے۔ اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا۔ مشورہ مانگے تو اچھا مشورہ دے۔ (بخاری شریف)

۴۔ پھر فرمایا: جو مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کے لئے جائے تو صبح جانا ہو تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت مانگتے ہیں اور شام کو جائے تو صبح تک اتنے ہی فرشتے دعا مانگتے ہیں۔ خدا کے ہاں سے پکے ہوئے پھل والا باغ ملے گا۔ جس نے مسلمان بھائی کی عیادت کی وہ جنت کے بالاخانے میں ہوگا۔ (ادب المفرد)

۵۔ پھر فرمایا۔ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پرسی کو جاتا ہے تو پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے۔ تم اچھے رہے۔ تمہارا چلنا اچھا رہا۔ تم نے اپنے لئے جنت میں ٹھکانا بنا لیا۔

۶۔ پھر فرمایا: جب تم کسی بیمار بھائی کی بیمار پرسی کرو تو اس کے قریب بیٹھو۔ اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھو، اُسے تسلی دو اور اُس کی شفایابی کی دعا کرو۔ آنحضرتؐ کا یہی معمول تھا۔ وہ غیر مسلموں، مشرکوں، یہودیوں اور منافقوں کی بھی بیمار پرسی فرماتے تھے۔ (بخاری)

۷۔ حضرت عائشہ بنت سعدؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے والد ۵ھ کو جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تو آپؐ نے ان کا خیمہ مسجد نبوی میں نصب فرمایا تاکہ سب نمازی ان کی عیادت کر سکیں۔ حضرت رفیدہؓ صحابیہ زخمیوں کا علاج فرماتی تھیں۔ اُن کا خیمہ بھی مسجد نبوی میں نصب تھا۔

۸۔ حضرت سعدؓ بیمار ہوئے تو حضورؐ بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ مکہ کے قیام کا واقعہ ہے۔ بیمار پرسی کے دوران انہوں نے اپنے مال کے لئے وصیّت کا مشورہ لیا۔ پھر حضورؐ نے ان کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا اور منہ اور پیٹ پہ پھیرا، پھر دعا فرمائی۔ اے خدا سعدؓ کو شفا عطا فرما۔ اس کی ہجرت مکمل فرما۔ اس کے بعد سعدؓ فرماتے تھے کہ آج تک حضورؐ کے دست مبارک کی ٹھنڈک اپنے جگر پہ محسوس کرتا ہوں۔ (الادب المفرد)

۹۔ حضرت زید بن ارقمؓ کا بیان ہے کہ میری آنکھیں ایک دفعہ دُکھنے کو آ گئیں۔ حضورؐ بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ پوچھا

Marfat.com

تم اس تکلیف میں کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا۔ یا رسول اللہ صلعم صبر کرتا ہوں، تو فرمایا۔ تم بیماری میں صبر کرو تو اس کے صلے میں جنت ملے گی۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے۔ حضورؐ جب کسی کی بیمار پرسی کے لئے جاتے تو اس کے سرہانے بیٹھ کر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اسئال اللہ العظیم ربّ العرش العظیم ان یشفیک۔ میں خدائے عظیم سے جو عرشِ عظیم کا ربّ ہے، سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا دے۔ اور فرمایا، یہ دعا سات مرتبہ پڑھنے سے خدا شفا یاب کرے گا۔ (مشکوٰۃ)

۱۰۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوڑھی خاتون کی بیمار پرسی کو گئے جن کا نام اُمِّ سائب تھا۔ مزاج پرسی فرمائی تو خاتون نے کہا۔ خدا اس بخار کو سمجھے، اس نے گھیر رکھا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا۔ بخار کو بُرا نہ کہو۔ یہ بخار یا بیماری مومن کے گناہوں کو ایسے صاف کرتی ہے جیسے آگ کی بھٹی لوہے کے زنگ کو صاف کرتی ہے۔ حضورؐ کا یہ معمول تھا کہ مریض کے پاس جاکر مزاج پرسی فرماتے۔ کیف تجدک۔ طبیعت کیسی ہے؟۔ پھر تسلی دیتے۔ لا باس طہورٌ ان شاء اللہ۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں خدا نے چاہا تو مرض جاتا رہے گا اور یہ مرض گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گا۔ تکلیف کی جگہ ہاتھ پھیرتے اور دعا فرماتے۔ خدایا اس تکلیف کو دُور فرما۔ اے انسانوں کے ربّ اسے شفا دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کسی سے شفا کی توقع نہیں۔ (بخاری و مسلم)

۱۱۔ حضورؐ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ ایک یہودی لڑکا حضورؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ بیمار پڑا تو آپؐ اس کی بیمار پرسی کو گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھے۔ بیمار پرسی کرتے اور ساتھ اسلام کی دعوت بھی دیتے۔ لڑکے نے باپ کی طرف دیکھا کہ اس کا کیا خیال ہے۔ باپ نے کہا بیٹے، ابوالقاسمؐ، حضورؐ کی کنیت تھی، کی بات مان لو۔ چنانچہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔ حضورؐ اس کے گھر سے تیمارداری کے بعد یہ کہتے ہوئے نکلے۔ شکر ہے خدا کا جس نے بچے کو جہنم سے بچا لیا۔ (بخاری)

بچے کی خدمت گزاری کا اس قدر خیال اور پھر یہودی بچے کا؟ اسی اخلاقی رویّے اور مشفقانہ سلوک کا نتیجہ تھا کہ وہ بچہ اسلام لانے پہ مجبور ہوا۔ باپ نے کوئی تعرض نہ کیا۔

معاشرتی اہمیت

مریض کی عیادت کے ان اسلامی احکامات کے علاوہ معاشرتی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت ہے اور اس کے چند معاشرتی آداب کا خیال ضروری ہے۔ اسلام نے جہاں انسانوں پر دوسرے انسانوں کے حقوق مقرر کیے ہیں، مریض بھی انسانی سوسائٹی کا ایک فرد ہوتا ہے جو اپنی بیماری کے باعث دوسروں کا دستِ نگر اور محتاج ہوتا ہے۔ کنبے کے خاندانی افراد کا تو یہ حق اولیٰ ہے کہ رشتہ داری کے تقاضوں کے تحت اس کی خدمت کی جائے۔ بیوی بچے، بھائی بہنیں، ماں باپ میں سے کوئی بھی بیمار ہو تو رشتہ داروں کو اس فریضہ کی ادائیگی لازمی کرنا ہے، مگر پڑوسی، محلے والے اور بستی کے افراد کا بھی حق ہے کہ اس کی حتی المقدور خبر گیری کریں۔ بیمار پرسی کریں اور جائز ضروریات کا خیال رکھیں۔ معاشرتی روابط کی استواری کا انحصار اس بات پہ ہے کہ آج اگر وہ بیمار ہے تو کل اسی بستی کا دوسرا آدمی بھی اس صورتِ حال سے دوچار ہو سکتا ہے۔ اگر آج ایک نے تغافل، بے زاری اور بے توجہی کا رویّہ اختیار کیا تو کل اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا اور اس طرح معاشرتی روابط کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ نتیجے کے طور پہ انسان باہم ہو کر بے ہمہ ہو جائیگا۔ بستی میں رہنے کے باوجود انسان اکیلا، تنہا اور بے یار و مددگار رہ جائے گا اور زندگی ایسے تمام معاملات شادی، غمی، بیماری وغیرہ میں جا کر

Marfat.com

بستی کے تعاون کے بغیر اکیلے سر نہیں ہو سکتے۔ ایسے لاتعلق قسم کے آدمی اور "کسے را با کسے کارے نباشد" قسم کی صورت حال اس کے لئے پریشانی کا موجب بن جائے گی۔

بیمار پرسی کے سلسلے میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ آپ کا رویہ اور طرز عمل کسی کے آرام کی بجائے اُلٹا موجب آزار نہ بن جائے۔ مثلاً بیمار پرسی کو آئیں تو عورتوں اور بچوں کا ہجوم نہ ہو، جن کے شور و غل، افراتفری اور کھانے پینے کے اہتمام کے لئے مریض اور اس کے متعلقین کو زحمت اٹھانا پڑے اور مریض کی بیماری میں اضافہ ہو جائے۔ اسے بے آرامی سے دوچار ہونا پڑے۔ آنے والے زبانی کلامی، ہمدردی کے بھیس میں اس کی مالی پریشانیوں کا موجب بن جائیں اور لوٹنس میں پریشانیاں اور بے آرامی الگ مل جائے۔

بیمار پرسی کے لئے آنے والوں کو چاہیئے کہ وہ خالی ہاتھ نہ آئیں۔ ہسپتال جانا ہو تو موسمی فروٹ، مریضانہ خوراک، جوس، انڈے، گلوکوز، دلیہ وغیرہ لے جانے چاہئیں۔ ہو سکے تو بیماری و علاج معالجے کے لئے نقد رقم بھی دی جائے اگر امداد ان اخراجات کے معاوضے یا ان سے کم نہ ہو جو ان کی آمد پر مریض کو کرنا پڑیں، بلکہ اپنے اخراجات کا بوجھ ڈالے بغیر یہ امداد بے غرضی اور بے لوث ہو۔

مریض کے پاس یا اس کے ہاں زیادہ دیر تک بیٹھ کر گفتگو نہ کی جائے۔ بالخصوص اس صورت میں جب معالج نے ایسے باتوں سے منع کر رکھا ہو یا آرام کی تاکید کی ہو۔

گھر والوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ مریض کا بستر، کپڑے اور کمرہ یا جگہ صاف ستھری ہوادار اور آلودگی سے پاک ہو تاکہ ملنے اور بیمار پرسی کے لیئے آنے والوں کو بُرا اور ناقابل برداشت محسوس نہ ہو۔

معالج اور متعلقہ ڈاکٹر صاحبان کا پیشہ وارانہ اور انسانی فرض ہے کہ وہ مریض کی مالی حالت کے مطابق ٹریٹ کریں۔ محض اپنی آمدنی اور اسے ایک گاہک ہی نہ سمجھا جائے۔ اپنے دواؤں کے سٹور یا ملحقہ ادویات کے سٹور سے مقررہ کمیشن پر نظر نہ ہو۔ کر زیادہ سے زیادہ مہنگے اور لمبے نسخے لکھ کر دیئے جائیں۔ بدقسمتی سے ڈاکٹری کا پیشہ بھی، جو دکھی انسانیت کی خدمت کی وجہ سے کار خیر اور موجب اجر و ثواب تھا، اب تجارتی اور نفع بخش کاروبار کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ بازار میں بیٹھنے والے ڈاکٹر حضرات کی ذہنیت کاروباری اور کمرشل ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے ہم عصر اور ہم پیشہ دوسرے ڈاکٹروں سے دولت کے لحاظ سے مقابلے اور دوڑ میں لگے رہتے ہیں۔ اس کی کار ہے تو میری کیوں نہیں، اُس کی کوٹھی ہے تو میری کیوں نہیں۔ اس کے بچے اعلیٰ اداروں میں پڑھتے ہیں تو میرے کیوں نہیں، اُس کا بینک بیلنس ہے تو میرا کیوں نہیں اور لالچ و حرص کے یہ منہ کھولے ہوئے اژدھے قبر کی مٹی سے ہی پُر ہوتے ہیں۔

وہ دن اب نہیں رہے جب اپنے پیشہ سے شوق، اس میں مہارت، فنی شہرت اور انسانی خدمت ڈاکٹروں کا مشن ہوتی تھی۔ مریض کی دعا مستجاب ہوتی ہے اور مریضوں کی دعائیں لینا ڈاکٹروں کا مقصد ہوتا تھا۔ اب تو جس طرح بازار میں مختلف اشیاء کے الگ سٹور ہوتے ہیں۔ منیاری کی دکان پر سٹیشنری نہیں ملتی اور لوہے کی دکان پر کپڑا نہیں ملتا۔ اسی طرح انسانی اعضاء بھی ڈاکٹروں نے تقسیم کر دیئے ہیں۔ ہر عضو کا الگ دکاندار ہے اور اُس کی الگ دکان ہے۔ کہاں کا ڈاکٹر صرف مریض کی

Marfat.com

موٹی اور پتلی کھال پر نظریں جمائے ہوتا ہے اور دل کا مریض وہی زیادہ نفع بخش ہے اور اچھا گاہک ہے جس کے دل میں قوت برداشت زیادہ ہو اور ڈاکٹر کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو۔

ہمارے سرکاری ہسپتالوں میں نہ تو مریض کی خاطر خواہ دیکھ بھال ہوتی ہے اور نہ ادویات ملتی ہیں حتیٰ کہ روئی اور عارضی پلاسٹک کی سرنج بھی خریدنا پڑتی ہے۔ سرکاری ادویات ہسپتالوں کے سٹورز سے بازار کے سٹورز میں آتی ہیں اور بازار سے دوبارہ قیمتاً مریض کے لئے ہسپتالوں میں آتی ہیں۔ یہ چکر چل رہا ہے اور ایک عرصہ سے چل رہا ہے۔ مریضوں کے ساتھ معائنہ کا سرسری انداز اختیار کر کے ہسپتالوں میں ایسی بے نیازی برتی جاتی ہے تاکہ مریض کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی مکمل توجہ اور مکمل علاج صرف اُس کے ذاتی کلینک میں کرا سکتا ہے۔ ہزاروں روپیہ تنخواہ، سرکاری عہدہ اور اس کی تمام رعائتیں جن مریضوں کی خاطر انہیں ملتی ہیں اُن پر اتنی توجہ صرف نہیں کی جاتی جتنی ذاتی کلینک کے مریض پر ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری ہسپتال ڈاکٹروں کے گاہکوں کی منڈیاں ہیں، جہاں سے ہر ڈاکٹر کو اپنے اپنے مخصوص اعضاء کے مریض دستیاب ہو جاتے ہیں اور جو گاہک (مریض) ان کے کلینک میں منتقل نہیں ہوتے، وہ سپرد خدا ہوتے ہیں اور نچلے عملہ کا تختۂ مشق اور ذریعۂ روزگار بنے رہتے ہیں۔

میّت کے حقوق

حالتِ نزع

حضرت سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم اگر مریض یا قریب المرگ آدمی کے پاس جاؤ تو وہاں نیک اور اچھی باتیں کہو کیونکہ تمہاری باتوں پر فرشتے آمین کہتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ سورۂ یٰس پڑھو اور یہ بھی فرمایا کہ اسے لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (ابن ماجہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کے سامنے بلند آواز سے کلمہ توحید پڑھو تاکہ وہ سن کر خود بھی پڑھنے لگے۔ نزع کی حالت میں مرنے والے کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اس کلمہ سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

مرنے والا موت کے وقت ان دعاؤں کو پڑھے۔ اللّٰھمّ اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلیٰ اور یہ دعا بھی پڑھے۔ اللّٰھمّ اعنی علیٰ غمرات و سکرات الموت۔ اے اللہ مجھے معاف فرما دے۔ میری حالت پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ مِلا دے۔ اے اللہ موت کی سختیوں اور بے ہوشیوں میں میری مدد فرما۔

موت کے فوراً بعد

جب موت آ جائے تو میّت کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ ہاتھ پاؤں سیدھے کر کے اس پر کپڑا ڈال دیا جائے۔ حضرت ام سلمہؓ کے بیان کے مطابق ...... ان کے پہلے خاوند ابو سلمہؓ کی وفات پر حضورؐ تشریف لائے تو دیکھا کہ اُن کی آنکھیں اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب رُوح بدن سے نکل جاتی ہے تو نظریں اس کا تعاقب کرتی ہیں۔ پھر حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی آنکھیں بند کر دیں۔ (ابن ماجہ) موت کے بعد میّت کی پیشانی کو بوسہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ نے اپنے صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ

Marfat.com

کی میّت کو روتے ہوئے بوسہ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضورؐ کی میّت کو بوسہ دیا تھا۔ (ابن ماجہ)

تعزیت، تسلی و گریہ زاری

موت کے بعد رونا پیٹنا، بال نوچنا، سینہ کوبی کرنا حرام ہے۔ حضورؐ نے سختی سے منع فرمایا ہے کہ ایسا کرنے سے میّت کو عذاب ہوتا ہے۔ دُکھ اور غم انسانی فطرت ہے اگر صبر کرنا موجب اجر ہوتا ہے۔ زیادہ ضبط نہ ہو سکے تو آواز کے بغیر رونا جائز ہے۔ آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی وفات پر حضورؐ خاموشی سے ساتھ روئے اور غم کا اظہار فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

ہمارے ہاں رونا پیٹنا ہوتا ہے اور رونا ہی نہیں ہوتا، بلکہ یہی موقعہ ہوتا ہے جب رونے والی عورتیں مرنے والے اور اُس کے متعلقین سے کوسنے اور گلے کرتی رہتی ہیں۔ شکایتوں کا اظہار کورس کی شکل میں رونے کے دوران ہوتا ہے اور آج کل تو یہ بدعت بھی جاری ہوگئی ہے کہ فوٹو گرافی ہوتی ہے بلکہ وڈیو فلمیں تیار ہوتی ہیں۔ ماتم کے موقعہ پر اپنے پرائے موجود ہوتے ہیں۔ ایسی باپردہ خواتین بھی ہوتی ہیں جو اس غم کے موقعہ پر بے خبر ہوتی ہیں اور ان کے فوٹو بھی لے لئے جاتے ہیں۔ اس طرح میت کے فوٹوؤں کے بہانے باپردہ خواتین اور پسندیدہ خواتین کے حسنِ سوگوار کے فوٹو اتار لئے جاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ مرنے والے کے غم میں اظہارِ غم کیا جائے، اس کی مغفرت کی دعائیں مانگی جائیں، اُس کی بجائے ان غمگین لمحات میں بھی نئے فیشن زدہ لوگ البم کی تکمیل میں مصروف ہوتے ہیں۔ حالانکہ مرنے کے بعد مرنے والے پر نہ جانے کیا صورت پیش آتی ہے، اس سے عبرت حاصل کی جائے۔ اپنی موت کو یاد کیا جائے۔ اس قسم کے حالات میں یہ انداز مرنے والے کے لئے عذاب اور تکلیف کا باعث ہو سکتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مرنے والے کے چار پڑوسی بھی اس کی خوبیاں بیان کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی گواہی کو قبول فرماتا ہے اور باوجود اس کے کہ خدا پر اس کے سارے عیب آشکارا ہوتے ہیں، اللہ انہیں معاف فرما دیتے ہیں۔ (ابن حبان)

کسی کا بچہ فوت ہو جائے تو والدین اس پر صبر کریں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ایسے والدین کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر فرماتے ہیں جس کا نام "بیت الحمد" ہوگا۔ (مسلم)

میّت کے آخری حقوق

موت کے بعد جب تک میّت کو غسل نہ دیا جائے قرآن کریم نہ پڑھا جائے حیض و نفاس والی عورت یا ایسا آدمی جس پر غسل واجب ہو اُسے میّت کے قریب نہ جانا چاہیئے۔ موت کے واقع ہونے کے بعد فوراً غسل دیا جائے اور دیر نہ کی جائے۔ غسل کا پانی نیم گرم ہو۔ بیری کے پتے اس میں ڈال دیئے جائیں۔ میّت کو غسل دینا بہت بڑا ثواب ہے۔ جس نے میّت کو غسل دیا اور میّت کی پردہ پوشی اور عیب پوشی کی اُس کے چالیس گناہ کبیرہ خدا معاف فرما دیتے ہیں۔ (طبرانی)

جنازہ لے جانے میں جلدی کی جائے۔ جنازہ لے جانے کی رفتار دوڑنے سے کم اور آہستہ روی سے زیادہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مرنے والا صاحب خیر ہے تو جلدا چھے انجام و انعامات تک اسکی رسائی ہو سکے گی اور اگر صاحب شر ہے تو شر جلد دور ہو جائے گی۔ (ابو داؤد) جنازہ کے ساتھ جانے والے سواری پر نہ جائیں۔ جنازہ گزر رہا ہو تو بیٹھے ہوئے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ جب تک چارپائی رکھی نہ جائے نہ بیٹھا جائے۔ جنازہ میں شرکت کا ثواب ایک قیراط پہاڑ کے برابر ہے۔ دفنانے والے کا ثواب دو قیراط ہے۔

Marfat.com

جو آدمی مزدوری کے بغیر قبر کھود دے اُسے خداوند تعالیٰ جنت میں تیار محل دیں گے۔ (طبرانی)

قبر میں اتارتے وقت قبلے کی طرف سے اتارا جائے۔ قبر پر مٹی دونوں ہاتھوں سے ڈالی جائے۔ پہلی بار مٹی ڈال کر منہا خلقنکم پڑھے۔ دوسری بار فیہا نعیدکم اور تیسری بار منہا نخرجکم تارۃ اخریٰ پڑھے۔ دفنانے کے بعد دیر تک بیٹھ کر دعائے مغفرت پڑھی جائے۔ قرآن شریف پڑھ کر ثواب بخشا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے اور فرماتے تمہارے مرنے والے بھائی کے حساب کا وقت ہے، دعا کرو کہ ثابت قدم رہے۔

تعزیت و غمگساری

میّت کے گھر والوں کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کے طور پر ان کے ساتھ بیٹھا جائے۔ انہیں صبر کرنے اور تسلی دینے کی باتیں کی جائیں۔ اس قسم کے برتاؤ کو تعزیت کہا جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت میں شریک ہو کر تسلی دیتا ہے تعزیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن عزّت کا لباس پہناتے ہیں۔ (ابن ماجہ) موت، غم اور مصیبت کے موقعہ پر تسلی دینا اسلامی اور انسانی ہمدردی کا ثبوت ہے۔ اس سلسلہ میں تعزیتی جلسے کرنا، قرآن خوانی کرنا، زبانی جمع خرچ جیسے رسمی پروگرام مناسب نہیں ہیں۔ البتہ عملی ہمدردی کا جس قدر اظہار ہو مناسب ہے۔ غم کے اس موقعہ پر چونکہ اہلِ خانہ اپنے مہمانوں اور خود اپنے لئے کھانے پینے کے لئے فارغ نہیں ہو سکتے، اس لئے ان کے مہمانوں کو سنبھالنا، ان کی خوراک و رہائش کا بندوبست کرنا بستی والوں کا فرض ہے۔ یہ انتظام اجتماعی طور پر ایک ہی دن یا وقت کے لئے نہ ہو بلکہ بستی کے افراد کی کمیٹی ایسا انتظام کرے کہ مناسب گھروں پر مہمانوں کو تقسیم کر دے اور گھر والوں کی روٹی کا اہتمام ہو اور یہ تقسیم کار باری باری کم از کم تین دن جاری رہے۔ بعض شہروں میں اسی دن ایک دیگ پک جاتی ہے اور جیسے کھلا دیا جاتا ہے، پھر رات کے لئے ماتم والے گھر سے لوگ بے فکر ہو جاتے ہیں کہ دیگ پکا دینے سے فریضہ ادا ہو گیا اور اسی شام ماتم والے لوگ خود کھانا پکاتے ہیں۔ ماتم اگر رات کو ہو یا میّت رات بھر گھر میں پڑی رہے اور رشتہ دار پاس بیٹھے ہیں تو اہلِ محلہ کا حق ہے کہ رات کو دو تین بار اُن کی چائے کا انتظام کریں تاکہ رات کو جاگنے میں چائے سے حوصلہ ہو اور تھکاوٹ محسوس نہ ہو۔

حضورؐ کا خود عمل

حضرت جعفرؓ کی وفات کے موقعہ پر حضورؐ نے گھر سے کھانا پکوا کر بھیجا تھا کہ وہ جعفرؓ کی وفات کے صدمے میں گرفتار ہیں۔ انہیں پکانے کی فرصت نہیں۔ اس طرح کی ہمدردی سنّت ہے۔ ہمارے ہاں لوگ میت کے گھر کی دعا و خیرات کے بغیر قبر تک نہیں کھودتے اور میّت کے ہاں دو جمعہ تیجہ اور چالیسواں کھاتے ہیں۔ جہاد کے معرکے میں شہید ہونے والوں کو غسل نہیں دیا جاتا۔ باقی کسی وجہ سے شہید کو غسل بھی دیا جائے کفن بھی پہنایا جائے اور دفنایا جائے۔ قبر کی زیارت سنت ہے، مگر وہاں صرف اُن کے لئے دعاءِ مغفرت مانگی جائے۔ سورۂ فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ثواب بخشا جائے اور قبروں کو دیکھ کر موت کا اور اپنی قبر کا تصور کیا جائے کہ ہم نے بھی یہیں آنا ہے۔ اس سے دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد آتی ہے۔ دل نیکی کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔

ایصالِ ثواب

میّت کو ثواب پہنچانے کا طریقہ یہ ہے کہ کارِ خیر کیا جائے۔ صدقہ و خیرات کیا جائے جس میں نمود و نمائش نہ ہو۔ کنواں بنایا جائے۔ مسجد میں صدقہ کا روپیہ لگایا جائے۔ ہر وقت نماز کے بعد اُن کے لئے دُعا

Marfat.com

کی جائے۔ ہم لوگ برادری میں نام اُونچا رکھنے کے لئے قرض لے کر خیرات، چالیسویں اور مقررہ اوقات میں صَرف کرتے ہیں۔ دعا و خیرات کے اوقات مقرر نہیں ہیں اور پھر فی زمانہ کوئی بھی اتنا غریب نہیں کہ ایک وقت کے کھانے کا محتاج ہو اور خیرات کے کھانے کا مستحق ہو۔ اس سے بہتر ہے کہ اس قسم کے خیراتی کھانے کی رقم پوشیدہ طور پر دینی مدارس، مستحق طلبہ، یتیم بچّوں کی ضروریات، بیواؤں کو ان کی ضرورتوں میں دی جائے۔ مدرسہ، مسجد یا پانی کی سکیم میں دیا جائے تاکہ سب لوگ اس سے مستفید ہوں اور صدقہ جاری رہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مرنے والے کا ذاتی عمل ختم ہو جاتا ہے جس پہ اسے ثواب ملے۔ اس کے ثواب کا سلسلہ جاری رہنے کی یہی صورت ہے کہ اس کی اولاد صالح ہو، نماز پڑھے، نیک کاموں میں حصّہ لے تو اُسے ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ اس نے کسی علمی ادارے کا سلسلہ جاری کیا ہو تو یہ علمی سلسلہ اور اس سے علم دین حاصل کر کے علمی تسلسل کو برقرار رکھیں تو میّت کا ثواب جاری رہتا ہے یا اس نے اور اُس کے پسماندگان نے کوئی رفاہی کام عوام کی سہولت کے کسی کام میں روپیہ لگایا ہو تو مخلوق خدا کو فیض پہنچانے سے اس کا ثواب جاری رہتا ہے۔ دینی کتب کے اشاعتی ادارے کا اجراء یا اس میں مدد دینا بھی ثواب کو برقرار رکھتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف) وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

جانوروں کے حقوق

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ سورۃ انعام	خدا کے انعامات میں سے جانور اور مویشی بھی ہیں۔ انعام اور بہیمہ کا فرق۔ حلال جانور۔
۲	جانوروں پر رحم اور دیکھ بھال کی اسلامی تعلیمات	احادیثِ رسولؐ اور صحابۂ کرامؓ کا طرزِ عمل۔ مختلف روایات۔
۳	واقعات و امثال	حضرت عمرو بن العاصؓ۔ کبوتر کا آشیانہ۔ شہر آباد ہوا قسطاط خیمہ کی مناسبت سے نام پڑا۔ رابعہ بصریؒ اور پیاسا کتا۔ حضرت مولانا رومؒ کا کتے کی نیند میں مخل نہ ہونا۔ حضرت باقی باللہؒ کا بلی پر رحم کھانا۔ عثمان الحیری ناصر الدین سبکتگین۔ حبشی غلام کا ایثار۔ فوری بدلہ۔

Marfat.com

جانوروں کے حقوق

آیت معہ ترجمہ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ (الانعام: ۱۴۲) خدا وہی ہے جس نے تمہارے لئے مویشیوں میں سے وہ جانور پیدا کئے جن سے سواری اور بار برداری کا کام لیا جاتا ہے اور ان میں وہ بھی ہیں جو کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں۔

تفسیر و تشریح یہ آیت سورۃ الانعام سے متعلق ہے۔ اس سے گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنے انعامات اور مہربانیوں کا ذکر کیا ہے اور یہاں یہ فرمایا کہ ان مہربانیوں میں سے یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے انسانوں کے فائدے کے لئے مویشیوں میں سے جانور پیدا کئے جو انسانوں کی سواری، بار برداری، خوراک اور بچھونے کا کام دیتے ہیں۔ یہ آیت سورۃ الانعام سے تعلق رکھتی ہے جس کے معنی ہی مویشیوں یا جانوروں کے ہیں۔ اس سے پہلے سورۃ المائدہ میں جانوروں کی حرمت اور حلّت کا ذکر تھا۔ چونکہ سورۃ الانعام میں بھی جانوروں کی حلّت اور حرمت کی تفصیلی بحث ہے اس لئے اس سورۃ کا نام ہی الانعام رکھا گیا ہے۔

انعام عربی زبان کا لفظ ہے۔ جیسے مویشیوں کی تمام اقسام، اُونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ بہیمہ کا لفظ نہ چرنے والے چوپایوں پر بولا جاتا ہے۔ انعام کے دائرے میں حلال جانور اور سب چرندے آجاتے ہیں۔

سورۃ المائدہ آیت ۳ میں حرام جانوروں کی تفصیل یُوں بیان فرمائی ہے۔ مردہ (مردار) خون، سؤر کا گوشت۔ خدا کے بغیر دوسرے کسی کے نام سے ذبح شدہ، گلا گھونٹ کر مرا ہوا۔ چوٹ کھا کر مرا ہوا۔ بلندی سے گر کر مرا ہوا، ٹکر کھا کر مرا ہوا۔ درندے کا مارا ہوا۔ غیر اللہ کے آستانے پر ذبح کیا ہوا۔ ان صورتوں میں حلال جانور بھی حرام ہیں اور اقسام میں سے ہر وہ جانور، جو کچلیاں رکھتا ہو، نباتاتی غذا کھانے والا ہو۔ دوسرے جانوروں کو مار کر کھانے والا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا۔ درندوں کی تمام اقسام حرام ہیں۔ پنجے دار جانور جو دوسروں کو مار کر یا مردہ پایا ہوا جانور کھاتے ہوں، حرام ہیں۔

بہر حال حلال و حرام کی یہ تفصیل ہمارے مضمون کا موضوع نہیں۔ یہاں مقصود صرف جانوروں کے حقوق اور ان پر رحم کے اسلامی احکامات اور جذبات کا اظہار ہے کہ اسلام کے ماننے والوں کو ان کا دین کیسی تعلیم دیتا ہے۔ جب دین اور اس کے ماننے والوں کے نزدیک جانوروں کی اتنی اہمیت، ترحم اور جذبہ ہمدردی ہو، وہ دوسرے انسانوں کے لئے کس قدر رحمدل ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ حضرت ابو درداؓ ایک دفعہ بیمار پڑے اور ایسے کہ جینے کی امید نہ رہی، تو اس حالت میں انہوں نے فرمایا: میرے اونٹ کو میرے پاس لایا جائے۔ حضرت ابو درداؓ مشہور صحابیٔ رسولؐ تھے۔ دمشق کے قاضی رہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں قائم مقام خلیفہ بھی رہے۔ وہ بدری صحابی نہ تھے، لیکن حضرت عمرؓ انہیں بدری صحابہؓ کے برابر وظیفہ دیا کرتے تھے۔ وہ دنیادار نہ تھے نہ دنیا کے مال و متاع سے دل لگایا تھا۔ زندگی کی ضرورتیں محدود تھیں اور سادہ زندگی گزارتے تھے۔ طبیعت میں اس قدر استغنا اور بے نیازی تھی کہ بہت کم مثالیں ایسی سننے میں آتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب شام کے سفر پر گئے تو ان کے گھر گئے۔ دیکھا کہ ایک تاریک مکان میں کمبل اوڑھے پڑے ہیں۔ ان سے پوچھا۔ آپ اس قدر تنگی میں کیوں رہتے ہیں۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا میں ہمیں اتنا ہی سازوسامان رکھنا چاہیئے جتنا ایک مسافر کو درکار ہوتا ہے۔ ان کے بعد ہم کیا سے کیا ہو گئے۔ حضرت عمرؓ پر ان کی بات سے حضورؐ کی یاد ایسی آئی کہ دونوں دوست رات بھر روتے رہے۔

۲۔ آپؓ کے پاس سواری کا اونٹ تھا۔ آپ خود روزہ رکھتے، مگر اونٹ کے دانے چارے سے غافل نہ ہوتے اور اگر کبھی اس کی دیکھ بھال میں کوتاہی ہو جاتی تو تڑپ اٹھتے اور فرماتے، اونٹ کے اچھے برے کے بارے میں مجھے اللہ کو جواب دینا ہوگا۔ چنانچہ مرض سے پہلے اپنے اونٹ کو لانے کا حکم دیا۔ جب لایا گیا تو اونٹ کو مخاطب کر کے کہا۔ اے اونٹ قیامت کے دن خدا سے میری شکایت نہ کرنا، میں نے کبھی تجھ پر تیری طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا۔

۳۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اونٹ کی پیٹھ کے زخم اپنے ہاتھ سے دھوتے اور فرماتے مجھے خوف ہے کہ قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھا جائے گا۔ ایک دفعہ مچھلی کی خواہش ہوئی اور اونٹ پر آدمی مچھلی لانے کو بھیجا۔ جب واپس ہوا تو خادم سے فرمایا۔ اونٹ کو نہلاؤ۔ پھر خود اسے دیکھنے کو نکلے۔ دیکھا تو کانوں کے نیچے پسینہ تھا۔ خادم سے فرمایا۔ تم اسے دھونا بھول گئے۔ پھر افسوس کیا کہ میں نے اپنی ذراسی خواہش پوری کرنے کے لئے اس جانور کو اتنا دوڑایا اور مشقت میں ڈالا۔ اب میں یہ مچھلی نہیں کھاؤں گا۔

۴۔ اسلام نے حکم دیا ہے کہ چرند پرند کے ساتھ رحم کا سلوک کرو۔ ان کے منہ پر مارنے سے منع کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دیکھا کہ ایک شخص نے اپنے گدھے کا منہ داغا تھا، جس سے اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ حضور رحمۃ للعالمین کو یہ حالت دیکھ کر دکھ ہوا۔ فرمایا، خدا اس شخص پر رحم نہ فرمائے گا جس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

۵۔ جانوروں اور پرندوں کو لڑانے سے اسلام نے منع کیا ہے جو لوگوں کے لئے تو تماشا ہوتا ہے، مگر جانوروں پر ظلم و زیادتی ہوتی ہے۔ آجکل تو کتے، مرغ وغیرہ لڑانے کے دوران جھگڑے ہوتے ہیں اور آدمی قتل ہو جاتے ہیں اور یہی قتل خاندانوں کی بربادی کا سبب بن جاتے ہیں جو جانوروں پر ظلم و زیادتی کی سزا ہوتی ہے۔ غصہ آجائے تو جانوروں پر نکالنا، انہیں مارنا پیٹنا حرام ہے۔ جو شخص جانوروں کو نشانہ بازی کے لئے استعمال کرے حضورؐ نے اسے لعنتی قرار دیا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں ہے کہ جس نے چڑیا کو بھی کھیل کے لئے مار ڈالا اس کے خلاف فریاد ہوگی۔ صرف اس جانور کو مارنے کا حکم ہے جس کا گوشت حلال ہے لیکن اسے بھی بلاوجہ اور بلاضرورت شکار نہ کیا جائے۔ البتہ موذی جانوروں کا حکم الگ ہے جو نقصان دہ اور مضرت رساں ہوں۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی جانور کا مثلہ نہ کیا جائے یعنی ان کے کان ناک نہ کاٹے جائیں، نہ آنکھ پھوڑی جائے۔

Marfat.com

مثلہ کرنے والوں کا قیامت میں مثلہ کیا جائے گا۔ مستدرک میں ہے کہ ایک شخص نے بکری کو پچھاڑا، اُس کے سینے پر گھٹنا رکھ کر اُس کے سامنے چھری تیز کرنے لگا تو حضور نے اسے منع فرمایا۔ تیرا بُرا ہو تُو نے جانور پر بہت سی موتیں جمع کر دیں۔ اسے پچھاڑنے سے پہلے تم نے چھُری کیوں نہ تیز کر لی۔ حکم ہے جب کسی جانور کو ذبح کرو تو چھری پہلے سے تیز کر لی جائے۔ اس کے ٹھنڈے ہونے سے پہلے کاٹ کوٹ نہ کی جائے۔

۷۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص جانور کو ذبح کرنے کے لئے گھسیٹ کرلے جا رہا ہے۔ اسے روک کر نصیحت کی کہ ایسا کرنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔

۸۔ زراعت اور دودھ کے لئے جو مویشی پالے جاتے ہیں ان کی دیکھ بھال کا حکم ہے۔ بیماری میں علاج کیا جائے، کام کے نہ رہیں تو ذبح کر دیا جائے، بھوکا نہ رکھا جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کے گنہگار ہونے کو یہ کافی ہے کہ جس جانور کی روزی چارہ اس کے ذمہ ہے وہ اسے نہ دے یا اس میں کمی کرے، نہ خود کھلائے نہ اُسے آزاد چھوڑے۔ بغداد اور دمشق میں تو بوڑھے ناکارہ جانوروں کے فارم تھے۔ اس وقت فارموں میں چراگاہیں، علاج معالجے کے انتظامات ہوتے جانوروں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اسی لئے تو حضرت عمرؓ کا یہ قول مشہور ہے۔ دریائے فرات کے کنارے بکری کا بچّہ بھی پیاسا ہوگا تو مجھ سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

۹۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقعہ پر ہم لوگ سفر کر رہے تھے۔ ہمارے ساتھ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ایک جگہ دیکھا کہ چیونٹیوں کے بھِل کو کسی نے آگ لگا دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ کس کی حرکت ہے۔ جب پتہ چلا کہ فلاں نے یہ کام کیا ہے تو آپؐ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کو حق نہیں کہ کسی جاندار کو آگ لگا دے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ قبیلہ طے کے سردار تھے۔ روزانہ چیونٹیوں کے لئے روٹی کا چُورا بنا کر ان کے بھِل میں ڈالتے اور فرماتے۔ یہ ہمارے پڑوسی ہیں۔ ان کا بھی ہم پر حق ہے۔ ابو اسحٰق شیرازی ایک مرتبہ اپنے دوستوں کے ساتھ ایک طرف سے گزر رہے تھے کہ سامنے سے کُتّا نکل آیا۔ کُتے کے مالک نے اسے دھتکار کر بھگا دیا۔ ابو اسحٰق نے کہا۔ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ راستہ اس کا بھی ہے اور ہمارا بھی۔

۱۰۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ رحم کرنے والے پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔ چاہے یہ رحم آدمی پر ہو یا جانور پر ہو، اسے یکساں پسند ہے۔ نرمی اور شفقت دنیا کی بھلائی کا حصہ ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں پرندے کے بچّے تھے، چیں چیں کر رہے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا۔ یہ کیسے بچّے ہیں۔ صحابیؓ نے کہا۔ یہ ایک جھاڑی میں تھے میں انہیں اٹھا لایا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ فوراً جاؤ اور انہیں وہیں رکھ آؤ۔ ان کی ماں بے تاب ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

ایک دفعہ آپؐ انصاری کے باغ میں گئے۔ وہاں ایک اُونٹ بلبلا رہا تھا۔ آپؐ نے شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس کے مالک کو بلا کر فرمایا۔ اس جانور کے بارے میں تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

(ابوداؤد)

Marfat.com

۱۔ واقعات و امثال

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی فوج کے ساتھ قیام فرما تھے کہ اُن کے خیمہ میں کبوتر نے ٹھکانا بنا لیا۔ جب قیام کے بعد کوچ کا فیصلہ ہوا تو کبوتر کے ٹھکانے کی وجہ سے اُنہوں نے اس خیمہ کو اکھاڑنے سے منع فرما دیا کہ کبوتر کی خانہ ویرانی انہیں گوارا نہ ہوئی۔ عربی زبان میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں۔ چنانچہ اس خیمہ کے وہاں ہونے کے سبب شہر آباد ہوا اور کبوتر کے خیمہ کی مناسبت سے آج تک اس شہر کو فسطاط کہا جاتا ہے۔

۲۔ پیاسا کتا اور رابعہ بصریؒ

حضرت رابعہ بصریؒ نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے بے تاب ہے اور کیچڑ چاٹ رہا ہے۔ آپ نے اپنے پاؤں سے موزہ اُتارا اور اپنی اوڑھنی سے رسّی کا کام لیا۔ موزہ اوڑھنی سے باندھا، مگر کنویں میں پانی کی گہرائی زیادہ تھی، اپنی چوٹی کاٹ کر بالوں سے رسّی بٹی اور اس طرح بالوں کی رسّی اور اوڑھنی ملا کر موزہ کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا اور کتے کی پیاس بجھائی۔

۳۔ حضرت مولانا رومؒ

حضرت مولانا رومؒ ایک مرتبہ اپنے معتقدین کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ گلی میں آڑے رُخ کتا سویا ہوا تھا۔ گلی کا راستہ تنگ تھا، اگر گزرتے تو کتے کی نیند میں خلل آجاتا۔ آپ معتقدین کے ہمراہ کھڑے ہو گئے۔ کتے کی نیند پوری ہوئی، اُٹھا تو آپ گزرے۔ فارسی کا مشہور شعر ہے۔

آہستہ خرام بلکہ مخرام — زیر قدمت ہزار جان است

ممکن ہے کسی شاعر نے یہ شعر محبوب کی تعریف میں لکھا ہو۔ تم جب چلتے ہو تو تمہارے پاؤں کے نیچے تمہارے عشاق کی ہزاروں جانیں پامال ہوتی ہیں اس لئے چلنا چھوڑ دو، مگر اللہ کے نیک بندے اسے ان معنوں میں لیتے ہیں کہ چلنے والے سنبھل کر اور دیکھ بھال کر چلو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے قدموں کے نیچے کسی جانور کی ننھی سی جان پامال ہو جائے۔

۴۔ حضرت باقی باللہؒ

حضرت باقی باللہؒ موسم سرما کی شدید سردی میں تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے۔ نماز سے فارغ ہو کر سردی سے بچنے کے لئے بستر میں لیٹنا چاہا تو دیکھا کہ ایک بلّی لحاف میں دبکی بیٹھی ہے۔ آپ نے اسے بھگا کر خود لیٹنا گوارا نہ فرمایا اور باقی رات بستر سے باہر ہی گزار دی۔ واضح رہے کہ موسم سرما کی سردرات افغانستان کے دارالحکومت کابل کی تھی۔

۵۔ حضرت عثمان الخیریؒ

حضرت عثمان الخیریؒ کے والد نہایت مالدار تھے۔ عثمان مکتب جاتے تو چار غلام ہمراہ ہوتے۔ سر پر زربفت کی پگڑی اور قیمتی لباس پہنے رہتے۔ ایک دن مکتب جاتے ہوئے کارواں سرائے میں ایک زخمی گدھا دیکھا، جس کی پیٹھ کے زخموں کو کوّے نوچ رہے تھے۔ وہ تڑپ رہا تھا، مگر اس مصیبت سے بچنے کی صورت کوئی نہ تھی، اُڑتی ہوئی آکر جھپٹنے والی مصیبت سے کہاں تک بچتا۔ حضرت عثمان الخیریؒ کو گدھے کی بے بسی پر رحم آیا۔ آپ نے غلاموں سے کہا۔ اس گدھے کی مدد کرنا چاہیئے۔ آپ نے اپنے قیمتی لباس، قمیص اتار کر گدھے کے زخموں پر ڈال دی اور پگڑی سے اسے کس کر پیٹ کے نیچے باندھ دیا اور مکتب چلے گئے۔ گدھے پر اس احسان اور سلوک کے بدلے میں یا گدھے کی دعا کے نتیجے میں ایسا ہوا کہ مکتب سے واپس آکر آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جنون کی کیفیت میں آپ یحییٰ ابن معاذؒ کی مجلس میں پہنچ گئے۔ ان کی صحبت میں تصوف اور سلوک کی منزلیں بآسانی طے ہوئیں اور ہر طرف سے تعلق توڑ کر مرشد کی خدمت میں یادِ الٰہی کے لئے خود کو

وقف کر دیا اور اولیائے کرام کے مرتبے پر قائم ہوئے۔

ناصرالدین سبکتگین

ناصرالدین سبکتگین کا ملازم تھا۔ ایک گھوڑا ملا ہوا تھا، سارا دن اس پر گھومتا پھرتا شکار کرتا۔ ایک دن اثنائے شکار میں ہرنی کا بچہ پکڑ لیا۔ ماں کی مامتا انسانوں میں بھی ہوتی ہے تو بے زبان جانور بھی اولاد کے لئے محبت کے جذبے سے خالی نہیں ہوتے۔ تمام جانور انسانوں سے زیادہ اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ حد سے زیادہ ایثار سے کام لیتے ہیں اور ان کی حفاظت اپنی جان پر کھیل کر کرتے ہیں۔ انسان تو پھر بھی اپنی اولاد کی پرورش کے بعد اپنی خدمات کا معاوضہ اور حق اولاد سے وصول کرتے ہیں۔ ان کی کمائی میں حصہ دار اور ان کی خدمات کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ مگر جانوروں کو اولاد کی پرورش کے بعد کیا ملتا ہے۔ اس لئے انسانوں کی اولاد کے حق میں محبت اور پرورش میں خودغرضی شامل ہوتی ہے جس کا حوالہ اکثر اولاد کو دیتے رہتے ہیں، مگر جانور نہ ایسا حق رکھتے ہیں نہ ان پر احسان دھرتے ہیں۔

بہر حال ہرنی اپنے بچے کے پکڑے جانے پر بڑی بے قرار تھی۔ اس کی بے قراری ناصرالدین کے تعاقب اور اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی، جیسے کہ وہ اپنے بچے کے لئے التجا کر رہی ہو۔ ناصرالدین نے اس کی بے قراری کو محسوس کیا۔ دل میں رحم پیدا ہوا تو ہرنی کے بچے کو چھوڑ دیا۔ وہ دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس گیا۔ ماں نے اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھایا۔ خوشی اور شکریے کے احساس سے اس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اسی رات ناصرالدین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضورؐ فرما رہے تھے ناصرالدین تیرا عمل خدا کی راہ میں قبول ہوا۔ رحم کو کبھی نہ چھوڑنا یہی دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ناصرالدین جو البتگین کا ملازم تھا، وہاں کا حکمران بنا اور سبکتگین کے نام سے مشہور ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم۔ کہ حضورؐ انتہائی رحمدل اور رحم فرمانے میں از حد حریص ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ الرحمٰن الرحیم ہے۔ حد سے زیادہ پرورش کرنے والے اور حد سے زیادہ رحم فرمانے والے ہیں۔

حبشی غلام کا ایثار

حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ نے دیکھا کہ باغ میں ایک حبشی غلام اس کی رکھوالی کر رہا ہے۔ اتنے میں اس باغ کے اندر ایک کتا آیا جو بھوکا معلوم ہو رہا تھا۔ اس باغ کے آس پاس کوئی آبادی نہ تھی۔ کتے نے باغ کا کونہ کونہ سونگھا، مگر کچھ نہ ملا۔ اتنے میں اس باغ کے حبشی رکھوالے کا کھانا آ گیا۔ کتے نے کھانے کی بو پائی تو سیدھا غلام کے پاس آ گیا۔ غلام نے کتے کو بھوکا دیکھا تو یکے بعد دیگرے اپنی تینوں روٹیاں کتے کے آگے ڈال دیں، تب جا کر اس کی بھوک مٹی۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ غلام کے پاس کھانے کو کچھ نہ بچا تو پوچھا تم نے اپنا کھانا کتے کو کھلا دیا، اپنے لئے نہ چھوڑا تو اب تم کیا کرو گے۔ حبشی غلام نے جواب دیا۔ یہ بے زبان جانور ہے۔ اس ویرانے میں کہاں سے خوراک حاصل کرے گا۔ میں ایک دن فاقہ کر لوں گا۔ انسانیت کا یہی تقاضا تھا جس کا اظہار اس ان پڑھ غلام نے کیا، جو جانور کاٹتے اور ڈستے نہیں ان کا مارنا ٹھیک نہیں ہے۔ عربوں کا دستور تھا کہ کوئی مر جاتا تو اس کی سواری کے جانور کو اس کی قبر پر باندھ دیا جاتا اور وہ اسی پابستہ حالت میں بھوکا پیاسا تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ بڑے فیاض اور سخی بزرگ تھے۔ انہیں حبشی غلام کی کم نفسی اور بھوکے جانور پر اس قدر ترس کھانا متاثر کر گیا۔ انہوں نے سوچا، غلام دل کا غنی ہے اور ایثار پیشہ ہے۔ وہ یہ سوچ کر باغ سے نکلے۔ بستی میں پہنچ کر باغ کے مالک کا پتہ

چلایا اور اس سے باغ اور حبشی غلام دونوں کا سودا کر کے خرید لئے اور باغ میں جا کر غلام سے فرمایا۔ یہ باغ میں نے خرید لیا ہے۔ غلام نے کہا۔ خوشی ہوئی، میں آپ کی خدمت بھی کروں گا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ غلام نے مزید شکریہ ادا کیا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ نے فرمایا۔ میری پوری بات سن لو۔ میں نے تجھے آزاد کرنے کے ساتھ یہ باغ بھی تمہیں بخش دیا ہے۔

مگر غلام لالچی اور حرص کا بندہ نہ تھا، اللہ والا تھا۔ عرض کیا، حضور آپ کی عنایت اور مہربانی کا شکریہ، لیکن میں یہ باغ آپ کو بخشتا ہوں اور آپ سے رخصت چاہتا ہوں۔ پوچھا۔ کیوں؟ جواب دیا۔ اس لئے کہ میرے کتے کے ساتھ سلوک نے آپ کے دل میں میری عزت پیدا کر دی ہے اور یہ بات میرے دل میں غرور پیدا کرے گی۔ اس لئے باغ کو چھوڑنا ضروری ہے۔ آپ نے مجھے آزاد کر دیا ہے تو اجازت دیجیے کہ چلا جاؤں۔ خدا آپ کو خوش رکھے اور اس سلوک کا بدلہ دے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، وما تنفقوا من شیئٍ فی سبیل اللہ یوفّ الیکم لا تظلمون۔ آپ جو کچھ بھی خدا کی راہ میں خرچ کریں گے۔ اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پہ ظلم نہ ہوگا۔

حبشی غلام نے ایک بھوکے بے زبان کتے پر رحم کیا۔ خود پہ ایثار کر کے اس کا پیٹ بھرا تو خدا نے اسی وقت اسے آزادی اور باغ کی ملکیت سے نواز دیا۔ جانوروں پہ رحم کو جب اللہ تعالیٰ اس قدر پسند فرماتا ہے تو نیکی اور انسانیت کی کس قدر قیمت ہوگی۔ نیکی کبھی ضائع نہیں جاتی خواہ وہ جانوروں کے ساتھ ہی کیوں نہ کی جائے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

Marfat.com

چوتھا باب

قرآن کریم

کے

پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریرِ جمعہ

کے

موضوعات

پروفیسر قاضی حلیم فضلی

مانسہرہ (ہزارہ)

چوتھا باب
ذاتی و شخصی اوصاف

قرآن کریم کے پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

نمبر شمار	موضوع	صفحات	نمبر شمار	موضوع	صفحات
۱	تعمیر سیرت و تکمیل انسانیت کی اسلامی و معاشرتی اہمیت	۳۶۵	۱۴	ایثار، ہمدردی اور قربانی	
۲	اخلاق اور اس کی اہمیت	۳۷۵	۱۵	معافی و درگزر	
۳	نیکی کے ذاتی و معاشرتی فوائد	۳۸۵	۱۶	صبر و رضا	۵۲۳
۴	تقدیر الٰہی پر ایمان کے اخلاقی اثرات	۳۹۵	۱۷	شکر نعمت	۵۳۳
۵	رنج و غم میں مومنانہ کردار	۴۰۷	۱۸	حسن معاملہ، معاملات میں صداقت	۵۴۳
۶	خوشی و خوشحالی میں مومنانہ کردار	۴۱۷	۱۹	شرم و حیا	۵۵۳
	خوشی و خوشحالی میں مومنانہ کردار	۴۲۵	۲۰	جذبۂ خیر خواہی	۵۶۱
۸	امانتوں کا پاس اور لحاظ	۴۳۶	۲۱	مروت اور رواداری	۵۶۹
۹	وعدوں کا پاس و لحاظ	۴۴۷	۲۲	دلداری و دلجوئی	۵۷۷
۱۰	صداقت کی قبولیت، اظہار و استقامت		۲۳	مشاورت و معاونت	۵۸۵
۱۱	فیاضی، دریا دلی و سخاوت		۲۴	خوش کلامی و خوش گفتاری	۵۹۵
۱۲	صدقہ و خیرات		۲۵	احساس مرگ موت کا تصور	۶۰۷
۱۳	نرم روی، عاجزی و انکساری				

تعمیرِ سیرت اور تکمیلِ انسانیت کی اسلامی و معاشرتی اہمیت

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
بندگی کا فلسفہ تقویٰ۔ آج کا مسئلہ انسانیت کی بازیافت ہے۔	سورۂ بقرہ، بندگی کا حکم عمومی	۱
انسانیت سازی کی بجائے تخریب انسانیت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ تنظیمیں ہر قسم کی موجود ہیں، مگر تعمیرِ سیرت کی کوئی تنظیم نہیں۔	انسانیت سازی کے ادارے	۲
انسانیت، وطن اور قوم کے لئے یہ دَور مہلک ہے۔ تعلیمی اداروں کا کردار۔ مذہبی تعلیمی اداروں میں گروہ بندی فرقہ بندی۔	عمومی اخلاقی دَور	۳
نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج میں خدا کی جوابدہی کا احساس اور تقویٰ۔	عبادات، کردار ادا کر سکتی ہیں	۴
انبیاء کا مقصد بعثت تعمیر سیرت، تکمیل انسانیت تھا۔	انبیاء کا کام قابلِ فخر تھا	۵
یہی عقیدہ تعمیر و تکمیل انسانیت کا سبب تھا اور آج بھی بن سکتا ہے۔ علماء، سیاستدان اور حکمران تعلیمی ادارے اسی عقیدے پر زور دیں۔	اعمال کی بازپرس کا احساس پیدا کیا جائے۔ قیامت پر یقین دلایا جائے	۶

تعمیرِ سیرت اور تکمیلِ انسانیت کی اسلامی و معاشرتی اہمیت

آیت معہ ترجمہ یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون ہ
اے لوگو! اپنے ربّ کی بندگی، عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا
تاکہ تم تقویٰ دار بن جاؤ۔

مسئلہ انسانیت و آدمیت آج ساری دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ انسانیت اور آدمیت کی بازیافت اور دریافت کا ہے۔ انسانوں کے باقی دوسرے تمام مسائل انسان اور آدمیت کے درست نہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ آدمی درست ہوجائے اور انسانیت سنور جائے تو دنیا کا تمام نظام از خود ٹھیک اور درست ہو جائے گا۔ آج کی ساری خرابی اسی میں ہے کہ انسانیت ناپید اور آدمیت نایاب ہے اور حد یہ ہے کہ اس کی دریافت اور بازیافت یا درستگی اور اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی، کوئی سعی نہیں کی جاتی، کوئی منصوبہ اور پروگرام نہیں ترتیب دیا جاتا۔
آدمی یا انسان صرف انسانوں جیسے جسم یا اعضاء کے مجموعے کا نام نہیں کہ جو بھی ماں کے پیٹ سے یہ جسم یا قالب لے کر آگیا تو انسان کہلائے گا یا انسانوں جیسے کپڑے پہن لئے تو بس انسان بن گیا یا دھوبی، درزی، حجام اور کسی بیوٹی پارلر نے اسے سجا دیا تو انسان بن گیا۔ اس میں رنگ روغن لگ گیا، چمک دمک آگئی تو وہ پوری طرح سنور اور سدھر کر انسان بن گیا۔ میرے خیال میں کوئی بھی انسان کی اس ساری چمک دمک سے اتفاق نہیں کرے گا بلکہ ہر آدمی یہ کہے گا کہ نہیں انسان اور انسانیت اس کی اندرونی صفات و اخلاق کی تہذیب اور درستگی کا نام ہے۔ جسے وہ تعلیم کے ذریعہ تہذیبی اداروں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے۔

انسانی ادارے جب اس خیال سے اتفاق ہے کہ انسان کی ساری انسانیت اس کی اندرونی صفات کا نام ہے اور یہ کہ انسانوں نے اس کے حصول کے لئے کالج، یونیورسٹیاں، ادارے، تجربہ گاہیں کھول رکھی ہیں، مگر یہ کام ایک عرصہ سے ہو رہا ہے۔ یہ ادارے، یہ تفریحی مراکز، تجربہ گاہیں، غرض انسانی زندگی کی ہر حقیقی اور فرضی ضرورت کو پورا کرتی ہیں، مگر ان میں آدمی اور انسان بن کر نہیں نکلتے اور کوئی بھی نہیں سوچتا کہ جن کے لئے یہ ادارے بنتے ہیں اب انسان نما بچھوؤں، سانپوں اور بھیڑیوں کی تیاری میں تو مدد دیتے ہیں، مگر انسان نہیں بناتے جو آجکل ہی نہیں ہر زمانے میں انسانیت مطلوب و مقصود رہا ہے۔ یہ ادارے جن کی تعمیر کے بعد ہم مطمئن ہو جاتے ہیں، الّا ماشاء اللہ بوالہوسی، عیاشی اور عیش پرستی کا مقصد پورا کر رہے ہیں۔ انسانیت کی تعمیر آدمیت کی تکمیل کا گوہر مقصود عطا کرنے میں بری طرح ناکام ہیں۔ حکومت کا روبار اور

Marfat.com

حکومتی اداروں کا نظم و نسق چلانے کی مشینیں تو پیدا کرتے ہیں، مگر انسان اور انسانی اوصاف کے افراد ان اداروں کے کارخانہ کار میں سے ڈھل کر نہیں نکلتے۔

تنظیمیں آج ہر ظلم اور جرم کی تنظیم موجود ہے۔ ڈاکوؤں کی، سمگلروں کی، سیاستدانوں کی اور ان کے علاوہ بے شمار ساری دوسری تنظیمیں اور گروہ انسانوں نے انسانوں کو شکار کرنے کے لئے بنائے ہیں جو رات دن بکھرے ہوئے، انسانیت کے مظلوم و مجبور اور کمزور طبقوں کو لوٹنے، ان کا استحصال کرنے اور انہیں اپنے جال میں پھنسانے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔ ڈاکو دن دیہاڑے گھروں میں گھس کر بے بس لوگوں کو مار دھاڑ کر چلتے بنتے ہیں۔ راستوں اور شاہراہوں پر جتھے بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو دو چار کو مار کر اُن کی جیب خالی کر کے نعرے مارتے ہوئے دندناتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ سمگلروں کی تنظیمیں اندرونِ ملک سے لے کر بیرونی ممالک تک پھیلی ہوئی ہیں جو راتوں رات غیر قانونی طور پر دولت اکٹھی کرتے ہیں اور ملک کے خزانے خالی کرتے ہیں۔ جن کی سزا غریب انسان بھگتتے ہیں۔ پھر اس دولت کے نشے میں اپنے جیسے ہزاروں دوسروں کو اپنا غلام بناتے ہیں۔

سیاستدانوں کی تنظیمیں جو زیادہ تر سمگلروں، ڈاکوؤں پر مشتمل ہوتی ہیں یا ان کی سرپرستی اور پشت پناہی کرتی ہیں۔ اپنے پیسے اور ناجائز کمائی کے زور اور ڈاکوؤں کی دہشت گردی کے سہارے انسانی خدمت کے دعوؤں کے ساتھ اقتدار کی کرسیوں پر براجمان ہوتے ہیں تو وہ اپنے اقتدار کے استحکام اور حکمرانی کے دوام کے لئے سیاسی رشوتیں تعمیر و ترقی کے نام پر دیتے ہیں۔ جسے ان کے حامی ممبران آگے چل کر اپنے درباری حاشیہ بردار کارکنوں کو ٹھیکے دے کر اپنا کمیشن لیکر ان کے پیٹ بھرنے کا سامان کرتے ہیں، اس کا چوتھائی کام بھی انسانوں کی بہتری پر صرف نہیں ہوتا ہے۔ اقتدار کی لذتوں، حکمرانی کی مراعات اور مناصب کی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے والے انسانوں کے خادم بن کر انسانوں کا شکار کھیلتے ہیں۔

اس کے برعکس جنہیں ہم وحشی جنگلی درندے کہتے ہیں، انسانوں کے دشمن سمجھتے ہیں۔ کیا اُنہوں نے بھی ایک دوسرے کے خلاف گروہ بندی کی ہے۔ جماعت سازی اور تنظیم بنائی ہے۔ کیا بھیڑیوں نے سو پچاس کا جتھہ بنا کر بھیڑیئے یا بھیڑیوں پر حملہ کیا ہے۔ کیا شیروں نے کوئی گروہ بنا کر دوسرے شیروں کو مارا ہے۔ کیا سانپوں نے مل جل کر سانپوں کا خاتمہ کیا ہے۔ کیا بچھوؤں نے اپنی برادری اور نوع کے دوسرے بچھوؤں پر اپنے ڈنگ آزمائے ہیں، متحدہ و منظم حملے کئے ہیں، نہیں ایسا نہیں ہوا۔ یہ شرف اور اعزاز صرف انسانوں کو حاصل ہے کہ انسانوں نے مل جل کر اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے خلاف گروہ بندیاں کی ہیں۔ ادارے قائم کئے تنظیمیں بنائی ہیں، ہتھیار ایجاد کئے ہیں، محاصرے کئے، معاشی و اقتصادی بائیکاٹ کئے، فوجیں بھرتی کیں، حملے کئے، ملک برباد اور ویران کئے، انسانیت کی تذلیل کی۔ عصمتیں لوٹیں، عزتیں برباد کیں، فصلیں اجاڑیں اور انسانوں کے ٹھکانوں میں پُرامن شہریوں اور اپنے جیسے انسانوں کو اجاڑا، ویران کیا اور دربدر کی ٹھوکروں کی زد پر رکھا۔

اخلاقی انحطاط آج ہر طرف اخلاقی انحطاط کا دور دورہ ہے۔ رشوتیں ہیں، چور بازاری ہے، غبن اور خیانت ہے، زنا اور دن دیہاڑے ڈکیتیاں ہیں، قتل ہیں، غصب اور زبردستی قبضے ہیں، ہر طرح کے اخلاقی عیب ہمارے چاروں طرف پھیلے اور بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر انسان کے روپ میں ایک بھیڑیا چھپا بیٹھا ہے۔ ایک سانپ گھسا

ہوا ہے اور انسانوں کے جسم اور لباس میں درندوں کے اوصاف و اطوار انسانوں کے شکار میں مصروف ہیں۔ جب پوری دنیا اور بالخصوص ہمارے اپنے ملک پاکستان میں یہ حالات ہوں تو پھر اس ملک کی حفاظت بلکہ اس کی بقا تک ناممکن ہے ہمیں سب سے بڑا خطرہ ہندوستان و اسرائیل اور دوسرے دشمنوں سے نہیں، خود اپنے آپ اور ہمارے اخلاقی انحطاط سے ہے۔ ہماری مجرمانہ ذہنیت سے ہے۔ دولت پرستی سے ہے۔ خود ہماری برادر کشی اور وطن دشمنی سے ہے۔ یونان اور روم کو دشمنوں نے نہیں خود اس کی اپنی آبادی کے اخلاقی زوال نے ختم کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کا سورج اور اسپین میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ اسلامی حکومت کا سورج خود مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں اور اخلاقی پستیوں سے غروب ہوا۔ ابھی تھوڑا عرصہ پہلے بنگال جو مشرقی پاکستان کہلاتا تھا، خود پاکستانی حکومتوں کی ناانصافیوں اور افسروں کی بددیانتیوں کے طفیل بنگلہ دیش بنا۔ اور آج سندھ ڈاکوؤں کے راج، وڈیروں کی ہوسِ اقتدار اور سرکاری اداروں کی ہوسِ زر کے نتیجہ میں علیحدگی کی منزل تک پہنچا ہوا ہے۔ جہاں کے غریب، پُرامن اور محبِّ وطن لوگوں کا سکون غارت ہو چکا ہے۔ اغوا برائے تاوان، قتل غارت گری، لوٹ مار، لسانی تنازعات اور گروہی تعصّبات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، اگر غفلت، چشم پوشی اور اقتدار کی خاطر دہشت گردی کو اسی طرح کھل کھیلنے کا موقعہ ملتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب پاکستان کا دوسرا بڑا صوبہ سندھو دیش بن جائے گا پھر اس کے بعد نظریۂ پاکستان اور تکمیل پاکستان کے کٹر دشمن اگر اسی طرح صوبوں اور مرکز میں شریک اقتدار رہے تو پختونستان کے بننے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے گی۔

اہم کام اور کرنے کا کام

ان حالات و واقعات کی روشنی میں اہم کام اور کرنے کا کام افراد کی تربیت سیرت کی تعمیر اور انسانوں میں انسانوں جیسے اوصاف و اخلاق و کردار پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تکمیل انسانیت اور تعمیر سیرت ہی وہ اہم کام ہے جس سے تمام دوسرے منصوبے اور پروگرام صحیح و درست طور پر انجام پذیر ہو سکتے ہیں اور حکومتی ادارے اپنا مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، مگر افسوس کہ اس طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ملک میں ہر چیز بنانے کے کارخانے موجود ہیں، فیکٹریاں اور ملیں رات دن انسانی سہولتوں، آسائشوں اور ضرورتوں کی فراہمی میں لگے ہوئے ہیں، مگر خود انسان بنانے کی کوئی مل، کوئی فیکٹری، کوئی ادارہ اور کوئی تربیتی مرکز موجود نہیں ہے۔

کالج یونیورسٹیاں

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ کالج، یہ یونیورسٹیاں، یہ تعلیمی ادارے ہر سال کروڑوں کے بجٹ سے چل رہے ہیں، جاری ہو رہے ہیں۔ یہ دینی مدرسے جو حکومت کی امداد اور عوام کے صدقات پر چل رہے ہیں، مگر معاف کیجئے ان میں حکومتی اداروں کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم اور ہُنر تو ملتے ہیں انسانیت کی تعلیم نہیں مل رہی ہے۔ اخلاق و کردار سے متصف کرنے کا سامان، مثال، نمونہ اور پروگرام نہیں ہوتا۔ ان اداروں میں ہماری سیاسی جماعتوں نے ناموں کی تبدیلیوں کے ساتھ اپنے اپنے سیل قائم کر رکھے ہیں۔ انہیں تعلیم سے زیادہ اپنے ڈھب کی سیاست سکھائی جاتی ہے۔ اسلحے کا استعمال اور غنڈہ گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔ اساتذہ کا اخلاقی معیار پرکھنے کا اہتمام نہیں، نظریاتی اور فکری رجحانات دیکھنے کو اہمیت نہیں جاتی۔ اپنے سیاسی افکار کے حامی افراد اداروں میں تعلیم دیتے ہیں۔

Marfat.com

نظریاتی اختلافات کا یہ طوفان جس طرح ملک کے سیاسی انحطاط کا سبب بنا ہوا ہے، طلبہ کے گروہوں کے درمیان آئے دن کشمکش، دنگا فساد اور ہنگاموں کا سبب بھی ہے جن کی مالی اور سیاسی آبیاری ملک کی ہر سیاسی جماعت پوری تندہی سے انجام دے رہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان تعلیمی اداروں میں بحیثیت مجموعی خنجر کی نوک پر تعلیمی پروگرام و امتحانات ملتوی ہوتے ہیں۔ نصاب کی تکمیل نہیں ہو پاتی اور آخر کار رسمی طور پر سند جاری کرنے کے لئے جو امتحان منعقد ہوتے ہیں، وہ زور یا زر کے سبب سے بھرپور نقل کے ذریعہ پاس کر لئے جاتے ہیں۔ خواندگی کی شرح میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اعداد و شمار بڑھ جاتے ہیں۔ اخلاق کی تکمیل و تربیت، انسان بنانا اور انسانی اوصاف پیدا ہونا تو دُور کی بات ہے اِن سند بدست ناخواندہ لوگوں کا ہجوم معیاری تعلیم ہی سے عاری ہوتا ہے۔

دینی مدارس

اب آیئے دینی مدارس کی طرف جو زکوٰۃ کی حکومتی امداد اور عوام کی بھرپور مالی اعانتوں سے کھلے ہوئے ہیں اور آئے دن کھُل رہے ہیں۔ ان میں مہتمم اور اساتذہ صاحبان اپنے اپنے دینی مسالک اور مذہبی تعصّبات و طبقات کے پُرزے ہی ڈھالتے ہیں۔ مذہبی گروہ بندی کے چھوٹے چھوٹے کنوؤں کے مینڈک تیار ہو کر نکلتے ہیں، جو ضالین، ظالین، آمین بالجہر و آمین بالسر، رفع یدین و ساکن یدین، نور و بشر، بریلوی و دیوبندی، حنفی و مالکی، حنبلی و شافعی، اہل حدیث و اہل قرآن، سمیع گروپ، فضل الرحمٰن گروپ، نورانی میاں کے پیروکار اور افکار کے حامل میدانِ کارزار میں اُترتے ہیں تو مسجدوں میں دیواریں کھنچ جاتی ہیں۔ محراب بٹتے ہیں اور منبر تقسیم ہوتے ہیں۔ محلے محلے اپنے افکار کی اشاعت کے لئے مسجدیں تعمیر ہوتی ہیں، مسجدوں میں تالے پڑتے ہیں۔ ہر محلے کے لاؤڈ سپیکروں سے دوسرے مذہبی مسالک کے خلاف زہر اُگلا جاتا ہے۔ دشنام طرازی ہوتی ہے۔ بہتان تراشی کے طوفان اُٹھتے ہیں اور عام شہریوں کی سیدھی سادی اور مذہبی ضرورت اور عبادات کی بجاآوری پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ اذہان میں شکوک و شبہات کے جراثیم چھوڑے جاتے ہیں۔ قلوب میں مذہبی تعصّب اور نفرتوں کے بیج بو کر ایک ایک محلے، ایک ایک گاؤں اور ایک ایک بستی کو مذہبی فرقوں میں تقسیم کر کے مذہب کے نام پر مخالفین کے ساتھ جہاد کے فتوے صادر ہوتے ہیں۔ مخالفوں پر کفر کی توپیں داغی جاتی ہیں اور مساجد سے رات دن مار دھاڑ کے گولے برستے ہیں۔ غرض قالت الیھود لیست النصارٰی علٰی شیئٍ و قالت النصارٰی لیست الیھود علٰی شیئٍ و ھم یتلون الکتٰب۔ قرآن و حدیث کے حوالوں اور قرآنی آیات کی تلاوت سے ایک دُوسرے کے خلاف زہر اُگلنے کی وہی یہودی و نصرانی تاریخ دہرائی جاتی ہے اور عوام اس شور شرابے سے مایوس ہو کر اصلاحِ احوال کی تمام راہوں کو مسدود پا کر اس انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ ۔ فاللہ یحکم بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ اللہ قیامت کے دن خود فیصلہ فرمائیں گے جس میں یہ ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہیں۔ سارے ادارے ایسے نہ ہوں گے اور ان سے تعلیم پا کر نکلنے والے افراد سارے ہی ایسے نہ ہوں گے، مگر مجموعی طور پر ان دینی و مذہبی اداروں کی کارکردگی مایوس کن ہے۔ دین ملّا فی سبیل اللہ فساد۔ تو نظر آتے ہیں، مگر انّما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم ۔ مومن تمام بھائی بھائی ہیں ان میں اختلاف ہو تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کا کردار ادا کرنے والا کوئی بھی نظر نہیں آتا۔

مذہبی رہنماؤں اور دینی جماعتوں کی اس افراتفری، مختلف الخیالی اور انارکی، تعصب و اختلافات میں شدت نے چالیس سالوں تک پاکستان میں بے دین سیاستدانوں کو یہ موقعہ اور بہانہ فراہم کیا کہ یہاں کونسا قانون نافذ کیا جائے، نورانی میاں کا، مفتی محمود صاحب کا، مولانا مودودی مرحوم کا، سمیع الحق صاحب کا، اہلحدیث کا، بریلویوں کا، دیوبندیوں کا، اہل تشیع کا یا ایک نئے فرقے منکرین حدیث کا ــــ کیا واقعات و حالات اور تعلیمی اداروں کی اس بچی مگر تلخ حقیقت کی روشنی میں کوئی ادارہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسے ماحول اور ان حالات میں انسان بنتے ہیں یا بگڑتے ہیں۔ انسانی اوصاف پیدا ہوتے ہیں یا باہمی عداوت سرایت کی جاتی ہیں۔

پس چہ باید کرد

اخلاقی انحطاط اور تعلیمی اداروں کی اس تصویر کشی اور صورتِ حالات کے درمیان انسان سازی اور اخلاقی تربیت کی ضرورت و اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ آج اجتماعیت کا دور ہے تنظیمی اور جماعتی بنیادوں پر تمام کام ہو رہے ہیں، لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ افراد کی صلاحیت، اخلاقی حالت پر تنظیم ہر کام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور بقول علامہ اقبالؒ

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

افراد میں صلاحیت ہی نہ ہو، اخلاق کا دیوالیہ ہو تو کوئی بھی تنظیم، کوئی جماعت، کوئی پروگرام، کوئی منصوبہ اور کوئی حکومت نہ کارگر ہو سکتی ہے نہ مؤثر اور نہ مستحکم۔

افراد کی تربیت، اخلاقی اصلاح کے بغیر ان تنظیموں، منصوبوں اور پروگراموں کی مثال ایسی ہے جیسے کچی اینٹوں سے عمارت تعمیر کرنا یا ریت پر عمارت اٹھانا۔ اجزاء کی خرابی سے اچھا محل کیسے تعمیر ہو سکتا ہے۔ بڑی تعداد میں خرابیاں جمع ہوں تو مجموعہ کیسے عمدہ کہلایا جا سکتا ہے۔ سو مجرموں کے ملنے سے صالح جماعت کیسے بن سکتی ہے۔ جب کل جزء کی خصوصیات کا نمائندہ ہوتا ہے تو پھر لامحالہ جزء یا اجزاء کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ اکائیاں ٹھیک نہ ہوں تو میزان ٹھیک نہ ہوگا۔ اور ان اکائیوں، اجزاء اور افراد کی اصلاح ایک ہی طریقہ سے ممکن ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے زیر موضوع آیت میں بیان فرمایا ہے: یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ اے لوگو! صرف ایک اللہ کی بندگی اختیار کرو، اسی کی بندگی کرو جس نے تمہیں اور تم جیسے تمام پہلے انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ تم تقویٰ دار پرہیزگار اور با اخلاق و باکردار بن کر خدا کے پسندیدہ و مطلوبہ صحیح انسان بن جاؤ۔ اسلام کی تمام عبادات اصلاح کی ٹھیک فیکٹریاں اور کارخانے یا ادارے ہیں۔ نماز پنج وقتہ خدا کے سامنے حاضری کے احساس کے ساتھ ہو، خدا کو خود نہ دیکھ سکے تو یہ احساس ہو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ خدا سے ہمکلامی، اس سے ہدایت طلبی اور سیدھے راستے پر چلانے کی شعوری آرزو ہو اور اس آرزو اور دعا کے بعد روزانہ پانچ بار پڑھی جانے والی نماز کا تاثر اور احساس عملی زندگی میں قدم قدم پر ہو۔

زکوٰۃ غریبوں سے ہمدردی، خدا کی مخلوق کی دستگیری، خدا کی خوشنودی کے احساس سے ادا کی جائے تو دوسروں کے لئے رحم، ہمدردی اور محبت کے جذبات پرورش پا کر دوسروں کی حق تلفی، دوسروں پر زیادتی اور حق ماری کی بجائے

Marfat.com

حق دہی کے اوصاف پیدا کرے گی۔ رمضان شریف، جس کی فرضیت کا فلسفہ ہی تقویٰ ہے اور یہ ایسی عبادت ہے کہ خدا کی موجودگی اور اس کے علیم وخبیر ہونے کے احساس سے ادا ہوتی ہے۔ جلوت یا خلوت میں انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ خدا موجود ہے، وہ دیکھ رہا ہے جس کے نتیجہ میں وہ بھوکا ہوتا ہے، مگر کھاتا نہیں۔ پیاسا ہوتا ہے حلق میں کانٹے پڑے ہوتے ہیں، زبان خشک ہوتی ہے۔ مگر خدا کے حکم کی تعمیل میں اور اس کے علیم و بصیر ہونے کے احساس سے وہ روزہ نہیں توڑتا اور یہ احساس جب رمضان کے پورے مہینہ میں پختہ ہوجاتا ہے، دل و دماغ میں بیٹھ جاتا ہے تو سال کے دوسرے مہینوں میں بھی حلال وحرام کی تمیز کرتا ہے۔ گناہوں سے باز رہتا ہے کسی پر زیادتی نہیں کرتا، ظلم نہیں کرتا، بدگوئی و بدزبانی نہیں کرتا۔ اس طرح وہ رمضان شریف کے ایک مہینہ کے بعد تقویٰ کی منزل کو پالیتا ہے۔

اسی طرح حج کو لے لیا جائے۔ یہ سرمایہ داروں اور دولتمندوں کی عبادت ہے۔ سرمائے اور دولت کا نشہ اپنے ساتھ بہت سی اخلاقی برائیاں بھی لے کر آتا ہے، لیکن جب اسے حج کی سعادت نصیب ہو جائے تو خدا کا گھر خود اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام کی قربانیوں، حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی جاں سپاری، حضرت ہاجرہؓ علیہا السلام کی بیقراری اور خدا پر بھروسے اور توکّل کی کھلی نشانیاں دیکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات، واردات و حادثات کی پوری اسلامی تاریخ کو قدم قدم پہ بکھرا ہوا پاتا ہے تو خدا پر اور دین اسلام پر اس کا ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ حج کے دوران اتحاد واتفاق کا عالمی منظر دیکھتا ہے۔ وہاں اس کی انفرادی حیثیت کا جز کل میں مل کر اسکی ذات، اسکی انا، اسکے وجود کا بُت مسمار ہو جاتا ہے۔ بقول غالب ؎

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے　　　　کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

اور بقول علامہ اقبال ؏ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں۔

ربط ملت میں شمولیت اور اس سے ربط کے یہ مناظر، اس پر سرور وکیف طاری کرتے ہیں۔ خدا کی شان، اس کی بڑائی اور اس کی چوکھٹ پر ایک دنیا اور دنیا کے عظیم لوگوں کو جھکتا دیکھ کر اسے اپنی کم مائیگی کا احساس، فرعونیت اور غرور کی شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانّہا من تقوی القلوب۔ جو لوگ حج کے دوران اللہ کی نشانیوں کی تعظیم اور عظمت کو مانتے ہیں وہ دلوں کے تقویٰ کا سبب ہوتی ہیں۔ حج کے دوران یا یہاں ان دنوں میں خدا کی راہ میں قربانی کرتا ہے تو جانور کے گلے پر چھری نہیں پھیرتا بلکہ اپنی نفسانی خواہشات اور شیطانی خیالات پر بھی چھری پھیرتا ہے اور یہی چیز قربانی کا مطلوب ومقصود ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لن ینال اللہ لحومہا ولادماءھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم۔ اللہ کو تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں۔ وہ تم سے تقویٰ، خدا خوفی چاہتا ہے۔ پرہیزگار بننا دیکھنا چاہتا ہے۔

انبیاء کا مقصد تعمیر و تکمیل اخلاق تھا

عبادات کے ذریعہ انسان سازی۔ انسانی اخلاق کی درستی کے ساتھ ساتھ آپ دیکھیں تو تمام انبیاء انسانوں کی سیرت کی تعمیر اور ان کے اخلاق کی

Marfat.com

تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے۔ حضور پاکؐ کا ارشاد ہے اِنّی بُعثت لاُ تمم مکارم الاخلاق ۔ میں اخلاق کی تعمیر و تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں ۔۔۔ انہوں نے صالح افراد تیار کئے، ان کے کارخانۂ تربیت و تعلیم میں سے خدا سے ڈرنے والے، انسانوں سے محبت کرنے والے، دوسروں کے کام آنے والے، انصاف اور راستی کا ساتھ دینے والے، ہر درجہ کے دیانتدار، خداترس، رحمدل اور حق گو، حق پرست، مظلوموں کے مددگار افراد پیدا کئے۔ دنیا کے کسی ادارے، کسی تربیت گاہ نے ایسے صالح افراد تیار نہیں کئے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی کام میں مصروف تھے۔ ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آپ اس سے بدلہ دلوا دیجئے۔ آپ نے اسے دُرّہ مارا اور فرمایا: جب میں اس کام کے لئے بیٹھتا ہوں تو تم آتے نہیں اور جب دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہوں تو بدلہ دلوانے کے لئے آجاتے ہو۔ وہ شخص چلا گیا تو پھر اسی وقت آدمی بھیج کر بلایا۔ اس کے ہاتھ میں دُرّہ دے کر کہا۔ مجھ سے تم پر زیادتی ہوئی تم اپنا بدلہ لے لو۔ اُس نے کہا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کر دیا۔ اب گھر تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر خود کو مخاطب کر کے کہا۔ اے عمرؓ تو کمینہ تھا، اللہ نے تجھے اونچا کیا، تو گمراہ تھا اللہ نے تجھے ہدایت بخشی، تو ذلیل تھا اللہ نے تجھے عزت بخشی۔ پھر لوگوں کا امیر بنایا۔ اب اگر ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دلوا دے تو تو اس کو مارتا ہے۔ کل قیامت کے دن اپنے ربّ کو کیا جواب دے گا۔ بڑی دیر تک اسی طرح خود کو ملامت کرتے رہے۔ اسلامی تاریخ اور حضورؐ کی وراثت پر نور کا یہ کردار تھا، یہی سیرت تھی۔ اس مثال پر اس لئے اکتفا کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عام صحابیٔ رسولؐ ہی نہ تھے اس وقت وہ اسلامی حکومت کے وسیع و عریض خطّے کے امیرالمومنین تھے۔

قابلِ فخر کام

سائنسدانوں کو اپنی ایجادات پر ناز ہے۔ سیاستدانوں کو اپنی کامیابیوں پر، حکمرانوں کو اپنی اصلاحات پر ناز ہے تعلیمی اداروں کو اپنے طلبہ کی کامیابیوں اور نمبروں پر فخر ہے، لیکن دنیا کو سب سے قیمتی سرمایہ کس نے فراہم کیا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے صالح معاشرہ اور صالح افراد تیار کر کے انسانیت کی خدمت کی، جنہوں نے اپنی سیرتوں سے، اخلاق و کردار سے دنیا کو سنوارا اور گلزار بنایا اور جن کے وجود سے، جن کی سیرت سے، جن کے اخلاق سے ہر چیز، ہر منصوبہ، ہر پروگرام، حکومت کا ہر ادارہ، زراعت و تجارت، معاشرت بلکہ ہر شعبۂ حیات کارآمد و کارگر بنا اور ہر دولت ٹھکانے لگی۔ آج بھی دنیا میں جو نیکی، سچائی، حق اور انصاف اور تکریم انسانیت اور حقوق انسانیت کی باتیں ہو رہی ہیں، یہ سب کچھ انہی انبیاء کے افکار و تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔

حرفِ آخر

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ان صالح افراد کو خدا کی ہستی کا یقین دلا کر، مرنے کے بعد زندہ ہو کر، خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی باز پرس کا عقیدہ سکھایا اور اُسے ان کے ذہنوں میں پختہ کیا۔ آج اگر پھر سے خدا کی ہستی کا یقین پیدا ہو جائے کہ خدا ہے اور ہم نے مرنے کے بعد پھر زندہ ہو کر اپنے اعمال و اقوال کا حساب دینا ہے تو دنیا کا یہ سارا بگڑا ہوا نظام پھر سے ٹھیک ہو سکتا ہے اور انسان جو بھیڑیا، خونخوار درندہ اور حریص چوپایہ بنا ہوا ہے، بدل کر اسی طرح کا، اسی دور کا صالح انسان بن سکتا ہے۔ یہ عقیدہ آج بھی کایا

پلٹ سکتا ہے۔ بے لگام انسان کو لگام ڈال سکتا ہے۔ غیر ذمہ دار کو ذمہ دار بنا سکتا ہے۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا　　مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

Marfat.com

Marfat.com

اخلاق اور اُس کی اہمیت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	حضورؐ کے اخلاق ہی معیاری ہیں۔ کارِ نبوّت اہتمام اخلاق۔ حضورؐ کے اخلاق حسنہ پر دشمنوں کی گواہی۔ خدا اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ خدا کی مخلوق کے ساتھ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ خدا کی محبت کا موجب ہوگا۔
۲	چند اخلاقی اوصاف	معاف کرنا۔ شیریں زبانی۔ دیانتداری خیرخواہی ہمدردی۔ محبت۔
	اعمال کے دائرے	دو ہیں۔ عبادات۔ معاملات۔ معاملات کی صفائی، سچائی، انسانی اخلاق کو تعمیر کرتی ہے۔ اس کی قرآن کریم میں تاکید۔
۳	چند اخلاقی رذائل	حق ماری۔ بذریعہ طاقت۔ رشوت۔ سفارش جھوٹ خیانت۔ نمود و نمائش۔
۴	حسن اخلاق کے نمونے	تواضع انکسار۔ سخاوت۔
۵	اخلاقی تعلیم کی چند نصیحتیں	بزرگوں کے اقوال و فرمودات تمثیل

اخلاق اور اُس کی اہمیّت

آیت معہ ترجمہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخرۃ وذکر اللہ کثیرًا ۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم ۔ (القلم) تمہارے لئے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ ہے بالخصوص اس کے لئے جسے اللہ کے سامنے پیش ہونے اور قیامت کے دن پر ایمان ہو اور وہ خدا کو کثرت کے ساتھ یاد کرتا ہو۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ بالا آیت عام طور پر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے سلسلہ میں پڑھی جاتی ہے، مگر حضورؐ کی سیرت ہی اخلاق و کردار کا دوسرا نام ہے اور اسے مندرجہ بالا آیت میں ایک مسلمان کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے بہترین و خوبصورت نمونہ قرار دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق کے تمام پہلو اخلاق کا مجموعہ تھے اور ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول مشہور ہے کہ حضورؐ کے اخلاق سراسر قرآن تھے۔ قرآن کریم میں جس قدر اخلاقی فضیلتوں کو اپنانے کا حکم انفرادی طور پر ملتا ہے اور اخلاق رذیلہ سے روکا گیا ہے۔ وہ سارے اخلاقی اوصاف آپؐ میں موجود تھے اور جن سے منع کیا گیا ہے۔ آپؐ کی زندگی اور سیرت میں ان کا شائبہ تک موجود نہ تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد پاک ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ ۔ تم اللہ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو اور اللہ کے اخلاق اللہ کے تمام صفاتی ناموں میں موجود ہیں۔ معاف کرنا، بخشنا، پالنا پرورش کرنا، کھری بات کرنا، اچھی گفتگو، نرمی و بردباری، عدل و انصاف، احسان کرنا، رحم، شفقت اور کرم۔ غرض ہر اچھائی اور ہر خوبی جو انفرادی طور پر صفت کہلاتی ہے، مجموعی طور پر اخلاق کہلاتی ہیں اور ان صفات کا رنگ جس پر بھی چڑھ جاتا ہے، اُسے قرآن میں خداوند تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عابدون۔ اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم ان تمام رنگوں، صفات کا اقرار کرتے ہوئے اس کے عبادت گزار ہو سکتے ہیں۔

کارِ نبوت تکمیل اخلاق

دنیا کے تمام مذاہب میں انسان کی اچھی خوبیوں اور صفات کے مجموعہ "اخلاق" کی اہمیت ہے، اگر کہا جائے کہ دین دوسرے لفظوں میں اخلاق کا نام ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اخلاق بغیر دین کے ناممکن ہے اور دین کی تکمیل بغیر اخلاق کے مشکل، دین کے اپنانے اور بندگی کو اختیار کرنے ہی سے اخلاق میں رفعت اور بلندی نصیب ہوتی ہے۔ حضورؐ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اخلاق اور اچھے اخلاق کی تکمیل بتایا ہے ——— نبوّت کے ابتدائی دور میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا اپنے بھائی کو تعلیماتِ نبوّت معلوم کرنے

Marfat.com

کے لئے بھیجا تو انہوں نے واپس جا کر بھائی کو یہی بتایا کہ میں نے محمدؐ کو دیکھا ہے۔ وہ اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں؛ پھر اسلام کے اسی ابتدائی دور میں جب مسلمان حبشہ کو ہجرت کر کے گئے تو قریشِ مکّہ نے انہیں وہاں سے نکالنے اور حبشہ کے بادشاہ کو آپؐ سے اور آپؐ کے ساتھیوں سے بدظن کرنے کے لئے جو وفد بھیجا تھا، نجاشی نے مسلمانوں کے نمائندے حضرت جعفر طیارؓ سے حضورؐ کی تعلیمات کے متعلق پوچھا تو آپ نے بھی ان الفاظ کے ساتھ تشریح فرمائی۔ ہم جاہل تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے، بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستایا کرتے تھے۔ ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے۔ زبردست اپنے زیر دستوں پر زیادتیاں کرتے تھے۔ کہ ہم میں سے ایک شخص نبی بن کر آیا، جس نے بتوں کی پوجا کرنے سے روکا، سچ بولنے، خونریزی سے منع کرنے، یتیموں کا مال نہ کھانے، پاکدامنوں پر تہمت نہ لگانے کی تعلیم دی۔ یہ تمام باتیں اخلاق حسنہ سے تعلق رکھتی ہیں جنہیں سُن کر نجاشی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

ابو جعفر طیارؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا ہوگا، مگر یہی گواہی اس وقت حضرت ابو سفیانؓ نے بھی ہرقل کے دربار میں دی تھی جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور اسلام کے سخت مخالفوں میں سے تھے۔ جب ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی دعوت کے متعلق پوچھا تو ابو سفیانؓ کے الفاظ کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ لوگ توحید اور عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ پاک دامن رہنے، سچ بولنے اور قرابتداروں کا حق ادا کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دور میں اپنوں اور بیگانوں کی گواہی ثابت کرتی ہے کہ دین اخلاق حسنہ کا دوسرا نام ہے۔ دین کا تمام زور انسان کو اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنے پر ہے۔ انسان معاملات انسانی میں بہترین نمونہ ہو اور عام انسانوں کے لئے امن و عافیت کا پیامبر ہو۔ خدا انسانوں کا خالق ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان زمین پر پیار و محبت، اتحاد و اتفاق، ایثار و قربانی، ہمدردی و دلداری کے طریقے اپنا کر رہے۔ خداوند تعالیٰ کو کرۂ ارض پر دنگا فساد، قتل و خونریزی، جھگڑے اور تنازعے بالکل پسند نہیں ہیں اور جو قوم بھی ایسا کرتی ہے وہ خود اپنی تباہی و ہلاکت کے اسباب مہیا کرتی ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ مرغی کے بچے جو ایک ماں کے پیٹ سے انڈے کی صورت میں نکلتے ہیں اور ایک ہی مرغی کے سینہ کی گرمی سے وجود میں آتے ہیں اور اسی ماں کے جذبۂ رحم و محبت اور ایثار کے سبب سے محفوظ رہ کر پروان چڑھتے ہیں۔ جب ان بچوں میں باہم چونچیں لڑانا اور لڑنا شروع ہوتا ہے تو وہی جذبۂ مادری جذبۂ دشمنی میں بدل جاتا ہے۔ ماں انہیں چھوڑ دیتی ہے بلکہ مار مار کر خود سے دُور کر دیتی ہے۔ وہ بے شک چیختے ہیں، اس کے لئے بے چین ہوتے ہیں، مگر ان کی بے اتفاقی ماں کو دوبارہ ملتفت نہیں کرتی۔

خدا کی مخلوق بھی جب زمین پر فساد پھیلاتی ہے، آپس میں لڑتی ہے، اپنی نوع کی دشمن ہو جاتی ہے تو خدا کی امداد شفقت اور بخشش کا ہاتھ ان کے سروں سے اُٹھ جاتا ہے اور وہ اللہ کی تائید اور نصرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسلامی اخلاق اور دینی تعلیمات میں سے سب سے زیادہ صبر آزما رویہ عفو و درگزر، ضبط نفس اور تحمل و برداشت کا ہے اور خداوند تعالیٰ نے اس پر نہایت دل نشین انداز سے زور دیا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے: "مشرکین جنہیں

Marfat.com

سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ "مشرکین جنہیں خدا کے سوا پکارتے ہیں، خدا مانتے ہیں، انہیں برا نہ کہو ایسا نہ ہو کہ وہ جواباً خدا کو نادانستہ برا کہہ بیٹھیں گے"۔ سورۂ الاعراف میں فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ۔ (اعراف: ۱۹۹) معاف کرنے کی عادت ڈالو، نیک کاموں کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرو"۔ سورہ آل عمران میں نیک اور با اخلاق لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے: وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ (آل عمران: ۱۳۴) کہ وہ غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں"۔

دین اور اخلاق لازم ملزوم ہیں۔ مسلمان تو مسلمان کا بھائی ہے اور بھائی ہونے کے ناتے سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت کے سلوک کے مستحق ہیں، لیکن اسلامی اخلاق صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہیں۔ اس کا دائرہ غیر مسلموں اور مشرکوں تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ ان سے بھی نرمی، حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ ترمذی کی ایک حدیثِ قدسی ہے۔ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا۔ میرے خلیل، حسنِ سلوک کرو، خواہ کافروں سے کیوں نہ ہو۔ تمہیں ابرار کے مقامات حاصل ہوں گے۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اسے اپنے عرش کے سائے اور اپنے خطیرہ قدس میں جگہ دوں گا۔ اپنی قدرت سے سرفراز کروں گا۔

قولوا للناس حسنا۔ لوگوں سے اچھے انداز سے بات کرو۔ للناس میں دوست دشمن، مسلم و کافر سب آجاتے ہیں۔ اچھی بات تب ہی کوئی کرسکتا ہے جب دل میں پیار، محبت اور ہمدردی ہو۔ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ حضرت جابرؓ نے روایت فرمائی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ تم میں سے مجھ سے زیادہ نشست کے اعتبار سے قریب اور دل کے لحاظ سے عزیز وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں گے اور سب سے زیادہ معتوب اور قیامت میں سب سے زیادہ دور وہ ہوں گے جو تصنع کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور اپنی چرب زبانی یا خوشامد سے دوسروں پر غالب آتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؓ نے حسن خلق کی یہ تعریف فرمائی ہے۔ خندہ پیشانی، سخاوت و فیاضی اور لوگوں کی تکلیف دور کرنے کا نام حسنِ خلق اور حسنِ سلوک ہے۔ پہلی وحی کے بعد حضورؐ پر جو خوف اور لرزہ طاری ہوا تھا تو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضورؐ کے اخلاق اور عادات گن کر فرمایا تھا کہ ایسے شخص اور ان اخلاق والے شخص کو خدا ضائع نہیں فرمائے گا اور وہ صفاتِ اخلاق، سخاوت، سچائی، دیانتداری اور دوسروں کی امداد، مصیبت میں کام آنا ہی تھیں۔

اعمال کے دائرے

دین اسلام میں انسانی اعمال کے دو بڑے حصے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق خدا کی خوشنودی و بندگی کی فکر ہے، وہ عبادات کہلاتی ہیں۔ عبادات میں کوئی کتنا ہی انہماک دکھائے، جب معاملات کی طرف سے غافل ہوگا، معاملات میں کھوٹا ہوگا تو عبادات، جو اس کی صرف ذاتی خوبی ہے خدا کے ہاں بار آور و بامراد نہیں رہتی۔ عبادات اپنی جگہ اہم ہیں کہ ان کے بغیر تقویٰ پیدا نہیں ہوتا، مگر اس تقویٰ کا عملی میدان انسان سے سلوک اور رویہ سے ظاہر ہوگا۔ انسانوں سے واسطہ ہی کوئی نہ رکھے، ان سے معاملات ہی نہ کرے، ان سے برتاؤ کا موقعہ ہی نہ ملے پھر دور پہاڑوں کی کھوہ اور غاروں میں اس کے تقویٰ کا ثبوت اور اظہار کیسے ہوگا۔ اس کے حسن خلق کا پتہ کیسے چلے گا۔

Marfat.com

اُس کی سچائی، دیانت، امانت، فیاضی، رحمدلی، ہمدردی، ایثار و قربانی کے مواقع ہی پیدا نہ ہوں تو اس کے اندر ان اخلاقی جواہر کی موجودگی کا علم کیسے ہوگا اور کیسے ہوگا۔ موجوں میں اُتر کر بسلامت پار ہونے والے کو بہادر اور تیراک کہا جاتا ہے۔ ساحل پر دُور کھڑے ہوئے شخص کی تیراکی کے دعوے کون مانے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سے مومن وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اب اس کے اخلاق کا اندازہ اچھے بُرے معاشرے اور سوسائٹی میں رہ کر ہی ہوگا، ورنہ انسانی سوسائٹی، انسانی تعلقات و معاملات سے کٹ کر الگ تھلگ دُور رہنے والے کی مثال جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا کی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی حقوق کا ذکر متعدد آیات میں کیا ہے۔ بالخصوص جہاں ایمان لانے کی تاکید ہے وہاں عمل صالح کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ عمل صالح جامع ترین لفظ ہے جسے قرآن پاک میں عبادات اور معاملات دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں اپنی بندگی کا ذکر ہے وہاں انسانی حقوق کا بھی ذکر ہے۔ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا ‌ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ (النساء: ۳۶) یعنی اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ ۔ بندگی اور عبادت میں ۔ کسی کو شریک نہ کرو، پڑوسی سے، رشتہ دار سے، اجنبی ہمسائے سے، پہلو کے ساتھی سے، مسافر سے، اور لونڈی غلاموں سے جو تمہارے زیر دست ہوں، احسان کا معاملہ کرو۔

قرآن کریم میں تمام اخلاقی برائیوں سے بچنے کا حکم بھی دیا اور بتایا ہے کہ وہ کیا کیا ہیں۔ یہ بھی بتایا ہے کہ اخلاقی محاسن کیا ہیں تاکہ انسان برائیوں سے بچتے ہوئے فرد اور جماعت دونوں محاسن اخلاق کو اختیار کرتے ہوئے انسانیت کے اعلیٰ و ارفع مقام پر پہنچ جائیں۔

۱۔ چند اخلاقی رذائل

ناروا طریقے سے دوسروں کا حق مارنا، حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز طریقے سے مال ہضم کرنا۔ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِهَاۤ اِلَى الۡحُـكَّامِ لِتَاۡكُلُوۡا فَرِيۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔ (البقرہ: ۱۸۸) تم ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے نہ کھاؤ، نہ حاکموں کے آگے اس غرض سے پیش کرو کہ دوسرے کے مالوں کا حصہ گناہ کے ساتھ کھانے کا موقعہ مل جائے۔

۲۔ جھوٹ

وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ۔ (الحج: ۳۰) جھوٹی بات کہنے سے بچو۔ اس چھوٹے سے فقرے میں جھوٹ کے سارے پہلو آجاتے ہیں۔ جھوٹی گواہی، جھوٹے مقدمے، الزام تراشی، جھوٹے بہتان، جھوٹا پروپیگنڈہ وغیرہ۔ یہ اخلاقی برائی آج ہمارے معاشرے کا عام چلن ہے۔

۳۔ خیانت

ولا تکن للخائنین خصیما۔ تم کسی خیانت کار کے حمایتی نہ بنو۔ خیانت کرنے والے کی حمایت وہ کرسکتے ہیں جو خیانت کار ہوتے ہیں۔ خیانت جیسی اخلاقی برائی کا دائرہ بھی زندگی کے تمام شعبوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ملازم، تاجر، زمیندار، مزدور، سیاستدان سب اس میں آجاتے ہیں جو اپنے اپنے دائرۂ عمل

ہیں دوسروں کی خیانت کرتے ہیں۔ ذمہ داریوں کی ادائیگی پوری طرح نہیں کرتے۔ خیانت بجائے خود ہی بُرائی نہیں اس کی حمایت اور طرفداری بھی اخلاقی بُرائی ہے۔

۴۔ احسان دھر کر دُکھ دینا لا تبطلوا صدقتکم وبالمن والاذی۔ (البقرہ) اپنا صدقہ اور خیرات کسی کو دے کر اس پر احسان نہ دھرو، جس سے اسے شرمندگی اور اور دُکھ پہنچے۔

۵۔ نمود و نمائش والذی ینفقون مالھم رئا النّاس۔ (النساء) اللہ کی راہ میں خرچ کر کے اس کی نمائش اور دکھاوے سے کام نہ لو۔ اس طرح تمہارے صدقات برباد ہو جائیں گے۔ یہ سخاوت اور فیاضی، انسانی ہمدردی اور خدا کی خوشنودی کی بجائے اپنی نام آوری اور نمائش کے لئے کی جائے تو خدا اور مخلوقِ خدا سے تعلق کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سورۃ الحجرات میں تمام اخلاقی برائیوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسروں کا مذاق اڑانا، نام رکھنا، غیبت، دوسروں کے حالات کی ٹوہ لگانا۔ افواہیں اُڑانا۔ اپنی ذات اور نسل کی برتری دکھانا۔ سورۂ لقمان میں غرور و تکبر سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ چند اخلاقی رذائل کا ذکر ہے ورنہ قرآن کریم میں ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔

اس کے مقابلے میں محاسن اخلاق کی طرف ترغیب بھی دلائی ہے اور تاکید بھی فرمائی ہے۔ عدل و انصاف پر قائم رہنا۔ نیکی اور تقویٰ اختیار کرنے۔ برائی کی بھلائی سے روک تھام کرنا۔ مسکینوں، معذوروں کی سرپرستی، محتاجوں کی خبرگیری، حسنِ کلام، صبر برداشت، ایفائے عہد۔ یہ سب باتیں اور احکامات ایسے ہیں جنہیں ہر عقل سلیم رکھنے والی معاشرت تسلیم کرتی ہے۔ ان کی صداقت اور واقعیت پر کسی کو یقین ہے۔ یہی وہ اوصاف تھے جنہیں اپنا کر تاریخ عالم میں نئی تہذیب، نئے تمدن، فلاح و اصلاح کا ایک ایسا انقلاب رونما ہوا جس کی نظیر کوئی بھی معاشرہ نہیں پیش کر سکتا۔ آج بھی ان اصولوں کو اپنا کر اور ان تعلیمات پر عمل کر کے جہاں خود انسان بلند مقام حاصل کر سکتا ہے وہاں اسلام اور اسلامی تہذیب دنیا کو عدالت و صداقت کا سبق دے کر امامت کی مستحق ہو سکتی ہے۔

حُسنِ اخلاق اور حُسنِ سیرت کے چند نمونے

۱۔ تواضع و انکساری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ تمہیں عبادت کرتے دیکھتا ہوں، لیکن عبادت کی لذت اور حلاوت کسی میں نہیں پاتا۔ صحابہؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! وہ کیسے پیدا ہوگی۔ فرمایا، وہ عاجزی، فروتنی اور انکساری سے پیدا ہوگی۔

اقلیم دل بزور مسخر نمی شود　　　این فتح بے شکست میسر نمی شود

دل کی حکومت طاقت سے فتح نہیں ہوتی، خود کو شکست دو گے تو دوسرے کا دل فتح ہوگا۔ حضرت سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوتے ہوئے بھی انتہائی سادہ زندگی گزارتے۔ گھر میں کھجور کے پتوں کا بچھونا ہوتا، جس پر سو کر اُٹھتے تو پتوں کے نشان جسم پر پڑ جاتے، کھانا سادہ بلکہ اکثر فاقہ رہتا۔ باہر صحابہؓ کی محفل میں بیٹھتے تو امتیازی شان سے نہ بیٹھتے۔ یہی حال حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دوسرے تمام خلفاء و صحابہ رضؓ کا تھا حضرت عمر رضؓ کا دور خلافت شان اور دبدبے کا تھا، مگر ان کی عاجزی میں کوئی فرق نہ آیا۔ حضرت علیؓ کا دور خلافت تھا کہ ایک اعرابی کا اُونٹ مر گیا تو دُور دراز کی منزلیں طے کرکے مدینہ پہنچا۔ دیکھا کہ ایک شخص مسجد کے صحن میں خشک روٹی پانی میں بگھو کر کھا رہا ہے۔ حضرت امام حسین رضؓ آپ کے لئے کھانا لاتے تو اعرابی نے کہا۔ اس کھانے میں اس شخص کو شریک کروں جو سوکھی روٹی کے ٹکڑے پانی میں بگھو کر کھا رہا ہے۔ حضرت امام حسین رضؓ نے فرمایا۔ یہی تو میرے والد اور خلیفۃ المسلمین ہیں۔ اعرابی یہ سادگی، یہ عاجزی، نفس کشی اور انکساری دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اتنی بڑی حکومت کا فرمانروا اور یہ سادگی! اسے بیت المال سے اُونٹ دے دیا گیا۔

۲۔ سخاوت اور مساوات

حضرت سلمان فارسیؓ قوی ہیکل، وجیہہ اور بارعب تھے۔ بیت المال سے آپ کو چار ہزار درہم ملتے، لیکن آپ اُنہیں غریبوں میں تقسیم فرما دیتے اور خود اپنے ہاتھ کی محنت پر گزارا کرتے۔ جب آپ مدائن کے حاکم تھے، اُس وقت بھی کھجور کی چٹائیاں بنا کر اپنی معاش پیدا کرتے۔ آپ کے پاس عبا تھی جس کو آدھی اوڑھ لیتے اور آدھی بچھا دیتے۔ عمر بھر مکان نہ بنایا۔ خادم کو کسی کام کے لئے بھیجتے تو خود اس کا کام کرتے، آٹا گوندھتے۔

۳۔ خوشامد پسند نہ کرنا

عالمگیرؒ بادشاہ ایک دن دہلی میں جمعہ کی نماز کے لئے گئے مگر کسی مجبوری کی وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ دیکھا تو امام مسجد بادشاہ کی آمد کا منتظر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مقررہ وقت پر نماز شروع کر دیتے میرا انتظار کیوں کیا اور امام صاحب کو برطاست کر دیا کہ جو امام احکام خداوندی کے مقابلے میں آداب شاہی کا لحاظ رکھے وہ امامت کے قابل نہیں ہے۔

۴۔ ایثار و قربانی

ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں قحط پڑا۔ غلہ کمیاب ہوا تو امام جعفر صادق رضؓ نے اپنے مختار کو بُلا کر پوچھا۔ اس نے کہا۔ غلہ بہت ہے اور ہمیں قحط و گرانی کی کوئی فکر نہیں۔ امام جعفر رضؓ نے فرمایا۔ سب غلہ اسی وقت ارزاں نرخ پر فروخت کر دو۔ وکیل نے غلہ کی گرانی اور قحط کی صورت حال کے پیش نظر پس و پیش کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا۔ نہیں جو حال سب کا ہوگا وہ ہمارا بھی ہوگا۔

۵۔ ایذا رسانی سے اجتناب

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں، اگر کوئی تمہارے راستے میں کانٹے بچھائے تو تم انہیں راستہ سے ہٹا دو، اگر آپ نے بھی جواب میں کانٹے بچھائے تو دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی یا الٰہی گلشن او دائما بے خار باد

۶۔ دوسروں کا احترام

عالم اسلام کے مشہور مبلغ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ کسی جگہ ایک حبشی

Marfat.com

مسلمان اور فرانسیسی غیر مسلم کام کر رہے تھے۔ اوپر کام پر جانے کے لئے سیڑھی عبور کرنا پڑتی تھی۔ ایک دن حبشی نے اپنے پیچھے فرانسیسی غیر مسلم کو راستہ دے کر آگے جانے کو کہا۔ فرانسیسی نے حبشی کا یہ رویہ دیکھا تو دل میں سوچا کہ اس شخص میں جو یہ اخلاق اور دوسروں کا احترام پیدا ہوا ہے، یہ اس کے دین کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور اس سے دینی تعلیمات سیکھنا چاہا۔ حبشی بے چارہ تعلیم نہ دے سکتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس لے آیا کہ آپ اسے اسلامی تعلیم سکھائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حبشی کے ذرا سے اخلاق نے اور تھوڑے سے رویے نے ایک غیر مسلم کے دل میں اسلام کی جو قدر و منزلت پیدا کی، وہ نہ وعظ پیدا کر سکے گا نہ مبلغ نہ مصنف۔

حصول اخلاق کی معاشی اہمیت

خالق کی خوشنودی اور مخلوق میں ہر دلعزیزی کے حصول کے لئے اخلاق سے بہتر اور مؤثر کوئی چیز نہیں، اگر انسان ہزار عالم فاضل اور زاہد ہو، مگر مخلوق خدا کے معاملے میں وہ اخلاقی اوصاف سے محروم ہے تو اس کا علم وفضل اور زہد و عبادت سارے کے سارے ہیچ ہیں۔ اعتقاد اور مذہب کے لحاظ سے انسان کیسا ہی عقیدہ و مذہب رکھے، لیکن اخلاق جو ہر ایک انسان کو انسانیت کے مرتبے پر سرفراز کر سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تعلیم پر سارا زور دیا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بیان ہوا۔ حضورؐ کی تمام تعلیمات اور اسلام کے تمام احکامات کا خلاصہ ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ "حسنِ خلق" ہے۔ ایک شخص نے تین مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ! دین کیا ہے؟ آپؐ نے تینوں مرتبہ یہی جواب دیا۔ اخلاق۔ حضورؐ کا فرمان ہے۔ الاسلام تعظیم امر اللہ و الشفقۃ علی خلق اللہ۔ آپؐ کا ارشاد ہے بری خو عبادات کو ایسے کھاتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔ مخلوق بمنزلہ اولادِ خالق ہے جو اس کی مخلوق سے پیار کرے گا خدا اس سے پیار کرے گا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

ے خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

انسان بالطبع مختلف اوصاف و اخلاق کا مجموعہ ہے، لیکن وہ تمام مخلوقات میں صاحبِ اختیار اور صاحبِ ارادہ بھی ہے۔ اسے فجور کے ترک اور تقویٰ کے اختیار کا اختیار بھی دیا ہے۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ انسان میں فجور، برائیوں اور تقویٰ، اچھائیوں کی تمیز، فرق اور اختیار کی خاصیت رکھی ہے۔ اسے اختیار ہے کہ بداخلاقی، برائی اور فسق و فجور کا راستہ اختیار کر کے انسانیت کی پستیوں میں اُتر جائے یا تقویٰ، نیکی اور اعلیٰ اخلاق اوصاف سے متصف ہو کر انسانیت کی معراج پر پہنچ جائے۔

ہماری جیتی جاگتی زندگی میں ہم روزانہ ملاحظہ و مشاہدہ کرتے ہیں، جنہوں نے اخلاق و کردار کو اپنایا وہ حیوانیت کی سطح سے اُبھرے تو انسانیت کی معراج پر پہنچے۔ حضورؐ کے صحابہ کرامؓ، حضرت ابراہیم ادھم، خواجہ فضیل بن عیاض، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، اورنگ زیب عالمگیرؒ، بایزید بسطامیؒ، خواجہ اجمیریؒ اخلاقی بلندی کے تاریخی کردار ہیں۔ اس کے برعکس حضرت آدمؑ کے بیٹے قابیل، حضرت نوحؑ کے بیٹے کنعان، حضرت یعقوبؑ کے بیٹے برادرانِ یوسفؑ باوجود پیغمبر زادگان کے افعالِ قبیحہ اور اخلاقِ ذمیمہ کے باعث قعرِ مذلت میں جا گرے۔

اخلاقی نصیحتیں

اخلاق کے حصول میں اتنی کوشش کی ضرورت نہیں، بس اتنی احتیاط کرنا پڑتی ہے کہ انسان دوسروں کے لئے جو گفتگو اور طرزِ عمل اختیار کرنا چاہے، پہلے سوچ لے کہ اگر یہ گفتگو اور طرزِ عمل میرے ساتھ کیا جائے تو میرا ردِ عمل کیا ہوگا اور اگر کوئی اس سے برائی کرے تو اُسے معاف کر دیا جائے۔ ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینک وبینہٗ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔ دوسروں کی بُرائی کو نیکی سے دُور کرو، اگر ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے خون کے پیاسے دشمن تمہارے جانثار دوست بن جائیں گے۔ ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند کا اخلاقی اصول بہترین اصول ہے۔ کسی دانا کا قول ہے۔ تمیز کرنا لاکھ فصاحت و بلاغت سے بہتر ہے اور یہ کہ اس دنیا میں نیک چلنی کا راستہ دوسری دنیا میں نجات کی سڑک بنتا ہے۔ جس گھر میں ناہنجار بیٹا، نافرمان عورت، نافرمان نوکر ہو وہ گھر نہیں سانپوں کی بانبی ہے۔ بدکار افرادِ خانہ اور اولاد سے لاولد ہونا بہتر ہوتا ہے۔

ایک شخص کا نہایت مہذب مجلس میں تعارف کرایا گیا۔ تمام اہلِ مجلس اس کی گفتگو سے مسرور و محظوظ ہوئے، مگر اس میں یہ نقص تھا کہ وہ روزانہ مجلس میں سب سے آخر میں اُٹھتا۔ ایک شخص سے نہ رہا گیا۔ پوچھا، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ میرا تجربہ ہے کہ لوگ مجلس میں پہلے اُٹھنے والے کے پیچھے برائی بیان کرتے ہیں۔ میں اس لئے سب سے آخر تک بیٹھا رہتا ہوں تاکہ کسی کو میری برائی اور غیبت کرنے کا موقع نہ ملے۔ انسان کو اپنے ذاتی اوصاف، خاندانی حالات اور کارناموں پر جتنی کم گفتگو کرنا چاہیئے، اتنا ہی اس کے لئے بہتر ہوگا۔ کیونکہ جو کچھ بھی تم دوسروں سے بیان کرو گے اس کا یہی مطلب ہوگا کہ تم ان کی تحسین چاہتے ہو اور اپنی برتری ان پر ثابت کرنا چاہتے ہو۔

نصائح اخلاق

انسان کا لباس، اُس کی سوسائٹی اور چال چلن، اُس کے اخلاق و کردار کے سرٹیفکیٹس ہوتے ہیں۔ جاہل دولت و مرتبہ سے آدمی کی بڑائی کو ناپتے ہیں اور دانا و سمجھدار کسی کی نیک چلنی سے اچھے بُرے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ کسی بادشاہ نے وزراء سے مشورہ کیا کہ تغیرات زمانہ سے بعید نہیں کہ میری سلطنت چھن جائے اس لئے چاہتا ہوں کہ اولاد کو کوئی ہنر سکھا دوں تاکہ حکومت چلی بھی جائے تو فکر معاش کسے لئے ہُنر کے ذریعہ شکم پُری کر سکیں۔ سب سے مشورہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ ولیعہد کو علم سکھایا جائے اور باقی شہزادوں کو آہنگری، نجاری، نقاشی اور معماری سکھائی جائے۔ ایسا ہی کیا گیا اور روپیہ کمانے کے لئے سب کا امتحان لیا گیا کہ کون اپنی زندگی میں فکر معاش سے بے فکر رہ سکتا ہے اور کیا کچھ کما سکتا ہے۔ میعاد مقرر کر کے سب شہزادوں کو روپیہ کما کر لانے کا حکم دیا گیا۔ دوسرے شہزادے پیشوں کے ذریعہ جلدی روپیہ کما لائے، سوائے عالم شہزادے کے، جو بازاروں میں علم کے موتی لٹا کر روپیہ کمانا چاہتا تھا، مگر کسی نے توجہ نہ دی کسی نے پاگل کہا، کسی نے خبطی، صبح سے شام تک نہ اس کا علم کام آیا نہ روپیہ کما سکا، نامراد و ناکام واپس آیا تو بادشاہ (والد) سے شکایت کی کہ مجھے علم سکھا کر آپ نے بھوکوں مروایا اور فاقہ کشی کی زندگی میں دھکیل دیا بلکہ لوگ اُلٹا مذاق اڑاتے ہیں، بے عزتی کرتے ہیں۔

تمثیل

دوسرے دن بادشاہ نے بے بہا اور بیش قیمت موتی دے کر کہا۔ جاؤ اسے فروخت کر کے روپیہ لاؤ، لیکن جوہر ناشناسوں کے اس بازار اور شہر میں کسی نے بھی نہ خریدا۔ کسی نے اس کی قدر و قیمت

Marfat.com

نہ پہچانی۔ کسی نے کانچ کہا، کسی نے محض پتھر کا ٹکڑا۔ وہ پھر غمگین و مایوس واپس آیا اور بادشاہ سے پھر شکایت کی۔ بادشاہ نے کہا۔ جانِ پدر غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، تمہارے علم کی قدر و قیمت کا اندازہ تجھے اور تیری طرح کے علم و دانش رکھنے والوں کے پاس ہے۔ تمہارا علمی کمال لوگوں کی اور تمہاری اصلاح کر سکتا ہے، دولت نہیں دے سکتا۔ کمال اور اقبال ایک جگہ جمع نہیں ہوتے۔

مثل مشہور ہے کہ انسان اخلاق سے بنتا ہے۔ عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہے۔ جو لوگ اپنے ناپاک اخلاق کا بُرا نمونہ پیش کرتے ہیں وہ نہ صرف اپنی زندگی تباہ کرتے ہیں بلکہ نظامِ قدرت میں بھی بدنظمی پھیلانے کے مجرم ہوتے ہیں۔

دلِ خلق از خُلقِ خوش رام کن	جہاں در جہاں است و آرام کن

وما علینا الا البلاغ

Marfat.com

نیکی کے ذاتی اور معاشرتی فوائد

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ۔ الاعراف	نیکی کی تعریف۔ نیکی کے چار دائرے (۱) ایمان و عقائد (۲) انسانی حقوق (۳) عبادات، (۴) ذاتی اوصاف۔
۲	نیکی پہ خدائی انعامات	ضائع نہیں ہوتی۔ مصیبتوں سے نجات۔ بخشش پاک زندگی کا عطیہ۔ صحابہؓ کو نیکو کاریوں کا بدلہ۔ عذاب سے نجات۔ اطمینان قلب۔ حقیقی نیکی برائی کا بدلہ نہ لینا ہے۔
۳	نیکو کاروں کے درجات	انبیاء کے مدارج۔ خدا کی محبت۔ مخلوق کے دلوں میں عزت و تکریم۔ صحابہ کرامؓ کے دنیاوی و اخروی منافع۔
۴	واقعات و امثال	حقیقی نیکی کرنے کیلئے باپ کا بچوں سے نیکی کا انعام۔ حضرت جنید بغدادیؒ

Marfat.com

نیکی کے ذاتی اور معاشرتی فوائد

آیت معہ ترجمہ

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ (الاعراف: ۹۶) اگر بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور نیکو کاری و پرہیزگاری اختیار کر لیتے تو ہم آسمان اور زمین کے خزانے ان پر کھول دیتے، لیکن جب وہ جھٹلاتے ہیں تو ہم انہیں ان کے اعمال کے مطابق پکڑ لیتے ہیں۔ انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب کی گرفت میں لے لیا۔

تفسیر و تشریح

نیکی کے ذاتی اور معاشرتی فوائد پر بحث سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ نیکی بذاتِ خود کیا چیز ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور نیک لوگوں کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں ان کی تفصیل سورۂ بقرہ میں یوں ہے: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ یہ نیکی نہیں کہ آدمی مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی خدا پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی بھیجی ہوئی کتب پر اور رسُل کے بھیجے ہوئے نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا مال خرچ کرے خدا کی محبت میں۔ رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مجبوروں و معذوروں پر، مسافروں پر، حاجتمندوں پر، غلاموں مقروضوں کی گردنیں چھڑانے پر، زکوٰۃ کی ادائیگی پر۔ وعدوں کی پابندی کرے جب کسی سے وعدے کرے۔ خدا پر ایمان اور اُس کے دین کے راستے میں آنے والی تکالیف، آزمائشوں اور مصائب میں صبر کرے۔ یہی لوگ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں اور یہی اوصاف رکھنے والے نیکوکار ہیں۔

نیکی اور نیکوکاری کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے چار قسم کے دائروں میں بانٹا ہے۔ سب سے پہلے ایمان اور عقیدہ ہے۔ دوسرا حقوق انسانی کا اور تیسرا ذاتی اوصاف و اخلاق کا ہے۔ ان سب کے مجموعے کا نام نیکی اور نیکوکاری ہے۔

Marfat.com

۱۔ ایمان اور عقیدے
ایمان کے لحاظ سے یہ عقیدہ ہو کہ اس کا خدا کی ہستی پر یقین ہو۔ اس کے ملائکہ پر یقین ہو۔ اس کی طرف سے بھیجی جانے والی کتب آسمانی کی سچائی پر یقین ہو اور یہ یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے والے تمام انبیاءؑ کی سچائی اور صداقت پر ہو کہ یہ سچے ہیں اور ان کا ہر قول و فعل واجب اطاعت اور عمل ہے۔

۲۔ حقوق
حقوق کے سلسلہ میں نیکی یہ ہے کہ معاشرتی اعتبار سے اس کا سلوک، رشتہ داروں پر اپنا مال خرچ کرتا ہو اور یہ مال خرچ کرنا محض اللہ کی محبت اور خوشنودی کے لئے ہو۔ یہ تمام افراد یتیم، معذور، مجبور، راستے کے مسافر، حاجتمند افراد، سوال کرنے والے، مالی اعتبار سے دوسروں کے زیر بار لوگ، قیدی، غلام اور مقروض پر مال خرچ کرے۔ ان کی دستگیری کرے اور ان کی ضروریات و حاجات کا خیال رکھے۔

۳۔ عبادات
عبادات میں نماز کے نظام، قیام مساجد نہ صرف خود نماز ادا کرے بلکہ ان کے قیام یعنی مساجد کی تعمیر اور ضروریات کا خیال رکھے اور وہ تمام کوششیں جنہیں نماز کی باجماعت ادائیگی میں آسانی پیدا ہو۔

۴۔ زکوٰۃ
نماز کے بعد عام صدقہ و خیرات سے الگ جس کے خرچ کرنے کے مقامات بتائے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے زکوٰۃ کی ادائیگی بھی معاشرے کے انہیں افراد کو کی جائے گی جو غریب، نادار اور مفلوک الحال ہوں گے۔

۱۔ ذاتی اوصاف
مندرجہ بالا خدا اور رسولؐ کے حقوق اور انسانی حقوق کے بعد اس کے ذاتی اوصاف یہ ہوں کہ وہ اپنے وعدے کا پابند ہو، خواہ وہ وعدہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا ہو یا کاروباری نوعیت کے معاہدے ہوں یا انفرادی طور پر روزمرّہ کے معاملات میں ہونے والے وعدے ہوں، ان کو پورا کرے تاکہ اس کی ذات اور بات پر اعتبار قائم رہ سکے۔

۲۔ صبر، حوصلہ، برداشت
دوسرا اس میں ذاتی وصف یہ ہو کہ اس میں برداشت، تحمّل اور صبر کا مادّہ ہو کہ جب بھی نیکی یا دین کے راستہ میں اس پر کوئی تکلیف، سختی، دشمنی یا خدا کی طرف سے ایسی کوئی آزمائش آجائے جو جان و مال کے نقصان کا موجب ہو یا بیماری آجائے تو ان تمام حالات میں صبر و ثبات اور استقامت کے ساتھ اپنے عقیدے، نظریے اور نیکوکارانہ طرز عمل پر پریشان نہ ہو اور نہ مایوس ہو کر دین اور نیکی کے راستہ کو چھوڑ بیٹھے۔ ان چاروں قسم کے مجموعے کو اللہ نے نیکی کا نام دیا ہے اور انہیں اپنانے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوئ ایمان میں سچا اور واقعی نیکوکار اور تقویٰ دار بتایا ہے۔

عقائد، عبادات، حقوق اور ذاتی اوصاف کے یہ تینوں موضوعات انتہائی اہم ہیں اور اپنے اپنے مقامات پر ہمارے مضامین میں تفصیلی بحث کے ساتھ موجود ہیں۔ سوچا جائے تو نیکی کی یہ تعریف اور اس کے یہ چاروں اجزاء جب انسانی سوسائٹی کے ہر فرد میں پیدا ہو جائیں تو وہ سوسائٹی صالح افراد کی سوسائٹی اور مجموعہ کہلاتی ہے اور ہماری زیر موضوع

Marfat.com

آیت میں خداوند تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ کے الفاظ میں ان تمام دائروں اور ان کی تفصیلات کو سمیٹ کر بتایا ہے کہ جب کسی انسانی سوسائٹی میں ان خوبیوں کے حامل لوگ موجود ہوں یا بستیوں میں پائے جائیں تو ایسے صالح معاشرے اور اس بستی کے لوگوں پر خداوند تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ایسے لوگ اور شہر کائنات کی زینت اور دنیا کی قیمت ہوتے ہیں اور اللہ کے وعدے کے مطابق یہ بستی اور یہ معاشرہ جب مدینہ منورہ میں تیار ہوا تو آسمانی اور زمینی برکتوں کا جو نزول ہوا وہ اسلام کے دورِ اوّل کا وہ باب ہے جو تاریخ اور واقعات کی دنیا میں آج ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

اور جب سرعنوان آیت کے مطابق ایمان کے زبانی دعویٰ کے برعکس عملی طور پر نیکی کے اوصاف کو جھٹلایا، ان سے روگردانی اختیار کر لی تو آج ہم اپنی بداعمالیوں کے نتیجہ میں خدا کی گرفت میں آئے ہوئے ہیں۔ جہاں جہاں مسلمان پائے جاتے ہیں وہ مغلوب، مقہور اور مردود ہیں، خود اپنے ہاتھوں بھی اور دوسری اقوام کے ہاتھوں بھی پٹ رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں چھوٹے پیمانے پر ہر گھر اور ہر بستی، نفرتوں، دشمنیوں اور باہمی سرپھٹول کا شکار ہے، اطمینان و سکون کہیں بھی نہیں ہے۔

نیکی پر خدائی انعامات و نتائج

نیکی یا نیکوکاری کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اللہ کے ہاں اس کے لئے جو وعدہ ہے اس کا ذکر ہمارے عنوان کی آیت میں موجود ہے جس کی تھوڑی سی تفصیل اوپر بیان ہوئی ہے۔ سورۂ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور نیکوکاری و پرہیزگاری کا راستہ اپناتا ہے اللہ اُس کی مصیبتوں سے چھٹکارے کا راستہ نکال دیتا ہے اور اسے اس جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ نیکی کے راستہ میں بے شک مشکلات آتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان سے بچاؤ کے راستے بھی اُسے سُجھا دیتا ہے اور وہ بچ نکلتا ہے اور اسے ایسے ایسے ناممکن ذرائع سے رزق دیتا ہے جس کا کوئی حساب ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے، مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ جو مرد اور عورت ایمان کے ساتھ نیک عمل کریں تو اسے پاک وصاف اور بہترین زندگی عطا کرتے ہیں — نیکی و نیکوکاری بجائے خود پاک و طیب زندگی ہوتی ہے، مگر اللہ اسے ایسے حالات اور ایسی معاشرت عطا فرماتے ہیں کہ اس کی نیکوکاری کی راہیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سورۃ الحج میں فرمایا گیا ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بخش دیتے ہیں اور باعزت رزق دیتے ہیں۔

نیکی کے اثرات انسان کی اپنی ذات تک محدود نہیں ہوتے بلکہ انسان کی نسلوں تک اللہ تعالیٰ ان اثرات انعامات کو پھیلا دیتے ہیں اور خداوند تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی اولاد کا خیال فرماتے ہیں، سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ (کہف: ۸۲) دیوار کا قصّہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے

Marfat.com

ہیں جن کا خزانہ اس دیوار کے نیچے دفن ہے۔ ان کا باپ نیک شخص تھا تو تیرے رب کا ارادہ ہوا کہ یہ یتیم جوان ہو کر تیرے رب کی رحمت سے اسے نکال لیں۔ معلوم ہوا کہ والدین کی نیکی کی وجہ سے اولاد بھی خدا کی رحمت سے فیضیاب اور فائدہ مند ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خاندانی بزرگ جس کی نیکی کی وجہ سے اس کے خاندان کے یتیم بچوں کے خزانہ کو خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کے ذریعہ دیوار کی مرمت کرا کر محفوظ کرایا تاکہ جوان ہو کر اسے نکال سکیں ـــــ ان یتیم بچوں کی نسل کی ساتویں پشت سے تعلق رکھتے تھے۔ ساتویں پشت کے بزرگ کی نیکی کا اتنا خیال رکھا گیا کہ اس خاندان کے یتیم بچوں کے خزانہ کو محفوظ فرمایا گیا۔ نیکی کے دُور رس اثرات اور افادیت کا یہ ثبوت خود خداوند کریم نے فراہم فرمایا ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ جب میری اطاعت اور تابعداری کی جاتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں اور برکت دیتا ہوں اور میری برکت کی انتہا نہیں ہوتی اور جب میری نافرمانی کی جاتی ہے تو غصے ہوتا ہوں، لعنت کرتا ہوں اور میری لعنت سات پشتوں تک پہنچتی ہے۔ نیکی کا پھل یہی نہیں کہ دنیا میں اُسے اور اس کی اولاد تک ملتا ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اس کے کام آتی ہے، جنّت میں لے جاتی ہے اور قبر کے عذاب سے نجات دلاتی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے ایک حدیث لیلۃ المبارکہ میں روایت کی ہے کہ حضورؐ ایک دفعہ باہر تشریف لائے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ میں نے گزشتہ رات عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ عذاب کے فرشتوں نے اسے گھیر رکھا ہے تو اس کا وضو اسے چھڑاتا ہے۔ عذابِ قبر اس پر پھیلایا جا رہا ہے تو اس کی نماز آکر اُسے چھڑاتی ہے۔ پیاس کے مارے زبان نکل رہی ہے تو رمضان شریف اس کی پیاس بجھاتا ہے۔ اُمتی کو چاروں طرف سے اندھیرا گھیر لیتا ہے تو اس کا حج و عمرہ اسے اندھیرے سے نکالتا ہے۔ روح قبض کرنے کو ملک الموت آتا ہے تو ماں باپ کی خدمت اور احسان کام آتا ہے۔ آگ کے شعلے اس کی طرف بڑھتے ہیں تو صدقہ و خیرات آکر سایہ اور پردہ بن جاتے ہیں۔ آگ کے شعلوں میں پھینکا جا رہا ہے تو خدا کے خوف سے نکلنے والے آنسو اسے بچاتے ہیں۔ نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوتا ہے تو اس کے وفات یافتہ چھوٹے چھوٹے بچے اس میں وزن ڈالتے ہیں۔ پل صراط پر پاؤں نہیں جم سکتے تو اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجا ہوا درود اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ جنت کے دروازے بند ہوتے ہیں تو کلمہ شہادت نے ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرا دیا ـــــ یہ تمام نیکیاں ہیں جو اسے مختلف عذابوں سے بچاتی ہیں اور مرنے کے بعد بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں اس کا ساتھ دیتی ہیں۔

سورۂ مریم میں ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا۔
جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیکیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پیارے بنا دیتا ہے، انہیں اپنی محبت عطا کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ کسی سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے اور فرشتوں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اس شخص سے محبت کرو۔ پھر اس کی آسمانی محبت و مقبولیت زمینوں پر اُتاری جاتی ہے تو زمین والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور یہی

حال خدا کی ناراضگی کا ہوتا ہے کہ خدا جبرئیل علیہ السّلام فرشتے اور زمین کی مخلوق اس سے نفرت کرتی ہے۔ نیک سعی کرنے والوں سے خدا کی محبت اور فرشتوں کی محبت اور زمین والوں کی محبت اُس کی موت کے بعد صدیوں تک لوگوں کے دلوں میں عقیدت اور احترام کی صورت میں باقی رہتی ہے اور یہ بات خدا کے نیک بندوں کے ساتھ آج تک عقیدت کے اظہار کے طور پر ثابت ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جب مُردے کو قبر میں اُتارا جاتا ہے تو نمازی ہُوا تو اُس کی نماز اس کے سرہانے کھڑی ہو جاتی ہے۔ روزہ دار ہُوا تو روزہ دائیں طرف کھڑا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ دی ہو تو وہ بائیں طرف کھڑی ہوتی ہے اور اس کی دوسری تمام نیکیاں صدقہ و خیرات، لوگوں کے ساتھ بھلائی، خیر خواہی، ہمدردی اس کے پاؤں کی طرف کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور اسے چاروں طرف سے آنے والے عذاب سے بچاتے ہیں، جب اُسے وہاں بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لہٗ معقبٰتٌ من بین یدیہ ومن خلفہٖ یحفظونہٗ من امر اللہ۔ نیک اعمال اُس کے آگے پیچھے کھڑے ہو کر خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں

خدا کے ذکر سے انسان کو قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اللہ کے ذکر ہی سے اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ سکون اور راحت ملتی ہے ــــــ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جو لوگ مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تھے اُن کے بدن پر صرف تن کے کپڑے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ انہی مہاجروں میں سے تھے جنہیں حضورؐ نے حضرت سعد بن ربیعؓ کا بھائی بنایا تھا۔ وہ انصار میں سے مالدار ترین شخص تھے۔ انہوں نے اپنا مال آدھا کر کے انہیں پیش کیا اور اس حد تک کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر اُن سے نکاح پر بھی تیار ہوئے تھے، مگر اُنہوں نے تشکریے کے ساتھ انکار کر دیا اور تجارت کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت سعدؓ انہیں قینقاع کے بازار لے گئے اور تاجروں سے متعارف کرایا۔ اُنہوں نے گھی اور پنیر کی معمولی دکانداری سے کاروبار کا آغاز کیا۔

اُن کے نیک اعمال کا اللہ نے یہ بدلہ دیا کہ تھوڑے عرصہ میں کروڑپتی ہو گئے۔ جہاد میں شریک ہوتے تو سر کٹانے سے دریغ نہ کرتے۔ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات میں لاکھوں خدا کی راہ میں لُٹاتے۔ ایک ایک دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ پر اپنی جائیداد چالیس ہزار دینار پہ فروخت کی تو یہ ساری رقم خدا کی راہ میں لُٹا دی۔ سورۂ براءت نازل ہوئی تو حضورؐ نے صحابہؓ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی جس پر نصف مال صدقے میں دے دیا۔ ایک دفعہ جہاد کے موقعہ پہ پانچسو گھوڑے اور پانچسو اُونٹ پیش کئے۔ غزوۂ تبوک کے موقعۂ جہاد کی اپیل پر چالیس ہزار درہم دیئے۔ خدا کی راہ میں اتنا کچھ دینے کے باوجود ڈرتے رہتے کہ کہیں دولت کی بُرائیاں نہ لپیٹ جائیں ـــ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مال کی یہ کثرت مجھے تباہ نہ کر دے۔ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ آیا۔ سات سو اُونٹ تجارتی سامان سے لدے ہوئے تھے۔ مدینہ میں اس تجارتی سامان کا غُل مچ گیا۔ اُنہوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا یہ فرمان سُنا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ عبدالرحمٰن رینگتے ہوئے جنّت میں جائیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ـــــــ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب تجارت

Marfat.com

کا سامان ہی نہیں سات سو اونٹ ان کے پالانوں سمیت خدا کی راہ میں وقف ہیں۔ اتنے بڑے تجارتی قافلے اور سامان پر نہ جانے کتنا منافع ہوتا۔ وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ یہ ساری تجارتی اور کاروباری کامیابی اور برکت ان کے ذاتی نیک اعمال اور تجارتی دیانتداری کے باعث تھی۔ اسلام پر قائم رہنے، جہادوں میں شرکت اور صدقات میں یہ فیاضی رائیگاں نہ گئی۔ اللہ نے دنیا میں خوب بدلہ دیا۔ وفات کے بعد بھی اصطبل میں ہزار گھوڑے، ایک ہزار اونٹ، دس ہزار بکریاں تھیں، مال تجارت اس کے علاوہ تھا۔

اسی طرح حضرت زبیرؓ بن عوام کے جسم پر انچ انچ بھر جگہ بھی جہاد کے زخموں سے خالی نہ تھی۔ وہ بھی مہاجرین کر آئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی نیکیوں کا بدلہ ایسا دیا کہ وہ بھی مدینہ منورہ کے مالدار ترین صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی وفات جب ہوئی تو ایک ترکہ کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔ ایک ہزار گھوڑے اس کے علاوہ تھے۔ اسی طرح حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کی روزانہ آمدنی صرف عراق سے ایک ہزار دینار روزانہ تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت اُن کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار تھے، دس لاکھ درہم تھے۔ جائیداد اور گھوڑے اس کے علاوہ تھے۔ زید بن ثابتؓ کے پاس ایک لاکھ دینار کی جائیداد تھی۔ سونے چاندی کی اینٹیں تھیں۔ ان تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مالداری، خوشحالی اور مالی اعتبار سے اطمینان ان کی نیکیوں، اسلام کے لئے ہجرت، جہاد میں شرکت اور اخلاق و کردار و صدقہ و خیرات کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں انعام فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی اتنا بدلہ دیا جس کا کوئی حساب نہ تھا۔ من یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ۔ یہ سب صحابہ کرامؓ امین و صادق تھے نیکوکار و پرہیزگار تھے۔ سمگلر نہ تھے نہ ناجائز ذرائع سے یہ سب کمایا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کا مرتبہ

حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون سے عمل نے خلیل اللہ کے مرتبے پر سرفراز فرمایا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ تین اعمال کی وجہ سے مجھے یہ مرتبہ ملا۔ (۱) میں نے خدا کے حکم کو غیر کے حکم پر مقدم رکھا۔ (۲) جس چیز۔ رزق کی ضمانت خدا نے دی ہے۔ اس کے حصول کا اہتمام نہیں کیا۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون۔ تمہارا رزق آسمانوں میں ہے جس کے پہنچانے کا تم سے خدا کا وعدہ ہے۔ (۳) میں نے مہمان کے بغیر کبھی بھی اکیلے کھانا نہیں کھایا ـــــ خدا کے احکام کی پابندی، خدا پر توکّل، مہمان نوازی و سخاوت نیکیاں ہیں اور ان نیکیوں نے انہیں خلیل اللہ کے درجے تک پہنچایا۔

واقعات و امثال

حقیقی نیکی

نیکی کی تعریف جو قرآن کریم کی آیت سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی اور مضمون کے دوران جن کا ذکر ہوا ہے ان سب کو ذہن میں رکھ کر اس واقعہ میں بیان ہونے والی نیکی کو اختیار کیا جائے جو سب سے مشکل ترین نیکی ہے، جس کا اظہار و ارتکاب صاحبِ عزیمت اور صاحبِ دل لوگوں کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے جنہیں اپنے پر قابو ہوتا ہے اور خدا کے خوف سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ وہ نیکی معافی و درگذر ہے۔

Marfat.com

بُرائی کے بارے میں اچھائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینک وبینہٗ عداوۃ کانہٗ ولیٌ حمیم۔ برائی کو نیکی کے ذریعہ روکو۔ بُرائی کا دفاع نیکی کے ذریعہ کرو۔ جب تم ایسا رویہ اختیار کرو گے تو اس کے نتائج یہ نکلیں گے کہ تمہارے جانی دشمن بھی تمہارے جاں نثار دوست بن جائیں گے۔

ایک بوڑھے نے اپنے تینوں بیٹوں میں اپنی تمام جائیداد مساوی طور پر تقسیم کردی اور ایک قیمتی موتی انہیں دکھا کر کہا کہ اس موتی کا مستحق وہ شخص (لڑکا) ہوگا جو میری زندگی کے باقی دنوں میں سب سے بہتر نیکی کا کام کرے گا چند دنوں بعد ایک بیٹے نے آکر خود کو اس موتی کا مستحق اس نیکی کے عوض ٹھہرایا کہ ایک شخص نے اس کے پاس امانت کے طور پر پانچ ہزار درہم رکھے تھے۔ کوئی تحریر یا گواہ موجود نہ تھا، لیکن اس کے باوجود اُس کے طلب کرنے پر میں نے وہ رقم اُسے واپس کردی اور امانت میں خیانت کا مرتکب نہیں ہوا۔ لہٰذا میں اس نیکی کے بدلے میں موتی کا مستحق ہوں۔ بوڑھے باپ نے کہا۔ بیشک تم نے نیکی کی ہے مگر دوسرے بھائیوں کی نیکی کا انتظار کرو، اگر انہوں نے اس سے بہتر نیکی کا کام انجام نہ دیا تو مرتے وقت یہ موتی تمہارا ہوگا۔ چند دنوں بعد دوسرا بیٹا آیا اور اپنی نیکی کی تفصیل بیان کی کہ میں نے ایک لڑکے کو جو پُل سے گر کر دریا کی لہروں میں ڈوب رہا تھا، اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بچالیا۔ انسانی جان کو بچانے سے بڑھ کر اور نیکی کیا ہوسکتی ہے، لہٰذا مجھے موتی دیا جائے۔ بوڑھے باپ نے کہا۔ انسانی ہمدردی اور اس کے بچاؤ کا یہ فعل واقعی اہم ہے، لیکن تیسرے بیٹے نے اس سے بھی بہتر کوئی نیک عمل انجام نہ دیا تو یہ موتی تمہیں دے دیا جائے گا۔ چند دنوں بعد تیسرا بیٹا آیا۔ اُس نے آتے ہی موتی طلب نہ کیا اور نہ اپنے کارنامے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا بلکہ اپنی کارگزاری بیان کی کہ میرا ایک جانی دشمن شراب کے نشے میں پہاڑ کی بلندی پر مخمور و بیہوش پڑا تھا کہ اگر ذرا سی حرکت کرتا تو اس بلندی سے گر کر دُور نیچے اس گہرائی میں جا پڑتا، اس کی ہڈی پسلی بھی سلامت نہ رہتی یا میری ذرا سی ٹھوکر اُسے نیچے گہرائی میں لڑھکا سکتی تھی، لیکن میں نے ایسا کرنے یا اسے موت کے منہ میں پڑا رہنے کی بجائے اُٹھایا اور اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ لیا تاکہ اُس کی دشمنی کے برعکس میری اس نیکی سے وہ شرمندہ نہ ہو۔ اسے اپنی پیٹھ پر لاد کر اس کے گھر چھوڑ آیا۔ بوڑھے باپ نے اپنے بیٹے کی نیکی اور اس کے باوجود اپنے احسان کو چھپانے اور اسے شرمندگی سے بچانے کے بے غرض واقعہ کو سُن کر اُسے داد دی اور موتی اس کے حوالے کر دیا کہ تم اس کے مستحق ہو، حقیقی نیکی یہی ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا　　اگر مردی احسن الی من اسا

خود برائی کا بدلہ دینا آسان ہے، لیکن اگر تم مرد ہو تو جس سے بُرائی مُلے اس کے ساتھ نیکی کرو۔ سوچا جائے تو نیکی انفرادی طور پر بجائے خود اپنی قدر و قیمت رکھتی ہے۔ اس کا اجر اور بدلہ بھی خدا کے ہاں ہے، دنیا و آخرت میں مل کر رہتا ہے، مگر تحمل و بردباری، عفو و درگذر ایک ایسی نیکی ہے کہ جس سے دنیا تمام بُرائیوں سے پاک ہوسکتی ہے۔ دشمنیاں مٹ سکتی ہیں۔ نفرتیں دُور ہوسکتی ہیں۔ ہم لوگ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے قابل ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح بُرائیوں کا سدِباب ہوگا، مگر اس سے دشمنیوں کی آگ اور نفرتوں کی آندھیاں اور بھی پھیلتی ہیں اور دنیا امن و

آشتی کا گہوارہ بننے کی بجائے دوزخ کا ٹھکانہ بن جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے دَور کے بہت صوفی، عابد و زاہد اور اللہ کے نیک بندے تھے۔ انہیں یہ مرتبہ، یہ عزت و احترام و عقیدت اور مخلوق کے دلوں میں قدر و منزلت کیسے حاصل ہوئی کہ آج ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ عقیدت کا یہ تعلق باقی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ ولیوں اور نیکو کاروں کی صنف میں شامل ہونے سے پہلے شاہی پہلوان ہوا کرتے تھے۔ سپاہ گری کے فنون میں طاق اور پہلوانی میں تم سے زیادہ طاقتور تھے۔ ایک دن ایک دُبلے پتلے اور کمزور سے شخص نے اپنی پہلوانی کا دعویٰ کر کے بادشاہ کے درباری پہلوان جنید بغدادی سے لڑنے کا چیلنج کر دیا۔ سب نے سمجھایا کہ اپنی موت کو دعوت نہ دو، اس نحیف و نزار جسم کے ساتھ تم کیا مقابلہ کر سکو گے، مگر وہ نہ مانا۔ آخر دنگل کا اعلان ہوا۔ جب حضرت جنید بغدادیؒ مقابلے میں آئے اور ہاتھ پنجہ ہوا تو اس شخص نے آپ کے کان میں کہا۔ میں سید ہوں اور مفلس و محتاج ہوں، آگے تمہاری مرضی ہے۔ حضرت جنید لڑتے لڑتے گر پڑے۔ بادشاہ کو یقین نہ آیا کہ میرا پہلوان بھی ہار سکتا ہے۔ آخر دوبارہ اور سہ بارہ کشتی ہوئی۔ آپ ہر بار چاروں شانے چت گر پڑے۔

آخر بادشاہ نے اس شخص کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا اور حضرت جنیدؒ کو بلا کر پوچھا۔ سچ سچ بتاؤ ایسا کیوں ہوا۔ آپ نے اصلی بات بتا دی کہ میں نے عزت، شہرت اور فن کو برباد کر کے ایک سید زادے کو کامیاب کرا کر عزت بھی دی اور اسے انعام کا مستحق قرار دے کر اس کی مفلسی اور غریبی کا مداوا کر دیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا اتنا بڑا ایثار اور یہ قربانی فی الحقیقت بہت بڑی نیکی تھی اور اصلی و حقیقی پہلوانی بھی تھی۔ اسی رات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جنیدؒ نے خواب میں دیکھا اور انہوں نے فرمایا۔ جنیدؒ تم نے میری اولاد کے ساتھ یہ سلوک کر کے میرے حسن سلوک کا خود کو مستحق بنا دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک یہ ہوا کہ آپ بادشاہی اعزاز و احترام چھوڑ کر خدا کے بندوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آخر اپنے ماموں حضرت سریؒ سقطیؒ سے بیعت کر کے اس مقام و مرتبہ تک پہنچ گئے۔ خود ذلت گوارا کی، مگر دوسروں کو عزت بخشی، یہ بہت بڑا اعزاز تھا اور بہت بڑی نیکی تھی، جس کا بدلہ اللہ نے اور اللہ کے رسولؐ نے انہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور یہ وعدہ ہے کہ لا یضیع اجر المحسنین۔ نیکو کاروں کا بدلہ اور اجر ضائع نہیں ہوتا ـــــ سورہ محمدؐ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ـ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ـ جو لوگ میرے راستہ میں قتل ہوتے ہیں اُن کا عمل ضائع نہیں ہوتا، انہیں ہدایت کے راستہ پر ڈال دیا جاتا ہے اور اعمال کی اصلاح ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں معروف جنتوں میں انہیں داخل کر دیا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی نفسانی خواہشات، اپنی شہرت، اپنی عزت اور مقام کو مٹا ڈالا محض ایک مفلوک الحال سید زادے کی غربت دُور کرنے کے لئے اور سادات کے احترام کی خاطر تو انہیں ہدایت کے راستہ پر ڈال دیا گیا۔ اعمال کی اصلاح ہوئی، نیکو کار و پرہیزگار بنے اور جنت کے مستحق ٹھہرے۔

کسی بادشاہ کی محفل میں ایک بزرگ کی بڑی تعریف ہوئی۔ بادشاہ کے دل میں دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اُسے

Marfat.com

بلایا گیا تو آتے ہی کہا۔ بادشاہ ہزاروں سال زندہ وسلامت رہے۔ بادشاہ کو یہ بات خوشامد لگی کہ آپ نے آتے ہی ایسی بیوقوفی کی بات اور خواہش کی کہ جو آپ کے لئے مناسب نہ تھی۔ بزرگ نے جواب دیا۔ بادشاہ سلامت، زندگی اور جینا بدن کے ساتھ ہی نہیں ہوتا، حقیقی اور دائمی زندگی، خدا کی خوشنودی، نیکوکاری، پرہیزگاری اور خدا کے راستہ میں زندگی گزار کر مرنے سے حاصل ہوتی ہے، میں نے آپ کے لئے اسی زندگی کی خواہش کی ہے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

وما علینا الا البلاغ

Marfat.com

تقدیرِ الٰہی پر ایمان کے اخلاقی اثرات

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ۔ سورۃ الحدید	تمام مصائب پہلے سے خدائی پروگرام کے تحت آتے ہیں۔ شانِ نزول۔ زندگی کے حادثات کا قرآنی نظریہ۔ تقدیر کے قائل کی سیرت و کردار نفسیاتی فائدہ۔ آزمائش۔ آزمائشیں سیرت انسانی کے نکھار کا سبب ہیں۔
۲	خدا کے راستہ کی مشکلات	کھوٹے کھرے کا فرق۔ حضورؐ کا ذاتی طرزِ عمل صحابہؓ کا رویہ۔ مرگی والی عورت۔
۳	حضورؐ کی تعلیمات صحابۂ کرامؓ کا طرزِ عمل	حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی والدہ کی خواہش۔
۴	مصائب میں ہر کوئی مجبور ہے۔ واقعات	تدبیر پر انحصار نہ ہو۔ خدا سے تعلق اور اس پر بھروسہ ہو۔ حضرت علیؓ کا قول اور عمل۔

Marfat.com

تقدیر الٰہی پر ایمان کے اخلاقی اثرات

آیت معہ ترجمہ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ (سورہ الحدید: ٢٢، ٢٣) جو مصیبت زمین پر اُترتی ہے یا تمہیں پہنچتی ہے وہ اس سے پہلے کہ اتاری جائے یا تمہیں پہنچے، وہ کتاب میں لکھ دی جاتی ہے اور یہ کام خدا کے لئے بڑا آسان ہے تاکہ تم اپنی ناکامیوں اور مصائب پہ رنج و غم نہ کرو اور خوشیوں پہ پھولے نہ سماؤ۔ اللہ تعالیٰ فخر و غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر و تشریح یہ آیات قرآن کریم کی سورۃ الحدید سے تعلق رکھتی ہیں جن میں انسانوں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ دنیا میں انسانوں پہ رونما ہونے والے واقعات و حادثات، خوشی و مسرت کے مواقع اور رنج و غم کے اوقات، انسانی تقدیر اور دنیاوی ضابطوں کے مطابق پہلے سے طے شدہ پروگرام اور منصوبے کے ساتھ خداوند تعالیٰ نازل فرماتا ہے اور ایسے مواقع پہ ہمارے لئے یہ حکم ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان واقعات میں اگر تمہیں کچھ نقصان پہنچے یا خوشی و مسرت ملے تو اُسے تقدیر الٰہی سمجھ کر مایوسی و افسوس نہ کرنا چاہئیے اور نہ خوشی و خوشحالی پہ فخر اور غرور کیا جائے، بلکہ یہ عقیدہ و ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام یا فیصلہ حکمت و دانائی اور انسانی بہتری کے بغیر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسے صبر و شکر اور ثبات و استقلال کے ساتھ گزار دیا جائے کسی جھنجھلاہٹ، ناراضگی یا غصہ، رونا پیٹنا، آہ و بکا، اضطراب و پریشانی کا اظہار نہ فرمایا جائے اور نہ خوشی و مسرت کے مواقع پر جامے سے باہر یا آپے سے باہر ہو کر غرور و تکبر میں مبتلا ہوا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ غرور و تکبر والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

شانِ نزول سورۂ الحدید کے مجموعی شانِ نزول بالخصوص اس آیت کے نزول کے وقت مسلمان جس قسم کے حالات سے دوچار تھے، پس منظر کے طور پر ان کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت تھوڑی تھی، ہر وقت دشمنوں کے حملوں کا خطرہ درپیش تھا۔ مسلسل لڑائی میں مسلمان محاصرے کی ہمہ وقتی کیفیت سے دوچار تھے۔ مشرکین مکہ کے معاشرتی مقاطعہ کے باعث غربت، تنگدستی اور افلاس کا عالم تھا۔ ایمان لانے والوں پہ طرح طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ ایسے حالات میں کافر انہیں خدا کی ناراضگی کا طعنہ دیتے۔ منافق اس شک و شبہ میں مبتلا تھے کہ دین اسلام اگر سچا ہے تو ان پر ایسے حالات کیوں ہیں۔ مسلمان اگرچہ صبر و ثبات

سے کام لے رہے تھے، مگر ان حالات کا تسلسل ان کے لئے صبر آزما بلکہ حوصلہ شکن ہوتا جا رہا تھا۔ اس آیت کے ذریعے ان کی تسلی اور تسکین کا سامان ہے کہ تمہارا ربؐ تمہارے حالات سے بے خبر نہیں اور نہ نعوذ باللہ من ذالک، وہ بے بس، مجبور اور تمہاری امداد سے قاصر ہے بلکہ یہ حالات خود خدا کے طے شدہ منصوبے اور پروگرام کے مطابق ہیں۔ جو ان حالات کے وقوع پذیر ہونے سے بہت پہلے کا تیار شدہ اور طے کردہ ہے۔ کیونکہ جو عظیم کام تم سے لینا ہے اس کے لئے تمہاری تربیت ضروری ہے۔ تمہاری سیرت و کردار کے نکھارنے، سنوارنے کے لئے ایسا کرنا اور ایسے حالات کا لانا لازمی ہے تاکہ تمہارے کردار کی خامیاں اور سیرت کا کھوٹ دُور کیا جا سکے اور باطل کے طوفان خیز تھپیڑوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو سکے۔

حالات وواقعات کا قرآنی نظریہ قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ غم وخوشی، دکھ اور سکھ، صحت و بیماری، ترقی و تنزلی، خوشحالی و بدحالی، نفع و نقصان، موت اور زندگی سب کچھ خدا کی طرف سے آتا ہے اور اس میں انسان کے لئے خیر و حکمت کے پہلو موجود ہوتے ہیں۔ عسٰی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم۔ تم جسے اپنے لئے بُرا سمجھتے ہو اس میں تمہارے لئے بہتری ہوتی ہے اور جسے تم اپنے لئے بہتری سمجھتے ہو، ہوسکتا ہے اس میں تمہارے لئے برائی ہو، شر ہو، نقصان ہو۔ خداوند تعالیٰ پر ایمان کی بنیادی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ۔ بھلائی اور برائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔

آیت کے سلسلہ میں تقدیر کا مسئلہ ہمارے موضوع میں شامل نہیں اور نہ اس کی گنجائش اور ضرورت ہے۔ مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ دنیاوی مصائب، تکالیف اور دُکھ کے متعلق قرآن کریم میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کے اسباب کیا ہیں، اگر ان پر انسان کا ایمان و اعتقاد پختہ ہو جائے تو...... انسانی دُکھوں اور مصائب میں انسانی فطرت پر اس کی سیرت و کردار اور اسی کے حوالے سے انسانی معاشرت پر کتنے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

انسانی حادثات تقدیر کے تحت ہیں ان اسباب میں پہلا سبب یہی ہے کہ: ما اصاب من مصیبۃٍ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتٰبٍ من قبل ان نبرأھا۔

کہ جو مصیبت بھی روئے زمین پر یا انسانوں پر آتی ہے وہ رونما ہونے سے پہلے ایک کتاب میں مرتب ہو چکی ہوتی ہے کہ ایسا ہوگا۔ اس لئے اس طے شدہ اور تحریر کردہ مصیبت پر تم غم نہ کیا کرو اور اسے خداوند تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ پروگرام اور مقررہ منصوبے کا حصہ سمجھ کر قبول کر لیا کرو کہ اس میں یقیناً تمہارے لئے کسی نہ کسی حکمت اور بھلائی کا پہلو مضمر ہوگا۔ اس سے بدیہی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ رنج و غم اور خوشی و مسرت کو جو شخص بھی من جانب اللہ یا خدا کی طرف سے سمجھنے کا عقیدہ بنائے گا تو اسے ایک گونہ اطمینان و سکون حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اسے یہ بھی یقین ہوگا کہ میرے ربؐ کا ہر فیصلہ میرے حق میں حکمت و دانائی اور بہتری و بھلائی سے خالی نہیں۔ اس عقیدہ کا حامل شخص ہر قسم کے حالات میں صبر و تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرے گا۔ صبر و سکون، حوصلے اور ہمت کا مالک ہوگا اور اللہ کے ساتھ

Marfat.com

تعلق ہیں — ہر کرانہ دوست می رسد نیکو رسد — کہ جو کچھ دوست سے ملتا ہے بہتر اور مفید ہے — کا رویہ رکھ کر خدا کی خوشنودی کا مستحق بنے گا اور معاشرتی رویوں میں بھی ایسا آدمی قابلِ اعتبار، باِاعتماد اور قابلِ بھروسہ آدمی ثابت ہوتا ہے اور کسی انسان کی سیرت کا یہی پہلو درخشاں اور قابلِ تعریف ہوتا ہے۔

تقدیر کے قائل کی سیرت

اللہ کے رازوں کو سب سے بہتر جاننے والے سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ مومن کا معاملہ بھی خوب ہے۔ وہ جس حال میں ہوتا ہے خیر اور بھلائی ہی سمیٹتا ہے، اگر دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے صبر و سکون سے برداشت کرتا ہے اور یہ رویہ اس کے لئے خیر کا پہلو رکھتا ہے اور اگر اسے خوشی و مسرت نصیب ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ رویہ بھی اس کے لئے خیر ثابت ہوتا ہے۔ (مسلم) گویا مشکلات و مصائب کو تقدیرِ الٰہی سمجھ کر برداشت کرنے میں مصلحت پوشیدہ ہے کہ مومن ہر حال میں مطمئن ہوتا ہے۔ اسے ایک گونہ سہارا مل جاتا ہے کہ میرے ربّ کی یہی مرضی ہے، اسی میں اس کی خوشی ہے اور اگر میرا ربّ میرے لئے یہی چاہتا ہے تو مجالِ اعتراض اور اظہارِ افسوس کی ضرورت کیا ہے۔

اسی عقیدے کا ایک نفسیاتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے اُتار چڑھاؤ اور خیر و شر میں مبتلا ہونے کے لئے پہلے سے ذہنی طور پہ تیار ہوتا ہے، مصائب کے لئے پہلے سے ذہنی تیاری اور متوقع آمد بھی کافی حد تک مصائب کو ہلکا کر دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک ڈرائیور بس کے بے قابو ہونے سے پہلے آنے والے حادثہ کے لئے ذہنی طور پہ تیار ہوتا ہے تو نتیجے کے طور پہ ڈرائیوروں کی اکثریت حادثات میں بچ جاتی ہے بہ نسبت دوسری سواریوں کے جنہیں بس کی خرابی کے نتیجے میں اس کے ممکنہ عواقب اور عوامل کا پہلے سے کوئی اندازہ نہیں ہوتا اور جب حادثہ اچانک رونما ہوتا ہے تو بہت سی جانوں کے ضیاع اور مہلک زخموں کا باعث بن جاتا ہے۔

واقعات برائے آزمائش

انسانی زندگی کی مشکلات و مصائب کا دوسرا سبب جسے قرآن کریم نے ابتلاء اور آزمائش کہا ہے۔ یہی ہوتا ہے — تاکہ مسلمانوں اور اہلِ ایمان کی اخلاقی خامیاں آزمائشوں میں ڈال کر دور کی جاسکیں۔ ان کے ایمان کی پختگی کا اندازہ ہو سکے۔ خدا کے ساتھ تعلق میں کھرے کھوٹے کی پہچان ہو سکے۔ اگر زندگی کے مصائب کو اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بھی زندگی کے مصائب کو صبر و سکون سے گزارنے کا کافی سامان اور تسلی کی صورتیں موجود ہیں — ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ ہر تعمیر کے لئے چھوٹی بڑی خرابی برداشت کرنا پڑتی ہے اور ہر دشواری کے بعد سہولت کی قدر و قیمت بڑھتی ہے — حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بارہ میں — اذا ابتلی ابراھیم ربّہٗ بکلماتٍ فاتمّھنّ۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو چند باتوں میں آزمایا گیا جسے انہوں نے پورا کر دکھایا تو تب جاکر — "قال انّی جاعلک للنّاس اماما۔ میں تمہیں تمام انسانوں کے جلیل القدر منصب امامت پر سرفراز کرتا ہوں" کی نوبت آئی — فان مع العسر یسرًا — ہر تکلیف کے بعد ہی راحت ملتی ہے — بیج جب تک مٹی میں رُل نہیں جاتا، اپنی ہستی کو مٹا نہیں دیتا، اُس وقت گلِ گلزار کی رنگینیوں اور دلآویزیوں کا روپ نہیں دھار سکتا — حنا کے پتے جب تک پِس نہیں جاتے وہ خوبصورت رنگ نہیں لاسکتی — سونا آگ کی بھٹی میں تپ کر ہی

Marfat.com

کندن ہوتا ہے اور خوبصورت زیورات کی شکل اختیار کر کے حسیناؤں کے گلے، پیشانیوں اور کانوں کی سجاوٹ بنتا ہے اور سماجی مجلسوں میں کسی کے فخر و غرور کا موجب بنتا ہے اور بادشاہوں کے تاج پر چمکتا ہے۔ پتھر، سنگ تراش کے ہتھوڑوں کی ضرب برداشت کر کے ہی خوبصورت مجسمے کی صورت اختیار کرتا ہے۔

آزمائشیں سیرت کو نکھارتی ہیں

لکڑی جب تک اپنے تن پر کلہاڑیوں، آروں، تیشوں اور رندوں کی تکلیف نہیں سہہ پاتی اس وقت تک خوبصورت دلہن کی مسہری اور بادشاہ کا تخت نہیں بنتی۔ اسی طرح انسان بھی جب تک مصیبتوں، دکھوں اور تکلیفوں کے مراحل سے گزارا نہیں جاتا، اس کی سیرت میں نکھار، کردار میں خوبصورتی، اخلاق میں درستی اور خدا کے ساتھ تعلق میں استواری پیدا ہو کر ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ، حضرت محمد رسول اللہ ؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے بے شمار اولیاء اللہ کے مراتب اور مناصب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس مرتبہ کے راستہ میں نمرود کا آگ کا الاؤ۔ خدا کے راستہ میں گردن نہاد ہونے، شعب ابی طالب میں بھوک پیاس، احد کے واقعات، طائف کے حالات اور دوسرے بہت سے جاں گداز و جاں گسل مراحل و مقامات آتے ہیں۔ بقول غالبؔ ؎

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا　　　فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

مرزا غالبؔ ہی کے فلسفے کے مطابق دنیاوی زندگی کے دکھ، آلام اور مصائب، بیماریاں، مالی و جانی نقصانات کی آزمائش میں یہ حکمت بھی پوشیدہ ہوتی ہے کہ ان کا تسلسل و کثرت خود انسان کو ان کا خوگر بنا کر ان کی ہیبت کو کم کر دیتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں قوت برداشت بڑھ جاتی ہے۔ دکھ، دکھ کے احساس کو مٹا دیتا ہے اور مصائب کا ہجوم انہیں سہنے کا حوصلہ پیدا کر دیتے ہیں۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج　　　مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

کھرے اور کھوٹے کا فرق

اسلام اور قرآن کریم کا یہی عقیدۂ آزمائش و ابتلاء انسانی کردار کو واضح کر دیتا ہے اور ایک کھرے اور سچے مومن اور کافر و منافق کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ دیتا ہے۔ کافر اس قسم کی آزمائشوں میں گھبراتا ہے۔ منافق منہ پر تھپڑ مارتا ہے، بین کرتا ہے، گریہ و فغاں کا طوفان اٹھا دیتا ہے، شور مچاتا ہے۔ مایوسی کے عالم میں کفریہ الفاظ بکتا ہے حتیٰ کہ خودکشی کر لیتا ہے یا آخر کار مرتد ہو جاتا ہے، مگر مومن صبر و سکون کا پہاڑ بنا رہتا ہے۔ عزم و ہمت کی چٹان ہوتا ہے۔ ثبات و استقلال کا ناقابل شکست قلعہ ہوتا ہے۔ اس کے پائے استقلال میں جنبش تک نہیں آتی اور کسی معاشرے میں اس قسم کے انسانوں کا وجود سوسائٹی میں خوشگوار اثر ڈالتا ہے۔ اس کے بارہ میں سورۃ البقرہ میں ارشاد ربانی ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ۔ (البقرہ: ۱۵۵، ۱۵۶)۔ تمہیں آزمانے کے لئے خوفزدہ کیا جائے گا۔ بھوک میں

Marfat.com

مبتلا کیا جائے گا۔ تمہیں جانوں اور مالوں کے نقصان سے دوچار کیا جائے گا۔ پھلوں اور پیداوار کا نقصان دے کر آزمایا جائے گا۔ ان تمام آزمائشوں میں جو لوگ صبر کر کے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ کی طرف لوٹیں گے تو ایسے صبر کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور خدا کی رحمت اور درود کے مستحق ہیں۔

خدا کے راستے کی مشکلات

ہم لوگ اپنی برادری کے تعلقات کی بحالی و استواری میں کتنا مال و جانی بوجھ برداشت کرتے ہیں تب جا کر ہماری برادری میں ہمارا اعتماد قائم ہوتا ہے اور برادری قائم رہتی ہے۔ دوستیاں مضبوط ہوتی ہیں اور معاشرتی روابط بحال ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا دعویٰ کر کے قربانی، ایثار اور نقصان برداشت کئے بغیر اس تعلق کے قائم ہونے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔ خدا کا تعلق بھی آزمائش چاہتا ہے۔ اسلام کی راہ اور مسلمان کہلانے کے دعویٰ کو پرکھنے میں مصائب کی آزمائش بھی لازمی ہے۔ اسلام پر خود عمل کرنا، دوسروں کو بھی اس پر چلانا، سچ کو سچ کہنا، بُرائی کو بُرائی کہنا، حلال کی پہچان اور حرام کی تمیز اور اس سے اجتناب کا راستہ پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا جنگل ہے جس سے جسم پر خراشیں، کپڑوں کا پھٹنا اور پاؤں کا لہولہان ہونا لازمی ہے۔ یہ ایسے خطروں سے بھری ہوئی راہ ہے، جس میں خطروں کی آندھیاں، آزمائشوں کے پہاڑ اور ابتلاؤں کے خارزار بھی ہیں، ان سب سے گزریں گے تو تب جا کر انعامات و اکرام کی بارشیں بھی ہوں گی اور دلفریب و پُربہار منزلوں کے مقامات بھی آئیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صرف زبانی نہ ہو بلکہ دل سے اس بات کو مانا جائے کہ ہم، ہمارے مال، ہمارے بچے اور ہماری جانیں اللہ کی ہیں اور یہ جو کچھ خدا نے ہم سے چھینا ہے یہ ٹھیک ٹھکانے پر لگا ہے۔ جس کی چیز تھی اُس نے لے لی ہے ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

دیر ہو یا سویر مرنا تو ہر حال ہے ہی، اور ہماری تمام آسائشیں اور وسائل ایک نہ ایک دن ہم سے چھن جاتی ہیں تو کیوں نہ انہیں خدا کی راہ میں لگا دیا جائے۔ قرآن کریم میں اسی حقیقت کو دوسرے موقعہ پر خداوند تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولمّا یاتکم مثل الّذین خلوا من قبلکم مسّتھم الباساء والضّراء وزلزلوا حتّٰی یقول الرسول والّذین معہٗ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب۔ تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل کر دیئے جاؤ گے، حالانکہ وہ سب کچھ تم پر نہیں گزرا جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں نے برداشت کیا ہے۔ ان پر سختیاں آئیں، مصیبتیں گزریں اور ایسی سخت کہ اس وقت کے رسول اور اُس کے ساتھی چیخ اُٹھے کہ کہاں ہے خدا کی امداد؟ انہیں تسلی دی گئی کہ خدا کی امداد قریب ہے —— گویا خدا کی طرف سے انعام و اکرام اور جنت کی خوشیاں بیٹھے بٹھائے، زحمت اُٹھائے بغیر، تکالیف سہے بغیر اور سختیاں جھیلے بغیر نہیں ملتیں۔ سورۂ محمدؐ میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ۔ ہم تمہیں اس وقت تک آزماتے رہیں گے حتّٰی کہ یہ جان لیں کہ آپ میں سے کون مجاہد ہے اور آزمائشوں میں صبر کرنے والا کون۔

Marfat.com

ان نمونہ کی چند آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو اپنا رب، معبودِ حقیقی اور خالق مان لینے اور اس کے بتائے ہوئے دینِ اسلام کو اپنی زندگی کا طرزِ عمل بنانے کے بعد آزمائشوں کی بھٹی سے گزرنا پڑتا ہے۔ خدا سے جس کا تعلق جتنا گہرا ہوگا اور جس کا عزم جتنا بلند ہوگا، اُس کی آزمائشوں کا انداز بھی اتنا ہی سخت اور دشوار ہوگا۔ عزائم کی بلندی اور مقاصد کی گرانقدری کی قیمت بھی اتنی ہی بلند اور اتنی ہی قیمتی ہوگی اور ایسے آدمی سے ثبات و صبر اور قوتِ برداشت کی توقع بھی اسی قدر زیادہ ہوگی۔ حضرت یونسؑ اور حضرت زکریاؑ کی ذرا سی لغزشوں نے انہیں کس قدر تکالیف میں مبتلا کیا۔

بہرحال جب خدا پر ایمان اور دینِ اسلام کی راہ میں آزمائشوں کے طور پر امتحان کا عقیدہ پختہ ہوگا تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے زندگی کی دشواریوں میں حوصلہ اور سہارا نہ ملے۔ تحمل و برداشت کا مادہ پیدا نہ ہو۔ ہر چہ آید از دوست آید کا رویہ پیدا ہو کر دوسروں کو ذاتی انتقام، غصے اور نفرت کا شکار بنائے اور چڑچڑاپن اختیار کر کے معاشرے کا ناقابلِ فرد بن جائے۔ طبیعت میں حوصلہ، فیاضی، رحمدلی اور ہمدردی کے اوصاف نہ پیدا ہوں۔ کسی دانا نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر آپ پر تیروں کی بارش ہو تو جان کیسے بچائی جائے تو دانا نے جواب دیا کہ تیر برسانے والے کے زیادہ سے زیادہ قریب ہونا چاہیئے تاکہ کمان کھینچنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

مصائب کو آزمائش اور تقدیر ماننے والوں کے کردار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس مسلمان کو قلبی اذیت، جسمانی تکلیف، بیماری یا کوئی رنج پہنچتا ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھ جائے اور اس پر صبر کرے تو اللہ اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے، گویا دنیاوی تکالیف جہاں آزمائش ہوتی ہیں وہاں ان پر صبر کرنا گناہوں کے ازالہ کا سبب ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی آزمائش بڑی ہوگی، اس کا اجر بھی بڑا ہوگا۔ خدا جس سے محبت کرتا ہے اسے اپنی محبت میں نکھارنے کے لیے آزمائش کرتا ہے اور جو ان آزمائشوں میں راضی برضائے الٰہی رہتا ہے، خدا بھی اس سے راضی ہوتا ہے اور جو ناراض ہوتا ہے وہ خدا کی ناراضگی مول لیتا ہے۔

ارشاداتِ رسولؐ

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں۔ جب کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو خدا فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ میرے بندے کے بچے کی جان لے لی۔ وہ کہتے ہیں، جی ہاں۔ پھر خداوند تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ اس غم کے موقعہ پر میرے بندے نے کیا کہا۔ فرشتے جواب دیتے ہیں۔ اُس نے تیری حمد بیان کی ہے اور انّا للہ وانّا الیہ راجعون پڑھا۔ اس پر خداوند تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اُس کے لیے جنت میں گھر تعمیر کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

۲۔ حضرت جعفر طیارؓ جب شہید ہوئے تو ان کے گھر والوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ حضورؐ نے انہیں تین دفعہ پیغام بھیجا کہ ایسا نہ کریں، مگر انہوں نے رونا بند نہ کیا تو حضورؐ نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا۔ ان کے منہ میں خاک بھر دو۔ عرب کا دستور تھا کہ مرنے والے کے جنازے کے ساتھ جاتے تو چادریں اتار دیتے صرف کُرتہ ہوتا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جاہلیت کی رسمیں چھوڑ دو۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ایسا کرنے والوں کے لئے ایسی بددعا کروں کہ ان کے

پھرے مسخ ہو جائیں۔

۳۔ حضورؐ کے جگر بند حضرت ابراہیمؓ جان کنی کی حالت میں حضورؐ کی گود میں تڑپ رہے تھے۔ حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، دل رنجیدہ تھا، مگر فرما رہے تھے کہ ابراہیم تمہاری جدائی غمگین کئے دیتی ہے، مگر اس موقع پر وہی کہوں گا اور کروں گا جو میرے پروردگار کی مرضی کے مطابق ہوگا۔

۴۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش اُحد کے میدان میں پڑی ہے۔ انتہائی رقت آمیز منظر ہے۔ لاش کے اعضاء کاٹے ہوئے ہیں۔ بے حرمتی، سنگدلی اور شقاوتِ قلبی کی انتہا کی گئی ہے۔ حضورؐ انسانی فطرت کے تحت اس اذیت ناک منظر کی تاب نہ لا سکے تو قسم اُٹھاتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ اس بہیمانہ سلوک کے بدلے میں کفارِ مکہ کے ستر آدمیوں کی لاشوں کے ساتھ یہی سلوک کروں گا۔ اس موقعہ پر خداوند تعالیٰ کی مہربان ذات اپنے پیارے نبیؐ اور اُن کے جاں نثار چچا کے منصب اور اسلام کے لئے اس قدر جاں نثاری و جاں سپاری کے باوجود ـــ دشمنوں سے ـــ جو خدا کے بھی دشمن تھے انتقامانہ کارروائی کی اجازت نہیں دیتی اور یہ ہدایت آ جاتی ہے کہ فان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم ولئن صبرتم لھو خیر للصٰبرین۔ اگر آپ بدلہ ہی لینا چاہتے ہیں تو اسی سلوک کے مطابق بدلہ لو جو تمہارے ساتھ ہوا ہے اور اگر صبر کرو، بدلہ نہ لو تو یہ رویہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے ـــ حضورؐ اپنی قسم کا کفارہ ادا فرماتے ہیں اور اس عظیم الشان صدمہ کو خدا کی رضامندی کے مطابق برداشت کر لیتے ہیں۔

۵۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک عورت مرگی کے مرض میں مبتلا تھی۔ جب اُسے دورہ پڑتا تو جان کی ہوش نہ رہتی اور برہنہ ہو جاتی۔ حضورؐ کے پاس آئی اور شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا، اگر تم خدا کی اس آزمائش پر صبر کرو تو تمہیں اس کے بدلے میں جنت ملے گی، اگر صبر نہیں کر سکتی تو میں دعا کرتا ہوں کہ تمہیں اس تکلیف سے نجات مل جائے۔ کہو کونسی بات منظور ہے؟ عورت نے کہا حضورؐ، میں جنت کے بدلے میں اس بیماری کو برداشت کروں گی، مگر یہ دعا فرمایئے کہ اس بیماری کے دورہ کے دوران میں برہنگی سے بچ جاؤں ـــ حضورؐ نے دعا فرمائی۔ وہ عورت خانہ کعبہ کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ واقعہ بیان کر کے حضرت عطا بن رباحؒ سے کہا کہ اگر دنیا میں کسی جنتی کو دیکھنا ہو تو اس عورت کو دیکھ لو۔ یہاں غور طلب نکتہ یہ بھی ہے کہ ایک طرف بیماری کی وجہ سے غیر شعوری طور پر برہنگی پر اتنی پریشانی کا اظہار ہے تو دوسری طرف شعوری طور پر آجکل اپنی برہنگی پر کس قدر اصرار ہے ـ

۶۔ حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کی والدہ بیمار ہوتی ہیں تو ضعیف اور بیمار ماں اپنے بیٹے سے عجیب خواہش کا اظہار فرماتی ہے کہ بیٹا، میں اپنی موت سے پہلے یہ چاہتی ہوں کہ راہِ حق میں تمہاری شہادت کی خبر سنوں یا راہِ خدا میں لڑتے ہوئے تمہیں فاتح کی حیثیت سے دیکھ سکوں۔ یہ حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ جیسے بہادر، شجاع اور بڑے مرتبے والے عابد و زاہد بیٹے کے حق میں ایک بوڑھی ماں کی کتنی اعلیٰ و ارفع خواہش اور تمنا تھی ـــ آج کی ماؤں کی طرح اپنے ڈسکو ٹائپ بیٹے، اور بمشکل نقل کر کے پاس ہونے والے بچے کی ماں کی خواہش نہ تھی کہ اس گھر کے صحن میں تمہاری ڈولی اُترے، تمہارے ماتھے پر سہرا سجا ہوا ہو اور چاند سی دلہن لانے کی خواہش نہیں کرتی، جس کے آنے کے بعد ماں کو ٹھوکروں اور جھڑکیوں پر رکھ دیا

Marfat.com

جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی ماں کتنی عظیم تھی اور اس کی بیٹے کے حق میں خواہش اس سے بھی عظیم تر تھی چنانچہ ماں کی خواہش یوں پوری ہوتی ہے۔ حجاج ابن یوسف کے ہاتھوں خدا کے گھر خانہ کعبہ پر حملہ کے دوران شہید ہوتے ہیں۔ حجاج ان کی لاش کو لٹکا دیتا ہے۔ اُن کی ماں اپنے اس اولوالعزم بیٹے کو لٹکا ہوا دیکھنے آتی ہیں تو اس بے بسی، بے چارگی اور ظلم و تشدد پر سر نہیں پیٹتی، نہ گریبان پھاڑتی ہیں اور نہ سر کے بال نوچتی ہیں، نہ بین کرتی ہیں بلکہ حوصلے اور صبر و سکون کے ساتھ پوچھتی ہیں کہ "اس سوار کے لئے گھوڑے سے اُترنے کا وقت نہیں آیا ؟" یہ ہے دکھ اور تکلیف کے موقعہ پر ایک کمزور بوڑھی اور گور کنارے ایک مومن عورت کے صبر و ثبات کی مثال۔

۷۔ حضرت ابوطلحہؓ کا بچہ بیمار ہوتا ہے، وہ اُسے اسی بیماری کے عالم میں چھوڑ کر کام پر چلے جاتے ہیں۔ پیچھے بچہ فوت ہو جاتا ہے۔ شام کو گھر آتے ہیں تو بچے کے متعلق بیوی سے پوچھتے ہیں۔ بیوی نہایت ضبط و سکون کا مظاہرہ کرتے ہوئے گول مول جواب دیتی ہیں جس سے بچے کی وفات کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ بیوی کھانا لا کر رکھ دیتی ہیں، وہ اطمینان سے کھانا کھاتے ہیں تو اس صدمے کو برداشت کر لینے کی خاطر بیوی فرماتی ہیں کہ کیا کسی عارضی دی ہوئی چیز کو کوئی واپس مانگے تو ناراض ہونا چاہیئے۔ خاوند ابوطلحہؓ فرماتے ہیں نہیں یہ تو مناسب نہیں ہے تو بیوی فرماتی ہیں۔ ہمارا بچہ فوت ہو گیا، خدا نے دیا تھا، واپس لے لیا۔ لہٰذا صبر کرو۔ یہ ہے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کا سچا عملی اظہار۔

۸۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ اُن کا صبر ضرب المثل ہے، کبھی شکایت لبوں پہ نہ آئی۔ اہلیہ محترمہ نے ایک دن فرمایا کہ آپ نے اپنی صحت کے لئے کتنی دعائیں مانگی ہیں، کوئی بھی قبول نہ ہوئی۔ آپ نے فرمایا نیک بخت یہ نہ سوچو، یہ کیوں نہیں سوچتی کہ خدا نے کتنی عمر آرام سے گزارنے کے لئے دی تھی، اب چند دن تکلیف کے آ گئے تو کیا ہوا ؟ کیا ہم شکر کرنا چھوڑ دیں ؟

مالک تقدیر سے تعلق ہو وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ۔

اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے تو خدا کے بغیر اسے دُور کرنے والا کوئی بھی نہیں اور اگر تمہیں کسی بھلائی سے نوازے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنے بندوں پر کامل اختیار رکھتا ہے ــــ ہم اپنی تکالیف کے موقعوں پر خدائی کے دوسرے جعلی اور جھوٹے دعویداروں کے آستانوں اور دیوان خانوں پر سر رگڑتے ہیں، نذرانے چڑھاتے ہیں اور مصیبتوں سے نجات کے لئے منتیں سماجتیں کرتے ہیں۔ کہیں ان کی خاک کو سرمہ بناتے ہیں۔ کہیں ان سے دم درود اور تعویذ حاصل کرتے ہیں۔ انہیں مشکل کشا، آقا اور مولا مانتے ہیں اور اپنے حالات میں ان کی سفارشوں اور عنایتوں کے طلبگار ہوتے ہیں۔ خدا کو بھول بیٹھتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ نفع اور نقصان صرف اور صرف خدا کے اختیار میں ہے۔ اسے پکاریں، اس کا دامن پکڑیں اور اسی سے امداد و اعانت کے طلبگار ہوں۔

تدبیر پر انحصار نہ ہو جنگ اُحد میں جب بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تو مسلمانوں کو صدمہ بھی پہنچا اور نہ حوصلے بھی ہارنے لگے۔ انہوں نے اس جانی نقصان کی ذمہ داری خدا کے راستے میں لڑی

جانے والی لڑائی پہ ڈالی اور اسے سبب قرار دیا اور کہنا شروع کیا کہ اگر یوں نہ ہوتا تو یوں ہوتا۔ ایسا نہ کرتے تو ایسا ہوتا۔ جیسا کہ عام طور پہ ہم بھی اسباب اور ان کے تدارک پہ بحث کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس سوچ اور ان خیالات پہ سخت تنبیہ فرمائی: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ اے ایمان والو، کافروں کی سی باتیں نہ کیا کرو۔ جن کے عزیز رشتہ دار اگر سفر پہ جاتے ہیں یا لڑائی میں شریک ہو کر موت کا شکار ہوتے ہیں تو وہ کہا کرتے ہیں کہ اگر فلاں ہمارے پاس ہوتا، سفر پہ نہ جاتا تو یہ حادثہ نہ ہوتا، یا لڑائی میں نہ جاتا تو نہ مارا جاتا وغیرہ وغیرہ ۔ کافروں کی یہ سوچ اور حادثات میں اظہارِ خیال کا انداز خدا نے ان کے دلوں اور دماغوں میں تمام عمر کے لئے حسرت و اندوہ میں مبتلا رہنے کے لئے ڈالا ہے تاکہ وہ ہمیشہ حسرت و افسوس کا شکار رہیں ۔ کافروں کے برعکس اے ایمان والو، تمہارا تو یہ عقیدہ ہے کہ خدا ہی زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی لاتا ہے۔ سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے۔ تم کیوں کسی سفر یا لڑائی کو موت کا سبب قرار دیتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہاری ان حرکتوں کو دیکھتا ہے۔

جو لوگ تقدیرِ الٰہی پہ یقین و ایمان کی بجائے اپنی عقل اور تدابیر پہ انحصار کرتے ہیں کہ یوں کرتے تو یوں ہوتا، یوں نہ کرتے تو یوں نہ ہوتا۔ اس قسم کے قیاسات اور اندازے ان کے لئے حسرت و افسوس کا داغ بن جاتے ہیں اور ساری عمر ہاتھ ملتے رہتے ہیں۔ حادثہ سے پہلے تدبیر ضرور کی جائے، مگر اپنی تدبیر، ہنر اور منصوبہ بندی کے باوجود نتائج اُلٹے نکلیں تو انہیں خدا کی مرضی سمجھ کر بخوشی قبول کر لیا جائے ۔ حضرت یحییٰ ؓ بن مرّہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ مسجد میں نوافل پڑھنے آتے تو ہم اُن کی حفاظت کے خیال سے پہرہ دیا کرتے۔ ایک دن ہم اسی خیال سے بیٹھے تھے کہ آپ نوافل سے فارغ ہو کر نکلے تو ہماری وہاں موجودگی کا سبب پوچھا تو ہم نے کہہ دیا کہ آپ کی حفاظت اور نگرانی کے خیال سے ہمارا یہ معمول ہے۔ اس پہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ زمین پہ اُس وقت تک کوئی واقعہ رونما نہیں ہوتا جس کا فیصلہ پہلے سے آسمانوں پہ نہ ہوتا ہو۔ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے اس کی حفاظت کے لئے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ تقدیر کا لکھا ہوا فیصلہ آ جائے۔ جب یہ فیصلہ آ جاتا ہے تو نگران فرشتے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ جب میرا۔ حضرت علیؓ کا بھی وقت آئے گا تو میری حفاظت کے فرشتے ہٹ جائیں گے ۔ آدمی ایمان کی لذت اس وقت تک نہیں پا سکتا جب تک اسے یقین نہ ہو کہ جو کچھ اسے پہنچا ہے اس سے وہ بچ نہ سکتا تھا اور جو کچھ اسے نہیں پہنچا وہ اسے پہنچنے والا ہی نہ تھا۔ حضرت علیؓ کا یہ ارشاد اور اُن کا یہ ایمان و عقیدہ ہمارے اس مضمون کی کتنی سچی تصویر ہے، اور عنوان میں دی ہوئی آیت کی کتنی عمدہ تشریح ہے ۔ حضرت علیؓ کا یہ قول بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی تقدیر پہ راضی ہوا تو تقدیر آ کر رہے گی اور اُسے اس کی رضامندی کا اجر ملے گا اور اگر کوئی اس تقدیر پہ راضی نہ ہوا تو تقدیر تو آ کر رہے گی لیکن اسے اس کی ناراضگی و ناگواری کے باعث اجر نہ ملے گا

حرفِ آخر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مقابلے میں جن کا وجود اُمتِ مسلمہ اور انسانیت میں سے بہترین وجود تھے۔ آج کے بے قیمت اور حقیر ترین حکمرانوں کے حفاظتی اقدامات و انتظامات اور اُسی خطرے کے سبب سے دُوری و لاتعلقی کے روایتی انداز کو دیکھا جائے تو انہیں حادثات کا شکار نہ ہونا چاہیئے، مگر امریکہ کا صدر کینیڈی، ہندوستان کا گاندھی، اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی تمام تر حفاظتی اقدامات کے باوجود تقدیر کے آسمانی فیصلوں کو نہ ٹال سکے، تو پھر کیوں نہ اس اقتدار و اختیار کو بے خطر ہو کر لوگوں میں گھل مل کر، ان کی تکالیف کو دیکھ سن کر عوام کے لئے خیر و برکت کا موجب بنا دیا جائے۔ آج کی دُکھی انسانیت کو تقدیر الٰہی پہ کامل ایمان اور بھروسے والے حکمرانوں اور افراد کی ضرورت ہے۔ آیئے ہم اپنے اندر اس عقیدے کو پختہ کریں تاکہ انفرادی و اجتماعی طور پہ حادثات و مصائب میں ہماری افسردگی غصے اور چڑچڑے پن کی وجہ سے ہمارا گھریلو اور معاشرتی ماحول بہتر .... ہو کر پوری قوم کو مایوسی و افسردگی سے بچائے، کیونکہ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را — ایک شخص کی افسردگی پوری محفل کو افسردہ بنا دیتی ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

رنج و غم میں مومنانہ کردار

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ۔ الحدید	گزشتہ مضمون کا اعادہ۔ عقیدۂ تقدیر کے فکری و عملی اثرات، منفی اثرات، خدا سے سرکشی۔ طبقاتی جنگ۔
۲	تقدیر پر ایمان رکھنے والا گروہ	تقدیر پر ایمان کے مثبت اثرات۔ عزم و ارادہ کی بلندی۔ مصائب میں لذت۔ نگاہ و ارادہ میں پختگی۔
۳	خدا کے محبوب بندوں کے مصائب افلاس اختیاری تھے	دنیا طلبی نہ تھی۔ افلاس میں خدا کی رضا جوئی نفس مطمئنہ۔
۴	واقعات و امثال	بابا فرید گنج شکرؒ حضرت شفیق بلخیؒ حضورؐ کا طرز عمل۔

Marfat.com

رنج و غم میں مومنانہ کردار

آیت معہ ترجمہ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ۔ الخ (الحدید: ۲۲) تمہاری جانوں اور زمینوں پر اترنے والی مصیبت پہلے کتاب میں درج ہوتی ہے اور یہ کام خدا کے لئے آسان ہے۔ ایسا اس لئے کیا کہ تم تقدیر کے مطابق کسی نقصان پر افسوس نہ کرو اور ملنے والی خوشیوں کو اپنا کمال سمجھ کر غرور نہ کرنے لگ جاؤ جو خدا کو سخت ناپسند ہے۔

گزشتہ مضمون کا مختصر اعادہ گزشتہ مضمون میں بیان ہوا تھا کہ مصائب اور خوشیاں خداوند تعالیٰ کے طے شدہ پروگرام کے مطابق ملتی ہیں۔ لہٰذا ان کو خدا کی مرضی اور خدا کا عطیہ سمجھ کر نہ افسوس کرو اور نہ فخر و غرور کے نشے میں سرکشی اختیار کرو۔ انسانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے یہ فیصلے خداوند تعالیٰ کی اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت آتے ہیں۔ جن کی برائی اور بھلائی کو خداوند تعالیٰ خود انسانوں کے حق میں بہتر جانتے ہیں۔ زیادہ تر معاملے انسانوں کی آزمائش کے تحت ہوتے ہیں تاکہ قیامت کے دن نعمتوں پر شکر اور مصائب پر صبر کے بدلے دیئے جائیں اور خدا کے تعلق میں کھرے کھوٹے کی تمیز بھی ہو سکے اور ایک گونہ محبت قائم ہو جائے۔

عقیدۂ تقدیر کے فکری و عملی اثرات اسی مضمون میں اس عقیدۂ تقدیر کے دوسرے نظریاتی و فکری اور عملی پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں کہ مصائب و آلام کو تقدیر جاننے والوں کے افکار و کردار کیسے ہوتے ہیں اور نہ جاننے والوں کے کردار و افکار پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عقیدۂ تقدیر پر پختہ ایمان اور یقین نہ رکھنے سے دو قسم کے کردار سامنے آتے ہیں جو فکری و نظریاتی بھی ہیں اور عملی بھی ہیں۔

نظریاتی و فکری پہلو جو لوگ اپنی ہر مصیبت اور غم کو تقدیر الٰہی نہ مان کر اس پر صابر و شاکر نہیں ہوتے۔ وہ اپنی آفات و مصائب کو، بیماریوں اور تکالیف کو، رنج و غم کو، موت اور زندگی کو، خوشی مسرت کو، اپنی محرومیوں اور مجبوریوں کو دنیاوی حالات و اسباب اور زمانے کی گردشوں کا نتیجہ گردان کر خدا سے بیزار، منکر اور دہریئے بن جاتے ہیں جس کا خدا پر یقین نہیں رہتا۔ وہ مشرکانہ خیالات و افکار کے حامل بن کر یا تو اپنے حالات کی تبدیلی کے لئے دیوی دیوتاؤں کی پرستش اور بندگی میں مبتلا ہو جاتا ہے یا پیروں، فقیروں اور مزارات

Marfat.com

کا سہارا لیتا ہے۔ جس طرح مشرکین مکہ اور حضرت ابراہیمؑ کے دور میں ہر حاجت کا ایک دیوتا اور ہر ضرورت کا ایک بُت پالا ہوا تھا یا یہودیوں، عیسائیوں اور آج کے دور میں پیر پرستی، قبر پرستی، جادو، جنتر اور تعویذات کو حاجت برآری و حاجت روائی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ جس کی طرف سورۃ البقرہ میں ان کے اسی کردار کا نقشہ موجود ہے، ملاحظہ ہو۔ سورہ بقرہ، رکوع ۴ آیت ۱۴، رکوع ۱۱، آیت ۱۰۱ ۔

خدا سے بغاوت و سرکشی

اور اگر خداوند تعالیٰ، اس کی تقدیر، اس کی آیات و اولیاءؒ پر سے بھی ایمان اُٹھ جائے تو دوسرا ذہنی و فکری انتشار، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور طبقاتی تفریق کا نعرہ لگا کر ہیگل، کارل مارکس اور لینن کو خدا مان کر ان کے فکری و تعلیمی نظریات کی گود میں پناہ لے لی جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں کمیونزم، سوشلزم اور نیشنلزم جیسے رسوائے زمانہ انقلابات رونما ہو کر سرمایہ داری کے خلاف فساد، قتل، خونریزیوں کے طویل سلسلے چل پڑتے ہیں۔ اِدھر سرمایہ دارانہ نظام کے حامی و حامل حکومتیں ہوتی ہیں۔ دوسری طرف اشتراکی اور کمیونسٹ نظریات کی حامی حکومتیں، ملک گیری، غصب اور ہوس زر میں جنون کی حد تک سرگرم ہو کر ایک دوسرے کو نیچا دکھاتی ہیں اور دنیا کے دوسرے تمام چھوٹے چھوٹے ممالک پر اپنا تسلط جماتی رہتی ہیں اور اپنے اپنے افکار و نظریات کے دام میں پھنسانے اور گھیرنے کے منصوبے بناتی رہتی ہیں، جس کے نتیجے میں اسلحے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ طبقاتی اور نظریاتی کی جنگ کا میدان کارزار گرم ہے اور خداوند تعالیٰ، اس کے وجود، اُس کی قوت اور اس کی تقدیر پر لوگوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم نے آسمانوں پر کہیں بھی خدا کو موجود نہیں پایا اور کل جو یہ کہتے تھے آج وہ خود خدا کے پنجۂ انتقام میں گرفتار ہو کر اپنی حکومتوں کے وجود کے بکھرے ہوئے حصوں کو جوڑنے سے عاجز ہیں اور دوسروں کے سامنے مالی امداد کے کشکول لیے پھرتے ہیں جو دنیا سے غربت و افلاس کو مٹانے اور غریب و امیر کی مساوات کا نعرہ لگاتے تھے۔ آج خود غربت و افلاس کا شکار ہیں۔ غرض لادین کمیونسٹ ہوں یا بے دین سرمایہ دار سب دوسری قوموں کے حق میں ڈاکو اور بڑے پیمانے پر لٹیرے ہیں۔ البتہ طریقۂ واردات اور نعرۂ رہزنی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

۲۔ محرومی کا یہی احساس قومی و اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی جب کسی شخص میں سرایت کرتا ہے تو وہ اسے خدا کی تقدیر مان کر صبر و شکر، قناعت کا رویہ اپنانے یا حالات کا مردانہ وار مقابلہ کر کے جائز و حلال ذرائع سے اپنی محرومیوں کا ازالہ کرنے یا خدا کی طرف سے ابتلاء و آزمائش کی وقتی حالت سمجھ کر خدا کے ساتھ تعلق کی مضبوطی کی فکر کی بجائے منفی انداز اختیار کر کے ناجائز ذرائع اور ظلم و زیادتی پر اُتر کر انتقامی جیسا بن جاتا اور اپنے جیسے چند مایوس و محروم لوگوں کا جتھا بنا کر رہزنوں، ڈاکوؤں، لٹیروں اور چوروں کی تنظیم بنا لیتا ہے۔ پُرامن شہریوں، نہتے راہ گیروں کو لوٹنے لگ جاتے ہیں۔ عزت و ناموس پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ پستول دکھا کر تجوریاں لوٹی جاتی ہیں کسی کو اغوا کر کے تاوان میں لاکھوں روپیہ طلب کیا جاتا ہے۔

۳۔ حکومت کے ڈاکو پن اور انفرادی ڈاکوؤں کے علاوہ دوسرے شریفانہ لباس میں داداگیری، لٹیرے پن اور ڈاکوانہ

Marfat.com

طرزِ عمل کا مظاہرہ پولیس، سرکاری ملازمین، عہدیدار اور دوسرے تمام سیاست کار بھی غبن، رشوت، خیانت، سمگلنگ، خورد برد اور سرکاری خزانوں کے لیٹرے ہوتے ہیں، جن کے ذہنوں میں تقدیرِ الٰہی کے مطابق جائز ملی ہوئی روزی پر قناعت اور صبر و شکر کا عقیدہ اور نظریہ نہیں ہوتا، مگر اس کے علاوہ ناجائز اور حرام کمانے کی ہوسِ زر موجود ہوتی ہے، اگر یہ لوگ جائز ملی ہوئی دولت اور ذرائع آمدن اور مناصب کو خدا کی طرف سے اپنی تقدیر سمجھ کر صابر و شاکر اور قانع رہتے تو حکومت کے کاروبار میں رشوت، خیانت کاری، غبن اور دوسرے تمام ناجائز ذرائع سے راتوں رات مالدار بننے کی دوڑ ختم ہو جاتی اور حکومت یا انتظامی و حکمرانی کا انداز دیانتداری و امانتداری پر استوار ہو جاتا۔

تقدیرِ الٰہی پر عدمِ ایمان اور اپنی محرومیوں کا ردِ عمل اس صورت میں بھی رونما ہوتا ہے۔ بعض طالع آزما لوگ مزدور لیڈر بن کر ملکی معیشت پر ہڑتالوں، ہنگاموں اور سرکاری املاک کو نذرِ آتش کرنے اور توڑ پھوڑ کے ذریعہ بھی ضرر پہنچاتے ہیں۔ آئے دن کی تالہ بندیاں کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے ملکوں میں اور اداروں میں اسلامی تعلیمات و احکامات کے مطابق ان سے سلوک کی اعلیٰ قدار نہیں پائی جاتیں اور ان کے حقوق مارے جاتے ہیں، مگر لادین سیاست اور کمیونزم کے حلقۂ اثر کے تحت آئینی راستے اختیار کرنے کی بجائے دھاندلی اور دھونس سے مطالبات منوانے اور خود کو ناجائز طور پر محض ہڑتالوں اور ہنگاموں کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ رعایتوں اور اُجرتوں کا حصول اسی اندازِ فکر کا نتیجہ ہے جو خدا کی طرف سے مقررہ رزق کی تقدیر اور وعدے کے منافی ہے۔

سوچا جائے تو اس قسم کے تمام کردار، خواہ قومی سطح پر ہوں یا انفرادی طور پر، افراد و اشخاص کی سطح پر ہوں اُن سب کے پیچھے یہی نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ وہ اپنے مصائب اور محرومیوں کے وقتی دَور کو خدا کی تقدیر اور آزمائش سمجھ کر صبر و سکون سے کام نہیں لیتے، اس پر قناعت نہیں کرتے، حوصلے اور ہمت و محنت سے حالات کی تبدیلی کی جائز کوششوں کی بجائے جلد بازی، بے حوصلگی اور بے ہمتی کے غیر فطری علاج پر اُتر آتے ہیں۔ خدا کے قانون اور مشیتِ الٰہی کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے حالات کو جائز انداز سے بدلنے کی بجائے ناجائز ذرائع کی ظالمانہ و احمقانہ کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس بیوقوف اور غصیلے کُتّے کی سی ہوتی ہے جو پتھر مارنے والے سے دوستی کرنے کی بجائے پتھر پر حملہ کر کے اس میں دانت گاڑتا ہے۔

تقدیر پر ایمان رکھنے والا گروہ

اس کے برعکس دوسرا گروہ ایسے افراد و اشخاص کا ہوتا ہے جو اس کائنات میں ایک برتر طاقت اور قوت یعنی خدا کی موجودگی پر یقین رکھتا ہے اور کائنات کے پورے نظام میں عمل و اختیار ہونے اور نہ ہونے کی تمام نسبتیں اسی خدائے برتر کی مشیت اور ارادے سے جوڑتا ہے۔ اپنی خوشی اور راحت میں بھی، خوشحالی و بدحالی میں بھی، رنج و آرام میں بھی، مصیبت و مسرت میں بھی، غرض ہر حال اور حالت میں خدا کا ہاتھ کارفرما نظر آتا ہے۔ اسی خدائی ارادے اور مشیت

Marfat.com

اس کی مرضی، اُس کی رضا کا عمل دخل معلوم ہوتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ و نظریہ اسے طمانیت اور سکون بخشتا ہے اور تسلی دیتا ہے کہ میرے ساتھ یہ سب کچھ جب میرے ربّ کی مشیت اور مرضی کے مطابق ہو رہا ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں کہ اس کے لئے یہ عقیدہ و نظریہ موجب سکون ہوتا ہے بلکہ خدا کے ساتھ تعلق اور محبت والوں کو اس قسم کے مصائب، تکالیف اور آزمائشوں میں ایک گونہ لذت بھی ملتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کی محبتوں، اس کے حصول اور اس کی جستجو میں سختیوں اور تکلیفوں کے یہ سلسلے دراز تر ہوں تاکہ لذت اندوزی کی خواہش پوری ہوتی رہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را   ہر زماں از غیب جانے دیگر است

خدا کی طرف سے آزمائشوں کے خنجر سے مارے جانے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر جان کی قربانی کے بعد دوسری جان مل جائے تاکہ اسی طرح قربان ہوتے رہیں۔

اُردو لٹریچر میں اس قسم کے اشعار کو بالعموم مجازی محبوب سے منسوب کیا جاتا ہے، مگر یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ محبوب حقیقی ہو یا مجازی اس کی طرف سے ملنے والے آزار و آزمائشوں میں عشاق کو لذت ملتی ہے اور لذت اندوزی کی یہ خواہش ان آزار و مصائب کے سلسلوں کو جاری رکھنے کی تمنا کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً غالبؔ کے اشعار میں اسی طلب کا اظہار موجود ہے ؎

وا حسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ   ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر یا

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے   کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

یعنی مجھے افسوس ہے کہ میرے محبوب نے میری محبت کے تعلق کو آزمانے کے لئے مجھ پر جو آزار و آزمائشوں کا سلسلہ دراز کر رکھا تھا۔ اس سلسلے کو یہ جان کر چھوڑ دیا کہ مجھے اس کی طرف سے ملنے والے ستم اور آزار میں لذت مل رہی تھی۔ اور میں اس لذت کا زیادہ سے زیادہ حریص ہوتا جا رہا تھا۔

۲۔ میرا محبوب مجھے ستانے اور آزمانے کے لئے مجھ پر تکالیف اور مصائب کو کھیل کے طور پر جاری رکھے ہوئے ہے۔ خدا کرے کہ وہ اس کھیل کو اسی طرح جاری رکھے اور چھوڑ نہ دے اور بھول نہ جائے کیونکہ اس کے ستانے میں جو لذّت اور مٹھاس محسوس کر رہا ہوں وہ ختم نہ ہو جائے۔ اُردو کا ایک مشہور شعر ہے، جسے بالعموم اس طنز کے طور پر پڑھا جاتا ہے کہ آدمی کے اکثر بے وفا دوست ہی اس کی تکالیف و آزار کا موجب ہوتے ہیں، لیکن اُسے میرے مندرجہ بالا مفہوم کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے۔ مثلاً

؎ دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف   اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

اس شعر میں بھی یہ قرینہ موجود ہے کہ مجھے ملنے والے ہر دُکھ اور تکلیف کے پیچھے مالک حقیقی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ تو بطور آلہ استعمال ہوتے ہیں۔ کمین گاہ کی طرف سے آئے ہوئے ہر تیر، تکلیف اور مصیبت، جب مجھے پہنچتی ہے تو اس کے ذریعے مالک حقیقی کی یاد دل میں تازہ ہوتی ہے اور اس کے تعلق کا سلسلہ تازہ ہو جاتا ہے اور

Marfat.com

اس کمین گاہ کے تیر کے ذریعہ مالک حقیقی مجھے اپنی طرف متوجہ کر کے اپنی یاد دلاتا ہے۔ جب انسان کا تکالیف و مصائب اور آزمائشوں میں یہ عقیدہ پیدا ہو جائے کہ یہ سب کچھ مجھے آزمانے، اپنی یاد دلانے اور اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے میرے مالک حقیقی نے اپنے اور بندے کے تعلق کو تازہ اور مضبوط کرنا چاہا ہے یا چاہتا ہے تو پھر انسان اس ظاہری ہاتھ سے نفرت اور دشمنی کی بجائے چھپے ہوئے مالک حقیقی کے ہاتھ کو تھام لیتا ہے اور اسے مضبوطی سے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ بات موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کی ہے کہ تیر چلانے والے سے دُور ہو گے تو تیر کی زد میں ہو گے، اس کے قریب آ کر لیٹ جاؤ گے تو کمان کھینچی نہ جا سکے گی، یا روایتی اور بیوقوف کُتے کی طرح پتھر کے پیچھے دوڑ کر اس میں دانت گاڑنے کی بجائے پتھر مارنے والے کے پاس آ جائے تاکہ وہ پتھر ہی نہ مار سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے : اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر۔ کسی کے رزق کو وسیع کرنا اور کسی کو اندازے کے مطابق دینا اللہ کے اختیار، مصلحت اور حکمت پر موقوف ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان اپنی غربت، تنگئ رزق اور عسرت میں دوسروں کا گلہ گزار بن کر ان کے خلاف حسد، بغض اور انتقام کی آگ میں جلتا رہے اور نہ رزق کی وسعت رکھنے والے کو یہ زیبا ہے، مناسب ہے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں پہ خدا کی شکر گزاری اور مخلوق خدا کے ساتھ رواداری سے پیش آنے کی بجائے اُلٹا فخر و غرور اور رعونت میں دوسروں کو اپنا غلام سمجھے اور حقارت سے دیکھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۔ (الفجر: ۱۵، ۱۶) خداوند کریم فرماتے ہیں کہ انسانی فطرت بھی بڑی عجیب ہے، جب اسے انعام واکرام دے کر آزمایا جاتا ہے تو اسے اپنی عزّت و تعظیم خیال کرتا ہے، خوش ہو جاتا ہے کہ میرے ربّ نے میری عزّت کی۔ اور جب اُس کے خدا کی طرف سے اُس کے رزق پر تھوڑی سی پابندی لگ کر اس میں کمی آ جاتی ہے تو وہ اسے خدا کی طرف سے اپنی توہین، بے عزتی اور ذلّت خیال کرتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ سب کچھ اس کے روّیہ پر منحصر ہوتا ہے۔ آگے چل کر اس روّیہ کا ذکر یوں کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی مالی وسعتوں کے دوران یتیم کی عزّت نہیں کرتا اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتا اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے، جس کی بناء پر وہ عزّت اس سے چھن جاتی ہے۔

تقدیر الٰہی پر ایمان کا عقیدہ ان مثبت اثرات کے علاوہ، جو انسانی سیرت کے حوالے سے معاشرے پر پڑتے ہیں، یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مقصد کی عظمت و رفعت کے پیشِ نظر انسانی کردار کی پختگی، نکھار اور سنوار کے اعتبار سے بھی ان آزمائشوں اور مصائب سے گزرنا ضروری ہے تاکہ اللہ کی خوشنودی کے حصول، آخرت کی کامیابی کی منزل تک رسائی، سچائی کی حمایت، نیکی کی ترویج و اشاعت، بُرائی کے خاتمے، مخلوق خدا کی رہبری و رہنمائی، اس کی بہبود و فلاح کی سعی، جیسے بلند ترین مقاصد کے لئے اولوالعزمی، بلند ہمتی، بلند حوصلگی اور بلند کرداری کی صفات پیدا ہو سکیں۔ جو مصائب وابتلاؤں کی بھٹی اور آزمائشوں کی چھلنی سے گزارے بغیر ممکن نہیں ہوتیں۔ کیونکہ یہ صفات ہی کسی انسان کے اعتبار کو بڑھاتی اور مقاصد تک رسائی کی ضامن ہوتی ہیں۔

؎ ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق — باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

اپنی ہمت کو بلند رکھو کہ مخلوق کے خدا کے سامنے تمہاری ہمت کے مطابق ہی تمہارا اعتبار قائم رہے گا۔ قرآن کریم میں بار بار انبیاءؑ و رسولوں کو یہ نصیحت فرمائی گئی ہے۔ ولتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب ومن الذین اشرکوا اذیً کثیرًا وان تصبروا وتتقوا فان ذالک من عزم الامور۔ اے پیغمبرؐ، تمہیں جان و مال کا نقصان دے کر آزمایا جائے گا اور تم سے پہلے کے اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے دلآزار گفتگو، طعنے، الزامات و بہتان لگوا کر اور سنوا کر بھی تمہیں آزمایا جائے گا، اگر اس سب کچھ پہ تم نے صبر سے کام لیا اور پرہیزگاری کی روش پر قائم رہے تو بہت بڑی ہمت اور بلند ارادے اور عزم صمیم کا مظاہرہ ہوگا۔ فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل ولا تستعجل لہم۔ اے پیغمبرؐ مخالفین کی طرف سے زبانی اور عملی ایذا رسانیوں پہ تنگ آکر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ تم سے پہلے بھی بلند ہمت و بلند ارادہ پیغمبروںؑ نے صبر سے کام لیا ہے۔ مخالفین کو عذاب دلانے اور انتقام لینے میں جلدی سے کام نہ لو۔

سورۂ لقمان میں حضرت لقمانؑ کی زبانی بیٹے کو نصیحت میں یہی تعلیم اور ہدایت ملتی ہے: یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ۭ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ اے بیٹا، نماز قائم کرو، لوگوں کو اچھائیوں، نیکیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔ اس سلسلہ میں جتنی بھی تمہیں تکالیف پیش آئیں، دشمنیوں اور نفرتوں کا نشانہ بنو گے۔ یہ کام انتہائی دشوار ہے اور صبر و برداشت اور بلند حوصلے و ارادے کے کام ہیں۔

انسانی اخلاق و صفات میں بلند ترین اور اعلیٰ ترین خوبی، عزم و ارادہ کی بلندی، ارادے کی پختگی، صبر و تحمل ہے۔ جس کا ظرف جتنا بلند ہوگا وہ اتنا ہی صبر و تحمل کا مالک ہوگا اور یہی صفات انسان کی تمام کامیابیوں کی ضامن ہوتی ہیں ؎

نگاہ بلند سخن دلنواز، جاں پرسوز — یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

نگاہ بلند، مقاصد اور ارادے کی بلندی مراد ہے۔ سخن دلنواز سے مراد غصے، نفرت سے اجتناب اور موافق مخالف سب کے ساتھ نرم رویہ ہے۔ جاں پرسوز سے مراد اپنے مقاصد سے عشق اور لگن ہے۔ صبر کے معنی روک کے رکھنا ہے۔ یعنی نفس کو قابو میں رکھنا، مشتعل اور تنگ نہ ہونے دینا، لالچ اور حرص پیدا نہ ہونے دینا۔ عام معنوں میں جانی و مالی نقصان، بیماری، تنگدستی اور سختیوں کو خاموشی اور خندہ پیشانی سے سہہ لینا۔ شور و شکایت، گلہ و فریاد نہ کرنا، انتقام کا نہ سوچنا۔ صبر کے قرآنی معنی اس سے زیادہ وسیع ہیں۔ خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے، آخرت کے اجر و ثواب کے لئے، نیکی کی اشاعت اور برائی کے انسداد کے لئے، مخلوق کی خیر خواہی کے لئے جو لوگ تکلیفوں، ناگواریوں کو برداشت کریں تو اسے صبر کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں صبر کے اسی مفہوم کو سامنے رکھ کر تلقین کی جاتی ہے اور مشکل حالات میں اسی صبر و نماز سے امداد حاصل کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔ یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر

Marfat.com

والصّلوٰۃ انّ اللہ مع الصابرین ۔ ایمان والو مشکل حالات میں نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو۔ خدا صبر کرنے والوں کا ساتھی و مددگار ہوتا ہے ۔ سورۂ بقرہ کی اسی سورت میں دوسرے مقام پر پھر یہی نصیحت فرمائی گئی ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔ تم آزمائشوں اور مصائب میں صبر اور نماز سے امداد طلب کیا کرو۔ ایسے حوصلہ شکن حالات میں یقیناً یہ دونوں کام مشکل اور گراں ہیں، مگر جنہیں آخرت میں خدا سے ملاقات اور اس کی طرف پلٹنے کا گمان ہوتا ہے تو ان کے لئے صبر و نماز میں ضرور حوصلہ و مدد ملتی ہے ۔

سورۃ الاعراف میں اپنے نیک بندوں کی دعا کا ذکر کر کے ہمیں بھی ایسی ہی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ربّنا افرغ علینا صبراً وّ توفّنا مسلمین۔ وہ خدا سے صبر کی دعا مانگا کرتے ہیں اور دنیا سے خدا کا فرمانبردار ہو کر مرنے کی آرزو کرتے ہیں ۔

اسلامی سیرت و اخلاق کا مطالعہ فرمایئے تو تمام انبیاء کرامؑ، صحابۂ کرامؓ، صوفیائے عظامؒ اور اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کی زندگیاں، غربت و افلاس، عسرت و تنگدستی اور تکالیف و مصائب میں گزری ہیں۔ یہ نہیں کہ خدا ان سے ناراض تھا یا خوشیوں اور مسرّتوں کے دروازے ان پہ بند تھے بلکہ زندگی کی آسائشوں نے اپنی تمام رعنائیوں، رنگینیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ ان کی زندگی میں داخل ہونا چاہا۔ دنیاوی شان و شوکت، جاہ و جلال اور رعب و داب کے ساتھ ان کے سامنے سر جھکا کر آئیں، مگر انہوں نے ان سب پر لات مار کر فقر و غنا، درد و یشی و مسکینی کو اپنے لئے پسند فرمایا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آخرت کے دائمی فوائد اور مراتب کے مقابلے میں یہ ساری دنیاوی نظر فریبیاں کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں رکھتیں۔ انہوں نے شعب ابی طالب میں پورے تین سالوں تک بھوک پیاس برداشت کی۔ درختوں کی جڑیں اور کھالیں اُبال کر کھائیں، مگر مشرکین مکّہ کی تمام پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ مصر، شام، روم اور فارس کی سلطنتوں کے خزانے اُن کے قدموں میں ڈھیر ہوئے، مگر کپڑوں میں پھر بھی پیوند لگا کر پہنے۔ روٹی سوکھی کھا کر بھی دنیا کی آسائشوں کو پلٹ کر نہ دیکھا۔ انہیں کے نقش قدم پر چلنے والوں کی دو چار مثالیں دیکھیئے۔

ا۔ بابا فرید گنج شکرؒ اجودھن کے ابتدائی دنوں میں درختوں کی جڑیں اُبال کر کھاتے رہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اجودھن میں لنگر قائم ہو گیا۔ کئی لوگ اس لنگر سے صبح و شام اللہ کی نعمتیں کھاتے تھے، لیکن بابا فرید گنج شکرؒ کی خوراک سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے اور پانی ہوتا تھا یہی اُن کی سحری بھی تھی اور یہی افطار بھی۔ سلطان ناصر الدین نیری میں شاہی کرنے والا بادشاہ تھا۔ اُس نے بابا فریدؒ کو روپوں کی تھیلیاں بھیجیں اور ساتھ بہت بڑی جاگیر کا پروانہ بھیجا جس میں چار گاؤں کی جاگیر تھی۔ انہوں نے جاگیر کا پروانہ واپس بھیج دیا اور روپوں کی تھیلیاں مسجد میں ڈھیر لگا لگا کر غریبوں میں تقسیم کر دیں۔ ان کا حال یہ تھا کہ کچھ ملنے پر خوشی نہ ہوتی اور پاس کچھ نہ ہونے پر رنج نہ ہوتا۔ ایک دفعہ درس دے رہے تھے کہ خادم نے آکر اطلاع دی کہ آپ کے بیمار صاحبزادے فوت ہو گئے ہیں۔ یہ سُن کر

انّا للہ وانّا الیہ راجعون پڑھا اور درس میں مصروف ہوگئے۔ خادم اس بات پر حیران ہوا اور سوچا کہ شاید صاحبزادے کا لفظ نہ سنا ہوگا۔ کہا۔ حضرت آپ کا بیٹا فوت ہوگیا ہے۔ ایک لمحہ خاموش رہ کر فرمایا۔ یہ فقیر کیا کرے، خدا کی تقدیر ہے، ہر ایک نے ایک نہ ایک دن فوت ہونا ہے۔ یہ فرما کر دوبارہ درس میں مصروف ہو گئے۔ انہیں یقین تھا کہ ہر چیز فنا ہوگی اور صرف خدا کا نام باقی رہے گا۔

۲۔ حضرت ابراہیم ادھم ؒ ایک بڑی سلطنت کے مالک تھے، مگر حکومت اور بادشاہت چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی تاکہ فقیری اور تنگدستی میں خدا کی یاد کا لطف آئے گا۔ تلاشِ حق میں ملکوں ملکوں پھرتے، بھوکے پیاسے رہتے، بے ٹھکانہ اور بے خانہ زندگی گزاری۔ ایک دفعہ مکّہ میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ حضرت شفیق بلخی ؒ سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں اللہ والے اور بڑے مرتبہ کے بزرگ تھے۔

حضرت شفیق بلخی ؒ نے پوچھا۔ کہو ابراہیم ؒ کیسے گزر رہی ہے؟ جواب دیا کہ بس جو مل جاتا ہے شکر کرتا ہوں، نہیں ملتا تو صبر کر لیتا ہوں۔ حضرت شفیق بلخی ؒ نے فرمایا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ایک آوارہ کتّا بھی تو ایسا ہی کرتا ہے۔ کوئی چیز مل جاتی ہے تو دُم ہلاتا ہے، خوش ہوتا ہے، یہ اس کے شکر کا انداز ہے۔ نہیں ملتی تو صبر کرتا ہے خاموش رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم ادہم ؒ نے دریافت فرمایا۔ حضرت آپ کا طریقہ کیا ہے؟ جواب دیا۔ بھائی ہمیں جو ملتا ہے دوسروں میں بانٹ دیتے ہیں، نہیں ملتا تو صبر کر لیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم ؒ نے بے اختیار اُن کی پیشانی چوم لی۔

رنج و غم کے موقعوں پر صبر و ہمت کے علاوہ اور بھی کئی علاج اور رویے ہیں جنہیں اختیار کر کے اپنی اور دوسروں کی تکالیف اور مصیبتوں کو دُور کر سکتے ہیں۔ غزوہ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ اور حضرت حمزہ رضؓ حضورؐ کے چچا شہید ہوئے اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کر کے انتہائی سنگدلی کا مظاہرہ بھی کیا گیا تھا۔ جب حضورؐ اس جنگ سے واپس تشریف لائے تو بہت سی خواتین اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے متعلق دریافت کرنے کے لیے حضورؐ کے پاس تشریف لائیں۔ حضرت حمنہ رضؓ بنت جحش آئیں تو حضورؐ نے فرمایا۔ اپنے بھائی عبداللہ رضؓ پر صبر کرو۔ اُنہوں نے انّا للہ وانّا الیہ راجعون پڑھا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا۔ اپنے ماموں حضرت حمزہ رضؓ پر صبر کرو۔ انہوں نے دوبارہ انّا للہ وانّا الیہ راجعون پڑھا اور صبر و سکون سے کام لیا۔

حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔ جس کسی نے اپنے مصیبت زدہ بھائی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا، اُس کی وفات پر تعزیت کی۔ اُسے اتنا ہی اجر ملے گا، جتنا مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو۔ اسی طرح کسی کے جنازے میں شرکت کی تو اسے ایک قیراط اور اس کے دفن ہونے تک ساتھ رہنے والے کو دو قیراط ثواب کی خوشخبری سنائی۔ آپؐ سے پوچھا گیا۔ قیراط کی مقدار کیا ہے؟ فرمایا۔ پہاڑ کے برابر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی فکر مند ہوتے تو آسمان کی طرف سر اُٹھا کر سبحان اللہ العظیم کا ورد فرماتے۔ زیادہ پریشانی ہوتی اور رونا آجاتا تو یا حیّ یا قیوم پڑھنے رہتے۔ رنج و غم اور پریشانی و اضطراب

Marfat.com

میں حضرت یونسؑ کی دعا پڑھتے جو وہ مچھلی کے پیٹ میں پڑھتے تھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ
مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ حضرت موسیٰ اشعری کا قول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا
ملجاء الا الیہ۔ ننانوے بیماریوں کا علاج ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والا رنج و غم سے محفوظ
رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم والملائکۃ یدخلون علیھم
من کل باب سلامٌ علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ جن لوگوں نے خدا کی رضا مندی کے لئے اپنی
مصیبتوں پہ صبر کر لیا۔ انہیں بہترین مقامات میں داخل کیا جائے گا، جہاں کے ہر دروازے سے فرشتے داخل ہو
کر ان پر سلامتی بھیجیں گے۔ کہیں گے کہ آپ کے صبر کے بدلے میں بہترین نعمتوں والے ٹھکانے ملے ہیں۔

جس معاشرے اور سوسائٹی میں اپنی مصیبتوں اور تکالیف کو خندہ پیشانی اور صبر و حوصلہ کے ساتھ برداشت
کرنے والے، نیکیوں کو پھیلانے والے، برائیوں کے خلاف جہاد کرنے والے اور دوسروں کے دکھ و تکالیف میں
امداد دینے والے افراد و اشخاص موجود ہوں وہ اس سوسائٹی کے کریم اور نکھن ہوتے ہیں۔ ان کا وجود ایک نعمت
ہوتا ہے۔ قوموں میں ہوں تو پوری قوم عزت مند و سربلند ہوتی ہے۔ اسلامی سیرت و کردار کے حوالہ سے ہٹ کر
محض تاریخی اور سیاسی تسلسل سے دیکھیے تو مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا
ظفر علی خانؒ اور قائداعظمؒ اپنے لئے زندہ رہتے تو دنیا کے بڑے بڑے مراتب و مناصب پر فائز رہتے کہ وہ
اپنی علمی حیثیتوں سے اس دور کے افسروں سے کسی طرح بھی معیار سے کم نہ تھے، مگر انہوں نے شبانہ روز قوم کے
دکھ سہے، آدھی زندگیاں انگریزوں کے ظلم و تشدد اور جیلوں میں گزاریں۔ مالی و جانی نقصانات برداشت کیے، بہتان
اور الزامات برداشت کئے اور آج پوری قوم آزادی و سربلندی سے جی رہی ہے۔ یہ الگ بحث ہے کہ آج کا لیڈر
اور خادم قوم انہی کی بہائی ہوئی گنگا سے ہاتھ رنگ رہا ہے اور اس ملک کی آسائشوں سے فیضیاب ہو رہا ہے۔
فاعتبروا یا اولی الابصار۔

خوشی و خوشحالی میں مؤمنانہ کردار

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ سورہ الحدید	مومن کا رویہ، ذاتی کوششوں پر انحصار نہ ہو قرآن کا نظریہ حیات، عقیدۂ آخرت و کردار سازی۔
۲	دُنیا کے بارہ میں قرآنی تعلیمات	کھیل تماشا عارضی ہے۔
۳	ہمارا رویّہ	ہم خدا کی بجائے اوروں پر اعتبار کرتے ہیں۔
۴	واقعات و امثال	بزرگ کی مثال۔ دنیا کی مثال۔

Marfat.com

خوشی و خوشحالی میں مومنانہ کردار

آیت مع ترجمہ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۔ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ (الحدید: ۲۲،۲۳) کوئی مصیبت بھی جو آسمان سے دنیا میں اُترتی ہے یا تمہیں پہنچتی ہے وہ پہلے سے ہمارے پاس لکھی ہوتی ہے۔ خدا کے ضابطہ اور مقرر پروگرام کے مطابق آتی ہے اور ایسا کرنا خدا کے لئے آسان ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس ضابطۂ تحریر کے مطابق اگر تمہیں کوئی نقصان ملے تو تم رنجیدہ نہ ہو جاؤ اور جو کچھ اس ضابطۂ تحریر کے مطابق خوشی و خوشحالی میسر آجائے تو اسے ذاتی کمال سمجھ کر فخر و غرور میں مبتلا نہ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ کو بڑائی اور غرور کرنے والے پسند نہیں ہوتے۔

تفسیر و تشریح

قرآن کریم میں سورۃ الحدید کی یہ آیت مسلسل گزشتہ موضوعات و مضامین یا تقاریر کا موضوع بنی ہوئی ہے جس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تقدیر الٰہی کو ماننے اور اس پر ایمان رکھنے سے انسانی مصائب میں سکون و اطمینان ملتا ہے اور یہ عقیدہ انسانی سیرت و کردار پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے انسانیت سازی و کردار سازی میں مدد دیتا ہے۔ انسان دنیا کی زندگی میں اپنے ملنے والے حصے پر شاکر رہتا ہے کہ میرے لئے میرے رب کا یہی فیصلہ ہے۔ اس طرح وہ خدا کے فیصلے کے سامنے بخوشی و برضا و رغبت سرشار ہو کر خدا کی خوشنودی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تھوڑے پر قناعت، تنگی ترشی اور مصائب پر صبر و استقامت اور زیادہ پر سرکشی و بغاوت، عیش و عشرت اور خدا کی حدود سے تجاوز کی بجائے شکر اور تحدیث نعمت کر کے خدا کی رضا حاصل کرتا ہے۔

آج کا موضوع

آج اس آیت کے دوسرے حصے اور عقیدۂ توحید کے دوسرے پہلو پر اظہار خیال مقصود ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ عقیدۂ تقدیر اور قسمت کی تحریر کا ایک سبب یہ ہے کہ تمہیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ دیا جائے اس پر پھولے نہ سماؤ، آپے سے باہر نہ ہو جاؤ اور اپنی خوشی و خوشحالی کو بھی مصائب کی طرح لکھی ہوئی تقدیر سمجھ کر اپنا ذاتی کمال ہوشیاری و فنکاری کا حاصل نہ سمجھو بلکہ عطیۂ خداوندی جان کر خدا کا شکر ادا کرو۔ آیت کے اس حصے میں سمجھنے کی بات یہی ہے کہ جس طرح زندگی کے مصائب تقدیر کے فیصلے کے مطابق آتے ہیں اسی طرح زندگی کی مسرتیں، آسائشیں، عزتیں، مناصب، اقتدار، حکمرانی و اختیارات، مال و دولت اور اولاد بھی اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اور عطا کردہ ہوتی ہیں۔ انہیں اپنا جاننا، ان پر اترانا اور جامے سے باہر ہو کر دوسروں

کے لئے آزار و تحقیر کا ذریعہ بنانا کمینگی، رذالت اور گھٹیا پن ہے اور خدا کو یہ رویہ پسند نہیں ہوتا۔

انسانی کوششوں میں مومن کا رویہ

اس سلسلہ میں آگے بڑھنے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ انسان کارزار حیات میں جو دوڑ دھوپ کرتا ہے، جو محنت اور کوشش کرتا ہے، کیا وہ سب کچھ دنیاوی مفاد اور منافعوں کے لئے کرتا ہے یا آخرت کے فوائد پیش نظر ہوتے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ خدا، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور قیامت و آخرت پر ایمان رکھنے والے یہی فیصلہ کریں گے کہ دنیاوی دوڑ دھوپ میں ان کے پیش نظر آخرت کے منافع اور فائدے ہوتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرامؑ، صحابہ کرامؓ اور خدا کے برگزیدہ تمام دنیا کے بہترین انسانوں کا یہی فیصلہ تھا اور قرآنی تعلیمات اور ہدایات میں بھی دنیا کے فائدوں کے مقابلے میں آخرت کے فائدوں پر زور دیا گیا ہے۔

قرآن کا نظریہ حیات

قرآن کریم کے بالکل ابتدا میں قرآن سے ہدایت پانے کی شرائط بھی یہی ہیں کہ وہ تقویٰ دار ہو اور تقویٰ داری کی صفات یہی ہیں کہ اُسے ایمان بالغیب، خدا کے فرشتوں، جنت دوزخ، آخرت کے برپا ہونے کا پورا پورا الیقین ہو۔ ایمان بالغیب کا پھر قدرتی تقاضا یہ ہے کہ جس خدا پر ایمان ہے، نماز کی صورت میں بندگی کرے۔ جس خدا پہ ایمان ہے اُس کی بھیجی ہوئی کتاب کے احکامات کو نہ صرف مانے بلکہ عمل بھی کرے۔ جس خدا پہ ایمان ہے اُس کے رسولوں کی زبانی و عملی زندگی کو اپنائے اور اس کے مطابق چلے۔ جس خدا پر ایمان ہے، اپنے رزق، دولت، صلاحیتوں، عہدوں اور جاہ و منصب کو اسی خدا کے راستے میں لگائے اور خرچ کرے۔ جس خدا پہ اس کا ایمان ہے اسے یہ بھی ایمان رکھنا ہوگا، اس زندگی کے بعد مرے گا اور پھر زندہ ہو کر اسی خدا کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ اپنے ان تمام قلبی، زبانی اور عملی ایمان کے تحت یا اس کے خلاف گزاری جانے والی زندگی کا اجر، بدلہ یا سزا پائے گا۔ گویا یہی عقیدۂ آخرت انسانی اعمال کے متعلق فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ اگر وہ ایماندار ہے تو اُسے آج ہی یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ آخرت کی جوابدہی کو مدنظر رکھ کر اور اس کے فوائد کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتا ہے یا اسی زندگی کے فوائد اور منافعوں کو زندگی کا حاصل اور نتیجہ سمجھتا ہے اور آخرت اور اس کے منافعوں کا قائل نہیں ہے۔

عقیدۂ آخرت اور کردار سازی

ثابت یہ ہوا کہ عقیدۂ آخرت انسانی زندگی کی اصلاح، درستی اور اعمال کی بہتری کا ذمہ دار اور بصورت دیگر اس پہ ایمان نہ رکھنے والے آخرت اور اس میں جواب دہی یا جزا و سزا سے بے نیاز ہونے والے جانوروں، جنگلی درندوں اور وحشی لوگوں کی طرح غیر ذمہ دارانہ زندگی کے قائل ہوتے ہیں، جو بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست، کے مطابق کارزار حیات میں خطرناک بیل اور سانڈ ہیں جنہوں نے جہاں جی چاہا مُنہ مار لیا۔ حلال و حرام، حق و باطل، سچ اور جھوٹ، جائز و ناجائز کی کوئی قید، کوئی قانون ماننے کو تیار نہیں۔

۱۔ اس عقیدہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کا نظام ابدی اور دائمی نہیں۔ (۲) زندگی کے موجودہ نظام کے بعد دوسرے

Marfat.com

جہان میں یہاں کے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ (۳) خدا کے اس دن کے فیصلے کے مطابق جو نیک قرار دیا جائے گا اُسے جنت ملے گی اور جو بُرا ٹھہرایا جائے گا اُسے دوزخ کی سزا ملے گی۔ (۴) اُس زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا معیار موجودہ زندگی کی خوشیاں نہیں بلکہ خدا کے اس فیصلے کے مطابق ہی کامیاب و ناکام ٹھہرایا جائے گا۔

مومن آخرت کی سرخروئی چاہتا ہے

آخرت کے عقیدے کو اس انداز اور اس سوچ کے ساتھ ماننے والے مومن اور مسلمان پر واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ساری دوڑ دھوپ اور کوششوں میں دنیاوی مفادات کو پیشِ نظر نہیں رکھتا بلکہ اس کے سامنے ہر وقت آخرت کی کامیابی و سرخروئی ہوتی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: فمن الناس من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً و مالہٗ فی الاٰخرۃ من خلاق۔ دنیا کے لوگوں میں سے بعض کے نزدیک دنیا کی اچھائیاں اور فائدے ہوتے ہیں جنہیں وہ خدا سے مانگتے ہیں، وہ انہیں مل جاتے ہیں، مگر آخرت کے فوائد میں اُن کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس دوسرے لوگ کہتے ہیں: ومنھم من یقول ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الاٰخرۃ حسنۃً وقنا عذاب النار اولٰئک لھم نصیبٌ مما کسبوا واللہ سریع الحساب۔ انہی لوگوں میں سے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ ہمیں دنیا میں بھی اچھائی دے دے اور آخرت میں بھی اچھائیوں سے نوازے اور ہمیں آخرت کے عذاب سے بچا دے۔ ایسے لوگوں کے لئے زندگی کی دوڑ دھوپ اور کوششوں کا حصّہ انہیں ملے گا اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ومن یُرد ثواب الدنیا نؤتہٖ منھا ومن یرد ثواب الاٰخرۃ نؤتہٖ منھا وسنجزی الشٰکرین۔ جو شخص دنیا کے ثواب کے ارادے کام کرے اسے اس میں سے دیتے ہیں اور جو آخرت کے فوائد کے لئے کام کرے اُسے اس میں سے دیتے ہیں۔ البتہ ہم شکر گزار لوگوں کو جلد اس کا بدلہ دیں گے۔

جب اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ مومن، خدا، اُس کے رسولوں، اُس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لے آتا ہے تو وہ یہ بھی جانتا ہے، مانتا بھی ہے اور ایمان رکھتا ہے کہ دنیا کا نظام چند روزہ ہے۔ یہاں کی خوشیاں، مسرّتیں، دولت، اقتدار، حکمرانی سب عارضی ہیں۔ اور یہ کہ مومن کی زندگی کا مقصود دنیا کی کامیابیاں نہیں آخرت کی کامیابی ہے تو وہ اسی کے لئے سعی و محنت کرتا ہے اور اگر اس سعی کے اضافی فائدے اور فی الدنیا حسنۃً کی طلب کے طور پر دنیا مل بھی جائے تو وہ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور اسے بھی آخرت کے فائدوں کے حصول میں لگا دیتا ہے۔ و مما رزقنھم ینفقون کی تقویٰ والی صفت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ تکبّر اور غرور میں مبتلا ہو کر خدا کی سرکشی اور فساد فی الارض کی راہ اختیار نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تلک الدار الاٰخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوًّا فی الارض ولا فسادًا۔ (سورۂ قصص) آخرت کا گھر جنت، صرف انہی لوگوں کیلئے ہے جو دنیا میں اونچا بننا اور اس کے نتیجہ میں فساد پھیلانا نہیں چاہتے، بلکہ ان کا اس بات پر ایمان ہوتا ہے کہ دنیا کے سارے مرتبے منصب اور خوشیاں عارضی ہیں۔ دائمی اور حقیقی خوشیاں آخرت اور صرف آخرت کی ہیں۔ کُلّ نفسٍ ذائقۃ الموت انّما توفّون

Marfat.com

اجورکم یوم القیٰمۃ فمن زحزح عن النّار وادخل الجنّۃ فقد فاز وما الحیٰوۃ الدنیا الا غرور
آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے۔ قیامت کے دن اس کے عمل اور محنتوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جو شخص دوزخ کی آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہوگیا، وہی کامیاب ہوگیا۔ باقی رہی یہ دنیا تو یہ محض نظر یبی اور غرور کا سامان ہے۔

دنیا کے بارے میں قرآن کا نظریہ

دنیا کے نتائج اصلی اور آخری نہیں، یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش کا ہونا اس کے حق پر ہونے یا خدا کے نزدیک کامیاب ہونے کی دلیل نہیں اور نہ مصائب اور تنگدستی کا شکار ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ باطل پر ہے یا خدا اس سے ناراض ہے۔ یہیں اصلی اور اعتباری نتیجے آخرت کے ہیں، دنیا کے لذائذ اور فوائد کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد بار اسی بات پہ زور دیا گیا ہے۔ کہیں اسے تھوڑا منافع قرار دیا ہے۔ کہیں اسے محض کھیل تماشا کہا۔ کہیں ظاہری زیب و زینت کہا اور آپس میں فخر و مباہات کا ذریعہ بتایا اور کہیں اسے ایک ایسی بارش کہا جس سے کھیتیاں لہلہاتی ہوں جو کافروں کسانوں کو خوش کرتی ہوں، مگر پھر وہی کھیتی اور اس کا سارا نکھار و جوبن پکنے کے بعد بھوسہ بن جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ نساء، سورۂ الانعام، سورہ الحدید۔۔ اس کے برعکس یہی نصیحت دی گئی اور بار بار یہی فرمایا گیا ہے کہ اس دنیا پر ریجھنے اور اسے حاصل کرنے میں نہ لگ جاؤ بلکہ۔ سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنت عرضھا کعرض السماء والارض، اعدت للذین اٰمنوا باللّٰہ ورسلہ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔ اللہ کی مغفرت اور آسمانوں اور زمینوں جیسی وسعت والی جنت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اسی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ یہ جنت اللہ اور رسولؐ پہ ایمان لانے والوں کو ملے گی۔ دراصل خدا کا فضل اور مہربانی یہی جنت ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

اگر اس کے بدلے میں تم دنیا کے کھیل تماشے میں ڈوب گئے اور دنیا کی عیش و عشرت کو زندگی کا منتہا و مقصود بنا لیا تو دنیا ان ساری جائز و ناجائز دوڑ دھوپ کے نتیجے میں بے شک مل جائے گی، مگر آخرت میں تمہیں یہ کہہ کر محروم کر دیا جائے گا۔ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا‌ ۚ فَالۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ۔ (سورۂ الاحقاف: ۲۰) تم نے اپنے حصے کی ساری لذتیں حاصل کرلی ہیں اور انہیں خوب برت چکے ہو۔ سو آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ اس لئے کہ تم دنیا میں اتراتے پھرتے تھے اور اسی کے زیر اثر خدا کے نافرمان بنے ہوئے تھے۔

دنیا ایک تماشا ہے۔ جس طرح فلموں میں، ڈراموں میں اور دوسرے تماشوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی اس کھیل میں بادشاہ بنا ہوتا ہے۔ کوئی انھیں وزیر و امیر بن جاتا ہے۔ کوئی ڈاکو کے کردار میں سامنے آتا ہے۔ کوئی پیری فقیری کے لباس میں ہوتا ہے۔ کوئی عدالت کا حاکم اور پولیس کا افسر بن جاتا ہے۔ غرض ہر کردار کے لوگ ٹی وی پہ ہمارے سامنے آتے ہیں، مگر جب کھیل ختم ہوتا ہے تو پارٹ ادا کرنے والے وہ کردار اپنے اسی اصلی روپ میں دنیا کے دوسرے

Marfat.com

لوگوں کی طرح عام آدمی ہوتے ہیں۔ ان کی مثال چوک کے سپاہی کی سی ہوتی ہے جو ڈیوٹی کے دوران گزرنے والی ساری گاڑیوں پر حکم چلاتا رہتا ہے۔ گاڑیاں اس کے اشارے پر چلتی ہیں، مگر شام کو ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد گاڑیوں پر حکم چلانے والا پیادہ گھر کو جاتا ہے۔ یہ تماشے ہم دنیا کی زندگی میں دیکھتے رہتے ہیں۔ جو شخص اقتدار کی مسند پر بیٹھتا ہے تو وہ خود کو خدا سمجھتا ہے۔ اپنی تابعداری کراتا ہے۔ لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور اقتدار کے نشے میں خدا کی سرکشی اختیار کرتا ہے، جب خدا کی طرف سے اس کی معزولی کا فیصلہ ہوتا ہے تو اسی پاکستان میں اسے قبر کی جگہ بھی نہیں ملتی۔ زندہ باد کی بجائے مُردہ باد ہوتا ہے۔ دوسروں کی زندگیاں چھیننے والا خود پھانسی پر چڑھ جاتا ہے تو اُسے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔

ہمارا رویّہ ونظریہ

کوئی لوگوں کی حاجت روائی کا ٹھیکیدار بن کر آتا ہے تو اس کی اپنی حاجتیں، اُس کے ماننے والوں کے سپرد ہوتی ہیں۔ کوئی غیب دانی کا ڈھونگ رچاتا ہے تو اُسے اپنے کل کا پتہ نہیں ہوتا۔ کوئی لوگوں کو فریب دینے کے لیے دبے ہوئے تعویذ نکالتا ہے، چھپے ہوئے دشمنوں کا پتہ بتاتا ہے۔ مقدموں کے فیصلوں کا حال بتاتا ہے، کامیابی کا یقین دلاتا ہے۔ یہ سارے کھیل یہ سارے تماشے ہمارے سامنے ہوتے ہیں اور ہم ان سے دھوکے کھاتے رہتے ہیں بلکہ ہم خود بھی ان کھیلوں کی کامیابی کا کردار ادا کرتے ہیں اور جب مالک حقیقی کی طرف سے موت کی گھڑی آتی ہے، زندگی کی ڈور کھینچ لی جاتی ہے تو سارا کرّوفر، ساری خدائی، ساری مسیحائی، ساری غیب دانی، سارے تعویذ اور جادو دھرے رہ جاتے ہیں اور عالمِ حقیقی کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ ہر کسی کو اپنی حیثیت وحقیقت کا پتہ چل جاتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سارے جھوٹے پردے آنکھوں کے سامنے سے اُتر جاتے ہیں۔

واقعات وامثال

ایک بزرگ کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ ایک بستی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لوگوں کی دینی روحانی بے لوث خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ کچھ خوش قسمت ان سے فیض اُٹھاتے تھے اور اپنی عاقبت سنوارتے تھے کہ ایک دن اچانک انہوں نے اس بستی کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ لوگوں کو تشویش ہوئی۔ انہوں نے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اُنہیں بستی نہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ درخواستیں کیں کہ یہ فیصلہ واپس لے لیں، لیکن وہ نہ مانے۔ آخر سب لوگوں نے رو دھو کر اُنہیں رخصت کیا اور آخری درخواست یہ کی کہ وہ جہاں جانا چاہتے ہیں وہاں کا پتہ ہمیں دے دیں تاکہ اگر آپ کی یاد ستائے تو آپ سے ملاقات کر سکیں۔ اُنہوں نے بڑی سادگی سے فرمایا۔ بستی تو نہیں معلوم ہے وہاں آ کر یہ پوچھیں کہ جھوٹوں کا محلہ کونسا ہے۔ بس سیدھے اس محلہ میں داخل ہو جائیں میں وہیں ملوں گا۔ یہ پتہ بتا کر رخصت ہو گئے۔

جانے کتنے عرصہ بعد ان کا ایک مرید ان کی ملاقات کے شوق میں بے قرار ہو کر روانہ ہونے لگا تو بستی والوں نے اسے حضرت تک سلام و دعا کی درخواستوں کے ساتھ رخصت کیا۔ وہ مرید جب اس بستی میں پہنچا تو بہت تلاش کیا جس سے پوچھتا، یہاں جھوٹوں کا محلہ کونسا ہے تو وہی ہنس پڑتا اور کہتا بھائی، جھوٹے بھی کہیں محلوں اور بستیوں

Marfat.com

میں اکٹھے رہتے ہیں اور ہوں بھی تو کون جھوٹا کہلانا پسند کرتا ہے؟ جب ہر طرف سے مایوس ہو کر بستی سے نکلا تو راستہ میں قبرستان سے گزر ہوا۔ سوچا تھوڑی دیر یہاں سستا لوں تو چلوں۔ چنانچہ قبرستان میں داخل ہوا۔ ان دنوں قبرستانوں کے درختوں کو ٹھیکہ پر نہیں دیا جاتا تھا اور نہ بکریوں والے کاٹ کاٹ کر قبرستان کو اجاڑتے تھے۔ گھنے درختوں کی چھاؤں تھی اور یہ سفر اور گرمی کا مارا ہوا تھا۔ ابھی آرام سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ دیکھا قبرستان کے گوشے میں وہی بزرگ بیٹھے ذکر و فکر میں مصروف ہیں۔ دوڑ کر ان تک پہنچا، سلام کیا اور کہا۔ حضرت کہاں کہاں ڈھونڈتا رہا مگر آپ نہ ملے۔ حضرت نے فرمایا۔ کیوں پتہ تو آسان تھا، پھر کیوں تکلیف ہوئی۔ مرید نے کہا۔ حضرت جھوٹوں کا بھی کوئی محلہ ہوتا ہے؟ جس سے پوچھا وہی ہنس پڑا اور مجھے پاگل سمجھا۔

بزرگ نے فرمایا۔ عزیزم تو میری بات نہ سمجھ سکا۔ یہی تو جھوٹوں کا محلہ ہے جہاں ہم دونوں بیٹھے ہیں۔ قبرستان کے ان مُردوں میں سے کوئی نمرود بنا بیٹھا تھا، کوئی فرعون، ہامان اور کوئی شدّاد تو کوئی قارون بنا ہوا تھا۔ سب کہتے تھے میرا گھر، میرا مال، میری جائیداد، میری اولاد، میری قوم، میرے بازو، میری جوانی، میری قوّت، میری حکومت، میری فوج، میرا عہدہ، میرا مرتبہ، میری عزّت، جھوٹے کہیں کے۔ سر پُرغرور سے بھول جانے والے اپنی زندگیوں میں موت کو بھول بیٹھے تھے۔ یہ جھوٹے نہیں تو کیا تھے۔ دیکھو ان دو دو گز کی قبروں میں آج ان کے پاس کیا ہے؟ نہ تخت و تاج، نہ مال و دولت، نہ اولاد نہ جائیداد، نہ حکومت نہ حکمرانی کے ٹھاٹھ باٹھ۔ ان میں سے کسی نے اپنے لئے جنّت بنائی ہوئی تھی تو کسی نے دوسروں کے لئے جہنّم بنایا ہوا تھا۔ ان سے پوچھو سب کیا ہوئے؟ وہ فصلیں، وہ کوٹھیاں، وہ قلعے، وہ آرائش و آسائش کے سامان کہاں گئے۔ یہ اپنی زندگیوں میں ان ساری چیزوں سے محبت کرتے تھے، نہ کرتے تھے تو صرف خدا سے۔ اسے بھول کر وہ گمراہیوں اور سیاہ کاریوں میں ڈوبے رہے۔ بولو ان سے بڑا جھوٹا کوئی اور ہو سکتا ہے؟ ــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ آدمی مرتا ہے تو اُس کے ساتھ صرف اُس کے اعمال جاتے ہیں۔ دُنیا کی ساری آسائشیں گھر کے اندر رہ جاتی ہیں اور عزیز رشتہ دار قبرستان سے واپس آجاتے ہیں۔

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں ــــ چشمۂ زندگی میں آب نہیں

دُنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا کہ شیر کو اپنے پیچھے آتے دیکھا۔ شیر سے بھاگ کر دوڑا جا رہا تھا کہ ایک گہرا گڑھا نظر آیا، چاہا کہ اس میں چھپ جائے، مگر وہاں اژدھا بیٹھا ہوا دیکھا۔ آگے گڑھا اور اس میں اژدھا اور پیچھے شیر کا خوف کہ اتنے میں ایک درخت نظر آیا، اس پر چڑھ بیٹھا، مگر درخت پر چڑھتے ہی دیکھا کہ دو سفید اور ایک کالا چوہے اس کی جڑوں کو کاٹ رہے ہیں۔ بہت ڈرا کہ تھوڑی دیر بعد درخت کٹ کر گرے گا اور میں اژدھے یا شیر کا لقمہ بن جاؤں گا۔ اتفاقاً درخت پر شہد کا چھتّا نظر آیا یہ اسے چاٹنے میں ایسا مصروف ہوا کہ اپنے انجام سے بے خبر ہو گیا۔ لیکن جڑ کٹ گئی، یہ گر پڑا۔ شیر نے پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا، وہاں اژدھے کے منہ میں جا پھنسا۔ بزرگوں کی اس تمثیل میں جنگل دُنیا ہے، شیر موت ہے کہ پیچھے لگی ہوئی ہے اور گڑھا قبر ہے جس میں بُرے اعمال کا اژدھا بیٹھا ہوا ہے۔ سفید اور کالے چوہے رات دن ہیں زندگی کے درخت کو کاٹنے میں مصروف

ہیں۔ شہد کا چھتا دُنیا کی لذتیں ہیں جو انسان کو اپنے انجام سے غافل کر دیتی ہیں۔

ہمارا روز مرّہ کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جنہیں اقتدار پر اُبھرتے دیکھا اُسے اسی اقتدار کے ہاتھوں ذلیل وخوار بھی دیکھا ——— مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے ——— دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ یہاں کی بہاریں اور خزائیں وقتی اور دل بہلاوے ہیں۔ یہ سب سامان جھوٹے اور قلیل ہیں۔ جنہیں لوگ اپنی کم ظرفی کے باعث دائمی خیال کرتے ہیں اور جب تقدیر اس پر جھاڑو دے دیتی ہے تو سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس آخرت کے فائدے عظیم اور دائمی ہیں۔ وہاں کی کامیابی حقیقی کامیابی ہے۔ لہٰذا دنیا کے فائدے سمیٹنے کی بجائے آخرت کی فکر کرنا چاہیئے جو ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

Marfat.com

خوشی و خوشحالی میں مومنانہ کردار

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ تفسیر و تشریح	گزشتہ تقریر کا مختصر حوالہ
۲	دنیا کی قرآنی حقیقت	سورۂ کہف ، سورۂ نساء
۳	روزمرہ زندگی میں دنیا کی مثال	شادی بیاہ کے موقع پر تیاری - غالب کے اشعار - دوسرے مختلف اشعار سورہ آل عمران -
۴	واقعات و امثال	حضرت عمرؓ ، فرمودات حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ حضرت سلمان فارسیؓ شخصی حکمرانوں کی مثال - جہدی کے محل کا واقعہ ابراہیم ادھمؒ -

Marfat.com

خوشی وخوشحالی میں مومنانہ کردار

آیت معہ ترجمہ اعلموا انما الحیٰوۃ الدنیا زینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الآخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی ہے اور ظاہری ٹیپ ٹاپ، اس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا، مال واولاد کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش سے پیدا ہونے والی پود کو دیکھ کر کاشتکار ۔ کافر۔ خوش ہو جائے۔ جب وہ پک کر زرد ہو جائے تو وہ فوراً بھس بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس آخرت کو بھول جانے والوں اور دنیا کی لذتوں میں ڈوب جانے والوں کے لئے سخت عذاب ہے اور آخرت کو یاد کر کے دنیا کو برتنے والوں کے لئے وہاں خدا کی بخشش اور خوشی ہے۔ دنیا صرف فخر وغرور کا سامان اور تھوڑے دنوں کا سرمایہ ہے۔

تفسیر وتشریح: گزشتہ مضامین کا مختصر اعادہ ۱۔ ہماری گزشتہ تقاریر و مضامین کا مرکزی موضوع یہی رہا ہے کہ اس دنیا کی زندگی، اس کی بہاریں اور خزائیں، خوشیاں اور غم عارضی ہیں اور تھوڑی مدت کے لئے ہیں، لیکن حقیقت ناآشنا لوگ زندگی کی چکاچوند کے دھوکے میں آ کر اس کے حصول اور اضافے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔

۲۔ بحیثیت مسلمان ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہماری زندگی کی یہ ساری دوڑ دھوپ صرف دنیاوی مفاد کے لئے ہونا چاہیئے یا آخرت کے فوائد اور کامیابیوں کے لئے وقف کرنا چاہیئے۔ اگر ہمارا آخرت پر ایمان ہے کہ وہ ضرور آئے گی اور اس میں ہمارے اعمال کی سزا وجزا ملے گی تو اس بات پر بھی ہمارا ایمان ہونا چاہیئے کہ اس زندگی کے برعکس آخرت کی حقیقی اور سچی خوشیوں اور کامیابیوں کو اپنا مقصد حیات بنانا ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت میں اور اسی قسم کی دوسری متعدد آیات میں ایک مسلمان کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے، باہمی فخر وغرور کا سامان ہے جس طرح کسی مقام پر تماشے کا انعقاد اور اس میں شرکت صرف وقتی طور پر خوشی، وقت گزاری اور لذت یابی کا موجب ہوتا ہے، اسی طرح زندگی کا ساز وسامان بھی موسم برسات کی بارشوں میں اگنے والی پود کا ہے جس کے سرسبز وشاداب مناظر وقتی طور پر آنکھوں کو فرحت اور تازگی تو بخشتے ہیں، مگر برسات کے موسم کے بعد یہی پود گل سڑ کر بھس بن جاتی ہے۔

Marfat.com

دنیا کی قرآنی حقیقت

اسی حقیقت کو سورہ نساء میں یوں ادا کیا ہے: قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ ۔ دنیا کے منافع تھوڑے یا تھوڑے عرصہ کے ہیں اور آخرت کے دائمی فائدے تقویٰ داروں کے لیے ہیں۔ سورہ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما الحیٰوۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الآخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون ۔ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشا ہے۔ حقیقت میں آخرت کی زندگی ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگاری کی روش اختیار کریں۔ تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے ۔ ان آیات میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے الفاظ قابلِ غور ہیں یعنی دنیا میں وہ ناجائز ذرائع اختیار نہیں کرتے۔ حق و حلال کے ذریعہ سے کماتے ہیں اور اللہ کی طرف سے انہیں دنیا زیادہ مقدار میں حاصل بھی ہو جائے تو وہ ان حدود و قیود سے تجاوز نہیں کرتے جو اللہ نے زندگی گزارنے کے لیے مقرر کی ہیں۔ وہ دُنیا کماتے ہیں تو آخرت کے فوائد سمیٹنے کے لیے کماتے ہیں اور آخرت کی خوشیاں خریدنے کے لیے صرف کرتے ہیں۔

دنیا اور اس کی راحتوں کی ناپائیداری کو اللہ تعالیٰ نے مختلف سادہ و دل نشین مثالوں کے ذریعہ ذہن نشین کرایا ہے۔ سورہ کہف میں اس کی مثال یوں دی ہے: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاۤءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۔ (سورۂ کہف: ۴۵، ۴۶) اے نبیؐ، ان لوگوں کو دنیا کی زندگی کی حقیقت اس طرح سمجھا دو کہ آج آسمان سے پانی برسا دیا تو زمین کی پود، گھاس سبزہ گھنی ہو گئی اور کل وہی پود بھس بن کر رہ گئی، جسے ہوائیں اُڑاتی پھرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے۔ یہ مال اور اولاد بھی اسی طرح دنیا کی ہنگامی آرائش ہے، اصل میں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ہیں جو تمہارے ربّ کے نزدیک نتیجے کے اعتبار سے بہتر ہیں، جن سے آخرت اور دنیا میں بھی اچھے نتائج کی امید کی جا سکتی ہے۔ اصل فکر آخرت کے نتائج کی ہونی چاہیئے۔ جہاں نیک اعمال کے بدلے ہیں اور بہترین امیدیں ہیں۔

دنیا کی روزمرہ زندگی میں مثال

آپ نے دیکھا ہوگا کہ شادی بیاہ کے موقعہ پہ یا خوشی و مسرت کے کسی دن یا کسی بڑی شخصیت کی آمد پہ یا الیکشن کے دنوں میں، شہر کی سڑکوں، بازاروں، گلیوں اور مکانوں کی سجاوٹ پہ کتنی محنت کرتے ہیں۔ محرابی دروازے لگاتے ہیں۔ جھنڈیاں لہراتے ہیں۔ بینرز، پوسٹرز اور اشتہار چسپاں کرتے اور لٹکاتے ہیں۔ ہفتے اور مہینے تیاری میں لگ جاتے ہیں اور نہ جانے کتنی رقم اور پیسہ اس پر خرچ ہوتا ہے، مگر آپ نے کبھی غور کیا، یہ ساری محنت، تیاری، آرائش و سجاوٹ صرف اور صرف ایک لمحے یا ایک دن یا رات کے لئے ہوتی ہے۔ جب شادی کا ہنگامہ ختم ہوتا ہے، الیکشن کا ایک دن گزر جاتا ہے، وہ شخصیت آ کر رخصت ہو جاتی ہے تو وہ ساری رونق اُجڑ جاتی ہے۔ وہ آرائشی جھنڈیاں اور بینرز اتارے جاتے ہیں، چیرے جاتے ہیں اور ان کے کاغذ پاؤں میں مسلے جاتے ہیں، ہواؤں میں اُڑتے پھرتے

Marfat.com

ہیں۔ ان کی پائیداری اور رونق پر، اس سجاوٹ پر ویرانیاں چھا جاتی ہیں۔ غالب نے اسی سورۂ کہف کی آیت اور دنیا کی اسی ہنگامی خوشی اور وقتی رونق کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط ۔۔۔ دامانِ باغبان و کفِ گُل فروش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں ۔۔۔ نے وہ سرور و شور نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی ۔۔۔ اِک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

وہ ساری سجاوٹ، ساری آرائش اور جوش و خروش۔ فاصبح ھشیمًا تذروہ الریاح۔ صبح کے وقت بھُس بن کر رہ جاتا ہے اور ہوائیں اسے اڑائے پھرتی ہیں۔ زمین۔ دنیا کا یہ سارا ساز و سامان محض عارضی خوبصورتی ہے اور یہ سب کچھ ہماری آزمائش و امتحان کے لیے ہوتا ہے، جیسے دنیا کے غم آزمائش ہیں، دنیا کی خوشیاں بھی آزمائش ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: انّا جعلنا علی الارض زینتھا لنبلوکم ایّکم احسن عملاً۔ ہم نے زمین کو آرائش و زینت بخشی تاکہ دیکھا جائے، کون اچھے عمل کرتا ہے اور کون ان آرائشوں میں کھو کر خدا کو بھول جاتا ہے۔

؎ کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے ۔۔۔ پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

بقول علامہ اقبالؒ ؎

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر ۔۔۔ عقل و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر

دنیا کی زینت، محبوبِ خدا۔ کی تابدار و آبدار زلفیں ہیں یا بقول غالب محبوبِ حقیقی نے اپنے حسنِ جہانتاب کے آگے خوبصورت پردہ لٹکا دیا ہے۔ ظاہر بین نگاہیں زلفوں کی چمک دمک اور پردہ کی جلوہ گری میں کھو کر عقل، خرد اور قلب نظر کو شکار کرا بیٹھتی ہیں۔ اصلی حسنِ حقیقی کو دیکھنے سے عاجز ہو جاتی ہیں اور پسِ پردہ خدا سے محبت کو اہمیت نہیں دیتے۔ اس اعتبار سے دنیا کی رنگینیاں اور رعنائیاں ہماری آزمائش ہوتی ہیں۔ کہ گاہ الجھ کے رہ گئی پردۂ کائنات میں۔ اور بہت نگاہیں ایسی ہوتی ہیں جو بقول اقبالؒ

نگام ہماری نگاہ چیر گئی دلِ وجود ——— جب دنیا کی یہ بساط لپیٹ دی جائے گی اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔ انّا لجاعلون ما علیھا صعیدًا جرزا۔ ہم زمین کی ساری سرسبز و شادابی کو ختم کر دیں گے، اجاڑ کر رکھ دیں گے۔ سورۂ یونسؑ میں دنیا کی پود کو بارش کے ذریعہ اگا کر انسانوں کو جانوروں کی خوراک بنایا جاتا ہے اور پھر حتّٰی اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں دنیا کی زندگی جس کے نشے میں مست ہو کر تم ہم سے غافل ہو جاتے ہو، حالانکہ اس زندگی کی مثال آسمان سے برسائی جانے والی بارش کے نتیجے میں گھنی ہو کر پیدا ہونے والی پود کی ہے جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں اور عین اس وقت جب وہ اپنے جوبن پہ ہوتی ہے خوب بہار دکھا رہی ہوتی ہے۔ کھیت لہلہا رہے ہوتے ہیں اور مالک یہ سمجھتے ہیں کہ اس فصل سے فائدہ اٹھانے پر ہمیں اختیار ہے کہ اچانک رات یا دن کے کسی وقت ہمارا حکم آ جاتا ہے اور ہم اسے غارت

کر کے رکھ دیتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کل یہاں کچھ نہیں تھا۔ سورہ آل عمران میں یہی مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ تمہارے مزاج اور نفس کی پسندیدہ ترین چیزیں پیدا کر کے ان میں تمہارے لئے کشش پیدا کی ہے۔ وہ عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ چیدہ گھوڑے، زرخیز و شاداب کھیتیاں، تمہاری من پسند اور دلفریب بنا دی ہیں۔ مگر یہ سب کچھ دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں تمہارا بہتر ٹھکانا خدا کے پاس ہے۔ دنیا کے سامان کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے حکم کا ایک لفظ ان سب پر جھاڑو پھیر دیتا ہے۔ کیا تمہیں یہ خبر نہ دی جائے کہ خدا کے ہاں تمہارے لئے خیر اور بھلائی ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ خدا کے ہاں باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ پاک بیویاں ہیں، اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ خدا اپنے بندوں پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔

قرآن کریم کی ان تمام آیات میں دنیا کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے اور ربِّ کائنات نے اس کی جو حقیقت ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی ہے اسے سامنے رکھ کر کوئی مومن اور ایماندار شخص اس کے دھوکے اور فریب میں نہیں آسکتا اور نہ ان سے دل لگا سکتا ہے۔ انہیں صرف بقدر ضرورت حیات ہی استعمال کر سکتا ہے اور اگر اس کے پاس یہ سب کچھ اپنی فراوانیوں اور رعنائیوں کے باوجود ہوتا بھی ہے تو بھی وہ اس پہ اتراتا نہیں، غرور نہیں کرتا اور مال و دولت کی عیاشیوں، فحاشیوں اور بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ اس پہ وہ زیادہ سے زیادہ شکر گزار ہوتا ہے۔ عبادت گزار اور تقویٰ دار ہوتا ہے۔ اس کی دولت حضرت عثمانؓ، عبدالرؤف بن عوفؓ اور دوسرے مالدار صحابہ کرامؓ و خدا کے نیک بندوں کی طرح غریبوں، مسکینوں، انسانی فلاح و بہبود کے کاموں اور دین کی اشاعت اور توسیع میں خرچ ہوتی ہے، اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر قیامت کے دن خدا کو یہ حق ہے کہ وہ ان سے کہے: الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض وبما کنتم تفسقون ۔ آج کے دن تم ذلت اور رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھو، کیونکہ تم اپنی دھن دولت پہ تکبّر کرتے تھے اور دنیا پرستوں کی طرح نافرمانیاں کرتے تھے۔

اپنے تاریخی واقعات میں مومن لوگوں کا رویہ دیکھیں کہ انہوں نے اپنی زندگیاں قرآن کریم کی ان آیات اور تفصیلات کے مطابق کیسے گزاریں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت ہے کہ میں بحرین سے جزیہ کی رقم لے کر آیا۔ نماز کے بعد تمام صحابہؓ جمع ہوئے کہ رقم کی تقسیم کی جائے۔ حضورؐ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ مجھے تمہارے فقر سے اندیشہ نہیں اندیشہ اس بات کا ہے کہ دنیا تم پر پھیل جائے گی، تم اس پہ مائل ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ہی روایت ہے کہ دورِ فاروقیؓ میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لائے گئے تو حضرت عمر فاروق رو پڑے۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا۔ یہ تو خوشی کا مقام ہے رونے کا تو نہیں۔ آپؓ نے فرمایا۔ دولت کی فراوانی جس قوم میں آجاتی ہے تو اس قوم میں بُغض، عداوتیں، بخیلیاں، نفرتیں، حسد اور لالچ جیسی امراض آجاتی ہیں۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ایحسبون انما نمدّھم بہٖ من مال وبنین وفساء لھم فی الخیرات بل لایشعرون۔ جن لوگوں کو ہم مال، اولاد اور عورتیں دیتے ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں فائدہ پہنچاتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں؛

Marfat.com

اس کی وجہ وہ نہیں جانتے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا معمول تھا کہ نماز کے بعد مسجد میں بیٹھتے، لوگوں کی شکایات سنتے، مگر چند دن ایسا نہ ہوا۔ ہمیں پریشانی ہوئی۔ انہیں دنوں مجھے اور حضرت عثمانؓ کو بلایا۔ ہم گئے تو دیکھا کہ دولت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر فرمایا۔ کیا دولت کے یہ خزانے اس وقت خدا کے پاس نہ تھے جب حضورؐ اور ان کے صحابہؓ جَو اُبال کر کھاتے تھے۔ ہم نے کہا۔ اُس وقت یہ ملک فتح نہ ہوئے تھے۔ اُنہوں نے سوال کیا کہ اگر یہ ملک فتح ہوئے ہوتے تو حضورؐ اس دولت کا کیا کرتے؟ ہم نے کہا۔ حضورؐ خود بھی کھاتے اور ہمیں بھی کھلاتے۔ اس پر وہ۔ حضرت عمر فاروقؓ خلیفۂ دوم رو پڑے اور اتنے روئے کہ بدن کی پسلیاں جُڑ گئیں۔ پھر فرمایا۔ خدا کی قسم ایسا نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبیؐ اور اُس کے ساتھیوں کو تو فاقہ کشی کرائے، بھوک میں مبتلا کر کے اُن کے ساتھ بُرا سلوک اور بخیلی کرے اور مجھے یہ دولت کی فراوانی دے کہ میرے ساتھ خیر اور بہتری کا ارادہ کیا ہو۔

بزرگوں کا فرمان ہے کشتی جب تک پانی پر تیرتی ہے سلامت رہتی ہے، جب پانی کو اپنے اندر داخل کر لیتی ہے تو پانی اُسے ڈبو دیتا ہے۔ دولت بھی جب دل میں داخل ہو کر اپنی محبت میں مبتلا کرے تو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ بطخ پانی میں تیرتی ہے۔ ڈبکیاں لگا کر خوراک ضرور حاصل کرتی ہے، لیکن پیٹ کی ضرورت پوری کر کے جب باہر نکلتی ہے تو پانی کی بوند بھی اس کے پروں پر نہیں ہوتی۔ شاہ ولی اللہؒ کا فرمان ہے۔ سونے کے کھونٹے سے گھوڑا باندھنا بہتر ہے کہ وہ اس پر پیشاب کرے بہ نسبت اس کے کہ وہ سونے کا کھونٹا کوئی اپنے دل میں گاڑ دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی اُتری کہ اگر دُنیا کو اپنی طرف آتا دیکھے تو سمجھ لے کہ تجھ سے کوئی گناہ ہوا جس کی سزا مل رہی ہے۔

حضرت زیدؓ بن ارقم کی روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پانی طلب کیا۔ آپ کے پاس برتن لایا لایا گیا، جس میں پانی اور شہد تھا۔ جب منہ کے قریب لے گئے تو رو دیئے اور اتنا روئے کہ ہم کو بھی، جو ساتھ بیٹھے تھے، رُلا دیا۔ خاصی دیر تک رونے کے بعد چہرہ پونچھا تو لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضورؐ کے ہمراہ تھا۔ اچانک دیکھا کہ حضورؐ اپنے آپ سے کسی چیز کو ہٹا رہے ہیں۔ مجھے کوئی چیز دکھائی نہ دی تو میں نے پوچھا۔ آپؐ کس چیز کو اپنے سے دُور ہٹا رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ دنیا نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تھا میں نے کہا۔ ہٹ جا، مجھ سے دُور ہو جا، لیکن دُنیا نے کہا۔ آپؐ تو میرا ہاتھ نہیں پکڑتے، لیکن آپؐ کے بعد آنے والے مجھ سے نہ چھوٹ سکیں گے۔ اب پانی میں شہد اور پانی دونوں پینے کی چیزیں دیکھ کر ڈر رہا ہوں کہ کہیں دُنیا نے مجھ کو نہ پکڑ لیا ہو، مجھے رونا آ گیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات پا گئے تو نہ کوئی دینار چھوڑا اور نہ کوئی درہم، بلکہ جو کچھ خلافت کے دوران بیت المال سے لیا تھا وہ بھی بیت المال میں لوٹا دیا۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو میں تم سے اچھا کھانا کھا سکتا ہوں، اچھے نرم کپڑے پہن

سکتا ہوں، لیکن میں اپنے لئے جنّت کے طیّبات کو باقی رکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن زریرؒ فرماتے ہیں، میں حضرت علیؓ کی خدمت میں بقرعید کے روز آیا تو آپ نے ہمارے سامنے حلیم پیش کی۔ ہم نے عرض کیا۔ اللہ آپ کو صلاحیت کے ساتھ باقی رکھے، اگر آپ ہم کو یہ نہ کھلاتے تو اچھا تھا۔ اللہ نے مال کی زیادتی کر رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن زریرؒ میں نے حضورؐ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ خلیفہ کے لیے اللہ کے مال سے بجز دو پیالوں کے اور حلال نہیں۔ ایک وہ پیالہ جسے خود کھائے اور اہل و عیال کو کھلائے اور دوسرا جس کو لوگوں کے سامنے رکھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا اور یہ تیس ہزار مسلمانوں کے امیر تھے۔ اپنا وظیفہ غریب لوگوں میں بانٹ دیتے تھے اور خود کھجور کی ٹوکریاں بنا کر بیچتے تھے اور گزر اوقات کرتے تھے۔ صرف عبا تھی جس کے ایک حصّے کو بچھاتے اور ایک حصّے کو اوڑھتے تھے۔ درختوں اور دیوار کے سائے میں زندگی گزاری کسی نے کہا۔ آپ کے لئے مکان نہ بنا دیں جس میں آپ سردی گرمی سے بچے رہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بنا دو مگر کیسا بناؤ گے۔ اُس نے کہا۔ ایسا بناؤں گا کہ کھڑے ہوں تو سر اوپر لگے، لیٹیں تو پیر کنارے پر لگیں۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک ایسا بنا دو۔

حضرت عمرؓ دمشق کے حاکم حمص حضرت ابو الدرداؓ کے ہاں گئے۔ دروازے کو دھکا دیا تو کھل گیا! اندھیرا تھا۔ آپ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے ابو الدرداؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے تکیہ ٹٹولا تو اونٹ کا پالان تھا۔ بستر ٹٹولا تو چھوٹی چھوٹی کنکریوں کا تھا۔ اُن کا کرتہ دیکھا جو پتلے سے کمبل کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اللہ آپ پر رحم کرے کیا اللہ نے آپ کو وسعت نہیں دی۔ کیا میں نے آپ کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ حضرت ابو الدرداؓ نے فرمایا۔ کیا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کونسی؟ تمہیں دنیا سے اتنا ہی چاہیئے جیسے کسی سوار کے راستہ کا خرچ ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت ابو الدرداؓ نے فرمایا۔ اے عمرؓ ہم نے حضورؐ کے بعد کیا کیا؟ پھر دونوں دوست ساری رات روتے رہے اور صبح کر دی۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے غلام عراق سے آئے اور ملاقات پر بتایا۔ آپ کے لئے تحفہ لایا ہوں۔ فرمایا۔ کیا تحفہ لائے ہو۔ کہا۔ جوارش لایا ہوں۔ کہا، جوارش کیا ہوتی ہے؟ کہا یہ کھانا ہضم کرنے کی دوائی ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا۔ میں نے چالیس سال پیٹ بھر کھانا کھایا ہی نہیں اس جوارش کا کیا کروں گا۔ ابن عمر فرمایا کرتے جب سے حضورؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں میں نے اینٹ پر دوسری اینٹ نہیں رکھی یعنی مکان نہیں بنایا۔ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چند صحابہ کرامؓ کو دیکھا ہے جن کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی اس حالت میں نہیں جس پر آپؐ نے انہیں چھوڑا تھا سوائے ابن عمرؓ کے۔

حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں نے چکنے گوشت کا شوربا کھایا۔ اس کے بعد حضورؐ کی مجلس میں آیا تو ڈکار لیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابو جحیفہؓ تم ہمارے سامنے ڈکار نہ لو۔ جو لوگ دنیا میں پیٹ بھرتے ہیں وہ قیامت کے دن زیادہ بھوکے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

Marfat.com

حضرت اُمّ المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے ایک دن اپنا نیا کُرتہ استعمال کیا۔ اسے دیکھتی اور خوش ہوتی۔ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ کیا دیکھتی ہو، اللہ پاک تیری طرف نہیں دیکھتے۔ میں نے عرض کیا کیوں؟ آپ نے فرمایا۔ تجھے علم نہیں کہ بندے میں جب دنیا کی زیب و زینت میں غرور آتا ہے تو اُس کا رب اس سے ناراض ہوتا ہے، جب تک وہ بندہ اس زینت کو ترک نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اسی وقت وہ کُرتہ اُتارا اور اسے صدقہ کردیا۔

سورہ الاحزاب آیت ۲۸، ۲۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۔ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ اے نبیؐ، اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہیں تو آؤ میں تمہیں سامان دوں تو تمہیں اچھی طرح رخصت کردوں، اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے نیکوکار بیویوں کے لئے بڑا اجر تیار کیا ہے۔

مسلمانوں میں فتوحات اور مالِ غنیمت آجانے سے حضورؐ کی بیویوں کے دلوں میں بھی آسودگی کا خیال پیدا ہُوا۔ کیونکہ آپ کے گھر میں کوئی سامان تھا نہ زیورات اور نہ دنیا کی کوئی زینت تھی۔ گزارہ تنگ تھا۔ فاقہ کشی کی اختیاری زندگی تھی۔ چونکہ انہی آیات سے پہلے حضورؐ کی زندگی کو مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ کہا گیا تھا اس لئے مسلمانوں کی عورتوں کے لئے حضورؐ کی بیویاں بھی نمونہ ہیں۔ انہیں بھی حضورؐ اور اُن کی بیویوں کی طرح زندگی گزارنے کا حکم ہے۔ وہ اُمتِ مسلمہ کی مائیں تھیں تو اولاد ماں کی تربیت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ آسودگی کی زندگی حرام نہیں ہے، لیکن جس طرح مردوں کے لئے حضورؐ کی سادہ زندگی نمونہ ہے اسی طرح عورتوں کے لئے حضورؐ کی بیویوں کی سی سادہ زندگی نمونہ ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں اور اُن میں حضورؐ کے ساتھ تنگی ترشی کی زندگی گزارنے یا دنیا کی زیب و زینت کے لئے حضورؐ سے طلاق لینے کا اختیار دیا گیا تو مجھ سے حضورؐ نے ان میں سے ایک چیز کے اختیار کرنے کا پوچھا اور یہ آیات پڑھیں اور فرمایا۔ جواب میں جلدی نہ کرو، ماں باپ سے مشورہ کرکے جواب دو۔ میں نے کہا۔ میں ماں باپ سے کس بات کا مشورہ کروں۔ میں خدا اور اس کے رسولؐ اور آخرت کو چاہتی ہوں۔ تب آپؐ نے باقی بیویوں سے بھی دریافت کیا۔ سب نے یہی جواب دیا اور سب نے دنیا کی آسودگی و راحت پر خدا، اُس کے رسولؐ اور آخرت کو ترجیح دی۔

ہمارے ہاں ساری خرابی آجکل ہماری فیشن ایبل اور آزاد خیال خواتین کی ہے۔ جن کی ہوس، آسائش و آرائش، جن کے فیشن اور جن کے دوسرے آس پڑوس کے مکینوں سے آگے بڑھنے، سوسائٹی میں اپنی برتری اور تفوق کے جذبہ ہمسری و سبقت نے ملازم پیشہ مردوں کی تنخواہوں سے زیادہ انہیں دولت جمع کرنے کی فکر نے ہلکان کیا ہُوا ہے۔ وہ رشوت، غبن اور سرکاری خزانوں یا فنڈز میں ہیرا پھیری پر مجبور ہوتے ہیں۔ غیر ضروری سامان تعیش ہزاروں سنگھار کے باوجود حرص و لالچ کی آگ نہیں بجھتی۔ ہم نیکیوں میں مسابقت کی بجائے دنیاوی آسائشوں میں ایک دوسرے

Marfat.com

سے آگے بڑھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کی مثالوں اور اُن کے کردار سے ہٹ کر دنیا دار شخص اور حکمرانوں کا کردار دیکھئے۔

مہدی، ہارون الرشید کا باپ تھا۔ بڑی شان و شوکت والا حکمران تھا۔ اُس نے ایک محل تعمیر کروایا۔ بڑا خوشنما اور خوبصورت تھا۔ یہ عمارت جتنی اچھی تھی اس میں ساز و سامان بھی اسی قدر آرائش و آسائش کے لحاظ سے قیمتی تھا۔ جب محل ہر لحاظ سے تعمیر ہو کر اور سنور کر تیار ہُوا تو مہدی اس میں منتقل ہو گیا اور حکم دیا کہ اسے دیکھنے کے لئے کوئی بھی آئے تو اُسے نہ روکا جائے۔ مہدی کے درباری خوشامدیوں میں سے ایک نے کہا کہ ہر کسی کو یہ اجازت نہ دی جائے، سوائے اپنے وفاداروں اور خدمت گزاروں کے، کیونکہ وہی اسے دیکھ کر خوش ہوں گے اور آپ کی شان میں اضافہ ہوگا۔ درباری خوشامدی ہمیشہ ایک دوسرے کی کاٹ میں رہتے ہیں کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ نمبر نہ لے جائے۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی ایسے ہی ایک چاپلوس نے کہا۔ دشمنوں اور حسد کرنے والوں کو بھی محل دکھایا جائے۔ مہدی نے پوچھا۔ کیوں؟ اُس نے کہا کہ عالیجاہ محل دیکھ کر اُن کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے۔ سرکار کی شان دیکھ کر انہیں جو جلن ہوگی وہ قابلِ دید ہوگی۔ مہدی نے کہا۔ ٹھیک ہے اپنے پرائے، دوست دشمن سب دیکھیں۔ اپنے اسے دیکھ کر خوش ہوں گے۔ رہ گئے دشمن تو وہ ہماری آن بان دیکھ کر کڑھیں گے، غصے اور حسد کی آگ میں جلیں گے اور یہ فائدہ بھی ہوگا کہ اس میں عیب نکالیں گے جنہیں ہم دور کریں گے۔

زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ایک شخص محل دیکھنے آیا۔ محل دیکھا اور اُسے اپنے تاثرات بیان کرنے کے لئے مہدی کے سامنے پیش کیا گیا۔ مہدی نے پوچھا۔ محل دیکھا ہے؟ کیسا ہے؟ اُس نے کہا۔ بہت اچھا ہے، مگر اس میں دو عیب ہیں۔ مہدی نے کہا۔ وہ کیا؟ جواب ملا، ایک تو یہ کہ تم اس میں ہمیشہ نہ رہو گے۔ دوسرا یہ کہ یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔ ہمیشہ نام ہے اللہ کا۔ مہدی یہ سن کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور بے اختیار ہو کر ٹہلنے لگا۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ خدا جب توفیق دینے پہ آتا ہے تو دلوں کو پھیرنے میں دیر نہیں لگتی۔ وہ شخص یہ کہہ کر چلا گیا تو مہدی نے حکم دیا کہ اس محل کو محتاج گھر بنا دیا جائے۔

ایسے ہی ایک بادشاہ کا دربار سجا ہُوا تھا۔ شاہی دربار تھا اور دربار عام تھا۔ مشیر، وزیر، امیر اور افسران ارکان حکومت جمع تھے اور حسب مراتب بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگ عرضیاں پیش کر رہے تھے۔ فیصلے صادر ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص دربار میں داخل ہُوا۔ بارُعب، اونچے قد و قامت والا، چہرے پہ اطمینان و ایمان کے آثار تھے۔ دربار میں داخل ہوا تو سیدھا بادشاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا، نہ ادب نہ آداب، نہ سلام اور نہ جی حضور، نہ مجرا بجا لایا نہ سر جھکایا۔ سب درباری اور حاضرین نے اس جرأت و بیباکی کی وجہ سے اس پر نظریں گاڑ دیں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کیا کام ہے؟ جواب دیا۔ ٹھکانے کی تلاش ہے۔ مجھے رہنے کو جگہ چاہیئے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کہاں؟ جواب دیا۔ اسی مسافر خانے میں جہاں کھڑا ہوں۔

بادشاہ کو بات بُری لگی۔ ڈانٹ کر کہا۔ کیا بکتے ہو، یہ شاہی محل ہے مسافر خانہ نہیں۔ اس شخص نے کسی گھبراہٹ

Marfat.com

کے بغیر کہا۔ شاہی محل ہے تو کیا ہوا۔ یہ بتاؤ تم سے پہلے یہاں کون تھا؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ میرے والد معظم تھے۔ اُس شخص نے کہا۔ ان سے پہلے کون رہتا تھا؟ بادشاہ نے کہا۔ میرے والد کے والد، میرے دادا جان۔ اُس شخص نے کہا۔ اور ان سے پہلے؟ جواب ملا۔ ان سے پہلے ان کے بزرگ رہتے تھے، مگر تمہیں یہ پوچھنے کا کیا حق ہے اور اس سے کیا مطلب ہے؟

اجنبی شخص نے اطمینان سے کہا۔ جہاں اتنے آدمی آئے گئے ہوں، رہے ہوں وہ مسافر خانہ نہ ہوا تو کیا ہوا۔ اس کی یہ بات سن کر بادشاہ خاموش اور درباری سناٹے میں آ گئے۔ اس اللہ کے بندے نے جو کہنا تھا کہا اور چلا گیا۔ بادشاہ گہری سوچ سے نکلا، سمجھدار تھا سمجھ گیا کہ یہ خدا کی طرف سے اشارہ ہے کہ میں دنیا کو اور اس کی حکمرانی کو عارضی سمجھوں اور مسافروں کی طرح رہوں۔ چند روزہ زندگی عیش و عشرت میں گزار دی تو کل خدا کو کیا جواب دونگا۔ جب یہ خیال آیا تو اُس نے تاج و تخت چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی اور اس فقیری میں خدا کی ایسی بندگی کی کہ خدا کے نیک بندوں میں اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔ یہ بادشاہ جو فقیر بنا حضرت ابراہیم ادھم تھے جن کا ذکر پہلے بھی کیا ہے۔

ہمیں حکم ہے مسلمانو! دُنیا میں رہو، دُنیا کو برتو، سامان سو برس کے بے شک ہوں مگر "پل کی خبر نہیں" کا خیال اور موت ہمیشہ یاد رہے۔ اس دنیا میں ہمارا کچھ نہیں سب کچھ اللہ کا ہے۔ زندگی مسلسل سفر کا نام ہے اور یہ سفر کہیں بھی اور کسی وقت بھی ختم ہو سکتا ہے نہ جانے کب؟ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

؎ دنیا میں کچھ مقام نہ سمجھو کر و خیال   اس گھر میں تجھ سے پہلے بھی کوئی مقیم تھا

دنیا عاقبت کا پل ہے۔ سمجھدار لوگ پل پر گھر نہیں بناتے۔ آنچہ دیدی بہ قرار خواہد نماند۔ آنچہ بینی ہم نہ ماند برقرار۔ دنیا دنایت سے مشتق ہے جس کے معنی ذلّت و خواری کے ہیں اور کمینگی کے۔ موت کے وقت مامون الرشید کے یہ الفاظ تھے۔ اے وہ جس کی بادشاہی ہمیشہ قائم رہے گی، اس پہ رحم کر جس کی بادشاہی جا رہی ہے۔ دنیا کی تمام نعمتوں کا حاصل فضلہ ہے، ناپاک ہے۔ اس کے لئے خدائے پاک کو نہ بھول جا۔

؎ نفس کی ہر لذت اور آخر نجاست دیکھیے ـــ جان کر کسی فارسی شاعر نے بے اولاد بڑھیا سے پوچھا کہ تمہارا ارادہ بکارت کیا ہے؟ کہا کہ جن مردوں سے نکاح چاہا انہوں نے شادی نہ کی اور جن سے شادی کی وہ نامرد نکلے۔

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

امانتوں کا پاس و لحاظ

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ سورۂ معارج	جنت کے مستحق لوگوں کی صفت۔ امانت کا مفہوم۔ جسمانی صلاحیتیں۔ دنیا کی تمام نعمتیں امانت ہیں۔ خلافتِ الٰہی کی امانت۔ اختیارات اور عہدے امانت ہیں۔
۲	اپنا موازنہ	ہمارا رویّہ کیسا ہے۔ کیا ان تمام نعمتوں میں دیانتدار و امانتدار ہیں؟
۳	واقعات و امثال	حضرت ابوبکرؓ، ابویعقوب، عبداللہ ابن مبارکؒ کے والد، خود عبداللہ ابن مبارکؒ حضرت موسیٰ بن مہران
۴	لفظ امانت کی وسعت	مجلس کی گفتگو۔ خاوند، بیوی، اولاد کی تربیت اور حقوق کی امانت۔ عمر بن عبدالعزیزؒ۔

Marfat.com

امانتوں کا پاس و لحاظ

آیت معہ ترجمہ

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ۔ (معارج: ۳۲) جنّت کے مستحق افراد کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ امانتوں اور وعدوں کا پاس اور لحاظ رکھتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

سورۂ معارج میں قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو جنت کا مستحق قرار دے کر ان میں جو صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ مستحقین جنت امانتدار ہوتے ہیں اور اپنے وعدوں کا پاس رکھتے ہیں۔ ایفائے عہد کی دوسری صفت پر اگلے مضمون میں بحث کریں گے۔ یہاں امانت کا لحاظ رکھنے والی صفت کا ذکر مقصود ہے۔ سورۂ معارج قرآن کریم کے ۲۹ ویں پارہ میں واقعہ ہے۔ اس میں دوسری تمام انسانی صفات کا تفصیل سے ذکر کر کے امانتداری کی اس صفت کو بھی ایمان کا جز اور جنت کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اسی آیت کی تائید کرتا ہے۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہ۔ جس میں امانتداری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں وعدہ کی پابندی نہیں اس کا دین ہی نہیں۔

امانت کا مفہوم

امانت کا لفظ جامع ہے۔ پہلے تو ان تمام انسانی صلاحیتوں اور چیزوں کے لئے، جو اللہ تعالیٰ نے معاشرے اور اس کے افراد کے ہر شخص کو سپرد کی ہیں۔ خدا کی سپرد کردہ امانتیں پہلے تو خود انسان کی ذہنی، جسمانی قوتیں، طاقتیں اور صلاحیتیں ہیں جو خدا نے سپرد کی ہیں تاکہ انسان انہیں خدا کے احکامات کی تعمیل و تکمیل، اس کی بندگی اور اس کے دین کی اشاعت کے لئے وقف کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نفس اور جسم کی ان صلاحیتوں کو برقرار رکھنے کے لئے جائز اور حلال رزق کے حصول میں لگا دے۔ سورۂ شمس میں اسی طرف اشارہ ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىھَا۔ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰىھَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىھَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىھَا۔ ہم نے انسانی نفس کو ترتیب دیا۔ پھر اس میں برائیوں اور نیکوکاریوں کی تمیز رکھ دی۔ جس نے نفس کو پاک رکھا کامیاب ہوا اور جس نے اسے خراب کیا، برائیوں میں مبتلا کیا، وہ تباہ ہو گیا۔ سورۂ ملک میں ان امانتوں کا یوں ذکر ہے۔ قُلْ ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ کہہ دیجئے اے پیغمبر، اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ تمہیں کان، آنکھیں اور دل دماغ دیا۔ جس کے ذریعہ تم علم، ہنر حاصل کرتے ہو۔ اچھے برے کی تمیز کرتے ہو۔ تم کیوں خدا کا شکر ادا نہیں کرتے۔

جسمانی صلاحیتیں امانت ہیں

سورۂ البلد میں ان امانتوں کا ذکر یوں ہے: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ. وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ - کیا ہم نے ۔ انسان کو ۔ دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور دو نمایاں راستے ۔ نیکی اور بدی ۔ کے اُسے نہیں دکھا دیئے ۔ مطلب یہی ہے کہ انسان کو علم اور عقل کے ذرائع دیئے۔ دو آنکھوں سے مراد ڈنگروں جانوروں کی آنکھیں نہیں ہیں بلکہ انسانی آنکھیں جنہیں خدا کی نشانیوں، قدرتوں کو دیکھ کر حقیقت تک پہنچنے کی صلاحیت دی۔ درست اور غلط کا فرق جاننے کی سمجھ دی۔ زبان اور ہونٹ بولنے کے آلات نہیں بلکہ نفس ناطقہ ہے جو ان آلات کے ذریعہ سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کا کام کرتا ہے۔ پھر ان کے ذریعے اپنے ضمیر اور حقیقت مدرکہ کو دوسروں کے سمجھانے سے کام لیتا ہے۔ اور پھر یہ کہ انسان کو محض عقل و فکر کی طاقتیں دے کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ درست راستہ کی رہنمائی بھی کی۔ اس کے سامنے بھلائی و برائی، نیکی و بدی کے دونوں راستے نمایاں کر کے رکھ دیئے تا کہ وہ خود سمجھ اور سوچ کر جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کرے۔ پھر جب انسانی جسم اور اس کی ساری صلاحیتیں خدا کی امانت ہوئیں اور ان امانتوں سے بھلائی کے راستہ کو جان کر اس پر چلنے کی بجائے خدا کے منع کئے ہوئے بدی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے، خدا سے سرکشی اور بغاوت کی راہ اختیار کرے گا تو امانتوں میں خیانت کا مرتکب ہوگا ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خلافت الٰہی، دوسری امانت

جسمانی صلاحیتوں اور اچھے بُرے کی تمیز کی امانتوں کے بعد دوسری امانت جس کا ذکر سورۂ احزاب میں کیا گیا ہے، وہ خلافتِ الٰہی ہے، جس کو انسان نے قبول کر کے خدا کی بندگی و اطاعت کا بوجھ اُٹھایا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ (احزاب: ۷۲) ہم نے خلافتِ الٰہی کی امانت کا بوجھ، ذمہ داری، آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کے سپرد کی تو وہ اس کے بوجھ کو اُٹھانے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے قبول کر لیا۔ بے شک انسان ظالم اور جاہل ہے ۔ خلافتِ الٰہی کی قبولیت کے تحت خدا کی بندگی اختیار کرنے یا خدا کے احکامات سے سرکشی اور بغاوت اختیار کرنے کا اختیار جو خدا کی طرف سے اُسے ملا ہے وہ اختیار ایک امانت ہے۔ اب اگر وہ خدا کے دیئے ہوئے اختیار اور ارادہ کی قوت کو خدا کی پسند کے مطابق زندگی گزارنے میں اختیار کرتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں امانت کا حق ادا کرتا ہے اور اگر وہ خدا کے دیئے ہوئے اختیار کا غلط استعمال کرتا ہے ۔ خدا کی سرکشی اور بغاوت یا خدا کی نافرمانی اور خدا کی ناپسندیدہ زندگی گزارنے میں استعمال کرتا ہے تو گویا بد دیانتی اور امانت میں خیانت کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

اس کی مثال کسی صوبے کے حاکم اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز افسر کی ہے کہ وہ ریاست سے سپرد کردہ اختیارات کو ریاست کی اجتماعی پالیسی، اُس کی وفاداری اور اُس کے احکامات کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ریاست کی فلاح و بہبود میں لگاتا ہے تو وہ یقیناً دیانتدار حاکم اور افسر ہے، مگر انہی اختیارات کو ذاتی عیش و عشرت، بدکاری و بدی اور ریاست

Marfat.com

کے ساتھ غداری و سرکشی میں استعمال کرتا ہے تو وہ یقیناً بددیانت اور خیانت کار ہے۔

خلافتِ الٰہی کی ذمہ داری اور امانت کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ یہ ذمہ داری اتنی گرانبار ہے کہ آسمان، زمین اور پہاڑ بھی اُٹھانے سے قاصر رہے، مگر انسان نے یہ بوجھ اُٹھا لیا۔ اس آیت میں امانت کی اس ذمہ داری کی اسی اہمیت کو بیان کیا ہے کہ وہ سوچ لے اور غور کرے کہ اس پوری کائنات میں وہ کس مقام اور مرتبہ پر کھڑا ہے۔ انسان احمق ہے کہ اس نے اس بارِ امانت کو اُٹھا کر خود کو اس دنیا میں غیر ذمہ دار سمجھ لیا ہے۔ انسان ظالم ہے کہ اُس نے اپنی تباہی کا سامان خود پیدا کر کے خدا کی سرکشی اختیار کرتے ہوئے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ یوں سوچا جائے تو انسان خدا کی طرف سے دی ہوئی امانت کے اس بوجھ کو اُٹھا کر دنیا میں ایک لمحے کے لئے بھی غیر ذمہ دارانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ، اپنی صلاحیتوں کا ہر عطیہ جو اللہ کی امانت ہے۔ خدا کے لئے۔ اس کی اطاعت کے لئے۔ اُس کے احکامات کی تعمیل کے لئے۔ اس کی ہدایات و تعلیمات کے لئے وقف کرنے کا پابند ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر اس کی اہلیت اور صلاحیتوں کے مطابق اسے یہ امانت سپرد فرمائی ہے۔ اب یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ خود کو اس ذمہ داری کا اہل ثابت کرتا ہے یا بددیانتی کا مرتکب ہوتا ہے۔

فرائض اختیار کی امانت

امانت کی اسی اہلیت کا حکم سورۂ نساء کی آیت ۵۸ میں دیا گیا ہے کہ ہمیں اپنے معاملات کا اختیار بھی ایسے لوگوں کے سپرد کرنا چاہیئے جو اختیارات، حکمرانی اور ان مناصب کے اہل ہوں۔ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا۔ مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنے معاملات کے اختیار کی امانت ایسے افراد کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہوں۔ اور جب کسی کو معاملات کا اختیار مل جائے تو وہ اسے لوگوں کی طرف سے امانت سمجھ کر ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرے۔ اللہ تمہیں نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

ان آیات کے پس منظر میں یہ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانو! تم ان برائیوں سے بچو جن میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے تھے۔ ان کی ذلت و رسوائی کے اسباب میں سے بنیادی سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنی امانتیں، معاملات یعنی ذمہ داریوں اور حقوق کے مناصب، مذہبی پیشوائی، قومی سرداری و سربراہی کے مرتبے ایسے لوگوں کے سپرد کر دیئے تھے جو کم ظرف، نا اہل، بداخلاق و بداطوار، بددیانت اور دیانت میں خباثت و خیانت کے مرتکب ہوئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بُرے لوگوں کی رہنمائی و قیادت میں ساری قوم خراب ہوتی چلی گئی اور اعمالکم عمالکم کا فرمودہ ان پر صادق آ گیا۔ مسلمانو! خبردار تم ایسا نہ کرو ورنہ تمہارے غلط انتخاب کی وجہ سے انصاف کی گردن پر چھری چل جائے گی۔ دوسری طرف اس آیت میں ایسے ذمہ دار حاکموں کو خبردار کر دیا گیا کہ لوگوں کے اعتماد و اعتبار اور اختیار کی امانت اپنے منصفانہ و دیانتدارانہ طرزِ عمل سے لوٹا دو۔

لفظ امانت کی وسعت

جب امانت کے لفظ کی وسعت پر غور کرتے ہیں تو انسانی زندگی میں ہر شخص اپنے اپنے دائرۂ عمل میں ایک دوسرے کا امین ہے۔ ایک خاوند اپنی بیوی، بچوں کے حقوق

Marfat.com

ذائض کی ادائیگی میں ان کی طرف سے امانتدار ہے کہ وہ دیانتداری وامانتداری کے پورے احساس کے ساتھ ان کا خیال رکھے۔ اور ان کے حقوق کو کبھی اور استعمال کر کے بد دیانتی کا مرتکب نہ ہو۔ اسی طرح بیوی کے پاس خاوند کا گھر اس کے بچے، خود وہ اور گھر کے معاملات اس کے خاوند کی امانت ہیں۔ دیانتداری کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی ذات سے لے کر بچوں کی پرورش تربیت اور گھر کے تمام معاملات کو دیانتداری سے چلائے۔

۲۔ شہریوں کے حقوق کی امانت

حاکم وقت شہریوں کے جان و مال کا امین ہے۔ قوم کے ہر فرد کے حقوق کی حفاظت اس کی ذاتی ذمہ داری کا تقاضا ہے۔ سرکاری خزانہ، حکومت کے اختیارات، اس کی ذاتی آسائشوں اور عایتوں کا سامان نہیں ہیں یہ قوم کی امانت ہیں۔ دیکھا یہ جائے گا کہ وہ اس امانت کو رعیت، قوم کے افراد اور دائرہ اختیار کے اشخاص میں کتنی دیانتداری اور انصاف کے ساتھ برتتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو یہ احساس دیانت و امانت پریشان کئے رکھتا تھا کہ دجلہ کے کنارے اگر بکری کا بچہ بھوکا پیاسا مر جائے تو مجھ سے باز پرس ہوگی۔ اسی لئے تو وہ راتوں کو اٹھ کر گشت فرماتے۔ رعایا کی خبرگیری فرماتے۔ عمال کا احتساب فرماتے۔ اگر کوئی شکایت ملتی تو سزا دیتے، انہیں معزول فرماتے۔ آج ہمارے رہنماؤں اور حاکموں نے اسے پھولوں کی سیج سمجھ رکھا ہے۔ وہ استقبالیہ نعروں کی دھوم، لوگوں کے ہجوم میں، تالیوں کے شور اور پھول کی پتیوں کے زور کے نشے میں جھومتے تو ہیں، مگر رعایا کی خبرگیری کا یہ عالم ہے کہ آئے دن ڈاکے پڑتے ہیں۔ اغوا کی وارداتیں ہوتی ہیں، تاوان وصول کئے جاتے ہیں۔ بموں کے دھماکے ہوتے ہیں۔ جانی و مالی نقصانات ہوتے ہیں کسی کی جان و مال محفوظ نہیں۔ راستے مخدوش اور گھروں کا سکون مفقود ہے۔ ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ ہر نقصان کے بعد جائے واردات پر نمائشی فوٹو کھچوائے جاتے ہیں۔ زبانی ہمدردی کے بیان دے دیئے جاتے ہیں اور اعلان داغ دیا جاتا ہے کہ تخریب کاری اور غنڈہ گردی کے خلاف نمٹنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور پھر اس تہیہ کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

۳۔ امانت کا دائرہ وسعت

امانتداری کا دائرہ ہماری زندگی کے گھریلو ماحول سے لے کر حکومت کے ایوانوں، بازاروں، منڈیوں، کارخانوں، دفتروں، عدالتوں اور تھانوں کے صحنوں تک پھیلا ہوا ہے۔ آجر اور اجیر کے درمیان، جاگیردار اور زمیندار کے درمیان، تاجر اور گاہک کے درمیان، ملازموں کو فرائض کی انجام دہی میں، مجسٹریٹوں کو فیصلے کرتے وقت امانت کا خیال رکھنا ہے۔ اس سے پوچھا جائے گا۔ حضورؐ کو اسی امانتداری اور سچے رویہ کی وجہ سے امین و صادق کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کتنے بڑے اور خطرناک حالات میں بھی امانتداری کا حق ادا کیا۔ مدینہ ہجرت سے پہلے محض امانتیں لوٹانے کے لئے اپنے عزیز بھائی حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا اور پیچھے چھوڑا جبکہ آپ کے شبہ میں ان کے قتل کا امکان یقینی تھا۔ یہی وہ کردار تھا کہ ان کے دشمنوں تک کو انہیں امین کہنا پڑا۔

۴۔ مجلس کی گفتگو امانت اور مشورہ امانت ہے

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جب کوئی شخص آپ سے بات کرتے وقت ادھر ادھر دیکھے، رازداری برتے تو

Marfat.com

سمجھ لیا جائے کہ اس کی بات آپ کے پاس امانت ہے، مگر ہم اس مجلس کی بات کو دوسروں تک پھیلا کر دوسروں کی دل آزاری مخالفت اور نفرتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ لگائی بجھائی، چغلی سے کام لیتے ہیں۔ ہاں ایسے موقعہ پر قتل کا منصوبہ، کسی کی آبروریزی یا دوسرے مسلمان کے جان و مال کے ارادہ سے بات سنی جائے تو ایسے منصوبوں میں شرکت اور رازدار نہ بنا جائے اور ضرورت پڑنے تو دوسرے مسلمان بھائی کو اس منصوبہ بندی سے بچانا ضروری ہے۔ مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے جان و مال کا محافظ ہے امین ہے۔

حضورؐ ایک دفعہ وضو فرما رہے تھے کہ صحابہ کرامؓ از راہِ عقیدت ومحبت وہ پانی چہروں پر مل رہے تھے۔ حضورؐ نے یہ دیکھا تو فرمایا۔ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ عرض کیا۔ آپؐ سے محبت ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جس کے دل میں خدا اور رسولؐ سے محبت ہو اسے چاہیئے کہ وہ سچ بولے۔ دوسروں کی امانت ادنیٰ خیانت کے بغیر ادا کرے اور پڑوسی سے بہتر سلوک کرے۔ سچے اور دیانتدار تاجر کے بارہ میں فرمایا کہ وہ قیامت کے دن نبیوںؑ، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوں گے۔

واقعات و امثال

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بسترِ مرگ پر بیمار پڑے تھے۔ انہوں نے حضرت مُعیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا جو اس وقت بیت المال کے افسر اور آج کی اصطلاح میں وزیر مالیات تھے، ان سے اپنا حساب دریافت فرمایا۔ انہوں نے فرمایا۔ سرکاری حساب سے تو آپ کے ذمہ کوئی رقم نہیں، البتہ میرے ذاتی حساب سے پچیس ۲۵ درہم آپ کے ذمہ ہیں جو میں بخوشی آپ کو معاف کرتا ہوں۔ حضرت مُعیقیبؓ کو حضورؐ کو اپنی مہر عطا فرمائی تھی۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جس کی وجہ سے تمام صحابہ کرامؓ اور خلفاء جیسی جلیل القدر شخصیتیں بھی آپ کا احترام کرتی تھیں۔ تینوں خلفاء راشدہؓ تک وہ مرکزی بیت المال کے نگران اعلیٰ تھے۔ اسی عہدے پر حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیماری کے دوران حساب مانگا تو وہ جان گئے کہ یہ ان کا آخری وقت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایسی شخصیت تھے کہ سب سے زیادہ ان کی دولت، اور حضرت اُم المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ کی دولت اسلام کے کام آتی رہی۔ آپ نے اسلامی حکومت کے پہلے خلیفہ کے عہدے پر رہ کر یہ ذمہ داری جس محنت اور دیانتداری سے ادا فرمائی۔ اس کا کوئی معاوضہ اور تنخواہ نہیں لی۔ آخری وقت میں اکابرینِ اُمت نے ان کا جو معاوضہ (وظیفہ) مقرر فرمایا وہ تمام زمین بیچ کر بیت المال میں جمع کر دیا۔ فرماتے ہیں میں خدا کے حضور اس حال میں جانا چاہتا ہوں کہ مجھ پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ ملت کے خزانہ کا یہ تھوڑا سا بوجھ بھی انہوں نے اُتار دیا۔ حضرت عائشہؓ سے پچیس ۲۵ درہم منگا کر حضرت مُعیقیبؓ کو ادا کر دیئے کہ مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے حضورؐ نے انکار کر دیا تھا۔

۲۔ سرکاری خزانہ سے ان کی دیانتداری کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ خلافت کے دوران ان کی اہلیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میٹھے کھانے کی فرمائش کی چھوٹی سی خواہش تھی جسے آجکل کا معمولی مزدور بھی پوری کر سکتا ہے، خلیفہ کے لئے بڑی بات نہ تھی، مگر آپ نے فرمایا۔ تم جانتی ہو میرے پاس پیسے کہاں ہیں۔ اور یہ بھی ہماری زندگی کیسے گزرتی ہے۔ بیوی نے تجویز پیش کی، اگر میں روز مرّہ کے اخراجات سے پیسے بچا بچا کر اتنے جمع کروں کہ میٹھا خرید سکیں۔ آپ کو تو

اعتراض نہ ہوگا۔ سگھڑ بیویاں ایسا ہی کرتی ہیں۔ کچھ نہ کچھ جوڑ کر رکھتی ہیں کہ گھر کی ضروریات میں یہ رقم کام آئے اور ایسی بھی بیویاں ہوتی ہیں جو گھر پھونک کر تماشا دیکھتی ہیں۔ ان کے فیشن، سرخی پوڈر اور بیوٹی پارلر میں بناؤ سنگار پہ اٹھنے والے اخراجات، ہم لوگوں کی پوری آمدنی ہوتی ہے، ہماری بیویوں کو ہر وقت یہ دکھ ہوتا ہے کہ گھر کوٹھی نما کیوں نہیں، موٹر بڑی اور ماڈل نیا نہیں ہے، خانساماں ایک ہے دو کیوں نہیں، وارڈ روب چھوٹا ہے اور یہ ساری خواہشیں حرام کی کمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایسی عورتوں کی ظاہری نمائش کی طرح تعلقات بھی نمائشی ہوتے ہیں۔ خلوص اور سچی ہمدردی نہیں ہوتی۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیوی مسلمانوں کے سربراہ اوّل کی بیوی تھیں۔ انہوں نے پیسہ پیسہ جوڑ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حوالہ کیا کہ میٹھا منگوا دیجئے۔ خدا سے ڈرنے والے اور حکومت کے خزانے کو قوم کی امانت سمجھ کر آخرت کی جوابدہی کا احساس کرنے والوں کی سوچ ہم دنیاداروں اور حکومت کی مراعات، واختیارات کو باپ کی جاگیر سمجھنے والوں سے مختلف ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بیوی کی بچت کا پیسہ جب ملا تو فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بچت کی ہوئی رقم سے کم پر بھی گزارا کر سکتے ہیں اور بچت کی زائد رقم بیت المال کا حق ہے۔ چنانچہ وہ ساری بچت بیت المال میں جمع کر دی اور آئندہ کے لئے اتنا کم وظیفہ بیت المال سے لینا شروع کر دیا۔ حکمرانوں میں قومی دولت کے متعلق امانت داری کا احساس نہ ہو تو وہ عیش و عشرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر ملک کا ہر چھوٹا بڑا افسر لوٹ کھسوٹ میں مبتلا ہوتا ہے رعیت کے دلوں سے ملک کے ساتھ ہمدردی اور اجتماعی سوچ اور مفاد کی بجائے ذاتی سوچ اور ذاتی مفاد کی حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ آجکل ہم اسی قسم کی حالت سے دوچار ہیں۔

۳- اپنا موازنہ

یہاں اسلام کے راستے میں بڑی رکاوٹ حکمرانوں کا یہی خوف ہے کہ انہیں پائی پائی کا حساب دینا پڑے گا جن کے کتوں کو مرغن غذا ملتی ہو انہیں خود میٹھا کھانے کو ترسنا ہوگا ایسا کرنے کو کون تیار ہوگا۔ ابویعقوب نہایت خستہ حالت میں دمشق پہنچے۔ وہ روزگار کی تلاش میں تھے۔ بادشاہ نے انہیں باغ کی نگرانی پر لگا دیا۔ چوروں سے حفاظت کرتے، پرندے اڑاتے، باغ کو ستھرا رکھتے اور پانی دیتے تھے۔ اس خدمت میں کوئی چھ مہینے گزارے تھے کہ بادشاہ باغ کی سیر کو آ گیا۔ امیر وزیر ساتھ تھے۔ خیمے لگائے گئے۔ تفریح کا سامان آراستہ ہوا۔ باغ کے داروغہ نے انار پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ داروغہ نے ابویعقوب کو بلا کر بادشاہ کے لئے انار لانے کا حکم دیا۔ وہ انار توڑ کر لائے۔ بادشاہ اور درباریوں کے سامنے پیش کئے گئے۔ بادشاہ نے انار چکھا اور رکھ دیا۔ معلوم ہوا کہ کھٹا ہے۔ داروغہ شرمندہ ہوا۔ اس نے ابویعقوب سے کہا۔ میٹھے انار توڑ کر لاؤ۔ دوبارہ جو انار لائے وہ بھی ایسے ہی کھٹے تھے۔ اب تو داروغہ باغ بڑا گھبرایا۔ اس نے ابویعقوب کو علیحدہ لے جا کر ڈانٹا کہ چھ مہینے ہو گئے باغ کی نگرانی کرتے ہوئے، مگر اب تک کھٹے اور میٹھے اناروں کی پہچان نہ کر سکے۔

واقعات و امثال

ابویعقوب نے جواب دیا۔ آپ نے مجھے باغ کی نگرانی اور رکھوالی کے لئے رکھا ہے، انار چکھنے اور کھانے کے لئے نہیں رکھا۔ میں کیا جانوں کہ کس درخت کے انار کھٹے اور کس کے میٹھے ہیں۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ کچھ دیر ٹھہر کر داروغہ نے کھٹے اناروں کا ذکر چھیڑ دیا۔

Marfat.com

بادشاہ سے معذرت کی اور ابو یعقوب کا سارا قصہ سنایا۔ یہ بادشاہ نورالدین زنگی تھا۔ جس کا شمار نیک بادشاہوں میں ہوتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اسی بادشاہ کا تربیت یافتہ تھا۔ اس نے ابو یعقوب کو بلایا، اس سے باتیں کیں، معلوم ہوا کہ ابو یعقوب، الجزائر اور مراکش کے شہزادے تھے۔ ابراہیم ادھمؒ کی طرح بادشاہی چھوڑ کر فقیری اختیار کی تھی۔ اپنی محنت سے روزی کماتے اور خدا کا شکر ادا کرتے۔ بیروت میں ابو یعقوب کا مزار موجود ہے۔ لوگ اقتدار پہ جان دیتے ہیں، منصب مل جائے تو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں۔ ابو یعقوب نے دیانت اور امانت کی مثال قائم کی اور اپنی ملازمت کی حدود و اختیار سے آگے نہ بڑھے۔ بڑائی، دنیا کی دولت اور منصب کی بلندی سے حاصل نہیں ہوتی، یا اخلاق و کردار سے حاصل ہوتی ہے۔

اسی سے ملتا جلتا واقعہ عبداللہ ابن مبارکؒ کے والد مبارکؒ کا ہے۔ وہ ایک ترک تاجر کے ملازم تھے اور اس کے باغ کی نگرانی ان کے فرائض میں شامل تھی۔ ایک دن مالک باغ میں آیا اور انہیں انار لانے کا کہا اور تاکید کی انار کھٹا نہ ہو۔ مبارک انار لائے تو کھٹے نکلے۔ مالک کی ناراضگی اور غصّے کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں وہی خدمت بجا لاتا ہوں جس کے لئے رکھا ہوں۔ باغ کے پھل چکھنے یا کھانے کی اجازت مجھے نہیں دی گئی۔ اسی لئے مجھے ان کے کھٹے اور میٹھے کی پہچان نہیں ہے۔ تاریخ عام میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ ترک تاجر نے یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بات خوشی کی تھی کہ ایک دیانتدار اور امانتدار ملازم ملا ہے۔ آجکل اس قسم کے دیانتداروں کو لوگ بدھو سمجھتے ہیں۔ ترک تاجر نے مبارکؒ سے کہا۔ آج سے تم میرے دوست ہو، اب باغ کی بجائے میرے گھر رہو گے۔ اب تو دن رات کے ساتھ نے اور بھی قریب کر دیا۔ مالک اس کی ایک ایک بات کی نگرانی کرتا۔ اس پہ نظر رکھتا اور پرکھتا۔ ایک دن اسے بلا کر مشورہ لیا کہ مجھے اپنی لڑکی کی شادی کے لئے لڑکے کا انتخاب کرنا ہے۔ مجھے بتاؤ کونسا لڑکا ہونا چاہیئے۔

مبارک نے سوچ کر جواب دیا کہ عرب جاہلیت کے زمانہ میں حسب و نسب کو دیکھتے تھے۔ یہودی لڑکے کی دولت کو دیکھ کر رشتہ دیتے ہیں۔ عیسائی لڑکے کی خوبصورتی کو دیکھتے ہیں، مگر اسلام ان ساری باتوں سے پہلے کہ لڑکے کی دینداری، اخلاق و کردار اور دیانت و امانت کو اوّلیت دیتا ہے۔ آپ اپنی لڑکی کے لئے جو معیار چاہیں چن سکتے ہیں۔ ترک تاجر نے بیوی سے کہا۔ مبارک نے کیسی اچھی بات کہی ہے۔ بیوی کو بھی یہی مشورہ پسند آیا۔ شوہر نے بیوی سے کہا کہ جب اسلام کے نزدیک اخلاق و کردار، دیانت و تقویٰ کا معیار یہی ہے تو اسلام کے معیار پہ مبارک پورا اترتا ہے۔ یقین ہے کہ ہماری لڑکی کے لئے اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ بیوی نے تائید کی۔ اس دیانت و امانت کو معیار ٹھہرایا جو رشتہ طے ہوا۔ اس کے نتیجہ میں عبداللہ ابن مبارکؒ جیسی صاحبِ کردار پرہیزگار اور علمی دنیا کے یگانۂ روزگار شخصیت پیدا ہوئی۔

۵- عبداللہ ابن مبارکؒ

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اپنے دیانتدار و امانتدار باپ کے فرزند تھے۔ ان کی اپنی امانتداری کا یہ حال تھا کہ یہ خراسان کے شہر مرو میں رہتے تھے۔ تجارت کے پیشہ کی وجہ سے شام کا سفر کرنا پڑا جو مرو سے کئی کوس کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ اسی تجارتی غرض سے شام گئے۔ اس زمانہ میں نہ سفر کی سہولتیں میسّر تھیں نہ راستے پُرامن ہوتے تھے۔ نہ تیز رفتار ذرائع سفر مہیا تھے۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ تاجر ہی نہیں تھے عالم باعمل بھی تھے۔ راتیں عبادت میں گزرتیں تو دن دین کی خدمت میں کٹتا۔ جب جہاد کا اعلان ہوتا تو تلوار سونت کر میدان میں کود جاتے۔ اللہ نے سب کچھ دیا تھا اور اسے اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غریب آدمی نے آپ سے امداد طلب کی تو اُسے ایک پرچہ دے کر اپنے معتمد سے ملنے کا کہا۔ معتمد نے پرچہ پڑھا تو آدمی سے پوچھا کہ آپ نے کتنی رقم مانگی تھی۔ اُس آدمی نے کہا۔ مجھ پر سات سو درہم کا قرض ہے وہی مانگا تھا۔ معتمد نے اس آدمی کو رقعہ دے کر دوبارہ آپ کی خدمت میں بھیجا کہ اس کی ضرورت سات سو درہم کی ہے اور آپ نے سات ہزار درہم دینے کا لکھا ہے، کہیں لکھنے میں غلطی تو نہیں لگی۔

عبداللہ ابن مبارکؒ بہت بڑے محدث تھے۔ انہیں حضورؐ کا طرزِ عمل اور حدیث کا گہرا علم حاصل تھا۔ انہوں نے معتمد کو لکھا کہ میری تحریر ملتے ہی اس شخص کو چودہ ہزار درہم دے دو۔ اُس نے سات سو مانگے تھے میں نے سات ہزار دیئے تھے۔ تم نے میری لذتِ ایمانی کو مول تول کی نذر کر دیا۔ اب چونکہ سات ہزار کا علم ہو چکا ہے، اسے چودہ ہزار دے دو کہ مانگنے والے کی خواہش سے بڑھ کر غیر متوقع طور پر دینا خدا کی بخشش کا موجب ہوتا ہے۔

یہی عبداللہ ابن مبارکؒ تجارتی ضرورت سے کئی سو میل کا سفر اختیار کر کے شام گئے اور وہاں سے واپس گھر اپنے گاؤں مرو آئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی سے وقتی طور پر قلم لیا تھا وہ ساتھ لے آئے ہیں۔ قلم معمولی تھا اتنا قیمتی نہ تھا، لیکن عبداللہ ابن مبارکؒ جیسی شخصیت کے لئے امانت واپس کرنا ایک دینی مسئلہ تھا۔ فوراً سامانِ سفر باندھا، دوبارہ طویل سفر اختیار کیا۔ کئی مہینوں کے سفر کے بعد شام پہنچے۔ وہاں اس شخص کو ڈھونڈا، اسے قلم واپس کر کے عذر کیا، معافی مانگی کہ اسے واپس لوٹانے میں دیر ہو گئی۔ قلم لوٹا کر خدا کا شکر ادا کیا کہ مولا تُو نے مجھے امانت میں خیانت سے بچا لیا۔ حالانکہ وہ قلم دمڑی کا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت اور اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات میں امانتداری کی اسی صفت کو والّذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون۔ مومن لوگ امانتوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔

۶۔ حضرت موسیٰ بن مہران

حضرت ابراہیم تیمیؒ نے حضرت موسیٰ بن مہران کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا۔ کیسے گزر رہی ہے؟ حضرت موسیٰ بن مہران نیک و پرہیزگار و امانتدار شخص تھے۔ انہوں نے جواب دیا۔ قید کی سزا بھگت رہا ہوں۔ حضرت تیمیؒ نے کہا۔ کس لئے قید ہو۔ جواب دیا۔ ایک سوئی کسی سے مستعار لی تھی وہ واپس نہ کر سکا، بس اسی کی سزا بھگت رہا ہوں۔ سوئی معمولی چیز ہے۔ ہم روزانہ ایک دوسرے سے کتنی چیزیں وقتی طور پر مستعار لیتے ہیں، مگر کون اس بات کا خیال رکھتا ہے۔ حالانکہ دیانت و امانت کا تقاضا یہ ہے کہ بیگانی چیزیں لوٹائی جائیں۔

۷۔ خلیفہ عبدالرحمٰن کے دربار میں ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا کہ میں نے سرکاری زمین کا قطعہ خریدا تھا۔ تعمیرِ مکان کے وقت اُس کی کھدائی میں پچاس ہزار اشرفیاں برآمد ہوئی ہیں چونکہ میں نے صرف زمین کی قیمت ادا کی ہے دفن شدہ مال نہیں خریدا۔ لہٰذا یہ برآمد شدہ اشرفیاں خزانۂ سرکار میں داخل کی جائیں۔ خلیفہ عبدالرحمٰن نے اس کی سیر چشمی اور امانتداری کی تعریف کر کے کہا۔ ہم جب زمین فروخت کر چکے ہیں اس کے دفینے کے مستحق اور مالک اب تم ہو، لیکن وہ خلیفہ کے اصرار

Marfat.com

کے باوجود اپنی دلیل پہ قائم رہا۔ ناچار خلیفہ نے وہ خطیر رقم خزانہ شاہی میں داخل کر دی۔ اس شخص کی دیانت و امانت کی شہرت تمام سلطنت میں پھیل گئی۔

۸۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور اسلام کے قرونِ اولیٰ کے خلفاءِ راشدینؓ کی دیانت و امانت کی ہزاروں مثالیں تاریخ اور ان کی سیرت و کردار پر لکھی ہوئی کتب میں موجود ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے گھر کا خرچ صرف دو درہم یومیہ تھا۔ جبکہ ان کی حدودِ سلطنت فارس، روم اور مصر تک پھیلی ہوئی تھیں اور فتوحات برابر جاری تھیں۔ خلیفہ بننے کے فوراً بعد اہلیہ محترمہ کے طلائی زیورات بیت المال میں جمع کرانا۔ بیت المال کے مشک کی خوشبو تک نہ سونگھنا۔ دو شمعیں ذاتی اور سرکاری کام کے لئے استعمال کرنا۔ بیت المال کے مطبخ کے پانی سے وضو نہ کرنا کہ اسے گرم کرنے میں سرکاری لکڑی جلائی گئی ہے یہ باتیں اور طرزِ عمل افسانے نہیں سچے واقعات اور کردار ہیں اور اگر ایک آدمی خلوصِ نیت، خدا خوفی اور آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھے تو ایسے واقعات آج بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بڑی خاندانی ملکیت انہیں ملی تو بیت المال میں جمع کرا دی کہ ہم نے اس سے خاصا استفادہ کر لیا ہے اب اس پہ مسلمانوں کا حق ہے۔

ہم جنہیں شخصی حکومتیں کہہ کر انتہائی نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے قومی دولت کو ذاتی عیاشیوں پر صرف کیا، ان میں بھی اکثر ایسے ایسے باکردار خلفاء اور بادشاہوں کی دیانت و امانت کے اتنے واقعات ملتے ہیں جن پر آجکل کے جمہوری نظام کے شاہزادوں کی شاہ خرچیاں شرم سے سر چھپاتی ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر کے پاس ایک مفلس شخص آیا اور مالی امداد کا طلبگار ہوا۔ آپ نے اسے دو دن بعد آنے کا کہا۔ دو دن بعد وہ شخص حاضر ہوا تو اسے اس کی خواہش کے مطابق مدد دے دی گئی۔ اس شخص نے کہا۔ آپ ہندوستان کے فرمانروا ہیں، آپ کے لئے یہ امداد اتنی مشکل تو نہ تھی کہ مجھے دو دن بعد آنے کا کہا۔ آپ نے فرمایا کہ میں شاہی خزانے سے اس تصرف کا مجاز نہ تھا، اگر ایسا کرتا تو بددیانتی ہوتی۔ تمہیں پتہ ہے یہ چند سکے میرے اپنے حق و حلال کی کمائی کے ہیں۔ میں نے اپنے ہاتھ سے ٹوپی تیار کر کے بازار بھجوائی تھی، اس کے بکنے سے جو رقم آئی وہ تمہیں دے رہا ہوں کہ تمہاری کمائی میں برکت آ جائے، تم ان سے کوئی کام شروع کرو اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ وہ شخص چند دن بعد آ کر تصدیق کرتا ہے کہ ان پیسوں میں واقعی برکت تھی اور اب خوشحالی ہے۔ ٹوپیاں بنا کر بازار میں بیچنے اور اس پر گزارہ کرنے والا یہ بادشاہ ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ دیانتداری اور نیت میں خلوص تھا۔

خدا کا خوف اور آخرت کی جوابدہی

خدا کا خوف اور آخرت کی جوابدہی آج بھی اپنا اثر دکھا سکتی ہے۔ ہمارے اپنے زمانے اور پاکستان بن جانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ قدرت اللہ شہاب ڈپٹی کمشنر تھے۔ اُن کے پاس ایک سکول ٹیچر آتے ہیں اور کہتے ہیں۔ میں ریٹائر ہونے والا ہوں، میری چار بچیاں ہیں، ان کی شادی کی فکر تھی، میرے لئے ممکن نہیں تھا کہ ان کے ہاتھ پیلے کروں کہ حضورؐ نے خواب میں مجھے فرمایا ہے کہ جھنگ کے ڈپٹی کمشنر کے پاس جاؤ اور مدد طلب کرو۔ جناب قدرت اللہ شہاب خاموش ہو جاتے ہیں تو وہ شخص کہتے ہیں۔ شاید آپ کو شک ہو کہ میں نے جھوٹ کا افسانہ گھڑا ہے۔ تو سنیئے مجھے جھوٹ بولنا ہوتا تو اس پاک ہستی کا نام استعمال نہ کرتا، کیونکہ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ غلط بات آپ کی طرف منسوب کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔ آپ یقین کریں

Marfat.com

میں سچ کہتا ہوں، مجھے حضورؐ نے آپ کی طرف بھیجا ہے — جناب قدرت اللہ شہاب نے اسے کوئی پرمٹ یا ناجائز رعایت نہیں دی نہ کوئی ایجنسی اس کے نام کرکے دوسروں کا حق مارا۔ نہ کسی سرکاری فنڈز سے اس کی مدد فرمائی۔ اُنہوں نے سرکاری اراضی جو وہ قانون کے تحت الاٹ کرنے کے مجاز تھے اور جس کی آبادکاری میں حکومت اور اس شخص کا مفاد شریک تھا، اسے الاٹ کرکے کہا کہ اسے آباد کرکے اپنی ضرورت پوری کریں۔ سات سال بعد وہی سکول ٹیچر ان کے پاس آتا ہے اور زمین کی الاٹمنٹ کی دستاویزات ان کے حوالے کرکے کہتا ہے کہ میں نے اس اراضی سے اپنی تمام جائز ضروریات پوری کرلی ہیں اس لئے اسے کسی اور ضرورت مند کو الاٹ کر دیا جائے۔

یہ بات یا واقعہ اتنا پرانا نہیں ہے۔ آج کوئی ایسا سرپھرا دیوانہ یا آج کی اصطلاح میں بیوقوف مگر خدا کے نزدیک کوئی فرزانہ ہے جو ڈپٹی کمشنر کے تعلق سے مفت ہاتھ آئی ہوئی زمین کو واپس کردے کہ اس کی ضرورت پوری ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت کے مستحق لوگوں اور اپنے پسندیدہ بندوں کی انہی صفات کی وجہ سے انہیں جنت کے انعام اور اپنی دوستی کے اعزاز سے نوازتے ہیں۔ ہماری دوستیوں اور خدا کی دوستی کا یہی فرق اور معیار ہے۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون۔ اللہ کے دوست اور جنت کے مستحق وہ لوگ ہوتے ہیں جو امانتوں کا پاس اور اپنے وعدوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ آیئے خدا کی دوستی کی خاطر خود میں یہ صفات پیدا کریں۔ وما علینا الا لبلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

وعدوں کا پاس و لحاظ

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ۔ والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون۔	اہل جنت کی صفت۔ وعدہ کی پابندی اور عدم پابندی کے اثرات۔ نظریہ اور عقیدہ بھی وعدہ ہے۔ وعدہ ازل۔
۲	قرآنی ہدایات	مختلف آیات۔
۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات	مختلف احادیث اور طرز عمل
۴	واقعات و امثال	صفوان بن امیہ سے وعدہ۔ قبل از بعثت حضورؐ کا واقعہ۔
۵	صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین	بیعت برائے ایفائے عہد کی پابندی۔ وعدہ خلافی منافقت ہے۔ حیرت انگیز واقعہ جنگ قادسیہ میں ایک سپاہی کا وعدہ۔
۶	ہمارا رویّہ	غیر ذمہ دارانہ۔ غیر اعتباری رویّہ۔

Marfat.com

وعدوں کا پاس ولحاظ

آیت معہ ترجمہ

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ۔ جنّت کے مستحق لوگوں کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے وعدوں کے پابند ہوتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

سورۂ معارج میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے مستحق لوگوں میں جن صفات کا ذکر فرمایا، ان میں سے ایک اپنے وعدوں کی پابندی کا خیال اور لحاظ ہے۔ اپنے قول کا پاس اور کیے ہوئے وعدہ کا لحاظ ایسی خوبی ہے جو کسی انسان کو اس کی سوسائٹی، معاشرے، اپنی برادری، دوستوں کے حلقے، کاروباری معاملات اور سیاسی زندگی میں با اعتبار و با اعتماد بناتی ہے۔ اس کی بات پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ ملازم پیشہ ہو تو افسروں اور ہمعصروں میں اس پر اعتبار ہوتا ہے۔ افسر ہو تو ماتحتوں میں احترام ہوتا ہے۔ غرض زندگی کے تمام حلقوں میں اسے جہاں تعلق پڑتا ہو لوگ اس کی بات پر یقین کرتے ہیں۔ اسے بات کا کھرا، وعدے کا پکا سمجھتے ہیں۔

وعدہ کے پابند کا کردار

اس کے برعکس دوسرا آدمی جو اپنے قول و قرار کا پابند نہ ہو، قدم قدم پر وعدہ خلافی کرے۔ بات بات پر جھوٹ بول کر اپنی کوتاہی پر پردہ ڈالتا ہو۔ ایسا شخص اپنی سوسائٹی، معاشرے، دوستوں کے حلقے، کاروبار کے دائرے، برادری میں کوئی اعتبار نہیں رکھتا۔ اپنے حلقہ تعارف میں جھوٹا، فریبی، وعدہ خلاف اور دھوکہ باز بن کر ایک اچھوت انسان بن جاتا ہے۔ ایسا آدمی نہ تو سوسائٹی میں کوئی مقام اور اعزاز پاتا ہے نہ مذہبی اعتبار سے خدا کے ہاں محبوب ہوتا ہے۔ اسے نہ تو لوگ کھرا سمجھتے ہیں نہ خدا کے ہاں سچا اور سچا ہوتا ہے۔

عقیدہ بھی وعدہ ہے

انسان کے دین اور عقیدہ کی تمامتر بنیاد وعدہ کی پاسداری، پختگی اور ایفائے عہد پر قائم ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ پر اللہ تعالیٰ انسان کو اپنے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ ان کی یاددہانی فرماتے ہیں کہ بندوں نے خدا کو اپنا رب مان کر اس کی بندگی و اطاعت کا قول و اقرار کیا ہے، اس اقرار کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ سورۂ الاعراف میں اس وعدہ کی یاددہانی یوں فرمائی ہے، وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ ○ (الاعراف: ۱۷۲) اے نبیؐ لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ جبکہ تمہارے ربّ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا۔ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے ربّ ہیں۔ اس پر ہم گواہی دیتے ہیں۔ ہم نے یہ وعدہ اس لئے لیا تھا کہ تم

Marfat.com

قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم بے خبر تھے۔

وعدۂ ازل متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آدمؑ کی پیدائش کے موقعہ پہ پیش آیا۔ اُس وقت جس طرح فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر خدا کے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے انسان کو مامور فرمایا گیا۔ اسی طرح پوری نسل انسانی کو بھی، جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لے کر انہیں خود ان کے اقرار پر گواہ ٹھہرایا۔ اس آیت کی تشریح حضرت ابی بن کعبؓ نے حضورؐ سے سُن کر یوں بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے گروہوں کو الگ الگ انہیں انسانی صورت اور گویائی عطا کر کے ان سے میثاق لیا اور انہیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا کہ 'کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں'۔ انہوں نے خدا کے رب ہونے کا اقرار کیا، تب اللہ نے فرمایا کہ تم پہ زمین اور آسمان کو اور خود تمہارے باپ آدمؑ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ کل قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں علم نہ تھا۔ خوب جان لو میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں، تم میرے سوا کسی کو میری خدائی میں شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تمہیں تمہارا کیا ہوا یہ وعدہ۔ میثاق۔ یاد دلائیں گے۔ تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ اس پر سب قیامت تک پیدا ہونے والوں نے کہا ہم گواہ ہوئے، آپ ہی ہمارے رب اور ہمارے معبود ہیں۔

اللہ کے ساتھ انسانی روحوں کا یہ وعدہ ایسا ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے وہ وعدہ یاد نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر خطۂ زمین میں ہر ایک پشت اور ہر نسل میں اپنے ساتھ کئے ہوئے اسی وعدہ کی یاددہانی کا اہتمام فرمایا ہے۔ سورۂ آل عمران میں اس سے متعلق ارشاد ہوتا ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ. فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (آل عمران: ۸۱، ۸۲) یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمہیں کتاب و حکمت و دانش سے نوازا ہے۔ کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس ایسی تعلیم اور میری ہدایت کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے پیغمبروں کے ذریعہ تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اُس کی مدد کرنا ہوگی۔ یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا کہ تم اقرار کرتے ہو۔ اُنہوں نے کہا۔ ہم اقرار کرتے ہیں تو اللہ نے فرمایا، اچھا پھر گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس کے بعد جو اپنے وعدے سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔

یہاں اتنی بات ضرور ذہن میں رہے کہ حضرت سرور کائنات، فخر موجودات محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے ہر نبی سے عہد لیا جاتا رہا اور اسی بنا پر ہر نبی نے اپنی اُمت کو بعد میں آنے والے نبی کی آمد کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت بھی کی لیکن قرآن کریم اور احادیث مقدسہ میں ایسے کسی وعدے کا ذکر موجود نہیں جو حضورؐ سے اُن کے بعد آنے والے پیغمبر کے بارہ میں لیا ہو اور اس پر ایمان لانے کی تاکید کی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم آخری پیغمبر اور رسول تھے جن کی ربّانی اور الٰہی ہدایات و حکمت اور کتاب (قرآن) کے بعد قیامت تک مزید کسی کتاب کی ضرورت نہ رہی۔ وہ سلسلہ

Marfat.com

تعلیم الٰہی اور سلسلہ ہدایات و احکاماتِ الٰہی کے آخری رسول تھے۔

قرآنی ہدایات

۱۔ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اس وعدہ کا ذکر فرمایا ہے اور انہیں یاد دلایا ہے کہ ان کی جان و مال اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کے مطابق جنت کے عوض خریدی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: انّ اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بانّ لھم الجنّۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویُقتلون وعدًا علیہ حقًا فی التوراۃ والانجیل والقراٰن۔ ومن اوفیٰ بعھدہٖ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہٖ وذالک ھو الفوز العظیم۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جان و مال کا سودا کر لیا ہے کہ اس کے عوض وہ انہیں جنت دے گا۔ وہ اس سودے کے بدلے میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ کے نافرمانوں سے لڑتے ہیں اور اس لڑائی میں قتل کرتے اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ ان کی جانوں اور مالوں کے بدلے میں جنّت کا وعدہ سچا ہے جسے بار بار توراۃ، انجیل اور قرآن میں دُہرایا جاتا رہا ہے۔ خدا سے بڑھ کر کون وعدہ پورا کرنے والا ہو سکتا ہے۔ اس لئے خوشخبری دی جائے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے ربّ سے یہ سودا کیا ہے۔ کیونکہ اس سودے میں بڑی کامیابی ہے۔

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا: اوفوا بعھدی اوف بعھدکم فایّای فارھبون۔ تم میرے ساتھ میری بندگی اور اطاعت کا وعدہ پورا کرو میں تمہیں جنت کے بلند مقام پر فائز کرنے کا وعدہ پورا کروں گا ــ سورۂ بقرہ میں نیکی کی تعریف فرماتے ہوئے عقائد و اعمال کے ذکر میں ایمان والوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے: والموفون بعھدھم اذا عاھدوا۔ نیکوکار جب کوئی وعدہ کرتے ہیں تو اُسے پورا کرتے ہیں ــــ ملاحظہ ہو۔ لیس البرّان تولوا وجوھکم ــــ اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون۔

اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مان کر اس کی بندگی اور اطاعت کے وعدہ کو دینی اعتبار سے جو اہمیّت حاصل ہے اس کا اندازہ قرآن کریم کی ان مندرجہ صدر آیات سے بخوبی ہوتا ہے کہ اسی وعدہ کی تکمیل میں جنت کا مستحق اور عدم تکمیل میں دوزخ کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ خدا سے سرکشی اور بغاوت کا روّیہ اپنانا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت میں وعدہ کی پابندی کی صفت کو ضروری ٹھہرایا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

۱۔ حضورؐ نے تو وعدہ کی پابندی کو دین کی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ لا ایمان لمن امانت لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہٗ۔ خبردار! اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانتوں کا لحاظ نہیں اور اس کا سرے سے کوئی دین نہیں جس میں وعدہ کی پابندی نہیں۔ پھر فرمایا: انّ صلّی و صام زعم انّہ مسلم۔ اگرچہ بے وعدہ اور بددیانت شخص نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو اور خود کو مسلمان خیال کرتا ہو ــ یعنی وعدہ کی پابندی نہ کرنا اور امانتوں میں خیانت کرنے والا اپنی نمازوں اور روزہ کی عبادت کے باوجود دین اور ایمان سے کورا ہوتا ہے۔ اس کی مسلمانی اس کے ذاتی گمان کی ہے۔ خدا کے ہاں مشکوک ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ منافق آدمی کی پہچان یہ ہے کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اُسے توڑ دے، خلاف ورزی کرے۔ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: العہد دینؐ۔ کیا ہوا وعدہ قرض ہوتا ہے جس کی تکمیل قرض کی ادائیگی کی طرح ضروری ہے۔

انسانی شخصیت

وعدہ کی پابندی نے انسان کے کردار اور شخصیت کو ایسی اعتباری بنا دی ہے کہ اس کے سخت دشمن بھی اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔ قیصر روم کے دربار میں حضرت ابوسفیانؓ نے، جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے اور حضورؐ کے اسلام کے کٹر دشمنوں میں سے تھے۔ یہ تسلیم کیا تھا کہ حضورؐ نے کبھی وعدہ خلافی نہیں فرمائی۔ وحشی جس نے حضورؐ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تھا، حضورؐ کے انتقام سے چھپتا پھرتا تھا۔ جب قریش نے اسے اہلِ طائف کے وفد میں شامل کر کے حضورؐ کے پاس مدینہ بھیجنا چاہا تو وہ سخت خوف زدہ تھا کہ حضورؐ اپنے چچا کے قاتل کی حیثیت سے اس سے انتقام نہ لے لیں۔ مگر اسلام کے دشمنوں نے خود اسے یقین دلایا کہ حضورؐ سفیروں کو قتل نہیں کیا کرتے۔ وہ اسی بھروسے پر آیا اور حضورؐ کے رویّہ کو دیکھا تو فوراً مسلمان ہوگیا۔

واقعات و امثال

۱۔ صفوان بن امیہ قریش کے بڑے سردار اور کھاتے پیتے آدمی تھے۔ اُس نے اپنے والد کے انتقام میں جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ عمیر بن وہبؓ کو حضورؐ کے قتل پر آمادہ کیا۔ عمیر جب اس ارادہ سے مدینہ آئے تو چہرۂ رسالتؐ پر نظر پڑتے ہی مسلمان ہو گئے اور سارا واقعہ حضورؐ کو سنا دیا کہ صفوان بن اُمیّہ نے اس ارادے سے مجھے بھیجا تھا۔ فتح مکہ کے بعد صفوان اپنی جان کے خوف سے بھاگ کر یمن چلے گئے۔ عمیر بن وہبؓ نے اس کے ساتھ اپنی دوستی اور تعلق کا حوالہ دے کر حضورؐ سے اس کی سفارش کی۔ حضورؐ نے ازراہِ عنایت اپنے سر کے قاتل اور دشمن کو معاف کر کے اپنی چادر دے کر وعدہ فرمایا کہ وہ مکّہ آجائے اُسے معاف کر دیا گیا ہے اور اس وعدہ کی نشانی اور اس کی تسلّی کے طور پر اپنی چادر بھجوائی۔ وہ جب واپس آیا تو نہ صرف اسے معافی دے دی بلکہ کئی اُونٹ بھی اُسے نذر کر دیئے۔

۲۔ ابورافعؓ حضورؐ کے غلام تھے قریش کے ساتھ سفیر بن کر مدینہ تشریف لائے۔ حضورؐ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور حضورؐ کے چہرۂ منوّر پر نظر پڑتے ہی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کی سچائی ان کے دل میں ایسی اُتری کہ وہیں مدینہ میں ٹھہرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہم وعدہ خلافی نہیں چاہتے اور نہ سفیروں کو روکنا یا ٹھہرانا ہمارا اصول ہے۔ تم واپس چلے جاؤ، اگر تمہارے دل کی یہی حالت رہی تو اپنی مرضی سے واپس آکر اسلام قبول کر لو۔ اس وقت تمہارا یہاں آکر ٹھہرنا تمہارا ذاتی فعل ہوگا، قومی اور اجتماعی نہ ہوگا۔

۳۔ صلح حدیبیہ میں سب سے زیادہ ناگوار شرط یہ تھی کہ مکّہ کے کفار میں سے جو شخص اسلام قبول کر کے مدینہ آئے گا مسلمان اُسے کفارِ مکّہ کے حوالہ کریں گے۔ اس کے برعکس مدینہ سے جو مسلمان مکّہ میں کفارِ مکّہ کے پاس آئے گا تو اہلِ مکّہ اسے مدینہ واپس نہ ہونے دیں گے۔ ابھی یہ معاہدہ لکھا نہیں گیا تھا تاہم یہ شرط مان لی گئی تھی کہ عین اُسی

Marfat.com

ابوجندلؓ زنجیروں میں جکڑے ہوئے، پھٹے کپڑوں میں اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچ گئے۔ حدیبیہ کے اس معاہدے میں ابوجندلؓ کے والد حضرت سہیلؓ اہل مکہ کی طرف سے وفد کے قائد تھے۔ انہوں نے ابوجندلؓ کو نہایت غصہ سے تھپڑ رسید کیا تو وہ گر پڑے۔ انہوں نے حضورؐ سے ایمان لانے کے بعد کفار مکہ کی دکھ بھری داستان بیان کرنے کے بعد پناہ کی درخواست کی کہ اگر مجھے واپس کر دیا تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تمام مسلمان اس صورت حال سے تڑپ اٹھے۔ دل پسیج گئے، مگر حضورؐ نے اس رقت آمیز اور درد انگیز موقعہ پر بھی صلح کی شرائط کے مطابق معاہدے کی پابندی پر مجبور رہتے ہوئے واپس ہونے کی وصیت فرمائی کہ خداوند تعالیٰ تمہارے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ ہم تمہیں روکنے سے معذور ہیں کہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی۔ کہا گیا کہ ابھی تو معاہدہ لکھا نہیں گیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ معاہدہ پہلے تسلیم ہوتا ہے لکھنے کی نوبت بعد میں آتی ہے۔

۴۔ قرآن کریم میں جنت کے مستحق لوگوں کی یہ صفت۔ کہ وہ وعدہ کے پابند ہوتے ہیں۔ اسے مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دینے سے پہلے بھی بحیثیت ایک اچھے انسان اور قابل اعتماد شخصیت کے حضورؐ کے اندر یہ صفت موجود تھی۔ نبوت سے پہلے کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ عبداللہ بن ابی الحمساء کسی کاروباری معاملے میں آپؐ کو بٹھا کر چلے گئے کہ ابھی آتا ہوں، مگر حسب وعدہ نہ آسکے، مگر حضورؐ اس کے وعدہ میں تین دن تک انتظار میں بیٹھے رہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس تھوڑی سی تعداد میں ایک آدھ آدمی کا اضافہ بھی غنیمت تھا۔ اس موقعہ پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ اپنے والد کے ہمراہ .... مکہ سے آرہے تھے کہ راستہ میں کفار نے روکا اور اس شرط پر چھوڑا کہ وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی طرف سے شریک نہ ہوں گے۔ دونوں جب مدینہ پہنچے جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ اپنی شرط اور وعدہ کا ذکر کیا۔ حضورؐ نے ان دونوں کے اصرار کے باوجود لڑائی میں شریک نہ ہونے دیا کہ وعدہ خلافی ہوگی۔ حالانکہ آجکل لڑائی اور محبت میں سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا طرز عمل

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کردار، عظیم الشان سلوک اور وعدہ کی پابندی کی یہ مثالیں خدا کے دشمنوں اور منکرین رسالت کے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے تعلق رکھتی ہیں کہ وعدہ کی پابندی کا انہیں کس قدر خیال تھا۔ ورنہ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دشمنی میں ہر قسم کا دھوکہ اور فریب جائز ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے: یاایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود۔ اے ایمان والو اپنے کئے ہوئے وعدوں کی پابندی کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولاً۔ اپنے وعدوں کو پورا کرو، تم سے وعدوں کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ وہ جہاد کے علاوہ اسلام کے دوسرے احکامات اور اعلیٰ صفات کے بارہ میں بھی حضورؐ سے بیعت فرماتے تھے اور ان پر سختی کے ساتھ کاربند رہتے۔ کیونکہ بیعت بھی ایک وعدہ ہوتا ہے جس کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ مثلاً مال خرچ کرنے کی بیعت، جھوٹ نہ بولنے کی بیعت، بددیانتی کے مرتکب نہ ہونے کی بیعت۔ نماز کی پابندی کی بیعت وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن رافعؓ کے سامنے شراب کے مشکیزے لائے گئے تو حضرت عبادہ بن صامتؓ نے انہیں پھاڑ ڈالا اور فرمایا۔ ہم نے حضورؐ کے ہاتھ پر ان کا حکم ماننے اور اطاعت کی بیعت کی تھی کہ ہم خوشی کی حالت میں ہوں یا تنگی کی حالت میں، مال خرچ کرنے، اچھی باتوں کا حکم دینے،

Marfat.com

بُری باتوں سے روکنے، سچ کہنے، حضورؐ کی امداد کرنے کی بیعت کی۔ اس لئے اس بیعت کی پاسداری ہم پہ لازم ہے۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کی خواتین نے ایک کمرے میں جمع ہو کر حضرت عمرؓ کے ذریعہ یہ بیعت کی تھی کہ ہم شرک نہ کریں گی، چوری، زناکاری نہ کریں گی، اولاد کو قتل نہ کریں گی، دوسروں پہ بہتان نہ باندھیں گی۔ اُمّ عطیہؓ نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ بہتان کیا ہوتا ہے؟ اور بھلی بات کی نافرمانی کیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میت پہ نوحہ کرتے ہوئے دوسروں کے عیب اور برائی بیان کرنا، جس کا اس زمانہ میں رواج تھا۔ جیسا کہ آجکل ہمارے ہاں بھی عورتیں بین کرتے ہوئے رشتہ داروں کی برائیاں کرتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہندبن عتبہ نے حضورؐ سے بیعت کی۔ جس میں بہت سی باتوں سے رُکنے کا وعدہ کیا۔ اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ حضورؐ سے پوچھا۔ ان کے بارہ میں کیا حکم ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ جہنم کی چنگاریاں ہیں، بشرطیکہ ان کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے۔ قرآن کریم میں بیعت کے انہی وعدوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ان الّذین یبایعونك انّما یبایعون اللّٰہ۔ جن لوگوں نے اے پیغمبرؐ آپ کے ہاتھ پہ بیعت (وعدہ) فرمائی انہوں نے گویا خدا سے بیعت کی ہے۔

وعدہ وفائی کا انعام

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ ایک مرتبہ خدا کو اپنا ربّ مان کر اپنے اس قول پہ ڈٹے جائیں اور اس اقرار کے بعد ہر سختی، تکلیف اور مشکلات کو برداشت کریں اور اپنے قول و قرار سے نہ پھریں تو انہیں آسمانی فرشتوں کے ذریعہ مدد پہنچائی جاتی ہے۔ انّ الّذین قالوا ربّنا اللّٰہ ثمّ استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ الاتخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔

جو لوگ ایک مرتبہ اللہ کو اپنا رب مان لینے کا اقرار و اعلان کر کے اس پہ ڈٹ گئے تو ان پہ آنے والی ہر سختی و تکلیف میں جو خدا کے منکروں کی طرف سے آئے گی، فرشتے آسمانوں سے اتارے جائیں گے جو انہیں تسلّی دیں گے۔ خبردار گھبرانا نہیں اور نہ ڈرنا۔ فرشتے انہیں جنت کی خوشخبری سنائیں گے جس کا وعدہ ان سے اللہ نے کیا ہوتا ہے۔

وعدہ خلافی منافقت ہے

حضورؐ کے ایک ارشاد کے مطابق وعدہ کی پابندی نہ کرنے والا منافق ہوتا ہے خواہ وہ وعدہ عام زندگی کے معاملات کا ہو یا دینی اور مذہبی معاملات میں خدا اور رسولؐ سے کیا ہو، مثلاً زبان سے اقرار کرے کہ خدا میرا رب ہے، عبادت کا مستحق ہے۔ مگر عملی طور پہ خدا کی بندگی نہ کرے۔ اس کے احکامات کی تعمیل نہ کرے۔ نماز کا پابند نہ ہو۔ روزہ نہ رکھے اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرے۔ اپنی زندگی کے تمام معاملات خدا کے احکامات اور حضورؐ کی تعلیمات کے خلاف کرے تو اس کا زبانی اقرار کوئی معنی اور حقیقت نہیں رکھتا بلکہ منافقت کہلائے گا۔ منافقت کی ادنیٰ سزا قیامت کے دن آنکھوں کا بے نور و اندھا ہونا ہے۔ یوم یقول المنفقون والمنافقت للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نورًا۔ منافق مرد اور عورتیں اس دن مؤمن لوگوں سے کہیں گے، ہمارا نور چلا گیا، ہم اندھے ہو گئے۔ تم اپنے نور سے ہماری رہنمائی کرو۔ انہیں کہا جائے گا واپس ہو جاؤ اور اپنا کھویا ہوا نور حاصل کرو۔

حیرت انگیز واقعہ

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ اکابر صحابہؓ موجود تھے کہ ایک خوبرو نوجوان کو دو آدمی پکڑے ہوئے لے آئے اور فریاد کی۔ امیر المومنین! اس ظالم شخص سے ہمارا حق دلوایئے کہ اس نے ہمارے بوڑھے باپ کو مار ڈالا ہے۔ حضرت عمرؓ نے نوجوان سے فرمایا۔ تم دعویٰ سن چکے ہو، تمہارا کیا جواب ہے؟ اس نے نہایت بے خوفی اور پوری فصاحت کے ساتھ جرم کا اقرار کیا کہ مجھ سے یہ جرم سرزد ہوا کہ طیش میں آکر ان کے والد کو پتھر مارا اور بوڑھا جان بحق ہوگیا۔ اس کے اعترافِ جرم پر قصاص لازمی ہوگیا یعنی اسے جان دینا لازمی تھا۔ نوجوان نے سر جھکا کر شریعت کے فیصلے کو مان لیا، لیکن یہ درخواست کی کہ میرا ایک چھوٹا نابالغ بھائی ہے جس کے لئے والد نے کچھ سونا چھوڑا تھا اور وصیّت فرمائی تھی کہ اس کے بالغ ہونے پر یہ امانت اس کے سپرد کروں۔ میں نے اس کی امانت ایک خفیہ مقام پر دفن کر دی ہے جس کا علم صرف مجھ کو ہے، اگر وہ سونا میری موت پر اُسے نہ بتایا جا سکا تو قیامت کے دن امانت اسے نہ پہنچا سکنے کا مجرم ہوں گا۔ میں تین دن کی ضمانت چاہتا ہوں تاکہ وہ مقام کسی کو بتا کر امانت اس کے حوالہ کرنے کی ذمہ داری سونپ دوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے غور کیا۔ پھر اس سے ضمانت چاہی جو اسے سزا کے لئے حاضر کرے۔ نوجوان نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو ابوذر غفاریؓ پر ٹھہر گئی اور کہا۔ یہ میری ضمانت دیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ابوذر غفاریؓ سے تصدیق چاہی۔ انہوں نے اس شخص کے اعتماد و اعتبار کی لاج رکھتے ہوئے اقرار کیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی ضمانت پر دونوں مدعی بھی رضامند ہو گئے اور نوجوان کو چھوڑ دیا گیا۔ تیسرے دن اس نوجوان کے حسبِ وعدہ مقررہ وقت پر دربارِ خلافت میں حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ اور مدعی جمع تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ بھی موجود تھے، مگر مجرم ابھی تک نہ آیا تھا۔ صحابہؓ میں ابوذر غفاریؓ کے پکڑے جانے اور قصاص کی سزا بھگتنے پر تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ دربار حضرت عمرؓ کا تھا جو شرعی حدود کے نفاذ میں اپنے بیٹوں کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر مجرم نہ آیا اور وعدہ خلافی کی تو ابوذر غفاریؓ پر سزا لاگو ہوگی۔

صحابہؓ کی تشویش قدرتی تھی کہ خواہ مخواہ نوجوان نے اپنی جگہ ابوذرؓ کو پھنسا کر پھانسی کا پھندا ان کے گلے میں ڈال دیا اور وہ محض مروّت اور ایک اجنبی نوجوان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچانے کے خیال سے یہ ضمانت دے بیٹھے۔ صحابہؓ نے مدعیوں پر زور ڈالا کہ وہ خون بہا لینے پر رضامند ہو جائیں تاکہ ابوذر غفاریؓ کی جان بچ سکے۔ وہ سختی سے انکاری تھے کہ ہم خون کا بدلہ خون ہی لیں گے۔ مایوسی بڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک نوجوان پھولی ہوئی سانسوں اور پسینہ میں ڈوبا ہوا نمودار ہوگیا۔ حضرت عمرؓ کے روبرو آکر عرض کیا۔ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو ماموں کے سپرد کر کے دفینہ اسے بتا دیا ہے۔ اب آپ خدا اور اُس کے رسولؐ کا حکم بجا لائیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے کہا۔ امیر المومنین! میں نہ اس شخص کو جانتا ہوں۔ اس دن سے پہلے دیکھا تک نہ تھا نہ اس کا نام آتا تھا، نہ رہائش کا پتہ تھا مگر اپنے اوپر اس کے اعتبار کو بحال رکھ کر انجانے میں اس کی ضمانت دے کر اس پر اعتبار کیا اور اس کے وعدہ کو معتبر جانا کیونکہ اس کے چہرے سے شرافت اور لہجے سے مردانگی ظاہر ہوتی تھی کہ ایسا

شخص وعدہ خلاف اور جھوٹا نہ ہوگا۔ اس نوجوان کی سچائی اور وعدہ وفائی کے اس شاندار مظاہرے پر مدعی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور بے اختیار کہا کہ ہم نے اس شخص کو والد کا خون معاف کر دیا۔ اس پر سب لوگوں کے چہرے فرطِ مسرت سے چمک اُٹھے۔ حضرت عمر فاروق رض انتہائی خوش ہوئے اور فرمایا۔ نوجوانو! تمہارے والد کا خون بہا میں بیت المال سے ادا کروں گا لیکن انہوں نے کہا۔ امیرالمومنین! ہم نے اپنا حق خدا کی خوشنودی کی خاطر معاف کیا ہے۔ ہم اپنا حق کہیں سے بھی نہیں لیتے۔ حضرت ابوذر غفاری رض کی اپنے وعدۂ ضمانت پر اس قدر ثابت قدمی اور اجنبی نوجوان کی حسبِ وعدہ موت پر آمادگی اور حاضری نے عجیب مثال قائم کی اور ثابت کر دیا کہ جو لوگ خدا کے حکم کی پابندی کرتے ہیں اللہ ان کو آزمائش میں پورا اُترنے پر ضرور اپنے انعام و امداد سے نوازتے ہیں۔

ایک مسلمان کا وعدہ جنگ قادسیہ سے پہلے ایران کا سردار جاپان نامی گرفتار ہوا۔ اس نے کسی مسلمان کو دھوکہ دے کر امان لے لی۔ لوگ اُسے حضرت ابوعبیدہ رض کے پاس لے آئے جو اسلامی افواج کے سپہ سالار تھے اور کہا کہ یہ ایرانیوں کا سردار ہے، اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابوعبیدہ رض نے فرمایا جب ایک مسلمان سپاہی نے اس کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تو میں اس کے وعدہ کا پابند ہوں، اسے سزا نہیں دی جا سکتی۔ ایک مسلمان کا کیا ہوا وعدہ نبھانا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

دوسرا واقعہ ایک غازی کا کسی مشرک سے مقابلہ ہوا۔ دیر تک لڑتے رہے، کوئی بھی دوسرے پر غالب نہ آیا۔ نماز کا وقت آیا تو مسلمان مجاہد نے نماز ادا کرنے کی مہلت مانگی۔ مہلت مل گئی۔ نماز کے بعد دونوں حرب وضرب میں مشغول ہوئے کہ اتنے میں مشرک کی پوجا کا وقت آیا۔ اُس نے بھی مہلت مانگی اور مہلت کے دوران پوجا میں لگا رہا۔ مسلمان کے دل میں شیطانی خیال آیا، کیوں نہ موقع سے فائدہ اُٹھاؤں اور اس کا کام تمام کروں۔ ناگہاں غیب سے ایمانی آواز سنائی دی۔ اوفوا بالعقود۔ کیا وعدوں کی پابندی یہی ہے؟ تجھ سے مشرک افضل نکلا۔ یہ آواز سنتے ہی مسلمان رونے لگا۔ جب مشرک اپنی پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر آیا تو اسے بے قرار پایا۔ وجہ پوچھی تو اس نے بلاکم وکاست سنا دی کہ تیری وجہ سے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کے خیال سے یہ سزا مل رہی ہے کہ دل بے چین ہے۔ مشرک پر اثر ہوا کہ اس کا دین سچا ہے کہ وعدہ خلافی کے ذرا سے خیال کی اُس کے ربّ نے اسے یہ سزا دے کر وعدہ خلافی سے روکے رکھا، فوراً ایمان لے آیا۔

ہمارا رویّہ آج کی معاشرتی زندگی میں رہنماؤں سے لے کر ووٹروں تک ایک دوسرے سے وعدے کرتے ہیں۔ سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔ پھر پلٹ کر کوئی بھی نہیں دیکھتا خوبصورت انتخابی منشور چھاپے جاتے ہیں، لیکن کامیابی کے بعد ان وعدوں میں سے کسی ایک پر عمل نہیں ہوتا۔ ووٹرز بے وقوف بناتے ہیں۔ ہر کسی سے وعدہ ہوتا ہے مگر ووٹ اسی کو دیا جاتا ہے جس سے نقد دام کھرے کیے جاتے ہیں۔ عام زندگی میں ہم روزانہ کتنے وعدے کرتے ہیں مگر انہیں پورا نہیں کرتے۔ دکاندار، مزدور، کاریگر، دفتری لوگ سب ایک دوسرے کو ٹالتے اور دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔ قرض مانگا جاتا ہے وقت پر ادا نہیں کیا جاتا۔ کام پر آنے کا کہا جاتا ہے مگر وعدہ پورا نہیں

Marfat.com

کیا جاتا۔ حکمران جو وقت اور تاریخ دیتے ہیں اُس کی پابندی نہیں کرتے، لوگوں کو انتظار کی سولی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔
غرض ادنیٰ سے اعلیٰ سب اس حمام میں ننگے ہیں "وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوگیا"۔ زبان میں ہڈی نہیں لچکتی ہے اور پھسل جاتی ہے "قول مرداں جانے دارد"۔ مردوں کے قول میں جان ہوتی ہے۔ اگلے وقتوں کے مقولے اور فرمودے ہیں۔ آجکل ہوشیاری سمجھداری اور دانشوری کا معیار یہ ہے کہ کون کتنا زیادہ جھوٹا، وعدہ خلاف اور فریبی ہے۔ ہمارے کانوں میں اوفوا بالعقود کی ندائے غائبانہ نہیں آتی اور نہ آئے دن کی وعدہ خلافیوں پر سزا ملتی ہے۔ کیونکہ ہماری اجتماعی غلط کاریوں اور اخلاق و کردار کی کے بیشمار برائیوں کو دیکھ کر اللہ نے ہمیں نظرانداز کر دیا ہے، جیسے کوئی استاد اپنی کلاس کے انتہائی نکمے، نالائق اور ناقابلِ اصلاح طالب علم کو اس کے حال پر چھوڑ کر اُسے کوئی سزا دینے کی بجائے خود اس کے انجام کے حوالے کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کو بھی اللہ نے ان کے بُرے انجام کے حوالے کر دیا ہے جو برائیوں کے نتیجے میں دنیا و آخرت دونوں میں ملے گا اور ملتا رہتا ہے۔ اگر ہم خود کو جنت کے حقدار بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنا ہوگی کہ ہم امانتوں کا پاس رکھیں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کریں۔ خواہ بحیثیت مسلمان ہم پر دین و مذہب کو مان کر عائد ہوتے ہیں یا معاشرتی روابط و مراسم میں ایک دوسرے کے ساتھ روزمرہ زندگی میں ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔ اپنی ذات اور شخصیت کو خدا کے نزدیک اور لوگوں کے درمیان اعتباری بنانا ہے تو وعدہ وفائی کی صفت ضروری ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

شہادت پر قائم رہنا

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ سورۂ معارج	اہل جنّت کی صفت
۲	شہادت کی اقسام	دو قسمیں۔ عقیدے کی شہادت۔ معاملات و واقعات کی شہادت۔
۳	ہمارا روّیہ کیسا ہے	کیا عقیدے پہ قائم ہیں؟ ہمارا عمل یہ شہادت دیتا ہے؟
۴	عقیدے کی شہادت پہ صحابہؓ کا کردار	ہمارا روّیہ حضورؐ اور صحابہ کرام رضؓ کی استقامت۔
۵	زندگی کے عام معاملات کی سچی گواہی کے احکام	قرآنی آیات
۶	واقعات و امثال	

شہادت پر قائم رہنا

صداقت کی قبولیت، اس کا اظہار و استقامت

آیت معہ ترجمہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ۔ (المعارج: ۳۳) جنّت کے مستحق لوگ حق اور سچائی کی گواہی پر قائم رہتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

سورۂ معارج میں جنت کے مستحق لوگوں کی جو صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ وہ لوگ شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ شہادت پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایسے لوگ کسی بات کی سچائی کو جان لیتے ہیں تو اس سچائی کے اظہار و اقرار پر قائم رہتے ہیں خواہ سچائی کی اس شہادت اور گواہی میں کتنی ہی مشکلات، مصائب اور دشمنیاں برداشت کرنا پڑیں، وہ ان کی پرواہ نہیں کرتے، اور نہ مشکلات سے ڈر کر وہ سچ کو چھپاتے ہیں۔

شہادت کی اقسام

شہادت کی تعریف میں دو قسم کی شہادتیں شامل ہیں۔ ایک عقیدے کی شہادت کہ انسان جس عقیدے، فکر یا نظریے کو سچ جان لے اس عقیدے کی سچائی کا برملا زبان سے اعلان کرے اور عمل سے اس کا اظہار کرے۔ اس نظریے، عقیدے کی سچائی اور صداقت کے زبانی اور عملی اظہار میں اپنا وقت، اپنا مال اور اپنی جان تک کی بازی لگا دے اور اس سلسلہ میں اس سچائی کو دوسروں سے منوانے کی مسلسل کوشش کرے۔ کسی دشمنی، ترغیب و تحریص، مخالفت کی پرواہ نہ ہو۔ عقیدے کی سچائی کی عملی شہادت پر قائم رہے۔ یہ عقیدے کی سچائی کی شہادت ہی تھی کہ حضورؐ نے اسے سچ مانا اور سچ جان کر اپنے قول و فعل سے اس کی گواہی دی اور اس سلسلہ میں جو کچھ اُن کے ساتھ ہوا وہ ساری دنیا جانتی ہے کہ انہیں مشرکین مکّہ کی ترغیب و تحریص اس شہادت سے منحرف کر سکی اور نہ ان کی طرف سے ملنے والی تکالیف، اذیتیں، جنگیں، خوف یا ڈر اس شہادت سے باز رکھ سکیں شہید کہتے ہی اس آدمی کو ہیں جو اپنے عقیدے کی سچائی کے اعلان و اقرار اور عملی اظہار میں اپنی جان دے کر گواہی دیدے۔ گویا وہ عقیدے کی سچائی کی گواہی پر جان دے کر گواہ بنتا ہے۔ اس لئے اس عقیدے کا شہید۔ گواہ۔ کہلاتا ہے۔

واقعات و معاملات

عقیدے کو سچ مان کر اور اس سچائی پر ڈٹ کر کھڑا ہونا عقیدے کی ایسی شہادت ہے کہ اس قسم کے آدمی سے یہ توقع بھی جاتی ہے کہ وہ زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی ایسا ہی کھرا، بے خوف اور نڈر ہو جس بات کو کسی کے متعلق حق جانے اس کا ساتھ دے۔ اس کا اظہار کرے۔ اور

Marfat.com

جب بات کو کسی میں جھوٹ جانے اس کا ساتھ نہ دے، اس کی حمایت نہ کرے۔ واقعاتی اعتبار سے جو واقعہ اس کے سامنے گزرا ہو کسی مصلحت و حکمت اور مفاد کے خیال سے اس کا گواہ بننے سے گریز اور خاموشی اختیار نہ کرے، بلکہ عقیدے کے اظہار کا سچا اور کھرا آدمی زندگی کے واقعات کا بھی کھرا اور سچا و سچا گواہ ہوتا ہے۔ لوگ اس کی شہادت پر اعتبار کرتے ہیں اور اپنی سوسائٹی میں ایسا شخص قابلِ اعتماد ساتھی اور شہری ہوتا ہے۔

عقیدۂ اسلام کی شہادت

جہاں تک عقیدۂ اسلام کی شہادت کا تعلق ہے تو ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ہمارا ربّ اور معبود ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے سچے رسول اور اُن پر اتاری جانے والی کتاب قرآن کریم سچی ہے اور جن فرشتوں کے ذریعہ اتاری ہے، وہ موجود اور برحق ہیں۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس عالم وجود میں سوائے اس کے کوئی ایسی ہستی نہیں جو خدا کی صفات سے متصف ہو، خدا کے اقتدار میں شریک ہو یا خداوند تعالیٰ کے حقوق، کبریائی و خدائی اور عبادت کی مستحق ہو۔ پھر اللہ کی اس شہادت میں فرشتے بھی شریک ہیں کہ وہ کائنات کے امورِ انتظامی میں خدا تعالیٰ کے اہلکار ہیں۔ پھر اس شہادت کو خدا کے پیغمبر دیتے آئے ہیں جو اپنے ذاتی علم کی بناء پر حقائق کا علم رکھتے تھے۔

کلمہ شہادت کی گواہی

خداوند تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروںؑ کی متفقہ شہادت ہے کہ ابتداء سے لے کر انتہا تک، کائنات کے آغاز سے لے کر انجام تک ایک ہی خدا پوری کائنات کا مالک و مدبّر ہے۔ (آل عمران) قرآن کریم ، خداوند تعالیٰ، فرشتوں اور منصفانہ علم کے مالک پیغمبروں کی اس شہادت کا نتیجہ ہے کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہوئے اس بات کا اعلان کرتے ہیں: اشهد ان لّآ اله الّا اللّٰه و اشهد انّ محمّدًا عبدهٗ ورسولهٗ۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ کوئی معبود برحق نہیں، کوئی ہماری عبادت کے لائق نہیں، کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، کوئی روزی رساں نہیں، کوئی دعاؤں کو سننے والا نہیں کہ اس کے سامنے ہاتھ اور جھولی پھیلائیں۔ سوائے خدا کے جو ہمارا معبود ہے۔ قاضی الحاجات ہے۔ ہمارا رازق ہے۔ مستجاب الدعوات ہے۔

کلمہ کی دوسری گواہی

پھر کلمۂ شہادت میں دوسری گواہی۔ واشهد انّ محمّدًا عبدهٗ ورسولهٗ۔ کی ہے کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول اور اس کے بندے ہیں جسے اللہ نے ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔ اس کی ہدایات خدا کی ہیں، اُس کی تعلیمات خدا کی تعلیمات ہیں۔ اُس کے احکامات خدا کے احکام اور اُس کی زندگی کا ہر انداز قابلِ تقلید، قابلِ اتباع اور نمونہ ہے۔ جب خدا اور اس کے رسولوں کو پہچاننے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ شہادت بھی اس عقیدے میں از خود شامل ہو جاتی ہے کہ ان پر اتاری جانے والی کتاب اور اس کا ہر لفظ و ہر حرف سچا ہے۔ اس شہادت کا اقرار اور دعویٰ یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم عمل کے لحاظ سے بھی قدم قدم پر اس شہادت پر قائم رہیں اور اسی طرح قائم رہیں جیسے حضورؐ اور اُن پر ایمان لانے والے صحابہؓ کرامؓ اور صلحاء قائم رہے۔ ان کے ارادوں میں شکست اور پاؤں میں ذرا بھر جنبش نہ آئی۔

نبیؐ کی شہادت کیسی ہے

سورۂ احزاب میں حضورؐ کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے: یاایھا النّبیّ انا ارسلنٰک شاھدًا وّمبشرًا ونذیرًا۔ اے نبیؐ ہم نے تمہیں لوگوں کے لئے گواہ بنا کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ نافرمانی کی صورت میں خدا کے عذاب سے ڈرانے والا۔ خدا کے نبیؐ کی شہادت تین طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ قولی شہادت

اس عقیدے کا زبانی اعلان و اظہار ہوتا ہے کہ یہ سچا ہے۔ خدا کا دین حقیقتوں پر مبنی ہے۔ وہ سچی حقیقتیں ہیں۔ جنت، دوزخ، موت کے بعد زندگی، قیامت کی جوابدہی، خدا کے فرشتوں کا اظہار۔ وحی کا اُترنا۔ پھر یہ کہ اخلاق و تمدّن کے وہ تمام اصول جو دنیا کی نظروں میں کتنے ہی نرالے ہوں، نبی انہیں برت کر شہادت دیتا ہے کہ وہ سچے ہیں۔

۲۔ عملی شہادت

نبیؐ کی دوسری شہادت اپنے قول کے مطابق عمل کی شہادت ہوتی ہے۔ جس دین، عقیدہ اور نظریہ کو وہ لے کر اُٹھتا ہے، لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے، اسے عملی طور پر کر کے بھی دکھاتا ہے۔ جسے وہ برائی کہتا ہے اُس کی زندگی میں وہ برائی نظر نہیں آتی۔ جسے وہ اچھائی کہتا ہے اُس کی اپنی زندگی میں، سیرت میں بلکہ ہر معاملے میں وہ بھلائی اپنی پوری شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔

۳۔ اُخروی شہادت

نبی کی تیسری شہادت قیامت کی ہوگی۔ جب قیامت میں خدا کی عدالت قائم ہوگی تو یہ شہادت دے گا کہ خدا کا پیغام جو اس کے ذمّہ تھا اسے بلا کم و کاست مخلوق تک پہنچا دیا اور اپنے قول و عمل سے اس نے اس سچائی کو واضح کر دیا۔ حضورؐ کی یہی گواہی اس کی اُمّت کی طرف سے دوسری اُمتوں پہ ہوگی۔ کُنتم خیرامتٍ اخرجت للنّاس لتکونوا شھداء علی النّاس ویکون الرسول علیکم شھیدًا۔ یعنی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول و عمل پر شہادت دیں گے اسی طرح حضورؐ کی اُمت کا ہر فرد اپنے قول و عمل پہ شہادت دے گا کہ ہم نے اپنے نبیؐ کے اس کام کو دوسروں تک پہنچایا اور اس پہ عمل کر کے اس کی سچائی ثابت کر دی۔

احادیث میں تمام بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے کہ حضورؐ قیامت کے دن دیکھیں گے کہ صحابہؓ ان کی طرف جانے کی بجائے دوسری طرف جائیں گے تو حضورؐ اللہ تعالیٰ سے فرمائیں گے کہ یہ تو میرے صحابی ہیں میری طرف کیوں نہیں آتے۔ اللہ جواب میں فرمائیں گے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا کرتوت کیے ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں۔ قیامت کے دن جب اُمتوں کا اکٹھا حساب ہوگا تو خدا کا رسولؐ گواہی دے گا کہ اُس نے اللہ کا پیغام، ہدایات و احکامات بیان کر دیئے اور ان پر عمل کر کے دکھا دیا تھا اور تم دوسری اُمتوں پر گواہی دو گے کہ حضورؐ کے پیغام رسالت کو ان کے پیروکاروں کی حیثیت سے ان تک پہنچایا بھی ہے اور عمل کر کے دکھایا ہے۔ قرآن کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ وکذالک جعلنٰکم امّۃً وسطًا لتکونوا شھداء علی النّاس ویکون الرسول علیکم شھیدًا۔

ہماری ذمہ داری

عقیدہ کی اس زبانی اور عملی شہادت کی تفصیل پر غور کیا جائے تو ہماری ذمہ داری وہی ہے جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ ہمارا منصب اور مقصدِ حیات اتنا ہی عظیم ہے جتنا

Marfat.com

حضورؐ کا تھا۔ ہمارا راستہ وہی ہے جو حضورؐ کی زندگی کا راستہ تھا لیکن ہم شہادت کی اس ذمہ داری سے غافل ہو گئے ہیں۔ ہم زبانی کلامی اس عقیدے کے گواہ تو ہیں لیکن اس پر عمل کر کے اس کی سچائی کے گواہ نہیں بنتے۔ اس کی اشاعت، اس کی سچائی کو دوسری اقوام و ملل سے منوانے کا فریضہ انجام نہیں دیتے۔ ہم نے اپنی مسلمانی کو برائیوں کے ساتھ سمجھوتہ کر کے اور بھلائیوں سے اجتناب کر کے آسان بنا دیا ہے۔

ہم نے اپنی زندگیوں کے طور و اطوار، رسوم و رواج میں ان تمام باتوں کو شامل کیا ہوا ہے جو ہمارے عقیدے اور اسلام کے نظریے کے سراسر خلاف ہیں۔ آج رہن سہن، چال ڈھال، فیشن و لباس، ظاہری طور و اطوار سے ہم میں ہندؤوں، عیسائیوں اور یہودیوں میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ دوسری اُمتوں تک عقیدہ کی سچائی کا پیغام پہنچا کر قیامت کے دن ان پہ گواہ بننا تو بڑی بات ہے خود اپنے گھر میں روزمرہ خلافِ اسلام بُود و ماند کے خلاف آواز اٹھانا ہم سے ممکن نہیں ہو سکتا تو پھر ہم کس پہ گواہی دیں گے اور کون ہم پہ گواہ بنے گا کہ انہوں نے اپنا فریضۂ شہادت ادا کیا ہے۔
ہم پہ وہ تکالیف آتی نہیں کہ ہم اپنے عقیدہ کی سچائی کے عملی گواہ نہیں بنتے۔ ورنہ بقول علامہ اقبالؒ۔

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے — لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا
اگر گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

میں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو لرز جاتا ہوں، کیونکہ لا الٰہ کہنے کے بعد مجھ پہ جو ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے اُس کی مشکلات و مصائب کا اندازہ اور ان سے گزرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ آیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہؓ کی زندگیوں میں پیش آنے والی ان مشکلات و واقعات کی روشنی میں اندازہ لگائیں کہ آیا اس قسم کے واقعات اور آزمائشوں میں ہم اپنا ایمان بچا سکتے ہیں اور عقیدہ کی شہادت پہ قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر ہمیں اپنے زبانی ایمان کی کمزوری، خدا اور اُس کے رسولؐ کے برحق ہونے کی اس کمزور شہادت کی فکر کرنا چاہیئے کہ یہ شہادت ہمارے دعویٰ ایمان و اسلام کو جھوٹا ثابت کرے گی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ترغیب

۱۔ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو اُن کے چچا ابو طالب کے ذریعہ قریش مکہ نے یہ لالچ اور ترغیب دلائی کہ اسلامی عقائد اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے باز آجائیں تو ہم انہیں اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ اگر دولت کی ضرورت ہے تو ہم اُن کے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیں گے۔ اگر عورت کی خواہش ہے تو ہم عرب کی حسین ترین عورت پیش کرنے کو تیار ہیں۔ انسان کی دنیا میں یہی تین خواہشیں ہوتی ہیں۔ اقتدار کی خواہش۔ دولت کی خواہش اور حسین ترین عورت کا حصول۔ آجکل انسان کی تمام تر کوششوں کا محور و مرکز یہی تین چیزیں ہیں۔ جن کے حصول کے لئے حلال و حرام، جائز و ناجائز اور حق و ناحق کی تمیز نہیں کی جاتی۔ تمام رشتے، تعلقات، دوستیاں حتیٰ کہ ایمان تک قربان کر کے ہم ان تینوں خواہشات کو حاصل کرتے ہیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق کی شہادت پہ قائم رہتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پہ سورج اور دوسرے ہاتھ پہ چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں پھر بھی خدا کے بتائے ہوئے راستہ پہ خود چلنا اور دوسروں کو چلانے کا کام اور فریضہ نہ چھوڑونگا۔

Marfat.com

جب تک اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب نہ کر دے یا میں اسے غالب کرنے کی کوشش میں ہلاک نہ ہو جاؤں - یہ کہہ کر رو دیئے اور چلنے لگے تو چچا نے انہیں اپنی بھرپور امداد و تعاون کا یقین دلا کر تسلی دے دی۔

۲- تحقیر آمیز سلوک

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے حضورؐ کے ساتھ انتہائی کمینگی کا برتاؤ کیا کہ حضورؐ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اس دشمنِ اسلام نے حضورؐ کے گلے میں رسّی ڈال کر تاؤ دینا شروع کر دیا جس سے حضورؐ کا دم گھٹنے لگا۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور یہ کہہ کر انہیں چھڑایا۔ اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ - تم لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہو جو خدا کو اپنا رب مانتا ہے۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی مار کھائی۔

۳- بھوک پیاس

حضورؐ کی زندگی میں سختیوں، اذیّتوں اور تکالیف کے کیا کیا واقعات پیش نہیں آئے شعب ابی طالب میں سوشل بائیکاٹ کے دوران تین سال تک بھوک پیاس کی سختیاں سہیں۔ طائف کے سفر میں پتھر برسانے کی غنڈہ گردی کی گئی۔ راستوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ سجدہ کے دوران سر پر اوجھڑی رکھی گئی۔ کھانے میں زہر دیا گیا۔ بدر کا معرکہ ہوا۔ اُحد میں دانت شہید ہوئے۔ خندق کی کھدائی میں پیٹ پر پتھر باندھے گئے، لیکن کسی بھی موقعہ پر آپؐ اپنے عقیدے کی صداقت پر عملی گواہی سے باز نہ آئے، نہ ہراساں ہوئے نہ خوفزدہ اور نہ پشیمانی کا اظہار فرمایا اور نہ پسپائی اختیار فرمائی۔

صحابہ کرامؓ و حضرت ابوبکر صدیقؓ کی استقامت

حضرت ابوبکر صدیقؓ صرف اڑتیس ۳۸ صحابہؓ کی قلیل تعداد کے ساتھ مشرکین مکہ کے سامنے عقیدے کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں تو انہیں مارا جاتا ہے۔ عتبہ بن ربیعہ جوتوں سمیت اُن کے چہرے پر کودتا ہے۔ ٹھڈے مارتا ہے حتیٰ کہ ان کے خاندان کے افراد انہیں چادر میں لپیٹ کر گھر لاتے ہیں۔ سارا دن بیہوش رہے۔ جب ہوش آیا تو سب سے پہلے حضورؐ کا حال دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ جب اسلام کی سچائی مانتے ہیں تو اسی وقت مسجد حرام چل پڑتے ہیں۔ قریش کے تمام سرداروں کے سامنے کلمہ شہادت پڑھنا تھا کہ سب لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اکیلے سب سے لڑتے رہے اور کسی نہ کسی کو نیچے دبا دیتے حتیٰ کہ سب کو بھگا دیا۔ پھر اپنے تمام حلقۂ تعلق میں اپنے ایمان اور شہادت کے کلمہ کا اعلان کرتے ہیں۔

حضرت زبیر بن عوامؓ حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے اور ہم زلف بھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ہجرت فرمائی آٹھ سال کے تھے کہ مسلمان ہوئے۔ ان کا چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ کر آگ لگاتا اور انہیں دھونی دیتا رہا، مگر وہ اپنے عقیدے سے باز نہ آئے۔ اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد کے ہر معرکہ میں شریک ہوئے اور جسم پر تلواروں، نیزوں اور دشمنوں کی برچھیوں کے اتنے زخم کھائے کہ کوئی جگہ بھی زخموں کے نشانوں سے خالی نہ تھی۔

حضرت بلالؓ کو دیکھیئے۔ حبشی غلام تھے، مکہ میں نہ کوئی قوم نہ قبیلہ، نہ رشتہ داری اور نہ تعلق داری تھی اکیلی جان اور تمام مشرکین مکہ کی دشمنی تھی۔ اس پر بھی یہ ہمت، یہ جرأت اور یہ استقامت کہ عقیدۂ اسلام کی شہادت میں ہر

Marfat.com

سختی کو برداشت کیا۔ ہر وہ ذلت وسختی برداشت کی جو دشمنانِ اسلام دے سکتے تھے، مگر اسلام کی شہادت حضورؐ کی صداقت اور خدا کی ربوبیت اور عبادت کی گواہی پر قائم رہے اور مرتے دم تک قائم رہے۔

زندگی کے معاملات و واقعات کی گواہی

دوسری شہادت کی صورت زندگی کے روزمرہ معاملات و واقعات میں پیش آتی ہے، اگر اس کے سامنے کوئی واقعہ یا معاملہ آئے تو ایک مسلمان کی حیثیت سے وہ ایسا بے باک اور بے خوف ہو کہ واقعات کی سچی گواہی دے۔ کسی مصلحت۔ ذاتی منفعت اور رعب یا کسی بااثر فرد کے اثر و رسوخ کی پرواہ کئے بغیر واقعات بیان کرے۔ کیونکہ واقعات کی سچی گواہی ہی کسی حاکم یا عدالت کو انصاف کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ: ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہٗ اٰثم قلبہٗ واللہ بما تعملون علیم۔ واقعات کی سچی گواہی کو نہ چھپاؤ۔ جس نے اسے چھپایا اس کا دل گناہ آلود ہو گیا۔ تم جو کچھ بھی کرتے ہو خدا کو اس کا علم ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ومن اظلم ممن کتم شھادۃ عندہٗ من اللہ وما اللہ بغافلٍ عما تعملون۔ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس کے پاس حقیقتِ حال کی شہادت موجود ہو اور وہ اسے چھپائے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ ہم لوگ مصلحت کوشی سے کام لیتے ہیں۔ کوئی بھی کسی سے تعلقات خراب کرنا نہیں چاہتا نہ کسی کو ناراض کرنا پسند کرتا ہے، نہ کسی کی دشمنی مول لینا پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے ظالم اور سنگدل افراد کو مظلوموں پر ظلم ڈھانے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ وہ دندناتے پھرتے ہیں کہ کوئی ان کے خلاف زبان کھولنے والا نہیں ہوتا۔ گواہی نہ ہونے سے وہ ظالم پہلے تو پکڑے نہیں جاتے، اگر پکڑے جائیں تو شہادت نہ ملنے پر چھوٹ جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں افراد کی اس بزدلی کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کا رویہ بھی شریک ہوتا ہے۔ وہ ظالم لوگوں اور بااثر افراد کے ہمنوا ہوتے ہیں۔ کوئی آدمی اگر جرأت ایمانی کے تحت شہادت پر آمادہ ہو بھی تو اسے قانون کا معاون و مددگار سمجھ کر تحفظ دینے اور عزت دینے کی بجائے اُلٹا تھانوں اور عدالتوں میں رسوائی و ذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جرم کرنے والے حکمرانوں کی امداد سے چھوٹ جاتے ہیں اور کہنے والے پکڑے جاتے ہیں اور سزا بھگتے ہیں۔ انہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے ۔ بہرحال ہمارا مجموعی رویہ یہ ہے کہ ظالموں کے سامنے اُن کی ہاں میں ہاں ملائی جاتی ہے اور مظلوموں کے سامنے اس کی بات کی تائید ہوتی ہے۔ ہمارا اجتماعی قومی کردار با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام کا سا ہے۔ یہ رویہ ایک سچے اور کھرے مسلمان کی بجائے منافقانہ اور بزدلانہ ہے۔

قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے: یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوّامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم۔ اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار بنو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ خدا کے لئے دی جانے والی گواہی کی زد خود تم پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیرخواہ ہے۔ لہٰذا اپنے نفس کی پیروی میں پڑ کر تم عدل و انصاف سے باز نہ آؤ۔ اگر تم نے لگی لپٹی سے کام لیا یا سچائی کے اظہار سے پہلو

Marfat.com

بچایا تو یاد رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔"

اس آیت کے ابتدائی الفاظ میں انصاف پر چلنے کے نہیں بلکہ انصاف کا جھنڈا اُٹھانے کے ہیں۔ انصاف کے قائم کرنے پر کمربستہ ہونے کے ہیں تاکہ ظلم مٹ جائے اور انصاف کا دَور دورہ ہو جائے۔ عدل و انصاف کے قیام میں جس سہارے کی ضرورت ہے وہ سہارا تم بن جاؤ اور یاد رکھو گواہی محض خدا کے واسطے ہو کسی کے مفاد، رعایت یا ذاتی فائدے کے لئے نہ ہو، نہ کسی کی خوشنودی مقصود ہو۔ (سورۂ نساء آیت ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ کو گواہی کی اہمیت، اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی دشمنوں کا اندازہ ہے کہ انسان سچی گواہی دے کر اپنے آپ کو کتنی مشکلات میں ڈال دیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (المائدہ: ۸) "اے ایمان والو خدا کے لئے گواہ بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی کے ڈر سے عدل و انصاف سے باز نہ آؤ۔ انصاف پر قائم رہو کہ یہی پرہیزگاری کی علامت ہے۔ خدا سے ڈرتے رہا کرو، بے شک اللہ کو تمہارے اعمال کا علم ہے۔"

صحیح مسلم و بخاری میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جھوٹی گواہی شرک ہے اور شرک ایسا گناہ ہے جسے خدا معاف نہیں کرتا۔ ابن ماجہ میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والا، جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنے والا اور اس طرح مسلمانوں کا مال ہتھیانے والا قیامت کے دن کوڑھی بنایا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جھوٹی گواہی دینے والے کے پاؤں زمین میں گڑھ جائیں گے اور ان پر دوزخ واجب کر دی جائے گی۔

حضرت یاسرؓ، حضرت عمارؓ اور اُن کی والدہ سمیّہؓ ابتدائی اسلام لانے والا غریب گھرانہ تھا۔ بے یار و مددگار، بے سہارا، محتاج، بے اختیار و بے تاج گھرانہ۔ قریش کی دشمنیوں کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ پھر حضرت سمیّہؓ تو ابوجہل جیسے جابر دشمنِ اسلام کی لونڈی تھی۔ انہوں نے دینِ اسلام اور رسالت کی صداقت پر ایمان لا کر کلمہ شہادت پڑھا تو اس پر ایسے ثابت قدم رہتے ہیں کہ عمار بن یاسرؓ کو آگ میں جلایا جاتا ہے تو حضورؐ آگ کو ان پر ٹھنڈا ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ شہادت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ ابوجہل حضرت سمیّہؓ کے اندام نہانی میں نیزہ مارتا ہے جس سے وہ شہید تو ہو جاتی ہیں، مگر اسلام کی صداقت و شہادت کو قائم رکھتی ہیں۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ اسلام سے پہلے جن کا نام رملہ تھا۔ یہ ابوسفیان کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی بہن تھی اور حضرت عثمانؓ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ وہ عبیداللہ بن جحش سے بیاہی ہوئی تھیں۔ دونوں خاوند بیوی مسلمان ہوئے اور حبش کی طرف ہجرت کی۔ حبش جا کر ان کے خاوند کثرت شراب نوشی میں مبتلا ہو کر عیسائی ہو گئے۔ اسلام کی سچائی پہ قائم نہ رہے تو اس مسافرت میں اس بے سہارا بیوی نے اپنے خاوند سے لاتعلقی اختیار کر لی۔ مگر اسلام کا تعلق نہ چھوڑا۔ ہر طرح کی بے کسی میں سختی برداشت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان پر ان کی ثابت قدمی سے متاثر ہو کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے ذریعہ نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس طرح وہ اُمّ المؤمنین کے زمرہ میں شامل ہو گئیں۔ انہیں اللہ نے حسنِ صورت اور حسنِ سیرت کی دونوں خوبیوں سے نوازا تھا۔ پینسٹھ ۶۵ احادیث ان سے مروی ہیں۔ صلح حدیبیہ سے پہلے اُن کے والد ابوسفیان۔ جو اسلام نہ لائے

Marfat.com

تھے اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان سے ایک معاملے میں سفارش کے لئے مدینہ آتے ہیں۔ حجرۂ نبویؐ میں اپنی بیٹی اُم حبیبہؓ کے ہاں حضورؐ کے بستر پر بیٹھنا چاہتے ہیں، لیکن اُم حبیبہؓ اپنے والد کو حضورؐ کے بستر پر بیٹھنے نہیں دیتیں اور فرماتی ہیں کہ مشرک کو رسالتمآبؐ کے بستر پر بیٹھنے کا حق نہیں ہے۔ ایمان کے تعلق کے سامنے باپ کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ خدا کی توحید کے اعلان اور اس کے معبود ہونے کی شہادت اور حضورؐ کی رسالت کا اقرار اور گواہی آخر کیوں مشرکین مکّہ کی مخالفت اور دشمنی کا سبب بنی اور ان مسلمانوں پر ظلم و زیادتی اور جبر و تشدّد کے پہاڑ توڑے گئے۔ دہکتا رکھا آگ میں جھونکا، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے۔ بدر و حنین کے معرکے پیش آئے۔ امتحانوں کی آگ اور آزمائشوں کی بھٹیوں میں گزارے گئے۔ مگر اس کے برعکس آج کا معاشرہ اپنی تمام تر خرابیوں، ترقی پسندیوں، آزاد خیالیوں، بے راہرویوں، مشرکانہ نظریات، فحاشیوں، بے حیائیوں کے باوجود آج کے علماء، اولیاء، نمازیوں، صوفیوں، مبلغوں، خطیبوں، واعظوں کو کیوں گوارا کئے ہوئے ہے۔ کلمہ شہادت پر ایمان اور رسالت پر الیقان کے باوجود ہمیں خراش تک نہیں آتی۔ خدا کی بندگی کے دعوؤں اور رسالتِ محمدیؐ کی صداقت کے اظہار کے باوجود نہ ہمارا منہ بند کیا جاتا ہے نہ راستہ روکا جاتا ہے۔ ہمارا ایمان کفر کے ایوانوں میں لرزہ کیوں نہیں ڈالتا، جبلیں ہمارا مقدر کیوں نہیں بنتیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ مسلمان شہادت خداوندی، عبودیت الٰہی کے اقرار اور رسالتِ محمدیؐ کے اصرار کے ساتھ ہی اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف ڈٹ گئے تھے۔ وہ شرک کے خلاف برسرِپیکار ہوئے اور اسلام دشمن نظریات کے سامنے علی الاعلان سینہ سپر ہو گئے اور اسلام کا عملی نمونہ بن گئے۔ ظالموں کو کھلم کھلا ظالم کہا۔ برے کو برا، جھوٹے کو جھوٹا کہا۔

ہم شہادت کو چھپاتے ہیں

مگر ہم نے تمام برائیوں، زیادتیوں، بے حیائیوں اور مشرکانہ نظریات و خیالات رکھنے والوں سے سمجھوتہ کر لیا ہے بلکہ شرک کی گندگی، برائیوں کے دلدل اور بداخلاقیوں کے ڈھیر میں دوسروں کے ساتھ بخوشی رینگ رہے ہیں۔ ہماری غیرتِ ایمانی ذرا بھی انہیں برا سمجھنا اور ان پر جوش کھانا نہیں جانتی، بلکہ لذت اندوز ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اس عقیدے کو اپنا کر اپنے قریبی رشتہ داروں بلکہ قبیلوں کی دشمنیاں مول لی تھیں، مگر آج ہم اپنے گھر اپنی اولاد میں یہ ساری خرابیاں دیکھ کر آواز نہیں اٹھا سکتے۔ حضورؐ بے سہارا، یتیم اور بے وسیلہ ہو کر اتنی سختیاں سہنے پر آمادہ ہو گئے، ہم مگر ہم دست و بازو رکھ کر بھی اتنے کمزور ہو گئے کہ اپنے گھروں میں متعلقین کو نماز کا پابند نہیں بنا سکتے۔ ذرا اس شہادت کا عملی مظاہرہ اپنے گھروں سے کیجئے۔ آپ کا اپنا کنبہ اور گھرانہ آپ کے لئے مکّہ کا ابتدائی دور بنا دے گا۔ ہجرت کے واقعات بھی آئیں گے۔ طائف کے حادثات بھی پیش آئیں گے، تب پتہ چلے گا کہ مسلمان بن کر رہنا کتنا مشکل کام ہے۔

ہمارا ایمان بے ضرر اور ہمارا وجود مسلمانی کفر و شرک اور بدی کی تمام اقسام کے لئے بے خطر ہے۔ شہادت کے دوسرے معنیٰ یعنی واقعات و تنازعات میں بغیر رعایت کے گواہی دینا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو ہماری عدالتی و تنازعاتی زندگی کی رونق اور چہل پہل جھوٹی گواہیوں، جھوٹے مقدمات، غیر منصفانہ دعوؤں اور فیصلوں کی وجہ سے ہے۔ مقدمات کے سلسلے شیطان کی آنت کی طرح پھیلتے جاتے ہیں۔ پیسہ برباد ہوتا ہے۔ دشمنیوں کے دائرے پھیلتے ہیں۔ پولیس کے دلالوں، اہلکاروں، ایجنٹوں، عدالتوں کے کارکنوں اور وکیلوں کے پیٹ پھولتے ہیں۔ اگر واقعات کے سچے، بے باک،

Marfat.com

اور نڈر گواہ موجود ہوں اور انہیں معاشرتی، عدالتی سہارے و تحفظات ملتے ہوں تو کوئی مقدمہ بھی نہ طول کھینچ سکے نہ عدالتوں میں بیٹھنے والوں کو انصاف کا گلا گھونٹنے کا موقعہ مل سکے، بلکہ واقعات کے اتنے سچے گواہوں کے خوف سے کوئی کسی پر زیادتی کی جرأت ہی نہ کر سکے اور اگر ایسا ہو تو موقعہ کے اتنے گواہ اسے عدالت تک معاملے کو لے جانے کی جرأت ہی نہ دے سکیں گے۔

واقعات و امثال

۱۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں اس کا ایک وزیر فضل بن ربیع اُس دَور کے قاضی امام ابو یوسفؒ کی عدالت میں گواہی دینے آیا تو امام یوسفؒ نے اس کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ غور کیجئے۔ یہ شخصی حکومت تھی جس میں بادشاہ مطلق العنان ہوتا ہے۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا لفظ قانون ہوتا تھا۔ اسی شخصی حکومت کا وزیر اعظم کتنی شان کا مالک تھا۔ مگر اس کی گواہی قبول نہ کی گئی تو وزیر اعظم طیش میں آیا اور ہارون الرشید سے شکایت کر دی۔ اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہا۔ ہارون الرشید، امام ابو یوسفؒ کو طلب کرتے ہیں۔ قاضی ابو یوسفؒ بادشاہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو وزیر اعظم کی شکایت کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور والا! وزیر اعظم موصوف نے کئی بار میرے سامنے دربار میں اپنے آپ کو آپ کا غلام کہا ہے۔ اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں، واقعی غلام ہیں تو غلام کی گواہی شریعت قبول نہیں کرتی اور اگر یہ جھوٹے ہیں غلام نہیں ہیں تو بھی جھوٹے شخص کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ بادشاہ اور وزیر اعظم دونوں منہ کی کھا کر شریعت اور اسلامی قانون کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ گھوڑا پسند کر کے سودا کر لیتے ہیں اور بیچنے والے کو ساتھ چل کر رقم لینے کا فرماتے ہیں۔ حضورؐ اس سے آگے نکل جاتے ہیں۔ گھوڑے کا مالک جو پیچھے رہ جاتا ہے، اسے راستہ میں ایک شخص ملتا ہے جو حضورؐ کی قیمت سے زیادہ رقم دینے پر سودا کر لیتا ہے۔ گھوڑے کے مالک کی نیت بدل جاتی ہے۔ وہ حضورؐ کو آواز دے کر بلاتا ہے کہ گھوڑے کی قیمت یہیں ادا کرو، ورنہ میں اسے اس شخص پر فروخت کرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ گھوڑا تم بیچ چکے ہو اور میرے ساتھ سودے کے پابند ہو۔ مگر گھوڑے کا مالک سرے سے حضورؐ کے ساتھ سودے سے منکر ہو گیا۔ اس تکرار پر لوگ جمع ہو گئے۔ سوداگر بار بار کہتا کہ میں نے سودا نہیں کیا، کوئی گواہ پیش کرو۔ اردگرد جمع ہونے والے مسلمان بھی تھے سب نے سوداگر کو لعن طعن کی کہ حضورؐ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا نہ غلط بات کی ہے۔ مگر سوداگر بار بار یہی کہتا رہا کہ میں نے کوئی سودا نہیں کیا، اگر انہیں اصرار ہے تو ثبوت اور گواہ پیش کریں۔

صورتِ حال ایسی تھی کہ سودے کے وقت کوئی گواہ نہیں تھا وہ شخص سودے سے انحراف اور سرے سے سودا نہ ہونے کا جھوٹ بھی بول رہا تھا۔ اتنے میں حضرت خزیمہ بن ثابتؓ انصاری تشریف لے آئے۔ صورتِ حال کا اندازہ کر کے آگے بڑھے اور فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں تم نے یہ گھوڑا حضورؐ پر بیچا ہے۔ حضورؐ نے حضرت خزیمہؓ سے فرمایا۔ تم سودے وقت موجود نہ تھے تم کیسے اس معاملے کے گواہ ہو سکتے ہو۔ حضرت خزیمہؓ انصاری نے فرمایا۔ یا رسول اللہؐ جب آپؐ کی نبوت کی گواہی دے دی اور آپؐ پر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ سچے ہیں۔ آپ کی ہر بات، ہر دعویٰ کو سچا جانتے ہیں تو پھر اس سودے میں آپؐ کی بات کیسے جھوٹ ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ

سودا ہوا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ آپؐ سچے اور یہ سوداگر جھوٹا ہے۔ اب سوداگر کو حضورؐ کے مرتبہ کا احساس ہوا اور اس گواہی کو رد کرنے کا کوئی جواز ہاتھ نہ آیا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کو یہ اعزاز ملا کہ حضورؐ نے ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔

ہم زبان سے حضورؐ کی رسالت کو سچا مانتے ہیں۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ حضورؐ کا عمل، ان کی ہدایات، ان کی تعلیمات اور زندگی کے طور اطوار سچے ہیں۔ ان سب باتوں کی گواہی زبان سے دیتے ہیں، مگر اپنے معاملات اور عملی زندگی میں خود اپنی اس گواہی کے خلاف کام کرتے ہیں۔ ہم اس شہادت پر قائم نہیں ہوتے تو پھر جنت کے مستحق کیسے ٹھہر سکتے ہیں۔ جبکہ جنت کے حقدار ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ: والذین ھم بشھٰدتھم قائمون - اہل جنت اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں - وما علینا الاالبلاغ -

Marfat.com

Marfat.com

فیّاضی، دریا دِلی اور سخاوت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ منافقون کی آیت۔ عقیدے کے زبانی اظہار کے ساتھ مالی قربانی سے اس کا ثبوت۔
۲	قرآنی ترغیبات و آیات	قرآنی ترغیبات۔ سورۂ ذاریات۔ سورۂ تغابن سورہ الحاقہ۔ سورۂ البقرہ۔ خدا کی راہ میں خرچ کی تمثیل۔
۳	حضورؐ کے ارشادات اور عمل	"سخی خدا کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے" کی حکمت اور فلسفہ۔
۴	واقعات و امثال	حضرت عثمانؓ و انصار۔ ابو عبیدہ بن جراحؓ میر محبوب علی خان والئ دکن۔ امام لیث بن سعدؒ حضرت امام حسنؓ۔

Marfat.com

فیاضی، دریا دلی اور سخاوت

آیت مع ترجمہ | وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (المنافقون: ۱۰، ۱۱)

سورۂ منافقون کی اس آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ تمہارا مال اور اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں اور جو ایسا کریں گے وہ خسارے میں رہیں گے۔ اس حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے اس میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، اس سے پہلے کہ تمہیں موت آجائے۔ پھر اس وقت کہو گے کہ اے میرے رب مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ میں صدقہ و خیرات کروں اور اس طرح نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کی مدت حیات پوری ہو جاتی ہے تو اسے مہلت نہیں ملتی۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

سخاوت اور فیاضی دونوں تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ کسی کو اس کا حق دینا اور اس کی ادائیگی میں رضامندی و رغبت اور خوشی و مسرت کا اظہار و احساس سخاوت اور فیاضی کہلاتا ہے۔ اس آیت میں مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ۔ جو کچھ ہم نے دیا ہے کے الفاظ ایسے وسیع المعنی اور مفہوم ہیں کہ ان میں اللہ کا دیا ہوا انسانی تصرف میں سب کچھ آجاتا ہے۔ انسان کی اپنی ذاتی زندگی، اس کی تمام ذہنی و جسمانی قوتیں، صلاحیتیں، قابلیت، علمی، ہنرمندی، عقلمندی، دانشمندی اور ان صلاحیتوں کے ذریعہ پیدا کردہ مال دولت، جائیداد، اولاد خارجی ملکیت کا دائرہ تصرف بھی آجاتا ہے۔ کیونکہ ان ساری جسمانی و خارجی چیزوں کا اصل مالک خدا ہے جو کسی کو ودیعت کرتا اور بخشتا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ انہیں خدا کے راستہ میں برضا و رغبت و بخوشی و مسرت خرچ کرے۔ اور خرچ جو خدا کے راستہ میں ہو۔ وہ بھی معلوم و معروف راستہ ہے کہ خدا کے نام اور اس کے دین کے غلبہ و توسیع میں اپنی ذہنی، علمی، قلمی و ادبی صلاحیتیں لگا دے اور اس غلبہ و اشاعت میں اگر کفر کے ساتھ معرکہ پیش آئے تو جسمانی قوتیں، جنگی مہارتیں اور حربی صلاحیتیں اس میں لگا دے اور اگر اسے دولت میسر ہے تو وہ اسے اس خدا کے دین، اس کی اشاعت اور اس کی سرفرازی و کامیابی میں اسے دولت کے ذریعہ پھیلائے۔ اگر اسے اولاد میسر ہے تو اپنی اولاد کو خدا کے دین کے سپاہی، معلم اور مبلغ بنائے اور دین کے راستہ پہ چلائے۔

خدا کے راستہ کا دوسرا شعبہ خدا کے دین کی سربلندی کے ساتھ ساتھ خدا کی مخلوق کی دینی رہنمائی، اس کی ہدایت اور اللہ کی مخلوق کو ظلم و جبر سے نجات دلانا، ان کی سہولتوں کا خیال رکھنا، ان کی بہتری اور بہبود کے امور میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا شامل ہے۔ اس شعبۂ حیات میں تعلیمی ادارے، راستے، پُل، کنویں تعمیر کرانا۔ رزقِ حلال کے حصول کے قابل بنانا۔

غرض انسانی فلاح و بہبود اور انسانی ضرورت کا ہر وہ کام بلا تفریقِ مذہب و ملّت خدا کے راستے کا کام ہے جس میں جس کو اللہ نے جو کچھ دیا ہے، خواہ وہ ذہنی صلاحیت ہو، علمی قابلیت ہو، جسمانی طاقت ہو یا مالی استطاعت ہو اسے انسانی فلاح میں لگانا ہے۔ لیکن خدا کے راستے میں لگانے کا یہ عمل کسی جاہ و منصب کے حصول، کسی سیاسی اقتدار کی بافت اور ووٹوں کی اکثریت کا ذریعہ بنانے کے لئے نہ ہو اور نہ لوگوں کو اپنا ممنون و مشکور بنا کر شہرت، ہر دلعزیزی اور نیک نامی کے لئے کیا جائے بلکہ محض اپنے ربّ کی خوشنودی، اس کی رضامندی اور آخرت کی جوابدہی، اپنی اخلاقی اور دینی ذمہ داری کے طور پر کیا جائے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کی نیّت، ارادے اور عمل کا پھل ضائع نہیں کرتے اُسے دنیا میں بھی انعام سے نوازتے ہیں اور دنیا کے خزانوں دنیا کی امامت و امارت کے مناصب جلیلہ پہ ضرور سرفراز فرماتے ہیں، مگر مؤمن کے سامنے اپنے عمل کے یہ نتائج و مقاصد نہیں ہوتے اسے صرف اللہ کی رضا درکار ہوتی ہے۔ دنیاوی مفاد، اس کے بے لوث و بے غرض عمل کا قدرتی نتیجہ اور پھل ہوتے ہیں اصلی مقصود اور مطلوب نہیں ہوتے۔ حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ دیا تھا، مگر جو کچھ بھی ملتا رہا، اسے پہلے سے زیادہ خدا کے راستہ میں لگایا اور لٹایا جاتا رہا اور انہوں نے اپنے جان و مال کے خرچ کرنے میں کبھی بھی دریغ نہیں کیا اور نہ اس کی محبت میں مبتلا ہوئے۔

سورۂ معارج جس میں اللہ تعالیٰ نے مستحقین جنت کی صفات گنائی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ان کے اموال میں سوال کرنے والے اور محروم لوگوں کا حق ہوتا ہے ـ والّذین فی اموالھم حقٌّ "مّعلوم" للسائل والمحروم۔ یعنی اہلِ جنت کے مالوں میں حق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مقرر حق سے بعض مفسرین کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ کی مقررہ شرح مراد ہے، مگر سورۂ معارج مکّی سورت ہے جبکہ زکوٰۃ کی شرح کا تعین و تقرر مدینہ میں ہوا ہے۔ یہاں مقررہ حق سے مراد وہ مال ہے جو کسی نے از خود سائل اور محروم کے لئے اپنے مال میں سے طے کر رکھا ہوتا ہے اور یہ حق وہ بطور خیرات نہیں بلکہ بطور حق انہیں ادا کرتے ہیں۔ یہی معنیٰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی بیان فرمائے ہیں۔

سورۂ ذاریات میں یہی الفاظ یوں بیان فرمائے ہیں: فی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ ان کے مالوں میں سے وہ سائلوں اور محروم لوگوں کو بطور حق ادا کرتے ہیں۔ سائل سے مراد پیشہ ور مانگنے والے نہیں بلکہ وہ حاجتمند شخص ہے جو کسی سے مدد نہ مانگے۔ روایتی انداز کا سوال جو مسجدوں، اڈوں اور دوسرے مقامات پر سوال کرنے والے کرتے ہیں، ایسا نہ ہو بلکہ بامرِ مجبوری آپ کے ہاں اپنی کسی مجبوری کا اظہار کر کے مدد طلب کرے۔ حاجتمند وہ شخص ہوتا ہے جو جسمانی معذوری، بیروزگاری یا روزی کمانے کی کوشش کے باوجود اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں یا کسی حادثے کی وجہ سے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہو چکا ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ محروم ہے

Marfat.com

تو خدا پرست انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ مدد مانگے بلکہ خود آگے بڑھے اور اس کی مدد کرے۔

دھن، دولت اور انسانی حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زیرِ موضوع آیت میں یہی فرمایا کہ انسان پر جب موت آتی ہے تو سب کچھ ہاتھ سے نکلتا نظر آتا ہے اور ایسے موقعہ پر اس کی کوئی چیز بھی ساتھ نہیں دیتی تو سوچتا ہے کہ میرا دامن اس جہان میں کام آنے والی ہر نیکی سے خالی ہے۔ پھر وہ زندگی کی تھوڑی سی مہلت طلب کرتا ہے کہ اگر مل جائے تو میں صدقہ و خیرات کروں اور نیک عمل کروں، مگر مدتِ حیات پوری ہونے کی وجہ سے کسی کو مہلت نہیں ملتی۔

قیامت کی سختی تندی اور شدت کا ذکر اسی سورۂ ذاریات میں فرمایا گیا کہ قیامت کی اس آگ اور عذاب سے بچنے کے لئے منکرین قیامت اپنی اولاد، بیوی بچوں، بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں حتیٰ کہ زمین سے اپنی ملکیت اور دولت کو اپنی جان کے بدلے میں دے کر نجات حاصل کرنا چاہیں گے، مگر انہیں نجات نہ ملے گی۔ وہ بھڑکتی ہوئی آگ کی لپیٹ میں ہوں گے جو گوشت پوست کو چاٹ لے گی اور ہر اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی جس نے حق سے منہ موڑا تھا۔ پیٹھ پھیری تھی۔ مال جمع کیا تھا اور اسے سینت سینت کر رکھا تھا: یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذٍ ببنیہ وصاحبتہٖ واخیہ وفصیلتہ التی تؤیہ ومن فی الارض جمیعاً ثم ینجیہ کلّا انّہا لظٰی نزّاعۃً للشوی۔ تدعوا من ادبر وتولّٰی وجمع فاوعٰی — یہاں سورۂ الحاقہ کی آیات ۳۳، ۳۴ کی طرح انّہٗ کانَ لا یُؤمِنُ باللّٰہِ العَظِیم۔ ولا یحُضُّ علٰی طعامِ المسکین فرما کر آخرت میں انسان کے برے انجام کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ حق سے انحراف یعنی خدا پر ایمان لانے اور دینِ اسلام کی سچائیوں سے انکار اور دوسرا انسان پرستی کی ہوس میں بخل سے کام لینا۔ جس کی بناء پر آدمی مال جمع کرتا ہے اور اسے کسی بھلائی کے کام میں خرچ نہیں کرتا۔ لیکن اس کا وہ مال قیامت کے دن کام نہ آئے گا۔ ما اغنٰی عنی مالیہ ھلک عنی سلطانیہ۔ میرا مال میرے کام نہ آیا اور میرا اقتدار ہلاکت کا باعث ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: فامّا من بخل واستغنٰی وکذّب بالحسنٰی فسنیسرہ للعسرٰی وما یغنی عنہ مالہٗ اذا تردّٰی جس نے بخیلی وکنجوسی اختیار کی نیکیوں کو جھٹلایا، اسے ہم تنگی وترشی کی زندگی میں مبتلا کریں گے۔ اس کا مال اس پریشان حالی میں کام نہ آئے گا۔

الغرض قرآن کریم میں متعدد آیات کے ذریعہ بخیلی وکنجوسی کی برائی اور آخرت میں اس کے برے نتائج کا ذکر فرما کر خبردار کیا گیا ہے اور متعدد آیات میں خدا کی راہ میں دولت خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور آخرت میں اس کے بہتر نتائج اور انعامات کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم سے ہدایت پانے والوں کے لئے اس کے شروع میں تقویٰ کو ضروری ٹھہرایا گیا اور تقویٰ داروں کی صفات میں سے ممّا رزقنٰھم ینفقون۔ جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہماری زیر موضوع آیت کے مطابق سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے: یٰایّھا الّذین اٰمنوا انفقوا ممّا رزقنٰکم من قبل ان یّاتی یوم لّا بیع فیہ ولا خلّۃ ولا شفاعۃ والکٰفرون ھم الظّٰلمون۔ ایمان والو اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ جس میں نہ خریدنا

Marfat.com

ہے نہ دوستی کا فائدہ ہے اور نہ سفارش کام دے سکتی ہے۔ اس دن سے انکار کرنے والے ظالم ہیں۔
اسی سورۂ البقرہ ۲۶۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔
جو اپنی دولت خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اس پر نہ احسان دھرتے ہیں نہ دکھ دیتے ہیں۔ اس کا اجر بدلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے۔ انہیں نہ ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سورۂ تغابن میں مال و دولت اور اولاد کو آزمائش قرار دیا گیا ہے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب یوں دلائی گئی ہے: اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ۔
تمہارے مال، تمہاری اولاد آزمائش ہے۔ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے۔ خدا کی باتیں سنو اور مانو، راہ خدا میں خرچ کرو۔ اپنے لئے بھلائی کرو اور اپنے آپ کو خود غرضی سے بچائیں وہی کامیاب ہیں۔ اگر اللہ کو قرض دو تو اسے اللہ دوگنا کرے گا۔ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا۔ اللہ نیکی کی قدر جانتا ہے اور بُردبار ہے۔

اس ترغیب میں کتنے پیارے انداز سے فرمایا گیا، مال و دولت دے کر تمہیں آزمائش میں ڈالا گیا ہے کہ تم کتنا اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو اور کس قدر خود غرضی سے کام لے کر بخل و کنجوسی کرتے ہو۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی بلکہ اس کا بدلہ بہت بڑا ہے۔ خدا کی نصیحتوں کو سنو، ان پر عمل کرو اور خدا کے راستے میں خرچ کرنا دوسروں کے ساتھ بھلائی اور نیکی ہے۔ مگر بڑی نیکی خود اپنی ذات سے ہے جس کا فائدہ خود تمہیں پہنچے گا۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنا گویا خدا کو قرض دینا ہے۔ دنیاوی بنک تو شرح سود کے اعتبار سے تھوڑا منافع دیتے ہیں مگر خدا کا منافع دوگنا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ ان آیات کو پڑھیے:
مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایک دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگتی ہیں ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ اللہ صاحب کشائش ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ زمیندار کو ایک بیج کے دانے سے سینکڑوں دانے ملتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی راہ کا ایک روپیہ سو روپیہ کے منافع میں بدلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ گنجائش والا اور کشائش والا ہے۔ اس کے ہاں ایک کے بدلے سو دے دینا مشکل کام نہیں ہے اور وہ انسان کی نیتوں اور ارادوں کو جانتا ہے۔ (سورۂ بقرہ: ۲۶۱)

سورۂ بقرہ کے اس رکوع میں خدا کی خوشنودی کی نیت سے مال خرچ کرنے والوں کے لئے ایک اور مثال کے ذریعہ ان کے دلوں میں سخاوت، فیاضی اور دریادلی کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ فرمایا گیا کہ: وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

Marfat.com

ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ - (البقرہ: ۲۶۵)

جو لوگ اپنے مال خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور دل کی مضبوطی سے دیتے ہیں۔ ان کے اس راہِ خدا میں خرچ کی مثال ایک باغ کی ہے جو کسی ٹیلے پر واقعہ ہو۔ جس پر بارش برسے تو دوگنا پھل دے۔ اگر بارش نہ بھی برسے تو اس کی زرخیزی و شادابی کے لئے صرف اوس کا پڑنا بھی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کام کو دیکھتا ہے۔

اس تمثیلی عام فہم اندازِ نصیحت سے ہر شخص کو سمجھا دیا گیا کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا کسی دنیاوی نام و نمود و شہرت کا حصول اور لوگوں میں اپنی عزت و احترام کے اضافے کی بجائے خالص خدا کی رضامندی اور خوشنودی کی نیّت سے ہو تو وہ اُونچے ٹیلے کی صالح زمین کا باغ ہے جس پر بارشوں سے دوگنا پھل لگتا ہے۔ خیال رہے کہ پہلی مثال کھیتی کے موسمی اور وقتی پھل کی تھی کہ ہر سال اس موسم میں بیج بو کر زیادہ غلّہ ملتا ہے، دائمی منافع نہیں جب تک کہ دوسرے سال اس موسم میں دوبارہ غلّہ کاشت نہ کیا جائے۔ مگر باغ کی مثال فصلی کھیت سے مختلف ہے۔ وہاں ایک ہی دفعہ پھلدار درخت کاشت ہوتے ہیں، پھر کچھ خرچ کرنا نہیں ہوتا صرف نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر خدا کی طرف سے بارش اس کے پھل میں اضافہ کرتی ہے اور اگر بارش نہ بھی ہو تو بھی رات کی اوس اسے سرسبز و شاداب رکھتی ہے۔ گویا خدا کی خوشنودی اور رضامندی کی نیّت سے خرچ کئے جانے والا مال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بارآور ہوتا رہتا ہے۔ خرچ کرنے والے کا مال ضائع نہیں ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اس میں برکت ہوتی ہے اسی طرح کسی کا قصور معاف کر دینے سے اس کی عزّت میں کمی نہیں آتی بلکہ اضافہ ہوتا ہے۔ تواضع و انکساری سے مرتبے میں کمی نہیں آتی بلکہ مزید سربلندی و سرفرازی ملتی ہے۔ (مسلم)

دوسرا ارشاد ہے کہ سخاوت کرنے والوں کے لئے فرشتہ دعا کرتا ہے۔ روزانہ دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں۔ اُن میں سے ایک سخی کے لئے دعا کرتا ہے کہ خدایا تو اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو بدلہ دے۔ دوسرا فرشتہ بخیل کے لئے بددعا کرتا ہے کہ بخیل کو نقصان پہنچا اور اسے برباد کر دے۔ (بخاری)

حضورؐ اور صحابۂ کرامؓ کی سخاوت، فیاضی تو حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ وہ دولت کے انبار پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسلامی مملکت کی وسعت، فتوحات کے پھیلاؤ اور روم و فارس کے مال غنیمت اور خزانوں نے انہیں حد سے زیادہ مالدار بھی بنا دیا تھا۔ حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بلاشبہ انتہائی مالدار تھے مگر خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں وہ اسی نسبت سے سب سے بڑھ کر سخی بھی تھے۔ صحابہؓ کی اکثریت ایسی بھی تھی کہ اُن کے چولہوں میں کئی دنوں سے آگ نہ جلتی تھی۔ لیکن ان کی قناعت، استغناء اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں سے کچھ ہاتھ آتا شام تک پاس کچھ بھی نہ ہوتا سب اللہ کی راہ میں لٹا دیتے تھے۔

سخاوت جہاں خدا کے ہاں محبوب اور پسندیدہ صفت ہے اور اس کے انعامات اور ثواب کا کوئی اندازہ

Marfat.com

نہیں۔ وہاں خداوند کریم ایسے افراد کو لوگوں کے لئے بھی محبوب و ہر دلعزیز بنا دیتا ہے۔ ارشاد رسالتمآب ؐ ہے: سخیٌ قریبٌ من اللہ قریبٌ من الجنّۃ و قریب من النّاس۔ سخی شخص خدا کے قریب ہوتا ہے۔ جنّت کے قریب ہوتا ہے اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے۔ اپنی سخاوت، دریا دلی اور فیاضی کے باعث خدا کی قربت اور جنت بھی ملتی ہے اور لوگوں کے ساتھ ان کی بہتری، بہبود اور سہولتوں اور ان کی مالی امداد کے باعث لوگوں میں قابلِ احترام، عزّت مند اور ہر دلعزیز ہوتا ہے۔ معاشرتی اور سماجی لحاظ سے اس کا وجود قابلِ اعتبار اور قابلِ عزّت ہوتا ہے اور آخرت کے انجام کے لحاظ سے بعیدٌ من النّار۔ وہ آگِ جہنم سے دُور رہتا ہے۔ اس کے برعکس بخیل کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے: بخیل بعیدٌ من اللہ، بعیدٌ من الجنّۃ، بعیدٌ من النّاس و قریبٌ من النّار۔ بخیل شخص خدا سے، جنت سے اور لوگوں سے دُور ہوتا ہے اور دوزخ کی آگ کے قریب ہوتا ہے۔ خدا اور جنت سے دُوری تو یوں ہے کہ اُس نے خدا سے دولت پیاری کر رکھی ہوتی ہے۔ خدا پہ بھروسے کی بجائے دولت پر بھروسہ ہوتا ہے۔ خدا کا دیا ہُوا خدا کی راہ میں نہیں دیتا۔ لوگوں میں، رشتہ داروں میں، برادری، محلّے میں اُس کی مثال خزانے کے سانپ اور نہر کے اس پتھر کی ہوتی ہے جو خود تو پانی سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، مگر اُسے آگے بھی جانے نہیں دیتا۔ برادری میں ایسا مکھی چُوس جو دُکھ سکھ میں خرچ نہ کر سکے کسی کو وقت کی روٹی کا نہ پوچھ سکے۔ محلے کے بُرے بھلے میں شریک نہ ہو سکے تو ظاہر بات ہے کہ سوشل تقریبات، عوامی اجتماعات اور برادری و رشتہ داری کے معاملات میں اس کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ ہوتا ہے۔ اس کے بُرے بھلے میں کون شریک ہو گا۔ کون اس کی جگہ خرچ کرے گا۔ وہ جب اپنی دولت خود کھائے گا بلکہ خود بھی اپنی ذات پر کنجوسی سے کام لے گا تو دوسرا کیوں اُس پر سخاوت کرے گا۔ لازمی بات ہے کہ وہ لوگوں سے اور اُن کے دلوں سے دُور ہو گا۔

واقعات و امثال

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضؓ کا تجارتی غلّہ ایک ہزار اُونٹوں پر مدینہ پہنچتا ہے۔ ان دنوں مدینۃ النبیؐ میں قحط تھا۔ مدینہ کے تاجر آپ کے پاس آ کر اس تمام غلّے کا سودا کرنا چاہتے ہیں اور دوگنا منافع دے کر خریدنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں کی ضروریات سے فائدہ اُٹھا کر زیادہ سے زیادہ منافع کمائیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے تاجروں کی پیشکش سے انکار کر دیا اور اُن سے کہا کہ ایک گاہک میرے تمام غلّہ کا سودا کر کے مجھے دس گنا منافع دے رہا ہے اور یہ سودا اُنہوں نے اپنے اللہ سے کر لیا ہے۔ تمام اُونٹوں پر لدا ہُوا غلّہ خدا کی راہ میں قحط زدہ لوگوں میں تقسیم کر دیا کہ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب دیتا ہے اور ایک روپے کے بدلے میں دس روپے کا اجر ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک انصاری صحابی رضؓ کے ہاں مہمان بھیجا، مگر گھر میں اتنا ہی کھانا موجود تھا جس پر اُن کا گزارہ ہو سکتا تھا۔ حضورؐ کے ساتھ محبت اور اُن کے بھیجے ہوئے مہمان کی تعظیم اور خدا کی راہ میں اپنی ذات کے ایثار و قربانی کا عالم دیکھئے کہ دونوں خاوند بیوی نے اس تھوڑے سے کھانے کو مہمان کے لئے کافی بنانے اور خود بظاہر اس کے ساتھ کھانے کی روایت نبھانے کے لئے یہ منصوبہ بنایا کہ جونہی کھانا پیش

Marfat.com

کیا جائے بیوی چراغ کو اس انداز سے گُل کر دے کہ مہمان اسے اتفاقی طور پر بجھ جانا سمجھے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ مہمان کھانا کھاتا رہا اور تاریکی میں اندازہ نہ کر سکا کہ میزبان یونہی ساتھ بیٹھا ہوا کھانے کا جھوٹا انداز اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس طرح مہمان نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور خدا کی خوشنودی اور اس کے راستہ میں اپنی ذات پر دونوں کا ایثار خداوند تعالیٰ کو پسند آیا کہ حضورؐ کو بذریعہ وحی مطلع کر دیا گیا اور یہ آیت اسی پس منظر میں نازل ہوئی: ویؤثرون علیٰ انفسہم ولو کان بہم خصاصہ۔ وہ اپنی ضرورت اور خواہش کو مٹا کر دوسروں کے لئے ایثار سے کام لیتے ہیں انصار مدینہ کا ایثار مہاجرین مکّہ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ اُنہوں نے اپنی تجارت، زراعت میں انہیں شریکِ کار بنایا۔ یہ سب کچھ محض اللہ کے لئے سب کچھ قربان کرنے، باہمی بھائی چارے اور خدا کی خاطر باہمی محبت کا جذبہ تھا۔

صحابہؓ میں سے کسی کے ہاں بکری کا سر آتا ہے۔ وہ اُسے اپنے سے زیادہ ضرورت مند کے ہاں بھجواتے ہیں وہ اسے دوسرے ضرورت مند کو بھجواتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہی سر سات صحابۂ کرامؓ کے گھروں سے ہوتا ہوا اسی پہلے صحابیؓ کے گھر آ گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ صحابیؓ پہلے سے ہی ان کے نزدیک ضرورت مند تھے، مگر ان میں سے ہر ایک نے خود اپنے پاس رکھنے کی بجائے دوسروں تک بھیجا اور ہماری طرح دوسروں کی ضرورتوں کا خیال کئے بغیر اپنے پیٹ بھرنے کے حق میں نہ تھے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ ایک دن روزہ سے تھیں۔ افطاری کے وقت ایک ہی روٹی موجود تھی۔ دن بھر روزہ رکھ کر اپنی بھوک مٹانے کی خواہش کسے نہیں ہوتی، مگر اسی وقت دروازے پر حاجتمند آتا ہے۔ وہ اس روٹی کو اُسے دے دیتی ہیں۔ خدا کے لئے خرچ کرنے والوں کو خدا کہاں محروم رکھتا ہے۔ اسی شام اُن کے ہاں کہیں سے بھنا ہوا بکری کا گوشت کہیں سے اُن کے ہاں بھجوا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو چار سو دینار کی تھیلی بھیجی مگر انہوں نے اپنی ضرورت اور احتیاج کی پرواہ نہ کر کے وہ ساری رقم غریبوں میں تقسیم کر دی۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کو اتنے ہی دینار بھیجے گئے تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تو اہلیہ محترمہ نے فرمایا۔ خدا کے بندے گھر کی ضرورت کا بھی خیال رکھو اس وقت صرف دو دینار بچے تھے وہ بیوی کو دے دیئے۔

یہ ساری مثالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے احکامات پر عمل کی ایسی مثالیں آج کے دَور میں ناقابلِ عمل ہیں۔ یہ خیال غلط ہے ایسا ایثار، فیاضی اور سخاوت کا مظاہرہ آج بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا بھی ہے۔ لیکن عمومی طور پر آج کے مادّی دَور میں زر پرستی اور ہوس سے خدا پر توکل، اس کی رزاقی پر ایمان کمزور ہوتا جا رہا ہے اور ہمارے ذہنوں میں ایمان کی اس کمزوری کے باعث یہ خیال نہیں آ سکتا کہ خدا کے نام پر خرچ کیا جائے تو اس کا بدلہ دُنیا و آخرت دونوں میں ملتا ہے۔

کیلیفورنیا یونیورسٹی پریس نے برکلے لاس اینجلز اور لندن سے ایک کتاب شائع کی ہے جو انگریزی میں ہے

اور اس کا نام "عہدِ محبوب" ہے ۔ یہ کتاب نظامِ دکن میر محبوب علی خان کی سوانح حیات ہے ۔ اس کتاب کے مصنفین بیان کرتے ہیں کہ ایک کسان نے میر محبوب علی خان کو خط لکھا کہ میری بچیوں میں سے ایک باقی رہ گئی ہے جس کی شادی کے لئے پریشان ہوں، بوڑھا ہوں ہاتھ پاؤں ساتھ نہیں دیتے ۔ تھوڑی سی زمین اور ایک دو جانور ہیں، اگر انہیں بیچ کر بیٹی کی شادی کروں تو پھر ہاتھ میں بھیک کا ٹھیکرا رہ جائے گا ۔ رہن نہیں رکھ سکتا کہ سود در سود کی مار پڑے گی ۔ مجبوراً آپ سے امداد کی درخواست کرتا ہوں کہ ۔ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را ۔ یہ خط اس بادشاہ کو لکھا گیا تھا جسے لکھ لٹ کہتے تھے ۔ جس کے خزانے کا سب سے بڑا خرچ غریبوں کی امداد کا تھا ۔ کسان نے اپنی بچی کے ہاتھ پیلے کرنے کے لئے پانچسو روپے طلب کئے تھے ۔ بڑے لوگوں کو ایسی درخواستیں کہاں پہنچتی ہیں، مگر میر محبوب علی خان دکن کے نواب کا حکم تھا کہ ایسی ہر درخواست ان تک ضرور پہنچائی جائے، بیچ میں گڑبڑ نہ ہو ۔ عوام کے دکھ درد میں شریک ہونا ہر فرمانروا کا فرض ہے اور میر محبوب علی یہ فرض پوری ذمہ داری سے نبھاتے تھے ۔ جب کسان کی عرضی ان کی نظر سے گزری تو انہوں نے لکھا کہ کسان کو پانچ ہزار روپے دیئے جائیں ۔ جب اس حکم کے ساتھ عرضی وزیر کے پاس آئی تو اس پر یہ نوٹ لکھ کر بادشاہ کو واپس کی کہ کسان نے پانچ سو روپے مانگے ہیں آپ نے پانچ ہزار دینے کا حکم دیا ہے ۔ کہیں عرضی پڑھنے میں غلطی تو نہیں لگی ۔ عرضی دوبارہ بادشاہ سے واپس آئی تو لکھا تھا کہ اسے فوراً پندرہ ہزار روپے ادا کردو ۔ وزیر کو دوبارہ وضاحت طلب کرنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ اس نے اسی وقت تعمیل کر دی ۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ مانگنے والے کو اس کی امید سے زیادہ دیا جائے تو اسے جو خلافِ اُمید حاجت براری پر خوشی ہوگی، اُس کا معاوضہ اللہ کی رحمت ہے ۔

پانی آگ کو بجھاتا ہے ۔ طاقت سے پتھر لڑھکائے جا سکتے ہیں ۔ ہم سب جانتے ہیں، مگر خدا کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ صدقہ گناہوں کو ایسے دُور کر دیتا ہے جیسے طاقتور آدمی پتھروں کو لڑھکا دیتا ہے یا جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے ۔ یہ خیال رہے کہ صدقہ حلال کی کمائی میں سے ہو، کیونکہ صدقہ عبادت ہے اور عبادت حرام طریقے سے نہیں ہوتی رشوت، چور بازاری، لوٹ مار، غبن، سود اور مہنگا مال بیچ کر کمانے والے مال سے کوئی مالی عبادت نہیں ہو سکتی ۔ قیامت کے دن سات آدمیوں میں ایک خدا کی راہ میں صدقہ کرنے والا عرش کے سائے میں ہوگا ۔ تنگدست کا صدقہ خدا کو زیادہ محبوب ہوتا ہے : والذین ینفقون فی السراء والضراء ۔ خدا کے محبوب وہ ہیں جو تنگدستی و خوشحالی دونوں میں صدقہ و خیرات دیتے ہیں ۔

مستحقین جنت کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالوں میں سے از خود سائلوں اور محروموں کا حق مقرر کرتے ہیں اور از خود آگے بڑھ کر وہ حق ادا کرتے ہیں ۔ ایک عورت امام لیث بن سعدؒ کے پاس عام چھوٹا برتن لے کر شہد مانگنے گئی اور کہا ۔ میرا خاوند بیمار ہے ۔ امام موصوفؒ نے اُسے شہد سے بھرا ہُوا مشکیزہ دینے کا حکم دیا کسی نے کہا ۔ وہ تو چھوٹی سی پیالی میں شہد مانگنے آئی تھی ۔ آپ نے فرمایا ۔ اُس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا، ہم نے اپنی حیثیت کے مطابق دیا ہے ۔

حضرت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتیں ۔ صدقہ کو حقیر نہ جانا جائے کیونکہ صدقہ کا ایک دانہ بھی

قیامت کے دن پہاڑ اتنا وزن رکھتا ہے۔ حضرت امام حسنؓ کا لنگرخانہ ہروقت کھلا رہتا اور اس میں نہایت اعلیٰ قسم کے کھانے پکائے جاتے جس کی وجہ سے لنگر کا خرچ بڑھ گیا۔ اتنے اخراجات کو دیکھ کر کسی شخص نے آپ سے فرمایا: لا خیر فی الاسراف یعنی فضول خرچی میں نیکی نہیں ہے۔ آپ نے فی البدیہہ جواب میں فرمایا: لا اسراف فی الخیر یعنی نیکی میں کوئی اسراف نہیں۔

بہرحال اس ساری بحث اور ان تمام مثالوں سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی انفرادی عبادت، نماز، روزہ، حج اور نوافل کے ذریعہ خوش کرنا اور راضی کرنا آسان بات ہے جس پر اپنی جان کی تھوڑی سی تکلیف کرنا پڑتی ہے، مگر تعلقات کی استواری، گہرائی اور اخلاص کا اظہار جس طرح دنیاوی تعلقات و مراسم میں ایثار و قربانی، مال خرچ کرنے اور کسی کے دکھ درد میں مالی اعتبار سے شریک ہونے سے پختہ اور اعتباری ہوتا ہے اسی طرح خدا کے ساتھ تعلق میں سچائی اور کھرے پن کا اظہار بھی اس کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے میں ہوتا ہے۔ خدا کو دودھ کے مجنوں سے زیادہ اپنی راہ میں گوشت کے مجنوں سے محبت ہوتی ہے۔ قرآن کریم، چوتھے پارہ کا آغاز اسی جملے سے ہوتا ہے کہ تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک خدا کی راہ میں اس چیز کو خرچ نہ کرو جس سے تمہیں محبت ہے۔ سب سے پیاری اور محبوب چیز جان و مال ہی ہو سکتی ہے۔

آسودگی بہ گوشۂ ہستی نہ دیدہ ایم　　جاں دادہ ایم و کنج مزارے خریدہ ایم

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

صدقہ وخیرات

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
سورہ میں دو انسانی کرداروں کا موازنہ۔ انجام ونتائج۔ معاشی و معاشرتی نتائج۔ مال خرچ کرنے والوں کو خداوند تعالیٰ صلہ دیتا ہے، برکت دیتا ہے۔ متعدد قرآنی آیات کا حوالہ۔	آیت معہ ترجمہ سورۂ واللّیل	۱
کنجوسی، روپیہ پیسہ نہیں اور نہ ہی غریبی وتنگدستی، ذلّت کا سبب ہے بلکہ دونوں صورتیں خدا کی آزمائش ہوتی ہیں۔ سورۂ مدثر، سورہ الماعون	عزّت کا معیار جنت سے محرومی کا سبب ہے	۲
مہاجر صحابہؓ۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹے۔ حضرت ربیع بن سلمانؓ۔	صدقہ وخیرات کی صورتیں	۳

صدقہ و خیرات

آیت معہ ترجمہ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی (واللیل: ۵ تا ۷)
جو شخص بخشش کرتا ہے اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے اور اپنے قول و فعل سے اچھائی و بھلائی کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی راہیں آسان کر دی جاتی ہیں۔

تفسیر و تشریح مندرجہ بالا آیت قرآن کریم کے تیسویں پارہ میں سورہ واللیل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس پوری سورت کا اجتماعی مضمون دو قسم کے انسانی کرداروں، ان کی خصوصیات اور ان کے برے بھلے انجام و نتائج کا ذکر ہے۔ پہلی قسم کا انسان وہ ہے جیسا کہ اوپر آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ تقویٰ داری و پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرتا ہے۔ نیکی و بھلائی کو صرف زبانی طور پر ہی نہیں مانتا یا اچھا کہتا بلکہ نیکی کو نیکی کر کے دکھاتا ہے۔ جس بات یا عمل کو نیکی سمجھتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے تو اس کی زندگی کی راہیں اس پر آسان کر دی جاتی ہیں۔

ایسا شخص جو نیکی پر گامزن ہوتا ہے اس کی زندگی کے کاموں کے نتائج کو خداوند تعالیٰ بہتر اور مفید بناتا ہے۔ اس سے جہاں اس کی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے کہ اس کی زندگی کی دشواریاں دور ہوتی چلی جاتی ہیں بلکہ مخلوق خدا کی مشکلات اور ان کے فلاحی و رفاہی امور اس کے ذریعہ بنتے و سرانجام پاتے ہیں تو ایسا انسان اپنے معاشرے، اپنی سوسائٹی اور اپنے دائرہ کار میں انتہائی مفید قیمتی اور سرمایہ انسانیت ہوتا ہے۔ وہ بلا کسی امیر و غریب کی تفریق کے سب حق و سچائی کی تصدیق کر کے اس کا حمایتی بنتا ہے تو قدرتی طور پر لوگ اس کے حمایتی ہوتے ہیں، اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ بلکہ اس پر اپنی جان دیتے ہیں اور اسی طرح اس کی زندگی کی دشواریاں، مشکلات اور رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔

آیت کی اس تشریح و تائید میں آپ انسانی زندگی کے حالات و واقعات کا مطالعہ کریں تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر صلحاء، اولیاء، صوفیاء اور علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تک سبھی لوگ زندگی کی وقتی دشواریوں، دشمنیوں، مخالفتوں کے باوجود کامیاب ہوئے ہیں اور بامراد ہوئے، جن کی یادیں ہمارے دلوں، ہمارے ذہنوں اور ہمارے سینوں میں اب تک تازہ ہیں، جن کے کارناموں کی خوشبو اور کردار کی مہک اب بھی کتابوں میں، محفلوں میں تاریخ کے اوراق اور واقعات کی یادداشتوں میں معطر ملتی ہیں۔

عملی دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی خاندانی ذمہ داریوں، رشتہ داری کے تقاضوں، ہمسائیگی کے

Marfat.com

حقوق، انسانی ضرورتوں اور قومی اموریں پیش پیش ہو۔ اس میں دامے درمے، سخنے اور قدمے شریک ہوتا ہو تو لوگ ایسے اُس کے ذاتی معاملات میں تنہا چھوڑ دیں، اُس کے مصائب میں ساتھ نہ دیں اور اُس کی تکالیف میں اس سے نظریں چرالیں۔

معاشی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو بھی یہ خیال غلط ہے کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والے تنگدست اور غریب ہو جاتے ہیں۔ وہ فاقہ کشی کا شکار اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اولیاء اللہؒ اور انبیاء کرامؑ کے ہاں فاقہ کشی کسی مالی تنگدستی کے باعث نہ تھی بلکہ اُنہوں نے دُنیا آئی بھی تو ٹھکرایا ہے۔ دولت نے اپنا منہ دکھایا بھی تو اُنہوں نے منہ موڑ لیا۔ اللہ کے بے شمار بندوں کے ہاں لنگر جاری رہے جن سے نادار اور غریبوں کے پیٹ بھرتے رہے مگر خود سُوکھی روٹی اور سادہ پانی کے ایک دو گھونٹ پی کر گزارہ کیا۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی راہ میں دیا ہوا مال ضائع نہیں ہوتا نہ اس میں کمی آتی ہے۔ گزشتہ مضمون میں سورۂ بقرہ اور دوسری آیات میں اس کی بڑی دل نشین مثالیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں جن میں کہیں خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو بیج سے مثال دی گئی، جس سے کئی بالیاں اُگتی ہیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوتے ہیں۔ خدا کی راہ میں ایک کے بدلے میں سو ملنے کا وعدہ ہے۔ دوسری مثال میں خدا کے راستہ میں خرچ ہونے والے مال کی مثال اُونچے ٹیلے پر باغ کی ہے جو ایک ہی دفعہ لگا دیا جاتا ہے اور جس کا پھل اس کی نسلوں تک ملتا ہے۔ اس کی ثمرباری بارش کی محتاج بھی نہیں ہوتی اور نہ اس کی زرخیزی و شادابی کے لئے وقتی فصلوں کی طرح سیرابی و آب رسانی کی ضرورت ہے بلکہ اوس بھی اس کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ہلکی پھوار بھی تر و تازہ و ثمر بار رکھتی ہے۔ موسمی اثرات، خشک سالی کے اثرات سے بے نیاز ہوتا ہے۔ یہ ہے خدا کی راہ میں خرچ ہونے والے مال کا معاوضہ و بدلہ جو بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔ آجکل کے مادہ پرست لوگ، دولت کے پجاری خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے خدائی معاوضے اور اضافے کے بنکوں میں رکھنا مال کی کمی کا سبب اور غربت و افلاس کا موجب سمجھتے ہیں۔ وہ ضرورت مندوں کو سود پر رقم دے کر اضافے حاصل کرتے ہیں۔ بنکوں میں میعادی اور غیر میعادی کھاتے کھول کر زیادہ سے زیادہ شرح سود پر روپیہ جمع کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی دولت محفوظ کر لی اور اس پر زیادہ سے زیادہ شرح سود حاصل کر کے مستقل آمدنی کا ذریعہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس قسم کی ذہنیت اور سود باز سوچ کے جواب میں فرماتے ہیں: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔ (بقرہ) خداوند تعالیٰ ایسے تمام سودی کاروبار کو نیست و نابود کرتا ہے اور صدقہ و خیرات میں دیئے ہوئے مال میں برکت دیتا ہے، اضافہ فرماتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: وما يُنفِقُوا من خيرٍ يوفّ اليكم وانتم لا تظلمون۔ جو مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو اُس کا تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہ ہو گی۔ بدلہ نہ صرف آخرت کی زندگی میں ملے گا بلکہ اس دنیا میں بھی اسے مفلسی و ناداری کے حالات سے دوچار نہ کیا جائے گا۔

صدقہ و خیرات مال کے اضافے کا سبب ہے

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس خدشہ کو دُور کیا گیا ہے کہ اُس کی (خدا) راہ میں خرچ کیا ہوا مال ضائع ہوتا ہے یا یہ کہ اس کا کوئی ریکارڈ نہ ہو گا، یا یہ کہ ایسا سخی اور فیاض شخص دیوالیہ ہو گا۔ فرمایا گیا ہے کہ: انّ الّذین یتلون الکتٰب

Marfat.com

واقام الصلوٰۃ وانفقوا مما رزقنٰھم سرًّا و علانیۃً یرجون تجارۃً لن تبور. لیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ انہ غفورٌ شکور۔ جو لوگ خدا کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں اللہ نے دیا ہے اس میں ظاہری طور پر بھی اور خفیہ بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ خدا کے ساتھ اس نفع کے امیدوار ہیں اور خدا کے ساتھ کی ہوئی تجارت تباہ نہ ہوگی، دیوالیہ نہ ہوگی اور نہ نقصان اور خسارے کا موجب ہوگی، بلکہ خدا کے ساتھ اس تجارت میں انہیں پورا پورا نفع ملے گا۔ خدا تعالیٰ بخشنے والا اور قدردان ہے اور اس باہمی تجارت میں خدا ان کی بخشش فرمائے گا اور خدا اپنی ہی دی ہوئی دولت کے خرچ کرنے پر اس کی قدر کرے گا۔

نیکی کا تصوّر ہمارے معاشرے میں نیکی کا تصوّر صرف اسی قدر ہے کہ نماز پڑھی جائے۔ ذکر اذکار کئے جائیں۔ نوافل ادا کئے جائیں۔ نفلی روزے رکھے جائیں۔ اس قسم کے خشک زاہد نیکی کے اسی گنبد اور کنویں کے قیدی ہوتے ہیں۔ اُن کا وجود شہر کے معاملات، مساجد کے انتظامات و ضروریات، نادار لوگوں کے دُکھ سُکھ میں ان کی دستگیری، بیواؤں کی خبرگیری، یتیموں کی سرپرستی، محتاجوں کی حاجت روائی جیسے معاشرتی، سماجی اور فلاحی امور میں دلچسپی نہیں لیتے۔ قومی تعمیر و ترقی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا یا اُسے صرف سیاست کا نام دے کر قابلِ التفات و توجہ نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ عوام سے کٹ جاتے ہیں۔ اخلاقی رویّوں سے نابلد و ناآشنا ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے ارد گرد حتیٰ کہ بیوی بچّوں کے حقوق تک سے بے خبر ہوتے ہیں یا شتر مرغ کی طرح اپنی سوشل ذمہ داریوں سے آنکھ بند کرکے چلّوں، مراقبوں اور روحانی اسباق کی ریت میں منہ چھپا لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں خدا کے ساتھ ان کا تعلق نوافل و نماز کا تو ہوتا ہے مگر ثقلین دین نہیں کرتے۔ لیکن اللہ کا فرمان یہ ہے کہ: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ (آل عمران: ۹۲) جب تک تم اپنی عزیز ترین اور محبوب ترین مال و جنس۔ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو گے، تم نیکی کو نہیں پا سکتے۔ گویا نیکی کے حصول کے لئے خدا کی راہ میں مالی قربانی، ذاتی عبادت اور انفرادی نیکوکاری سے بڑھ کر ہے۔ نیکی کا معیار صرف انفرادی عبادت نہیں بلکہ مال خرچ کرنے کی وہ عبادت اور امور ہیں جو دوسروں کے لئے نفع بخش ہوں۔

پھر سورۂ بقرہ میں نیکی کی اس تفصیل اور مال خرچ کرنے کے وہ تمام ذرائع و مقامات بھی بیان فرما دیئے۔ ملاحظہ ہو:
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ______ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (البقرہ، رکوع ۲۱، پارہ ۲، آیت: ۱۷۷)۔ اس پوری آیت میں عقائد اور ایمان کے لئے ضروری باتوں کے ذکر کے بعد جو ایمان کی اقراری صورتیں ہیں، عملی طور پر مال خرچ کرنے کا ذکر پہلے کیا ہے، پھر اس کے بعد عبادات کا ذکر ہے۔ پھر اخلاقیات میں سے وعدہ کی پابندی اور خدا کی راہ میں مصیبتوں اور لڑائیوں، دشمنیوں میں صبر کا ذکر ہے۔

گو یا نیکی کا معیار چند رسمی عبادات نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرو اور خود کو نیک اور برگزیدہ سمجھنے لگ جاؤ۔ بلکہ ایمانیات و عقائد کی درستی کے ساتھ ساتھ معاشرتی روابط، خاندانی تعلقات میں اپنے اُوپر عائد ہونے والے حقوق کی ادائیگی بھی کرو۔ قرآن کریم کی دوسری متعدد آیات میں دوزخیوں کا اصل جُرم صدقہ و خیرات کی

Marfat.com

عدم ادائیگی اور معاشرے کے نادار افراد کی طرف سے غفلت اور بے پرواہی قرار دیا ہے۔ سورۃ الماعون میں ارشاد فرمایا:
اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ۔ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ۔ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ۔
ایسے لوگ قیامت کی جوابدہی کے منکر ہوتے ہیں جو عملی طور پر یتیموں کو دھکے دیتے ہیں۔ انہیں گھروں سے نکالتے ہیں جائیدادوں سے محروم کرتے ہیں اور ناداروں مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ نمازوں میں سستی برتتے ہیں اور گھروں میں استعمال کی اشیاء ایک دوسرے کو نہیں دیتے۔

سورۃ المدثر میں یہی خصوصیات بیان فرمائی ہیں کہ قیامت کے دن جزا و سزا کے فیصلے سنا دیئے جائیں گے تو جنتی لوگ دوزخیوں سے دوزخ میں آنے کا سبب پوچھیں گے۔ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ۔ تمہیں دوزخ میں کیوں ڈال دیا گیا تو وہ جواب میں کہیں گے۔ لم نك من المصلّین ولم نك نطعم المسكین۔ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہم ناداروں، محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ وکنّا نخوض مع الخائضین۔ ہم معاشرے کے ایسے ناداروں، غریبوں مسکینوں کا مذاق اُڑاتے تھے یا اس قسم کے خدائی احکامات کا مذاق اڑاتے تھے۔ وکنّا نکذب بیوم الدین۔ ہم قیامت کے دن پر یقین نہ رکھتے تھے یعنی عملی طور پر ایسے اعمال سے غافل تھے جو قیامت کے دن ہماری نجات کا موجب بنتے۔ حتّٰی اتٰنا الیقین۔ حتیٰ کہ ہمیں موت آگئی اور اس انجام سے دوچار ہو گئے۔ فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین۔ اس قیامت کے دن ان کے حق میں کوئی سفارش فائدہ مند نہ ہوگی۔

عزّت وذلّت کا معیار

پھر قرآن کریم نے عزّت وذلّت کا معیار دولت اور اس کا سبب غریبی کو قرار نہیں دیا کہ کوئی مالدار ہے، عزت مند اور جاہ و منصب والا ہے تو واقعی خدا کے نزدیک بھی عزّت مند ہے اور اگر کوئی غریب و نادار ہے تو اس کی وجہ لازماً یہ نہیں کہ خدا اس سے ناراض ہے بلکہ یہ سب کچھ خدا کی آزمائش ہے کسی کو دنیا میں دولت دے کر آزمایا جاتا ہے کہ وہ کتنا خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور اُسے خدا کے راستوں پر خرچ کرتا ہے اور کسی کو نہیں دیا جاتا تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ خدا کی رضا اور اُس کی طرف سے اس محرومی پر کتنا صبر کرتا ہے۔ کلّا بل لا تکرمون الیتیم ولا تحا ضون علی طعام المسکین۔ وتا کلون التراث اکلا لمّا وتحبّون المال حبّاً جمّا۔ نہیں بلکہ دولت، مرتبہ اور اختیار دے کر آزمایا گیا تھا کہ تم یتیموں کی عزّت کرتے ہو یا نہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہو یا نہیں اور یہ کہ تم میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہو۔ یتیم کا باپ زندہ ہوتا ہے تو تمہارا روّیہ اور ہوتا ہے۔ جب وہ یتیم ہو جاتا ہے، بے سہارا رہ جاتا ہے تو قریبی رشتے ناتے بھی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ اکثر صورتوں میں تو مائیں بھی انہیں چھوڑ کر دوسرا خاوند کر لیتی ہیں۔

چنانچہ یہی روّیہ دولت چھیننے، مناصب سے اُتارنے اور ذلّت و رسوائی میں دھکیلنے کا موجب ہوتا ہے، جسے دُنیا میں ہم اکثر دیکھتے ہیں اور قیامت کے دن جو حشر ہوگا وہ یہی ہوگا جو سورۃ مدثر سے ظاہر ہے۔ افسوس کرے گا کہ یقول یٰلیتنی قدمت لحیاتی۔ کہے گا کہ اے کاش ہم اس زندگی (آخرت) کے لئے صدقہ و خیرات موت سے پہلے

Marfat.com

بھیج دیتے تو آج کام آتا۔ اسی سورۂ فجر کے متصل بعد دوسری سورۂ البلد کی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ مالدار کنجوسوں اور عیاشیوں میں دولت اُڑانے والوں کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں: یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا۔ عیاش مالدار کہتے ہیں ہم نے ڈھیروں مال اُڑایا۔ قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا کا جملہ استعمال فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مال لُٹانے والے نے شیطانی راستوں پر مال لٹایا ہے اور اس پر اُسے پشیمانی نہیں بلکہ فخر ہے۔ مال لُٹانا یا اُڑانا ہماری اُردو زبان میں بھی ناجائز اور شیطانی کاموں میں خرچ کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اگر جائز امور میں خرچ ہوتا، یہاں انفقت مالا لبدا کے استعمال کا مقام ہوتا۔ خدا کی راہ میں نہ خرچ کرنے والوں کا مال، حرام اور ناجائز راستوں پر خرچ ہے۔ شیطانی رسومات میں، رقص وسرود کی محفلوں میں، زناکاریوں میں، عشق بازی وسرمستی وشراب نوشی میں، حاکموں کو کھلانے اور اُن سے ناجائز فائدے حاصل کرنے میں، رشوتوں کے حصول اور رشوتوں کی ادائیگی میں، لیکن علم نہیں کہ اُسے دیکھنے والی خدا کی ذات اُسے دیکھ رہی ہے۔ ایحسب ان لم یرہٗ احد۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا۔ ایسے تن آسان، عیش پرستوں کو خدا کے راستوں کی مشقت طلب، دشوار گھاٹیوں پر چلنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ۔ دشوار گزار گھاٹی کا راستہ کونسا ہے؟ دولت کے ذریعہ کسی غلام کی گردن غلامی سے چھڑانا یا مجبور ونادار مقروض کا قرض ادا کر کے اُس کا بوجھ اُتارنا۔ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ۔ دشوار گزار گھاٹی والا راستہ کسی فاقہ زدہ اور بھوک کے مارے ہوئے کو کھانا کھلانے کا راستہ ہے۔ یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ۔ قریبی رشتہ دار یتیم کی پرورش کا راستہ ہے۔ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔ دشوار گزار گھاٹی والا راستہ مٹی اور گرد میں لتھڑے ہوئے محتاج اور مسکین کو کھانا کھلانے یا اُس کی مدد کرنے کا راستہ ہے۔

اَلْعَقَبَةَ کی تشریح میں اللہ تعالیٰ نے خود جن خیراتی کاموں کا ذکر فرمایا ہے، وہ درجات کی بلندی کے اُمور ہیں جن سے روحانی بلندی اور اخلاقی برتری کو دشوار تر اور مشقت طلب راستہ کہا گیا ہے۔ ان مقامات پر مال خرچ کرنا اپنے نفس کے خلاف لڑنا ہوتا ہے۔ شیطانی خواہشات اور نفسانی تمنائیں ایسے موقعہ پر، ایسے خدائی راستوں پر مال خرچ کرنے میں بُری طرح رکاوٹ ڈالتی ہیں اور جو لوگ ایسے مواقع پر اپنے نفس سے لڑ کر مال خرچ کرتے ہیں وہ گویا دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنے کی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عیاشیوں، آسائشوں، شیطانی امور اور بے جا اسراف کا راستہ اترائی کا راستہ ہے جس میں صرف نفس کے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کرنا پڑتی ہیں۔ پھر آدمی خود بخود لڑھکتا چلا چلا جاتا ہے۔

سورۂ دھر میں ارشاد ہوتا ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ وہ لوگ خدا کی محبت میں محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ان آیات کے بارہ میں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ بیمار ہوئے تو اُن کی عیادت کے لئے حضورؐ اور چند دوسرے صحابہ کرام رضؓ حضرت علی رضؓ کے گھر گئے۔ وہاں صحابہ رضؓ میں سے کسی نے مشورہ دیا کہ آپ نذر مانیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت دے دے۔ چنانچہ

Marfat.com

حضرت علیؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور ان کی خادمہ فضہؓ نے تین تین دنوں کے روزے رکھنے کی نذر مانی۔ دونوں صاحبزادےؓ تندرست ہوئے تو گھر والوں نے روزے رکھنے شروع کئے۔ ان دنوں حضرت علیؓ کسی سے قرض یا مزدوری کرکے ایک صاع جَو لے آئے۔ پہلے دن روزہ افطار کرکے کھانے پر بیٹھے تو دروازے پر کسی مسکین نے کھانے کا سوال کیا۔ وہ کھانا اُٹھا کر اُسے دے دیا اور خود بھوکے سورہے۔ دوسرے دن روزہ رکھا شام کو افطاری کے بعد کھانا رکھا تھا کہ یتیم نے سوال کیا۔ چنانچہ وہ کھانا اسے دے دیا۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ قیدی نے دروازے پر سوال کیا تینوں پھر بھوکے رہے اور کھانا اُسے دے دیا۔ تین روزوں کی نذر پوری ہوگئی، مگر ان تین دنوں کی بھوک نے انہیں نڈھال کر دیا۔ حضرت علیؓ بھوک کی اسی شدت میں حضورؐ کے ہاں پہنچے تو ان کی حالت دیکھ کر حضورؐ خود اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کے گھر آئے۔ وہ بھی بھوک سے نڈھال تھیں اور خادمہ کا بھی یہی حال تھا۔ حضورؐ ان کے جذبۂ ایثار سے بے حد متاثر ہوئے کہ اسی وقت جبرئیلؑ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ کہ وہ ہلاکت و تباہی پھیلانے والے دن کے خوف سے اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور خود بھوکے رہ کر اپنا کھانا مسکینوں، یتیموں اور قیدی کو کھلاتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے وہ احسان بھی نہیں دھرتے اور نہ بدلے اور شکریے کے طلبگار ہوتے ہیں۔ انما نطعمکم لوجہ اللّٰہ لا نرید منکم جزاءً ولا شکوراً۔

قرآن کریم میں صدقہ اور خیرات کرکے احسان جتانے والوں کی مذمت اور برائی بیان کی گئی۔ قولٌ معروفٌ ومغفرۃٌ خیرٌ من صدقۃٍ یتبعھا اذًی واللّٰہ غنیٌ حلیم۔ صدقہ وخیرات دے کر اس پر احسان جتانے کی تکلیف و اذیت سے تو بہتر ہے کہ انسان نرمی سے بات کرے اور درگذر سے کام لے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: یاایھا الذین اٰمنوا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمنّ والاذٰی۔ اے ایمان والو اپنا صدقہ وخیرات کو احسان جتلاتے ہوئے اذیت دے کر ضائع نہ کرو۔ پھر ارشاد فرمایا: انّ الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللّٰہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منًا ولا اذًی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ جو لوگ خدا کے واسطہ میں مال خرچ کرکے احسان نہیں جتلاتے اور جن پر خرچ کیا جاتا ہے اسے یاد کرکے اسے ذہنی اذیت نہیں دیتے اس کا بدلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے۔ قیامت کے دن نہ انہیں خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ہمارے ہاں بالعموم اگر کسی پر کچھ خرچ ہو جائے تو ساری عمر اس احسان کو گنا جاتا ہے اور اس بے چارے کو ذہنی اذیت اور شرمندگی کی ذلت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ جملے سننے میں آتے ہیں۔ تم میرے ٹکڑوں پر پلے ہو۔ تمہارے دانتوں میں میرے کھانے کا رس ہے۔ میری روٹی کا خون تمہارے جسم میں شامل ہے۔ تم ایسے تھے تو میں نے اس مقام تک پہنچایا، تمہاری کیا حیثیت تھی، اپنی حیثیت یاد کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے احسانات کا شمار دوسرے کو ذہنی اذیت اور ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے اس کا صدقہ وخیرات ضائع ہوتا ہے۔ بعض لوگ صدقہ وخیرات کسی پر کرتے ہی اس نیت سے ہیں کہ کل یہ میرا فرمانبردار بنے گا۔ میری خدمت کرے گا۔

حضورؐ نے جن تین آدمیوں کا جنت میں داخلہ ناممکن بتایا ہے ان میں سے ایک اسی قسم کا احسان جتانے

والا بھی ہے۔ ارشاد مبارک ہے کہ وہ گھر بہترین گھر ہے جس میں یتیموں سے حسن سلوک ہوتا ہو اور وہ گھر بدترین ہے جہاں یتیموں سے بدسلوکی ہوتی ہو۔ پھر ارشاد فرمایا۔ یتیم کے سر پر شفقت و محبت سے ہاتھ پھیرنے والے کا ہاتھ سر کے جتنے بالوں پر پھرتا ہے اُسے اتنی ہی نیکیاں ملتی ہیں۔ صدقہ صدق اور سچائی کا ہم معنی ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے کہ جس میں ناجائز کمائی قبول نہیں ہوتی۔ نقد مال کی توفیق نہ ہو تو بھی صدقہ کی بہت سی ایسی صورتیں ہیں جو آدمی کی نجات اور خدا کی خوشنودی کا سبب ہوتی ہیں۔

صدقہ کی مختلف صورتیں

راستہ سے کانٹا اور نقصان دہ چیز کا ہٹانا۔ بوجھ لادنے میں مدد دینا۔ قصور معاف کر دینا۔ بُردباری سے کام لینا، بیمار پُرسی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مومنو! صدقات کو مت روکو ورنہ تم سے رزق روک لیا جائے گا۔ ان تمام آیات اور ان کے علاوہ متعدد آیات میں صدقہ و خیرات پر جو زور دیا گیا ہے اور حضورؐ نے جس قدر اپنی زندگی میں اس کی عملی مثالیں اور زبانی ہدایات دی ہیں۔ اس سے صدقہ و خیرات کی مذہبی، دینی اور معاشرتی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو باہمی پیار و محبت اور ہمدردی کا درس دیتا ہے زبانی بھی اور مالی طور پر بھی۔ جذبہ ہمدردی و خیر خواہی کو فروغ دیتا ہے اور یہ مقاصد صدقہ و خیرات اور دوسروں کی مالی امداد سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ صدقہ دینے والے کے مال میں کمی نہیں آتی۔ اس کا صلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ سخی، فیاض اور سیر چشم انسان کی زندگی کی دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس کے دُور رس اثرات اس کی اولاد تک بھی پھیل جاتے ہیں۔

واقعات و امثال

عمر بن عبدالعزیزؒ ہماری اسلامی تاریخ کے بہت بڑے حکمران تھے۔ وہ جتنے بڑے حکمران تھے اُس سے زیادہ خدا ترس، عدل پرور، دیانتدار اور فیاض تھے۔ انہی اوصاف کی وجہ سے انہیں خلافتِ راشدہؓ کا پانچواں خلیفہ کہا جاتا ہے۔ ان کے پاس ایک جوڑا کپڑوں کے سوا دوسرا نہ تھا۔ سرکاری خزانہ کو نہ اپنی ذات پر خرچ کیا نہ اولاد پر۔ جب فوت ہوئے تو ان کا تمام مال صرف ۲۱ دینار تھا۔ دو دینار قبر کے لئے زمین خریدنے میں لگے۔ پانچ دینار کفن دفن کے اخراجات پر خرچ ہوئے۔ باقی چودہ دیناروں سے درم بنائے تو ہر ایک بیٹے کو صرف انیس انیس درم کا ترکہ ملا۔ یہی ان بیٹوں کا کل سرمایہ تھا جن کا والد اسلامی تاریخ کا بڑا حکمران تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک غم خوار مسلمہ بن عبدالملک نے مرتے وقت کہا۔ آپ نے اپنی اولاد کا منہ ہمیشہ خشک رکھا، اور اب اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ آپ نے جواباً فرمایا۔ میں نے اپنی اولاد کا منہ خشک نہیں رکھا۔ خدا کی قسم میں نے ان کا حق تلف نہیں کیا اور جو ان کا حق نہ تھا وہ نہیں دیا۔ میری اولاد خدا سے ڈرے گی تو خدا ان کے لئے کوئی سبیل نکالے گا۔ و ھو یتولی الصالحین۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ (سورہ طلاق)۔ اگر میرے بیٹے بُرے ہوئے تو میں ان کے لئے دولت چھوڑ کر ان کی برائی کا سامان کیوں کروں۔ پھر اپنے بیٹوں کو قریب بلا کر بٹھایا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا۔ میرے بچو! میں نے تمہارے لئے دولت نہیں چھوڑی، مگر ایمان کی دولت اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی تربیت تمہیں ضرور دی ہے۔ تمہارے حق میں

Marfat.com

مجھے دو باتوں کا اختیار تھا۔ ایک یہ کہ تمہاری تربیت نہ کرتا اور دولت چھوڑ کر تمہاری گمراہیوں کا سامان دے کر تمہیں دوزخ کے حوالہ کرتا۔ دوسرا یہ کہ ایمان کی دولت سے مالا مال کرتا، خدا کے سیدھے اور سچے راستہ پر چلنے کی تربیت کرتا اور دنیا کی دولت سے محروم چھوڑ تا۔ میں نے دوسرا اختیار قبول کر کے تمہیں دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ تم اللہ پر بھروسہ رکھو وہ تمہارا مددگار ہوگا۔ وہ ــــ یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ۔ جو خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اسی عمر بن عبدالعزیزؒ کا دوسرا بھائی ہشام بن عبدالملک اتنی ہی وسیع اور اتنی ہی عظیم سلطنت کا مالک تھا اس کی بھی بڑی شان و جاہ و جلال تھا۔ فرق یہ تھا کہ پہلا بھائی خدا سے ڈرنے والا، نیکوکار و متقی تھا اور ہشام خدا سے غافل، سرکاری خزانے کو خورد برد کرنے والا عیاش اور ناخدا ترس تھا۔ اولاد کی تربیت نہ کی، عیاشیوں میں مبتلا رکھا۔ دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ ہشام کو بھی موت آ گئی تو اس کے بیٹوں کو باپ کے ترکہ سے دس دس لاکھ درہم حصے میں آئے، مگر یہ دولت چند دنوں بعد عیاشیوں اور عیش کوشیوں کی نذر ہو گئی اور اس کے بیٹوں پر ایسا وقت آیا کہ بے چارے دولقموں کے محتاج ہو گئے۔ لوگ انہیں صدقہ و خیرات دیتے تو حلق تر ہوتا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹے جنہیں صرف انیس انیس درہم ملے تھے خدا نے ان کی ایسی مدد فرمائی کہ جہاد کے موقعوں پر خدا کی راہ میں ایک ایک سو گھوڑوں کا ہدیہ دیتے تھے۔

اس مضمون کے سر آغاز میں جس آیت کو عنوان بنایا گیا ہے، اس میں خدا کا یہی وعدہ ہے کہ جو شخص بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ خدا سے ڈرتا ہے اور خدا، اس کے رسولؐ اور خدا کے دین کی تصدیق کرتا ہے، عملی طور پر اس دین کی سچائیوں کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی زندگی کی دشواریوں اور مشکلات کو آسان بنا دیتا ہے۔ آپ صحابۂ کرامؓ کو دیکھیں۔ انہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی، مشرکینِ مکہ کی تکالیف اور سختیوں کو برداشت کیا، گھر بار چھوڑا، رشتے دار چھوڑے، کاروبار اور مکانات چھوڑے، ہجرت قبول کی۔ مدینہ میں بے سروسامانی اور بے آسرا و بے سہارا بے وطنی اور غریب الدیاری کو قبول فرمایا تو اس کے فوری بدلے میں مدینے کے انصار بھائیوں جیسے مخلص بھائی ملے جنہوں نے ان کا حوصلہ بڑھایا۔ اپنی جائیدادیں تقسیم کیں۔ کاروبار میں شریک کئے۔ حتیٰ کہ اپنی بیویاں تک کو چھوڑ کر انہیں دینے کی بھی پیشکش فرمائی۔

مہاجرین کی مثال

انہی اسلام کے سرفروش و سربکف مہاجروں میں سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے جن کے دینی بھائی حضرت سعد بن ربیعؓ انصاری نے دولت، جائیداد اور کاروبار میں شریک کرنے کے علاوہ اپنی ایک بیوی کو طلاق دے کر ان کے ساتھ نکاح کا ارادہ بھی ظاہر فرمایا، مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے صرف اتنا کہا کہ مجھے تاجروں سے متعارف کرا دیں۔ چنانچہ معمولی سرمائے سے تجارت کا آغاز کیا تو چند ہی مہینوں بعد تجارت میں وہ برکت اور نفع حاصل ہوا کہ وہ مدینہ کے سب سے زیادہ مالدار تاجروں میں شمار ہونے لگے۔ انہوں نے یہ دولت سمگلنگ، گراں فروشی اور ہیرا پھیری سے نہ کمائی تھی، دیانت و امانت ان کے کاروبار کا اصول تھا۔ ان کی دولت مندی بھی خدا کی راہ میں خرچ ہوتی رہی۔ جہاد میں شریک ہو کر سر کی بازی لگانے اور دولت خرچ کر کے کبھی بھی کمی اور گھاٹے کا نہ سوچتے تھے۔ ایک ایک دن میں تیس تیس غلام آزاد فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ پر

جائیداد فروخت کی تو اس کی ساری رقم چالیس ہزار دینار خدا کی راہ میں دے دیئے۔ حضورؐ کی اپیل پر سورۂ برأت کے نزول
کے وقت اپنا نصف مال صدقہ میں پیش کر دیا۔ ایک دفعہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر چالیس ہزار درہم دیئے۔ اپنے صدقات
اور خیرات کے باوجود ہر وقت خدا سے ڈرتے کہ کہیں دولت کی برائیاں مجھے لپیٹ نہ لیں۔ جہاد کے ایک موقعہ پر پانچسو گھوڑے
اور پانچسو اونٹ دیئے۔ ایک دفعہ اپنے تجارتی قافلے کے سو اونٹ تجارتی سامان سمیت خدا کی راہ میں دے دیئے۔ خدا کی راہ میں اتنی
کشادہ دلی اور فراخدلی کے ساتھ خرچ کرنے کے باوجود ان کے اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں
تھیں۔ تجارت کا سامان و سرمایہ اس کے علاوہ تھا۔ ان کی دولت میں تو کوئی کمی نہ آئی۔ حضرت زبیر بن عوامؓ بھی بے سروسامانی
میں مدینہ آئے تھے۔ ان کے ایک ترکہ کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔ ایک ہزار گھوڑے اس کے علاوہ تھے۔ حضرت
طلحہ بن عبیداللہؓ کی روزانہ آمدنی صرف عراق کی جائیداد سے ایک ہزار دینار تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت، دریادلی
اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی روایات تو بہت عام ہیں۔ یہودی سے میٹھے کنویں کی خریداری اور اسے مسلمانوں کے لئے
وقف کرنا۔ مسجد نبویؐ کی وسعت کے لئے زمین خریدنا۔ مدینہ میں قحط کے دوران سو اونٹوں پر لدا ہوا سارا غلہ خدا کی
راہ میں مفت دے دینا۔ خدا کی راہ میں اس کشادہ دلی اور کشادہ دستی کے باوجود شہادت کے وقت ڈیڑھ لاکھ دینار،
دس لاکھ درہم، وادی حنین اور ماوراء النہر کی جائیداد جس کی قیمت دو لاکھ تھی، بہت سے گھوڑے اور اونٹ بھی موجود تھے۔
حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس ایک لاکھ دینار کی جائیداد اور سونے چاندی کی اینٹیں تھیں۔ یہ صرف چند صحابہ کرامؓ
کا ذکر ہے جنہوں نے اسلام کی سچائی کی عملی و زبانی تصدیق کی۔ جنہوں نے پرہیزگاری، تقویٰ داری کے راستے اپنائے۔
جنہوں نے خدا کے راستے میں اپنا سب کچھ قربان کیا جنہوں نے خدا کی راہ میں جانیں لڑائیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دنیا بھی
ڈھیروں کے حساب سے دی اور آخرت میں بھی ان کی زندگیوں میں جنت کی خوشخبریاں سنائیں، تو ثابت یہی ہوتا ہے کہ خدا کے
ساتھ جنہوں نے جانوں و مالوں کی سوداگری کی وہ گھاٹے اور خسارے میں نہیں رہتے۔
حضرت ربیع بن سلمانؓ کوفے کے پاس رہتے تھے۔ انہیں حج کا بہت شوق تھا۔ جب حاجیوں کے قافلے واپس آتے تو
انہیں مبارکباد دینے اور ملنے کے لئے جاتے۔ ایک دفعہ حاجیوں سے ملنے گئے تو قافلے کا ہر حاجی حضرت ربیعؒ کو حج کی مبارکباد
دیتا۔ یہ ہر ایک سے یہی کہتے کہ میں تو حج کے لئے نہیں گیا تم مجھے کیسے مبارکباد دیتے ہو۔ قافلے والے حیران ہوئے اور کہتے
کہ ہم نے تمہیں حج کے دوران ہر مقام پر دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک حاجی آگے بڑھا اور ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا کہ
آپ نے حضورؐ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے بعد باب جبرئیلؑ سے نکلتے ہوئے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھی تھی۔
تھیلی پر وہی الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ من عاملنا۔
حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں کہ میرے ہزار انکار کے باوجود کہ نہ میں نے حج کیا ہے نہ ایسی کوئی تھیلی دیکھی ہے اور
نہ دی ہے مگر انہوں نے بار بار اسے میرے حوالہ کیا کہ یہ تمہاری امانت ہے۔ مجھے اسے لینا پڑا۔ گھر آیا تو اس سارے
راز پر غور کرتا رہا کہ میں نے نہ حج کیا ہے نہ تھیلی دیکھی ہے اور نہ کسی کو دی ہے تو پھر یہ سب کچھ کیا ہے؟ بات
سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بات یہ ہوئی تھی کہ حضرت ربیعؒ حج کے ارادے سے نکلے تھے اور راستے میں حج کا سامان خرید

Marfat.com

رہے تھے کہ انہوں نے ایک دکھیاری عورت کو دیکھا کہ وہ بستی سے باہر مُردہ پڑے ہوئے خچر کا گوشت کاٹ رہی تھی۔ انہیں خیال گزرا کہ یہ عورت ضرور بھوک سے مجبور ہو کر یہ گوشت کھانے کے لئے لے جا رہی ہے۔ حضرت ربیعؒ اُن کے پیچھے ہو لئے اس کے گھر پہنچے، حالات معلوم کئے تو پتہ چلا کہ اس کا شوہر تین سال ہوئے فوت ہو چکا ہے۔ اس کی تین بیٹیاں ہیں، کوئی والی وارث نہیں ہے۔ کئی کئی دنوں کے فاقے ان پر گزرتے ہیں۔ اس وقت وہ چار دنوں کے فاقہ سے ہیں۔

حضرت ربیع بن سلمانؒ نے حج کا ارادہ بدل دیا اور حج کے لئے تمام جمع پونجی عورت کو دے دی۔ حج کی محرومی کا افسوس ضرور ہوا مگر اس وقت اس بیوہ اور یتیم بچیوں کی امداد اہم تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر اس معاملے پر سوچتے ہوئے آنکھ لگی اور خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضورؐ فرما رہے تھے۔ ربیع جب تم نے کوفہ میں ایک مجبور خاندان کی امداد کر کے خود کو حج سے محروم کر دیا تو خدا نے تمہاری شکل وصورت دے کر اپنے فرشتے سے تمہارے لئے حج کرا دیا۔ پھر حضورؐ کا یہ ارشاد سنا۔ جو اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرتا ہے وہ فائدے میں رہتا ہے۔

حضرت ربیع بن سلمانؒ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خوشخبری سن کر فرطِ مسرت سے جاگ اُٹھے۔ اُسی وقت پاس پڑی ہوئی وہ تھیلی کھولی تو اس میں چھ سو اشرفیاں تھیں جو انہوں نے غریب بیوہ اور اس کی یتیم بچیوں کو دی تھیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ کی رضا ہو، اس کی خوشنودی کے لئے اس سے معاملہ کیا جائے تو وہ بے تحاشہ بہت کچھ دیتا ہے اور اتنا دیتا ہے کہ آدمی کے ذہن وگمان میں بھی نہیں آتا۔

ربیعؒ کو خدا کی راہ میں دی ہوئی اشرفیاں ہی واپس نہ ملیں بلکہ خدا نے ان کی طرف سے حج کا انتظام بھی خود ہی فرما دیا اور کون نہیں جانتا کہ خداوند تعالیٰ کے زیرِ انتظام و زیرِ نگرانی کئے ہوئے حج کا ثواب کتنا زیادہ ہوگا۔ سچ ہے: فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ۔ جو کوئی خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ کسی کو کچھ دے، تقویٰ اختیار کرے اور خدا کے احکامات کی عملی تصدیق کرے تو خدا اس کی زندگی کی راہیں آسان بنا دیتا ہے شرط صرف خدا پر بھروسے کی ہے۔ دولت پر ایمان نہ ہو، انحصار نہ ہو۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

نرم روی، عاجزی و انکساری

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ۔ سورۂ فرقان	انسانی چال اس کے کردار کی غماز ہوتی ہے۔ پسندیدہ بندوں کے اوصاف نرم خرامی، سورۂ الاسرا، سورۂ لقمان۔ حضورؐ کو فروتنی و عاجزی کا حکم۔ حضورؐ کا ارشاد
۲	غرور و تکبر کے مظاہرے	نمود و نمائش۔ دولت کا اظہار۔ بے وقار چال مست خرامی کی ممانعت
۳	جدید دور کے نمائشی چلن	تقاریب میں بننا سنورنا۔ نمائشی واقعات و امثال۔
۴	واقعات و امثال	یحییٰ بن ہبیرہ۔ جولاہوں کی مثالیں۔ موجودہ دور کے جولاہے۔

Marfat.com

ہوتی ہیں۔ اس مضمون میں پہلی صفت نرم روی، عاجزی و انکساری پر اظہار خیال مقصود ہے۔ معاشرے اور سوسائٹی کے دوسرے بُرے نمونوں کو دیکھنے اور سوچنے والوں کے لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ معاشرے میں خود مقابلے کی دوسری تصویر کو دیکھیں اور سوچیں، کیونکہ وہ نمونے ان کے ارد گرد معاشرے میں موجود تھے اور آج بھی پائے جاتے ہیں۔

رحمٰن کے بندوں کی پہلی صفت نرم روی، آہستہ خرامی ہے جو عاجزی، تواضع اور انکساری کی علامت ہوتی ہے۔ معاملات میں دوسروں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ میں نیچا بن کر رہنا تواضع و انکساری کہلاتا ہے جس کا اظہار انسان کی ہر حرکت سے ظاہر ہوتا ہے۔ رفتار میں بھی، گفتار میں بھی، بیٹھنے اور اُٹھنے میں بھی۔ رفتار کے لحاظ سے رحمٰن کے پسندیدہ بندے اکڑتے ہوئے اینٹھتے ہوئے، غرور و تکبّر کے ساتھ نہیں چلتے۔ وہ جبّاروں، مفسدوں کی طرح اپنی رفتار کے ذریعہ اپنا زور، اپنی طاقت اور بدمعاشی جتانے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ شریف، سلیم الطبع اور متحمل و پروقار آدمیوں کی طرح چلتے ہیں۔

نرم رفتاری سے مراد بیمارانہ اور ضعیفانہ چال بھی نہیں ہے اور نہ ریاکاری اور دکھاوے کے لئے پرہیزگاری یا خداترسی کی مصنوعی اور نمائشی رفتار مراد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو بیمارانہ و مریل چال چلتے ہوئے دیکھا تو پاس بلا کر پوچھا۔ کیا تم بیمار ہو؟ کہا۔ نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے اپنا دُرّہ اُٹھا کر اُسے دکھایا اور تنبیہ کی کہ مَردوں کی چال چلو۔ قوت پیدا کرو۔ غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے آخر اپنے بندوں کی صفات گناتے ہوئے ان کی چال اور رفتار کا ذکر کیوں فرمایا۔ دراصل انسان کی رفتار ایک چلنے کا انداز ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کی ذہنی کیفیت، اس کے کردار اور سیرت کا ترجمان بھی ہوتی ہے۔ اُردو زبان میں کسی کے کردار کے بارہ میں اکثر کہا جاتا ہے کہ اس کا چال چلن کیسا ہے یعنی چال کے ساتھ ہی چلن یعنی سیرت و کردار کا لازمہ ضرور ہوتا ہے اور اکثر لوگ کہا کرتے ہیں ہم کسی کو کو اس کی چال سے پہچانتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔ ایک چالاک و عیّار آدمی کی چال، ایک بدمعاش اور غنڈے کی چال، ایک متکبّر اور خود پسند آدمی کی چال، باوقار اور مہذّب آدمی کی چال، ایک غریب و مسکین آدمی کی چال، اس ہر آدمی اور ہر سیرت و کردار کی چال ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے کہ انسان اسے دیکھ کر بآسانی پہچان لیتا ہے کہ کونسی چال کے پیچھے کونسا کردار ہے اور کس قسم کی چال کے پیچھے کونسی شخصیت جلوہ گر ہے۔

رفتار کردار کی غمّاز ہوتی ہے

آیت کا مدعا یہ ہے کہ رحمٰن کے بندوں کو تم عام آدمیوں میں چلتے پھرتے بغیر کسی تعارف و آشنائی کے پہچان لوگے کہ یہ کس کردار کے مالک ہیں۔ خدا کی بندگی نے ان کی ذہنیت اور سیرت کو جیسا بنا دیا ہے وہ اُن کی چال و رفتار سے نمایاں ہے۔ سورۃ الاسرا میں فرمایا گیا ہے: ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولًا۔ کل ذالك کان سیئة عند ربك مكروها۔ زمین پر اکڑ کر نہ چلو کیونکہ ایسا چلتے ہوئے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہو۔ ان امور میں یعنی ایسی چال و رفتار میں ایک بُرا پہلو تمہارے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ جباروں اور متکبّروں کی روش سے بچو۔ یہ ہدایت انفرادی طرزِ عمل اور اجتماعی طور پر قومی رویّے دونوں پر یکساں حاوی ہے۔ اسی ہدایت کا یہ نتیجہ تھا کہ مدینہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو اس کے فرمانرواؤں، گورنروں اور سپہ سالاروں میں جباری و قہاری، بڑائی اور کبریائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ان

Marfat.com

کے مُنہ سے فخر و کبر کی کبھی کوئی بات نہ نکلی۔ ان کی ہر ادا میں، رفتار و گفتار میں نشست و برخاست میں، لباس میں سواری میں، برتاؤ اور سلوک میں، انکساری، تواضع، فقیری و درویشی ٹپکتی تھی۔ فاتح کی حیثیت سے جب کسی شہر میں داخل ہوئے تو بھی ظلم زیادتی اور طاقت کا مظاہرہ کر کے مغلوب و مفتوح پر کوئی رعب نہیں بٹھایا۔

سورۂ لقمان میں حضرت لقمانؑ کی زبان سے بیٹے کو نصیحت کا ذکر کر کے فخر و تکبر کی چال سے منع فرمایا گیا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط لوگوں سے منہ پھیر کر اور منہ پھلا کر بات نہ کرو اور نہ زمین پر اکڑ کر چلو۔ اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال پیدا کرو اور آواز پست رکھو۔ سب آوازوں میں بُری آواز گدھے کی ہے۔ صَعّر عربی زبان میں اُونٹ کی گردن میں پیدا ہونے والی بیماری کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر وقت منہ ایک طرف پھیرے رکھتا ہے۔ منہ پھیر کر تکبّر کے ساتھ بات کرنے کا محاورہ اسی سے بنا ہے۔ "مختال" اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی سمجھ میں خود کو بڑی چیز سمجھتا ہے، جسے اپنے متعلق غلط گمان ہو۔ بہ خود غلط اور بزعم خویش بڑی چیز سمجھتا ہو اور اس کے اظہار کے لئے اس کے پاس سوائے اکڑ خانی اور متکبرانہ چال کے اور کچھ نہ ہو۔

آہستہ خرامی اور تیز روی حسبِ ضرورت کوئی برائی نہیں ہے۔ آدمی تیز بھی چلتا ہے اور چہل قدمی بھی کرتا ہے۔ اصل چیز نفس کی وہ کیفیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے چال میں اکڑ آ جاتی ہے۔ کسی کے نفس میں اکڑ ہو تو وہ اس کی چال میں ڈھل جاتا ہے۔ قرآن کریم کی اس نصیحت اور خدا کے بندوں کی اس صفت کو بیان کر کے نفس کی اس کیفیت کو دُور کرنا ہے۔

حضورؐ کو قرآن کریم میں بار بار عاجزی، فروتنی اور انکساری کا حکم دیا گیا۔ حضورؐ جیسی ہستی کے بعد دوسرا کون شخص ہے جو اپنی کسی حیثیت سے غرور و تکبّر کا مستحق ہو سکتا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ حجر میں فرمایا گیا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ مومنوں کے لئے اپنے بازو نیچے کرو۔ تواضع کا برتاؤ کرو۔ سورۂ شعراء میں پھر کہا گیا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اپنے پیروکاروں کے لئے اپنے بازو جھکا دو۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ انی سمعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ یقول من تواضع للہ رفعہ اللہ فھو فی نفسہ صغیرا وفی اعین الناس عظیم ومن تکبر وضعہ اللہ فھو فی اعین الناس صغیرا و فی نفسہ کبیرا۔ حتّٰی لھو اھون علیھم من کلب وخنزیر۔ یعنی جو شخص خدا کے لئے عاجزی اور فروتنی اختیار کرے خدا اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے اگرچہ وہ خود کو حقیر سمجھتا ہے، لیکن لوگوں کی نظروں میں عظیم ہوتا ہے اور جو بڑائی و تکبّر اختیار کرتا ہے خدا اس کا مرتبہ گھٹا دیتا ہے۔ وہ خود کو عظیم و کبیر سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے۔ حتّٰی کہ لوگوں کی نظروں میں اس کی عزت کُتّے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوتی ہے۔

غبارِ راہ ہو کر چشمِ مردم میں محل پایا ‏ ‏ نہال خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

یاد رکھنے اور عمل کرنے کی بات یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے زمین پر اپنی رفتار، محفلوں میں گفتار اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں ایسا کردار رکھتے ہیں کہ اس میں تواضع اور عاجزی ہوتی ہے۔ بڑائی، تکبّر اور بے جا شیخی بازی کا

Marfat.com

اظہار نہیں ہوتا۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یہ جو صفت بیان فرمائی ہے۔ اپنے اردگرد، اپنے ملنے والوں میں دیکھیں کہ یہ صفت ہم میں یا ان میں واقعی پائی جاتی ہے۔ کیا ہماری خوشیوں، شادی بیاہ کے موقعوں پر، ترقیوں اور مناصب کی بلندیوں اور مال و دولت کی فراوانیوں میں ہمارا رویّہ رحمٰن کے بندوں جیسا ہوتا ہے، اگر نہیں ہوتا تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی بندگی اور حضورؐ کی پیروی جو ہم اختیار کئے ہوئے ہیں اس میں کھوٹ ہے، منافقت ہے بلکہ دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ ہم اپنی برتری، بڑائی اور شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہیں تاکہ دوسروں پر اپنی فضیلت، امارت، مناصب اور مراتب کا مظاہرہ کر سکیں۔

ہماری مثال اس جولاہے کی روایتی بیوی کی ہے کہ ہونٹوں پر دنداسہ مَلا، دانت چمکائے اور ہونٹ سرخ کرکے خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے اس حسن کی نمائش کی جائے۔ چنانچہ خاوند کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور ہونٹ لٹکا کر دانت نکال کر پوچھا۔ دال پکاؤں یا شوربہ؟ مگر سادہ دل خاوند کپڑا بُننے کی کھڈی پر سر جھکائے مصروف کار رہا اور ہر بار یہی جواب دیتا رہا کہ بی بی تیری رضا۔ بی بی تیری رضا اور سر اوپر اُٹھا کر بیوی کے ہونٹوں کی سرخی اور دانتوں کی چمک کا مظاہرہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ چہرہ فروغ مے سے گلستاں کئے ہوئے کون کھڑا ہے۔ وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے کپڑے کی بُنائی میں مصروف رہا۔ اپنے ہونٹوں کی یہ دلفریب سرخی اور دانتوں کی نظر افروز چمک کی بے قدری اُس سے برداشت نہ ہو سکی۔ نمود و نمائش کے اس مظاہرے کے جواب میں خاوند کی سرد مہری اور بے التفاتی اُس کی موت کا باعث بن گئی۔

کیا آجکل اپنی آرائش و زیبائش کے یہ تمام مظاہرے اور ان کی نمائش و آرائش، جولاہے کی اس بیوی کی ذہنی کیفیت کی غماز نہیں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جولاہے کی بیوی کا دائرہ نمائش اس کا اپنا گھر اور سادہ لوح خاوند تھا اور آج اس کے اظہار کے سلسلے سوشل تقاریب، شادی بیاہ کے ہنگاموں، بازاروں، کلبوں اور پارکوں تک پھیل گئے ہیں کہ گھر کے جنگل اور اپنے افرادِ خانہ کے محدود دائروں میں مور اگر ناچے بھی تو کون دیکھے گا، کون داد دے گا اور کون پسندیدگی اور مرعوبیت کا شکار ہوگا۔

اسی سے ملتی جلتی دوسری مثال بھی اتفاق سے جولاہے کی بیوی کے متعلق ہے جو ہماری مقامی روایات میں مشہور ہے کہ جس نے انگلی میں انگوٹھی پہنی تھی اور چاہا کہ اس کی نمائش ہو جائے۔ جولاہے کی یہ بیوی ذرا پہلی بیوی سے زیادہ سوشل اور ایڈوانس تھی۔ اُس نے انگوٹھی کی نمائش کے لئے جدید انداز اختیار کیا۔ اپنے محلّے کی عورتوں کو کھانے پر بلایا۔ عورتیں تو سب ہی اس قسم کی تقریبات کی متلاشی ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر دوسروں کے ہاں، دوسروں کے خرچ پر اپنی اپنی نمائش کا قیمتی موقعہ میسر آتا ہے۔ چنانچہ جولاہے کی بیوی کی دعوت پر بھی سب عورتیں شریک ہوئیں۔ اب انگوٹھی کی نمائش کا یہ انداز اختیار کیا گیا کہ وہ انگوٹھی والی انگلی کو سب کے سامنے گھماتی ہوئی انہیں قطار در قطار بیٹھنے کی ہدایت دیتی رہی۔ جس سے سب کی نظریں انگوٹھی والی انگلی کی طرف اُٹھ جاتیں اور انگوٹھی کی خوب تشہیر و نمائش ہوتی رہی۔

جولاہوں کی ان دو بیویوں کی مزاجی کیفیت، قلبی حالت اور ذہنی سوچ اس حد تک تو مناسب ہے کہ ایک نے اپنی ہونٹوں اور دانتوں کی نمائش اپنے خاوند کے سامنے اور دوسری کی انگوٹھی کا دائرہ نمائش زیادہ سے زیادہ محلّے

کی عورتوں تک محدود تھا، مگر آج کی مہذّب سوسائٹی کی مہذب عورتیں اپنے مصنوعی حسن، اپنے ملبوسات و زیورات، اپنی امارت اور شوہروں کے مراتب کی نمائش کے لئے محلے کی محدود خالص عورتوں کی محفلوں میں تسکین نہیں پاتیں بلکہ ان کا حلقۂ نمائش اور دائرہ اظہار بہت وسیع اور بہت پھیلا ہوا ہے۔ مخلوط تعلیمی اداروں سے لے کر مخلوط روزگار کے اداروں تک۔ بازاروں سے لے کر سوشل تقاریب تک اور پارکوں سے لے کر کلبوں تک بلکہ زندگی کے تمام دائروں اور شعبوں تک پھیلا ہوا ہے، جہاں دعوتِ نظارہ دیتی پھرتی ہیں اور زبانی طور پر یہی مگر مطلب تو یہی ہوتا ہے کہ دال پکاؤں یا شوربہ۔ فرق صرف یہ ہے کہ جولاہے کی وہ بیوی اپنی لطافت کی داد نہ پا کر مرجھا گئی اور یہاں دعوتِ نظارہ کے جواب میں بھی نہ صرف داد ملتی ہے بلکہ لطف اندوزی کے مراحل بھی آتے ہیں۔

قرآن کریم میں اسی جذبۂ نمائش کے خیال سے انہیں اس قسم کی چال سے منع کیا گیا ہے: ولا یضربن بارجلهنّ لیعلم ما یخفین من زینتهنّ۔ اُچھل کود اور مست خرامی سے بچو۔ پاؤں مار مار کر نہ چلو تاکہ عورتوں کی جو زینت جسے چھپانا مقصود ہے وہ اس رفتار سے نمایاں ہو جائے۔ اُچھل کود مست خرامی بالخصوص عورتوں کے معاملے میں جہاں غرور اور تکبّر کا اظہار ہے۔ وہاں بے وقار اور غیر سنجیدہ قسم کی رفتار بھی ہے جس سے غیر ضروری چلبلاپن، کھلنڈرا پن اور خواہ مخواہ اپنی طرف متوجہ کرنے کا شعوری انداز معلوم ہوتا ہے۔ اس سے زیور کی جھنکار بھی سنائی دیتی ہے۔ اعضاء کی حرکت چھپی نہیں رہ سکتی جو دیکھنے والے کو متوجہ کرتی ہے دلوں میں غلط خیال اور بُرے تصوّرات پرورش پاتے ہیں۔ رفتار میں عورتوں کی یہ شوخی، تیزی، طراری اور "گُدگُڑے" مارنے کی عادت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس رفتار سے جانے والی جسم و زینت کی نمائش کا چلتا پھرتا شوکیس ہے اور وہ مال کی نمائش کر کے اس کی فروختگی کا بھی ارادہ رکھتی ہے۔

اسلام صرف اس چال پہ پابندی نہیں لگاتا جس سے غرور و تکبّر اور شوقِ نمائش کی تسکین ہو بلکہ انسانی زندگی کو اس پورے چلن سے روکتا ہے اور اس ذہنی و قلبی کیفیت کی اصلاح چاہتا ہے جس کے تحت انسان دکھاوے، نمود و نمائش کے مختلف انداز پہ مجبور ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو آج کا پورا معاشرہ اپنی نمائش اور اشتہاری مظاہروں کے باعث جولاہوں کی بیویاں بنا ہوا ہے، مگر آج کے جولاہے جولاہوں سے بڑھ کر جولاہے ہونے کے باوجود سوسائٹی میں مہذّب، شائستہ اور عزت مآب ہوتے ہیں۔ کسی شاعر نے موجودہ سوسائٹی کے اس نمائشی روّیہ پہ کتنی بھرپور اور مناسب طنز کی ہے۔

گزارش ہے مجھے منظور احوالِ حقیقت کی
جولاہوں نے اگر ایسا کیا تھا تو حماقت کی

مگر طرزِ عمل اپنا نمائش زیب و زینت کی
دلیل اس دورِ حاضر میں بنی کیونکر فراست کی

وہاں تو اک نمائش بن گئی باعث حقارت کی
یہاں شائستگی ٹھہری ہوئی جزاک ثقافت کی

ہماری اشتہاری زندگی کی ایک اک حرکت
سعی ہے داد پانے کی تو کوشش ہے جتانے کی

Marfat.com

جولاہا دَورِ سابق کا علامت تھا سماجت کی
مگر اب ہستی عزتِ مآب اپنے زمانے کی

جدید سوسائٹی کے نمائشی چلن کا ایک اور لطیفہ بھی سن لیجئے۔ کہتے ہیں کہ کسی بڑے افسر اور اس سوسائٹی کی اعلیٰ شخصیت کی بیوی نے خاوند سے فرمائش کی کہ میرے لئے سرید جوڑے اور ان کے مناسب زیورات کے سیٹ لا دیجئے۔ وہ افسر اور شخصیت اگرچہ بالائی آمدن اور کالے دھن کی فراوانی کے باعث اس قسم کی فرمائشوں کو پورا کرتے رہے اور مزید مطالبات کو بھی پورا کرنے کی توفیق رکھتے تھے مگر تا کجے؟ اس نے خاتون محترمہ سے پوچھا۔ کیوں پہلے کے بیشمار جوڑے اور زیورات تھوڑے ہیں؟ بیوی نے کہا۔ وہ تو ہمارے ملنے والوں نے دیکھ لئے ہیں اب بار بار انہیں پہن کر نکلوں گی تو ناک کٹ جائے گی۔ شرمندگی اور ندامت ہوگی۔ خاوند نے کہا۔ اچھا کیوں نہ ایسا کریں کہ نئے ملبوسات اور زیورات خریدنے کی بجائے اپنے ملنے والوں کو بدل دیں۔ بیوی نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ خاوند نے کہا کسی دوسرے شہر چلے جاتے ہیں تاکہ پرانے ملبوسات اور زیورات کو دیکھنے والے نئے مل جائیں ـــــ اب تو اونچی سوسائٹی اور نت نئے فیشن کے اظہار کی اس دنیا میں سادگی، عاجزی اور انکساری ذلت و رسوائی کا موجب سمجھی جاتی ہے اور یہ بات عام ہوتی جا رہی ہے کہ لوگ ہر مہینے نہیں تو ہر ماہ ضرور یا کم از کم چند ماہ تک اپنے ڈرائینگ روم کا آسائشی و آرائشی سامان نیلام گھروں میں بھیج کر نئے سے نئے سامان لاتے ہیں۔ گاڑیوں کے ماڈل بدلتے ہیں بلکہ کوٹھیوں کے پرانے نقشے بدل دیئے جاتے ہیں۔ کوٹھیوں کے لئے ڈیزائن بنوائے جاتے ہیں۔ اب اندازہ لگائیں کہ نفس کی یہ کیفیت جو چال میں اکڑ کر چلنے پر مجبور کرتی ہے، زندگی کے سارے باقی چلن میں بھی اپنا اظہار چاہتی ہے جس نے ہماری زندگیوں میں نمائش، مسابقت اور اظہار تفوق کی دوڑ پیدا کر دی ہے۔ جس میں آگے بڑھنے اور نکلنے کے لئے نفس کے گھوڑے سرپٹ دوڑ رہے ہیں جس سے بچنے کے لئے خداوند تعالیٰ نے اس چھوٹے سے جملے میں ہمارے لئے کتنی حکمت اور دانائی سے بھرپور نصیحت فرما دی ہے کہ خدا کے بندے زمین پہ نرم رو اور آہستہ خرام ہوتے ہیں جس سے اُن کے دلوں اور مزاج کی انکساری و عاجزی ظاہر ہوتی ہے۔ خدا کے نیک بندے اور برگزیدہ ہستیاں تو آہستہ خرامی کی اجازت بھی نہیں دیتیں۔

ع آہستہ خرام بلکہ مخرام زیر قدمت ہزار جان است

آہستہ چلو بلکہ چلو ہی نہیں کیونکہ تمہارے قدموں کے نیچے ہزاروں جانوں کی پامالی کا اندیشہ ہے۔

؎ چھوڑ کر اپنی تعلّی کر تواضع اختیار
مرتبہ مسجد کے مینارے کا ہے کم محراب سے

حضرت ربیعؒ نے اپنے بیٹے کو غرور کی چال چلتے دیکھا تو فرمایا۔ تجھے خبر ہے تو کون ہے۔ تیری ماں کو دو سو درہم میں مول لیا تھا اور میں تمام مسلمانوں سے بدتر ہوں، پھر تُو کیوں اتراتا ہے ـــ یحییٰ بن ہبیرہ عباسی دَور کا وزیر اعظم تھا۔ اپنی لیاقت، اولوالعزمی اور انتظامی صلاحیتوں کے باعث ممتاز اور شاہانِ عباسیہ کی نظروں میں محترم تھا۔ وہ ان دنوں عباسی حکمرانوں مقتفی اور مستنجد کا معتمد خاص تھا اور سپہ سالار اعلیٰ بھی سلجوقیوں کا زور اسی نے توڑا تھا۔ وہ ایک غریب کسان کے گھر پیدا ہوا۔ ایک دن دربار میں عمائدین سلطنت کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ دربان نے اطلاع دی کہ ایک کسان

Marfat.com

آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ دربان نے کہا۔ ہم نے بہتیرا ٹالنے کی کوشش کی مگر کسان کا اصرار ہے کہ آپ اسے جانتے ہیں۔ یحییٰ نے کہا۔ بلاؤ۔ وہ حاضر ہوا تو پاس بٹھا کر حال دریافت فرمایا۔ اُس نے کہا۔ ایک کام سے بغداد آیا تھا۔ لڑکیوں کی ماں نے کہا تھا کہ آپ کو سلام کر لوں اور یہ روٹیاں آپ کے لئے پکا کر دی ہیں۔ کسان نے چادر سے جَو کی روٹیاں جن پر چٹنی لگی ہوئی تھی، پیش کیں۔ وزیراعظم یحییٰ نے دو روٹیاں خود لیں اور باقی حاضرین میں تقسیم کر دیں۔ عمائدین کو بتایا کہ یہ میرا پڑوسی تھا اور ہم کاشتکاری میں بھی شریک تھے۔ یہ بڑا ہمدرد، زبان کا سچا اور وعدے کا پکا آدمی ہے۔ یحییٰ ابن ہبیرہ نے اس سے حالات پوچھے محبت سے پیش آیا اور اسے خوش خوش رخصت کر دیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ وزارت عہدہ نہیں بلکہ خدمت کا ایک نشان ہے۔ وہ دُجیل کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ والد کاشتکار تھے۔ والد نے اسے تعلیم دلائی اور بغداد بھیج کر نصیحت کی کہ بڑے لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کرو اس سے آدمی کی نظر اونچی ہوتی ہے اور خیالات میں بہتری اور شائستگی آتی ہے۔ باپ کی وفات کے بعد اُس نے ہر مصیبت برداشت کی۔ ناداری و محتاجی بھی دیکھی، مگر محنت سے ہر تکلیف کا مقابلہ کیا اس میں حد درجہ دیانتداری اور خدا خوفی تھی۔ اس کے علم و مطالعہ نے اسے نرم مزاج اور منکسر المزاج بنا دیا۔

وزیر بن کر جب پہلی دفعہ دفتر آیا۔ دیکھا کہ ایک چپڑاسی دُوسروں سے دُور کھڑا تھر تھر کانپ رہا ہے۔ اُسے اپنے پاس بلایا اور جیب سے انعام دے کر پیٹھ تھپکی اور کہا جاؤ اطمینان سے اپنا کام کرو۔ پھر حاضرین سے کہا۔ جب میں اس دفتر میں ایک وزیر سے ملنے آیا تھا تو اس چپڑاسی نے ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکال دیا تھا اور بہت ذلیل کیا تھا، کیونکہ میں اس وقت محتاج تھا۔ میں نے اسے پاس بُلا کر اس کی تسلّی کر دی۔ یحییٰ ابن ہبیرہ وزیراعظم تھا، دورِ عباسی کا دبدبے والا شخص تھا۔ ایک لاکھ اشرفی اس کی سالانہ تنخواہ تھی۔ سخی اتنا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی نوبت نہ آتی۔ وہ کہا کرتا کہ آدمی کا مال زکوٰۃ کی ادائیگی کی حد تک جمع ہو جائے تو یہ بخیلی اور کنجوسی ہے۔ یحییٰ ابن ہبیرہ جیسے با اختیار اور بلند مرتبہ وزیراعظم کے ان دونوں واقعات کے بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اتنے بڑے عہدے کے باوجود اسے اپنی پہلی حیثیت یاد تھی۔ اپنے غریب پڑوسی کو نہ صرف بلایا اس کے حالات دریافت کئے، اُس کی تعریف سب کے سامنے کی اور اس کے گھر کی سادہ جَو کی روٹی کو رغبت اور مسرت سے قبول کیا اور اسے نہایت محبت اور خوشی سے رخصت کیا۔ یہ چیز کسی کے نرم رویہ، انکساری اور عاجزی کو ظاہر کرتی ہے جبکہ آج کی تہذیب کے پروردہ اور مادر پدر آزاد تعلیم یافتہ، اگر دیسی وضع قطع کا والد بھی ان کے پاس چلا جائے تو وہ اسے اپنا گھریلو ملازم یا شہر کا نائی بتائیں گے تاکہ پانچویں گریڈ یا زیادہ سے زیادہ ساتویں گریڈ کے بابو صاحب کے اس سادہ لوح والد صاحب کو دیکھ کر دوسرے بابو جو اسی ذہنی سطح اور مزاج کے حامل ہوتے ہیں، اس کا مذاق نہ اُڑائیں۔ پھر چپڑاسی غریب پر اپنے مرتبے کا رُعب جھاڑ کر اسے ہراساں نہ کیا نہ انتقاماً اور طنزاً کوئی ایسی بات کی جو اُس کی پریشانی کا سبب ہوتی۔ عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً کا یہی مطلب ہے کہ رحمٰن کے بندوں کی چال ڈھال اور چلن میں نرمی، منکسر المزاجی، آہستہ خرامی اور آہستہ گامی ہوتی ہے۔ ان میں تکبر و غرور نہیں ہوتا۔ ان کی رفتار کے پیچھے شرافت، نجابت، دیانت، امانت، متانت و استقامت ہوتی ہے جو سیرت و کردار کی اعلیٰ و ارفع صفات ہوتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہمیں ایسی پسندیدہ صفات کا حامل بنائے تاکہ ہم اللہ کے محبوب بندوں میں شامل ہو جائیں۔ آمین یا اللہ العالمین ۰

Marfat.com

ایثار، ہمدردی اور قربانی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ سورۂ حشر	انصار کا ایثار ۔ بھائی چارہ قائم کرنا
۲	الشح کی تشریح	اپنی ضرورت ہوتے ہوئے دوسرے کی ضرورت مقدم جاننا ۔
۳	ایثار کی معاشرتی ضرورت	ہمارا معاشرہ عدم ایثار کے باعث جنگلی جانوروں کا معاشرہ ہے ۔ انسان کا مادہ باہمی محبت کرنا ۔
۴	شان نزول	حضرت ابوطلحہ انصاری رضؓ کا واقعہ ۔ ابوجہم بن حذیفہ
۵	واقعات وامثال	مرہ کے عیسائی حاکم کا مسلمانوں کو سزا دینا ۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ ۔
۶	تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	ایثار کی تلقین وتعلیم پر مشتمل احادیث معمولی خدمت گزاری بھی ذریعہ نجات ہوگی ۔
۷	ایثار کی چند مثالیں	سورۂ الماعون ۔ استعمال کی اشیاء کا تبادلہ ۔ موسیٰ بن مہران کو سوئی واپس نہ کرنے کی سزا ۔ ابوعبداللہ درزی کا ایثار ۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ کا واقعہ ۔ حضرت محمد بن سیرینؒ کا واقعہ ۔

Marfat.com

ایثار، ہمدردی و قربانی

آیت معہ ترجمہ

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (الحشر: ۹)

ترجمہ: ان لوگوں کے لئے بھی جو مہاجرین سے پہلے دارالہجرت میں مقیم تھے۔ مال غنیمت میں حصہ ہے۔ یہ لوگ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا جاتا ہے ان کے دلوں میں ذرا بھر بھی حاجت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ وہ کتنے ہی محتاج کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ بامراد اور فلاح پانے والے ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نفس کی کنجوسی، بخیلی اور تنگی سے بچاتا ہے۔

تفسیر و تشریح

یہ آیت قرآن کریم کے اٹھائیسویں پارہ میں واقع سورۂ حشر سے تعلق رکھتی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کی تعریف فرمائی اور اُن کے جذبۂ ایثار و ہمدردی کی قدردانی فرمائی ہے جو اُنہوں نے مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے بھائیوں کے سلسلہ میں کی تھیں۔ مکّہ معظمہ میں جب مسلمانوں پر کفار مکّہ نے عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ دین کی اشاعت میں طرح طرح کے روڑے اٹکانے لگے اور اسلام قبول کرنے والوں پر طرح طرح کی سختیاں کر کے ان کے دلوں میں دہشت اور خوف بٹھا کر انہیں دین سے برگشتہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا، جہاں مقامی مسلمانوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

آیات کا پس منظر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکّہ سے مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو اُنہوں نے سب سے پہلے جو حکیمانہ اور مدبّرانہ قدم اُٹھایا وہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے خونی رشتوں کی جدائی کے غم کا مداوا اور تسکین کا سامان فراہم کرنا تھا۔ آپؐ نے انصار مدینہ اور مہاجرین مکّہ کے درمیان بھائی چارے اور اخوّت کے رشتے قائم کئے۔ ہر مہاجر کا اس کے سماجی اور قومی مقام و مرتبہ کے مطابق انصار میں سے اسی مرتبے کے افراد سے رشتۂ اخوّت قائم کیا تاکہ انہیں اپنے خونی رشتوں کی جدائی یہاں بے سرو سامانی اور اکیلے پن کا احساس نہ دلادے۔

بھائی چارے کی فضا

اسلامی معاشرے کی یہ پہلی خیر و برکت تھی جس سے مسلمانوں کو مسلمانوں کا بھائی بھائی بننے کی عملی مثال قائم ہوئی۔ بھائی چارے کی فضا قائم ہوئی۔ باہمی محبت، اخوّت، ایثار و قربانی کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ دینی برادری کے ان رشتوں نے مہاجرین بھائیوں کے حق میں ایثار و قربانی کی ایسی ایسی مثالیں

Marfat.com

قائم کیں جن کی مثالیں سگے خونی رشتوں اور کسی دوسرے معاشرے میں ملنا محال ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ ایک انصاری بھائی نے اپنے مہاجر بھائیوں کو سگے بھائیوں کی طرح گھر میں رکھا۔ گھر کے اثاثے، زرعی زمینیں، باغات، تجارتی سامان تک بھی آپس میں تقسیم کر دیا بلکہ اس حد تک کہ غیر شادی مہاجر بھائی کو دو بیویوں والے انصار بھائیوں نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دے کر ان کے نکاح میں لانے کی پیش کش کر دی۔ ان آیات میں انصار کے اسی جذبۂ ایثار و ہمدردی کی تعریف فرمائی گئی ہے کہ حضورؐ کی طرف سے انہیں مال غنیمت میں سے جو کچھ ملتا ہے اس کی نہ ان کے دلوں میں خواہش ہوتی ہے نہ لالچ بلکہ وہ اپنی طرف سے اس قدر ایثار پیشہ لوگ ہیں کہ اپنی ضرورتوں اور احتیاج کے باوجود مہاجروں پر خرچ کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ تنگدلی، تنگدستی اور کنجوسی سے بچا لیتا ہے وہی لوگ دنیا و آخرت میں بامراد کامیاب ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سخاوت اور ایثار خدا کی طرف سے عطیہ ہے اور انعام خداوندی ہے اور جنہیں یہ خوبی عطا کی ہوتی ہے وہ لوگ دنیا و آخرت میں کبھی بھی ناکام و نامراد نہیں ہوتے۔

انصار کا ایثار

مکّہ کے مہاجرین اور دوسرے علاقوں سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے مسلمان جب مدینہ تشریف لے آئے تو ظاہر بات ہے کہ ملک چھوڑنے کی حالت با مر مجبوری اختیار کی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں عام آدمی اور بالخصوص قرونِ اولیٰ کے مسلمان تو ایمان کی پختگی، حضورؐ سے بے پناہ محبت اور خدا پر کامل بھروسے کی وجہ سے سامان اور کاروبار کا ذکر ہی کیا اپنی غیر مسلم بیویاں اور رشتوں کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ جب وہ خالی ہاتھ تن پر صرف ایک جوڑا کپڑوں کے ساتھ مدینہ پہنچے تو اسلام کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کے روزگار اور رہائش کے مسائل پیدا ہو گئے۔ چنانچہ مدینہ کے انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر پیشکش کی کہ ہمارے باغات، نخلستان، زرعی اراضی، گھر کے اثاثے حاضر ہیں۔ آپؐ کو انہیں ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا اختیار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ مکّہ سے آنے والے مہاجرین کھیتی باڑی کے کام سے نابلد ہیں۔ وہ غیر زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ یہ کیسے زمینوں پر کام کریں گے۔ البتہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کھیتی باڑی آپ حسب سابق کریں البتہ اس کی پیداوار میں آپ انہیں شریک کریں۔ انصار نے بیک زبان فرمایا۔ سمعنا و اطعنا۔ ہم نے آپؐ کا حکم سنا ہم اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ انصار کا یہ جذبۂ ایثار و قربانی دیکھ کر مہاجرین حیران رہ گئے اور کہا۔ ہم نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جو اس قدر ایثار پیشہ ہوں کہ کھیتوں، باغوں کے مالک بھی یہ ہوں۔ اُن میں محنت و مشقت بھی یہ کریں اور ہمیں بیٹھے بٹھائے پیداوار میں شریک کریں۔ یہ لوگ تو اس ایثار و قربانی کے بدلے خدا کی خوشنودی اور اس کا سارا ثواب یہ لُوٹ لیں گے اور ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر کیا کمائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ آپ انصار کے حق میں دعا کریں گے، اُن کا احسان مانیں گے اور ان کی قدر کریں گے تو آپ کو بھی اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔

۲۔ بنو نضیر

جب مدینہ کے قریب بنو نضیر یہودیوں کا علاقہ فتح ہوا تو حضورؐ نے انصار سے فرمایا کہ مہاجرین کی آبادکاری اور معاشی کفالت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ تمہاری زرعی اراضی، باغات اور بنو نضیر کی چھوڑی ہوئی زمینیں، باغات وغیرہ کو ملا کر اشتمال اراضی کیا جائے اور پھر اسے انصار اور مہاجروں

Marfat.com

میں برابر تقسیم کیا جائے یا دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اپنی اراضی و باغات حسبِ سابق تصرّف کریں اور بنو نضیر کی مفتوحہ و متروکہ جائیداد صرف مہاجروں کو دے دی جائے۔ انصار نے متفقہ طور پر بڑے خلوص سے کہا کہ یا رسول اللہؐ یہودیوں کی جائیداد بھی ہمارے بھائیوں کو دے دیں اور ہماری زمینوں میں سے بھی جتنی چاہیں انہیں دے دیں۔ انصارؓ کا یہ خلوص اور قربانی دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ پکار اُٹھے۔ جزاکم اللہ یا معشر الانصار خیراً۔ اے انصار اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اس پر یہودیوں کی متروکہ املاک و اموال مہاجروں میں تقسیم ہوئے۔ البتہ انصار میں سے حضرت سہیل بن حنیفؓ اور حضرت حارث بن الصمہؓ کو اس میں سے حصّہ دیا گیا کہ یہ حضرات بہت غریب تھے۔

بحرین کی اراضی کا ایثار

اسی قسم کے جذبۂ ہمدردی اور ایثار کا ثبوت انصارؓ نے اس وقت دیا جب بحرین کا علاقہ فتح ہو کر اسلامی حکومت میں شامل ہوا تو حضورؐ چاہتے تھے کہ اس علاقہ کی اراضی انصارؓ کو دے دی جائے۔ مگر انہوں نے با اصرار کہا کہ جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو ہمارے برابر حصّہ نہ دیا جائے گا ہم کوئی حصّہ نہ لیں گے۔ انصارؓ کا یہی جذبۂ ہمدردی و قربانی تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کی تعریف فرمائی۔ ان آیات میں مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ کے الفاظ بجائے خود حکمت کے موتی ہیں۔ من کے معنی ہیں کہ جسے "دل کی تنگی اور کنجوسی سے بچا لیا گیا"۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو دل کی تنگی اور کنجوسی سے بچ گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی خوبی یا اخلاقی صفت انسان میں پیدا ہو سکتی ہے یا از خود پیدا کی جا سکتی ہے۔ دل کی تونگری، سخاوت اور ہاتھ کی کشادگی وہ نعمت ہے جو خدا کے خاص فضل اور مہربانی کے بغیر کسی میں پیدا نہیں ہو سکتی۔

شُحّ کی تشریح

شُحّ کے لفظ کا ترجمہ اُردو میں بخیلی، کنجوسی بلکہ مکھی چوسی کے ہم معنی ہے۔ جب شُحّ نفسی کہا جائے تو تنگدلی، تنگ نظری اور تنگ ظرفی کے معنی دیتا ہے۔ ایسا شخص کسی کے ساتھ خود بھی ہمدردی، سخاوت اور بہتر برتاؤ نہیں کرتا اور اگر کوئی اور کرے تو اسے بھی برداشت نہ کرے۔ تنگدل، تنگ ظرف اور مکھی چوس لوگ اپنے آس پاس کسی بھی سخی، ہمدرد، ایثار پیشہ آدمی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایسے آدمی کا وجود ان کی کنجوسی، بخیلی اور مکھی چوسی کا پول کھول کر مقابلے میں اُن کی ذلّت یا شکست کا سبب بن جاتا ہے۔ سخی اور فیاض آدمی کے مقابلے میں ان کا چراغ نہیں جلتا۔ معاشرے میں وہ مقام اور عزّت جب نہیں ملتی تو ایسے تمام مکھی چوس مل کر حسد اور بُغض سے کام لیتے ہیں۔ اسے بدنام کرتے ہیں۔ پروپیگنڈا اور بہتان تراشی سے کام لے کر اپنی عزّت بنانے کی کوشش کرتے ہیں یا اس کی سخاوت اور نیانی کے پیچھے شکوک و شبہات سے کام لے کر اغراض وابستہ کرتے ہیں اور پھر ایسے کنجوس اور بخیل افراد اپنے حق پر شاکر نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کے حقوق بھی مارتے ہیں۔ کنجوس آدمی کے دل میں مال و دولت کی حرص ہوتی ہے۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کے پاس جو کچھ ہے انہیں مل جائے اور اُن کے پاس کچھ نہ رہے۔

ہمارا روّیہ کیسا ہے

آج ہمارے معاشرے کی سب سے بڑی برائی یہی ہے۔ مہاجرین خواہ افغانستان کے ہوں یا کشمیر، فلسطین، بوسنیا کے ہوں یا بنگال میں گھرے ہوئے پاکستان کے حق میں لڑنے والے ہندوستانی ہوں، ان کے بارے میں ہمارا کیا روّیہ ہے یا ہماری حکومتوں کا کیا سلوک ہے؟ خود اپنے

سگے رشتہ داروں کے ساتھ ہمارا روّیہ، انسانی ہمدردی یا بھائی چارے اور برادری کا نہیں ہے۔ جائیدادوں کے تنازعے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ دوسروں کو دینے کی بجائے ان سے اُن کا حق چھینا جا رہا ہے۔ رہزنی، ڈاکہ زنی اور ہر قسم کی بددیانتی اسی ذہنیت کی پیداوار ہیں ؎

گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں آدمی کرتا ہے اکثر آدمی کا یوں شکار (جوشؔ ملیح آبادی)

ایثار کی معاشرتی ضرورت

انسان متمدن اور معاشرتی وسماجی مخلوق ہے۔ ایک دوسرے کے بغیر ہمارا نظام نہیں چل سکتا۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہوئے باہمی ایثار، محبت وقربانی اور حُسنِ سلوک کا ہونا ضروری ہے۔ اپنے بھائیوں اور دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور ایثار ہی ہماری دشمنیوں اور مقدمہ بازیوں سے ہمیں بچا سکتا ہے۔ انگریزی ادب کے مشہور دانشور برنارڈ شاہ کا مقولہ ہے کہ انسان شیر کو مارنے کے لئے جنگل جاتا ہے تو اسے شکار کھیلنا کہتے ہیں، مگر جب شیر انسان پر حملہ کرتا ہے تو اسے درندگی کہا جاتا ہے، لیکن خود انسان جب انسانوں کا شکار کرے تو اسے کیا کہا جائے گا۔ خونخوار شیر کسی دوسرے شیر کو نہیں کھاتا۔ باز اور شکرے بھی اپنے اپنے ہمجنسوں پر حملہ نہیں کرتے، مگر یہ شرف صرف اشرف المخلوقات انسان کو حاصل ہے یا جانوروں میں سے صرف کُتوں کو، وہ اپنے ہی ہمجنسوں کا خون بہاتے اور ان سے لڑتے ہیں۔ جارج ہیرن نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے کہ درختوں کی شاخوں پر آزادی سے بیٹھے ہوئے بندروں نے نیچے زمین پر انسانوں میں قتل وخونریزی کا بازار گرم دیکھا تو بے اختیار اُن کے منہ سے نکلا شکر ہے کہ ہم ارتقاء سے بچ گئے۔

انسانوں کی جان لینے والا قاتل اور ڈاکو کہلاتا ہے۔ اسے سزا ملتی ہے۔ لیکن لاکھوں انسانوں کا بے دریغ خون بہانے والا درندہ خصلت انسان فاتح اور جرنیل کہلاتا ہے۔ چور اور ڈاکو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جیلوں میں سڑتے ہیں، مگر بڑے ڈاکو جرنیل اور فاتح کو قومی اعزازات اور بہادری کے تمغات سے نوازا جاتا ہے۔ دنیا کے چند دانشوروں کے ان فرمودات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں نے اپنی خداداد عقل وشعور کی بدولت اپنی درندگی اور دوسرے انسانوں پر ظلم و زیادتی، سفّاکی، وحشت و بربریت کو کتنے خوبصورت نام اور کتنا پیارا جواز پیدا کیا ہے۔

انسان کا مادہ اُنس سے نکلا ہے جس کے معنی مانوس ہو جانا اور یہ اُنس باہمی پیار ومحبت اور ایثار کے جذبہ سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ ہم گز بھر زمین یا معمولی سے تنازعے میں انسانیت کھو کر اپنے اوپر شیطانیت کا بھُوت سوار کر لیتے ہیں تو نتیجہ میں اپنے بھائی، پڑوسی اور اپنے جیسے انسان کا گلا کاٹتے ہیں۔ ایک موقعہ پہ ہلاک ہو جاتا ہے تو دوسرا مقدمہ بازی میں دولت اور عمر گنوا بیٹھتا ہے اور زمین کا وہی ٹکڑا ان کا منہ چڑاتا ہے بلکہ مقدمہ بازی میں وہ بک جاتا ہے۔ کوئی اور اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ آج ساری دنیا میں فساد وقتال اور جدال اسی عدمِ ایثار کا نتیجہ ہے۔ حضور ؐ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ "شُح" سے بچو۔ اسی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان اور "شُح" نفس ایک جگہ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (سنن نسائی)

Marfat.com

صحابہ کرامؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ کے ادوار تک، اس کے بعد آج تک بھی بحیثیت مجموعی مسلمانوں میں ایثار و قربانی فیاضی و دریا دلی، بھائی چارے، باہمی حسنِ سلوک کی ایمان افروز مثالیں ملتی ہیں جو اسلامی تعلیمات و عبادات کا نتیجہ ہیں۔

۱۔ شانِ نزول - ابو طلحہ انصاریؓ کی مثال

حضرت جریر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ اللہ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے انسانوں کے لئے رحم نہیں اور ان پر ترس نہیں کھاتا۔ (معارف الحدیث) دوسروں کو آرام پہنچانے کی خاطر خود بے آرام ہونا۔ اپنا دکھ بھول کر دوسروں کے دکھ دور کرنا، خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود پیاسا رہ کر دوسروں کو پلانا غرض اپنی ہر ضرورت اور خواہش کو دوسروں کی ضرورت و خواہش کے لئے ترک کر دینا ہی عمل ایثار و قربانی کہلاتا ہے۔ ہماری اس تمام بحث کا موضوع جن آیات کو بنایا گیا ہے اُن کے متعلق بخاری شریف میں یہ واقعہ درج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں سخت بھوکا اور حاجت مند ہوں۔ مجھے کچھ کھلا دیجئے۔ سردارِ دو جہاںؐ کے پاس اس وقت کچھ بھی موجود نہ تھا۔ مجلس رسالت میں موجود صحابہؓ سے فرمایا۔ اسے مہمان بنا لو۔ ابو طلحہ انصاریؓ نے اس وقت حامی بھر لی۔ اسے گھر لے گئے۔ ان کے گھر بھی اتفاق سے جو خوراک موجود تھی وہ صرف بچوں کے لئے ہو سکتی تھی۔ بیوی سے فرمایا۔ یہ شخص حضورؐ کا بھیجا ہوا مہمان ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دیتے ہیں اور یہ کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیں گے۔ مگر اس سے پہلے تم کسی حیلے سے چراغ بجھا دو تاکہ اسے اندھیرے میں کھانے کی مقدار کا اندازہ نہ ہو سکے اور دوسرا میں یونہی منہ چلاؤں گا کہ اسے اندازہ ہو جائے کہ میں بھی کھا رہا ہوں مگر کھاؤں گا نہیں تاکہ یہ کھانا اس کے لئے کافی ہو سکے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مہمان کو یہ سمجھنے نہ دیا کہ اہلِ خانہ اور بچے اس کی خاطر بھوکے رہ گئے ہیں۔ صبح ابو طلحہ انصاریؓ حضورؐ کے ہاں تشریف لائے تو حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا۔ رات کو تم نے مہمان نوازی کے لئے جس حیلے سے کام لیا ہے خدا وند تعالیٰ اس پر بڑے خوش ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ویؤثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ (الحشر) وہ اپنے نفسوں پر ایثار کر کے دوسروں کی ضرورت پوری کرتے ہیں حالانکہ وہ خود حاجتمند ہوتے ہیں۔

۲۔ ابو جہم بن حذیفہؓ جنگ یرموک

اسلامی تہذیب و تاریخ میں ایثار و قربانی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مسلمان جو ایک دوسرے کے ساتھ نظریاتی رشتۂ اخوت میں منسلک ہیں۔ انہوں نے عین ایسی حالت میں بھی، جب ان کی جان لبوں پر تھی اور انہیں پانی کے چند قطرے سکون کی موت سے ہمکنار کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسی جان کنی کی حالت میں بھی دوسرے بھائیوں کو ترجیح دی اور بے مثال قربانی کا مظاہرہ کیا۔ جنگ یرموک میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید اور زخمی ہوئی۔ ابن کثیر اور دُرِّ منثور نے یہ بے مثال واقعہ لکھا ہے کہ ابو جہم بن حذیفہؓ انہی زخمیوں اور شہداء میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کرنے نکلے۔ احتیاطاً پانی

Marfat.com

کا مشکیزہ ساتھ لے گئے کہ اگر زخمی ہوں تو پانی پلایا جائے۔ انہیں زخمیوں کے درمیان اپنا بھائی ایسی حالت میں ملا کہ جان لبوں پر تھی۔ پانی کا پوچھا تو اشارے سے خواہش ظاہر کی۔ قریب ہی دوسرے شدید زخمی ہشام بن ابی العاص رضؓ پڑے تھے۔ انہوں نے اسی وقت پانی طلب کیا۔ ابوجہم بن حذیفہ رضؓ کے بھائی نے پہلے انہیں پانی پلانے کا اشارہ کیا۔ یہ اُن کے پاس پہنچے، ابھی پانی پلانے والے تھے کہ کہیں قریب ہی تیسرے زخمی نے پانی کے لئے فریاد کی۔ ہشام رضؓ نے خود پینے کی بجائے تیسرے زخمی کو پانی دینے کا اشارہ کیا۔ ابوجہم رضؓ اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ دم توڑ چکے تھے۔ ابوجہم رضؓ اس کے پاس سے واپس ہشام کے پاس آئے تو وہ بھی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر چکے تھے۔ آخر میں دوڑ کر اپنے چچا زاد بھائی کے قریب آئے تا کہ اُسے پانی پلا دیں، مگر وہ بھی پانی سے بے نیاز اپنے مالکِ حقیقی سے مل کر قربانی، ایثار اور دوسروں کے لئے خود کو محروم کرنے کی بے مثال قربانی کا نمونہ قائم کر گئے۔

۳۔ مرّہ۔ عیسائی حاکم مرّہ شہر میں ایک دفعہ کسی نے ایک مسجد کو آگ لگا دی۔ مسجد جل کر راکھ ہو گئی۔ مسلمانوں نے اُسے عیسائیوں کی اسلام دشمنی اور مذہبی تعصّب کا نتیجہ جان کر عیسائیوں کے ایک گرجا کو انتقام اور جوابی کاروائی کا نشانہ بنا کر آگ لگا دی۔ مرّہ کا حاکم سخت متعصّب عیسائی تھا۔ اُس نے مسجد کے واقعہ پر تو کوئی نوٹس نہ لیا، مگر گرجا کی آتشزدگی پر بھڑک اُٹھا اور شہر کے تمام مسلمانوں کو سزا دینے کا عجیب اور غیر منصفانہ طریقہ اختیار کیا۔ اُس نے اصل مجرم کی تلاش اور اُسے سزا دینے کی بجائے شہر کے تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر کے کاغذ کے پرچوں پر مختلف سزائیں درج کر کے ہر ایک مسلمان کے ہاتھ میں ایک ایک پرچہ پکڑا دیا۔ چنانچہ کسی کے ہاتھ میں کوڑے لگانے کی سزا والی پرچی تھی، کسی کو ہاتھ کاٹنے کی سزا والی پرچی ملی تو کسی کو قتل کئے جانے کی سزا والی پرچی ملی۔ قتل کی سزا پانے والے ایک نوجوان نے پرچی دیکھی تو بہت پریشان ہوا کہ اُس کی بوڑھی والدہ تھی جس کی خدمت اور زندگی کا واحد سہارا وہی نوجوان تھا جس کے قتل ہونے کے بعد اس کی والدہ کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے ساتھ قطار میں دوسرا نوجوان مسلمان کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کی پریشانی کا سبب معلوم کیا تو اپنی سزا والی پرچی جس میں کوڑے مارے جانے کی سزا درج تھی، اُسے دے کر کہا کہ میرا اس دنیا میں غم کھانے والا اور سہارا لینے والا کوئی نہیں جس کا میرے بعد مجھے غم ہو۔ تم میرا پرچہ لے لو کہ کوڑوں کی سزا پا کر بچ جاؤ گے تو اپنی بوڑھی ماں کا سہارا بنے رہو گے۔ اپنی موت کی سزا والی پرچی مجھے دے دو۔ اس نوجوان کے اس بے مثال ایثار اور اس کے لئے اس کی موت کے حکم کو خود لینے سے دوسرے ساتھی کو زندگی کی نعمت مل گئی۔

۴۔ ابراہیم نخعیؒ ایسی ہی بے مثال قربانی اور ایثار کا واقعہ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا ہے۔ یہ کوفہ کے بہت بڑے فقیہہ اور محدّث تھے۔ تابعی تھے۔ انتہائی حق گو، بے باک اور نڈر ظلم و زیادتی کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہتے۔ ایسا حق گو شخص حکمرانوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا ہے۔ چنانچہ امام ابراہیم نخعیؒ کی کڑی تنقید اور گرفت کی وجہ سے کوفہ کے حکمران نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اتفاق سے اسی شہر میں ایک دوسرے تابعی اور بزرگ ان کے ہم نام ابراہیم بن یزید تیمیؒ بھی تھے۔ سپاہی نے محض ہم نام ہونے کے جرم میں امام

Marfat.com

ابراہیم نخعیؒ کی بجائے ابراہیم بن یزیدؒ کو گرفتار کر لیا۔ حکمرانوں کے اندھے انتقام نے یہ ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ کون کس کی جگہ گرفتار ہوا ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن یزید کو خوفناک مجرموں کے احاطہ میں رکھا گیا۔ انتہائی کڑی سزاؤں کے احکامات جاری ہوئے جن سے گزرتے ہوئے ابراہیم بن یزید تیمیؒ کی حالت غیر ہو گئی۔ ان کی والدہ جیل میں ملنے آئیں تو پہچان نہ سکیں لیکن ان کے کسی عزیز یا رشتہ دار نے فریاد کی اور نہ خود ابراہیم بن یزیدؒ نے احتجاج کیا کہ مجھے ابراہیم نخعیؒ کی ہمنامی میں کیوں گرفتار کیا گیا؟ حتیٰ کہ انہی سختیوں اور اذیتوں کی تاب نہ لا کر جیل میں وفات پا گئے۔

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ جیل میں کسی نے دریافت کیا کہ پولیس تو ابراہیم نخعی کو ڈھونڈ رہی تھی آپ نے کیوں نہ کہا کہ میں وہ ابراہیم نہیں ہوں اور خود کو اس مصیبت میں ڈال دیا۔ جواب دیا۔ ہاں پولیس انہیں تلاش کر رہی تھی، مگر مجھے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ اتنے بڑے عالم دین کو یہ ظالم بیڑیوں میں جکڑ کر جیل میں ڈال دیں۔ ان کی زندگی قیمتی تھی جسے بچانے کے لئے میں نے اپنی زندگی پیش کر دی۔ جس رات انہوں نے جیل میں وفات پائی اسی رات حاکم کوفہ نے خواب دیکھا کہ اللہ کے نیک اور بہادر بندے نے وفات پائی اور وہ جنتی ہے۔ صبح حاکم نے پوچھا۔ آج رات کون وفات پا گیا تو بتایا گیا کہ ایک بے گناہ بندہ آپ کی حماقت اور غفلت کی بھینٹ چڑھ گیا۔

تعلیماتِ نبویؐ حضورؐ نے فرمایا۔ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی پریشانی دُور کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کی آخرت کی پریشانی دُور فرمائے گا۔ (۲) جو کسی کی تنگدستی میں آسانی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دونوں جہانوں میں آسانی پیدا کرے گا۔ (مسلم، ابوداؤد) (۳) حضورؐ کا ارشاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی امداد میں لگا رہتا ہے جو کسی دوسرے مسلمان بھائی کی امداد میں لگا رہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے والے قیامت کے دن بخشے جائیں گے۔ (۴) جو شخص دوسروں کی امداد و ہمدردی میں قدم اُٹھائے گا اسے ہر ہر قدم پر ستر نیکیوں کا ثواب ملے گا اور ستر گناہ بخشے جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے گا اُسے خوشی حاصل ہو گی۔ خداوند تعالیٰ اسے قیامت میں خوش کریں گے۔ نیز فرمایا۔ گناہوں کی معافی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی کے ہاں خوشی داخل کرو یعنی اس کے لئے ایسا کام کرو جس سے اُسے خوشی مل جائے۔

رہنما و اعظوں کا روّیہ ہمارے ہاں حکومتی سطح پر اور قومی رہنما، برسر منبر واعظ، علماء، شہروں قصبوں کے معززین سب اعلیٰ حکام اور اہلکار موقع بہ موقع غریبوں کے دُکھ درد کا رونا روتے ہیں۔ آہیں بھرتے ہیں۔ کمیونسٹ خیال کے ادیب اور شاعر بھی غریبوں، مزدوروں، محنت کشوں کے غم میں دُبلے ہوتے رہتے ہیں۔ اشعار لکھتے اور افسانے چھاپتے ہیں، مگر یہ سارے لوگ خود کوٹھیوں میں بستے، قالینوں پر چلتے، کاروں میں پھرتے اور جہازوں میں اُڑتے ہیں۔ سمور کے بستروں میں سونے والوں کو کسی غریب کی تنور میں گزاری ہوئی رات کی سختی کا کیا علم ہو سکتا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ اسلام میں حاجت روائی اور حاجت برآری کی بڑی اہمیت ہے۔ فرمایا کسی کی معمولی سی خدمت اور حاجت برآری بھی قیامت کے دن اس کی نجات کا سبب بن جائے گی۔

معمولی خدمت گزاری کا بدلہ

قیامت کے دن کوئی دوزخ میں بھیجے جانے والا اپنے کسی آشنا جنتی کو دیکھے گا تو اُسے اپنی معمولی سی خدمت کا حوالہ دے کر کہے گا کہ فلاں موقعہ پر آپ نے پانی مانگا تھا تو میں نے آپ کو پلایا تھا یا کوئی دوسرا دوزخی دوسرے آشنا جنتی سے کہے گا کہ آپ نے فلاں وقت مجھے کسی کام کے لئے بھیجا تھا۔ میں نے آپ کی بات مانی تھی اور وہ کام کیا تھا آج اسی خدمت کے عوض ہمیں دوزخ سے نجات دلانے کی سفارش کریں تو وہ جنتی لوگ اتنی معمولی معمولی خدمات پر اُن کی سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ دوسروں کے کام آنے کی ان معمولی نوعیت کی خدمات کے بدلے میں ان جنتی ساتھیوں کی سفارش مان لیں گے اور دوزخ سے نجات دے دی جائے گی۔

سورۂ الماعون

سورۂ الماعون میں اسی قسم کی معمولی معمولی خدمات کا ذکر فرمایا ہے کہ جب ان سے گھریلو استعمال کی کوئی شے طلب کی جاتی ہے تو وہ انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ روزمرّہ کے استعمال کی اشیاء ہر کسی کے ہاں ہوتی ہیں اور ہر کسی کو ان کی ضرورت بھی پیش آتی رہتی ہے، لیکن اکثر بداخلاق گھرانے انہیں دینے سے انکار کرتے ہیں۔ ویمنعون الماعون۔ وہ استعمال کی چیزیں دوسروں کو نہیں دیتے۔ گویا انہیں قیامت کی بازپرس کا یقین نہیں ہوتا۔ خیال رہے کہ استعمال کی اشیاء دوسروں کو دینے میں جتنا ثواب ہے اتنا ہی ان کی واپسی اور درست حالت میں واپسی بھی دیانت امانت کا درجہ رکھتی ہے۔

موسیٰ بن مہران

حضرت موسیٰ بن مہران کو خواب میں دیکھا گیا کہ وہ سزا بھگت رہے ہیں۔ پوچھا گیا کہ آپ تو نہایت دیانتدار اور پرہیزگار شخص تھے۔ فرمایا، ایک سوئی کسی سے مانگ کر لایا تھا واپس نہ کر سکا۔ اسی کی سزا بھگت رہا ہوں۔ سوئی معمولی چیز ہے مگر خدا کا حساب تو بہرحال حساب ہے۔ ومن یعمل مثقال ذرّۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرّۃ شراً یرہ۔ جو آدمی بھی ذرا سا نیک عمل کرے گا یا بُرا عمل خواہ کتنا ہی معمولی ہو اُس کی جزا اور سزا وہاں پائے گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گھریلو استعمال کی اشیاء نہ دینا خدا کے ہاں قیامت کے انکار کے برابر جرم ہے مگر مانگی ہوئی چیز واپس نہ کرنا بھی جرم ہے جس سے باہمی برتاؤ، حسنِ سلوک اور لین دین کے خوشگوار مراسم کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ آخر کون کہاں تک نقصان اُٹھائے گا۔

ابوعبداللہ درزی کا ایثار

شام کے علاقے میں ابوعبداللہ نامی درزی رہتے تھے۔ وہ لوگوں کے کپڑے سی کر گزر اوقات کرتے۔ ایک مجوسی اکثر ان سے کپڑے سلواتا رہتا، لیکن مزدوری میں کھوٹے سکے دے کر خوش ہوتا کہ میں نے بیوقوف بنا لیا ہے، اسے کھوٹے کھرے کی پہچان نہیں ہے، لیکن ابوعبداللہ کی سوچ اس سے مختلف تھی۔ وہ جان بوجھ کر اس سے دھوکے میں آتے تھے کہ میں بیوقوف بن کر اس کے کھوٹے سکے اسی طرح لیتا رہوں گا تو دوسرے مسلمان اس کے اس فریب سے بچے رہیں گے، ورنہ یہ میری جگہ کسی اور کو دھوکہ دے گا۔ غرض ابوعبداللہ اسی طرح انجان بن کر کھوٹے سکے وصول کر کے دوسرے مسلمانوں کو ان سکوں کے نقصان سے بچاتے رہے کہ ایک دن دُکان پر ان کا غلام بیٹھا ہوا تھا، مجوسی آیا اور پرانی عادت کے مطابق کپڑے لے کر کھوٹا سکہ غلام کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

Marfat.com

لیکن غلام نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ سکہ کھوٹا ہے۔ جب ابوعبداللہ دُکان پر آئے تو غلام نے مجوسی کے کھوٹے سکے اور بے ایمانی کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ سکہ لے لیا ہوتا، میں ایک عرصہ سے لیتا رہا اور سکے کو کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دیتا تاکہ اس کے کھوٹے سکے مجھ پر ہی ختم ہوں اور دوسرے مسلمان اس نقصان سے بچ جائیں۔

۱۔ ابراہیم ادھم کا ایثار

دوسروں کی خدمت، ان سے ہمدردی، مخلوق خدا سے پیار، محبت اور ایثار کے واقعات پر مشتمل اتنی زیادہ مثالیں ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو پوری کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ مخلوق خدا سے محبت کے سلسلہ میں حضرت ابراہیم ادھمؒ کے بارہ میں مشہور واقعہ اُردو اور انگریزی کے نصاب میں شامل ایک نظم کی صورت میں موجود ہوا کرتا تھا کہ ایک رات دیکھا کہ کمرہ روشن ہے اور ایک فرشتہ ان کے سرہانے بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ کیا لکھ رہے ہیں۔ فرشتے نے جواب دیا۔ اُن لوگوں کے نام لکھ رہا ہوں جو خدا کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ میرا نام اس فہرست میں ہے؟ فرشتے نے کہا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا تو میرا نام اس فہرست میں لکھ لو جو اللہ کی مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ فرشتے نے کہا۔ اچھا اور چلا گیا۔ دوسرے دن پھر فرشتہ ان کے سرہانے بیٹھا ہوا فہرست بنا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ آج کیسی فہرست ہے۔ فرشتے نے کہا۔ ان لوگوں کی جن سے خود خدا محبت کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے بارہ میں پوچھا تو فرشتے نے کہا۔ آپ کا نام سرفہرست ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ خدا کی مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ خدا کے ساتھ محبت کرنے والوں کی فہرست میں ان کا نام تو نہ تھا لیکن ان لوگوں کی فہرست میں پہلے نمبر پر تھا جن سے خداوند تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔ کیونکہ خدا کی مخلوق سے محبت کرنے والا خدا کا محبوب ہوتا ہے۔

۲۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ادھمؒ کی خدا کی مخلوق سے محبت کا یہ حال تھا کہ وہ ایک دفعہ گھومتے ہوئے ایک شہر پہنچے۔ رات بڑی سرد تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ یہ ایک مسجد میں پہنچے کہ اس رات وہ ٹھنڈی ہواؤں سے بچ سکیں مسجد ویران تھی اور اس کے دروازے بے کواڑ تھے۔ اندر جھانک کر دیکھا تو تین درویش مسافر سردی سے جُڑے ہوئے پڑے ہیں۔ مسجد کے بے کواڑ دروازے سے سرد ہوا داخل ہو رہی تھی۔ آپ نے فوراً ان مسافروں کو ہوا سے مقدور حد تک بچانے کے لئے خود اس بے کواڑ دروازے میں کھڑے ہو کر انہیں ہوا کے تھپیڑوں سے بچانے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ ایسے انداز سے کھڑے ہو گئے کہ ہوا اپنے جسم پر روک دی۔ پوری رات ہوا کے مقابلے میں کھڑے رہ کر اپنا جسم تو سردی سے اکڑوا لیا، مگر مسافروں کو ہوا کی زد سے بچا لیا۔ وہ ان کے آرام اور سردی سے بچاؤ کے لئے یہی کچھ کر سکتے تھے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

حضرت امام حسن رضؓ کے بارہ میں یہ روایت ہے کہ کوئی ان کے پاس اپنی ضرورت اور حاجت لے کر آتا تو وہ بہت جلد اسے پورا کرتے اور فرماتے کہ مجھے ڈر ہوتا ہے کہیں میری حاجت روائی سے پہلے یہ مستغنی نہ ہو جائے اور میں اس کی حاجت روائی کے ثواب سے محروم نہ ہو جاؤں۔

Marfat.com

محمد بن سیرینؒ کا خدمتِ خلق اور ضروریاتِ خلق کی ادائیگی کا یہ حال تھا کہ دروازے پر ہر وقت خچر بندھی رہتی۔ جسے کوئی بھی حسبِ ضرورت لے جاتا اور لا کر وہیں باندھ دیتا تھا۔ لوگوں کو ابن سیرین کی طرف سے خچر کے عوامی خدمت کے لئے وقف ہونے کا علم تھا ــــــ انہی حضرت ابن سیرینؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے ایک شخص سے حال پوچھا تو اُس نے کہا کہ جس آدمی پہ پانچسو درم قرض ہو اُس کا کیا حال ہو سکتا ہے؟ یہ بات سُن کر ابن سیرین گھر تشریف لائے۔ ایک ہزار درم لا کر اس کے حوالہ کیا اور کہا۔ پانچسو درم قرضہ میں اور پانچسو درم سے گھر کا خرچ چلاؤ۔ اس کے بعد آپ نے عہد کیا کہ کسی کا حال نہ پوچھوں گا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی ایسی ضرورت میں مبتلا ہو جس کا پورا کرنا میری طاقت سے باہر ہو تو بلا وجہ کیوں احوال پُرسی کروں۔ کیونکہ دریافت کے بعد اُس کی ضرورت اور شکایت کا دُور کرنا لازمی ہو جاتا ہے کہ کسی کی ضرورت کا علم ہو اور آدمی پورا نہ کرے تو خدا کی باز پرس ہو گی۔

حرفِ آخر ہم اگر قرآن کریم کے ان احکامات، احادیث نبویؐ کے ان ارشادات اور بزرگانِ دین کے ان واقعات کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح کی ہمدردی، ایثار و قربانی کا رویہ رکھیں اور اپنے اپنے انسانوں کی بالعموم اور مسلمانوں کی بالخصوص محبت، ہمدردی اور خدمت کو اپنا شعار بنالیں تو ہماری دنیا و آخرت، ہماری معاشرت اور معیشت میں عظیم انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔ ہمارے قصبے، شہر اور ملک محبت، ہمدردی اور باہمی سلوک کے خوشگوار ماحول میں رچ بس جائیں گے تو یہ دنیا ہی جنت بن جائے گی۔ مولانا الطاف حسین حالیؒ کا شعر ہے ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر   خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

معافی و درگذر

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ۔ حٰم السجدہ	نیکی اور بدی برابر نہیں۔ آیات کا پس منظر۔ دعوتِ اسلامی کے ساتھ مخالفتوں کا آغاز۔ مشکلات کا علاج معافی و درگذر ہے۔ صبر و استقامت۔ بدی کے بدلے میں نیکی۔
۲	نیکی ناقابلِ شکست ہے بُرائی بزدلی ہے	نیکی کے اثرات اچھے ہوتے ہیں اور برائی کے بدلے میں نفرت ملتی ہے۔
۳	تعلیماتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت حذیفہؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ۔ حضورؐ کا ذاتی سلوک۔
۴	حضورؐ کے رویہ کی واقعاتی مثالیں	فتح مکہ کے وقت عمومی معافی۔ مال غنیمت کی تقسیم کا واقعہ۔ جنگ احد میں شدید مخالفت و سختی کے باوجود معافی یہودی کی تلخ کلامی۔ صفوان بن امیہ کی ارادۂ قتل کے باوجود معافی۔
۵	تابعینؒ کا کردار اولیاء اللہؒ کی سیرت کے چند واقعات	حضرت زین العابدینؒ۔ حضرت بایزید بسطامیؒ۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ۔ حضرت معین الدین چشتیؒ۔

Marfat.com

معافی و درگذر

آیت معہ ترجمہ

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۔ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۔ (حٰم السجدہ: ۳۴) ۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی ۔ تم برائی کا دفاع نیکی سے کرو ۔ پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے بدترین دشمن تمہارے بہترین دوست بن جائیں گے ۔ برائی کے بدلے میں نیکی کرنا بڑے صبر اور برداشت کا کام ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بڑے نصیب والے ہوتے ہیں ۔

تفسیر و تشریح

دعوتِ اسلامی کے ابتدائی دنوں میں جب مسلمانوں کی تعداد انتہائی تھوڑی تھی ۔ ان کے مقابلے میں مشرکین مکہ اور اہلِ کتاب پورا زور اور طاقت رکھتے تھے ۔ انہیں اپنے عقائد، نظریات اور مذہبی رسومات کے خلاف اسلام کی دعوت اور افکار نرالے اور ناقابلِ فہم لگتے تھے کہ اس طرح ہمارے خاندانی اثرات، قبائلی سرداریاں اور اجارہ داریاں اسلامی دعوت کے ذریعہ ختم ہو جائیں گی ۔ وہ اپنے قبائلی اختلافات کے باوجود "الکفر ملت" واحدہ کے مطابق اسلام کے خلاف متحد ہو گئے ۔ کمینگی، دشمنی اور مخالفت کی ہر وہ حدود پھلانگ دی جو کسی بھی شریف تو کیا ایک عام آدمی کے لئے بھی ممکن نہ تھی ۔ ہر حربہ و ہر حرکت اختیار کی گئی جو ان کے بس میں تھی ۔ مسلمانوں پر سختیاں کیں، تپتی ہوئی ریت بلکہ آگ کے انگاروں پہ لٹایا گیا، شہر کے لونڈے اور غنڈے ان کے پیچھے لگائے گئے ۔ قتل تک کی سازشیں ہوئیں ۔ ہلڑ بازی، تذلیل و تحقیر کا ہر وار استعمال ہوا ۔ اس حد تک کہ برائی اپنی پوری قوت اور طاقت کا طوفان بن کر لیکی کے چاروں طرف پھیل گئی ۔ ایسے میں نیکی بظاہر مجبور و بے بس اور عاجز نظر آنے لگی ۔

ایسے حالات میں ان آیات کے ذریعہ خداوند کریم نے مسلمانوں کو حوصلہ اور سہارا دیا کہ جو لوگ ایک مرتبہ خدا کو اپنا رب کہتے ہیں اور ہر قسم کی سختیوں میں اپنے قول پر ڈٹ جاتے ہیں تو خداوند تعالیٰ ان پر فرشتے اتارتے ہیں جو اہلِ ایمان کو دنیا اور آخرت دونوں میں اپنی دوستی اور رفاقت کا یقین دلاتے ہیں اور انہیں اسلام کے لئے دی جانے والی قربانیوں کے بدلے میں جنت کی خوشخبری دیتے ہیں کہ وہاں ہر اس نعمت و آسائش سے نوازا جائے گا جس کی وہ خواہش کریں گے ۔

دعوتِ اسلامی کی اہمیت اور آزمائشوں و مخالفتوں کی یورش

اسی سورہ حٰم سجدہ میں زیر بحث آیت سے پہلے دعوتِ اسلامی کی طرف لوگوں کو بلانے کی

Marfat.com

بات اور عمل کو خداوند تعالیٰ نے بہتر بات اور بہتر عمل بتایا ہے۔ انسان کی تمام نیکیوں میں روحانی مدارج کے اعتبار سے اور اللہ کے ہاں پسندیدگی کے لحاظ سے سب سے بڑا درجہ لوگوں کو خدا کے دین کی طرف بلانا اور خدا کے دین کو پھیلانے اور غالب کرنے والوں کا ہے۔ جس کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ ایسے لوگوں کو خدا نے اپنا مددگار ٹھہرایا ہے۔ گویا خدا کی یکتائی کو منوانا اور خدا کے دین پر لوگوں کو چلانا خدا کی امداد اور خدا کے نبیوں کا مشن ہے۔ خدا کے مددگاروں اور خدا کے نبیوں کے کام کی تکمیل اور تسلسل ایسا اعزاز ہے کہ اس سے انسان انبیاء، صدیقین اور شہداء میں شامل ہوتا ہے۔ مقصد جتنا اعلیٰ وارفع ہو، اس کے انعامات اور مدارج جتنے بلند ہوں تو اس کا حصول اور اس کا راستہ بھی اتنا ہی دشوار، محنت طلب بلکہ جان لیوا ہوتا ہے۔ چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی کی آویزش اور ستیزہ کاری لازمی اور قطعی ہے۔ انبیاء کرامؑ اور حضورؐ کے دورِ اوّل سے لے کر آج تک اور آئندہ ادوار تک جو بھی یہ کام کرے گا بھڑوں کے چھتے پر پتھر مارے گا۔ خونخوار درندوں کے جنگل میں قدم رکھے گا یا جلتے ہوئے انگارے ہاتھ میں پکڑے گا۔ اسی لئے جب بھی کسی نے کسی بھی زمانے میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے عملی کام کیا، جو خدا کی طرف سے ملّت اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے لازمی ہے تو اسے مخالفتوں، دشمنیوں، زیادتیوں، سنگباریوں، الزام تراشیوں، بہتان طرازیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ طاغوتی طاقتوں کا چیلنج قبول کرنا ہوگا۔ لا الٰہ کی مشکلات کو سہنا ہوگا اور شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہوگا۔

اگر گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را (علامہ اقبالؒ)
یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے — لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا (علامہ اقبالؒ)

دعوتِ اسلامی کی مشکلات اور علاج

خداوند تعالیٰ سے بہتر، جو علیم و خبیر بھی ہے، کون اس راستہ کی مشکلات سے واقف ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان آزمائشوں اور سختیوں میں دعوتِ اسلام کی عملی کوشش کرنے والوں کو کامیابی و نصرت کا یہ علاج بتایا ہے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ نیکی بہرحال نیکی ہے اتم اس کے پھیلانے اور خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو خدا سے ملانے میں پیش آنے والی سختیوں اور برائیوں کا دفاع نیکی کے ذریعہ کرو۔ جب تمہاری طرف سے مخالفوں کی ہر برائی کے جواب میں نیکی اور حسن سلوک ملے گا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے خون کے پیاسے بھی تمہارے جگری دوست بن جائیں گے اور اس بات کا بھی اظہار کر دیا کہ بدی کے بدلے میں نیکی کرنا اتنا آسان کام نہیں، یہ صرف ان لوگوں سے ممکن ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور بڑے نصیب والے ہوتے ہیں۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا اَذًی کَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ مسلمانو! تمہیں جان و مال دونوں کی آزمائشیں آئیں گی اور اہلِ کتاب اور مشرکین کی طرف سے تکلیف دہ باتیں سننا پڑیں گی، مگر ان حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات میں تم صبر، خدا ترسی اور معافی و درگذر کا رویّہ اختیار کرو گے تو یہ بہت حوصلے اور ارادے کا کام ہوگا۔

پچیسویں پارہ کی سورۂ شوریٰ میں ارشاد خداوندی ہے: جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ

Marfat.com

فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔ بُرائی کا بدلہ بُرائی کے مطابق ہے، لیکن جو کوئی معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کی جزاء خدا کے ذمہ ہے۔ وہ معاف کرنے والے کو اپنے ہاں سے بدلہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ مظلوم ہو کر بدلہ لیں تو انہیں ملامت نہیں کیا جا سکتا۔ ملامت کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جو ظلم کرتے ہیں۔ زمین میں بغاوت و سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو آدمی کسی کے ظلم پر صبر سے کام لے اور درگذر کرے تو یہ اولوالعزم، بلند ارادہ آدمیوں کا کام ہے۔

چھٹے پارہ کے شروع میں سورۂ نساء میں اسی نصیحت اور مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۔ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا کہ آدمی کھلم کھلا بدگوئی اور بدزبانی پر اُتر آئے۔ البتہ یہ حق صرف اسی کو حاصل ہے جس پر ظلم ہوا ہو۔ مگر مظلوم ہونے کی صورت میں بھی اگر ظاہری طور پر یا خفیہ بھلائی کرو اور بُرائی کو معاف کر دو، یہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ بُرائی کے بدلے اور سزا دینے کی قدرت کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔

بدی کے بدلے میں بہترین نیکی

آج کی زیر بحث آیت میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں تو قطعی طور پر یہ بات واضح ہے کہ بدی اپنے اندر کمزوری رکھتی ہے یہی کمزوری اس کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت برائی سے نفرت کرتی ہے، خود بُرے لوگوں کو یہ احساس لگا رہتا ہے کہ وہ ضدی، ظالم اور خود غرض ہیں۔ ان کا یہ احساس خود انہیں اپنی نگاہوں میں گرا کر لوگوں کی نفرتوں کا شکار بنا دیتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نیکی بجائے خود قوت ہے اور اس قوت کو ظالم سے ظالم شخص بھی تسلیم کئے بغیر نہیں رہتا۔ نیکی اور بُرائی کی اس جنگ میں دونوں فریقوں کے جوہر کھل کر سامنے آجاتے ہیں اور نیکی کا مسلسل عمل بالآخر کامیابی سے ہمکنار ہو کر رہتا ہے۔ بدی کو صرف نیکی سے نہیں بلکہ بہترین نیکی سے دُور کرنے کا عمل ایسا ہے جیسے بُرائی پر معاف کرنا صرف نیکی ہے مگر موقع آنے پر اس کے ساتھ احسان کرنا اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جس سے بدترین دشمن بھی جگری دوست بن جاتا ہے گالی و بدگوئی کے جواب میں خاموشی بلاشبہ نیکی ہے، مگر اس کے حق میں دعائے خیر ایسی نیکی ہے جس سے بے حیا سے بے حیا انسان بھی اپنے کئے پر شرمندہ ہو جاتا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا میں ایسے خبیث لوگ بھی ہوتے ہیں کہ ان کی برائی کے جواب میں آپ کتنا بھی احسان کریں ان کی خباثت اور کمینے پن میں فرق نہیں آتا۔ لیکن ایسے شر پر فطرت اور خبیث مزاج لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ اس آیت میں برائی کے بدلے میں نیکی کا حکم دے کر خود خداوند تعالیٰ نے یہ اعتراف فرمایا ہے کہ ایسا کرنا اتنا آسان نہیں۔ اس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر وقتی طور پر برائی کے مقابلے میں نیکی کرنا غیر معمولی بات نہیں۔ آدمی

ایک آدھ بار ایسا کر لیتا ہے، مگر اپنی پوری زندگی میں ایسا رویہ اپنانا اور سالہا سال تک ۔ بدی کے مقابلے میں ۔ جھوٹے نظام کے بدلے میں سچ کی حمایت اور حق کو غالب کرنے کے مقابلے میں ساری زندگی لڑنا پڑے ۔ کفر اپنی طاقت کے نشے میں بدمست بھی ہو وہاں بدی کا مقابلہ مسلسل نیکی سے کرنا اعلیٰ درجے کے ظرف اور حوصلے کی بات ہے اور ایک دفعہ بھی ضبط اور صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا معمولی آدمی کے بس کا کام نہیں ۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے ٹھنڈے دل سے حق کی سربلندی، سچائی کے اظہار اور برائی کو برا کہنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہو ۔ جس کے اندر نیکی، شرافت اور سچائی ایسی جڑ پکڑ چکی ہو کہ مخالفوں کی شرارت، شریروں کی سازش، خبیثوں کی خباثت، بروں کی برائی اور ظالموں کے ظلم کا ہر وار اور حملہ اُسے اس کے اونچے مقام سے نیچے لانے میں کامیاب نہ ہو سکے ۔

بدی کے مقابلے میں نیکی ناقابلِ شکست ہوتی ہے

بدی کے مقابلے میں نیکی کرنے والا شخص کامیابی کی منزلوں تک پہنچ کر رہتا ہے ۔ عام حالات میں دین کی دعوت اور کفر کے ساتھ تصادم سے ہٹ کر معاشرتی اور سماجی لحاظ سے بھی ایسا شخص معاشرے میں باعزت، واجب الاحترام اور خاندانی زندگی میں عقیدت و محبت کا مقام حاصل کر لیتا ہے ۔ اس کی دشمنیاں کم ہوتی ہیں، دوستیوں میں اضافہ ہوتا ہے نفرتیں مٹتی ہیں اور محبتیں پھیلتی ہیں، مخالف بھاگتے ہیں اور تائید کرنے والوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔ اس کے ساتھ برائی کرنے والا خود اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے، اگر نہیں ہوتا تو دوسروں کے طعنوں کا شکار ہوتا ہے ۔ ہر آدمی اُسے اس کے برے رویہ پر ملامت کرتا ہے کہ تم نے کیا کیا اور اُس نے تمہارے برے کا کیا جواب دیا ۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ گھٹیا درجے کے ہتھکنڈوں اور کمینی چالوں سے اسے شکست دی جائے یا اس کے مقام سے اسے گرا دیا جائے ۔

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک دن فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خداوند تعالیٰ سے دریافت فرمایا ۔ یا اللہ آپ کے نزدیک عزت مند اور پسندیدہ شخص کون ہے جواب ملا جو بدی کے جواب میں بدی کی طاقت رکھتے ہوئے بھی بدی یا برائی کے سلوک بدلہ نہ دے وہ شخص پسندیدہ ہے ۔

حضرت حذیفہؓ نے روایت کی ۔ حضورؐ نے فرمایا ۔ آپ اس بات کا انتظار نہ کریں کہ دوسرا آپ پر احسان کرے تو آپ احسان کریں بلکہ دوسروں کی برائی کے جواب میں بھی احسان کرو ۔ احسان کی ادنیٰ صورت خندہ پیشانی سے پیش آنا ۔ ہانڈی میں اس خیال سے زیادہ پانی ڈالنا کہ پڑوسیوں کو بھی اس میں سے حصہ دیا جا سکے ۔ اپنے ڈول سے دوسرے کے برتن میں پانی ڈالنا ۔ یہ ساری چھوٹی چھوٹی باتیں احسان میں شامل ہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت ابوبکرؓ کو ایک شخص برا بھلا کہہ رہا تھا ۔ وہ خاموش بیٹھے تھے اور حضورؐ مسکرا رہے تھے، مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواباً برا بھلا کہنا شروع کر دیا تو حضورؐ کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی اور اچانک بیزاری کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی حضورؐ کے پیچھے چل پڑے اور پوچھا ۔ یا رسول اللہؐ، جب تک وہ مجھے گالیاں دیتا رہا ۔ آپؐ بیٹھے مسکرا رہے تھے ۔ جب میں نے جواب

Marfat.com

دیا تو آپؐ کو ناگوار گزرا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: جب تک وہ شخص بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور آپ خاموش تھے تو فرشتے تمہاری حمایت میں کھڑے تھے، لیکن آپ نے خود مقابلہ شروع کر دیا، فرشتے چلے گئے اور شیطان درمیان میں آگیا۔ میں اس لئے اُٹھ کھڑا ہوا کہ شیطان کی موجودگی میں میرا بیٹھنا مناسب نہ تھا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدسؐ سراپا رحمت تھی کہ وہ رحمۃ اللعالمین تھے۔ تمام انبیاء کرامؑ نے اپنی قوم کی سرکشی اور بغاوت سے تنگ آکر اور مایوس ہو کر ان کے حق میں بددعا فرمائی یا جب اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی پر سزا دینا چاہی تو بھی انہوں نے تبدیلئ قلب کی استدعا نہ فرمائی بلکہ خدا کی سزا پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ حضرت نوحؑ نے تو تنگ ہو کر فرمایا: ربّ لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیّارا۔ اے میرے ربّ تو زمین پر کافروں کا کوئی ٹھکانہ بھی نہ چھوڑ، ورنہ ان کی نسل سے کافر ہی پیدا ہوں گے۔ سب انبیاء کرامؑ کی قومیں خدا کے عذاب سے دوچار ہوئیں۔ مگر حضورؐ نے اپنی قوم کے ہاتھوں اتنی ہی سختیاں سہہ کر کبھی بھی ایسا نہ سوچا اور نہ خدا سے عذاب کی درخواست کی بالخصوص اپنی ذات کے ساتھ کسی زیادتی کا بدلہ نہ لیا۔ طائف والوں کی سنگباری اور ہلڑ بازی کے باوجود بھی جب جسم اطہر لہولہان تھا اور انتہائی مایوسی اور ذاتی تحقیر و تذلیل کا مرحلہ تھا تو جبرائیل علیہ السّلام کی طرف سے خدائی عذاب نازل کرنے کی اجازت اور پیشکش کے باوجود ان کے حق میں دعا فرمائی۔

سلوک رسالتؐ

حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے جو شخص اپنے ظالم پر بددعا کرتا ہے وہ اپنا بدلہ لے لیتا ہے۔ ابومسعود بدریؓ کسی بات پر اپنے غلام کو کوڑے مار رہے تھے۔ حضورؐ کا گزر ہوا تو کوڑا پھینک دیا۔ آپؐ نے فرمایا: سنو ابومسعودؓ! خدا تم پر زیادہ قادر ہے بہ نسبت اس کے کہ تو غلام پر ہے۔ یہ سن کر ابومسعودؓ تائب ہوئے۔ پھر فرمایا۔ جب دو مسلمان ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھا کر لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں صحابہؓ نے پوچھا۔ یا رسولؐ اللہ، قاتل کا دوزخی ہونا تو ظاہر ہے، لیکن مقتول کس جرم میں دوزخی ہوگا۔ فرمایا۔ اُس نے بھی تو قتل کا ارادہ کیا تھا۔

ایک بار فرمایا۔ اے خدا میں تیرے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ اگر غصّہ میں آکر میں نے اپنی اُمّت کے کسی آدمی کو بُرا کہا، غصّہ میں آکر لعنت کی ہو تو میں بھی انسان ہوں مجھے بھی غصّہ آسکتا ہے تو نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے تو میری بُرائی اور لعنت کو قیامت کے دن اس پر رحمت میں بدل دے۔ ایک بار صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ، آپؐ دشمنوں کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے۔ فرمایا۔ میں دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اولاد میں سے اسلام قبول کرنے والے پیدا ہوں۔

واقعاتی مثالیں

۱۔ جن لوگوں نے آپؐ کو اتنی اذیتیں دی تھیں فتح مکّہ کے موقعہ پر سب کے لیے معافی کا اعلان عام کر دیا۔ سراقہ بن جعشم نے آپؐ پر تین دفعہ تلوار کے وار کئے تھے۔ آپؐ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔ ہبار نے آنحضرتؐ کی بیٹی کو اونٹ سے گرایا تھا۔ نیزہ سے زخمی کر دیا تھا۔ آخر یہی واقعہ اور زیادتی حضرت زینبؓ کی وفات کا باعث ہوئی۔ جب ہبار سامنے آیا تو اسے معاف فرما دیا۔ وحشی نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ

کو بے دردی سے شہید کیا تھا، معافی کے لئے دربارِ رسالتؐ میں آیا تو شرم سے نظریں نیچی تھیں۔ آپؐ نے اُسے شرم دلائے اور ملامت کئے بغیر معاف کر دیا۔

۲۔ ایک دفعہ آپؐ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک بدو آیا اور نہایت گستاخی سے آپؐ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ گردن پر رگڑ کے نشان پڑ گئے اور بے ادبی سے بولا۔ محمدؐ، میرے لئے ان اُونٹوں کو خدا کے مال سے لاد دے تو اپنے یا باپ کے مال سے نہیں دے رہا۔ آپؐ خاموش رہے اور نہایت تحمّل سے فرمایا۔ تم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ اُس نے کہا۔ مجھ سے بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا کیوں؟ اُس نے کہا کہ "آپؐ برائی کا بدلہ برائی کر کے نہیں لیتے"۔ اس پر آپؐ ہنس پڑے اور اُسے اس گستاخی پر معاف فرما دیا۔

۳۔ جنگِ اُحد میں عبداللہ بن قمیہ نے حضورؐ کے روئے انور پر تلوار سے وار کیا۔ مغفر کی کڑیاں چہرہ مبارک میں چُبھ گئیں۔ چاروں طرف سے پتھروں، تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ جاں نثار صحابہؓ نے آپؐ کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ ابودجانہؓ حضورؐ کے آگے سپر بنے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہؓ دشمنوں کی تلوار کا ہر وار اپنے آپ پر روک رہے تھے۔ دشمنوں کی تلواروں سے ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ دشمنی کی اس انتہا میں بھی آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ خداوندا میری قوم کو معاف کر دے۔ یہ نہیں جانتے کہ خدا کے بندوں کی آزادی ہمارا مقصد ہے۔

۴۔ ایک دفعہ ایک یہودی زید نامی اپنا قرضہ وصول کرنے آیا تو آتے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر پکڑ کر نہایت بے ادبی و گستاخی سے کہنے لگا۔ اے بنی عبدالمطلب! تم بڑے نادہند ہو۔ قرضہ ادا کرو۔ اس کی گستاخی اور ہتک آمیز سلوک پر حضرت عمرؓ کو غصہ آگیا۔ وہ یہودی کو بُرا بھلا کہنے لگے تو آپؐ نے انہیں منع کر دیا اور فرمایا۔ ہم دونوں آپ سے بُرے بھلے کی بجائے کسی اور بات کے محتاج تھے کہ آپ مجھے حسنِ ادا کا حکم دیتے اور اسے حسنِ تقاضا کا۔ پھر یہودی سے فرمایا۔ قرضہ کی مقررہ میعاد میں تو تین دن ابھی باقی ہیں۔ پھر اس کا قرضہ واپس کر دیا اور بیس صاع غلہ زیادہ اس لئے دیا کہ حضرت عمرؓ نے بُرا بھلا کہا تھا۔ جنگ بدر میں صفوان بن امیہ کے والد مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو انہوں نے حضورؐ سے انتقام لینا چاہا۔ اس سلسلہ میں عمیر بن وہبؓ کو بہت سے انعام کا لالچ، اس کے بچوں کی پرورش کی ذمہ داری کا عہد کر کے حضورؐ کے قتل پر آمادہ کیا اور زہر میں بجھا ہُوا خنجر دے کر مدینہ روانہ کیا۔

۵۔ عمیر بن وہبؓ جب مدینہ پہنچے تو چہرۂ رسالتؐ پر نظر پڑتے ہی دل کی دنیا بدل گئی۔ خنجر پھینک کر مسجد نبویؐ میں آئے اور حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے اور حضورؐ سے صفوان بن امیہ کے ساتھ وعدے اور اپنے ارادے کی ساری تفصیل بھی سنا دی۔ ہجرت کے آٹھویں سال جب مکّہ فتح ہُوا تو حضورؐ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا لیکن صفوان بن امیہ حضورؐ کے جوابی انتقام کے خوف سے ساتھیوں کے ساتھ مکّہ سے فرار ہو چکے تھے۔ عمیر بن وہبؓ نے صفوان کے ساتھ اپنے تعلق کی وجہ سے سفارش کی۔ آپؐ نے کمال شفقت کے ساتھ فرمایا۔ اپنے دوست کو بلاؤ میں اسے امان دیتا ہوں۔ عمیرؓ نے کہا۔ یا حبیبؐ اللہ ایسی کوئی نشانی عطا ہو جس سے صفوان کو اپنی جاں بخشی کا یقین ہو جائے۔ اللہ کے رسولؐ نے اپنے جسم اطہر سے چادر اتار کر انہیں دی۔ عمیر بن وہبؓ دونوں جہانوں کی یہ

Marfat.com

دولت چادر لے کر جدہ پہنچے اور صفوان کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری سنائی کہ حضورؐ نے آپ کو امان دے دی ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ جنگ حنین سے واپسی پر سو اُونٹوں کا فیاضانہ عطیہ بھی دے دیا تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ آپؐ کے دل میں اس کے لیے ذرا بھی میل نہیں۔

دین اسلام دشمنی کے بدلے میں دوستی اور برائی کے بدلے میں نیکی سے ہی پھیلا ہے زور اور زبردستی سے نہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہندوستان میں سات سو برس اور سپین میں آٹھ سو برسوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ وہ چاہتے تو ہندوؤں اور یہودیوں کی طرح اس طویل عرصہ حکومت میں ہندوؤں اور یہودیوں کی نسل کشی کر دیتے تو آج نہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کا سوال پیدا ہوتا اور نہ بھارت کی حکومت بنتی نہ سپین کا سقوط ہوتا۔ جیسا کہ آجکل ہندوستان میں مسلمانوں اور دنیا میں یہودیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے اور انہیں منتشر اور ملک بدر کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

سورہ رعد میں ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔ جو لوگ اپنے رب کی خوشی کی خاطر اسلام اور نیکی کی راہ میں صبر کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں ظاہر بھی اور چھپا کر بھی اور برائی کے بدلے میں نیکی کا سلوک کر کے برائی کا دفاع کرتے ہیں تو آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لیے ہے۔

تابعین کا کردار

حضرت زین العابدینؒ تابعین میں سے تھے۔ صحابہؓ کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ مدینہ میں اُن سے زیادہ علم و عمل میں کوئی ممتاز نہ تھا۔ ان کی تربیت امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے فرمائی۔ حضرت اُمّ سلمہؓ، اُمہات المؤمنین حضرت عائشہؓ نے گودوں میں کھلایا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضورؐ کے غلام ابورافع رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی جلیل القدر ہستیوں نے ان کی تربیت میں حصہ لیا۔ ان پر حضورؐ کے تربیت یافتہ ان لوگوں کی تربیت، اخلاق و کردار کا رنگ غالب تھا۔ ایک دفعہ مسجد سے نکلے تو ایک شخص ساتھ ہو گیا اور آپ کو سنا سنا کر گالیاں دینے لگا۔ لوگوں کے دلوں میں حضرت کا احترام اور محبت تھی، وہ دوڑے تاکہ اسے اس کی گستاخی کی سزا دیں۔ مگر آپ نے اُنہیں روک دیا اور خود اس کے پاس جا کر فرمایا۔ میری بہت سی کمزوریاں اور برائیاں تجھے معلوم نہیں میں اس سے بھی زیادہ برا ہوں جو تم کہہ رہے ہو۔ یہ کہہ کر پلٹے تو وہ شخص ان کے رویہ پر حیران رہ گیا اور شرمندہ ہوا۔ آپ نے اس کی شرمندگی بھی نہ دیکھی گئی۔ اپنا کرتا اتارا اور ہزار درہم بھی اُسے عطا فرمائے۔

ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ بے شک آپ خاندان نبویؐ کے فرد ہیں۔ آپ کا یہ اخلاق نہ ہو گا تو کس کا ہو گا۔ ارشاد خداوندی ہے: وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ جو لوگ اپنے غصہ پر قابو پاتے ہیں، لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، اللہ ان احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یعنی معافی ہی نہیں دیتے بلکہ اُلٹا برائی کرنے والے کے ساتھ احسان بھی کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ جو شخص تمہارے معاملے میں خدا سے نہیں ڈرتا تو اُسے سزا دینے کا بہترین

Marfat.com

طریقہ یہ ہے کہ تو خدا سے ڈر کر اس سے سلوک کر۔

دوسری مثالیں حضرت بایزید بسطامیؒ ایک رات ترستان سے آرہے تھے۔ راستے میں بسطام کا ایک شریف زادہ بربط بجا رہا تھا۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے افسوس کے طور پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ نوجوان نے سنا تو بربط آپ کے سر پر دے مارا۔ جس سے سر پر چوٹ پڑی اور اس کا بربط ٹوٹ گیا۔ آپ خاموشی سے بغیر کچھ کہے سُنے چلے آئے۔ صبح بربط کی قیمت اور حلوے سے بھرا ہوا طباق اس کے پاس بھیج کر عذر کیا کہ بایزیدؒ معذرت کرتا ہے کہ تمہارا بربط میرے سر پر ٹوٹ گیا، یہ اس کی قیمت ہے اور حلوہ کھالو تاکہ غصے کی تلخی دُور ہو جائے۔ جب نوجوان کو آپ کے خادم کے ذریعہ بربط کی قیمت اور حلوے کے ساتھ معذرت کا یہ پیغام ملا تو شرمندہ ہوا اور حاضر خدمت ہو کر توبہ کی اور روتا رہا۔ پھر اس کے چند اور ساتھی بھی تائب ہوئے۔ خدا کا فرمان کتنا سچا ہے۔ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہ عداوۃ کانّہ ولی حمیم۔

امام ابو حنیفہؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، پرہیزگار اور دین حنیفہ کے امام تھے۔ ان کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا۔ جو دن بھر محنت مزدوری کرتا، رات کو اپنے اوباش ساتھیوں کے ساتھ مل کر شراب پیتا اور گانے گا کر غل غپاڑہ کرتا رہتا اور اکثر ترنگ میں آکر شعر پڑھتا جس کا مفہوم یہ تھا کہ مجھ ایسے شخص کو لوگوں نے ضائع کر دیا جو اتنا بہادر رہے کہ لڑائی کے موقعہ پر دشمنوں کے سر پر تلوار مارتا ہے ۔۔۔ امام ابو حنیفہؒ جن کی راتیں عبادت میں بسر ہوتی تھیں۔ تہجد پڑھتے یا ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔ ظاہر ہے پڑوسی کے اس شور و غل سے ان کی محویت اور یکسوئی میں فرق آتا رہتا، وہ پریشان ہوتے۔ اگر چاہتے تو منٹوں میں تدارک ہو سکتا تھا۔ شہر کے تمام چھوٹے بڑے اُن کی عزّت کرتے تھے۔ حاکموں کے دلوں میں ان کا احترام اور عقیدت تھی، مگر وہ برداشت کرتے رہے۔ ایک رات گشت کرنے والے سپاہیوں نے اُسے اُس کے ساتھیوں سمیت شراب کے نشے اور غل غپاڑے کی بدمستی کا شور سُن کر گرفتار کر لیا اور جیل لے گئے۔

صبح حضرت امام ابو حنیفہؒ نے پڑوسی کے گھر میں خاموشی کا سبب پوچھا کہ رات کو ہمارے خوش فکر ہمسائے کے ہاں خاموشی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ اسے اِسی بدمستی کی وجہ سے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ کہنے والوں کے انداز سے خوشی ٹپکتی تھی۔ گویا وہ خوش تھے کہ ایک شرابی سے نجات مل گئی۔ مگر امام ابو حنیفہؒ یہ سُنتے ہی اُٹھے، کپڑے بدلے اور سیدھے حاکم شہر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس پہنچے جو خلیفہ منصور کا بھتیجا تھا۔ امام صاحبؒ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو درباریوں کو استقبال کے لئے بھیجا۔ خود آپ کو سواری سے نیچے اتار کر نہایت عزّت و احترام سے پاس بٹھایا۔ پھر کہا۔ آپ نے کس مقصد کے لئے زحمت اُٹھائی، مجھے بلا کر حکم دیا ہوتا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا۔ میرا پڑوسی رات کو گرفتار کر لیا گیا ہے میں اُس کی رہائی کے لئے آیا ہوں کہ پڑوسی پر پڑوسی کی امداد کا حق بنتا ہے۔

حاکم نے فوراً سپاہی بھیج کر اُسے امام صاحبؒ کے سامنے پیش کر دیا۔ امام صاحبؒ نے شکریہ ادا کیا اور حاکم شہر سے رخصت ہو گئے۔ آپ کا پڑوسی بھی ساتھ ہو گیا۔ امام صاحبؒ نے راستہ میں اسے اس کے شعر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔ "ہم نے تمہیں ضائع ہونے نہیں دیا"۔ اُس نے نہایت شرمندگی و ندامت سے کہا۔ آپ نے اپنے نالائق پڑوسی کا خوب

Marfat.com

خیال فرمایا اور ہمسائیگی کا حق ادا کر دیا۔ امام ابو حنیفہؒ کے اس بُرائی کے بدلے میں حسنِ سلوک کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ اپنی ساری خرمستیاں بھُول کر پابند نماز ہو گیا اور آپ کے درس میں شریک ہونے لگا۔ آپ کے حسنِ سلوک کا اس سے بہتر نتیجہ کیا ہو سکتا تھا۔

اللہ کے نیک بندوں نے قرآن حکیم کے اس حکم اور نصیحت پر دل و جان سے عمل کیا۔ بیشک وہ صبر والے اور بڑے نصیب والے لوگ تھے۔ ان کے اسی صبر و تحمل اور معافی و درگذر کا نتیجہ تھا کہ اسلام دنیا کے دُور دراز گوشوں تک ان کے اخلاق و کردار کی وجہ سے پھیلتا چلا گیا۔ برائی کے بدلے میں نیکی کرنا اور احسان کرنا ہی دشمنوں کو موم اور ان کی آتشِ حسد و انتقام کو ٹھنڈا کر سکتا ہے۔ ہماری آج کی زیر بحث آیت میں نیکی کو برائی کے مقابلے میں بطور ہتھیار استعمال کرنا دینی احکامات اور دعوت الی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ دین کے مبلغ اور داعی اس کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتے اور اُن کا شیوہ خدا پرستی بھی یہ ہونا چاہیئے، مگر عام حالات میں بھی گھریلو تنازعات، معاشرتی اختلافات اور حکومتی انتظامات اور سیاسی و مذہبی تفرقات میں بھی خدا کا یہ حکم اتنا ہی مُؤثر ہے جتنا دینی معاملات میں۔ اگر ہم اپنے ذاتی، معاشرتی اور سماجی معاملات میں بھی یہی رویہ اختیار کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ دشمنیوں، مخالفتوں اور نفرتوں کے دائرے پھیل کر ہمارا جینا حرام کر دیں یا ہمارے گھریلو اور خاندانی جھگڑے طے نہ ہو سکیں اور ہمارے دشمنوں اور مخالفوں کی تعداد میں کمی نہ آئے۔

حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ نے حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسی طرح اپنے سر کے قاتل کو معاف کر دیا تھا۔ جیسے آپ نے صفوان بن امیہ کے بارہ میں پڑھا ہے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ ایک دفعہ ریگستانی علاقہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ذکر و فکر کی محفلیں گرم تھیں، لنگر جاری تھا۔ دیگیں پکتیں تو آس پاس کے کیا دُور دراز کے لوگ آتے، لنگر سے کھانا کھاتے اور آپ کے فیض سے فیضیاب ہوتے تھے، لیکن خود آپ سوکھی روٹی پانی میں بھگو بھگو کر کھاتے۔ وہ بھی روزانہ نہیں کیونکہ اکثر ان کا روزہ ہوتا۔ اس علاقہ کے مہاراجہ نے دیکھا کہ حضرت کے یہاں آکر ملنے سے لوگ ان کے گرویدہ ہو رہے ہیں۔ ان کے اخلاق اور تبلیغ دین سے اسلام کی سچائی پھیل رہی ہے۔ ہندوانہ ذات پات کی تمیز مٹ رہی ہے۔ اس نے اپنے ایک رازدار کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ خنجر لے کر ان کا کام تمام کر دو۔ یہ مسلمان صوفی لوگوں کو مسلمان کر کے بھائی بھائی بنا رہا ہے۔ عالم و جاہل، امیر غریب، حاکم و محکوم، افسر و ماتحت کا فرق مٹا کر سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے۔ اس سے میرے اقتدار کو سخت خطرہ ہے۔ میں کن لوگوں پر حکومت کروں گا۔ جاؤ اسے ختم کرو تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ راجہ کے حکم سے وہ وفادار و رازدار خنجر بغل میں دبائے حضرت معین الدین چشتیؒ کی محفل میں آپہنچا۔ عام لوگ چہرہ دیکھ کر خیالات پڑھ لیتے ہیں، یہاں تو معاملہ صاحبِ کشف سے تھا۔ حضرتؒ نے جلاد کو دیکھ کر ارادہ بھانپ لیا اور اُسے محفل میں اپنے پاس بٹھا لیا۔ بڑی شفقت و محبت کا سلوک فرمایا۔ کچھ دیر تو لوگ اس اجنبی اور اُس کے ساتھ حضرت کے امتیازی سلوک پر متوجہ رہے۔ پھر لوگ ذکر و فکر اور مراقبے میں مشغول ہو گئے تو حضرت نے آہستہ سے فرمایا۔ عزیز من موقعہ غنیمت ہے اپنا کام کر جاؤ۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ لیکن انکشافِ راز پر اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ چپکے سے خنجر نکال کر سامنے رکھ دیا اور کہا۔ اب آپ اس خنجر سے میرا کام تمام کر دیں۔ آپ نے اسی شفقت و محبت سے فرمایا نہیں

Marfat.com

دوست بُرائی کا بدلہ لینا ہمارے مذہب میں نہیں اور پھر تُو نے کوئی برائی کی بھی نہیں ہے۔ سیر الاقطاب میں ہے کہ اس شخص نے توبہ کی اور ایمان لے آیا۔

برائی کے دفاع میں نیکی کرنے کا تیر بہدف نسخہ یہی ہے کہ قرآنی احکامات، حضورؐ کے ارشادات اور اُن پر عمل کے بعد بندگانِ خدا کی یہ مثالیں فرضی نہیں واقعاتی اور حقیقی ہیں۔ ہم جو اس وقت داخلی طور پر جن ذاتی اختلافات اور گھریلو خاندانی تنازعات کا شکار ہیں وہاں خارجی طور پر ہماری اجتماعی زندگی، سیاسی گروہ بندیوں، مذہبی نفرتوں، نظریاتی و فکری انتشار، عقائد و مسالک کے افتراق کا شکار بھی ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے، ہر فرد اور ہر گروہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے رہا ہے، بیان بازیوں، مناظرہ بازیوں اور بہتان تراشیوں سے ضد اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے روّیہ پر پشیمانی، ندامت صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ ہم برائی کے جواب میں اگر نیکی نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموشی اختیار کریں اور ہر بدگوئی و دشنام طرازی کے جواب میں خوش کلامی اور خوش گفتاری کا روّیہ اپنائیں تو یکطرفہ برائی کی ٹریفک میں حادثوں کا امکان ختم ہوگا اور نفرتوں کی شدت میں کمی آجائے گی۔ خدا ہمیں ایسا مزاج اور ایسی طبیعت نصیب فرمائے کہ یہ روّیہ ہمارے ہی حق میں مفید اور بہتر ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

صبر و رضا

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ۔ سورۂ بقرہ	آزمائشوں پر صبر کا صلہ۔ صبر کی تعریف اور صورتیں۔ انبیاء کا صبر۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضورؐ کا صبر۔ حضرت یعقوبؑ کا صبر۔
۲	انا للہ وانا الیہ راجعون کا محل و مطلب۔	زبانی نہ ہو دل سے ہو۔ طبیعت میں انقباض نہ ہو۔
۳	صبر و بُردباری خدا کی صفت	صبارؔ۔ شکورؔ۔ عفوؔ۔ حلیم۔
۴	انسان کی طبعی صفت	انسان خاک سے بنا ہے۔ خاک کے طبعی خواص و صفات۔ مقابلے میں شیطان آگ سے بنا ہے۔ خاک اور آگ کا طبعی موازنہ۔
۵	واقعات و امثال	امام ابو حنیفہؒ۔ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی پہلی بیوی
۶	مسلمان خواتین کے لئے عبرت و نصیحت۔	جدید سوسائٹی کے افسر اور رواج۔

Marfat.com

صبر و رضا

آیت معہ ترجمہ

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ - (البقرہ)

صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو کہ جب اُن پر کوئی آزمائش کے طور پر مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف مُڑنے والے ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جن پر ان کے رب کی طرف سے عنائتیں اور مہربانیاں ہوں گی اور رحمت ہوگی۔

تفسیر و تشریح

یہ آیات سورہ بقرہ کی آیات ۱۵۵ تا ۱۵۷ سے تعلق رکھتی ہیں جس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ ہم تمہیں۔ تم پر خوف مسلط کر کے، بھوک میں مبتلا کر کے مال و دولت میں نقصان پہنچا کر جانوں کے نقص، بیماری، معذوری اور موت کی صورت میں یا پیداوار فصلوں اور پھلوں کا خسارہ دے کر آزمائیں گے اور جو بھی ان آزمائشوں کو خدا کی طرف سے سمجھ کر راضی ہوگا، صبر سے کام لے گا اور اس موقعہ پر دل سے کہے گا کہ ہم اور مال و دولت سب خدا کا ہے اور ہم سب نے ایک دن اسی کی طرف جانا ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ اپنا خاص عنائتیں فرمائے گا اور رحمتوں سے نوازے گا اور مصائب میں یہی طرز عمل اختیار کرنے والے ہدایت یافتہ شمار ہوں گے۔

صبر کی تعریف

صبر کے لفظی معنی روکنا، قابو پانا کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں دین اسلام کی قبولیت کے بعد اور خدا کے احکامات کی بجا آوری کے سلسلہ میں جتنی مشکلات، باطل قوتوں اور دین کے دشمنوں کی طرف سے پیش آئیں۔ ان کی طرف سے جتنی سختی بھی آئے خدا کا وہ بندہ اُن ساری سختیوں، دشمنیوں، نفرتوں اور اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ ان پر پُرسکون اور صابر رہے۔ زبان شکایت دراز نہ کرے اور گلہ گزار نہ ہو تو مزاج اور طبیعت کی یہ کیفیت صبر کہلاتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خدا کی قائم کردہ حدود کا پابند رہ کر اپنے اُوپر دنیاوی لذات، نفسانی خواہشات اور طبعی میلانات کو روکے رکھے۔ شراب و شباب، عیش و نشاط، آسائشوں و آرائشوں سے کنارہ کش رہے۔ اس کے چاروں طرف فحاشی و بے حیائی کے دعوتی نظارے ہوں۔ رشوت، غبن، خیانت کاری و بد دیانتی، ناجائز آمدن کے کھلے اور آزادانہ مواقع ہوں، مگر وہ محض اللہ کے خوف اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے ان سے دُور رہے ان میں ملوث نہ ہو، اپنے نفس کو روکے رکھے اور صرف حلال ذرائع پر اکتفا کرے۔

صبر کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات، اپنے مال اور پیداوار، تجارت و کاروبار میں جیسا کہ آیت میں کہا گیا ہے۔ خدا کی آزمائش پر صبر کرے۔ بیماری آ جائے۔ کسی حادثہ میں معذوری آ جائے، کسی عزیز و اقارب کی موت کا صدمہ آ جائے، کسی کاروبار اور پیداوار میں گھاٹا آ جائے تو اسے خدا کی راہ میں آزمائش جان کر خدا کا دامن اور خدا کے دین کا تعلق نہ چھوڑے۔ اس لئے کہ دین کے لئے انبیاء، صلحاء اور اولیاء ایسی آزمائشوں سے بار ہا گزرے اور گزرتے رہے۔

انبیاءؑ کا طرزِ عمل

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کیسی کیسی آزمائشیں آتی رہیں۔ آگ میں ڈالنے، بیٹے کو ذبح کرنے، گھر بار چھوڑنے، بیوی بچے کو غیر آباد مقام پر آباد کرنے کی آزمائش ہوئی مگر انہوں نے ہر آزمائش کو بصد خوشی قبول فرمایا۔ واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن۔ جب ابراہیمؑ کو آزمائشوں میں ڈالا گیا اور انہوں نے اسے اسے مکمل کر لیا تو تب جا کر خداوند تعالیٰ نے انہیں انسانوں کی امامت کے منصب پر فائز فرمایا۔

۲۔ حضورؐ کے راستہ میں کتنی تکلیفیں آئیں۔ مخالفتوں کے طوفان اُٹھے۔ تذلیل و تحقیر کی کمیٹیاں بنیں۔ قتل کے منصوبے ہوئے، ہجرت کرنا پڑی، طائف میں پتھر کھائے، اُحد کے میدان میں پیشانی پر تلوار کے زخم سہے، دانت شہید ہوئے۔ مگر ہر مرحلہ اور ہر موقعہ پر صبر کا دامن نہ چھوڑا۔ بچوں کی وفات کے صدمے تک سہے۔ دنیاوی لذات، عیاشیوں، آسائشوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔ فاقہ کشی کے دن گزارے۔ غربت و افلاس کا منہ دیکھا مگر دنیا کی طلب اور خواہش نہ فرمائی۔

ان آیات میں صبر کی انہی صورتوں میں جو ثابت قدم رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بے حد و حساب اجر و نوازش سے نوازتا ہے۔ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر تو ضرب المثل ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی تعریف فرماتے ہیں کہ ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ تمہاری بیماری میں جو اجر و ثواب میں نے دینا ہے اُسے ستر نبیوں کو بتایا تو سب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش یہ بیماری ہمیں لگتی۔ لیکن یہ مرتبہ میں نے صرف تم کو عنایت فرمایا ہے تاکہ دنیا و آخرت میں لوگ تمہاری تعریف کریں۔

۳۔ حضرت ایوبؑ صاحب مال و اولاد تھے۔ جب اللہ کی آزمائش آئی تو مال و اولاد بھی نہ رہی اور خود ایسے بیمار ہوئے کہ جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ بستی سے دُور ویرانے میں پڑے رہتے۔ صبر کئے رہے۔ سوائے بیوی کے کوئی پاس نہ آتا۔ اس تکلیف میں وہ سات سال سات ماہ اور سات دن رہے۔ امام رازیؒ کے بقول اٹھارہ برس اس بیماری میں مبتلا رہے۔ ان کی اس تکلیف دہ مردم بیزار بیماری پر صبر کی وجہ سے ابلیس بھی چیخ اُٹھا کہ انہیں خدا سے شکوہ سنج نہ کر سکا۔ اُسے دُکھ تھا کہ وہ اپنے سارے مکر و فریب کے جال ان پر پھینک کر ناکام و نامراد ہو چکا تھا۔

مگر اس قدر طویل اور تکلیف دہ بیماری پر صبر کرتے ہوئے کامیاب ہوئے تو اس کا دُور کرنا خدا کے لئے چنداں مشکل نہ تھا۔ ایک انار ایک سیب ان کی مرض کا علاج بنا جو خود خدا نے بھیجا اور جبرئیلؑ کے ذریعہ حکم ہوا کہ بایاں پاؤں زمین پر مارو۔ جب تعمیل کی تو ٹھنڈے اور گرم پانی کے چشمے اُبل پڑے۔ ٹھنڈا پانی پیا اور گرم سے نہائے اور تندرست و توانا ہو گئے۔ لکھا ہے کہ ان کی اہلیہ محترمہ بھی اس حال میں شکوہ گزار ہوئیں کہ خداوند تعالیٰ نے مبتلائے مرض کر دیا۔ کوئی دعا اور دوا کارگر نہیں ہوتی۔ فرمانے لگے۔ خدا کی بندی خدا کا شکر کرو۔ زندگی کا سارا عرصہ آرام، خوشی اور تندرستی میں گزارا ہے۔ اب

اگر تھوڑا عرصہ بیماری آگئی تو کیا ہو گیا۔

اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون کا فلسفہ اس آیت میں خدا کی طرف سے ہر آزمائش اور مصیبت پر انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون پڑھنے کا حکم ہے۔ یعنی انسان کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ جو کچھ تم سے چھینا گیا ہے وہ اُس خدا کا دیا تھا جس نے لے لیا ہے۔

جان دی، دی ہُوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

والی بات ہے۔ اور خود ہماری جان بھی اسی کی ہے۔ ہم نے خود بھی اسی خدا کی طرف لوٹنا ہے۔ جدھر مال و دولت، صحت، اولاد رشتہ دار چلے گئے ہیں ہم نے بھی جانا ہے تو پھر کیوں رویا جائے، کیوں غم کھایا جائے۔ لیکن انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون کا یہ حکم صرف زبانی زبانی نہ ہو عملی طور پر، دلی طور پر بھی یہی رویّہ اور یہی احساس ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان پر زوراً تو کہہ دیا جائے مگر دل میں ناراضگی ہو، غم لیا ہُوا ہو اور اپنی جان پاگل بنا رکھی ہو۔

ہر وہ بات جس سے طبیعت میں انقباض، تنگی اور پریشانی پیدا ہو جائے اسی پہ یہ کلمات انّا للّٰہ پڑھے جائیں۔ حضورؐ نے ایک دفعہ جب ہوا سے دیا بجھ گیا تو انّا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا۔ حضورؐ یہ بھی مصیبت ہے کہ اس پہ یہ کلمہ پڑھا جائے۔ آپؐ نے یہی فرمایا کہ ہاں ہر وہ بات جس سے پریشانی ہو اسے پڑھنا چاہیئے۔ حضورؐ نے فرمایا مصیبت میں چلاّنے اور رونے پیٹنے کی بجائے یہ کلمہ پڑھا جائے سچے دل کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ اس نقصان کی تلافی فرماتے ہیں اور آخرت میں اجر و ثواب ہوتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ جب کسی کا چھوٹا بچہ وفات پا جاتا ہے تو خداوند تعالیٰ حضرت عزرائیلؑ سے فرماتے ہیں تم نے میرے بندے کے بچّے کی روح قبض کر لی۔ اُس نے اس صدمہ پر کیا کیا۔ فرشتہ جواب دیتا ہے کہ اس نے صدمہ کو صبر سے برداشت کیا اور انّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون پڑھا۔ خداوند تعالیٰ حکم دیں گے کہ اس بندے کے لئے جنت میں گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔ (تفسیر کشف الرحمٰن)

صبر کا معاشرتی و ذاتی فائدہ صبر و رضا کو حلم اور بردباری بھی کہا جاتا ہے۔ انسان اپنی معاشرتی زندگی حلم بردباری اور صبر و برداشت کی صفات ہی سے معاشرے میں عزت و احترام کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ سرکش سے سرکش افراد اس کے صبر کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ جب بھی کوئی شخص مختلف انسانی مزاج کے افراد میں رہتا ہے تو اسے مختلف تکالیف، مختلف باتوں اور اپنے مزاج کے خلاف رویوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنے جذبات کا خون کرنا پڑتا ہے۔ وہ دوستوں کی طرف سے تکلیفیں اُٹھاتا ہے، اذیتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں بسا اوقات اردگرد کے انسانوں کے ناروا رویّے اور سلوک سے سامنا ہوتا ہے۔ جب وہ ان سب پر صبر اور برداشت سے کام لیتا ہے تو روحانی طور پر اس کے اندر بلندی پیدا ہوتی ہے۔ قلب میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ ایسا سلیم الطبع اور بردبار آدمی معاشرے کی قیمتی متاع ہوتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص انسانوں کے درمیان رہ کر انہیں برت کر ان کی طرف سے ہر قسم کی بدسلوکی، دھوکے

Marfat.com

یا فریب، احسان فراموشی، بے وفائی اور طوطا چشمی پر صبر کرتا ہے، وہ اس شخص سے کہیں بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اور مخلوقِ خدا سے بیزار ہو کر دل برداشتہ ہو کر تنہائی میں جا بستا ہے۔

صبر خدا کی صفت ہے

بُردباری، حلم اور صبر خود خدا کی ذاتی صفت ہے۔ خداوند تعالیٰ صبارؔ شکور بھی ہے اور عفوؔ حلیم بھی ہے کہ اپنی تمام تر قدرت اور طاقت اور انتقام پر قدرت کے باوجود اپنے منکروں، کافروں اور دوسرے خداؤں کے پوجنے والوں سے درگذر کرتا ہے۔ کسی کو بھی اس کی گستاخی کی سزا نہیں دی جاتی۔ صبر کی رسّی اور مہلت کی مدت دراز کی جاتی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسان کی پیدائش مٹی سے کی ہے۔ مٹی کی صفت خاکساری ہے۔ آپ اس زمین پر جتنی زیادتیاں کرتے ہیں۔ آپ کی تمام گندگیاں، آلودگیاں یہ اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور اگر دیتی ہے تو رزق، پھل اور ہر وہ چیز جس پر ہمارا اور ہمارے پالتو جانوروں کے رزق کا دارومدار ہے پھل دار درختوں پر پتھر برسائے جاتے ہیں، مگر وہ جواب میں پھل دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں مشہور مثال ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ انسان جتنا بھی اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کرے۔ اس پر عمل کرے۔ اس کا انجام اور نتیجہ کبھی بھی برا اور خراب نہیں نکلے گا۔ (کا)

انسان میں خاک کے اثرات

پھر کہا جاتا ہے کہ صبر کی دیگ کے نیچے کیچڑ جلتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ صبر کرنے والوں کے مطلب اور مقاصد کی دیگ کیچڑ جیسی آگ نہ پکڑنے والی چیز بھی پکا دیتی ہے۔ ناممکن اور نامساعد حالات بھی صبر کی وجہ سے درست اور مساعد بن جاتے ہیں۔ کہا یہ جا رہا تھا کہ انسان مٹی سے بنا ہے تو مٹی میں حلم ہے، بُردباری ہے، عاجزی ہے، خاکساری ہے، صبر ہے۔ اس کے مقابلے میں شیطان آگ سے بنا ہے۔ وہ کسی کا دوست نہیں، نہ اسے دوست و دشمن کی پہچان ہے۔ اسے اگر محدود انداز سے استعمال کیا جائے تو آپ کے کام آ سکتی ہے ورنہ اس کا کام جلانا ہے۔ برداشت، صبر اور لحاظ اس کی سرشت میں سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لئے صبر و برداشت سے محروم انسان خاک کا پتلا نہیں۔ آگ کا شعلہ ہوتا ہے جو اپنے جلانے والے کو بھی بھسم کر دیتی ہے۔ اپنی پوجا کرنے والوں کو بھی جلاتی ہے۔

خدا کے بندوں میں خاکساری اور صبر ہوتا ہے۔ وہ ہر حال میں صابر و شاکر رہتے ہیں۔ جلد بازی اور بے صبری شیطان اور اس کے چیلوں کا کام ہے۔ حضرت سفیانؒ ایک دن حضرت رابعہ بصریؒ کے ہاں گئے اور ان کی بیماری اور تکلیف کو دیکھ کر کہا۔ رابعہ دعا کرو کہ خداوند تعالیٰ تمہاری تکلیف تجھ پر آسان کر دے۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ سفیان کیا تم نہیں جانتے کہ یہ بیماری خدا کے حکم کی وجہ سے ہے۔ جب اس کے حکم سے ہے تو میں اس کی مرضی اور حکم کے خلاف کیسے خواہش کر سکتی ہوں۔

واقعات وامثال

۱۔ امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور پوچھا۔ آپ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ پھر کہا۔ آپ کی والدہ زندہ ہیں؟ فرمایا۔ ہاں زندہ ہیں۔ اس نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ حسینہ وجمیلہ ہے۔ میں اس کے ساتھ نکاح کرنے آیا ہوں۔ آپ نے نہایت صبر کے ساتھ یہ

Marfat.com

سنا اور فرمایا۔ وہ عاقل اور بالغ ہیں، انہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے۔ میں جبر نہیں کر سکتا۔ البتہ ان سے پوچھ سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ اُٹھے کہ والدہ سے پوچھیں تو دیکھا کہ وہ شخص تڑپ تڑپ کر جان دے رہا تھا۔ فرمایا: ابوحنیفہؒ کے صبر نے اُس کی جان لے لی۔

۲۔ مولانا اسمٰعیل شہید انتہائی جوشیلے تھے۔ ان کے امتحان کی غرض سے ایک شخص آیا۔ آپ جامع مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اس نے مجمع میں باآوازِ بلند کہا۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ حرامی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے غلط سنا ہے۔ میری ماں کے نکاح کے گواہ زندہ ہیں، اگر یقین نہ ہو تو تصدیق کرا دُوں۔ وہ شخص قدموں میں گر پڑا اور کہا۔ میں امتحان لینا چاہتا تھا کہ آپ کی طبیعت کی تیزی تکبّر کی وجہ سے تو نہیں، مگر معلوم ہوُا کہ آپ کی طبیعت کا غصہ اللہ کے لئے ہے۔

صبر کی ایک صورت یہ ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوُا ہے کہ انسان کو اگر کسی قسم کا نقصان یا خسارہ پہنچے تو واویلا نہ مچائے نہ آسمان سر پہ اُٹھائے۔ ہماری آیت کا موضوع بھی یہی ہے کہ تمہیں جان و مال کے نقصان، خوف اور بھُوک کے ذریعہ آزمایا جائے گا۔ اگر کوئی ان آزمائشوں پر صبر کرے گا تو اسے اللہ کی طرف سے خوشخبری دی جائے گی کہ خدا اس پر اپنی عنایتیں اور راحتیں نازل فرمائے گا۔ اس سلسلہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے صبر و رضا کی مثال بڑی نصیحت آموز ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جہاں اپنے زمانے کے غوثِ اعظم تھے، روحانی لحاظ سے ان کا مرتبہ بہت بلند تھا، وہاں دنیاوی اعتبار سے ملک التجّار تھے۔ بہت بڑے تاجر، سرمایہ دار اور امیر شخص تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دُور دراز کا سفر طے کر کے آیا کہ روحانی تربیّت اور سلوک کی منزلیں طے کروں۔ یہاں دیکھا تو حال ہی اور تھا، نوابوں کے سے کارخانے، امیروں کی سی زندگی، نوکر چاکر، شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ تھی۔ دل میں سوچا یہاں فقیری و درویشی کا دُور دُور تک پتہ نہیں، مایوس ہوُا، مگر اسی وقت واپسی ممکن نہیں تھی کہ دُور دراز کا باسی تھا۔

چند دن قیام کرنا پڑا۔ دونوں وقت شیخ کی خدمت میں جاتا۔ ایک دن اس کی موجودگی میں کسی ایجنٹ کا خط ملا کہ ہمارا فلاں جہاز جس پہ لاکھوں کا سامان تھا اور مصر کی طرف جا رہا تھا، وہ ڈوب گیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے سن کر الحمد للہ فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ چند دنوں بعد اسی گماشتے کا دوبارہ خط ملا کہ ڈوبا ہوُا جہاز بسلامت نکل آیا اور تجارتی سامان بھی کسی نقصان کے بغیر محفوظ رہا۔ آپ نے پھر الحمد للہ پڑھا۔ تو اس مرید سے نہ رہا گیا۔ پوچھا کہ اجازت ہو تو عرض کروں۔ فرمایا۔ کہو۔ کہا۔ حضرت آپ کا یہ مالِ تجارت اگر مال حلال ہے تو اُس کے تلف ہونے پر آپ نے الحمد للہ کیوں فرمایا۔ حلال مال کے نقصان پر افسوس کا موقعہ تھا۔ اگر یہ مال حرام ہے تو حرام مال کی بازیافت پر بھی الحمد للہ کہنے کا محل نہ تھا کہ اس کی تلفی ہی بہتر تھی۔ ملنا تو شکر و حمد کا مقام نہ تھا۔

آپ نے مُسکرا کر فرمایا۔ مال تو خدا کے فضل سے حلال اور طیب ہے، لیکن شکر نہ اس کے تلف ہونے پر کیا ہے نہ اس کی بازیافت پہ۔ بلکہ جب اس کے تلف ہونے کی اطلاع ملی تو اپنے دل کی حالت کو دیکھا کہ اس میں اس نقصان پر کیا اثر ہوُا۔ چنانچہ دیکھا تو دل میں اس کے تلف ہونے کا کوئی افسوس نہ تھا۔ میں نے الحمد للہ اپنے دل کی اس حالت پہ کہا تھا کہ شکر ہے کہ خدا نے اس دل میں مال کی اتنی محبت پیدا نہیں کی کہ اس کے جانے پر افسوس اور دکھ ہو۔ اسی طرح جب اس

جہاز اور مال کے بسلامت ملنے کی خبر ملی تو پھر دل کی حالت پر غور کیا تو بھی وہاں خوشی، مسرت اور غرور یا تکبر کا کوئی شائبہ نہ پایا۔ تو پھر خدا کا شکر کیا کہ الحمدللہ دنیا کے سود و زیاں کی مجھے پرواہ نہیں، یہ میری نظروں میں ہیچ ہے دنیا کے معاملات اور کاروبار میں ملوث رہ کر بھی دل اس سے بے تعلق ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمین پر اور تمہارے نفسوں پر اترنے والی مصیبت پہلے سے خدا کے طے شدہ فیصلے کے مطابق لکھی جاتی ہے: لکیلا تا سوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اٰتکم۔ تاکہ جو کچھ تم سے چھن جائے اسے خدا کا فیصلہ سمجھ کر افسوس نہ کرو اور جو کچھ تمہیں مل جائے اس کی خوشی میں جامے سے باہر نہ ہو جاؤ۔

صبر کے سلسلہ میں سب سے بڑی ضرورت ہماری خواتین خانہ کو ہونی چاہیئے اور آج کے دور میں اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ ہماری گھریلو اور خاندانی پریشانیوں کا سب سے بڑا سبب ہماری خواتین میں قناعت اور صبر کا فقدان ہے۔ وہ فیشن کی دوڑ اور زندگی کی آسائشوں کی حرص میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتی ہے خاوندوں کی آمدن سے زیادہ پاؤں پھیلاتی ہیں اور ان کی حرص کی آگ اور ضروریات زندگی کی زیادہ سے زیادہ بھوک کسی مقام اور حدود پر نہ بجھتی ہے اور نہ مٹتی ہے بلکہ آئے دن ھل من مزید کا تقاضا جاری رہتا ہے اور ان خواہشات مطالبوں اور فرمائشوں کے سلسلے پھیل پھیل کر خاوندوں کو والدین کو، اگر ملازم ہوں تو غبن، رشوت ستانی، خیانت اور بددیانتی پر مجبور کرتے ہیں اور اگر تجارت پیشہ ہوں تو تجارتی دھوکے اور فریب سے کام لینا پڑتا ہے۔ ایک صبر اور قناعت کے نہ ہونے سے نہ جانے کتنی اخلاقی خرابیاں مزاج کا حصہ بن جاتی ہیں۔ مناسب ہے کہ ہماری خواتین اپنی اولاد اور نسل کو حرام خوری کی لعنت سے بچانے کے لئے صبر و قناعت سے کام لیں اور جائز آمدن کے اندر اندر اپنے اخراجات و ضروریات کا اندازہ مقرر کیا جائے۔ اسلامی قوانین، احکامات اور خدائی ہدایات دراصل ہماری اپنی زندگی کی آسانیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔ ان پر عمل سے ہم اپنی مالی پریشانیوں اور اخلاقی جرائم سے بچ سکتے ہیں۔ گھریلو آسائشوں اور اپنے سٹیٹس کی نمائش کے تقاضے اگر نہ ہوں، بچیوں کے جہیز میں نمود و نمائش اور تفاخر کا شوق نہ ہو۔ بچوں کی خوشی اور شادی میں سادگی کی بجائے غیر ضروری اخراجات، تعلقات کی نمائش اور رعب تو کر دیا جاتا ہے، مگر پھر سالوں تک پورا گھر اقتصادی بدحالی میں مبتلا رہتا ہے۔

میرے ایک عزیز کی بیٹی کی شادی تھی۔ وہ خیر سے وفاقی حکومت کے ایک بہت بڑے عہدے پر فائز تھے حلقۂ اثر اور تعارف انتہائی اعلیٰ سوسائٹی سے قائم ہے کہ خود بھی اسی سوسائٹی کے اہم رکن تھے۔ انہوں نے اپنی خاندانی، علاقائی اور قبائلی روایات سے ہٹ کر۔ کہ بچی کی شادی میں سوائے قریبی رشتہ داروں کے کسی دوسرے آدمی کو نہیں بلایا جاتا کہ مشرقی روایات میں اس کا ڈھنڈورا پیٹنا شرم خیال کیا جاتا ہے اور دوسرا بچی کے لئے تحفے اکٹھا کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے لڑکے کی شادی کے روایتی انداز میں کارڈ چھپوا کر صوبوں کے وزراء اور وفاقی افسران کو بھیج کر خوب تشہیر کی، قیمتی تحائف جمع کئے اور فائیو سٹار ہوٹل میں ایک وقت کا کھانا کھلایا۔ ساٹھ ستر ہزار روپیہ کا خرچ ہوا۔ بیوٹی پارلر میں دلہن اور دلہا کو سجایا گیا۔ وہاں سے لے کر بارات کی روانگی تک مووی فلم تیار ہوئی۔ دلہن اور خواتین خانہ بے حجاب ہوئیں۔ غیر مردوں کے ہجوم میں خواتین اور بالخصوص باپردہ خواتین کی بے حجابی و بے پردگی کا یہ سارا ڈرامہ کھیلا گیا۔ اس پر

Marfat.com

فخر کیا گیا۔ اپنے اعلیٰ تعلقات وتحائف کی خوب سے خوب تشہیر ہوئی۔ غریب رشتہ داروں پہ اپنی شخصیت اور منصب کا لوہا منوایا گیا۔ کمال یہ ہے کہ یہ عزیزہ کسی کانوونٹ سکول یا عیسائی مشنری ادارہ سے تعلیم یافتہ نہ تھے۔ خاندان دینی علوم میں اعلیٰ معیار کا دعویدار ہے۔ خود بھی ماشاء اللہ عربی اسلامیات میں ایم اے اور اسلامی قوانین میں پی ایچ ڈی ہیں۔ خیر سے دو حج بھی فرما چکے ہیں ـــــ چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ بچی کی یہ شادی کیا اسی اسلامی قانون اور شریعت کے مطابق کی گئی جس کی ڈگری اور منصب کو بڑے فخر کے ساتھ اپنے نام کے تحریری پیڈ پہ لکھا جاتا ہے۔ کیا یہ شادی سادگی اور خاموشی سے نہیں ہو سکتی تھی اور وہ روپیہ اپنے ہی خاندان کی یتیم غریب بچیوں کے جہیز کی تیاری اور شادی پہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ کیا انہوں نے سورۃ البلد کی یہ آیات نہ پڑھی ہوں گی۔ یَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔

کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ صبر کی یہ تعریف اور صورت بھی ہے کہ انسان اپنی زندگی کے معاملات میں اپنے نفس کو ان تمام لذات، نمود ونمائش اور اظہار تکبّر وتفاخر کے کاموں سے روکے جو خدا کے احکامات اور شریعت سے ٹکراتے ہوں اور اس سلسلہ میں ہماری گھریلو خواتین مؤثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو غیر مزارعہ اور غیر آباد سرزمین مکّہ میں چھوڑا اور وہ وہاں بس گئے تو حضرت ابراہیمؑ کو جب بھی موقعہ ملتا ان کی خبر گیری کے لئے آتے۔ ایسے ہی موقعہ پر جب آپ مکّہ تشریف لے گئے تو حضرت اسمٰعیلؑ کا دروازہ کھٹکھٹایا، وہ گھر پہ موجود نہ تھے۔ ان کی اہلیہ سے دریافت فرمایا تو کہا کہ وہ روزی کی تلاش میں نکلے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیسی گزرتی ہے تو بی بی نے شکایات کا دفتر کھول دیا۔ بڑی بُری گزر رہی ہے۔ زندگی مصیبت ہے۔ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے، وغیرہ وغیرہ۔ مرد ہو یا عورت، ناشکری کی عادت ہو، قناعت اور صبر سے دامن خالی ہو تو ایسی شکایتیں سننے میں آتی ہیں۔ اسی لئے اللہ اور اُس کے رسولؐ کا فرمان ہے۔ قناعت کی عادت ڈالو۔ صبر اور قناعت سب سے بڑی نعمت ہے۔ مولانا حالی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

مصیبت کا اِک اِک سے احوال کہنا | نہیں اس سے بڑھ کر مصیبت زیادہ

دنیا کا طریقہ ہے۔ خاوند بیوی مل کر گھر چلاتے ہیں، اگر میاں کی آمدن کم ہو تو بیوی کا ناک بھووں کا چڑھانا اور ہر ایک سے تنگی ترشی کی شکایت کرنا بُری بات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب اپنی بہو کی بیزاری کا حال سُنا تو فرمایا۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ جب تمہارا خاوند آجائے تو انہیں میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ بدل دے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام شام کو گھر آئے تو بیوی نے سارا حال بیان کر کے چوکھٹ بدلنے کا بھی ذکر کر دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ اپنے والد کا اشارہ سمجھ گئے۔ انہوں نے چوکھٹ بدل دی یعنی اس بیوی کو چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ حضرت ابراہیمؑ تشریف لے گئے۔ پھر بھی حضرت اسمٰعیلؑ گھر پہ موجود نہ تھے۔ اس دفعہ بھی اُن کی بیوی سے وہی سوال کیا کہ کیسی گزرتی ہے۔ جواب ملا۔ اچھی گزر رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا تعارف کرائے بغیر لوٹ آئے اور کہا۔ میاں سے سلام کہنا اور کہنا کہ چوکھٹ کو سنبھال کر رکھے۔ شام کو اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ آئے۔ بیوی نے ایک مسافر کے آنے، خیریت دریافت کرنے کا سارا حال سُنایا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے خدا کا شکر ادا کیا اور بیوی سے فرمایا۔ وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ تم سے مل کر خوش ہوئے ہیں اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارا خیال رکھوں۔ تم سے پہلی بیوی کو چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ خدا کا حکم ہے۔ واشکرولی ولاتکفرون۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔ میرا شکر ادا کرو۔ میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔ اگر شکر کا رویّہ اپناؤ گے تو نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہے گا صبر اور شکر خدا کی نعمتیں ہیں۔ اس سے زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ خدا کے بندے صابر و شاکر ہوتے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

شکرِ نعمت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ سورہ ابراہیم	شکر نعمتوں میں اضافہ کرتا ہے۔
۲	شکر کے معنی، شکر کے انداز	دل سے۔ زبان سے اور عمل سے۔
۳	خدا کی نعمتوں کا تذکرہ	کائناتی نعمتیں، تخلیق انسانی کی نعمت۔ خواص خوبیاں اور صلاحیتوں کی ودیعت
۴	تسخیر کائنات کی نعمت	نظم کائنات پر قدرت۔ جانوروں کی تسخیر فراہمی رزق کے سامان، اقتدار اور نیابت الٰہی کی نعمت۔
۵	تعلیمات نبوی ؐ	حضور ؐ کا ذاتی عمل اور تعلیمات شکر
۶	کفرانِ نعمت	نعمتوں کا انکار کرنا۔ بے جا استعمال کرنا۔ قوم سبا کا ذکر۔ سورہ سبا کی تفسیر
۷	واقعات شکر اور ناشکری	حضرت عمرؓ کے واقعات۔ معاذ بن جبلؓ کی روایت۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ۔ حضرت عباسؓ کی روایت۔

Marfat.com

شکرِ نعمت

آیت معہ ترجمہ

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۔ اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو ان نعمتوں میں اضافہ کیا جاتا رہے گا اور ان کی ناشکری کرو گے تو یاد رکھو میرا عذاب بہت زیادہ سخت ہے۔ (سورۂ ابراہیم: ۷)

تفسیر و تشریح

ہم ان مضامین میں ان تمام اوصاف کا ذکر کر رہے ہیں جو کسی انسان کی ذاتی اور شخصی خوبیاں کہلاتی ہیں اور جن کی وجہ سے کوئی آدمی خدا کا محبوب و پسندیدہ انسان ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ خلق خدا کے دلوں کا محبوب اور ہر دلعزیز بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان اوصاف میں سے صبر کے بعد دوسری خوبی شکر گزاری، احسان شناسی اور احسان مندی کی بھی ہے۔ اچھا آدمی وہی ہوتا ہے جو خدا کی دی ہوئی بے شمار و بے حساب نعمتوں کا شکر گزار رہ کر اس کی بندگی کرے اور انسانوں کے احسانات اور حسن سلوک کو ہمیشہ یاد رکھے۔ تو ظاہر ہے کہ خدا اپنے احسانات اور نعمتوں کی شکر گزاری میں اس پر مزید نعمتوں کا نزول فرمائے گا اور احسان کرنے والے دوسرے انسان اس کی قدردانی اور احسان مندی پر اسے زیادہ سے زیادہ دوست اور محبوب رکھیں گے اور باہمی خوشگوار تعلقات، حسن سلوک اور حسن معاملہ کے سلسلے روز بروز پختہ، مضبوط اور دائمی ہوں گے۔ مندرجہ صدر آیات کا یہی مفہوم اور مطلب ہے۔ ناشکرے، بے وفا، مار آستین اور طوطا چشموں کو نہ معاشرہ پسند کرتا ہے نہ وہ اللہ کی ذات کے محبوب ہوتے ہیں اور نہ وہ کسی قسم کے تعلق میں بھی اعتباری اور قابل بھروسہ ہوتے ہیں۔

شکر کے معنی اور انداز

شکر کے لغوی معنی ہیں کسی جانور کے آگے تھوڑا سا چارہ ڈالا جائے تو بھی وہ تر و تازہ رہے اور پورا دودھ دے۔ عمومی معنوں میں تھوڑے سے احسان، نیکی اور معمولی سی اچھائی کی قدر کرنا اسے یاد رکھنا اور اسے شمار کرتے رہنا ہے۔ شکر گزاری کے انداز تین ہوتے ہیں۔ یہ کہ دل میں اس نیکی کا خیال رکھنا۔ زبان سے اظہار اور نیکی کے بدلے نیکی کے عملی بدلے کا موقعہ نہ بھی آئے تو بھی دل میں اس کا یاد رکھنا شکر کا اظہار ہے۔ دوسرا انداز زبان سے موقعہ بے موقعہ یہ اعلان اور اظہار کرتے رہنا کہ فلاں نے احسان کیا ہے۔ یہ نیکی ہوئی ہے۔ یہ بھلا کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے لئے زبان سے اس کے احسانات اور نعمتوں کا ذکر کرنا، عبادت بھی ہے اور اظہار تشکر بھی۔ تیسرا انداز عملی طور پر شکر گزاری کا ہے کہ جس خدا نے اس پر اتنی نعمتوں کی بارش کی ہے عملی طور پر اس کی بندگی، اس کی فرمانبرداری اور احکام کی تعمیل کرے اور اس کی نعمتوں کا غلط استعمال نہ کرے۔ اصل شکر گزاری یہ ہے کہ دل اور

Marfat.com

زبان کے شکریے کے ساتھ ساتھ ان نعمتوں کو نعمتیں دینے والے کی مرضی کے مطابق کام میں لائے۔ اعملوا آل داؤد شکرًا وقلیلٌ من عبادی الشکور۔ اے داؤدؑ کی اولاد میری نعمتوں پر عملی شکر گزاری کرو اور بہت تھوڑے میرے بندے میرا شکر ادا کرتے ہیں۔

خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر خدا کا دلی زبانی اور عملی شکر جہاں بندے اور خدا کے تعلق میں استواری تسلسل اور مضبوطی کا سبب بنتا ہے، وہاں بندوں کے بندوں پر احسانات کو یاد رکھنا، اظہار کرنا اور عملاً ان کا بدلہ دینا معاشرتی استحکام، تعلقات کی استواری اور ایک دوسرے پر اعتماد کا موجب بھی ہوتا ہے، خدا اور بندوں کا شکر گزار ہوگا تو دونوں جانب سے لازید نکم کی نوبت آئے گی۔

خدا کی نعمتوں کا اجمالی تذکرہ

کائناتی نعمتیں

سورۂ فرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۔ بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان پر بروج بنائے اور اُن میں اُجالا کرنے والا چاند۔ چراغ رکھا۔ وہی ذات ہے جس نے ایک کے بعد ایک آنے والے رات دن رکھے، بنائے ان لوگوں کے لئے جو ان پر غور کریں، انہیں یاد کرتے رہیں اور اس ذات کا شکر ادا کریں۔

سورۂ قصص میں نعمتوں کا ذکر یوں فرمایا: وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اور اس خدا کی رحمت ہے کہ جس نے تمہارے لئے دن رات بنائے تاکہ رات کو آرام کرسکو اور دن کو اُس کے فضل۔ رزق اور روزگار۔ کی تلاش کرسکو اور ان نعمتوں کے ان مفید ہونے پر۔ تم اس خدا کا شکریہ ادا کرو۔ کائنات کی ان متذکرہ آیات میں خدا نے جن نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے ان کی افادیت سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ راتوں اور دنوں کی گردش ہی ہماری ذہنی و جسمانی راحت و آرام اور دوسرے دن اپنے روزگار کے لئے تازگی، تازہ دمی اور چستی و پھرتی کا سبب ہوتی ہے۔

تخلیق انسانی کی نعمت

سورۂ السجدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ خدا کی وہ ذات ہے جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔ انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی۔ پھر اس کی نسل نچڑے ہوئے بے قیمت پانی سے باقی رکھی۔ پھر انسانی لوتھڑے کو درست کیا۔ اس میں اپنی روح پھونکی۔ پھر تمہیں کان، آنکھیں اور شعور بخشا کہ تم ان نعمتوں سے سنو، دیکھو اور غور کرو۔ لیکن تم میں سے تھوڑے سے لوگ شکر ادا کرتے ہیں۔

Marfat.com

سورہ سجدہ کی اس آیت میں انسانی تخلیق بجائے خود خداوند تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ پھر اس میں خود اپنی خدائی روح پھونک کر اسے جو اعزاز اور شرف بخشا گیا وہ کسی دوسری تخلیق میں نہیں۔ پھر اسے اپنی حسب اولاد قوم اور قبیلوں پر ناز ہوتا ہے اس میں وہ مادۂ تولید رکھ کر قدر و قیمت دی اور پھر اسے اپنی جن صلاحیتوں پر غرور ہوتا ہے وہ سب مشاہداتی، سمعی اور فہمی علوم و فنون انہی کانوں، آنکھوں اور شعور سے وہ حاصل کرتا ہے۔ کان بہرے ہوں تو کیا سنے گا۔ آنکھیں نہ ہوں تو کیا دیکھے گا اور شعور کی قوت و صلاحیت نہ ہو تو جانوروں کی طرح دو پایہ جانور ہی ہوتا۔ علوم میں نہ ترقی کرتا اور نہ اپنی فتوحات پر ناز کی نوبت آتی۔ 31

کائنات کی تسخیری نعمت

سورۂ نحل میں اس نعمت کا ذکر فرمایا: وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ خدا کی وہ ذات ہے جس نے سمندروں کو تمہارے بس میں کر دیا تاکہ تم ان میں سے تازہ گوشت۔ مچھلیاں۔ کھاؤ۔ اور ان میں سے اپنے لئے آرائش کی چیزیں۔ موتی نکالو جنہیں تم پہنتے ہو اور جہازوں کو دیکھو جو سمندروں کے پانیوں کو پھاڑتے ہوئے چلتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے تم درآمد برآمد کا رزق۔ خدا کا فضل۔ تلاش کرو۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم خدا کا شکر ادا کرو۔

جانوروں کی تسخیر

كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (سورۂ حج) تمہارے لئے جانور تابعدار بنائے تاکہ تم شکر کرو۔ دوسرے مقام پر جانوروں کی بار برداری، سواری، ان کے دودھ اور ان کے گوشت کی خوراک کا ذکر ہے۔

خوراک اور رزق کی فراہمی کی نعمت

یا ایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم واشکروا للہ فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واشکروا نعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔ اے ایمان والو ہم نے تمہیں پاک رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔ اللہ نے تمہیں پاک اور حلال چیزیں دی ہیں۔ انہیں کھاؤ اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو، اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو۔ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (سورۂ بقرہ) اللہ کی وہ ذات ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی برسا کر زمین سے تمہارے لئے رزق اور میوے پیدا کئے۔

اقتدار کی نعمت

ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلاً ما تشکرون (الاعراف) ہم نے تمہیں زمین پر فوقیت بخشی اور اس میں تمہارے لئے گزر اوقات، رزق کے سامان پیدا کئے۔ تم میں سے بہت تھوڑے شکر ادا کرتے ہیں۔

ان تمام نعمتوں کی تفصیل میں جن کا ہم نے اجمالی ذکر کیا ہے اور ایک ایک آیت پر اکتفا کیا ہے۔ ان سب میں 32
اللہ تعالیٰ نے ایک ہی بات کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ان نعمتوں کے جواب میں بہت تھوڑے لوگ خدا تعالیٰ

Marfat.com

کا شکریہ ادا کرتے ہیں - انّ اللّٰہ لذو فضلٍ علی النّاس ولکن اکثر الناس لا یشکرون - خداوند تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت فضل و کرم والا ہے، لیکن انسانوں کی اکثریت اس کا شکر ادا نہیں کرتی - ان تمام نعمتوں کے اجمالی ذکر اور بار بار ناشکری کے اظہار کے بعد دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کا اپنا رویہ کیا تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں کیا تعلیم دی ہے کیونکہ قرآن کریم کی ان آیات کی تعمیل تو ہر انسان پر فرض ہے لیکن حضورؐ کی تعلیمات اور زندگی کا نمونہ بھی ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے -

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مسند احمد کی روایت ہے۔ حضورؐ کے پاس سے ایک سائل گزرا۔ آپؐ نے اُسے کھجور دینی چاہی۔ اُس نے قلیل سمجھ کر نہ لی۔ اسی اثناء میں دوسرا شخص آیا۔ آپؐ نے وہ کھجور اُسے پیش کی تو نہ صرف یہ کہ اُس نے لے لی بلکہ حضورؐ کا عطیہ جان کر قدردانی کی۔ حضورؐ نے اس کی قدردانی اور شکرِ نعمت پر اسے ابن کثیر کی روایت کے مطابق چالیس درہم مزید دے دیئے۔ بات چھوٹی سی ہے مگر نعمت بہت بڑی ہے کہ پہلے نے اس عطیہ کی قدر نہ کر کے اخلاقی گراوٹ کا ثبوت دیا اور حضورؐ کی مزید عنایت سے محروم ہوا۔ تحفہ اور مہربانی کتنی ہی چھوٹی ہو حقیر نہ جانا جائے۔ دوسرے نے قدردانی کی شکریہ ادا کیا تو حضورؐ کی طرف سے لئن شکرتم لازیدنکم کی عملی مثال قائم ہوئی۔ چالیس درہم اسے سوا ملے۔

مسند احمد میں حضورؐ کا ارشاد نقل ہے کہ مومن کو ہر حال میں اجر ملتا ہے۔ وہ نعمتوں پر شکر کرتا ہے تو اُسے مزید بھلائی ملتی ہے اور جب دُکھ ملتا ہے۔ محرومیوں کی آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا ہے تو اس پر صبر کر کے اجر و ثواب پاتا ہے۔ حضورؐ کثرت سے عبادت فرماتے حتیٰ کہ کمزور پڑ جاتے۔ نوافل کی طوالت و کثرت میں پاؤں سُوج جاتے تو صحابہ کرامؓ عرض کرتے کہ "یا رسول اللہؐ، آپؐ تو خدا کے محبوب پیغمبر ہیں آپؐ کیوں اتنی تکلیف اور محنت کرتے ہیں"۔ حضورؐ جواب میں فرماتے۔ کیا میں خدا کا شکرگزار بندہ نہ بنوں ؟

بندوں پر خدا کا حق ہے کہ وہ خدا کا شکر ادا کریں۔ صحت، جسم، علم، عقل، رزق، اولاد، عزت، منصب اور مرتبے اتنی نعمتوں پر اگر اسے خدا کا شکر ادا کرنے کی توفیق بھی مل جائے تو جتنا شکر ادا کرے کم ہے۔ سورۂ رحمٰن میں انہی نعمتوں کے ذکر کے بعد بار بار یہ الفاظ آتے ہیں فبایّ الاء ربّکما تکذّبان۔ تم خدا کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔ واما بنعمت ربّک فحدّث۔ اپنے ربّ کی نعمتوں کا ذکر کیا کرو۔ قیامت کے دن ایک ایک نعمت کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ ثمّ لتسئلنّ یومئذٍ عن النعیم۔

نعمتوں کے بے جا استعمال اور ناقدری کرنے کا انجام

سورہ سبا میں خداوند تعالیٰ نے اس قوم کے عبرتناک انجام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور خدا کی شکرگزاری سے غفلت برتی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْکَنِهِمْ اٰیَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

Marfat.com

قَلِيلٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ. وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ. فَقَالُوْا
رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ.

قوم سبا کے لئے خود ان کی رہائش گاہوں میں نشانی ۔ نشانِ عبرت ۔ موجود تھی۔ ان کے دائیں بائیں باغ تھے۔ انسان اپنی تاریخ کو خود غور سے دیکھے تو معلوم ہوگا کہ دنیا اندھیر نگری نہیں بلکہ سمیع و بصیر خدا کی فرمانروائی ہے جو شکر اختیار کرنے والوں کے ساتھ ایک طرح کا معاملہ کرتا ہے اور ناشکری کرنے والوں کے ساتھ اور طرح سے پیش آتا ہے۔ کوئی عبرت لینا چاہے تو اپنے حالات سے لے سکتا ہے۔ جس خدا کی سلطنت کا یہ مزاج ہو اس کی خدائی میں نیکی اور بدی کا انجام ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔

قوم سبا کے متعلق نعمتوں کا ذکر اور ناقدری و ناشکری کے نتیجہ میں بُرے انجام سے دوچار ہونے کی ایک نشانی موجود ہے کہ ان کے دائیں بائیں باغات تھے تاکہ وہ اپنے ربّ کا دیا ہوا رزق کھاتے اور شکر بجا لاتے۔ پاکیزہ اور عمدہ ملک کے مالک تھے۔ ان کا ربّ پروردگار اور بخشش والا تھا، مگر وہ اس کی بندگی اور شکر سے منہ موڑ گئے۔ آخر کار ان پہ بند توڑ سیلاب بھیجا اور ان کے باغوں کے بدلے انہیں ایسے باغ ملے جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاڑ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔ یہ تھا اُن کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ کسی اور کو نہیں دیتے۔ ہم نے اُن کے اور انکی بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی۔ نمایاں بستیاں بسائی تھیں اور سفر کی مسافتوں کے انداز سے مقرر کئے تھے تاکہ وہ رات دن امن کے ساتھ ان راستوں پہ چلیں۔ مگر اُنہوں نے کہا۔ اے ربّ ہمارے سفر کی مسافتیں لمبی کر دے۔ اُنہوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا۔ آخر کار ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں تتر بتر کر ڈالا۔ یقیناً ان کے اس بدلے میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لئے جو بڑا صابر و شاکر ہو۔ سبا قوم جنوبی عرب کی ایک بڑی قوم کا نام ہے جو چند بڑے قبائل پہ مشتمل تھی۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق سبا ایک شخص کا نام تھا جس کی نسل سے بڑے قبیلے پیدا ہوئے۔ اس قوم کا وطن عرب کا جنوب مغربی کونہ تھا جو آج یمن کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے عروج کا دور گیارہ سو برس قبل مسیح سے ۔۔۔ ء ہوتا ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں دولتمند قوم کی حیثیت سے اس کی شہرت تھی۔ ۔۔۔ کو پوجنے والی قوم تھی جب ان کی ملکہ سبا حضرت سلیمانؑ پر ایمان لے آئی اور یہ مسلمان ہو گئی، مگر نہ جانے کب سے سورج، چاند، ستاروں کے دیوتاؤں کے پجاری بن گئے۔ جدید تحقیقات کی رُو سے ہزاروں کتبات ایسے ملے ہیں جو اس قوم کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ قوم سبا کے عروج کی ایک بنیاد زراعت پر تھی جسے آبپاشی کے بہترین نظام کے ذریعہ ترقی دی گئی تھی۔ پہاڑوں کے برساتی نالوں کو بند باندھ کر ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ ان سے نہریں نکال کر پورے ملک کو سیراب کیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کے مطابق ہر طرف باغ ہی باغ تھے۔ اس نظامِ آبپاشی کا سب سے بڑا مخزن وہ تالاب تھا جو شہر مآرب کے قریب کوہ بلق کی وادی پہ بند باندھ کر تیار کیا تھا، مگر جب ان کی ناشکری حد سے بڑھ گئی تو خدا نے پانچویں

Marfat.com

صدی کے وسط میں یہ عظیم الشان بند توڑ دیا۔ اس سے نکلنے والے سیلاب نے راستے کے ہر بند کو توڑ دیا جس سے پورے ملک کا نظام آبپاشی ایسا تباہ ہوا کہ اسے کوئی بھی بحال نہ کر سکا۔ سَیْلَ الْعَرِمِ سے مراد وہی سیلاب اور بند کا ٹوٹنا ہے جس سے ان کے باغات تباہ و برباد ہو گئے۔ یہی حال ان کے تجارتی عروج کا بھی ہوا۔

خدا کے غضب نے اس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر تباہی و بربادی کے اس گڑھے میں پھینک دیا، جہاں سے کوئی مغضوب قوم سر نہیں اٹھا سکتی۔ ایک وقت تھا کہ ان کی دولت کے افسانے سن کر یونانیوں اور رومیوں کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ یہ لوگ سونے چاندی کے برتن استعمال کرتے۔ مکانوں کی چھتوں، دیواروں اور دروازوں میں ہاتھی دانت، سونے چاندی اور جواہر کا کام بنا ہوتا۔ جلانے کی لکڑی کی بجائے دارچینی، صندل اور خوشبودار لکڑیاں بطور ایندھن استعمال کرتے تھے۔ ان کے علاقوں کے ساحل تک خوشبو کی لپٹیں پہنچتی تھیں۔ صنعا کے بلند ترین پہاڑی مقام پر قصر غمدان کے نام سے فلک بوس عمارت تعمیر کی تھی جو صدیوں تک مشہور رہی۔ اس کی تین منزلیں تھیں اور ہر منزل چھتیس فٹ بلند تھی۔ یہ سب کچھ اسی وقت تک رہا جب تک خدا کا فضل شاملِ حال رہا۔ جب انہوں نے کُفرانِ نعمت اور ناشکر گزاری کی حد کر دی تو ربِّ قدیر کی نظرِ عنایت ہمیشہ کے لئے ایسی پھری کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ (تفہیم القرآن جلد ۴، تفسیر آیات سورۂ سبا)

قوم سبا کے اس عبرت آموز واقعہ میں ہمارے لئے جس نشانی عبرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱) وہ یہ ہے جو کچھ زرعی ترقی اور تجارت کا فروغ انہیں حاصل ہوا تھا، وہ خداوند تعالیٰ کا عطیہ تھا، ان کا اپنا آفریدہ نہ تھا۔ (۲) یہ کہ ان کے شکر اور بندگی کا مستحق وہ خدا تھا جس نے یہ نعمتیں انہیں دی تھیں۔ چاند، سورج اور ستارے نہ تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ (۳) یہ کہ دولت کی ترقی، فراوانی اور اقتدار کی نعمتیں اسی صورت میں بڑھتی اور قائم رہتی ہیں جب تک خدا کی شکر گزاری پر کوئی فرد یا قوم قائم رہے ورنہ دینے والا خدا جیسے دیتا ہے ویسے لے بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ خدا کے ایک اشارے سے سیل العرم آیا اور سارا نظام آبپاشی درہم برہم ہو گیا اور پلک جھپکنے میں وہی جنت نظیر علاقہ خودرو جنگلی درختوں سے بھر گیا۔ برکت والی بستیوں سے مراد شام، فلسطین کا علاقہ تھا۔ شاہراہ شام پر واقع بستیاں زیادہ فاصلے پر نہ تھیں، متصل واقع تھیں۔ ایک بستی کے آثار کے بعد دوسری کے نشانات نظر آتے تھے۔ یمن سے شام تک پورا سفر مسلسل آباد علاقوں سے طے ہوتا جو رات دن امن وامان کے لئے مفید تھا۔ مگر قوم سبا نے اس سہولت امن کی اس شکل کو پسند نہ فرمایا جو ایک نعمت تھی اور کہا۔ باعد بین اسفارنا۔ ہمارے سفروں کو بستیوں سے دور کر دے۔ ضروری نہیں کہ انہوں نے یہ دعا زبان سے کی ہو بلکہ نعمتوں کا غلط استعمال بھی ناقدری اور ناشکر گزاری میں آتا ہے۔ گویا اپنے عمل سے وہ آدمی یہ کہتا ہے کہ میں اس نعمت کا مستحق نہیں ہوں تو خدا اس سے نعمت کو سلب کر لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا پراگندہ اور منتشر کر دیا کہ ان کا انتشار ضرب المثل بن گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فجعلنا ھم احادیث۔ انہیں قصہ کہانی بنا دیا گیا۔ زوالِ نعمت کا دور شروع ہوا تو سبا کے مختلف قبیلے وطن چھوڑ کر مختلف علاقوں میں جا بسے حتیٰ کہ سبا نام کی قوم باقی نہ رہی۔ وہ صبّار شکور۔ صبر کرنے اور شکر کرنے والوں کے لئے نشان عبرت بن گئے۔ ایسے لوگ جو نعمتیں پا کر آپے سے باہر نہ ہوں اُس

Marfat.com

خدا کو نہ بھول جائیں جس نے یہ سب کچھ عطا کیا تھا۔ ایسا گروہ سبا کے انجام سے سبق سیکھ سکتا ہے جس نے عروج و ترقی پاکر نافرمانی و ناشکر گزاری کی روش اختیار نہ کی ہو۔ ورنہ بصورت دیگر وہ انجام سے دوچار ہو سکتا ہے۔

آثار و امثال

کسی زاہد نے اپنی زندگی میں حلوہ کھانا ترک کر دیا کہ مجھ سے اس نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ حسن بصریؒ نے جب سنا تو فرمایا۔ وہ شخص احمق ہے کیا وہ سادہ ٹھنڈے پانی کا شکریہ ادا کر سکتا ہے۔ ہم سے اور کونسی نعمتوں کا کماحقہٗ شکریہ ادا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آلِ داؤد کو ان پر عطا کی گئی نعمتوں پر عملی شکریے کا ذکر فرمایا کہ بہت تھوڑے میرے بندے میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جس طرح نعمتیں خدا کی مہربانی اور توفیق سے ملتی ہیں اسی طرح یہ بھی خدا کی توفیق اور مہربانی پر منحصر ہے کہ وہ کسی کو شکر گزار بندوں میں شمار کرے یا ان میں شامل فرمائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے ایک مرتبہ کعبہ کے طواف کے دوران دیکھا کہ ایک شخص کعبہ سے لپٹا ہوا ملتزم کے پاس رو رو کر دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا تو مجھے اپنے قلیل بندوں میں شامل فرما دے۔ حضرت عمرؓ نے اس دیہاتی کی یہ دعا اور بے قراری سُنی اور دیکھی تو حیران ہوئے اور خوش بھی ہوئے۔ طواف کے بعد پاس بُلا کر پوچھا کہ تمہاری دعا کا کیا مطلب ہے۔ اس نے اسی سورۂ سبا کی آیت کا ٹکڑا تلاوت کیا۔ وقلیل من عبادی الشکور۔ اور کہا۔ امیر المومنین میں چاہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ مجھے اپنے قلیل شکر گزار بندوں میں شامل فرما دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس کی دعا کو بے حد پسند فرمایا اور صحابہؓ سے مخاطب ہوئے کہ ہر شخص عمرؓ سے زیادہ عالم ہے۔ بدوی کی دعا کے جواب میں اپنی کم علمی کا یہ اظہار بھی حضرت عمرؓ کی عاجزی اور شکر گزاری کا انداز ہے۔ ورنہ ان کا تنہا علم تمام امت کے علم سے وزنی تھا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نماز پڑھ رہے تھے اور اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ صبح ہو گئی۔ اس کے بعد اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ مجھے خیال ہوا کہ آپؐ وفات پا گئے۔ اس قدر طویل قیام اور سجدہ سے فراغت پاکر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے اتنی طویل نماز کیوں پڑھی ہے؟ میں نے کہا۔ اللہ کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ تو فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ تیری اُمت سے کیا سلوک کروں؟ میں نے جواب میں کہا۔ اے ربّ تو زیادہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تین چار مرتبہ میری مرضی پوچھی۔ میں نے وہی جواب دیا تو آخر میں فرمایا۔ میں تجھے تیری اُمت کے بارے میں رنج میں مبتلا نہ کروں گا۔ میں نے اسی مہربانی کے شکریے میں طویل نماز پڑھی اور سجدہ کیا۔ خدا اس لائق ہے کہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ (طبرانی۔ الکبیر) ۔ اسی طرح کی روایت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ سے ہے کہ طویل سجدہ کی وجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے میری اُمت کے ستّر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب کے بخشنے کی خوشخبری دی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اگر میرے پاس دو سواریاں لائی جائیں، صبر اور شکر، کی تو میں یہ نہیں سوچوں گا کہ کس پر سوار ہو جاؤں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ اس بات پر شکر ادا کیا کہ ان کی آمد سے پہلے ایک قباحت

Marfat.com

میں مبتلا لوگ بھاگ گئے اور انہیں خدا نے ایسا فعل ہوتے ہوئے دیکھنے سے بچا لیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا نعمت شکر کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور شکر زیادتی نعمت کے ساتھ۔ نعمت، شکر اور نعمت میں اضافہ ایک سلسلے میں منسلک ہیں۔ نعمت کی زیادتی اس وقت تک خدا کی طرف سے ختم نہیں ہوتی جب تک بندے کی طرف سے شکر کی دائیگی ختم نہیں ہو جاتی۔ انہوں نے مزید فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ایسا کبھی نہیں کرتا کہ کسی پر شکر کا دروازہ کھول دے اور نعمتوں کی زیادتی کے دروازے کو بند کر دے حضرت ابوالدرداؓ کا فرمان ہے۔ جس نے سوائے کھانے پینے کے اللہ کی اور نعمتوں کو اپنے اوپر نہ جانا، اس کی سمجھ کم ہے اور اس کے لئے عذاب تیار ہے۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ اپنے روحانی مرتبہ سے پہلے نہاوند کے حاکم تھے۔ ایک دفعہ دربار خلافت سے تمام امراء کو شاہی خلعت دیئے گئے۔ اثنائے اعزاز ایک حاکم کو چھینک آگئی تو اس نے غیر شعوری طور پہ شاہی خلعت سے ناک صاف کر دیا۔ خلیفہ کو علم ہوا تو خلعت کی اس بے ادبی و ناقدری پر اس سے وہ خلعت چھین لی گئی اور منصب سے معزول کر دیا گیا۔ ابوبکر شبلیؒ کے لئے یہ بات توبہ کا باعث بنی کہ جب خلیفہ اپنی خلعت کی ناقدری پہ یہ سزا دے سکتا ہے اور مرتبہ و منصب چھین سکتا ہے تو خدا کی بے شمار نعمتوں کی ناقدری و ناشکری پہ نہ جانے ہمارا کیا حال ہوگا۔ اسی وقت بادشاہ کو خلعت واپس کی اور امارت کا منصب چھوڑ کر حضرت خیر نساج کے مرید ہو گئے اور روحانیت کے بلند مقام پہ پہنچ گئے۔

حضرت عروہ بن زبیرؒ، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کے آخری حصے میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں وفات پائی۔ وہ اپنے زمانہ میں مدینۃ النبیؐ کے سات فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ زہد و عبادت و پرہیزگاری میں مشہور تھے۔ مزاج میں نفاست اور خوش پوشی تھی۔ وہ عبدالملک سے ملنے کے لئے شام گئے تو ساتھ ان کا صاحبزادہ محمد بھی تھا۔ جب شام میں مقیم تھے تو ایک دن بیٹے نے گھوڑے کی سواری کا ارادہ کیا۔ شاہی اصطبل میں گھوڑے تھے۔ ایک کو سواری کے لئے پسند فرمایا۔ اتفاق سے گھوڑا خود سر نکلا جو ان کے قابو میں نہ رہا، تو اسی بدمستی اور شرارت میں اس سے گر کر وفات پا گئے۔ بیٹے کی وفات کے بعد ابھی شام میں تھے کہ پاؤں کا زخم بگڑ گیا۔ اس وقت کے جراحوں نے پاؤں کاٹنے کا مشورہ دیا۔ یہ راضی ہو گئے تو آپریشن سے پہلے حسب معمول نشے کا عرق پیش کیا گیا۔ فرمایا۔ اس آپریشن میں یہ ضمانت تو نہیں دی جا سکتی کہ زندہ رہوں گا، تو پھر کیوں حرام چیز کی بدبو کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہو جاؤں۔ پھر عقیدتمندوں نے ساتھ ٹھہر کر بغیر بیہوشی کے آپریشن کے دوران امداد اور سہارے کی پیشکش کی تو وہ بھی ٹھکرا دی۔ بہر حال آپریشن شروع ہوا۔ آپ تسبیح پڑھتے رہے، کسی قسم کی سختی اور تکلیف کا اظہار نہ فرمایا۔ پاؤں کٹنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے بے ہوش ہوئے۔ کیونکہ خون بند کرنے کے لئے زخم کو داغا گیا تھا، جس کے دوران بے ہوش ہوئے۔ ہوش آیا تو ماتھے پر سے پسینے کے قطرے پونچھے اور پاؤں منگوایا۔ اسے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ تو جانتا ہے میں نے تجھے کبھی بھی برائی کے راستہ پہ استعمال نہیں کیا۔ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد جب بھی دعا فرماتے تو فرماتے شکر ہے خدایا چار ہاتھ پاؤں میں سے ایک پاؤں لیا اور چار بیٹوں میں سے ایک لیا۔ تین ہاتھ پاؤں اور تین بیٹے چھوڑے۔ بہت

Marfat.com

دیا اور مجھ سے تھوڑا لیا۔

حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس کو یہ چار چیزیں مل گئیں، اُسے دنیا و آخرت کی بھلائی مل گئی۔ شکر کرنے والا دل۔ ذکر کرنے والی زبان۔ صبر کرنے والا بدن ۔ بددیانتی اور خیانت نہ کرنے والی بیوی۔ حضرت فقیہہ فرماتے ہیں کہ شکر تین چیزوں سے کمال پاتا ہے۔ ایک اس طرح کہ کوئی نعمت عطا ہو تو دینے والے کی حمد و ثنا بیان کی جائے۔ دوسری جو نعمت مل جائے اُس پر راضی رہے۔ تیسری یہ کہ جب تک اس نعمت سے نفع حاصل ہو باری تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ عمرو بن شعیبؒ حضورؐ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جس شخص میں یہ دو خصلتیں جمع ہوں خدا اُسے صابر و شاکر بندوں میں شامل فرماتے ہیں۔ ایک یہ کہ دین کے معاملے میں اپنے سے زیادہ اعلیٰ لوگوں کو دیکھے تو اُن کی پیروی کرے اور دُنیا کے معاملے میں اپنے سے کم تر درجہ والوں کو دیکھے تو خدا کا شکر ادا کرے۔ دعا ہے کہ خداوند کریم ہمیں اپنے صابر و شاکر بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔ الحمد للہ رب العالمین ۔ وما علینا الا البلاغ ۔

Marfat.com

حُسنِ معاملہ و معاملات میں صداقت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ سورۂ بقرہ	(۱) لین دین کے معاملات قرآنی اور خدائی ہدایات (۲) حسنِ معاملہ کی معاشرتی ضرورت و اہمیت۔ آدمی کے کردار کی پہچان، معاملات میں صداقت اور سچائی سے ہوتی ہے۔
۲	حسنِ معاملہ کے معاشرتی دائرے	انسانی زندگی جن دائروں میں بٹی ہوئی ہے۔ معاملات کا تعلق اتنا ہی ہے اجتماعی اخلاق کا مجموعہ معاملات میں حسن اور خوبی ہے۔
۳	حسنِ معاملہ کے کرشمے	عزت و احترام، عقیدت و محبت۔ حضورؐ کا کردار اور معاملات میں سچائی بعثت کے سچے ہونیکی دلیل بنی۔
۴	آج کا مسلمان اور معاملات میں بددیانتی	آج ہمارے کردار کا کھوٹ اور معاملات میں بددیانتی اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ علماء اور دانشوروں کے نرے وعظ اور عملی دنیا میں ناکامی۔
۵	تشریح آیات	سورۂ بقرہ کی آیات میں معاملات کے پہلو
۶	دوسروں کو نقصان نہ دینا حسنِ معاملہ ہے	تجارتی معاملات میں سچائی ہو۔ زرعی معاملات۔ منڈیوں کے معاملات۔
۷	واقعات و امثال	حضرت جریرؓ کا واقعہ۔ حضرت باقی باللہؒ کا واقعہ اور حسنِ اخلاق۔ حضرت فضیلؒ بن عیاض کے صاحبزادے کی دیانتداری اور حسن معاملہ۔ قائداعظمؒ کی وکالت میں حسنِ معاملہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت میں حسن معاملت۔

حسنِ معاملہ و معاملات میں صداقت

آیت معہ ترجمہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ـــــ الخ (سورۂ بقرہ: ۲۸۳) اے ایمان والو، جب تم ایک دوسرے سے مقررہ میعاد پر قرض کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو۔ لکھنے والے کو چاہیئے کہ تمہارا معاملہ عدل سے لکھے۔ کاتب کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیساکہ اللہ نے اسے لکھنا سکھایا ہے۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ بالا آیات قرآن کریم کے تیسرے پارہ میں اُنتالیسویں ۳۹ رکوع سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان آیات میں، جو بہت زیادہ لمبی ہیں، انسانی معاملات میں ہدایات ہیں۔ جن میں قرض کا لین دین جو میعادی ہو۔ خرید و فروخت کے معاملات ہوں۔ رہن کا معاملہ ہو تو ان میں واضح اور صاف ہدایت یہی ہے کہ باہمی لین دین کا جو معاملہ اور معاہدہ ہو اسے اُسی وقت ضبط تحریر میں لایا جائے اور اس معاملے کی شرائط و میعاد وغیرہ جو طے ہو چکی ہوں، لکھ لی جائیں تاکہ فریقین کو اعتماد و اطمینان ہو جائے اور اس پر گواہوں کے دستخط بھی ہوں۔

ان آیات میں جہاں کاتب پر ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے علم کے مطابق نہ صرف تحریر سے انکار نہ کرے بلکہ اسے پوری دیانتداری، صداقت اور انصاف کے ساتھ لکھے۔ تحریر میں کسی ایک فریق کی طرفداری جہالت اور ناسمجھی سے فائدہ اُٹھا کر یا کسی ایک سے ساز باز کرکے یا لالچ میں آکر دوسرے کو نفع اور ایک کو نقصان نہ دے۔ اسی طرح گواہوں پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ بصورت تنازعہ وہ حق و انصاف کی شہادت دینے سے انکار نہ کریں اور کسی رو رعایت کا چکر نہ چلائیں۔ اگر سفر میں ہوں تو باہمی لین دین میں اطمینان کے لئے کوئی چیز رہن رکھ لی جائے۔ تجارتی شراکت کا بھی یہی حکم ہے کہ شریک تجارت افراد آپس میں شراکت کی شرائط طے کر کے انہیں لکھ لیا کریں۔

انسانی معاملات اور حسنِ معاملہ

انسان اپنی معاشرتی و سماجی زندگی میں قدم قدم پر دوسرے افراد کے ساتھ روزمرہ یا دیرپا معاملات کا محتاج ہوتا ہے۔ عبادات جن کا تعلق بندے اور خدا سے ہے اس کے بعد دین اسلام میں معاملات کی بڑی اہمیت ہے جو انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور کسی انسان کی بڑی پرکھ اور آزمائش ان معاملات میں راستبازی، دیانتداری، سچائی، حسنِ معاملہ اور کھرے پن کی ہے۔ جو آدمی معاملات میں کھرا ہو، لین دین اور باہمی برتاؤ، رکھ رکھاؤ میں جتنا دیانتدار

Marfat.com

ہو۔ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، شرائط اور وعدوں کے پورا کرنے میں با اعتماد و با اعتبار ہو وہ اتنا ہی صاحبِ کردار، سچا اور مخلص سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ آدمی کی اصلی پہچان اس کے ساتھ سفر کے دوران ہوتی ہے کہ وہ شریک سفر کے لئے خود پہ کتنی تکلیف برداشت کرکے اسے آرام پہنچاتا ہے یا پڑوسی ہے تو کس حد تک دوسرے پڑوسی کے حقوق و آسائش کا خیال رکھتا ہے۔ اگر شریک تجارت ہے تو کس حد تک اپنے گاہکوں اور شریکِ کار کے حق میں دیانتدار ہے۔ اگر قرض لیتا ہے تو اس کی ادائیگی میں مقررہ میعاد اور وعدے کا کس حد تک پابند ہے۔ اگر ملازم پیشہ ہے تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کتنا مخلص اور دیانتدار ہے۔ اگر حاکم ہے تو رعیّت کے حقوق کی ادائیگی میں کیسا ہے۔ اگر سیاسی لیڈر ہے تو اپنے حلقہ انتخاب میں واقعہ بستیوں اور لوگوں کی ضروریات، اُن کے حقوق اور ان کے مسائل کی اُسے کس حد تک واقفیت ہے اور وہ انہیں دُور کرنے میں کتنا مؤثر ہے۔ اگر دوست ہے تو دوستی کے تقاضے کیسے پورا کرتا ہے۔ اگر خاوند ہے تو اپنی بیوی اور بچوں کے معاملات، ان کے مستقبل اور ان کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے۔ اگر زراعت پیشہ ہے تو کتنا محنتی ہے کہ پیداوار کے حصول میں متعلقین کے حق کی ادائیگی اور جانوروں تک کی دیکھ بھال میں کیسا ہے۔

حسنِ معاملہ کے معاشرتی دائرے

غرض انسانی زندگی کے دائرے جس قدر پھیلے ہوئے ہیں حسنِ معاملہ کے سلسلے بھی اتنے ہی وسیع اور اتنے کشادہ ہیں کہ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آدمی کے رویّے اور معاملے میں اچھے بُرے کا پتہ نہ چلتا ہو اور اس کی اچھائی بُرائی کا فیصلہ بھی انہی رویّے پر قائم کیا جاتا ہے۔ حسنِ معاملہ کا عامل ہے تو اچھا سچا اور کھرا کہلاتا ہے۔ بدمعاملہ ہے تو بُرا جھوٹا، دروغ گو اور بددیانت کہلاتا ہے۔ گویا اس کا خلق خدا اور اپنے دائرہ عمل میں رویّہ ہی اسے لوگوں کے دلوں میں محترم و مکرم ٹھہراتا ہے یا قابلِ نفرت و حقارت گردانتا ہے اور خدا کے ہاں بھی فیصلہ انہی معاملات کی صحت، درستی یا بدمعاملگی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ علامہ نے اسی لئے تو کہا ہے۔

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ہم نے اب تک انسان کے ذاتی اوصاف میں جتنے بھی الگ الگ عنوانات قائم کئے ہیں وہ سارے اوصاف اجتماعی طور پر اسی ایک عنوان کے ذیل میں آتے ہیں یعنی دوسرے لفظوں میں حسنِ معاملہ ایک ایسی اجتماعی، ہمہ پہلو اور ہمہ گیر خوبی ہے کہ جس میں تمام متفرق اور منتشر صفات ایک جگہ جمع ہوسکتی ہیں بلکہ حقوق و فرائض یا انسان کے سماجی حقوق کے تمام دائرے بھی حسنِ معاملہ کے نقطے پر مرکوز اور اس دائرے میں سمٹ آتے ہیں۔

اجتماعی اخلاق کا مجموعہ

حسنِ معاملہ ایک ایسی جامع صفت ہے کہ انسانی معاشرے کے فساد اور سدھار کا تمام تر دار و مدار اسی پر قائم ہے جس معاشرے میں رہنے والے افراد جس قدر حسنِ معاملہ کی صفت سے موصوف ہوں گے اس معاشرے پہ بلا شبہ پُرامن، پُرسکون، پُراطمینان ہونے کا دعویٰ کیا جائے گا اور جہاں معاملہ برعکس ہو تو زندگی جہنم ہوگی۔ پریشانیوں، زیادتیوں، حق ماریوں اور غصب کے واقعات میں ایسا محسوس

Marfat.com

ہوگا جیسے کوئی وحشی بھیڑیوں کے جنگل میں پھنس جائے یا ایک مردار ہے جس پر کتے، گیدڑ، گدھ، کوّے، لومڑیاں حملہ آور ہیں اور جس کے منہ اور چونچ میں جو کچھ آ رہا ہے پھاڑ رہا ہے۔

حضورؐ کا حسنِ معاملہ

عرب کے جاہلی، غیر مہذب اور انتہائی سفاک و سنگدل معاشرے میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واحد اکیلی ذات تھی جنہوں نے اسلامی تعلیمات کے اثرات و تربیت سے بہت پہلے اپنے ذاتی کردار اور حسن معاملت کے امتیازی اوصاف کے باعث ان بُرے لوگوں سے بھی امین اور صادق کے خطابات و اعزازات حاصل کیے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انفرادی کردار بُرے سے بُرے معاشرے میں بھی دوسرے لوگوں کے اخلاق و کردار سے قطع نظر بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے کہ کیا کیا جائے۔ ایسے معاشرے میں جہاں ہر طرف بُرائی سے واسطہ ہو سچائی پر کیسے قائم رہا جا سکتا ہے۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ یہی معاشرے کے تقاضے ہیں، ایسا کرنا پڑتا ہے۔ فیشن کی اس دوڑ میں ساتھ نہ دیا تو نکو بن کر رہنا پڑے گا۔ رشوت نہ لی تو افسروں کی نظروں میں معتوب ٹھہروں گا۔ بُرائی کا ساتھ نہ دیا تو سوسائٹی میں تنہا رہ جاؤں گا۔ بیٹے کو نقل کرا کر پاس نہ کرایا تو پیچھے رہ جائے گا۔ تجارت میں دھوکہ اور بے ایمانی نہ کی تو تجارت چل نہ سکے گی۔ سیاست میں دھوکے اور فریب سے کام نہ لیا تو سیاست چمک نہ سکے گی۔ غرض ہر طرح کی بے ایمانی اور بد معاملگیوں کی یہ ساری خود فریبیاں ہیں جو ہر برائی کے جواز میں پیش کی جاتی ہیں۔

حسنِ معاملت کے کرشمے

پھر حضورؐ کے راستبازانہ طرز عمل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ معاشرہ کتنا ہی بگڑا ہوا کیوں نہ ہو وہ سچائی، دیانتداری اور حسنِ معاملہ کو قدر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ عزت و احترام بھی کرتا ہے اور ان اوصاف کی حقیقت کو تسلیم بھی کرتا ہے۔ جبھی تو ان بُرے سے بُرے لوگوں نے حضورؐ پر اعتماد کیا، وہ آپ کا احترام کرتے تھے تنازعات میں حکم تسلیم کرتے تھے اور انہیںؐ صادق و امین کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ آپؐ کی بعثت کے بعد انہیں محض اپنے بغض و عناد کے باعث نبوّت میں شبہ تو تھا لیکن اُنؐ کے کردار کے کسی پہلو پر انہیں انگلی رکھنے کی جرأت ہوئی نہ نوبت آئی۔ یعنی نظریاتی و فکری اختلاف و عقائد کے اچھے بُرے کا جھگڑا تو کیا، مگر اخلاق و کردار پر کسی نے نہ اختلاف کیا نہ اعتراض جڑا۔ جس سے بھی معاملہ پیش آیا اُس نے آپؐ کو کھرا پایا اور کردار کی اسی سچائی و کھرے پن نے بالآخر عقائد و افکار کی سچائی کو منوالیا ہے۔

آج کا مسلمان اور معاملات

آج اسی حضورؐ کے پیروکاروں اور خدا کے دین اسلام کے علمبرداروں کا ذاتی کردار ہی اسلام کی فکری و نظریاتی حقانیت کو منوانے کے باوجود اسلام سے دُوری کا باعث ہے یعنی ایک غیر مسلم ذہنی و فکری طور پر یہ تسلیم کرتا ہے کہ اسلام کے اصولی قوانین سچے ہیں۔ اعلیٰ و ارفع ہیں۔ سوسائٹی اور معاشرے کے لئے بہترین رہنما ہیں اور ہم خود بھی ان کی تائید میں وعظ فرماتے ہیں۔ کتابوں کے انبار لکھ لکھ کر پھیلا رہے ہیں۔ اپنی دانشوری اور علمی ذخیروں کے دریا بہاتے ہیں۔ مگر دنیا کے کسی ایک گوشے، ایک کونے میں اسلامی معاشرے کا نمونہ تیار نہیں کر پائے۔ کسی بھی محلے میں چند افراد ایسے نہیں ملتے جو دانشوری

Marfat.com

خطابت اور تصنیف و تالیف کی بلندیوں سے اُتر کر عوام میں سیرت و اخلاق کا عملی مظاہرہ کر کے دکھائے، اِلّا ماشاء اللہ۔ جیسا کہ حضورؐ نے مدینہ کی مختصر زندگی میں بہترین انسانوں پر مشتمل بہترین سوسائٹی قائم کر دکھائی اور اس سوسائٹی کے افراد جب دنیا میں عملی کردار و اخلاق میں ہمہ صفت موصوف ہو کر پھیلے تو دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ کیا صحابہ کرامؓ اور کیا صوفیائے عظام۔ وہ حضورؐ کے اخلاق و کردار اور آپؐ کی تعلیمات کی زندہ چلتی پھرتی تصنیفات تھیں۔ ہماری تصنیفات لائبریریوں کی زینت ہیں۔ معاشرے میں ان افکار و نظریات کا نمونہ موجود نہیں۔ چلتی پھرتی تصنیفات تو کیا خود اپنی ذات بھی باہر دکھائی نہیں دیتی۔ افکار کے گنبدوں میں بند، نظریات کے قلعوں کے اسیر اور علم و دانش کے ذاتی کتب خانوں کے قیدی ہیں۔ عوام سے کٹ کر، معاملات انسانی سے بچ کر محض قلم و قرطاس سے رشتہ جوڑ رکھا ہے اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ بس دنیا میں انقلاب رونما ہوگا اور دورِ اوّل کا مسلم معاشرہ قائم ہو جائے گا۔ بدریا غلط و باموجش درآویز۔ کی جرأت و ہمت نہیں ہے اور کنارے سے اندازۂ طوفان کرتے ہیں، وسعت اور بہاؤ پر وعظ سنائے جاتے ہیں اور اگر کوئی ایک آدھ اصلاحِ احوال کے لیے عمل کے میدانِ کارزار میں اُترا ہوا ہے تو اس پر تنقید کے تیر برسائے جا رہے ہیں۔ درست و نادرست اقدامات کی بحث کی جا رہی ہے۔ ناکامی کے اسباب ڈھونڈے جا رہے ہیں اور کنارے پہ کھڑے کھڑے مشوروں سے نوازا جا رہا ہے۔

اخلاق کے سدھار اور معاملات میں شرکت

شرعی اعتبار سے صداقت اور معاملات میں صفائی جس طرح ضروری ہے دنیاوی معاملات میں بھی اتنی ضروری ہے کہ بدمعاملہ آدمی سے ہر شخص کنارہ کش رہتا ہے۔ قرضہ کی ادائیگی ہو یا تجارتی لین دین ہو، قول و قرار کی پابندی ہو یا وعدہ شکنی ہو، آدمی کی ساکھ اور اعتبار اُسی صورت میں برقرار رہتا ہے کہ وہ دھوکا باز، خیانت کار، جھوٹا تو نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: مَنْ غشّ فلیس منّا۔ جو ہمیں فریب دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ان آیات میں لین دین یا کسی بھی معاملے کو ضبطِ تحریر میں لانے کا حکم ہے اور اس پہ دو گواہوں کی گواہی کو ضروری ٹھہرایا ہے۔ ہم بالعموم ایک دوسرے پر اعتبار کر کے معاملات کی شرائط طے کئے بغیر تحریر میں نہیں لاتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر تنازعات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ہمارے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہوتا اور نہ دوسرا آدمی عدمِ ثبوت اور عدمِ تحریر کی صورت میں پابند ہوتا ہے۔

تشریح آیات

اور اگر سفر کی حالت ہو تو اللہ تعالیٰ کا صاف حکم ہے کہ تحریر کے بغیر رہن رکھا جائے۔ رہن کا جواز آیت میں بھی ہے اور حضورؐ کے عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زرہ رکھ کر چیزیں لی گئیں۔ بخاری مسلم میں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت بھی موجود ہے اور یہ زرہ حضورؐ کے انتقال تک رہی۔ ٹھوس اشیاء کے علاوہ سواری کا جانور یا دودھ والا جانور رہن رکھا ہوا ہو تو چونکہ اس جانور کی خوراک و نگہداشت کرتا ہے تو مرتہن جس کے پاس ایسا جانور رہن ہو اس پر اپنے خرچ کے مطابق سواری بھی کر سکتا ہے اور اس سے دودھ بھی حاصل کر سکتا ہے، لیکن اپنے خرچ سے زیادہ نفع نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ کیونکہ خرچ سے زیادہ نفع سود میں شمار ہوگا۔ اسی طرح قرض دے کر نفع اُٹھایا جائے تو وہ بھی سود میں شمار ہوگا۔ فائدہ یا نقصان رہن رکھنے والے کا ہے۔ اگر رہن

Marfat.com

والے جانور کا بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ رہن رکھنے والے کا ہے۔ اگر وہ جانور مر جائے تو بھی نقصان راہن کا ہوگا۔ رہن رکھنے سے اس چیز کی ملکیت ختم نہیں ہوتی۔ اسکے نفع اور نقصان کا مالک ہوگا۔ زمین، گھوڑے، جانور، زیور وغیرہ کا رہن جائز ہے، مگر مرتہن کو اس سے اتنا ہی نفع حاصل کرنا چاہیئے جتنا اس پر خرچ اٹھتا ہو۔ البتہ لڑکی لڑکے کو رہن رکھنا حرام ہے۔

تجارتی معاملات

رہن وغیرہ کے بعد تجارت اور سوداگری کے ضمن میں ہمارے مضمون تجارت کے اسلامی اصول میں تفصیل دی گئی ہے۔ اتنی بات یاد رکھی جائے کہ جو چیز آپ کی ملکیت نہ ہو، آپ کے قبضہ میں نہ ہو، اس کی تجارت و فروختگی ناجائز اور حرام ہے۔ مثلاً درختوں کے پھل ابھی اترے نہیں ابتدائی صورت میں ہوں تو خرید و فروخت ناجائز ہے، قرعہ اندازی ٹکٹ وغیرہ کے ذریعہ لین دین ناجائز ہے۔ یہ کاروبار سٹہ بازی یا جوئے بازی کے ذیل میں آتا ہے۔ غرض ہر وہ معاملہ جس سے خریدار یا فروخت کنندہ کو نقصان کا اندیشہ ہو وہ ناجائز حرام ہے اور بدمعاملگی کے ذیل میں آتا ہے یا خرید و فروخت کے معاملات سے ہٹ کر کوئی بھی رویہ جو دوسرے انسان کے لئے مالی ذہنی پریشانی یا نقصان کا سبب بن جائے وہ بدمعاملگی ہے اور ناجائز ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

حسنِ معاملہ دوسروں کو نقصان نہ دینا

اسلام میں حسنِ معاملہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ان تمام معاملات میں خوبصورتی، صفائی اور سچائی کا بنیادی مقصد دوسروں کو نقصان نہ دینا ہے بعض اوقات باغات میعادوں پر فروخت کرتے ہیں یعنی اتنے سالوں کا ٹھیکہ لیا۔ اس سے اسلام منع فرماتا ہے اور یہ کسی چیز کے وجود سے پہلے فروختگی میں شمار ہوتا ہے اور اگر ایسا معاملہ ہو بھی تو نقصان کی صورت میں قیمت میں کمی کی جائے۔ باغ دو چار سال پر ٹھیکہ میں لے لیا۔ لیکن ہوسکتا ہے کسی سال اس پر پھل نہ آئے۔ آندھی یا کسی آسمانی آفت سے نقصان آجائے تو حسنِ معاملہ یہ ہے کہ ساتھی کو نقصان کے مطابق قیمت میں از خود کمی کر دی جائے۔ ورنہ شرعی لحاظ سے ایسا سودا جائز ہی نہیں تاکہ بعد میں نقصان ہونے پر تنازعہ نہ پیدا ہو۔ جہاں بھی کمی بیشی کا احتمال ہو یا نقصان کا اندیشہ ہو، معاملہ نہ کیا جائے ـــــ بعض لوگ وعدہ کی پختگی کے لئے کچھ رقم پیشگی لیتے ہیں کہ اگر یہ سودا حسبِ وعدہ ہوگیا تو یہ پیشگی رقم سودے میں شمار ہوگی اور اگر حسبِ وعدہ سودا نہ ہوا تو یہ رقم واپس نہ ہوگی۔ اسے آجکل بیعانہ کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی بیعانہ دے اور وعدہ کے مطابق چیز نہ خریدے یا معاملہ نہ کرے تو اُسے وعدہ خلافی کا گناہ ضرور ہوگا، لیکن وہ بیعانہ کھانا جائز نہیں ہے۔ بیعانہ کو عربی میں بیع عربان کہتے ہیں حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح اسلام دلالی اور ایجنٹی کو حرام قرار دیتا ہے۔ ایک تو مصنوعات کا ایجنٹ ہوتا ہے جو کسی ادارہ کی مصنوعات دکھا کر آرڈر لیتا ہے اور مال بھیجتا ہے وہ ایجنٹ نہیں بلکہ جو بالعموم منڈیوں میں گاہکوں کو چرب زبانی جھوٹ اور دھوکے میں پھنسا کر مال یا جانور فروخت کرتے ہیں۔ یہ کاروبار منع ہے اور انہیں سودے بنانے کی

Marfat.com

صورت میں دی جانے والی بخشش بھی حرام ہے۔

بازار یا منڈی میں تجارتی سامان پہنچنے سے پہلے راستہ میں سستا خریدنا منع ہے۔ بازار میں آکر بھاؤ معلوم ہو جائے تو مالک کو اختیار ہے کہ سودے کو برقرار رکھے یا منڈی کے بھاؤ کے مطابق زیادہ دام لے یا سرے سے سودا ہی نہ کرے۔ کاروباری معاملات میں ہر قسم کا دھوکہ یعنی خریدار کو پھنسا کر اصل چیز کے عیب یا نقص کو چھپا کر بیچنا حرام ہے۔ مثلاً شیردار جانور کے تھنوں میں دودھ روکا جائے اور خریدار کے سامنے لاکر روکے ہوئے دودھ کو دکھا کر پھنسایا جائے یہ دھوکہ ناجائز ہے۔ ایسے جانور کو مقرات کہا جاتا ہے۔ مقررہ رقم جو کسی نر کو مادہ پر چڑھانے کے عوض لی جاتی ہے، حرام ہے۔ ہاں رقم مقرر نہ ہو تو جو کچھ ملے لے لینا بُرا نہیں ہے۔

ان تمام لین دین کے معاملات کو بطور مثال لکھا ہے۔ ان کی تفصیل اسلامی فقہ کی کتابوں میں موجود ہے سمجھنے اور عمل کرنے کی مختصر بات یہی ہے کہ آپ کا ہر فعل جو دوسرے بھائی بلکہ کسی مذہب و ملت کے دوسرے شخص کے ساتھ دھوکہ دہی، فریب، جھوٹ پر مبنی ہو اور جس سے اسے نقصان پہنچے، خواہ مالی ہو یا ذہنی پریشانی کا موجب ہو وہ بُرے معاملے میں شمار ہوگا، حسنِ معاملہ نہ ہوگا۔ کیونکہ دین اسلام خیر خواہی کا نام ہے۔ دوسروں کی بھلائی کا خیال رکھنا، انہیں نقصان نہ دینا یا نہ ہونے دینا ایک مسلمان کا فرض ہے۔

آثار و امثال

۱۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حضرت جریرؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے غلام نے ان کے لئے تین سو درم پر گھوڑا خریدا۔ جب حضرت جریرؓ نے اسے دیکھا، چلایا، دوڑایا تو ہر مرتبہ اس کی قیمت میں اضافہ فرماتے رہے اور وہی تین سو درہم پر خریدا ہوا مقررہ قیمت کے بجائے آٹھ سو درہم مالک کو دے کر فرمایا۔ تمہارا گھوڑا تین سو درم کا نہیں آٹھ سو درہم کا حق رکھتا ہے۔ حسنِ معاملہ ایسی سچی ہمدردی کا نام ہے کہ آپ نے مالک کی نادانی اور سادگی سے فائدہ نہ اٹھایا۔

اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر جس کا ذکر پہلے کیا ہے۔ تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تاجر تھے۔ آئمہ سب تاجر تھے۔ اس کے علاوہ روزگار کے دوسرے تمام ذرائع اختیار کئے۔ زراعت صنعت حرفت بھی، لوہار، بڑھئی، درزی، موچی، جولاہے رہے، مگر انہوں نے اپنے پیشوں میں دیانتداری، سچائی اور حسن معاملہ سے کام لیا تو خوب کاروبار چمکایا۔ کام اور ہاتھ کی کمائی میں دوسرے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے یہ خیال رکھا جائے کہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچے اور معاملات میں دھوکہ، فریب، وعدہ شکنی اور جھوٹ نہ ہونے پائے۔

۲۔ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اکبر کے زمانہ کے بزرگ تھے۔ ان کی بزرگی اور عظمت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ ان کے مرید تھے۔ بُرے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں اور اچھے بھی۔ چنانچہ ایک شخص انہیں قتل کرنے کے ارادے سے بھیس بدل کر آیا کہ موقعہ ملے تو انہیں قتل کر دے۔ چنانچہ ظاہر یہ کیا کہ دُور سے آیا ہوں اور حضرت سے عقیدت کی بنا پر چاہتا ہوں کہ یہاں کچھ عرصہ رہ کر ان کی زیارت کرتا رہوں اور کچھ سیکھ سکوں۔ مسجد والوں نے انہیں مسجد میں کمرہ دے دیا۔ وہ وہاں رہنے لگا۔ خواجہ صاحبؒ کو اطلاع ہوئی تو آپ کے گھر سے اُس کے لئے کھانا آنے

Marfat.com

لگا۔ کچھ دن بعد اُس شخص نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ جب خواجہ صاحبؒ کو اس کی واپسی کا علم ہُوا تو آپ اس کے پاس آئے اور روکنا چاہا کہ وہ نہ جائے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اگر یہ جگہ پسند نہیں تو دوسری جگہ ٹھہراتے ہیں، جہاں تمہیں تمہارے دھرم کے مطابق کھانے اور رہنے کی سہولت ہو۔ دھرم کی بات سن کر وہ شخص ہڑبڑایا کہ راز فاش ہوگیا۔ حالانکہ اس نے خوب بھیس بدلا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ حضرت پر اس کے دھرم کا جب راز کھل گیا تو یقیناً ارادہ کا پتہ بھی چل گیا ہوگا۔ سیرت باقی میں ہے کہ اُس نے باتیں بنانا شروع کر دیا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ میں مسجد میں رہتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، مسلمانوں کا کھانا کھاتا ہوں۔ پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ آپ نے اسے شرمندگی سے بچانے کے لئے بات کا رُخ پھیر کر فرمایا۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ کہو کہ تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ اس شخص نے سوچا کہ حضرت جتنے اعلیٰ اخلاق کے مالک ہیں۔ اگر میرا راز کسی پر ظاہر کر دیں تو میرا کیا حشر ہوگا۔ مشرکین مکہ حضورؐ کے اسی اخلاق و کردار، حسنِ سلوک اور حسنِ معاملہ سے متاثر ہوتے تھے۔

تبلیغ دین کے لئے بالخصوص اور مسلمانوں کے مثالی کردار کے لئے بالعموم حسنِ اخلاق، حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک کی ضرورت ہے۔ اس شخص نے دیکھا کہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا راز اور ارادۂ قتل جاننے کے باوجود اس پر پردہ ڈال رہے ہیں تو پوچھا کہ اتنا کچھ جاننے کے باوجود آپ نے مجھے قتل کیوں نہ کرایا۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام معافی، درگذر اور حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ ہم دشمن کو مارتے نہیں اس کی درستی اور اصلاح کرتے ہیں۔ یہ بات اس کے دل کو ایسی لگی کہ توبہ کی اور حضرت کے ہاتھ پر ایمان لے آیا۔

۳۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کے صاحب زادے تجارت کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں شاہی سکّہ تول کر لیا جاتا تھا اور تول کر دیا جاتا تھا۔ ایک دن حضرت فضیلؒ نے دیکھا کہ بیٹا سکّوں کو تولنے سے پہلے صاف کر رہا ہے تاکہ اوپر جمی ہوئی میل دُور ہو جائے اور اُن کا اپنا اصلی وزن باقی رہے۔ باپ نے کہا۔ بیٹا معاملات میں یہ دیانتداری دو حج اور دو عمروں کے برابر ثواب کا کام ہے۔ تجارتی لین دین ہو یا گھریلو برتاؤ کا معاملہ حسنِ معاملہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ہم ایک دوسرے سے مستعار چیزیں وقتی ضرورت کے لئے لیتے ہیں، مگر ان کی اسی حالت میں واپسی تو بڑی بات ہے۔ سرے سے وہ چیز ہی واپس نہیں کی جاتی۔ بہت سے گھروں میں اگر کچھ چیز بھیجی جائے تو برتن واپس نہیں کئے جاتے۔ مانگ کر لے جانے والی کتابیں، رسائل پڑھنے کے لئے جاتے ہیں مگر واپس نہیں ملتے۔ کاموں کا ذمہ لیا جاتا ہے مگر وعدے کا پاس نہیں ہوتا۔ قرض مانگا جاتا ہے۔ مانگتے وقت مسکینی، عاجزی کی کیفیت ہوتی ہے مگر جب مطلب نکل جاتا ہے تو منہ چھپاتے رہتے ہیں۔ قرض دینے والا سالوں تک ذہنی پریشانی جسمانی اذیت اور مالی خسارے کا شکار رہتا ہے، لیکن لینے والے کو مطلق فکر نہیں ہوتی۔

۴۔ دھوکہ، فریب اور جھوٹ مسلمانوں کا عام اخلاقی عیب ہے۔ قائدِ اعظمؒ کے بارہ میں مشہور ہے کہ ان کے پاس مقدمہ آیا۔ آپ نے مقدمہ کی فائل دیکھ کر فیس طے کر دی۔ مقدمہ لانے والے کو مشورہ دیا۔ لیکن فائل پڑھنے

کے بعد فیس کی طے شدہ رقم میں کچھ رقم مقدمہ لانے والے کو لوٹا دی۔ ان کا مؤکل حیران ہوا۔ آپ نے کہا۔ میں نے فائل دیکھ کر فیس طے کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پڑھنے میں خاصا وقت لگے گا اور میں نے اتنے ہی وقت کے حساب سے فیس لی تھی، مگر فائل پڑھی تو اس پر وقت کم خرچ ہوا۔ اب یہ زائد رقم اسی بچے ہوئے وقت کی قیمت ہے جو ——— آپ کو واپس کر رہا ہوں۔ حسنِ معاملہ کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ جبکہ ہمارے وکلاء حضرات مقدمہ کو سنگین بنا کر زیادہ سے زیادہ رقم بٹورنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ہمارے تمام ملازم پیشہ افراد، مزدور، کاریگر اور معاوضہ پہ کام کرنے والے لوگ اگر اس ملازمتی وقت کو کام پہ لگانے کی بجائے ذاتی کام، گفتگو اور دوسری مصروفیات پہ لگاتے ہیں تو وہ بد معاملہ و بد دیانت تاجر کی طرح ڈنڈی مار کر حرام کماتے ہیں۔ سرکاری اختیارات، رقومات اور اشیاء کا ذاتی استعمال بھی اسی بد معاملگی کے ذیل میں آتا ہے۔ تجارتی اشیاء میں ملاوٹ، دودھ میں پانی، گھی میں تیل اور گریس آجکل یہ سارے دھندے، معاملات کے بُرے دھندے ہیں جو بڑے پیمانے پر کیے جاتے ہیں۔

۵۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رح سرکاری خزانے کے تیل سے چراغ روشن کرتے تو اس کی روشنی میں سرکاری کام انجام دیتے۔ اس دوران اگر ذاتی کام پیش آتا یا کوئی شخص ذاتی ضرورت سے ملنے آتا تو سرکاری چراغ گل کر دیتے اور ذاتی تیل کا دیا جلا دیتے۔ معاملات اور معمولات کی یہ خوبصورتی اور دیانت کی مثال ناقابلِ عمل نہیں ہے۔ بشرطیکہ دل میں ایمان ہو خدا کا خوف ہو اور ذاتی احتساب سے دماغ منور ہو۔ آج ہمارے ہاں دفتروں میں قالین بچھائے جاتے ہیں۔ ایئر کنڈیشنر چلتے ہیں۔ بلب روشن ہوتے اور پنکھے چلتے ہیں، مگر کام سارا غیر سرکاری ہوتا ہے بلکہ کام ہوتا ہی نہیں ہے۔ دفتر کی سرکاری گاڑیاں اور پٹرول ذاتی ضرورتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ معاملات کی یہ بد دیانتی آجکل ہمارا کردار بن چکی ہے۔ کوئی نہیں سوچتا کہ جہنم کی آگ اور دوزخ کے انگارے ہیں جو اپنی اولاد کے پیٹ میں جھونک رہے ہیں۔

- عمر بن عبد العزیز رح کے دورِ خلافت میں لشکر کو مالِ غنیمت میں بہت سا مشک ہاتھ آیا۔ آپ نے اسے تقسیم کرتے وقت ناک پر ہاتھ رکھ کر سونگھنے کا راستہ مسدود کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا۔ مسلمانوں کے مال میں میرا کوئی حق نہیں۔ مشک کی خوشبو اس کا منافع ہے اور یہ منافع میرے لئے جائز نہیں ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہتے ہوئے مختلف قسم کے معاملات پیش آتے ہیں، لین دین کرنا ہوتا ہے۔ تجارت کے ذریعہ سابقہ پیش آتا ہے۔ اختیارات کے ذریعہ معاملہ ہوتا ہے۔ ملازمت کے باہمی معاملات پیش آتے ہیں۔ مزدور اور آجر کے باہمی معاملات ہوتے ہیں۔ رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کے معاملات سے واسطہ پڑتا ہے۔ پڑوسیوں کے ساتھ گزر بسر لازمی کرنا پڑتی ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان تمام روابط اور معاملات میں کس حد تک دیانتدار، مخلص اور سچا ہے اور کس حد تک بد معاملہ، بد دیانت اور خیانت کار ہے۔ حسن معاملہ کی صفت کا حامل ہے تو مخلوق خدا میں ہر دلعزیز، پسندیدہ اور محترم ہوتا ہے۔ خدا کے ہاں اس کا انعام و اکرام بہت زیادہ ہے۔ معاملہ برعکس ہے تو پھر مخلوق خدا کے حقوق کو غصب کرنے والا نہیں بخشا جائے گا۔ دوسروں کی دلآزاری، بد معاملگی میں مضمر ہے اور ان کی دلداری حسنِ معاملت کے

Marfat.com

روتیہ پر منحصر ہے ؎

ہزار کنج قناعت ہزار گنج کرم　　ہزار طاعت شب ہا ہزار بیداری
ہزار روزہ وہر روزہ ہزار نماز　　قبول نیست اگر خاطرے بیا زاری

وما علینا الا البلاغ

Marfat.com

شرم و حیا

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	سورہ احزاب کی آیت مع ترجمہ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حیا قرآنی سند۔ شانِ نزول۔ خود ہر تکلیف برداشت کر لینا لیکن دوسروں کے تکلیف دہ رویہ پر بُرا نہ منانا شرم کی وجہ سے تھا جن کے اظہار پر حجاب اور شرم نہ کرنا چاہیئے۔
۲	انسانی فطرت میں حیا ہے۔ ستر پوشی انسانی فطرت کا تقاضا	حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا کا جنت میں حجاب اور پتوں سے تن ڈھانپنے۔ شیطانی کوشش، شرم و حیا کا احساس مٹ جائے۔
۳	حیا اور شرم اخلاق ضرورت ہے	شرم ہی بداخلاقی، بے حیائی اور بدعملی سے بچاتی ہے۔ حیا اور شرم اُٹھ جائے تو آدمی سب کچھ کر گزرتا ہے۔
۴	حیا اور شرم کی دینی اہمیت	حیا مکمل اور تمام بھلائی ہے۔ ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۵	واقعات و امثال	حضرت امام ابو حنیفہؒ کا خدا سے شرم کرنا۔
۶	ہماری بچیوں کے استقبالی مظاہرے	بے غیرت قوم کی بچیاں سڑکوں پر استقبال کریں تو کل کیا جواب ہوگا۔

Marfat.com

شرم وحیا

آیت معہ ترجمہ اِنَّ ذَالِکُمْ کَانَ یُوْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ (احزاب)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تکلیف کے باوجود شرم سے کام لیتے ہیں۔ تمہیں نہیں فرماتے کہ ایسا نہ کرو۔ لیکن خداوند تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتے۔

تفسیر وتشریح سورۂ احزاب کی آیت کا یہ حصّہ اس موقعہ پر نازل ہوا کہ جب صحابۂ کرامؓ حضورؐ کے ہاں ایک دعوتِ ولیمہ میں حضرت زینبؓ سے نکاح کے بعد بلائے گئے تھے تو کھانا کھانے کے بعد جاہلیت کے دور کی بُری عادات کے مطابق رات دیر تک خوش گپیوں اور گفتگو میں مصروف رہے۔ حضورؐ کے خادم خاص حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اس رات باقی لوگ کھانا کھا کر چلے گئے، مگر دو تین آدمی بیٹھ کر باتوں میں لگ گئے۔ تنگ آ کر حضورؐ اُٹھے اور اُمّہات المومنینؓ کے حجروں کا چکر لگایا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ سمجھ جاتے اور رخصت ہو جاتے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ حضورؐ واپس آئے تو وہ چلے گئے۔ تب حضورؐ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لے گئے۔

مہمانوں کو چھوڑ کر میزبان کا اُٹھنا اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ میزبان اُن کا مزید بیٹھنا پسند نہیں کر رہا۔ حضورؐ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے مجبور ہو کر صرف اس اشارے پر اکتفا فرمایا اور زبان سے اپنی بے چینی اور اذیت کا اظہار نہ فرمایا۔ شرم مانع تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بُری عادت پر ٹوکا کہ دوسروں کے ہاں دعوت کے بعد زیادہ دیر بیٹھنا اہلِ خانہ کے آرام اور معمولات میں مخل ہونا ہے اور تکلیف دہ بات ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ صاحبِ خانہ شرم کے مارے اس کا اظہار نہ کرے۔

آیت کے اس شانِ نزول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اپنے اوپر تکلیف برداشت کر کے محض شرم کی وجہ سے دوسروں کے رویّہ کی شکایت نہ کرنا بھی پسندیدہ صفت ہے۔ جس کا ثبوت حضورؐ کے رویّہ ہوا۔

لیکن حضورؐ کو خداوند تعالیٰ کی تائید اور حمایت حاصل تھی۔ ان کی بجائے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی اذیت اور تنگی کا دفاع فرما دیا، مگر عام لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے یہ تربیت اور تعلیم بھی دے دی کہ آپؐ کی کوئی حرکت دوسروں کی تنگی اور تکلیف کا باعث نہ بننی چاہیئے۔ جن میں ایک یہ بھی ہے کہ کسی کے ہاں کھانا کھا کر دیر تک اس گھر میں مجلس آرائی کی جائے اور اہلِ خانہ کے آرام، نیند اور معمولات میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ پھر دوسرا یہ حکم بھی دے دیا کہ حق بات کے اظہار اور دوسروں کی اصلاح کی خاطر شرم کو ملحوظ نہ رکھا جائے تاکہ آپ کی خاموشی اور رنجیدہ تکلیف گزاری

Marfat.com

کی عادت جو شرم کے باعث ہوگی، وہ دوسروں کی اصلاح کا سبب نہ بن سکے گی بلکہ حضورؐ کے خاموش احتجاج کے باوجود اسے سندِ جواز مل جائے گی اور لوگ ان بری اور معاشرتی برائیوں پر دلیر ہوتے جائیں گے۔

سورۂ بقرہ کی اس آیت سے بھی تائید ہوتی ہے۔ انّ اللّٰہ لایستحی ان یضرب مثلاً مّا بعوضۃً فما فوقھا۔ حق اور سچائی کی اشاعت میں چھوٹی سے چھوٹی مثال کو محض اس لئے کام میں نہ لانا کہ شرمندگی ہوگی اچھا نہیں ہے۔ خدا ایسی مثالیں دیتے ہوئے نہیں شرماتے اور نہ کسی کے اعتراض کی پرواہ کرتے ہیں تو ہمیں بھی حق کے اظہار اور دوسروں کی اصلاح اور تربیت کے لئے معمولی معمولی چیزوں اور جزئیات کے اظہار میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ ہماری ہندکو زبان میں اسی لئے یہ محاورہ مشہور ہے کہ ایک شرم انسان کو جنت میں لے جاتا ہے تو دوسری شرم دوزخ میں لے جاتی ہے۔ دوزخ میں لے جانے والی شرم یہی ہے کہ آپ حق اور سچائی، درستی و اصلاح اور سچائی کی اشاعت میں برائیوں سے صرفِ نظر کریں، چشم پوشی سے کام لیں اور شرم کے مارے دوسروں کا دل رکھیں۔ یہ روّیہ بُرائی سے مکمل تعاون کا روّیہ اگر نہیں تو بھی برائی سے سمجھوتے کے ذیل میں ضرور آتا ہے جو آدمی کو یقیناً دوزخ میں لے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی لئے سورہ بقرہ میں آگے چل کر فرماتا ہے کہ یضل بہٖ کثیراً وّ یھدی بہٖ کثیراً۔ جو لوگ قرآن کریم کے اس اصلاحی انداز پر شرما کر اعتراض کرتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور جو ایسا نہیں سوچتے اور نہیں کرتے تو وہ ان چھوٹی چھوٹی مثالوں سے ہدایت پا جاتے ہیں تو ثابت یہ ہوا کہ اصلاحِ احوال اور حق کے اظہار میں شرم نہ کرنا چاہیئے۔ ایسی شرم پسندیدہ نہیں ہے کہ خود خداوند تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔

اب آیئے کہ جنت میں لے جانے والی شرم و حیا کی خدا کے ہاں اور دینِ اسلام میں کتنی فضیلت اور کتنا مقام ہے۔

شرم انسانی فطرت ہے

شرم و حیا کا جذبہ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں ودیعت کیا ہوا ہے اور یہی مادہ انسانوں اور جانوروں میں امتیاز اور فرق کا باعث ہے۔ جنت میں قصہ آدمؑ و حواؑ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان سے نافرمانی سرزد ہوئی تو دونوں ننگے ہو گئے اور انہیں شرمندگی کے احساس نے بُری طرح گھیر لیا جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی برہنگی کو چھپانے کا طریقہ سمجھایا۔ انہوں نے فوراً پتوں سے اپنے جسم ڈھانپے۔

سورہ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَنزَلنَا عَلَیکُم لِبَاساً یُّوَارِی سَوْاٰتِکُم وَرِیشاً وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیرٌ۔ ہم نے تمہارے واسطے لباس پیدا کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو پوشیدہ رکھے اور تمہاری زینت کا پہناوا ہے اور پرہیزگاری کا لباس۔ فلمّا ذاقا الشجرۃ بدت لھما سوآتھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ آخر کار جب انہوں نے۔ آدم و حوا۔ نے درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔

قصہ آدم و ابلیس

معلوم ہوا کہ شرم و حیا کا جذبہ فطری ہے جس کا پہلا مظاہرہ وہ شرم ہے کہ انسان اپنے جسم کے مخصوص حصوں کو دوسروں کے سامنے کھولنے سے محسوس کرتا ہے۔ قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ یہ شرم انسان کے اندر تہذیب کے ارتقاء سے پیدا نہیں ہوئی اور نہ یہ اکتسابی چیز ہے۔ جیسا کہ شیطان کے شاگردوں نے قیاس کیا ہے بلکہ فطری چیز ہے جو پہلے دن سے موجود تھی۔

Marfat.com

شیطان کی پہلی چال جو اس نے انسانی فطرت کو سیدھی راہ سے ہٹانے کے لیے چلی، یہ تھی کہ آپ کے جذبۂ شرم وحیا پر ضرب لگائے اور برہنگی کے راستہ سے فواحش کا دروازہ کھول دے اور جنسی معاملات میں گمراہ کرے۔ شیطان اور اس کے شاگردوں کا آج بھی یہی طریقہ ہے۔ ترقی کا کوئی کام ان کے ہاں شروع نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ عورت کو بے پردہ کر کے اس سے فطری شرم وحیا دور نہ کر دیں اور بازار میں لا کھڑا نہ کر دیں اور عریاں نہ کر دیں۔

درخت کا پھل چکھتے ہی آدمؑ و حواؑ کا ستر کھل جانا اس لیے نہ تھا کہ درخت کے پھل میں کوئی تاثیر تھی بلکہ یہ خدا کے حکم کی نافرمانی کا نتیجہ تھا۔ اللہ نے ان کا ستر اپنے انتظام سے ڈھانپا تھا۔ انہوں نے خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا نے اپنی حفاظت ہٹا لی اور ان کا پردہ کھول دیا۔ یہ گویا ہمیشہ کے لیے اس حقیقت کا مظاہرہ تھا کہ انسان جب بھی خدا کی نافرمانی کرے گا تو دیر یا سویر وہ ضرور بے پردہ ہو کر رہے گا۔ اللہ اسے ننگا کرے گا۔ اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے قدم باہر رکھتے ہی خدا کی تائید و حفاظت کی ذمہ داری اُٹھ جائے گی اور اسے خدا اس کے نفس کے حوالے کر دے گا۔

بیحیائی و بے حجابی قصۂ آدمؑ و حواؑ کا خاص پہلو یہ بھی ہے کہ اہلِ عرب آجکل کی طرح لباس کو صرف زینت اور موسمی اثرات سے بچنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ لیکن لباس کی بنیادی غرض جسم کی ستر پوشی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ دوسروں کے سامنے ستر کھول لینے میں کوئی باک نہ تھا۔ منظر عام پر برہنہ نہا لینا، راہ چلتے قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جانا ان کے معمولات تھے۔ حج کے موقعہ پر برہنہ طواف کرنا۔ اس سلسلہ میں عورتیں مردوں سے زیادہ بے حیا تھیں۔ وہ اس بے حیائی و بے شرمی کو مذہبی فعل سمجھ کر کرتے تھے ــــــ مندرجہ بالا آیات میں آدمؑ و حواؑ کے حوالہ سے لباس اُتارنے اور ستر پوشی کے لیے اس کی غرض و غایت یہی ہے کہ جس طرح شیطان نے انسانی فطرت کے راستہ اور شرم وحیا کے داعیہ سے ہٹا کر تمہیں بے حیائی میں مبتلا کر دیا ہے۔ جس میں آدمؑ و حواؑ کو مبتلا کرنا چاہتا تھا۔ تم اس پر غور کرو کہ شیطان کی پیروی اور خدا کی نافرمانی انسان کو اُس کے فطری تقاضے سے کتنا دُور لے جا کر کس طرح اس کی بے پردگی اور بے حیائی کا موجب بن جاتی ہے۔

اولادِ آدم پر لباس کے اتارے جانے کے سلسلہ میں سورہ الاعراف کی آیات ۲۶ تا ۲۸ میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا۔ ان میں چند نکات پر توجہ ضروری ہے۔

۱۔ لباس انسانی فطرت کا تقاضا ہے لباس انسانی جسم کی مصنوعی اور جغرافیائی ضرورت نہیں ہے بلکہ فطری تقاضا ہے۔ خدا نے انسانوں کے جسموں پر پیدائشی طور پر کوئی پوشش، بال، دُم وغیرہ نہیں رکھی بلکہ اس میں حیا و شرم کا مادہ رکھا ہے۔ (۱) خدا نے انسان کے اعضائے صنفی کو اعضائے صنفی نہیں بتایا بلکہ انہیں سوآۃ کہا جس کے عربی معنیٰ اس چیز کے ہیں جس کے اظہار کو آدمی قبیح سمجھے۔ (۲) پھر خدا نے انسان کو اس کے فطری شرم کے تقاضوں کے تحت بنا بنایا لباس نہیں دیا بلکہ اس کی فطرت پر لباس الہام فرمایا۔ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا تاکہ وہ موسموں اور جغرافیائی ضرورتوں کے مطابق اپنی عقل سے کام لے کر شرم وحیا کے فطری تقاضے پورے کرے اور

Marfat.com

خدا کے پیدا کردہ مواد سے کام ہے۔

۲۔ اخلاقی ضرورت فطری الہام کے ذریعہ لباس کی اخلاقی ضرورت مقدم ہے کہ وہ سوأۃ کو ڈھانکے۔ اس کی طبعی ضرورت ۔ ریشاً ۔ جسمانی آرائش، موسمی اثرات سے جسمانی حفاظت مؤخر ہے۔ حیوانات کی پوشش کی غرض و غایت ریش ۔ جسمانی آرائش و حفاظت ہے۔ ستر پوشی مقصد ہوتا تو ان کی فطرت میں ستر ڈھانکنے کا فطری مادہ ہوتا۔ جب انسانوں نے خدا کی فرمانبرداری کی بجائے شیطان کی تابعداری قبول کی تو معاملہ الٹ گیا۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو تعلیم سکھائی کہ تمہارا لباس حیوانوں کی طرح صرف جسمانی آرائش و حفاظت ہی کے لئے ہے۔ اس سے سوأۃ کو ڈھانکنا چنداں ضروری نہیں۔ کیونکہ تمہارے اعضاء صنفی سوأۃ نہیں۔ چھپائی جانے والی چیز نہیں بلکہ حیوانوں کی طرح صرف اعضاء صنفی ہیں۔

۳۔ تقویٰ و پرہیزگاری انسان کے لئے لباس ذریعہ ستر پوشی اور وسیلہ زینت و حفاظت ہی نہیں بلکہ لباس کے ذریعہ انسان جس بھلائی تک پہنچے وہ تقویٰ کا لباس ہو یعنی وہ ساتر بھی ہو۔ زینت میں حد سے بڑھا ہوا اور آدمی کی حیثیت سے گرا ہوا نہ ہو۔ فخر، غرور اور تکبر کی شان لئے ہوئے نہ ہو اور ان ذہنی امراض کی نمائندگی بھی نہ کرتا ہو۔ جن کی وجہ سے مرد زنانہ پن اختیار کرے اور عورتیں مردانہ پن کی نمائش کرنے لگیں اور ایک قوم دوسری قوم کی تقلید میں اپنی ذلت، ذہنی تہذیبی اور معاشرتی افلاس کا اشتہار بن جاتے ہیں۔ ایسا لباس ہو کہ ـــــ جس میں خدا ترسی، تقویٰ و پرہیزگاری کی شان جھلکتی ہو اور اسی لباس کے تقاضے سے وہ ہر اس برے کام اور بری بات سے پرہیز کرے گا جس کی اجازت اسے اس کا تقویٰ کا لباس نہ دے گا۔ تقویٰ کا لباس انہیں ہر قسم کی بے حیائی، فحاشی اور بے شرمی سے بچائے گا۔

۴۔ حیا اور شرم کے اخلاقی فائدے آدمؑ اور حواؑ کے اس قصہ میں اس ساری بحث سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حیا اور شرم انسانی فطرت کا تقاضا اور لازمہ ہے جس کا اولین مظاہرہ آدمؑ و حواؑ کی برہنگی پر انہیں محسوس ہوا اور جس کی فطری ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ نے لباس کو اتارا یعنی انسان کو ستر ڈھانکنے کا انداز سکھایا۔ جس کو اس نے اپنے جغرافیائی اور موسمی حالات کے تحت ستر پوشی و زینت و حفاظت کے تحت اپنایا۔ پھر تقویٰ کے لباس کو بہتر کہہ کر نہ صرف شرم و حیا کے تقاضے کو پورا فرمایا بلکہ اس کی اخلاقی اہمیت و ضرورت کو بھی واضح فرمایا۔

جب حیا اور شرم انسانی فطرت ہے تو پھر یہ بات بھی فطرت میں شامل ہے کہ انسان ہر برائی اور گناہ کو لوگوں سے چھپا کر ہی کرتا ہے۔ کیونکہ دوسروں کی نظروں سے گرنے کے خوف اور شرم و حیا کی وجہ سے وہ برائی کا ارتکاب علانیہ نہیں کرتا ہم اکثر کہا کرتے ہیں کہ جب انسان اپنی شلوار اتار دے تو پھر دوسروں کی شلوار اتارنا مشکل نہیں ہوتا۔ مطلب یہی ہوا کہ دوسروں کو ننگا کرنے والا خود بے شرمی و بے حیائی اختیار کرتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ شرم کے دو قطرے اگر آنکھوں سے گرا دیئے جائیں تو پھر اسے اپنی بے عزتی، بے حیائی اور بے شرمی کی پرواہ نہیں ہوتی ـــ حضورؐ نے یہی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ

Marfat.com

اذا لم تستحی فاصنع بما شئت ۔ جب تم میں شرم اور حیا نہ رہے، پھر جو جی میں آئے کرو۔

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انسانی شرافت، عزت، پاکدامنی اور پاکبازی کی بنیاد ہی شرم پر ہے۔ شرم وحیا والے لوگ بُرائیوں کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ ایک پودا چھوئی موئی کہلاتا ہے جسے لجونتی یعنی شرم والا پودا کہتے ہیں۔ اسے ذرا بھی چھُوا جائے تو مُرجھا جاتا ہے۔ جیسے انسانی ہاتھ کا لمس بھی گوارا نہیں ہوتا۔ یہی حال حیادار لوگوں کا ہوتا ہے۔ وُہ خود بُرائی تو کیا دوسروں کو بُرائی اور بدگوئی کرتے دیکھیں تو مرجھا جاتے ہیں۔ شرم سے گردن جھک جاتی ہے۔ نادیدنی اور ناگفتنی منظر دیکھ لیں تو شرم سے پانی پانی ہو جائیں۔ حیادار انسانوں کو بُری باتوں اور حرکتوں کی عادت ہی نہیں ہوتی۔

انسان میں شرم وحیا کا جذبہ اور وصف فطری ہوتا ہے، مگر اس کے معاشرتی ماحول اور گھریلو تربیت کی وجہ سے کسی میں یہ جذبہ زیادہ ہوتا ہے کسی میں کم اور کہیں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔ بچوں والے گھروں میں ان کے لباس میں اتنی احتیاط برتی جائے کہ بچّے اور بچّی کو بچپن میں برہنگی کا احساس دلایا جائے۔ ایسے کپڑے ہوں جو بدن کی برہنگی کو ظاہر نہ کریں۔ کپڑے بدلتے وقت بچّے کو احساس دلایا جائے کہ ننگا نہ ہو۔ زیر جامہ پہنا کر نہلایا جائے۔ بچیوں کو بڑوں کے سامنے دوپٹہ کی سختی برتی جائے۔ والدین اور بزرگ اپنی گفتگو اور حرکتوں میں احتیاط کریں ۔ کوئی بے سری بات بے حیائی کی حرکت بچیوں کے سامنے سرزد نہ ہو۔ گالی، بدگوئی اور بدزبانی نہ کی جائے تو شرم کا فطری وصف ترقی کرتا ہے۔ لیکن جہاں گھروں میں کپڑوں کی وضع قطع برہنگی کو ظاہر کرتی ہو۔ نیم برہنہ جسم والے کپڑے ہوں تو شرم کا احساس مٹ جائے گا۔ گفتگو میں پرہیز تو کیا اُلٹا نا چا جائے فحش گفتگو اور ٹی وی پر مرد وزن کے اختلاط کے مناظر، بوس وکنار اور محبّت کے مکالمے سنے جائیں تو شرم وحیا کہاں باقی رہے گی۔ غیر محرموں کی آزادانہ آمد ورفت، بے پردگی اور میل جول، یہ ساری باتیں اب تہذیب وثقافت کے نام پر اور ترقی یافتہ ہونے کے دعوؤں سے کی جاتی ہیں تو شرم وحیا کا فطری وصف ختم ہو جاتا ہے اور سوسائٹی حیوانیت کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

حضورؐ کے ارشادات وتعلیمات

۱۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ حیا ایمان کا جز ہے۔ جس طرح ایمان کا تقاضا ہے کہ فواحش ومنکرات سے پرہیز کیا جائے۔ اسی طرح حیا کا تقاضا ہے کہ برائیوں سے رُک جائے۔ جو لوگ باحیا ہوتے ہیں وہ شرافت کے بلند مقام پہ فائز ہوتے ہیں۔ باحیا انسان برائیوں کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حیا کی دینی اہمیّت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الحیاء خیرٌ کلّہٗ۔ حیا میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔ حیادار آدمی سے برائی کا تصور ناممکن ہے۔ اس میں خود اسے بھی اور دُوسروں کو بھی اس کی ذات سے بھلائی اور خیر ہی ملتی ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ حیا ایمان کی شاخ ہے اور ایمان والے اہلِ جنت سے ہیں۔ بے حیائی اکھڑ پن ہے اور اکھڑ پن والوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ (ترمذی) پھر ارشاد فرمایا کہ ہر دین کا ایک وصف ہوتا ہے اور یہ وصف اس دین کا غالب حصہ ہوتا ہے۔ دین اسلام کا وصف اور غالب حصّہ حیا ہے۔

Marfat.com

۳۔ حضرت مرہ بن ایاسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضورؐ کے پاس حاضر تھے کہ شرم و حیا کا ذکر ہونے لگا۔ لوگوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہؐ، کیا حیا دین سے ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ حیا مکمل دین ہے۔ پھر فرمایا۔ حیا کم سخنی اور عفت ایمان سے ہیں۔ ایک دن آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ خدا سے شرم کرو جیسا کہ شرم کا حق ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ حیا وہ کرتا ہے جو سر، آنکھ اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور موت کی فکر کرتا ہے اور آخرت کو چاہنے والا زیب و زینت کو چھوڑ دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے خدا سے شرمانے کا حق ادا کر دیا۔ (ترمذی)

۴۔ بے شرم آدمی خدا اور مخلوق کے نزدیک ناپسندیدہ اور ملعون ہوتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ جسے اللہ برباد کرنا چاہتا ہے اُس سے شرم و حیا چھین لیتا ہے۔ پھر خدا کا غصہ اس پر مسلّط ہو جاتا ہے۔ پھر ارشاد ہوا۔ بے حیائی عیب دار بناتی ہے اور شرم و حیا مزین اور خوبصورت بناتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ برہنگی سے بچو۔ تمہارے ساتھ فرشتے رہتے ہیں جو صرف بول و براز اور مباشرت کے وقت تم سے جدا ہوتے ہیں۔ عام حالات میں ان سے شرم کرو۔

حضرت شعیبؑ کی بچیوں کی تعریف میں خداوند تعالیٰ نے اسی صفت کا ذکر فرمایا۔ جب وہ اپنے والد کے کہنے پر حضرت موسیٰؑ کو بلانے کے لئے آئی تھیں۔ فجآءتہُ احداھما تمشی علی استحیآء قالت انّ ابی یدعوک۔ (قصص) تو ان لڑکیوں میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا کہ میرے ابا جان آپ کو بلاتے ہیں ــــ خاوند اور بیوی کا پردہ اور شرم و حیا مشترک ہوتا ہے۔ مگر حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے کبھی حضورؐ کو برہنہ نہیں دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سلسلہ میں تاکید فرمائی ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے۔ گدھوں کی طرح ایک دم ننگے نہ ہو جاؤ۔

اسلام نے شرم و حیا کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ لیکن حق کے اظہار اور دین کی سمجھ کے لئے حیا نہ کیا جائے۔ اگر دین کے بارے میں ایسا کیا جاتا تو آج عورتوں کے مخصوص معاملات پوشیدہ رہتے اور ان کے بارے میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کا علم کہاں سے حاصل ہوتا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ لا یتعلّم والعلم مستحی ولا متکبر۔ شرم اور شیخی کرنے والے کو علم نہیں آتا۔

واقعات و امثال

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں۔ حضورؐ کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے۔ آپؐ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، خود پہ ناگوار بات اور ناپسندیدہ حرکت کی اذیت برداشت کر لیتے لیکن اپنے فطری حیا کی وجہ سے اس کا اظہار نہ فرماتے۔ ایک شخص مجلس میں آیا تو زرد رنگ کے کپڑے تھے۔ آپؐ کو یہ رنگ ناپسند تھا، مگر اس کے سامنے اظہار نہ فرمایا۔ اس کے جانے کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ کاش آپ اسے اس زردی کے دھو دینے کا کہتے۔

صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عثمانؓ کی حیا و شرم ضرب المثل ہے کہ ان کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا۔ ان کے حیا اور شرم کی وجہ سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ حضورؐ کا خود یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اُن کے آنے پر محفل میں سنبھل کر بیٹھے اور زانو ڈھانپ لئے۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ گھر کے اندر دروازہ بند کر کے بھی کپڑے نہ اتارتے۔ حیا کی وجہ سے کمر جھکی رہتی اور سیدھی نہ فرماتے۔

Marfat.com

۱۔ حضرت ابوموسیٰؓ کے متعلق مشہور روایت ہے کہ آپ تاریک کوٹھڑی میں غسل فرماتے اور پھر سکڑے رہتے، پیٹھ سیدھی نہ فرماتے تھے جب تک کپڑے نہ پہن لیتے۔ وہ اگر کسی کو پانی میں بغیر تہبند پہنے کھڑا دیکھتے تو فرماتے مجھے کئی بار موت آتی اور کئی بار زندہ ہوتا تو بھی ایسا نہ کرتا۔ حضرت یوسفؑ کو زلیخا جب اپنے خلوت خانہ میں لے گئی تو اپنے پتھر کے بُت پر پردہ ڈال دیا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ تُو اپنے پتھر کے بُت سے شرماتی ہے تو کیا میں اس خدا سے نہ شرماؤں جو سات پردوں میں بھی دیکھتا ہے۔

۲۔ حضرت داؤد طائیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے استاد حضرت امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں بیس سال رہا، مگر میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ مجلس یا تنہائی میں سر ننگا کر کے بیٹھے ہوں یا آرام و استراحت کے وقت پاؤں دراز کئے ہوں۔ میں نے کہا۔ استاد محترم آپ خلوت میں تو آرام کے لئے پاؤں دراز کر دیں تو فرمایا۔ خلوت میں حق تعالیٰ کے ساتھ مؤدب رہنا اچھا ہے۔ ایک دفعہ آپ حمام تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص کو ننگا دیکھا۔ لوگوں نے اسے فاسق و ملحد کہا۔ آپ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس شخص نے اُلٹا مذاق اُڑایا کہ آپ کی آنکھوں کی بینائی کب سے جاتی رہی۔ آپ نے برجستہ فرمایا۔ جب سے تمہاری حیا جاتی رہی۔

آج ہماری برہنگی خدا کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ بے حیائی، فحاشی اور بے شرمی اپنی حدود سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ یہ شیطان کا وہی حملہ ہے جو جنت میں آدمؑ و حوّا پر کیا تھا تو خدا نے اپنی حفاظت اُن سے اُٹھا دی تو وہ ننگے ہو گئے۔ ہم اتنی نافرمانی کے بعد آخر کیوں ننگے نہ ہوں اور ہمارے اندر سے وہ فطری حیا بھی رخصت ہو گئی جو آدمؑ و حوّا میں موجود تھی اور جنت کے اوراق سے اپنے اپنے ستر ڈھانپے تھے اور خدا کی تائید و حفاظت میں بھی ہم سے اُٹھ گئی اور ہمیں اپنے نفسوں کی خواہشات کے حوالہ کر دیا۔ حیوان اور انسان میں ستر پوشی کا جو فطری وصف اور امتیاز تھا وہ بھی ہم سے رخصت ہو گیا ہے اور اب وہ دن دُور نہیں جب ہم یورپ اور مغرب کی طرح سرِ بازار، بھری مجلسوں اور کلبوں میں سرِ عام حیوانوں کی طرح جنسی اور صنفی عمل دُہرائیں گے اور دوسرے لوگ اسے نجی اور ذاتی معاملہ کہہ کر گزر جائیں گے۔ نہ کوئی بُرا منائے گا اور نہ تعجّب کا اظہار کرے گا اور آزادیٔ نسواں کے علمبردار مرد اور خواتین، جو اپنی عزّت و ناموس کی ناک کٹا چکے ہیں۔ وہ دوسروں کے چہروں پر اس ناک کو نہیں دیکھ سکتے اور سب کو بے غیرتی و بے حیائی کے حمام میں ننگا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم ریاست کے جاہلانہ جبر کے تحت بچپن میں پرائمری سکول کے دوران نواب صاحبان کے استقبال کے لئے سڑکوں پر جمع ہوا کرتے تھے۔ جھنڈیاں لہرا کر استقبال کیا کرتے تھے۔ استاد صاحب۔ خدا ہمارے نواب صاحب کو زندہ رکھے، کہتے تو ہم اجتماعی طور پر آمین کہا کرتے۔ زندہ باد کا نعرہ لگتا۔ کسی کے لئے دعا کرنا بُری بات نہیں، یہ محض دعائیہ نعرے ہوتے۔ لیکن جب ذرا ہوش آیا تو ان باتوں کو غلامی کی یادگار سمجھتے رہے۔ لیکن اب دیکھتے ہیں کہ آج ہم آزاد ہیں۔ خود مختار ہیں اور دعویٰ ہے کہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آزاد شہری ہیں"۔ لیکن پرائمری جماعت کے گندے اور ناشائستہ دیہاتی طلبہ کی بجائے نوجوان و نوخیز، خوبصورت، آراستہ و پیراستہ اپنی بچیوں کی غیرت اور اپنے شرم و حیا کو سڑکوں پہ دو رویہ کھڑا کر کے غیر ملکی مہمانوں کا استقبال کراتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے مہمانوں کے قدموں پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کر کے گویا اپنی شرم اور غیرت ان کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں۔ جس طرح ہمیں شعور کی منزلوں میں اپنی غلامی کا احساس ہوا تھا۔ ہماری یہ بچیاں کیا سوچیں گی کہ ہم غیرت مند اور آزاد قوم کی اولاد تھیں یا بے غیرت اور بے شرم حکمرانوں اور والدین کی ——— اگر ہماری نسل سے شرم و حیا کا فطری اور قدرتی وصف کسی میں باقی نہ رہا تو اس سوال کا کیا جواب ہوگا۔ اس کا جواب سوچنا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جذبۂ خیر خواہی

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
سورہ حشر کی آیت مردہ بھائیوں کے لئے دعائے مغفرت کینہ اور دشمنی سے پاک ہونے کی دعا۔ جذبۂ خیر خواہی تمنائے خیر کے تحت ہی یہ دعا مانگی گئی۔	آیت معہ ترجمہ	۱
زندگی کا دوام۔ ہمیشہ کی یاد تاریخوں میں ذکر۔ انبیاءؑ و رسلؑ تمام خیر خواہانِ اُمت و انسانیت تھے۔ تسبیح و تہلیل تو فرشتے بھی کرتے تھے۔ انسان کی تخلیق دوسروں کے کام آنا؛ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو	انسانی بھلائی چاہنے کے نتائج	۲
انسانوں کے ساتھ، جانوروں کے ساتھ جذبۂ ترحم و ہمدردی خیر چاہنا۔ خیر پھیلانا۔	دوسروں کے لئے جینے والے زندہ رہے	۳
مسلمان ایک جسم کے اعضاء اور ایک دیوار کی اینٹیں ہیں۔	حضورؐ کی تعلیمات و امثال	۴
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے پُرامن رہیں۔	اعمالِ صالح عبادات ہیں اور باہمی حقوق خیر خواہی ہیں	۵
ابن بریدہ سلمیؓ کے فرمودات۔ مذاق جو مسلمان کی پریشانی کا موجب ہو نہ کیا جائے۔	صحابۂ کرامؓ اور صلحاء کا طرزِ عمل	۶
دوسرے سے ہمدردی کی بجائے دلآزاری کا موجب ہیں۔	ہمارا المیہ اور رویّہ	۷

Marfat.com

جذبۂ خیر خواہی

آیت معہ ترجمہ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کیلئے کینہ و دشمنی نہ ڈال جو ایمان لائے ہوں۔ بے شک تو شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔ (سورہ حشر: ۱۰)

تفسیر و تشریح سورۂ حشر کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انصار کے جذبۂ خیر خواہی اور ہمدردی کی تعریف فرمائی ہے۔ انصار کے جذبۂ ایثار کی تفصیل گزشتہ اوراق میں ایثار و قربانی کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اسی جذبہ کو ایک دوسرے پہلو سے دیکھنا مقصود ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کا بالخصوص اور پوری انسانیت کا بالعموم کس قدر خیر خواہ ہوتا ہے۔ خیر کے معنی نیکی اور بھلائی کے ہوتے ہیں۔ خواہ فارسی میں چاہنے والا کے ہوتے ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو دوسروں کی خیر اور بھلائی چاہتا ہو۔

یہاں جس آیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں اس بات کو ایک خوبی اور بھلائی کے وصف کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ خیر خواہ لوگ خدا سے صرف اپنی بخشش ہی نہیں مانگتے بلکہ مغفرت کی دعا میں دوسروں کو بھی نہیں بھولتے اور نہ صرف دوسرے زندہ افراد بلکہ جو وفات پا چکے ہوتے ہیں انہیں اپنی بخشش کی دعاؤں میں یاد کرتے ہیں اور ایسا وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خیر خواہی کا جذبہ موجزن ہو۔ وہ متعصب، تنگ نظر اور تنگ دل نہیں ہوتے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس گلشن ہستی کے سب سے نمایاں، دلآویز اور خوشبودار پھول وہی ہیں جنہوں نے انسانوں کی بھلائی کے لیے سوچا اور بھلائی کے لئے کام کیا۔ سب سے زیادہ تابناکی انہیں کے نصیب میں آئی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے، خیر الناس من ینفع الناس۔ بہترین انسان وہی ہے جس کے دل و دماغ اور علم و عمل سے دوسروں کو نفع پہنچا اور آج دیکھا جائے تو انسانیت بلندی کے جس معراج پر پہنچی ہوئی ہے وہ انہی افراد و اشخاص کی بدولت ہے۔ سفر کی سہولتیں، لباس و خوراک کی سہولتیں، بیماری و علاج کی سہولتیں، تعمیر و رہائش کی سہولتیں غرض رہن سہن اور زندگی کی تمام سہولتیں اسی جذبۂ خیر خواہی اور نفع انسانیت کی مرہونِ منت ہیں۔

انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ انبیاءؑ و رسلؑ تھے۔ انہوں نے انسانوں کو خدا کے راستے پر چلایا اور حکیمانہ تعلیمات الٰہی سے دنیا کو خیر ہی خیر بخشی۔ اللہ تعالیٰ نے یہی مشن اور یہی کام حضورؐ کی امت کو سپرد فرمایا۔ کُنتم خیر اُمّۃٍ

Marfat.com

اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر تم بہترین خیر اور بھلائی والی اُمت ہو کہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے منع کرتے ہو۔ خدا کے نزدیک ہمارا یہی فریضہ ہے کہ ہم دنیا سے شر کو مٹائیں اور خیر کو پھیلائیں۔

انسان کا سب سے بڑا وصف جو اسے دوسرے حیوانات اور مخلوقات سے افضل ٹھہراتا ہے، یہ ہے کہ وہ دوسروں کے دُکھ درد اور تکلیف میں کام آئے۔ دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو۔ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّو بیاں

امیر مینائی کا یہ شعر کہ:

کانٹا چُبھے کسی کو تڑپتے ہیں ہم امیر ‏ ‏ ‏ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

غور کریں تو اپنی ذات کے لئے جو لوگ جئے اُن کا نام ونشان بھی باقی نہیں۔ لیکن دوسروں کے لئے زندہ رہنے والے ہمیشہ کے لئے زندہ رہ گئے۔ انسان کے اندر یہی جذبہ خیر خواہی ہے اور یہی انسانیت کا جزوِ اعظم ہے۔ اپنی ضروریات، اپنی خواہشات کو دوسروں کی ضروریات وخواہشات پر قربان کر دے۔ ہماری اسلامی تعلیمات تو جانوروں کے ساتھ خیر خواہی کی بھی تعلیم دیتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جانوروں پر سفر کرتے ہوئے ایسے مقامات سے گزرو جہاں چارہ ہو تو انہیں چرنے کا موقعہ دو تاکہ وہ بھوکے نہ رہ جائیں۔

لیکن ہم نے انسانیت کا یہ جوہر کھو دیا اور تعلیمات اسلامی کا یہ چلن چھوڑ دیا ہے۔ آج ہر آدمی چاہتا ہے کہ گھر خیر تو جگ خیر۔ میں آرام سے رہوں دنیا چاہے جہنم میں جائے۔ نفسا نفسی کا بازار گرم ہے۔ بھائی بھائی سے متنفر ہے تو دوسروں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ حضورؐ نے انسانی اور اسلامی معاشرے کو دیوار سے تشبیہ دی ہے کہ اس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا اور مضبوطی کا سبب ہوتی ہے یا اسے جسم کے مجموعی اعضاء سے تشبیہ دی ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم درد اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔

واقعات وامثال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابۂ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ حضرت طلحہؓ رات کو گھر سے نکلے تو انہوں نے اپنے آگے کسی اور کو جاتے ہوئے دیکھا۔ رات کی تاریکی میں پہچان نہ سکے مگر تجسس پیدا ہوا۔ چنانچہ قدم تیز کرلئے تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت عمر ابن الخطابؓ ہیں۔ لیکن حضرت طلحہؓ کے پہنچنے سے پہلے وہ ایک بوسیدہ سے خیمے میں گھس گئے۔ انہوں نے انتظار کیا مگر وہ جلد ہی ایک دوسرے خیمے میں چلے گئے۔ حضرت طلحہؓ صبح وہاں گئے تو دیکھا کہ پہلے خیمہ میں ایک بڑھیا رہتی ہے جو آنکھوں سے اندھی بھی ہے۔ آپ اُس کے قریب بیٹھ گئے۔ حال احوال پوچھا اور کہا کہ میں تمہاری خدمت کیا کروں گا۔ بڑھیا نے جواب دیا۔ نہیں بیٹا مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ روزانہ ایک فرشتہ بھیج دیتے ہیں جو میری ضرورت کے تمام کام کر جاتا ہے۔

حضرت طلحہؓ نے پوچھا۔ تم جانتی ہو وہ کون ہے؟ بڑھیا نے کہا نہیں نہ میں نے پوچھا نہ اُس نے بتایا۔ حضرت طلحہؓ بے اختیار اپنے دوست کو دعائیں دیتے ہوئے بڑھیا سے رخصت ہوئے ـــــ صحابۂ کرامؓ نے یہ ساری باتیں حضورؐ سے سیکھی تھیں، حضورؐ نے خود ایسا کر کے انہیں تعلیم دی تھی۔ آپؐ خود بھی بیماروں، کمزوروں اور پریشان حال لوگوں کی خبر گیری فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ رات کی تاریکی میں خود کو روشناس کرائے بغیر ایک غریب، کمزور اور اندھی بڑھیا کی خدمت گزاری و خبر گیری فرماتے تھے۔

اگر ہمارے معاشرے میں ہمدردوں، خیر خواہوں اور خدمت گزاروں کا ہر محلے اور ہر گاؤں میں ایک ایک فرد ہی پیدا ہو جائے تو

معاشرہ کتنا پُرسکون بابرکت اور مطمئن ہوجائے۔

۲۔ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ حتیٰ کہ جھاڑو تک دے دیتے۔ حضرت ابورافع اسلمیؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ اگر مجھے کسی کام سے باہر بھیجتے تو میرا کام خود کرلیا کرتے تھے۔ آٹا تک گوندھ لیتے۔ آپؐ کو کس حد تک لوگوں کا خیال رہتا اور کس حد تک خیر خواہی فرماتے۔ عدی بن حاتمؓ فرماتے ہیں کہ جب میں پہلے پہل اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا ایک بڑھیا دروازے پر آئی اور آپؐ اُس کے ساتھ چل پڑے۔ جو الفاظ میں نے آپؐ کی زبان سے سُنے وہ یہ تھے کہ۔ آپ جہاں لے جانا چاہتی ہیں میں جاؤں گا۔ جس معاشرے میں ایک دوسرے کا خیال نہ ہو وہاں باہمی محبت و اخلاص نہیں رہتا بلکہ خود غرضی بڑھ جاتی ہے۔ جہاں خود غرضی پیدا ہو جائے وہاں خیر خواہی ناپید ہوجاتی ہے۔ وہ بے حس حیوانوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ راہ چلتے نقصان دہ چیزیں ہٹا دینا تاکہ دوسرے کسی مسلمان کو نقصان نہ پہنچے۔ ریڈیو کی اُونچی آواز نہ ہو تاکہ ساتھ کے پڑوسی کے آرام میں خلل نہ آئے۔ اکھٹے سفر کرتے ہوئے ہمسفر کے مزاج، اُس کے آرام کا خیال رکھنا۔ ایک کمرہ میں ہوٹل ہو یا ہاسٹل اس میں ساتھی پر اپنی مرضی مسلّط نہ کرنا بلکہ اس کے مزاج پر اپنا مزاج قربان کرنا۔ دوسرے کسی بھی ساتھی، آشنا اور رشتہ دار کے لئے سوچنا، اسے نفع اور خیر پہنچانا۔ بعض لوگ راہ چلتے گندگی، کیلے کے چھلکے اور تھوک یا ناک صاف کرکے دوسروں کی اذیت اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔

۳۔ شہروں کے تنگ محلوں، گلیوں اور سہ منزلہ مکانوں کی کھڑکیوں سے یہ دیکھے بغیر کہ کوئی گزر تو نہیں رہا، گندا پانی، جلتا ہوا سگریٹ، راکھ، گھر کا کوڑا پھینک دیں گے اور نہ سوچیں گے کہ گندگی کسی شریف آدمی پر گر کر اسے تکلیف دے گی۔ جان بوجھ کر ایسا کرنے والے اور دوسروں کو ستانے والوں کو قرآن ظالم کہتا ہے۔ ایسا ہی واقعہ حضرت عثمان الخیریؒ سے پیش آیا۔ آپ گھر سے نکلے کہیں جا رہے تھے۔ ساتھ مرید اور عقیدت مند بھی تھے۔ گلی سے گزرتے ہوئے سر پر گندگی کا ڈھیر آ گرا۔ باسی دال، سُوکھی روٹی، پھٹا ہُوا دودھ، سبزی کی کترنیں، کاغذ کے پُرزے، مٹی، کنکر، غرض گھر کا جتنا کچرا تھا اُن کے سر پر گرا۔ کسی گھر والی خدا کی بندی نے جان بوجھ کر یا انجانے میں نیچے دیکھے بغیر ساری گندگی ان پر گرا دی۔ آنکھوں میں کچرا بھر گیا۔ کپڑے گندے ہو گئے۔ سر اور بال گرد سے اٹ گئے۔ حرکت بڑی نامعقول اور دلآزاری والی تھی۔

مریدوں نے چاہا کہ پھینکنے والے کو بُرا بھلا کہیں، غُصّے کا اظہار کریں، مگر حضرت عثمان الخیریؒ نے روک دیا۔ یہی کچھ حضورؐ کے ساتھ بھی ہوتا تھا۔ وہ جو ساری انسانیت کا خیر خواہ اور محسن تھا اُنؐ کو ایذا پہنچانے میں کوئی کسر بھی تو نہ چھوڑی گئی تھی۔ مگر انسانیت کے محسن اور خیر خواہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے پھر بھی نہ بددعا نکلتی، نہ بُرے الفاظ، نہ غصّہ اور نہ نفرت، تو حضورؐ کے پرہیزگاروں میں جو جتنا پرہیزگار ہوگا وہ اتنا ہی حضورؐ کے رنگ میں رنگا ہُوا ہوگا۔ عثمان الخیریؒ اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جب مریدوں کو کچرا پھینکنے والے کی حرکت ناگوار گزری اور لڑنا چاہا تو اُنہوں نے سب سے فرمایا۔ میاں میں تو اِس حال میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس سر پہ آگ پڑنی چاہیئے تھی اُس پر خاک پڑی تو اس میں غصّہ کیسا؟ یہ تو مالک کا احسان ہے کہ اُس نے سستا چھوڑ دیا۔

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے تخت پر بیٹھے تو قحط کے زمانہ میں دن بدن کمزور رہتے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا میں اس فکر میں ہوتا ہوں کہ کوئی بھوکا نہ رہ جائے۔ مجھے لوگوں کا خیال بے چین رکھتا ہے کسی کو تکلیف ہوئی، بھوکا رہا تو مجھ سے بازپرس ہوگی۔ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ کسی نے اگر تمہارے راستہ میں کانٹے رکھ دیئے ہیں تو تو انہیں ہٹا کر راستہ صاف کر دے۔ کیونکہ اگر تو نے بھی جواباً ایسا کیا تو دنیا کانٹوں سے بھر جائے گی۔

ہر کہ او خارے نہند در راہ ما از دشمنی — یا الٰہی گلشن اُو دائما بے خار باد

حضرت بکر بن عبداللہؓ اپنی چھت کا پرنالہ اندر صحن کی طرف رکھتے تھے تاکہ باہر سے کسی گزرنے والے پر پانی نہ گرے۔ آپ کے گھر بلی مرگئی تو گھر میں گڑھا کھود کر دفن کر دیا، مگر ہماری طرح باہر نہ پھینکا کہ لوگوں کو اس سے تکلیف پہنچے گی۔ نیکوکار اور سلف صالحین کو دوسروں کی خیر خواہی کا اس قدر پاس ہوتا کہ ان سے کوئی چیز گر پڑتی تو وہاں جا کر اس چیز کو نہ اٹھاتے کہ ہوسکتا ہے کہ میری چیز کسی نے اٹھا لی ہو اور یہ کسی دوسرے بھائی کی ہو۔

تعلیماتِ اسلامی

۱۔ اسلام کی تمام تر تعلیمات جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادات اور بندگی کے سلسلہ میں دی ہیں وہ اگر انسان کی ذاتی تربیت، تہذیب اور تقویٰ داری کا مفہوم اور فلسفہ رکھتی ہیں تو انسان جس قدر بھی تقویٰ دار و پرہیز گار ہوگا اُس کی ذاتی پرہیز گاری میں دوسروں کی بھلائی، بہتری اور خیر خواہی مقصود ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کی سلامتی کو خطرہ نہ ہو۔ لوگ اس سے امن و سکون سے رہیں۔ اس کا وجود چلتا پھرتا خیر کا مجموعہ ہو۔ وہ دوسروں کا بھلا چاہے اور دوسروں کی بھلائی میں رہے۔ دین نصیحت کا دوسرا نام ہے۔ سورۃ العصر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔ انسان سراسر خسارے اور گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، نیک اعمال کئے اور جنہوں نے دوسروں کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین میں زندگی گزار دی۔ عملوا الصلحت کیا ہیں۔ نیک عمل صرف یہی نہیں کہ نماز پڑھے، روزے رکھے، زکوٰۃ دے بلکہ دوسروں کے حقوق بھی ادا کرے۔ پڑوسی کو اس کے رویّے سے شکایت نہ ہو۔ اس کے آرام، اس کے مزاج اور اس کی طبیعت اور ضروریات کا خیال ہو۔ ہمارے ہاں پڑوسی پر اپنی امارت و دولت اور بے فکری کا رُعب ڈالا جاتا ہے۔ اس حد تک کہ اس کے پڑوسی کا ان کے رویّہ سے جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان کا وجود اپنے پڑوسی کے لئے خیر کی بجائے شر بن جاتا ہے۔

۲۔ بیماروں کی بیمار پرسی بھی جذبۂ خیر خواہی ہے۔ جس کے تحت آدمی اپنے دوسرے انسان بھائی کے غم اور دکھ میں شریک ہوتا ہے۔ دوسروں کو قرض دینا خیر خواہی ہے۔ اس کی مالی دشواری میں مالی امداد ہوتی ہے، مگر یہ دوسرے انسان کے رویّے پر منحصر ہے کہ قرض کی واپسی بروقت کر کے خیر اور بھلائی کے اس عمل کو جاری رہنے دے۔ اگر اس نے یا اس کی طرح دو چار دوسرے آدمیوں نے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لیا تو خیر کا عمل کرنے والا آخر کتنی مرتبہ دھوکے کھاتا رہے گا اور کہاں تک خیر کا عمل جاری رکھ سکے گا۔ آخر دل برداشتہ ہو کر اس سلسلہ خیر سے ہاتھ کھینچ لے گا۔
حضرت ابن سیرینؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص سے اس کا حال پوچھا۔ اس نے جواباً کہا۔ اس آدمی کا حال کیا ہوسکتا

Marfat.com

ہے جو پانچ سو درم کا مقروض اور گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہو۔ آپ گھر گئے ہزار درم لا کر انہیں دیا کہ اس میں سے نصف قرض میں دو باقی نصف پر کوئی روزگار چلاؤ۔ لیکن ابن سیرینؒ نے توبہ کی کہ پھر کسی کا حال نہ پوچھوں گا۔ ایسا نہ ہو وہ کسی ایسی تکلیف میں مبتلا ہو جس کا ازالہ کرنا میرے بس سے باہر ہو اور اس طرح کسی بھائی کی تکلیف کا علم ہو اور اس کی تکلیف دُور نہ کرنا بُری بات ہو گی۔

ہمارے ہاں مزاج پرسی رسم کے طور پر ہوتی ہے مگر کسی کے دُکھ اور تکلیف کے علاج کا نہ ارادہ ہے نہ ضرورت۔ کہتے ہیں کوئی شخص گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک شخص ملا جو نقاہت، کمزوری اور ناطاقتی کے باعث لیٹا ہوا تھا۔ گھوڑے کے سوار نے حال دریافت کیا۔ اُس نے اپنی کمزوری کا ذکر کر کے سفر کی پیادہ تکلیف سے معذوری ظاہر کر دی۔ نیک دل سوار نے ترس کھا کر اسے گھوڑے پر سوار کرایا اور خود پیدل چلنے لگا۔ تھوڑی دُور تک تو ایسا ہوا مگر کمزور انسان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بھاگا۔ گھوڑے کے مالک نے اسے ٹھہرا کر کہا۔ گھوڑا لے جاؤ کوئی بات نہیں مگر لوگوں سے یہ نہ کہنا کہ میں نے دھوکہ دے کر یہ حاصل کیا ہے۔ کیونکہ تمہارے عمل کی اس شہرت سے آئندہ لوگ دھوکہ دہی کے ڈر سے کسی حقیقی معذور و محتاج پر ترس کھانا چھوڑ دیں گے اور اس طرح خیر کا دروازہ بند ہو گا، نیکی اور بھلائی اور دوسروں کی خیر خواہی کا سرچشمہ خشک ہو جائے گا۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ جو شخص دوسروں کی خیر خواہی اور سہولت میں مصروف رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیاں دُور فرمائے گا اور سہولت دے گا۔ جو شخص دوسروں کی امداد کرے گا قیامت کے دن بخشا جائے گا۔ پھر فرمایا۔ جو شخص دوسروں کی خیر خواہی و بھلائی میں جتنے قدم اُٹھائے اُسے ہر قدم پر ستر نیکیوں کا ثواب ملے گا اور ستر گناہ بخشے جائیں گے۔ احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگ صرف اتنی سی کسی کی خدمت پر دوزخ سے نجات پا جائیں گے جنہوں نے وقتی طور پر کسی کا کوئی کام کیا ہو۔ مثلاً جب کسی کے متعلق دوزخ میں لے جانے کا فیصلہ ہو گا تو وہ اپنے جنتی آشنا سے کہے گا کہ میں نے زندگی میں فلاں وقت آپ کو پانی پلایا تھا۔ فلاں وقت آپ نے مجھے کوئی کام سپرد کیا تھا تو میں نے انجام دیا تھا۔ آپ میری ان خدمات کے عوض میری سفارش کریں۔ چنانچہ اس کی سفارش پر بخش دیا جائے گا۔

ہمارا المیہ اور رویّہ ہمارے ہاں آجکل سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر مجموعی طور پر جذبۂ خیر خواہی مفقود و معدوم ہے جس کی وجہ سے ہر آدمی دوسرے کے لئے موجب آزار اور تکلیف و پریشانی کا سبب بنا ہوا ہے۔ ہر طرف بے اعتدالی اور ——— ہم نے اعتدال و توازن کو چھوڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ امور دوسروں کے لئے موجب آزار بنے ہوئے ہیں اور رفتہ رفتہ معاشرتی بگاڑ کا سبب بن جاتے ہیں۔ اعتدال نہ ہو تو مفید چیزیں بھی مُضر بن جاتی ہیں۔

جدید دور کی اکثر ایجادات اسی بے اعتدالی کی وجہ سے افادیت کی بجائے مضرت کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ ٹی وی، ویڈیو کیسٹ سے تعلیمی اصلاحی کام لیا جا سکتا ہے، مگر یہی چیزیں بے شمار خرابیوں اور دل آزاریوں کا موجب بھی بنی ہوئی ہیں۔ اُونچی آواز میں ریڈیو، ٹی وی کھولنا اور رات دیر تک کھولے رکھنا یقیناً اعتدال سے تجاوز اور سنگدلی کا ثبوت ہے اور دوسروں

Marfat.com

کی بھلائی کے منافی ہے۔ اسی طرح لاؤڈ سپیکر جو اصولاً و اخلاقاً صرف خطبہ جمعہ اور اذان کے لئے استعمال کی چیز ہے۔ مگر اعتدال سے تجاوز کرتے ہوئے یہی مفید ایجادات اہلِ محلہ کی سمع خراشی کے لئے ہوتی ہے۔ مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے وقفہ وقفہ سے دوسروں کی دلآزاری کا یہ فعل جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ گمشدہ مرغی کا اعلان، کسی ادارے میں داخلہ کا اعلان، کبھی چندے کی اپیل اور دوسرے متفرق اعلانات، جن کے درمیان جزاک اللہ، ماشاء اللہ اور الحمد للہ بھی کہا جاتا ہے۔ لاؤڈ سپیکر کے اس بے جا استعمال سے جہاں دلآزاری اور دوسروں کی تکلیف دہی ہوتی ہے۔ وہاں افسوسناک پہلو یہ ہے کہ لوگ مسجد کے قریب رہائش اختیار کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ خانۂ خدا سے دُوری کو ترجیح دینا نمازِ باجماعت سے محرومی کا موجب بنتا ہے۔ دین سے بیزاری کے جذبات انگیخت ہوتے ہیں یہ نہ تو اسلام کی خدمت ہے اور نہ عوام کے استفادہ و خدمت کی بات ہے۔

خدا نے اپنے ہمسایوں کا خیال رکھنے، لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کرنے اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ ایک حدیث کے مطابق کوئی شخص رات بھر عبادت میں مصروف ہو لیکن لوگ بالخصوص پڑوسی اس سے نالاں ہیں تو اُس کے لئے جہنم کی وعید ہے۔ جب خالق کو مخلوق کے پڑوسیوں کا اس قدر خیال ہو تو اس کو اپنے پڑوسی کی دلآزاری کیسے گوارا ہو سکتی ہے، کیونکہ خانۂ خدا کے ہمسائے خدا کے پڑوسی ہی تو ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ دوسرے تمام انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے خیر خواہی اور بھلائی کی فکر کریں۔

حضرت ابو الحسنؓ جو بیعتِ عقبیٰ میں شریک تھے اور بدر کے جہاد میں حصہ لیا تھا، روایت فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی محفل میں ایک شخص اپنے جوتے بھول گیا۔ دوسرے نے ازراہِ مذاق انہیں چھپا دیا۔ اسے جوتے یاد آئے تو مجلس میں آکر تلاش کرنے لگا۔ جس صحابیؓ نے چھپائے تھے اُس نے پریشان کرنے کے بعد دے دیئے تو حضورؐ نے انتہائی ناراضگی کے عالم میں فرمایا کہ مومن کو پریشان کرنے اور ڈرانے والا کیا جواب دے گا۔ اس شخص نے کہا۔ یا رسول اللہؐ، میں نے تو مذاق کیا تھا، لیکن آپؐ نے یہی بات دو مرتبہ دہرائی کہ مومن کو ڈرانے والا کیا جواب دے گا۔

واقعات و امثال

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ ہم کسی سفر میں حضورؐ کے ساتھ ہمسفر تھے کہ ایک ساتھی اپنی اونٹنی پر اونگھنے لگا۔ دوسرے نے ازراہِ مذاق اس کی ترکش سے تیر نکال لیا۔ آدمی بیدار ہو کر پریشان ہوا۔ حضورؐ نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ کسی آدمی کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے یا پریشانی میں مبتلا کرے۔

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے ایک شخص کے عیب بیان کرنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اُٹھ جا تیری گواہی معتبر نہیں۔ اُس نے حضورؐ سے معافی مانگی کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو صبح سے قرآن کا استہزا کر رہا ہے۔ حالانکہ قرآن نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے قرآن کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے۔ حضورؐ کی مراد مسلمان کی برائی بیان کرنا اور غیبت کرنا قرآنی حکم کے خلاف تھا۔

حضرت ابن بریدہ اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباسؓ کو بُرا بھلا کہا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تو نے مجھے بُرا کہا۔ حالانکہ مجھ میں تین عادتیں ہیں۔ (۱) میں جب خداوند تعالیٰ کی کسی آیت پہ گزرتا ہوں۔ میرے علم میں خدا کا کوئی حکم آتا ہے تو چاہتا ہوں کہ تمام مسلمان اس سے واقف ہو جائیں۔ (۲) جب میں سنتا ہوں کہ وہ اپنے فیصلوں میں

Marfat.com

عدل وانصاف کرتا ہے تو خوش ہوتا ہوں کہ لوگوں کو اس کے عدل سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔ خواہ میں خود اس کی عدالت میں اپنا فیصلہ نہ لے جاؤں۔ (۳) جب میں سنتا ہوں کہ فلاں شہر میں بارش ہوگئی ہے تو خوش ہوتا ہوں۔ اگرچہ اس شہر میں میرے مویشی نہ چرتے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ کی تینوں عادتیں دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی سے متعلق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دوسروں کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھنے والا آدمی گالیوں اور برائی کا مستحق نہیں، عزت و احترام کا حقدار ہے۔

سورۂ احزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ (ع ۷) جو لوگ کسی مومن مرد اور عورت کو تکلیف دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ برائی کی ہو، تو وہ خود پہ بہتان اور واضح گناہ کا بوجھ لادتے ہیں۔

مندرجہ بالا ان چھوٹی چھوٹی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ کسی دوسرے مسلمان کی پریشانی اور تکلیف ازراہ مذاق بھی کتنی بری اور حضورؐ پہ ناگوار گزرتی تھی چہ جائیکہ انسان رات دن دوسرے مسلمان بھائی کے خلاف سازشوں، ایذا رسانیوں کے منصوبے بنائے اور ان پر عمل کرے اور انہیں اپنے کسی نہ کسی عمل سے تکلیف دے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

Marfat.com

مروّت اور رواداری

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
مروّت اور رواداری کی تعریف۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا عمل، چند مثالیں۔ کرمان کے والی عضدالدولہ کے ساتھ رواداری اور مروّت۔ صلاح الدین ایوبی کا روّیہ۔	آیت معہ ترجمہ	۱
بہرام گور، حسین خان ٹکریا، حضرت ذوالنون مصری	واقعات و امثال	۲

Marfat.com

مروّت اور رواداری

آیت معہ ترجمہ ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون۔ تمہیں کسی خاص گروہ کی دشمنی اس بات پہ آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ خدا سے ڈرو کہ وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

رواداری کی تعریف دین اسلام میں دشمنی انتقام اور بُرائی کے بدلے میں برائی کو اللہ نے سخت ناپسند فرمایا ہے اور اگر انسانی فطرت بدلے پر مجبور بھی کرے تو بھی حد سے زیادہ تجاوز اور برائی سے زیادہ برائی کی قطعی اجازت نہیں دی گئی۔ اس موضوع پر اس سے پہلے بھی لکھا جا چکا ہے، مگر یہاں اس موضوع کو تھوڑے سے عملی اور اخلاقی فرق کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے۔ مروّت ایک ایسا لفظ ہے جس کی لفظ کے ذریعہ مفہوم کی ادائیگی تو نہیں ہوتی البتہ مردانگی کا لفظ اس کے قریب المعنی ہے یعنی ایسا شخص جو ہر لحاظ سے اور ہر حالت میں ایسا مظاہرہ کرے کہ اس کے روّیہ اور سلوک سے مردانگی ٹپکتی ہو۔ مردانگی سے مراد گری ہوئی پست بات پست عمل اس سے سرزد نہ ہوتا ہو۔ دشمن سے سلوک بھی ہو تو اس میں بہادری، شجاعت اور مردانگی کا مظاہرہ ہو۔ کمینگی، دھوکہ دہی اور فریب اس کی سرشت میں نہ ہو۔ وہ کسی کی بُری سے بُری حرکت کو بھی مردانہ وار سہہ جائے، ٹال دے اور اپنے مرتبۂ مردانگی سے فروتر سمجھتے ہوئے اس کا چنداں نوٹس نہ لے ۔۔ وہ تکلیف برداشت کرے مگر اپنے جوہر مردانگی سے کام لیتے ہوئے اپنے احسان، نیکی اور بھلائی کے سلوک کو نہ چھوڑے۔ ایسا شخص باکمال اعلیٰ اخلاق کا مالک اور مردانہ صفات کا حامل ہوتا ہے۔

حضورؐ کا عمل اسلام کی بنیاد اسی جذبہ اور اسی رواداری پر قائم ہے۔ اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے اسی مروّت اور رواداری کی تعلیم دی ہے۔ اسلام میں اور خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے سلوک میں ہزاروں مثالیں اسی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے اسلام کی کامیابی، توسیع اور اشاعت کا سبب بنیں۔ صلح حُدیبیہ کے معاہدہ کو لیا جائے۔ جس کی تفصیل سورہ فتح میں تفاسیر کے ذریعہ معلوم کی جا سکتی ہے کہ وہاں مشرکین مکّہ کی شرائط انتہائی ناگوار بلکہ بظاہر ہتک آمیز تھیں کہ صحابۂ کرامؓ کی اکثریت کو وہ قبول نہ تھیں، لیکن انہی شرائط اور اسی معاہدہ کو اللہ تعالیٰ نے کھلم کھلا فتح قرار دیا اور حالات نے ثابت کر دیا کہ انہی شرائط نے اسلام کی ترقی اشاعت اور توسیع کے تمام بند راستے کھول دیئے۔ حتیٰ کہ خود مشرکین مکہ اپنی شرائط پہ شرمسار ہوئے اور انہوں نے انہیں

Marfat.com

منسوخ کرانا چاہا۔ حضرت عمرؓ کو اس صلح کے دوران اپنے سخت رویّہ پر ساری عمر ندامت رہی، مگر حضورؐ نے بڑے صبر و ضبط رواداری اور مروّت سے کام لیا اور یہی رواداری کامیابی کا باعث بنی۔

۱۔ ہجرت کی رات کفارِ قریش نے فیصلہ کر دیا تھا کہ آپؐ کو قتل کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے رات بھر آپؐ کے گھر کا محاصرہ کئے رکھا۔ آپؐ مجبور تھے، تعداد تھوڑی تھی، مگر ایک وقت آیا کہ ان میں سے ہر ایک دشمنِ اسلام کی گردن آپ اپنے لشکر کے ذریعہ اُڑا سکتے تھے۔ ان کی زندگی آپؐ کے رحم و کرم پر تھی، لیکن فتح مکہ کے وقت کوئی شخص بھی اس جرم میں نہ صرف یہ کہ قتل نہ کیا گیا بلکہ آپؐ نے اپنے حسن سلوک اور مروّت کے سلوک سے انہیں اعزاز بھی بخشا اور فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا وہ بخشا جائے گا۔ حالانکہ ابوسفیان حضورؐ کے دشمن تھے۔

۲۔ اسی ہجرت کے دوران قریش نے آپؐ کے سرِ اقدس کی قیمت اور انعام مقرر کیا تھا۔ سراقہ بن جعشم اس لالچ میں آپؐ کے تعاقب میں روانہ ہوا اور قریب پہنچا اور دو تین دفعہ یہ ارادہ کیا، مگر آپؐ کے کرشمہ اعجاز سے تائب ہوا اور یہ خواہش کی کہ مجھے امان کی سند عطا فرمائی جائے۔ آپؐ نے اسے معاف فرما دیا اور امان لکھ کر دے دی۔ (صحیح بخاری باب الہجرت)

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اسّی آدمیوں کا دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اُترا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہا۔ مگر وہ لوگ گرفتار ہو گئے لیکن آپؐ نے انہیں چھوڑ دیا۔ قرآن کریم کی یہ آیت اسی موقعہ پر نازل ہوئی۔ وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم۔ اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے۔ (جامع ترمذی تفسیر سورہ فتح)

دشمنوں سے انتقام لینا اگر انسان کے بس میں نہ ہو تو بددعا تو ہر آدمی کرتا ہی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے، مگر حضورؐ انسانی فطرت کی اس سطح سے بہت بلند تھے۔ ان میں مروّت، رواداری اور حسنِ سلوک عام انسانوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے گئے، انسانیت سوز سلوک ہوتا رہا، اس کی تفصیل دردناک بھی ہے اور ناقابلِ بیان بھی کہ آدمی کی برداشت سے باہر ہے۔ حضورؐ کے صحابی خباب بن ارتؓ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا تو وہ آگ آپ کے جسم کی چربی پگھل جانے سے بجھ جاتی تھی۔ آپ نے حضورؐ سے دشمنوں کے حق میں بددعا کی درخواست کی تو ناگواری و ناراضگی سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

۳۔ جنگ اُحد میں انتہائی تکلیف اُٹھا کر، پتھر کھا کر، زخم سہہ کر بھی فرمایا۔ اللّٰھم اھد قومی انھم لا یعلمون۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ نہیں جانتے۔ اسلام کے ہر حکم میں رواداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی بھی زیادتی، بدگوئی اور دشمنی کا انتقام نہیں لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کے سچے جانثاروں اور عاشقوں میں تھے، لیکن اُن کی والدہ اکثر حضورؐ کے حق میں گستاخی کرتی، بدزبانی کرتی رہتیں۔ ایک دن ایسی بدزبانی اور بُرائی سن کر حضرت ابوہریرہؓ روتے ہوئے حضورؐ کے پاس تشریف لائے۔ اپنی والدہ کی شکایت کی اور فرمایا کہ ان کے حق میں دعا فرمائیں۔ آپؐ نے اسی وقت دعا فرمائی۔ خدایا ابوہریرہؓ کی والدہ کو ہدایت دے۔ حضرت ابوہریرہؓ خوش خوش گھر آئے تو دروازہ اندر سے بند پایا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا

Marfat.com

تو اُن کی والدہ غسل کے بعد کلمہ شہادت پڑھ چکی تھیں۔ (صحیح مسلم فضائل ابوہریرہؓ)

خیبر میں ایک یہودیہ نے ــــــــ خوراک میں زہر ملادی۔ حضورؐ کو معلوم ہوگیا۔ یہودیہ کو بُلا کر زہر خورانی کی تصدیق فرمائی تو اُس نے اقرار کر لیا۔ خود اپنی ذات کے لیے اس ارادۂ قتل پر معاف فر[illegible] حضورؐ کے ساتھ جن دوسرے صحابیؓ نے یہ کھانا کھایا تھا اس سے وفات پاگئے تو آپؐ نے ان کے قتل پر یہودیہ کو قصاص کی سزا دی۔ (صحیح بخاری)

قریش مکہ نے آپؐ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا۔ خوراک کا ایک دانہ تک حضورؐ کو بھیجنے پر آمادہ نہ تھے۔ یہ عرصہ انتہائی سختی اور تکلیف میں گذارا اور صبر و تحمل سے اس سلوک کو برداشت فرمایا۔ خداوند تعالیٰ نے قریش کی اس سنگدلی اور زیادتی پر یہ سزا دی کہ مکہ کے مشرکین سخت قحط میں مبتلا ہو گئے۔ ہڈیاں اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ انہیں دنوں ابوسفیان حضورؐ کے پاس آئے اور دعا کی درخواست کی کہ آپؐ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، اس مصیبت سے نجات مل جائے۔ حضورؐ نے ازراہِ مروّت اور رواداری مشرکین مکہ کے سلوک کا انتقام نہ لیا اور نہ انہیں اس حال میں رہنا گوارا فرمایا۔ آپؐ کی دعا سے مشرکین مکہ کو قحط کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ دخان، جلد دوم)

یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی چند مثالیں تھیں۔ صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین یا صوفیاء و اولیاء کے اخلاق و کردار کی مثالیں، جنھوں نے اسلامی رواداری اور مروّت سے کام لے کر اسلام کے نور کو دُور دراز دنیا کے گوشوں تک پہنچایا، اس سے بھی زیادہ ہیں، صرف دنیادار بادشاہوں کو دیکھیں تو اُنہوں نے ایسی زندہ جاوید مثالیں چھوڑی ہیں کہ اسلامی تعلیمات و اخلاق کی سچائی اور اس کی تاثیر کو ماننا پڑتا ہے کہ غیر مسلموں بلکہ دشمنوں کو بھی اس کردار پر کس قدر بھروسہ تھا۔

۳۔ کرمان کی لڑائی میں دشمن کی فوجیں ایک دوسرے سے لڑ رہی تھیں۔ اپنے دَور کے ہتھیار استعمال ہو رہے تھے۔ دن بھر لڑتے اور شام کو اپنے اپنے پڑاؤ میں آجاتے۔ یہ لڑائی کرمان کے والی اور عضدالدولہ کے درمیان ہو رہی تھی۔ کرمان کا والی کھلے میدان میں لڑنے کی بجائے قلعہ بند ہو کر لڑ رہا تھا۔ عضدالدولہ اپنی فوجی طاقت کے زور پر قلعہ تک پہنچ چکا تھا اور قلعہ کی دیواروں کے نیچے دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ سورج غروب ہوا۔ لشکر نے لڑنا بند کر دیا اور پڑاؤ میں چلے آئے۔ عضدالدولہ کے لشکریوں نے دیکھا کہ مخالف سمت سے دیگیں چلی آرہی ہیں۔ اُنہوں نے اسے کوئی جنگی چال سمجھا۔ ان کے ماتھے ٹھنکے مگر جب پہلی دیگ پہنچی تو اس میں سے گرم گرم کھانے کی بُو اُٹھ رہی تھی۔ انہیں پھر بھی شبہ تھا کہ دشمن نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں ــــ لیکن نہیں سب دیگوں میں گرم گرم کھانا تھا۔ دشمن کی طرف سے یہ تواضع، یہ مروّت اور اخلاقی رواداری سمجھ میں نہ آرہی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ محبت اور دشمنی میں سب کچھ جائز اور روا ہے، لیکن اسلام کی تعلیم اس کے برعکس ہے مسلمان دشمنی میں بھی اخلاق و کردار، مروّت اور رواداری پر قائم رہتا ہے۔ محبت ہو یا دشمنی، جنگ ہو یا صلح، مخالفت ہو یا حمایت اسلامی اقدار نہیں بدلا کرتیں۔ ہمارے ہاں انتخابی لڑائی میں شرافت و انسانیت کے لباس کی دھجیاں اُڑتی ہیں۔ کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ جھوٹے الزامات لگتے ہیں۔ بہتان تراشیاں ہوتی ہیں۔ حریفوں کو نیچا دکھایا جاتا ہے۔ حریفوں پر طاقت کا رُعب بٹھایا جاتا ہے۔ غنڈوں اور بدمعاشوں کی مدد حاصل کی جاتی ہے۔ دوسروں کو ہراساں کیا جاتا ہے اور اس حمام میں تمام رہنما بلا تفریق و تمیز ایک دوسرے سے آگے ہوتے ہیں۔ دوسرے کے حق انتخاب اور حق اختلاف کو برداشت نہیں

Marfat.com

کیا جاتا۔ اسے راستے سے ہٹانے اور ہرانے کی تدابیر کی جاتی ہیں۔ دھاندلی، دھونس اور دھن کا ہر حربہ اختیار کیا جاتا ہے۔

ہمارا رویّہ

مقدمہ ہو تو دونوں فریق اخلاق، سچائی اور دیانت کو بالائے طاق رکھ کر مقدمہ لڑتے ہیں۔ جھوٹی گواہیاں پیش ہوتی ہیں۔ جعلی دستاویزات پیش کی جاتی ہیں۔ رشوت دی جاتی ہے۔ سفارش کام میں لائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے دونوں میں ایک یقیناً جھوٹا ہوگا، مگر اندازا ایسا ہوتا ہے کہ سچا بھی اپنے سچ اور حق کو ثابت کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینے پہ مجبور ہوتا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ زندگی کا کوئی معاملہ ہو ہم رواداری اور مروّت سے کام نہیں لیتے۔ ہم دوسروں کو اس کا جائز حق دینے پہ آمادہ نہیں ہوتے تو اختلافات و تنازعات میں کیسے رواداری سے کام لیں گے۔

کرمان کی لڑائی میں جب والئ کرمان کی پکی ہوئی کھانے کی دیگیں عضدالدولہ کے لشکر میں پہنچیں تو بات عضدالدولہ تک پہنچ گئی۔ اسے تعجب بھی ہوا اور شبہ بھی۔ احتیاط کی ضرورت ہے کہ دشمن بہرحال دشمن ہوتا ہے، مگر اس نے کہا میرا دشمن کمینہ نہیں کھانا کھاؤ۔ کھانا کھانے کے بعد عضدالدولہ نے والئ کرمان کو پیغام بھیجا کہ دن بھر مقابلہ کرنا اور رات کو کھانا بھیجنا یہ کیا بات ہے؟ والئ کرمان نے جواب دیا۔ لڑنا شانِ شجاعت ہے اور دشمن کی مہمانی کرنا شانِ مروّت ہے۔ آپ لوگ چونکہ میرے مہمان ہیں، میرے شہر میں مسافر اور میرے قلعہ کے قریب میرے پڑوسی ہیں۔ یہ بات مروّت، مردانگی اور شرافت کے خلاف ہے کہ گھر آئے ہوئے مسافروں اور پڑوسیوں کی مہمانی نہ کروں۔

عضدالدولہ تلوار اور جنگ سے زیر نہ ہو سکا تھا۔ مروّت اور رواداری کے اس سلوک سے ڈھیر ہو گیا۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو کرمانیوں نے دیکھا کہ عضدالدولہ کا لشکر اپنے خیمے اکھاڑ کر واپس جانے کی تیاری میں ہے۔ کسی نے عضدالدولہ سے پوچھا کہ آپ تو کرمان فتح کرنے آئے تھے اب واپس کیوں جا رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا۔ بے شک میں ہار کر جا رہا ہوں، مگر کرمانیوں کی فوجی طاقت سے نہیں ان کی اخلاقی قوت اور رواداری و مروّت کے سلوک سے یہ ہار میرے لئے عار نہیں۔ ایسے بامروّت دشمن سے لڑنا اپنی اخلاقی کیفیت اور مروّت کے منافی ہے۔

۴۔ رچرڈ شیر دل اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام صلیبی جنگوں کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہیں۔ صلیبی لڑائیوں کے یہ دونوں جرنیل اور ہیرو تاریخ میں شہرت رکھتے ہیں فلسطین کی سرزمین پہ یہ جنگیں ایک عرصہ تک برپا رہیں۔ ان جنگوں میں عیسائی من حیث القوم شریک تھے۔ انگلستان کا یہ بادشاہ تمام یورپ کے نقد روپیہ اور فوجی ساز و سامان کے ساتھ میدان کارزار میں موجود تھا۔ جنگی مخاصمت اور دشمنی کے ساتھ ساتھ مذہبی تعصب بھی عروج پہ تھا۔ لڑائی کے عین اس عروج میں رچرڈ بیمار ہو گیا اور بستر پہ آ پڑا۔ اپنی فوجوں کی کمان کے قابل نہ رہا۔ یہ خبر جب اسلام کے مایہ ناز جرنیل سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچی تو انہوں نے لڑائی روک دی۔ رچرڈ کو پیغام بھیجا کہ جب تک تم ٹھیک نہ ہو گے لڑائی بند رہے گی آجکل ہمارے ہاں دشمن اور مخالف کی بیماری خوشی کا باعث ہوتی ہے کہ ایسے موقعہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ دشمنی تو الگ یہی لوگ دوستی کے بھیس میں دشمنی سے باز نہیں آتے۔ آجکل کے مارِ آستین اور کمینے لوگ احسانات تک کو بھول جاتے ہیں۔ ذرا برا وقت آیا تو آنکھیں پھیر لیں اور دشمنی و ناآشنائی کا چشمہ پہن لیا۔ لیکن صلاح الدین ایوبی نے اس سے ایک

Marfat.com

قدم آگے بڑھ کر یہ کیا کہ رچرڈ شیر دل کے لاعلاج مرض کا سن کر اپنا حکیم اس کے علاج کے لئے روانہ کر دیا۔ رچرڈ کے مشیر پس و پیش میں پڑ گئے۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ عین لڑائی کے میدان میں کوئی ایسا با مروّت و با اخلاق بھی ہو سکتا ہے۔ لڑائی ہتھیاروں کا کھیل ہے۔ اس سے جسموں پر حکمرانی تو حاصل ہو جاتی ہے، مگر دل صرف اخلاق و مروت سے جیتے جا سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اخلاق و مروّت کی اسی جنگ کا ذکر فرمایا ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اسلامی جنگوں میں قیدیوں، خواتین اور زخمی سپاہیوں کے ساتھ اسی جذبۂ مروّت اور رواداری کے سلوک نے ان کے دل جیتے، مسلمانوں کے ہاں غلام اور جنگی قیدی حسنِ اخلاق سے ایسے گرویدہ ہوئے کہ وہ اسلام کے ائمہ مجتہد اور اپنے دَور کے بڑے بڑے عابد اور زاہد بنے۔ انسان تو انسان جانور بھی اس جذبۂ مروّت سے فیضیاب ہوئے اور ہوتے رہے۔

۵۔ بہرام گور اپنے زمانۂ ولی عہدی میں ہرن کا تعاقب کرتے ہوئے لشکر سے جدا ہو گیا۔ ہرن بھاگتا ہُوا ایک بدّو کے خیمہ میں داخل ہو گیا۔ جس کا نام قبیفہ تھا۔ بہرام گور تعاقب کرتا ہُوا خیمہ پہ جا پہنچا اور اپنے شکار کا مطالبہ کیا۔ اس اعرابی نے کہا۔ جوان اس ہرن نے میرے خیمے میں پناہ لی ہے اب میں اسے نہیں دے سکتا، یہ مروّت اور جوانمردی کے خلاف ہے۔ اگر تم اس کی خاطر میری جان لوگے تو میرا قبیلہ تم سے بدلہ لے گا۔ اگر تم اس جانور پر رحم کر کے چھوڑ دو گے تو میں اس کے عوض اپنا عزیز از جان گھوڑا دے سکتا ہوں۔ بہرام گور بھی آخر شہزادہ تھا اور عالی نسب تھا۔ اعرابی کے اس کردار پر خوش ہُوا اور اسے بہت سا انعام دے کر "مجیر الغزالاں" کا لقب دیا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں ایک دوسرے کے ساتھ مروت، رواداری اور اچھے اخلاق ناپید ہوتے جائیں گے۔ کسی سیانے نے کہا کہ جب کسی ملک سے آزادی کی نعمت رخصت ہوتی ہے تو اسے باہر سے آکر کوئی نہیں لے جاتا بلکہ اس ملک کے لوگوں میں سے آہستہ آہستہ اخلاقی خوبیاں، اخلاص، مروّت، رواداری اور دوسروں کی پاسداری جیسے اوصاف رخصت ہو کر آزادی آخر میں کوچ کرتی ہے اور رعایا کو حاکم بھی ایسے ملتے ہیں جیسے رعیت کے اخلاق و اوصاف ہوتے ہیں۔ اعمالکم عمالکم۔ تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمران ہوتے ہیں۔

۶۔ حسین خان ٹکریا دربار اکبری میں بہت بڑا منصب دار، با اعتبار سپہ سالار تھا۔ جس کی شجاعت، بہادری، جان نثاری اور مروّت و رواداری حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس بہادر افغان نے لڑائیوں میں بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ بادشاہ نے خوش ہو کر اپنے زرخیز علاقے جاگیر میں دے دیئے تھے۔ سنہ ۹۶۰ھ میں اسے صوبہ پنجاب کا حاکم بنایا گیا۔ فاضل بدایونی لکھتے ہیں کہ حسین خان اسلام دوست، بڑا با مروّت سپاہی پیشہ آدمی تھا۔ اس کی سخاوت، دریا دلی اور رواداری کے بے شمار واقعات ہیں اس کے لنگر پہ مذہب و ملت اور بلا تخصیص خویش و بیگانہ ہر امیر و غریب خاص و عام کھانا کھاتا تھا۔ خود لوگوں کے ہاتھ دھلاتا اور پانی پلاتا۔ لوگوں پاس قدر دریا دلی کے باوجود خود جَو کی روٹی کھاتا کہ حضورؐ نے ایسے کھانے نہ کھائے تھے۔ نرم بچھونوں اور چارپائی پہ نہ سوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آرام و آسائش اختیار نہ کی تھی۔ ہزاروں مسجدوں و مقبروں کی تعمیر و مرمت

Marfat.com

کروائی۔ اکثر علماء و مشائخ اس کی صحبت میں رہتے اور ان کے سامنے چارپائی پر نہ بیٹھتا۔ تہجد اور نماز با جماعت کبھی قضا نہ کی۔ لاکھوں اور کروڑوں کی جاگیریں تھیں، مگر اپنی سواری کی ضرورت کے لیے صرف ایک گھوڑا تھا۔ کوئی ضرورت مند آکر طلب کرتا تو وہ گھوڑا بھی لے جاتا۔ اکثر سفر میں پیادہ رہتا اور نوکر غلام اور سپاہی سوار ہوتے۔ کسی شاعر نے اس کا قصیدہ کہا۔ خان مفلس غلام باسامان۔ خان خود مفلس تھا اور اس کے غلام باسامان تھے۔ قسم کھائی تھی روپیہ نہ جمع کروں گا۔ جتنا کچھ آتا بلکہ آنے سے پہلے مستحقین اور غرباء میں تقسیم ہو جاتا۔ یہ عہد کیا ہوا تھا کہ جو غلام ملکیت میں جس دن آئے اسی دن سے آزاد ہوگا۔ شیخ خیر آبادی نے کفایت شعاری کی نصیحت فرمائی تو غصہ ہوا کہ کیا حضورؐ نے کفایت شعاری فرمائی تھی۔ حضرت اگر میں کفایت شعاری سے کام لیتا تو آپ کو سخاوت و دریا دلی اور مروّت کی نصیحت کرنا مناسب تھا نہ کہ دنیا جوڑنے کی نصیحت فرمائیں۔ لڑائی میں مرد میدان تھا، دیدہ ور اور بہادر جوان تھا۔ ہتھیار سجاتا تو دعا کرتا۔ الٰہی شہادت یا فتح۔ لوگوں نے اکثر کہا۔ آپ پہلے فتح کیوں نہیں مانگتے۔ تو جواب دیتا۔ گزرے ہوئے عزیزوں اور پیاروں کو دیکھنے کی تمنا موجودہ مخدومان کے دیدار سے زیادہ بہتر ہے۔ مروّت اور سخاوت ایسی کہ دنیا بھر کے خزانے مل جاتے تو اسی دن مقروض ہو جاتا۔

ایرانی تاجر پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ ایرانی و ترکی گھوڑے لاتے۔ تمام گھوڑوں کی قیمت وہ بتا دیتے جو اکثر زیادہ ہوتی تو از راہِ مروّت حیل و حجت اور بحث و تکرار نہ کرتا۔ صرف اتنا کہتا۔ تو دانی و خدا۔ تم جانو اور خدا جانے۔ قیمت ادا کر دیتا اور گھوڑے اسی مجلس میں بانٹ دیئے جاتے جنہیں نہ مل سکے اُن سے معذرت و شرمساری فرماتے۔ ایک معرکہ جنگ میں شانے پر زخم آیا۔ جرّاح سلائی و نشتر سے کھودتے رہے، مگر کیا مجال اُف تک کی ہو۔ مسکرا کر باتیں کرتا رہا۔ اسی زخم سے وفات پائی۔

جس نے مستحق لوگوں پر خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اس کی وفات پر کفن دفن کے لئے کچھ نہ تھا۔ خواجہ محمد یحییٰ نقشبندیؒ نے جو اس زمانہ کے متبرک بزرگ تھے، انہیں غریبوں کے قبرستان میں دفنایا۔ لاہور کے صوبہ کا حاکم زرخیز علاقوں کی بے شمار جاگیروں کا مالک کروڑوں روپیہ کی آمدن والا خان حسین خان واقعی با مروّت و با حوصلہ شخص تھا۔ جس نے ۹۸۵ھ میں وفات پائی۔

۷۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے متعلق خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا کہ وہ قید کر کے بغداد لائے گئے اور قصر شاہی کی دیوار کے نیچے سخت دھوپ میں کھڑے رہنے سے پیاس لگی۔ سوچ رہے تھے کہ پیاس کیسے بجھے کہ اتنے میں ایک سقہ مشکیزہ لئے چلا آ رہا تھا۔ اپنے فقیری اور درویشی کے لباس اور سقہ کے زرق برق جوڑے کو دیکھ کر ہمّت نہ ہو رہی تھی کہ شاید مجھ ایسے غریب سے قیمت کا طمع نہ ہو اور پانی پلانے سے انکار کر دے۔ سقہ کٹورا بجاتے ہوئے گزر رہا تھا کہ آپ نے ایک پاس کھڑے آدمی سے پوچھا۔ یہ مجھے پانی پلائے گا۔ آدمی نے کہا۔ کیوں نہیں یہ تو پیسے لے کر ہر کسی کو پانی پلاتا ہے۔ حضرت ذوالنونؒ کو حوصلہ ہوا۔ اُسے بُلا کر پانی مانگا۔ اس نے نہایت احترام سے کٹورا بھر کر میٹھا اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ پانی سے سیراب ہوئے تو گدڑی سے دینار نکال کر سقہ کی طرف

بڑھایا۔ اُس نے لینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تم پیسے لے کر پانی نہیں پلاتے؟۔ سقّہ نے جواب دیا۔ ضرور پیسے لے کر پانی پلاتا ہوں، مگر آپ سے پیسے لوں؟ ایک قیدی سے؟ یہ مروّت ہے نہ شرافت۔ حضرت ذوالنون رح اس وقت تو چپ ہو گئے، مگر اکثر اس کا ذکر فرماتے کہ مروّت اور عالی ظرفی سیکھنی ہو تو بغداد کے سقّہ سے سیکھو۔ سچ ہے شرافت کسی کی میراث نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

Marfat.com

دِلداری ودِل جوئی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ احزاب۔ دلآزاری کی بجائے دل جوئی ہو۔ کوئی ایسا فعل اور زبان نہ استعمال کرے جو دوسروں کے لئے دُکھ اور دلآزاری کا موجب ہو۔
۲	خوبصورت مناظر	خوبصورت مناظر میں کشش ہوتی ہے۔ بُرے مناظر سے وحشت اور کراہت ہوتی ہے۔
۳	لہجہ اور الفاظ کے اثرات	الفاظ بھی اثرات رکھتے ہیں۔ لہجہ بھی اثر رکھتا ہے لفظ بد صورت لہجہ ناگوار ہو تو الفاظ اثر کھو بیٹھتے ہیں۔
۴	آل عمران میں حضورؐ کی نرمیٔ مزاج کی تعریف	مزاج اور طبیعت کی نرمی سختیوں کو سہار لیتی ہے۔ درشتی خود انسان کو توڑ دیتی ہے شاہ بلوط کا درخت جُھک جاتا ہے ٹوٹتا نہیں۔ حضورؐ نرم مزاج تھے تو چاہنے والوں کے لئے پُرکشش اور محبوب تھے۔
۵	واقعات وامثال	حضرت ابن عباسؓ کی دلداری۔ اعتکاف چھوڑ کر کسی مومن کی پریشانی دُور کرنے میں لگ گئے۔ ساسانی بادشاہ کا کڑوی ککڑی کی قاش کھا لینا مگر منہ بُرا نہ بنانا کہ لانے والے کو ندامت وشرمندگی نہ ہو۔ جگر مراد آبادی نے بٹوہ اور رقم چرانے والے کو ایسا کرتے دیکھ کر بھی شرمندہ نہ کیا۔
۶	مختلف المزاج لوگوں سے ان کے مزاج کے مطابق سلوک	دنیا تجربہ گاہ ہے مختلف لوگوں سے ان کی طبیعت اور مزاج کے مطابق سلوک انسان کی شخصیت کو نکھارتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی روایت۔ سلطان خراسانی کا طرز عمل۔ سلطان ناصر الدین کا عمل۔ امیر مامون کا واقعہ۔
۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تربیت۔ اولیاء کا عمل	کسی کا فعل ناپسند بھی ہوتا تو اس کا ذکر کئے بغیر عمومی انداز اختیار فرماتے دوسروں کا خیال رکھنا۔ معروف کرخیؒ کا واقعہ۔ سری سقطیؒ کی روایت۔

Marfat.com

دلداری و دلجوئی

آیت معہ ترجمہ

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب: ۵۸) جو لوگ مومن مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بغیر کسی وجہ کے ستاتے ہیں وہ اپنے اوپر بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

سورۂ احزاب کی یہ آیت کسی مومن مرد اور عورت کے ستانے، دل دکھانے اور دلآزاری کے متعلق ہے کہ خداوند کریم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ جہاں کسی مسلمان مرد اور عورت کی دلآزاری جو کسی بھی شکل میں ہو۔ خواہ غیبت کے ذریعہ ہو۔ بدکلامی و بدزبانی کے ذریعہ سے ہو۔ اس پر غصے اور انتقام کی شکل میں ہو یا اس کے راز اور پردے کو چھپانے کی بجائے اسے ظاہر کر کے کی جائے۔ بہتان تراشی اور الزام تراشی کے ذریعے کی جائے۔ سخت معیوب۔ اور کھلم کھلا گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف گناہ فرمایا ہے۔ دلآزاری بُری بات ہے۔ انسانی اخلاق و اوصاف میں یہ ایسا عیب ہے کہ سماجی اور معاشرتی لحاظ سے بھی اور کسی کی اپنی ذات کیلئے بھی مفید نہیں اور نہ دینی و مذہبی اعتبار سے خدا کے نزدیک پسندیدہ فعل ہے۔ قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے کہ تم دوسروں سے اچھی بات کرو۔ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ تمہاری گفتگو دلآزار نہ ہو کسی کا دل نہ دُکھے، کسی کو رنج نہ پہنچے۔

اچھا منظر من پسند ہے

گلاب کے پودے پر پھول لگتا ہے جس سے آنکھوں کو فرحت اور تازگی ملتی ہے۔ روح کو انبساط اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ مشام معطر اور خوشبودار ہوتے ہیں، مگر اسی درخت کا کانٹا دُکھ کا باعث اور خراش کا موجب ہوتا ہے۔ اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا، کوئی قریب نہیں جاتا۔ باغوں، گلستانوں، سبزہ زاروں اور خوبصورت مناظر دل کو کھینچتے ہیں۔ آنکھوں میں جذب اور کشش پیدا ہوتی ہے۔ ساری دنیا تعریف کرتی ہے۔ شعراء خوبصورت مناظر پر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ ادیب منظر نگاری کا حق ادا کرتے ہیں۔ لیکن گندے مناظر، کبیدہ خاطر ماحول، بدبودار مقامات سے لوگ گریز کرتے ہیں۔ ہر کوئی دامن بچاتا ہے۔ ناک پر ہاتھ رکھ کر گزرتا ہے۔ کوئی بھی وہاں رہنا، تھوڑی دیر تک کھڑا ہونا بھی گوارا نہیں کرتا۔ یہی حال گفتگو کا ہوتا ہے، الفاظ تک اچھی بری تاثیر اپنے اندر رکھتے ہیں۔ زبان نہ تلوار ہوتی ہے نہ ڈنڈا اور نہ بندوق یا تھپڑ ہوتی ہے، مگر منہ سے نکلتی ہے تو سننے والے کا خون گرم ہو جاتا ہے۔ آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور اسے فوراً لڑائی پر اُبھار دیتے ہیں۔ نفرت، انتقام اور غصہ آ جاتا ہے۔ حالانکہ گالی چند الفاظ ہی ہوتے ہیں۔

Marfat.com

الفاظ کا بھی اثر ہوتا ہے

اس کے مقابلے میں دعائیہ الفاظ، خوبصورت گفتگو، تعریفی جملہ انسانی نفسیات اور جذبات پر دوسری طرح کا اثر پیدا کرتا ہے۔ دل خوش ہوتا ہے۔ چہرے پر چمک آتی ہے آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ دل میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ دوستی کے جذبات اور محبت کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی الفاظ ہوتے ہیں، مگر بدگوئی و بدزبانی کے اثرات سے مختلف تاثیر رکھتے ہیں۔ سمجھدار لوگ کہا کرتے ہیں کہ دعا اور بددعا میں ایک حرف کا اضافہ ہے تو انسان اپنی زبان کو کیوں اس اضافی حرف کے ادا کرنے کی تکلیف دے۔ خوبصورت برتنوں میں لذیذ کھانا پیش کرکے آدمی میزبان سے کہہ دے کہ زہر مار کرو۔ تو کھانے کا تمام ذائقہ اور برتنوں کی ساری خوبصورتی اس لفظ کی ادائیگی سے غارت ہو جائے گی اور میزبان آپ کے اخلاق اور ناشائستہ گفتگو، غیر شائستہ طرز عمل کا عمر بھر شاکی رہے گا۔ لیکن سادہ برتنوں میں سادہ اور ستھری خوراک پیش کرکے آپ شائستگی سے کہیں کہ بسم اللہ کیجئے۔ خندہ پیشانی سے ادا ہونے والا یہ فقرہ عمر بھر کے لئے آپ کی شائستگی اور حسنِ اخلاق کا اشتہار بن جائے گا۔

نرمی کا ذاتی فائدہ

درشتی و سختی خواہ لہجے کی ہو یا طرز عمل کی خود انسان کی اپنی ذات کے لئے بھی مضر رساں اور خطرناک ہوتی ہے۔ ربڑ کے ٹائر کی نرمی ٹنوں کے حساب سے بوجھ اُٹھا کر ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر لیتی ہے۔ شاہ بلوط کا درخت اپنے فطری جھکاؤ اور نرمی کی وجہ سے برف کے بوجھ سے جُھک جاتا ہے مگر ٹوٹتا نہیں۔ مگر گوند اور چیڑ وغیرہ کے سخت تنے والے درخت جن میں نرمی اور لچک نہیں ہوتی برف کے تھوڑے سے بوجھ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔ اگر ہم اپنی رحمت خاص سے تمہاری طبیعت میں نرمی اور مزاج میں رحمت اور نرم دلی نہ رکھتے جس کی وجہ سے لوگ آپؐ کے گرویدہ ہیں تو آپؐ اکیلے رہ جاتے اور کوئی بھی آپؐ کے قریب نہ پھٹکتا اور آپؐ کے ارد گرد یہ ہجوم باقی نہ رہتا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ (آل عمران: ۱۵۹)

ان ساری تمہیدی مثالوں کا حاصل یہی ہے کہ دوسروں کی دلآزاری انسان کے خود اپنے حق میں بھی اچھی نہیں۔ اس کے مقابلے میں دوسروں کی دلجوئی اور دلداری ایسا وصف ہے جو جتنا انسان کے لئے مفید، نفع بخش ہے اتنا خدا کے ہاں بھی اسے مقبول و محبوب بناتا ہے۔ دوسروں کی دلداری سے ہر دلعزیزی، محبوبیت اور پسندیدگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوستوں، غمخواروں اور چاہنے والوں کا حلقہ وسیع ہوتا ہے۔ فارسی کا مشہور مقولہ ہے کہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است"۔ انسان دُور دراز کا سفر طے کرکے، ہزاروں روپیہ خرچ کرکے اور سفر کی مشکلات برداشت کرکے حج کرتا ہے، مگر ایک آدمی دوسرے کا دل رکھ کر اور دل جیت کر اتنا ثواب کما لیتا ہے۔

واقعات و امثال

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں اعتکاف پر تھے کہ ایک شخص آیا۔ چہرے سے رنجیدگی اور پریشانی ٹپک رہی تھی۔ آپ نے اس سے وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں فلاں شخص کی وجہ سے غمگین اور رنجیدہ ہوں۔ اس کا مجھ پر حق ہے اور میں اس کی ادائیگی

Marfat.com

پر قادر نہیں ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ تم چاہو تو میں اس سلسلہ میں اس سے بات کروں۔ اس شخص نے کہا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو بے شک کریں۔ حضرت ابن عباسؓ اسی وقت چلنے پر آمادہ ہو گئے تو اُس شخص نے کہا، کہ آپ معتکف ہیں اور اس میں سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ آپ نے جواب میں حضورؐ کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میں نے اس صاحبِ قبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے "کہتے ہوئے آنکھوں سے آنسو آ گئے" کہ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کے لئے چلا، اس میں کوشش کی تو اس کا یہ عمل دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے اور جس نے خدا کی رضامندی کے لئے ایک دن کا اعتکاف کیا تو اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ کر دے گا۔ ہر خندق کی وسعت مشرق و مغرب کے فاصلے کے مطابق ہوگی۔ یعنی اعتکاف کے ایک دن کی فضیلت کتنی زیادہ ہے اور کسی مسلمان کی دلداری اور دل جوئی کا ثواب کتنا ہے کہ دس سالوں کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ سبحان اللہ۔

۲۔ ساسانی خاندان کا بادشاہ شاہ اسمٰعیل تھا۔ تاریخ میں اس کی بڑی خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔ اس کی رحمدلی اور انصاف کا شہرہ تھا۔ اپنے آرام سے زیادہ رعیت کا خیال رکھنے والا تھا۔ اس کی طرف سے عام اجازت تھی کہ رعایا میں سے جسے کوئی کام ہو وہ خود آکر مل سکتا ہے۔ اس کے دربار میں ایک دن ایک غریب کسان آیا اور اپنا مدعا جو کہنا تھا کہہ کر عرض کی میں غریب آدمی ہوں۔ ایک تحفہ آپ کے لئے لایا ہوں۔ اسے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا۔ ضرور، ہمیں تمہارا تحفہ قبول کرنے میں بڑی خوشی ہوگی۔ تحفہ معمولی بھی ہو تو قیمتی ہوتا ہے۔ یہ پیش کرنے والے کے خلوص اور محبت کی نشانی ہوتا ہے۔ اسے پیش کرنے والے کے خلوص کو دیکھنا چاہیئے۔ اسے حقیر جان کر اس کا دل نہ توڑنا چاہیئے۔ بادشاہ کی اجازت ملنے پر غریب کسان نے ککڑیاں پیش کیں۔ درباری دیکھ رہے تھے کہ یہ تحفہ بادشاہ کے شایانِ شان نہ تھا، لیکن شاہ اسمٰعیل نے بڑی محبت سے اسے قبول کیا بلکہ خدمتگار کو حکم دیا کہ اس کی قاشیں بنا کر لے آؤ۔ قاشیں آئیں تو بادشاہ نے بڑے شوق سے ایک قاش اُٹھا کر منہ میں رکھی۔ مزے لےکر اُسے کھایا۔ پھر فرمایا کہ تحفے کے جواب میں ہم بھی تحفہ دیں گے۔

چنانچہ بہت سا انعام و اکرام دے کر اسے رخصت کیا۔ دربار تھوڑی دیر بعد ختم ہوا۔ چند بڑے درباری وزیر اور امیرہ گئے۔ تو کسی نے ککڑی کی قاش دیکھ کر کہا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے کوئی تحفہ قبول کیا ہو اور ہمیں اس میں سے تبرکاً نہ دیا ہو۔ لیکن اس دفعہ ہم ککڑی کی قاشوں سے محروم رہے ہے۔ بادشاہ نے کہنے والے سے کہا۔ آؤ ایک قاش اُٹھا کر کھاؤ۔ امیر نے قاش منہ میں رکھی تو فوراً بُرا منہ بنا کر تھوک دیا اور کہا۔ سرکار یہ تو کڑوی ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ یہی بات میں کسان کے سامنے نہ سننا چاہتا تھا۔ اگر اس کے سامنے انہیں بانٹ دیتا تو تم اسے تھوک دیتے تو کسان کو شرمندگی ہوتی۔ کسی کا دل نہ توڑنا اور شرمندگی سے بچانا شرافت ہے۔ اسلامی اخلاق اور تہذیب یہی ہے کہ اگر کسی کے گھر جانا ہو تو اُس کی طرف سے پیش کیے جانے والے کھانے میں کیڑے ڈال کر ناگواری و ناپسندیدگی کا اظہار کر کے اس کا دل نہ توڑو اور نہ اسے شرمندہ کرو۔ اچھی بات یہ ہے کہ اپنے گھر کے دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی اپنے مزاج، اپنی پسند اور اپنی عادات کو وہیں چھوڑ کر نکلے۔ سفر کے دوران یا کسی کے ہاں قیام کے دوران ہمسفر ساتھی اور میزبان کی سہولت، اس کے مزاج اور اس کے رویّہ کو قبول کیا جائے۔ دوسروں کے لئے اپنا مزاج اور عادات قربان کرنا چاہیئے۔ آپ کا وجود دوسروں کے لئے بوجھ نہ بنے، باعثِ رحمت بنے۔

Marfat.com

۳- ہمارے اس دور کا واقعہ ہے جسے شاہ بلیغ الدین صاحب نے اپنی کتاب "روشنی" میں لکھا ہے کہ جگر مراد آبادی برصغیر کے مشہور شاعر کا کسی ہمسفر نے جیب سے بٹوہ نکال لیا۔ جس میں ہزار بارہ سو روپے تھے جگر صاحب کا ذریعہ آمدن مشاعروں پر موقوف تھا اور کوئی ذریعہ آمدن نہ تھا۔ جگر صاحب کے بقول جو تفصیل انہوں نے شاہ بلیغ الدین صاحبؒ کو سنائی یہ تھی بازار میں ایک صاحب بڑے احترام اور ادب سے ملے۔ ان کی نیاز مندی سے اخلاق کا اندازہ ہوا۔ بڑے تپاک سے ملا۔ بازار سے جو کچھ لیا وہ ساتھ تھا۔ پھر تانگہ میں بیٹھے، وہ صاحب ساتھ بیٹھے تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں۔ راستہ میں احساس ہوا کہ میری جیب سے کوئی چیز کھسک رہی ہے۔ میں سنبھلا مگر خیال آیا کہ ایک شریف آدمی کے ساتھ بیٹھا ہوں خواہ مخواہ بدگمانی پر خود کو ملامت کیا، مگر دیکھا کہ نیاز مند کا ہاتھ میری جیب میں تھا۔ میں جان بوجھ کر انجان بنا رہا۔ ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ میرا بٹوہ ان کے ہاتھ میں تھا جسے انہوں نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس خیال سے چپ رہا کہ شاید وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ یہ تفصیل سننے والے نے بڑے غصے سے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ضرورت مند دوسروں کی جیب کاٹتا پھرے۔ جگر صاحب نے غصہ دیکھ کر کہا۔ چھوڑو اس بات کو، اگر میں اس وقت اسے پکڑ لیتا تو اسے جو شرمندگی ہوتی مجھ سے دیکھی نہ جاتی۔ جگر صاحب سے یہ بات سن کر میں ان کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

۴۔ مختلف المزاج لوگوں سے تعلق

دنیا تجربہ گاہ ہے۔ یہاں ہر طرح کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان واقعات میں ہمارا کردار کیا ہے۔ انسانی یا شیطانی؟ امام غزالیؒ نے اپنی مشہور کتاب "احیاء العلوم" میں حضرت فضیل بن عیاضؒ سے روایت کی ہے کہ خراسان کا ایک زاہد ان کے ساتھ حج میں شریک تھا۔ ایک دن طواف کے دوران اس کے دینار چوری ہو گئے۔ طواف سے لوٹا تو رونے لگا۔ حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔ دیناروں کے لئے رو رہے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ اس تصور سے رو رہا ہوں کہ قیامت کے دن ذات باری تعالیٰ کے سامنے جب چور سے دیناروں کے متعلق پوچھا جائے گا تو بے چارہ کیا جواب دے گا۔ اس کی اس وقت کی بے بسی اور شرمندگی کا سوچ کر رو رہا ہوں۔

۵ - دوسروں کا دل رکھنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ انہیں شرمندہ کر کے دل توڑنا صاحبِ کردار لوگوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ حضرت عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مجھے کوئی حدیث یا کوئی واقعہ سناتا ہے تو اگرچہ وہ میرے علم میں ہوتا ہے، بارہا اسے سنا ہوا ہوتا ہے۔ مگر میں پھر بھی پوری توجہ سے سنتا ہوں۔ گویا پہلی بار سن رہا ہوں۔ اس خیال سے کہ اگر یہ ظاہر کروں کہ سنی ہوئی حدیث یا واقعہ ہے تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔

۶ - حضرت حاتم اصمؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی شرافت اور کریم النفسی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ ایک عورت مسئلہ پوچھنے آئی اور انسانی معذوری کے تحت بے اختیار ہوا نکل گئی۔ آپ نے اسے شرمندگی سے بچانے کے لئے فرمایا۔ بلند آواز سے کہو مجھے سنائی نہیں دیتا۔ میرے کان بہرے ہیں تاکہ عورت کو اطمینان ہو جائے کہ اس کی ہوا نکلنے کی آواز انہوں نے نہیں سنی اور وہ شرمندہ نہ ہو۔ جب تک وہ عورت زندہ رہی آپ نے اس کی شرمندگی کا خیال رکھا اور خود کو بہرہ بنائے رکھا۔ اسی وجہ سے آپ کا نام اصم پڑ گیا یعنی بہرہ۔

Marfat.com

۷۔ سلطان ناصرالدین کا معمول تھا کہ قرآن کریم لکھ کر فروخت کرتے اور اسی آمدنی پر بمشکل گزارہ کرتے۔ اُنہوں نے شاہی خزانے کا ایک پیسہ بھی اپنے اوپر خرچ نہ کیا تھا۔ ایک دفعہ قرآن کریم نہایت محنت سے لکھا۔ دربار کے امراء نے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ سب نے دیکھا اور بہت تعریف کی۔ ایک اہلکار نے کسی لفظ پر کہا کہ فتح۔ زبر ہونا چاہیے سلطان نے کہا۔ نہیں یہی درست ہے۔ اُس نے اصرار کیا تو آپ نے قلم سرمہ سے نشان لگا دیا اور کہا۔ ٹھیک ہے درست کر لوں گا۔ جب سب لوگ رخصت ہو گئے اور ایک معتمد باقی رہ گیا تو سلطان نے اس لفظ سے نشان مٹا دیا۔ معتمد نے کہا۔ آپ نے یہ نشان مٹا دیا۔ جب یہ غلط تھا تو اس وقت آپ نے اسے کیوں لگایا تھا۔ سلطان نے جواب دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ غلط کہہ رہا ہے اور دوسرا قرآن شریف منگوا کر اس کی غلطی ثابت بھی کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس کی شرمندگی اور دل شکنی کو گوارا نہ کیا اور حوصلہ کرتے ہوئے نشان لگا کر وقتی طور پر اس کا دل رکھ لیا۔ جس میں میرا کوئی حرج نہ ہوا، مگر اُس کا دل رکھ لیا گیا۔

امیر مامون کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک اعرابی ریتلے تھل کے علاقہ میں رہائش پذیر تھا۔ جس کے گرد و نواح کے تمام کنوئیں کھاری تھے۔ شور زمین کی وجہ سے آسمانی بارش بھی کھاری ہو جاتی۔ وہاں کے لوگوں نے میٹھا پانی نہ چکھا تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہاں قحط پڑا تو باشندے مختلف علاقوں میں نکل کر پھیل گئے۔ وہ اعرابی بھی اپنے علاقہ سے نکلا اور خیال کیا کہ امیر کے سامنے قحط کا ذکر کر کے امداد طلب کرے۔ امیر مامون ان دنوں کوفہ کے قرب و جوار میں شکار کھیل رہا تھا۔ دریائے فرات کا کنارہ تھا۔ اعرابی اپنے علاقہ سے نکلا تو کسی گاؤں کے قریب گڑھے میں بارش کا پانی جمع تھا۔ پانی پیا تو زندگی میں پہلی بار میٹھے پانی کی لذّت نصیب ہوئی تھی۔ سوچا دنیا میں ایسا پانی نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور جنت کا پانی ہے جو پروردگار نے میرے راستہ میں چھوڑ کر خاص مہربانی فرمائی ہے۔

بہتر ہے کہ اس عطیہ خداوندی میں امیر کو بھی شریک کروں اور مشک بھر کر لے جاؤں۔ وہ خوش ہو کر مجھے انعام دے گا۔ مشک پانی سے بھری اور خوشی خوشی چل پڑا۔ چند دنوں بعد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر نے پوچھا۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہا۔ فلاں علاقہ سے آیا ہوں اور آپ کے لئے تحفہ بھی لایا ہوں جو آج تک کسی بادشاہ کو میسر نہ آیا ہوگا۔ یہ جنّت کا پانی ہے۔ امیر نے پانی مانگا۔ چلو بھر لی کر باقی کوزوں میں اس کے سامنے بھروا دیا اور اُس کی حاجت پوچھی۔ بادشاہ نے کہا۔ تمہاری حاجت اس شرط پر پوری کرتا ہوں کہ تو یہیں سے پلٹ جائے اور آگے نہ بڑھے۔ اُس نے وعدہ کر لیا تو امیر نے اُس کی مشک زر سے بھر دی اور سپاہی ساتھ کر دیا کہ اسے اسکے علاقہ میں پہنچا دے۔

بادشاہ کے مقربین نے آگے نہ بڑھنے دینے اور سپاہی کے ساتھ علاقہ میں داخل کرنے کی سخت تاکید کی وجہ اور مصلحت پوچھی۔ بادشاہ امیر مامون نے جواب دیا کہ وہ ایسے علاقہ کا باشندہ ہے جہاں اُس نے کھارا پانی ہی پیا ہے میٹھا پانی چکھنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ راستہ میں کہیں میٹھا پانی چکھا تو اسے عطیہ جنت سمجھا اور میرے لئے لے آیا۔ اگر اس پر اپنے علاقہ میں واپسی کی کڑی شرط نہ لگاتا تو وہ آگے چل کر فرات کا پانی پی لیتا، اُسے اپنے تحفے پر خجالت اور شرمندگی ہوتی کہ یہاں تو میٹھے پانی کے دریا بہتے ہیں۔ میں نے اُسے دل شکنی، خجالت اور شرمندگی سے بچانا چاہا۔

Marfat.com

تاکہ وہ اپنے تحفے اور خیال میں خوش رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ ؎

ہر کہ بندگانِ خدا را تنگ کند | باخدائے خویش جنگ کند
دل بدست آور کہ حج اکبر است | از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است
گو لاکھ بار سبحہ و زنار توڑیئے | پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑیئے
از پا شکستگانِ طلب کعبہ مشکل است | واں کعبۂ کہ دست و ہر کعبۂ دل است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں کا اس قدر لحاظ اور پاس رہتا تھا کہ کسی کا کوئی فعل ناپسند بھی ہوتا تو براہِ راست اس کی دل شکنی اور دلآزاری نہ فرماتے بلکہ اصلاح کا عمومی رنگ اختیار فرماتے تاکہ وہ شرمندہ و دل شکستہ نہ ہو۔ اگر کوئی مصافحہ کر کے ہاتھ نہ چھوڑتا تو آپؐ خود نہ چھڑاتے۔ کوئی آپؐ کے کان کے قریب منہ کر کے سرگوشی کرتا تو آپ اپنا سر علیحدہ نہ فرماتے۔ اگر کوئی پاس بیٹھ کر بات کرتا تو جب تک وہ خود نہ اُٹھتا آپؐ از خود بیزاری، تنگی یا ناگواری کا اظہار کر کے نہ اُٹھتے بلکہ بیٹھے رہتے۔ دوسروں کی ضرورت کی خاطر اپنی نماز مختصر فرما دیتے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا۔ میں نماز شروع کر کے چاہتا ہوں کہ دیر تک پڑھتا رہوں مگر جب کوئی بچہ روتا ہے تو اس کی تکلیف کے خیال سے مختصر کر دیتا ہوں کہ چُپ کراؤں نہ جانے اسے کیا تکلیف ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نمک اچھا ہے کہ کھانے کو لذیذ بناتا ہے، اگر اس کی نمکینی جاتی رہے تو کس چیز سے مزیدار کرو گے۔ اس لئے خود سے نمکینی دُور نہ کرو کہ تم بے لذت و بے مزہ رہ جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ تین چیزیں انسان کی محبت اور محبوبیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ سلام میں پہل کرنا۔ دوسروں کو محفل میں عزت دینا اور مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔

حضرت معروف کرخیؒ ایک دن اپنا مصلیٰ اور قرآن مجید مسجد میں چھوڑ کر وضو کے لئے دجلہ پر گئے جو نزدیک تھا۔ اتنے میں ایک عورت آئی جسے چوری کی عادت تھی۔ آپ کا مصلیٰ اور قرآن مجید لے کر چلتی بنی۔ آپ وضو کر کے سیدھے عورت کے پیچھے گئے۔ قریب پہنچے تو شرم سے آنکھیں نیچے کر کے فرمایا۔ مادرِ شفیق! آپ کا کوئی لڑکا قرآن مجید پڑھتا ہے؟ عورت نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا۔ پھر یہ قرآن مجید مجھے دے دے تو اُسے لے کر کیا کرے گی۔ میں اسے پڑھا کروں گا۔ مصلیٰ تو لے جا یہ تمہارے کام آئے گا۔ آپ نے نہ تو چوری کا الزام لگایا نہ بُرا بھلا کہا۔ گفتگو کا یہ انداز اتنا مؤثر تھا کہ عورت خود ہی شرمندہ ہوئی اور توبہ کر لی۔

حضرت سریؒ سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ عید کے دن آپ کو کھجوریں چُنتے دیکھا۔ میں نے پوچھا۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ میں نے اس لڑکے کو روتے ہوئے دیکھا۔ وجہ پوچھی تو بتایا میں یتیم ہوں سب لڑکوں نے نئے کپڑے پہنے ہیں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں کھجوریں چُن رہا ہوں کہ انہیں بیچ کر اسے اخروٹ خرید دوں تاکہ یہ کھیلے اور رونا بھول جائے۔ سریؒ سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ کام میں کروں گا، آپ بے فکر رہیں۔ میں لڑکے کو لے کر بازار گیا اور کپڑے خرید کر دے دیئے، پہنائے اور کھیلنے کو دے دیئے۔ لڑکے کا دل خوش ہو گیا جس سے

میرے دل کو عجیب سرور نصیب ہوا اور حالت ہی کچھ اور ہو گئی۔

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور دوسرے تمام اقوال وامثال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کا دل رکھنا، انہیں شرمساری وشرمندگی سے بچانا، شرافت، نیک دلی اور نیکی ہے جبکہ دوسروں کو دلآزاری، دل شکنی اور شرمندگی وخجالت میں ڈالنا بہت بُری بات ہے اور ہمارے زیر بحث عنوان کے مطابق مومن مردوں اور عورتوں کو رنج دینا، دُکھ دینا بغیر کسی وجہ کے خود کو گناہوں اور تہمتوں کے بوجھ کے نیچے لادنا ہے۔ اسلامی احکامات میں زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف غیر مسلموں اور مشرکوں کی تالیف قلب کرنا بھی ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات دے کر ان کے دلوں کو مائل کیا جائے اور ہم اگر مال دے کر نہیں صرف اچھے سلوک اور اچھی بات سے کسی کی دلجوئی اور دلداری کر سکیں تو کتنا عمدہ فعل ہو گا۔ خدا ہمیں توفیق دے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہزار گنج قناعت ہزار گنج کرم ۔۔۔ ہزار طاعت شب ہا ہزار بیداری
ہزار روزہ وہر روزہ دہ ہزار نماز ۔۔۔ قبول نیست اگر خاطرے بیازاری

آپ کتنا ہی قناعت کے گوشہ میں بیٹھیں اور کتنا ہی لوگوں پر خزانے لٹائیں۔ کتنا ہی راتوں کو جاگ کر عبادت میں گزاریں۔ ہزار روزے رکھیں اور ہر روز دس ہزار نمازیں ادا کریں، خدا کے ہاں قبول نہ ہوں گی جب تک آپ لوگوں کے دلوں کو دُکھاتے رہیں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

مشاورت ومعاونت

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ ۔ آل عمران	مشورہ کا قرآنی حکم ۔ ہر قسم کے معاملات کے لئے عمومی حکم ہے ۔ انسانی زندگی کے تمام جائز معاملات میں مشورہ کی تعلیم ہے ۔
۲	صاحب کردار ہی مشورہ طلب کرتا ہے	سورۂ شوریٰ میں تمام اچھی اور پسندیدہ صفات کے ساتھ مشورہ لینے کی صفت بیان ہوئی ہے ۔
۳	حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات	احادیث ۔ جنگ اُحد میں مشورہ ۔ خلفاء کرامؓ کے اقوال ۔ خلافت کا معاملہ اہل الرائے سے مشورہ ۔ امیر اور کمانڈر لشکر کے سلسلہ میں مشورے ۔
۴	آزادیٔ رائے کے بغیر مشورہ	مشاورت ومعاونت ضروری ہے ، مگر رائے کی آزادی نہ ہو تو درست مشورہ نہ مل سکے گا ۔
۵	موجودہ حکومت اور مشورہ	موجودہ طرز جمہوریت میں اہل رائے کی عدم شرکت ۔ ناخواندہ اور جاہلوں کے ذریعہ اقتدار کا حصول اور اُن کے نمائندوں پر مشتمل حکومت کی خرابیاں ۔
۶	باکردار و باصلاحیت افراد کے نظام مشاورت کی صورتیں	ہارس ٹریڈنگ نہ ہوگی ۔ صالح اور باصلاحیت افراد چُنے جائیں گے ۔
۷	صحابہؓ کا طرز عمل واجب العمل ہے	ہمیں اسلامی تعلیمات اور صحابہؓ کے طرز عمل کو اپنانا چاہیئے ۔ یہ مغربی جمہوری انداز ہے الہامی نظم جس کی پیروی لازمی ہو ۔
۸	معاشرتی اور ذاتی معاملات میں مشورے کی ضرورت	تجارت ، زراعت ، شادی بیاہ میں خاندانوں سے مشورہ ضروری ہے ۔ انفرادی پسند کی شادیوں کے نقصانات ۔ چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کا اشتراکِ عمل ۔ دُکھ اور سُکھ میں سب کی شراکت مشورہ سے ممکن ہے ۔

مشاورت و معاونت

آیت معہ ترجمہ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ۔ (آل عمران) اے نبیؐ ان سے اپنے معاملات میں مشورہ کرتے رہیئے۔ جب مشورہ کے بعد کسی معاملے کا ارادہ کریں تو پھر خدا پر توکّل کر کے اقدام فرمائیں ۔

تفسیر و تشریح مشورہ لینا اور معاملات میں دوسروں کو مشورے کے ذریعہ شریک کرنا اچھی عادت ہے۔ مشورہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان سمجھدار اور اہل رائے لوگوں سے کام کے آغاز سے پہلے ان کی رائے طلب کرے اور اس رائے دہی میں آزادی ہو تاکہ معاملے کے برُے بھلے پہلوؤں پر بحث ہو سکے اور جب کوئی کام متفقہ رائے اور مشورے سے طے ہو جائے تو پھر اس پہ خدا پر بھروسہ کر کے عمل شروع کر دیا جائے۔

مشورہ کا حکم قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس میں ایسا کوئی ذکر نہیں کہ وہ معاملہ کیسا ہو ظاہر بات ہے انسان کے وہ معاملات جو خدا اور رسولؐ نے دینی اعتبار سے جن کا حکم دیا ہے اور جن کا کرنا حکم کا درجہ رکھتا ہے وہ کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں ہیں جیسا کہ حج کا ارادہ کیا ہو۔ نماز روزہ کی ادائیگی ہو یعنی عبادات سے تعلق والے امور مشورہ کے محتاج نہیں۔ البتہ معاملات کی جتنی جائز صورتیں ہیں ان میں مشورہ لینا ضروری بھی ہے اور خدا کا حکم بھی ہے۔ رشتہ دینے کے معاملات، تجارتی اور کاروباری معاملات، مکان اور جائیداد کی خرید و فروخت کے معاملات، سفر اختیار کرنا۔ جہاد کی صورت میں باہم مشاورت۔ حکومت کے کاروبار اور معاملات سب مشورہ کے بغیر نا ممکن بھی ہیں اور ادھورے بھی۔ جس آدمی کو مشورہ کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ اپنا سارا بوجھ دوسروں کو اس میں شریک کر کے تقسیم کر دیتا ہے۔ اسے یکسوئی و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ناکامی کی صورت میں دوسرے کے سامنے ندامت سے بچ جاتا ہے کہ وہ سب کی ندامت ہوتی ہے جو مشورہ میں شریک ہوتے ہیں۔ سورۂ شوریٰ قرآن کریم میں الگ سورت ہے جس میں مشورہ لینے والے کی یہ صفات بیان ہوئی ہیں ۔ تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف دنیا کا منافع ہے۔ جو کچھ اللہ کے پاس تمہارے لئے ہے وہ بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔ جو لوگ ایمان لائے، اپنے رب پہ بھروسہ کرتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں۔ غصّے کے وقت معاف کرتے ہیں۔ اپنے رب کے فرمان کو قبول کرتے ہیں۔ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کے تمام کام باہم مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جب ان پہ کوئی ظلم و زیادتی ہوتی ہے تو ان کی مدد کی جاتی ہے۔

Marfat.com

صاحب کردار ہی مشورہ لیتے ہیں

یہ طویل اقتباس سورہ شوریٰ کا ہے۔ اس میں بیان کردہ تمام صفات میں مشورہ کا ذکر بھی ہے جس سے مشورہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ — وہ آدمی ناکام نہیں ہوا جس نے استخارہ کیا اور اُسے شرمندگی نہ اُٹھانا پڑی جس نے مشورہ کیا۔ (المدخل) پھر فرمایا۔ اپنے کاموں میں باہمی مشورہ سے مدد حاصل کرو۔ (المدخل) — امام ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ حزم یعنی احتیاط اور مضبوطی کار کسے کہتے ہیں — آپؐ نے فرمایا۔ ان تشاور ذارای ثم تطیعہ۔ کہ تم صاحب رائے سے مشورہ کرو اور اس مشورہ کی پابندی کرو۔ (بیہقی ج اول) — ایک مرتبہ فرمایا کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی عقلمندی لوگوں سے محبت ہے اور آدمی مشورہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ (سنن الکبریٰ)

تعلیمات اور عمل نبویؐ

ایک موقعہ پر حضورؐ نے خلیفہ کو اپنے مشیر چُننے اور اس کے اچھے نتائج کا ذکر یوں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جب کوئی نبی بھیجتا ہے یا کسی کو خلیفہ بناتا ہے تو اس کے دو قسم کے رازدار ہوتے ہیں۔ کچھ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور کچھ اسے بُرائی پر اکساتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو ان بُرے مشیروں سے بچائے اس کو محفوظ سمجھنا چاہیئے۔ (بخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل یہی تھا کہ وہ دوسروں کو ان کی اہمیت دلانے کے لئے بھی اور معاملات میں رازدار اور شریک کار بنانے کے لئے بھی مشورہ لیا کرتے تھے۔ بدر والے دن جب آپؐ نے صحابۂ کرامؓ سے مشورہ لیا تو صحابۂ کرامؓ نے فرمایا۔ اگر آپؐ سمندر کے کنارے کھڑا کر کے اس میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم کود یں گے اور اگر آپؐ برک الغماد تک لے جانا چاہیں تو ہم انکار نہ کریں گے۔ ہم وہ نہیں ہیں کہ موسیٰؑ کے صحابہ کی طرح کہیں کہ تُو اور تیرا رب لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر اور جم کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ (بخاری شریف)

اسی طرح اُحد کی لڑائی کے موقعہ پر بھی آپؐ نے مشورہ لیا کہ مدینہ میں رہ کر لڑی جائے یا باہر نکل کر لڑا جائے۔ آپؐ کا خیال مدینہ کے اندر لڑنے کا تھا، مگر سب کی رائے باہر جا کر لڑنے کی تھی تو آپؐ نے اسی پر عمل کیا۔ جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی آپؐ نے مشورہ کیا کہ مدینہ کے پھلوں کا تہائی حصہ پیداوار دے کر مخالفین سے صلح کر لی جائے۔ لیکن سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ نے انکار کیا تو آپؐ نے اُن کی بات مان لی۔ حدیبیہ کے موقعہ پر بھی مشورہ لیا گیا کہ مشرکین کے گھروں پر حملہ کر دیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مخالفت فرمائی کہ ہم عمرہ کرنے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے امور اور سلطنت کے انتظام میں ہمیشہ مشورہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ آپؐ کے وزیر اور مشیر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اگر یہ دونوں بزرگ کسی معاملے میں اتفاق کر لیتے تو آپؐ ضرور ان کی بات مانتے تھے۔

صحابۂ کرام کے اقوال

مشورہ کی اہمیت اپنی جگہ، مگر صاحب مشورہ پر ذمہ داری ہوتی ہے کہ مشورہ ایک امانت ہے جس سے لیا جائے وہ نہایت دیانتداری اور اپنی صحیح سوجھ بوجھ اور غور سے مشورہ دے۔ غلط مشورہ دینا، بدراہی کی راہ دکھانا دوسرے کے اعتبار کو ٹھیس پہنچانا ہے اور بددیانتی بھی ہے — حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ: باہمی مشورہ سے کام کرنا اصل ہدایت ہے۔ وہ شخص خطرات میں گھر گیا جس نے ذاتی رائے

Marfat.com

پر عمل کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد ہے۔ ایک دوسرے سے مشورہ لینا خیر و برکت کی کلید ہے اور رحمت کا دروازہ ہے۔ امام حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی قوم باہم مشورہ کرتی ہے تو پیش آمدہ مسائل میں راہ صواب پاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ۔ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ، کہ جب ارادہ کر لیا تو خدا پر توکل کرو۔ عزم امیر اپنی صوابدید پر کرے گا یا اہل الرائے کے مشورے کے مطابق؟ آپ نے جواب دیا۔ اہل الرائے سے مشورہ کے بعد حیص بیص کی ضرورت نہیں بلکہ کارسازِ حقیقی پر بھروسہ کیا جائے اور مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اگر میرے روبرو کوئی ایسا معاملہ آ جائے جس کے بارہ میں نہ کوئی حکم نازل ہوا ہو اور نہ سنّت موجود ہو۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم لوگ ایسے معاملے کو دین کی سمجھ رکھنے والے خدا ترس مومنوں کے مشورہ کے حوالہ کر دو اپنی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

پوری اُمت کو نصیحت ہے

ان تمام تصریحات اور اس کے علاوہ جنہیں بوجہ خوفِ طوالت چھوڑ دیا ہے۔ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں شوریٰ کا اقتدار کتنا وسیع اور قوی ہے۔ شاورھم فی الامر کا خطاب پوری اُمت سے ہے۔ گویا مسلمانوں کے تمام اُمور کی اساس شوریٰ پر ہے۔ شوریٰ اہل حل و عقد کا دوسرا نام ہے جس میں بڑے صحابہ کرام رضؓ شامل ہیں۔ جنہیں حضورؐ کی صحبت، تربیت اور تزکیہ و حکمت کے بیش از بیش مواقع ملتے رہے جو ایک دوسرے کی سیرتوں، اخلاق و کردار کو جانتے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کا معاملہ جب چھ افراد کے حوالہ کر چکے تو مشہور صحابی حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کو بلا کر تاکید فرمائی کہ تم اپنی قوم کے پچاس افراد کو لے کر ان چھ افراد کو تین دن کے اندر اندر فیصلے پر مجبور کرو کہ وہ باہمی مشورہ سے کوئی خلیفہ منتخب کریں۔ (طبقات ابن سعدؒ)

عراق کی مہم میں ابو عبید ثقفیؓ شہید ہوئے تو کمانڈر کا معاملہ اہم تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ چند لوگوں نے انہیں خود اس مہم میں کمانڈ کرنے کا مشورہ دیا، لیکن اکثریت کی رائے اس کے خلاف تھی۔ چنانچہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کر لیا گیا اور حضرت عمرؓ کو مدینہ سے باہر نہ جانے دیا گیا۔ (الفاروق)

قاسم کی روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کوئی کام پیش آتا تو آپ اہل الرائے اور اہل فقہ کے چند آدمی انصار اور مہاجرین میں سے بلا کر ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ یہ اصحاب حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ و حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ ہوا کرتے تھے۔ ان کے مشورہ کے مطابق فیصلے فرماتے۔ اپنی خلافت کے دوران انہوں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا۔

حضرت عطا بن یسارؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عباسؓ کو مع اہلِ بدر کے بلا لیا کرتے اور ان سے مشورہ طلب فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر

Marfat.com

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت تک فتویٰ کا کام انجام دیتے رہے۔ حضرت عمرؓ کو حضرت ابن عباسؓ کی اصابت رائے پر اعتماد ہوتا جب کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ انہیں بلا کر فرماتے۔ اے غوطہ خور غوطہ لگا' یعنی اس معاملے پر غور کرو۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے بقول حضرت ابن عباسؓ انتہائی ذہین، معاملہ فہم اور حاضر دماغ تھے۔ زیادہ علم والے اور حد سے زیادہ بُردبار تھے۔ ابنِ سیرینؒ کے بقول حضرت عمر ابن خطابؓ ہر مشکل معاملے میں مشورہ لیا کرتے یہاں تک کہ عورتوں سے مشورہ فرماتے۔ ان کی کوئی اچھی رائے پاتے تو اس پر عمل فرماتے۔ (کنز ج ۲)

مشورہ اور رائے کی آزادی

غرض مشورہ لینا جب قرآن کریم کے حکم کے مطابق لازمی ہے تو پھر اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مشورہ دینے میں ہر کسی کو آزادانہ رائے کا حق ہو، اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر مشورہ کی افادیت ختم ہو جائے گی اور زبان سچ بولنے کو ترس جائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کی بات ہے کہ آپ نے ایک معاملے میں مشورہ چاہا۔ حاضرین میں سے ایک نے اپنی رائے دی تو حضرت علیؓ کو آپ کی رائے پسند آئی اور فرمایا۔ آپ کی رائے کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ جن لوگوں میں ضد نہ ہو۔ میں پن اور غرور نہ ہو وہ دوسروں کی اچھی رائے کو ہمیشہ قبول فرماتے ہیں۔ سچی بات اور اچھا مشورہ اگر دشمن کے منہ سے بھی نکلے تو اس پر بھی عمل کیا جائے۔ دیکھنا یہ نہ چاہیئے کہ یہ بات یا مشورہ کس کے منہ سے نکلا ہے بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ کیا کہا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں راستے سے گزر رہے تھے کہ کسی کا پاؤں آپ کے پاؤں کے نیچے آگیا نادانستہ ایسا ہو گیا تھا۔ جس کا پاؤں کچلا گیا تھا غصہ سے بولا۔ دیکھتے نہیں کیا اندھے ہو۔ کہنے والا عام آدمی تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ مسلمانوں کے امیر تھے اور امیر بھی ایسے کہ شام، مصر، نجد و حجاز و ایران کا سارا علاقہ ان کے زیرنگین تھا۔ ہندوستان و پاکستان کے رقبہ سے بھی بڑی مملکت کے امیر تھے۔ اس شخص اور حضرت عمرؓ کے درمیان کوئی مقابلہ اور برابری نہ تھی، نہ دینی حیثیت سے نہ دنیاوی حیثیت سے۔ اس شخص کو غصہ جلد آگیا تھا۔ وہ فقیر تھا مگر غصہ اس کے سر میں سمایا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ امیر تھے، مگر ان میں خدا خوفی تھی۔ نہایت نرمی سے فرمایا۔ بھائی میں اندھا تو نہیں ہوں مگر غلطی ہو گئی جس پر شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اوچھے اور کمینے لوگوں کو اقتدار مل جائے تو خود کو خدا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ان میں ضد اور اکڑ آجاتی ہے۔ حضرت علیؓ امیر تھے مگر معمولی آدمی کا مشورہ قبول کرنے میں عار محسوس نہ فرمائی۔ حضرت عمرؓ امیر تھے، مگر عام آدمی کے غصے کا جواب نرمی سے دیا۔ سچ ہے میوے سے بھری ہوئی ڈال جھکتی ہے۔

موجودہ جمہوری حکومت

آجکل ہمارے ہاں جمہوریت کا بڑا چرچا ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ یہ عام لوگوں کے ذریعہ عام لوگوں کی حکومت عام لوگوں پر ہوتی ہے یعنی اس حکومت کی تشکیل میں عوام حصہ دار ہوتے ہیں اور اس کے کاروبارِ حکومت میں عام لوگوں کا حصہ ہوتا ہے اور تمام لوگ اس کے ثمرات و اثرات میں شریک ہوتے ہیں۔ اس جمہوری حکومت کی تشکیل کی کیفیت یہ ہے کہ یہ

Marfat.com

اہل رائے، اہل دانش اور اہل فکر کی رائے سے تشکیل نہیں پاتی۔ کیونکہ پاکستان میں خواندگی کا تناسب یہ ہے کہ سو میں سے صرف بیس آدمی تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ ان بیس آدمیوں میں بھی عام میٹرک پاس یا ایف اے پاس تعلیم یافتہ افراد کو نکال دیا جائے جو کسی لحاظ سے اہل دانش نہیں کہلا سکتے اور نہ اہلِ فکر ہوتے ہیں تو اہل دانش و فکر میں صرف دس فیصد لوگ رہ جاتے ہیں جنہیں بڑا بھلا سوچ کر رائے کے اظہار کا حق دیا جا سکتا ہے۔ باقی نوّے فیصد لوگ اَن پڑھ ہیں جو کسی بھی لحاظ سے حکومت کی تشکیل اور رائے کے اہل نہیں کہلائے جا سکتے۔ کیونکہ ان کی ذہنی سطح قومی معاملات کی سوچ ہی نہیں رکھتی اور وہ بھی صنعتکاروں، کارخانہ داروں اور جاگیرداروں کے زیر اثر ہوتی ہے جو اپنے جبر و جور اور تشدد یا بے انتہا دولت کے بل بوتے پر ان کی رائے خرید کر اسمبلی میں آتے ہیں۔ اسمبلی کے یہ ارکان کسی بھی لحاظ سے اہلِ رائے، اہلِ فکر اور اہلِ دانش کے نمائندے نہیں کہلائے جا سکتے۔ کیونکہ ان دس فیصد کی رائے سے وہ کامیاب نہیں ہوتے بلکہ جُہلاء کے نمائندے ہوتے ہیں۔ جُہلاء کے مشورے اور رائے دہی سے تشکیل پانے والی حکومت کے نمائندوں کا کردار یہ ہوتا ہے کہ ان کی اکثریت جاہل، نیم خواندہ اور نو دولتیے لوگوں کی ہوتی ہے۔ ایوانِ بالا ہو یا ایوانِ زیریں یہ سب لوگ تجارتی مال، لین دین اور ہول تول، دروغ گوئی اور دھوکہ دہی کے ذریعہ کامیاب ہوتے ہیں۔ جنہیں قانون بنانے اور حکومت چلانے کا کام سونپا جاتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ منتخب نمائندے اور یہ اندازِ جمہوریت اور طرزِ حکومت ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو بوٹی مافیا، کلاشنکوف مافیا، ٹمبر مافیا اور عورت مافیا کے زور سے برسرِ اقتدار آتے ہیں۔

موجودہ طرزِ جمہوریت

جمہوریت کے ذریعہ تشکیل پانے والی اس طرزِ حکومت میں عوام کی فلاح و بہبود کا یہ حال ہوتا ہے کہ سیاسی کارکنوں اور سیاسی ورکروں کے نام سے تمام ڈاکو اور خطرناک مجرم رہا کر دیئے جاتے ہیں۔ ڈاکوؤں کی سرپرستی ہوتی ہے۔ اغوا ہوتے ہیں۔ قتل ہوتے ہیں۔ دن دیہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں۔ اذیت خانے اور عقوبت خانے بنتے ہیں۔ مخالفوں کو سرِ بازار گولی ماری جاتی ہے۔ عصمتیں لُٹتی ہیں۔ شہریوں کا سکون درہم برہم ہوتا ہے۔ جان و مال کی حفاظت جس جمہوری حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے وہی اس سارے کھیل میں ملوث اور شریک غالب ہوتی ہے۔ سرکاری اداروں میں کرپشن کے ذمہ دار یہی جمہوریت کے نام لیوا ہوتے ہیں۔ سرکاری زمینوں اور غریب کسانوں کی اراضی پر قبضے اسی جمہوری دور میں ہوتے ہیں۔ اپنی کرسی اور اقتدار کو طول دینے اور بچانے کے لئے جوڑ توڑ ہوتا ہے۔ لین دین ہوتا ہے۔ ہارس ٹریڈنگ ہوتی ہے۔ ناجائز سرکاری پلاٹوں کی الاٹمنٹ ہوتی ہے۔ ان کے کردار و افعال سے جان بوجھ کر چشم پوشی ہوتی ہے اور اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لئے عوام پر ہر قسم کی زیادتی، جبر، تشدد اور ظلم کو برداشت کیا جاتا ہے۔

خرابی کے اسباب

غرض اس جمہوری اور شورائی نظام حکومت کی خرابیاں ایسی باتیں نہیں ہیں جن سے لوگ ناواقف ہوں اور جس کا خمیازہ پاکستان کے عوام نے نہ بھگتا ہو۔ اس ساری خرابی کا واحد حل صرف اسی میں ہے کہ حکومت کے کاروبار میں باکردار، تعلیم یافتہ اور محبِ وطن لوگوں کو شریک کیا جائے اور انہیں کو ذمہ داری سونپنے کے لئے اسلام کا نظام مشاورت و معاونت اختیار کیا جائے۔ ممبران کے انتخاب کے لئے اہلیت کی شرط کو فوقیت دی جائے۔

الیکشن کا طریقۂ کار سہل، آسان اور سستا رکھا جائے تاکہ حلال و جائز کمائی پر زندہ رہنے والے قانع قسم کے افراد کو شرکت کا موقعہ مل سکے۔ رائے دہی کا طریقِ کار ایسا ہو کہ کسی کو امیدوار بننے کا اور رائے خریدنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

باصلاحیت افراد کا چناؤ

الیکشن کے ہنگامے اٹھانے، ڈرامے اور اُن پر اتنے بھاری اخراجات اور سرکاری ذرائع و وسائل کو اس میں جھونک دینے کی بجائے اسے بہتر، مؤثر بنانے کے لئے پٹواریوں کے حلقوں یا یونین کونسلوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر حلقہ میں اچھے تعلیم یافتہ، باکردار اور باصلاحیت افراد کی فہرستیں سرکاری اداروں، سکولوں کے اساتذہ، پٹواریوں وغیرہ کی ذریعہ طلب کی جائیں۔ ان کی شہرت، صلاحیت اور کردار کے کوائف کی رپورٹ واقعاتی انداز سے مرتب کرائی جائے جو اس کی سیرت و کردار کا ثبوت ہو۔ یہی افراد اپنے حلقہ کے ووٹر ہوں اور یہی اس خلقہ کے خفیہ نامزد ممبر ہوں جنہیں ان کی تعلیم، کردار اور کوائف کی روشنی میں نامزد کیا جائے اور پھر ان ووٹرز کو خفیہ رائے دہی کے ذریعہ ان میں سے کسی ایک کو نامزد کرنے کا اختیار دیا جائے۔ نامزد افراد کی ابتدائی رپورٹ میں ذریعہ روزگار، مالی حیثیت اور ذرائع آمدن کو اہمیت دی جائے۔ خفیہ رائے شماری کے ذریعہ ہر حلقہ کے نامزد امیدوار کو اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے حلقہ سے دوسرے باصلاحیت اور باکردار لوگوں کی مختصر ٹیم منتخب کر کے مقامی تعمیری تنازعاتی مسائل کو طے کرے۔

ہر حلقہ کے یہی منتخب لوگ باہمی مشورہ سے مل بیٹھ کر یا خفیہ ضلع، صوبہ اور قومی اسمبلی کے ممبران کی نامزدگی کریں۔ جو آگے چل کر ضلع، صوبہ اور مرکز کی سطح پر حکومت کی تشکیل کا موجب ہوں۔ یہی وہ شورائی نظام ہوگا جس کی بنیادی اور ابتدائی صورتگری حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی اور جو اس وقت کے حالات میں فوری طور پر ممکن بھی تھی کہ ان کی زندگی کے چند ایام وسیع تر رائے شماری کی اجازت نہ دے سکتے تھے اور نہ مدت اقتدار کا تعین لازمی تھا۔ بہر حال یہ تو تھا حکومت کا نظامِ مشاورت اور اس کی موجودہ شکل کی خرابیوں کا تھوڑا سا تجزیہ اور اس کے لئے مشاورت کی سہل، آسان اور سستی تجاویز۔ ہم مغربی طرز جمہوریت کے نہ تو مذہبی، دینی، تہذیبی اور اپنے ذاتی و مقامی حالات کے مطابق پابند ہیں اور نہ اس مغربی جمہوریت کے اصول حرفِ آخر اور الہامی ہیں۔ ہمیں اپنے الہامی اور مسلمانوں کے اجتماعی نمونہ ہائے راہ اور مینارہ ہائے نور و سنگہائے میل کو دیکھ کر چلنا چاہیے جن کی پیروی کا قرآن اور سنتِ رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ و نصله جهنم وساءت مصیرا۔ جو لوگ واضح ہدایات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اُن کے تربیت یافتہ مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر غیر مومنین کے راستوں کی پیروی کریں، وہ حضور ﷺ کی دل شکنی اور دلآزاری کرتے ہیں جس کی سزا جہنم ہے جو انتہائی بُرا ٹھکانہ ہے۔ (احزاب)

مومنین کا راستہ کیا ہے وہی ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی، تربیت ملی اور جس راستے کا اُمت کا اجماع ہے اور جن کے راستوں کے متعلق حضور ﷺ کا اپنا ارشاد ہے۔ "میرے صحابہؓ تمام روشن ستارے ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم۔ ان واضح احکامات کے بعد غیر مومنین، مغربی مفکرین اور دانشوروں

کے راستوں کو منتخب کرنا۔ خواہ کاروبار حکومت ہو، تشکیل حکومت ہو، قانون سازی ہو، معاشرت ہو، تجارت ہو، زراعت ہو یا نظام تعلیم اور بنکاری ہو، سب خدا کی ناراضگی، حضورؐ کی دل شکنی اور دلآزاری کے ذیل میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے ہم نولہٖ ما تولیٰ کے انہی راستوں پر ڈال دیئے گئے ہیں جن سے نکلنا ہمارے لئے مشکل بنا ہوا ہے اور جس کی سزا جہنم ہے۔

معاشرتی معاملات

انفرادی طور پر ذاتی اور خاندانی معاملات میں مشورہ کی جتنی اہمیت ہے اس سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ میں یہاں اپنے مشاہدے کی ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ اسی کی روشنی میں ہر آدمی اپنے معاملات کا جائزہ لے سکتا ہے۔ میرے ایک جاننے والے "زید" کا اچھا خاصا تعلیم یافتہ اور موجودہ دور کی معیاری تعلیم کا حامل بچہ تھا۔ اس کے والدین کو اس کے رشتہ کی فکر ہوئی تو آس پاس کے رشتہ داروں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ، اعلیٰ عہدیدار اور اُن کی خوبصورت اور تعلیم یافتہ بچیاں موجود تھیں مگر انہوں نے آجکل کی معمولی معمولی شکایتوں کا سہارا لے کر یہ فیصلہ کیا کہ رشتہ برادری سے باہر کیا جائے گا۔ چونکہ باہر سے رشتہ مانگنے کا فیصلہ برادری کا نہ تھا ذاتی تھا۔ اس لئے جہاں سے رشتہ مانگنا تھا، اس گھر اور مقام اور خاندان کو انتہائی راز اور خفیہ رکھا گیا اور دو تین سالوں تک خود ہی خاوند بیوی رشتہ کے حصول کی تگ و دو میں کبھی علاج کے بہانے، کبھی کسی شادی میں شرکت کے بہانے اور کبھی کسی اور بہانے سے وہاں آتے جاتے رہے۔ دو تین سالوں تک جھوٹ، رازداری اور دھوکے کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ وہ خاندان بھی ایسا ہی تھا جنہیں لائق، قابل اور برسرروزگار داماد ہاتھ لگا تھا، اس سلسلہ کو چھپائے رکھا کہ کہیں برادری کو بھنک پڑ گئی تو رشتہ دار رکاوٹ ڈالیں گے اور اچھا رشتہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی اور یکساں رازداری سے معاملات طے ہوتے رہے۔ جھوٹ، فریب اور دھوکہ دہی کے چکر چلتے رہے۔ دونوں اطراف سے باہمی مشورہ سے نہ طے ہونیوالے معاملات برادریوں کی رضامندی، اخلاقی دباؤ اور برادری کے اجتماعی سہارے کے بغیر خودسری، خودمختاری کے نتیجہ میں کڑی شرائط پہ طے ہوئے جو لڑکے کی اور والدین کی مالی استطاعت سے زیادہ اور انتہائی جھکے ہوئے احسان مندی کے ساتھ طے ہو گئے کہ اگر انکار ہوا تو بھانڈہ پھوٹے گا اور جگ ہنسائی ہوگی، ملامت رشتہ داران و شماتت ہمسائیگان کا موجب ہوگی۔ چنانچہ رشتہ داری کے انتہائی قریبی افراد کی بجائے دُور کے ایک دو افراد کی موجودگی میں نکاح ہو گیا۔

رشتوں میں مشاورت کی اہمیت

رشتہ کے معاملات تو ایسے ہوتے ہیں کہ برادری کے اجتماعی تعاون کے بغیر تو ممکن نہیں ہوتے اور نہ آئندہ کوئی رشتہ برادری کے اجتماعی دباؤ اور تعاون کے بغیر پنپ سکتا ہے۔ جیسا کہ آجکل خود پسند اور محبت کے رشتوں کا حال ہوتا ہے کہ یا تو بیگم خاوند کو لے کر جدا ہو جاتی ہے اور والدین و رشتہ دار، جن کے اجتماعی تعاون سے لڑکا تعلیم حاصل کرتا ہے، جوان ہوتا ہے اور انسان بنتا ہے، وہ منہ دیکھتے اور سر پیٹتے رہ جاتے ہیں اور اگر لڑکے نے ذرا بھی والدین، بہن بھائیوں اور خاندان کا لحاظ و خیال رکھا تو نتیجہ خود پسند شادی کی ناکامی پر منتج ہوتا ہے۔

Marfat.com

مشورے کے فائدے

چنانچہ میرے مشاہدے والے رشتہ میں نوبت تو ابھی شادی کی نہیں آئی، صرف نکاح ہوا ہے، مگر اس جائز کام کو جس قدر برادری کے مشورہ کے بغیر رازداری کے ساتھ چوری چھپے کیا گیا۔ اس کا فی الحال نتیجہ یہ ہوا کہ نہ منگنی کے جوڑے میں رشتہ دار شریک ہوئے نہ لڑکی کے والدین کی پاکشادگی اور خانہ نمائی کی رسم میں کسی نے آنا ضروری سمجھا کہ خود رشتہ کیا ہے تو خود ہی سارے کام نبھائیں اور نہ اب تک لڑکے کے چاچے تائے، خالائیں، پھوپھیاں اور دوسرے رشتہ دار مبارکباد دینے اور خوشی منانے کے لئے آئے ہیں۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ، گزیٹڈ برسرِ روزگار اور سب سے بڑے لڑکے کی پہلی خوشی اور جائز خوشی باہمی مشورے خاندان کے تعاون، ان کے اعتماد اور سہارے کے بغیر چوری چھپے یوں کی گئی جیسے کوئی ناجائز اور ناروا کام کیا جا رہا ہے اور اس کا پہلا اور ابتدائی ردِ عمل یہ ہے کہ مبارک سلامت، شیرینی و گیت باجے کے روایتی سادہ اظہار کی نوبت بھی نہ آسکی۔ جس رشتہ کا یہ آغاز ہو خدا جانے اس کا انجام کیا ہوگا اور کیا کل شادی کے بڑے معاملے میں یوں نظر انداز کی جانے والی برادری اور محلے کے افراد کسی سرگرمی کا مظاہرہ کریں گے؟

آجکل انفرادیت، خودپسندی و خودنگری کے اس دور میں لوگ دوسروں کی شراکت، اُن کی رائے، اُن کی تجویز اور مشورہ ضروری نہیں سمجھتے اور اپنے معاملات کو دوسروں سے چھپا کر کرنے کو عقلمندی و ہوشیاری سے تعبیر کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے بُرے نتائج بھی خود ہی بھگتتے اور برداشت کرتے ہیں۔ کوّا ہوشیار بنتا ہے، مگر گندگی پر گرتا ہے۔ چیونٹی ننھی سی مخلوق ہے اس کے جسم کے مطابق اس کی عقل کیا ہوگی، مگر ان میں کس قدر اشتراکِ عمل اور شراکت کار پائی جاتی ہے کہ خوراک کے ذرا سے دانے کو سینکڑوں چیونٹیاں مل جل کر اپنے گھر تک لے جاتی ہیں۔ حالانکہ اس کی دریافت ایک آدھ کو ہوتی ہے، لیکن وہ خودغرضی کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ یہی حال شہد کی مکھیوں کا ہے ایک ملکہ کے حکم پہ سارا کنبہ اپنے اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہماری زندگی کے جتنے بھی معاملات ہوں وہ اجتماعی ہوں یا انفرادی، کاروبارِ حکومت ہو یا کسی ادارے کے انتظامی معاملات، ذاتی طور پہ رشتے لینے دینے کا معاملہ ہو یا کاروبار میں شراکت، گھریلو معاملات ہوں یا محلّے اور شہری اُمور باہمی مشورے سے طے ہونا ضروری ہیں کہ مشورہ میں برکت بھی ہے اور ذاتی معاملے کا بوجھ سب کے ساتھ مشورے سے کیا جائے تو اُس کے نتائج بھی دوسروں کی مدد سے برداشت ہو سکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا کا حکم یہ ہے۔ تم آپس میں مشورہ کرو اور جب مشورہ سے کوئی بات طے ہو جائے تو ارادہ کر لو اور خدا پہ توکّل کرو۔ اللہ یقیناً اس میں بہتری فرمائے گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

خوش کلامی و خوش گفتاری

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ سورۂ فاطر	پاک کلمات اور نیک اعمال لازم و ملزوم ہیں جن کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ سچی عزت کیا ہے جو خدا کسی کو دیتا ہے۔
۲	کلمۂ طیّب اور کلمۂ خبیث سے استدلال	کلمۂ طیبّہ توحید کا حکم بھی ہے مگر پاک و صاف گفتگو بھی مراد ہے۔ ورنہ کلمۂ خبیث اس کے مقابلے میں نہ آتا۔ دونوں کلمات اور گفتگوؤں کے اچھے برُے اثرات و نتائج۔
۳	مزید قرآنی دلائل	سورۂ آل عمران فظاً غلیظ القلب۔ سورۂ مومنون ھم عن اللغو معرضون۔ سورۂ فرقان واذا مروا باللغو کراماً۔ جنت کی صفت لاتسمع فیہا لاغیہ۔ سورۂ قصص۔
۴	تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت انسؓ کی روایت وغیرہ روایات و احادیث۔
۵	اعمال و اقوال صحابۂ کرامؓ	فرمان عیسویؑ۔ حضرت ابوبکر صدیق رض کا عمل۔
۶	زبانی گفتگو اور قلمی تحریروں دونوں پر اطلاق ہوتا ہے	علم بالقلم کی اہمیت۔ زبان کے اثرات وقتی اور قلم کے دیرپا ہوتے ہیں۔ موجودہ ادب نضر بن حارث کا عمل ہے۔ لہو الحدیث کی تشریح۔ سورۂ لقمان۔
۷	(۱) واقعات و امثال و مختلف (۲) قیمتی اقوال و اشعار	حضرت حکیم لقمان کا واقعہ۔ زبان کا گوشت کھلانا۔ مدینہ منورہ کی بدزبان خاتون۔ مولانا روم کا طرز عمل۔ احمد بن الحسینؒ۔
۸	انشا کی لبیانہ گوئی کا انجام	انسان چلتی پھرتی کتاب ہے۔ جو آدمی اپنی زبان اور عمل کے ناپاک نمونے چھوڑتا ہے وہ انسانی زندگی اور نظم کائنات کی تباہی کا باعث ہے۔ اسی لئے کلمۂ خبیث کو خداوند تعالیٰ استحکام نہیں بخشتا۔ خس کم جہاں پاک۔

Marfat.com

خوش کلامی و خوش گفتاری

آیت مع ترجمہ

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ۔ (سورۂ فاطر: ۱۰) جو آدمی عزّت چاہتا ہے تو سب عزّت صرف اللہ کے لئے ہے۔ اسی کی طرف پاک کلمے، ستھری گفتگو بلند ہوتی ہے اور نیک آدمی کا نیک عمل اس کے درجات بلند کرتا ہے جو لوگ محض سازشیں کرتے ہیں، بُری تدابیر سوچتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے۔ ان کی تدابیر اور مکر و فریب ملیا میٹ ہو کر رہ جائے گا۔

تفسیر و تشریح

قرآن کریم کے بائیسویں پارہ میں سورہ فاطر کی یہ آیات بتاتی ہیں کہ عزّت کا سرچشمہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان اگر عزّت چاہتا ہے تو اس کی صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک کلمہ طیّبہ کا زبان سے اقرار اور دوسرا اس اقرار کے بعد کلمۂ طیّبہ کے مطابق نیک عمل ہے۔ توحید الٰہی یعنی صرف خداوند تعالیٰ کو اپنا معبود ماننا، کارساز حقیقی، مُشکل کشا، روزی رساں اور حاجات برآری کا واحد ذریعہ سمجھنا کلمۂ طیبہ شجرِ پاکیزہ کی جڑ ہے۔ اس کلمہ کے اقرار کے بعد عمل صالح کرنے والوں کو خدا کا قرب ملتا ہے۔ اسی کے ذریعہ خدا تک رسائی ملتی ہے۔ اس کلمۂ توحید و طیّبہ کے مطابق عمل کرنے والے کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں قابلِ احترام اور لائقِ تعظیم ٹھہرتا ہے۔

کلمہ توحید کے ساتھ عمل لازمی ہے

کلمہ طیّبہ کے اقرار کے بعد درجات کی بلندی، خدا کی مخلوق میں تعظیم و تکریم اور خدا کے نزدیک عزّت مندی اور پسندیدگی کے لئے عمل صالح کی شرط لازمی ہے۔ جو لوگ خدا کے ان محبوب بندوں کو ان کے مراتب سے گرانے اور لوگوں کی نگاہوں میں رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے بُری چالیں چلتے ہیں۔ مکر و فریب سے کام لیتے ہیں اُن کی تمام چالیں ناکام ہوں گی اور انہیں سخت عذاب میں مُبتلا کیا جائے گا۔

سچی عزّت کیا ہے

یہ سورۃ فاطر مکّہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اہلِ مکّہ اور مشرکین قریش اسلام اور اہلِ اسلام سے جس قدر دشمنی کرتے تھے، ان کے خلاف سازشیں کرتے اور انہیں دینِ اسلام سے ہٹانے کی تدبیریں کرتے تھے۔ وہ صرف اپنی عزّت کے تحفّظ کے لئے کرتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بات چل گئی تو ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔ لا الٰہ الّا اللہ کی مار نہ صرف اُن کے بُتوں پہ پڑتی تھی بلکہ اُن کی

Marfat.com

سرداریوں، ان کی چودھراہٹوں اور اُن کے دنیاوی مراتب پر بھی پڑتی تھی۔ ان کی عزّت اور ان کا اثر و رسوخ سارے عرب پر پھیلا ہوُا تھا۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خدا سے کفر، سرکشی اور بغاوت کا راستہ اختیار کر کے جس عزّت کو تم عزّت سمجھتے ہو وہ جھوٹی عزت ہے حقیقی عزّت جو دنیا و آخرت تک پھیلی ہوئی ہے وہ صرف اور صرف خدا کی بندگی سے ملے گی۔ اس کے لئے کلمہ طیّبہ کا اقرار اور عمل صالح کی ضرورت ہے۔

کلمہ طیبہ کی تشریح

اس آیت میں کلمہ طیبہ سے جہاں مراد لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد الرسول اللّٰہ ہے۔ وہاں کلمہ طیّبہ کا مطلب سچّا اور سُچا قول، پاکیزہ گفتگو، سُتھری زبان اور شائستہ و شُستہ اندازِ تکلّم، مہذّب بول چال کا طریقہ بھی ہے کہ گفتگو کا یہی لہجہ اور پاکیزہ انداز جہاں انسان کیلئے خدا تک رسائی کا سبب بنتا ہے۔ اسے خدا کے ہاں مقبولیّت اور پسندیدگی حاصل ہوتی ہے، وہاں اس کا عمل صالح لوگوں کے دلوں میں اس کی عزّت و وقار اور احترام کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔

کلمہ خبیث کے اثرات

جھوٹا، خبیث قول، بدزبانی، بدگوئی، گالی گلوچ اور فحاشی و بے حیائی پر مبنی گفتگو کی نہ خدا کے ہاں پذیرائی ہوتی ہے نہ بندگانِ خدا کے ہاں تکریم و تحریم کا سبب بنتی ہے۔ جس طرح پاکیزہ گفتگو، شرافت اور عمل صالح کا آئینہ دار ہوتی ہے اسی طرح بُرا لب و لہجہ، بدگوئی و بدزبانی خبثِ باطن اور خباثتِ عمل کا عکس ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جتنا بھی فریب کریں، زبانی چرب زبانی سے کام لیں۔ نظر فریب اور دلکش روّیہ اختیار کریں، وہ حق اور سچائی کا راستہ نہیں روک سکتے اور ان کا یہ ڈھونگ ایک نہ ایک دن ان پر ہی اُلٹا ہو جاتا ہے۔

دیکھئے کسی برتن میں جیسی چیز ہوتی ہے وہ اسی طرح برآمد ہوتی ہے۔ اگر برتن میں گندگی بھری ہوئی ہو تو ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اس سے شہد برآمد ہو یا اس کی خوشبو سے دماغ معطّر ہو اور اس کے برخلاف اگر اس برتن میں مُشک بھرا ہوُا ہے یا اعلیٰ قسم کی خوشبودار چیز ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ڈھکن اُٹھتے ہی خوشبو کی مہک باہر نکلے گی جو اردگرد کے ماحول کو خوشبودار بنا دے گی۔ گندگی سے بھرے ہوئے برتن کی طرح بُرے اعمال، بُرے کردار اور بُرے اخلاق کے آدمی سے یہ ممکن نہیں کہ اس کی گفتگو پاک صاف اور سُتھری ہوگی۔

سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ ستھری زبان، پاکیزہ کلمات، شریفانہ لب و لہجہ کے اثرات و نتائج کو ایک مثال کے ذریعہ یوں سمجھاتے ہیں: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیّبہ پاک گفتگو کو کس چیز سے مثال دی ہے۔ اس کی مثال اچھی ذات کے درخت

Marfat.com

کی سی ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں گہری ہوتی ہیں اور شاخیں آسمان تک بلند ہوتی ہیں۔ وہ ہر آن اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے۔ یہ مثال لوگوں کو سبق حاصل کرنے کے لیے خدا نے دی ہے اور کلمہ خبیث کی مثال اس بدذات درخت کی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔ اسے کوئی مضبوطی اور استحکام حاصل نہیں ہوتا۔ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اُن کے اقوال، صاف ستھری گفتگو اور پاکیزہ لب ولہجہ کی وجہ سے دنیا و آخرت میں استحکام و ثبات عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ بھٹکاتا ہے۔ اللہ کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے۔

کلمہ طیّب اور خبیث کی قرآنی مثالیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پاک وصاف کلمہ و گفتگو یا تحریر اور بُری گفتگو، بُری تحریر اور بُرے ادب و انشا کی دو مثالوں کے ذریعہ وضاحت فرمادی ہے کہ نیک عقیدہ، اچھے اور صاف ستھرے خیالات جو سچائی پر مبنی ہوتے ہیں وہ اپنے خوشگوار اور صاف لب و لہجے کے اعتبار سے کائنات کے پورے نظام افزائش و نمو کی اسی طرح تائید حاصل کر لیتے ہیں جیسے پاک اور اچھی ذات کا درخت حاصل کرتا ہے۔ کائنات کا نظام اس سے تعاون کرتا ہے۔ فطری قوانین اس کی مطابقت کرتے ہیں۔ پاکیزہ بات، خوش گفتاری و خوش کلامی ایسی چیز ہے کہ جو شخص بھی اسے زندگی کا شعار بنائے گا، اسے اس کے مفید نتائج، اثرات و ثمرات ملتے رہیں گے۔ یہ ایسا پارس ہے جس کی تاثیر سے آدمی سونا بنتا ہے۔ ایسے آدمی، ایسی تحریر و تقریر اور گفتگو کی جڑیں اپنے ماحول اور اپنے ملنے والوں کے دلوں میں گہری اُتری ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کی عزت و احترام اور مقبولیت کی شاخیں آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ اس کی شیریں مقالی اور گفتگو کی مٹھاس کے بھرپور پھل سے لوگ مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

قولِ خبیث کے نتائج

اس کے برعکس خبیث کلمہ یا بالفاظِ دیگر بدزبانی، تلخ کلامی، ترش روئی، بدگوئی و بدکلامی کی مثال خبیث درخت کی ہے یا زیادہ وسیع معنوں میں بُرے عقائد یا بُرے خیالات، باطل نظریات پر مشتمل ادب، فحاشی و عریانی اور جنسی تفصیلات کے حامل لٹریچر کی مثال خبیث درخت کی ہے جو انسانی فطرت اور خالقِ کائنات کے طبعی اور فطری تقاضوں کے خلاف ہوتا ہے۔ لہٰذا قانون فطرت بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا نہ اس کی تائید کرتا ہے، نہ نظمِ کائنات اس کی مطابقت اور تصدیق کرتا ہے۔ زمین اس کی جڑیں قبول نہیں کرتی۔ لوگوں کے دلوں میں اس کے اثرات گہرے تو درکنار سرے سے ہوتے ہی نہیں۔ نہ اس کے تعلق، تعارف اور روابط کی شاخیں اُوپر اُٹھتی ہیں نہ پھیلتی ہیں۔ خدا نے انسان کو عمل کی آزادی اور اختیار نہ دیا ہوتا تو گندی اور فحش زبان و قلم سے لوگ پیدا ہی نہ ہوتے، نہ پنپ سکتے۔ ایسے لوگوں کی زبان و قلم کے پھل کڑوے کسیلے اور زہریلے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی جڑوں سے ایسے اُکھڑتے ہیں کہ ان کے ناموں کی فہرست مردہ کلمات میں بھری پڑی ہے۔ اکثر کا تو نام و نشان بھی باقی نہیں۔ ابولہب، ابوجہل اور یزید کے وجود کی جڑیں آج معاشرے میں کہاں موجود ہیں؟

Marfat.com

قولِ طیّب کے نتائج

مگر کلمہ طیّبہ ستھری زبان، پاکیزہ قول و فعل اور صالح عمل کے حامل لوگوں کو اللہ نے وہ پائیداری و استحکام بخشا سیرت کی مضبوطی عطا کی۔ اخلاق کی اولوالعزمی بخشی۔ ان کے فرمودات و اقوال کو جانداری دی کہ آج بھی اُن کے نام تاریخ کے اوراق میں، لوگوں کے سینوں اور دلوں میں منوّر اور روشن اور دنیا کی زبانوں پہ جاری و ساری ہیں۔

مزید قرآنی دلائل

سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے ہیں: فبما رحمۃٍ من اللہ لِنتَ لھم ولو کنت فظًّا غلیظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنھم واستغفر لھم۔ اے پیغمبرؐ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اُس نے تمہیں لوگوں کے لئے نرم مزاج بنایا ہے۔ ورنہ اگر تُند خو اور بد مزاج ہوتے تو یہ لوگ تمہارے اِرد گرد سے بھاگ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگو۔

اس آیت میں نرم مزاجی و خوش خلقی کو حضورؐ کی سیرت کی خوبی بتا کر اپنی خاص رحمت کا ذکر فرمایا کہ نرم مزاجی و خوش خلقی خدا کی رحمت ہے اور بدمزاجی اور بدخلقی گویا خدا کی رحمت سے محرومی ہے، خدا کا غضب ہے اور اسی نرم مزاجی کو لوگوں میں ہر دلعزیزی، محبوبیت اور عقیدت مندی و احترام کا سبب قرار دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ سورۂ مومنون میری موجودگی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پہ نازل ہوئی۔ جب اس کا نزول مکمل ہوا تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے دس باتیں ایسی بتائی ہیں کہ اگر کوئی شخص انہیں اختیار کرے تو وہ یقیناً جنّت میں داخل ہوگا۔ ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ: وَالّذِینَ ھُم عن اللغو معرضون۔ اہلِ جنت بیکار، لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے بچتے ہیں۔ مومن فضول بیکار باتوں مجلسوں اور مشاغل سے کنارہ کش رہتا ہے۔ سورۂ فرقان میں اہلِ جنت کی اسی صفت کو یوں بیان فرمایا: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا۔ مومن لوگ اور خدا کے محبوب بندے جب فضول، بے ہودہ اور بیکار محافل و مشاغل سے گزرتے ہیں تو شائستہ انداز سے آنکھ بچا کر گزر جاتے ہیں اور اُن میں شریک نہیں ہوتے۔

مومن آدمی، خدا کا پسندیدہ بندہ اور اہلِ جنت اپنی زندگی کے عرصہ کو امتحانی ہال کی مدت قلیل سمجھتا ہے جس طرح کوئی طالب علم ہال میں بیٹھ کر پرچہ حل کرتے ہوئے اس وقفے کے ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھتا ہے۔ اسے فضول اور بے کار مصروفیت میں نہیں گزارتا اور اپنے پرچے میں لاتعلق اور بیکار جوابات کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ وہ اپنے متعلقہ سوالات پر پوری توجہ دیتا ہے اور اس تھوڑے وقت میں سوالات کی حدود میں رہ کر جواب دیتا ہے، وقت ضائع نہیں کرتا تاکہ اس کے مستقبل اور نتیجہ پہ بُرا اثر نہ پڑے۔ مومن آدمی کا رویّہ بھی زندگی کی مختصر مدت میں خدا کے احکامات کی تعمیل میں گزرتا ہے۔ وہ فضول محافل، بیہودہ گوئی، ڈرامہ بینی، فلم بینی، فحش و عریاں مناظر و مجالس سے دُور رہ کر انہی باتوں اور کاموں پہ توجہ دیتا ہے جن میں آخرت کے نتیجہ میں کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

Marfat.com

جنت کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ لا تسمع فیہا لاغیہ۔ جنت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات نہ ہوگی۔ سورۂ قصص میں مومن لوگوں کی یہ تعریف بیان ہوئی ہے۔ واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلام علیکم لا نبتغی الجاھلین۔ مومن لوگ بے ہودہ باتوں اور فضول تکرار میں نہیں پڑتے۔ ایسا موقعہ آئے تو کہتے ہیں۔ ہم اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں اور آپ اپنے عمل کے۔ ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگتے، ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔

تعلیماتِ نبوی ؐ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ؐ نہ گالی دیتے تھے نہ لعنت فرماتے اور نہ غصّہ کرتے۔ انہی کی روایت ہے کہ آپ ؐ نے حضرت ابوذر غفاری ؓ سے فرمایا کہ تمہیں دو خصلتیں ایسی نہ بتاؤں جن کا بوجھ دُنیا میں ہلکا مگر آخرت میں وزن زیادہ ہے۔ ابوذر غفاری ؓ نے کہا۔ ضرور بتائیں۔ حضور ؐ نے فرمایا۔ ایک خاموشی، دوسری نیک خوئی۔ پھر حضور ؐ نے قسم اُٹھا کر فرمایا۔ ان دو کاموں سے بہتر کوئی کام نہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضور ؐ کا ارشاد ہے کہ خاموشی سے انسان کو جو مرتبہ ملتا ہے وہ ساٹھ برس کی عبادت سے زیادہ ہے۔

۱۔ ایک صحابی ؓ نے دریافت کیا۔ حضور ؐ ہمیں قیامت میں کس بات کا ڈر ہونا چاہیئے۔ آپ ؐ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ "اس کا"۔ یعنی زبان کی گرفت سخت ہے۔ آدمی کی دلآزاری، غیبت، چغلی، بدزبانی، خوشامد، بہتان تراشی، جھوٹ، دھوکہ دہی، بدنامی، فریب، افواہ سازی، کردارکشی جیسے تمام جرائم کے سوتے اسی زبان کے چشمے سے پھوٹتے ہیں۔

۲۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ؐ نہ تو بالطبع فحش گو تھے، نہ زیادہ چیخ کر بات کرنے والے، نہ بُرائی کا بدلہ لینے والے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور ؐ فرماتے کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک بدترین شخص وہ ہوگا جس کے شر اور زبان کی بدگوئی کے باعث لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔

۳۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ سے ایک دن حضور ؐ نے فرمایا۔ تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کے اختیار کرنے سے تمام باتیں آجاتی ہیں۔ حضرت معاذ ؓ نے کہا۔ ضرور بتایئے، تو حضور ؐ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا۔ اس کی حفاظت کرو۔ پھر فرمایا۔ معاذ ؓ! آدمی کو زبان ہی مُنہ کے بل دوزخ میں ڈالتی ہے۔ حسین بن سنان ؓ حضور ؐ کے انتہائی فرمانبردار صحابہ ؓ میں سے تھے۔ حضور ؐ کی ان تعلیمات کا ان پر یہ اثر تھا کہ جب کوئی بات فضول اور لغو منہ سے نکل جاتی تو اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے ایک سال کے روزے رکھتے۔ مالک بن دینار ؒ فرماتے ہیں۔ لغو باتیں کرنے والے کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ کام کاج میں سست ہو جاتا ہے اور بیہودہ باتیں کرنے والے کے رزق میں کمی آجاتی ہے۔

اعمال و اقوال صحابہ ؓ و صلحاء ؒ خاموشی عالموں کی زینت ہے۔ جاہلوں کی جہالت پر پردہ ہے۔ تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ جب تک کوئی آدمی بات نہیں کرتا اُس کے عیب و ہُنر

چھپے رہتے ہیں۔ گفتگو آدمی کو مزاج اور اخلاق کے اعتبار سے ننگا کر دیتی ہے۔ لوگوں پر اس کا مزاج، اخلاق و افکار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اُن کے ماننے والوں نے پوچھا۔ ہمیں ایسی بات سکھائیں جس پر عمل کر کے جنت مل جائے۔ فرمایا۔ دوستو! چپ رہا کرو۔ ہم بیکار باتیں کر کے خدا کے ہم پر مقرر فرشتوں کو بھی آرام کرنے نہیں دیتے اور خود بھی بے آرام ہوتے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ اگر ثواب کے دس حصے ہوں تو زیادہ ثواب کس عمل پر ملے گا۔ فرمایا۔ نو ۹ حصے خاموش رہنے والے کو باقی دوسرے اعمال کو۔ امام شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ انسان کی عقل میں اضافہ کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا تین باتوں پر عمل کرنے سے (۱) ایک علماء کی صحبت اختیار کرے (۲) اچھے دوستوں کا انتخاب کرے۔ (۳) خاموشی اختیار کرے۔ بیکار باتوں سے پرہیز کرے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ پتھر منہ میں ڈال لیتے تھے۔ یہ ایک دن کی بات نہیں کئی سالوں سے اُن کا معمول تھا۔ وُہ اِس لئے ایسا کرتے کہ زبان بند رہے۔ نماز اور کھانا کھاتے وقت پتھر نکال لیتے ۔۔۔ ربیع بن خیثم فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں کئی سالوں سے ایسا کرتے دیکھا جس سے انہیں کم گوئی کی عادت پڑ گئی۔ اس کے باوجود مرتے وقت دوستوں سے فرمایا۔ مجھے اس زبان نے مصیبت میں ڈالا ہے۔

حضرت عمرؓ ایک دن مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی زبان اپنے ہاتھوں سے مروڑ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ یہ کیا کر رہے ہیں۔ جواب میں فرمایا۔ گوشت کا یہ لوتھڑا خطرناک چیز ہے آدمی کو چاہیئے کہ اسے قابو میں رکھے ۔۔۔ ربیع بن خیثم کا خود یہ معمول تھا کہ قلم اور کاغذ پاس رکھتے تھے جب بلا ضرورت بات منہ سے نکل جاتی تھی تو نوٹ فرماتے اور رات کو وہ کاغذ لے کر حساب کرتے اور ہر بلا ضرورت بات پر افسوس کرتے کہ کاش میں یہ نہ کہتا۔ افسوس ایسا نہ کہتا۔ اس محاسبے اور طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے آخری بیس سالوں میں ایک بھی بیکار بات نہ کہی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

کلام چاندی سکوت سونا مفید تر ہے خموش رہنا

قرآن کریم کی ان آیات، احادیث نبویؐ اور صحابۂ کرامؓ و نیک بندوں کی اس تفصیل و تشریح کا مطلب یہی ہے کہ خوش کلامی، پاکیزہ بات، ستھری گفتگو، شائستہ لب و لہجہ خدا کا مقبول، پسندیدہ اور جنت کا حقدار بناتا ہے۔ اس کے نتائج خدا تک رسائی، ہر دلعزیزی اور مخلوقِ خدا میں مقبولیت کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔ اس کے اچھے اثرات و نتائج سے دنیا مستفید و مستفیض ہوتی ہے۔ لوگوں کے اخلاق سُدھرتے اور کردار سنورتا ہے جو انسان کی اپنی بنیادیں مستحکم، پائیدار اور لازوال ہوتی ہیں۔ جبکہ بے ہودہ، لغو اور فضول گفتگو، بدگوئی، بدکلامی، بدزبانی، خدا کی ناراضگی، غضب اور غصّے کا سبب بنتی ہے۔ وہ درخت خبیث کی مانند نہ پھل دیتا ہے نہ سایہ رکھتا ہے۔ یعنی لوگوں کے لئے اس کا وجود بیکار، بے فائدہ بلکہ خودرو خاردار جھاڑیوں کی طرح نقصان دہ اور ضرر رساں ہوتا ہے نہ اس کی اپنی ذات مستحکم ہوتی ہے اور نہ اس کے نتائج و اثرات میں رفعت علو اور بلندی ہوتی ہے۔ اُس کی گفتار، اُس کے کردار کا آئینہ ہوتی ہے۔ وہ ایسا برتن ہوتا ہے جس میں گندگی بھری ہوتی ہے۔

Marfat.com

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جس طرح خیالات کے اظہار کا ذریعہ زبان ہوتی ہے۔ اسی طرح خیالات کے اظہار، تبلیغ و تشریح کا ذریعہ تحریر بھی ہے جسے قلم کے ذریعہ پھیلایا جاتا ہے اور قلم کے اسی علمی ذریعہ کی اہمیت کا اندازہ قرآن کریم کی پہلی وحی سے ہوتا ہے جہاں علم اور قلم کا ساتھ بتایا ہے۔ اقراء و ربک الاکرم۔ الذی علم با القلم۔ علم الانسان ما لم یعلم۔ پڑھو تعلیم حاصل کرو کہ تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا جسے وہ نہ جانتا تھا۔ پیغمبری کے منصب عظیم کی پہلی ضرورت، اولیت اور اہمیت تعلیم تھی۔ تخلیق انسانی کے متصل ذکر کے بعد تعلیم انسانی کا حکم ہوا۔ اقرار اگر زبان کے ذریعہ پڑھنے اور حصول تعلیم کا سبب ہے تو علّم با القلم فرما کر قلم کو آئندہ نسلوں تک علمی ذخائر سے مستفید ہونے اور تعلیم کی توسیع و تحفیظ کا سبب بھی بتایا۔ اس اعتبار سے سوچا جائے، غور کیا جائے تو زبان سے نکلے ہوئے کلموں کو جن دو قرآنی ناموں شجر طیب اور شجر خبیث کے ذریعہ سمجھایا ہے اسی طرح قلم کے نکلے ہوئے الفاظ پر بھی ان مثالوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور پھر زبان سے نکلا ہوا لفظ محدود سامعین پر محدود اور وقتی اثر ڈالتا ہے جبکہ قلم کا لکھا ہوا کلمہ وسیع اثرات اور دیرپا نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے طیب اور خبیث اثرات و ثمرات بھی اس زبانی کلمہ سے زیادہ ہوں گے۔

کلمہ زبان اور کلمہ قلم کی اہمیت

اس بنیادی نکتہ کے بعد لکھنے والے پر بھی وہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو زبان سے کہنے والے پر ہے اور یہ ذمہ داری اگر حق ہے اور یقیناً حق ہے تو پھر ہمارا ادب، ہمارا لٹریچر، ہماری صحافت، ہماری تصنیفات، تالیفات، رسائل، ہماری شاعری، ہمارے افسانے، ڈرامے اور ناول وغیرہ کے ذریعہ جو مزاج، ذہن اور فکر متاثر ہو رہا ہے۔ اس سے کسی سمجھدار انسان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ آج اگر ہمارے اخبارات، ہمارا ادب اور ہماری شاعری اور دوسرے علمی موضوعات، اسلامی تعلیمات اور خدائی احکامات کی تشریح اور علم با القلم کی ضرورت پوری نہیں کر رہے اور اس کی بجائے لادینی افکار و نظریات، خدا سے سرکشی و بغاوت، خدائی احکامات کی تکفیر، تنکیر و تحقیر کے ساتھ ساتھ فحاشی، بے حیائی، بے راہروی، جنسی میلانات و رجحانات، بے ہودہ مشاغل اور خرافات پر مشتمل قلم کاری کے شغل لھو الحدیث میں مبتلا ہیں تو وہ سورۂ لقمان کے مطابق نضر بن حارث کا کردار ادا کر رہے ہیں، جنہوں نے حضورؐ کے ابتدائی دور میں حضورؐ کی پاکیزہ اور ستھری دعوت اور تحریک کے مقابلے میں مشرکین مکہ کو اپنی خدمات پیش کر کے ان کی راہ میں ان بیہودہ اور لھو الحدیث کی ذیل میں آنے والے مشاغل کا رواج دیا، جو دعوت دین اور تحریک اسلامی کے مقابلے میں آج کل کی طرح زیادہ پرکشش اور مرغوب تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعید نازل ہوئی ــــ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا اولٰئک لھم عذاب الیم۔ انسانوں میں سے کوئی ایسے ہیں جو دلفریب کلام، بیہودہ مشاغل خرید کر لاتے ہیں تاکہ ان کی کشش اور رغبت کے ذریعہ لوگوں کو خدا کے راستہ سے اپنی ذاتی بے علمی، بے دانشی اور بیوقوفی کے باعث ــ ہٹا دیں اور آیات الٰہی و احکامات خداوندی کا مذاق اڑائیں۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت دردناک عذاب ہے۔ (سورۂ لقمان، آیت: ۲۔ تفہیم القرآن)

اس آیت کی تشریح اور سبب نزول کی روشنی میں کسی بھی مسلمان اہل قلم کو یہ مناسب نہیں کہ وہ نضر بن حارث کا کردار ادا کر کے اپنی ادبی تحریری صحافتی اور شاعرانہ صلاحیتوں کو لھو الحدیث کی فراہمی میں لگائے اور مسلمانوں کو دین کے راستے سے

Marfat.com

برگشتہ کرنے میں اپنا سارا زورِ قلم صرف کرے بلکہ اس کا حق ہے کہ اس کا ہر قلم پارہ اسلام کی تشریحات اور اس کی مدافعت ہو۔ یہیں سے اسلامی ادب اور لادینی ادب یا بالفاظ دیگر قرآنی ادب اور نضر بن حارث کے لادینی ادب کی راہیں جدا ہوتی ہیں، ورنہ قیامت کے دن جس طرح زبان کے ذریعہ پھیلانے والے فتنوں پر مواخذہ ہوگا وہاں قلم کے زہرا قلم کے ہنگامے اور قلم کے ذریعہ ڈالے گئے فسادات، گمراہیاں، جھوٹ، افتراء، بہتان تراشی، کردارکشی، افواہ سازی، بری خبروں کی اشاعت، غلط افواہوں کی تشہیر، فحاشی، بے حیائی، جنسی بے راہروی پر مواخذہ ہوگا اور بڑا سخت ہوگا۔

سورۂ اسراء کے ارشاد کے مطابق وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ - میرے بندوں سے کہہ دو وہ جو بات کریں وہ خوبصورت، احسن اور خوشگوار ہو۔ جہاں گفتگو کے لئے یہ ادب اور نصیحت ہے وہاں قلم کار کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی دور میں بدکلامی نے کسی انسان کو فائدہ نہیں دیا۔ پہلا دور تحریر اور چھاپہ خانوں کی قلت بلکہ عدم وجود کا دور تھا۔ اس دور میں زبان ہی فتنے ڈھاتی تھی۔ آج زبانوں کا دائرہ محدود اور قلم کا دائرہ وسیع ہے۔ آج قلم اور لٹریچر ہنگامے برپا کرتا ہے اور انسانوں کو انسانوں بلکہ ملکوں کو ملکوں سے لڑاتا ہے۔ خوش کلامی کی طرح خوش تحریری نے بھی ہمیشہ فتح پائی ہے اور دلوں کو مسخر کیا۔ بدکلامی کی طرح بری تحریر بھی غیر فطری عمل ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ۔ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ - زبان پر آیا ہوا ایک لفظ بھی ہمارے نگران فرشتوں کے ریکارڈ میں محفوظ ہو جاتا ہے جس طرح ہم دیکھتے ہیں سائنس کی اس ترقی میں کہیں بھی بات ہوتی ہے یا کوئی حرکت ہوتی ہے تو وہ لہروں اور کیمرہ کی آنکھ میں محفوظ ہو کر ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ گھروں کے کمروں تک ہمیں دکھائی اور سنائی دیتی ہے۔ سائنس نے قرآن کی اس سچائی کو ثابت کر دیا۔ انسان کی ذراسی جنبشِ ابرو اور زبان کا لفظ ریکارڈ ہو جاتا ہے اور یہ ٹیلی ویژن رپورٹ اپنی تمام جزئیات و تفصیلات کے ساتھ ہمیں قیامت کے دن دکھا دی جائیگی قلم کار اور اہل قلم تو خود اپنی تحریروں کے ذریعہ اپنا ریکارڈ بنانے میں مصروف ہے۔

واقعات و امثال

کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت لقمانؑ کو ان کے چند دوستوں نے بکری کے گوشت کا لذیذ حصہ پکا کر کھلانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے بکری کا دل اور زبان انہیں پکا کر کھلائی اور کہا ان سے بہتر گوشت کا کوئی حصہ لذیذ نہیں۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ دوستوں نے خوب مزے لے کر کھایا۔ چند دنوں بعد انہوں نے پھر فرمائش کی، مگر اس دفعہ بکری کے گوشت کے برے حصے کے کھانے کا کہا۔ حضرت لقمانؑ دانا آدمی تھے جن کی دانائی کی تعریف قرآن میں سورۂ لقمان میں موجود ہے۔ انہوں نے دوبارہ دل اور زبان پکوا کر ان کے سامنے پیش کیا۔ دوستوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ یہ کیا بات ہوئی کہ یہی حصے اچھے بھی تھے اور برے بھی، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے فرمایا۔ یہی چیزیں اچھی بھی ہو سکتی ہیں اور یہی بری بھی۔ ان سے اچھا کوئی دوست ہو سکتا ہے۔ اگر ان کا استعمال نیکی، خوبی اور اچھائی سے کیا جائے اور ان سے بڑھ کر کوئی دشمن ہو سکتا ہے جب انہیں برائی و بدگوئی میں استعمال کیا جائے۔ کسی دانا نے کہا ہے کہ زبان تلوار نہیں مگر تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ بات اگرچہ تیر نہیں مگر تیر سے زیادہ نوکدار ہے۔

فہم سخن گر نکند مستمع　　　قوتِ طبع از متکلم مجو

Marfat.com

(اگر تمہاری بات کوئی نفع نہ دے سکتی ہو تو اپنی خوبیٔ گفتار کو بولنے کی تکلیف نہ دو) ۔ حاتم اصمؒ کی وصیت ہے کہ زبان کو نگاہ میں رکھو۔ عقل پہ تول کر جواب دو۔ بات صرف اس وقت کرو جب کوئی چارہ کار نہ رہے۔ زبان میٹھی ہو تو اس سے زیادہ بہترین دوست نہیں اور یہی زبان اگر کڑوی ہو تو اس سے بڑھ کر انسان کا اپنا کوئی دشمن نہیں۔ زبان کے کاٹے کا کوئی تریاق نہیں۔ سورۂ لقمان میں حضرت لقمان بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں کہ : واغضض من صوتك ان انكر الاصوات لصوت الحمير۔ میرے بیٹے آواز میں نرمی اور دھیما پن پیدا کرو۔ کیونکہ آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہے۔

۲ ۔ مدینے میں ایک مسلمان خاتون رہتی تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات تھے۔ ایک دن صحابہ کرامؓ کی محفل میں اس خاتون کا ذکر آیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کی بڑی تعریف کی کہ بڑی نیک ہے، صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے اور صدقہ و خیرات میں بڑھ چڑھ کر ہے۔ راتوں کو عبادت میں مصروف رہتی ہے، مگر یہ کمزوری ہے کہ سخت زبان ہے۔ تند مزاج اور بدخو ہے۔ کوئی کام مرضی کے خلاف ہو تو بگڑ بیٹھتی ہے۔ اُس کی بدکلامی سے سب عاجز اور تنگ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر تو اس کی ساری عبادتیں بیکار گئیں۔

عبادات کا مقصد نفس پر قابو پانا اور نفس کو شریف بنانا ہے۔ خدا اور رسول خداؐ نے جن باتوں سے سختی کے ساتھ تاکید فرمائی ان میں زبان کے شر سے بچنے پہ زور دیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے : قولوا للناس حسنا ۔ جب لوگوں سے بات کرو تو اچھی بات کرو ۔ لہجے میں تیزی اور تندی نہ آنے پائے ۔ دنیا میں ہزاروں کام اسی زبان سے بنتے اور اسی سے بگڑتے ہیں۔ دلوں میں محبت اور نفرت کے دونوں بیج اس زبان سے بوئے جا سکتے ہیں۔ تعلقات میں خوشگواری اور دلآزاری اسی زبان کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اسی زبان میں کوئی چاہے تو مٹھاس بھی ہے اور کوئی چاہے تو کڑواہٹ بھی ہے۔ معاشرتی بگاڑ، فساد، دشمنی اور نفرتوں کی کھیتیاں زبان بوتی ہے اور اسی معاشرے، محلے، رشتوں میں پیار ومحبت، اخوت، ایثار و قربانی کی فصلیں یہی زبان کاٹ سکتی ہے۔ دل بدست آور کہ حج اکبر است ۔ فارسی کا محاورہ ہے کہ دلوں کو مسخر کیجیے تو حج اکبر کا ثواب بیٹھے بٹھائے مل سکتا ہے اور دل میٹھی زبان اور خوش کلامی کے ذریعہ ہی مسخر ہو جاتے ہیں۔

۳ ۔ مولانا رومؒ ایک دفعہ راستہ سے گزر رہے تھے کہ دیکھا دو آدمیوں کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھیں۔ ایک ایک سناتا تو دوسرا جواب میں دو سناتا ۔ جواب در جواب کی رفتار بڑھ رہی تھی کہ ان میں سے ایک نے اعلان کیا۔ تم ایک کہو گے تو میں دس سناؤں گا ۔ مولانا رومؒ دس سنانے والے کے پاس گئے اور فرمایا ۔ بیٹا! ساری گالیاں تو مجھے دے دے، میں ایک بھی نہ لوٹاؤں گا ۔ تیرے دل کی آگ اگر گالیوں سے ٹھنڈی ہوتی ہے تو مجھے جی بھر کر سنا دے۔ مولاناؒ نے یہ بات کچھ ایسے انداز سے کہی کہ دونوں گالیاں بکنے والے لڑنا چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگے۔ شرمندہ ہوئے اور چپ ہو کر چلے گئے۔ گالی دینا بیوقوفی کی علامت ہے ۔ اس سے نہ گالی دینے والے کو مادی فائدہ ہوتا ہے نہ سننے والے کو کوئی مالی نقصان ملتا ہے۔ مگر ایک بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ گالی دینے والا اور بدزبانی کرنے والا کوئی

Marfat.com

شریف آدمی نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ دیکھو تمہاری زبان سے کسی کا دل نہ دُکھے۔ کسی مسلمان یا غیر مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے مسلمان کی تعریف ہی یہی ہے کہ لوگ اُس کی زبان اور ہاتھ سے سلامتی اور امن میں رہیں۔

اقوال و اشعار

فارسی کا خوبصورت اور کتنا مفید محاورہ ہے

سخن دُرست، دُر است — ہر کہ دَریافت دُریافت

درست سیدھی بات ہوتی ہے جس نے بھی اسے پایا گویا موتی پالیا۔ (۴) احمد بن ابی الحسین ؒ جسے دیکھتے پہلے سلام کرتے حتیٰ کہ حیوانات اور جانوروں سے بھی بدکلامی نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک سؤر کو دیکھا تو فرمایا۔ انعم صباحاً۔ صبح کا جام محبت بخشے۔ کسی نے کہا۔ حضرت یہ کیا سؤر سے ایسی بات؟ فرمایا۔ ہاں اچھی بات بولنے کی عادت ڈال رہا ہوں۔

20 روئے کہ از وے دل نہ کشاید ندیدنی است — حرفے کہ نیست مغز درو ناشنیدنی است

جس چہرے سے دل میں کشادگی پیدا نہ ہو اُس کا نہ دیکھنا اور جس بات میں کوئی مغز نہ ہو اُس کا نہ سننا بہتر ہے۔ بات کرنے کا سلیقہ بھی ایک فن ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو آدمی زیادہ باتونی ہو وہی اچھی گفتگو کا فن بھی جانتا ہو۔ دوسروں کی بات کو صبر و تحمل سے سُننا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا اچھی اور اعلیٰ گفتگو کرنا۔ بیوقوف اور جاہل کو اسی انداز میں جواب دینا خود اپنی حماقت اور جہالت کی دلیل ہے۔ نرم جواب غصّے کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ کسی قسم کے ہتک آمیز الفاظ کسی کو ذلیل نہیں کر سکتے۔ ہاں ایسے الفاظ سے انسان خود ذلیل ہو جاتا ہے

زیاں ناز باناں نگفتن بود — زیاں با نہ بازباں بگفتن بود

121 نقصان بُری زبان بولنے میں ہے اور ایسی زبان نہ بولنے میں نقصان نہیں ہے۔ اپنی ذات کے بارے میں زیادہ گفتگو اچھی نہیں بلکہ دوسروں کو اپنے بارہ میں بولنے دیا جائے۔ کسی آدمی کی عقل، علم، شرافت و نجابت کا اندازہ اس کے غصّے کی حالت میں ہوتا ہے، جتنا وہ غصّے میں بدکلامی و بدزبانی کرے گا اسے اتنا ہی عقل، علم اور شرافت سے گرا ہوا پاؤ گے۔ سمجھدار کہا کرتے ہیں کہ اگر کوئی گُڑ سے مر سکتا ہے تو زہر دینے کی کیا ضرورت ہے۔ دوسرے کی گفتگو تحمّل سے سنو۔ قطع کلامی نہ کرو۔ ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بات سنی جائے۔ اسی وقت بولا جائے جب بولے بغیر چارہ نہ ہو۔

21 دو چیز تیرہ عقل است لب فرو بستن — بوقت گفتن، و گفتن بوقت خاموشی

دو باتیں عقل کی تیرگی کا ثبوت ہیں۔ بولنے کا وقت آئے تو ہونٹ سی لئے جائیں اور خاموشی کے موقعہ پر بولنا شروع کر دیا جائے۔ بہت زیادہ باتونی ہونا اکثر نقصان کا موجب ہوتا ہے۔ جھاڑیوں میں چھپا ہوا پرندہ نہ بولتا تو شکاری کو اس کی موجودگی کا کیسے پتہ چلتا۔ اُردو کے مشہور شاعر انشاء اللہ خان کو اُس کے باتونی پن نے ایسا نقصان پہنچایا کہ اس کی ساری قابلیت، علمی برتری اور شاعرانہ صلاحیت خاک میں مل گئی۔ بات اتنی ہی ہوئی تھی کہ بادشاہ کے دربار میں نجیب الطرفین۔ ننھیال اور دادھیال دونوں خاندانوں کی طرف سے شریف لوگوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے

اپنے بارہ میں کہا کہ میں بھی نجیب الطرفین ہوں۔ انشاء کی زودگوئی اور لسبانیہ گوئی کی عادت نے اُس کے منہ سے بنو سوچے سمجھے بغیر نکلوادیا۔ آپ "انجب" ہیں۔ یعنی کنیز کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت بھی تھی، لیکن ہو سکتا ہے انشاء کا مطلب نجیب سے اسم تفضیل کے معنی مراد ہوں یعنی بہت زیادہ شریف۔ لیکن بادشاہ نے اپنی داڑھی میں تنکا پالیا اور انشاء کو گھر میں نظر بند کر دیا اور وہیں گوشۂ گمنامی میں مرکر نکلا۔ بلا سوچے سمجھے ایک لفظ نے نہ صرف انشاء کی ذات پر ظلم ڈھایا بلکہ اُردو ادب، اُردو شاعری اور انشاء کی علمی بصیرت سے دنیا محروم ہو گئی۔

دنیا کے دارالمطالعوں میں، مدرسوں اور درسگاہوں میں انسان کے لئے انسان ہی سہل الحصول اور سب سے بڑھ کر مفید کتاب ہے جس کے مطالعے، طور و اطوار، رفتار و گفتار سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ جو لوگ اپنے ناپاک اخلاق کا بُرا نمونہ اور اپنی گفتار کا بُرا انداز لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ نہ صرف انسانی زندگی کو تباہ کرتے ہیں بلکہ نظام قدرت میں بدنظمی و بدعملی پھیلانے کے بھی مجرم ہیں۔ اسی لئے خداوند تعالیٰ کلمہ طیب کو پائیداری کی جزا اور کلمہ خبیث کو ناپائیداری کی سزا دیتا ہے کہ اس کا ثبات و استحکام نظم کائنات کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ خس کم جہاں پاک۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

Marfat.com

احساسِ مرگ موت کا تصوّر

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ سورۂ نساء	موت کا راستہ بند نہیں ہو سکتا کسی نے بھی زندہ نہیں رہنا۔ قرآن کی دوسری آیات۔
۲	موت اور زندگی کا فلسفہ	سورۃ الملک۔ موت کا ذکر پہلے ہے۔ خلق الموت والحیاۃ زندگی میں موت کو مقدم سمجھا جائے۔
۳	موت غیر متنازعہ ہے	تمام فلسفے نظریے بلکہ خدا اور انبیاءؑ تک متنازعہ ہے لیکن موت سے کسی کو اختلاف نہیں۔ قرآنی آیات۔ ہمارے تجربات اور مشاہدے
۴	ہمارا عمل اور رویّہ موت کو نہیں مانتا	طویل المیعاد منصوبہ کاری۔ تعمیر میں پختگی و پائیداری۔ تجارت میں غیر معینہ طویل سرمایہ کاری۔ پختہ مضبوط اور گارنٹی شدہ اشیاء کی خریداری۔ شہروں اور دیہات میں جنازگاہوں کا نہ ہونا۔ قبروں کے لئے عدم منصوبہ بندی۔
۵	ارشادات اور سنّت رسولؐ صحابہؓ کا طرز عمل اقوال و اشعار	موت کا ہر وقت یقین۔ زندگی کی مختصر مہلت۔ ہوشیار وہ ہے جو موت کو یاد رکھے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ اور دوسرے اولیاءؒ کی بے سروسامانیاں۔ زندگی رہگذر ہے۔
۶	واقعات و امثال	راجہ سکھدیو کا راجہ جنک کے پاس جانا جسکے سر پر موت کھڑی ہو اُسے دنیا کی لذتوں اور تماشوں کا دھیان نہیں ہوتا۔ حسن بصریؒ کا عبرت آموز واقعہ۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ کا فکرِ آخرت کرنا۔ خلیفہ مہدی کا محل چھوڑنا۔
۷	ہمارا رویّہ کیسا ہو؟	دُنیا سے بیگانہ نہ ہونا چاہیئے مگر اس میں کھو کر خدا کی یاد اور موت سے غافل نہ ہو۔ بطخ اور کشتی کی مثال۔ دل بیار دست بکار۔ سورۂ منافقون لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذالک فاولٰئک ھم الخسرون۔ دنیا کمائے خدا کی راہ میں لگائے۔ وانفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت۔

Marfat.com

احساسِ مرگ یا موت کا تصوّر

آیت معہ ترجمہ

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ۔ (سورۃ النساء: ۷۸) ۔ تم جہاں بھی ہوگے موت تمہیں ڈھونڈ لے گی۔ اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہوگے۔

تفسیر و تشریح

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت اور دوسرے متعدد مقامات پر آیات انسان کو اس کی زندگی کے مختصر عرصہ کا یقین دلا کر یہ احساس دلاتی ہیں کہ انسانی زندگی کا انجام بھی کائنات کی دوسری متعدد اشیاء کی طرح فنا اور موت ہے تاکہ آدمی اپنی اس مختصر زندگی میں اس کی تیاری میں لگا رہے اور یہ نہ سمجھے کہ اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہاں رہنا ہے اور زندگی کی تمام آسائشوں، لذتوں اور نعمتوں سے مستفید ہوتے رہنا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات پر ہی موقوف نہیں ہم خود روزانہ بچشم سر دیکھتے رہتے ہیں کہ ہمارے رشتہ دار، تعلق دار، دوست و احباب، آشنا و ناآشنا ہمارے دیکھتے دیکھتے اس جہانِ فانی سے چل بسے ہیں۔ جنہیں ہم خود اپنے ہاتھوں سے دفناتے، کفناتے اور قبروں میں اُتارتے ہیں اور ان تمام مرنے والوں میں امیر غریب، جاہل و عالم، بادشاہ و رعیّت، پیر و مرید حتیٰ کہ پیغمبروں تک کو کوئی تمیز، کوئی رعایت اور کوئی مہلت نہیں ملی۔ اذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعۃً ولایستقدمون۔ جب موت کی گھڑی آتی ہے تو ایک سیکنڈ کی نہ تاخیر ہوتی ہے اور نہ پہل ہوتی ہے۔ ٹھیک اپنے وقت اور مقررہ مقام پر آجاتی ہے۔ تمام حفاظتی اقدامات، نگرانیاں احتیاطیں، علاج معالجے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ عزرائیلؑ اور اس کے ماتحت کارندے اپنا کام کر جاتے ہیں۔ نہ انٹیلی جنس کے انتظامات بچا سکتے ہیں نہ شاہ و وزراء کے حفاظتی دستے موت کے آگے گھیرا ڈال سکتے ہیں اور نہ ٹینک اور مضبوط قلعے اور مورچے موت کا راستہ روک سکتے ہیں۔

موت غیر متنازعہ ہے

کُل من علیھا فانٍ ویبقیٰ وجہُ ربّك ذوالجلال والاکرام۔ ہر چیز کا انجام فنا ہے باقی صرف اللہ کا نام رہے گا۔ کُلّ نفسٍ ذائقۃ الموت۔ ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ خود سرکارِ دوجہاںؐ اور ساری خدائی کی وجہ تخلیق اور سبب پیدائش نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرمادیا۔ وما جعلنا لبشرٍ من قبلك الخلد۔ تم سے پہلے لوگوں میں ہم نے کسی کے لئے ہمیشہ کی زندگی مقرر نہیں کی۔ اِلّا کہ دنیا کے جتنے افکار و نظریات ہیں۔ جتنے حقائق ہیں حتیٰ کہ خود

Marfat.com

خدا اور اُس کے رسولوں کے متعلق اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اُن کے نفی و اثبات، اُن کے وجود اور عدم وجود پر، ان کے سچ اور جھوٹ، درست اور نادرست ہونے پر بحثیں ہوئیں، مذاکرات ہوئے، اختلاف ہوئے، تردید و تسلیم کے معرکے ہوئے، مگر موت ایک ایسی بدیہی اور متفقہ حقیقت ہے جس سے آج تک اختلاف نہیں کیا گیا۔ کسی دانشور، کسی فلسفی اور کسی عالم و ولی نے یہ نہیں کہا کہ موت نہیں ہے۔ موت کے بعد پر اختلاف ہوا اور موجود ہے مگر موت کو ہر کسی نے تسلیم کیا ہے اور کوئی انکار کر بھی کیسے سکتا ہے کہ روزانہ یہ عمل ہوتا ہے اور صدیوں سے ہو رہا ہے۔ موت سے بے نیاز صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔ ھو الحیّ لایموت۔ وہ ہی زندہ ہے زندہ رہے گا۔ زندگی اور موت کا مالک اور خالق وہی ہے۔ موت اور زندگی اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی پیدا کردہ مخلوق کے سامنے مجبور و بے بس نہیں ہے۔

موت اور زندگی کا فلسفہ

سورہ الملک میں اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملا۔ میں نے موت اور زندگی پیدا کر کے تمہیں آزمانا چاہا کہ تم میں سے کون نیک عمل کرتا ہے۔ گویا موت کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کا تصوّر کر کے ہر کوئی اپنی زندگی کے عرصہ کو نیک عمل میں گزار دے۔ یہ نہیں کہ موت کو بھول کر زندگی کو ہی قیمتی، لازوال متاع سمجھ کر اس کی لذت کوشیوں میں ڈوب کر رہ جائے اور جب موت کی گھڑی آ جائے تو اس کے ہاتھ اور دامن نیک اعمال کے توشے اور سرمائے سے خالی ہوں۔

ہمارا طرزِ عمل موت کا منکر ہے

جب قرآنی آیات اور ہمارے روزمرّہ کے تجربے اور مشاہدے سے یہ ثابت ہے کہ موت یقینی اور نہ ٹلنے والی حقیقت ہے تو پھر تعجّب ہے کہ انسان اس حقیقت سے کیوں چشم پوشی کرتا ہے۔ کیوں آنکھیں بند کرتا ہے اور کیوں شُترمرغ کی طرح اس خطرے سے بچنے کے لئے اپنا سر ریت میں چھپا کر اسے ٹالنے اور بچنے کی احمقانہ کوششوں میں لگا ہُوا ہے۔ ہمارا طرزِ عمل موت کو تسلیم کرتے ہوئے کیوں اس کی نفی اور تردید کرتا ہے۔ ہم منصوبے بناتے ہیں خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، شخصی ہوں یا قومی، گھریلو ہوں یا ملکی وہ سالوں پر محیط ہوتے ہیں۔ مکان کی تعمیر ہوتی ہے تو بنیادیں گہری اُٹھاتے ہیں۔ کنکریٹ، سریا اور سیمنٹ سے پختگی دیتے ہیں اور ہر تعمیر میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ تخریب کا امکان نہ پایا جائے۔ کہیں سے کمزوری راہ نہ پائے مضبوط ہو اور خوب خوب مضبوط ہو۔ تجارت میں روپیہ لگاتے ہیں تو سالوں کے بھاؤ پر نظر ہوتی ہے۔ طویل المیعاد سرمایہ کاری کرتے ہیں، کہیں سے کوئی خلا نہیں چھوڑا جاتا۔ تجارتی معاہدے، رشتے ناتے اور دوسرے کئی معاملات میں پکے اشٹامپ لیتے ہیں۔ جہیز دیتے ہیں تو ٹھوک بجا کر اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ معمولی برتن خریدتے وقت دیکھا جاتا ہے کہ کچّا تو نہیں، جلد ٹوٹنے والا اور ناپائیدار تو نہیں۔ مشینری خریدی جاتی ہے، گھروں تک کی مشینی چیزوں میں کمپنی کی گارنٹی لیتے ہیں اور جو کمپنی زیادہ عرصہ کی گارنٹی دیتی ہے اسے خریدتے ہیں۔ مصنوعات کی خریداری میں اس ملک کی چیز خریدتے ہیں جس کی مضبوطی، پائیداری مشہور اور آزمودہ ہو۔ ہمارا یہ سارا روّیہ بتاتا ہے کہ ہمیں اپنی ناپائیداری، ذاتی قناعت بلکہ

Marfat.com

سادہ لفظوں میں اپنی موت کا یقین نہیں ہوتا۔ اپنے لئے موت کے قائل نہیں ہوتے، اپنی ذاتی گارنٹی کی فکر نہیں ہوتی کہ ہماری گارنٹی دینے والے نے تو ہمیں ایسی کوئی گارنٹی نہیں دی۔ پتہ نہیں ہم دوسروں کو مرتے دیکھتے بھی ہیں اور خود اپنے لئے سامان سو برس کی فکر میں لگے بھی رہتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر　　زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

یعنی زندگی کے اوقات کو غنیمت جان کر نیکی میں لگا دے اس سے پہلے کہ کسی مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے تمہاری موت کا اعلان ہو جائے۔

موت کا فلسفہ

حضورؐ کی طویل حدیث ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت فرمایا کہ حضورؐ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا۔ تم دنیا میں عمل کے لئے مسافر یا راہ گیر کی طرح رہو اور خود کو مُردوں میں شمار کرو۔ پھر فرمایا۔ اے ابن عمرؓ، جب تم صبح کو اٹھو تو شام کا انتظار نہ کرو اور جب شام آ جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو کہ صبح نیکی کر لوں گا۔ بیماری سے پہلے صحت میں کچھ کر لو۔ کل تمہیں معلوم نہیں تمہارا کیا نام ہو گا یعنی مردہ یا زندہ۔ (بیہقی)

سورۂ جمعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ تمہیں پہنچ کر رہے گی۔ پھر تم اس خدا کی طرف لے جائے جاؤ گے جو تمہارے ظاہر اور چھپے ہوئے اعمال سے واقف ہے۔ وہ بتا دے گا کہ تم کیا کر کے آئے ہو۔

سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور قیامت کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جسے وہاں آگ۔ دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخلے کا پروانہ مل گیا وہی کامیاب ہو گیا اور دنیا کی پونجی تو دھوکے کا سامان ہے۔ موت کا قطعی تصور دیا گیا کہ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ پھر جب ایسا یقینی ہے تو پھر دنیا سمیٹنے، اس میں کامیابیاں حاصل کرنے اور اس کے حصول میں ساری زندگی لگا دینے سے جو کچھ کامیابی حاصل ہو گی وہ اصلی کامیابی نہیں ہے۔ دھوکہ اور نظر فریبی یا خود فریبی ہے۔ البتہ جس نے جتنا نیک عمل کیا اُسے وہاں پورا بدلہ ملے گا اور اس کے بدلے کے مطابق جس خوش نصیب کو دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلے کا پروانہ مل گیا، کامیاب بس وہی ہو گا خواہ دنیا میں دنیا والوں کی نظروں میں اسے کتنا ہی ناکام و نامراد سمجھا جاتا رہا۔

اس طرح قرآن کریم میں موت کے خوفناک مناظر اور دنیا کی بے ثباتی اور خود انسان کی موت کی بے بسی و بے چارگی کی تصاویر یہ سورۂ واقعہ، سورۂ قیمہ اور سورۂ منافقون میں بیان فرمائی ہیں جنہیں پڑھ کر ہر سمجھدار انسان سوچ سکتا ہے کہ ایسا وقت اس پر بھی آنے والا ہے۔ لہٰذا اس دنیا میں اس کے لئے تیاری کرنا ضروری ہے۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ہوشیار اور عقلمند ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو تابعدار بنایا اور موت کے بعد کام آنے والا عمل کیا اور احمق و پاگل ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کی خواہشات کی تابعداری کی اور خدا پر بھروسہ رکھتا ہے کہ میرا ربّ مہربان ہے اور معاف کرنے والا ہے۔ (ترمذی)

ایک انصاری صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سب سے زیادہ ہوشیار کون لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ جو موت کو یاد رکھیں اور مرنے کے بعد کی تیاری کریں۔ یہی لوگ دانا ہیں جو دنیا کی شرافت اور آخرت کی بزرگی لے گئے۔ ایک صحابیؓ نے دریافت کیا۔ سب سے زیادہ زاہد کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ جس نے قبر اور اس میں گلنے سڑنے کو نہ بھلایا اور دُنیا کی زینت کو چھوڑ دیا اور فنا ہونے والی چیز۔ دنیا۔ پر نہ فنا ہونے والی۔ آخرت۔ کو ترجیح دے اور آئندہ کل کو اپنی دُنیا کے دنوں میں شمار نہ کرے بلکہ خود کو مُردوں میں سے گنے۔ (ترغیب)

دوسرے کسی موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا۔ لذتوں کو توڑنے والی یعنی موت کو یاد کرو۔ (ابن ماجہ) ربیع بن خثیمؒ نے اپنے گھر میں قبر کھود رکھی تھی۔ ہر روز کئی بار اس میں لیٹتے اور فرماتے۔ اگر ایک ساعت بھی میں موت کو بھلا دوں تو میرا دل سیاہ ہو جائے۔

موت کے یقین سے دنیا بے لذت ہوتی ہے

تاریخ ہنود میں بیان ہوا ہے کہ سکھدیو جی نے اپنے باپ بید بیاس جی سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ مجھے گیان حاصل ہو جائے۔ باپ نے اسے راجہ جنک کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ سکھدیو طالب صادق تھا۔ وہاں پہنچ کر رپورٹ کرائی کہ راجہ سے کہیں کہ سکھدیو جی، بید بیاس جی کا لڑکا آیا ہے۔ راجہ نے کہا۔ کھڑا رہنے دو۔ چنانچہ ہفتہ عشرہ تک تو اُسے باریابی کی اجازت نہ ملی۔ آخر ایک دن راجہ جنک نے بلایا۔ اندر گیا تو حیران رہ گیا کہ دنیا داری، بادشاہت اور راجاؤں کا تمام ٹھاٹھ موجود ہے۔ سکھدیو نے خیال کیا کہ یہ تو خود جگت بیوپاری ہے مجھے کیا روحانی تعلیم دے گا۔ راجہ کو اس کا وسوسہ دل کا خیال منکشف ہو گیا۔ دوسرے دن بازاروں اور شہر کے گلی کوچوں میں ناچ رنگ، تماشوں کا حکم دیا اور سکھدیو کو دودھ کا کٹورا ہاتھ پہ دھر کر کہا۔ جاؤ پورے شہر میں سیر کرو، مگر خبردار کٹورے میں سے دودھ کا قطرہ بھی گرنے نہ پائے اور دو سپاہی شمشیر برہنہ ساتھ کر دیئے کہ دودھ کا قطرہ بھی گرے تو گردن اُڑا دو۔

دوسرے دن سکھدیو کو شہر میں پھرانے کے لئے نکالا گیا۔ دودھ سے لبریز کٹورا ہاتھ پر دھرا تھا۔ شمشیر بکف سپاہی سر پہ مسلط تھے۔ شہر سے پھر پھرا کر سکھدیو جی واپس ہوئے۔ راجہ نے پوچھا۔ دودھ تو نہیں گرا۔ سپاہیوں نے کہا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ یہاں زندہ نہ آتا۔ پھر راجہ نے سکھدیو سے پوچھا۔ آج بازاروں اور شہر کی گلیوں میں خوب تماشے اور گانے تھے، تم نے خوب سیر کی ہو گی۔ سکھدیو نے ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہا۔ مہاراج مجھ کو کٹورے کی حفاظت بلائے جان ہو رہی تھی۔ ہر دم یہ خیال رہا کہ قطرہ گرا تو مارا جاؤں گا۔ موت سر پہ سوار تھی۔ اس حالت میں کیا تماشا دیکھتا۔ مجھے تو دودھ کے کٹورے کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

راجہ نے کہا۔ جس طرح تم نے یہ دن گزارا، ہمارا ہر وقت یہی حال ہوتا ہے۔ یہ دولت، یہ طمطراق، مال و جاہ اور کرّوفر ہماری نظر میں سماتے اور آتے ہی نہیں۔ تم نے ہماری ظاہری شان و شوکت دیکھ کر جو اندازہ لگایا غلط ہے۔ سمجھ لو کہ سپاہی تلوار

Marfat.com

لئے ہوئے ملک الموت ہے جو سر پر کھڑا ہے۔ تن کٹورا ہے اور اس میں من دودھ ہے اور شہر کے بازار و گلیوں کے راگ و رنگ، کھیل تماشے دنیائے فانی کی تفریح ہے۔ جس طرح تم نے کچھ نہیں دیکھا ہم کو بھی یہ سب کچھ ہیچ نظر آتا ہے اور خطرہ رہتا ہے کہیں دُودھ نہ گر جائے اور یادِ الٰہی سے ذرا بھی غافل ہوئے تو مارے گئے۔ اس تمثیل کی روشنی میں حضورؐ کا فرمان کتنا سچا ہے کہ۔ دنیا کی لذتوں کو توڑنے والی موت کو یاد کرو تو دُنیا کی لذات کا نشہ ٹوٹ جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا: کفیٰ با لموت واعظاً۔ موت بہترین نصیحت ہے۔ بشرطیکہ ہم اس سے سبق حاصل کریں۔

مہاراجہ گوپی چند نے اپنے وزیر کو نصیحت کی کہ موت کا کالا اُونٹ ہر شخص کے دروازے پر بندھا ہُوا ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی کس طرح پُرامن و پُرسکون زندگی گذار سکتا ہے۔ پھانسی کی سزا پانے والے کو دن نہ بتایا جائے تو وہ کس طرح چند ساعتہ و چند روزہ زندگی میں عارضی لذتوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ دنیا تو درکنار۔ مر کے بھی چین و آرام کا یقین نہیں۔ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے۔

جب تک رہے دنیا میں رہا غم سے سدا کام — جاتے ہیں عدم کو تو وہاں بھی نہیں آرام
واں حشر کی دہشت سے فراغت نہیں ملتی — تن چھوڑ کے بھی روح کو راحت نہیں ملتی

موت کے ہزار راستے

انسان کے زندگی میں آنے کا ایک راستہ ہے اور موت کے ہزار راستے ہیں۔ موت اچانک اور ناگہانی نہیں آتی۔ لوگ تعزیتی خطوط میں لکھتے ہیں کہ آپ کے فلاں کی بے وقت موت نے صدمہ دیا۔ حالانکہ موت کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ وہ بے وقت کبھی نہیں آتی، نہ ایک منٹ پہلے نہ ایک منٹ بعد۔ موت ہمارے چاروں طرف بکھری ہوئی ہے۔ ہر جگہ موجود ہر مقام پر حاضر ہے۔ ہر شخص کو مرنے کا یقین ہوتا ہے اور وقت کے تعین کا علم ہے تو پھر یہ شکایت بے جا ہے کہ بے وقت آتی ہے اور ناگہاں آتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے اسے بھلا دیا ہوتا ہے ہم ایسی مصروفیات میں مشغول ہوتے ہیں گویا تمام عمر نہ مرنے کا پروانہ لے لیا ہے۔ ایک سادھو کی محفل میں کسی نے کہا۔ جے پور کا والی امر سنگھ تو مرتے مرتے بچا ہے۔ سادھو نے کہا۔ بچّہ! بچ بچ کے مرے گا۔ آخر کہاں تک بچے گا۔

ہم نے پہلے ذکر کیا کہ ہم دنیا کے دوسرے معاملات میں اتنی پختگی اور پائیداری کا خیال رکھتے ہیں مگر اپنی ناپائیداری کی بالکل فکر نہیں ہوتی۔ بیٹی کے جہیز میں دنیا کے سارے ساز و سامان مہیا کرتے ہیں کہ گویا صدیوں تک زندہ رہنا ہے۔ ایک شخص نے اپنی بیٹی کے جہیز میں ضروریات زندگی کی تمام اشیاء مہیا کیں۔ قضائے الٰہی سے چند دنوں بعد وہ فوت ہو گئی۔ اس کے غمزدہ والد نے بیٹی کے مرثیہ میں یہ شعر لکھا ؂

یہ آیا یاد لے آرام جاں اس نامرادی میں — کفن دینا تجھے بھُولے تھے ہم سامان شادی میں

کسی جج کی وفات پر اور جنازہ دیکھ کر شاعر نے کہا۔

؂ آج دنیا کی کچہری سے سدھارے منصف — ملک الموت کی ڈگری ہوئی ہارے منصف

آج ہر شہر میں آبادی کی رفتار جس سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ اس پر حیرت ہوتی ہے۔ دکانوں کی تعمیر، کارخانے، کوٹھیاں، بنگلے ہر طرف تعمیر کا کام ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں دیہاتوں اور شہروں میں یکساں زور و شور دیکھنے میں آتا ہے۔

Marfat.com

زندگی کی ضروریات، زندگی کے سامان اور حاجات کا ایک سلسلہ ہے جو چل رہا ہے، مگر اس زندگی کے قافلے نے جہاں جا کر دم لینا ہے، جہاں جا کر رکنا ہے، جہاں جا کر ٹھہرنا ہے وہ قبرستان ہے۔ اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی۔ جنازگاہیں نہیں سڑکوں پر جنازے ہوتے ہیں اور موت آتی ہے تو پریشانی ہوتی ہے، کہاں دفنایا جائے۔

واقعات و امثال

حضرت خواجہ حسن بصریؒ جواہرات کی تجارت کرتے تھے۔ ایک دفعہ روم تشریف لے گئے۔ وہاں کے وزیر سے ملاقات ہوئی۔ وزیر نے کہا۔ آج ہم کہیں جا رہے ہیں آپ بھی چلیں۔ چنانچہ ان کے ہمراہ ایک جنگل میں گئے۔ دیکھا کہ اطلس کا قیمتی خیمہ نصب ہے۔ چنانچہ وزیر صاحب کے جاتے ہی موجود لشکر جرار نے، پھر حکیموں، فلسفیوں اور حسین و جمیل عورتوں نے قیمتی لباس میں ملبوس قیمتی جواہرات کے تھال اٹھائے ہوئے باری باری خیمہ کا طواف کیا۔ پھر بادشاہ اور وزیر خیمہ میں گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس ہوئے۔ خواجہ حسن بصریؒ نے یہ نظارہ دیکھا تو وزیر سے سبب پوچھا۔ اس نے بتایا۔ قیصر روم کا نوجوان حسین و جمیل اکلوتا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ خیمہ میں اس کی قبر ہے۔ ہر سال اس کی قبر پر لشکریوں، دانشوروں، فلاسفروں، حکیموں اور حسین عورتوں کو لا کر طواف کرتے ہوئے صاحب قبر کو یہ بتاتے ہیں، اگر تمہیں زندگی دیتے میں ہمیں ذرا بھی اختیار ہوتا تو یہ تمام فوج، ڈاکٹر، حکیم فلسفی، بزرگ، عالم، دولت، حسین عورتیں سب کچھ نثار کر دیتے، مگر تیرا معاملہ ایسی ذات سے ہے جس کے مقابلے میں یہ سب کچھ کیا پوری کائنات بے بس اور مجبور ہے۔

یہ بات سن کر خواجہ حسن بصریؒ ایسے متاثر ہوئے کہ اپنا کاروبار چھوڑا۔ تمام جواہرات خدا کی راہ میں قربان کر کے آخرت کی فکر میں لگ گئے اور ستر سال تک ایسی عبادت کی کہ اپنے زمانہ کے تمام اولیاء پر سبقت لے گئے۔

اہلِ ہستی کو عدم کا مرحلہ درپیش ہے ۔۔۔۔ موت کو نزدیک جو سمجھے وہ دُور اندیش ہے

انسان کا کسی وقت بھی موت سے غافل ہونا، محاصرہ کے وقت مورچے میں سو جانا ہے لیکن بڑھاپے میں اس سے غافل ہونا گویا مخالف لشکر کے حملے کے دوران سو جانے کے برابر ہے۔ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے کہ آخرت کے راستہ میں دنیا کی مثال ایک پل کی ہے اور عقلمند شخص پل پر اپنا گھر نہیں بناتا۔

دنیا پُلے است رہگذر دار عاقبت ۔۔۔۔ صاحبِ تمیز خانہ نگیرند بر پلے

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک دن حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ آپ کی عمر سب پیغمبروںؑ سے زیادہ ہوئی۔ آپ نے دنیا کو کیسے پایا۔ نوحؑ نے فرمایا۔ میں یہ سمجھا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں، ایک سے اندر داخل ہوا اور دوسرے سے باہر نکلا۔

کسی بادشاہ نے محل میں تابوت رکھ چھوڑا کہ موت کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ ایک دن آئینے میں دیکھا کہ داڑھی میں ایک سفید بال ہے، حکم دیا، اب تابوت اٹھا دیا جائے۔ موت کی یاد کے لئے بال موجود ہے۔

حضرت معاویہؓ کے پاس نجران سے ایک شخص آیا۔ جس کی عمر دو سو برس تھی۔ آپ نے اتنی طویل عمر میں دنیا کے متعلق

Marfat.com

اس کا تاثر معلوم کیا تو کہا۔کچھ عرصہ مصیبت میں گزرا، کچھ آرام سے۔ اُس نے کہا۔ پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں، مرنے والے مر جاتے ہیں۔ دنیا کا سلسلہ اسی رفتار سے جاری ہے۔حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔ تیری کوئی حاجت ہے تو بتا دے۔ اُس نے کہا۔ آپ میری گذشتہ عمر نہیں لوٹا سکتے اور موت کو روک نہیں سکتے تو پھر میری کیا حاجت پوری کر سکیں گے۔ رونے کا مقام یہ نہیں کہ کوئی مر گیا ہے بلکہ یہ ہے کہ کوئی اس جینے پر کیوں مرتا ہے۔

حضورؐ اور صحابہؓ کا عمل

۱۔ حضرت عثمانؓ جب کسی قبرستان سے گزرتے تو اتنا روتے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ کسی نے کہا۔ آپ جنّت اور دوزخ کے بیان پر اتنا نہیں روتے جتنا قبروں پر۔ آپ نے فرمایا: میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے۔ اگر اس سے بخیریت گزر گیا تو آخری منزلیں آسان ہو جاتی ہیں، اس سے نجات نہ پائی تو دوسری منزلیں اور بھی سخت ہوں گی حالانکہ حضرت عثمانؓ ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جنہیں حضورؐ کی خوشنودی اور خدا کی رضامندی کی خوشخبریاں مل چکی تھیں۔

۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنی موت سے پہلے سخت ریاضت شروع کی تو لوگوں نے کہا۔ آپ اپنے نفس پر نرمی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: گھوڑ دوڑ میں جب گھوڑا آخری حد کے قریب پہنچتا ہے تو پورا زور لگاتا ہے۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنی آنکھیں کبھی اس طرح نہیں کھولیں جس میں یہ خیال نہ رہا ہو کہ پلکیں بند ہونے سے پہلے میری رُوح عزرائیلؑ کے قبضے میں ہوگی اور کوئی نگاہ اُوپر نہیں اٹھائی جس میں یہ خیال نہ رہا ہو کہ نگاہ نیچے آنے تک زندہ رہوں گا۔ کوئی لقمہ ایسا نہیں کھایا کہ جس میں یہ خیال نہ رہا ہو کہ موت سے پہلے نگل جاؤں گا، اگر عقلمند ہو تو جانوں کو مُردوں میں شمار کرو۔

۳۔ خلیفہ مہدی نے ایک خوبصورت محل تعمیر کروایا۔ جب محل تیار ہوُا۔ اس میں آرائش وآسائش کا سامان رکھ دیا تو اعلان کیا کہ ہر کوئی اس محل کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اسے دیکھنے والے دوست اور وفادار ہوئے تو خوش ہوں گے اور یہیں دوستوں کی خوشی مقصود ہے اور اگر حاسد اور بدخواہ ہوئے تو محل کو دیکھ کر جل مریں گے اور ہو سکتا ہے کوئی اس میں نقص نکال دے جسے دُور کیا جا سکے۔ سب لوگوں نے محل دیکھا سب نے تعریف کی۔ ایک دن کوئی فقیر اللہ والا آ گیا۔ محل دیکھا تو خلیفہ سے ملنے کی خواہش کی کہ اپنے تاثرات اسے بیان کر سکے۔ جب خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو بے دھڑک اور بے خوفی سے کہا۔ آپ کے محل میں دو نقص ہیں۔ پوچھا گیا۔ کون کون سے۔ تو کہا۔ ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے اور دوسرا یہ کہ یہ مکان ہمیشہ نہ رہے گا۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ خلیفہ مہدی پر اس بات کا ایسا اثر ہوُا کہ وہ محل پورے ساز و سامان سمیت غریبوں اور فقیروں کے لئے وقف کر دیا۔ فقیر اور اللہ والے کی بات اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

۵ حشر تک زیرِ زمین دو روز بالائے زمیں جز لحد دنیا میں کچھ تعمیر کی حاجت نہیں

۴۔ کسی بادشاہ کا دربار سجا ہوُا ہے۔ اراکین دولت اور عمائدین سلطنت حسب مراتب بیٹھے تھے۔ چوبدار اور

Marfat.com

حکم بردار دست بستہ کھڑے تھے کہ ایک شخص اس تمام شان وشوکت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دربار میں داخل ہوا۔ اس کا ایمانی رعب ایسا تھا کہ کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سیدھا چلتا ہوا بادشاہ کے سامنے جا رُکا۔ بادشاہ نے مدعا پوچھا تو بتایا۔ ٹھکانے کی تلاش ہے۔ میں اس مسافر خانے میں رہنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ کو شاہی محل اور دربار کی یہ توہین بُری معلوم ہوئی۔ کہا کیا بکواس کر رہے ہو۔ یہ میرا شاہی محل ہے کوئی مسافر خانہ نہیں۔ اجنبی نے کہا۔ تم سے پہلے کتنے لوگ یہاں رہے۔ جہاں اتنے لوگ آتے جاتے ہوں وہ مسافر خانہ نہیں تو کیا ہے۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ اللہ کے بندے نے جو کہنا چاہا تھا کہہ کر چلا گیا۔ بادشاہ سمجھدار تھا سمجھ گیا کہ اجنبی کی یہ بات خدا کی طرف سے تنبیہ ہے۔ یہ بادشاہ ابراہیم ادھمؒ تھا۔ اُس نے اُسی وقت تاج وتخت چھوڑ کر فقیری اختیار کی اور ایسا مرتبہ پایا کہ دنیا اسے ولی اللہ کی حیثیت سے جانتی ہے۔ موت کا تصور ہوا آخرت کا خیال ہوا اور دنیا کی بے ثباتی کا تصور ہو تو آدمی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس ساری تفصیل، قرآنی آیات، احادیث نبویؐ اور امثال و اقوال سے یہی بتانا مقصود ہے کہ موت زندگی کا انجام اور زندگی کی منزل ہے۔ دنیا صرف اسی آخرت کی فصل کی کھیتی ہے۔ یہاں ہم آخرت کے لئے فصل بوتے ہیں۔ محنت کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ہم نے اس بیج کے عمل کا انتخاب نہ کیا جس نے آخرت میں ہمارے لئے سودمند اور نفع بخش بننا ہے تو ہماری مثال ایسے کسان کی ہوگی جس نے اپنے کھیتوں میں کانٹے بوئے ہوں۔ کڑوی اور بیکار جھاڑیاں کاشت کی ہوں۔ دنیا مزرع آخرت ہے۔ اس مختصر وقت اور عمر میں اسی عمل میں مصروف رہا جائے جس نے وہاں کام دینا ہے۔ دنیا کی دھن دولت، پکے قلعے، پکی عمارات، کاروبار یہ ساری چیزیں اور انہی کے حصول وتعمیر میں پوری عمر کا لگانا اور انہی کو مقصودِ حیات اور مطلوب زندگی بنانا حماقت ہے جو ہمارے بعد دوسروں کی عیاشی کا سامان بنیں گے۔

ہمارا رویّہ کیسا ہو

اس ساری بحث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دنیا کے اس سارے ساز و سامان کو تیاگ کر انسان غاروں اور تنہائیوں میں جا گھسے اور اللہ اللہ کرے۔ ایسا کرنا نہ تو خداوند تعالےٰ کے مقصدِ تخلیق انسانی کی تکمیل ہے نہ اسلامی تعلیمات اس کی تعلیم دیتی ہیں۔ انسان کو عطا کردہ خدائی قوتوں کے ذریعہ کائنات کی تسخیر کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ وہ کائنات کے اندر خدا کے دین کو غالب کرے اور دنیا کی دی ہوئی نعمتوں کو استعمال کرے۔ اللہ کے کلمہ کو سربلند کرے۔ اس کے لئے جتنی طاقت، جتنے وسیلے بروئے کار لاسکے انہیں حاصل کرے۔ لذاتِ دنیا جائز اور حلال ذریعہ سے حاصل شدہ نہ حرام ہیں نہ قطعی طور پر ناجائز ہیں۔ البتہ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے وہ اپنے مقصد حیات، خدا کی بندگی، اطاعت اور فرمانبرداری سے غافل نہ رہے۔ موت کو ہر وقت یاد رکھے اور آخرت کی فکر میں لگا رہے۔

بطخ پانی میں تیرتی ہے۔ وہیں سے خوراک حاصل کرتی ہے، مگر جب اس سے باہر نکلتی ہے تو پانی کا کوئی قطرہ اُس کے پروں پر نہیں ہوتا۔ کشتی دریا پر اُسی وقت تک سلامت تیرتی ہے جب تک وہ پانی کو اپنے اندر داخل نہیں کرتی۔ جونہی پانی اس کے اندر داخل ہوتا ہے اس کی غرقابی کا موجب بن جاتا ہے۔

اللہ والے بھی دنیا میں رہتے ہیں۔ کاروبار کرتے ہیں۔ اپنے اور بچوں کو آسائشیں مہیا کرتے ہیں۔ حلال ذرائع سے رزق کا حصول جائز ہی نہیں عبادت ہے، مگر اسے زندگی کا مقصد نہ بنایا جائے۔ اسے اپنے دل میں نہ بسایا اور بٹھایا جائے۔ خدا کے نام پر کھلے دل سے خرچ کیا جائے۔ اللہ کی راہ میں دیا جائے اور دنیاوی مال و دولت سے آخرت کے سامان خریدنے جائیں اور یہ خیال رہے کہ ہمیں نے ایک دن یہ سب کچھ چھوڑ کر جانا ہے۔ لہٰذا جانے سے پہلے اسے وہاں بھیجنا ہے جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ سورۃ المزمل میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ جو کچھ تم اپنے مرنے سے پہلے اپنے لئے نیکی بھیجو گے اُسے وہاں خدا کے ہاں پاؤ گے۔

سورۂ منافقون میں ارشاد ہوتا ہے: اے مسلمانو! تمہارے مال اور اولادیں تمہیں خدا سے غافل نہ کر دیں۔ جو مال و دولت اور اولاد کے نشے میں غافل ہوا وہ خسارے اور نقصان میں رہا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے۔ مال و دولت، اولاد، عزت، مرتبہ، صلاحیتیں، علم و ہنر، اختیار و اقتدار۔ انہیں خدا کی راہ۔ نیکی کے کاموں میں لگاؤ۔ اس سے پہلے کہ جب تمہیں موت آجائے تو پھر کہنا پڑے یا کہے، میرے خدا مجھے تھوڑی سی مہلت دے تاکہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں ہو جاؤں۔ ایسے وقت جب کسی کی مدت عمر پوری ہو جاتی ہے تو اُسے مہلت نہیں ملتی۔ جو کچھ تم کرتے ہو خدا کو اس کا علم ہے۔ مولانا حالیؒ نے کیا خوب فرمایا

۱۔ لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا — بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

۲۔ سوا اس کے انجام سب کا فنا ہے — نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے

۳۔ مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب — غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب

۴۔ وہی ایک ہے جس کو دائم بقا ہے — جہاں کی وراثت اسی کو سزا ہے

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

Marfat.com

باب پنجم

قرآن کریم
کے
ناپسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

پروفیسر قاضی حلیم فضلی
شیرگڑھ - مانسہرہ - ہزارہ

Marfat.com

باب پنجم

قرآن کریم کے ناپسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

نمبر شمار	موضوع	صفحات
۱	خبر کی تصدیق کیے بغیر کاروائی کے نتائج	۶۲۱
۲	اختلاف میں صلح جوئی سے گریز	۶۳۱
۳	باہمی تمسخر و استہزاء	۶۴۱
۴	لعن طعن اور بُرے ناموں سے پکارنا	۶۵۱
۵	سوءِ ظن، بدگمانی	۶۵۹
۶	دوسروں کے معاملات کا تجسّس	۶۶۹
۷	غیبت کے معاشرتی نقصانات	۶۷۹
۸	نسلی امتیاز پر تفاخر	۶۸۷
۹	بخیلی و کنجوسی	۶۹۵
۱۰	حسد اور بُغض	۷۰۳
۱۱	جھوٹ بولنا، دروغ گوئی	۷۱۱
۱۲	چوری، رہزنی اور ڈکیتی	۷۱۹
۱۳	بددیانتی و خیانت	۷۲۹
۱۴	رشوت اور سفارش	۷۴۱
۱۵	تکبّر اور خود بینی	۷۵۱
۱۶	شراب نوشی، قمار بازی و قرعہ اندازی	۷۶۳
۱۷	غصّہ، بدزبانی، گالی اور انتقام	۷۷۷
۱۸	سود خواری	۷۸۷
۱۹	گداگری، سوال کرنا	۷۹۷
۲۰	فحاشی، بے حیائی، زناکاری	۸۰۷

Marfat.com

نمبر شمار	موضوع	صفحات
۲۱	فحاشی و بے حیائی کے انسدادی پہلو	۸۱۷
۲۲	گھروں میں آمدورفت کے آداب، فحاشی کا انسداد	۸۲۷
۲۳	زنا کے معاشرتی و خاندانی اور تمدنی نقصانات	۸۳۷
۲۴	فضول خرچی اور اسراف کے ذاتی و معاشرتی نقصانات	۸۴۵
۲۵	جاہلوں سے کنارہ کشی	۸۵۷
۲۶	بیہودہ اور غیر مفید مشاغل سے گریز	۸۶۵
۲۷	ماہ صفر کے حوالے سے ایام مہینوں کو منحوس جاننا	۸۷۳
۲۸	خوشامد، چاپلوسی	۸۸۵

Marfat.com

Marfat.com

خبر کی تصدیق کئے بغیر کاروائی کے نتائج

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۃ الحجرات۔ پارہ ۲۶
۲	تمہیدی گفتگو	افواہ سازی اور سنی سنائی بات پر اعتبار کے نتائج
۳	شانِ نزول	ولید بن عقبہ بن ابی معیط کی زکوٰۃ کی وصولی کے بغیر قبیلہ بنی المصطلق کے متعلق حضورؐ سے غلط بیانی
۴	آیت سے شرعی قوانین کا استنباط	(۱) حکومت کا نظام سی آئی ڈی پر نہ ہو (۲) علم حدیث میں جرح و تعدیل کا فن ایجاد ہوا (۳) قانون شہادت احادیث اور قرآنی آیات سے
۵	اسلامی معاشرے میں امن کی اہمیت	
۶	معاشرتی بگاڑ اور افواہ سازی	غلط بیانی، لگائی بجھائی اور سنی سنائی پر اعتبار نہ کرے۔ بے اتفاقی کے متعلق باپ بیٹوں کو نصیحت
۷	واقعات وامثال	جنگل میں دو بیلوں کے درمیان لومڑی نے غلط بیانی سے کام لے کر جدائی ڈالی۔ عبدالعزیز بن مروان کا درباری کی بات نہ سننا۔ حضرت امام زین العابدینؒ کا بدگو اور غلط بیانی پر اعتبار نہ کرنا۔ لگائی بجھائی والی عورت کا انجام چغلی کھانا۔ معراج کے موقعہ پر افواہ کی تمثیل
۸	قابل عمل بات	ہمیں غلط بیانی، افواہ سازی، چغلی اور لگائی بجھائی کرنے والوں کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے بلکہ تحقیق و تصدیق سے کام لے کر قدم اُٹھانا چاہیئے تاکہ بعد میں ندامت اور پشیمانی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

Marfat.com

خبر کی تصدیق کئے بغیر کاروائی کے نتائج

آیت مع ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۔ (سورۃ الحجرات: ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو، اگر کوئی فاسق خدا کے احکامات کی پرواہ نہ کرنے والا۔ تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم اس خبر کی بنیاد پر تصدیق و تحقیق کے بغیر کسی گروہ کے خلاف کوئی کاروائی کر کے اُسے نقصان پہنچا بیٹھو اور اس خبر کے غلط ہونے کا پتہ چلے تو پھر پشیمانی اور ندامت اُٹھانی پڑے۔

تفسیر و تشریح

یہ آیت سورۂ الحجرات سے تعلق رکھتی ہے جو قرآن کریم کے چھبیسویں پارہ میں ہے۔ سورۂ الحجرات مدینہ شریف میں مختلف مواقع پر اُترنے والے احکامات اور ہدایات پر مشتمل ہے۔ اس میں آداب کی تعلیم دی گئی ہے جو مسلمانوں کے شایانِ شان اور اسلامی معاشرے کا طرۂ امتیاز ہیں اور ایک اسلامی معاشرے اور سوسائٹی کے افراد میں باہمی محبت، پیار، میل جول، تعلقات میں استواری و استحکام، باہمی اعتماد اور بھروسے کے لئے انتہائی ضروری ہیں، جن کے بغیر کوئی معاشرہ اور بالخصوص اسلامی معاشرہ نہ تو قائم رہ سکتا ہے اور نہ افراد و اشخاص کے درمیان اعتماد و اعتبار کی فضا برقرار رہ سکتی ہے۔

ہمارے معاشرتی بگاڑ کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ہم سنی سنائی باتوں پر کسی تصدیق و تحقیق کے بغیر ایسا قدم اُٹھا لیتے ہیں جو واقعتاً غلط ہوتی ہیں اور ہماری کاروائی یا عملی اقدام کے نتائج دشمنی، رنجش اور نفرتوں کا موجب بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں خبر دینے والے کے لئے "فاسق" کا لفظ استعمال کر کے اس پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ خبر کی تصدیق و تحقیق کے علاوہ خبر دینے والے کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا جائے کہ ایسا فاسق شخص اس قابل ہے کہ اس کی بات اور خبر پر اعتبار کیا جائے جو محض فسق و فجور کی بنا پر افراد و اقوام کے درمیان نفرتوں اور دشمنیوں کے بیج بوتا ہے۔ ہر قسم کی اطلاع پا کر یا بات سُن کر انتقامی کاروائی کرنا یا دل میں دشمنی پال لینا بجائے خود انسان کے بودے پن اور کانوں کا کچا ہونے کی دلیل ہے۔ انتقامی کاروائی کے نہ کرنے کے باوجود اپنے دل میں نفرت، دشمنی، ناراضگی اور بُغض کے جذبات پال لینا بھی معاشرتی خرابی اور نفرتوں کا سبب بن جاتا ہے۔

سو اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کوئی ایسا شخص جو خدا کی حدود کا پابند نہ ہو، جس کی سیرت قابلِ بھروسہ نہ ہو، جس کے جھوٹا ہونے کے خاصے امکانات موجود ہوں، اُس کی خبر اور اطلاع پر بھروسہ کر کے ایسا قدم اُٹھانا

جو کسی فرد، قوم اور گروہ کے نقصان کا باعث ہو، تمہارے لئے باعثِ ندامت ہوگا۔ لہٰذا تحقیق کے بغیر ایسی کسی خبر پر یقین نہ کیا جائے۔

شانِ نزول تمام مفسرین کا متفقہ بیان ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ انہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی المصطلق کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا تھا جو وہاں پہنچ کر کسی وجہ سے اس قبیلے سے ملے بغیر واپس آ گئے اور حضورؐ سے کہا کہ اس قبیلے نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے اور یہ گروہ لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر اس قدر ناراض ہوئے کہ اس کے خلاف فوجی کارروائی کے لئے فوجی دستہ تیار کیا۔ البتہ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ وہ فوجی دستہ تیاری کے مرحلے میں تھا یا روانہ کر دیا گیا تھا۔ کہ یہ آیت اُتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی آگاہ کر دیا گیا کہ فاسق آدمی کی خبر پر اعتبار کر کے ایسا اقدام نہ کر گزرو کہ وہ کسی گروہ کے لئے نقصان کا موجب بن جائے اور پھر حقیقت حال کا علم ہو کر تمہیں ندامت اور شرمساری کا منہ دیکھنا پڑے۔ چنانچہ انہی دنوں اس قبیلہ کے سردار حرث بن ابی ضرار خزاعی، جو حضورؐ کے سسر اور اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد تھے۔ مدینہ تشریف لائے، اُن کے ساتھ قبیلے کا وفد بھی تھا۔ اُنہوں نے یہ انکشاف فرمایا کہ ولید بن عقبہ کو اُنہوں نے دیکھا تک نہیں۔ چہ جائیکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا گیا ہو یا انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سب حسبِ سابق اسلام پر قائم ہیں اور آپؐ کی رسالت پر بدستور ہمارا ایمان ہے۔ اس طرح ایک غلط خبر پر اعتبار کر کے ایک عظیم غلطی سرزد ہوتے ہوتے رہ گئی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص موقعہ پر اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو جہاں حقیقتِ حال سے مطلع کر کے انہیں غلط اقدام سے باز رکھا، انہیں اپنی غلطی کا احساس دلایا ہے وہاں ایک عمومی ہدایت بھی فرما دی کہ جب کوئی اہمیت والی خبر جس پر کوئی بڑا نتیجہ مرتب ہوتا ہو اس خبر پر کسی عملی قدم اُٹھانے سے پہلے دیکھ لیا جائے کہ خبر لانے والا کیسا ہے؟ اعتباری ہے یا نہیں اور یہ کہ اس کی لائی ہوئی خبر کی حقیقت کیا ہے؟

شرعی قوانین کا استنباط اس آیت کے ذریعہ جہاں ہمارے ایک معاشرتی بگاڑ کا بڑا سبب معلوم ہوتا ہے وہاں فقہاء نے شرعی قوانین بھی مرتب فرمائے ہیں، جن کا ذکر ضروری ہے۔

کیونکہ ان قوانین کا دائرہ اطلاق وسیع ہے۔

۱۔ پہلا شرعی قانون یہ ہے کہ کسی بھی حکومت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے مڈل پاس سی آئی ڈی نظام کے ذریعہ وصول ہونے والی اطلاعات پر۔ جبکہ اُن کی اہلیت اور سیرت قابلِ بھروسہ نہ ہو۔ یقین کر کے کسی شریف شہری کی عزت اور جان و مال کی بربادی پر اُتر آئے۔ حکومتوں کے اندر اپنے سیاسی مخالفین کے ساتھ اسی طرح کے بے بنیاد الزامات لگا کر مقدمات میں الجھایا جاتا ہے اور اپنی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس حکومت کی مخالف پارٹیاں کسی واقعہ کی صحیح صورتِ حال کی تحقیق کے بغیر الزامات کا طوفان اُٹھا کر عوام اور رائے عامہ کو حکومت سے بددل اور بدگمان کرنے میں لگی رہتی ہیں اور ذرائع ابلاغ بڑی بڑی شہ سرخیاں چھاپ کر غلط واقعات

اور خبروں کو اپنے اخبارات کو چٹ پٹا بنا کر ان کی اشاعت کو فروغ دیتی ہیں۔

۲۔ علم حدیث میں اسی آیت کی بنیاد پر جرح و تعدیل کا فن ایجاد ہوا تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب احادیث بیان کرنے والوں کے حالات کی تحقیق کی جائے کہ زیادہ لوگ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے اس قابل ہیں کہ ان سے کوئی حدیث قبول کی جائے تاکہ حضورﷺ کی نسبت کوئی غلط حدیث آئندہ نسلوں تک پہنچنے نہ پائے۔ اس سلسلہ میں اس حد تک احتیاط برتی جاتی تھی کہ احادیث کی ——— روایت کرنے والوں کا پورا حسب نسب چھان مارا جاتا تھا اور جہاں بھی ذرا سا شبہ پیدا ہوتا اس روایت کرنے والے کی روایت کو یا تو سرے سے رد کر دیا جاتا تھا یا اسے ضعیف اور کمزور قرار دیدیا گیا۔

۳۔ اسی آیت کو بنیاد بنا کر قانون شہادت بھی مرتب ہوا کہ کسی معاملے میں کوئی شرعی حکم نازل ہوتا ہو یا کسی انسان پر کوئی جرم عاید ہوتا ہو تو اس سلسلہ میں فاسق آدمی کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔ یعنی گواہ کی سیرت و کردار اگر قابل بھروسہ نہیں تو اس کی گواہی عدالت رد کر سکتی ہے، مگر آجکل ہم لوگ اپنی معاشرتی زندگی میں یہ دیکھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے کہ کوئی اطلاع دینے والا یا بات کرنے والا واقعی اعتباری ہے یا نہیں اور اس قابل ہے کہ اس کی بات پر یقین کر لیا جائے۔ عدالتوں میں تو سرے سے اس کی اہمیت محسوس نہیں کی جاتی۔ وہاں پیشہ ور گواہ اور کرائے کے شہادتی ہر وقت موجود رہتے ہیں جو عدالتوں کے آس پاس منڈلاتے پھرتے ہیں کہ ضرورت مند آئیں انہیں بطور گواہ پیش کریں۔ عدالتیں سیرت و کردار تو بڑی بات ہے یہ تک نہیں دیکھتیں کہ اس معاملے میں گواہی دینے والے کا سکونتی، رہائشی اور معاشرتی تعلق کتنا، کیسا اور کیوں ہے؟ شریعت اسلامی نے ایسے آدمی کی شہادت بھی قبول کرنے کی اجازت دی ہے کہ وہ عقیدے کے اعتبار سے مسلمان نہ بھی ہو مگر سیرت و کردار کے حوالے سے جھوٹا اور بدکردار نہ ہو تو اس کی گواہی پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں امن و آشتی کی اہمیت

ایک سچا اسلامی معاشرہ امن و آشتی، صلح و صفائی، پیار و محبت باہمی خلوص و ہمدردی کے جذبات و احساسات سے بھرپور معاشرہ ہے۔ اس میں ایک دوسرے کا احترام، ایک دوسرے کا لحاظ، باہمی رواداری، حسن سلوک اور حسن معاملہ، حسن اخلاق اور سب سے بڑھ کر ایک دوسرے پر اعتبار اور بھروسے کی فضا میں تشکیل پاتا ہے، پنپتا ہے، پھلتا پھولتا ہے۔ جس معاشرے میں ایسی بیماریاں اور اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جائیں، جن کے نتیجے میں نفرتیں، حقارتیں، دشمنیاں، حسد، بغض اور رنجشیں اور نفاق پیدا ہو، اللہ تعالیٰ نے ان بیماریوں سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے روایت فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اور اہل اسلام کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور ہمدردی میں جسم کے اعضاء کی طرح پاؤ گے کہ جسم پر کہیں بھی چوٹ پڑتی ہے تو اس کی سختی اور درد سارا جسم محسوس کرتا ہے۔ خوشی کی بات ہو تو سارے جسم میں تازگی اور انبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی روایت کی ہے کہ اہل ایمان کا تعلق ایک دوسرے

Marfat.com

کے ساتھ عمارت کے اجزاء کی طرح ہے جو ایک دوسرے کی مضبوطی اور سہارے کا موجب بنتے ہیں اور ان کے باہمی جُڑے رہنے سے عمارت قائم اور مضبوط رہتی ہے۔ المؤمنُ لِلمؤمنِ کالبنیان"۔ پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ کی اُنگلیاں دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں ڈال کر بتایا کہ انہیں اس طرح باہم پیوست ہونا چاہیئے

حضرت زبیرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس روایت میں فرمایا کہ: دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبُغْضُ هِيَ الْحَالِقَةُ۔ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ۔ اگلی اُمتوں کی مہلک بیماریاں حسد اور بُغض تمہاری طرف بھی بڑھ رہی ہیں جو مونڈنے والی ہیں۔ میری مراد بالوں کو مونڈنے والی نہیں بلکہ تمہارے دین کو مونڈنے والی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور کی معاشرت اور مسلمانوں کی مدنی زندگی کی یہی برکات تھیں کہ وہ آپس میں رحماءُ بینھم تھے اور کفر و لادینی قوتوں کے لئے اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ تھے۔ وہ اسلام سے پہلے باہمی دشمنیوں اور نفرتوں کے شعلے مارنے والی آگ کے دھانے پر کھڑے تھے۔ اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاق کی برکات کو اپنا کر فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور تمہیں باہمی بھائی چارے کی نعمتوں سے نوازا۔ کے نتائج سے لطف اندوز ہوئے۔ ورنہ ان کے دن رات سازشوں، باہمی قبائلی جنگوں اور قتل و خونریزیوں میں گزرتے تھے۔

دلوں کی محبت، خیراندیشی، نیک نیتی، خوش اخلاقی، معافی و درگزر اور احسان مندی کے رویّوں سے پیدا ہوتی ہے۔ ایثار و قربانی، محبت و پیار کے پانیوں سے پُرامن معاشرے کا پودا پروان چڑھتا ہے اور معاشرے کی عمارت کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ اسے آپ ساری دنیا کی دولت دے کر تعمیری و ترقیاتی منصوبوں کے کروڑوں روپے دے کر بھی نہیں خرید سکتے تھے۔ ولو انفقت ما فی الارض جمیعًا۔ کی قرآنی آیت کے مطابق امن و اخوّت کی دولت دنیا بھر کی دولت لُٹا کر بھی نہیں خریدی جاسکتی۔ حسد، بُغض، نسلی، لسانی اور صوبائی تعصّب کی آگ لگائی بجھائی سے اور بھڑک اُٹھتی ہے۔

خداوندکریم نے زیرِبحث آیت میں ہمیں جو نصیحت فرمائی ہے اس میں حکمت اور دانائی کا یہی راز مضمر ہے کہ ہم کسی جھوٹے، بدکردار اور فاسق و فاجر شخص کی لگائی بجھائی، چغلی، بدگوئی اور بُری خبر پر اندھا دُھند یقین کر کے تحقیقِ حال اور دریافتِ احوال کی ضرورت سمجھے بغیر اسے سچ مان لیں اور فوری طور پر اپنے کسی بھائی، گروہ یا قبیلے اور قوم کے متعلق کوئی انتقامی کارروائی کریں تو ہمارا یہ قدم اور کارروائی نہ صرف ندامت اور شرمساری پر منتج ہوگا بلکہ حالات اور معاملات قابو سے باہر ہوتے چلے جائیں گے۔ اس سے مزید بے اطمینانی، دشمنی اور حقارت و بے اتفاقی پھیلتی چلی جائے گی۔

ہمارے حالات

آج ہماری پریشانی اور جگہ جگہ فسادات، قتل و خونریزی کی آگ کے پیچھے اسی ایک بیماری کا چھپا ہوا ہاتھ کارفرما ہے۔ حکومتوں کے تخریب کار ہوں یا اندرونِ ملک فساد پر آمادہ کرنے والے

Marfat.com

متعصب اور سماج دشمن عناصر ہوں۔ خاندانوں میں جدائی اور نفرت کے بیج بونے والے افراد ہوں یا بھائی کو بھائی سے لڑانے والے رشتہ دار اور اُن کی بیویاں ہوں۔ یہ سب انہی بے بنیاد خبروں، سنی سنائی باتوں پر تحقیق کے بغیر ہمارے رویّے اور اقدامات کے بُرے نتائج ہیں۔ ہم سندھی، بلوچی، پنجابی اور پٹھان کی علاقائی اور لسانی وحدتوں میں بٹ گئے ہیں۔ مختلف سیاسی گروہوں کی گروہ بندیوں نے مزید اختلافات کی ہوائیں اڑا کر ملّت اسلامیہ کی ایک وحدت کا وہ کباڑہ کیا کہ الامان والحفیظ۔

واقعات و امثال

۱۔ مدرسوں میں اُستاد لوگ بچوں کو اتفاق و اتحاد کی فرضی کہانیاں لکھواتے ہیں۔ گو وہ فرضی ہیں مگر نتائج انتہائی حقیقی اور سچے ہوتے ہیں۔ ان کہانیوں کی فرضیت اور افسانوی حیثیت سے قطع نظر ان کے نتائج کو ماننے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ان کہانیوں میں ایک یہ ہے کہ کسی آدمی کے چھ سات کڑیل جوان لڑکے تھے، جو ہر وقت لڑتے رہتے۔ باپ بوڑھا تھا۔ اپنے بچوں کی بے اتفاقی پر اُسے تشویش تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ان بچوں کی باہمی سر پھٹول اُن کی تباہی و ہلاکت اور علاقے میں ذلّت و رسوائی کا موجب ہوگی۔ چنانچہ اس بوڑھے تجربہ کار والد نے زبانی وعظ و نصیحت کی بجائے انہیں عملی سبق سکھانا چاہا۔ چنانچہ مرنے سے پہلے انہیں بُلا کر لکڑیوں کا بندھا ہوا گٹھا دے کر اُسے توڑنے کا کہا۔ لڑکے جوان، صحت مند اور طاقتور تھے، مگر سب الگ الگ زور آزمائی کے باوجود بندھے ہوئے گٹھے کو نہ توڑ سکے۔ آخر کار باپ نے بندھا ہوا گٹھا کھولا اور ایک ایک لکڑی دے کر اُسے توڑنے کا کہا، تو ذرا سی زور آزمائی پر اُن الگ الگ لکڑیوں کو توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ بوڑھے دانا اور تجربہ کار والد نے اس عملی سبق کے بعد کہا کہ اگر تم بھی بندھی لکڑیوں کے گٹھے کی طرح آپس میں جڑے اور بندھے رہے تو کوئی بھی تمہیں نہ توڑ سکے گا، شکست نہ دے سکے گا۔ مگر جب تم اتفاق و اتحاد کی رسّی سے نکل کر علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو ایک ایک کر کے ٹوٹ جاؤ گے، مار کھاؤ گے اور تباہ ہو جاؤ گے۔

قوموں، قبیلوں، گروہوں، خاندانوں اور برادریوں کے بندھے گٹھوں کو الگ کرنے والی مؤثر چیز یہی سنی سنائی، جھوٹی اور بے بنیاد خبریں ہوتی ہیں۔ ہم افہام و تفہیم، تحقیق و تصدیق کا راستہ اپنانے کی بجائے دوسروں کا نقطۂ نظر سننے اور سمجھنے کی بجائے اُس کے دلائل کی معقولیت جانے بغیر محض جھوٹی اَنا اور شخصیتوں کے میناروں کو بلند رکھنے کے لئے جھوٹے پروپیگنڈے کرنا، جھوٹی افواہیں پھیلانا، اُن پر یقین کرنا اور شکوک و شبہات پھیلانے والوں کے دام میں آ کر نفرتوں کی آندھیاں چلاتے رہتے ہیں۔

۲۔ اُستادوں کی سنائی ہوئی ایک کہانی یہ بھی ہے کہ کسی جنگل میں دو بیل نہایت اتفاق سے رہتے تھے۔ اُن کے باہمی اتفاق کے باعث جنگل کا بادشاہ جب بھی اُن پر حملہ کرتا تو دونوں بیل ایک دوسرے کی مدد پر تن کر کھڑے ہو جاتے اور شیر کے ہر طرف سے کئے جانے والے حملوں کا مقابلہ کرتے۔ شیر نے مسلسل ناکامیوں کے باعث لومڑی جیسے چالاک اور عیار جانور سے مشورہ کیا تو لومڑی نے اپنی چکنی چپڑی باتوں کے اثر اور لگائی بجھائی کے ذریعہ دونوں بیلوں میں پھوٹ ڈال دی۔ جس کے نتیجے میں شیر نے دونوں کو الگ الگ اپنا شکار بنا لیا۔ کہانی بچگانہ سہی اور گھڑی پڑی ہے، مگر عبرت و حکمت کا بیش بہا خزانہ رکھتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی ہمارے دشمنوں نے لومڑیوں کے کردار چھوڑ رکھے ہیں جو ہمارے اتفاق و اتحاد اور بھائی چارے کی فضا کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

Marfat.com

عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر کسی سے ہوشیار رہے جو جھوٹے الزامات لگا کر آپ کی دشمنی اور مخالفت کی آگ کو کسی کے خلاف بھڑکانے کا کردار ادا کر رہا ہے۔ لگائی بجھائی سے کام لیتا ہے۔ عورتوں میں کوئی ایسی ہو تو اُسے بی جمالو کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگ باہم لڑانا اور لوگوں کو بدنام کرنا اپنا روز و شب کا مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ خود زندگی کی ناکامیوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اور قوموں یا خاندانوں کے لئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "جو آدمی اِدھر کی بات اُدھر لگاتا ہے وہ کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا۔"

۳۔ عبدالعزیز بن مروان نئے نئے گورنر بنے تو نوجوان تھے۔ اُن سے ملنے والوں نے سوچا کہ موقع اچھا ہے۔ اِدھر اُدھر کی اطلاعیں دے کر ان کا قرب بھی حاصل ہوگا اور اپنے مخالفوں کو بھی اس کے ذریعہ سزا دی جا سکے گی۔ حاکم کانوں کا کچا ہو تو ایسے لوگوں کی چاندی ہو جاتی ہے۔ لیکن عبدالعزیز بن مروان چھوٹی عمر میں بھی ذہن رسا رکھتا تھا، آدمی کو پرکھنا جانتا تھا اور اس قسم کے درباری خوشامدیوں کے کردار سے واقف تھا۔ چنانچہ ایسے ہی ایک نسلی درباری اور خوشامد پیشہ نے موقعہ دیکھ کر اپنا داؤ آزمایا۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کا ہمدرد ہوں۔ میں جو درد آپ کے لئے دل میں رکھتا ہوں وہ کسی اور کے دل میں کب ہو سکتا ہے۔"
عبدالعزیز نے کہا۔ بات کیا ہے؟ آپ کیوں میرے لئے اتنے فکر مند ہیں۔ اُس نے کہا۔ فلاں درباری یا حاکم خلیفہ تک آپ کی شکائتیں پہنچاتا ہے۔ بہتر ہے کہ اسے اُس کے منصب سے معزول کر دیں۔ ورنہ آپ اُس کے جال میں پھنس جائیں گے۔
عبدالعزیز نے درباری کی باتیں سنیں تو دُکھ ہوا۔ کہا میرے بھائی! تم نے بھلائی کی بات کی ہے۔ بہتر ہے میں تمہاری بھلائی کی بات کروں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تجھے خدا کا خوف ہے نہ میری عزت کا خیال ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تجھے کھڑے کھڑے یہاں سے نکلوا دوں اور ایسی سزا دوں کہ پھر کسی کو چغلی اور لگائی بجھائی کی جرأت نہ ہو سکے۔ مگر انصاف کا تقاضا ہے کہ معاملے کی تحقیق کروں۔ اگر تو جھوٹا ثابت ہو جائے تو تجھے کہیں کا نہ چھوڑوں گا، اگر سچا ثابت ہوا تب بھی چغل خور اور بدخواہ کو قریب رکھنا اچھا نہیں ہے۔ بتا کیا چاہتا ہے؟ ابن طباطبا نے لکھا ہے کہ کھیل بگڑتے دیکھ کر اُس نے ہاتھ جوڑے اور معافی مانگی اور کہا۔ میں جھوٹا ہوں محض اپنے انتقام اور فائدے کی غرض سے یہ افسانہ گھڑا تھا۔ مجھے معاف کیجئے۔
عبدالعزیز بن مروان نے کہا۔ تجھے سزا دیئے بغیر چھوڑنا مناسب تو نہ تھا، مگر اپنے گناہ کا اقرار کیا ہے لہٰذا خدا کی خوشنودی کے لئے چھوڑتا ہوں۔ بہتر ہے کہ یہاں سے نکل جا اور پھر اِدھر آنے کا رُخ نہ کر۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان میں دو قبروں پر عذاب ہوتے دیکھا۔ جن میں سے ایک کے بارے میں فرمایا۔ یہ چغل خور اور لگائی بجھائی کر کے لوگوں کو لڑانے والا تھا۔

۴۔ حضرت امام زین العابدینؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا۔ حضرت فلاں آدمی آپ کے حق میں برائی بیان کرتا ہے۔ پوچھا۔ گالیاں دیتا ہے؟ کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا۔ چلو اُس کے پاس چلتے ہیں۔ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ اطلاع دینے والا خوش تھا کہ تیر نشانے پر لگا۔ اب خوب لڑائی ہوگی، تماشا ہوگا، مگر وہ شخص حیران رہ گیا کہ امام صاحبؒ اس شخص کے پاس گئے اور فرمایا "جو کچھ تم نے میرے بارے میں کہا ہے اگر سچ ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے اور جھوٹ ہے تو خدا تمہاری بخشش فرمائے۔"

Marfat.com

۵۔ حضرت عمرو بن دینارؒ بیان کرتے ہیں کہ مدینے کے ایک سرے پر ایک شخص رہتا تھا تو دوسرے سرے پر اُس کی بہن رہتی تھی۔ بہن کی بیماری کے دوران وہ شخص اس کی عیادت کرتا۔ ایک دن بہن کا انتقال ہو گیا۔ بہن کو دفنا کر واپس ہوا تو پتہ چلا کہ بہن کو دفناتے وقت کمر کے ساتھ بندھی ہوئی تھیلی وہیں قبر میں رہ گئی ہے۔ دوڑتا ہوا گیا اور قبر کھودنے لگا۔ قبر کھودی گئی۔ امام غزالیؒ نے یہ واقعہ مکاشفۃ القلوب میں بیان فرمایا ہے کہ بھائی نے دیکھا کہ قبر آگ سے جل رہی تھی۔ بھائی نے جلدی جلدی تختے جوڑے، مٹی برابر کی اور دوڑتا ہوا ماں کے پاس آیا اور پوچھا بہن میں ایسی کیا برائی تھی کہ قبر میں یہ حالت ہے؟ ماں نے کہا۔ بیٹا وہ چغل خور تھی۔ لگائی بجھائی اس کا شغل اور عادت تھی۔ غلط باتیں کر کے اختلافات کو ہوا دیتی رہتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چغلی کھانے والی کی کوئی نیکی نہیں لکھی جاتی۔

۶۔ ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں سب سے دریافت فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے سب سے بُرا آدمی کون ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ؐ آپ بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا، سب سے بُرا آدمی وہ ہے جو چغلی کھاتا ہے، دو آدمیوں میں لڑائی ڈالتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس کسی نے مسلمانوں کے خلاف جھوٹ پھیلایا، اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن ذلیل کرے گا۔ جھوٹی بات پھیلانے والا منافق ہوتا ہے اور قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے بہت سی نشانیاں تمثیل کی صورت میں دکھائی تھیں۔ ایک موقع پر انہوں نے دیکھا کہ پتھر کے ایک چھوٹے سے شگاف میں سے ایک چیز باہر نکلی جو بہت بڑے بھینسے کی شکل اختیار کر گئی اور پھر دیکھا کہ وہ چیز بھینسے کی صورت میں اس کوشش میں لگی ہے کہ دوبارہ اس جسم اور جُثّے کے ساتھ اسی سوراخ میں داخل ہو جائے۔ بہت زور لگایا۔ پوری قوت سے سینگ استعمال کئے، ماتھا ٹکرایا، لیکن چھوٹے سے اس سوراخ میں دوبارہ داخل ہونا ناممکن تھا۔ جبرائیل امینؑ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ آپؐ نے اُن سے اس تمثیل کی وضاحت چاہی تو جواب ملا کہ منہ سے نکلی ہوئی بُری بات یا افواہ جب ایک بار منہ سے نکل جاتی ہے وہ اپنے نتائج اور عواقب کے اعتبار سے بھینسا بن جاتی ہے جس کا دوبارہ منہ میں ڈالنا اور نتائج واثرات کو روکنا اسی طرح ناممکن ہے جیسا کہ بھینسے کا دوبارہ سوراخ میں داخل ہونا۔ کہتے ہیں وہ منہ سے نکلی تو کوٹھوں پر چڑھی‘‘۔ جو بات منہ سے نکلتی ہے وہ لوٹ کر نہیں آتی۔ خواہ آدمی کتنی ہی کوشش کرے۔ حضورؐ کو یہی حقیقت اس تمثیل میں سمجھائی گئی تھی کہ افواہ یا جھوٹی خبر جب تک کہنے والے کے منہ میں ہوتی ہے تو چھوٹی ہوتی ہے۔ جب منہ سے نکلتی ہے تو پر سے کوّا، سینگ سے بھینسا اور رائی کا پہاڑ بن جاتی ہے۔ لوگ اس میں اضافے کر کے منہ کا مزہ اور زبان کے چٹخارے لیتے ہیں۔ تہمت لگانا، افواہ پھیلانا ایسی بیماریاں ہیں جو معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی نقصان کا موجب ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ جب تک کسی شخص، کسی ملک اور کسی قوم کے بارے میں کسی خبر کی تصدیق نہ ہو جائے اس کا بیان کرنا یا اُس پر کسی ردِعمل کا اظہار کرنا گناہ ہے اور اسلام کے پاکیزہ معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے۔ سچ کے آتے آتے جھوٹ تباہی پھیلا دیتا ہے۔

Marfat.com

آخری بات یاد رکھنے اور عمل کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم سنی سنائی بات پر بغیر کسی تحقیق اور تصدیق کے اور خبر دینے والے کی سیرت و کردار کو سمجھے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھائیں تاکہ ہمارے درمیان غلط فہمیاں پھیل کر ہمارے برادرانہ، دوستانہ مراسم اور شہری روابط خراب نہ ہوں اور باہمی محبت اور ایک دوسرے پر اعتبار کی فضا جو ہماری معاشرتی زندگی کے لئے ضروری ہے میلی اور مکدر نہ ہو جائے۔ ہم دشمنیوں اور نفرتوں کا شکار نہ ہو جائیں اور یہ بات اس قسم کی لگائی بجھائی کرنے والوں کے لئے بھی لازمی ہے کہ ایسے لوگ خدا کی ناراضگی، قبر کے عذاب اور جنت سے محرومی کے مستحق نہ ہو جائیں ؎

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں   جذب باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

Marfat.com

اختلافات میں صلح جوئی سے گریز

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ	سورۂ الحجرات، پارہ ۲۶، آیات: ۹، ۱۰
۲	سورہ کا مجموعی تعارف	معاشرتی امن اور بھائی چارے میں اس سورہ کے احکامات۔ صلح کی اہمیت۔
۳	اسلام اور اجتماعیت	حضورؐ کی بعثت سے پہلے کا معاشرہ۔ اسلام کی برکات۔ سورۂ آل عمران کی آیات۔
۴	صلح کی اہمیت	صلح اسلامی اجتماعیت کو برقرار اور تسلسل بخشتی ہے۔ جب کہیں اختلاف رونما ہو وہاں فوراً صلح کی کوشش ہونا چاہیئے۔
۵	صلح کے مقامی اور عالمی ادارے	معاشرے میں صلح کی اہمیت کے پیشِ نظر، بزرگ معززین، جرگہ پنچایت، اقوام متحدہ، سربراہ کانفرنس، سارک تنظیم وجود میں آئیں۔
۶	موجودہ معاشرہ کا زوال	یہ ادارے قرآنی ہدایات سے منحرف ہوئے۔ تنازعات عدالتوں تھانوں، غیر مسلم اداروں کے سپرد ہوئے۔
۷	صلح کی ذمہ داری نہ اُٹھانے پر ہماری پریشانی	فسادات، معاشرتی انتشار، قتل و غارت گری، دشمنیاں اور نفرتیں، غلط فہمیاں۔
۸	بے اتفاقی کے نتائج، صلح سے انحراف کے معاشرتی اثرات	سیاسی گروہ بندیاں، مذہبی تفرقے، نظریاتی گروہ بندی۔
۹	اتفاق کے ثمرات و مضمرات واقعات و امثال	امریکہ کا مختلف قومیتوں کے باوجود اتحاد اور سپر پاور۔ آئین بالجبر کے تنازعہ پر انگریز کا فیصلہ۔ ابو درداؓ کی نصیحت آموز مشاہدہ۔
۱۰	آخری بات	علامہ اقبالؒ کے اشعار۔ ربط ملت، صلح اور اتفاق سے ممکن ہے۔

Marfat.com

اختلافات میں صلح جوئی سے گریز

آیت مع ترجمہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (سورۃ الحجرات: ۹، ۱۰)

اگر اہلِ ایمان کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے تو تم ان کے درمیان صلح کراؤ اور یہ صلح صرف جنگ اور جھگڑا ختم کرنے تک محدود نہ ہو بلکہ تنازعے اور جھگڑے کی بنیادی وجوہات تلاش کر کے حق و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے صلح کراؤ۔ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان کے درمیان تنازعے، جھگڑے اور ناراضگی کی صورت میں صلح کراؤ۔ الگ تھلگ رہ کر تماشائی اور غیر جانبدار نہ رہو۔ اللہ سے ڈرو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

تفسیر و تشریح سورۃ الحجرات میں معاشرتی امن و آشتی کو برقرار رکھنے کی ایک صورت یہ بتائی گئی ہے کہ انسانی سوسائٹی میں تنازعہ، جھگڑا یا اختلافات کا رونما ہونا قدرتی بات ہے۔ ایسا ہوتا رہتا ہے اور ہونا چاہیے، مگر اسلامی معاشرے یا انسانی سوسائٹی کے امن، بھائی چارے، برادری اور باہمی مخلصانہ سلوک اور ہمدردی کی فضا کو درہم برہم ہونے اور اختلافات اور تنازعات کو پھیلنے نہ دیا جائے بلکہ فوری طور پر کوئی وقت ضائع کئے بغیر فریقین کے درمیان صلح و صفائی کی کوششوں میں لگ جانا چاہیے، کیونکہ ایسی ہی کوششوں پر معاشرے کے استحکام اور بھائی چارے کی خوشگوار فضا کا دارومدار ہے۔ جس معاشرے میں صلح جو افراد نہ ہوں، جن خاندانوں میں صلح کرنے والے صالح لوگ موجود نہ ہوں، ہر طرف بزدل اور تماشائی ہوں، کسی کے معاملوں میں نہ پڑنے والے غیر جانبدار رہتے ہوں تو اختلافات، تنازعات یا ناراضگی کی معمولی سی چنگاری جنگل کی آگ بن جاتی ہے جس میں سب بھسم ہو جاتے ہیں۔ کشت و خون کی نوبت آجاتی ہے اور صدیوں تک انتقام اور قتل کے سلسلے چلتے رہتے ہیں۔

ہمارا بحیثیت مسلمان اور اہلِ ایمان کے کیا کردار ہونا چاہیئے تاکہ ہمارے معاشرے کے دینی ملّی روابط کا وہ بندھن جو بھائی چارے، برادری اور اخوت و محبت کی بناء پر استوار رہ سکتا ہے۔ ہمارے اصلاحی کردار کی بدولت ٹوٹنے، بکھرنے اور منتشر نہ ہونے پائے۔ ان آیات کی تفسیر و تشریح میں مفسرین نے دو مسلمان حکومتوں کے درمیان لڑائی یا ایک ہی حکومت اسلامیہ کے اندر بسنے والے دو مسلمان گروہوں کے درمیان جھگڑے یا ظالم حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والی رعیت کے

Marfat.com

لڑائی اور خروج کی مختلف صورتوں میں شرعی اور فقہی حدود کی پوری تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ہم اس تفصیل میں جائے بغیر ان آیات کی اجتماعی فلاح، معاشرتی آداب اور اسلام کی اجتماعیت کی اہمیت کے اعتبار سے بحث کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہی مقاصد آپ کی سمجھ کے مطابق بھی ہیں اور معاشرتی ضرورت کے حامل بھی ہیں۔

اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت

اسلام میں اجتماعیت کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔ اس سے پہلے اجتماعیت کا سمجھنا ضروری ہے۔ اجتماعیت سے مراد انسانی برادری کا مل جل کر زندگی بسر کرنا ہے۔ انسانوں کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ خاندان بنتے، نہ قبیلے وجود میں آتے، نہ شہروں اور گاؤں کی آبادیاں آباد ہوتیں۔ اگر مل جل کر رہنے کا جذبہ انسانوں میں نہ پایا جاتا اور انسانوں کی ضرورتیں ایک دوسرے سے وابستہ نہ ہوتیں تو معاشرہ وجود میں نہ آتا۔ انسان جانوروں کی طرح جنگلوں میں منتشر کسی ضابطے، کسی قانون اور کسی اخلاقی حدود و قیود کے بغیر زندگی بسر کرتے۔

اسلامی اجتماعیت اور اقدار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو عرب کے باشندے خاندانی اور قبائلی تعصب میں مبتلا تھے۔ اُن کے خاندان بھی تھے، قبیلے بھی تھے، شہر اور قصبے بھی تھے جہاں مل جل کر زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن ان کی زندگی اجتماعیت کی رُوح یعنی باہمی تعاون، ہمدردی، پیار و محبت اور رواداری کے خوشگوار سلوک سے محروم تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے کو دشمن سمجھتا تھا۔ معمولی معمولی اختلافات کی بنیاد پر صدیوں اور نسلوں تک ایک دوسرے کا خون بہاتے رہتے تھے۔ ان کی عادتیں اس قدر جاہلانہ تھیں کہ ایک ایک خون کا بدلہ صدیوں اور نسلوں تک پھیل جاتا تھا۔ اس صورتِ حال کا ذکر قرآن کریم نے یوں فرمایا ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (سورۂ آل عمران: ۱۰۳) اللہ کی رسّی کو مضبوط تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ، پھوٹ نہ ڈالو۔ اللہ کے احسان کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اُس نے ۔ خدا ۔ تمہارے دل محبت سے جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تم نفرتوں اور دشمنیوں سے بھرے ہوئے آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے اللہ نے تمہیں اس آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نشانیاں روشن کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا سکو۔

اللہ تعالیٰ کی رسّی سے مراد خدا کا دین اسلام ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس کا ایک سرا اللہ پر ایمان کے تعلق سے ہے تو دوسرے سرے کے ساتھ تمام اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام باہم مل کر اسے پکڑنے سے ایک جماعت اور ایک ملت بن جاتے ہیں۔ مضبوط تھامنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں اصل اہمیت دین کو ہو۔ اسی کے ساتھ ان کی دلچسپی ہو اور اسی کو مل جل کر قائم رکھنے کی کوشش کریں۔ جہاں دین کی بنیادی تعلیمات کی اس رسّی کا سرا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ ان کی توجہ جزئیات اور فروعات کی طرف ہو گئی تو لازمی طور پر ان میں اختلافات رونما ہوں گے جو پہلے انبیاءؑ کی

Marfat.com

اُمتوں کی ہلاکت اور رسوائی کا سبب بنے۔

اسلامی برادری، بھائی چارے اور اجتماعی معاشرتی برکات سے پہلے اُن کے اختلافات، دشمنیوں اور کشت و خون سے بھری ہوئی زندگی کا اشارہ کر کے انہیں بتایا کہ اس تباہی و بربادی، بدامنی اور فسادات کی دلدل سے تمہیں اسلام کی نعمت نے نکالا ہے۔ سورہ آل عمران کی اس آیت کے نزول سے تین چار سال پہلے مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جو قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اسلام کی نعمت سے شیر و شکر ہو گئے اور انہوں نے مہاجرین کے ساتھ ایسا بے مثال ایثار و قربانی کا برتاؤ کیا کہ رہے تھے کہ ایک خاندان کے افراد بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس آیت میں انہیں یہی حقیقت بتائی گئی ہے کہ تمہاری بھلائی اور بھائی چارے کی یہ مضبوطی اس دین کو تھامنے میں ہے یا اسے چھوڑ کر پرانی حالت میں ہے جس میں تم مبتلا تھے۔ تمہارا اصلی خیر خواہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہے یا وہ یہودی اور مشرک ہیں یا منافق لوگ ہیں جو تم میں تفرقہ اور دشمنیاں ڈال رہے ہیں اور اس طرح تمہاری تباہی و بربادی کا سامان کر رہے ہیں۔ انہیں پہلی بار یہ سبق سکھایا کہ اصلی رشتہ نظریاتی یکسانی اور دینی ہم خیالی کا ہوتا ہے۔

اسلام میں اجتماعیت کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے قرآنی تعلیمات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے ذریعہ دشمنوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ خاندانی و قبائلی یگانگت سے بڑھ کر اس کی بنیاد اسلامی برادری پر رکھی اور انہیں ایک مضبوط مستحکم اور ناقابل شکست اجتماعیت میں بدل دیا۔

اسلام میں صلح کی اہمیت

جب یہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے قدرتی اور فطری تقاضوں کے تحت مل جل کر رہنے پر مجبور ہے جسے ہم اجتماعی زندگی یا معاشرتی زندگی کا نام دیتے ہیں تو یہ بات قدرتی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اس اجتماعی زندگی میں جب اور جہاں کہیں بھی اختلاف تنازعہ اور جھگڑا پیدا ہو جائے تو دوسرے اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ دور کھڑے ہو کر تنازعات اور اختلافات کی آگ میں جلنے والوں کا تماشا نہ دیکھیں اور نہ اس آگ میں اختلافات کا مزید ایندھن ڈالیں اور جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کریں بلکہ اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کریں، بالکل اسی طرح جیسے کسی ڈوبتے کو بچانا اور جلتے کو آگ سے نکالنا انسانی فرض ہے اور اسلام میں کسی مسلمان کا یہی مصالحانہ کردار اسلام کے اجتماعی معاشرہ کی شیرازہ بندی کا ضامن ہو سکتا ہے۔ ورنہ اسلام اور دین کی رسی کا ایک ایک ٹکڑا توڑ کر اسی کو مکمل دین ثابت کر کے اپنی طرف بلانا اور دوسروں کے ہاتھوں میں آئے ہوئے باقی ٹکڑوں کو غلط کہہ کر ان پر فتویٰ صادر کرنا اُمتِ مسلمہ کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہوگا اور اس کا نتیجہ وہی قبل از اسلام جاہلیت کی دشمنیوں کی آگ میں سب کو جھونکنے کے برابر ہوگا۔

باہمی اتحاد و اتفاق اگر ملت اسلامیہ کی عمارت کے اجزاء کی باہمی پیوستگی کا نام ہے تو یہ عمارت تب ہی برقرار اور مستحکم رہ سکتی ہے جبکہ اس عمارت کے مکین اس عمارت کے کسی شگاف، کسی کمزور پہلو اور کہیں سے اکھڑنے والے حصے کو مل جل کر دوبارہ تعمیر کریں اور اسے مضبوط بنائیں۔ ورنہ چھوٹے شگاف، معمولی کمزور حصے پھیل کر پوری عمارت کے انہدام کا باعث بنیں گے جس کے ملبے کے نیچے سارے مکین اور رہائش پذیر دب کر مر جائیں گے۔ دوسری صورت

Marfat.com

یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کے تمام افراد چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بنیاد بنا کر جھگڑنا شروع کریں گے تو چند برسوں میں پوری عمارت تقسیم در تقسیم ہو کر چھوٹے چھوٹے حصّوں میں بٹ جائے گی اور ہر حصّے کا ہر فرد اپنی پسند اور مرضی کے مطابق اس میں تعمیری ترمیمات اور اضافے کرتا رہے گا جس سے پوری عمارت کا اجتماعی اور مجموعی حسن ٹوٹ پھوٹ کر مختلف چھوٹے چھوٹے تعمیری اجزاء میں بٹ کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اصلاحی ادارے

اس سلسلہ میں اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمان اپنی اجتماعی شیرازہ بندی کی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور جہاں کہیں بھی اس کے اوراق بکھرنے لگیں اسے مل جُل کر جوڑیں اور باہم صلح و صفائی سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔ خیر اور تعمیری کاموں میں سب شریک ہوں اور دشمنی و اختلاف سے پرہیز کریں۔ سورۃ انفال میں حکم ہے: وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، آپس میں جھگڑے نہ کرو۔ اگر ایسا کیا تو تمہاری قوت ختم ہو جائے گی۔ اسلام میں اجتماعی زندگی اور معاشرتی زندگی میں اتفاق و اتحاد کی اس اہمیت اور اس کے برقرار رکھنے کے لئے باہمی بروقت صلح و صفائی کی ضرورت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اسی لئے معاشرے میں ایسے افراد، خاندانوں میں ایسے بزرگ لوگوں کا ہونا ضروری ہے۔ قوموں اور ملکوں میں ایسے اداروں کی موجودگی ہر زمانے میں لازمی اور ضروری سمجھی گئی ہے۔ عالمی سطح پر اقوام متحدہ کے ادارہ کا وجود اس کا ثبوت ہے۔ اس ادارے کا بنیادی مقصد دنیا کی تمام قوموں کے تنازعات دُور کرانا، ان میں صلح کرانا اور دنیا میں امن و سلامتی کی فضا برقرار رکھنا ہے، مگر اس ادارے میں مؤثر لوگ اور قومیں وہ ہیں جو بے دین، خدا ناشناس اور اسلامی عدل و انصاف سے کوسوں دُور ہیں جو اقوامِ عالم کے تنازعات و اختلافات کے تصفیوں کو اپنی اغراض اور اپنے مفادات کی عینک سے دیکھتی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ ادارہ صلح جیسے مقدس فریضہ میں بُری طرح ناکام ہے۔ کیونکہ اس میں فاصلحوا بینہما بالعدل والی شرط سرے سے موجود نہیں تو دوسری طرف اصلاح کے لئے واتقوا اللہ، اللہ سے ڈر کر معاملات و تنازعات کا تصفیہ جس قدر لازمی ہے وہاں خدا خوفی کا تصور بھی موجود نہیں۔ اس ادارے کی بُری طرح ناکامی اور اس سے مایوسی کا ردِّ عمل اسلامی سربراہ کانفرنس اور سارک کی تنظیم وغیرہ کا وجود ہے۔

عالمی سطح سے اُتر کر دیکھا جائے تو تنازعات میں صلح کا کردار، پُرانے دور میں "پنچائتیں" انجام دیتی تھیں جس میں گاؤں اور علاقہ کے معززین تنازعات کا تصفیہ اور صلح کا کردار ادا کرتے تھے۔ ان کے فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہوتے اور دیرپا ہوتے اور معاشرتی استحکام کا سبب ہوتے۔ اس نظام کا خاتمہ ہوا تو شہر کے معزز لوگ بیٹھ کر جرگہ کرتے اور صلح کا کردار ادا کرتے تھے۔ کیونکہ جرگہ کے افراد معزز اور صاف گو ہوتے جن کی سیرت و کردار پر کسی کو انگلی اُٹھانے کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ پھر خاندان کے بزرگوں اور شہر کے معززین کسی قسم کی برائی، فساد اور تنازعہ کو سر نہ اُٹھانے دیتے تھے اور ایسا کہیں کوئی معاملہ سر اُٹھاتا تو وہ اپنی سیرت کی مضبوطی اور خاندانی وجاہت کے سبب سے اختلافات میں کُود کر اُسے رفع کرا دیتے۔ جس سے ہماری معاشرتی روایات و اقدار بحال اور قائم رہ جاتی تھیں۔

Marfat.com

موجودہ صورتِ حال

آج اسلامی تعلیمات پر مبنی ہماری وہ تمام معاشرتی روایات و اقدار اور صلح کے سرچشمے مٹ گئے ہیں۔ اب خاندانوں کے بزرگ اور شہروں کے معززین پہلے تو باقی نہیں اور زمامِ اختیار نوجوانوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے اور اگر کہیں ان کا وجود موجود ہے تو وہ اپنے اثرات کھو بیٹھے ہیں یا خاندانی اور معاشرتی معاملات میں غیر جانبداری کے برعکس وہ خود فریق بن جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں آج ہمارے تنازعات پنچایت کے ممبروں، جرگہ کے معززین گاؤں کے حجروں اور گھروں یا مسجدوں کے صحنوں سے نکل کر تھانوں، عدالت کے کچہروں اور وکیلوں کے دفتروں تک پھیل گئے ہیں اور اس کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان تمام تنازعات میں ہماری بیویاں بچیاں اور بہو بیٹیاں تھانیداروں، وکیلوں اور مجسٹریٹوں کی دراز دستیوں کا شکار ہوتی رہتی ہیں اور ہم بحیثیت قوم اور مسلمان ہونے کے اپنوں کے ہاتھوں آئے دن ذلیل و خوار ہوتے رہتے ہیں۔

صلح کی معاشرتی حکمت

اللہ تعالیٰ کی حکمت و دانائی پر مبنی ہدایات میں ہمیں خود جو صلح کے کردار کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اس میں یہی حکمت و دانائی کا پہلو مضمر ہے کہ تمہارے صلح کے کردار سے جہاں تمہارا اسلامی معاشرہ، پیار و محبت، باہمی اخوت و برادری، اتفاق و اتحاد، حسنِ سلوک، ایثار و قربانی اور باہمی ہمدردی کے لازوال رشتوں میں منسلک ہوگا وہاں ـــ صلح کے کردار سے چشم پوشی اور عدمِ دلچسپی سے تمہاری عزت، تمہارا ناموس، تمہاری شرم اور تمہاری غیرت دوسروں کے ہتھے چڑھ کر تمہیں بے غیرت و بے عزت بنا دے گی۔ ہمارا مذہب نہیں چاہتا کہ ہمارے تنازعات سرکاری اہلکاروں اور اداروں کے ہاں پہنچ کر شرمندگی اور رسوائی کا باعث ہوں۔ اسی لئے فرمایا کہ: اِنَّمَا المؤمنون اخوۃٌ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون اے ایمان والو، تم آپس میں بھائی ہو۔ تمہارا شرم، تمہاری غیرت، تمہاری بہنیں اور بیٹیاں سب کا شرم تمہارا شریک شرم ہے اور ان کی رسوائی تم سب کی رسوائی ہے۔ تم خود اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ خدا سے ڈرو یعنی صلح کے وقت انصاف کا دامن تھامو۔ اس سے تم پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں گی اور تم اسلامی معاشرے کی پُرامن، پُربہار رحمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو گے۔

تعلیماتِ نبوی ﷺ

معاشرتی روابط کے استحکام کی اہمیت کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتا ہے۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رضؓ کہ مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان و مال اور عزت حرام ہے۔ سہیل ساعدی رضؓ فرماتے ہیں کہ اہلِ ایمان کا باہمی تعلق ایسا ہے جیسے جسم کے ساتھ اعضاء کا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جسم کی سلامتی اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک اس کے تمام اعضاء اپنا اپنا فریضہ ٹھیک طور پر ادا نہ کریں۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ اسلامی معاشرہ کے افراد دیوار کی اینٹوں کی طرح ایک دوسرے کے سہارے اور استحکام کا سبب ہوتے ہیں، اگر ایک اینٹ بھی دیوار میں سے نکل آئے تو پوری دیوار گر جائے گی ـــ حضرت انس رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ لا یؤمن احدکم حتّٰی یحبَّ لاخیہ ما یحبُّ لنفسہ۔ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک دوسرے مومن بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ کون

اپنے بھائی کے لئے خون خرابہ، دشمنی اور فساد پسند کرتا ہے ۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: تم جنّت میں نہیں جا سکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک تمہیں ایک دوسرے سے محبت نہ ہو اور محبّت کے لئے ضروری ہے کہ تم ایک دوسرے کو سلام میں پہل کرو۔ پھر فرمایا: المسلم من سلم من لسانہٖ ویدہٖ ۔ المؤمن امن النّاس علیٰ دمآءھم واموالھم ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھوں اور زبان سے لوگ امن میں ہوں اور مومن وہ ہے جو لوگوں کے جان ومال کی حفاظت کرے ۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی محفل میں بڑے زور سے تین بار فرمایا "قسم اللہ کی وہ مومن نہیں ہو سکتا" ۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا ۔ یارسولِ خداؐ، کون؟ فرمایا: "وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے تنگ اور رویّے سے خوفزدہ ہو" ۔ حضرت عمر بن عبداللہؓ بن سلام نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضورؐ سے اپنے پڑوسی کے رویّے سے تنگی کی شکایت کی ۔ حضورؐ نے حوصلے اور صبر سے کام لینے کی نصیحت فرمائی ۔ بالآخر بار بار وہ شکایت لے کر آیا تو فرمایا ۔ اچھا اگر اس کا رویّہ ناقابلِ برداشت ہے تو اپنے گھر کا سارا سامان گھر سے باہر لا کر رکھ دو اور لوگ پوچھیں تو بتا دو کہ اپنے پڑوسی کے ہاتھوں گھر چھوڑنے پر مجبور ہوں ۔ اس طرح وہ اپنی بدنامی کے خوف سے تنگ کرنا چھوڑ دے گا ۔ مگر یہ اُس وقت کی بات ہے جب لوگوں کو بدنامی کا ڈر ہوتا تھا ۔ آج تو ہم اتنے بے شرم ہو چکے ہیں کہ سگے بھائیوں کے معاملات عدالتوں تک چلے جاتے ہیں کسی کو بھی بدنامی اور بدشہرتی کا خیال نہیں آتا، نہ خوف محسوس ہوتا ہے ۔

ہماری حالت

حضور نبئ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ان تعلیمات کی روشنی میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ معاشرے کے استحکام کو برقرار رکھنے، اسے مستحکم بنانے اور مل جل کر رہنے والے افراد کے مراسم کو استوار کرنے کی اسلام میں کس قدر اہمیت ہے، اگر ان پر عمل کیا جائے تو ہماری زندگی جنت کا نمونہ بن سکتی ہے ۔ قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکامات تو ہمیں اکرامِ انسانیت اور احترامِ مسلم کا درس دیتے ہیں ۔ پڑوسی کو پڑوسی کے ساتھ، ہمسفر کو ہمسفر کے ساتھی کے ساتھ باہم عمدہ سلوک کا حکم ہے ۔ بچوں، جانوروں حتّٰی کہ درختوں تک سے بھی رحمت وشفقت کے بے شمار احکامات ہیں ۔ راستہ پر چلتے ہوئے کانٹے تک ہٹانے کا حکم ہے تاکہ آنے والے کو اس سے تکلیف نہ پہنچے ۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اسی مذہب کے پیروکار ایک دوسرے کے لئے بھیڑیے اور بھیڑیے بنے ہوئے ہیں ۔ چیر پھاڑ اور گوشت کا سلوک کر رہے ہیں ۔ ہماری ملّت کا شیرازہ بکھر گیا ۔ ہماری وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور بھائی چارے کی کانی مختلف لسانی، علاقائی اور نسلی وحدتوں میں بٹ گئی ۔ ایک دین کو ماننے والے، ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک قرآن پر ایمان لانے والے مختلف سیاسی اور مذہبی گروہوں میں تقسیم در تقسیم ہو گئے اور کسی کو بھی اصلاح احوال کی فکر نہیں کہیں دیوبندی، بریلوی کے جھگڑے ہیں کہیں آمین بالجہر بالسّر کا تنازعہ ہے ۔ کہیں ضآلین کی بحث ہے تو کہیں ظآلین یعنی ظ کے تلفظ سے اسے ادا کرنے پر اصرار ہے ۔ ہر فرقہ خود کو برحق سمجھتا ہے ۔ اصلاح واتحاد کی کسی کو فکر نہیں ۔ ہر گروہ اپنی انا اور اپنی بات کو اونچا رکھنے کی فکر میں ہے ۔ انبیاءؑ کے وارث شغلِ تکفیر اور کارِ منافرت میں مصروف ہیں ۔ ہم رحماء بینھم اور اشدّاء علی الکفار کے برعکس چل رہے ہیں ۔ فاصلحوا بین اخویکم کا فریضہ بھلا بیٹھے ہیں ۔

Marfat.com

واقعات وامثال

۱۔ محمد الغزالیؒ نے اپنی کتاب "دعوتِ اسلامی" میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کے شہر قنطیرہ میں "بعث پارٹی" جو وہاں کی کمیونسٹ، بے دین پارٹی ہے — کا اجلاس ہو رہا تھا۔ وہاں پارٹی کا نعرہ بینر پہ لکھا ہوا تھا کہ "اشتراکیت ہی آزادی ہے اور مجھ سے میرا مذہب نہ پوچھو کہ میں بعث پارٹی کا ممبر ہوں"۔ اپنے مسلمان ہونے کا ذکر نہ تھا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ یہودیوں نے جولان پہ قبضہ کر لیا اور قنطیرہ میں بلا روک ٹوک داخل ہو گئے اور بعث پارٹی کے اسی دفتر میں پہنچ کر سارے نعرے مٹا دیئے اور اُن کی جگہ سورۂ دخان کی آیات لکھ دیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ "وہ بہت سے باغ، چشمے اور کھیت چھوڑ گئے جن میں وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے اور ہم نے دوسری قوم کو اُن کی جگہ اُن نعمتوں کا وارث بنا دیا۔ نہ اُن پہ آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ اُن کو مہلت دی گئی۔"

یہی آیات سعد ابن ابی وقاص کی زبان پہ آ گئی تھیں جب وہ دجلہ کے کنارے کھڑے تھے اور مسلمان مجاہدین سے کہا کہ "وہ سامنے نوشیرواں بادشاہ کا قصرِ ابیض (سفید محل) ہے، آؤ ان قرآنی آیات کی تفسیر بن جاؤ اور ارشاداتِ ربانی کو پورا کر دکھاؤ"۔ اللہ کے شیر دل سپاہیوں نے دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیئے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ نے انہیں کامرانی اور فتح بخشی۔ آج ہماری سیاسی پارٹیاں علاقائی نعروں کے سہارے زندہ ہیں اور برادریوں و علاقائی تعلقات کا واسطہ دے کر ووٹ مانگتی ہیں — ہم کہتے ہیں پختونستان بنا لو۔ سندھو دیش بنا لو۔ بلوچ ریاست اور پنجابی حکومت بنا لو۔ مسلمانوں کا نقصان غیروں نے نہیں اپنوں نے کیا ہے۔ پیٹھ میں خنجر گھونپنے والے ہمیشہ اپنے ہی تھے۔

۲۔ امریکہ کی باون ریاستوں میں نعرہ لگ رہا ہے کہ وہ ایک ہیں۔ حالانکہ ان میں ہسپانوی بھی ہیں، ولندیزی بھی ہیں، اینگلوسیکسن بھی اور ریڈ انڈین بھی ہیں۔ چینی اور جاپانی، کالے اور گورے ہر نسل کے لوگ موجود ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک تکثیری معاشرہ ہیں۔ ہماری زبان، تہذیب اور سوچ ایک ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہم ایک ملت تھے اور یہ بات منوا کر جو ملک حاصل کیا اس میں سیاسی لیڈروں نے جداگانہ قومیتوں کے نعرے لگا کر ہمیں منتشر کر دیا۔

۳۔ کسی ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر کے سامنے آمین بالجہر اور آمین بالسر کہنے والوں کے درمیان لڑائی کا مقدمہ پیش ہوا۔ دونوں طرف کے لوگ زخمی تھے۔ دونوں فریقوں کے وکلاء نے اپنے اپنے موکلوں کے مسلک کے حق میں دلائل دے کر انہیں برحق ثابت کیا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر نے اُن کے دلائل اور بحثیں سُن کر فیصلہ لکھا — میں نے دونوں فریقوں کے وکلاء کی بحث سنی جس سے اندازہ ہوا کہ آمین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک آمین بالجہر اور دوسری آمین بالسر۔ میرے خیال میں ایک تیسری قسم آمین بالشر کی بھی ہے جو شر اور فساد کی موجب ہے، لہٰذا میں اسی قسم کی بنیاد پر دونوں کو جیل بھیجتا ہوں — دیکھنا یہ ہے کہ انگریز نے کیا فیصلہ دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ "بے شک جن لوگوں نے اپنے اپنے دین کو جدا کر دیا اور فرقوں میں بٹ گئے۔ اے پیغمبر آپؐ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔"

قرآن کریم کے ارشاد اور ہمارے موضوع سے متعلق آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

Marfat.com

دُنیا کے تمام مسلمانوں کی عالمگیر برادری قائم کرتی ہے۔جس سے دنیا کے تمام مذاہب اور ادیان محروم ہیں۔ان کے درمیان عالمگیر اخوّت کی کوئی ایسی ہدایت موجود نہیں۔حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان،مسلمان کا بھائی ہے۔وہ اس پر ظلم نہیں کرتا نہ اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور نہ اس کی تذلیل کرتا ہے۔

۴۔ حضرت ابوالدرداءؓ بڑے درجے کے صحابی تھے۔حضرت معاذ بن جبلؓ نے مرتے وقت فرمایا تھا۔جس نے علم سیکھنا ہو ابو درداءؓ سے سیکھے۔ وہ حافظ قرآن تھے اور پورا قرآن کریم اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سیکھا اور سن کر یاد کیا تھا۔حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں انہیں کوئی منصب قبول کرنے پر مجبور کیا تو فرمایا۔پڑھنے پڑھانے کی خدمت دی جائے تو قبول کر سکتا ہوں۔آپ دمشق کی جامع مسجد میں قرآن کریم کا درس دیتے تو ایک وقت میں سولہ سولہ سَو طالب علم ہوتے۔

ایک مرتبہ اُنہوں نے دیکھا کہ دو بیل رسّی سے باندھے ہوئے زمین پر بیٹھے تھے۔ ایک نے اُٹھنا چاہا تو دوسرا بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔حضرت ابو درداءؓ یہ منظر دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا۔کاش مسلمان بھائی بھی جو دین کی رسّی میں ایک دوسرے سے بندھے ہوئے ہیں،ان بیلوں کی طرح آپس میں موافقت کر لیتے۔رسّی سے بندھے ہوئے بیلوں کی باہمی رفاقت اور سنگت سے زیادہ یہ بات قابلِ عبرت ہے کہ ایک ہی کھُرلی پہ کچھ عرصہ تک رہنے والے جانور ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں تو دونوں ایک دوسرے کے لئے بے چین اور بے قرار ہوتے ہیں۔جانور بھی ایک کھُرلی پر کچھ عرصہ تک ایک ساتھ رہنے کے تعلق کو نبھاتے ہیں۔مگر انسان اور اشرف المخلوقات بالخصوص مسلمان،ایک خاندان، ایک مُلک،ایک دین کے پیروکار ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں،جُدا کرتے ہیں۔انہیں جانوروں سے سبق سیکھنا چاہیئے۔ کُتّا اپنی بے شمار خوبیوں اور وفاداریوں کے باوجود اپنی جنس کا دشمن ہو کر قابلِ نفرت جانور سمجھا جاتا ہے۔اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ ہمارے اور کُتّوں کے درمیان برادر کُشی اور بھائی دشمنی میں کوئی فرق ہے۔علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

آخری بات

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں ۔۔۔ موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں
ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ ۔۔۔ ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ملّت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ ۔۔۔ پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ

اور یہ رابطۂ استوار تب ہی قائم رہ سکتا ہے جبکہ فرد کی ڈالی کو خاندان،قوم،ملّت اور اسلامی برادری کے درخت سے جوڑے رکھنے کے لئے اُن کے درمیان اختلافات اور تنازعات کی چنگاریوں کو جنگل کی آگ بننے سے پہلے پہلے صلح کے کردار کا اسلامی فریضہ ادا کر دیا جائے تو آگ پہ قابو پایا جا سکتا ہے،ورنہ ہمارا انجام شاخ سے گرے ہوئے پتّے کی طرح ہوگا ۔۔۔ پڑا ہوں شاخ سے گر کر میں برگ زرد کی مانند ۔ نہ جانے کب کہاں لے جائے اب بادِ خزاں مجھ کو

وما علینا الا البلاغ

Marfat.com

Marfat.com

باہمی استہزاء، تمسخر اور تحقیر

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
سورۂ الحجرات۔ دوسروں کو حقیر جان کر مذاق اُڑانا	آیت معہ ترجمہ	۱
حضورؐ کو اس استہزاء پر تسلی دی۔ انبیاءؑ کے ساتھ مذاق خدائی امداد کی یقین دہانی، مذاق کرنے والوں کا انجام	مشرکینِ مکہ اور کفار کا وطیرہ مذاق	۲
معاشرتی تمسخر، نسلی امتیاز، سماجی و معاشرتی حیثیت سماجی حیثیت۔ جسمانی نقص۔	تمسخر کے اسباب، وجوہات	۳
(۱) انگریزوں کا اسلامی تہذیب سے مذاق۔ نسل کے اعتبار سے کسی کو بُرا سمجھنا۔ عہدے پر غرور و ناز کے باعث دوسروں پر ہنسنا۔ (۲) گھٹیا کسب والوں سے مذاق کرنا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کو جولاہا کہنا۔ ہنر کی کمائی اور ہاتھ کی کمائی کی مثالیں۔ (۳) جسمانی نقص گنجا کانا، لنگڑا وغیرہ کہہ کر مذاق اُڑانا۔ حضرت بلالؓ کا ہتھلانا اور ان میں ش کی بجائے س کہنے پر مشرکینِ مکہ کا استہزاء۔ مولانا رومؒ کے اشعار۔	واقعات و امثال عبرت و نصیحت	۴

Marfat.com

باہمی استہزاء، تمسخر اور تحقیر

آیت معہ ترجمہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ۔ اے ایمان والو! نہ کوئی قوم۔ مرد۔ دوسرے مردوں ۔ قوموں کا مذاق اُڑائیں۔ ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کا مذاق اُڑائے۔ ہوسکتا ہے۔ جس کا مذاق اُڑایا جارہا ہے۔ وہ اُن سے بہتر ہو۔

تمہیدی بات

گذشتہ اوراق میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں مخالفت اور تنازعے میں مصالحانہ کردار پر زور دیا گیا تھا کہ مسلمان دین کے مقدس رشتہ کی بنیاد پر بھائی بھائی ہیں اور اس تعلق کو برقرار رکھنے دوام اور استحکام بخشنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے باہمی صُلح کے ذریعہ کسی صورت میں ٹوٹنے نہ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کے درمیان منافرت، دشمنی اور مخالفت آگے چل کر بہت بڑے فتنے کا پیش خیمہ نہ بن جائے اور اسلام کی عالمگیر برادری اور اسلامی معاشرے کے پُرامن ماحول میں شگاف اور رخنے نہ پڑ جائیں۔

تفسیر و تشریح

آج کے موضوع اور اس مضمون کے عنوان میں دی گئی آیت بھی سورۃ الحجرات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں بھی اس سبب کے سدِّباب کا حکم دیا گیا ہے جو بالعموم معاشرے، اسلامی برادری اور انسانی تعلقات کو خراب کرنے اور بگاڑنے کا موجب بن جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا مذاق اڑایا جائے۔ دوسری قوموں، قبیلوں، مذاہب کو بُرا بھلا کہا جائے۔ ان کی معاشرتی زندگی کو نشانۂ تمسخر بنایا جائے اور معاشرے کے افراد کی کسی جسمانی خرابی، مالی کمزوری کو موضوعِ محفل بناکر ٹھٹھے بازی کرکے ان کی دلآزاری کی جائے اور یہ روّیہ بھی دوسرے بہت سے روّیوں کی طرح آپس کی عداوتوں اور دشمنیوں کا موجب بن کر معاشرتی بگاڑ و فساد کا ایک بنیادی سبب ہوجاتا ہے۔

قانون "ہتک عزت"

سورۃ الحجرات میں معاشرتی برائیوں کی اس تفصیل کی بنیاد پر ایک مفصّل قانون "ہتک عزت" مرتب کیا جاسکتا ہے۔ مغربی قوانین ہتک عزت یا ازالہ حیثیت عرفی اتنے ناقص ہیں کہ ایک شخص اُن کے تحت دعویٰ کرکے اپنی عزت نہیں پاسکتا بلکہ کچھ کھوتا ہے اُن کے مقابلے میں اسلامی قانون ہر شخص کی ایک بنیادی عزت کا قائل ہے جس پر حملہ کرنے کا کسی کو بھی حق حاصل نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ یہ حملہ حقیقت پر مبنی ہو یا نہ ہو یا جس پر حملہ ہوا ہے اس کی حیثیت عرفی ہو یا نہ ہو۔ اسلام کے نزدیک یہ بات کافی ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کی تذلیل کی ہے۔ اسلام اسے مجرم گردانتا ہے۔

مشرکین مکہ کی استہزائی کوششیں

اب جو اس آیت میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے منع کیا ہے تو دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں مذاق اُڑانے کا ذکر کہاں اور کن کن مواقع پر کیا گیا ہے؟ قرآن کریم میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے بعد قرآنی تعلیمات کا سلسلہ شروع فرمایا اور لوگوں تک قرآنی ہدایات اور احکامات پہنچانے شروع فرمائے تو اسی دن سے اُن کے خلاف دوسری اور مخالفانہ کوششوں اور بے بنیاد بہتان اور الزام تراشیوں کے ساتھ ٹھٹھے بازوں، نقالوں اور طنز و مزاح کے ماہرین کی ایک کمیٹی بھی بنائی گئی جو اپنی طنز و تشنیع، مزاح، استہزاء اور نقالی کے ذریعہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

ایک شریف النفس شخص، پیغمبری کے اعلیٰ انسانی منصب پر فائز، اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک شخص کی اس طرح توہین آمیز مخالفت کی جائے تو قدرتی طور پر اپنے اخلاص، جذبۂ ہمدردی و خیر خواہی، انسانیت کی رہنمائی، اُن کی دنیا و آخرت کی بھلائی سے معمور دل میں افسوس ضرور پیدا ہوتا ہے۔ اس کی دلآزاری ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان سب استہزائی صورتوں میں اُن کا حوصلہ بلند رکھا۔ چنانچہ سورۂ حجر میں ارشاد ہوا: وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ۔ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ۔ (۹۲، ۹۳) اے نبیؐ جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے کرتے چلے جائیں۔ آپؐ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ یہ ٹھٹھے باز ایسا ہی سلوک کیا کرتے تھے۔ آپؐ ان کی پرواہ نہ کریں۔ ہم تمہاری طرف سے ان مذاق اور ٹھٹھے کرنے والوں کی خبر لینے کے لئے کافی ہیں۔

دنیا نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بنائی جانے والی استہزائیہ کمیٹی اور اس کے مسخروں کو چن چن کر سزا دی گئی۔ اسود بن مطلب اس کمیٹی کا اہم رکن تھا۔ وہ حضورؐ کی نقلیں اُتارتا، مزاحیہ روپ دھارتا۔ ایک دن درخت کے نیچے سو کر اُٹھا تو بے چین ہو کر کہتا پھرتا۔ میری آنکھوں میں کانٹے چبھتے ہیں اور اسی تکلیف میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

انبیاءؑ کا مذاق اُڑانے والوں کا انجام

عاص بن وائل مسلمانوں کا مذاق اڑاتا۔ طنزیہ فقرے کستا تھا۔ ایک دن گدھے پر سوار جا رہا تھا کہ ٹھوکر لگی تو سامنے غار میں جا پڑا۔ وہاں زہریلے بچھو نے کاٹا۔ سارا بدن سوج گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔ حارث بن قیس مسخرا خدا کی گرفت میں آیا تو پیٹ میں زرد پانی بھر گیا، منہ سے نکلتا تھا۔ اسی ذلت آمیز بیماری میں جہنم رسید ہوا۔ سعد بن عبد یغوث حضورؐ کی نقلیں اُتارتا تھا۔ منہ چڑاتا رہتا تھا۔ خدا کی غیرت جوش میں آئی تو زہریلی ہوا سے چہرہ جھلس گیا اور ایسا کریہہ المنظر ہوا کہ اُسے اس کے گھر والے بھی نہ پہچان سکے اور گھر میں داخل نہ ہونے دیا۔ دروازے پر بلک بلک کر مر گیا۔

سورۂ الانعام آیت ۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تسلی دی گئی ہے: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ۔ تم سے پہلے بھی منکرین رسالت و نبوت پیغمبروں سے مذاق کرتے، تمسخر کرتے تھے۔ انہیں سخت سزا نے گھیر لیا تھا۔ پہلے پیغمبروں میں حضرت نوح علیہ السلام جب قوم سے مایوس ہو کر اُن کے لئے عذاب کی دعا مانگ چکے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب لانے کا فیصلہ کر دیا اور نوحؑ کو ایک کشتی کی تیاری کا حکم دے دیا تو اس کشتی کی تیاری کے دوران اُن کی قوم کے سردار انہیں کشتی بناتے ہوئے دیکھتے تو چار دن

طرف دُور دُور تک دریا یا پانی کا نام و نشان نہ ہونے کے باعث مذاق کرتے۔ انہیں طرح طرح سے تمسخر کا نشانہ بناتے انہیں کیا خبر تھی کہ یہی کشتی آنے والے طوفان میں اُن۔ نوحؑ۔ کے بچاؤ کا ذریعہ بنے گی اور وہ خود اپنے مذاق اور بیوقوفی کا نشانہ بنیں گے۔ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ۔ (سورہ ہود۔ آیت: ۳۸) جب نوحؑ کشتی بنا رہے تھے تو اُن کی قوم کے سردار پاس سے گزرتے ہوئے اُن کا مذاق اُڑاتے کہ دُور دُور تک دریا اور سمندر کا نام و نشان نہیں اور یہ دیکھیے کشتی بنا رہا ہے۔ نوحؑ جواب میں فرماتے۔ ٹھیک ہے آج تم میرا مذاق اُڑا رہے کہ تمہیں آنے والے طوفان اور خدا کے عذاب کی خبر نہیں۔ کل جب وہ طوفان اور خدا کا عذاب تمہیں گھیرے گا تو ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے۔

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے: قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ۔ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا اُس کی طرف سے بھیجی گئی آیات اور اُس کے رسولؐ کا مذاق اُڑاتے ہو۔ اور پھر اسی سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (التوبہ: ۸۰) اے پیغمبر خدا اگر آپ اُن کی مغفرت کی دعا مانگیں یا نہ مانگیں اور اگر ستر بار بھی مغفرت مانگیں انہیں نہیں بخشے گا۔ کیونکہ یہ اللہ اُس کے رسولؐ کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تمسخر کرنے والے منافق ہوتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں منافقین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ۔ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ۔ جب منافق لوگ ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور اپنے شیطان ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو اُن سے مذاق کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مذاق کرتا ہے جسے ان کی منافقت اور بزدلی کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دیتے ہیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ٹھٹھہ بازی کرنا، مذاق اور تمسخر کرنا، مشرکین اور منافقین کا شیوہ ہے اور اچھے لوگوں کا طرزِ عمل نہیں، وہاں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا عیب ہے، ایسی بُری عادت ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہمیشہ نیکی، اصلاح اور فلاح و خیر کا کام کرنے والے اس کا نشانہ بنتے ہیں تاکہ بھلائی اور نیکی کی کوشش کرنے والے دل برداشتہ ہو کر، حوصلہ ہار کر اس کارِ خیر کو چھوڑ دیں اور معاشرے میں برائیاں پھیلتی چلی جائیں۔ ایسے لوگ گویا شیاطین کے چیلے اور پیروکار ہوتے ہیں جو بھلائیوں کے دشمن اور بُرائیوں کے معاون ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ علیحدگی میں اپنے شیطان ساتھیوں سے ملتے ہیں، مذاق اُڑانا شیطانی حرکت ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقین اکثر اپنی مجلسوں میں حضورؐ اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے رہتے اور اس قسم کی تضحیک و طنز کے ذریعہ اُن کی ہمتیں پست کرنے کی کوشش کرتے۔ اسی طرح کی ایک مجلس میں منافق بیٹھے ہوئے طنزیہ گفتگو کر

رہے تھے کہ ایک نے کہا "کیا مسلمانوں نے رومیوں کو بھی عرب سمجھ رکھا ہے جو ان سے لڑنے نکلے ہیں۔ دیکھو یہ رسیوں سے باندھے ہوئے آئیں گے۔" دوسرے نے کہا "مزہ تو جب ہو انہیں سو سو کوڑے بھی لگائے جائیں۔" تیسرے نے کہا "آپ کو دیکھئے یہ روم و شام فتح کرنے چلا ہے۔"

منافقین اور مشرکین کی یہ ذہنی اور نفسیاتی کیفیت آج بھی وہی ہے۔ آج بھی نیکی اور بھلائی کا کام کرنے والوں کو اسی قسم کے مزاحیہ اور استہزائیہ جملوں، القاب و آداب سے نوازا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو برائی سے دلچسپی اور بھلائی سے دشمنی ہوتی ہے۔ کوئی برا کام ہوتا ہو تو ان کی ہمدردیاں، مشورے، ہمت افزائی، امداد اور تعاون ہی نہیں ان کی تحسین و آفرین اور ہر طرح کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، مگر جب اچھا کام ہوتا ہے، کوئی اس کی تحریک کرے، کوئی تنظیم قائم ہوتی ہو تو انہیں تکلیف ہوتی ہے، صدمہ پہنچتا ہے، دل دکھتا ہے، ہر ممکن طریقے سے اس کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ ہر ممکن طریقے سے اس قسم کے کاموں سے باز رکھا جاتا ہے۔ نام رکھے جاتے ہیں۔ صوفی، ملا اور طنزیہ ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

تمسخر کی معاشرتی صورتیں

استہزا اور تمسخر کی ان قرآنی اور دینی صورتوں میں جو پیغمبروںؑ اور انبیاءؑ کے ساتھ ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں تاکہ اس طرح ان کی کردار کشی کر کے، مذاق کر کے انہیں اپنے مشن سے ہٹایا جائے اور تضحیک کا نشانہ بنا کر انہیں خود اپنے مشن کے تقدس اور تفوق پر ندامت محسوس کرائی جائے تاکہ وہ پسپا ہو جائیں۔ انگریزوں نے ہندو پاک میں اسلامی تہذیب، اسلام اور اسلام کے لئے کام کرنے والوں کے ساتھ یہی رویّہ اختیار کر رکھا تھا۔ دینی شعائر کا مذاق اڑایا جاتا۔ اسلامی تہذیب کو نشانۂ مذاق بنایا جاتا اور دینی و شرعی مدارس اور تعلیمات پر قدغنیں لگائی جاتیں۔ معاش کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ خود مسلمانوں نے داڑھی مونڈنا، انگریزی بولنا اور انگریزی لباس پہننا باعث فخر سمجھا۔ اس کے برعکس اسلامی لباس، اسلامی شعائر کی اتنی تضحیک ہوتی رہی کہ خود مسلمان اسے اختیار کرتے ہوئے شرماتے رہے۔ الغرض قرآن کریم کی ان آیات میں اطمینان بخش امداد کا خدائی وعدہ جہاں اس وقت پیغمبروںؑ کے لئے تھا آج بھی نیکی، بھلائی اور پیغمبروں کے مشن کو لے کر چلنے والے لوگوں کے لئے موجب اطمینان ہو سکتا ہے اور یقیناً ہے۔

معاشرتی تمسخر

ہمارے موضوع کے عنوان میں سورۃ الحجرات کی جو آیت لکھی گئی ہے اس میں تمسخر کی خالص معاشرتی اور سماجی صورتوں کا ذکر ہے جو ایک قوم کے افراد دوسری قوموں سے اور ایک معاشرے کا فرد معاشرے کے دوسرے فرد کے ساتھ اس کی تحقیر اور تذلیل کے لئے کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ایسا نہ کیا کرو، کیونکہ جنہیں تم ان کی کسی سماجی حیثیت، معاشرتی مرتبے، نسلی کمتری یا جسمانی اور تخلیقی نقص کی وجہ سے اپنے مذاق اور تمسخر کا نشانہ بناؤ گے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہاری نظروں میں حقیر اور لائق تمسخر ہو مگر خدا کے نزدیک وہ تم سے بہتر ہو۔ تمسخر کی یہ معاشرتی صورتیں ہمارے معاشرے میں بکثرت ہوتی ہیں جو معاشرے کے افراد و اقوام اور معاشرے کی عورتوں اور مردوں میں بالعموم دشمنی، نفرت اور حقارت کا موجب ہوتی ہیں اور معاشرے کی اجتماعی محبت، باہمی ہمدردی دو طرفہ سلوک، خلوص اور خوشگوار روابط کے لئے زبردست نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس قسم کے تمسخر کے نشانہ کے مندرجہ ذیل اسباب ہوتے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ نسلی امتیاز

کوئی شخص محض اللہ کی مہربانی سے اپنی ذاتی سعی و کوشش کے بغیر اچھے خاندانوں، اچھی نسل یا بہتر قوم میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے ایسے کمتر قوم، قبیلے اور نسل سے تعلق رکھنے والوں کو حقیر اور کمتر خیال کرتا ہے۔ یہ طرزِ فکر، یہ سوچ اور انداز عمل بڑا گھٹیا اور انتہائی بُرا ہے۔ جس کے متعلق اسی سورہ الحجرات میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ لوگو تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبائل اور قوموں میں تقسیم کرنا صرف تمہارے تعارف اور پہچان کا ذریعہ ہے۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ تم میں عزّت والا شخص وہی ہے جو تم میں سے تقویٰ دار ہوگا۔ گویا کسی کی نسل، قوم اور قبیلہ کی بہتری عزّت کا سبب نہیں ہے۔ برتری کا معیار خاندانی و نسلی برتری نہیں بلکہ اخلاق و پرہیزگاری ہے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے مختصر فقرے میں انسانی فضیلت اور برتری کا جو معیار بتایا ہے وہ انسانی افعال و اعمال کی انسانی افادیت ہے۔ فرمایا: خیرالنّاس من ینفع النّاس۔ انسانوں میں سے بہتر انسان وہ ہے جس کے عمل، کردار، جس کے رویّے اور جس کے حسنِ سلوک سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ جس کی زندگی لوگوں کی بہتری اور بھلائی کے کاموں میں گزرتی ہو۔ انسانیت کا خیر خواہ ہو۔ اس کے بغیر کوئی کتنی ہی اعلیٰ نسل کا انسان ہو، بہتر اور افضل انسان نہیں ہو سکتا۔

صحابۂ کرامؓ میں سے حضرت بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ عرب کی اعلیٰ وارفع نسل سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ غلام تھے اور عجمی تھے۔ ایک دن کسی مجلس میں حضرت قیس بن مطاطعہ نے کہا کہ یہ لوگ جو غیر قریش اور غیر عرب ہیں ان کی اتنی فضیلت اور بڑائی ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے ان کے ان ریمارکس کا نوٹس لیا اور حضورؐ سے اس کا ذکر فرمایا۔ حضورؐ کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا۔ فوراً خطبہ فرمانے کا اعلان فرمایا۔ مسلمان جمع ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ خبردار، اسلام رنگ، نسل اور قومیتوں کے بتوں کو توڑنے کے لئے آیا ہے۔ اس قسم کا امتیاز اور فرق کرنے والے منافق ہیں۔ کسی کو کسی کی قومیّت اور نسلی اعتبار سے حقیر ٹھہرانا بُری بات ہے۔ ہمارے ہاں یہ رویّہ عام ہے، ہم نسلی کمتری کے طعنے دیتے رہتے ہیں اور انہیں نہایت تحقیر کے انداز سے پکارتے ہیں۔ یہ بات دوسروں کی دلآزاری اور ان میں احساسِ کمتری کا سبب ہو جاتی ہے اور یہ دلآزاری ایک دوسرے سے نفرت، حقارت اور عدمِ تعاون اور عدمِ موافقت کا سبب بن کر باہمی اتحاد اور معاشرتی استحکام کے لئے نقصان کا موجب بنتی ہے۔

۲۔ معاشرتی حیثیت

تمسخر کا دوسرا سبب کسی انسان کی معاشی اور منصبی حیثیت کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اپنے خاص کرم سے دولت اور منصب سے نوازتا ہے، اسے مرتبہ دے دیتا ہے۔ دولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ خدا کا شکرگزار بندہ بن کر اپنے منصب اور دولت کو اپنے جیسے انسانوں کی بہتری، فلاح، بہبود میں صرف کرنے کی بجائے انہیں اپنا غلام سمجھ لیتا ہے، اُن سے حقارت آمیز سلوک کرتا ہے۔ انہیں ہر لمحہ یہ احساس دلانے میں لگا رہتا ہے کہ میں تم سے بہتر انسان ہوں اور تم میرے حکم کی بجا آوری اور خدمت گزاری کے لئے پیدا کئے گئے ہو، جینے کا حق صرف مجھے ہے، تم میری زندگی کی بقا اور آسائشوں کی بہم رسانی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

اس کارخانۂ قدرت میں امیری اور غریبی، افسری و ماتحتی، بڑائی اور چھوٹائی انسان کی خود معاشرتی ضرورتوں کے تحت

ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو امیر اپنی ضرورتوں اور اُمور کی انجام دہی میں محتاج اور بے بس ہو کر رہ جاتا، اگر کسی غریب کی امیر کے ساتھ معاشی ضرورتیں وابستہ ہیں تو امیر کی بھی غریب کے ساتھ بہت سی ضرورتیں منسلک ہیں جس کے بغیر خود امیر کی زندگی کے ٹھاٹھ باٹھ قائم نہیں رہ سکتے، بلکہ کارخانۂ قدرت میں معمولی مخلوق بھی بیکار نہیں، کوئی نہ کوئی چیز، خواہ وہ کتنی حقیر، بے قیمت اور بے حیثیت کیوں ہو، وہ انسانی خدمت کے لئے اور انسانی ضرورت کے لئے پیدا کی گئی ہے خواہ انسان کو اس کا ادراک ہو یا نہ ہو۔

کسی دولت مند کو گندگی کے کیڑوں سے گھن آتی تھی۔ یہ بات قدرتی ہے، لیکن وہ شخص حد سے زیادہ نازک مزاج اور صفائی پسندی کا جا و بے جا اظہار کرتا رہتا۔ قدرت نے اسے سبق سکھانا چاہا تو ایسی بیماری میں مبتلا کر دیا کہ اس پر کسی دوا کا اثر نہ ہوتا اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ تھک ہار کر عزیز و اقارب نے دُور سے ایک نامی گرامی طبیب کو بلایا۔ اُس نے معائنہ کے بعد علاج شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد خدا کی قدرت سے صحت ہو گئی۔ جشنِ صحت منایا گیا۔ طبیب کو انعام دیا گیا۔ رخصت کیا جانے لگا تو دولت مند نے اس سے اس کا علاج دریافت کیا جس سے اُسے صحت ملی۔ طبیب نے گندگی کے کیڑے دکھا کر کہا۔ انہیں جلا کر جو دوا تیار کی وہ آپ کی بیماری کے لئے اکسیر تھی۔ دولت مند کی آنکھیں کھل گئیں جن کے وجود سے اُسے گھن آتی تھی وہی میری زندگی پر قربان ہو گئے۔

اپنے آپ کو خدا کہنے والا شدّاد حکومت کے نشے میں خدا بن بیٹھا کہ میں خدا ہوں۔ اپنے لئے خود جنت بنائی اور اس کا نام ارم رکھا۔ اپنی بنائی ہوئی جنت سے لطف اندوز ہونے کے لئے روانہ ہوا، جب جنت کے دروازے پر پہنچا تو ناک میں مچھر گھس گیا جو دماغ تک جا پہنچا۔ کہاں کی خدائی، کہاں کی جنت۔ خود کو خدا کہلانے والا اپنی جنت کے دروازے تک پہنچ کر دم توڑ گیا۔ اللہ کی ننھی بالکل ننھی سی مخلوق نے اُس کی خدائی کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ اپنے مرتبے، منصب اور دولت کے نشے میں دوسروں کو حقیر جاننے والوں کو یہ سوچ لینا چاہیئے کہ اُن کا کردار، اُن کا مرتبہ اور دولت حقیر سے حقیر تر چیز کے آگے بھی بے بس ہو جاتا ہے۔

۳۔ سماجی حیثیت

تمسخر کا ایک سبب انسان کی سماجی حیثیت ہوتی ہے کہ کوئی شخص معاشرے میں سماجی حیثیت کے اعتبار سے ذرا بہتر ہوتا ہے یعنی بہتر ذریعہ معاش اختیار کر لیتا ہے اور دوسرا آدمی اپنے ذریعۂ روزگار کے لحاظ سے کمتر تو نہیں ہوتے مگر کمتر سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ غور کیا جائے تو انسانی سوسائٹی میں ہر طرح کے کسب، ہنر اور پیشے کے لئے انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ایک آدمی اگر اپنے ذریعۂ روزگار کے لحاظ سے کمتر ہے تو اُسے موچی، دھوبی، حجام، درزی حتیٰ کہ گھر کی صفائی کیلئے خاکروب اور بھنگی تک کی احتیاج ہے۔ ان پیشوں کے حامل افراد پر کسی کمشنر اور صاحب بہادر کی شخصیت کا نکھار موقوف ہے، مگر انسانی غرور اور تکبّر کا یہ عالم ہے کہ اپنی جسمانی زیبائش اور رہائشی آرائش سے متعلق ان پیشوں کے حامل افراد کو حقیر جاننے لگ جاتا ہے اور انہیں اُن کے پیشوں کے نام سے پکار کر اُن کی تذلیل و تحقیر کی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ اپنی برتری کا احساس دلایا جاتا ہے جس سے ان کی نفس کشی کی جاتی ہے۔ انہیں موچی، ترکھان، لوہار، نائی اور نہ جانے کیا کیا کہہ کر اُن کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔

Marfat.com

مولانا اشرف علی تھانویؒ پچھلے دور کے علماء میں بڑا مرتبہ و مقام رکھتے تھے۔ ہزاروں بندگانِ خدا نے اُن سے دین سیکھا، کتنوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔ انہیں کسی نے گمنام خط لکھا کہ۔ تم جولاہے ہو، جاہل ہو اور کافر ہو۔ خبردار! جلسے میں سنبھل کر جانا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو عزت، مرتبہ اور مقام دیتا ہے تو اس کے ساتھ جلنے والے اور حسد کرنے والے بھی بہت پیدا ہو جاتے ہیں، ہزاروں دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ کمینے اور اوچھے دشمن گالی پر اُتر آتے ہیں۔ ان کا کام دوسروں کی پگڑی اچھالنا، بیہودہ خط لکھنا، بیہودہ ٹیلیفون کرنا، یہ سب کم ظرفی کے طریقے ہوتے ہیں اور کم ظرف ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہتے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ خط ملنے کے بعد وعظ کے لئے جونپور تشریف لائے تو جلسے میں اپنے نام آیا ہوا خط پڑھ کر سنایا اور فرمایا۔ صاحبو! اس خط میں مجھے جولاہا کہا گیا ہے تو کیا حرج ہے، میں یہاں شادی کرنے نہیں آیا۔ میں تو خدا کی باتیں سنانے آیا ہوں۔ اس سے قومیت اور پیشے کا کیا تعلق ہے، یہ تو خدا کی مرضی ہے جسے چاہے جس خاندان میں پیدا کر دے۔ اچھائی عمل کی ہوتی ہے پیشے اور ذات کی نہیں۔ جس کا عمل اچھا ہوتا ہے وہی اچھا ہوتا ہے۔ کتنے ہی خدا کے بندے، دین کے بزرگ، انبیاء اور عالم کسب کرنے والے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام ترکھان تھے۔ حضرت زکریا علیہ السّلام دکاندار تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام چرواہے تھے۔ دنیاداروں کو دیکھئے تو اسٹالن موچی کا بیٹا تھا۔ مسولینی لوہار تھا۔ ہٹلر عرصہ تک گلیوں میں اخبار فروش اور رہا کرتا۔ ابراہم لنکن لکڑہارا تھا۔ قطب الدین ایبک اور سلطان التمش غلام تھے۔ جاہان علم اور اربابِ تقویٰ کے لئے ایسے ناموں سے منسوب اور کاموں میں مصروف ہونا چنداں برا نہیں۔ ہر وہ پیشہ جس میں حلال کی کمائی ہو اسلام کے نزدیک قابلِ احترام ہے۔ بزرگوں سے گستاخی کرنا اور اہلِ علم سے بدتمیزی کرنا سفلہ پن ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا۔ خط لکھنے والے نے مجھے کافر کہا ہے۔ یہ بہت بڑا الزام ہے، چلو میں ابھی سے مسلمان ہو جاتا ہوں اور کلمہ پڑھ لیتا ہوں۔ رہی جہالت کی بات، تو مجھے اپنی جہالت کا اقرار ہے "جہالت کا یہ اعتراف ایسے شخص نے کیا تھا جو تقریباً سو کتابوں کے مصنف، قرآن کریم کے مفسر تھے۔" آخر میں انہوں نے فرمایا۔ مجھے خط لکھنے والے نے مجھے جاہل کہا ہے، حالانکہ خود اُسے یہ پتہ تک نہیں کہ "سلام ممنون" نہیں ہوتا، بلکہ "سلام مسنون" ہوتا ہے اور ختمی مرتبت کے لفظ میں۔ ط۔ نہیں ہوتی بلکہ۔ ت۔ ہوتی ہے۔

۴۔ جسمانی یا تخلیقی نقص

تمسخر کی آخری صورت کا سبب کسی انسان کا جسمانی یا تخلیقی نقص ہوتا ہے۔ کسی کی ٹانگیں پتلی ہوں، قد ٹھگنا ہو یا بہت زیادہ اُونچا ہو۔ آنکھوں سے اندھا، ٹانگوں سے لنگڑا، آنکھوں سے بھینگا پن ہو، کانا ہو، گنجا ہو۔ غرض ہر طرح کا جسمانی نقص اس کے لئے لوگوں کی ہنسی مذاق، تمسخر استہزاء کا موجب بن جاتا ہے۔ اس کی تحقیر و تذلیل کی جاتی ہے۔ تمسخر کی یہ صورت بھی معاشرے کے کسی فرد کی دلآزاری کا موجب بن کر محبت اور ہمدردی کے باہمی رویوں پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ تمسخر کی یہ صورت بھی قرآن کریم کی آیت کی رو سے حرام اور گناہ ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ

ولکنّ ینظر الیٰ نیّاتکم و اعمالکم۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں کو نہیں دیکھتا، نہ تمہاری دولت کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہاری نیتوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ کسی کا خوش شکل ہونا، خوش رُو ہونا اور جسمانی طور پہ بے عیب ہونا پسند نہیں بلکہ عمل اور نیّت کے اعتبار سے پسند کرتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ کی ٹانگیں پتلی تھیں۔ وہ ایک دن مسواک توڑنے کے لئے درخت پر چڑھے تو اُن کی ٹانگیں دیکھ کر ساتھیوں نے مذاق اُڑایا جس پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سختی سے منع فرمایا۔ حضرت بلال حبشیؓ مؤذّنِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم عرب نہ تھے عجمی تھے۔ ش کا حرف زبان سے ادا نہ کر سکتے تھے۔ اذان دیتے وقت اشہد انّ کی بجائے اسھد انّ کہتے تھے۔ صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ عربی دان مشرکین ان کے اس تلفّظ کا مذاق اُڑاتے ہیں کہ مسلمان ایسے جاہل ہیں کہ حروف کی ادائیگی بھی نہیں آتی، انہیں اذان دینے سے منع فرمائیں اور یہ خدمت کسی اور کے سپرد فرمائیں۔ حضورؐ نے اُن کی بات مان لی۔ دوسرے شخص نے ایک ہی وقت کی اذان دی تھی کہ خداوند کریم کی طرف سے استفسار فرمایا گیا۔ آج آپؐ کی مسجد میں اذان نہیں ہوئی! یہ مکالمہ شاعر کی زبانی ملاحظہ فرمائیے

؎ گفت ہاتف بر درِ خیر الوریٰ چہ سبب بے بانگ شد خانہ خدا

ہاتف نے کہا۔ کیا سبب ہے آج خانۂ خدا اذان کے بغیر رہا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اذان تو دی گئی تھی۔ فرشتہ نے کہا:

گفت ہاتف باز از بانگِ بلالؓ خوش شدے بر عرشِ اعلیٰ ذوالجلال

فرشتے نے کہا: آپؐ دوبارہ حضرت بلالؓ سے اذان دلوایئے، کیونکہ عرش پہ ذوالجلال (خداوندکریم) ان کی اذان سے خوش ہوتے ہیں۔ آج خوش الحان و خوش آواز اذانیں تو ہیں مگر بقول علامہ اقبالؒ رُوحِ بلالی سے خالی ہیں، دلوں کو گرماتی نہیں ہیں۔ مولانا رومؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے احمد و بُوجہل ہم یکساں بُدے

گر بقوّت اصلی انساں بُدے گاو و خر از آدمی بہتر بُدے

اگر انسان صورت کے اعتبار سے انسان ہوتا تو احمد مرسلؐ اور ابوجہل برابر ہوتے، اور اگر انسان صرف جسمانی قوّت کے اعتبار سے انسان کہلاتا تو بیل اور گدھے انسان سے بہتر ہوتے۔ اس لئے ہمیں دوسروں کا مذاق اُڑانے سے پرہیز کرنا چاہیئے، کیونکہ ہوسکتا ہے جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے وہ خدا کے نزدیک مذاق اُڑانے والے سے بہتر ہو اور ہم خواہ مخواہ خدا کے غضب اور انتقام کو دعوت دینے کے علاوہ دوسرے کی دلآزاری اور نفرت کا موجب بن کر معاشرتی بگاڑ کے بیج بونے لگ جائیں۔ و ما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

لعن طعن اور بُرے ناموں سے پکارنا

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۃ الحجرات ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا۔ الخ
۲	طنز و تنابز کی تشریح	چوٹیں کرنا، اشارے کرنا، پھبتیاں کسنا، بُرے نام رکھنا، دوسروں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا حضورؐ کے ساتھ اُن کے لاولد ہونے پر ابولہب کا طنزیہ انداز، اس کی سزا۔ ان شانئک ھو الابتر۔
۳	مشرکین مکّہ کا تحقیر آمیز اور طنز آمیز رویّہ	سورۂ ھمزہ۔ غزوۂ تبوک کے موقع غریب صحابہؓ کے صدقات پر طنز۔ احادیث میں اس کی ممانعت۔
۴	جائز صورتیں اور نام	حضورؐ کا بوترابؓ کہنا۔ ابوہریرہؓ کہنا، اظہارِ نفرت کی وجہ سے نہ تھا، اظہارِ محبت کی وجہ سے تھا۔
۵	حضورؐ کی بے توجہی پر خدائی تنبیہہ	حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم کے اندھے پن کی وجہ سے عدمِ توجہ اور سردارانِ قریش کی طرف توجہ پر عبس وتولٰی ان جاءہ الاعمٰی کا نزول

Marfat.com

لعن طعن اور بُرے ناموں سے پکارنا

آیت مع ترجمہ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد بُرے ناموں سے مشہور کرنا بُری بات ہے، جو لوگ ایسا کرنے سے توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

تفسیر و تشریح سورۂ الحجرات کی روشنی میں انسانی زندگی کی باہمی محبت، ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے اور خوشگوار تعلقات و روابط کی فضا کو خراب کرنے والے گزشتہ اسباب و وجوہات کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ہے جس کا مشاہدہ ہم اپنی روزمرّہ زندگی میں کرتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی کسی بڑائی، مرتبے اور شان کے غرور میں آکر دوسروں پر لعن طعن کرتے ہیں اور اسی برتری کے احساس میں دوسروں کے طرح طرح کے نام رکھ کر اُن کی تذلیل و توہین کی جاتی ہے۔ اس طرح ایک طرف وہ اپنے نفس کی تسکین چاہتے ہیں تو دوسری طرف اسے معاشرے کا قابلِ نفرت انسان بناتے ہیں۔

دوسروں کو ذلیل جاننا، خواہ کسی سبب اور وجہ سے ہو، مہذب سوسائٹی میں بھی اور اسلامی اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مذموم فعل سے منع فرمایا ہے۔ لعن طعن کرنا، دوسروں کو بُرے القاب و آداب سے پکارنا، ایمان لانے کے بعد خود کو بھی اور دوسروں کو بھی بُرے ناموں سے مشہور کرنا قابلِ شرم اور لائقِ ملامت بات ہے۔

لَمز کا لفظ عربی زبان میں طعن و تشنیع کے علاوہ دوسرے بہت سے مفاہیم کے لئے بھی بولا جاتا ہے، چوٹیں کرنا، پھبتیاں کسنا، نام دھرنا، اعتراض جڑنا، عیب چینی کرنا، کھلم کھلا یا اشاروں کنایوں میں یا زیرِ لب کسی کو نشانۂ ملامت بنانا، یہ سب حرکتیں انسانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہیں اور تعلقات کی یہ خرابی معاشرتی روابط میں پھوٹ ڈال دیتی ہے۔ اسی لئے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ یہاں یہ باریک نکتہ قابلِ غور ہے کہ خداوندِ کریم نے وَلَا تَلْمِزُوْا بَعْضُكُمْ بَعْضًا کی بجائے اَنْفُسَكُمْ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے آپ کو لعنت و ملامت نہ کرو۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کو طعن و ملامت کرنے والا خود کو دوسروں کی ملامت کے لئے پیش کرتا ہے کسی شخص کی زبان دوسروں کے خلاف اس وقت تک نہیں کھلتی جب تک اُس کے

Marfat.com

دل میں بُرے جذبات کا لاوا پک کر پھُوٹ نہ پڑے اور بُرے جذبات کا یہ لاوا اسی وقت پھُوٹ پڑتا ہے جب دوسرا اُسے لعن طعن میں پہل نہ کرے۔ اس طرح گویا بُرے جذبات، حقارت، نفرت اور دشمنی کے جذبات کو پالنے والا دوسروں سے پہلے خود اپنے نفس کو بُرائی کا نشانہ بناتا ہے، جب وہ دوسروں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ خود پر چوٹیں کرتا، خود پر طعن کرتا ہے اور خود کو دوسروں کی ملامت کے لئے پیش کرتا ہے۔ وہ خود کو دوسروں کے طعن و تشنیع کے تیر پھینکنے کی دعوت دیتا ہے۔

سمجھدار لوگوں کا کہنا ہے کہ دوسروں پہ انگلی اٹھانے والے کی تین انگلیاں اُس کی اپنی طرف ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آدمی اپنی شرافت سے اس کے حملوں کو ٹال دے، لیکن اس نے تو اپنے طور پہ اپنے آپ کو مطعون کرنے کا دروازہ کھول دیا ہوتا ہے۔ دوسروں کی بُرائی کرنے والے لازمی طور پہ خود بُرائی کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسروں کا نام رکھنے والے خود اپنا نام رکھواتے ہیں، دوسروں کو طعن و ملامت کا نشانہ بنانے والے خود اپنے آپ کو دوسروں کی ملامت کا ہدف بناتے ہیں بلکہ ایسے لوگ خداوند تعالیٰ کے انتقام کے سزاوار بن جاتے ہیں ؎

عدل و انصاف فقط حشر تک محدود نہیں زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

ایسے لوگ قیامت کی سزا و عذاب سے پہلے خود اپنی زندگی میں بُرائیوں کی سزا بھگتتے ہیں۔ اپنے معاشرے، اپنے خاندانوں میں عبرت و نصیحت کی نظر سے دیکھیں تو آپ کو بے شمار ایسی مثالیں اور واقعات ملیں گے، جن میں دوسروں کو ملامت کرنے والے خود ملامتوں کا شکار ہوئے۔ ابولہب اور اُس کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ اس کی بے شمار دشمنانہ حرکتوں کے علاوہ ایک حرکت یہ بھی تھی کہ وہ حضورؐ کی اولادِ نرینہ زندہ نہ رہنے کے سبب سے حضورؐ کو لعن طعن کا نشانہ بناتا رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر مشرکینِ مکّہ کو حضورؐ کے "ابتر" لاولد ہونے کی خوشخبری سنائی اور خوشی سے پھُولے نہ سمایا۔ بغلیں بجائیں، حضورؐ کی دلآزاری کی، دُکھ پہنچایا، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ آپؐ کے دشمن ہی لاولد ہیں۔ ابتر ہیں، کی خوشخبری سنائی اور یہ ہو کر رہا۔ خود ابولہب کی اولاد حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دست و بازو بنی، مگر ابولہب اپنی بیماری اور موت کے وقت بے یار و مددگار پڑا رہا۔ اس کی متعدی بیماری کے باعث کوئی بھی قریب تک نہ گیا اور مرنے کے بعد مکان کا ملبہ گرا کر اس میں دفن کیا گیا۔ نہ دولت کام آئی نہ سرداری نے ساتھ دیا اور نہ اولاد نے اس کے نسب و نسل کو زندہ رکھا، اور حضورؐ ابولہب کے تشنیعی اور ملامتی الفاظ کے باوجود اس وقت سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک اپنے نسبی اور روحانی سلسلوں کے باعث زندہ جاوید ہیں۔ دوسروں پر لعن طعن کرنے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ اولاد کی بخشش اور محرومی دونوں خدا کے اختیار میں ہیں، نہ کوئی اولاد کی وجہ سے عزت مند ہوتا ہے اور نہ اس سے محرومی ذلّت کا سبب ہے کسی کو اولاد دے کر بھی اسی اولاد کے ہاتھوں ذلیل و رسوا کرتا ہے تو کسی کو محروم رکھ کر بھی عزّت، نام اور شہرتوں کا مالک بنا دیتا ہے۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ۔ ہلاکت اور تباہی ہے اس شخص کے لئے جو مُنہ در مُنہ لوگوں پر لعن طعن کرتا ہے اور

Marfat.com

پیٹھ پیچھے اُن کی بُرائیاں بیان کرتا ہے۔ اُسے اپنی دولت پر فخر ہوتا ہے، اسے گِن گِن کر رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا۔ حالانکہ ایسے شخص کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ ھُمَزَۃ اور لُمَزَۃ کے دونوں الفاظ ہم معنی ہیں بعض اوقات تھوڑے سے فرق کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ان کا اکٹھا یہاں استعمال ہم معنیٰ ہے یعنی اُس شخص کی عادت ہوگئی ہے کہ وہ دوسروں کو دیکھ کر اُن کی تذلیل و تحقیر کرتا ہے، کسی پر انگلیاں اُٹھاتا ہے، آنکھوں سے اشارے کرتا ہے، کہیں منہ پر چوٹیں کرتا ہے، کہیں پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے، چغلیاں کھاتا ہے۔ برادریوں، خاندانوں اور افراد میں دشمنیاں ڈالتا ہے، لوگوں کے بُرے نام رکھتا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی مالداری کے غرور میں کرتا ہے۔ اُسے اپنی دولت پر گھمنڈ ہوتا ہے۔ اس میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور دولت سے اتنی دلبستگی ہوتی ہے کہ ہر وقت گنتا رہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ مال ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا اور اسے دوزخ کے عذاب سے بچائے گا۔ ایسا نہ ہوگا، اُس کا ٹھکانہ حطمہ جیسی آگ ہوگی۔

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر لڑائی کے ساز و سامان کی بہم رسانی کے لئے حضورؐ نے چندے کی اپیل فرمائی۔ اُوپر والی قسم کے کنجوس مالدار ہاتھ روکے بیٹھے رہے، مگر اہلِ ایمان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اُن میں ایسے غریب بھی تھے جو اپنی دن بھر کی محنت مزدوری سے بچت کر کے خدا کی راہ میں جہاد کے لئے چندہ دیتے تھے تو مالدار اُن کے تھوڑے سے چندے پر ہنستے، مذاق اُڑاتے یا ریاکاری کے الزام لگاتے اور طعنے دیتے تھے کہ دیکھو جی اس حقیر سی امداد پر یہ لوگ روم کو فتح کرنے چلے ہیں۔ اس موقعہ پر ایسے لوگوں کو سختی کے ساتھ طعن و تشنیع سے منع فرمایا گیا: وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اس آیت کا پہلا حصہ یوں ہے: اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ۔ جو مسلمان دل کھول کر خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو غریب محنت مزدوری سے کمائی ہوئی رقم میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن پر جو کوئی ہنستا ہے، طعن و تشنیع کرتا ہے خدا ان پر ہنستا ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (سورۂ توبہ)

منافقوں کا طریقۂ واردات ہر زمانہ میں ایک جیسا رہا ہے۔ آج بھی بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ہمارے معاشرے کے بااثر مالداروں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ اُن کی کمائی ذاتی آسائشوں میں اور شیطانی مشاغل میں تو پانی کی طرح بہتی ہے مگر نیکی کے امور، دینی کاموں کی سرانجام دہی میں، رفاہی اور عوامی فلاح و بہبود والے اداروں میں خرچ کرنا تو بڑی بات ہے، خرچ کرنے والوں کو طرح طرح کے نام رکھ کر حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ شادی بیاہ میں عام لوگوں تک بالخصوص اور عام حالات میں بالعموم وی سی آر کرایہ پر آتے ہیں، فلمیں دیکھی جاتی ہیں، مگر مسجد کے تعمیری اور تنظیمی معاملات میں کوئی بھی آگے نہیں آتا، جو دو چار غریب اس میں حصہ لیتے ہیں اُن پر چندہ خوری کا الزام لگتا ہے۔ اُسے صوفی، مُلّا، چندہ خور کے بُرے ناموں سے یاد کر کے کردار کشی کی جاتی ہے اور یوں اچھے ارادوں اور اچھی نیّت والوں کے حوصلے پست کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابۂ کرام میں ممتاز عالم سمجھے جاتے تھے۔ روایت فرماتے ہیں کہ حضورؐ

نے فرمایا: جو آدمی دوسرے کسی شخص کو ذلیل کرنے کے لئے ایسی بات مشہور کرے جو اس میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ایسے تہمت تراش کو قیامت کے دن ذلیل کرے۔ یہ وبا آجکل ہمارے ہاں بہت عام ہے، بالخصوص الیکشن کے دنوں میں ہمارے سیاسی رہنما خوب ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ معزز قائدین بڑے بڑے صاحبان عباد قبا اس دھندے میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہ دین جو دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کا حکم دیتا ہے اس دین کے پیروکار ناکردہ گناہ بھی اس کے سر تھوپتے ہیں۔

طعن و تشنیع اور تہمت و ملامت کے بعد جس برائی سے روکا گیا ہے وہ دوسروں کو بُرے ناموں سے یاد کرنا، بُرے نام رکھنا یعنی ایسے نام رکھنا جو اسے ناگوار ہوں اور اس کی تحقیر و تذلیل کا سبب ہُوں کسی کو فاسق و فاجر کہنا، کسی کو اس کے خاندانی عیب، پیشہ یا نقص سے پکارنا کسی کو مسلمان ہونے کے بعد اس کے پُرانے مذہب، سے پکارنا، ہندو، سکھ، عیسائی کہنا یا ایسا نام رکھنا جس سے اس کی تذلیل ہوتی ہو۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سفر کے دوران حضرت صفیہ رضؓ کا اُونٹ بیمار ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ وہ اپنی زائد سواری جو اُن کے پاس تھی، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیں۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا۔ میں یہودن کو اُونٹ دے دُوں، نہیں۔ حضورؐ، حضرت صفیہؓ کے لئے اُن کے پُرانے مذہب پر پکارے جانے والے تحقیر آمیز نام سے ایسے ناراض ہوئے کہ تین مہینوں تک اُن سے تعلق نہ رکھا۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضورؐ کے سامنے ایک عورت کے لئے۔ دراز دامن۔ یعنی لمبی قامت والی۔ کا نام لیا، تو حضورؐ نے فرمایا۔ تھوک دو۔ میں نے تھوکا تو گوشت کی بوٹی نکلی۔ ان ناموں یا القاب سے یا وہ نام اور لقب مستثنیٰ ہیں جو آدمی کی پہچان بن جائیں۔ اگرچہ ظاہری صورت میں بدنما ہوں مگر بذاتِ خود برائی مقصود نہ ہو بلکہ ان ناموں کے ذریعہ اسے پہچاننا مقصود ہو۔ مثلاً ایک ہی نام کے کئی آدمی ہوں مگر اُن میں فرق کی خاطر اُسے کسی امتیازی علامت کے طور پر پکارا جائے۔ جیسے ہمارے ہاں کسی کی رنگت کی وجہ سے کالا، ڈورا، بہرہ، موٹا، پتلا اور لمبا کہا جاتا ہے، ایسے نام محض کئی شریک ناموں والے آدمیوں کے درمیان پہچان کی خاطر جائز ہیں۔

اس کے علاوہ وہ نام بھی جائز ہیں جو بظاہر تنقیصی ہوں، مگر مقصود اظہارِ محبت ہو جیسے نبی کریمؐ بلّیوں سے لاڈ پیار کی وجہ سے اپنے انتہائی محترم صحابی کو ابوہریرہؓ (بلّیوں کا باپ) کہتے تھے اور آج تک یہ نام اُن کا اصلی نام بن کر رہ گیا ہے۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اکثر مسجد نبویؐ کی زمین پر لیٹے رہنے کے نتیجہ میں گرد و غبار سے اَٹے رہنے کے باعث ابُوتراب، (مٹی کا باپ) کہہ کر پکارتے اور یہ کنیت آج بھی اُن کی پہچان ہے۔ اس آیت میں ایسے ناموں سے دوسروں کا پکارنا منع ہے جو دوسرے کی دلآزاری اور تحقیر کے طور پر رکھے اور پکارے جاتے ہیں جو دوسروں کی چڑ بن جائیں کسی کے جسمانی عیب کی وجہ سے اس عیب سے پکارا جائے جو اس کی ناگواری و ناراضگی کا باعث ہو مثلاً کسی کو بھری محفل اور بھرے بازار میں گنجا، کانا، لنگڑا یا اندھا کہہ کر پکارنا۔ ایسا وہی لوگ کرتے ہیں جن کی اخلاقی تربیت اچھی نہیں ہوتی۔ یا جنہیں اپنی ذات، اپنی امارت یا جسمانی خوبصورتی پر ناز ہوتا ہے اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔

دوسروں کی دلآزاری اور دل دکھاوے کا یہ انداز اختیار کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی کوئی عزت نہیں ہوتی اور اُسے خاندانی اور مہذب آدمی سمجھا جاتا ہے نہ ہنسی مذاق میں سہی، مگر دوسروں کو بُرے ناموں سے پکار کر اُن کی تحقیر و تذلیل کسی بھی سوسائٹی یا معاشرے میں نہ جائز ہے اور نہ دائرہ تہذیب میں آتی ہے ایسا آدمی بے رحم، سنگدل اور بے حیائی کی حد تک شمار ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشادِ خداوندی ہے: قُولُوا لِلنَّاسِ حُسنًا۔ لوگوں کے ساتھ گفتگو میں نرم اور خوبصورت لہجہ اختیار کرو۔ دنیا میں ہزاروں کام زبان سے بنتے ہیں اور زبان ہی سے بگڑتے ہیں۔ زبان میٹھی ہو تو آدمی فاتح بن جاتا ہے، دلوں کو جیت لیتا ہے اور دلوں کا جیتنا حجِ اکبر ہوتا ہے اور کسی کو بُرے ناموں سے پکارنا دلآزاری ہوتی ہے دِل داری نہیں ہوسکتی۔ ایسی عادت سے غیر تو غیر اپنے بھی بیگانے بن جاتے ہیں اور نفرتوں کی خلیج ایسی وسیع ہوتی ہے کہ دوبارہ پاٹی نہیں جاسکتی۔

معاشرتی استحکام، باہمی رواداری، تعلق اور برت برتاؤ کے سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں اور انسانی تعلقات اور ضروریات جو ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں وہ بکھر جاتے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ ارشاد قابلِ غور ہے کہ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ۔ ایمان لے آنے کے بعد کوئی آدمی اپنی بداخلاقی، بدکرداری، بدزبانی اور بُرے خیالات و نظریات کی وجہ سے اتنا مشہور ہوجائے کہ وہ برائی اس کا نام بن جائے یا اُس کی پہچان بن جائے تو یہ بات یا بُرا نام اس شخص کے لئے باعثِ شرم نہیں بلکہ مجموعی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے لئے بھی بڑی برائی ہے کہ مسلمان ہو کر بھی کوئی برائی سے منسوب ہو اور بُرے نام سے یاد کیا جائے۔ مثلاً فلاں منافق، فلاں جھوٹا، فلاں حرامی، فلاں چور، فلاں ڈاکو، وغیرہ وغیرہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کے بُرا ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ انہوں نے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے تم کسی کو اس کے ظاہری حال سے ذلیل اور حقیر سمجھو مگر وہ اپنے دلی تقویٰ کے لحاظ سے خدا کے نزدیک محترم ہو۔ مسلمان کا جان و مال، خون اور عزت تک دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے قابلِ احترام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ منبر پر تشریف لائے تو فرمایا: اسلام کا دعویٰ کرنے والو، تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اُترا مسلمانوں کو شرم دلانے، عار دلاتے اور اُن کے عیب ڈھونڈنے سے باز رہو۔ جو دوسروں کو رسوا کرے گا خدا خود اُس کے عیب ظاہر فرما کر اُسے رسوا کرے گا۔

حضرت عروہؓ کی روایت ہے کہ حج کے موقعہ پر عرفات کے میدان سے واپسی کے وقت حضورؐ نے دیر فرما دی تاکہ حضرت اسامہ بن زیدؓ تشریف لے آئیں۔ جب وہ آگئے تو اہلِ یمن نے حضرت اسامہؓ کے متعلق کہا، اس کالی رنگت والے اور چپٹی ناک والے لڑکے کی وجہ سے اتنی دیر کردی۔ اہلِ یمن حضرت اسامہؓ کے متعلق اسی نفرت اور گستاخانہ اظہار کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں مرتد ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتومؓ، جو آنکھوں سے اندھے تھے، حضورؐ کے ہاں ایسے موقعہ پر تشریف لائے کہ اس وقت قریش کے سردار اور بڑے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کی موجودگی میں حضورؐ حضرت عبداللہؓ کی طرف توجہ نہ دے سکے تو خداوند کریم کو حضرت عبداللہ بن

Marfat.com

اُمِّ مکتوم رضؓ کے حق میں یہ بے توجہی گوارا نہ ہوئی اور سورت عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی۔ الخ نازل ہوئی جس میں حضورؐ سے فرمایا گیا کہ آپؐ کو کیا علم کہ ایک اندھا اور معذور جو بظاہر لائق توجہ نہ سمجھا گیا وہی آپؐ کی تعلیم سے سنور جاتا بہ نسبت قریش کے ان سرداروں کے ۔

ہم جن لوگوں کو اُن کی جسمانی معذوری اور نقائص کی وجہ سے نام رکھتے ہیں، نظرانداز کرتے اور حقیر سمجھتے ہیں ہماری اسلامی تعلیمات اور اسلامی معاشرہ، اُن کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور اُن کے لئے فلاح و بہبود کا حکم دیتا ہے بلکہ انہیں وہی مقام دینا چاہتا ہے جو دوسروں کو حاصل ہے۔ نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس وقت مدینۃ النبیؐ میں جتنے بھی معذور افراد موجود تھے، اُنہیں اُن کی معذوری کی وجہ سے اس مہم میں عدم شرکت کے باوجود جہاد کے ثواب کی خوشخبری سنائی ۔

آخری قابلِ عمل بات اس آیت کی روشنی میں جو اس مضمون کا عنوان ہے ہمیں ہر اس حرکت سے پرہیز لازمی ہے جو دوسرے مسلمان بھائی کی دلآزاری، دِل شکنی، تحقیر و تذلیل کا موجب ہو، اس سے ہم خود اپنی سوسائٹی میں قابلِ نفرت شخص بن جائیں گے بلکہ ہمارے معاشرتی سکون، باہمی روابط، ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار تعلق اور باہمی محبت کے لئے انتہائی تباہ کن ثابت ہوگی اور خدا کے ہاں بھی دردناک عذاب کا باعث ہوگا ۔ وما علینا الا البلاغ ۔

Marfat.com

Marfat.com

سوءِ ظن، بدگمانی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ الحجرات، آیت ۱۲
۲	گمان کی اقسام	عقیدے کے گمان۔ خدا، رسولوں اور کائنات کے متعلق نظریاتی خود ساختہ فلسفے محض گمان ہیں۔ اس قسم کے گمان کی قرآنی آیات کے حوالہ سے تشریح۔ سورۂ الانعام، سورۂ یونس، سورۂ والنجم، سورۂ فتح کے حوالوں سے ایسے تمام مشرکانہ نظریات، افکار و عقائد اور مذہب محض انسانی گمان کی پیداوار ہیں۔ دانشوروں کا علم ظن و تخمین کی بنیاد پر ہوتا ہے اور پیغمبروں کا یقین اور عین الیقین پر ہوتا۔
۳	انفرادی اور معاشرتی بدگمانی اور گمان کی اقسام	پسندیدہ گمان، ظاہری حالت دیکھ کر اچھا گمان کرنا۔ عدالتی گمان، جس کے بغیر عدالت فیصلہ نہ دے اور بنیاد مقدمہ کی روداد پر ہو۔ ظاہری حالات و اطوار اچھے گمان کی اجازت نہ دے تو بدگمانی جائز ہے۔ ناجائز گمان خلوص نیت اور عمل پر کیا جائے۔
۴	بدگمانی کے معاشرتی نقصانات	خواہ مخواہ بدگمانی کرنے سے معاشرہ نفرتوں کی آماجگاہ ہو جاتا ہے لوگ کسی کی شہرت اور عزت کو بدگمانی کی نذر کر کے تہمت تراشی الزام تراشی سے کام لیں تو خاندانی معاشرتی نفرتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔
۵	امثال و واقعات	ذوالنون مصری سے متعلق بدگمانی۔ ریل گاڑی کے مسافر سے متعلق بغیر ٹکٹ کے فسٹ کلاس میں سفر کرنا۔ حسن بصریؒ کا بدگمانی میں مبتلا ہو کر کسی اچھے بھلے آدمی کو نفرت سے دیکھنا۔ ڈوبتوں کی اس نے جان بچائی، واقعہ سے آگاہ ہوئے تو توبہ کی۔

Marfat.com

سوءِ ظن اور بدگمانی

آیت معہ ترجمہ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔ (الحجرات: ۱۲)

اے ایمان والو، گمان سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں سورۂ الحجرات میں بیان ہونے والی معاشرتی برائیوں کا ذکر ہوا ہے اسی طرح اُسی سورت کی یہ آیت بھی ہے جس میں انسانی سوسائٹی کی ان خرابیوں میں سے ایک خرابی کا ذکر ہے جو ہماری معاشرتی اور سماجی زندگی میں بگاڑ، فساد، نفرت اور حقارت، دشمنی اور بخیلی کے جراثیم بن کر اُسے تباہ و برباد کرتی ہے، جس میں انسانوں کا جینا حرام اور سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں ان معاشرتی بیماریوں میں سے ایک بیماری یہ بھی ہے کہ انسان دوسروں کے بارہ میں بدگمانی اور بدظنی میں مبتلا ہو۔ پُرامن اور اطمینان بخش معاشرہ وہی ہوتا ہے جس کے افراد ایک دوسرے پر اعتبار کرتے ہوں کسی کو کسی کی نیت پر شبہ نہ ہو۔ کسی کو کسی کے سلوک اور رویّے کے بارہ میں کوئی بدگمانی نہ ہو۔ ہر شخص دوسرے کو سازشی، بداندیش اور بدکردار نہ سمجھے اور نہ کسی کا شیشۂ دل کسی دوسرے کے متعلق میلا ہو۔ ایک آدمی کا معاملہ ہو یا ایک گاؤں، ایک شہر یا ایک ملک کے افراد کی بات ہو سب کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اس طرزِ عمل، طریقِ فکر سے بچنے کی کوشش کریں جو ایک دوسرے کے درمیان بدگمانیاں پیدا کرنے کا سبب ہو۔ کیونکہ جب ہر آدمی دوسرے کے متعلق بدگمان ہوگا تو پوری فضا اور ہماری زندگی کا ہر دائرہ اور تعلقات کا ہر زاویہ عدمِ تحفظ اور عدمِ اطمینان کا شکار ہو جائے گا، جس میں ہر فرد خود کو غیر محفوظ سمجھے گا۔

بدگمانی ایک ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے ہماری پوری معاشرتی زندگی کا جسم بے رُوح ہو جاتا ہے۔ یہ مرض وہم کی پیداوار ہوتا ہے۔ اس آیت میں ظنّ۔ بدگمانی کی کثیر اقسام سے بچنے کی ہدایت ہے اور بعض بدگمانیوں کو گناہ کہا گیا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ظنّ اور گمان کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے پہلے اس کا احاطہ کیا جائے۔ اس اعتبار سے ظن اور گمان کی دو بڑی اقسام ہیں۔

گمانوں کی اقسام

ظن کی ایک قسم اعتقادی، نظریاتی اور فکری ہے۔ جس کے تحت بعض لوگ یا اکثر اقوام اس کائنات کے اندر خدا اور بندوں کے درمیان تعلقات، انسانی زندگی کے مقاصد اور انسانی زندگی کے طور و اطوار خود اپنے گمان اور قیاس آرائیوں کے ذریعہ قائم کر کے اس کی بنیاد پر عقائد اور نظریات کی عمارتیں تعمیر کر کے انہیں کو سچا، صحیح اور درست سمجھ لیتی ہیں اور اُن کے مقابلے میں آسمانی ہدایات اور قرآنی افکار و نظریات کو جو پیغمبروں کے ذریعے خدا

Marfat.com

نے اپنی مخلوق کے لئے بھیجے ہیں، انہیں ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔

چنانچہ انسانی عقائد و نظریات پر مبنی نظریات و افکار بھی آج دنیا کی تباہی و بربادی کا موجب بنے ہوئے ہیں جن سے حضورؐ کی بعثت سے لے کر آج تک کشمکش جاری ہے۔ چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی کی اس مسلسل ستیزہ کاری کا یہ نتیجہ ہے کہ آج دنیا کی بڑی طاقتیں اپنے اپنے نظریات کی صداقت کو منوانے کے لئے دوسری اقوام و ملل سے برسرِ پیکار ہیں۔ امریکہ کا سرمایہ دارانہ نظام ہو یا روس کا اشتراکی نظام، ساری دنیا کو اپنی نظریاتی آویزش میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ ان انسانی ظن و تخمین، قیاس و گمان پر مبنی عقائد کے بارے میں خداوند تعالیٰ سورۃ الانعام میں فرماتے ہیں: وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۔ زمین پر آباد لوگوں کی اگر تم پیروی کرو گے تو وہ تمہیں خدا کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ ان لوگوں کا راستہ۔ نظریاتی و فکری اندازِ حیات۔ محض گمانوں اور قیاس آرائیوں میں اٹکل کے تیر چلانے کا راستہ ہے۔ ان کے تخیّلات، فلسفے، نظریئے، توانین اور زندگی کے افکار و عقائد سب ان کی اپنی قیاس آرائیوں اور ذاتی گمانوں پر مبنی ہیں بخلاف ان کے خدا کی طرف سے زندگی گزارنے کے طریقے خود خدا کے علم پر مبنی ہیں۔ لہٰذا حق کے طلبگاروں کو یہ نہ دیکھنا چاہیئے کہ دنیا کے بیشتر انسان کس راستہ پر چلتے ہیں بلکہ انہیں ان تعلیمات و ہدایات پر چلنا چاہیئے جو خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اپنی مخلوق کو بتائی ہیں۔

اسی طرح سورۂ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۔ ان میں سے اکثر تو ہیں یا لوگ اپنے گمان پر مبنی نظریات کی پیروی کرتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ حق۔ خدا کی ہدایات۔ کے مقابلے میں گمان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بے شک خدا تمہارے سب اعمال سے واقف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے خیالوں اور ظن کے پیچھے چلتے ہیں۔ حالانکہ گمان حق سچائی کی ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔ جن لوگوں نے مذاہب بنائے، فلسفے تصنیف کئے۔ زندگی کے قوانین تجویز کئے۔ انہوں نے یہ سب کچھ حقیقی علم کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ اپنے قیاس اور گمان کی بنیاد پر کیا ہے جنہوں نے ان کی پیروی اختیار کی اُنہوں نے بھی جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر نہیں کی بلکہ اس گمان پر کی ہے کہ یہ لوگ بڑے ہیں۔ یہ ترقی یافتہ لوگ اور قومیں ہیں۔ ان کی بات ہمارے باپ اور دادا مانتے آئے ہیں اور ایک دنیا اُن کی پیروی کر رہی ہے۔ لہٰذا یہ ضرور ٹھیک راستے پر ہوں گے۔

سورۂ انعام میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۔ اے پیغمبرؐ یہ مُشرک لوگ تمہاری باتوں کے جواب میں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے، نہ ہمارے باپ دادا کرتے۔ اسی طرح کی باتیں پہلے لوگ بھی کرکے حق کو جھٹلاتے رہے۔ انہیں کہہ دیجئے کہ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا۔ اگر تمہارے پاس کوئی حقیقی علم ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو، حالانکہ تم محض گمان اور ذاتی قیاس آرائیوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہو۔

انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے افکار، تصنیف کردہ نظریات اور گھڑے ہوئے فلسفوں، جن پر وہ خود چل کر

Marfat.com

دوسروں پر انہیں ٹھونسنے اور ان پر چلانے کی پُر زور کوشش اور بھرپور جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ ان آنکھوں دیکھی حقیقتوں کے ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس کی بہترین تصویرکشی اور دوٹوک بات خداوند تعالیٰ نے سورۂ والنجم میں یوں بیان فرمائی ہے: مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم جو تمہارے رفیق اور جانے پہچانے دوست ہیں، وہ نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى۔ یہ قرآنی تعلیمات و ہدایات، عبادات الٰہی کے انداز اور زندگی گزارنے کے اطوار انہوں نے اپنی طرف سے نہیں گھڑے نہ اپنے نفس کی خواہش کے تحت اختیار کئے ہیں بلکہ اُن کے خدا نے وحی کے ذریعے اُتارے ہیں۔ اس کی دعوت توحید، آخرت، حشر نشر، اعمال کی جزا کی خبریں، کائنات اور انسان کے متعلق حقائق اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے اصول، یہ سب اس کا بنایا ہوا فلسفہ نہیں ہیں بلکہ خدا کی وحی کے ذریعہ سے دیا ہوا علم ہے۔ یہ قرآنی آیات جو سنائی جا رہی ہیں یہ بھی اس کی تصنیف کردہ نہیں ہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى۔ یہ علم اُسے ایک فوق البشر ذریعہ سے حاصل ہوا ہے جو زبردست قوت والا ہے، عقل اور فہم و فراست والا ہے اور صاحبِ حکمت ہے ـــ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۔ اب کیا یہ لوگ ایسی باتوں اور ایسے حقائق پر جھگڑ رہے ہیں جنہیں وہ پیغمبر خداؐ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو حقائق کا جو مشاہدہ روز روشن میں کھلی آنکھوں سے کرایا گیا اُسے وہ نظروں کا دھوکہ سمجھتے ہیں۔ وہ جن دیویوں، بتوں، لات و عزّٰی و منات کی پرستش کرتے ہیں وہ چند فرضی خداؤں کے نام ہیں جو ان کے باپ دادا نے رکھے ہیں۔ انہیں خداوند تعالیٰ کے حقیقی علم کی سند حاصل نہیں بلکہ اُن کے گمان کی پیداوار ہیں اور نفس کی خواہش کا نتیجہ ہیں۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ـ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ـ کیا انسان جو کچھ چاہے انسان کے لئے وہی حق ہے جو فرشتوں کو خدا کے بیٹے ٹھہراتے ہیں۔ دیویوں کے نام رکھتے ہیں، حالانکہ انہیں ان حقائق کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان کے نظریات کی عمارت اُن کے قیاسات اور گمان کی بنیادوں پر قائم ہے اور گمان کبھی بھی حقیقت نہیں کہلایا جا سکتا۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ـ پس اے نبیؐ جو لوگ تمہارے مشاہدے پر مبنی تعلیمات کو نہیں مانتے اور میری (خدا) دی ہوئی حقیقتوں سے منہ موڑتے ہیں اور دنیا کی زندگی کے سوا جنہیں میری رضا اور آخرت کی بھلائی" مطلوب نہیں، ایسے لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا۔ تم نے تو بُرے گمان اختیار کر رکھے ہیں اور تم ہلاک ہو جانے والی قوم تھے۔ گویا خدا کی ہدایات اور پیغمبروں کے ذریعہ بھیجی گئی خدائی تعلیمات اور حقائق پر مبنی زندگی گزارنے کے اصول و قوانین ہی قوموں کی سلامتی، امن، سکون اور خوشحالی و ترقی کے اصول و قوانین ہیں۔ اپنے قیاسات اور گمانوں پر استوار نظریات و عقائد انسانوں کی طرح ہی زوال پذیر اور قوموں کو لے ڈوبنے کا موجب ہوتے ہیں جو زمانے کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ذاتی گمانوں پر قائم کئے ہوئے معاشرتی، سماجی، اقتصادی، انتظامی اور حکومتی ڈھانچے قوموں کے زوال

Marfat.com

اور ہلاکت کا موجب ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے بڑی مثال روس کا اشتراکی نظام ہے۔ اس انسانی دماغ کے پیداوار نظریئے پر استوار نظامِ حکومت اور نظامِ زندگی دنیا کے جغرافیے سے نیست و نابود ہوا۔ کمیونزم کے آثار و نشانات والا سویٹ یونین کا پرچم سرنگوں ہوا۔ جہاں ایک ملک تھا وہاں اب پندرہ ملک وجود میں آ گئے۔ ایک ملک کی حیثیت سے روس سویت یونین کے خاتمے پر اپنی نشری تقریر میں روس کے صدر گوربا چوف اس زوال اور تباہی کی بڑی اہم وجہ یہ بتائی کہ "ہم نے خدا کو نظر انداز کر دیا تھا اور اُس کے عقل و ہُنر کو کچھ نہ سمجھا جو خدا نے ہمیں عطا کئے ــ سویت یونین کا آغاز خدا کے انکار سے ہوا تھا، اس کا خاتمہ خدا کے اعتراف پر ہوا کہ ہم نے خدا اور اس کی بتائی ہوئی ہدایات کا انکار کر کے غلطی کی تھی"۔ یہ جملہ ان تمام تجربوں پر بھاری ہے جو دنیا کے مختلف حصوں میں کمیونزم کے قلعۂ اوّل کے مسمار ہونے پر ہو رہے ہیں تاریخ عالم کی پہلی صدی تھی جب دنیائے انسانیت کے اتنے وسیع حصے نے سرے سے خدا کے وجود کا انکار کر کے کاروبار حیات کو اپنے گمانوں، تخمینوں اور بنائے ہوئے فلسفوں پر چلانے کی کوشش کی تھی اور اُن کا ذاتی ذہنی و فکری بنیاد پر استوار تجربہ بُری طرح ناکام ہوا۔ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا۔ بُرے گمانوں پر استوار قوم ہلاکت و زوال کا منہ دیکھ کر رہی اور سورۂ فتح کی آیات کا یہ مختصر فقرہ اپنی صداقت کا لازوال ثبوت فراہم کر گیا۔ اس تجربے کی ناکامی دنیا بھر کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دے گی کہ اصل طرزِ حیات اور نظمِ حیات وہی ہے جو انسانوں اور جہانوں کے خالق نے انسانوں کے لئے پسند فرمایا اور بھیجا ہے۔ انّ الدين عند الله الاسلام ــ اور سوویت یونین کا زوال شاید انسانوں کو خدائے واحد کے دائرۂ عبدیت میں واپس لانے کا موجب بن جائے۔ خدا پر ایمان لانے کے معاملے میں ایک قوم کی بازیافت ان کروڑوں انسانوں کو بھی بے یقینی کے دھندلکے سے نکال کر تنویرِ ایمان سے فیضیاب کر دے جو فیشن، آزاد خیالی اور اپنے ذاتی ظن و گمان کے فکری بحران کے تحت عبدیت سے سرکشی کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔

۲۔ انفرادی و معاشرتی گمان کی اقسام

اعتقادی گمان کی اس تفصیل کے بعد معاشرتی اور انفرادی گمان بھی معاشرتی فساد اور بگاڑ کا موجب ہوتا ہے جو زیرِ بحث آیت کا اصل موضوع ہے۔ اس قسم کا گمان کسی بھی سوسائٹی میں محض کسی کی نیّت پر شبہ کرنے کسی کے سلوک پر شک کرنے یا کسی کے متعلق یُونہی سوءِ ظن میں مبتلا ہو کر باہمی اعتماد اور اعتبار کی فضا کو مکدّر کر دیتا ہے۔ اس قسم کے گمان کو اخلاقی گمان یا معاشرتی اور انفرادی گمان کا نام دیا جا سکتا ہے۔

۱۔ پسندیدہ گمان

مفسرین نے اس قسم کے گمان کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے پہلی قسم پسندیدہ مطلوب یا محمود گمان ہے۔ یہ ایسا گمان ہے کہ انسان کی اخلاقی حالت یا اس کی ظاہری دینی صورت کو دیکھ کر یہ گمان کر لے کہ یہ آدمی نیک ہے یا خداوند کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گمان کرے کہ وہ بندوں پر مہربان ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تمہیں خدا کے متعلق اچھائی، مہربانی اور حسنِ سلوک کا گمان رکھنا چاہیئے۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندے سے وہی سلوک فرماتے ہیں جیسا کہ بندہ گمان رکھتا ہے۔

Marfat.com

اُسے اختیار ہے کہ وہ اچھا گمان رکھے یا بُرا۔

۲- عدالتی گمان

دوسری قسم عدالتی گمان کہلاتی ہے کہ عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چلتا کہ عدالتیں کسی مقدمے میں شہادتوں کی روشنی میں گمان کے مطابق فیصلہ دیتی ہیں کیونکہ عدالت کو بذات خود معاملے کا علم نہیں ہوتا، وہ شہادتوں کی بنیاد پر جو فیصلہ دیتی ہیں وہ فیصلہ یقینی نہیں ہوتا، گمان اور ظن ہوتا ہے۔

۳- جائز گمان

اس قسم کا گمان کسی شخص کی سیرت و کردار اس کے طور طریقوں اور معاملات میں ایسی واضح علامتیں پائی جائیں کہ وہ اچھے گمان کا مستحق نہ ہو۔ گویا بدگمانی کی معقول وجوہات موجود ہوں۔ ایسی حالت میں اس کے متعلق خوش گمانی اور خوش فہمی میں مبتلا ہونا، خود کو بدھو اور بیوقوف ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ ایسے آدمی کے شر اور فساد سے بچنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ خوش گمانی کی وجہ سے نقصان اُٹھانے کا اندیشہ ہے۔

۴- ناجائز گمان

گمان کی یہ قسم ایسی ہے کہ کسی آدمی کی نیت اچھی ہو وہ خلوص دل سے کوئی کام کرنا چاہتا ہو تو اُس پر شبہ کرکے بدگمانی کی نظر سے دیکھا جائے تو سراسر زیادتی ہے بلکہ گناہ ہے۔ اس کے متعلق اچھا احتمال چھوڑ کر بُرا احتمال اختیار کرنا بُرائی ہے اور یہی وہ گمان ہے جس کے بارہ میں بعض الظن اثم بعض گمان گناہ ہیں۔ فرمایا گیا ہے۔ ایسا کرنا کسی آدمی کی نیکی سے لڑنے سے، خدمت خلق کے تحت رفاہی کاموں میں حصہ لینے والے کے متعلق بدگمانی پھیلا کر اچھے جذبے اور اچھے کاموں میں رکاوٹ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے متعلق پراپیگنڈہ کرنا اسے بدنام کرنا، اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا گناہ ہے۔ جب تک کسی کے پاس کوئی واضح ثبوت نہ ہو۔

دوسروں کے بارہ میں محض اپنے جذبۂ حسد اور بغض کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے ناجائز گمان یا سوئے ظن سے کام لے کر الزام تراشیاں کرنا، کردار کشی کرنا، اُس کی شہرت کو داغدار کرنا آج کے دور کا معمول ہے اور یہ کاروبار الیکشن کے دنوں میں بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ فریق مخالف کی پگڑی اچھالی جاتی ہے اور پورے ملک کی رہنمائی کا دعویٰ کرنے والے بڑے بڑے شہسواران سیاست، علماء کرام اس حمام میں ننگے نظر آتے ہیں۔ کوئی بھی شخص کسی دوسرے مخالف کو یہ جمہوری حق دینے پر آمادہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی رائے، اپنی مرضی اور اپنی پسند کے مطابق فیصلہ کرے۔ جہاں اختلاف نظر آیا اُس کے دلائل سنے بغیر اور اس کی معقول وجہ دریافت کئے بغیر محض بدگمانی کے سہارے اسے شدید مخالفت بلکہ دشنام طرازیوں کی سولی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ اس کی نیک نامی، نیک خیالی پر مٹی ڈالی جاتی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ اللہ کے بندو، بدگمانی سے بچو، یہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ کسی شخص کی نیت پر شک کرنا اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔

ابو داؤد کی حدیث ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرما رہے تھے تو اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے ایک ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ انہیں رخصت کرنے کے لئے باہر آئے تو راستے میں حضور کے دو صحابی ملے جو حضور کے ساتھ اُم المومنین کو دیکھ کر راستے سے ایک طرف ہو گئے کہ موقع اسی بات کا متقاضی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔ یہ میری بیوی ہے، اسے رخصت کرنے آیا ہوں۔ صحابہؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ صلی علیہ وسلّم ہمیں تو کوئی بدگمانی نہیں تھی اور وہ بھی آپؐ کے متعلق ؟ حضورؐ نے فرمایا۔ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا اور اس پر الزام لگایا کہ اس کی داڑھی سے شراب ٹپکتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کسی کے متعلق بدگمانی نہ کیا کرو اور برائی کی ٹوہ میں نہ رہو۔ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی حرام کام ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ جب کسی کے دل میں بدگمانی گھر کر لیتی ہے تو مفاہمت اور مصالحت کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ برائی ہے جو انسان کی دوسری خوبیاں مٹا دیتی ہے اور ان کی جگہ بے شمار دوسری بری صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ شک شبے اور بدگمانی سے انسان کی قوتِ فیصلہ متاثر ہوتی ہے، کیونکہ شکّی ذہن اور بدگمانی کا شکار آدمی حق بات کو نہیں مان سکتا۔ سوءِ ظن کے مقابلے میں حسنِ ظن رکھنے کی عادت اسلامی تعلیمات کا لازمی جزو ہے۔ دوسروں کے طرزِ عمل پر اعتماد، ان کے اخلاص پر اطمینان اور ان کے ایمان و تقویٰ پر بھروسہ سکونِ قلب کی دولت ہے اور خدا کے نزدیک اچھے گمان کا اجر بھی ملتا ہے۔ ظنّ المومنون خیرًا۔ مومنوں کو ایک دوسرے پر اچھا گمان رکھنا چاہیئے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان اللہ کی رحمتوں کے متعلق اچھا گمان رکھے۔ دوسرے مسلمان بھائیوں سے حسن ظن رکھے۔ عام بندوں کے متعلق بھی بدگمانی میں مبتلا ہونا گناہ ہے مگر خدا کے خاص بندوں کے بارے میں بدگمانی تو گناہِ عظیم ہے۔ جب آدمی گمان کی بنیاد پر رائے قائم کرے یا کسی اقدام کا فیصلہ کرے تو اس سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ کہیں میرا گمان غلط تو نہیں، بے بنیاد اور غلط گمان کے سہارے اپنی رائے پر اڑ جانا خدا سے بے خوفی اور آخرت کی جوابدہی سے انکار اور غفلت کا ثبوت ہے۔ ہم اکثر و بیشتر روزمرہ کی زندگی میں دن میں کئی بار بدگمانیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور پھر تھوڑی دیر بعد ثابت ہو جاتا ہے ہمارا خیال کتنا غلط اور بے بنیاد گمان تھا۔ مثلاً گھر میں کوئی چیز رکھ کر بھول گئے وہ چیز نہ ملی تو فوراً بدگمانی کا شکار ہوتے ہیں کہ فلاں آدمی آیا تھا وہ لے گیا ہوگا۔ فلاں نے چرائی ہوگی اور اسی بنیاد پر اس کے بارہ میں غلط خیالات ذہن میں آتے ہیں لیکن وہی چیز جب گھر میں مل جاتی ہے تو اپنی غلطی کا احساس ہوتا، اپنی سوچ پر ندامت اور پشیمانی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات تو اسی بدگمانی کی بنیاد پر اچھے بھلے بے گناہ آدمی کو موردِ الزام ٹھہرا کر اس کی بے عزتی کر دی جاتی ہے۔ وہ لاکھ اپنی معصومیت کی قسمیں کھائے مگر ہم اپنے گمان کو ہی درست ماننے پر مصر ہوتے ہیں۔ اسی بدگمانی کے باعث جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، نفرتیں جنم لیتی ہیں اور دشمنیوں کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ ہماری چاردیواری کی دنیا میں اور خانگی زندگی میں بہت سی معصوم پاکباز بیویاں کسی آنے جانے والے کے ساتھ بدگمانی کی بنیاد پر خاوندوں کی نظروں میں گر جاتی ہیں۔ گھر کا سکون غارت ہو جاتا ہے اور خانگی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ بیٹیاں اور بہنیں انہی بدگمانیوں کی بنیاد پر بری شہرت کی حامل بن جاتی ہیں اور ان کا رشتہ مشکوک ہو کر ساری عمر تجرد کی زندگی گزارنے پر انہیں مجبور کر دیتا ہے۔ دشمنی اور اکثر اوقات لڑائی جھگڑے یا قتل مقاتلے تک نوبت آ جاتی ہیں۔ جب بدگمانی کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو

Marfat.com

پشیمانی اور ندامت سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بدگمانی کے خیال کا ذرا سا جھونکا ہمارے خاندانوں، گھرانوں اور معاشرتی روابط کے لئے کس قدر ہلاکت آفریں اور ہنگامہ خیز بن جاتا ہے جس سے ہماری عائلی، خاندانی اور معاشرتی زندگی کا سکون برباد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی لئے نصیحت فرمائی ہے کہ اے ایمان والو، تم اکثر گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

امثال و واقعات

۱۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ مست الست آدمی تھے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے، الجھے ہوئے بال تھے، پاؤں اور سر سے ننگے تھے۔ کئی دنوں کے فاقوں سے اکثر نڈھال رہا کرتے۔ ایک دفعہ کشتی میں سوار ہوئے، نہ جانے کہاں جانے کا ارادہ تھا کہ عین دریا کے درمیان شور اٹھا۔ معلوم ہوا کہ اس کشتی میں موتیوں کا تاجر سفر کر رہا تھا۔ اس نے تھیلی دیکھی تو ایک موتی غائب تھا۔ جونہی کشتی میں یہ خبر پھیلی کشتی کا ہر مسافر دوسروں کی نظروں میں مشکوک ہو گیا۔ بدگمانیاں پھیلنے لگیں۔ اِدھر تاجر کا اصرار تھا کہ موتی اسی کشتی میں کسی نے چرایا ہے۔ ہر شخص پریشان تھا کہ کب کسی کی انگلی بدگمانی میں اس کی طرف اٹھ جائے۔ ادھر لوگوں نے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا کہ پھٹے پرانے کپڑوں میں نڈھال پڑے ہیں۔ لوگوں نے سمجھا ساری کشتی میں یہی مفلوک الحال شخص ہے یہی ضرورت مند بھی ہوگا۔ نتیجتاً ہر کسی نے اپنے آپ کو بدگمانی یا چوری کے الزام سے بچانے کے لئے انہیں کو ہدفِ ملامت بنایا۔ یوں بھی غریب شخص پہ ہر کسی کو غصہ آتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سوچا کہ اگر اس کی پٹائی کر دی جائے تو چوری کا اقرار کرے گا۔ دل کا راز صرف خدا کو معلوم ہوتا ہے اور کسی کے اچھے برے کا علم بھی خدا کو ہی ہوتا ہے۔ کسی کو کیا پتہ کہ اچھے قیمتی لباس میں کتنے چور چھپے ہوتے ہیں اور کتنے پھٹے پرانے کپڑوں میں کتنے دیندار، اولیاء اللہ گھسے بیٹھے ہوتے ہیں۔ لوگ ہمیشہ ظاہر کو دیکھ کر ہی اچھے برے کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی ظاہری بدحالی میں لوگوں کی بدگمانی کا شکار ہو گئے اور چوری کے الزام میں دھر لئے گئے۔ جانے ان کے دل پہ کیا گزری کہ تڑپ کر بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی۔ "مولا! اس آفت سے چھٹکارا دے دے۔" لمحوں میں اللہ نے چھٹکارا دے دیا۔ ہوا یہ کہ جو لوگ انہیں مارنے کو دوڑ رہے تھے وہ سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں کشتی کے اطراف مچھلیاں ہی مچھلیاں نظر آئیں جن کے منہ میں ایک ایک موتی پکڑا ہوا تھا۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ دنیادارو! ان مچھلیوں کے منہ سے جتنے موتی چاہتے ہو لے لو، مجھے کیوں ستاتے ہو۔ اب حالت یہ تھی کہ جو لوگ انہیں چور سمجھ کر مارنے دوڑے تھے ان کے قدم چومنے لگ گئے اور کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کر رہے تھے۔

۲۔ اسی بدگمانی کی دوسری مثال یہ بھی ہے کہ ایک شخص لنگوٹی باندھے، سروپا برہنہ، بظاہر غریب اور دیوانہ حالی سیدھے ریل گاڑی کے فسٹ کلاس ڈبے میں داخل ہوا۔ فسٹ کلاس ڈبے کے خوشحال و خوش لباس مسافروں نے اسے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ معززین نے نفرت سے ناک پہ کپڑا رکھا۔ لوگ دور ہٹ کر بیٹھ گئے اور غصے سے دیکھا کہ یہ گنوار اور اناڑی، تیسرے درجے کا انسان اس اونچے درجے میں کیوں آگیا۔ لوگوں نے ترقی تو کر لی مگر دلوں کی

کدورت، حسد، بُغض اور بدگمانی دُور نہ ہوسکی۔ کوئی غریب ہے تو نفرت سے دیکھا جائے گا، دیہاتی ہے تو جانگلی سمجھا جائے گا، معذور ہے تو مذاق اُڑایا جائے گا، سو نام رکھے جائیں گے۔ کسی کے عیب پر کوئی پردہ نہ ڈالے گا، اُلٹا اسے اچھالا جائے گا۔ یہ ساری شیطانی حرکتیں انسان کی اپنی گراوٹ کی دلیل ہوتی ہیں، ورنہ خدا کے نزدیک فضیلت اور برتری کا معیار نہ لباس ہے نہ دولت، نہ اعضا کی سلامتی نہ نسل کی برتری، نہ جسمانی خوبصورتی، کیا خبر جسے ہم ظاہری حالت میں بدگمان ہوکر بُرا سمجھتے ہوں وہ ہم سے اچھا ہو۔

چنانچہ اس ننگے لنگوٹی والے شخص کو فسٹ کلاس کے دوسرے مسافروں نے کم حیثیت سمجھ کر ڈبے سے نکالنے کے لئے ریلوے کے افسر کو بُلایا۔ اُس نے آتے ہی ٹکٹ طلب کیا تو اُس نے اپنی لنگوٹی کے پلّو سے ٹکٹ نکال کر افسر کے ہاتھ پر رکھ دیا تو سب کے منہ بند ہوگئے۔ بدگمانی میں مبتلا لوگ شرمندہ و شرمسار ہوکر رہ گئے۔

۳۔ بدگمانی کا شکار بعض اوقات اولیاء اللہ بھی ہوجاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حسن بصریؒ کا واقعہ بھی نصیحت اور عبرت کے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہیں جاتے ہوئے دیکھا کہ دجلہ کے کنارے ایک عورت لیٹی ہے اور ایک مرد اُس کے پاس بیٹھا ہُوا ہے جس کے ہاتھ میں ایک بوتل ہے خود پیتا ہے اور کبھی اُسے عورت کے منہ سے لگا لیتا ہے۔ دُور سے یہی نظر آرہا تھا۔ حسن بصری ایسے شخص تھے جنہیں حضرت اُمّ سلمہؓ کی گود میں پلنے اور بڑا ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے تھے، اُنہوں نے ہی اُن کا نام حسن رکھا تھا۔ اُن کی والدہ حضرت اُم المؤمنین حضرت سلمہؓ کی خادمہ تھیں، وہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی تھیں تو حسن بصریؒ حضرت اُم المؤمنین اُم سلمہؓ کی گود میں ہوتے۔ انہیں دوسری اُمّہات المؤمنین کی پرورش اور تربیت بھی حاصل ہوئی۔

جس وقت حسن بصریؒ نے دجلہ کے کنارے عورت کے ساتھ اس شخص کو بیٹھے ہوئے بوتل سے پیتے پلاتے دیکھا، اُسی وقت دریا سے چیخ وپکار کی آوازیں سنائی دیں معلوم ہُوا کہ ایک کشتی دریا میں اُلٹ گئی ہے اور مسافر ڈوبتے ہوئے چیخ رہے ہیں۔ دریا زوروں پر تھا اور ایسے میں قیامت کا منظر تھا۔ حسن بصریؒ نے دیکھا کہ اُسی عورت کے پاس بیٹھا ہُوا شخص دوڑا اور غڑاپ سے دریا میں کُود پڑا۔ اُس نے نہ دریا کی طغیانی کو دیکھا نہ اپنی جان کی پروا کی۔ وہ ایسا باہمت تیراک تھا کہ ایک ایک کرکے نو آدمیوں کو دریا سے نکال لایا۔ کشتی میں دس مسافر تھے۔ دسواں مسافر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا کہ اس حبشی شخص نے حسن بصریؒ کے پاس آکر کہا کہ حضرت! نو آدمیوں کو تو میں خدا کے فضل سے نکال لایا ہُوں، ایک کو آپ بچالیں۔ حسن بصریؒ خاموش رہے، یہ کام اُن کے بس کا نہیں تھا۔ وہ آدمی پھر دوڑا اور باقیماندہ مسافر کو بھی بچالایا۔ مسافروں کے حواس بحال ہوئے تو وہ پھر حضرت حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے جس عورت کو میرے پاس لیٹے ہوئے دیکھا تھا وہ میری ماں ہے، وہ سخت بیمار ہے میں اُسے اُٹھائے ہوئے جارہا تھا کہ اُس کی حالت بگڑ گئی تو میں نے یہاں لٹا لیا اور بوتل میں سے اسے دجلہ کا پانی پلا رہا تھا اور خود بھی پی رہا تھا۔ آپ نے اُسے میرے پاس لیٹے دیکھ کر اور بوتل سے پانی پیتا اور پلاتا دیکھ کر نفرت اور حقارت سے منہ پھیر لیا تھا اور یہ گمان کیا کہ میں غیر عورت کے ساتھ بیٹھا ہُوا شراب پی رہا ہُوں۔ حقیقت یہ نہ تھی جو آپ سمجھ رہے تھے۔

حسن بصریؒ اسے مسافروں کو بچانے میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دیکھ کر پہلے ہی اس کی ہمت اور نیکی سے متاثر تھے اور تحسین و آفریں کی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُس کی زبانی اُس کی والدہ کی بیماری کی حقیقت معلوم ہوئی تو انہیں افسوس ہوا کہ اُنہوں نے خواہ مخواہ بدگمانی سے کام لے کر اس سے نفرت کا اظہار کیا۔ آپ نے اس سے معافی مانگی اور اپنی اس بدگمانی پہ خدا سے گڑگڑا کر توبہ کی۔

اس آیت میں جو آج کے موضوع کا عنوان ہے، خداوند تعالیٰ نے اسی لئے ہمیں نصیحت فرمائی ہے کہ اے ایمان والو اکثر بدگمانیوں سے بچو تحقیق کے ساتھ بعض ظن و گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اس نصیحت کو پلّے باندھنا چاہیئے اور تحقیق حال کے بغیر کسی کے بارے میں بدگمان ہو کر بُرائی کا فیصلہ نہ دینا چاہیئے اور دوسروں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھ کر خواہ مخواہ معاشرتی فساد، باہمی بے اعتمادی اور بھروسے پر قائم روابط کو خراب نہ کرنا چاہیئے۔

بدگمانی سے کام لینا انسان کے اپنے باطن کی ناپاکی ہوتی ہے۔ بندے کی توقع اور اُس کے ربّ کا سلوک۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میرا بندہ مجھ سے جو توقع رکھتا ہے اور جیسا گمان اُس نے میرے متعلق قائم کر رکھا ہے ویسا ہی مجھے پائے گا۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اُسے یاد کرتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک بالشت بھر بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھ جاتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف چار ہاتھ بڑھتا ہوں، اگر وہ میری طرف آہستہ آہستہ آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

دُوسروں کے معاملات کا تجسس

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت ولا تجسسوا معہ ترجمہ	سورۂ الحجرات، آیت ۱۲
۲	تجسس کے معاشرتی نقصانات پر گفتگو	ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۳	تجسس نظامِ جاسوسی کا عالمی نظام	عالمی جاسوسی نظام۔ سی آئی اے۔ را۔ ایس آئی ایس۔ خاد کے نظاموں کی تباہ کاریاں۔
۴	اندرونِ ملک جاسوسی کا غلط استعمال	سی آئی ڈی کے ذریعہ مخالفین کو تنگ کرنا سیاسی اختلافات میں غلط مقدمات۔ غلط رپورٹوں پر انحصار۔
۵	اسلام کے نظامِ جاسوسی کے معاشرتی فوائد	حضرت عمرؓ کا گشت کرنا۔ حالات معلوم کر کے امداد دینا۔ عمال کی غلط کاریوں کے خلاف اقدامات۔ گانے والی لڑکی کے تجسس پر فوج میں سرکلر جاری کرنا۔
۶	تجسس کی جائز صورتیں	مقدمات کی تحقیق اور مجرموں کی کھوج۔ کاروبار سے پہلے تجسس کے ذریعہ کھوٹے کھرے کا پتہ چلانا۔ رشتہ لینے دینے سے پہلے خاندانوں کے حالات کا تجسس ضروری ہے۔
۷	تجسس کی ناجائز صورتیں	عیب جوئی، کمزوریوں کی تلاش اور اُن کو شہرت دینا ٹیلیفون ٹیپ کرنا۔ خط سنسر کرنا۔ ان کی تشہیر۔ بدنامی۔ سرکاری اداروں میں راز معلوم کر کے حاکموں کی نگاہوں میں گرانا۔
۸	واقعات و امثال	ابوجعفر منصور کا درباری ابوالعباس۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں کسی کو سزا، لوگوں کی برائی کرنا۔ حضرت علیؓ کا ارشاد کہ وہی برا ہے جس میں خود عیب نہ ہو۔

Marfat.com

دُوسروں کے معاملات کا تجسّس

آیت معہ ترجمہ

وَلَا تَجَسَّسُوْا ۔ (الحجرات۔ آیت:۱۲)

تم ایک دوسرے کے معاملات اور حالات کی ٹوہ میں نہ رہو۔

تفسیر و تشریح

ہم گزشتہ اوراق میں اور گزشتہ کئی جمعہ کے خطبوں میں اُن معاشرتی خرابیوں اور بُرائیوں کا ذکر کر رہے ہیں جن کی وجہ سے ہمارے برادرانہ تعلقات، شہری اور دیہی روابط، معاشرتی و سماجی تعلقات، باہمی سلوک، میل جول، ہمدردی و خیر خواہی کے سلسلے، محلّہ داری کے حقوق، ہمسائیگی کے فرائض۔ غرض انسانی زندگی کے ہر دائرے میں ہمارا ایک دوسرے سے کسی بھی نوعیت اور حیثیت کی وابستگیاں قائم ہیں، وہ اِن خرابیوں اور بُری عادات کی وجہ سے قائم نہیں رہ سکتیں۔ باہمی تعلقات و روابط کی کڑیاں تب ہی مضبوط رہ سکتی ہیں اور معاشرتی روابط تب ہی خوشگوار اور استوار رہ سکتے ہیں جب ہم ان بُرائیوں سے خود کو بچا کر رکھیں، اور ان کی بجائے باہمی ہمدردی، حسنِ سلوک، حسنِ معاملہ اور جذبۂ خیر خواہی کے تحت اس میں استحکام پیدا کریں تاکہ ہماری معاشرتی و سماجی زندگی امن و سکون سے گزر سکے۔ اسلامی معاشرے کا طرۂ امتیاز ہی یہ ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور بھائی آپس میں کسی بھی ایسی بات اور حرکت کو برداشت نہیں کر سکتے جو اُن کی دشمنی کا موجب ہو۔

گزشتہ اوراق میں بیان کردہ معاشرتی برائیوں میں سے ایک بُری بات یا کسی کی بُری عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے حالات کی ٹوہ لگاتا رہتا ہے یعنی خواہ مخواہ دوسروں کے حالات جاننا، کریدنا، اُن کے عیوب کا کھوج لگانا، اُن کے خانگی رازوں سے واقفیت حاصل کرنا اور پھر انہیں طشت از بام کرنا، محفلوں میں بیان کرنا اور اس طرح کسی کی خانگی اور ذاتی زندگی کے حالات کو موضوعِ محفل بنا کر اس کی بے عزتی کا موجب بنتا ہے۔ سورۂ الحجرات میں بیان کردہ اس ایک لفظ میں ہمیں اس قبیح عادت سے منع کیا گیا ہے۔ تم لوگوں کے حالات کو نہ کریدو، اُن کے معاملات کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ اُن کے عیب ڈھونڈو۔ یہ حرکت خواہ بدگمانی کی بناء پر کی جائے یا بدنیتی سے کسی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ہو یا اپنے شوقِ تجسّس کی تسکین (CURIOSITY) کے لئے کی جائے، تمام صورتوں میں قرآنی حکم کے مطابق شرعاً ناجائز ہے۔

ایک مؤمن کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کے جو حالات بستہ راز میں ہوں یا پردہ اخفا میں ہوں انہیں بے نقاب کرتا پھرے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر، کرید کرید کر وہ راز معلوم کرنے میں لگا رہے اور پردوں کے پیچھے جھانک جھانک کر لوگوں کے گھریلو حالات اور خاندانی معاملات کی تلاش میں مصروفِ عمل ہو کہ کس میں کونسا عیب ہے اور کہاں کیا اختلافات

اور جھگڑے ہیں، کہاں اُن کی کمزوریاں ہیں۔ اس مقصد کے لئے لوگوں کے خطوط لے کر پڑھنا، ٹیلیفون سننا، کسی کی باتوں پر کان دھر کر سننے کی سعی کرنا۔ گھروں میں جھانکنا۔ چھوٹے بچوں کے ذریعہ کسی کے گھریلو حالات اور باتیں معلوم کرنا، عورتوں کے ذریعہ ایسا کام لینا، یہ سب کچھ اندازِ تجسس اور ٹوہ کے طور پر کرنا انتہائی کمینگی، بداخلاقی اور بُری حرکتیں ہیں جس سے خانگی افتراق تنازعات اور جھگڑوں کی آگ بھڑکتی ہے، دلوں میں کدورتیں اور نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔ مخالفتوں کے فاصلے پھیلتے اور دشمنیوں کے زہر سرایت کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ اے ایمان والو! ایمان تمہارے دلوں میں نہیں اُترا۔ مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کا کھوج نہ لگاؤ۔ جو شخص مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا، اللہ اس کے عیوب آشکارا کرے گا اور خدا جس کے درپے ہو جائے اُسے اُس کے گھر میں رسوا کرے گا۔ حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہوگے تو اُن کو بگاڑ دوگے یا بگاڑ کے قریب پہنچا دوگے۔ یعنی معاشرتی بگاڑ یا تعلقات کا بگاڑ۔ ایک دوسری حدیث میں حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے: اذا ظَنَنْتُمْ فلا تحققوا۔ جب کسی شخص کے متعلق بدگمانی ہوجائے تو برائی کی تحقیق میں نہ لگے رہو۔ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا جس نے کسی کا چھپا ہوا عیب دیکھ لیا اور اُس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا اتنا ثواب ہے جیسے اُس نے زندہ گاڑی ہوئی بچی کو موت سے بچا لیا۔

تجسس کا عالمی نظام

تجسس یا دوسرے فرد کے حالات کا کھوج اور جاسوسی جہاں انفرادی طور پر ہماری خانگی، شہری اور معاشرتی زندگی کے لئے موجبِ فساد اور بگاڑ ہے وہاں آجکل عالمی سطح پر دوسرے ملکوں کے معاملات میں جاسوسی کے نظام کے ذریعہ مداخلت کر کے اپنی مرضی کے حالات پیدا کرنا، حکومتیں قائم کرنا، عالمی قسم کی تخریب کاری اور بدامنی کا موجب بھی ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر ملک دوسرے ملکوں کے حساس اداروں کے راز معلوم کر کے اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے بدامنی، تخریب کاری اور خانہ جنگی کی صورتیں برپا کرتا ہے اور جاسوسی کے یہ ادارے روس کے، کے جی بی۔ امریکہ کا سی آئی اے۔ ہندوستان کا را۔ پاکستان کا آئی ایس آئی ہیں۔ آج دنیا کا امن انہی جاسوسی اداروں کے ذریعہ تباہ و برباد ہے۔

اندرونِ ملک جاسوسی نظام

پھر حکومتوں نے اندرونِ ملک سرگرمیوں پر نگرانی کے نام سے سی آئی ڈی کا نظام بھی قائم کیا ہوا ہوتا ہے جس کے ذریعہ وطن دشمن سرگرمیوں اور اندرونِ ملک ظلم و زیادتی کے تدارک کی بجائے ہر برسرِ اقتدار جماعت اپنے سیاسی مخالفین کو پکڑنے، اُن پر مقدمات قائم کرنے، اُنہیں ہراساں کرنے اور ان کے سکون و امن کو تہ و بالا کرنے میں استعمال کرتی رہتی ہے۔ کسی شریف شہری، سیاسی قائد اور حکومت کے نیک نیت کارندے یا افسر کے ذاتی کردار پر بھروسے زیادہ مڈل فیل سی آئی ڈی سپاہی کی رپورٹوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے جس سے پورے ملک میں بددلی اور بے اعتمادی کی فضا پھیل جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپوزیشن جماعتیں اور افراد اپنے تحفظ کے لئے دوسرے ملکوں کا سہارا لینے پر مجبور ہو کر ملک دشمن عناصر یا دہشت گرد گروہوں کی سرپرستی کرتے

Marfat.com

رہتے ہیں۔ آج کراچی، سندھ اور دوسرے شہروں میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اور اپنی سیاسی کامیابی کا گراف قائم رکھنے کے لئے ناجائز اسلحے اور تخریب کاری کے یہی حربے اختیار کئے جاتے ہیں۔

اسلام کا جاسوسی نظام

اسلام میں جاسوسی کا شعبہ ضرور تھا اور وہ جاسوسی کے موجودہ بدنام زمانہ نظام سے یکسر مختلف تھا۔ لڑائی کے دوران دشمنوں کی نقل و حرکت سے آگاہی اور اُن کے عزائم سے واقفیت کی حد تک یہ نظام موجود تھا۔ اس سے تخریب کاری، دہشت گردی اور اسلام دشمنوں کی زندگیوں سے کبھی بھی کھیلنے کی خاطر اُسے استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ پھر ملک میں لوگوں کی تکالیف، شکایات اور اُن پہ ظلم و زیادتی کے انسداد کے لئے جاسوسی کا نظام خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظم طور پر جاری فرمایا۔ وہ خود بھی راتوں کو گشت فرماتے، لوگوں کے حالات کی خبر گیری فرماتے اور خود ہی اُن کی تکالیف رفع کرنے کی بے شمار مثالیں اسلامی تاریخ میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مخبروں کی اطلاعات پر منصفانہ اور عادلانہ اقدامات فرماتے اور ان مخبروں کی اطلاعات پہ بھی اندھا دھند اعتبار نہ کیا جاتا بلکہ تحقیقِ حال کی جاتی تھی اور نیک نیتی کے ساتھ متعلقہ فرد، ادارے یا گورنر یا حاکم کو بُلا کر صفائی کا موقعہ دیا جاتا تھا۔

اسلام کا یہ جاسوسی نظام خفیہ جرائم کے کھوج کی بجائے کھُلی بُرائی کے انسداد کے لئے تھا۔ قانون کے تحفظ اور اسلامی حدود کی نگرانی کے لئے تھا۔ ضرورت مندوں کی خبر گیری، اُن کی دستگیری اور اُن کی کفالت کے لئے تھا۔ اسلام کے اس نظام جاسوسی کی برکات کے متعدد واقعات اور مثالوں میں سے صرف ایک مثال کے ذکر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نظام سربراہِ مملکت کے احساسِ ذمہ داری، خوفِ خدا، آخرت کی جوابدہی کے تحت خبر گیری کی کتنی اہمیت ثابت کرتا ہے اور پھر یہ کہ یہ نظام رعیت کے حق میں کس قدر خیر و برکت کا موجب تھا۔

ایک مرتبہ رات کو گشت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک گھر کے سامنے سے گزرے تو اندر سے عشقیہ اشعار پڑھتے ہوئے عورت کی آواز سنائی دی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشعار کا بلند آواز میں پڑھنا کسی عورت کے لئے اسلامی معاشرے میں اچھا فعل نہ تھا۔ ظاہری اور کھُلی بُرائی تھی۔ عشقیہ گانے کے ذریعہ جذبات کا اظہار عشق کے عملی اظہار کا ثبوت تھا۔ اسلامی حکومت کا باکردار سربراہ ایک مسلمان بیٹی کو یہ اجازت نہ دے سکتا تھا۔ یہ اسلام کے دورِ اوّل کا معاشرہ تھا اور سربراہِ مملکت حضرت عمرؓ جیسے غیرت مند اور صاحب کردار تھے۔ آج کا معاشرہ نہ تھا کہ کسی مسلمان گھرانے کی بیٹی والدین کے سامنے ریڈیو کی آواز یا گانے کے کیسٹ پر والدین کے سامنے ناچتی، تھرکتی اور گاتی ہو تو والدین اس پر فخر کریں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ اس گانے کی آواز سن کر ضبط نہ فرما سکے۔ دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہوئے اور گھر میں نوجوان لڑکی کی اس کھُلی بے حیائی پر اُسے ڈانٹا۔ لڑکی نے کہا۔ امیر المؤمنین! میں نے ایک گناہ کیا ہے آپ نے اسلامی قانون کی تین حدود کو پھلانگ دیا ہے۔ ایک تو آپ نے تجسّس کیا ہے جبکہ وَلَا تَجَسَّسُوا کا واضح حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ (۲) دوسرا میرے گھر میں دیوار پھاند کر داخل ہوئے جبکہ لیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکنّ

البرّ من اتّقیٰ وأتوا البیوت من ابوابھا۔ نیکی یہ نہیں کہ تم دوسروں کے گھروں میں مکانوں کی پُشت سے داخل ہو جاؤ بلکہ تقویٰ داری کا طریقہ یہ ہے کہ گھروں میں سامنے دروازوں سے آؤ۔ (۳) تیسری حرکت آپ نے یہ فرمائی کہ قرآن کریم کی ہدایت کے خلاف لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتّٰی تستانسوا وتسلّموا علیٰ اھلھا۔ کہ کسی غیر کے گھر میں اس کی اجازت حاصل کئے بغیر اور مرضی کے بغیر داخل نہ ہو جاؤ۔ آپ میری اجازت اور میری مرضی کے بغیر داخل ہوئے۔

حضرت عمرؓ پر قرآنی احکام اور اسلامی حدود کی ان خلاف ورزیوں کو قرآنی آیات کے حوالے سے ثابت کرنے کے بعد لڑکی نے اپنے گانے کی حقیقت یوں بیان کی کہ میری نئی نئی شادی ہوئی ہے اور میرا خاوند شادی کے متصل بعد جہاد پر چلا گیا ہے، مجھے اس کی یاد اور جدائی نے بے قرار کیا تو بے اختیار یہ اشعار زبان پر آ گئے۔

حضرت عمرؓ منصف مزاج خلیفہ تھے۔ آج کے حکمران تو کیا تھانیدار تک دریافتِ حال کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی غیر قانونی حرکتوں پر شرمسار ہوتے ہیں۔ چنانچہ لڑکی کی صاف گوئی، بے باکی اور اسلامی قوانین کے برملا اظہار پر فوراً اپنی غلطیوں کا اعتراف فرمایا۔ ساری رات استغفار پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ تحقیق فرمائی کہ ایک شادی شدہ عورت کتنا عرصہ خاوند کی جدائی برداشت کر سکتی ہے۔ چنانچہ اپنی تحقیق کی روشنی میں فرمان جاری فرمایا کہ تین ماہ بعد ہر سپاہی کو لازمی چھٹی پر گھر بھیجا جائے۔ اُن کا یہ دانشمندانہ حکم آج بھی فوج میں جاری ہے۔

اس ایک مثال سے اسلامی حکومت کے ادارۂ جاسوسی کے مثبت اثرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ معاشرے کی اصلاح، بدکاری کی روک تھام اور بظاہر ملزم کے لئے کتنی رحمت کا باعث بنا اور سربراہِ مملکت کا کردار ملاحظہ ہو کہ اس کے مشفقانہ اور منصفانہ سلوک کے نتیجہ میں لوگ کس قدر حق گو اور صاف گو تھے اور تعمیری تنقید کے لئے جرأت مند تھے۔ آج جمہوریت اور انسانی حقوق کی آزادی و پاسداری کا ڈھنڈورا پیٹنے والے، غریبوں کی ہمدردی کا دم بھرنے والے اور انفرادی اظہارِ خیال کی آزادی کا دعویٰ کرنے والے ایسی کوئی جمہوری مثال پیش کر سکتے ہیں۔ موجودہ حکومتوں کے جاسوسی نظام کا تو یہ حال ہے کہ ؎

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق | آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

تجسّس کی جائز صورتیں

تجسّس واقعی بُری حرکت ہے مگر بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں تجسّس ضروری اور جائز ہے۔

۱۔ مقدمات کی تحقیق

بعض مقدمات ایسے ہوتے ہیں بلکہ اکثر مقدمات میں حقیقت تک پہنچنے اور منصفانہ تصفیے کیلئے حالات کا کھوج لگانا ضروری ہے کہ حق اور ناحق کی تمیز ہو سکے یا مجرم کی تلاش کی جا سکے۔ اصل مجرم تک پہنچنے کے لئے تجسّس، کھوج اور حالات کی کریدلازمی بھی ہے اور جائز بھی۔

Marfat.com

۲۔ کاروباری ضرورت

کسی کاروباری شراکت کے سلسلہ میں پہلے کمپنی، تجارتی ادارے، کاروباری افراد کے بارے میں تجسس ضروری ہے تاکہ ان کمپنیوں، اداروں اور افراد کی دیانتداری، کاروباری استحکام کے بارہ میں معلومات حاصل کی جاسکیں۔ تحقیق، دریافت اور تجسس کے بغیر کاروباری شراکت، سرمائے کے ڈوبنے، تجارتی نقصان اور بددیانتی پر مبنی تجارت آئندہ کیلئے جھگڑے، تنازعے اور مقدمات کے دروازے کھول دیتی ہے اور شراکت کی ہنڈیا بیچ چوراہے کے ٹوٹتی ہے۔ نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کی خفت اٹھانے سے پہلے کھوج، دریافت اور تجسس ضروری ہے۔

۳۔ ازدواجی ضرورت

تجسس اس معاملے میں بھی ضروری بلکہ جائز ہے کہ انسان کہیں لڑکی یا لڑکے کا رشتہ کرنا چاہیں تو فریقین کے لئے لازمی ہے کہ وہ خفیہ یا کسی اور ذریعے سے ایک دوسرے کے حالات، کردار اور روایوں سے متعلق مکمل معلومات حاصل کریں۔ قریبی رشتوں میں رشتوں کا لین دین ہو تو قریبی واقفیت اور خاندانی روابط کے باعث اس کی ضرورت نہ ہوگی، لیکن خاندان سے باہر دور کہیں رشتہ دیا یا لیا جاتا ہے تو مختلف طریقوں اور ذرائع کو بروئے کار لاکر تسلی کر لی جائے، کیونکہ رشتے ساری عمر کے سودے ہوتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تحقیق و تجسس کے بغیر کوئی فیصلہ بچوں اور بچیوں کے لئے ساری عمر کا جہنم ثابت ہوسکتا ہے اور خاندانوں کی رسوائی کا باعث بن سکتا ہے اور تمام عمر کی پشیمانی خاندانوں کا مقدر بن جاتی ہے۔ آج کے مادی دور میں اخلاقیات، کردار اور گھرانوں کے دینی و اخلاقی ماحول کی بجائے مادی و مالی حالتوں کو دیکھا جاتا ہے جو وقتی طور پر مانگے تانگے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ کسی اور کی کوٹھی، مانگی ہوئی کار، اور کرائے پر لایا ہوا فرنیچر دکھا کر ایک دوسرے کو وقتی طور پر مرعوب کر دیا جاتا ہے۔ مانگا ہوا زیور اور کپڑے دیئے جاتے ہیں۔ دفتروں کے معمولی کلرک کو بڑا افسر بتایا جاتا ہے اور جب رشتہ کے بعد حقیقت سامنے آتی ہے تو امارت کے فرضی پول کھل جاتے ہیں۔ حالانکہ رشتوں کے استحکام و استقرار کا تعلق ان خارجی مظاہر پر قائم نہیں رہ سکتا، وہ صرف اور صرف خاندانوں کے طبائع، اخلاق و کردار اور رہن سہن کے عمدہ انداز پر قائم رہ سکتا ہے۔ اس لئے فریقین ایک دوسرے کے گھرانوں کی اخلاقی حالت کا کھوج لگائیں تو یہ جائز بھی ہے اور آج کے جھوٹے اور فریبی معاشرے میں لازمی بھی ہے۔

تجسس کی ناجائز صورتیں

ان جائز صورتوں کے علاوہ ہمارے ہاں تجسس خالص بدنیتی، تعصب، دشمنی اور دوسروں کی رسوائی کے لئے کیا جاتا ہے تاکہ کسی کی کوئی کمزوری، برائی اور عیب ہاتھ لگے تو اسے مزے لے لے کر ادھر ادھر پھیلایا جاسکے۔ اس کی عزت سے کھیل کر کردار کشی کا مشغلہ جاری رکھا جاسکے۔ اس سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں مختلف حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کو سمجھا بجھا کر یا محلّے کی ایسی عورتوں کو استعمال کر کے گھروں کے راز معلوم کیے جاتے ہیں۔ گھروں میں ہونے والی گھریلو ذاتی گفتگو سنی جاتی ہے، طرز عمل سے اندازے لگائے جاتے ہیں۔ دیواروں، دروازوں کے روزنوں میں سے اندر جھانکا جاتا ہے تاکہ کسی کی ذاتی زندگی کے راز معلوم کر کے نیزے کی نوک اور بانس کی چوٹی پر چڑھایا جاسکے اور اپنے خبث باطن کی تسکین کی جاسکے۔ عورتیں محلے کے گھروں میں آتی جاتی ہیں ان سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ ایک کے عیب دوسرے اور دوسرے کے عیب پہلے گھروں میں پھیلاتی رہتی ہیں۔ گھروں کی جاسوسیاں کرتی ہیں اور اس پر پیٹ پال کر ٹکڑے میٹھے کر کے باہمی اختلافات اور رسوائیوں کا

معیوب بن جاتی ہیں۔ ایسی ہی جمالو قسم کی عورتیں ہر خاندان، گھر اور معاشرے میں ہوتی ہیں۔ دوسروں کے نام آئے ہوئے خطوط پکڑے جاتے ہیں، ٹیلیفون ریکارڈ کیے جاتے ہیں اور پھر انہیں بلیک میل کیا جاتا ہے۔ آجکل کی سائنسی ترقی نے اس ناجائز جاسوسی کے مشغلوں کو زیادہ آسان بنا دیا ہے کسی کے ہاں جا کر ٹیپ آن کر دیا جائے تو ساری گفتگو ریکارڈ ہو جاتی ہے، کہیں بھی خود کار کیمرہ فٹ کر دیا جائے تو گھر والوں کی خانگی زندگی فلمائی جاتی ہے اور پھر اُسے بنیاد بنا کر وہ فتنے کھڑے ہوتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

تجسس اور کھوج کاری کے یہ تمام حربے ہماری خاندانی رقابتوں، دشمنیوں، باہمی پھوٹ اور نفرت کی بنیاد بن کر ہماری عائلی اور مجموعی طور پہ معاشرتی زندگی کے لئے بھوسے میں آگ کی ایک تیلی کا کام دیتے ہیں، جس سے پورا معاشرتی ڈھانچہ خاکستر ہو کر رہ گیا ہے۔ ہمارے حکیم و دانا رب نے اسی لئے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کے حالات کی ٹوہ نہ لگاؤ، تجسس نہ کیا کرو۔

حضرت جُبیرؓ نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی بہت نیکیاں کرے گا اور سمجھے گا کہ میری نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں لکھی جا رہی ہیں، مگر قیامت کے دن دیکھے گا کہ وہ سب نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں نہ ہوں گی تو حیران ہو کر پوچھے گا کہ خدایا! میں نے دنیا میں یہ یہ نیکیاں کی تھیں اب یہاں کیوں نہیں؟ جواب دیا جائے گا کہ تمہاری وہ نیکیاں اُن لوگوں کے کھاتے میں ڈال دی گئی ہیں جن کی برائیاں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیان کیا کرتا تھا۔ بے عیب تو صرف خدا کی ذات ہے۔ کمزوریاں کس میں نہیں ہوتیں، جو دوسروں کی کمزوریوں کی تلاش میں رہتا ہے اور انہیں اچھالتا ہے خداوند تعالیٰ اُس کے اپنے چھپے ہوئے عیبوں اور بُرائیوں کا تذکرہ عام کر دیتے ہیں جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے خدا اُس کے عیبوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔

واقعات و امثال

۱۔ حسن بصریؒ نے ایک دفعہ چھواروں کی ٹوکری بھر کر ایک شخص کے پاس بھیجی اور پیغام دیا کہ آپ کی طرف سے از حد مہربانیوں کے بدلے میں میرا یہ حقیر سا تحفہ قبول فرما لیجئے۔ جب اُس شخص نے چھوہارے لئے تو حیران تھا کہ میں نے تو کوئی موقعہ بھی حسن بصریؒ کے خلاف بدگوئی میں ضائع نہیں کیا، اب اُن کی طرف سے یہ تحفہ کس مہربانی کا بدلہ ہے؟ حسن بصریؒ نے جواب بھیجا کہ آپ ہمیشہ دوسروں کے سامنے میری عیب گوئی اور برائی کے بیان میں لگے رہتے ہیں اور اس طرح اپنی نیکیاں میرے کھاتے میں لکھوانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غیر شعوری طور پر سہی مگر آپ کی یہ مہربانی کم ہے کہ اپنی نیکیاں مجھے دیتے رہتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ میں آپ کو اُن نیکیوں کے بدلے میں بہت کچھ دیتا مگر کیا کروں میری توفیق ان چھوہاروں سے زیادہ نہیں ہے۔

۲۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی محفل میں فرمایا۔ تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو درجے میں نماز، روزے اور زکوٰۃ سے بہتر ہو۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا۔ یہ تو بڑا کرم ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا، مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنا نماز، روزے اور زکوٰۃ سے زیادہ درجے کا موجب ہے بلکہ افضل ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ معاشرے کے بدترین لوگ وہ ہیں جو دوسروں کے عیب ڈھونڈیں، چغلیاں کھائیں اور آپس میں دشمنیاں ڈالیں۔ دوسروں پر تہمتیں لگائیں۔

Marfat.com

دوسروں کی ٹوہ میں رہنے والے لوگ ذہنی مریض ہوتے ہیں۔ اس سے ان کی فکری توانائی ضائع ہوتی ہے۔ کتنی افسوسناک بات ہے کہ اپنی تعمیر و ترقی اور اصلاح میں صرف ہونے والی فکری توانائی، ذہنی صلاحیت اور قیمتی وقت دوسروں کی جاسوسی میں صرف کرتا پھرے اور انہیں نیچا دکھاتا پھرے۔ خدا کا ایک نام ستّار العیوب بھی ہے۔ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا۔

عیب جوئی اور عیب چینی اور کسی کے طرزِ عمل کا کھوج ہمارے تمام اداروں اور حکومت کے درباروں میں عام رہا ہے۔ اداروں اور سرکاری اداروں میں اس عادت کے لوگ علم و دانائی میں کورے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کہنے کے لئے علمی سیاسی یا معلوماتی مواد ہوتا نہیں ہے اور نہ کسی مجلسی موضوعات پر اظہار خیال کی قدرت ہوتی ہے اس لئے اُن کا ایک ہی مبلغ علم ہوتا ہے کہ درباروں اور افسروں کے سامنے دوسروں کے حالات کرید کرید کر پیش کریں اور انہیں ان کی نظروں میں گرائیں اور اُن کے حصّہ کی ہر دلعزیزی، کارکردگی اور مقبولیت کو زیادہ سے زیادہ خراب کر کے خود اپنی خوشامدانہ گفتگو کے ذریعہ حاصل کریں۔

۳۔ ابوجعفر منصور عباسی کے دربار میں ایک ایسا ہی چلتا پُرزہ ابوالعباس تھا، بڑا متعصب اور خبیث تھا۔ دوسروں کے عیب ڈھونڈ کر منصور کے سامنے پیش کرتا اور رسوا کر کے اُس کی نظروں سے گراتا رہتا۔ یہ شخص حکمرانوں کے لئے بڑے کام کا آدمی تھا۔ ہتھیلی پر سرسوں جماتا، بڑا گھاگ اور باتوں باتوں میں چھکے چھڑانے والا آدمی تھا۔ اپنے حریف کو بادشاہ کی نظروں میں گرانا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایک دن امام ابوحنیفہؒ جو اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہہ، قانون دان، دنیا کے ایک ارب مسلمانوں کے مذہبی مسلک کے امام تھے متقی اور پرہیز گار شخصیت تھے۔ موقع پرستی اور چاپلوسی اُن کی فطرت میں نہ تھی۔ وہ ایک دن ابوجعفر خلیفہ منصور کے دربار میں چلے گئے جو بادشاہ کی اصلاح اور نصیحت کے لئے ہوتا تھا، آج وہ دربار میں بیٹھے تھے کہ ابوالعباس نے اپنی طبیعت کے خبث باطن سے مجبور ہو کر ان سے سوال کیا" حضرت ہمارے امیر منصور ہمیں اکثر حکم دیتے ہیں کہ فلاں کی گردن مارو، فلاں کو جیل بھیج دو اور فلاں فلاں کو فکس اپ کر دو۔ ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص مجرم ہے یا نہیں، ایسی صورت میں ہم کیا کریں، خلیفہ کا حکم مانیں یا انکار کریں۔ ابوالعباس نے دو دھاری تلوار چلا دی تھی، اگر امام ابوحنیفہؒ کہتے کہ خلیفہ کا حکم مانو تو مطلب یہ ہوتا کہ وہ خلیفہ کے مظالم میں شرکت کا فتویٰ دے دیتے۔ یہ بات عدل اور انصاف کے منافی ہوتی، اگر کہتے ہیں کہ خلیفہ کا حکم نہ مانو تو خلیفہ کی ناراضگی یقینی تھی جو بُرے نتائج کا سبب بن جاتی۔

اس موقعہ پر سمجھدار لوگ اور امام صاحبؒ سے عقیدت رکھنے والے دَم سادھے بیٹھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ امام صاحب موقعہ پرست اور مصلحت اندیش نہیں ہیں۔ ابوالعباس نے انہیں کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ مسئلہ نازک تھا، مگر خدا جن کا مددگار ہوتا ہے، جنہیں عزت، مقام اور مرتبہ عطا کرتا ہے وہ اس مقام اور مرتبہ کی حفاظت بھی کرتا ہے، وہ اپنے پیارے بندوں کو کمینوں اور ذلیلوں کے ہاتھوں ذلیل ہونے نہیں دیتا۔ امام ابوحنیفہ تو ویسے بھی حاضر جواب اور ذہین تھے، انہوں نے اُلٹا ابوالعباس کو اُس کے جال میں پھنسا دیا۔ فرمایا" تمہارا کیا خیال ہے، خلیفہ کے احکامات حق ہوتے ہیں یا باطل؟" اُس کی کیا ہمت تھی کہ خلیفہ کے احکامات کو باطل کہتا۔ بڑی بے بسی سے کہا "جی وہ تو حق ہوتے ہیں"۔ امام صاحبؒ نے فرمایا" پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا"۔ سب درباریوں نے ابوالعباس

Marfat.com

کی بے بسی کو طنز یہ نظروں سے دیکھا اور وہ شرمندگی کے باعث ہارے ہوئے جواری کی طرح خود کو کوستا رہا۔

۴۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ایک شخص سے قصور ہوا اور وہ قانون کی زد میں آ گیا اور مجمع عام میں سزا کے لئے لایا گیا تو ہر آدمی اُسے لعن طعن کر رہا تھا اور وہ بے چارہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ حضرت علیؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا، تم مسلمان ہو، میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے وہی لوگ یہاں رہ کر اسے بُرا بھلا کہیں جنہوں نے کوئی گناہ نہ کیا ہو، باقی لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ اُنہوں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔

مختصر اور قابلِ عمل بات یہ ہے کہ دوسروں کے معاملات اور حالات کا تجسّس بُری بات ہے۔ خدا نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ عادت ہماری معاشرتی زندگی کے باہمی روابط کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

غیبت کے معاشرتی نقصانات

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۃ الحجرات، آیت ۱۲
۲	تمہیدی گفتگو	غیبت کے معاشرتی نقصانات
۳	غیبت کی تعریف	بہتان اور غیبت میں فرق۔ عیب ہو تو اُس کا پیٹھ پیچھے بیان کرنا غیبت ہے عیب نہ ہو تو بیان کرنا بہتان ہے۔ ماعز بن مالک کے متعلق گفتگو، حضورؐ کی ناراضگی۔
۴	غیبت کی جائز صورتیں	اصلاح وتربیت کی خاطر، مشاورت میں درست رائے دیتے وقت، کسی کے دھوکے سے بچنے کے لئے، ظالم کے ظلم کی شکایت۔ لا یحبّ اللہ الجہر بالسوء الا من ظلم۔ شرعی حکم کے حصول میں فتویٰ حاصل کرنا ہو، مصنفِ کتاب کی [illegible] کا دفاع۔ گواہ کی عدالت میں گواہی پر، مکان کی خریداری سے پہلے اس کی برائی کا تذکرہ، فسق وفجور پھیلانے والوں کا تذکرہ۔
۵	غیبت کی ناجائز صورتیں	رنگینیٔ محفل کے لئے کسی کے عیب کا تذکرہ کر کے بدنامی کی سعی کرنا۔ دوسرے کی شہرت، مرتبے اور عزّت کو داغدار کرنے کے لئے حسد اور بغض کے زیرِ اثر۔
٦	مسلمان اور مومن کا طرزِ عمل	غیبت سے پرہیز۔ مومن کی مدافعت وحمایت، ایسی محفل سے اُٹھ جانا، غیبت ہو جائے تو تلافی کرے۔ آیت کا انداز استفہامیہ ہے، کون مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے، مومن مومن کا آئینہ ہوتا ہے، عیب منہ پر کہتا ہے پیٹھ پیچھے نہیں، حضورؐ کا روزہ رکھنے کا حکم، پھر افطاری کی اجازت، عورتوں کو اجازت نہ دینا۔
۷	امثال وواقعات	حضورؐ کا قبرستان میں جانا، غیبت کرنے والے پر عذاب، معراج کے موقع پر مثال ناخنوں سے چہرہ نوچنا، غیبت کا عذاب، بہلول کا ترک آبادی اور قبرستان میں قیام، شیخ سعدیؒ کی دورانِ سفر سونے والوں کی غیبت، باپ کی نصیحت، حضرت ابراہیم ادھمؒ کا غیبت کی محفل سے اُٹھ آنا کہ آپ کے دسترخوان پر مردہ بھائی کا گوشت نہیں کھا سکتا۔
۸	غیبت معاشرتی بگاڑ کا موجب ہے	دلوں میں نفرت پھیلتی ہے، عیب گوئی کی عادت سے اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں، معاشرے کے اجزا بکھر جاتے ہیں۔

غیبت کے معاشرتی نقصانات

آیت معہ ترجمہ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ (سورۃ الحجرات، آیت ۱۲)

ترجمہ: "تم میں سے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کی غیبت بیان نہ کریں۔ کیا تم پسند کرو گے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھاؤ بلکہ کراہت محسوس ہو گی۔"

تفسیر و تشریح سورۃ الحجرات میں معاشرتی بُرائیوں کا الگ الگ ذکر گزشتہ اوراق اور تقاریر میں ہمارا موضوع رہا ہے۔ ان میں سب سے بڑی برائی غیبت بھی ہے جو معاشرتی روابط، انسانی سلسلے، خاندانی تعلقات اور گھریلو اتفاق کو خراب کرتی ہے اور نفرتوں، دشمنیوں یا مخالفتوں کا موجب بن جاتی ہے۔ اس کی کراہت کا یہ عالم ہے کہ خداوند کریم نے اس آیت میں اُسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا ہے جیسے کوئی بھی سنگدل آدمی اور شقی القلب شخص کھانا گوارا نہیں کرتا تو پھر کوئی کیسے برداشت کرے گا کہ وہ دوسرے بھائی کی غیبت کرتا ہے۔

غیبت کی تعریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے کہ کسی کی برائی اس طرح بیان کی جائے کہ اسے وہ ناگوار گزرے۔ عرض کیا گیا کہ اگر اُس شخص میں وہ برائی پائی جاتی ہو تو بھی اس کا اظہار غیبت کہلائے گا۔ فرمایا۔ اگر بُرائی پائی جاتی ہو اور وہ بیان کی جائے تو غیبت ہو گی اور اگر وہ برائی اس میں نہ پائی جاتی ہو تو بیان کرنا بہتان کہلائے گا۔

گویا پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کی جائے اور اس میں وہ بُرائی موجود ہو تو غیبت کی تعریف میں آئے گی اور اگر بیان کردہ برائی اس میں نہ پائی جاتی ہو اور بیان کر دی جائے تو بہتان کے زمرے میں آئے گی۔ برائی بیان کرنے کی صورتیں خواہ صراحت کے ساتھ ہوں، اشاروں کنایوں میں ہوں۔ زندہ آدمی کے متعلق ہوں یا مرے ہوئے آدمی کے متعلق ہوں ہر اعتبار سے حرام ہیں۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ ماعز بن مالک کو زنا کے سلسلے میں سنگسار کرنے کی سزا ہوئی۔ واپسی کے دوران حضورؐ نے دو آدمیوں کو یہ کہتے سنا کہ خداوند تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھ لیا تھا کسی کو پتہ بھی نہ تھا مگر اس کے نفس نے پیچھا نہ چھوڑا اور کتّے کی موت مرا۔ جب تھوڑا آگے چلے تو راستہ میں ایک مرا ہوا گدھا دیکھ کر جس سے بدبو آ رہی تھی۔ حضورؐ ٹھہر گئے اور اُن دو آدمیوں سے فرمایا۔ اُونٹوں سے اُتر آؤ اور اس گدھے کا گوشت کھاؤ، کیونکہ آپ نے اپنے بھائی کی سزا اور موت

Marfat.com

کے متعلق جو بات کی ہے وہ اس مردہ گدھے کا گوشت کھانے سے زیادہ بُری ہے۔

غیبت کی جائز صورتیں

بعض صورتیں ایسی ہیں کہ شریعت کی نظروں میں غیبت کے بغیر چارہ نہیں ہوتا تو ایسی صورتوں میں غیبت برائی نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک موقعہ پر ایک بدو حضورؐ کے ساتھ نماز میں شریک ہوا۔ نماز ختم کرنے کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا۔ "خدایا مجھ پر رحم کر اور محمدؐ پر۔ ہم دونوں کے سوا کسی کو اس رحمت میں شریک نہ کر" حضورؐ نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ (تقولون ھو اضل ام بعیر- تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص گمراہ ہے یا اس کا اونٹ" نمازیوں نے کہا۔ ہم نے سنا نہیں کہ کیا کہہ گیا ہے حضورؐ اس موقعہ پر اس کی پیٹھ پیچھے اس کی بُری بات کا نوٹس نہ لیتے تو صحابہؓ کی اصلاح نہ ہوتی اور ایسا کہنا دین میں شامل ہو جاتا۔

۲۔ حضرت فاطمہؓ بنت قیس نے حضورؐ سے مشورہ لیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوالجہمؓ دونوں میرے ساتھ نکاح کے خواہشمند ہیں، میں ان میں سے کس کا انتخاب کروں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ معاویہؓ مفلس ہیں اور ابوالجہمؓ بیویوں کو زیادہ مارتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شادی کے انتخاب سے پہلے مشورہ لینا، تحقیق کرنا، اچھائی اور بُرائی کو دیکھنا تجسس کے ذیل میں نہیں آتا اور اس مشورے کے معاملے میں کسی کی بُرائی بتانا یا ذکر کرنا غیبت کی جائز صورت ہے کیونکہ بُرائی کا اخفا اور اظہار نہ کرنے کی صورت میں دھوکے میں رکھنا ہوگا اور غلط فیصلہ کر جانے کا امکان ہوگا جو آئندہ زندگی میں بُرے نتائج کا سبب ہوگا۔

۳۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تھے کہ ایک شخص نے ملاقات کی اجازت مانگی۔ حضورؐ نے فرمایا "یہ شخص اپنے قبیلے کا بدترین آدمی ہے"۔ پھر اس سے ملاقات کے دوران خوش خلقی سے گفتگو فرمائی۔ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔ آپؐ نے اُسے بدترین شخص بھی کہا اور پھر اتنے اخلاق سے بھی پیش آئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ قیامت کے دن بدترین مقام اس شخص کا ہوگا جس کی بداخلاقی و بدزبانی کے خوف سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔ اس طرزِ عمل کی حکمت یہ تھی کہ اس سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنے پر گھر والے اس پر اعتبار نہ کر بیٹھیں، اسی لئے اس کی بُرائی کا اظہار فرما دیا۔

ان مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں علماء نے غیبت کی یہی صورتیں جائز مقرر کی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ ظالم کے ظلم کی شکایت ایسے شخص سے کرنا جو اس کے ظلم سے نجات دلا سکتا ہو۔ یہ شکایت غیبت نہ ہوگی۔ (۲) کسی شخص یا گروہ کی بُرائی کا ذکر اس لئے کرنا کہ لوگ بُرائیوں کو دُور کر سکیں اور اصلاح ہو سکے۔ (۳) شرعی حکم حاصل کرنے کے لئے واقعہ کی صحیح صورتِ حال بیان کر کے فتویٰ حاصل کرنا (۴) کسی شخص کی برائی بیان کرنا اس خیال سے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں مثلاً کسی مصنف کی شر انگیز کتاب، مضمون یا تحریک یا گواہ کی برائی بیان کرنا تاکہ اس کے فتنے سے بچ سکیں اور عدالت کو گواہ کی برائی سے آگاہ کر کے درست فیصلے تک پہنچایا جا سکے۔ (۵) مکان کی خریداری سے پہلے پڑوسی کے حالات کا کھوج اور اس کے متعلق اچھائی برائی کا تذکرہ پڑوسی کے بُرے رویّے سے محفوظ رہنے میں مدد دیتا ہے (۶) اسی طرح فسق و فجور پھیلانے والوں کے لئے خلاف بُرائی کا اظہار ضروری ہے تاکہ اس کے فتنوں سے آگاہ ہو سکیں۔

Marfat.com

غیبت کی ناجائز صورتیں

ان صورتوں کے علاوہ محض زبان کے چٹخارے اور محفل کے گرمانے کے لئے کسی کی برائیوں کا ذکر قطعی حرام ہے۔ اسی طرح ایک کی بات دوسرے سے اور دوسرے کی تیسرے سے بیان کرنا نہ صرف غیبت بلکہ چغلی اور لگائی بجھائی کہلاتا ہے، یہ بھی حرام ہے۔ حضرت جابرؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت انسؓ تینوں صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ وہ کسی پر جھوٹی تہمت نہیں تو سنانے والے کو خاموش کر دیں بلکہ تردید کریں۔ اگر کوئی مسلمان ایسے موقعہ پر جہاں دوسرے مسلمان کی تذلیل ہو رہی ہو اس کی عزت پر حملہ ہو تا ہو تو جو اس بھائی کی حمایت نہ کرے گا، اس کا دفاع نہ کرے گا تو خدا بھی اُس کی مدد نہ کرے گا جہاں اُسے خدا کی امداد کی ضرورت ہو گی۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس سے کسی کی غیبت ہو جائے تو احساس ہوتے ہی وہ توبہ کرے اور آئندہ اس حرام فعل سے رک جائے اور حتی الوسع اس کی تلافی کرے، اگر وہ مُردہ ہے تو کثرت کے ساتھ اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے۔ زندہ ہے تو اس سے معافی مانگے اور جہاں جہاں اُس نے کسی کی برائی بیان کی ہو خود چل کر اُس کی تردید کرے۔ غیبت کرنا مُردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ آیت کا انداز سوالیہ ہے۔ "کیا تم پسند کرو گے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ؟" ہر آدمی اپنے آپ سے یہ سوال پوچھ سکتا ہے۔ کیا میں ایسا کر سکتا ہوں۔ ذرا تصور کریں کہ بھائی کو بھائی کی موت کا کتنا دکھ ہوتا ہے۔ لوگ اس کے دکھ میں ہمدردی کا اظہار کریں کہ اس کا سہارا ٹوٹ گیا، کمر دوہری ہو گئی۔ بھائی کے لئے بھائی کا وہ ہاتھ ٹوٹ گیا جو حمایت میں اُٹھتا تھا۔ فخر اور حوصلے کا ذریعہ جاتا رہا۔ مگر وہی شخص بیچ چوراہے کے یا تعزیت کے لئے آنے والوں کے ہجوم میں بھائی کی میّت پر بیٹھ کر رونے کی بجائے اُس کا گوشت نوچ نوچ کر کھانے میں مصروف ہو، اُس کی ہڈیاں چبا رہا ہو، زبان کی لذت لے اور پیٹ بھرنے میں مصروف ہو تو خود ہی سوچیں کہ ایسا شخص مردہ بھائی کا بھائی تو کیا انسان کہلانے کا مستحق بھی نہ ہو گا۔ اسے گِدھ، گیدڑ، کُتا اور بھیڑیا ہی کہا جائے گا۔ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا غیبت ہے۔ اس سے اس شخص کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی صرف کہنے والے کی اپنی بزدلی اور گھٹیا مذاق اور پست ذہنیت اور وحشیانہ پن کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح مُردے کا گوشت کھانے سے مُردے کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ کھانے والے کی درندگی، بہیمیت اور بھیڑیے پن کا ثبوت ہوتا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی۔ کَانَ حَقًّا علینا نصر المؤمنین۔ خدا تعالیٰ مومنوں کی امداد کو اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ جو آدمی پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی حمایت اور مدافعت کرے، اُس کی برائی ہونے سے روکے تو اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ یہی روایت حضرت اسماءؓ بنت زیدؓ نے بیان فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ المومن مرۃ المؤمن والمؤمن اخو المؤمن یکف عنہ ضیعتہ و یحفظہ من ورائہ۔ مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، اس کے ضرر کو اس سے رفع کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ مومن کو

Marfat.com

مومن کا آئینہ ہونے میں کتنی حکمت ہے۔ آئینہ انسان کے چہرے کی خوبصورتی یا بدنمائی کو اُس کے منہ پر دکھاتا ہے اور صرف اُسی کو دکھاتا ہے جو آئینے کے سامنے ہوتا ہے اُس کے بغیر کسی دوسرے کو نہیں دکھاتا۔ سچ بتاتا ہے جیسا ہوتا ہے اُسی کا عکس دکھاتا ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا تاکہ وہ اپنے چہرے کی بدنمائی کو دُور کر سکے پیٹھ پیچھے آئینہ کچھ نہیں کہتا۔ مومن مومن کا بھائی ہے یعنی ایک بھائی ہی بھائی کو سچی خیر خواہی کے تحت اس کے عیب بیان کرتا ہے اور پس پشت اُس کی بُرائی کو برداشت نہیں کرتا بلکہ اس کی حمایت کرتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ روزہ رکھنے کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ حضورؐ سے اجازت لئے بغیر روزہ افطار نہ کیا جائے۔ افطاری کے وقت ایک شخص نے دو عورتوں کے لئے افطاری کی اجازت چاہی، حضورؐ نے اپنا منہ ناگواری کے اظہار کے لئے دوسری طرف پھیر لیا۔ یہ عمل تین دفعہ اجازت طلب کرنے پر کیا۔ وہ اجازت طلب کرتا اور حضورؐ منہ پھیر لیتے۔ چوتھی دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ سارا دن مردہ لوگوں کا گوشت کھاتی رہیں تو روزہ کیسے ہوُا کہ افطاری کی اجازت طلب کرتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ قے کریں۔ اُنہوں نے قے کی تو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے نکلے۔ حضورؐ کو اطلاع دی گئی تو فرمایا، اگر یہ خون اُن کے بدن میں رہ جاتا تو انہیں آگ کھا جاتی۔

امثال و واقعات

۱۔ غیبت کمزوری کی علامت اور جلاپے کا اظہار ہے۔ روزہ حضورؐ نے صحابہؓ کو تعلیم و تربیت کے لئے رکھوایا اور انہیں غیبت کے عملی نتائج بتانے کے لئے یہ حکم دیا تھا اور عملاً بتا دیا کہ غیبت سے روزہ کی صحت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے مسلمانوں کو غیبت کے بُرے فعل سے بچنا چاہیئے۔ حضورؐ نے فرمایا کسی سوکھی ہوئی لکڑی کو آگ اتنی تیزی سے نہیں جلاتی جس طرح غیبت انسان کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ جو آدمی دو زبانوں والا ہو یعنی منہ پر ایک بات کہے اور پیٹھ پیچھے دوسری بات کرے تو قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ ایسے آدمی کے شر سے بچنے کے لئے بہتر ہے کہ ایسے شخص سے تعلق توڑ لیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔ غیبت سے بچو کہ یہ فحاشی سے بھی بدتر گناہ ہے۔ پھر فرمایا۔ غیبت کرنے والوں کو خدا غیروں میں ذلیل کرتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ آس پاس دو قبروں سے گزر ہوُا۔ ہم نے دیکھا کہ حضورؐ وہاں سے گزرتے ہوئے بے چین ہو گئے اور وہیں رُک گئے۔ ہم نے دیکھا خاتم النّبیینؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپؐ کی آستینیں ہل رہی تھیں گویا آپ کانپ رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ہم پریشان ہوئے اور مضطرب ہو کر پوچھا۔ یا رسول اللہؐ خیریت تو ہے آپؐ کی یہ حالت کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ یہ قبروں والے بڑے بدنصیب تھے، انہوں نے دو گناہ ایسے کئے جو بظاہر چھوٹے تھے مگر یہ انہی کی سزا بھگت رہے ہیں اور ان پر سخت عذاب ہو رہا ہے۔ ہم نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سے گناہ ہیں جن سے خداوند تعالیٰ اس قدر ناراض ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے جو پیشاب

کرکے طہارت کا خیال نہ رکھتا تھا۔ دوسرا وہ ہے جو چغلیاں کھاتا اور غیبت کرتا رہتا تھا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارشادات میں اس بات پر زور دیتے تھے کہ بھائی کی برائی پر پردہ ڈالو خدا تمہارے عیبوں پر قیامت کے دن پردہ ڈالے گا۔ معراج کے دوران حضورؐ کو مختلف اخلاقی برائیوں میں مبتلا لوگوں کو عذاب کی صورت میں تمثیلی انداز میں دکھایا گیا۔ ان میں سے بعض کو دیکھا، لمبے لمبے ناخنوں سے اپنے چہروں کو نوچ رہے ہیں اور یہ ناخن دھات کے بنے ہوئے تھے۔ جبرئیلؑ نے حضورؐ کو بتایا کہ یہ لوگ غیبت کرنے والے تھے جو ہمیشہ دوسروں کی عزت کے درپے رہتے تھے۔

۳۔ بہلول کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے آبادی ترک کرکے قبرستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بہلول کے متعلق مختلف باتیں مشہور ہیں کسی نے اسے حضرت لقمانؑ کی طرح عقلمند بتایا ہے، کسی نے اسے سڑی اور سودائی کہا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ کوفہ میں رہتے تھے اور مجذوب آدمی تھے۔ عربی زبان میں بہلول ہنس مکھ یا ہنسوڑ کو کہتے ہیں۔ کتابوں میں اس کا کردار پُراسرار ہے۔ بظاہر دیوانوں کی طرح رہتے تھے، مگر باتیں فرزانوں کی طرح کرتے تھے۔ بغداد میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں اُن کی قبر ہے۔ ابنِ بطوطہ اور ابنِ خلدون نے انہیں پھکڑ، درباری مسخرا، نقّال اور قہوہ خانوں کا کردار بتایا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ سادہ لوح انسان تھے۔ لوگ انہیں چھیڑتے، مذاق اُڑاتے اور اُن کی باتیں سنتے۔ یہ بہلول گھر بار چھوڑ کر قبرستان میں جا بسے تو لوگوں نے کہا۔ آبادی سے کیوں بھاگ گئے؟ بہلول نے کہا۔ میں ایسی جگہ جا بسا ہوں کہ اگر اُن کے درمیان ہوتا ہوں تو ان میں کوئی مجھے تکلیف نہیں دیتا، اگر ان کے پاس سے کہیں چلا جاتا ہوں تو وہ میری غیبت نہیں کرتے۔ غیبت معمولی اخلاقی برائی نہیں بلکہ یہ دوزخیوں کا کام ہے۔

۴۔ شیخ سعدیؒ ایک دفعہ سفر کے دوران اپنے والد کے ہمراہ تھے۔ راستہ میں رات کے وقت قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ شیخ سعدی رات کو تھوڑی سی نیند کے بعد اُٹھے اور عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ صبح قافلے والوں کو بے خبر پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے دیکھا تو فرمایا۔ یہ لوگ کس قدر غافل اور بے خبر ہیں۔ والد نے پوچھا۔ کیا مطلب ہے؟ سعدیؒ نے فرمایا۔ انہیں توفیق نہ ہوئی کہ اُٹھ کر دو رکعت نفل پڑھ لیتے۔ والد نے فرمایا۔ میرے عزیز بیٹے، بہتر تھا کہ تم بھی سوئے رہتے۔ یہ کیا کہ رات کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے تہجد پڑھتے رہے اور اس وقت دوسروں کی بُرائی میں مصروف ہو گئے، یہ تو غیبت ہے اور غیبت حرام ہے۔

۵۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ بہت بڑے ولی تھے۔ اُنہوں نے بادشاہی پر لات مار کر فقیری اختیار کی تھی اور فقیری میں اللہ نے انہیں اتنا بڑا مرتبہ عطا کیا کہ کائنات اُن کے تابع کر دی گئی۔ اُن کا واقعہ ہے کہ شہروں شہروں گھومتے اور ملکوں ملکوں پھرتے تھے۔ کسی شہر میں آئے تو ایک جاننے والے نے انہیں بڑی منّت سماجت سے اپنے ایک دوست کے ہاں کھانے پر مجبور کیا کہ اس کا دوست ابراہیم ادھمؒ سے ملاقات کا متمنی تھا۔ ابراہیم ادھمؒ حسبِ وعدہ دعوت میں شریک ہوئے۔ وہ شخص اپنے لباس اور حلیے میں پرہیزگار اور نیک معلوم ہوتا تھا۔ ادھمؒ خوش ہوئے کہ چلو ہم مزاج ہم خیال آدمی سے ملاقات ہو گئی، علمی گفتگو ہو گی، تصوّف کے اسرار و رموز کھلیں گے اور فیضِ صحبت سے فائدہ ملے گا۔

Marfat.com

مگر صاحبِ خانہ ابتدائی رسمی باتوں کے بعد اپنے ہم مسلک اور ہم مشرب، دوسرے صوفیاء کے خلاف بدگوئی اور غیبت پر اُتر آئے۔ ابراہیم ادھم ؒ نے یہ صورتِ حال اور اندازِ گفتگو دیکھا تو بڑے پریشان ہوئے اور بالآخر یہ کہہ کر مجلس سے چلے آئے کہ "میں آپ کے دسترخوان پر اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت نہیں کھا سکتا"۔ قابلِ عمل اور یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ غیبت حرام ہے اور مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے۔ اُس کی دنیا میں سزا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اُس کے عیبوں کو ظاہر کر کے اُسے ذلیل فرماتے ہیں اور آخرت میں عذاب میں ڈال کر دوزخ کا ایندھن بنائیں گے۔ ہمیں اس عمومی معاشرتی اخلاقی برائی سے بچنا چاہیئے تاکہ ہمارا معاشرہ ایک دوسرے کا گوشت کھانے کی درندگی، بھیڑیئے پن اور کُتّا صفت، برائی کے نتائج اور اثرات سے محفوظ رہ کر باہمی بھائی چارے محبت اور پیار کی خوش گوار فضاؤں اور ہواؤں میں سانس لے سکے۔ اگر ہم کسی مجلس میں کسی کے حق میں کی جانے والی بُری گفتگو کو روک نہیں سکتے اور نہ دوسروں کا منہ بند کر سکتے ہیں تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ابراہیم ادھم ؒ کی طرح اس مجلس سے نکل آئیں۔ خداوند کریم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور خود بھی غیبت سے بچنے، اجتناب اور پرہیز کی عادت عطا فرمائے۔ آمین۔ یا اللہ العالمین۔

Marfat.com

نسلی امتیاز پر تفاخر

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۃ الحجرات ۱۳
۲	نسلی امتیازات کے ابتدائی گروہ	انسانوں نے خود اپنے ارد گرد رنگوں، نسلوں، وطنوں اور قبیلوں کے دائرے کھینچے۔ یہودیوں اور نصرانیوں، برہمنوں اور نیچ ذات کے دائرے۔ کالے اور گورے امریکیوں نے ریڈ انڈینز سے کیا کیا۔ مغربی قوموں کا احساسِ برتری۔ جرمنوں کا فلسفہ برتری
۳	قرآن کی آیت کی تین حقیقتیں	(۱) نسل ایک ہے مرد اور عورت (۱) خالق ایک ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ (۲) مادہ تخلیق و پیدائش ایک ہے۔ اعلیٰ و ادنیٰ مادے نہیں ہیں۔ قوموں اور قبیلوں کی تقسیم قدرتی امر ہے کسی کا بس اور اختیار نہیں کہ خود کہیں جا کر پیدا ہو جائے۔ وطنی تقسیم بھی غیر اختیاری ہے جسے جہاں خدا پیدا کر دے یہ قدرتی تقسیم برتری اور کمتری کی بنیاد نہیں بن سکتی (۳) اخلاقی فضیلت ہی برتری کی بنیاد بن سکتی ہے جو انسان کی ذاتی و اکتسابی خوبی ہو سکتی ہے۔
۴	تعلیماتِ رسولؐ	فتح مکہ کے موقعہ پر خطبہ۔ حجۃ الوداع کا خطبہ۔ خود حضورؐ کے دور کے اسلامی معاشرے میں ان تعلیمات کے مظاہرے، مہاجرین کے ساتھ انصار کا سلوک۔ سلمان فارسیؓ اور حضرت بلالؓ و صہیب رومیؓ۔
۵	ہمارا حال	بلوچی، سندھی، پنجابی، پٹھان، بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، سیاسی گروہ، فرقے، جماعتیں اور ان کے نتیجے میں فسادات، قتل و غارت گری۔
۶	مغرب کی تہذیب اور جہالت	غیر ملکیوں سے سلوک۔ جرمنی، افریقہ و ایشیائی قوموں سے سلوک۔
۷	کسی کے ہاں پیدائش ذریعہ عزت نہیں	نوحؑ کا بیٹا، اس کا انجام۔ ہجرت کے موقعہ پر رشتے اور وطن کو چھوڑا۔ ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی کا واقعہ، مکہ مکرمہ میں سردارانِ عرب کے حضرت بلالؓ سے متعلق ریمارکس پر آیت کا نزول۔
۸	نسلی تفاخر اور پدرم سلطان بود	ذاتی اوصاف اور اخلاق پر توجہ دینا چاہیے۔

نسلی امتیاز پر تفاخر

آیت مع ترجمہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۔ (الحجرات، آیت ۱۳)

"لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تمہارے قبیلے، نسلیں اور قومیں بنائی ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور نیکوکار ہے۔ نسل اور قبیلہ ذریعہ عزت نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جاننے والا اور خبردار ہے۔"

تفسیر و تشریح

گزشتہ اوراق اور جمعہ کی تقریروں میں سورۃ الحجرات کے وہ احکامات اور ہدایات بیان کی گئی ہیں جو کسی بھی معاشرے کے امن، بھائی چارے اور خوشگوار تعلقات کو خراب کر کے باہمی نفرت حقارت اور دشمنی کا سبب بنتی ہیں، مگر ان احکامات اور ہدایات کے مخاطب صرف مومن تھے۔ اب اس سورت کے آخر میں تمام دنیا کے انسانوں کو مخاطب کر کے اس عظیم گمراہی اور فتنے کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد اور انسانی تباہی کا موجب بنی ہے اور وہ گمراہی انسانوں کے درمیان رنگ، نسل، وطن، زبان اور قومیت کا تعصب ہے۔

قدیم زمانوں سے لے کر آج تک انسان عام طور پر انسانیت کے رشتے اور تعلق کو نظر انداز کر کے اپنے اردگرد چھوٹے چھوٹے امتیاز و افتراق کے دائرے کھینچتا چلا آیا ہے۔ جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو داخل اور ان امتیازی دائروں سے باہر رہنے والوں کو غیر و اجنبی قرار دیا جاتا رہا ہے۔ انسان کے اپنے اردگرد کھینچے ہوئے دائرے کسی عقل اور اخلاق کی بنیاد پر نہیں تھے بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں یہ دائرے خاندان، قبیلے یا نسل کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں، کہیں جغرافیائی خطے، علاقے، ملک اور وطن کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں تو کہیں خاص رنگ، زبان کے فرق پر دائرہ کھینچ دیا گیا ہے۔ پھر ان دائروں کی بنیاد پر اپنے اور غیر کی جو تقسیم و تمیز قائم کی گئی ہے وہ اسی حد تک ہوتی تو بھی گوارا تھی کہ اپنے اپنے دائروں میں رہنے والے اور پیدا ہونے والے باہمی محبت اور تعاون کے ساتھ رہتے، مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہ تمیز رنگ و نسل، زبان اور قوم ایک دوسرے کی تذلیل و تحقیر، عداوت اور دشمنی، ظلم و زیادتی کی بدترین صورتیں اختیار کر گئی۔ اس کے لئے فلسفے گھڑے گئے، مذہب ایجاد ہوئے، قانون بنائے گئے اور اصول وضع کئے گئے۔

یہودیوں نے اسی بنیاد پر بنی اسرائیل کو خدا کی منتخب مخلوق ٹھہرایا اور اپنے مذہبی احکامات تک میں غیر اسرائیلیوں

Marfat.com

کو حقوق اور مرتبے کے اعتبار سے فروتر اور کمتر سمجھا۔ وقالت الیھود لیست النصارٰی علی شیئٍ وقالت النصارٰی لیست الیھود علی شیئٍ وھم یتلون الکتٰب کذالک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم فا اللہ یحکم بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ (سورۂ بقرہ، رکوع ۱۴، آیت ۱۱۳)۔ یہودی کہتے کہ نصاریٰ کی کوئی حیثیت نہیں اور نصاریٰ یہودیوں کے متعلق یہ کہتے اور یہ آیات کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ ان سے پہلے لوگ بھی اسی طرح کہا کرتے تھے۔ اللہ ان کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔

ہندؤوں کے ہاں اس امتیازی دائرے نے برہمنوں کو برتری دلائی۔ اُونچی ذات والوں کے مقابلے میں دوسرے لوگ نیچ اور ناپاک ٹھہرائے گئے۔ شودروں کو ذلت و رسوائی کی گہرائیوں میں پھینکا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ میں جو ظلم ڈھائے یا ڈھائے جارہے ہیں آج بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ یورپ کے لوگوں نے براعظم امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو سلوک کیا اور ایشیا و افریقہ کی کمزور قوموں پر تسلط قائم کر کے جو برتاؤ کیا اس کی تہہ میں یہی تصور کارفرما رہا کہ وطن اور قوم کی حدود سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان و مال اور آبرو ان پر حلال ہے اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ انہیں لوٹیں، غلام بنائیں اور ضرورت پڑے تو ان کا وجود تک مٹا دیں۔

مغربی قوموں کی قوم پرستی نے انہیں دوسری قوموں کے لئے جس طرح درندہ بنا رکھا ہے اُس کی بدترین مثال زمانۂ قریب کی جنگوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ نازی جرمنی کا فلسفۂ نسلیت اور نارڈک نسل کی برتری کا تصور پچھلی جنگِ عظیم میں جو کرشمے دکھا چکا ہے اُسے ذہن میں رکھا جائے تو بآسانی اندازہ ہوتا ہے کہ نسلی امتیاز، وطنی و قومی تعصب کتنی عظیم تباہ کن گمراہی ہے۔

تین حقیقتیں

۱۔ قرآن کریم نے اس مختصر آیت میں تمام انسانوں کو مخاطب کر کے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ تم سب کی نسل ایک مرد اور عورت سے وجود میں آئی ہے اور آج جو تمہاری بے شمار نسلیں دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت اسی ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں۔ ایک ہی خدا تمہارا خالق ہے۔ ایسا نہیں کہ مختلف خداؤں نے مختلف انسانوں کو پیدا کیا ہو، ایک ہی مادۂ تخلیق سے تم پیدا ہوئے ہو۔ ایسا بھی نہیں کہ کچھ لوگ پاک اور بڑھیا قسم کے مادے سے پیدا ہوئے ہوں اور دوسرے گھٹیا مادے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک ہی ماں باپ کی تم اولاد ہو، یہ بھی نہیں کہ ابتدائی انسانی جوڑے مختلف رہے ہوں۔

۲۔ دوسری اصولی حقیقت یہ بتائی کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ ظاہر ہے پوری دنیا پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہو سکتا۔ نسلوں کے بڑھنے کے ساتھ لازمی تھا کہ بے شمار خاندان بنیں، پھر خاندانوں سے قومیں اور قبیلے وجود میں آئیں۔ اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کی وجہ سے رنگ، خدوخال، زبانیں اور رہنے سہنے کی انداز بھی مختلف ہوسکتے تھے۔ ایک ہی خطے میں رہنے والوں کو قریب اور دُور کے خطے میں بسنے والوں کو لازماً دُور دراز ہونا تھا۔

Marfat.com

مگر اس قدرتی فرق کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس کی بنیاد پر ایک اونچا اور دوسرا نیچ، ایک شریف دوسرا کمین، ایک برتر اور دوسرا کمتر سمجھا جائے۔ ایک نسل دوسری پر فضیلت جتائے۔ ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ والوں کو حقیر و ذلیل جانیں۔ ایک قوم دوسری پر برتری جتائے اور انسانی حقوق میں ایک گروہ کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی گروہوں کو جس طرح اقوام وقبائل کی شکلوں میں مرتب فرمایا تھا وہ صرف یہ تھا کہ ان کے درمیان باہمی تعاون وتعارف کی صورت ہو۔ ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بنا سکیں اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکیں، مگر اللہ نے جس چیز کو تعارف وشناخت کے لئے بنایا تھا اسے شیطانی جہالت نے فخر اور نفرت کا ذریعہ بنا دیا اور پھر نوبت ظلم و زیادتی تک آپہنچی۔

۳۔ تیسری حقیقت اس آیت میں یہ بیان ہوئی ہے کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے یا ہو سکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان برابر ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے، ان کا مادۂ پیدائش اور طریق پیدائش بھی ایک ہے اور ان کا سلسلۂ نسب بھی ایک ہی ماں باپ تک پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی شخص کا کسی خاص خاندان، قوم، قبیلے، ملک میں پیدا ہونا سراسر اتفاقی بات ہے جس میں کسی کے ارادے، اختیار اور انتخاب اور ذاتی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ پھر کوئی دوسرے پر اپنی فضیلت اور برتری کا دعویٰ کرے۔ جس خدا نے اسے کسی خاندان، ملک، قبیلے اور قوم میں پیدا کیا ہے اس کی برتری اور فضیلت اسی میں ہے کہ وہ اس خدا کا شکر گزار بندہ بنے، اس سے خوف کھائے اور اس کی تابع فرمانی کا حق ادا کرے۔ برائیوں سے بچنے والا ہو، پاکیزگی کی راہ اختیار کرے۔ ایسا آدمی خواہ کسی نسل، قبیلے، قوم اور ملک سے تعلق رکھے، اپنی ذاتی خوبی کی وجہ سے قابلِ قدر ہے اور جو اس کے برعکس ہو وہ خواہ کسی قبیلے، قوم، ملک اور خاندان سے تعلق رکھتا ہو وہ بہرحال کمتر درجے کا انسان ہے خواہ وہ کالا ہو، گورا ہو، مشرق کا ہو یا مغرب کا ہو۔ قرآن کریم کی اس مختصر آیت میں جو حقیقتیں بیان ہوئی ہیں انہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبات اور ارشادات میں زیادہ کھول کر بیان کیا ہے۔

ارشاداتِ رسولؐ

فتح مکہ کے موقعہ پر طواف کے بعد آپؐ نے جو تقریر فرمائی تھی، اس میں فرمایا: الحمد للہ الذی اذھب عنکم عیبۃ الجاھلیۃ وتکبرھا یا ایھا الناس۔ الناس رجلان تقیّ کریمٌ علی اللہ وفاجرٌ شقیٌّ ھیّنٌ علی اللہ۔ الناس کلھم بنو آدم وخلق اللہ آدم من تراب۔ (ترمذی)۔ شکر ہے خدا کا جس نے تم سے جاہلیت کے عیب اور تکبر دور کر دیا۔ لوگو! تمام انسان صرف دو ہی حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک نیک اور پرہیزگار جو اللہ کی نگاہ میں عزت والا ہے۔ دوسرا فاجر اور شقی جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے۔ ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر تقریر میں فرمایا: یا ایھا الناس الا ان ربکم واحدٌ لا فضل لعربیّ علی العجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی ان اکرمکم عند اللہ اتقکم الا ھل بلّغت قالوا بلیٰ یا رسول اللہ قال فلیبلغ الشاھد الغائب۔ لوگو! خبردار رہو تم سب کا خدا ایک

Marfat.com

ہے، کسی عرب کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عرب پر کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ تم میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک عزّت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بتاؤ میں نے تمہیں خدا کا حکم پہنچا دیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ فرمایا، اچھا جو موجود ہیں وہ ان لوگوں تک اسے پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ (بیہقی)

ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔ (بزاز)

ایک اور حدیث میں فرمایا۔ خدا قیامت کے دن تمہارا حسب نسب نہیں پوچھے گا۔ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور مال نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (مسلم، ابن ماجہ)

قرآن کریم کی یہ تعلیمات اور حضورؐ کے ارشادات صرف وعظ کی حد تک محدود نہ تھے بلکہ ان کے مطابق اسلام نے ایک عالمگیر برادری قائم کر کے رکھ دی جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہ تھی جس میں اُونچ نیچ، چھُوت چھات، اور تفریق و تعصّب کا کوئی تصوّر نہ تھا۔ اس برادری میں تمام لوگ مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک تھے۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصولوں کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور نظام میں نہیں ملتی۔ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین پر پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں کو ملا کر ایک اُمّت بنا دیا۔

قرآن کریم کی اس تعلیم اور حضورؐ کے ارشادات کا نتیجہ یہ تھا کہ جن لوگوں نے اسے تسلیم کیا اور خود کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حوالے کر دیا۔ وہ خاندانوں، نسلوں، قبیلوں، قومیتوں، وطنوں کے اختلافات کو مٹا کر ایک اٹوٹ وحدت اور ملّت میں گم ہو گئے اور ایسے کہ بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ کی نسبتیں ٹوٹ کر اسلامی برادری کا جزبن گئیں۔ بُتانِ رنگ و لُو کو توڑ کر ملّتِ اسلامی میں ایسے گم ہوئے کہ نہ تورانی باقی رہے نہ ایرانی اور نہ افغانی۔

ہماری حالت اسلامی عقیدے کی ایک رسّی میں پروئے جانے کے بعد باہمی اخوّت، ہمدردی و جاں نثاری کے وہ وہ مناظر اسلام کے ابتدائی معاشرے میں پائے گئے کہ خونی رشتے بھی ایسے مضبوط نہ تھے۔ آج ہم پھر ان جاہلیت کے فتنوں میں مبتلا ہیں جن سے اسلام نے نکالا تھا۔ قرآنی اور اسلامی تعلیمات سے روگردانی کا نتیجہ ہے کہ ہم خود اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھینک رہے ہیں۔ ایران و عراق جنگ، پھر کویت پر عراقی فوجوں کا شب خون اور حکومتی سطح پر فوجی ڈکیتی کی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ پھر اُسی عراق کے خلاف دوسرے مسلمان مُلکوں کا غیر مسلموں کو امداد کی اپیل اور پھر کفر کی اٹھائیس [۲۸] حکومتوں کا عراق کے خلاف محاذ اور اُس کی تباہی و ہلاکت اسی فتنۂ جاہلیت کی سزائیں ہیں۔

Marfat.com

خود پاکستان میں سندھی، بلوچی، پٹھان اور پنجابی کے نعرے اور اُن کے ردِّ عمل میں مہاجروں کی پانچویں قومیت دلّی کے پانچویں سوار کی طرح نمودار ہو کر مُلک میں دہشت گردی، تخریب کاری، غیر مسلم حکومتوں سے ساز باز، اسلحے کی خریداری اور دہشت گردی کے اس زور شور میں سیاست بازیاں جو گل کھلا رہی ہیں وہ سب کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے اس روگردانی میں پاکستان کے ایک بہت بڑے حصّے بنگال سے ہاتھ دھو بیٹھے اور دوسرے حصّوں کو کاٹنے کے درپے ہیں۔ ارشادات ربّانی اور پیغمبرانہ بصیرت پہ مبنی ہدایات برحق ہیں اور ابدی ہیں، ان سے فرار حاصل کرنا اور چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹنا خود کو ہلاکت اور تباہی سے دوچار کرنا ہے۔

ہماری سربلندی و سرفرازی کا راز اسی میں ہے کہ ہم وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْہَا۔ اللہ کی رسّی کو۔ اُس کے دین کی رسّی۔ مضبوط تھامے رکھو۔ آپس میں تفرقہ پھوٹ نہ ڈالو۔ یاد کرو اسلام سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسلامی تعلیمات کے ذریعہ۔ تمہارے دلوں میں، ایک دوسرے کے دلوں میں محبت ڈال کر تمہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ ورنہ تم تو نسلی، خاندانی و قبائلی عصبیتوں کے اعتبار سے دشمنیوں کی آگ کے گڑھے پر کھڑے تھے۔ تباہی کے کناروں تک پہنچ چکے تھے، جن سے اسلام نے تمہیں بچا لیا۔

آج دنیا میں جتنے فسادات اور فتنے برپا ہیں وہ اسی نسلی، قبائلی امتیازات کا شاخسانہ ہیں۔

مغربی اقوام

یورپین قومیں اپنی سائنسی ترقی کے لحاظ سے دنیا کو غلام بنانے پر تُلی ہوئی ہیں۔ بے شک وہ علمی لحاظ سے ترقی یافتہ ضرور ہیں مگر علمی برتری کسی کی اخلاقی فضیلت کا ثبوت نہیں ہوتی۔ تہذیبی، معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے وہ دیوالیہ ہو چکی ہیں۔ آج ان کے اندر یہی نسلی، جغرافیائی، لسانی اور قومی افتراق کشمکش کا ذریعہ ہیں۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کے گرجے، ہوٹل اور تعلیمی ادارے جُدا ہیں۔ مغربی جرمنی میں اٹلی اور ترکی کے علاوہ دوسرے ممالک اور قوموں کے لوگ وہاں کے (SKIN HEADS) سرمُنڈوں کے ہاتھوں ظلم اور زیادتیوں کا شکار ہو رہے ہیں، برطانیہ میں انہی کے ہاتھوں غیر ملکیوں کی جان عذاب میں ہے اور سیاسی جماعتیں اور حکومتیں ان سرمنڈوں کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ خود ہمارے اسلامی ممالک میں دوسرے ملکوں کے باشندوں کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی ہے۔ یمن، نائیجیریا، سعودی عرب، لیبیا میں تمام دوسرے ملکوں کے باشندوں کے خلاف ذلّت آمیز نفرت پائی جاتی ہے۔

یہ شرف صرف اسلامی تعلیمات کو حاصل تھا کہ اُس نے اپنے ماننے والوں کو نسلی امتیاز، وطنی تعصّب سے بالاتر رہ کر انسانوں کو ایک مرد اور عورت سے پیدا ہونے کا درس دے کر صرف اخلاقی برتری کو معیارِ فضیلت قرار دیا تھا۔ اگر کسی میں اخلاقی فضیلت اور پرہیزگاری کی صفات موجود نہیں ہیں تو وہ بزعمِ خویش کتنا بڑا ہو، کتنی اعلیٰ نسل کا ہو اور کتنا ہی لائقِ عزّت و احترام ہو اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ خود کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر اور فروتر سمجھے۔

واقعات و امثال: اگر نسبی و نسلی رشتے اسلام میں اہم ہوتے تو حضرت نوحؑ کا بیٹا طوفانِ نوحؑ کی نذر نہ

ہوتا اور اُسے "لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ" کی خدائی تنبیہ نہ ملتی کہ تمہارا بیٹا تمہارے اہل سے نہیں ۔ پیغمبر کے بیٹے کی حیثیت سے نہ بچ سکا، کیونکہ عقیدے، مسلک اور اسلامی نظریئے کے مطابق باپ سے مختلف وہاں نسل اور نسب کام نہ آیا۔ یہی وہ حقیقت تھی جسے ہجرت کے موقعہ پر صحابۂ کرام رض نے کرکے دکھا دیا۔ دین کے رشتہ میں پروئے جانے کے بعد مکہ کی زمین اُن کے پاؤں نہ پکڑ سکی۔ نہ رشتہ دار یا قبیلے اور خاندان اُن کا دامن تھام سکے۔ جونہی خدا کا حکم ہوا، گھر بار، رشتہ دار، شہر اور کاروبار تک چھوڑ دیا۔ جس بیوی نے اسلام قبول نہ کیا اُسے چھوڑ دیا۔ نسلی و نسبی رشتے چھوٹ گئے۔ جہاد کا حکم ہوا تو میدانِ بدر میں باپ بیٹے کے مقابل تھا اور بیٹا باپ کے خلاف تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ خونی رشتے سب تماشا دیکھتے رہ گئے۔ وہ خونی، نسلی اور قومی رشتوں سے متعلق ضرور تھے مگر خدا کی رسّی کے رشتے سے باہر تھے، ایک دوسرے کے دشمن تھے۔

ابونصر فتح بن عبداللہ اپنے دور کے امام، عالم، مفسر اور فقیہ تھے۔ علم حدیث، علم الکلام سب پر انہیں عبور حاصل تھا۔ سندھ کے رہنے والے تھے۔ اُس زمانہ میں سندھ کے اندر مسلمانوں کی نیم خودمختار حکومتیں تھیں۔ ابونصر سندھ میں مسلمانوں کے داخلے کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ ایک دن اپنے ساتھیوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کیچڑ اور پانی تھا۔ اُنہوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی اس کیچڑ میں بے سُدھ پڑا ہے۔ شیخ ابونصر انسانی ہمدردی کے تقاضے سے اُس کے قریب گئے تو چہرے سے اندازہ ہوا کہ کوئی عرب شہزادہ ہے۔

یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یہ عرب شہزادہ کسی خودمختار یا نیم خودمختار شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ بہرحال شیخ ابونصر سندھی جب قریب گئے تو معلوم ہوا شہزادہ شراب کے نشے میں دھت ہے اور اسی نشے میں ایسی گندی حالت میں پڑا ہے۔ چنانچہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر افسوس کرتے ہوئے اُٹھے اور راستہ پر چل پڑے تو اس بدمست، بدمزاج شہزادے نے آواز دے کر انہیں مخاطب کیا۔ او غلام تم دیکھ رہے ہو میں بے یار و مددگار پڑا ہوں اور تم اپنے عقیدت مندوں کے لاؤ لشکر لے کر جا رہے ہو۔ ابونصر شہزادے کے قریب گئے اور فرمایا۔ شہزادے بات صرف اتنی ہے کہ میں تمہارے بزرگوں کے لائے ہوئے اور سکھائے ہوئے دین کے راستہ پر چل رہا ہوں یعنی صحابۂ کرام رض اور تابعینؒ کے راستہ پر۔ اور تم میرے آباؤ اجداد کے راستہ پر چل رہے ہو جو کافر تھے۔ عرب اور شاہی خاندان سے تعلق کی وجہ سے اور میرے سندھی ہونے کی وجہ سے تم نے مجھے غلام کہا۔ ایسا نہیں ہے، اسلام نے عزت صرف اُسی کو دی ہے جو صاحب تقویٰ ہو۔

عرب بالخصوص قریش اپنے آپ کو دنیا جہان سے اعلیٰ و برتر سمجھتے تھے۔ ان میں نسلی غرور بھی تھا اور وطنی تعصب بھی اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت بلال رض کی مکہ میں سماجی حیثیت کچھ نہیں تھی۔ وہ غلام بھی تھے، سیاہ فام بھی تھے اور بے ننگ و نام بھی تھے۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر اذان دی تو حارث بن ہشام نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کالے کلوٹے کے سوا اور کوئی نہیں ملا جو اس بڑے موقعہ پر کعبۃ اللہ

Marfat.com

کی دیوار پر کھڑے ہو کر پکار سکے۔ حارث بن ہشام کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ لات و ہُبل کی قسم میرا باپ آج زندہ ہوتا تو یہ بُرا دن نہ دیکھتا۔ ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقعہ پر موجود تھے وہ خاموش رہے۔ چنانچہ مشرکین کی یہ گفتگو حضورؐ پر القا ہو گئی۔ یہی موقعہ تھا جب قلب اطہر پر سورۂ الحجرات کی یہ آیت نازل ہوئی جو ہمارے مضمون کا عنوان اور تقریر کا موضوع بھی ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنی اونٹنی طلب فرمائی، خانہ کعبہ جا کر طواف فرمایا، پھر سب کو مخاطب کر کے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فرمایا، آپ سب کی اصل ایک ہے، گورے اور کالے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہماری قومیں، برادریاں، قبیلے صرف ہماری پہچان ہیں، اس سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں۔ ہاں تم میں بڑا عزت والا وہ ہے جو شریف، اچھے کردار والا اور خدا سے ڈرنے والا ہے۔ فخر اور عزت کی چیز انسانی صفات و کردار ہے جو تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو وہی بڑا ہے۔

حرفِ آخر دینِ اسلام میں SON OF THE SOIL کی کوئی اہمیت نہیں، یہاں مومن ہی مومن کا بھائی ہے۔ ایسی سوچ رکھنے والے جاہل اور دینِ اسلام سے ناآشنا ہیں۔ آیت کے آخر میں انّ اللّٰہ علیمٌ خبیر فرما کر یہ حقیقت بھی بیان کر دی ہے کہ وہی جانتا ہے اور خبردار ہے کہ کون اعلیٰ درجہ کا انسان ہے۔ اعلیٰ و ادنیٰ کے ہمارے معیار اور پیمانے ہم نے از خود بنا رکھے ہیں، وہ خدا کے ہاں چلنے والے نہیں۔ ہو سکتا ہے جسے ہم نے اپنے پیمانوں کے لحاظ سے اعلیٰ سمجھ رکھا ہو وہ خدا کے ہاں اعلیٰ نہ ہو اور جسے ہم نے اپنے معیار کے مطابق ادنیٰ سمجھا ہوا ہے وہ اللہ کے آخری فیصلے میں جو قیامت کے دن ہوگا اونچا مرتبہ پا جائے کیونکہ اصل حیثیت اور مرتبہ تو آخرت کا ہی ہے، دنیا کی عزت اور ذلت نہیں بلکہ عزت وہی ہے جو خدا کے ہاں کسی کو نصیب ہو۔ ہمیں فخر و غرور کے ان خارجی، نسلی، وطنی، خاندانی، لسانی اور لونی اسباب کی بجائے ذاتی اور داخلی اسباب و اوصاف پر توجہ دینا چاہیے جو خود ہمارے اپنے ہوں۔ پدرم سلطان بُود کے خاندانی فخر سے کیا فائدہ؟ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

بخیلی و کنجوسی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ واللیل، پارہ ۳۰
۲	دو گروہ۔ اُن کا رویّہ	(۱) ایک گروہ مال خرچ کرنے والا، اُس کا نتیجہ۔ زندگی کے راستے اس پہ آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ (۲) دوسرا گروہ بخیل و کنجوس۔ زندگی کے راستے اس پر دشوار کر دیئے جاتے ہیں (۳) بخیل گروہ کا دائرۂ تعلق محدود ہوتا ہے۔ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے، اولاد کا گھریلو تعلق باقی نہیں رہتا۔ (۴) اولاد اور بچوں پر نفسیاتی اثرات۔ والدین سے علیحدگی، گرفت مضبوط نہیں ہوتی۔
۳	سورۂ ھمزہ، سورۂ المنافقون سورۂ آل عمران، سورۂ نساء	(۱) اس سورت کی تفسیر، اس بخیل آدمی کا رویّہ۔ سورۂ المنافقون کی تفسیر۔ (۲) ان سورتوں کی آیات، اس کی تشریح اور تفسیر۔
۴	سورۂ القلم	سورۂ القلم میں باغ والوں کا قصہ، کنجوس بیٹوں کا انجام۔ پشیمانی
۵	دولتمند آدمی کا بخیلانہ طرزِ عمل واقعات و امثال	(۱) دولتمند آدمی کے پاس محتاج کا آنا، ترش روئی سے پیش آنا۔ خدا نے دولت چھین لی۔ محتاج کو غنی کر کے اسی کے دروازے پر لے آیا (۲) طواف کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بخیل کے ساتھ سلوک۔ (۳) حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ، گوشت کا سالن خود نہ کھایا۔
۶	نتیجہ	

بخیلی و کنجوسی

آیت معہ ترجمہ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰی۔ (الّیل، ۸ تا ۱۱) "جس کسی نے بُخل، کنجوسی سے کام لیا، خدا سے بے نیازی برتی۔ نیکی اور بھلائی کو جھٹلا دیا، اُسے مُشکل راستہ کی سہولت دی جائے گی یعنی زندگی کی مُشکل راہوں پر ڈال دیا جائے گا جس مال کی خاطر وہ خدا سے بے نیاز ہوا وہ اُس کے کچھ کام نہ آئے گا۔"

تفسیر و تشریح قرآن کریم کے تیسویں پارہ میں واقع سورۂ وَالَّیل کی یہ مختصر آیت ہے۔ اس سے پہلے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کا ذکر ہے اور اس آیت میں بخیلی اور کنجوسی سے کام لینے والوں کا ذکر ہے۔ گویا آگے پیچھے دو آیات میں انسانوں کے دو مختلف گروہوں کے مختلف رویّوں کا ذکر ہُوا ہے۔ ایک وہ گروہ اور اس کا رویّہ ہے کہ وہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے۔ تقویٰ داری اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے۔ نیکی اور بھلائی کی تصدیق اپنے عمل سے کرتا ہے تو اُن کی یا اس گروہ کے انسانوں کی زندگی کی راہوں کو خداوند تعالیٰ آسان بنا دیتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو بخیلی و کنجوسی کا رویّہ اختیار کرتا ہے۔ خدا کے راستہ میں مال خرچ نہیں کرتا، خداوند تعالیٰ کے ساتھ مال خرچ کرنے کا تعلق نہیں رکھتا، بے نیازی برتتا ہے اور بھلائی کے کاموں میں نہ صرف عملی لحاظ سے شریک نہیں ہوتا اور اُسے گویا جھٹلاتا ہے بلکہ نیکی اور بھلائی کو سرے سے مانتا ہی نہیں اور نہ نیکی اور بھلائی کے بہتر انجام اور خدا کی طرف سے صلے کے قائل ہوتے ہیں تو انہیں خداوند تعالیٰ زندگی کی مشکل راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔

اس دوسرے کردار والے گروہ کے افراد انتہائی درجہ کے بخیل اور کنجوس ہوتے ہیں۔ اپنی مالداری، دولتمندی اور دو چار پیسوں کے غرور میں مبتلا ہو کر خدا کی ذات سے بے نیاز و بے پرواہ ہو کر خدا کو بھول بیٹھتے ہیں۔ وہ چونکہ اپنی فطرت سے لڑ کر بخیلی کا راستہ اختیار کرتے ہیں، خدا کے قانون سے جنگ کرتے ہیں، معاشرتی ذمہ داریوں اور تقاضوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر قسم کے معاشرتی روابط، خاندانی تعلقات اور قومی و ملکی تقاضوں سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں کو ترسا ترسا کر پالتے ہیں تو اس کے نتیجے میں اسے ہر طرف سے نفرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سچ کی حمایت اور بھلائی کے امور میں شریک کار نہیں ہوتا تو ایسے افراد کو رشتہ دار، خاندان اور معاشرتی لوگ اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کی مشکلات میں تن تنہا رہ جاتے ہیں، خود اپنی نظروں میں ذلیل ہوتے ہیں تو ایسے حالات میں اُن کی زندگی کی راہیں خود بخود اُس کے اپنے رویّے کے باعث تنگ اور دشوار ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بھلائی کی توفیق ان سے سلب ہو جاتی ہے۔ بدی اور برائی کے دروازے

Marfat.com

ان پر کھُل جاتے ہیں۔ بدی کرنا آسان اور نیکی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎

زمانے کی نظر سے گر کے نازشِ زیست ممکن ہے مگر وہ کیا کرے جو اپنی ہی نظروں سے گر جائے

معاشرتی اثرات ایسے افراد کے گھریلو حالات کا مطالعہ کریں تو بخیل و کنجوس آدمی کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔ کنجوسی کی وجہ سے اُس کی اپنی اولاد اُس کے چولہے کے سرد رہنے کی وجہ سے اس چولہے پر پرورش نہیں پاسکتی، جو کسی خاندان اور گھریلو تعلقات کی شیرازہ بندی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اولاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ بچوں کے دلوں میں ماں باپ سے پرورش اور محبت کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ اپنے گھر اور گھریلو معاملات میں دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ ماں باپ سے مربیانہ تعلق نہ ہو، اچھا کھلانے پلانے اور عمدہ تربیت کا لگاؤ نہ ہو، محبت اور مٹھاس کا سلوک نہ ہو تو قدرتی طور پر نہ والدین سے نسبت ہوگی نہ گھریلو معاملات سے دلچسپی ہوگی۔ بخیل اور کنجوس گھرانوں کی اولاد پولٹری فارم کے مصنوعی پیدا شدہ اور پرورش یافتہ چوزے ہوتے ہیں، جنہیں نہ ماں کے سینے کی گرمی نصیب ہوتی ہے نہ ذرا ذرا سی چیز پا کر انہیں بلانے اور کھانے کے جذبۂ ایثار و محبت اور قربانی کا اندازہ ہوتا ہے، نہ والدین کی نگرانی و پرورش کے زیرِ سایہ اکٹھے بڑے ہو کر باہمی محبت، میل جول، باہمی خیر خواہی و خیر اندیشی کے جذبات و احساسات اُبھرتے ہیں۔ وہ ایک ہی گھر کی چار دیواری میں پل کر بڑے ہونے، اپنے چولہے پر خاندانی و رشتہ داری کی مہمان نوازیوں، مسافر نوازیوں اور شہری و پڑوسی سے لین دین، برت برتاؤ سے نابلد و نا آشنا ہوتے ہیں تو قدرتی طور پر بخیلی و کنجوسی کے اس گھریلو ماحول کے تحت معاشرتی بھائی چارے، محبت و ہمدردی اور باہمی خوشگوار سلوک سے یکسر عاری ہوتے ہیں۔ اپنے گھر میں اُن کی مثال کسی بارک کے سپاہی اور ہاسٹل کے روم کی سی ہوتی ہے کہ اکٹھے تو رہتے ہیں، لیکن باہمی مفادات ایک دوسرے سے مختلف اور جدا ہوتے ہیں۔

ایسے افراد اپنی بخیلی و کنجوسی کے باعث نہ اپنی اولاد پر کوئی مضبوط اخلاقی گرفت رکھ سکتے ہیں نہ تربیتی حقوق کی عدم ادائیگی کے باعث انہیں کسی خاندانی معاملات میں مجبور کر سکتے ہیں جس کے نتیجے میں عائلی زندگی اور خاندانی بندھنوں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور ہر شخص اپنے معاملات میں آزاد ہو جاتا ہے۔ مغربی تہذیب اور کلچر میں یہی کچھ ہو رہا ہے! اولاد بلوغت کے سرٹیفکیٹ کے بعد ذاتی معاملات میں خود مختار تصور ہوتی ہے۔ والدین گھر کے کرائے اور گھریلو اخراجات میں انہیں شریک کرتے ہیں اور یوں وہاں خاندانی زندگی کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے۔

ہمارے ہاں کنجوس والدین کے اکثر گھرانوں میں یہی ہوتا دیکھا ہے کہ والدین اولاد کی شادی کے معاملات میں لاتعلق ہوتے ہیں۔ اولاد من پسند رشتوں میں منسلک ہو جاتی ہے جو آگے چل کر اس خاندان بالخصوص اُن گھروں میں مخلوط نسل اجنبیت اور غیریت، خاندانی اقدار و روایات اور نسلی و نسبی خصوصیات سے محرومی کا شکار ہو جاتی ہے جو طرح طرح کی گھریلو پریشانیوں اور تفکرات کا سبب ہوتا ہے۔ آجکل ہم اسی قسم کی معاشرتی اور خاندانی دشواریوں سے دوچار ہیں اور خدا کے فرمان کے مطابق فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ کے عذاب میں مبتلا ہیں۔

پھر سماجی معاملات اور عمرانی علوم کے ماہرین یہ بھی جانتے ہوں گے کہ بخیلی و کنجوسی کے گھریلو ماحول میں پرورش

Marfat.com

پانے والی بچیاں اپنے والدین کے گھروں میں خاندانی روابط سے ناواقفی و ناآشنائی کے نتیجے میں اور والدین کی کنجوسی کی وجہ سے مہمان نوازی کے آداب اور کھانا پکانے اور خورد و نوش کے مختلف طریقوں کے عملی تجربات سے قطعاً بیگانہ ہوتی ہیں۔ وہ جب بھی دُلہن بن کر دوسرے گھروں میں جاتی ہیں تو رشتہ داری کی خاطر داریوں اور مہمان نوازی کے سلوک سے اپنی نااہلی کی وجہ سے دُولہامیاں کو الگ تھلگ رہنے پر مجبور کرتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گھرانہ اپنی بہو سے جو توقعات وابستہ کئے ہوئے ہوتا ہے اُن کا خواب بکھر جاتا ہے۔ وہ خاوند کا ہاتھ پکڑ کر الگ ہو جاتی ہے، اگر خاوند کھاتا پیتا افسر ہے تو خانساموں اور بیروں کی دست نگر ہوتی ہیں جس سے مزید جنسی سیکنڈل جنم لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو بھی یہ خاوند بیوی اپنی دنیا الگ آباد کر کے خاندانی روابط اور تعلقات سے کٹ کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

آجکل ہر گھرانہ اور ہر خاندان انہی مسائل سے دوچار ہے۔ ان مسائل کی تہہ میں غور سے دیکھا جائے تو بخیلی و کنجوسی کے جراثیم کلبلاتے نظر آئیں گے۔ اسی لئے ہماری زندگی کی راہیں دشوار تر اور مشکل تر بنتی جارہی ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد اپنے محدود وسائل، محدود آمدن اور قلیل ذرائع معاش کے باوجود اتنے فیاض، اتنے وسیع القلب اور اتنے سخی ہوتے تھے کہ سارا کنبہ اور سارا خاندان ایک ہی گھر، ایک ہی چار دیواری اور ایک ہنڈیا اور ایک ہی چنگیر میں مل جل کر رہتے اور ہنسی خوشی کھاتے اور زندگی بسر کرتے تھے اور ایسے مل جل کر رہنے والے گھروں میں پرورش پانے والے بچے خاندان کے تمام رشتوں سے متعارف ہی نہ ہوتے بلکہ احترام و محبت کی فضا قائم رہتی تھی، روکھی سوکھی کھاتے تھے مگر کسی کے ماتھے پر کوئی شکن نہ تھی، نہ سلوٹیں، نہ نفرت و ناگواری کے کے سائے تھے۔

آج آمدنی کے وسائل بھی زیادہ ہیں، اشیاء خوردنی کی بھی فراوانی ہے، پیسہ بھی عام ہے، برتنوں کے کئی کئی سیٹ گھروں میں موجود ہیں۔ گھروں کے صحن بھی کنالوں پر پھیل گئے ہیں۔ ایک گھر میں کمانے والے بھی زیادہ ہیں، بیرونی پیسے کی بھی فراوانی ہے، مگر اس سب کچھ کے باوجود دلوں کے دائرے تنگ، سوچوں کے زاویے محدود اور نظروں کے فاصلے سمٹ کر اپنی ذات میں لوٹ گئے ہیں۔ اجتماعیت کی سوچ نے انفرادیت کا رُوپ دھار لیا ہے۔ مل کر جینے اور مل کر مرنے کی بجائے خود مرنے اور اکیلے جینے کی آرزُو پیدا ہو گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے اندر ذاتی مفاد، انفرادی منافع اور ذاتی آرام و آسائش کی ہوس اور لالچ پیدا ہو گئی ہے۔ اپنے مال کی ہوس اور ذات کے لئے کمانے اور کھانے کا شوق بڑھ گیا ہے اور آج کا ہمارا معاشرہ اسی انتشار و افتراق کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔

بخیلی و کنجوسی کیا ہے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں کہ ہر شخص پیسہ جوڑتا ہے نہ خود کھاتا ہے نہ بیوی بچوں کو کھلا کھلاتا ہے، نہ رشتہ داروں پر خرچ کرتا ہے۔ چمڑی جائے دمڑی نہ جائے کا خیال پختہ ہو جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی ذات پر، اپنے عیش و آرام پر، اپنی امارت کے اظہار پر دل کھول کر خرچ کرے، مگر رشتہ داروں

Marfat.com

کی ذمہ داریوں، خاندانی افراد کی ضرورتوں، محتاجوں کی خبر گیریوں، ملکی مفادات، رفاہی معاملات، نیکی کے کاموں کے لئے اُس کی جیب سے پیسہ برآمد کرنا مشکل ہے۔ نکلتا بھی ہے تو شہرت و نمود کے لئے، حاکموں تک رسائی کے لئے، ذاتی مفاد کے لئے خدا کی خوشنودی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ دنیاوی زندگی میں سب کچھ رکھتے ہوئے بھی اکیلا و تنہا ہوتا ہے، غریب و مسکین ہوتا ہے اور آخرت میں خدا کا مجرم ہوتا ہے۔

سورۂ ماعون

قیامت کے دن جب ایسے لوگوں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا تو اس کا سبب یہ بتائیں گے کہ وَلَا يَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ ہم غریبوں مسکینوں کو کھانا نہ کھلاتے تھے اور ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔ ان کی یہی بخیلی و کنجوسی کا ذکر دوسرے مقام پر یوں ہے کہ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی کنجوسی کی وجہ سے یتیموں کو دھکّے مارتے ہیں اور دولت کے لالچ میں اُن کے حقوق ادا نہیں کرتے اور ناداروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔

سورۂ ھمزہ

سورۂ ھمزہ میں بخیل اور کنجوس لوگوں کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ۔ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنا مال جمع کرتے ہیں اور گنتے رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اُن کا مال ہمیشہ اُن کے پاس رہے گا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ انہیں حُطَمَہ کی آگ میں حقیر سمجھ کر پھینک دیا جائے گا۔ اَلْحُطَمَہ کی تشریح بیان کی گئی ہے کہ وہ ایسی آگ ہے جسے خدا نے اُن کے دلوں پر بھڑکا دیا ہے۔ آگ اُن کے شعور ادراک اور دلوں تک پھیل جائے گی۔ قرآن کریم میں بخیلوں کے لئے بھڑکائی ہوئی آگ کو اپنی بھڑکائی ہوئی آگ فرمایا جس سے غصّے اور نفرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

سورۂ المنافقون میں فرمایا گیا ہے: وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ تم خدا کے دیئے ہوئے مال میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو پھر اُس وقت وہ کہے گا کہ خدایا مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تاکہ میں تمہارے احکامات کی عمل سے تصدیق کروں اور نیکوکار بن سکوں۔

سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ جو لوگ خدا کے فضل اور مہربانی سے انہیں دیئے ہوئے مال میں سے بخل سے کام لے کر خرچ نہیں کرتے وہ اسے اپنے لئے بہتری سمجھتے ہیں بلکہ یہ طرزِ عمل ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ قیامت کے دن کنجوسی سے کام لے کر بچایا ہوا مال اُن کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ کے الفاظ قابلِ غور ہیں کہ یہ مال و دولت انہیں خدا نے اپنی مہربانی سے دی ہوتی ہے اور خدا کی دی ہوئی دولت کو اُس کے راستہ میں نہ خرچ کرنا سراسر بددیانتی اور ناشکری ہے۔

Marfat.com

سورۂ نساء میں اسی قسم کے الفاظ میں یوں تنبیہہ کی گئی ہے: اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ وہ لوگ جو خود بھی بخیلی سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بخیلی کا حکم دیتے ہیں، انہیں بخیلی کی تربیت دیتے ہیں اور خدا کے فضل اور مہربانی سے انہیں ملے ہوئے مال کو چھپاتے پھرتے ہیں، خود کو نادار اور غریب بتاتے ہیں۔ خدا کے دیئے ہوئے مال کو ہوا لگنے نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلّت آمیز عذاب تیار کیا ہوا ہے، کیونکہ یہ خدا کی دی ہوئی دولت کے ناشکرے ہوتے ہیں۔ ان کی مثال نہر کے دہانے پر پڑے ہوئے پتھر کی ہوتی ہے جو خود بھی پانی سے فائدہ نہیں لے سکتا اور کھیتوں کو بھی پانی سے سیراب ہونے نہیں دیتا یا خزانے کے سانپ ہوتے ہیں۔

ہمارے تجربات اور مشاہدے میں ایسے کئی لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے ساری عمر کنجوسی اور بخیلی کے سبب سے دولت جوڑ جوڑ کر رکھی مگر جب اُن کی آنکھیں بند ہوئیں تو کنجوسی کے رویّہ سے ترسی ہوئی دولت کی بھوکی اولاد نے اسے بے دردی سے اور ایسی بے قدری سے خرچ کیا اور گلچھرے اُڑائے کہ بہت تھوڑے عرصے میں اسے برابر کر دیا اور انہیں اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ والدین کی کمائی سے اُن کے لئے خیرات کر سکیں۔

باغ والوں کا قصّہ

سورۂ قلم میں خداوند تعالیٰ نے باغ والوں کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ شہر صنعاء سے تھوڑے فاصلے پر ایک باغ تھا جس کا مالک بڑا سخی تھا۔ جب باغ کا پھل پک جاتا تو محتاجوں، غریبوں اور مسکینوں کا میلہ لگ جاتا۔ باغ کا مالک ضرورت کا پھل رکھ کر باقی ساری فصل لوگوں میں بانٹ دیتا۔ جب تک وہ زندہ رہا اُس کا یہی معمول تھا۔ اُس کے پانچ بیٹے تھے۔ وہ فوت ہوا تو اُس کے بیٹوں نے فیصلہ کیا کہ ہمارے باپ نے خواہ مخواہ لوگوں کو مفت خورے بنا دیا ہے اور ساری فصل ان میں تقسیم کرتا رہا جس سے خاندان کو مالی خسارہ ہوتا رہا۔ ہم ایسا کریں گے کہ صبح سویرے منہ اندھیرے سارے پھل توڑ لائیں گے اور لوگوں کے جمع ہونے سے پہلے باغ میں فصل موجود نہ ہوگی۔ اس فیصلے پر اتفاق کر کے وہ سو گئے۔ صبح سویرے پروگرام کے مطابق باغ کے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں باغ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ وہ راتوں رات جل کر تباہ ہو گیا۔ خدا کی حدود اور احکام کی پابندی نہ کرنے والے جلد مارے جاتے ہیں۔ جگہ وہی تھی، مقام بھی وہی، آثار و علامات بھی وہی مگر باغ کا پتہ تک نہ تھا۔ شبہ ہوا کہ غلط جگہ پر آ گئے، راستہ غلط ہو گیا، مگر سوچتے تو یہی معلوم ہوتا کہ جگہ وہی ہے۔ ان میں سے ایک بھائی سمجھدار تھا اُس نے کہا میں نہ کہتا تھا کہ غریبوں، محتاج لوگوں کا حق مارنے کا فیصلہ نہ کرو۔ تم نے میری بات نہ مانی، اب اپنی کنجوسی اور بخیلی کی سزا بھگتو۔ دوسرے بھائیوں کو بھی غلطی کا احساس ہوا اور باہمی مشورہ کیا کہ آؤ خلوصِ دل سے توبہ کریں اور خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا کریں کہ خدایا ہمارا قصور معاف کر دے ہم اپنے باپ کا عمل جاری رکھیں گے۔ ہم سے ہمارا چھینا ہوا باغ واپس دے دے۔ چنانچہ انہوں نے صدقِ دل سے توبہ کی اور دعا مانگی۔ خداوند تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں بدلے میں ایسا باغ دیا کہ خچر لاد لاد کر انگور باہر جاتے اور اُن کی حالت یہ ہوئی کہ اپنی ضرورت سے زیادہ سب خدا کی راہ میں دے دیتے۔

Marfat.com

واقعات وامثال

دولت خدا کی آزمائش ہوتی ہے۔ اسلام نے اسی لئے اُسے خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ صدقہ و خیرات کرنا، صلۂ رحمی کرنا، مدرسے، پُل، مسجدیں اور کنویں بنانا، دینی مدرسوں پر اُسے خرچ کرنا، مخلوقِ خدا کی سہولت اور بہتری کے کاموں میں لگانا۔ اس دولت کا صحیح مصرف بھی ہے اس دولت کا شکر بھی ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب بھی ہے۔ قرآن کریم میں باغ والوں کے قصّے سے یہی نصیحت ملتی ہے۔ بخیلی اور کنجوسی کا رویّہ اختیار کرنے والوں سے خداوند تعالیٰ اپنی دی ہوئی دولت اور نعمت چھین بھی سکتا ہے۔

۱۔ کہتے ہیں کہ خدا کا ایک بندہ پریشانیوں میں گھر گیا اور مجبور ہو کر ایک کنجوس دولتمند کے دروازے پر پہنچ کر اپنی مجبوری بیان کی۔ دولت مند کو اپنی دولت کا گھمنڈ بھی تھا اور انتہائی بخیل بھی، اُس نے نہ صرف امداد سے انکار کیا بلکہ ذلیل کر کے بھگا دیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ گردشِ ایّام نے اُس کی دولت چھین لی اور کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ اِدھر وہ پریشان حال مانگنے والا اپنی محنت و مشقّت سے بہت جلد غنی ہو گیا۔ قدرت کا کرنا دیکھئے کہ وہی مالدار کوڑی کوڑی کا محتاج ہو کر اُس غریب کے دروازے پر گیا جو اب خدا کے فضل سے مالدار تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا، زوروں کی بارش ہو رہی تھی اور یہ شخص سردی سے ٹھٹھرا ہوا، بارش سے بھیگا ہوا دروازے پر پہنچا تو دستک دی، مالک مکان باہر نکلا، دیکھا تو ایک مفلوک الحال شخص فاقہ زدہ سخت سردی سے کانپتا ہوا کھڑا ہے۔ آنے کا مقصد پوچھا تو بتایا کئی دنوں کا فاقہ ہے خدا کے لئے روٹی کا ٹکڑا دے دو۔ مالک مکان نے کہا۔ ضرور دیا جائے گا، اندر آؤ۔ ملازم کو آواز دی یہ مہمان آیا ہوا ہے اسے بٹھاؤ اور پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔ ملازم کھانا دے کر آیا تو غمگین تھا۔ مالک نے سبب پوچھا تو بتایا کہ یہ شخص میرا پرانا مالک تھا جو لاکھوں میں کھیلتا تھا مگر کنجوس تھا۔ مالک نے سُنا تو روشنی میں جا کر دیکھا۔ واقعی یہ وہی شخص تھا جس نے اُس کی غربت کے دنوں میں ذلیل کر کے بھگا دیا تھا۔ اُسے یاد دلایا تو اُس نے اعتراف کیا کہ ہاں میں وہی بدبخت ہوں جس نے بخیلی اور کنجوسی اختیار کی تو دولت نے بھی اسے چھوڑ دیا۔ قرآن کریم میں مانگنے والے کے متعلق تاکید کی ہے کہ اسے جھڑکا نہ کرو۔ وامّا السائل فلا تنھر وامّا بنعمت ربّک فحدّث۔ سوال کرنے والے غریب اور محتاج کو جھڑکا نہ کرو اور خدا کی دی ہوئی دولت اور نعمت کا شکر ادا کیا کرو۔ خدا کی نعمت کا شکر یہی ہے کہ اسے حاجتمندوں اور غریبوں کی خبر گیری اور مالی امداد میں خرچ کرو۔ خود کھا کر ڈکار مارنے اور الحمد للہ کہہ دینے سے تحدیثِ نعمت کا حق ادا نہیں ہوتا۔

۲۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ طواف فرما رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص غلافِ کعبہ پکڑے ہوئے دعا مانگ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ یہی کہتا خدایا! اپنی عظمت کے صدقے میرے گناہ معاف کر دے۔ حضورؐ اس کے رونے اور دعا کے انداز سے بے حد متاثر ہوئے۔ طواف کے بعد پاس گئے اور پوچھا۔ تمہارا کیا گناہ ہے؟ کہنے لگا۔ میرا گناہ بہت بڑا ہے بیان نہیں کر سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کتنا بڑا ہے، آسمان و زمین سے بھی بڑا ہے۔ کہنے لگا۔ اس سے بھی بڑا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ خدا کی رحمت اور عرش سے بھی بڑا ہے۔ کہنے لگا۔ ہاں ان سے بھی بڑا ہے۔ آخر کار حضورؐ نے فرمایا۔ کہو کیا گناہ ہوا ہے۔ کہنے لگا حضورؐ میں بہت مالدار شخص تھا، مگر میرے دل میں دولت کی محبت اس قدر

تھی کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرتا - مانگنے والے کو دیکھ کر بھاگ جاتا - حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی شفیع المذنبین اور حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤفٌ الرحیم - گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے اور ایمان والوں کے ساتھ رحمت اور بخشش میں حد سے زیادہ حریص شخصیت نے جب اس کے بخل اور کنجوسی کا حال سُنا تو فرمایا - ہم سے دُور رہو اور اپنی آگ میں ہمیں نہ جلاؤ -

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حضورؐ اس شخص سے اتنے متنفر ہوئے کہ فرمایا قسم خدا کی جس نے مجھے سیدھے راستہ پر بھیجا ہے ، اگر تم اس مقام پر ہزار برس بھی نماز پڑھو اور روتے رہو اور اسی بخیلی کی حالت میں مرجاؤ تو بھی تیرا ٹھکانہ دوزخ ہے - تیرے لئے خرابی ہے اور سخت خرابی - بخل کفر ہے اور کافر آگ کا مستحق ہے - وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ - (سورۂ محمد) جو بخیلی اختیار کرتا ہے وہ اپنی ذات کے لئے بُرائی اختیار کرتا ہے - امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بخیل عادل نہیں ، اُس کی گواہی قبول نہیں فرماتے ، کیونکہ بخیل ، حریص اور ظالم ہوتا ہے ، کسی کے کام نہیں آتا - عزیزوں ، رشتہ داروں کو ستاتا اور ترساتا ہے اور مُلک و مِلّت کے مفاد اور تقاضوں کو ٹھکراتا ہے - احکام الٰہی کی بجا آوری سے کتراتا ہے - اُس کی جمع پونجی کو دوزخ کی آگ میں تپا کر اس کے جسم کو داغا جائے گا - خداوند تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلالت کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ بخیل جنّت میں نہ جائے گا -

حضرت داؤد علیہ السّلام سے ایک دفعہ اُس کی کنیز نے کہا کہ میں آپ کے لئے گوشت کا سالن تیار کرتی ہوں اُنہوں نے فرمایا ٹھیک ہے - جب سالن تیار کر کے آگے رکھا تو لذیذ چیز ہر کسی کو پسند ہوتی ہے ، مگر اللہ کے پیغمبر نے سالن دیکھ کر فرمایا - یہ سالن اُٹھاؤ اور فلاں شخص کے یتیم بچوں کو کھلادو - کنیز نے کہا - حضرت ! تھوڑا سا تو آپ بھی کھا لیں - فرمایا : میرا کھایا ہوا گندگی کا ڈھیر بنے گا اور یتیموں کا کھایا ہوا عرش پر جائے گا - يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ - قریبی یتیم کی پرورش نہ کرنے والے اور خاک آلود مسکین و غریب کو نہ کھلانے والے نیکی اور خدا کے راستے میں خرچ کرنے کی مشکل ترین گھاٹی کے راستہ پر چلنے کی توفیق اور ہمّت نہیں رکھتے (سورۂ بلد) - حضورؐ نے فرمایا ہے - تین شخص جنت میں نہ جائیں گے - دھوکہ باز ، بخیل و کنجوس اور دوسروں پر نیکیوں کا احسان جتانے والا -

اس ساری بحث کا خلاصہ یہی ہے کہ خدا کی دی ہوئی دولت میں سے خدا کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنے سے دولت میں کمی نہیں آتی اور یہ کہ بخیلی و کنجوسی ہمارے معاشرتی ، خاندانی اور گھریلو خوشگوار حالات کے لئے نہایت نقصان دہ ہے - اس سے بہت سے سماجی مسائل پیدا ہو کر قرآن کریم کی بیان کردہ حقیقت کے مطابق خدا کی امداد و خوشنودی سے محروم ہو جاتا ہے - نیکی اور بھلائی کو جھٹلانے کے مترادف ہے اور ہماری زندگی کی راہیں دشوار ہو جاتی ہیں - دولت اسے کوئی فائدہ نہ دے گی ، جب اسے ہلاکت میں ڈال دیا جائے گا -

وما علینا الا البلاغ -

Marfat.com

حسد اور بُغض

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	سورۂ الفلق بمعوذتین ۔پناہ کی تعریف	تفسیر، پس منظر، مشرکین مکہؓ کا حسد کی وجہ سے ہر حربہ اختیار کرنا۔ جادُو کرنا۔
۲	حسد کی تعریف	دوسرا ایسا کیوں ہے، اس سے بڑائی چھن جائے ۔
۳	حسد کی صورتیں	(۱) عزت اسے کیوں ملی ہے، مجھے ملے یا نہ ملے اس سے چلی جائے۔ (۲) اس سے چھن جائے مجھے مل جائے۔ (۳) دوسرے کے پاس بھی ہو اور مجھے بھی مل جائے، یہ جذبۂ رشک ہے ۔
۴	کفار مکہؓ اور یہودیوں کا حسد	سورۂ نساء ۔سورۂ بقرہ ۔ سورۂ آلِ عمران ۔
۵	حسد کا دائرہ آدمؑ تک	ابلیس نے حسد کیا۔ آدمؑ کے بیٹوں ہابیل اور قابیل ۔یوسفؑ کے بھائیوں نے حسد کیا ۔
۶	ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	قوموں کو تباہ کرنے والی بیماری، نیکیوں کو کھاتا ہے ۔
۷	حسد کے معاشرتی مظاہر	اقتدار کے ایوانوں میں، دفتروں میں، دو بیویوں کے درمیان
۸	امثال و واقعات	حضرت معاویہؓ کا ارشاد ۔سعید بن مالک انصاریؓ کا واقعہ حضرت موسیٰؑ کا مشاہدہ ۔دوزخ میں پاکستانی قوم کی نفسیات پر مشتمل روحانی یا خواب کا واقعہ ۔

Marfat.com

حسد اور بغض

آیت مع ترجمہ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ـــــ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ (سورۂ فلق پارہ ۳۰، آیت ۴)۔ کہہ دو! اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اُس بُرائی سے جو اس نے پیدا فرمائی ہے۔ رات کی بُرائی سے جب اس کا اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ دھاگے میں گرہیں ڈال کر ان پر پھونک مارنے والیوں کی بُرائی سے۔ یعنی جادو کرنے والیوں سے۔ اور خدا کی پناہ میں آتا ہوں حسد کرنے والے کی بُرائی سے جب وہ حسد کرے۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ صدر آیات قرآن کریم کے آخری پارہ کی آخری دو سُورتوں میں سے پہلی سورت کی ہیں۔ یہ آخری سورتیں اگرچہ الگ الگ ہیں مگر اپنے مضمون کے تعلق کے لحاظ سے ایک ہی ہیں۔ اسی لئے دونوں کا مشترکہ نام "معوذتین" ہے یعنی پناہ مانگنے والی سورتیں۔ یہ دونوں سورتیں زیادہ تر روایات کی رُو سے مکی کہلاتی ہیں، مکہ معظمہ میں اُتری ہیں۔ کیونکہ اس وقت کے حالات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

سورہ کا پس منظر

منصبِ نبوّت پر سرفرازی کے بعد مشرکین مکّہ کا ردِعمل شدید تھا۔ کیونکہ یہ نبوت اُن کے آبائی دین پر سخت ضرب تھی۔ دینِ اسلام میں باہمی بھائی چارے اور اخوّت کے معاشرتی انداز سے مشرکین مکّہ کی سرداریوں کے بُت پاش پاش ہونے کا اندیشہ تھا۔ دینِ اسلام کے آنے سے ان کا نسلی تفاخر مٹ کر محمود و ایاز کو ایک ہی صف میں کھڑے ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ ان کے قبائلی تفاخر اور خاندانی برتریوں کے اونچے میناروں نے زمین بوس ہونا تھا۔ یہی کچھ سوچ کر حضورؐ کے ساتھ دشمنی پر اُتر آئے تھے۔ اُن کی نبوت پر سرفرازی کے قدرتی اور خدائی انتخاب سے بھی وہ حسد، بُغض اور نفرت کی آگ میں جل رہے تھے۔ گھر گھر میں آپؐ کے خلاف اس حسد کی آگ سُلگ رہی تھی جتنی کی سازشیں کی گئیں، جادو اور ٹونے بھی کیے جا رہے تھے تاکہ نعوذ باللہ من ذالک حضورؐ وفات پا جائیں، پاگل ہو جائیں یا بیمار پڑ جائیں۔

وہ اپنے سوا کسی کی برتری اور بڑائی کو برداشت نہ کر سکتے تھے، اسی لئے وہ حضورؐ کے منصب نبوت کو بھی حسد کی نظر سے دیکھ رہے تھے جس کے تحت وہ ہر قسم کے حربوں پر اُتر آئے تھے۔ اسی لئے حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہر قسم کے شر، فساد، دشمنی، حسد اور بُغض سے اپنی پناہ میں آجانے کا طریقہ سکھایا گیا جو ان آخری تین سورتوں میں موجود ہے۔

Marfat.com

پناہ کی تعریف

پناہ مانگنے کا عمل تین اجزا پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک بجائے خود پناہ مانگنا ہے۔ دوسرا پناہ مانگنے والا اور تیسرا وہ جز ہے جس کی پناہ میں آنا مانگا جائے کسی چیز سے خوف اور ڈر محسوس کر کے اپنے آپ کو بچانے کے لئے کسی کی حفاظت میں آنے کا نام پناہ ہے۔ جس کی پناہ یا حفاظت میں خود کو یا کسی چیز کو دیا جائے وہ ایسی ہو کہ اس کی حفاظت کر سکے اور کسی کو پناہ دینے کی ذمہ داری کو نبھانا جانتا ہو اور نبھا سکتا ہو اور اپنی پناہ میں آنے والے کو خوف اور ڈر سے بچا سکتا ہو کسی لڑائی کے دوران مورچہ یا قلعہ کی پناہ لینا، دھوپ سے بچنے کے لئے سائے کی پناہ میں آنا طبعی قسم کی پناہ کہلاتی ہے۔

حسد کی تعریف اور صورتیں

ہر قسم کی اخلاقی، روحانی، جسمانی و جانی مضرتوں اور نقصانات سے بچنے کے لئے ایسی مافوق الفطرت ہستی کی پناہ لینا کہ وہ ہستی عالم اسباب پر حکمران ہے۔ یہ پناہ عقیدۂ توحید کا لازمہ ہے۔ اس قسم کی پناہ خدا کے سوا کسی سے لینا شرک ہے۔ حسد زندگی کے تمام دائروں میں پھیلی ہوئی وہ برائی اور بیماری ہے جس کی وجہ سے دنیا کا امن اور سکون برباد ہوتا ہے، انسانی تعلقات میں اور معاشرتی بگاڑ میں جو دوسرے اسباب کارفرما ہوتے ہیں ان کی تہہ میں حسد اور بغض کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے بعض لوگ ایسے تنگدل اور تنگ نظر ہوتے ہیں جو عزیزوں، رشتہ داروں، ہمعصروں، ہم پیشہ افراد کی عزت، خوشحالی، منصب اور شہرت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ عورتوں میں یہ بیماری اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کے زیورات، کپڑوں اور گھریلو خوشحالی کو دیکھ کر جلد ہی حسد کی آگ میں جل جاتی ہیں۔ دوسروں کی کسی بھی اچھائی کو دیکھ کر ناپسند کرنا اور اس اچھائی کو اس سے چھیننے کے درپے ہو جانا جذبۂ حسد کہلاتا ہے۔ ایسا شخص جو خود اس قسم کا مقام حاصل کرنے کی بجائے یہ چاہتا ہے کہ دوسرے بھی اسکی طرح پستیوں میں اُتر آئیں، حاسد کہلاتا ہے۔ اُسے دوسروں کی عزت، شہرت اور نام و نمود پر غم اور ذلت و رسوائی پر خوشی ہوتی ہے۔ ایسا شخص بدفطرت اور مذموم اخلاق و کردار کا مالک ہوتا ہے۔ یہ شخص کسی کو خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر جل بھن کر کسی کے حق میں خدا کے فیصلے، اُس کی مشیت اور ارادوں کو گوارا نہیں کرتا اور نہ برداشت کرتا ہے۔ گویا خدا کی مشیت اور ارادے میں دخل دیتا ہے۔

حسد کی صورتیں

۱۔ حسد کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی عزت یا خدا کی طرف سے دی گئی نعمت کے متعلق یہ سوچے کہ اسے کیوں مل گئی ہے، یہ مجھے ملے یا نہ ملے مگر اس سے چھن جائے اور اسے چھیننے کے لئے سازشوں میں مصروف ہوتا ہے، بدنام کرتا رہتا ہے، ہر وہ کوشش اور کام کرتا ہے جس سے وہ عزت چھننے کا احتمال ہو، اس کے لئے وہ تعویذ کرتا ہے، جادو منتر سے کام لیتا ہے، زہر خورانی اور قتل تک کے ارادے سے باز نہیں آتا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جسے عزت، مرتبہ اور شہرت ملی ہے یہ اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔ دوسرے کی عزت، شہرت اور نام کو بدنام کر کے اپنی نیک نامی اور عزت مندی کا ڈھنڈورا پیٹنا دوسرے کی عزت ڈھا کر خود عزت مند بن جانے کی آرزو، اپنی قد و قامت کی چھوٹی لکیر کو بڑا کرنے کی صلاحیت تو نہیں ہوتی وہ

Marfat.com

دوسروں کی قامت کی بڑی لکیروں کو صاف مٹانے یا چھوٹا کرنے میں لگا رہتا ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ نعمت اور مرتبہ خدا نے جسے دیا ہے ویسا ہی اپنی ذات کے لئے چاہنا اور مانگنے کی آرزو کرنا، دوسرے سے چھن جانے اور سلب ہونے کی آرزو نہ کرنا بلکہ اُس کے پاس جو ہے سو ہو خود ایسا بننے کی سعی کرنا اور خدا سے طلب کرنا، یہ جذبہ حسد نہیں کہلاتا بلکہ رشک کہلاتا ہے۔ جذبۂ مسابقت کہلاتا ہے۔ یہ اوپر کی دو صورتوں کی طرح مذموم جذبہ نہیں بلکہ فضائل اخلاق کی ذیل میں آتا ہے۔ قرآن کریم نے خود اس جذبے پر اُبھارا ہے۔ سابقوا الی مغفرۃٍ من ربّکم و رضوان۔ نیکی خدا کی بخشش اور رضامندی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو حضرت عمرؓ بلکہ تمام صحابۂ کرامؓ نیکیوں کے سمیٹنے اور احکامِ الٰہی و ہدایت نبویؐ کی تعمیل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور سبقت کی کوشش کرتے تھے۔ گویا دوسرے کی عزّت، شہرت، منصب اور نیک نامی کو تسلیم کرکے اس کا احترام کرکے خود ایسا بننے کی خواہش، کوشش اور آرزو پسندیدہ اخلاقی صفت ہے جبکہ پہلی دو صورتیں ناپسندیدہ اور رذائلِ اخلاق میں شامل ہیں۔

یہودیوں اور اہلِ مکّہ کا حسد حضورؐ کو منصب رسالت پر خدا کی طرف سے متمکن فرمانے کے اسی احسان اور مرتبے پر یہودی، نصرانی اور کفارِ مکّہ حسد کی آگ میں جلتے تھے کہ آخر ہمیں کیوں نہ اس منصب پر فائز کیا گیا۔ سورۂ نساء میں اسی حسد کی طرف اشارہ ہے۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ علی ما اٰتٰھم اللّٰہ مِنْ فضلہ۔ کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر جل گئے، حسد کرنے لگے ہیں، جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ خدا کے فضل سے مراد نبوّت کے بھی ہیں اور اس ہدایت کے بھی ہیں اور دوسری نعمتوں کے بھی ہیں جو خدا کسی کو دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اہلِ کتاب کے اسی حسد کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ۔ اکثر اہلِ کتاب اپنے حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ اے محمدؐ تم اور اہلِ ایمان، پھر کافر بن جاؤ۔ ان کے حسد کا علاج یہی ہے کہ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ۔ تم ان حسد کرنے والوں کو معاف کردو اور ان کے معاملے میں درگذر سے کام لو۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ان کے معاملے میں آجائے۔

حسد کرنے والے جو تدابیر اور تجاویز خدا کے فضل اور مہربانیوں کے زوال کے لئے کرتے ہیں اُن کی تدابیر اُلٹا اُن کے حق میں مُضر ثابت ہوتی ہیں۔ ولا یحیق المکر السیّئ الّا باھلہ۔ دوسروں کے لئے اختیار کی جانے والی تدابیر کا وبال خود انہی پر پڑتا ہے۔ چاہ کن را چاہ درپیش۔

سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے: اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَۃٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا۔ اے پیغمبرؐ تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو یہ کافر اور مشرکین ناخوش ہوتے ہیں اور اگر برائی یا تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر خوش ہوتے ہیں۔ اِس لئے آپ صبر کریں اور پرہیزگاری کی روش اختیار کریں تو اُن کے مکر و فریب تمہیں نقصان نہ دے سکیں گے۔

Marfat.com

حسد کرنے والوں کی ذہنی کیفیت اور قلبی کیفیت کی تصویر کشی اس آیت میں خوب کھول کر بیان کی گئی ہے کہ وہ کسی کی خوشی، راحت و آرام، عزت و منصب کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے سینوں پر سانپ لوٹتے ہیں اور دلوں میں حسد کی آگ شعلے مارتی ہے، پھر وہ ہر قسم کے مکر و فریب، حیلوں، تدبیروں اور سازشوں کے ذریعہ خوشی و مسرت اور عزت و منصب کو غم و اندوہ اور ذلت میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے اندر اکھاڑ پچھاڑ اور سازشوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے۔ ہر فرد دوسرے کی تعمیر و ترقی میں روڑے اٹکاتا ہے، ٹانگیں گھسیٹتا ہے اور چاروں شانے چت گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں خداوند تعالیٰ کی نصیحت یہی ہے کہ تم اگر حسد کرنے والوں، بداندیشوں اور بدخواہوں کی سوچ اگر نہیں بدل سکتے، انہیں بُرے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتے، ان کے مکر و فریب کے آگے بند باندھنے کی بجائے تم خود ان کی زیادتیوں پر صبر کرو اور پرہیزگاری، خدا خوفی اور تقویٰ داری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ خدا کی ہدایت کا راستہ جو تم نے اختیار کر رکھا ہے اس پر صبر و سکون کے ساتھ گامزن رہو تو حسد کرنے والوں کا کوئی مکر تمہیں نقصان نہ دے سکے گا۔

حسد کی اسلامی تاریخ و اسباب

۱۔ حسد آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متصل بعد پیدا ہوا اور اس کا سب سے پہلا امام ابلیس تھا۔ جب آدم علیہ السلام کو اللہ نے علم کی برتری اور سرفرازی کے بعد فرشتوں اس کے آگے سجدہ کرنے کا اعزاز بخشا۔ اُس نے اپنی نااہلی اور آدمؑ کے مقابلے میں اپنی جہالت کو چھپانے کے لئے نسلی امتیاز کا پہلا نعرہ بلند کیا۔ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔ میں آگ جیسی لطیف شے سے بنا ہوں اور آدمؑ کیچڑ اور گارے جیسے کثیف مادّے کے بنے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیسی حسد کے اس پہلے مظاہرے کے بعد خدا کی نافرمانی، مکاری، دھوکہ دہی اور سدا بہار دشمنی و کینہ پروری کے مذموم اور بُرے خصائل بھی خود بخود انسان میں در آئے ہیں۔

۲۔ پھر اسی حسد کا مظاہرہ ہابیل و قابیل کے درمیان قابیل کے دل میں پیدا ہوا کہ اللہ نے ہابیل کی قربانی قبول فرمالی تو قابیل کے دل میں اپنے بھائی کے خلاف حسد اور دشمنی پیدا ہوئی اور اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ ہابیل کا اخلاص اور جذبۂ ایثار و قربانی قابیل کے لئے حسد کا موجب بنا۔ گویا حسد ہی کے جذبے کے تحت دنیا میں پہلا قتل ہوا جو قابیل کے لئے ساری زندگی میں شرمندگی و شرمساری کا موجب بنا اور قیامت تک قتل کے ہر فعل میں سزا کا مستحق ٹھہرا کہ اس نے اس برائی کی ابتدا کی تھی۔

۳۔ بھائیوں کے درمیان کسی ایک بھائی کی طرف اُس کی اخلاقی خوبی، باپ کی اطاعت و تابعداری کے باعث باپ کی محبت دوسرے بھائیوں کے لئے موجب حسد بنتی ہے۔ یوسفؑ کے لئے اُن کے والد حضرت یعقوبؑ کی حد سے زیادہ محبت بھائیوں کے لئے حسد اور دشمنی کا سبب بنی۔ اِذْ قَالُوا لَیُوسُفُ وَاَخُوہُ اَحَبُّ اِلٰی اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَۃٌ ۔ ہماری اتنی بڑی تعداد کے باوجود ہمارے والد یوسفؑ سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور حسد و رقابت

کی اس آگ میں وہ اس حد تک بڑھ گئے کہ اقْتُلُوا يُوسُفَ اَوِاطْرَحُوهُ اَرْضاً يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيكُمْ۔ (سورۂ یوسف، پارہ ۱۲) ۔کیوں نہ یوسفؑ کو قتل کر دیں یا دُور کہیں لے جائیں تاکہ باپ کی توجہ ہمارے لئے مخاص ہو سکے اور اس حسد کے جذبہ کے تحت انہیں وہی کر گزرنا پڑا ۔ یوسفؑ کو کنوئیں میں پھینک کر بھیڑیے کے کھا جانے کا جھوٹا افسانہ گھڑا، پھر ایسے حسین ترین بھائی کو کھوٹے سکوّں کے عوض بیچا اور بالآخر شرمندگی کا منہ دیکھنا پڑا۔ خدا کی دی ہوئی اور دوسرے کے دلوں میں بٹھائی ہوئی عزت ہمارے چاہنے نہ چاہنے، ہماری تدبیروں سازشوں اور بداندیشیوں سے چھینی نہیں جاسکتی، تو برادرانِ یوسفؑ کے بُرے کردار کی مثال کیوں دُہرائی جائے۔ حسد کے جذبہ کے ساتھ ساتھ اُس کے بھائیوں نے جُھوٹ، مکاّری اور باپ تک کو گمراہ کہنے کی گستاخی کا ارتکاب کیا، والد کے نافرمان، بے ادب اور گستاخ بنے۔

۴۔ اور پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مسلمانوں کے خلاف اس حسد اور بُغض کے تحت یہودیوں، نصرانیوں اور مکّہ کے مشرکین نے کیا کیا، اس کی تفصیل پہلے قرآنی آیات کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے۔

ارشاداتِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حسد کو اُمتوں کے زوال کا سبب قرار دیا ہے۔ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبُغْضُ هِيَ الْحَالِقَةُ۔ لَا اَقُوْلُ تحلق الشعر لٰكن تحلق الدّين۔ پہلے زمانے کی اُمتوں کی بیماریاں تم میں گھس آئیں گی، یہ بیماریاں حسد اور بُغض ہیں۔ یہ تمہیں مونڈنے والی ہیں۔ بالوں کو مونڈنے والی نہیں بلکہ تمہارے دین کو مونڈنے والی ہیں۔ (مسند احمد۔ جامع ترمذی)

پھر ارشاد فرمایا۔ حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے جیسے آگ خس و خاشاک کو کھا جاتی ہے۔ وَاِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (سنن ابی داؤد) ۔حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پھر فرمایا کہ حسد اور ایمان ایک جسم میں جمع نہیں ہو سکتے۔ لا يجتمع فى جوف عبد الايمان والحسد۔ ایمان کا دعویدار حاسد نہ ہوگا جو حاسد ہوگا اُس کا دعوئ ایمان باطل ہوگا۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔ لَا يَزَالُ بِخَيْرٍ مَالَمْ يَحَاسَدُو۔ لوگوں میں بھلائی اور بہتری اُس وقت تک موجود رہے گی جب تک وہ حسد نہ کریں گے۔ گویا جس معاشرے گھرانوں اور قوموں میں حسد ہوگا اُن کے ہاں بھلائی اور خیر نہ ہوگی۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا۔ لَيْسَ مِنِّيْ ذُوْحَسَدٍ وَلَا نَمِيْمَةٍ وَلَا اَنَا مِنْهُ۔ صاحبِ حسد سے میرا کوئی تعلق نہیں اور نہ اس کا مجھ سے۔ حضورؐ سے تعلق نہ رہا اور اُس کی اُمت سے وابستگی نہ رہی تو پھر انسان کا ایمان، اُس کی نیکیاں بے کار اور آخرت میں شفاعت سے محرومی ہوگی۔

ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے

ہمارے ہاں حسد کی بدترین مثال ہمارے سیاسی رہنما ہیں۔ جب بھی کوئی برسرِ اقتدار آجاتا ہے تو ہماری نام نہاد سیاسی پارٹیاں اور جمہوریت کے دعویدار اُسے جمنے نہیں دیتے۔ الیکشن میں دھاندلی کے نعروں سے یہ تان اُٹھتی ہے تو مُلک میں مختلف

Marfat.com

سازشوں، دہشت گردیوں، قتل ڈکیتی، اغوا اور بدامنی کے سارے کھیل کھیل کر اُسے ختم کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جیتے ہوئے برسرِاقتدار لوگ اگر مخلص بھی ہوں تو انہیں کام کرنے نہیں دیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومتی پارٹی جوابی سازشوں کے جال بُنتی رہتی ہے اور اپنے اقتدار کو طول دیتی رہتی ہے ورنہ دوسرے الیکشن کی مدت سے پہلے ہی ان کا بستر گول کر دیا جاتا ہے اور پھر نئے سرے سے کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے بننے سے لے کر اب تک، یہی کچھ ہوتا آ رہا ہے۔

پھر سرکاری اداروں میں کسی کو منصب مل جائے، ملازمت میں ترقی ہو جائے یا ذاتی محنت و مشقت سے کوئی دو چار پیسے کما لے، کوئی ڈگری حاصل کر لے یا افسروں کی نظروں میں مقبول ہو جائے تو معاشرے، برادری اور خاندان کے افراد اپنے ہم چشم و ہم کام ساتھی کے دشمن بن جاتے ہیں اور کسی نہ کسی ذریعے سفارش اور منصوبے سے اُسے گرانے، اُسے ذلیل کرنے اور اُس کے پیچھے دو چار بدمعاش لگا کر اُسے پریشان کیا جاتا ہے۔ حکومت دربار، سرکار اور دوسرے محکموں میں اس کی کارکردگی، دیانتداری، خیر خواہی دوسروں کے لئے موجب حسد بن جاتی ہے۔

دو بیویوں کے درمیان خاوند کی کسی ایک پر نظرِ عنایت دوسری کے لئے موجبِ حسد ہو جاتی ہے اور پھر حسد کی یہ آگ گھر کے سکون کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ بچوں پر برے اثرات، بغض و رقابت، چغلی، لگائی بجھائی، غیبت، بدگمانی اور تجسس جیسی بری خصلتیں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان تمام برائیوں کا اور بالخصوص حسد کا ایک ہی قرآنی علاج ہے کہ آدمی صبر سے کام لے۔ داناؤں نے بھی یہی علاج تجویز کیا ہے۔ اِصبر علیٰ کید الحسود فانّ صبرکَ قاتلہٗ۔ حسد کرنے والوں کے مکر و فریب پر صبر سے کام لو، تمہارا صبر ہی انہیں موت کے گھاٹ اتار دے گا۔

امثال و واقعات

حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا۔ میں ساری دنیا کو راضی رکھ سکتا ہوں سوائے حسد کرنے والے کے کہ وہ میری نعمتوں کے زوال کے بغیر راضی نہیں ہو سکتا۔ اس کی رضامندی میری ذلت و خواری میں مضمر ہے۔ حسد کافروں کا شیوہ ہے۔ قرآن کریم میں حسد کے بارے میں تمام آیات، یہودیوں، عیسائیوں، منافقوں اور مشرکین کے متعلق آئی ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر بعد ایک جنتی آنے والا ہے۔ سب نے دیکھا کہ حضرت سعید بن مالک انصاریؓ تشریف لائے۔ چنانچہ صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو شوق پیدا ہوا کہ آخر سعید بن مالکؓ میں وہ کیا خوبی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ جنت کے حقدار ہوئے ہیں، وہ کونسا عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے کسی بہانے سے اُن کے ساتھ رات دن ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ان کے معمولات کا پتہ چلایا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے وہ اُن کے ہاں تین دن رات رہے، مگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ سوائے ان معمولات کے، جو دوسرے صحابہ کرامؓ کرتے تھے اُن میں کوئی انوکھا اور زائد عمل نہ تھا تو ان سے رخصت ہوتے وقت فرمایا کہ حضورؐ نے آپ کے متعلق تین دفعہ جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ میں اُس عمل کو آپ کے معمولات میں دیکھنے کے لئے رہا، لیکن آپ کے اعمال میں ایسی کوئی بھلائی نہ دیکھی جو دوسروں سے آپ کو ممتاز کرتی ہو۔ حضرت سعید بن مالک انصاریؓ نے فرمایا کہ وہ عمل یہ ہے کہ میں کسی کے بارے میں کوئی کینہ نہیں رکھتا اور نہ کسی بھلائی پر، جو خدا نے اُسے دی ہو، حسد رکھتا ہوں۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے فرمایا۔ یہی وہ عمل اور خوبی ہے جو آپ کو جنتی بناتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ربّ سے ہمکلام تھے تو دیکھا کہ ایک شخص عرش کے سائے میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے خداوند تعالیٰ سے اُس کے اس مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ پوچھی تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ شخص لوگوں پر میرے انعام واکرام کی بارش ہوتی دیکھ کر حسد نہیں کرتا، ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرتا اور لوگوں کی چغلیاں نہیں کھاتا۔

کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے اعمال ہر ہفتہ سوموار اور جمعرات کو خدا کے حضور پیش ہوتے ہیں سب کے بارے میں کسی نہ کسی بہانے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ ہو جاتا ہے، مگر شرک کرنے والے اور حسد کرنے والے کے بارہ میں فیصلوں کو ٹال دیا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، معارف الحدیث)

اللہ تعالیٰ نے جنتی لوگوں کی دوسری صفات کے علاوہ ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کے دل ایک دوسرے کی دشمنی اور کینہ وحسد سے پاک ہوں گے۔ ونزعنا ما فی صدورھم من غلٍ اخوانًا علیٰ سُرُرٍ متقابلین۔

ہمیں اس دنیا کو گھروں اور معاشرے کو اگر جنت بنانا ہے تو اپنے دلوں کو حسد سے پاک کرنا چاہیئے۔ ورنہ خدا کا قانون اٹل ہے۔ ولا یحیق المکر السیّئی الاّ باھلہٖ۔ دوسروں کے خلاف مکر وحسد کی سزا خود آپ کو بھگتنا ہوگی۔

کہتے ہیں کسی نیک آدمی کو دوزخ کی رُوحانی طور پر یا خواب میں سیر کرائی گئی تو ایک مقام پر دیکھا کہ تمام ملکوں کے بڑے بڑے کڑاہے آگ پر دھرے ہوئے تھے اور ان میں تیل کھول رہا ہے۔ ہر کڑاہے پر ملکوں کے اپنے اپنے نام لکھے ہیں اور ہر کڑاہے میں سیڑھی لگی ہوئی ہے اور اُوپر ایک سنتری کھڑا ہے مگر عجیب بات یہ تھی کہ پاکستان کے نام پر کڑاہے میں نہ سیڑھی تھی اور نہ سنتری۔

بزرگ نے عالمِ خواب میں اس کا سبب پوچھا تو بتایا گیا کہ ہر کڑاہے میں سیڑھی کا ہونا اس مُلک اور قوم کے لوگوں میں بُرے حالات سے نکلنے کی کوشش ہے جو سیڑھی کی صورت میں اس کی امداد اور تائید غیبی ہے۔ سنتری کی موجودگی غیر اخلاقی اور غیر قانونی کوششوں سے باز رکھنا ہے، مگر پاکستان کے کڑاہے میں ایسا اس لئے نہیں کہ اس ملک کے لوگوں میں بُرے حالات سے نکلنے کی نہ انفرادی ہمت ہے نہ اجتماعی طور پر اُن میں ایسا جذبہ ہے کہ انہیں خدا کی امداد مل سکے اور سنتری کی عدم موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے اگر کوئی ایک آدھ ان حالات میں سے نکلنے اور اُبھرنے کی کوشش کرے بھی تو کڑاہے میں پڑے ہوئے دوسرے لوگ اُس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں، اسے اُبھرنے اور نکلنے نہیں دیتے۔ کیونکہ اُس کی اپنی قوم اور مُلک کے لوگ جذبۂ حسد کے باعث خود سنتری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ مثال فرضی ہے مگر بحیثیت قومی نفسیات اور مزاج کے ہمارے حسبِ حال ہے کہ پاکستان کے قیام کے پچاس سالوں بعد بھی ہم وہیں ہیں جہاں سے چلے تھے بلکہ بہت کچھ کھو بیٹھے ہیں پایا کچھ بھی نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

Marfat.com

جھوٹ و دروغ گوئی

مختصر اشارات

نمبر شمار	مختصر اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ زمر کی آیت ان اللہ لا یھدی من ھو کاذب کفار۔ جھوٹے کو ہدایت نہیں ملتی ۔
۲	جھوٹ کی تعریف	ایسی بات جو واقعاتی طور پر غلط ہو۔ جھوٹا آدمی حلقۂ تعارف، سوسائٹی اور معاشرے میں اعتباری نہیں ہوتا ۔
۳	جھوٹ کی اقسام	زبانی جھوٹ اور عملی جھوٹ۔ جھوٹا آدمی وہ کچھ دکھائے جو آنکھوں نے دیکھا نہ ہو اور کانوں سے سنا نہ ہو ۔
۴	جھوٹا لعنتی ہوتا ہے	شیطان، یہودی، منافقین کے جھوٹے ہونے پر لعنت کی گئی ہے آل عمران ۔ ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین۔ جھوٹا منافق ہوتا ہے ۔
۵	معاشرتی جھوٹ کی اقسام	گھر میں ہو اور کہے کہ نہیں ہوں۔ بچوں کو بہلانے کے لئے جھوٹ۔ بھوک ہو اور کہے کھا کر آیا ہوں۔ رنگینی محفل کے لئے جھوٹ تاکہ لوگوں کو ہنسائے۔ گھر میں سب کچھ ہو مگر غریبی اور نہ ہونے کا اظہار کرے۔ قیامت کے انکار، اشیاء کے استعمال کو روکنا سوسائٹی میں جھوٹا رعب، کاروباری جھوٹ، عدالتی جھوٹ گواہی وغیرہ ۔
۶	احادیث وامثال	قیامت میں دو زبانیں ہوں گی ۔ ابن سیرینؒ کا واقعہ ۔

Marfat.com

جھوٹ اور دروغ گوئی

آیت مع ترجمہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّار۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتے جو جھوٹا اور احسان فراموش ہو۔ (سورۂ زمر)

انسانی اخلاق و اوصاف میں سب سے بُری صفت جھوٹ کی ہوتی ہے، جس کی سب سے بڑی سزا دینِ اسلام میں اس کی ہدایت مستقل محرومی کی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ دینِ اسلام پر چلنے کی توفیق اور ہدایت نہیں دیتے۔ سوچیے کہ جب اسے خدا کی طرف سے اسلام پر چلنے کی ہدایت نہ ملے گی تو نتیجے کے طور پر وہ کفر کی حالت میں زندگی گزارے گا اور کافروں کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لئے دوزخ ہے۔

تفسیر و تشریح جھوٹ کے معنیٰ ایسی بات کے ہیں جو واقعاتی اعتبار سے غلط ہو، جو بات خود اس میں اور دوسروں میں نہ پائی جاتی ہو وہ کہی جائے یا پھیلائی جائے۔ جھوٹا انسان نہ تو خدا کے نزدیک قابلِ اعتبار ہوتا ہے نہ اپنے حلقہ تعارف و تعلق میں، نہ سوسائٹی میں اور نہ معاشرے میں اس پر کوئی اعتبار کرتا ہے، نہ اس کی ذات اعتباری ہوتی ہے، نہ اس کی کہی ہوئی بات اور اس کا عمل یقینی ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآنی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی رُو سے دوسری اخلاقی برائیوں کے ساتھ ساتھ جھوٹ کی سب سے زیادہ بُرائی اور مذمت بیان کی گئی ہے۔

سورۂ زمر کے اس مختصر فقرے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایسا آدمی ہدایاتِ ربانی سے محروم ہو کر معاشرے کا ناقابلِ اعتبار اور ناقابلِ کار شخص بن جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی اپنے اوپر بے شمار نعمتوں اور مہربانیوں کا منکر ٹھہر جاتا ہے۔ اُسے کسی وقت بھی حیا، شرم اور غیرت نہیں آتی۔

جھوٹ کی اقسام جھوٹ کی بہت سی ذیلی اقسام ہیں، مگر بڑی قسمیں دو ہیں۔ ایک زبانی جھوٹ، جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ جھوٹا انسان دن رات اس میں مصروف ہوتا ہے، جھوٹ بکتا رہتا ہے، اپنے متعلق بھی اور دوسروں کے متعلق بھی۔ اپنے بارے میں جھوٹ تو یہ ہے کہ جو بات اس میں نہ ہو اُسے لوگوں کو اپنے جھوٹ کے ذریعہ باور کراتا رہے، ڈینگیں مارتا رہے اور شیخیاں بگھارتا پھرے کہ میں ایسا ہوں، میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا۔ دوسروں کے بارہ میں اس کا جھوٹ یہ ہوتا ہے کہ جو بات اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہو، نہ کسی نے کی ہو نہ کہی ہو اُسے ہر جگہ اور ہر کسی سے کہتا پھرے کہ اُس نے یہ کہا، یہ کیا اور وہ کیا وغیرہ وغیرہ۔ جھوٹی باتیں پھیلانا جھوٹا

Marfat.com

پروپیگنڈہ کرنا، دوسروں کی کردارکشی کرنا، جھوٹے الزامات اور بہتان تراشنا، اُسے ذلیل کرنا، اُس کی عزت سے کھیلنا اور اُس کی پگڑی اُچھالنا اس کی عادت ہوتی ہے۔ اس قسم کے جھوٹ کو بہتان تراشی اور لگائی بجھائی بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ عملی جھوٹ جھوٹ کی دوسری بڑی قسم عملی جھوٹ کی ہوتی ہے کہ انسان کہے کچھ اور کرے کچھ، زبانی طور پر اسلام اور مسلمانی کا دعویٰ کرے اور کام سارے اسلام کے خلاف کرے۔ زبانی طور پر حضورؐ سے محبت کا دعویٰ کرے، اُس کا اُمتی اور پیروکار ہونے کا دعویدار ہو مگر اپنی زندگی کے تمام معاملات حضورؐ کی مرضی و منشا اور ہدایت کے خلاف کرتا پھرے۔ زبانی طور پر کسی کی رشتہ داری، تعلق اور دوستی کے دعوے کرے مگر عملی طور پر جب بھی موقعہ ملے اس کی مخالفت کرے، اس کو نقصان پہنچائے۔ ایسے آدمی کو ہم اپنی زبان میں دوچہرہ، دورُخا اور دوزبانا کہتے ہیں اور اسلام کی اصطلاح میں یہ آدمی منافق کہلاتا ہے۔ سورہ حشر میں منافقین کے بارہ میں خداوند تعالیٰ اپنی شہادت دیتے ہیں کہ: واللّٰہ یشھد انّ المنافقین لکٰذبون۔ اللہ گواہی دیتے ہیں کہ منافق جھوٹے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جھوٹا آدمی وہ ہوتا ہے کہ وہ، وہ کچھ دکھائے جو اُس کی آنکھوں نے نہ دیکھا ہو۔ (بخاری۔ ابن عمرؓ)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہا۔ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جنت میں لے جانے والا کام کونسا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا۔ سچ بولنا۔ جب کوئی خدا کا بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کرتا ہے اور نیکی ایمان کی زیادتی کا سبب ہوتی ہے اور جس میں ایمان کی زیادتی ہوتی ہے وہ جنتی ہوتا ہے۔ پھر اُس آدمی نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہؐ وہ کام کونسا ہے جو دوزخ میں لے جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جھوٹ بولنا۔ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو گناہ کرتا ہے اور گناہ کفر کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے اور کفر کی زیادتی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ (المسند احمد)

اس روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جھوٹ جسے ہم اپنی روزمرّہ زندگی میں اہمیت نہیں دیتے، اُس کی بُرائی اور نتائج کا دائرہ کتنی دُور تک یعنی کفر اور دوزخ تک پھیلا ہُوا ہے۔ جھوٹ سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں، اس سے انسان کی نجات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے۔ انّ الصّدق ینجی والکذب یھلک۔ سچائی دنیا و آخرت کی نجات کا موجب ہے اور جھوٹ دنیا و آخرت کی تباہی و ہلاکت کا سبب ہے۔

ہدایت الٰہی سے محرومی قرآن کریم میں تقویٰ دار لوگوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے۔ والذی جاء بالصّدق وصدّق بہٖ اولٰئک ھم المتقون۔ جو آدمی سچی بات کہے اور سچی باتوں کی تصدیق کرے یعنی سچ کو مان کر اُس پر عمل کرے تو وہی لوگ تقویٰ دار ہوتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے برعکس آدمی جھوٹا ہوتا ہے۔ سچ کو قبول نہ کرنا اُس کی تصدیق نہ کرنا خدا کی ہدایت کے منافی ہے اور خدا

جھوٹے کو ہدایت نہیں دیتے تو سچائی کی تصدیق کیسے ہوگی۔ لہٰذا ایسا شخص تقوٰی دار نہیں ہوتا، خدا کا خوف اس کے دل میں نہیں ہوتا، پرہیزگاری اور خدا ترسی اس میں نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متصل بعد صدق کی تصدیق کرنے والوں اور سچ کو نہ ماننے والوں کے یہی دو گروہ وجود میں آئے اور ان میں کشمکش و آویزش کا وہ آغاز جو ازل سے شروع ہوا وہ اب تک جاری ہے۔ آج بھی دوسروں کے سچ اور حق کو تسلیم نہ کرنا اور اپنی انا کا مسئلہ بنا لینا، دوسروں کے کردار، صلاحیتوں اور سچے عمل سے مسلسل انکار، یہ نہ ماننوں کی تکرار بنائے فساد بنی ہوئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زبانی طور پر تمام عرب صادق اور امین تو مانتا تھا مگر اُن کے دعوائے نبوّت اور تعلیماتِ اسلامی کی تکذیب پر اصرار تھا، کتنا بڑا تضاد تھا کہ روزمرہ زندگی میں تو وہ صادق اور امین مانے اور سمجھے جاتے تھے، مگر نبوّت اور کارِ نبوّت میں انہیں سچا نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی سوائے اس کی کیا توجیہہ ہوسکتی ہے کہ وہ خود جھوٹے تھے اور سچ کو ماننے اور سچ کی تصدیق کرنے کی ہدایتِ ربّانی انہیں حاصل نہیں تھی۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّار۔ خدا جھوٹوں اور احسان فراموشوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ اُن کے برعکس سچ کو سچ ماننے اور اس کی تصدیق کرنے والے چونکہ سچے لوگ تھے تو ہدایت پاگئے اور خود صدّیق کے مرتبہ پر فائز ہوگئے۔

جھوٹ موجبِ لعنت

اسلام کی لغت میں لعنت سخت ترین لفظ ہے۔ لعنت کے معنی خدا کی رحمتوں سے دُوری اور محرومی کے ہیں۔ قرآن کریم میں لعنت کا مستحق صرف شیطان کو بنایا گیا ہے، اس کے بعد یہودیوں، پھر منافقین، کافروں اور پھر جھوٹے شخص کو لعنتی ٹھہرایا ہے۔ مومنوں کے لئے ان کے دوسرے کسی عمل کی وجہ سے لعنتی نہیں فرمایا سوائے جھوٹ کے۔ جب کوئی جھوٹ بولے یا جھوٹا الزام لگائے تو ایسے موقعہ پر جائز ہے کہ اس شخص پر لعنت بھیجی جائے۔ ثم نبتھل فنجعل لعنت اللّٰہ علی الکذبین۔ (آل عمران) مباہلہ کے وقت دونوں فریق خدا سے دعا کریں، پھر جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔ جب خاوند بیوی کے درمیان جھگڑے کی صورت میں خاوند بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور اس کے پاس الزام کا ثبوت نہ ہو تو اسلامی قانون کی رو سے وہ چار دفعہ اپنی سچائی کی قسم کھائے اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے، اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ ثابت ہوا کہ جھوٹا آدمی کافروں اور منافقوں کی طرح لعنت اور بددعا کا مستحق ہوتا ہے۔

جھوٹا منافق ہوتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق آدمی کی تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو خیانت اور بددیانتی کرے۔ مسلسل جھوٹ بولنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور ایسا شخص خدا کے ریکارڈ میں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ بولنے کی وجہ سے رزق میں بے برکتی ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کیا مومن بُزدل ہوسکتا ہے۔ فرمایا۔ ہاں ہوسکتا ہے۔ پھر پوچھا گیا۔ کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے۔ فرمایا۔ ہاں ہوسکتا ہے۔ پھر پوچھا گیا۔ کیا مومن جھوٹا ہوسکتا ہے۔ فرمایا۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، ایمان اور

جھوٹ متضاد چیزیں ہیں۔ (بخاری، مسلم، موطّا امام مالکؒ)

معراج والی حدیث میں جہاں بہت سی اخلاقی اور دینی برائیوں پر سزاؤں کے تمثیلی مناظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے وہاں ایک منظر یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ ایک آدمی کے جبڑے چیرے جا رہے ہیں اور وہ شدتِ درد سے تڑپ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امینؑ سے پوچھا کہ یہ کس جرم کی سزا ہے تو جواب ملا کہ یہ شخص جھوٹ بولتا تھا اور اس پر یہ عذاب قبر سے لے کر قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔

معاشرتی جھوٹ

۱۔ ہمارے ہاں کچھ ایسے جھوٹ بھی ہیں جو سکہ رائج الوقت کی طرح معاشرتی بازار میں خوب چلتے ہیں اور لوگ ان کے ذریعہ اپنی معاشرتی حیثیت قائم کئے ہوئے ہیں۔ حد یہ ہے کہ آج کے معاشرتی بازار میں ایسے لوگوں کو کوئی جھوٹا اور ناقابلِ قبول نہیں سمجھتا۔ اس جھوٹ کی روزمرہ قسم یہ ہے کہ کوئی صاحب اگر کسی سے نہ ملنا چاہے تو دروازے پر آئے ہوئے ملاقاتی کو گھر کے بچے یا ملازم کے ذریعہ جواب دیا جاتا ہے کہ — جی ابّو یا مالک گھر پر نہیں ہیں۔ بچہ یا مالک کا ملازم یہ تو کہہ دیتا ہے، مگر بچہ کیا سوچے گا کہ میرے والد صاحب گھر ہو کر کیوں جھوٹ بول رہے ہیں یا ملازم کے دل میں مالک کا کیا احترام پیدا ہوگا، یہ کوئی نہیں سوچتا۔ بچے اور ملازم کے دل میں گھر کا باپ اور سب سے بڑا فرد جھوٹا بن جائے تو گھر میں اور کس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات عجیب لطیفے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ ملاقاتی کو گھر کے مالک کی عادت کا علم تھا۔ اس نے بچے سے استفسار فرمایا۔ آپ کو کس نے کہا کہ آپ کے ابّو گھر پر نہیں تو بچے نے نہایت سادگی سے جواب دیا کہ خود ابّو نے کہا ہے۔

حضورؐ نے بلانے والے اور بلائے جانے والے کے لئے کتنی اچھی ہدایت فرمائی ہے کہ بلانے والا دروازے پر تین بار دستک دے، اگر اندر سے کوئی نہ نکلے یا جواب نہ ملے تو سمجھ لیا جائے کہ مالک گھر پر موجود نہیں یا اس وقت ملنے سے معذور ہے۔ ایسی حالت میں بغیر کسی ناراضگی یا ملنے کے اصرار کے واپس ہو جانا چاہیئے۔

۲۔ دوسری عام سی بات یا جھوٹ کا یہ رواج بھی ہے کہ ہم اور بالخصوص مائیں بچوں کو بہلانے کے لئے یا چُپ کرانے کے لئے بالعموم جھوٹ بولتی رہتی ہیں کہ وہ گیدڑ آیا، وہ شیر آیا یا بہلانے کے لئے کہا جاتا ہے۔ یہ دوں گی یا وہ دوں گی، حالانکہ فی الواقعہ نہ ایسا ہوتا ہے اور نہ کچھ دیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ ایک کمسن صحابی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں نے بہلانے کے لئے کہا کہ ادھر آؤ تجھے کچھ دوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمارے ہاں تشریف فرما تھے، انہوں نے میری والدہ سے فرمایا۔ اسے کیا دینا چاہتی ہو۔ والدہ نے فرمایا۔ اسے کھجور دوں گی۔ حضورؐ نے فرمایا، اگر تم کچھ نہ دیتیں تو یہ بھی جھوٹ میں شمار ہوتا۔ (ابوداؤد)

۳۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کہیں کھانے کے دوران چلے جائیں اور صاحبِ خانہ انہیں کھانے کا کہیں تو یہ لوگ محض تصنع یا بناوٹ میں کہتے ہیں۔ مجھے خواہش نہیں یا ابھی کھا کر آیا ہوں، حالانکہ دل میں خواہش ہوتی ہے اور کھا کر بھی نہیں آئے ہوتے، مگر جھوٹ بول دیا جاتا ہے اور اگر وہاں رات گزارنی ہو تو اکثر ایسے واقعات

Marfat.com

ہوئے ہیں کہ بیچارے اس جھوٹ کا بھرم رکھنے کے لئے بھوکے رات گزار دیتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت یزیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص خواہش کے باوجود ایسے موقعہ پر کہہ دے کہ خواہش نہیں ہے تو کیا یہ بھی جھوٹ ہوگا؟ ارشاد ہوا۔ چھوٹے سے چھوٹا جھوٹ بھی لکھا جاتا ہے۔ (احمد)

۴۔ اسی طرح بعض لوگ رنگینیٔ محفل کے لئے یا زیبِ داستان کے طور پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اس میں بظاہر کوئی نقصان نہیں ہوتا، محض مجلس آرائی مقصود ہوتی ہے، لیکن اسلام نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: ویل للذی یحدث بالحدیث لیضحک بہ القوم فیکذب ویل لہ۔ (ابوداؤد، ترمذی)
جو لوگ دوسروں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتے ہیں ان کے لئے افسوس ہے۔

دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا۔ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ بولنے والا اپنی آخرت برباد کرتا ہے۔ جھوٹ بولنا خیانت ہے۔ اگر کوئی خدا اور لوگوں کا امین ہے تو اسے سچ بولنا چاہیئے۔ یہ کتنی بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے کسی بھائی سے جھوٹ بولو حالانکہ وہ تمہیں سچا سمجھتا ہو۔ (ابوداؤد)

۵۔ جھوٹ کی ایک اور قسم ہماری معاشرتی زندگی میں عام ہے۔ وہ یہ کہ گھر میں خدا کا دیا سب کچھ ہوگا، اگر دوسروں سے اینٹھنے اور بٹورنے کے لئے خود کو ضرورت مند اور محتاج ظاہر کیا جائے گا۔ خدا کی نعمتوں کا انکار کیا جائے گا، گھر میں موجود چیز ہوگی مگر کسی ضرورت مند سے کہہ دیا جائے گا "حرام ہو کہ ہمارے پاس کچھ ہو" اور اس جھوٹ کو مرغن بنانے کے لئے یوں بھی کہا جائے گا "قربان میں صدقے مگر کیا کروں کہ گھر میں یہ چیز نہیں ہے"۔ سورۃ الماعون میں یہ جھوٹ دوزخ کا سبب قرار دیا ہے۔ ارئیت الذی یکذب بالدین ـــ یمنعون الماعون۔ یہ لوگ قیامت کو جھٹلانے والے اور گھریلو استعمال کی چیزوں کا انکار کرنے والے ہیں۔

۶۔ آجکل ہماری سوسائٹی میں اپنی حیثیت، ذات اور مرتبے سے بڑا بنا کر پیش کرنا، مثلاً کسی دفتر میں معمولی کلرک ہے تو کہا جائے گا کہ افسر ہوں، فوج کا معمولی عہدہ دار خود کو میجر اور کپتان بتلائے گا۔ معمولی کاروباری حیثیت ہے تو کمپنی کا منیجر یا کاروباری ادارے کا مالک بتائے گا۔ ذات کی حیثیت سے معمولی ہے تو خود کو پٹھان، سید اور نہ جانے کیا کیا بنا کر پیش کیا جائے گا۔ بہت سے لوگوں کو اس قسم کے جھوٹ سے واسطہ پڑا ہوگا۔ ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ مجھے ایک جاننے والے نے اپنے دوست کے متعلق بتایا کہ اس کی کاروباری حیثیت اور مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ دس بارہ سوزکیاں ہیں، بہت سی دکانوں پر پھیلا ہوا کاروبار ہے، سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں بھائی اس نے جھوٹ کہا ہے وہ آجکل بے روزگار ہے، آپ کو غلط کہا ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت تو بہت مشہور ہے کہ کسی غریب آدمی کا بیٹا میٹرک کر کے دفتر میں بابو لگ گیا۔ اس کا غریب والد دوپہر کا کھانا لے کر بیٹے کے دفتر میں جاتا تو فرزند ارجمند اپنے دفتری ساتھیوں سے کہتے کہ یہ ہمارا گھر کا نوکر ہے، کیونکہ والد کے پھٹے پرانے کپڑے اس کے بابوانہ معیار سے کمتر ہوتے، اس

Marfat.com

شرمندگی سے بچنے کے لئے اُس نے اسے اپنا ملازم بتایا۔ ایک دفعہ اُس کے والد نے اپنے بیٹے کی یہ جھوٹی ڈینگ اپنے کانوں سے سُنی تو اندر جاکر سارے اُس کے بابو ساتھیوں کے سامنے کہا کہ آپ کا یہ دوست میرا بیٹا ہے، میں اس کا غریب باپ ہوں، میں نے اپنی تنگدستی میں اسے پڑھایا اور اب یہ بابو بن کر مجھے اپنا نوکر بتاتا ہے میں بے شک نوکر ہوں مگر اس کا نہیں اس کی ماں کا ہوں۔

۷۔ جھوٹے وقار، جھوٹی عزّت اور جھوٹی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے لوگ اسی قسم کا جھوٹ بول کر یہ نہیں سوچتے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، وہ کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ ایک نہ ایک دن اُس کا پول کھُل جاتا ہے تو ساری عمر سوسائٹی میں شرمندگی، حقارت اور بے اعتباری کا اشتہار بن جاتا ہے۔

کاروباری جھوٹ

جھوٹ کی ایک قسم کاروباری نوعیت کی بھی ہوتی ہے جو ہماری صنعتی اور تجارتی زندگی میں بُری طرح رچی بسی ہوئی ہے۔ جھوٹے لیبل لگا کر ہو بہو اس شکل کی جعلی مصنوعات بازار میں لانا جن کی صنعت و صداقت پر لوگ یقین کریں، کپڑوں پہ غیر ملکی مہریں لگانا، یہ سب دھوکا اور جھوٹا کاروبار ہے۔ جھوٹی قسمیں کھا کر مال فروخت کرنا۔ ہمارے زمیندار بھی مویشیوں کی خرید و فروخت میں بازار کے سوداگروں سے پیچھے نہیں ہوتے۔ خاصے عرصے کی شیر دار گائے بھینس کو تازہ شیر دار بتا کر بیچتے ہیں۔ دو دو تین تین وقتوں کا دودھ روک کر منڈی میں لاتے ہیں اور گاہک پر زیادہ دودھ دینے والی ثابت کر کے زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ اڑیل، بیکار اور سست گام بیل کو ڈرا دھمکا کر تیز رفتار بتایا جاتا ہے۔ غرض اسی طرح جھوٹے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور خریداروں کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ یہ سب شیطانی کاروبار ہے اور اس کی سخت سزا ہے۔ جھوٹی قسموں پر اعتبار دلا کر جھوٹے طریقے اختیار کر کے مال بیچ دیا جاتا ہے مگر ایسی کمائی میں برکت نہیں ہوتی۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

عدالتی جھوٹ

ہمارے عدالتی تنازعات و مقدمات میں سب سے بڑا جھوٹ دوسروں پر جھوٹے مقدمات قائم کر کے جھوٹی گواہی دلانا اور دینا بھی ہے جس سے دوسروں کی حق تلفی کی جاتی ہے۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: عُدِلَتْ شھادۃ الزور بالاشراک باللّٰہ ثلاثہ مرات۔ جھوٹی گواہی خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کے برابر ہے۔ یہ بات حضورؐ نے تین مرتبہ دُہرائی۔ پھر اس کے ثبوت میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للّٰہ غیر مشرکین بہ۔ (ابن ماجہ، سورۂ حج آیت ۳۰)۔ بُت پرستی کی پلیدی سے بچو۔ جھوٹی شہادت اور جھوٹ بولنے سے بچو۔ اللہ کی توحید پر ثابت قدم رہو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے۔ ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا۔ ارشاد فرمایئے، تو فرمایا۔ شرک اور ماں باپ کی نافرمانی۔ راوی نے بیان کیا ہے کہ حضورؐ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ فوراً اُٹھے اور فرمایا۔ جھوٹی شہادت اور جھوٹی بات، اور برابر یہی کہتے رہے یہاں تک کہ ہم نے خواہش

Marfat.com

کی کہ کاش آپ خاموش ہوجائیں تاکہ اس تکرار سے آپ کو تکلیف نہ ہو۔

جھوٹے آدمی کی قیامت میں آگ کی دو زبانیں ہونگی۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس کی تڑپ اور جلن کی کیا حالت ہوگی۔ یہ رسوائے قیامت اور مبتلائے عذاب وہ شخص ہوگا جس نے کسی کے خلاف جھوٹی بات پھیلائی ہوگی تاکہ اُسے بدنام کرے۔ اللہ اُسے قیامت کے دن آگ میں ذلیل کرے گا۔ یہود و نصاریٰ نے مل کر اسلام کے خلاف سبائی تحریک چلائی تو اُن کا سب سے بڑا ہتھیار جھوٹا پروپیگنڈہ تھا۔ انہوں نے منظم طریقہ پر صحابہ کرام رضؓ کے خلاف تہمت تراشی کی۔ لوگ اپنی حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ دوسروں کے خلاف جھوٹی باتیں پھیلائیں، بے پر کی اُڑائیں۔

جو دین دوسروں کی پردہ پوشی کا حکم دیتا ہو اُس کے پیروکار دوسروں کے عیب تو درکنار جھوٹے الزام لگاتے پھریں کتنے شرم کی بات ہے۔ ابن سیرینؒ ایک دفعہ کسی محفل میں صدر مجلس تھے۔ ایک آدمی آیا اور انہیں کہا کہ آپ پر میرا دو درہم کا قرضہ ہے، واپس کریں۔ ابن سیرینؒ جلیل القدر تابعی تھے۔ اُنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کو دیکھا تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے درسِ حدیث لیا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ سے رات دن کا اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ تفسیر حدیث اور فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ خوابوں کی تعبیر میں تو یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ کتاب الرویا اُن کی مشہور تصنیف ہے۔ اپنے دور کے مشہور علماء حضرت قاسم بن محمدؒ اور حضرت رجاء بن حیاۃ کے ساتھ اُن کا نام لیا جاتا ہے۔ حضرت قاسم بن محمدؒ حجاز میں اور حضرت رجاء بن حیاۃؒ شام میں اور ابن سیرینؒ عراق میں مشہور تھے۔ یہ تجارت کیا کرتے تھے، مگر دھوکے کے ذریعہ نفع کمانے سے زیادہ رزقِ حلال کی فکر میں رہتے۔ اس محفل میں اس شخص نے اُن پر دو درہم کا دعویٰ کر کے اصرار کیا کہ میرا قرض ہے یہ انکار فرماتے رہے کہ یہ قرض کس لین دین میں باقی ہے۔ کب لیا ہے؟ اُس کے پاس ان سوالوں کا جواب نہ تھا بات صرف دو درہم کی تھی۔ ابن سیرینؒ بڑے آدمی تھے، صاحب علم، عابد و زاہد تھے۔ اُن کے شاگردوں کی بڑی تعداد تھی، تجارت بھی خاصی تھی، دو درہم کی ادائیگی اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا، مگر اُنہوں نے نہ دیئے۔ مدعی نے قسم کھانے کا کہا تو اُنہوں نے بے تکلف قسم کھالی کہ میرے ذمہ یہ قرض نہیں ہے۔ آدمی مایوس ہو کر چلا گیا تو محفل میں موجود لوگوں نے کہا۔ آپ نے دو درہم کے لئے قسم کھالی، فرمایا ہاں، مگر اسے حرام کھانے سے بچا لیا۔ سبحان اللہ۔ سورۂ مومن آیت ۲۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ انّ اللہ لا یہدی من ھو مسرفٌ کذاب۔ خدا اُس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہو۔ و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

چوری، رہزنی، ڈکیتی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ	سورۃ المائدہ کی آیت۔ چور عورت اور مرد کی سزا۔
۲	معاشرتی امن کے لئے خرابی	(۱) امن وسکون کو برقرار رکھنا ضروری ہے سزا سخت اسی لئے ہے۔ (۲) ان سزاؤں کو وحشیانہ کہنے والوں کی اُلٹی منطق۔ چور سے ہمدردی مظلوم سے عدم ہمدردی جو گھر بیٹھے بٹھائے لٹتا ہے۔
۳	چوری کی تعریف	کسی کی ملکیت کو اپنے قبضہ میں لینا حقیقی مالک کی بے خبری میں یا زبردستی، چوری سینہ زوری ہو۔
۴	چوری کا دائرہ	دوسری تمام اخلاقی برائیوں تک پھیل جاتا ہے۔ بد دیانتی، خیانت غبن، غصب، رشوت۔
۵	اسلامی سزا، آخرت	ومن یغلل یات بما غلّ یوم القیامۃ۔ آل عمران۔ احادیث رسولؐ۔
۶	معاشرتی نقصانات	بدامنی، خوف وہراس، باہمی دشمنیاں، ایسے افراد کی سخت سزا ہی معاشرے کو پُرامن بنا سکتی ہے۔
۷	عدم سزا کے موجودہ نتائج	تعلیمی اداروں، سندھ، پنجاب، غرض پورے پاکستان میں، خود اپنے علاقہ میں واقعات۔
۸	شرعی سزا کی برکات	اسلامی حکومت میں امن تھا۔ سعودی عرب میں آج ان سزاؤں کی برکت سے امن ہے۔
۹	واقعات وامثال	حضورؐ کے دور کا فیصلہ، قبیلہ بنی مخزوم کی چور عورت۔ خواجہ فضیل بن عیاض کی توبہ۔
۱۰	پس چہ باید کرد	برازیل کے باشندوں کی چوروں، ڈاکوؤں کے خلاف مہم۔

Marfat.com

چوری، رہزنی، ڈکیتی

آیت معہ ترجمہ

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۔ فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ (سورۂ مائدہ: ۳۸/۳۹)۔ اور چور مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ اُن کے عمل کا بدلہ ہے اور خدا کی طرف سے عبرتناک سزا ہے۔ خدا کی قدرت سب پر غالب ہے، وہ دانا و بینا ہے۔ پھر جو کوئی اس چوری، ڈاکہ زنی کے جرم سے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو اللہ کی نظرِ عنایت اُس کی طرف مائل ہو جائے گی، خدا درگذر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ المائدہ کی ان آیات میں چوری کی بُرائی، مذمت اور سزا بیان ہوئی ہے۔ چوری کے سلسلہ میں جو سزا اسلامی قانون اور اس آیت میں بیان ہوئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوری اسلامی معاشرہ اور اسلامی قوانین کی نظروں میں بھی اور خود خداوند تعالیٰ کے نزدیک کتنا بُرا فعل ہے جس کے متعلق آگے چل کر خود بیان فرما دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس قسم کے ظالمانہ فعل سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والا، بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ایک اسلامی سوسائٹی اور دینی معاشرہ جسے خدا اور رسولؐ پُرامن، خوشحال اور پُرسکون دیکھنا چاہتے ہیں اور ان احکامات و ہدایات کی بجاآوری پر زور دیتے ہیں، جس سے معاشرتی استحکام، بھائی چارے اور امن کی فضا قائم رہ سکتی ہے۔ وہ اس سوسائٹی کے افراد کو کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ ان میں وہ تمام اخلاقی برائیاں موجود ہوں جو سوسائٹی اور دینی معاشرے کے بگاڑ اور فساد کا موجب ہوں۔

ہم نے گزشتہ اوراق میں انہی اخلاقی برائیوں کو اپنی تقاریر کا موضوع اور مضامین کا عنوان بنایا ہے تاکہ ان پر اسلامی احکامات و ہدایات اور معاشرتی نکتۂ نظر سے بحث کر کے ان کے نقصانات کو واضح کیا جائے تاکہ ہم ان کی اصلاح کر کے اپنی زندگی کو امن و سکون کا گہوارہ بنا سکیں اور اپنے خاندانی، گھریلو اور معاشرتی تعلقات کو خوشگوار بنا سکیں جس سے خود اپنی زندگی کی بقا، خوشحالی اور مسرت منسلک ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے نتیجہ میں دنیا و آخرت میں اجر و ثواب کا بھی دارومدار وابستہ ہے۔

اسلام نے بدامنی، ظلم و زیادتی اور ہر قسم کے خوف و خطرے کی فضا کو نہ اپنے پیروکاروں کے لئے پسند فرمایا ہے نہ دوسرے انسانوں کو فتنہ و فساد میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ چوری چکاری، رہزنی اور ڈکیتی بھی انسانی رذائل اور اخلاقی

Marfat.com

برائیوں میں سے سب سے بُری اور بڑی بُرائی ہے اور ظلم ہے جس سے شہریوں کا امن و سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اس کی سزا بھی سخت ترین قسم کی سزا ہے جسے ہمارے روشن خیال لوگ ظالمانہ سزا کے نام سے پکار کر اسلامی قوانین کی راہ میں رکاوٹ بھی ڈالتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شرعی قوانین کے خلاف نفرت بھی پیدا کرتے ہیں۔ یہ عجیب منطق اور فلسفۂ تعلیم ہے کہ انہیں چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں سے تو ہمدردی ہے مگر معاشرے کے ان پُرامن شہریوں سے ہمدردی نہیں جو گھر بیٹھے بٹھائے راتوں رات چند شر پسندوں کے ہاتھوں لُٹے جاتے اور قتل ہوتے ہیں یا سفر کے دوران جیبوں کی نقدی، ہاتھ کی گھڑیوں اور عورتوں کے زیورات سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ذرا سی مزاحمت پر خواہ مخواہ قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ معصوم اور بے گناہ عورتوں کی بے حرمتی اس کے علاوہ ہوتی ہے۔ ایسا فلسفہ وہی لوگ بگھار سکتے ہیں جو خود ان ڈاکوؤں کے سرپرست ہوتے ہیں، جنہوں نے خود پسینہ بہائے اور محنت کے بغیر ناجائز دولت جمع کی ہوتی ہے، انہیں مفت مال کے جانے پر کسی کی بے رحمی کا احساس نہیں ہوتا کہ وہ خود بے رحم ہوتے ہیں یا انہیں اپنی عزت و عصمت عزیز نہیں ہوتی کہ اس کے جانے پر انہیں کوئی صدمہ پہنچتا ہو۔ سو میں سے کسی ایک پکڑے جانے والے ڈاکو کی سزا پر" بشرطیکہ وہ اس سزا تک پہنچ جائے، ورنہ آج تک چوریوں اور ڈاکے کی زیادتیوں کے باوجود نہ کوئی چور پکڑا گیا نہ اُسے ایسی سزا ملی ہے ــ اتنا واویلا اور شور تو مچاتے ہیں مگر روزانہ چوریوں، ڈکیتیوں اور رہزنیوں کے سینکڑوں واقعات میں لٹنے والوں اور قتل ہونے والوں کے حال پر اُن کے کانوں پہ جوں تک نہیں رینگتی۔

سزا کی شرعی تفصیل

چوری کی سزا پر مرد ہو یا عورت ایک ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔ پہلی سزا پر سیدھا ہاتھ، دایاں ہاتھ، کاٹا جائے گا۔ حضورؐ نے اس سزا کو ایک ڈھالی کی قیمت سے کم مال پر جاری نہیں فرمایا۔ حضورؐ کے ارشادات اور صحابۂ کرامؓ کی تشریحات کی روشنی میں فقہاء، اسلامی قوانین کے ماہرین نے مختلف اشیاء کی چوری کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ترکاری، پھل، گوشت، خوردنی اشیاء، کھیل اور گانے کے آلات جیسی چیزوں پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان چیزوں کی چوری جائز ہے یا بُرائی نہیں ہے بلکہ ہاتھ کاٹنے کی بڑی سزا نہ ہوگی۔

آیت کے اگلے حصے میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے اس ظالمانہ فعل سے توبہ کرلے اور اپنی اخلاقی اصلاح میں لگ جائے یعنی چوری چکاری اور دوسری اخلاقی بُرائیوں سے اجتناب کرے تو اس کے گزشتہ ظالمانہ فعل پر اُس کی توبہ خدا قبول فرمائے گا۔ چوری کے فعل کی سزا اُس کی بدنی سزا ہے۔ اسلام انسان کی نفسی اصلاح چاہتا ہے۔ اخلاقی درستگی اور بہتری مقصود ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ہاتھ کٹنے کی سزا کے بعد جو شخص توبہ کرے، اپنے نفس کو اس برے فعل سے پاک کرے۔ بُری عادت کو چھوڑ کر خدا کا نیک اور صالح بندہ بن جائے تو وہ خدا کے غضب سے بچ جائے گا۔ خدا اُس کے دامن سے برائی و بداخلاقی کا یہ داغ دھو دے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص ہاتھ کٹنے کے بعد بھی نفس و اخلاق کی اس بُری عادت میں مبتلا ہو، چوری کی علّت میں بدستور اس کا دل بیمار ہو تو

Marfat.com

اس کا مطلب یہ ہوُا کہ ہاتھ تو بدن سے جُدا ہو گیا، مگر نفس چوری سے پاک نہ ہوُا، جس کی وجہ سے وہ خدا کے غضب کا مستحق ہو گا۔

قرآن میں خدا کا منشا یہی ہے کہ چور خدا سے معافی مانگے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے۔ سزا سے نفس پاک نہیں ہو سکتا۔ نفس کی پاکیزگی توبہ اور خدا کی طرف مڑنے سے وابستہ ہے۔ احادیث میں یہ واقعہ مذکور ہے ایک دفعہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی۔ ہاتھ کاٹا گیا تو آپؐ نے چور کو پاس بلایا اور فرمایا۔ قُل استغفراللہ واتوب الیہ۔ کہو میں خدا سے معافی چاہتا ہوں اور خدا کی طرف لوٹتا ہوں یعنی توبہ کرتا ہُوں۔ جب اُس نے ایسا کہا تو آپؐ نے اُس کے حق میں دعا فرمائی۔ اللّٰھمّ تب علیہ۔ خدایا اُس کی توبہ قبول فرما۔

چوری کی تعریف

چوری اس عمل کو کہا جاتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اُس کے قبضے سے زبردستی نکال کر اپنے قبضہ میں لے لے۔ حقیقی مالک کی مرضی کے بغیر کوئی چیز لینا، چھپا کر ہو یا ظاہری زبردستی طور پر ہو، چوری کہلاتا ہے۔ پہلی صورت جس میں مالک کی لاعلمی ہو چوری کہا جاتا ہے جس میں مالک کو ڈرا دھمکا کر، مار پیٹ کر یا قتل اور خونریزی کے ذریعہ اس کے مال کو اس سے چھینا جائے اسے چوری اور سینہ زوری یا ڈاکہ اور رہزنی کہا جاتا ہے۔ یہ حرکت ہر معقول، مہذّب اور شائستہ معاشرے میں اور بالخصوص اسلامی اخلاق و کردار کے نزدیک نازیبا، کمینی اور ظالمانہ حرکت ہے۔ ایسا مال قطعی حرام ہے، دنیاوی سزا میں ہاتھ کٹتا ہے تو آخرت میں اس کی سزا جہنم ہے۔

چوری کا دائرہ

چوری کی اس تعریف میں خیانت، بد دیانتی، غصب، غبن، رشوت کی تمام دوسری اخلاقی برائیاں بھی آ جاتی ہیں جو دوسروں کے مال اور اُن کے حق کو اُن کے حقیقی مالک سے چھیننے کا سبب بنتی ہیں اور مالک کی مرضی یا رضامندی کا اس میں دخل نہیں ہوتا یا بامرِ مجبوری اپنے حقوق کی پامالی اور مال کے ضیاع کو برداشت کر لیتا ہے۔ چوری کے اس دائرے کو اگر پھیلایا جائے تو وہ تمام حقوق اور فرائض جو انسان پر اُس کے خدا اور رسولؐ یا معاشرے کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ والدین کے حقوق، پڑوسی کے حقوق، آقا و غلام، راعی اور رعیت، مزدور و مالک، اُستاد اور شاگرد، حکومت اور ملازم، جو ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں، اُن کی عدم ادائیگی یا کوتاہی چوری کے ذیل میں آتی ہے۔ کام چوری، امانت میں خیانت بھی چوری میں آتی ہے حتیٰ کہ وضو میں جملہ آداب کی عدم ادائیگی یا نماز کے ارکان میں کمی، قیام وقعود، رکوع و سجود میں ان کی پوری ادائیگی میں غفلت نماز کی چوری کہلاتی ہے اور حضورؐ کے فرمان کے مطابق یہ بڑی چوری ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن چور اپنی چوری کے مال کے نیچے دبا ہوُا آئے گا۔ جس قسم کی چوری بھی کی ہوگی وہ اُس کے بُوجھ تلے دبا ہوُا ہو گا اور ایسی حالت میں حضورؐ سے امداد کا طالب ہو گا۔ حضورؐ فرمائیں گے کہ میں نے تجھے دنیا میں بتا دیا تھا، اب کیا مدد کر سکتا ہوں، اور اپنے مسروقہ مال کے نیچے اس کی رسوائی ہوگی۔ سورۂ آل عمران میں خود خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ومن یغلل یأت بما غلّ یوم القیامۃ۔ جس نے جس چیز کی چوری کی وہ چرائی

Marfat.com

ہوئی چیز کے ساتھ قیامت میں آئے گا۔

ارشاد نبویؐ ہے کہ چوری کا مال ستر سال تک کی مدت کے فاصلوں تک جہنم میں گرتا چلا جائے گا اور قیامت کے دن چور سے کہا جائے گا کہ اس مال کو جہنم کی اس گہری تہہ سے نکال لائے۔ وہ اتنی گہرائی سے مال نکال لانے پر مجبور بھی ہوگا اور معذور بھی۔ مسند احمد میں ہے کہ خیبر کی جنگ میں کسی صحابیؓ کے بارہ میں گفتگو ہو رہی تھی کہ وہ شہید ہوگیا ہے جس پر حضورؐ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، میں نے اُسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اُس نے مالِ غنیمت کی چادر چوری کی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جاؤ یہ اعلان کردو کہ جنت میں صرف دیانتدار لوگ جائیں گے۔

چوری کی بڑی قسم غصب ہے جس کے معنی زبردستی چھینی ہوئی چیز کے ہیں۔ یہ سینہ زوری، ڈکیتی اور زبردستی کسی کی جائیداد، مکان اور ملکیت کا حاصل کرنا ہے۔ اس پر زبردستی کرنا، اُسے اپنے تصرف میں لانا غصب، ظلم اور زیادتی ہے۔ اس کی آمدن، پیداوار اور منافع سب حرام ہے۔ ایسے لوگوں کی نہ عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے کسی کی بالشت بھر زمین بھی دبائی ہوگی تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق اُس کے گلے میں ہوگا۔ دوسری بار ارشاد فرمایا کہ وہ اس زمین کی مٹی کو کھود کھود کر میدان حشر میں لانے پر مجبور ہوگا جس کا لانا اُس کے بس کی بات نہ ہوگی۔

چوری، ڈاکہ زنی، لوٹ مار، رہزنی، خیانت ایسی اخلاقی بیماریاں ہیں جو دنیا میں انسانوں کے رہن سہن، امن و سکون، خوشی و خوشحالی کو غارت کرتی ہیں، ہر طرف بدامنی کے سائے پھیلتے ہیں، نفرتوں اور دشمنیوں کے سلسلے چلتے ہیں، باہمی بھائی چارے، پیار و محبت، ہمدردی و خیر خواہی، نیک نیتی، اعتماد و بھروسے کی فضا برقرار نہیں رہتی، سنگ دلی، شقاوت دلوں میں گھر کر لیتی ہے۔ آدمی دوسرے آدمیوں کے لئے بھیڑیا بن جاتا ہے۔ ان قرآنی آیات میں جو آج کا موضوع ہیں اور جن میں چور مرد اور عورت کی سزا کا ذکر ہے کہ اُس کے ہاتھ کاٹے جائیں، ایسے افراد انسانی معاشرے کے جسم کا ناسور ہوتے ہیں۔ جسم کے ناسور والے حصّے کا آپریشن جسم کے باقی حصّے کو بچانے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ ایسے انسانوں کے ہاتھ کاٹنا معاشرے کے صحت مند رہنے کے لئے ضروری ہیں۔

چوری کی اس سزا کو وحشیانہ کہنے والے خود نفسیاتی اعتبار سے وحشی ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ چوروں ڈاکوؤں کے ذریعہ وحشت اور بربریت کی فضا قائم رہے۔ زنا کا عادی انسان خواہ عورت ہو یا مرد بڑھاپے میں زنا کا کاروبار چلا کر نفس کی تسکین کا سامان کرتا ہے۔ ظالم اور وحشی لوگ اپنے جذبۂ وحشت کی تسکین کے لئے جب خود طاقت سے محروم ہوتے ہیں تو کتے، مرغ، بٹیر اور جانور لڑا کر اپنی سنگدلی اور شقاوت کا تقاضا پورا کرتے ہیں۔

موجودہ واقعات

اسی لئے ان سزاؤں کو وحشیانہ اور ظالمانہ کہنے والے بھی خود چور، بد دیانت اور خیانت کار ہوتے ہیں۔ چوروں کے دوست اور خود چور ہی اُن کی حمایت کر سکتے ہیں۔ آجکل ہماری "سیاست" میں بدقسمتی سے چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سرپرستی سیاسی مجبوری بن گئی ہے۔ ہر سیاسی پارٹی مسلح

دہشت گردی، داداگیری اور ڈاکہ زنی کی قوت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور الیکشن میں یا جلسے جلوسوں میں اس طاقت کے مظاہرے کے بغیر حریفوں پہ نہ دہشت بٹھائی جاسکتی ہے نہ مطلوبہ کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور یہ وباء اس حد تک عام ہو چکی ہے کہ مُلک کی سیاسی فضاؤں سے نکل کر تعلیمی اداروں اور درسگاہوں تک کلاشنکوف کلچر گھس آیا ہے۔ ہر سیاسی پارٹی کے ناموں کے نام سے تعلیمی اداروں حتیٰ کہ دینی درسگاہوں میں طلبہ کی انجمنیں قائم ہیں اور سیاسی جماعتیں انہی کے سہارے زندہ پائندہ و تابندہ باد ہیں۔ ان کے ذریعہ غنڈہ گردی ہوتی ہے، بم دھماکے ہوتے ہیں، انسانی جانوں کا اغوا کر کے تاوان وصول کیا جاتا ہے۔ جب ڈاکو، رہزن اور غنڈہ عناصر سیاسی رہنماؤں کی مجبوری بن گئے ہوں تو پھر مُلک میں امن وامان کی صورتِ حال حکومت کے ایوانوں میں تو تسلی بخش سنائی دیتی ہے مگر باہر شہروں میں خوف وہراس، لوٹ مار، ڈاکہ زنی کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور آئے دن دن دہاڑے ہوتی رہتی ہیں۔ پولیس بے بس، انتظامیہ مجبور ہے بلکہ یہ ادارے اب خود بھی ڈاکوؤں کی حمایت پہ مجبور ہیں کہ خود ان کی زندگی بھی قیمتی ہوتی ہے، ورنہ قانون کی بالادستی کا ارادہ ان کی اپنی جان کے ضیاع کے مترادف ہوتا ہے۔ سیاسی لیڈر، وزراء، اسمبلیوں کے ممبران، اُن کی باقاعدہ اور برسرِ عام پُشت پناہی کرتے ہیں۔

مقامی حالات

اب تو یہ حال ہے کہ سندھ، پنجاب اور پاکستان کے بڑے شہروں کا ذکر کیا کہ حکومت وہاں بے بس ہے، خود ہمارے غریب دیہی علاقوں تک یہ وباء پھیلی ہوئی ہے۔ سوسل گلی کے موڑ اور شیر گڑھ سے دربند جانے والی سڑک پر نمبل کھٹہ کا مقام اس قسم کی ڈاکہ زنی اور رہزنی کی وارداتوں کے مستقل اڈے بنے ہوئے ہیں۔ گذشتہ سال ایسی ہی ایک واردات میں رات کو جانے والے مسافروں کی گاڑیوں کو روک روک کر لوٹنے کا عمل جاری تھا کہ بدقسمتی سے پولیس کی سوزوکی آپہنچی۔ اس میں پولیس والوں کو سوزوکی سے نکلنے ہی نہیں دیا اور وہیں ڈھیر کر دیئے گئے۔ پانچ پولیس والے معہ ڈرائیور کے ہلاک ہوئے۔ اخبارات میں ڈاکوؤں اور پولیس کے مقابلے کی خبریں چھپیں، لیکن عملاً ایسا نہ ہوا تھا۔ بچہ بچہ ڈاکوؤں سے آشنا تھا۔ پولیس کے اہلکار اُن تک پہنچ بھی گئے، مگر گرفتاری عمل میں نہ آسکی، کیونکہ ہماری سیاست اور جمہوریت راستہ کی دیوار بن گئی۔

ا۔ اس سے اگلے سال نمبل کھٹہ میں پھر ایسا ہی ہوا۔ عورتوں کے زیورات اتارے گئے، بے حرمتی ہوئی اور مزاحمت کرنے والا مرد مارا گیا، رہزن پہچانے گئے حتیٰ کہ چوری کا مال تک برآمد ہوا، مگر سیاست حرکت میں آگئی اور کوئی گرفتاری عمل میں نہ آسکی۔ چند دن پہلے سوسل گلی میں گاڑیوں کی لائن لگا کر مسافروں کو لوٹا گیا، چور سیٹیاں بجاتے ہوئے چلتے بنے اور پولیس منہ دیکھتی رہ گئی۔ اسی رات نمبل کھٹہ کی سڑک پہ یہی عمل دُہرایا گیا۔ پولیس معمول کے گشت پر تھی کہ وہاں پہنچی۔ ابھی سپاہی نے گاڑی سے سر نکالا ہی تھا کہ مارا گیا، باقی بھاگ کر گاؤں کی مسجد میں گھس گئے۔ جب ڈاکو چلے گئے تو صبح سویرے اذانوں سے بہت پہلے تھانیدار صاحب موقعہ پہ پہنچے تو اُس وقت مخالف سمت میں گولیاں چلا کر اپنی بہادری اور پُرزور مقابلے کے نشانات چھوڑنے میں لگے رہے تاکہ افسرانِ معائنہ کو شدید مقابلے کا تاثر اور ثبوت پیش کیا جاسکے۔

۲- ڈاکوں، رہزنوں اور لوٹ مار کے اس کھلے دھندے ہیں قانون کی بارہویں ترمیم کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا رہا کہ اس سے دہشت گردی کا خاتمہ ہوگا، مگر یہ مقدمات عدالت تک پہنچائے گا کون؟ جب تک انگریزی قانون کے مطابق علاقہ کے ایس ایچ او- ایس پی اور ڈی ایس پی کو ان وارداتوں کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے معطل نہیں کیا جائے گا اور اس علاقے کے ایم پی اے اور ایم این اے کو نا اہل قرار نہیں دیا جائے گا، امن کی بحالی کا کوئی امکان نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ کیا یہی وہ جمہوریت ہے، یہی وہ سیاسی آزادی ہے جس کے گن گائے جاتے ہیں۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داری

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا تھا کہ فرات کے کنارے اگر کتا بھی بھوکا مر جائے تو مجھ سے قیامت میں باز پرس ہوگی۔ ہمیں ایسا ہی صاحب کردار خلیفہ چاہیئے، جسے آخرت کی جوابدہی کا احساس ہو، جس کے دل میں صرف خدا کا خوف ہو۔ اپنے ووٹروں کا لحاظ ہو اور اپنے پالتو ڈاکوؤں کا خیال نہ ہو۔ موجودہ معاشرے میں اسلحے کی گھن گرج نے ذہنی کیفیت اور انداز زندگی کو ہی تبدیل نہیں کیا بلکہ پوری نسل کو مختلف راہ پر ڈال دیا ہے۔ ملک میں چوری، نقب زنی، لوٹ مار، موٹر سائیکلیں، کاریں چھیننے، راستوں پر راتوں کو مسافر لوٹنے، قتل اور ڈکیتی کے واقعات اس سرعت سے بڑھ رہے ہیں کہ گویا معاشرے کی ہیئت اور اٹھان پر شاہراہوں کی چیکنگ اور گلیوں اور چوراہوں کی پہرہ داری سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ یکم جنوری کو گاڑی کھاتہ حیدر آباد میں ایک آٹو پارٹس کی دکان کے نوجوان مالک کو رقم چھیننے کے لیے موٹر سائیکل پر سوار دو افراد نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ واقعہ ایسے علاقہ میں ہوا جہاں چاروں طرف پہرے ہوتے ہیں، ایسے پیش آیا جیسے جنگل میں عموماً ڈکیتیاں ہوتی ہیں۔ ایسا ہی واقعہ حیدرآباد کے پُررونق علاقہ میں ہوا۔ وہاں ایڈووکیٹ کے گھر چوری ہوئی، لاکھوں روپے مالیت کے زیورات، ٹی وی، وی سی آر اور دوسرا قیمتی سامان چرا لیا گیا۔ اسی ۳۰ دسمبر کو صدر کے علاقہ میں ایک دفتر میں نقب زنی کی واردات ہوئی جس میں پونے چار لاکھ روپے نقب زن لے گئے۔ یہ اوپر نیچے صرف دو دنوں کی خبروں کا ذکر ہے۔ یہ مجموعی صورتِ حال شہری معاشرے کی عکاسی کرتی ہے کسی دن کا اخبار اٹھا کر دیکھئے آپ کو اس قسم کی بے شمار خبریں ملیں گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے خدا کے احکامات اور اس کے قوانین اور حدود کو توڑ دیا ہے۔ جن ملکوں میں بالخصوص سعودی عرب میں اسلام کی ان سزاؤں کا قانون جاری ہے، وہاں چوری، رہزنی، ڈاکہ زنی کی وارداتیں نہیں ہوتیں، نہ بنک لوٹے جاتے ہیں نہ دکانیں اور نہ گھر اور نہ سعودی عرب کی شاہراہوں پر ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ وہاں کے دکاندار، گھروں کے مالک اور شہری امن و امان کی زندگی گزارتے ہیں اور یہ امن و سکون انہیں اسلامی سزاؤں کی سختی کے ساتھ عملدرآمد کے نتیجہ میں حاصل ہے۔ مجرم کتنا ہی با اثر ہو اُس کے پیچھے کتنی بڑی طاقت ہو وہ سزا سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ وہ شخصی حکومت ہے اور اسلامی قوانین کی پابند ہے۔ ایسی شخصی حکومتوں پر ہزاروں سیاسی اور جمہوری حکومتیں قربان کی جا سکتی ہیں جن میں شہریوں کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ نہ ہو۔

Marfat.com

واقعات وامثال

۱- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبیلہ بنی مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ نامی چوری کے جرم میں پکڑی گئی اور اس کا مقدمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ وہ خاتون ابوجہل کے قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی جو خود کو معزز اور برتر سمجھتے تھے، دوران مقدمہ اس قبیلہ نے سفارش کے ذریعہ اُسے بچانا چاہا۔ حضورؐ عدالت کے سربراہ بھی تھے اور سربراہِ مملکت بھی تھے، انہیں متاثر کرنا چاہا، اُنؐ پر بڑا دباؤ ڈالا گیا، صحابہؓ سے رابطہ پیدا کیا گیا۔ اُنہوں نے حدود الٰہی میں مداخلت سے دوٹوک جواب دے دیا۔ ادھر سے مایوس ہو کر انہوں نے حضورؐ کے چہیتے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کے بیٹے اُسامہ بن زیدؓ کا سہارا لیا۔ یہ حضرت اُمِّ ایمن کے بیٹے تھے جو حضورؐ کی دائی تھیں۔ حضورؐ حضرت اُسامہؓ کو اپنے نواسوں کی طرح چاہتے تھے۔ کبھی اپنی عبا میں چھپا لیتے، کبھی کندھوں پر بٹھا لیتے۔ اُمّہات المؤمنینؓ نے بھی انہیں اپنی گودوں میں پالا تھا۔ قبیلہ مخزوم کے با اثر افراد نے حضرت اُسامہؓ سے سفارش کا ذکر کیا کہ کسی طرح فاطمہ چوری کی سزا سے بچ جائے تاکہ معزز قبیلہ کی بدنامی نہ ہو۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ کم عمر تھے۔ سفارش کی اہمیت اور جرم کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے اور حضورؐ سے سفارش کر ڈالی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی جرأتِ بے جا پر سختی سے سرزنش فرمائی اور فرمایا۔ پہلی اُمتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ اُنہوں نے قانون کی بالادستی کو باقی نہ رکھا۔ فیصلوں کے وقت بڑے بڑے ذی اثر اور چھوٹے چھوٹے بے اثر لوگوں میں فرق کیا۔ بنو مخزوم کی بیٹی فاطمہ کیفرِ کردار کو پہنچی تو اپنی اُمت کو تعلیم اور نصیحت کا درس دیتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اگر اس جرم میں اس فاطمہ کی بجائے میری اپنی بیٹی فاطمہؓ بھی ماخوذ ہوتیں تو میں خدا کا قانون اس پر بھی لاگو کرتا اور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

۲- اسلام اپنے ماننے والوں میں دیانتداری اور امانتداری کی صفت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ معاشرے کی تربیت اور اصلاح چاہتا ہے۔ اسی لئے اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر سزا کے بعد مجرم اپنے فعل سے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا، وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ توبہ اور اصلاح کا اندازہ لگانا ہو تو خواجہ فضیل بن عیاض کا ذکر سنیئے۔ وہ ڈاکو ہی نہیں تھے بلکہ ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ لوٹ مار، رہزنی اور قزاقی اُن کا پیشہ تھا۔ اُس زمانہ میں سفر قافلوں کی صورت میں ہوتا۔ اُنہوں نے ایک قافلے پر دھاوا بولا، ہر طرف لوٹ مار، چیخ و فریاد مچ گئی، مگر ڈاکوؤں کے جتھے میں کسی کے دل میں رحم نہیں تھا، وہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ خواجہ فضیل قافلے کے ایک حصے میں پہنچے تو وہاں ایک شخص قافلے کی چیخ وپکار اور ڈاکوؤں کی دہشت سے بے نیاز تلاوت میں مصروف تھا۔ خواجہ فضیل غصے میں اُس پر چڑھ دوڑے کہ اس پر ہماری دہشت اور خوف کا ذرا بھی اثر نہیں۔ وہ آگے بڑھے تو وہ شخص یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔ الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ کیا ایمان لانے والوں پر، وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کے ذکر کے خوف سے کانپ اُٹھیں۔ (سورۂ حدید) خواجہ فضیل کا دل خدا کے ذکر اور خوف سے کانپ اُٹھا، جو اپنا خوف اور دہشت بٹھا رہا تھا وہ خود خدا کے خوف سے لرز

گیا، دل بدل گیا، ہتھیار پھینک دیئے، ساتھیوں سے مُنہ موڑ لیا، جنگل کی راہ لی اور اپنے گناہوں پہ اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی، توبہ کی اور ویرانوں میں خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔

انہی دنوں دوسرا قافلہ اس راستہ سے گزرا۔ خواجہ فضیل کے خوف سے اُسی سے پتہ پوچھا کہ فضیل اور اُس کے ساتھی تو ادھر نہیں؟ فضیل جو عبادتِ الٰہی میں مصروف تھا، فرمایا۔ اُس سے اب نہ ڈرو، وہ خود اب ایک بچے سے بھی ڈرتا ہے۔ پھر یہ حالت ہوئی کہ ہر اُس جگہ اور شخص کے پاس جاتے جن کا مال لُوٹا تھا، واپس کرتے اور معافی مانگتے۔ یہ ہے اپنی رہزنی اور ڈاکہ زنی سے توبہ اور ذاتی اصلاح کی مثال کہ وہی خواجہ فضیل بن عیاض اولیاء اللہ میں شمار ہوئے۔ خدا نے اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک خدا غفور الرحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کا امن، شہریوں اور بے گناہ مسافروں کی جان و مال لوٹنے والوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری حکومت کو اسلام کی کڑی سزاؤں کو نافذ کرنے کی توفیق اور حوصلہ بخشے۔

برازیل اور پاکستان کے معاشی اور معاشرتی حالات ایک جیسے ہیں۔ اس وقت برازیل دنیا میں سب سے زیادہ مقروض ملک ہے اور پاکستان دوسرے نمبر پہ ہے۔ جرائم کے اعتبار سے بھی دونوں ایک جیسے ہیں۔ وہاں بھی جرائم کی بھرمار اور سزا نہ ہونے کے برابر ہے۔ ڈاکو اور قاتل عوام میں بے خوف و خطر گھومتے پھرتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں ۲۷۰ افراد روزانہ کے حساب سے قتل ہوئے تھے۔ "گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ" کے مطابق پاکستان کی طرح وہاں بھی پولیس مجرموں کے مقابلے میں بے بس اور مجبور ہے۔ البتہ برازیل کے عوام اس لحاظ سے قابلِ تعریف ہیں کہ اُنہوں نے ہماری طرح ہراساں و خوفزدہ ہونے کی بجائے جرائم پر قابو پانے کا کام خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چند برس پہلے برازیل میں دیکھا گیا کہ دریا میں لاشوں کی تعداد بڑھ گئی ہے، لاشوں کو گلا گھونٹ کر دریا میں بہا دیا جاتا۔ پھر انکشاف ہوا کہ ہر لاش کسی مُلکی جرائم پیشہ کی ہوتی۔ پولیس کو مخبروں سے پتہ چلا کہ شہریوں نے خفیہ تنظیم بنا لی ہے جس کا نصب العین یہ ہے کہ معاشرے کو مجرموں سے پاک کیا جائے۔ اس تنظیم میں جوان اور دلیر آدمی شامل تھے۔ برازیل میں بھی پاکستان کی طرح ایسا ہوتا کہ دن دیہاڑے گھروں، بنکوں، شاہراہوں، پٹرول پمپوں میں ڈاکہ زنی کی وارداتیں ہوتیں، قتل ہوتے، کاریں چھینی جاتیں اور خبر کے آخر میں لکھا ہوتا کہ مجرم تا حال پکڑے نہیں گئے اور پکڑے جاتے بھی نہ تھے۔ چنانچہ برازیل کے جوانوں نے خفیہ تنظیم بنائی اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انہوں نے اپنی مخبری کا نظام قائم کیا اور مجرم کا پتہ چلا کر کوئی ممبر مجرم کو دھوکے سے بلاتا اور جوان اسے قتل کر کے لاش دریا میں بہا دیتے۔ کوئی ڈاکو یا قاتل عدالت سے بری ہوتا تو اُس کا بھی یہی حشر کرتے اور یہ سلسلہ اتنا مشہور ہوا کہ ساری دنیا کے اخباروں میں خبریں چھپنے لگیں اور برازیل کے شہروں میں جرائم میں کمی آنے لگی۔

پھر انڈونیشیا میں یہی سلسلہ چلا۔ روزانہ تین لاشیں مجرموں کی دریا میں بہتی دیکھی جاتیں۔ وہاں کے ایک وزیر کا بیان اخباروں میں چھپا کہ شہری پولیس کی کوتاہی اور مجرموں کی من مانی سے اتنے تنگ آ گئے ہیں کہ انہوں نے خود مجرموں کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے۔ اسے کہتے ہیں تنگ آمد بجنگ آمد۔ اب برازیل کے شہریوں نے ایک بار پھر قانون

اور انصاف اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "نیوز ویک" کے ۳ جون ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی جس کا عنوان ہے "برازیل میں عوامی انصاف"۔ برازیل کے ایک صوبے بیتوگروسو کے شہر میٹو پا میں شہریوں نے مجرموں کو سرِعام سزا دینی شروع کی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ کاروائی غیر قانونی ہے۔ اب پولیس بھی شہریوں کا ساتھ دیتی ہے۔ لوگ چوری، ڈکیتی اور قتل کی وارداتوں سے اس قدر تنگ آ چکے ہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حکومت جرائم پر قابو پانے میں ناکام ہو گئی ہے۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ مقامی لیڈر مجرموں کے خلاف اس عوامی کاروائی کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ ۱۹۸۸ء میں ۔۔۔۔۔۔ ۲۶ اور ۱۹۹۰ء میں ۹۴ مجرم اس عوامی ردِعمل میں مارے گئے۔ برازیل کے معاشرتی علوم کے ماہر پاؤلو پنہیرو نے کہا ہے کہ مجرموں کے خلاف یہ کاروائی شہروں کی سرکاری شخصیتیں کراتی ہیں۔ پاکستان میں جرائم کی صورتِ حال دیکھ کر خیال آتا ہے کہ ہماری کرائمز کنٹرول کمیٹیوں نے سوائے ناکامی کے شہریوں کو کچھ نہیں دیا۔ کیا برازیل کی طرح پاکستان کے عوام بھی عدل و انصاف اپنے ہاتھ میں لیں؟ ماہنامہ "حکایت" جولائی ۱۹۹۱ء جلد ۱۴، شمارہ ۵۱ صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۶۔ عنوان "بجنگ آمد" ۔ شاہد جمیل۔

طمغاج خان کے سامنے ایک چور پیش کیا گیا جو نہایت خوبصورت و حسین تھا۔ خان نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ ارکان دولت نے اُس کے حسن و جمال کے سبب معافی کی سفارش کی کہ اس پر رحم کیا جائے۔ خان نے کہا۔ تمہیں اس کے حسن و جمال پر رحم نہ کرنا چاہیئے بلکہ صاحبِ مال کے ملال پر غور کرنا چاہیئے۔

خلیفہ الحکم بن خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کا محل بنانا

ایک غریب بڑھیا بیوہ نے اپنی جھونپڑی قیمتاً دینے سے انکار کیا تو زبردستی اس جھونپڑی پر قبضہ کر کے محل بنوا دیا۔ بڑھیا نے دعویٰ کر دیا۔ جب خلیفہ محل کی تعمیر دیکھنے گیا تو قاضی صاحب پہنچ گئے۔ گدھا اور خالی بورا لے گئے۔ خلیفہ سے مٹی لے جانے کی اجازت چاہی۔ مٹی بورے میں بھری تو خلیفہ سے اُٹھانے میں امداد چاہی۔ خلیفہ نے مذاق سمجھ کر بورا اٹھانے میں مدد دی، لیکن دونوں نہ اُٹھا سکے تو خلیفہ سے قاضی صاحب نے کہا۔ جب یہ بورا مٹی کا ہم دونوں نہ اُٹھا سکے تو کل قیامت کے دن بڑھیا خدا سے انصاف مانگے گی اور خدا انصاف کے لئے جلوہ افروز ہوں گے تو آپ اس کی جھونپڑی کی ساری زمین جو آپ کے گلے میں غصب کی وجہ سے پڑی ہوگی کیسے اُٹھائیں گے۔ خلیفہ پر ایسا اثر ہوا کہ تمام محل مع لوازمات کے بڑھیا کو بخش دیا۔ چوری، رہزنی، ڈاکہ زنی غصب ہے جو قیامت کے دن گلے کا طوق بن کر لٹکا رہے گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

بددیانتی وخیانت کاری

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت زیر موضوع	سورۂ النساء ترجمہ وتفسیر۔
۲	خیانت وبددیانتی کا وسیع مفہوم	خدا کی بے شمار امانتوں کا غلط استعمال۔
۳	یختانون انفسھم کی تشریح	نفس کی صلاحیتوں ، جسمانی نعمتوں کا غلط استعمال۔
۴	خدا کی بجائے شیطان کو معبود ماننا	شیطان کی پیروی خدا کی نعمتوں کی خیانت ہے۔
۵	عدالتی خیانت کاری	زیر موضوع آیت کا شان نزول ، مقدمہ میں حضورؐ کی رہنمائی۔
۶	معاہدوں کی خیانت واِمّا تخافن من قوم خیانۃً الخ	کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس کی عدم پابندی خیانت ہے۔
۷	خیانت کاروں کے خلاف جدوجہد میں خدا کی مدافعت ومدد	سورۂ حج آیت ۳۸ کی تشریح
۸	خیانت کے معاشرتی پہلو	زراعت ، تجارت ، ملازمت ، مزدوری ، حکمرانی ۔ دولت کا استعمال ان تؤدوا الامانات الی اھلھا ۔ الخ ۔ سورہ قصص میں موسیٰؑ کی تعریف معاشرتی حقوق میں خیانت ۔
۹	ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم	مال غنیمت کی چادر چرانے والے شہید کو جہنمی کہنا ۔ قیامت کے دن چرایا ہوا مال طلب کیا جائے گا ۔ تاجر خیانت کار نہ ہو ۔ جس میں امانت نہیں ایمان نہیں ۔
۱۰	واقعات وامثال	تین مسافروں میں امانتدار کا واقعہ ۔ عبداللہ ابن مبارکؒ کا قلم واپس کرنا ۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ کا خواب موسیٰ بن مہران کے بارہ میں ۔ بیعت توڑنا ، معاہدہ توڑنا ، پارٹیاں بدلنا بددیانتی ہے ۔ ابو یعقوب کی دیانتداری ، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے والد کا واقعہ ، حرث محاسبی غلہ کے تاجر تھے ۔ میزان کی خیانت ، پندرہ بوری غلہ کی کمی ۔

Marfat.com

بددیانتی وخیانت کاری

آیت معہ ترجمہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ (سورۃ النساء، ۱۰۵تا۱۰۷)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ کتاب (قرآن کریم) تم پر حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ جو راہِ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اُس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ تم بددیانتی، خیانت کار لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔ اللہ سے درگذر کی درخواست کرو، وہ بڑا درگذر کرنے والا اور رحیم ہے جو لوگ اپنے نفس میں خیانت کرتے ہیں، اے پیغمبرؐ، تم ان کی حمایت نہ کرو۔ اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو، یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر خدا سے نہیں۔ وہ تو اس وقت بھی اُن کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو چھپ کر اُس کی مرضی کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ تم نے دنیا میں اُن کی طرف سے تو جھگڑا کر لیا مگر قیامت کے دن اُن کی طرف سے کون جھگڑے گا۔ وہاں کون ان کا وکیل ہوگا۔

تفسیر و تشریح مندرجہ بالا آیات قرآن میں خیانت کاری اور بددیانتی کے سلسلہ میں آئی ہیں۔ خیانت کا ایک سادہ سا مفہوم اور مطلب تو ہمارے ہاں یہی ہے کہ کسی کے پاس امانت کے طور پر کوئی چیز رکھی جائے تو وہ مالک کی اجازت اور مرضی کے بغیر اس میں تصرف کرے اور طلب کرنے پر اُس کی ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لے یا سرے سے ادائیگی ہی نہ کرے، مگر غور کیا جائے تو اس سادہ سے مفہوم میں معانی اور مطالب کا سمندر بند ہے۔ سب سے پہلے تو یہ سوچا جائے کہ ہمارے پاس اللہ کی بے شمار جسمانی اور مادی نعمتیں بطور امانت ہیں، جسم کی ہر ایک قوت، صلاحیت اور طاقت خدا کی دی ہوئی ہے جس کے بل بوتے پر ہم دنیا میں وہ سب کچھ کرتے کماتے اور حاصل کرتے ہیں جس کی ہماری خواہش ہوتی ہے۔ تعلیمی ترقی ہو یا سیاسی ترقی ہو، عہدوں اور منصبوں تک پہنچنا ہو کہ عام کاروبار زندگی میں صنعت و تجارت و زراعت ہو یا ملازمت محنت مزدوری ہو یا کاریگری، ہنر اور فنکاری ہو سب انہی صلاحیتوں کی مرہونِ منت ہیں جو کسی بھی انسان میں اللہ نے ودیعت کر رکھی ہیں۔ اب خیانت کے عمومی مفہوم پر غور کیا جائے تو کیا ہم ان امانتوں کو اس دینے والے خدا کی مرضی اور خواہش کے مطابق استعمال کرتے ہیں یا اُس کی مرضی اخواہش اور اجازت کے بغیر ان کا استعمال کیا جا رہا ہے، اگر

ایسا ہے تو پھر ہم خدا کی دی ہوئی ہر امانت میں خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

نعمت خداوندی میں خیانت

ان آیات میں یختانون انفسہم" وہ دوسرے کے ساتھ بھی اور خود اپنے نفس اور ذات کے ساتھ بھی خیانت کار ہیں"۔ کا یہی مطلب ہے کہ دل و دماغ کی جو قوتیں انسان کے پاس امانت ہیں ان میں بے جا تصرف کر کے انہیں خدا کے احکامات کی تعمیل اور مرضی کے برعکس استعمال کرتا ہے کہ خدا کی امانت دی ہوئی قوتیں خیانت کے کاموں میں اس کا ساتھ دیں ضمیر جسے اللہ نے اُس کے اخلاق کا محافظ بنایا ہے جو قدم قدم پر اُسے برائیوں پر ٹوکتا ہے، وہ اُسے اس حد تک دبا دیتا ہے کہ وہ خیانت میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ جب انسان اپنے نفس اور اپنے اندر کی قوتوں کو اپنے شیطانی ارادوں کا مکمل تابع بنا لیتا ہے تب کہیں باہر سے وہ خیانت کارانہ معصیت پیشہ افعال اختیار کرتا ہے۔

شیطان کو تو ان معنی میں کوئی بھی خدا نہیں مانتا کہ اس کے آگے سجدہ کرتا ہو یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہو اور اُس کی پرستش کی رسوم ادا کرتا ہو۔ ہاں اُسے خدا اور معبود اس معنی میں ضرور بناتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی باگوں کو شیطان کے ہاتھ میں دے دیتا ہے، جدھر وہ چلاتا ہے چلتا ہے گویا وہ شیطان کی بلاچوں وچرا اندھی پیروی کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی کی اندھی پیروی کا نام عبادت ہے۔ اپنے نفس کی باگیں جو خدا اور اس کے رسولؐ کی تابعداری کے سپرد ہونا چاہیئے تھیں انہیں شیطان کے حوالے کر کے ایک شخص اپنے نفس، اپنے دل و دماغ کی خدائی امانت میں خیانت کرتا ہے۔

اِن زیرِ موضوع آیات کا ایک پس منظر اور شانِ نزول ہے جس سے خیانت کے ایک اور پہلو کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر میں ایک شخص طعمہ یا بشیر بن اُبیرق تھا، جس نے ایک انصاری کی زرہ چرا لی۔ جب پوچھ گچھ کی نوبت آئی تو اُس نے یہ زرہ ایک یہودی کے ہاں رکھ دی۔ زرہ کے مالک نے حضورؐ کے ہاں استغاثہ دائر کر کے اپنا شبہ طعمہ پر ظاہر کر دیا، مگر طعمہ اور اُس کی برادری نے سازش کر کے الزام یہودی پر تھوپ دیا۔ یہودی سے پوچھا گیا تو اُس نے لاعلمی اور برأت ظاہر کی، لیکن طعمہ کی برادری کے لوگ اُس کی وکالت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہودی خبیث ہے، حق اور رسالتؐ کا مُنکر ہے اِس لئے اس کے انکار پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا، اُس کے مقابلے میں ہم مسلمان ہیں ہماری بات اعتباری ہے۔ حضورؐ مقدمہ کے اس ظاہری زور شور سے متاثر ہو کر قریب تھا کہ یہودی کے خلاف فیصلہ دے دیتے اور مستغیث کو الزام لگانے پر تنبیہ فرماتے کہ اِن آیات کی وحی آگئی اور مقدمہ کی حقیقت کھُل گئی۔

جھوٹے مقدمے کی خیانت

اس مقدمہ کی اہمیت اِس لحاظ سے قابلِ وحی ٹھہری کہ اس وقت اسلام اور کفر کی کشمکش کا دَور تھا۔ یہودی کے خلاف حضورؐ کا فیصلہ حقائق کے برعکس ہوتا تو اسلام اور دعوتِ اسلامی کے خلاف زبردست اختلافی حربہ مل جاتا کہ اسلام میں جتھہ بندی اور گروہ بندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو غلط فیصلے اور اسلام کے خلاف اس غلط تاثر کو مٹانے کے لئے وحی نازل فرمائی اور مقدمے

Marfat.com

میں خود مداخلت فرمائی۔ اس میں خاندانی اور ناحق مدافعت کرنے والوں کو تنبیہہ کی گئی اور عام مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا کہ اسلام اور حق کے مقابلے میں کسی تعصب کا دخل نہیں اور یہ بات دیانت و امانت کے خلاف ہے کہ اپنے قبیلے، برادری اور گروہ کے برسرِ باطل اور خیانت کار ہونے کے علم کے باوجود اس کی حمایت کی جائے اور دوسرے کسی آدمی کو حق پہ ہوتے ہوئے بھی مخالفت کا نشانہ بنایا جائے۔

اگر ظاہری رُوداد کی غلط فہمی میں مبتلا کر کے یہ خیانت کار لوگ ۔ اے پیغمبرؐ ۔ تم سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتے تو نقصان انہیں ہوتا۔ حاکم کو دھوکہ دے کر کوئی غلط فیصلہ حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ حق اُن کے ساتھ ہو گیا۔ حق تو خدا کے نزدیک جس کا ہوتا ہے اُسی کا ہوتا ہے۔ فریب خوردہ حاکم، جج یا مجسٹریٹ کا کیا ہوا فیصلہ حق کو نہیں بدل سکتا۔ خیانت کاری بہرحال اپنی جگہ قائم رہتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو کر ایسا کرے، حق بہرحال حق ہوتا ہے خواہ وہ غیر مذہب اور کافر کا ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی گنہ گار اور خیانت کار کو پسند نہیں کرتا۔

جب وحی کے ذریعہ اس خیانت کرنے والے مسلمان کے خلاف حضورؐ کو آگاہ کر دیا گیا اور فیصلہ اُس کے خلاف صادر ہو گیا تو وہ غصّے اور جوش میں مدینہ چھوڑ کر اسلام اور حضورؐ کے دشمنوں کے پاس چلا گیا اور کھُلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہو گیا، اُس نے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا، بجائے اس کے کہ وہ اپنی خیانت پر پشیمان ہوتا اور اپنے روّیہ پر خدا سے توبہ کا درخواست گزار ہوتا۔

معاہدے کی خلاف ورزی کی خیانت

خیانت کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی قوم، قبیلے یا مُلک سے کوئی معاہدہ کیا جائے یا انفرادی طور پر کسی سے کوئی وعدہ ہو تو انسان اس معاہدے کی خلاف ورزی کرے۔ سورۂ الانفال آیت ۵۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۔ اگر اے پیغمبرؐ، تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ یعنی معاہدے کے توڑنے کا خطرہ ہو تو اپنی طرف سے اُسے بتائے بغیر کوئی کارروائی کرنے سے پہلے معاہدے کو اعلانیہ اُس کے آگے پھینک دو۔ اُس کے علم میں اُس کی خیانت کو لائے بغیر از خود معاہدے کی خلاف ورزی اور معاہدہ شکنی خیانت ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ یقیناً ایسے خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کی رُو سے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ کسی شخص، قوم یا مُلک سے معاہدہ کیا ہوا ہو اور اُس کے طرزِ عمل سے شکایت پیدا ہو کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی کرتا ہے اور موقعہ پاتے ہی غدّاری کرے گا تو تم اپنی جگہ خود فیصلہ کر لو کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے اور اس فیصلے کے مطابق وہ طرزِ عمل اختیار کرو جو معاہدہ نہ ہونے کی صورت میں کیا جاتا ہے تو اس آیت میں ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ ایسی صورت میں مخالفانہ کارروائی کرنا خیانت ہو گی بلکہ مناسب طریقہ یہ ہے کہ اُس کے طرزِ عمل کے حوالے سے پہلے اُسے صاف صاف بتا دیا جائے کہ ہمارا معاہدہ باقی نہیں رہا۔ تاکہ فسخ معاہدہ کا علم دونوں کو ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ ابھی باقی ہے؟ اسی فرمان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بین الاقوامی پالیسی کا یہ اصول بنا دیا کہ جس کا

Marfat.com

کسی قوم سے معاہدہ ہوا اُسے چاہیئے کہ معاہدے کی مُدت ختم ہونے سے پہلے عہد کا بند نہ کھولے یا نہیں تو ان کا عہد برابری ملحوظ رکھتے ہوئے یہ عہد اُن کی طرف پھینک دے۔ پھر اسی قاعدے کو پھیلا کر تمام معاملات میں یہ عام اصول قرار دیا کہ لَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ جو تجھ سے خیانت کرے تم اس سے خیانت نہ کرو۔

اسلام کا یہ اصول نِرا وعظ و تلقین نہ تھا بلکہ اسلام میں اس کی ہزاروں عملی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے دَورِ حکومت میں انہوں نے روم کی سرحد پر فوجیں جمع کر دیں کہ معاہدہ ختم ہوتے ہی رومی علاقہ پر حملہ کر دیں تو ان کی اس کارروائی پر عمرو بن عنبسہ صحابیؓ نے سخت احتجاج کیا اور حضورؐ کی یہ حدیث سنائی کہ معاہدہ کی مُدت کے اندر معاندانہ طرزِ عمل اختیار کرنا غداری اور خیانت ہے۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے اس اسلامی اصول کے آگے سر جُھکا دیا۔

حالانکہ اس کے برعکس مغربی دُنیا کے مہذب مُلکوں کی بددیانتی اور خیانت کاری کا عالم دوسری جنگِ عظیم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ روس پر جرمنی کا حملہ، ایران کے خلاف روس اور برطانیہ کا حملہ ہوُا اور کسی اصول اور اخلاق کی پاسداری کے بغیر ہوُا۔ ہاں البتہ اگر فریقِ ثانی علی الاعلان معاہدہ توڑ چکا ہو اور صریح طور پر معاندانہ کارروائی کرے تو پھر اس صورت میں اسے معاہدے کے توڑنے کا نوٹس دینا ضروری نہیں ہے۔

خائن کے خلاف جدوجہد میں خدا کی حمایت کی بشارت

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے، اپنا گھر بار، عزیز و اقارب اور وطن چھوڑ دیا تو پھر بھی کفارِ مکہ اپنی معاندانہ کارروائیوں سے باز نہ آئے حتیٰ کہ مسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت بھی نہ دی جس کی وجہ سے وہ دل شکستہ اور مغموم تھے۔ حضورؐ نے انہیں حج کے دنوں میں مدینہ میں قربانی کرنے کا حکم فرما کر کسی حد تک اُن کے غم کا ازالہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج کی آیت ۳۸ میں انہیں ان الفاظ میں خوشخبری سنائی۔ اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدافعت کرتا ہے اور یقیناً وہ خیانت کرنے والوں اور اس کی نعمتوں کے ناشکزاروں کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی مسلمان اور اہلِ ایمان یہ نہ سمجھیں کہ خیانت کار جو کچھ چاہیں گے وہی ہوگا بلکہ کفر اور باطل کی اس کشمکش میں خداوند کریم خود بھی فریق اور مسلمانوں کی طرف داری میں شریک ہیں۔ وہ دشمنوں کی چالوں کو تاڑتا ہے۔ موذیوں کے ضرر کا دفاع کر رہا ہے۔ یہ بات اُس وقت بھی اور آج بھی اہلِ حق کے لئے موجبِ اطمینان ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید، امداد اور مدافعت حاصل ہے، کیونکہ حق کے خلاف دوسرا فریق خائن ہے اور خدا کی نعمتوں کا انکاری ہے اور اپنی اُن تمام اندرونی اور بیرونی نعمتوں پر جو خدا نے اس کے لئے پیدا کی ہیں، وہ منکر ہے اور اس طرح احسان فراموشی اور نمک حرامی کی روش اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس لئے ایسے لوگ خدا کے دوست نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگوں کے خلاف جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کا خدا حامی ہے۔ ان تینوں آیات میں ایک بات کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی دوستی اور محبت سے

Marfat.com

محرومی، دنیا و آخرت دونوں کی تباہی و بربادی ہے۔

خیانت کے عام معاشرتی پہلو

خیانت کے ان دینی معاہداتی پہلوؤں سے ہٹ کر عام زندگی میں بھی یہ انسانی خصائل میں ناپسندیدہ اور بُری خصلت ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں حکمرانوں سے لے کر رعایا تک ملازمت ہو، تجارت ہو، زراعت ہو یا معیشت کے دوسرے ذرائع ہوں خیانت بری ہے، ملازم بھی ایک معاہدے کے مطابق اپنے وقت اور دائرۂ کار میں خیانت کا مرتکب ہوسکتا ہے او قاتِ کار میں اگر وہ پورا وقت اپنی ڈیوٹی پر نہیں لگاتا خیانت کرتا ہے، حکمران اگر اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے اور رعیّت کے حقوق کی ادائیگی نہیں کرتا۔ مزدور اگر مزدوری میں کام چوری سے کام لیتا ہے تو خیانت کرتا ہے اس طرح وہ حرام کی کمائی کرتا ہے اور حرام کے رزق سے نہ اس کی عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حرام کے مال کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ حرام خوری کی کمائی سے گھر میں برکت نہیں ہوتی۔ قومی اور ملکی معاملات میں جو ذمہ داری کسی پر عائد ہوتی ہے اس کی عدم ادائیگی خیانت کہلاتی ہے۔ انتخابات اور الیکشن کے دنوں میں اگر کوئی آدمی اپنی رائے کسی اہل آدمی کے حق میں نہیں دیتا تو خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسا نمائندہ جو لوگوں کے ووٹوں سے برسرِ اقتدار آتا ہے وہ اپنے نمائندگی کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، غفلت برتتا ہے تو خیانت کا رہوتا ہے۔ پھر اپنے حلقۂ انتخاب میں چند آدمیوں یا اپنے طرفداروں کو ہی نفع دے کر دوسروں کو محروم رکھتا ہے تو یہ بھی خیانت ہے۔ انّ اللّٰہ یامرکم ان تؤدّو الامانات الی اھلھا۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی "امانت" رائے دہی کا حق اہل لوگوں کے حق میں استعمال کرو، اگر ایسا نہ کیا جائے تو خیانت کا ارتکاب ہوگا۔

سورۂ قصص میں یہ ذکر ہے کہ جب موسیٰؑ نے حضرت شعیبؑ کی بکریوں کو پانی پلایا تو شعیبؑ کی بیٹی نے موسیٰؑ کی تعریف ان الفاظ میں کی کہ وہ مضبوط قوت والا اور دیانتدار ہے۔ امین کا لفظ خود ایماندار ہونے کے مادہ سے نکلا ہے اور یہ حضورؐ کا لقب تھا جو حضورؐ کو انؐ کے سخت ترین دشمنوں نے دیا تھا اور مکہ شریف سے روانگی اور ہجرت کے انتہائی خطرناک موقعہ پر بھی حضورؐ نے لوگوں کی امانتیں انہیں لوٹانے کے لئے حضرت علیؓ کو دشمنوں کے گھیرے میں چھوڑنے کا خطرہ مول لیا مگر امانتوں میں خیانت کو گوارا نہ فرمایا۔

آج ہم معاشرے میں ایک دوسرے کے حقوق کے بندھنوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اولاد پر والدین کا حق ہے، والدین پر اولاد کا حق ہے، قریبی پڑوسیوں، شہریوں پر ایک دوسرے کے حقوق ہیں۔ برادریوں کے حقوق، اُستاد اور شاگردوں کے باہمی حقوق، بیوی اور خاوند کے حقوق سب ایک دوسرے پر واجب ہیں، لیکن کیا ہم ان حقوق کی ادائیگی میں خیانت کے مرتکب نہیں ہوتے اور ایسا کرتے ہوئے ہم خدا کی محبت سے محروم ہوتے ہیں۔ حقوق کی یہ عدم ادائیگی ہی ہماری معاشرتی زندگی میں پریشانیوں کا سبب اور خدا کی ناراضگی اور عدمِ محبت کا موجب ہے۔

Marfat.com

ارشاداتِ رسولؐ

خدا کی راہ میں شہادت سب گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے یعنی شہادت پا کر انسان تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ خیانت کا رہو تو اُس کی بخشش نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے ہی شہید کے بارے میں فرمایا کہ" میں نے اُسے جہنم میں دیکھا ہے"۔ کیونکہ اُس نے مالِ غنیمت سے چادر چوری کرنے کی خیانت کی تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن خیانت کے ذریعہ چرایا ہوا مال لانے کو کہا جائے گا تو وہ اُس دن کہاں سے لائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اُسے ہاویہ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا کہ عمدہ پیشہ تاجروں کا ہے جو سچ بولتے ہیں، امانت میں خیانت نہیں کرتے، وعدہ کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں، اپنے مال کی بے جا تعریف نہیں کرتے، خرید تے وقت قیمت فوراً ادا کرتے ہیں، مقروض پر سختی نہیں کرتے۔ (بیہقی)

انسان کا جسم جو حرام سے پرورش پایا ہو سزا پائے بغیر جنت میں داخل نہ ہوگا (مشکوٰۃ بحوالہ احمد، دارمی) مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کی جائے۔ مزدوری کی ادائیگی لازمی ہے مگر مزدور کا کام کرتے ہوئے پسینہ بہانا بھی تو لازم ہے۔ (ابن ماجہ، ابن عمرؓ)

صحابہؓ کرام کی حضورؐ کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ حضورؐ کے وضو کے پانی کو نیچے نہ گرنے دیتے اور ہاتھوں پر لے کر چہروں پر ملتے۔ حضورؐ نے فرمایا: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ جواب دیا۔ ہماری محبت آپؐ کے ساتھ ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: حقیقی محبت یہ ہے کہ آپ سچ بولیں، امانتوں میں خیانت نہ کریں، پڑوسی سے اچھا سلوک کریں۔ (شعب الایمان، بیہقی، معارف الحدیث)

اس حدیث میں اپنے لئے صحابہؓ کرامؓ کی محبت کو پورے معاشرے پر حضورؐ نے تقسیم فرما دیا کہ سچ بولو، خیانت نہ کرو اور پڑوسی سے اچھا سلوک کرو تا کہ پورا معاشرہ ایک دوسرے کی محبت سے سرشار و مستفید ہو جائے۔ دوسرے کے راز کو چھپانا، اُس کے بھید سے واقف ہو کر اس کی حفاظت کرنا امانت ہے، مگر اسی راز کو دوسروں سے کہتا پھرے تو یہ خیانت ہے۔ (جابرؓ، ترمذی، مشکوٰۃ)

ہم لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے، کسی کو کسی تک پیغام دیا، سلام بھیجا، خط بھیجا، کوئی چیز یا رقم دوسروں تک پہنچانے کے لئے دی، مگر ایسے کتنے لوگ ہیں جو یہ چھوٹی سی امانت حتیٰ کہ سلام، خط اور پیغام تک بھی پوری ذمہ داری سے نہیں پہنچاتے اور خیانت کرتے ہیں۔

حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے۔ جس میں امانتداری نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس میں وعدہ کا پاس نہیں اُس کا دین نہیں۔ (راوی انسؓ، مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے تمہیں امانتدار سمجھ کر امانت رکھی اس میں خیانت نہ کرو۔ جو تم سے خیانت کرے اُس سے خیانت نہ کرو بلکہ حق کی وصولی کے لئے جائز طریقے اختیار

کرو۔ (ترمذی)۔ پھر فرمایا جس نے قسم کھا کر کسی کا مال مار لیا اُس پر دوزخ واجب ہوگئی، اگرچہ معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو، جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔ سبحان اللہ۔

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن سب سے زیادہ مفلس شخص وہ ہوگا جس کے اعمال میں نماز روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی تمام نیکیاں ہوں گی، مگر اُس نے کسی کو بُرا بھلا کہا ہوگا، کسی کے مال میں خیانت کی ہوگی، کسی کا خون کیا ہوگا۔ ان تمام زیادتیوں کے بدلے میں اُس کی نیکیاں ان حقداروں پر تقسیم ہوں گی۔ جب نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو حقداروں کے گناہ اُس کے کھاتہ میں ڈالے جائیں گے۔ اس طرح اس کے پاس کچھ نہ رہے گا بلکہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اُس پر لادا جائے گا اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (بخاری ومسلم، بہشتی زیور)

واقعات و امثال

آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ واقعہ سنا ہوگا کہ تین مسافر راستہ میں بارش سے پناہ لینے کے لئے ایک چٹان کے نیچے بیٹھ گئے کہ بارش کی وجہ سے وہ چٹان اس غار کے منہ پر آ پڑی تو اُن کے نکلنے کا راستہ بند ہوگیا۔ اُنہوں نے دل میں سوچا کہ اب نکلنے کی صورت کوئی نہیں ہے آؤ اپنے نیک عمل کا واسطہ دے کر خدا سے معافی مانگیں کہ وہ ہمیں اس سے نجات دلائے۔ ان میں سے ایک نے اپنی ماں کی خدمت کا واسطہ دیا کہ میں بکری دوہ کر دودھ لایا تو ماں سو چکی تھی اور اُسے سب سے پہلے دودھ پلانے کا معمول تھا۔ میں نے بیوی بچوں کو بھوکا رکھا اور ماں کے سرہانے دودھ کا گلاس لے کر کھڑا ہوگیا۔ آدھی رات کو ماں کی آنکھ کھُلی تو اُسے دُودھ پلا کر تب بیوی بچوں کو پلایا۔ خدایا میرا یہ عمل خالص تیری رضا کے لئے تھا کہ تُو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ ماں کے قدموں میں جنت کی بشارت دی تھی اور اُن کی خدمت کا حکم دیا۔ اس عمل کے واسطے سے چٹان تھوڑی سی سرک گئی۔ دوسرے نے کہا۔ مجھے اپنی چچازاد بہن سے محبت تھی۔ جائز طریقے سے نکاح کر کے اپنی محبت کی تسکین ناممکن تھی۔ میں نے بُرا ارادہ کیا تو اُس نے کچھ رقم کی شرط پر میری خواہش پوری کرنے کا وعدہ کیا۔ میں نے کئی سال محنت مزدوری کر کے وہ رقم جمع کی اور لا کر اُسے پیش کی کہ اب وعدہ پورا کرے۔ وہ آمادہ ہو گئی۔ جب اس ارادے کا آغاز کرنا چاہا تو اُس نے کہا۔ خدا سے ڈرو۔ میں نے اسی وقت تمہارے خوف اور ڈر سے ارادہ ترک کر دیا۔ چنانچہ اس کے اخلاص اور خدا خوفی پر مبنی عمل سے چٹان کچھ اور سرک گئی۔

تیسرے نے کہا۔ میرے دوست نے کسی سفر پر روانگی سے قبل ایک سو درہم میرے پاس امانت رکھے اور اُن میں اپنی مرضی سے تصرف کی مجھے اجازت دی۔ میں نے اس رقم سے تجارت شروع کی اور اس میں اتنا منافع ہوا اور ایسی ترقی ہوئی کہ میں گائیوں، بکریوں اور اُونٹوں کا مالک بن گیا۔ عرصہ بعد جب میرا دوست واپس آیا اور اپنی امانتی رقم کا مطالبہ کیا تو میں نے اُس کی امانت اصل رقم لوٹانے کی بجائے اس رقم پر تمام تجارتی کاروبار اور منافع اُسے دے کر کہا کہ یہ سب کچھ تمہاری رقم پر تجارت کے ذریعہ ترقی کا مال ہے، لے جاؤ یہ تمہارا حق ہے۔ خدایا میں اس کی امانت میں خیانت کا مرتکب نہیں ہوا، اُس کا سارا حق اسے دے دیا۔ میرا یہ عمل خالص تمہاری رضا اور

Marfat.com

تمہارے احکامات کی تعمیل میں تھا۔ امانت میں خیانت نہ کرنے کے اس عمل کے صدقے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا۔ چنانچہ چٹان پھسل گئی اور غار کا منہ کھل گیا۔ ثابت ہوا کہ امانتداری اور دیانتداری نہ صرف کاروبار میں ترقی اور دنیاوی خوشحالی کا موجب بن جاتی ہے بلکہ انسان کو مصیبتوں سے نجات بھی دلاتی ہے۔ اس کے برعکس خیانت کرنے والے دنیا و آخرت میں مایوسیوں اور محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں اور اپنے معاشرے میں اعتبار، ساکھ اور بھروسہ کھو بیٹھتے ہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ مرو میں رہتے تھے۔ یہ شہر خراسان کے شمال میں واقعہ ہے اور شام سے کوسوں دور ہے۔ وہ ایک مرتبہ شام گئے، یہ اس زمانہ کی بات ہے جب نہ راستے تھے نہ سواریاں، نہ تیز رفتار ذرائع سفر تھے ایسے حالات میں اتنا دور دراز کا سفر دل گردے کا کام تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تاجر تھے، مگر بڑے عالم باعمل بھی تھے، عبادت گزار اور دوسروں کے خدمت گزار بھی تھے۔ جب اعلانِ جہاد ہوتا تو تلوار لے کر میدانِ جنگ میں بھی کود پڑتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کی دولت کے ساتھ ساتھ تجارتی ترقی اور مال و دولت کی فراوانی بھی بخشی تھی۔ خدا کی راہ میں خوب دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ یہ اپنے وطن مرو سے شام گئے، جب واپس لوٹے تو دیکھا کہ اُن کے پاس کسی کا قلم غلطی سے آگیا ہے۔ اُس زمانے کے مطابق معمولی قلم تھا، کوئی اہمیت نہ تھی جیسا کہ آجکل ہم لوگ ایسی لی ہوئی چیزوں کی واپسی میں سنجیدہ نہیں ہوتے۔ بارش میں چھتری مانگ کر لے گئے، واپس نہ کی، قلم مانگا تو رکھ لیا، رات کو بیٹری مانگ کر لائے تو واپس نہ کی اور اسی طرح بہت سی گھریلو استعمال کی چیزیں، کنگھی، کلہاڑی، بیلچہ، برتن اور سینکڑوں چیزیں جو مستعار مانگتے ہیں، بس جی ابھی لایا کہہ کر لے آتے ہیں مگر وہ ابھی کا مختصر عرصہ مہینوں پر پھیل جاتا ہے اور چیز واپس نہیں ہوتی اور اگر واپس ہوتی ہے تو ناقابلِ استعمال ہو کر واپس آتی ہے۔ یہ عام قسم کی معاشرتی خیانت اور بددیانتی ہے۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو جب معلوم ہوا کہ کسی کا قلم وہ لے آئے ہیں تو وہ خدا سے ڈرنے والے تھے، امانت لوٹانا اُن کے لئے مسئلہ بن گیا۔ فوراً سامانِ سفر باندھا اور دوبارہ شام کے سفر پر روانہ ہو گئے، مہینوں کا راستہ طے کر کے وہاں پہنچے، اُس شخص کو ڈھونڈا، مل گیا تو قلم واپس کر کے معذرت کی کہ لوٹانے میں دیر ہوگئی، غلطی سے اسے ساتھ مرو لے گیا تھا۔ قلم اسے واپس دیا تو شکر یہ ادا کیا کہ مولا تو نے مجھے خیانت سے بچا لیا۔ حالانکہ وہ قلم معمولی سا تھا۔ سورۃ النساء میں قادرِ مطلق نے فرمایا ہے کہ مسلمانو! اللہ رب العزت تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں واپس کرو۔

۳۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ کا بیان کردہ واقعہ ہے جو انہوں نے حضرت موسیٰ بن مہرانؒ کے بارہ میں اپنے خواب کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ بن مہرانؒ نیک پرہیزگار، نہایت متقی اور دیانت دار تھے۔ ان کی وفات کے بعد خواب میں انہیں دیکھا تو پوچھا۔ کہو کیسے گزرتی ہے؟ جواب ملا قید ہوں۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ کو تعجب ہوا کہ موسیٰ بن مہرانؒ جیسا شخص کیسے قید ہے۔ انہوں نے خواب میں پوچھا۔ یہ کیسے ہوا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ایک سوئی کسی سے مستعار لی تھی وہ واپس نہیں کی، بس اسی کی سزا بھگت رہا ہوں اور قید میں پڑا ہوں۔ سوئی تو معمولی چیز ہے اس پر اتنے

بڑے نیک شخص کو بھی سزا مل رہی تھی۔ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈالیں۔ حساب تو بہرحال حساب ہے وہ تو ایک معمولی تنکے کا بھی ہوتا ہے۔ حضورؐ نے منافق کی تین علامتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جب بات کرے تو جھوٹ کرے۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ کسی سے جھگڑا کرے تو گالی دے۔ جب اسے امین بنایا جائے تو امانت میں خیانت کرے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ، بخاری و مسلم)

۴۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ کسی امیر سے بیعت کرنے کے بعد اس عہد کو توڑا جائے تو قیامت میں اس بدعہدی سے نجات کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ ہمارے ملک میں ہمارے رہنما نت نئی سیاسی پارٹیاں بدلتے ہیں، جو ہر چڑھتے سورج اور ہر بدلتی حکومت سے اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے ہیں۔ انہیں اپنے عہد کا کوئی پاس نہیں ہوتا۔ یہ وہ منافق ہوتے ہیں جو عہد کی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں جو ہمارے موضوع کی آیت کے خلاف اور اسلامی اصول کے منافی ہے۔ کرسی کے جادو میں گرفتار یہ سیاسی مداری آخرت کی پکڑ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

امانت روپے پیسے، مال و اسباب کی ہی نہیں ہوتی۔ کسی کا راز چھپانا، روزانہ استعمال کی چیزوں کو واپس کرنا بھی امانت ہے، حق ادا کرنا بھی امانت ہے۔ کسی کے بارے میں جو سنا جائے اسے وہیں چھوڑا جائے۔ دوسروں کو ستانا خیانت ہے۔ جب کوئی شخص کسی سے بات کرے اور مقصد یہ ہو کہ اسے راز رکھا جائے تو اس کی بات کی حفاظت نہ کرنا خیانت ہے۔ ملازم / مزدور کا جو وقت مقرر ہے اسے کام میں پورا لگائے، وقت کھوئے گا، کہیں اور لگائے گا تو خیانت ہوگی اور اس وقت کی کمائی حرام ہوگی۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان باتوں کی پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ ابوجہل کا اصلی نام عمرو بن ہشام تھا، مگر اپنی حماقتوں اور جھگڑالوپن کی وجہ سے ابوجہل کہلایا۔ بدر کی لڑائی میں اخنس بن شریقؓ نے پوچھا، کہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم امین اور صادق نہیں، خبردار دل کی بات بتانا، سچ پر پردہ نہ ڈالنا۔ اُس نے کہا۔ آدمی سچا ہے اور امین بھی۔ اس نے خود بھی آنحضرتؐ سے کہا تھا۔ ہم آپؐ کو سچا اور امین سمجھتے ہیں، لیکن آپؐ کے پیغام کو جھٹلاتے ہیں۔ مشرکین کا بچہ بچہ سرکار دو عالمؐ کا دشمن تھا، لیکن ان کی امانتیں آپؐ کے پاس رہی تھیں۔

۵۔ حضرت ابو یعقوب یوسف پھٹے حالوں دمشق پہنچے۔ وہ روزگار کی تلاش میں تھے۔ اللہ نے مدد فرمائی تو وہاں کے بادشاہ نے انہیں باغ میں رکھ لیا۔ ان کا کام اُچکوں اور چوروں سے باغ کی نگرانی کرنا تھا۔ پرندے اُڑاتے، درختوں کو پانی دیتے۔ نوکری کا تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ بادشاہ سیر کے لئے باغ میں آیا۔ امیر، وزیر اور مقربین ساتھ تھے۔ خیمے آراستہ کئے گئے۔ تفریح کا پروگرام شروع ہوا، باغ کے داروغہ نے کہا۔ اناروں کی فصل تیار ہے حکم ہو تو کچھ انار پیش کئے جائیں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ داروغہ نے ابو یعقوب یوسف سے کہا جاؤ جلد ہی جلدی خوشرنگ رسیلے انار توڑ لاؤ۔ ابو یعقوب یوسف نے انار توڑے اور لا کر پیش کئے۔ بادشاہ نے انار چکھا اور فوراً رکھ دیا۔ معلوم ہوا کھٹا ہے۔ داروغہ سٹپٹایا اور فوراً ابو یعقوب یوسف کو ڈانٹ پلائی، عجیب آدمی ہو، باغ میں رہتے ہوئے چھ ماہ ہو گئے، یہ بھی پہچان نہیں کہ کھٹا اور میٹھا انار کیسا ہوتا ہے؟ ابو یعقوب یوسف نے جواب دیا۔ آپ نے مجھے باغ کی نگرانی کے لئے رکھا ہے انار

چکھنے کے لئے نہیں رکھا۔ میں کیا جانوں کون سے درخت کے انار کیسے ہیں۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ کچھ دیر ٹھہر کر داروغہ نے بادشاہ سے کھٹے اناروں کی بات چھیڑ دی۔ بادشاہ سے معذرت کی اور ابویعقوب کا سارا قصہ سنایا۔ یہ بادشاہ نورالدین زنگی تھا، بڑا نیک اور منصف مزاج، سلطان صلاح الدین ایوبی اُس کے تربیت یافتہ اور دست گرفتہ تھے۔ بادشاہ نے ابویعقوب یوسف کو بلایا۔ گفتگو میں اندازہ لگالیا کہ وہ کون ہے۔

ابویعقوب یوسف الجزائر اور مراکش کی طرف کے شہزادے تھے۔ انہوں نے بھی ابراہیم ادھمؒ کی طرح تخت و تاج چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی۔ محنت کرتے کماتے اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔ بیروت میں ان کا مزار ہے۔ زن، زمین اور زر ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے۔ لوگ منصب اور ملازمت پر فائز ہو کر دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹنے میں لگے رہتے ہیں، لیکن عزت دولت سے نہیں ملتی۔ یاد صرف وہی لوگ رکھے جاتے ہیں جو صاحبِ اخلاق و کردار ہوتے ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو آج لوگ قارون و فرعون کو یاد کرتے اور عزت سے نام لیتے۔

۶۔ بالکل اسی سے ملتا جلتا واقعہ ایک دوسری شخصیت کا ہے، وہ بھی کسی باغ کے مالک کے ملازم تھے۔ مالک نے ایک دن اُن سے فرمائش کی جاؤ باغ سے انار توڑ لاؤ، مگر دیکھنا کھٹے ہوں مجھے میٹھے انار کی ضرورت نہیں۔ داروغہ گیا، انار توڑ کر لایا تو وہ میٹھا نکلا۔ مالک نے کہا۔ میں نے کھٹا انار طلب کیا تھا تم میٹھا لے آئے ہو۔ داروغہ کا نام مبارک تھا، جواب دیا۔ مجھے کیا معلوم کس درخت کے انار کھٹے ہیں اور کس کے میٹھے ہیں۔ مالک نے کہا۔ تم اتنا عرصہ باغ کے داروغہ ہو تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ کس درخت کے انار کھٹے ہیں اور کس درخت سے میٹھے انار اُترتے ہیں۔ ملازم نے کہا۔ جی ہاں مجھے نہیں معلوم۔ مالک نے غصے سے کہا۔ اگر یہ نہیں معلوم تو تم کیا کرتے ہو۔ مبارک نے کہا۔ میں باغ کی نگرانی کرتا ہوں، انار چکھنے کے لئے نہیں رکھا گیا اور نہ مجھے اس کی اجازت دی گئی ہے، میں تو وہی کام کرتا ہوں جس کے لئے رکھا گیا ہوں۔

تاریخ عامری میں ہے کہ آقا نے مبارک کی بات سنی تو خوش ہوا۔ بات خوشی کی تھی کہ اُن کا ملازم بددیانت اور خیانت کار نہیں ہے، اگرچہ آجکل اس خوبی والے کو لوگ احمق اور بیوقوف جانتے ہیں۔ مبارک کا آقا ترک تھا۔ وہ اس خوبی کا قدردان تھا۔ اُس نے کہا۔ مبارک! آج سے تم میرے دوست اور ساتھی ہو گئے، اب تم میرے پاس آجاؤ۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں مبارک مالک کے پاس رہنے لگے۔ دن رات کی صحبت میں اتنا اعتبار بڑھا کہ ایک دن مالک نے اس سے گھریلو معاملے میں مشورے کے لئے پاس بلایا اور کہا۔ مجھے اپنی لڑکی کی شادی کرنا ہے بتاؤ کیسا لڑکا ڈھونڈنا چاہیئے۔

مبارک نے جواب دیا۔ ہر قوم کی الگ الگ رسم اور انتخاب ہے۔ اسلام سے پہلے عرب حسب و نسب پر زور دیتے تھے، یہودی مال و دولت کو دیکھتے تھے، اخلاق و کردار کو نہیں دیکھتے، عیسائی خوبصورتی کا خیال رکھتے ہیں، مگر اسلام میں دینداری اور اخلاق کا اعتبار کیا جاتا ہے، اب آپ ان میں سے جو معیار چاہیں پسند کرلیں۔ ایک معزز انصاری نے اپنی لڑکی کے لئے رشتہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا۔ تم ایک جنتی کو چاہتے ہو تو بلالؓ سے بیاہ دو۔

ترک آقا نے بیوی سے کہا۔ مبارک نے کتنا اچھا مشورہ دیا ہے تم نے سنا۔ بیوی نے پوچھا۔ وہ کیا؟ تو شوہر نے پوری بات بتائی۔ بیوی کے دل کو بھی مشورہ اچھا لگا تو شوہر نے بیوی سے کہا۔ جب اسلام کا معیار یہی ہے تو مبارک جیسے دیانتدار آدمی سے بہتر کون ہوگا۔ بیوی نے رضامندی کا اظہار کیا تو رشتہ ہوگیا۔ بستان المحدثین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک جو بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور گزشتہ اوراق میں جنہوں نے معمولی قلم واپس کرنے کے لئے شام کا دوبارہ سفر اختیار کرکے دیانتداری کی مثال قائم کی۔ وہ انہی مبارک جیسے دیانتدار باپ کے بیٹے تھے۔ درخت وہی پھل دیتا ہے جس کا بیج اچھا ہو۔ دیانتدار باپ کا بیٹا اپنے علم، دیانت اور پرہیزگاری میں مشہور ہوگیا۔

۷۔ دنیا میں انسان کچھ بھی کرے اس کا حساب ساتھ ساتھ لکھا جاتا ہے۔ ہر انسان کے کندھوں پہ دو فرشتے اسی مقصد کے لئے متعین ہیں جنہیں جدید سائنسی اصطلاح میں آپ کمپیوٹر کہہ سکتے ہیں۔ یہ ہر بات نوٹ کرتے اور ہر لمحے کا حساب رکھتے ہیں۔ قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلمہ اللہ۔ تم دل میں جو کچھ سوچتے ہو یا ظاہر کرتے ہو اُسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ حرث محاسبی ایک اللہ کے نیک بندے تھے۔ غلے کے تاجر تھے، نیک اور اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ ایک موقعہ پہ طے کر لیا کہ اب یاد خدا میں مصروف ہونا چاہتا ہوں، بہت دنیا کمائی ہے۔ رات دن عبادت میں مصروف رہنے لگے تھے کہ انتقال ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد دوست نے خواب میں دیکھا، پوچھا کیا معاملہ ہے؟ جواب ملا کہ غلّہ کی پندرہ بوریاں میرے ذمہ نکلی ہیں۔ وہ کیسے؟ تم تو بڑے نیک اور ایماندار آدمی تھے۔ کہنے لگے۔ ہاں یہ سزا خیانت اور بددیانتی کی نہیں غفلت کی مجھے ملی ہے اور غفلت یہ ہوتی رہی کہ پیمانے میں کبھی کبھی گرد جم جاتی وہ میں نہ جھاڑ سکا، پیمانہ کے پلڑے صاف نہ رکھے تو تول میں جو کمی ہوتی رہی وہ اب مل ملا کر پندرہ بوریاں بن گئی ہیں۔ یہ سزا غفلت کی ہے بے ایمانی اور خیانت کی نہیں، مگر غیر شعوری خیانت تو ہے جو لوگ جان بوجھ کر ڈنڈی مارتے ہوں اُن کا حساب کتنا سخت ہوگا۔ مختصر بات اتنی ہے کہ خیانت انسان کے دینی، معاشرتی اور ذاتی نقصان کا موجب ہے۔ حضورؐ خیانت کاری سے پناہ مانگتے تھے۔ (ابوداؤد)

وما علینا الا البلاغ۔

رشوت اور ناجائز سفارش

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت زیر بحث	سورۂ بقرہ ۱۸۸۔ دوسروں کا حق مارنا۔ رشوت یا سفارش کے ذریعہ ناجائز ہے۔
۲	رشوت کی صورتیں	نقد رقم، تحفہ، نذرانہ، پلاٹ دینا، سرکاری اختیارات کے ذریعہ کارخانے، پرمٹ، پلاٹ، ایجنسیاں وغیرہ، وزارت دینا۔ عورتوں تک کی پیشکش، سرکاری خرچ پر سیر و تفریح کرانا۔
۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات	حاکم کا ہدیہ لینا۔ رشوت کا پھیلاؤ قوم کو بزدل بناتا ہے۔ راشی و مرتشی جہنمی ہیں۔ رشوت کے ذریعہ کوئی فیصلہ حق نہیں ہوتا۔
۴	مقدمات میں رشوت کی مثال حضورؐ کو انتباہ	سمّٰعُون للکذب اکلون للسحت الخ کے مطابق یہودیوں کا فیصلہ کیا
۵	رشوت کا ایک انداز	افسروں کے ساتھ جوا کھیل کر صنعتکاروں کا ہار جانا بیگمات کے ذریعہ کام نکلوانا۔
۶	واقعات و امثال	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو پھلوں کے تحفے۔ ابن لتبیہؓ کی رشوت کا واقعہ۔ عبداللہ ابن رواحہؓ کا واقعہ۔
۷	سفارش کے ذریعہ حق مارنا	حاکموں، عدالتوں کے فیصلوں پر اثر انداز ہونا۔ پیروں سے خدا کے ہاں سفارش کی صورتیں شرک ہیں۔
۸	سفارش کی اقسام	(۱) سفارش حسنہ، جائز کام کی سفارش کار ثواب ہے۔ (۲) سفارش سیئہ سنگین جرم میں سفارش، ظالم کی طرفداری، حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سفارش رد کرنا۔

رشوت اور ناجائز سفارش

آیت مع ترجمہ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ: ۱۸۸)

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال، باطل، ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کو قصداً ظالمانہ اور ناجائز طور پہ کھانے کا موقعہ ملے۔

تفسیر و تشریح مندرجہ بالا آیت سورۂ بقرہ کے رکوع ۲۳ اور آیت ۱۸۸ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس آیت کے ابتدائی الفاظ بالباطل تک سورۃ المائدہ آیت ۴۲ میں بھی آئے ہیں۔ اس آیت میں جیسا کہ اس کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ "ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال ناجائز اور باطل طریقوں سے نہ کھاؤ" میں تمام اُن ذرائع سے منع کیا گیا ہے جو ناجائز کمائی کا ذریعہ ہو سکتے ہیں، جن میں سٹہ، سود، جوا، لاٹری، رشوت اور دھوکہ دہی، خیانت شامل ہیں، مگر اس آیت میں اگلا حصہ کہ حکام کے پاس اس غرض سے پیش کرنا کہ دوسروں کا مال ناجائز طریقہ سے کھایا جاسکے یا دوسروں کا حق مارا جاسکے، صریحاً رشوت کی طرف اشارہ ہے جو حاکموں کے پاس اس غرض سے پیش کی جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ حاکم کا فیصلہ اپنے حق میں کرا کر دوسرے کی حق تلفی کی جائے۔ اس کے مال کو اپنے حق میں فیصلہ کرا کر کھایا جاسکے۔

رشوت کی صورتیں رشوت کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ نقد رقم کی صورت میں بھی ہے۔ کسی تحفہ اور نذرانہ کی صورت میں بھی ہے۔ یہ ساری صورتیں رشوت کے ذیل میں آتی ہیں جن کے ذریعہ کسی کارندے، حاکم یا افسر کو راضی کر کے اپنی مقصد برآری کی جائے۔ رشوت دینا اس لئے ناجائز ہے کہ اس سے دوسرے کی حق تلفی اور حق ماری ہوتی ہے۔ رشوت دینے والا با اثر اور صاحب حیثیت ہو کر اپنے روپے پیسے سے دوسرے ایسے فریق کی حق تلفی کرالیتا ہے جو غریب اپنی مالی مجبوری سے ایسا کام نہیں کر سکتا اور حاکم سے اُسے جو انصاف کی توقع ہوتی ہے وہ پوری نہیں ہو پاتی۔

رشوت لینے والے کے لئے بھی یہ انتہائی بڑا جرم ہے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے ذاتی مفاد اور فائدے کے پیش نظر دوسرے کسی غریب فریق کا حق مارتا ہے، اُسے ساری عمر کے لئے اس کے حق سے محروم رکھ کر اُس کی اور اُس کی نسلوں تک کے ساتھ زیادتی اور محرومی کا موجب بن کر دوسرے فریق کی اُس کی عمر بھر کی ناجائز اور حرام کمائی میں

Marfat.com

میں شریکِ کار بن جاتا ہے جسے اُس نے اپنے فیصلے میں ناجائز طور پر حقدار بنایا ہوتا ہے۔
رشوت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ اگر کسی کی حق ماری وحق تلفی کا دائمی فیصلہ تے تعلق تو نہیں ہوتا مگر کسی غریب کا جائز کام رُکا ہُوا ہے اور دفتری لوگ محض رشوت کے حصول کے لئے اسے اٹکائے رکھتے ہیں، اس میں مین میخ نکالتے ہیں، اعتراضات کرتے ہیں اور اس کام میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈال کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کچھ نقد یا جنس کی صورت میں ادا کر کے اپنا کام نکلوائے۔ اس سلسلہ میں دفتری امور کے راستوں کی پیچیدگیاں ہوں یا ملازمت کا حصول ہو یا کوئی کاروباری ضرورت ہو یا کسی بیچارے کی تنخواہ کا بل ہو یا کسی ٹھیکیدار کی کارکردگی کا معاوضہ ہو، ایسے تمام کام آجکل ہمارے دفتری معاملات کی مذموم و مکروہ روایات بن چکی ہیں کہ۔ دام بنائے کام۔ کے بغیر کسی کے معاملے، کسی فائل اور کاغذات میں رشوت کے پہیئے اور بیساکھیاں لگائے بغیر اسے منظوری کے مرحلوں سے نہیں گزارا جاسکتا۔

رشوت کے انداز

پاکستان میں یہ روایت اور محاورہ زبانِ زدِ خلائق ہے کہ کسی کی قابلیت اور لیاقت کو نہیں دیکھا جاسکتا، کیونکہ لیاقت خان یعنی لیاقت کو خود پاکستانیوں نے گولی مار کر شہید کر دیا ہے البتہ قائدِاعظم کا فرمان چلتا ہے، اس کی تصویر بازاروں میں جس طرح بازاری قدر وقیمت رکھتی ہے اسی طرح وہ تصویر۔ نوٹوں پر چھپی ہوئی۔ دفتروں میں بھی چلتی ہے۔ بانیٔ پاکستان اب تو نہیں ہیں مگر اُن کی نوٹوں پر چھپی ہوئی تصویر معجزے دکھارہی ہے۔ اُس کی قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

۱۔ رشوت کا یہ انداز اور کاروبار دفتری سطح سے لے کر عدالتوں تک اور عدالتی سطح سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک جاری وساری ہے۔ پلاٹوں کے عوض، عہدوں اور وزارتوں کے صلے میں، بھاری اور بیش قیمت پرمٹوں کی صورت میں، تعمیراتی اور ترقیاتی فنڈز کی شکل میں، بیجارو۔ اور مرسڈیز کاروں کی صورت میں سیاسی رشوتیں چلتی ہیں اور ان رشوتوں کے بدلے میں ممبروں کی حمایت حاصل کی جاتی ہے اور اس قسم کی حمایت کا تسلسل برقرار رکھ کر حکومت کی کرسی مضبوط کی جاتی ہے اور ان سب میں ایک قسم کی سیاسی رشوت یہ بھی ہے کہ کسی اسمبلی کے ممبر کو بیرونِ مُلک عیاشی کے لئے بھیج دیا جائے۔ حالانکہ وہ ممبر اپنی تعلیمی، سیاسی اور علمی قابلیت کے اعتبار سے کسی ملک کے دورے میں سوائے ذاتی عیاشی کے کوئی مُلکی، قومی کارنامہ سرانجام دے کر نہیں لوٹتا اور نہ بھیجنے والی حکومت کے سامنے ایسا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ بس" خیر سے بدھو گھر کو آجاتا "ہے اور اس عیاشی اور قومی دولت پر سیر کر کے اسی طرح گھر آجاتا ہے جیسے ماں باپ شرارتی بچے کو پیسے دے کر ٹافیاں کھانے کے لئے بازار بھیج دیتے ہیں۔

۲۔ پھر رشوت کی ایک قسم ہمارے ہاں یہ بھی رائج ہے کہ حکومت کا سربراہ کسی غیر ملکی دَورے پر اپنے ساتھ وزیروں، مشیروں کی فوج ظفر موج لے کر روانہ ہوتا ہے جس دَورے میں کام کے دو چار آدمی ہی کافی ہوتے ہیں جو دَورے کے سیاسی اور فنی معاملات کے لئے ضروری ہوسکتے ہیں، باقی سب عیاشی اور قومی خزانے پر سیاحت و تفریح، خرید

Marfat.com

فروخت اور دل بہلاوے کے لئے ساتھ رکھے جاتے ہیں تاکہ سند رہیں اور بوقتِ ضرورت کام آئیں۔ پھر ان قومی دوروں میں بیگمات کیا تیر مارتی ہیں کہ انہیں بھی نمائش اور تماشا بننے کا موقعہ دیا جاتا ہے، سوائے اس کے کہ گھریلو سامان اور آرائشی و آسائشی خرید و فروخت میں اُن کے تجربے سے کام لیا جاسکے تاکہ واپسی پر خلافِ مرضی اور ناپسندیدہ خریداری کی خفت اور شرمندگی سے بچا جاسکے۔

پھر رشوت کی ایک انتہائی گھناؤنی اور گھٹیا قسم بھی پس پردہ ہی نہیں بلکہ کُھلے بندوں چلتی ہے۔ وہ اپنی مکروہ شکل میں عورتوں کا استعمال ہے جیسے اہلکاروں کو پیش کرنے کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں، یہ نہیں تو مہذب صورت یہ ہے کہ سوشل تقاریب اور سرکاری محافل میں افسروں کی بیگمات، مستورات اور لڑکیاں گھُل مل کر اپنے اپنے شکار کو پھانستی ہیں، جہاں اُن کے خاوندوں کی ترقیوں، مراعات اور سرکاری معاملات کی گاڑی رُکی ہوئی ہوتی ہے یا ایک دوسرے کے دلوں میں نرم گوشے پیدا کئے جاتے ہیں۔

رشوت کی یہ تمام صورتیں ہیں جنہیں ہر کوئی جانتا اور دیکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔ ھدایا العمّال غلول عمّال۔ حکومت یا نمائندگانِ حکومت جو ہدیے بھی وصول کرتے ہیں وہ حرام ہیں۔ ہدیہ کی تعریف چھوٹے سے چھوٹے تحفے سے لے کر بڑے سے بڑے تحفے، نذرانے اور سیاسی رشوت پر حاوی ہے۔ ہر وہ نذرانہ یا ہدیہ جو اس کی جائز تنخواہ، معاوضے اور حق الخدمت کے علاوہ دیا جائے، وہ حرام ہے۔ سرکاری اور دفتری ملازم جو تنخواہ حکومت سے پاتا ہے مگر کسی کام کی بجا آوری پر متعلقہ کام کے فریق سے زائد معاوضہ طلب کرتا ہے، رشوت ہے، خواہ لینے والا اسے لے یا دینے والا اُسے ادا کرے، خواہ اس ادائیگی میں اُس کی مجبوری ہو یا رضامندی، دونوں صورتوں میں ناجائز ہے اور حرام ہے۔ الراشی والمرتشی فی النّار۔ حضورؐ کے اس ارشاد کے مطابق دونوں جہنمی ہیں۔ ایک مقام پر دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ قوم بزدل ہو جاتی ہے۔ یہی حکم والیانِ امر کا ہے جو معاملات میں نقد یا تحفے لے کر امداد کریں۔ بیع و شرا کے ہوں۔ مواجرۃ، مضاربت، مساقات مزارعہ کے ہوں، سب ناجائز ہیں اور ان کی آمدن قطعی حرام کے زمرے میں آتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں اس سلسلہ میں سخت احتساب ہوتا تھا اور انہوں نے رشوت کی روک تھام کے لئے بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے اندر رشوت کی وبا عام کرنے کے لئے اور انہیں حرام مال کا ذائقہ چکھانے کے لئے ایسے تمام محکموں کے ملازمین کی تنخواہیں جان بوجھ کر کم رکھی تھیں کہ ان ملازمتوں میں بیرونی اور فالتو کمائی کے امکانات زیادہ تھے۔ پولیس کا محکمہ، محکمہ جنگل اور محکمہ مال کے نچلے درجے کے ملازمین کا اُس وقت بھی یہی حال تھا اور آج بھی یہی حال ہے۔ ان محکموں میں اب بھی یہ حال ہے کہ نچلے درجے کے ملازمین تنخواہ کے رجسٹروں پر صرف دستخط کرتے ہیں اور تنخواہیں افسروں کو چھوڑ دیتے ہیں، کیونکہ ان کی بیرونی آمدن ان کی تنخواہوں کی قلیل آمدن بلکہ جائز آمدن کے مقابلے میں اونٹ کے منہ میں زیرے کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ محکمہ جنگل میں تو یہ روایت عام ہے کہ رینج کے مقامی فارسٹ

Marfat.com

گارڈ رینج افسر کے کچن کا سارا خرچہ بھی برداشت کرتا ہے۔ ہمیں اُن کے افسر کے تبادلے کی الوداعی تقریب میں شریک ہونے کا موقع ملا تو دعوت کے انتظامات اور کھانے کی افراط، انواع و اقسام کے خوان دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی بہت بڑے بادشاہ اور رئیس نے وزیراعظم کو بلایا ہو۔

رشوت کے ذریعہ دوسرے حقدار کے مال یا اس کے حق کو اپنے حق میں فیصلہ کرانے سے وہ حق یا مال کسی کا نہیں بن جاتا۔ حاکم مقدمہ کی رُوداد سے یا رشوت کے ذریعہ مال تو دلوا دے گا، مگر اُس کا یہ فیصلہ خدا کے نزدیک کسی کو مالک اور حقدار نہیں بنا سکتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ ہو سکتا ہے تم کوئی مقدمہ میرے پاس لاؤ اور ایک فریق چرب زبانی سے کام لے کر فیصلہ اپنے حق میں کرا لے۔ میرا ایسا کوئی فیصلہ جو دوسرے کی حق تلفی پر مبنی ہو گا تو اس سے تم دوزخ کا ٹکڑا حاصل کرو گے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سمّٰعُون للکذب اکّٰلون للسُّحت۔ فان جاءوک فاحکم بینھم بالعدل او اعرض عنھم۔ وان تعرض عنھم فلن یضروک شیئاً فان حکمت بینھم بالقسط۔ انّ اللّٰہ یحبّ المقسطین۔ جھوٹی باتیں بنانے والے، جاسوسی کرنے والے اور رشوت کا حرام مال کھانے والے اگر تمہارے پاس کوئی مقدمہ لے کر آئیں تو تمہیں اختیار ہے کہ تم اُن کے درمیان فیصلہ کر دو یا انکار کر دو۔ تمہارا ایسے لوگوں کے فیصلے میں کوئی نقصان نہیں ہے اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف پسندوں سے محبت کرتا ہے۔ ان آیات میں یہودیوں کے مفتیوں اور قاضیوں کی طرف اشارہ ہے جو جھوٹی شہادتیں ——— سن کر یا رشوتیں کھا کر لوگوں کے حق میں انصاف کے خلاف فیصلے کیا کرتے تھے۔

خیبر کے یہودی خاندانوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان ناجائز تعلق پایا گیا۔ اُن کی اپنی الہامی کتاب توراۃ میں بھی اس کی سزا رجم تھی، لیکن یہودی سنگسار کرنے کی یہ سزا دینا نہ چاہتے تھے۔ اس لئے اُنھوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضورؐ سے کرائیں تاکہ حضورؐ کے دین میں رجم (سنگسار کرنے) کے خلاف کوئی حکم ہُوا تو مان لیں گے اور اگر یہی توراۃ کے مطابق رجم ہی فیصلہ ہُوا تو نہ مانیں گے۔

آپؐ نے قرآن کریم کے حکم کے مطابق رجم کا فیصلہ سنا دیا۔ چنانچہ اُنھوں نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا تو حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کے مذہب میں اس کی کیا سزا ہے تو بولے کہ ہم اس جرم میں کوڑے مارتے ہیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے منہ بٹھا کر تشہیر کرتے ہیں۔ یہودیوں کے علماء نے بھی یہی جواب دیا۔ ان میں ایک شخص ابن صوریا، جو خود یہودیوں کے بیان کے مطابق توراۃ کا بہت بڑا عالم تھا، اُسے حضورؐ نے قسم دی کہ اُس خدا کی قسم کھا کر کہو، جس نے تمہیں فرعون سے نجات دلائی اور طور پر شریعت عطا کی، کہ توراۃ میں اس جرم کی سزا کیا ہے؟ اُس نے اس قسم سے مجبور ہو کر سچی بات کہی کہ زنا کی سزا توراۃ میں بھی یہی رجم ہے، مگر ہمارے ہاں جب زنا کی کثرت ہو گئی تو ہمارے حکام بڑے لوگوں کو چھوڑ دیتے اور چھوٹے لوگوں کو رجم کیا جاتا تھا، جس سے عوام میں ناراضگی پھیل گئی تو ہم نے توراۃ کا یہ قانون ہی

Marfat.com

بدل دیا۔ اب ہم زانی اور زانیہ کو کوڑے لگا کر منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹے منہ سوار کرتے ہیں۔ ابن صوریا کی اس سچی بات پر یہودیوں کے پاس بولنے کی کوئی گنجائش نہ رہی تو حضورؐ کے فیصلے کو نافذ کرنا پڑا۔

اس آیت نے یہودیوں کی مذہبی پیشوائی کا بھرم کھول دیا کہ یہودیوں کے مذہبی پیشوا جنہوں نے تمام عربوں پر اپنی دینداری اور اپنی کتابی علمیت کا سکہ جما رکھا تھا، ان کی بددیانتی کا یہ حال تھا کہ جس کتاب کو وہ خود خدا کی کتاب مان رہے تھے اور اس پر ایمان کے دعویدار تھے، اُسے چھوڑ کر حضورؐ کے پاس مقدمہ لے کر آئے جس کے پیغمبر ہونے پر انہیں شدت سے انکار تھا۔ ان کا یہ راز فاش ہوا کہ اُن کا ایمان صداقت پر مبنی نہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کا تابع ہے۔ جس کتاب کو خدا کی کتاب مان کر اس سے اس لئے منہ موڑتے ہیں کہ اس کا حکم اُن کے نفس کی خواہش کے خلاف ہے اور جسے وہ معاذ اللہ جھوٹا نبی کہتے ہیں۔ اس کے پاس اس لئے آتے ہیں کہ شاید ایسا کوئی فیصلہ دے دے جو ان کی منشا کے مطابق ہو۔

یہودیوں کی بددیانتی اور اپنی الہامی کتاب پر ایمان کی قلعی کھل جانے کے بعد ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم جس کتاب "قرآن کریم" اور اس کے احکامات پر ایمان لاتے ہوئے عدالت کی کرسی، حکومت کے تخت اور اختیارات کی مسندوں پر بیٹھ کر اس کتاب کے احکامات کے خلاف فیصلے دے دیتے ہیں اور رشوتیں یا سفارشیں سن کر دوسروں کا حق مار کر خدا کے احکامات سے روگردانی کرتے ہیں تو ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔

رشوت کا ایک اور انداز

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق رشوت دینے اور لینے والوں کے درمیان دلالی اور ایجنٹی کرنے والا بھی لعنتی ہے۔ (مسند احمد، بیہقی)

بیوی بچوں کے لئے انسان اکثر اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ گھر میں ہر قسم کی آسائش و آرائش ہو تاکہ گھر والے اپنے ملنے والوں میں ناک اُونچی رکھ سکیں۔ سسرال والے تعریف کریں کہ کیا اچھا داماد ملا ہے، بیوی کو سونے سے لاد دیا، کونسی چیز ہے جو گھر میں موجود نہیں، ایئرکنڈیشنر ہے، گاڑی ہے، ریفریجریٹر ہے، ٹیلیویژن ہے، واشنگ مشین ہے، اعلیٰ قسم کا فرنیچر ہے، قالین ہے، بچے انگریزی سکولوں میں پڑھتے ہیں۔ بس اللہ کا فضل ہی فضل ہے۔ پوچھا جائے کہ یہ سب کچھ جسے حاصل ہے وہ کام کیا کرتے ہیں۔ جواب ملے گا تھانیدار ہیں، کسی محکمے کے انسپکٹر ہیں، رجسٹرار ہیں، انکم ٹیکس افسر ہیں، محکمہ مال میں ملازم ہیں، لائسنس جاری کرنے والے دفتر میں ملازم ہیں یا پی ڈبلیو ڈی میں نوکر ہیں۔ اسی طرح کے اور بھی محکمے گنائے جائیں گے، مگر تنخواہ پوچھی جائے تو پتہ چلے گا کہ ہزار بارہ سو اُوپر ہے جس سے ان دنوں میں حلق بھی نہیں بھیگتا لیکن اس تنخواہ میں نہ جانے الٰہ دین کا کون سا چراغ ہے جس کے باعث نے یہ ساری آسائشیں مہیا کر دی ہیں۔ آخر یہ ٹھاٹھ ہوتے کیسے ہیں اور روپیہ آتا کہاں سے ہے۔ سب راز کی باتیں ہیں، کسی کو معلوم کرنا ہی ہو تو کسی اہل غرض سیٹھ یا صنعتکار سے پوچھیے وہ چور بازاریاں بتائے گا کہ رات کو صاحب کے ساتھ تاش کھیلتا ہوں اور ہزاروں ہار کر آتا ہوں۔ مجھ جیسے اور بھی ضرورت مند یہی دھندا کرتے ہیں، کچھ بیچارے صاحب لوگوں کے ہاں نقد اور

Marfat.com

تحفے بھیج دیتے ہیں۔ کہیں بیگم صاحبہ گھر پہ دفتر کا کام چلاتی ہیں اور صاحب دفتروں میں صاحب روائی فرماتے ہیں اور بی بی جی گھر میں تحفوں کے بنڈل اور نوٹوں کی گڈیاں وصول کرتی ہیں۔ رشوت کی ہزار صورتیں ہیں، جب دلوں سے خدا کا خوف اٹھ جائے تو پھر آدمی طرح طرح سے روپیہ بٹورتا ہے۔ ایسے لوگ جو عہدے سے فائدہ اٹھا کر حکومت کے خزانے کو نقصان پہنچاتے ہیں وہ دوہرے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

واقعات وامثال

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جنہیں حضرت امام سفیان ثوریؒ نے پانچواں خلیفۂ راشد لکھا ہے، کی خدمت میں ایک دفعہ پھلوں کا تحفہ کسی نے بھیجا، جس میں ہر قسم کے پھل سیب، انار اور انگور تھے جیسے گھر میں پھلوں کی دکان لگ گئی ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کے گھر میں کبھی پھلوں کے انبار ہوتے خلیفہ بننے کے بعد اس قسم کی عیاشیوں سے انکے بیوی بچے محروم تھے، وہ چاہتے تو اپنے بیوی بچوں کو یہ عیاشی کرا سکتے تھے مگر انہوں نے یہ تحفہ واپس کر دیا تو کسی نے کہا۔ یہ آپ کیا کرتے ہیں، یہ تحفہ تو آپ کے عزیزوں نے آپ کو بھیجا ہے۔ فرمایا۔ میں جانتا ہوں۔ انہیں کہا گیا، تحفہ واپس نہ کرنا چاہیئے تھا۔ اللہ کے رسولؐ تحفے واپس نہ فرماتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا۔ انؐ کی خدمت میں تحفے اخلاص ومحبت کی نیت سے آتے تھے اور میرے پاس یہ تحفہ اس لئے آیا کہ میں اپنے اقتدار سے کام لے کر جو ان کے مال واسباب کو بیت المال میں جمع کرایا ہے واپس کر دوں، حالانکہ یہ مال واسباب انہوں نے غصب کیا ہے۔ یہ تحفہ نہیں رشوت ہے، کیا میں یہ رشوت قبول کر سکتا ہوں۔ مشورہ دینے والا خاموش ہو گیا۔

۲۔ قیامت کے دن عجیب وغریب منظر ہوگا۔ کسی کی گردن پہ کئی منزلہ عمارت ہوگی، کسی کی گردن میں موٹر ٹنگی ہوئی ہوگی، کسی کے کندھوں پہ بہت بڑی فیکٹری ہوگی اور اسی طرح کے بہت سے بوجھ ہوں گے جن کے نیچے یہ لوگ دبے ہوئے ہوں گے۔ یہ کون لوگ ہوں گے، وہی جنہوں نے حرام مال اور رشوتیں لے کر یہ سب کچھ بنایا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن لتبیہ کو قبیلۂ بنی سلیم کے پاس بھیجا تاکہ زکوٰۃ اور صدقات کی وصولی کر کے آ جائیں۔ چنانچہ ابن لتبیہ وہاں گئے اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے بعد واپس آئے تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا حساب حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور فرمایا۔ یہ مال اور جنس زکوٰۃ اور صدقات ہیں اور یہ الگ جو کچھ رکھا ہے جن میں درہم و دینار بھی ہیں، یہ وہ مال اور رقمیں ہیں جو قبیلہ بنو سلیم کے لوگوں نے اپنی خوشی سے مجھے دی ہیں یعنی میرے ہدیے اور تحفے ہیں۔ اس پر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔ اگر تم گھر میں بیٹھے رہتے تو یہ تحفے تمہیں ملتے؟ انہوں نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا۔ یہ سب بیت المال میں جمع کر دو، کیونکہ جو شخص خدمت کا معاوضہ پاتا ہے اس کے علاوہ وہ کسی سے تحفے وصول نہیں کر سکتا۔ یہ تحفے رشوت کے ہیں اور قیامت کے دن رشوت کے تحفے اور رشوت پہ بنائے ہوئے ساز وسامان و مال واسباب اس کی گردن پہ سوار ہوں گے۔ خوب سمجھ لو کہ رشوت دوزخ کے انگارے ہیں۔

۳۔ اسی سلسلے کا دوسرا کردار ملاحظہ فرمائیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تھے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا تھا کہ مملکت کا ٹیکس وغیرہ ان سے وصول کر کے لائیں۔ خیبر کے یہودی قرآن کریم کے مطابق

Marfat.com

لینے اور دینے میں بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے ابن رواحہؓ کے سامنے زیور کا ڈھیر لاکر رکھ دیا جس کی قیمت اس زمانے میں بھی ہزاروں سے متجاوز تھی قیمتی زیورات ہی نہ تھے، نادر چیزیں بھی تھیں۔ یہ سب قیمتی زیورات ابن رواحہؓ کے سامنے رکھ کر درخواست کی گئی کہ انہیں ہم خوشی سے آپ کو دے رہے ہیں انہیں قبول فرمالیجئے۔ انہوں نے سوچا کہ یہ سب کچھ اس لئے پیش کیا جارہا ہے کہ میں خدا کی حدود میں کمی بیشی کروں۔ کیا میں ایسا کرسکتا ہوں اگر ایسا کروں تو میرا ایمان سلامت رہ سکتا ہے؟

ظاہر بات ہے ایسا کرنا غلط تھا۔ جب ہم کلمہ پڑھتے ہیں تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کے حکم پر عمل کریں گے۔ قرآن کریم میں یہودیوں کی وعدہ خلافیوں کا بار بار ذکر آیا ہے۔ ان کے علماء نے رشوتیں لے کر خدا کی حدود اور قانون کو بدل دیا یعنی تھوڑے سے دنیا کے ناپائیدار فائدے کے بدلے میں دیانتداری و امانتداری کے وعدے کے بھی پابند رہے کہ وہ خدا کی حدود اور حکومت کے قوانین اور ضابطوں میں رشوت لے کر ردوبدل نہیں کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے سامنے جب جڑاؤ زیورات کا ڈھیر لگا دیا گیا اور ان کی چمک دمک سے ان کے ایمان کا سودا کرنا چاہا کہ یہ رشوت کے طور پر قبول فرمالیں اور ہمارا ٹیکس آدھا کردیں، اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے حکومت کا نقصان ہے تو اس کی تمہیں کیا پرواہ ہے۔ ابن رواحہؓ نیک اور خدا ترس صحابی رسولؐ تھے۔ اللہ نے انہیں اس آزمائش سے نکالنا چاہا تو انہیں جرأت دے دی کہ انہیں ڈانٹ کر ان کا مال ٹھکرا دیا۔ یہ آزمائش کی گھڑیاں سب پہ آتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق بخشے کہ وہ خدا اور رسولؐ کے ساتھ ایمان لانے اور ان کے احکامات کو ماننے کے وعدہ پر مضبوط اور ثابت قدم رہے۔ خدا کی گرفت ہر کسی کے لئے ہے۔ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا عام آدمی، عالم ہو یا جاہل ہر ایک کو خدا کے آگے جواب دہ ہونا ہے۔ حکم ہے کہ حرام کی کمائی اور رشوت کے پیسے پر نہ حج ہوتا ہے نہ قربانی، ان کی نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ نیکیاں قبول کی جاتی ہیں، خدا ہمیں ایسی محرومیوں سے بچائے۔

سفارش

رشوت کی طرح دوسروں کے حقوق کی پامالی، حق تلفی اور ناجائز فیصلوں کا موجب یا حاکم اور صاحب اختیار حضرات کی قوت فیصلہ پر اثر انداز ہونے والی شے ہمارے معاشرے میں سفارش ہے۔ سفارش کی معاشرتی بیماری کے علاوہ ایک دوسری روحانی قسم بھی ہے اور وہ بھی ہمارے عقیدۂ توحید اور خدا پر بھروسے کے خلاف ہے بلکہ شرک ہے کہ ہم مختلف مشرکانہ ذریعوں سے خدا کے فیصلوں کو بدلنے کی سعی کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے کہ اللہ کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کون سفارش کرسکتا ہے۔ سورۂ کہف میں ایک فرمان خداوندی کا مطلب ہے کہ کفار نے یہ عقیدہ جما رکھا ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ کر بندوں کو اپنا کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا بناتے ہیں اور انہیں یہ خیال ہے کہ ہم (اللہ) ان کی بازپرس نہ کریں گے۔ ہم نے ایسے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ سورۂ سبا میں تنبیہ کی گئی ہے کہ "اے پیغمبرؐ ان مشرکین سے کہو کہ

Marfat.com

تم جن کو شریکِ خدائی سمجھتے ہو انہیں پکار کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ زمینوں اور آسمانوں کی سلطنت میں انہیں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں ۔" خدا کے ہاں بجز اس ایک ذات کے جسے وہ خود اجازت دے گا کسی کو سفارش کی اجازت نہیں اور یہ اشارہ صرف رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے ۔ چنانچہ ایک حدیث شریف کا مطلب ہے کہ جب موذن اذان کہے تو سننے والا بھی اس کے کلمات دہرائے ۔ اس کے بعد مجھ پر درود بھیجے ۔ پھر میرے لئے وسیلہ طلب کرے جو جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے اور ضروری ہے کہ خدا کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کو وہ مقام حاصل ہوگا اور مجھے امید ہے کہ میں ہی اس مقام پر فائز ہوں گا ۔ پس جو میرے لئے وسیلے کا طالب ہوگا قیامت میں وہ میری شفاعت کا مستحق ہوگا ۔

سورۂ زمر میں ارشاد ہے : "کیا ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو اپنا سفارشی مقرر کیا ہے ۔ اے پیغمبرؐ انہیں کہو کہ جس حالت پر ان کا قابو نہ ہوگا اور عقل سے بھی عاری ہوں گے ، تب بھی ان کو ہی کارساز سمجھتے رہو گے ۔" کسی چیز پر قابو نہ ہونے اور عقل سے عاری ہونے سے مراد مرنے کے بعد کا وقت ہے ۔

بعض لوگوں نے حضرت عزیرؑ کو بعض نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بنا لیا ۔ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی اولاد ٹھہرایا ۔ ان سے مدد مانگنی شروع کر دی ۔ قرآن کریم اس قسم کے وسیلوں اور سفارشوں سے منع کرتا ہے ۔ امام ابن تیمیہؒ اپنے ایک مشہور فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ فرشتے نبی یا کسی شیخ ، ولی یا پیر سے ، چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ ، یوں کہا جائے کہ میری مغفرت کیجئے یا کرائیے یا دشمن پر فتح دیجئے یا دلوائیے یا میرا کوئی رکا ہوا کام پورا کیجئے یا کرائیے ۔ اس قسم کی ہر التجا اور ہر بات منع ہے جو کسی پیر فقیر یا اللہ کی مخلوق سے ایسی درخواست کرتا ہے ، شرک کرتا ہے ۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ۔ جب تمہیں کوئی سوال کرنا ہو تو اللہ سے کرنا اور مدد مانگنا ہو تو اسی سے مانگنا ۔ خداوند تعالیٰ کے معاملات ، اور اس کی طرف سے بندوں پر آنے والی مصیبتوں میں جس طرح دوسروں کی امداد اور سہارا طلب کرنا ، بری بات اور اسلامی تعلیمات کی رو سے شرک ہے ۔ اسی طرح اپنی روزمرہ کی زندگی کے معاملات میں بھی حاکموں تک رسائی کی راہیں تلاش کرنا ، ان کے خیالات ، فیصلوں اور سرکاری ضابطوں پر اثر انداز ہو کر اپنے حق میں فیصلے کرانا بھی ایک گونہ خدا پر بھروسے ، توکل اور اس کے سہارے کو چھوڑنے کے مترادف ہے اور شرک ہے ۔ یہی نہیں بلکہ سفارشوں کے ذریعہ دوسروں کی حق ماری ، حق تلفی اور زیادتی ہے اور ناجائز ہے ۔

سفارش کی اقسام

قرآن کریم کی آیت کی رو سے ایک سفارش حسنہ بھی ہوتی ہے یعنی برحق سفارش اور جائز بات اور حق کی سفارش ہے جسے جائز اور کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی غربت ، نارسائی اور عدمِ تعلقات کے باعث اپنا جائز حق نہیں حاصل کر سکتا تو سفارش کرانا جائز ہے اور ایسے معاملات میں سفارش کرنے والے کو اجر بھی ملے گا ۔ دوسری سفارش سیئہ یعنی بری اور ناجائز سفارش ہے کہ جس سے کسی کو حق سے محروم کر کے دوسرے کو دلایا جائے ۔ عدالتوں میں ناجائز مقدمات کا سفارش کے زور پر اپنے حق میں فیصلہ حاصل کیا جائے ۔ سفارشوں کے ذریعہ صاحبانِ اختیار و اقتدار سے فائدے حاصل کئے

جائیں۔ پرمٹ، لائسنس، ملازمتیں، عہدے، ترقیاں، تبادلے، سنگین جرائم میں معافیاں دلانا، خویش پروری اور اقربا پروری اور دوست نوازیاں حاصل کرنا۔ یہ سب غلط اور ناجائز قسم کی سفارشوں کا چلن پاکستان میں عام ہے اور معاشرتی بگاڑ اور فساد کا موجب ہیں۔ سرکاری حکام اپنے عہدوں کے زور پر، وزراء اپنی وزارتوں کے رعب سے، اسمبلیوں کے ممبران اپنے اس اثر و رسوخ سے کام لے کر مجرموں کی پرورش کرتے ہیں، انہیں تحفظ فراہم کرتے ہیں اور انہیں سنگین سے سنگین مقدمات سے چھڑا لیتے ہیں۔ بھرتیاں انہیں کی مرضی پر ہوتی ہیں۔ ترقیاں اور تبادلے ان کی جنبشِ ابرو پر ہوتے ہیں اور منسوخ ہوتے ہیں۔ مراعات انہیں کی سفارش پر ملتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک سے بدامنی، چوری، ڈکیتی، رہزنی، سمگلنگ اور ناجائز کاروبار کی لعنت ختم نہیں ہوتی۔ سرکاری محکمے اپنی مرضی اور صوابدید پر اپنے انتظامی امور چلانے میں بے بس ہیں اور خود بھی ان لوگوں کی سفارشوں کی پذیرائی کر کے اپنے جرائم، غبن اور ہر قسم کی کرپشن میں آزاد ہو جاتے ہیں۔

وَمَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡہَا وَمَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ کِفۡلٌ مِّنۡہَا۔ نیک بات اور جائز کام کی سفارش پر اجر ملے گا اور بری بات اور ناجائز کام کی سفارش کا بھی اسے حصہ ملے گا۔ گزشتہ اوراق میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی قبیلہ مخزوم کی فاطمہ نامی لڑکی کے مقدمہ میں چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کے سلسلہ میں سفارش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب ناک ہو کر فرمایا تھا کہ تم خداوند تعالیٰ کی حدود کے نفاذ میں رکاوٹ بنتے ہو، پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوئی تھیں کہ ان کے بڑے لوگ قانون کی گرفت سے خود کو بچاتے تھے اور چھوٹے اس کی زد میں آ کر سزائیں پاتے تھے۔ آج ہمارے اردگرد وہی حالات ہیں، نہ جانے ہماری ہلاکت اور بربادی کب آنے والی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ جس نے سفارش کی اور ہدیہ دیا اور وہ ہدیہ قبول کر لیا گیا تو سود کے شعبہ میں بڑے سود کا مرتکب ہوا۔ اور پھر فرمایا کہ جو شخص اپنی یا کسی دوسرے کی سفارش کے ذریعہ کسی حکم اور حد کو روکتا ہے کہ نافذ نہ ہو سکے وہ قانون الٰہی کی مخالفت کرتا ہے۔ رشوت خوری اور سفارش برائیوں کی جڑیں ہیں جس کے پیٹ میں چنے کے برابر بھی حرام مال ہو گا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ خداوند کریم ہمیں ان دونوں لعنتوں سے بچائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

Marfat.com

تکبّر و خود بینی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت زیر بحث	الاعراف رکوع ۲۔ ابلیس کا نعرۂ امتیاز و خود بینی، قصّہ آدم و ابلیس میں ابلیس کا دعویٰ برتری۔ صاغرین کی تشریح۔ ابلیس کا اپنے غرور پر اڑنا اور آدمؑ کا غلطی کی معافی مانگنا۔
۲	غرور کے نفسیاتی اسباب	(۱) نسلی امتیاز۔ پیدائش و تخلیق کسی کی خود اختیاری اور کسبی نہیں ہے، خدا کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ (۲) آخرت سے انکار، سورۂ النحل ۲۲ (۳) سرداری اختیارات (۴) مالداری، جاگیرداری۔
۳	آدم کی تخلیق اور خاکسارانہ مزاج	آگ اور مٹی کے طبعی خواص کا فرق۔ انسانی و شیطانی مزاج میں واضح ہے۔ آگ میں انفرادیت، مٹی میں اجتماعیت ہے۔ پیدائش سے موت تک۔ خاک نشینی کے ثمرات۔
۴	غرور تکبّر کا انجام	(۱) موجب فساد ہے کارِ ابلیس ہے (۲) ایمان سے محرومی، سورۃ الصّٰفٰت (۳) خدا کی محبّت سے دُوری، سورۂ النحل، سورہ نساء (۴) جہنّم کا ٹھکانہ (۵) قیامت کے دن پشیمانی آ جانی
۵	عبرت کا مقام	دنیا پر کیا غرور۔ سکندر جب دنیا سے گیا دونوں ہاتھ خالی تھے۔
۶	واقعات و امثال	مزنہ مروان بن محمد کی بیٹی اور خیزران خلیفہ مہدی کی شریک حیات کا واقعۂ عبرت۔ نمرود کی پرورش اور دعویٰ خدائی کا قصّہ۔

تکبّر و خود بینی

آیت معہ ترجمہ

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔ (سورۂ اعراف: ۱۲،۱۳)

"اے ابلیس جب تجھے آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو کس چیز نے تجھے اس حکم کو ماننے سے منع کیا۔ ابلیس نے جواب دیا۔ میں اپنی پیدائش کے اعتبار سے آدمؑ سے بہتر ہوں۔ کیونکہ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور اسے گارے سے بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے نکل جانے کا حکم دیا۔ تمہارے غرور کی وجہ سے یہاں تمہیں رہنے کا حق نہیں ہے، میرے اطاعت گزاروں کے حلقے سے نکل جا کہ تم نے خود اپنے آپ کو چھوٹی حیثیت اور ذلت کا مستحق بنا لیا ہے۔

تفسیر و تشریح

سورۂ الاعراف کی مندرجہ بالا آیات میں شیطان کے آدم کو سجدہ نہ کرنے اور خدا تعالیٰ کے حکم کو نہ ماننے کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے اس میں خود شیطان کی زبان سے احکام خداوندی کے انکار اور سجدہ نہ کرنے کی وجہ شیطان کا اپنی بہتر اور برتر تخلیق پہ غرور کا نتیجہ بیان کیا گیا ہے اور پھر تکبّر کے بعد اُسے جس سزا کا مستحق قرار دیا گیا، وہ خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے مقربین اور اطاعت گزاروں کے حلقے سے نکال دینے کی صورت میں دے دی ہے۔ آیت کے صرف اسی پہلو پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تکبّر اور خود بینی کتنا بڑا جرم ہے اور اس کی سزا کس قدر سخت اور دائمی ہے۔ تخلیق کے اعتبار سے شیطان کی آگ سے تخلیق اس کا ذاتی کمال، اس کی ذاتی محنت، کوشش اور اس کے ذاتی انتخاب کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اپنی پیدائش کے بارے میں فخر اور غرور بالکل بے معنی اور بے حقیقت بات تھی، کیونکہ پہلے تو یہ قابلِ فخر بات نہیں اور نہ ہوتی بھی تو یہ محض عطیہ خداوندی تھا۔ اللہ کی مشیّت، مرضی اور ارادے کا نتیجہ تھا۔ جب خدا کا عطیہ تھا تو پھر خدا ہی کے حکم کو نہ ماننا سرکشی اور رُوتابی کا رویہ اختیار کرنا کسی طرح زیب نہ دیتا تھا بلکہ اُسے تو اور زیادہ شکر گزار اور اطاعت شعار بننا چاہیے تھا۔

صاغرین

صاغر عربی زبان میں ایسے شخص پر بولا جاتا ہے جو ذلت، جھوٹی حیثیت اور رسوائی کو خود اپنی مرضی سے اختیار کرے۔ شیطان نے بھی برتری اور بڑائی کا ایک معیار خود قائم کیا۔ عزّت

Marfat.com

اور برتر ہونے کا ایک تصوّر اُس نے خود سوچا جس کے نتیجے میں اُسے خدا کا حکم اپنے لئے موجب توہین نظر آیا تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ وہ خود اپنی ذلت اور جھوٹی حیثیت پر اصرار کر رہا ہے۔ پیدائش کسی کا ذاتی استحقاق نہیں ہوتا ہے اللہ چاہتا ہے جسے جس چیز سے بناتا ہے جسے چاہتا ہے بادشاہوں کے ہاں جنم دے دیتا ہے جسے چاہتا ہے کسی غریب خاندان میں پیدا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کسی اچھے خاندان، اچھی نسل یا اچھے گھرانے میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور دوسرے کو اس سے کمتر خاندان، قبیلے اور گھرانے میں پیدا کرتا ہے۔ یہ تو کسی کا ذاتی استحقاق نہیں ہے کہ خود کو واقعی بڑا اور صاحبِ عزت تصور کرے اور اس پر اتنا اترائے، اتنا تکبّر کرے کہ خود کو خدا کی بندگی کے مقام سے بالاتر سمجھنے لگ جائے اور خدا کو اپنا رب اور معبود ماننے سے انکار کر دے اور بغیر حق کے اُس کی زمین، اس کی پیدا کی ہوئی کائنات اور اس میں موجود وسائل کو بروئے کار لا کر بھی خود کو بڑا بناتا پھرے تو یہ بات، یہ روش اور رویّہ حق اور استحقاق سے منافی ہے۔

اصا ، اصل اعزاز اور اصل عزّت تو اس میں ہے کہ انسان خدا کی طرف سے دی ہوئی عزّت، بڑائی پر شکر گزار رہے اور قدر عتیار کرے اور اُس کے احکامات کی تعمیل کرے۔

سو شیطان سے یہ غلطی سرزد ہوئی۔ اُس نے نسلی امتیاز کا سب سے پہلے نعرہ بلند کیا اور خدا کے حکم کے انکار کا مجرم ٹھہرا۔ اس قصۂ آدمؑ وابلیس میں یہ بات سامنے آتی ہے۔ آدم کی برتری اور سجدے کا مستحق وہ علم تھا جسے خداوند تعالیٰ نے انہیں عطا کیا اور فرشتوں اور ابلیس کے ہاں اس کی عدم موجودگی تھی جس کے باعث انہیں آدمؑ کی تکریم و تعظیم کا حکم ملا۔

دوسری بات یہ کہ آدمؑ کو بھی ایک حکم یا نصیحت دی گئی تھی اور شیطان کو بھی حکم ملا تھا، مگر آدمؑ نے اس حکم کی غیر شعوری طور پر خلاف ورزی کی اور شیطان نے کھلم کھلا علمِ بغاوت بلند کیا۔ آدمؑ اپنی غلطی پر پشیمان ہوئے، ندامت محسوس فرمائی، مگر شیطان اکڑا رہا۔ اپنی گستاخی اور حکم عدولی کو سچا ثابت کرنے کے لئے اُس نے خدا سے مہلت طلب کی تاکہ وہ اپنے بہلاوُں، بھٹکاوُں اور بدراہی و گمراہی کے راستوں پر آدمؑ کی اولاد کو ڈال کر یہ ثابت کرے کہ خدا کی یہ مخلوق اس تعظیم اور قدر و منزلت کی مستحق نہیں تھی جس کا اس سے مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اُسے اس قسم کی مہلت ملنا اور قیامت تک گمراہی پھیلانے اور بدراہی پہ لوگوں کو آمادہ کرنے کی اجازت دے دینا خدا کی یہی مصلحت اور حکمت تھی کہ کون اپنے ذاتی تفاخر، نسلی امتیاز، دولت کے گھمنڈ اور سرداری کے غرور میں شیطانی قوتوں کا ساتھ دیتا ہے اور کون آدمؑ کی طرح خداوند تعالیٰ کے حکم کو مان کر اُس کے اپنے ربّ کی منشاء اور ارادوں پہ چل کر یا کبھی او رکہیں شیطان کے بہکاوے میں آ کر حکم عدولی کر بیٹھے تو ندامت و پشیمانی کا اظہار کر کے ———— توبہ و استغفار کے ذریعہ کھوئے ہوئے مقامِ بندگی، اس کی خوشنودی اور اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے اور کون گستاخی و سرتابی کی روش کو برقرار رکھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شیطان رجیم بن جاتا ہے۔

شیطان کی مردودیّت، رجمیّت اور خدا کی قربت اور خدا کے حلقۂ عبادت سے دُوری کا نتیجہ اس کا فخر اور غرور تھا۔ یہ فخر اور غرور جب بھی اور جو بھی قوم، فرد یا اشخاص اختیار کریں گے شیطان کے اسی انجام سے دوچار ہوں گے اور وہ

Marfat.com

شیطان کے چیلے، اُس کے گروہ اور اُس کی جماعت کے افراد ہوں گے اور جو لوگ، قومیں یا افرادِ آدمؑ کی روش اور رویّہ کو اختیار کریں گے، خدا کو اپنا رب مانیں گے، اُسے اپنا خالق اور معبود سمجھیں گے، اُس کے احکامات پر بلاچون وچرا عمل کریں گے، شیطان کی طرح فلسفے نہ بگھاریں گے، عُذر اور معذرتیں نہ پیش کریں گے اور اگر کوئی گناہ، کوئی حکم عدولی اور سرتابی شعوری یا غیر شعوری ہو جائے تو اُس پر نادم ہو کر اپنے رب کے حضور گڑگڑائیں گے، معافی طلب کریں گے اور توبہ کریں گے تو ایسے افراد و اقوام آدمؑ کے گروہ، جماعت اور پارٹی کے لوگ ہوں گے۔ گویا ازل سے ابد تک یہی دو گروہ آپس میں برسرِ پیکار اور برسرِ جنگ ہیں ایک حزب اللہ کا گروہ جس کے نمائندے آدمؑ ہیں اور دوسرا حزب الشیاطین، شیطانوں کا گروہ جس کا نمائندہ وہی ابلیس ہے جس نے آدمؑ کی نیابت اور خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

فخر و غرور کے اسباب فخر اور غرور کا پہلا سبب تو وہی ہے جس کی بنیاد پر شیطان نے خدا کے حکم سے انکار کیا یعنی نسلی امتیاز اور تخلیقی اشتیاز کہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدمؑ مٹی سے بنے ہیں۔ اُس وقت سے لے کر آج تک یہ نعرہ شیطان کی اولاد کا نعرہ ہے کہ ہم خاندانی لوگ ہیں، ہم اعلیٰ نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہمارے قبیلے اور قومیں، نسلیں اور خاندان افضل و برتر ہیں اور کوئی یہ نہیں سوچتا کہ یہ فضیلت اور برتری تمہیں کس نے دی ہے۔ کیا خود کوئی بچہ دوڑ کر اعلیٰ قبیلے میں پیدا ہو گیا ہے اور اس نے یہ حق خود بڑھ کر حاصل کر لیا ہے، اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس پر غرور کرے، اترائے اور دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگ جائے۔ خدا نے اس فضیلت اور برتری کی خود نفی کر دی۔ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات) ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور گروہ محض تمہارا تعارف ہے۔ عزت مند اور فضیلت مآب تو وہی ہے جو خدا کے نزدیک تقویٰ دار ہوگا۔

آخرت سے انکار سورہ النحل آیت ۲۲، ۲۳ میں ارشاد خداوندی ہے۔ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کے دل قیامت میں خدا کے رُوبرو پیش ہونے سے مُنکر ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اعمال و افعال میں اتنے ——— غیر ذمہ دار بن جاتے ہیں کہ اُنہیں کسی کی باز پُرس اور جوابدہی کا ڈر نہیں ہوتا، یہ غرور اور تکبر پر اتراتے ہیں اور خدا کی بندگی کے مقام سے خود کو بالاتر سمجھ کر خدا کو اپنا رب ماننے سے انکاری ہو جاتے ہیں اور کسی استحقاق کے بغیر زمین پر بڑا بنتے پھرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں صداقت باقی نہیں ہوتی اور نہ کسی حقیقت کو ماننے پر تیار ہوتے ہیں، وہ خود کو آزاد، خودمختار اور غیر ذمہ دار سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

سورۂ مومن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کذالک یطبع اللہ علیٰ کُلّ قلب متکبّرٍ جبّار۔ خدا کی آیات پر جھگڑنے والے بغیر کسی دلیل اور سند کے جھگڑتے ہیں جو ایمان لانے والوں کے لئے مبغوض کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ ہر

Marfat.com

متکبّر کے دل پر ٹھپّہ لگا دیتا ہے۔ یہ لعنت اور جہالت کی مہر ہوتی ہے جس میں تکبّر کی ہوا بھری ہوتی ہے۔ جھوٹا پندار جس کی وجہ سے وہ خدا کے آگے سر جھکانے کو اپنی حیثیت سے فروتر سمجھتے ہیں۔ وہ خدا کی مخلوق پر ظلم اور جبر کرتے ہیں، جس کی کھلی چھوٹ حاصل کرنے کے لئے وہ شریعت کی پابندیوں سے بھاگتے ہیں۔

آخرت کے یہ منکر جب قیامت کے دن آگ کے سامنے لائے جائیں گے تو انہیں کہا جائے گا۔ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۔(الاحقاف:۲۰)

تم نے اپنے حصے کی نعمتیں دنیا میں ختم کر دیں، ان سے لطف اٹھا چکے ہو، تم جو زمین میں کسی حق، سند اور دلیل کے بغیر تکبّر کرتے رہے، نافرمانیاں کرتے رہے۔ اس کی پاداش میں یہ ذلت آمیز عذاب دیا جا رہا ہے۔

سرداری، اختیارات پر ناز

اللہ تعالیٰ کسی قوم میں نبی بھیجنے سے پہلے اسے قحط سالی، آفات اور مصائب میں مبتلا فرماتے ہیں تاکہ ایسی فضا تیار ہو جائے جس میں اُن کے دل نرم ہو جائیں۔ اُن کا معاشی پندار مٹ جائے۔ اپنے ذرائع و وسائل اور قابلیتوں پر اُن کے غرور کو شکست مل جائے اور اُن کے کان نصیحت سننے پر آمادہ ہو جائیں۔ سورۂ یونس میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی قوم کے اسی پس منظر میں ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۔ (سورۂ یونس: ۷۵)۔ ان کے معاشی، مالی اور اعلیٰ حیثیت کے پندار کو سخت تکالیف اور مصائب میں مبتلا کر کے شکست دینے کے بعد جب موسیٰؑ اور ہارونؑ کو ان میں مبعوث کیا اور اس قوم کے تمام بڑوں میں جب وہ آئے تو فرعون اور اُس کی حکومت کے اعیان و انصار کے جتنے بڑے لوگ تھے اُنہوں نے پھر بھی تکبّر کی روش اختیار کی، کیونکہ وہ ایک مجرم قوم تھے۔ بڑا بننا اور خود کو بندگی سے بالاتر خدائی کا دعویدار بن جانا فرعون اور حکام اور قوم کے بڑوں کا خاصا تھا۔ قرآن کریم میں جہاں بھی انکارِ رسالت، انکارِ خدا اور انکارِ شریعت کا ذکر ہے اس میں قوم کے بڑوں اور سرداروں کے اس متکبّرانہ کردار کا حوالہ دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کشمکش میں یہی سردارانِ قریش اور اکابرینِ قوم پیش پیش تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ابتدائی اسلام لانے والوں کی سماجی، معاشی اور معاشرتی حالت ان سے فروتر ہے۔ وہ ان میں ایمان لا کر کس طرح میل جول رکھ سکتے تھے۔ وہ خود کو بڑی چیز سمجھتے تھے۔ پھر دوسری اہم بات یہ ہے کہ ایمان لا کر اسلامی مساوات، اسلامی برادری اور اسلامی اخوت و بھائی چارے کی جو فضا اسلام میں مقصود تھی اس میں ان کی انفرادیت، امتیازی حیثیت اور اعلیٰ شان و شوکت کیسے برقرار رہ سکتی تھی۔ وہ تو پیغمبری، بعثت اور بزرگی کے تمام مناصب کا اہل خود کو سمجھتے تھے اور اسلام میں فرعونوں اور اُن کے سرداروں یا قریشِ مکہ کے ذی حیثیت لوگوں کو اپنی موت نظر آتی تھی۔

آج بھی ہم اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو کچھ اسی قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ اسلامی اقدار، اسلامی روایات اور اسلامی زندگی کے بچے کھچے آثار غریبوں میں ملتے ہیں۔ ایک صف میں محمود و ایاز کھڑے نظر نہیں آتے۔ مسجد میں

Marfat.com

یں غریب نمازیوں کے دوش بدوش کھڑا ہونا ان کی امارت اور حیثیت کے منافی ہوتا ہے۔ وہ غریبوں کی محبت، ہمدردی اور اُن کے حقوق کے دعوے تو کرتے ہیں مگر اُن میں جانا، اُن کی طرح رہنا، اُن کے غم خوشیوں میں شرکت اور دکھ سُکھ میں حصّہ لینا اپنی شان کے منافی سمجھا جاتا ہے۔

سورۂ لقمان میں باپ کی زبانی بیٹے کو جو نصیحت فرما کر مسلمانوں کو نصیحت اور حکم دیا گیا ہے: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو اور زمین پر اکڑ اکڑ کر چلو، اللہ تعالیٰ خود پسندوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسرے موقعہ پہ فرمایا گیا کہ تم اپنی اس فخر و غرور والی رفتار سے نہ تو زمین کو پھاڑنے کی قدرت رکھتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندیوں تک سر اُونچا لے جا سکتے ہو۔ پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا۔ واخفض جناحک للذل۔ الخ۔ اپنے بازو اسلام لانے والے غریب اور مسکین لوگوں کے لئے کھول دو، کشادہ بازوؤں سے ملو اور خندہ روئی سے پیش آؤ تو کیا ہمارے سرکاری افسران، ارکانِ حکومت اور دولتمند لوگ اس قسم کے مظاہرے دکھاتے ہیں۔

غرض تکبّر اور خود بینی کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔ اسی نے شیطان کو مردود اور مترود بنایا اور تمام انبیاء کے ساتھ مخالفتوں، دشمنیوں اور کش مکش کا ذریعہ بنی اور یہی تکبّر اور خود بینی انسان کو دوسرے انسانوں سے معاشرتی روابط، باہمی ہمدردی، پیار و اخوّت، ایثار و قربانی سے روکتی ہے۔ اسی تکبّر اور غرور کے نتیجے میں مختلف نسلی، گروہی، لسانی اور وطنی فتنے کھڑے ہو کر ملّتِ اسلامیہ کے لئے زوال اور باہمی سر پھٹول کا سبب بنتے ہیں۔ یہی تکبّر اور خود بینی انسان کو خدا کی بندگی، خدا کے سامنے خود سپردگی اور کامل و مکمل اطاعت سے روکتی رہی اور روک رہی ہے۔ شیطان ایک آدم کے سجدے کا انکاری ہو کر مردود ہوا تو انسان اپنے تکبّر اور غرور کے باعث خدا کے سامنے سجدوں سے منکر ہوتا ہے۔

؎ شیطان ہزار مرتبہ بہتر زبے نماز — اُو سجدہ پیش آدم و ایں پیش حق نہ کرد
چھوڑ کر اپنی تعلّی کر تواضع اختیار — رتبہ مسجد کے منارے کا ہے کم محراب سے

آدم مٹی سے پیدا کئے گئے اور مٹی یا خاک اپنی طبیعت اور فطرت کے اعتبار سے عاجزی اور مسکینی کی صفت رکھتی ہے۔ یہی مٹی انسانی غذاؤں اور انسانی ضرورتوں کے خزانے اپنے اندر رکھتی ہے، انسانی پرورش کرتی ہے، طرح طرح کے غلّے، پھل اور درخت اُگتے ہیں جن سے آدمی کی ضرورتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ آدمی اس کی گود میں پلتا، کھیلتا اور بڑا ہوتا ہے اور پھر اسی کی گود میں لیٹ جاتا ہے۔ یہ اس مردے کو اپنے دامن میں پیار اور محبت سے اپنی گود میں سمیٹتی ہے جسے کوئی بھی اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتا، حالانکہ وفات سے پہلے وہ ہر کسی کا باپ، خاوند، بھائی رشتہ دار اور محبوب دوست ہوتا ہے، مگر وہی سارے رشتے اسے اُٹھا کر زمین کے حوالے کر آتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ زمین سے بنا ہے، خاک کا پُتلا ہے تو خاکساری اختیار کرے، غرور و تکبّر چھوڑ دے جو آگ کی خاصیت ہے کہ کسی کو قریب پھٹکنے نہیں دیتی، جو گرماتی ہے مگر دُور رکھ کر کسی کا قرب اسے پسند نہیں، کسی دوسرے وجود کو وہ برداشت نہیں کرتی۔ جلاتی ہے، بھڑکتی ہے اور شعلے مارتی ہے۔ انسان تو خاک ہے اور خاک کا ہر کسی

سے ساتھ ہے۔ پیدائش سے وفات کے بعد تک، ازل سے ابد تک۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

۱۔ ہر کہ شد خاک نشین برگ و برے پیدا کرد — سبز شد دانہ چو باک سرے پیدا کرد
۲۔ در خاکِ برو چو بیلقان رسیدم بہ عابدے — گفتم مرا بہ تربیّت از جہل پاک کن
۳۔ گفتا برو چو خاک تحمل کن اے فقیہ — یا ہر چہ خواندۂ ہمہ در زیر خاک کن

۱۔ جو کوئی بھی خاک نشین خاکساری اختیار کرے گا، وہ پتے اور پھل پیدا کرے گا یعنی دوسروں کے لئے فائدہ مند ہوگا اور خود اس کا وجود قیمتی ہوگا۔ وہ سرسبز و شاداب رہے گا، خوشی و خوشحالی کا موجب بنے گا۔ بیج کی طرح جو خاک میں مل جائے گا، غرور و تکبّر چھوڑے گا تو نفع آور ہوگا۔

۲۔۳۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں: میں بیلقان کی (بلقان مراد ہوگا) سرزمین پر ایک عابد و زاہد کے پاس پہنچا۔ اس سے درخواست کی کہ مجھے اپنی تربیّت کے ذریعہ جہالت۔ غرور و تکبّر۔ سے پاک کر دیجئے۔ اس نے فرمایا۔ جاؤ اور مٹی کی طرح خود میں بُردباری، تحمّل اور مسکینی پیدا کرو اور جو کچھ تم نے پڑھا اسے مٹی میں ملا دو تاکہ علمی غرور باقی نہ رہے۔

خود بینی اور تکبّر کا انجام

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اسے ان لوگوں کے لئے سودمند بنا دیا گیا کہ وہ اسے اپنی آخرت کے لئے ایسی فصل بوئیں جس کے اچھے ثمرات اور اثرات وہاں کاٹیں اور دنیا میں تکبّر اور غرور کا ارادہ کر کے اس میں فتنے اور فساد نہ پھیلائیں۔ سورۂ قصص میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا الخ دنیا کی اس کھیتی کو ایسے لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے جو اس میں اپنی برتری اور غرور کے باعث فساد کا بیج نہیں بوتے۔ معلوم ہوا کہ دنیا کا امن و سکون تکبّر اور غرور کے نتیجے میں فساد کے ذریعہ تباہ و برباد ہوتا ہے۔

ایمان سے محرومی

غرور و تکبّر کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان نہیں لاتے، کیونکہ وہ غرور کے نتیجے میں خود کو خدا کی بندگی اور اطاعت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ سورۃ الصّٰفّٰت رکوع ۲ میں اسی حقیقت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ۔ وَ یَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ؕ یہ تکبّر اور غرور کرنے والے وہ لوگ ہیں جب انہیں کہا جاتا ہے کہ خدا کے بغیر کوئی دوسرا معبود نہیں ہے، بتوں کی پرستش چھوڑ دو تو جواب میں کہتے ہیں کہ کیا ہم اپنے خداؤں کو، اس شاعر اور مجنون کی خاطر چھوڑ دیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شاعر اور مجنون کہہ کر خدا اور رسالت کا انکار نہایت متکبّرانہ انداز میں کرتے ہیں۔

خدا کی محبّت سے محرومی

قرآن کریم میں بار بار ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبّر اور غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اس لئے تکبّر اور غرور بدی اور برائی کے نمائندے شیطان کی صفت ہے اور عاجزی و مسکینی، خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری آدمؑ کی نمائندگی کرتی ہے۔ سورۂ النحل میں

Marfat.com

ارشاد ہوتا ہے: لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ خداوند تعالیٰ منکرینِ خدا کی چھپی اور ظاہر باتوں اور اعمال سے واقف ہے۔ وہ تکبّر کرنے والوں کے ساتھ محبّت نہیں کرتا۔ سورۂ نساء میں فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ فخر اور غرور کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔

آخرت میں جہنّم ٹھکانہ ہوگا

سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے غرور اور تکبّر کے نتیجے میں خدا، رسالت اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا جو انتہائی بُرا ٹھکانہ ہے۔ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ۔ آخرت کے جس دن اور عذاب سے تم منکر تھے، اب اس عذاب کا مزہ چکھو جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور تکبّر کرنے والوں کے لئے بدترین ٹھکانہ ہے۔

قیامت میں پشیمانی وندامت

متکبّر اور غرور کرنے والے اپنی دنیاوی عزّت، جاہ، شان وشوکت، مرتبے اور دولت کے غرور میں خدا کو اپنا ربّ نہیں مانتے، اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ احکاماتِ الٰہی کی پابندی کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کی حالت سورۂ الزمر کے الفاظ میں یوں ہوگی کہ وہ عذابِ الٰہی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر درخواست کریں گے کہ انہیں ایک موقعہ دیا جائے تاکہ ہم نیک ہوجائیں اور احکامِ الٰہی، رسالت اور آخرت پر یقین کرکے نیکوکار بن جائیں انہیں جواب دیا جائے گا۔ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ۔ (الزمر: ۵۹) ہاں کیا تمہارے پاس میری آیات نہیں لائی گئی تھیں، جنہیں تم نے اپنے پندار میں جھوٹا جانا، تکبّر اور غرور کا مظاہرہ کیا، آپ تھے ہی کافر۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَی الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ۔ (الزمر: ۶۰) قیامت کے دن یہ تکبّر اور غرور کرنے والے، خدا پر جھوٹ باندھنے والے حقیقی معنوں میں قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں کے سامنے برپا ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے چہرے جھوٹ اور تکبّر کی ذلّت آمیزی کے نتیجہ میں کالے سیاہ ہوں گے جنہیں اپنی رنگتوں، خوبصورتیوں، اعلیٰ نسلوں پہ ناز تھا، وہ کالے بھجنگ ہوں گے۔ کیا جہنّم تکبّر کرنے والوں کے لئے نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔

حرفِ آخر

دنیا آنی جانی ہے۔ اس کے مال واسباب اور تمام وسائل عارضی اور فانی ہیں۔ ہم روزانہ اپنی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے لوگوں، بادشاہوں، حکومتوں اور حکومت کے صاحبِ اختیار واقتدار لوگوں کو مٹتے، فنا ہوتے اور مرتے دیکھتے ہیں۔ وہ عام غریب آدمی کی طرح دُنیا سے رخصت ہوتا ہے، سب ٹھاٹھ باٹھ پڑا رہ جاتا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے روس دنیا کی بڑی طاقت تھی۔ خدا کے انکار پر مبنی حکومت تھی، زوال آیا تو دنیا کے نقشے سے معدوم ہوگئی۔ خود پاکستان میں کتنے حکمران آئے، طمطراق سے کرسیوں پہ

Marfat.com

جلوہ گر ہوئے۔ خدا کے دین کے نفاذ میں رکاوٹ بنے، طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراشے گئے تاکہ اقتدار کو طول دے سکیں۔ کل تک جن لوگوں کے استقبال میں پھولوں کی پتیاں نچھاور ہوتی دیکھتے تھے، دوسرے دن انکو خوار و زبوں حال دیکھا۔ اقتدار وہ نشہ اور دولت کا وہ سارا غرور خاک میں ملتے دیکھا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے خدا کا دامن تھاما، اُس کے دین پر عمل کیا، اُس کی رضا و خوشنودی کو مقدم جانا۔ ذاتی، خاندانی، قبائلی تفاخر اور غرور کو پھینک کر غیر فانی اور جاودانی ذات خداوندی کی محبت میں خود کو سمو دیا تو وہ خود جاوداں ہو گئے۔ آج ان کی یاد، اُن کا ذکر، اُن کا احترام اور اُن سے عقیدت زمانے اور صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہمارے دلوں اور ذہنوں میں تازہ ہے: فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولا تکفرون۔ مجھے یاد کرو میں تمہاری یاد اور ذکر کو باقی رکھوں گا۔ میری نعمتوں کا شکر ادا کرو۔

واقعات وامثال

یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے وہ کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلیل کرتا ہے، مگر خدا کا قانون خود نہیں بدلتا، جو قومیں اور بندے عمل کے معیار پر پورے نہیں اُترتے وہ خدا کی بارگاہِ عظمت و جلال سے دھتکار دیئے جاتے ہیں۔ تعِزّ من تشاء وتذِلّ من تشاء۔ عزت و سرفرازی دینے والا وہی ہے اور عزت کے مقام سے گرا دینے والا بھی وہی ہے۔ قدرت کا یہ قانون اس وقت رُوبعمل ہوتا ہے جب آدمی اپنی حیثیت بھول کر مغرور بن جاتا ہے۔ غرور اور تکبّر، اَنا، شان، حماقت، نشہ قوت کی چمک دمک اُسے اندھا کر دیتی ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ کوئی صاحبِ عدل، مالک روز حساب میزان عدل و حساب لیے بیٹھا ہے۔ اس دنیا میں عمل کا سودا نقد ہے، قیامت کے انتظار کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

تاریخ کے ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ اس نقد سودے کو لیتے اور دیتے دیکھا ہے اور اس دنیا میں ان آنکھوں سے ہوتے دیکھا ہے کسی کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہو تو اور بات ہے، کسی نے عبرت و نصیحت حاصل نہ کرنے کی قسم کھائی ہو تو الگ بات ہے مگر تکبر اور غرور اور ظلم و زیادتی کا نقد سودا اور اُس کے تماشے ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں۔ مُزنہ مروان بن محمد کی بیٹی تھی، جس کا باپ کبھی تخت و تاج کا مالک تھا۔ زمانہ کی گردش سے اب یہ تاج و تخت اُن کے حریفوں کے قبضہ میں تھا اور مزنہ جو کبھی شہزادی تھی، ایک دن اپنی تباہ حالی اور بربادی کے ہاتھوں مجبور ہو کر خیزران کے محل میں داخل ہوئی۔ خیزران پڑھی لکھی لونڈی تھی۔ خلیفہ مہدی کی شریک حیات بن کر بادشاہ کی بیگم کہلائی۔ یہ زمانہ اُس کے عروج کا تھا۔ اُس نے اپنے دروازے پر اپنے حریف بادشاہ کی بیٹی کو اس حالت میں دیکھا تو ٹھٹھک گئی۔ مُزنہ نے کہا۔ مجھے معلوم ہے آپ مجھے جانتی ہیں، میں یہاں کیوں آئی ہوں، زمانے کے اُلٹ پھیر کا قصہ ہے۔ خیزران بولی محمد بن ابراہیم کی لاش کو بے گور و کفن سڑنے کے لئے چھوڑا تھا۔ تجھ سے کتنی بڑی بوڑھیوں نے، جو اُس کی عزیز تھیں، درخواست کی تھی کہ یہ لاش اُن کے حوالے کرنے کے لئے اپنے باپ کو کہہ دو لیکن تُو تو شہزادی تھی تکبّر اور غرور کے جھولوں میں جھولنے والی، تُو نے ہمارے دکھ درد کو نہ دیکھا اور ہماری التجاؤں کو ٹھکرا دیا تھا، گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا تھا، مارنے کو دوڑی تھی، ہم بے عزت ہو کر وہاں سے نکلے تھے۔ ظالم تُو نے نہ سوچا کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ آج تجھے اس حال میں دیکھ کر میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا ہے، جی چاہتا ہے تیری بوٹیاں نچوا کر کتوں

Marfat.com

کے آگے ڈال دوں۔

۱۔ مُزنہ نے خیزران کے غصّے اور اُس کی تحقیر آمیز باتوں کا خیال نہ کیا۔ آرام سے بولی۔ نادان، کیا تجھے یہ سزا پسند آئی جو اللہ نے مجھے دی ہے؟ تو بھی مجھے حقارت سے ٹھکرا رہی ہے اور اپنے غضب کی آگ میں مجھے جلانا چاہتی ہے۔ میرے انجام سے عبرت حاصل کر۔ نشۂ قوت میں اس قدر غرور تمہارے لئے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ مُزنہ یہ کہہ کر پلٹی کر نکل جائے۔ جاتے جاتے ایک نظر خیزران پر ڈالی جو دُلہن بنی بیٹھی تھی، ایک دم پیلی پڑ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور دوڑ کر مُزنہ سے لپٹ گئی۔ لرزتی ہوئی، ڈری ہوئی اور پشیمان مُزنہ کا راستہ روک لیا اور کہا۔ خدا کے لئے نہ جاؤ۔ مجھ سے غلطی ہوئی جو تم پر برس پڑی، اب تم یہاں سے نہ جاؤ گی۔ خدا مجھے بڑے بول اور غرور سے بچائے۔ اب تم میرے ساتھ میری طرح رہو گی میری بہن بن کر۔ کیا ہم خیزران کی طرح دوسروں کے حالات سے نصیحت اور عبرت لیتے ہیں؟

۲۔ حکایت ہے کہ ایک بار اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیلؑ سے پوچھا۔ موت کے فرشتے تُو نے کتنی جانوں کی رُوح قبض کی، ایسا ہوا کہ کسی کی جان لے کر تجھے غم ہوا ہو؟ عزرائیلؑ نے کہا۔ مولا میری کیا مجال کہ تیرے حکم کی تعمیل کے بعد مجھے کسی پر غم اور افسوس ہو۔ البتہ ایک موقع ایسا تھا کہ کچھ مسافر کشتی پر سوار تھے، سب ہنستے کھیلتے، گاتے بجاتے جا رہے تھے کہ مجھے حکم ہوا کشتی کو اُلٹ دیا جائے اور سمندر کو طوفان بپا کرنے کی اجازت دی گئی۔ مولا تیرے حکم کی دیر تھی کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، مسافروں کی جان پر بن گئی اور وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ حکم آیا سب کی جانیں کھینچ لوں۔ صرف ایک ماں اور اس کے دُودھ پیتے بچے کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ دونوں ماں بچہ ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے کی طرف جا رہے تھے۔ میں ابھی ان دونوں کے بچنے پر خوش بھی نہ ہو پایا تھا کہ حکم آیا کہ ماں کی رُوح بھی کھینچ لی جائے۔ ننھی اور معصوم جان کو تختے پر بہنے کے لئے زندہ چھوڑ دیا۔ بے یار و مددگار دودھ پیتے بچے کو بہتا ہوا چھوڑ آیا۔ میرا کام ختم ہو گیا تھا۔ نہ معلوم اس کا کیا بنا۔ میرے لئے یہ واقعہ افسوسناک تھا۔ آواز آئی۔ عزرائیلؑ! ہم نے موج کو حکم دیا۔ بچّے کو آرام کے ساتھ سینے سے لگا کر ساحل پر ڈال دے۔ جب بچہ ساحل سمندر پر زندہ و سلامت پہنچ گیا تو ہم نے وہاں باغ کھلا دیا، میٹھے پانی کے چشمے جاری کر دیئے۔ خوش رنگ پرندے اکٹھے کیئے۔ زمین کا یہ ٹکڑا ایسا بنا دیا جیسے جنّت کا گوشہ۔ پھولوں اور پتیوں کا جھولا بنایا اور اس میں اس یتیم بچّے کی پرورش ہونے لگی۔ سورج کو حکم دیا، یہاں گرمی زیادہ نہ ہو۔ ہوا کو حکم دیا کہ یہاں سے آہستہ گزرے۔ بادلوں کو پابند کیا کہ وہاں مینہ نہ برسے۔ بجلی پر قید لگائی کہ یہاں نہ چمکے۔ ایک شیرنی کو حکم دیا کہ بچّے کو دودھ پلائے۔ بچّہ بڑا ہوا تو ہر نعمت اُسے میسّر کر دی گئی۔ جو چاہا دیا حتیٰ کہ وہ ایک کڑیل جوان بنا۔ پھر ہم نے جوانی کی راحتیں، محل اور تخت و تاج کا مالک بنایا۔ اُسے بابل کا حکمران بنا دیا جو ترقی یافتہ اور خوشحال حکومت تھی۔ اُسے شعور اور عقل کی نعمتوں سے نوازا۔ کوئی نعمت ایسی نہ تھی جس سے ہم نے ہاتھ کھینچا ہو۔

آواز آئی، جانتے ہو پھر کیا ہوا۔ عزرائیلؑ نے عرض کیا۔ نہیں مالک، تو ہی بہتر جانتا ہے۔ بتایا گیا۔ قوت اور

Marfat.com

جوانی کے نشے میں اس ہمارے پروردہ نے ہماری برابری کا دعویٰ کر دیا۔ ہمارے بندوں کو حکم دیا کہ اُسے سجدہ کریں۔ اس معصوم اور بے یار و مددگار بچے نے، جس کے لئے تیرا دل دُکھی ہوا تھا، اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ یہی نہیں اس نے میرے دوست ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا جو اس غرور کے پُتلے کو سیدھی راہ پہ لانا چاہتا تھا۔ کبھی ہم نے بھی سوچا کہ ذرا خوشحالی، اقتدار، اختیار اور دولت مل جائے تو ہم بھی اپنی اصلیت بھُول جاتے ہیں۔
وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

Marfat.com

Marfat.com

شراب نوشی، قمار بازی، قرعہ اندازی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	سورۃ المائدہ کی آیت ۹۰	حرمتِ شراب کا قطعی حکم۔ حرمت شراب کے تدریجی احکامات۔ خدا کے حضور بحالت نشہ و بدبو گستاخی و بے ادبی ہے۔ نماز کا تقدس نہ ہوا۔
۲	آیت کے دوسرے محرمات	شراب، قمار بازی، خدا کے لئے نذر نیاز، پانسہ۔
۳	حضورؐ کے ارشادات و تشریحات	دوا نہیں بلکہ خود بیماری ہے۔ حرام کا تحفہ بھی حرام ہوتا ہے۔ حرمت شراب کے سلسلہ کے تمام لوازمات، کشید کرنا، فروخت، ڈھولائی، مزدوری تمام متعلقات لعنت سے مستثنیٰ نہیں۔ سخت تاکید۔ جہاں شراب پی جائے وہاں حلال کھانا بھی ناجائز ہے۔
۴	تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں	چرس، افیون، بھنگ، ہیروئن۔
۵	مہلک نتائج کا ادراک	ساری دنیا نے اس برائی کو محسوس کیا۔ انسداد منشیات کی مہمیں، گھرانوں کی تباہی
۶	ہیروئن اور سیاستدان	سیاستدانوں کا دھندا، الیکشن کے اخراجات، سمگلروں کی حکومتیں، سمگلر لیڈر رہنما، معاشرتی خرابیاں، سماجی برائیاں، قتلِ انسانیت، نفس کشی۔
۷	شراب نوشی کی اسلامی سزائیں	بزورِ اختیارات بندش کی مثالیں، حضرت عمرؓ کا شراب ساز اور شراب فروش کی دکان جلانا
۸	طبی نقصانات	مختلف امراض و عوارض جسمانی خباثتیں، بزدلی بے غیرتی، ام الخبائث، قاتل عقل و خرد
۹	مفکرین یورپ کا نکتہ نظر	خودکشی، مخبوط الحواسی، اولاد پر اثرات۔
۱۰	اقوال، واقعات و امثال	حضرت علیؓ کا فرمان، شہنشاہ اکبر کے اشعار، شہنشاہ جہانگیر کا واقعہ، بابر کی شراب نوشی محمد شاہ رنگیلا کی ذلت آمیز شکست۔
۱۱	شراب و اشعار	ادب و لٹریچر نے اس خبیث نشے کا ذکر کر کے رغبت دلائی، کثرت سے اسکی تبلیغ کی۔
۱۲	فال گیری، قرعہ اندازی، قمار بازی	مشرکانہ فال گیری، توہم پرستی، جوئے کی صورت شیطانی عمل، ہیلورز نقل کی سرِعام، ببانگِ دہل تشہیر۔
۱۳	قرعہ اندازی کا جواز	حضورؐ کا طرز عمل۔ تشریح۔

Marfat.com

شراب نوشی، قمار بازی و قرعہ اندازی

آیت معہ ترجمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (سورۃ المائدہ: ۹۰)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ شراب، جُوا، آستانے اور پانسے یہ سب شیطانی کام ہیں، ان سے بچو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

تفسیر و تشریح قرآن کریم کی اس آیت میں، جو سورۃ المائدہ آیت ۹۰ سے تعلق رکھتی ہے، یہ شراب کی قطعی حرمت کا آخری حکم ہے۔ اس سے پہلے سورۃ بقرہ آیت ۲۱۹ میں شراب اور جُوئے کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ٘ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَاؕ۔ اے پیغمبرؐ، یہ پوچھتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے۔ آپؐ انہیں کہیں کہ ان دونوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ لوگوں کے لئے ان میں نفع بھی ہے مگر ان میں گناہ فائدے سے زیادہ ہے۔

سورۃ بقرہ کی اس آیت میں یہ پہلا حکم تھا جس میں شراب اور جوئے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تاکہ مسلمانوں کے ذہن ان کی حُرمت پر آمادہ ہو جائیں۔ اس کے بعد سورۃ نساء آیت ۴۳ میں شراب کے متعلق اگلا حکم آیا کہ اسے پی کر نماز کی ادائیگی کو منع فرمایا گیا، یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ نماز کے قریب نہ پھٹکو ایسی حالت میں کہ تم نشے میں ہو جب تک تمہیں معلوم نہ ہو کہ تم نماز میں کیا کہہ رہے ہو۔ یہ گویا شراب کے متعلق دوسرا اگلا حکم تھا جو سورۃ نساء میں آیا ہے۔ سورۃ البقرہ کے پہلے حکم پر ہی لوگ اسے چھوڑ بیٹھے تھے، مگر دوسرے لوگ اسے پیتے تھے اور نشے کی حالت میں نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے یہ دوسرا حکم غالباً ۴ھ میں آیا۔ لوگوں نے، جو شراب پیا کرتے تھے، اپنے شراب کے اوقات بدل دیئے۔ نماز کے اوقات کے علاوہ وہ بدستور پیا کرتے تھے۔

اس دوسرے حکم میں سُکٰرٰی (نشہ) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے ذریعہ ہر وہ نشہ آور چیز حرام ہے جو نماز میں معلوم نہ ہونے دے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ شراب کے علاوہ ہر نشہ آور چیز کے لئے یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ نشہ آور چیز کا استعمال بجائے خود حرام ہے۔ چہ جائیکہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھی جائے تو دُوہرا گناہ ہے۔ یہ حکم اس پر بھی جاری ہوتا ہے کہ انسان پر نیند کا غلبہ ہو اور اس حالت میں وہ نماز ادا کرے۔ اگرچہ یہ حالت

Marfat.com

نشہ کی نہیں ہوتی ...... مگر یہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اسے علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ رکعتوں میں غلطی ہو جاتی ہے۔ ارکانِ نماز کی ادائیگی نیند کے غلبہ میں بھی نہیں ہو سکتی ۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ نماز عربی کی بجائے اس زبان میں ہو جسے وہ سمجھ رہا ہو۔ یہ نتیجہ نکالنا اس لئے بھی غلط ہے کہ آیت کا سیاق و سباق نشہ آور اشیاء کے استعمال اور نشہ کی حالت میں نماز کی عدم ادائیگی سے متعلق ہے کہ ایسی حالت میں وہ اتنا بہک جاتا ہے کہ اُسے اپنی کہی ہوئی بات کا علم ہی نہیں ہوتا۔ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ — والی حالت ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس آیت مبارکہ میں تعلموا فرمایا ہے یعنی اُسے علم نہ ہو کہ اس کی زبان سے کیا ادا ہو رہا ہے، اگر بات کسی عربی عبارت کے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے تعلق رکھتی تو پھر یہاں تعلموا کی بجائے تفقہوا کا لفظ ہوتا اور اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ کسی عبارت کی سمجھ تو بڑی بات ہے نشہ کی حالت میں انسان بہک جاتا ہے کہ کرتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے، پاؤں کہیں رکھتا ہے اور پڑتا کہیں اور ہے۔

اور ویسے بھی یہ بات آداب کے خلاف ہے کہ انسان دربار خداوندی میں کھڑا ہو، اُس کی بندگی کا اظہار کر رہا ہو، اس کی نصرت و امداد اور ہدایت کا طلبگار ہو مگر حالت اس پر ایسی طاری ہو کہ نشہ میں اُسے خبر ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، کیا مانگ رہا ہے اور کہاں اور کس کے سامنے کھڑا ہے۔ خالص نشہ کی حالت میں نماز کی ادائیگی سے منع کرنے کے اس حکم کو اپنی منشا اور مرضی کے دُوسرے مسائل میں استعمال کرنا ایسا ہی ہے کہ " مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ "۔

زیرِ موضوع آیت کی تشریح

زیرِ موضوع آیت جس میں شراب کے ساتھ دوسری باتوں سے قطعی ممانعت کا حکم ہے وہ چار ہیں، شراب، قمار بازی۔ وہ مقامات جہاں خدا کے نام کی بجائے کسی اور کے لئے نذر نیاز چڑھائی جائے اور چوتھی چیز پانسہ ہے۔ آخری تین چیزوں کا ذکر الگ آئے گا فی الحال شراب کے بارہ میں تفصیلی بات کرتے ہیں۔ اس زیرِ موضوع سورۂ المائدہ کی آیت میں یہ تیسرا اور آخری حکم ہے جس میں شراب کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ پہلے دو احکامات، جو سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں آئے ان کے بعد حضورؐ نے اپنے خطبہ میں لوگوں کو خبردار کر دیا کہ خداوند تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی قطعی حرمت اور ممانعت کا حکم آ جائے گا۔ لہٰذا جس کے پاس شراب موجود ہو وہ فروخت کر دے چنانچہ حضورؐ کا اندازہ درست ہوا اور یہ آیت نازل ہو گئی، تو پھر حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ اس حکم کے بعد جس کے پاس شراب موجود ہے وہ نہ اسے پی سکتا ہے اور نہ بیچ سکتا ہے بلکہ ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔ بعض لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ کیا اس شراب کو تحفے کے طور پر یہودیوں کو دیا جا سکتا ہے؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا " حرام چیز کا تحفہ بھی حرام ہوتا ہے "۔ بعض لوگوں نے پوچھا کہ کیا اس شراب کو بہانے کی بجائے سرکہ میں نہ بدل لیا جائے، حضورؐ نے اس کی اجازت بھی نہ دی اور سختی سے

Marfat.com

فرمایا کہ اسے بہا کر ضائع کر دیا جائے۔

ایک صاحب نے دوا کے طور پر استعمال کی اجازت چاہی اور اصرار کیا تو فرمایا "یہ دوا نہیں بلکہ خود بیماری ہے"۔ دوسرے ایک آدمی نے یہ جواز پیدا کیا کہ ہم ایسے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو انتہائی سرد ہے اور محنت و مشقت کی وجہ سے تھک جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں جو جغرافیائی بھی ہیں، موسمی اور روایتی بھی تو کیا شراب کا استعمال کر سکتے ہیں کہ سردی سے بچ جائیں اور تکان دُور ہو سکے۔ آپؐ نے اسے سختی سے اس کے ..... استعمال سے منع فرمایا۔ اس نے کہا کہ لوگ اتنے مجبور ہیں کہ یہ حکم نہ مانیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اُن سے جنگ کرو۔

شراب کی حرمت کے بعد یہ سارے فلسفے، عذر اور بہانے ان بیمار ذہنوں کے پیدا کردہ تھے جو اُس وقت بھی اور آج بھی خدا کے احکامات کی تعمیل میں عذر تراش کر اور فلسفے گھڑ کر فرار کی راہیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ خدا اور رسولؐ پر ایمان اور اُن کے احکامات کی سچائی کو ماننے کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان میں مصلحتیں نہ ڈھونڈی جائیں اور نہ عذر اور بہانے تلاش کئے جائیں۔ ایک سچے ایمان والے انسان کے لئے تو یہ کافی ہے کہ بس خدا کا یہ حکم ہے مصلحتیں ڈھونڈنا ہمارا کام نہیں۔ اسی لئے اس آیت کے مخاطب بھی مومن ہیں۔ بشرطیکہ وہ مومن ہوں۔

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔ شراب پر اُس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کے بیچنے والے پر، اس کے خریدار پر، اُس کی کشید کرنے والے پر، اور اس کے ڈھونے والے پر اور جس کے لئے ڈھوئی جا رہی ہے اُس پر۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شراب اور اُس کے تمام متعلقات اور لوازمات میں سے کوئی بھی خدا کی لعنت سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اب کسی کے لئے کیا گنجائش رہ سکتی ہے کہ میں تو خود نہیں پیتا، میں تو از روئے خدمتگار اور ملازم کے مجبور ہوں۔ اسی حدیث کی رُو سے ہر حرام چیز سے متعلق تمام لوگ اس جرم میں شریک ہیں اور انہیں اس جرم سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا جو جرم کا مرتکب نہ ہو بلکہ اسے اعانتِ جرم کی سزا بہرحال جس صورت میں بھی وہ معاون ہو گا، ملے گی۔ حضورؐ نے تو شراب کے متعلق یہ تک فرمایا کہ اس دسترخوان پر کھانا نہ کھایا جائے جہاں شراب پی گئی ہو بلکہ ابتدائی طور پر شراب کے بارہ میں اتنی سخت تاکید تھی کہ ان برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا گیا جن میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔

اب شادی بیاہ اور اُن بیرونی، غیر ملکی اور غیر مذہبی تقریبات میں شریک لوگ کس طرح اپنا دامن چھڑا سکتے ہیں جہاں شراب کا استعمال آزادانہ طور پر ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ مے نوشی کے خود مرتکب نہ ہوتے ہوں۔ گویا ایسی تقریبات میں شرکت اور اس دسترخوان پر کھانا بھی منع ہے جہاں معلوم ہو کہ شراب پی گئی ہے تو پھر اُس شرابی کی صحبت، اُس کے ساتھ تعلق اور اس کی ملازمت اور خدمات کی ادائیگی بھی ناجائز ہو گی۔

خمر کا لفظ انگوری شراب کے لئے مستعمل ہے، مجازاً گیہوں، جَو، کشمش، کھجور اور شہد کی شراب کے لئے بھی یہی لفظ بولا جاتا ہے۔ شراب کی حرمت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں پر عام کر دیا جو نشہ پیدا کرتی

ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور میں (حضورؐ) ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیتا ہوں اور اس سے منع کرتا ہوں ۔ زیرِ موضوع آیت کی رُو سے بھی اور حضورؐ کے اس ارشاد کی رُو سے بھی ضمنی طور پہ ہی مگر چرس، افیون اور اس سے بنائی گئی ہیروئن اور دوسری تمام نشہ آور اشیا جو اس وقت رائج الوقت ہیں، حرام ہیں۔ قرآن کریم کے احکامات میں مصلحت بینیوں سے کام لینے والوں کو سوچنا اور غور کرنا چاہیئے کہ آج پوری دنیا اُن کے انسداد اور روک تھام میں مصروف ہے۔ وہ تو مذہبی لحاظ سے نہیں خالص انسانی بنیادوں پر اور معاشرتی تقاضوں سے مجبور ہو کر ممالک گیر اور اقوام گیر مہم میں شریک ہیں۔ کروڑوں روپیہ اس مد میں خرچ کیا جاتا ہے، بڑے بڑے محکمے قائم ہوئے، الگ وزارتیں وجود میں آئیں۔ ہیروئن کے استعمال، اس کی سمگلنگ کے قوانین بنائے گئے۔ تھوڑی سے تھوڑی مقدار کی سمگلنگ اور اس کے استعمال پر بھاری جرمانے، قید کی سزائیں اور موت تک کے قوانین بن گئے۔ آخر کیوں؟ اسلام کی حقانیت اور اس کے احکامات کی دینی، معاشرتی اور انسانی مفرت کی سچائی کو مانے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ نشہ جیسے اسلام نے اپنے سادہ سے حکم کے ذریعہ اپنے پیروکاروں کو روکا ہے اس کے نتائج اور عواقب کتنے خطرناک ہیں کہ پوری دنیا اس کی روک تھام میں لگی ہوئی ہے اور کروڑوں بلکہ اربوں روپیہ اس پر بہایا جا رہا ہے، لیکن وہ نتائج برآمد نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں جو خدا اور رسولؐ پہ سچے ایمان اور ان احکامات پہ سچے دل سے پیروی کے نتیجے میں اُس وقت پیدا ہوئے کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے موسلا دھار بارش کا پانی بہتا ہو۔ ضرورت صرف خدا پر سچے ایمان کی ہے، اگر دل ایمان اور آخرت کی باز پرس سے غافل ہو جائیں تو خارجی قوانین اور تدابیر ناکام ہو کر رہ جاتی ہیں۔

افیون کی کاشت کے علاقوں میں متبادل ذرائع روزگار مہیا ہوئے۔ انہیں صنعتی علاقے قرار دیا گیا۔ ان کاشتکاروں کو ملازمتوں میں لیا گیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری، مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات ہے۔ ان صنعتی علاقوں کے قوانین کی نرمی سے ہمارے ہی لیڈروں نے فائدہ اٹھایا، ناجائز ذرائع اختیار کئے، ٹیکس چوریوں کے دھندے ہوئے، صنعتیں کھڑی کیں اور ایک وقت میں حکومت کو یہ مراعات لینا پڑیں تو یہی عوامی نمائندے رکاوٹ بن گئے۔ کون نہیں جانتا کہ ہیروئن کی بناوٹ، کشید اور سمگلنگ میں ملک کے یہی سرمایہ دار شریک ہیں جو دولت اور جائیداد کے لالچ میں راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور امیر سے امیر تر اور امیر ترین ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی اس دھندے کے مجرم بھی ہوتے ہیں اور یہی اس دھندے کے محافظ بھی اور مددگار بھی ہیں۔ وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا۔ باڑ اُٹھ کر کھیتیاں چرنے لگ جائے تو پھر اُس ملک اور قوم کا بیڑا غرق ہونے میں دیر نہیں لگتی، اور یہ لوگ ایسا کرنے پر اس لئے مجبور ہیں کہ عہدوں پر اور وزارتوں پہ فائز المرام ہوئے بغیر قانون کی زد سے بچا نہیں جا سکتا اور ان مراتب تک رسائی اور اگلے الیکشن کے اخراجات کے لئے جو حلال کی کمائی سے پورے ہونے ناممکن ہیں، حرام کا یہ دھندا ضروری ہے، جس کے بغیر نہ الیکشن جیتا جا سکتا ہے اور نہ عہدۂ وزارت ہاتھ آ سکتا ہے اور نہ حرام کی کمائی کے ان دھندوں کو قانون کی زد سے بچایا جا سکتا ہے۔ تصویر کے اس رُخ سے اندازہ

Marfat.com

کیا جاسکتا ہے کہ شراب اور نشہ آور اشیاء کی اسلام میں ممانعت ہے۔ جہاں مُلک اور قوم کی مالی اور معاشرتی حکمتیں وابستہ ہیں وہاں حرام کاری، بددیانتی اور قانون کی خلاف ورزیوں سے پوری قوم کو نجات مل سکتی ہے اور ایسے تمام خودساختہ عوامی نمائندوں سے گلوخلاصی ہوسکتی ہے اور دوسری طرف نشہ کرنے والے افراد جو نشہ کی وجہ سے نہ صرف اپنی صلاحیتوں سے محروم ہوجاتے ہیں، اپنے گھر، خاندان، کنبے، بیوی بچوں اور قوم و ملک کے مفید شہری بن کر خاندانی اور ملکی و قومی ترقی و خوشحالی میں شرکت کرسکتے ہیں۔

نشہ کے ان مضمرات میں خاندانوں کی تباہی، گھریلو معاملات میں تلخی، بیوی بچوں کی یتیمی، محرومی اور بےکسی کی ہزاروں مثالیں ہمارے معاشرے اور چار دیواری کی دنیا میں بکھری ہوئی ہیں، جن کا عکس فلموں، ٹی وی ڈراموں، افسانوں، اخبارات کی خبروں اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے بلکہ خود پر گزرتے ہوئے پاتے ہیں مگر ان سے عبرت کوئی بھی حاصل نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا یہ قول کتنا سچّا ہے کہ الخمر ما خامر العقل۔ خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ہماری عقلوں پر نشے کا وہ غبار اور پردہ تنا ہُوا ہے کہ ہم اس کے فوائد کو تو دیکھتے ہیں کہ منافع للنّاس ہیں۔ راتوں رات سمگل کی ہوئی ہیروئن سے کروڑ پتی بن جاتے ہیں۔ شراب کی ترسیل اور فروخت سے تجارتی فائدے ہیں۔ معاشرتی اعتبار سے مقام اونچا مل جاتا ہے، کوٹھیاں اور گاڑیاں مل جاتی ہیں، عہدوں پہ پہنچا جاسکتا ہے۔ دولت کی برکت سے ہر ناجائز مطلب حاصل کیا جاسکتا ہے مگر اس سب کے برعکس فیھما اثم کبیر اور اثمھما اکبر من نفعھما کے قرآنی اور خدائی احکامات سے سرتابی، منہ موڑنا، خدا کی ناراضگی، غصّے اور انتقام کو دعوت دیتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک نہ ایک دن دنیا میں بھی شرمساری اور ذلّت سے دوچار ہونا ہوگا اور آخرت میں بھی اس کی سزا جہنّم کے شعلے ہوں گے۔ جس طرح نشہ کرنے والا خود اپنی ذات کا قاتل ہی نہیں ہوتا بلکہ اُس کے ساتھ متعلق بیوی بچّے بھی اُس کے فعل سے متاثر ہوکر یا تو زمانے کی ٹھوکروں کا شکار ہوں گے یا اپنے تاریک مستقبل کے ہاتھوں مجبور ہوکر مختلف جرائم کا شکار ہوں گے اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو اپنے بزدل والدین کی طرح مختلف یا اسی طرح کے نشوں میں پناہ لے کر زندگی کی تلخیوں سے چشم پوشی سے کام لیں گے اور برائی اور جرائم کا یہ سلسلہ پھیل پھیل کر اُس کے کھاتہ میں گناہوں کا اضافہ کرتا رہے گا۔

یہ تو نشے کرنے والے کے امکانی حالات ہیں بلکہ تجربہ میں آئی ہوئی صداقتیں اور حقیقتیں ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ خود تو نشہ میں مبتلا نہیں مگر اسے کاروبار اور نفع بخش کاروبار کے طور پہ کررہے ہیں وہ خدا کی ناراضگی اور اس کی حدود کی پامالی کے ساتھ ساتھ ملکی قوانین کی خلاف ورزی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ جھوٹ، چوری، دھوکہ دہی کے سینکڑوں جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ ان کے کاروبار کے نتیجہ میں نشہ کرنے والوں کی امداد ہوکر اُس کے اور اُس کے تمام خاندان کے مستقبل کو تباہ کرکے اس تمام خاندان کے قتل کے مرتکب بھی ہوتے ہیں۔ قتل انسانی جان کا ضیاع ہے خواہ وہ بندوق کی گولی سے یکدم ہو یا نشہ کی گولی سے آہستہ آہستہ ہو۔ انجام اور سزا تو ایک

Marfat.com

ہی ہے۔حضورؐ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ پینے والا، پلانے والا، بیچنے والا، کشید کرنے اور کرانے والا ڈھونے والا، سمگلنگ کرنے والا وغیرہ سب اس حرام کاری میں شریک اور مبتلا ہیں، سب کا جرم ایک جیسا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اُس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ گویا اگر کوئی شراب کی تھوڑی مقدار استعمال کرتا ہے یا دوسرا کوئی نشہ اتنا کرتا ہے کہ اس کا اثر وہ نہیں ہوتا جو کثیر کا ہوتا ہے تو بھی وہ خدا کی حرام کی ہوئی چیز استعمال کرتا ہے۔

شراب نوشی کی اسلامی سزائیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب نوشی کی سزا مقرر نہ تھی جو آدمی اس جرم میں پکڑا جاتا اُسے جوتے، لاتیں، مُکّے، بل دی ہوئی چادر کے کوڑے یا کھجور کے سونٹے مارے جاتے تھے اور یہ زیادہ سے زیادہ چالیس ضربیں ہوتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں چالیس کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے زمانہ میں پہلے یہی سزا یعنی چالیس کوڑے ہی مقرر تھی، جب دیکھا کہ لوگ باز نہیں آتے تو صحابہؓ کرام ؓ سے مشورہ کے بعد اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی، مگر امام احمد بن حنبل رحؒ پہلی سزا کے قائل ہیں اور آج جس طرح ہیروئن کے نشہ کی ہلاکت آفرینیاں بین الاقوامی صورت اختیار کر چکی ہیں اس کی روک تھام کے لئے سزاؤں میں سختی برتی جا رہی ہے۔ اکثر ممالک میں جس میں اسلامی ملک بھی شامل ہیں، اس کی خرید و فروخت اور سمگلنگ پر قتل کی سزا یعنی پھانسی دی جاتی ہے۔

شریعت کی رُو سے ایک اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کی بندش کو بزورِ قوت نافذ کرے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک شخص کی دکان جلائی گئی تھی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک اور موقعہ پر ایک پورا گاؤں اس جُرم میں جلا یا گیا کہ وہاں شراب کشید کی جاتی اور بیچی جاتی تھی۔ ہیروئن اور شراب کے سلسلہ میں آج بھی یہ سختی برتی جاسکتی ہے۔

ہمارے ہاں مصیبت یہی ہے کہ جرائم پر وعظ تو فرمائے جاتے ہیں، حکومت کے بااختیار اور ذمہ دار لوگ دھمکی آمیز تقریریں تو کرتے ہیں کہ "یہ کیا جائے گا، وہ کیا جائے گا اور ہم نے تہیّہ کر رکھا ہے"، مگر اس "کئے جائیں گے" کی اور تہیّہ کرنے کے بعد عمل کی نوبت کبھی نہیں آتی، کیونکہ یہ صرف ہاتھی کے دانت ہوتے ہیں اور چونکہ اس میں بہت سے پردہ نشینوں، پس پردہ ہاتھوں کی کاروائی ہوتی ہے جن کے دم قدم اور جن کی تائید و حمایت یا جن کے سرمائے سے حکومت کی کرسیاں پکی ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے خلاف کاروائی سے پہلے اپنی حکومت کی بساط اُلٹتی نظر آتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور کتنا سچا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیطَانُ اَنْ یُّوقِعَ بَینَکُمُ العَدَاوَۃَ وَالبَغضَاءَ فِی الخَمرِ وَالمَیسِرِ وَیَصُدَّکُم عَن ذِکرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَل اَنتُم مُّنتَھُونَ۔ شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بُغض ڈال دے اور ان کے ذریعے تمہیں خدا کی یاد اور نماز کی ادائیگی سے روک دے۔ پھر کیا تم شیطان کے کہنے پر اور خواہش پر خدا کے ذکر اور نماز کی ادائیگی سے رُک جاؤ گے؟ یہ سوال ہم نے خود اپنے آپ سے پوچھنا ہے کہ ہم ان شیطانی کاموں کے عادی ہو کر باہمی بُغض و عداوت

Marfat.com

میں پڑنا پسند کریں گے اور خدا کی یاد اور نماز کی ادائیگی کو ترک کریں گے، گویا شراب یا کسی بھی نشہ آور چیز کی عادت ایک شیطانی چال ہے جو ہمیں اپنی معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کے عناد و عداوت اور بغض کا شکار بناتی ہے اور خدا کی بندگی کے اظہار اور اس کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے جو ہماری اخروی زندگی کے لئے یقیناً تباہی کا موجب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس حکم کی خلاف ورزی ہوگی وہ شراب نوشی ہوگی، لوگ اس کے نام بدل بدل کر اسے خود پہ حلال کریں گے۔ (مشکوٰۃ)۔ حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ چار شخص جنت میں نہ جائیں گے اور نہ جنت کی نعمتوں سے حصہ یاب ہوں گے۔ شراب کا عادی، سود خوار، یتیم کا مال کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ روایت حضرت ابوہریرہؓ۔ حاکم۔

شراب نوشی کے طبی نقصانات

ماہرین کے اندازوں کے مطابق مرنے والوں میں سے نصف ایسے ہوتے ہیں جو شراب نوشی کے باعث مختلف امراض و عوارض کا شکار ہوتے ہیں۔ اس سے دل پہ چربی بڑھ جاتی ہے اور دل کا حجم بڑھ جانے سے دل پر انقباض کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنا کام چھوڑ دیتا ہے۔ ایک پارسی ڈاکٹر نے تجربہ کر کے دکھایا کہ تازہ گوشت کے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ بوتلوں میں بند کیے۔ ایک کو خالص تازہ پانی میں رکھا اور دوسرے کو شراب میں۔ تین دن بعد پانی والا ٹکڑا اسی طرح تھا جبکہ شراب والے گوشت کی رنگت بدل گئی تھی اور اس پہ سفیدی کا غبار چھایا ہوا تھا۔

شراب کو اُمّ الخبائث کا نام دیا گیا ہے کہ یہ تمام اخلاقی اور جسمانی خباثتوں کی جڑ ہے۔ عارضی طور پہ مسرت تو حاصل ہوتی ہے مگر دیر بعد خمار سے سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس سے بدبُو اور سڑاند اُٹھتی ہے، ذائقہ انتہائی تلخ ہوتا ہے، حلق سے اُترتے ہی پیٹ پکڑ لیتی ہے اور دماغ کو چڑھ جاتی ہے، دوران سر لاحق ہوتا ہے، جگر کو متاثر کرتی ہے اور صحت پہ بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نشہ اُترتا ہے تو خمار میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کی مضرت دیر تک رہتی ہے طبیعت متلاتی اور اعضا شکنی کی کیفیت رہتی ہے ؎

نشۂ صہبانمی آرد بہ تشویش خمار　　　　درگذر از آب امروزہ کہ فردا آتش است

شراب کا نشہ اس کے خمار کی تشویش کی بہ نسبت مہنگا ہے آج کے اس پانی سے بچو کہ کل یہی اپنی ہلاکت میں آگ بن جاتا ہے۔ شہنشاہ اکبر نے خوب فرمایا ہے۔

؎ دوشنبہ بکوئے مے فروشاں　　　　پیمانۂ مے بہ زر خریدم
اکنوں ز خمار سر گرانم　　　　زر دادم و دردِ سر خریدم

یعنی کل رات میں مے فروشوں کی گلی میں گیا اور ایک پیالہ شراب کا روپے دے کر خریدا، جس سے اب تک خمار کی وجہ سے سرگرانی میں مبتلا ہوں۔ گویا میں نے دولت دے کر دردِ سر خرید لیا۔ اسی بادشاہ کے دو بیٹے مراد اور دانیال کثرت شراب نوشی سے جوانی میں ہلاک ہوئے۔ ڈاکٹر لوگ اس بات پہ متفق ہیں کہ شراب خوری زہر ہے۔

Marfat.com

یہ نہ جسم کے مضر مادوں کو ضائع کرتی ہے اور نہ جسم کو طاقت بخشتی ہے۔ قوّتِ مردمی کو زائل کر دیتی ہے۔ تازہ انڈا شراب میں ڈالا جائے تو سنہرا ہو کر اُبلے ہوئے انڈے کی طرح سخت ہو جاتا ہے، اِسی سے اُس کی آتشیں حرارت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور انسانی جسم میں انڈے کے اجزا سے کون انکار کر سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے خاص احسان سے انسان کو عقل و شعور بخشا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری مخلوقات میں سے افضل کہلاتا ہے، لیکن شراب انسانی عقل کو سلب کر لیتی ہے۔

واقعات و امثال

۱۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے خاص درباری کو محل میں طلب کیا۔ جب درباری حاضر ہُوا تو جہانگیر مے نوشی میں مصروف تھا اور کثرتِ رعشہ سے اُس کے ہاتھ اس قدر کانپتے تھے کہ شراب چھلک چھلک کر پیالے سے باہر گر رہی تھی۔ یہ عبرت انگیز منظر دیکھ کر اس خیر خواہ درباری نے نہایت جرأت سے عرض کی کہ جہاں پناہ! جب آپ اس پیالے کو نہیں سنبھال سکتے تو اتنی عظیم سلطنت کو کیسے سنبھالیں گے؟ جہانگیر نے کہا۔ بس، تو شراب کے چند پیالوں اور چند سیخ کبابوں کے عوض اپنی سلطنت نورجہاں پر فروخت کر چکا ہوں اور آخر کار وہی جہا[illegible] ی طبعی عمر سے پہلے فوت ہو گیا۔ موت کا اگرچہ وقت معیّن ہے مگر موت کے اسباب بھی تو نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔

۲۔ شہنشاہ بابر کی کثرتِ مے نوشی تو اُس کی خودنوشت سوانح عمری "تزکِ بابری" سے ثابت ہوتی ہے اور اس کا یہ شعر تو ضرب المثل ہے کہ ؎

نوروز و نو بہار و مے و دلربا خوش است ۔۔۔ بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ہندوستان کی فتح کے سلسلہ میں ایک مرتبہ دشمن کی فوج کا پلہ ایسا بھاری ہُوا کہ اپنی شکست یقینی نظر آنے لگی تو اس موقعہ پر دعا مانگی کہ اے خدا اگر اس جنگ میں مجھے فتح دے دے تو میں آئندہ شراب ہرگز نہ پیوں گا چنانچہ مجیب الدعوات نے دعا قبول فرمائی اور بابر کو معجزانہ طور پر فتح حاصل ہو گئی جس سے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد پڑی جو صدیوں تک مستحکم رہی، جسے ترکِ مے نوشی کی برکت اور اس سے ہمیشہ کے لئے توبہ کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔

اُسی بابر کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ سوری سے شکست ہوئی اور عرصۂ دراز تک مبتلائے مصیبت رہا۔ تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہمایوں کی شکست اور مصائب اُس کی افیون خوری کا نتیجہ تھے، جس کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ عالمِ غنودگی میں رہتا۔

۳۔ محمد شاہ رنگیلا کو نادر شاہ کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی۔ قتل و غارت گری کے علاوہ ہندوستان کی تمام دولت، تختِ طاؤس اور کوہِ نور ہیرا نادر شاہ لے گیا۔ وہ سب کچھ محمد شاہ رنگیلے کی شراب نوشی کے باعث ہُوا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جیسے جلیل القدر اور رفیع المرتبت خلیفہ نے اسی اُمّ الخبائث کی سختی کے ساتھ سزا کے نفاذ میں اپنے جگر بند ابوشحمہ کی زندگی سے ہاتھ دھوئے، مگر قانون کی بالا دستی کو قائم رکھا۔

Marfat.com

ادب اور شراب

ہماری ایشیائی شاعری میں شراب خانہ خراب کی ترغیب اور تحریص نے سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے ازراہِ دُور اندیشی اور شریعت کے احترام میں "دیوانِ حافظ" کا پڑھنا اپنے دورِ حکومت میں حکماً ممنوع قرار دیا تھا۔ ایشیائی شاعر صدیوں سے اس اُمّ الخبائث کی تعریف و توصیف میں اپنا زورِ بیاں صرف کرتے رہے ہیں۔ عوام نہ صرف اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بلکہ شراب نوشی کی آزادی میں حائل، محتسب، شیخ، زاہد، واعظ، پیرانِ حرم بھی اُن کی نفرت، غضب اور غصّے کا موجب بن کر عوام میں نفرت اور حقارت کی علامت بن گئے اور شرعی قوانین کا خوف اور احترام دلوں سے نکل گیا۔ ایسی شاعری توہین شریعت اور تضحیک اسلام کی ذیل میں آ کر قانوناً اسلامی سزا کی مستحق ہے جس سے عوام کو ترغیب و تحریصِ شراب ملتی ہو اور اُن کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

شراب اُڑتی ہے پبلک میں روا ہے خون تقوٰی کا ۔۔۔ مزہ ہے اب تو اندھوں کا نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

جام مے توبہ شکن توبہ میری جام شکن ۔۔۔ سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

پہلے تو آ کے شیخ نے دیکھا ادھر اُدھر ۔۔۔ پھر سر جھکا کے داخلِ میخانہ ہو گیا

توبہ تو کر چکا تھا مگر کیا کروں ندیم ۔۔۔ کالی گھٹا کو دیکھ کے نیّت بدل گئی

محتسب آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں ۔۔۔ دل نہ تھا کوئی جو شیشے کی طرح چُور نہ تھا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے ۔۔۔ نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا

قرعہ اندازی و قمار بازی

ہماری زیرِ موضوع آیت میں شراب کے ساتھ ساتھ دوسری چیز جسے حرام فرمایا گیا وہ جُوا اور قمار بازی ہے۔ شراب کے ابتدائی حکم میں صرف جُوئے کا ذکر ہے اور آخری آیت میں انصاب اور ازلام کو حرام قرار دیا ہے۔ جُوا بھی احکاماتِ الٰہی میں اتنی خرابی کا موجب ہے جتنی شراب ہوتی ہے۔ اس میں بھی انسانی فائدوں کا ذکر ہے مگر ساتھ ہی اس کے گناہ کو اس کے فائدوں سے زیادہ بتایا گیا ہے۔ جُوئے کی عادت بھی شراب کی طرح جب کسی کو ایک بار چمٹ جاتی ہے تو غیر متوقع دولت کے ہاتھ آنے کا لالچ اُسے رفتہ رفتہ دیوالیہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی خوشی و خوشحالی کی زندگی کو داؤ پر لگا کر مفلوک الحال اور مفلس ہو جاتا ہے۔ انسانی فائدہ تو یہی ہے کہ دونوں فریقوں میں سے ایک کو بیٹھے بٹھائے دولت کے ڈھیر مل جاتے ہیں اور دوسرا اپنی دولت سے دامن جھاڑ کر اُٹھ بیٹھتا ہے اور ایسی دولت جس پر کسی کا کوئی قانونی حق نہ ہو محض پتوں کے کھیل سے اُس کے ہاتھ آ جائے یہ قطعی حرام ہے۔ جہاں جُوا ہوتا ہے وہاں قانون اور ضابطوں کی بے شمار پامالیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہاں مفت راچہ گفت کی دولت میں شراب بھی چلتی ہے، شباب کے مزے بھی لوٹے جاتے ہیں۔ جُوئے باز کسی کا دوست اور رشتہ دار نہیں ہوتا، اُسے دولت اور داؤ سے پیار ہوتا ہے۔ سنگدلی، شقاوت اور قلبی قساوت کا مریض ہوتا ہے۔ وہ دولت کے لالچ میں ایمان، دیانت اور امانت کا اہل نہیں رہتا کسی اعتماد کے لائق اور اعتبار کے قابل ہوتا ہے۔

مُلک میں جہاں فحاشی کے اڈّے قائم ہیں، جو جسم بیچ کر دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہوتے ہیں وہاں قمار بازی

Marfat.com

کے اڈے بھی چلتے ہیں جن کی سرپرستی معاشرے کے بظاہر صاحبِ حیثیت اور معزز افراد کرتے ہیں۔ قماربازی کا کھیل عام لوگوں سے لے کر حکومت کے ایوانوں، افسروں، کلبوں اور نجی مجلسوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اب تو یہ وبا اتنی عام ہو چکی ہے کہ سرکاری با اختیار افسروں اور حاکموں کو بطور رشوت بھی پیش کی جاتی ہے۔ ملک کے سرمایہ دار اور کروڑپتی سیٹھ جان بوجھ کر راتوں کو روپیہ ہارتے ہیں تو دن کی روشنی میں انہی افسروں اور حاکموں سے ناجائز مراعات کے پروانے، عہدوں میں ترقیاں اور تقرریاں حاصل کرتے ہیں۔ سورۂ المائدہ میں قرعہ اندازی کے بارے میں حکم ہے: وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ (مائدہ: ۳)۔ پانسوں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم کرنے کو اس حکم میں شامل فرما کر اسے بھی جوئے اور شراب میں شامل کر دیا گیا کہ یہ کام ناجائز ہے۔ اس وقت موجودہ دور میں تین بڑی قسمیں پائی جاتی ہیں اور زیرِ موضوع آیت کا حکم ان تینوں پر حاوی ہے۔

۱۔ مشرکانہ فال گیری۔ کسی دیوی یا دیوتا سے قسمت کا حال پوچھنا۔ غیب کی کوئی خبر دریافت کرنا۔ مشرکینِ مکہ نے کعبہ میں ہبل نامی بت اس مقصد کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے استھان میں سات تیر رکھے ہوئے تھے جن پر الفاظ اور فقرے کندہ تھے، جس طرح آجکل کسی مشین میں سکے ڈال کر وزن کے لئے کھڑا ہو جائے تو مشین سے مطبوعہ فقروں ...... والا کارڈ برآمد ہوتا ہے اور اسے نوشتۂ تقدیر یا قسمت یا فیصلہ سمجھ لیا جاتا ہے یا بازاروں میں پنجرے میں بند طوطا تقدیر کا حال لکھا ہوا کاغذ چونچ میں پکڑ کر لے آتا ہے جو سدھایا ہوا ہوتا ہے اور طوطے کے لائے ہوئے کاغذ کو اپنے مستقبل کا فیصلہ یا قسمت کا حال سمجھ لیا جاتا ہے۔ مشرکینِ مکہ بھی ہبل بت کے پانسہ دار کو نذرانہ پیش کر کے ہبل سے دعا مانگتے کہ ہمارے حق میں فیصلہ دے دے۔ پانسہ دار ان سات تیروں پر کندہ الفاظ کے ذریعہ فال نکالتا اور جو تیر نکالا جاتا اس پر لکھا ہوا فیصلہ ہبل بت کا فیصلہ سمجھا جاتا۔

ہمارے ایک عزیز وکیل نے بتایا کہ ایسا ایک شخص راستے کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا قسمت کا حال بتانے کا کاروبار کر رہا تھا۔ سارا دن کوئی بھی پاس نہ آتا تو وکیل صاحب نے ازراہِ ہمدردی اپنے ایک قتل کے کیس میں ملوث ملزمان میں سے چار آدمیوں کے بارہ میں مقدمہ کی نوعیت اور روئیداد کی روشنی میں اسے بتا دیا کہ ان کی ضمانت ہو گی اور دوسرے کو پھانسی ملے گی۔ وہ اپنے مؤکلوں کو گھیر کر اس کے پاس لے آیا جسے پہلے سے بتا دیا تھا کہ فیصلہ یوں ہونا ہے۔ آدمی نے فرضی لکیریں کھینچیں، زائچے بنائے، پتریاں پھینکیں اور اپنے حساب کا رُعب جمانے کے بعد وکیل صاحب کے بتائے ہوئے اشخاص کو کہہ دیا کہ تمہاری ضمانت ہو گی یا ان کے رشتہ داروں کو ماخوذ ملزموں کی ضمانت کی خوشخبری سنا دی۔ ان سے بھاری نذرانہ وصول کیا۔ پھر تو وکیل صاحب کی معاونت، تجربے اور مقدمے کی رفتار سے اس شخص کی ایسی شہرت ہوئی کہ وکیل صاحب اور پانسہ دار دونوں کی قسمت جاگ گئی۔ وکیل صاحب مؤکلوں سے فیس بھی لیتے اور پانسہ دار سے کمیشن بھی وصول کرتے رہے۔ یہ ہے لوگوں کے اندھے، جاہلانہ اور جھوٹے اعتقاد کا حقیقی پہلو جسے اپنے دور میں مشرکینِ مکہ خدائی فیصلے گردانتے تھے اور بتوں کو خدا سمجھتے رہے اور آج فٹ پاتھوں پر بیٹھے ہوئے نجومی اور عامل لوگوں کی گمراہی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ یہ سراسر شرک ہے اور

Marfat.com

بُرا کام ہے۔

۲۔ توہم پرستانہ فال گیری: اکثر لوگ زندگی کے معاملات کے فیصلے عقل کی بجائے وہمی، خیالی اور اتفاقی چیزوں سے کرتے ہیں یا ایسے ذریعہ سے قسمت کا حال معلوم کیا جاتا ہے جس کا علم غیب کا وسیلہ ہونا کسی علمی طریقہ سے ثابت نہ ہوتا ہو۔ رمل، جفر، نجوم، مختلف قسم کے شگون نچھتر وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ گھر سے نکلتے ہوئے کسی کا سامنے آ جانا اور راستے بدشگون خیال کرنا، کسی عورت کا آنا، بلی کا راستہ کاٹ لینا، کوّے کا منڈیر پر بول دینا۔ کسی بادشاہ کے متعلق مشہور ہے شکار کے لئے نکلے تھے کہ کوئی غریب سامنے آ گیا، اُس کی صورت اور دید کو بدشگون خیال کر کے قید کر دیا۔ وہ غریب سارا دن جیل میں رہا، محنت مزدوری نہ کر سکا، بیوی بچے بھوکے رہے۔ اتفاق سے بادشاہ سلامت اس دن خلاف توقع شکار مار لائے تو اُسے قید سے آزاد کر کے کہا۔ میں نے تمہاری صورت پر بدشگونی کا گمان کر کے قید کیا تھا مگر تم ایسے نہ تھے ہمارا خوب شکار لگا ہے۔ اس نے کہا۔ حضرت میں تو نیک شگون رہا مگر میرے لئے آپ کا دیکھنا بُرا شگون ثابت ہُوا کہ سارا دن جیل کی ہوا کھائی اور بیوی بچوں کو فاقہ ہُوا۔

۳۔ جوئے کے تمام کھیل۔ جس میں اشیاء یا مال کی تقسیم کا مدار حق خدمت اور عقلی فیصلوں کی بجائے کسی اتفاقی امر پر رکھا جائے۔ جوئے میں یہی صورتِ حال ہوتی ہے کہ اس میں جیت ہار کھیل کے پانسے پر ہوتی ہے کسی حق پر نہیں ہوتی اور نہ کسی خدمت کا معاوضہ ہوتی ہے۔ جس طرح لاٹری میں کسی کا نام نکل آئے۔ ہزاروں آدمیوں کی جیب سے نکلا ہُوا روپیہ ایک یا چند دوسرے اور تیسرے درجے کے انعام یافتگان کی جیب میں چلا جائے۔ جیسا کہ گزشتہ سالوں سے سیلاب ریلیف ٹکٹوں کے ذریعے یا فاطمید رائفل ٹکٹوں کے ذریعے سے جمع شدہ سرمایہ چند آدمیوں کے ٹکٹ نکل آنے پر ان کی جیب میں چلا جاتا ہے اور کچھ سرمایہ اس کاروبار کے چلانے والے بیٹھے بٹھائے مار لیتے ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف اسلامی قوانین کے نفاذ کے دعوے ہوتے ہوں اور دوسری طرف اسلام کے دعویداروں کی ناک کے نیچے ڈنکے کی چوٹ پر سرکاری ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جوئے کا یہ کاروبار کھلے بندوں ہو رہا ہے اور پھر اس سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ جیتنے والے ٹیلیویژن پر آ کر علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ میں نے دس روپیہ کا ٹکٹ لیا تھا، خدا کے فضل اور مہربانی سے میرا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا اور آج میں مالدار لوگوں میں شامل ہو گیا ہوں۔ پھر اس پر ستم ظریفی یہ کہ اسی حرام کی کمائی میں ایک آدھ انعام عمرے کے ٹکٹ اور بیت اللہ کی زیارت کے لئے بھی مخصوص رکھا جاتا ہے اور اس طرح ۔۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ ۔۔۔ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ اے ایمان والو، شراب اور جُوا شیطانی عمل ہیں ان سے بچو۔ کے خدائی حکم اور ہدایت کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جاتی ہے اور اُسے ۔۔ خدا کا فضل اور مہربانی ۔۔ کا نام دیا جاتا ہے اور اُسے خدا کے گھر کی زیارت کا "تتمہ" لگا کر اسے اسلامی رنگ دیا جاتا ہے۔ یہ اسلام کے ساتھ دھوکہ، فریب اور بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا ہم اتنے بےباک، بےخوف اور نڈر ہو گئے ہیں کہ خدا اور اُس کے گھر کے ساتھ اس کاروبار کو منسوب کرتے ہوئے ہمیں ذرا بھی شرم نہیں آتی اور لاکھوں روپیہ کے نقد انعام اور ہزاروں روپیہ کی قیمتی اشیاء کے لالچ میں آ کر لوگ ٹکٹوں کی

Marfat.com

سینکڑوں سیریز خریدتے ہیں۔ اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ ان پر لگاتے ہیں۔ بیویوں کے زیورات ان میں جھونکے جاتے ہیں۔ یا دفتروں میں اس لالچ میں آکر رشوت، غبن اور کرپشن کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر بھی انعام نہیں نکلتا تو دوبارہ اس سے زیادہ سرمایہ لگایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ خود اپنے دیوالیہ پن، پاگل پن اور گھریلو ناچاقیوں، ملازمتی بددیانتیوں اور خیانتوں کے گوناگوں جرائم اور نتائج پر منتج ہوتا ہے اور خدا کا فرمان سچ ثابت ہوتا ہے کہ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝ (المائدہ: ۹۱) شیطان تو چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور غضب کا نشانہ بنائے اور تمہیں خدا کے ذکر اور نماز کی ادائیگی سے روک دے۔ جوئے، لاٹریوں اور قرعہ اندازیوں میں راتوں رات دولتمند بننے والوں کے خواب جب پورے نہیں ہوتے اور وہ اس لالچ میں مزید در مزید قرضوں تلے دب جاتے ہیں تو نتیجہ کے طور پر دشمنی اور بغض سر اُٹھاتے ہیں، نفرتیں بڑھتی ہیں۔ خدا کے فضل سے انعام پانے والے جب خدا کے فضل کا حوالہ دیتے ہیں تو وہ چند افراد ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں ہزاروں دوسرے مایوس افراد خدا کے وجود اور اس کے فضل کے سرے سے قائل نہیں ہوتے۔ وہ اس ناجائز کاروبار میں اور اتفاقی طور پر کسی کامیابی اور اپنی ناکامی کو خدا کی اپنے ساتھ دشمنی پر محمول کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ خدا کے ذکر، خدا پر بھروسے، خدا پر توکل اور اس کی بندگی کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اور یوں شیطان کا ارادہ پورا ہو جاتا ہے اور خدا کا بندہ خدا سے بغاوت کا جھنڈا اُٹھا کر بکواسات، خرافات اور خدا کے بارے میں نازیبا اور مشرکانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔

جوئے اور دوسری تمام اقسام میں پوری قوم شریک ہو کر اجتماعی بےحسی، کاہلی، سستی اور بے محنت دولتمندی کے خوشنما خوابوں کی اسیر ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے قوتِ بازو اور ذاتی حق و حلال کی کمائی کی خدائی تائید اور برکتوں سے محروم ہو جاتی ہے جس کا معاشی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ملک اور قوم کی ترقی و خوشحالی کی اجتماعی کوششیں ٹھہر جاتی ہیں، رُک پڑتی ہیں، محنت مزدوری، ملازمت اور جائز کاروبار کے دُوررس اثرات و نتائج اور دیرپا ثمرات سے دل اُچاٹ ہو جاتا ہے اور ـــ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک ـــ کا انتظار دشوار معلوم ہوتا ہے اور پوری قوم اتفاقی اور حادثاتی دولتمندی کے پیچھے دوڑ پڑتی ہے ـــ

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اسی قسم کی دوسری جوئے بازی گھوڑوں کی دوڑ پر روپیہ لگانا ہے۔ یہ بیگانی شادی میں عبداللہ خانوں کو دیوانہ بنا دیتی ہے اور دولت کی غیر منصفانہ دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح معمہ بازی بھی جوئے کی قسم ہے۔ علمی حیثیت سے ایک معمہ کے بہت سے حل ہو سکتے ہیں، مگر جسے انعام ملتا ہے اس کا حل کسی معقول کوشش کی بنا پر نہیں ملتا بلکہ محض اتفاق سے اس کا حل اُس حل کے مطابق نکل آتا ہے جو صاحبِ معمہ کے صندوق میں بند ہوتا ہے اور صاحبِ معمہ اس اتفاق سے خود کو مالدار اور ہزاروں دوسروں کو بیوقوف بناتا رہتا ہے۔ گھوڑوں کی دوڑ، مرغوں، بٹیروں اور کتوں کی جیت ہار میں شرطیں باندھی جاتی ہیں اور بازیاں لگائی جاتی ہیں ـــ جوئے، قرعہ اندازی کی ان تین بڑی قسموں

Marfat.com

اور اُن کی تمام دوسری جدید قسم کی شاخوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

قرعہ اندازی کی جائز صورتیں

البتہ قرعہ اندازی کی صرف وہ قسم یا صورت جائز ہے جس میں دو برابر کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ مثلاً ایک چیز پر دونوں فریقوں کا حق برابر حیثیت کا ہے۔ فیصلہ کرنے والوں کے لئے ان میں کسی کو ترجیح دینے کی معقول وجہ موجود نہیں اور دونوں میں سے کوئی فریق اپنا حق چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ ایسی صورت میں ان کی رضامندی سے قرعہ اندازی کے ذریعہ فیصلہ کیا جائے۔

۲۔ یا دونوں کام یکساں طور پر درست ہوں اور عقلی حیثیت سے آدمی مذبذب ہو کہ کسے اختیار کرے اور کسے چھوڑے تو ایسی صورتِ حال میں قرعہ اندازی کی جاسکتی ہے تاکہ کسی ایک کام کے اختیار کی قدرتی تائید مل جائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم بالعموم ایسے مواقع پر یہ طریقہ اختیار فرماتے۔ جب دو برابر کے حقداروں میں سے ایک کے حق میں فیصلہ کرنا ہوتا اور یہ اندیشہ ہوتا کہ کسی ایک کے حق میں فیصلہ دوسرے کی ناراضگی اور ایک کے حق میں بلا جواز ترجیح کا الزام آتا تو قرعہ اندازی کا ایسا فیصلہ غیر جانبدارانہ تصور ہوتا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خدا کی حرام کردہ ایسی تمام چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے جو خدا کی حکمتوں کے اعتبار سے ہمارے حق میں مضر اور نقصان دہ ہیں اور معاشرتی لحاظ سے بھی ہمارے سکون، اطمینان اور باہمی اعتماد کے لئے تباہ کن ہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

Marfat.com

غصہ، بدزبانی، بدگوئی اور انتقام

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت سورہ شوریٰ ۳۷	غصہ۔ بے حیائی اور گناہ کبیرہ کی فہرست میں شامل ہے۔ ذاتی پریشانی اور خاندانی رنجشوں کا سبب ہے۔ انبیاءؑ نے غصہ اور انتقام سے کام نہیں لیا تب وہ انبیاء کے مشن میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے خدا کی بات کو قومی عصبیت نہ بننے دیا۔ برائی کا دفاع نیکی سے کرنے کی ہدایت۔ حضورؐ کے رویہ کی مثال۔
۲	سورہ حٰم سجدہ	
۳	جنت کے مستحق لوگوں کی صفت ہے	سورہ آل عمران۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔ الخ حضرت ابوبکرؓ کی مثال۔ سورۂ الاعراف، سورۂ عنکبوت، سورۂ النحل، سورۂ المومنون کے حوالہ جات۔
۴	ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم	نوکر کو معاف کرنا غصہ میں حالت کی تبدیلی۔ حوروں کا انتخاب۔ پہلوانی زور کی نہیں غصہ دبانے میں ہے۔ غصہ میں گالی اور انتقام پر آمادگی۔
۵	انسانی فطرت	نیکی کا بدلہ نہیں دیتا۔ برائی کا بدلہ لیتا ہے۔ ہر کسی کا جذبۂ انتقام اس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔
۶	واقعات و امثال	حضرت علیؓ کا عین حالت جنگ میں چہرے پر تھوکنے والے کو معاف کر دینا۔ امام ابوحنیفہؒ کا پڑوسی سے سلوک۔ گالیاں دینے والے سے سلوک۔ آپ کی والدہ سے نکاح کرنے کی گستاخی کرنے والے سے صبر و تحمل۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا واقعہ۔ حضرت زین العابدینؒ کا واقعہ۔ مدینہ کی بدخو و بدزبان عورت کا ذکر۔ حضورؐ کا ارشاد۔

Marfat.com

غصہ، بدزبانی، بدگوئی اور انتقام

آیت معہ ترجمہ وَالَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَالۡفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوۡا ہُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ۔ وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب انہیں غصہ آجائے تو وہ اس کا اظہار زبان و عمل سے نہیں کرتے، بلکہ درگذر اور معافی سے کام لیتے ہیں۔ (الشوریٰ: ۳۷)

تفسیر و تشریح سورۂ شوریٰ کی اس آیت نمبر ۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی مختلف دوسری صفات اور اخلاق بیان فرما کر مزید تین خوبیاں فرمائی ہیں کہ اہلِ ایمان بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں۔ فحاشی اور بے حیائی سے جان بچاتے ہیں اور یہ کہ جب انہیں غصہ دلانے کی کوشش کی جاتی ہے یا انسانی فطرت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر غصہ کبھی آجائے تو مشتعل ہو کر اس کے زبانی اور عملی اظہار کی بجائے اس موقعہ پہ معافی اور درگذر سے کام لیتے ہیں۔ ایمان والوں اور خدا کی پسندیدہ انسانی صفات کی دوسری خوبیوں سے قطع نظر جن کا ذکر دوسرے کسی موقعہ پہ کیا جائے گا، آج اس مضمون میں غصے، بدکلامی، بدزبانی اور اس کے تحت انتقامی کاروائی پر اظہار خیال مقصود ہے کہ یہ عادت اسلام کی روشنی اور قرآنی ہدایت کے خلاف ہی نہیں بلکہ اس سے خود انسان کی اپنی شخصیت اور اپنا دماغی سکون بھی تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور پھر غصے، گالی گلوچ، بدگوئی اور انتقامی جذبات انسان کی معاشرتی، خاندانی، گھریلو زندگی اور سماجی زندگی کے لئے سبھی انتہائی برے نتائج اور اثرات کا باعث ہوتے ہیں، بالخصوص اُن لوگوں کے لئے جو خدا کے دین کی سربلندی، اُس کے نفاذ اور خدا کی طرف لوگوں کو بلانے کے مقدس مشن کو اپنی زندگی کا مقصود اور مطلوب بنائیں اور شبانہ روز اس میں مصروف رہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جب بھی اپنا مشن رسالت و نبوت لے کر اُٹھے تو ہمیشہ ہر طرف سے اُن کی مخالفتوں کے طوفان اُٹھائے گئے، انہیں سازشوں کا نشانہ بنایا گیا، ان پر مذاق و تضحیک کے تیر برسائے گئے۔ تہمت طرازیوں اور الزام تراشیوں کا غبار اُڑایا گیا۔ ان کی ذات، ان کے مشن، ان کی تعلیمات و افکار پر اعتراضات کی بوچھاڑ برسائی گئی قتل کے فیصلے ہوئے۔ ان کی تحریک کی راہ میں روڑے اٹکائے گئے۔ غرض وہ سب کچھ کیا گیا اور ہوتا رہا جس سے ایک انسان کی ہمت، حوصلے اور عزم کو پست کرنے اور اسے ہار ماننے پر مجبور کیا جا سکتا تھا اور انہیں غصہ دلا کر انتقامی کاروائیوں پر اُکسا کر خدائی، دینی اور حق کی جنگ کو ذاتی، شخصی اور قومی لڑائی میں بدلنے کی سعی کی گئی تاکہ دین کی بات، خدا کی بات اور کار نبوت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلافات قومی عصبیت کا روپ دھار سکیں اور گروہی جھگڑے کی شکل اختیار کر کے

Marfat.com

گروہی و قبائلی تصادم کے حوالے ہو کر رہ جائیں۔

سورہ حم السجدہ میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۔ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۔ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۔

نیکی اور بدی یکساں نہیں، تم برائی کو نیکی سے دُور کرو جو بہترین ہو، اگر ایسا کیا تو تم دیکھو گے کہ تمہارے دشمن بھی تمہارے جگری دوست بن جائیں گے۔ یہ صفت صرف صبر کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے اور یہ مقام صرف نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے اور اگر شیطان کسی کی طرف سے بُرائی پر تمہیں اُکسائے تو تم خدا کی پناہ مانگو۔ خدا بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے۔

سب سے بلند درجہ خود نیک کام کرنے اور دوسروں کو نیکی کی طرف بلانے کا ہے۔ حضورؐ کے زمانے کا ماحول ایسا تھا کہ کفار مکہ ہٹ دھرمی پر اُترے ہوئے تھے، ہر طرح کی جارحانہ مخالفت پر کمربستہ تھے، اخلاق اور انسانیت یا شرافت کی کوئی حد نہ تھی۔ ایسے ماحول میں انہیں اور ان ایمان لانے والوں کو یہ نصیحت دی گئی اور یہی نصیحت آج بھی اور ہر زمانے میں بھی اتنی ہی سچی ہے اور اس کے نتائج و اثرات ہر زمانے میں وہی ہیں کہ بدی کا مقابلہ نیکی سے کرو اور نیکی بھی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ برائی کو معاف کرنا صرف نیکی ہے مگر برائی کے بدلے میں اُس پر احسان کرنا اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جس کے نتیجے میں بدترین دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ گالی کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا بے شک نیکی ہے مگر اس سے اس کی زبان بند نہ ہو گی۔ آپ دعائے خیر کریں گے تو بڑے سے بڑا دشمن بھی خواہ وہ کتنا ہی بے حیا اور بدفطرت ہو گا وہ شرمندہ ہو کر رہ جائے گا۔ پھر مشکل سے اس کی زبان بدکلامی پر کھلے گی۔ ہوسکتا ہے وہ زیادہ دلیر بھی ہو مگر آپ اُسے نقصان سے بچائیں گے تو قدموں میں گر پڑے گا۔ بعض خبیث ایسے ضرور ہوں گے کہ آپ اُن کے ساتھ کتنا ہی احسان کریں۔ درگزر سے کام لیں۔ اُن کے نیشِ عقرب کا زہریلا پن کم نہ ہو گا، مگر ایسے شرِ مجسّم کم پائے جاتے ہیں۔

برائی کے بدلے میں نیکی کا یہ نسخہ آسان نہیں، اس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ بڑے عزم، حوصلے اور قوتِ برداشت کی ضرورت ہے۔ ایک آدھ واقعہ پر ایسا ہو سکتا ہے، لیکن سالہا سال تک اکٹھا رہن سہن ہو تو بڑے لوگوں کی برائی پر نیکی اور احسان کا رویہ اختیار کرنا مشکل ہے۔ یہ معمولی آدمی کے بس کا کام نہیں۔ یہ کام وہی آدمی کر سکتا ہے جو ٹھنڈے دل سے حق کی سربلندی کا پکا ارادہ کر چکا ہے۔ جس نے پوری طرح نفس کو عقل و شعور کے تابع کیا ہو اور جس کے اندر نیکی اتنی جڑ پکڑ چکی ہو کہ مخالفین کی کوئی شرارت اُسے اس کے بلند مقام سے نہ گرا سکے۔ یہ ممکن نہیں کہ گھٹیا درجے کے لوگ اپنی کمینہ چالوں سے اور ذلیل ہتھکنڈوں سے اسے شکست دے سکیں۔

شیطان کو سخت کوفت ہوتی ہے کہ کمینگی کا بدلہ شرافت سے اور بدی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ نیکی کے پرستار بھی برائی پر اُتر آئیں تاکہ وہ کہہ سکے۔ دیکھئے برائی یکطرفہ نہیں دو طرفہ ہے دوسرے بھی تو رکیک حرکتیں کر رہے ہیں۔ اس طرح مخالفین کو بھی سخت بات کا جواب ہزار گالیوں سے دینے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ اس لئے

Marfat.com

ارشاد ہوا کہ شیطان کے فریب سے ہوشیار رہو، وہ اشتعال پیدا کرے گا۔ دوسروں کے ذریعہ منہ توڑ جواب کے مشورے دے گا۔ ایسے مشوروں پر خبردار رہو اور نفس کو قابو میں رکھو اور خدا سے پناہ مانگو۔

سورہ آل عمران میں جنت کے مستحق لوگوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ والکاظمین والغیظ والعافین عن الناس واللہ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ جنت خداترس لوگوں کا حق ہے جو اپنے غصّے کو پی جاتے ہیں۔ دوسروں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خداوند تعالیٰ معاف کرنے والوں کے ساتھ ساتھ معافی کے علاوہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص انہیں بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموشی سے سنتے رہے اور حضورؐ پاس بیٹھے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ آخر کار حضرت ابوبکر صدیقؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اُنہوں نے بھی جواب میں سخت بات کہہ دی، جیسے سنتے ہی حضورؐ پر انقباض کی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپؐ فوراً اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی اُٹھ کر پیچھے ہو گئے۔ راستہ میں شکایت کی کہ وہ شخص مجھے گالیاں دے رہا تھا تو آپ خاموشی سے مسکرا رہے تھے، مگر جب میں نے ایک بات کہہ دی تو آپؐ ناراض ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جب تک تم خاموش تھے تو فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ جب تم خود بول پڑے تو فرشتہ چلا گیا اور شیطان اس کی مدد کو آ پہنچا۔ اب میرے لئے شیطان کی موجودگی میں بیٹھنا اچھا نہ تھا اس لئے چلا آیا۔ (مسند احمد، راوی ابوہریرہؓ)

مخالفتوں کے طوفان میں صبر و سکون سے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ میرے ساتھ ناجائز سلوک سے بے خبر نہیں۔ وہ جانتا ہے اور سنتا بھی ہے۔ اسی بھروسے پر مومن دشمنوں کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیتا ہے۔ قرآن کریم میں پانچ مقامات پر بُرائی کے بدلے میں نیکی کی یہ حکمت اور نصیحت بیان کی گئی ہے۔ سورۂ الاعراف، حواشی ۱۴۹، ۱۵۳، تفہیم القرآن ج دوم۔ سورۂ النحل ۱۲۲، ۱۲۳، تفہیم القرآن جلد دوم۔ سورۂ المومنون ۸۹، ۹۰۔ سورۂ العنکبوت حواشی ۸۱، ۸۲، جلد سوم تفہیم القرآن۔

حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص نے تین بار پوچھا کہ میں کتنی دفعہ اپنے نوکر کو معاف کروں۔ ہر بار حضورؐ خاموشی اختیار فرماتے رہے۔ آخر فرمایا۔ دن میں ستّر بار اُس کی غلطی پر اُسے معاف کرو۔ (جامع ترمذی، راوی عبداللہ ابن عمرؓ) حضرت ابوذرؓ سے فرمایا۔ جب تمہیں کسی بات پر غصّہ آ جائے تو کھڑا ہونے کی حالت میں بیٹھ جاؤ۔ بیٹھے ہوئے ہو تو لیٹ جایا کرو۔ (مسند احمد۔ جامع ترمذی)۔ ایک دفعہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ دوزخ کی آگ اُس پر حرام ہوتی ہے جو مزاج کا تیز نہ ہو۔ (عبداللہ ابن مسعودؓ۔ ابو داؤد۔ ترمذی)۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ جو شخص اپنے غصّے کا انتقام لینے کے باوجود اُسے پی جائے اسے قیامت کے دن حُوروں کے انتخاب کی اجازت ہو گی۔ (معاذ بن جبلؓ۔ سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی) دوسرے موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی طاقتور اور پہلوان نہیں جو لوگوں کو دباتا ہو، مغلوب کرتا ہو۔ طاقتور تو وہ ہے جو نفس پر قابو رکھے اور اپنے غصّے کو روکے۔ (حضرت ابوہریرہؓ)۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب غصّہ آ جائے تو وضو کر لیا کرو اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم پڑھو۔ (بخاری و مسلم)۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا۔ تین باتیں حق ہیں۔ (۱) کسی کی زیادتی اور ظلم کو خدا کے لئے معاف کر دے بدلہ نہ لے۔ خدا

Marfat.com

کہ

بدلے میں مدد فرمائے گا۔ آخرت میں درجہ بلند ہوگا۔ (۲) صلہ رحمی کرتا رہے۔ (۳) کسی سے سوال نہ کرے۔ (مسند احمد)

خدا کے سامنے قیامت کے دن سب سے کم مرتبہ والا شخص وہ ہوگا جس کی بدزبانی و بدکلامی سے لوگ ڈر کر اس سے ملنا چھوڑ دیں۔ (بخاری و مسلم)۔ حضرت عائشہ رضؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام اعضاء سے زیادہ عذاب زبان کو ہوگا کہ اس کی بات مشرق سے مغرب تک پھیلتی ہے۔ (ابوالنعیم)

انسانی فطرت

انسانی فطرت ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کی جائے تو اس کا بدلہ تو کیا اسے یاد بھی نہیں رکھتا مگر برائی ہو جائے تو انتقام پہ فوراً آمادہ ہو جاتا ہے اور انتقام کا جذبہ اُسے ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ اسے فاعفوا واصفحوا اور کاظمین الغیظ کی قرآنی اور خدائی نصیحت بھول جاتی ہے۔ سعدی شیرازیؒ نے بھی خوب فرمایا۔ اگر مردی احسن الی من اساء۔ انسانی فطرت کا قانون خدا کے قانون کے برعکس ہوتا ہے کہ نیکی کا بدلہ بقدر نیکی دے گا۔ بشرطیکہ اُسے توفیق مل جائے مگر بدی اور برائی کا بدلہ دس گنا لے کر بھی غصے کی آگ نہیں بجھتی۔ خدائی قاعدہ اور قانون یہ ہے کہ معافی، نیکی، غصے اور انتقام کے جذبے اور راستہ کو روکتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا فرمان ہے کہ دانا آدمی غصے کو ٹالتا ہے مگر بے وقوف، جاہل اور نادان لوگ اسے بھڑکاتے ہیں۔ غصے کا اگلا قدم انتقام ہوتا ہے اور یہی جذبۂ انتقام ہوتا ہے جس سے سلطنتیں تباہ ہوتی ہیں، خاندان برباد ہوتے ہیں، زندگی کے تمام پروگرام منقطع ہوتے ہیں اور انتقام غصے کی سب اقسام سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اپنے فائدے کو مدنظر رکھو تو چاہیئے کہ ہم برائی کرنے والے کے مثل یا اس سے بدتر نہ بنیں۔

انتقامی جذبات رکھنے والے لوگ اپنی اپنی توفیق کے ...... مطابق اور صلاحیتوں کے موافق انتقام لیتے ہیں۔ ایک جاہل، طاقتور شخص اس جذبہ کے تحت اپنے حریف کو کچلتا ہے۔ ذہین اور چالاک آدمی اپنے حریف کو ناگہانی آفتوں میں مبتلا کرتا ہے، بدنام کرتا ہے، اُس کی عزت اور شہرت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ روپیہ خرچ کر کے قاتلوں اور ڈاکوؤں کا سہارا لیتا ہے اور انہیں کے ذریعہ اپنے مخالفوں کو ایذا دیتا ہے۔ ارباب اختیار اور حکومت جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے جیل کی ہوا کھلاتے ہیں۔ کوئی شاعر ہے تو وہ ہجو لکھ کر غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے اور منظوم گالیاں لکھتا ہے۔ اخبار نویس ہے، اخبار کے صفحات میں کسی کے دامنِ شہرت کو داغدار کرتا ہے۔ غرض غصہ اور انتقام ایک ایسی انسانی فطرت ہے جس کی آگ ہر طرف اور معاشرے کے ہر طبقے میں بھڑک کر معاشرے کو بھسم کر دیتی ہے۔ ایک امیر سے فقیر تک، رشتہ دار رشتہ دار سے، دوست دوست سے ہر کوئی بدی کا انتقام لینے پر آمادہ رہتا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو زورِ بازو رکھتے ہیں نہ دولت اور حکومت، نہ ان کے منہ میں زبان ہوتی ہے، نہ ہاتھ میں قلم، ایسے بیکسوں کا جب دل دکھتا ہے تو وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، ان کے منہ سے آہ نکلتی ہے اور بقول شیخ سعدیؒ اس آہ کی قبولیت کے لئے اجابت خود حق کی طرف سے استقبال کے لئے آتی ہے اور خدا کا یہ انتقام ایسا ہوتا ہے جسے کوئی بھی نہیں ٹال سکتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو، صبر و تحمل سے کام لو اور برائیوں کو نیکیوں کے ذریعہ اپنے آپ سے دور رکھو۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو خون کے پیاسے بھی جگری دوست بن جائیں گے، لیکن بلند مقام

اور اُونچا مرتبہ حوصلے اور صبر والوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر کسی کو صبر و تحمل کی عادت پڑ جائے تو خود احساس ہوگا کہ ؎

در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

انسانی زندگی ہزاروں تلخیوں سے پاک ہوگی۔

واقعات و امثال

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی، مالی، اجتماعی، علمی اور حکومتی طاقت بخشی ہے تو اسے چاہیئے کہ خدا کے دیئے ہوئے ان عطیات کو غصّے، گالی، بدزبانی اور بدگوئی سے آلودہ کرکے ان کی توہین نہ کرے۔ حضرت علیؓ ایک جنگ میں دشمن کے سینہ پر چڑھ بیٹھے، قریب تھا کہ اُس کے سینے میں خنجر بھونک دیتے کہ دشمن نے آپ کے رُوئے مبارک پر تھوک دیا۔ آپ فوراً سینے سے اُتر آئے۔ دشمن اس غیر متوقع اور بے محل عمل پر حیران رہ گیا۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ پہلے تم سے خدا کے لئے لڑائی و دشمنی تھی تمہارے تھوکنے سے میرا ذاتی غصّہ اس لڑائی میں شامل ہوگیا۔ اس لئے میں ذاتی غصّے اور جذبۂ انتقام کو تمہارے قتل میں شامل کرنے کی بجائے تجھے چھوڑ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اُن کی معافی، درگذر اور ذاتی غصّے پر انتقام نہ لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر کفّار سے لڑتا رہا۔ خدا کا فرمانا سچ ہے کہ بدی کے بدلے میں معافی سے دشمن دوست بن جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحؒ کے پڑوس میں ایک موچی رہتا تھا۔ وہ دن بھر محنت مشقت کرتا، شام ہوتے ہی سامان سمیٹ کر شراب و کباب خرید کر رات بھر دو چار دوستوں کے ہمراہ دھما چوکڑی مچاتا اور بار بار یہ شعر پڑھتا۔ "لوگوں نے مجھ ایسے بہادر کو جو دشمنوں کے منہ پر تلواریں مارتا ہے، کھو دیا، ضائع کر دیا"۔ امام ابوحنیفہ رحؒ اس کی شراب نوشی اور مستی میں آکر اس کے شور و غل اور بیہودہ گوئی سے بہت تنگ تھے، وہ خاموش رہتے، اگر وہ چاہتے تو اس کی گالی گلوچ، شور و غوغا اور ہنگامہ آرائی کا علاج آسان تھا کہ شہر کا ہر چھوٹا بڑا ان کی عزّت کرتا تھا، مگر امام صاحبؒ خاموش رہتے، صبر و تحمل سے کام لیتے تھے۔ ایک رات سپاہی گشت کرتے ہوئے ادھر نکل آئے۔ انہوں نے یہ ہنگامہ اور غوغا آرائی سنی تو موچی کے گھر دھاوا بول دیا۔ موچی اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ صبح امام ابوحنیفہ رحؒ نے پاس آنے والوں سے پوچھا۔ کیا بات ہے رات ہمارے خوش فکر دوست کہاں خاموشی چھا گئی۔ کہنے والوں نے خوشی کے ملے جُلے انداز سے اُس پر گزری ہوئی بات بیان کی۔ انہوں نے بات سن کر فوراً کپڑے بدلے اور سیدھے شہر کے حاکم کے پاس جا پہنچے۔ خلیفہ منصور کا بھتیجا عیسیٰ بن موسیٰ کوفہ کا گورنر تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ امام ابوحنیفہ رحؒ اُن سے ملنے آئے ہیں۔ فوراً درباریوں کو استقبال کے لئے بھیجا، خود سواری تک پہنچا، عزت کے ساتھ لے آیا۔ عزت و احترام کے ساتھ پاس بٹھا کر پوچھا۔ آپ کیوں تشریف لانے کی تکلیف فرماتے ہیں کام تھا تو مجھے بلایا ہوتا۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ایک موچی میرا پڑوسی ہے رات تمہارے سپاہی اُسے گرفتار کر کے لے آئے، میں چاہتا ہوں کہ وہ قید سے آزاد ہو جائے۔ عیسیٰ نے فوراً قاصد بھیجا کہ موچی کو حوالات سے ساتھ لے آؤ۔ امام صاحب بیٹھے تھے موچی چھوٹ کر آ گیا۔ امام صاحبؒ خدا حافظ کہہ کر چلے آئے۔ موچی اپنے محسن کے ساتھ ہو گیا۔ راستہ میں انہوں نے موچی کے ہر بار گائے ہوئے شعر کا حوالہ دے کر فرمایا۔ دیکھو بھائی ہم نے تمہیں کھونے نہیں دیا۔ موچی شرمندہ ہو کر بولا۔ آپ نے اپنے نالائق پڑوسی کا خیال رکھا اور ہمسائیگی کا حق ادا کیا، جسے میں اب تک بھولا ہوا تھا۔

Marfat.com

موچی گھر آیا تو دل شراب و کباب سے بھر گیا۔ امام صاحبؒ کی عنایت اور سلوک نے اس کی زندگی کا رنگ بدل دیا۔ کچھ دن نہ گزرے تھے کہ وہ امام صاحبؒ کے درس میں شریک ہوتا رہا اور نماز کا پابند ہو گیا۔ امام صاحبؒ کے اس حسنِ سلوک کا اس سے اچھا بدلہ کیا ہو سکتا تھا۔

انہی امام صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دن درس کے دوران ایک شخص آکر انہیں گالیاں دینے لگا۔ شاگردوں نے چاہا کہ اُٹھ کر اُس کی مرمت کریں، مگر منع کیا اور وہ مسلسل انہیں اشتعال دلانے میں مصروف رہا۔ چنانچہ آپ درس سے اُٹھے اور گھر کا راستہ لیا۔ وہ شخص بدستور اپنی بدکلامی و بدگوئی میں مصروف رہا حتیٰ کہ امام صاحبؒ گھر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ پیچھے مُڑ کر دیکھا تو اُس سے فرمایا۔ بھائی کچھ اور کہنا ہو تو کہہ دو کیونکہ میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں۔ اس شخص کی شیطانی حکمتِ عملی کارگر نہ ہوئی۔

امام ابوحنیفہؒ انتہائی عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔ اللہ نے انہیں علم کی دولت کے ساتھ صبر و تحمل کی بیش بہا دولت سے نوازا تھا۔ انہی کے متعلق یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں آیا اور پوچھا کہ آپ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر پوچھا۔ آپ کی والدہ زندہ ہیں۔ فرمایا۔ ہاں زندہ ہے۔ اس بدزبان و بدفطرت نے کہا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ بڑی حسینہ و جمیلہ ہے اس لئے میں ان سے نکاح کرنے آیا ہوں، آپ ان کا نکاح میرے ساتھ کر دیجئے۔ آپ نے نہایت صبر و تحمل سے مشتعل ہوئے بغیر فرمایا۔ وہ عاقل بالغ ہیں انہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے میں جبر نہیں کر سکتا البتہ پوچھ سکتا ہوں۔ آپ اس ارادے سے اُٹھے تھے کہ پیچھے مُڑ کر دیکھا تو وہ تڑپ تڑپ کر جان دے رہا تھا۔ فرمایا۔ ابوحنیفہؒ کے صبر نے اس کی جان لے لی۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا بڑا نام تھا۔ اللہ نے انہیں علم بھی دیا تھا شہرت اور عزت بھی۔ ایک دفعہ اپنے عقیدت مندوں میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص محفل میں آیا اور آپ سے چند چیزوں کی فرمائش کی کہ فوراً منگوا دیجئے۔ آپ خاموش رہے تو وہ شخص ایسا بھپرا کہ گالیاں بکنے لگا۔ حضرت خاموشی سے سنتے رہے اور کہتے بھی کیا۔ گالی کا جواب گالی سے دینا آسان ہے لیکن کسی کی بدتمیزی اور بدتہذیبی کو برداشت کرنا دل گُردے کا کام ہے اور اللہ کے بندے اپنے نفس کی ایسی تربیت کرتے ہیں کہ صبر و ضبط کی قوت بڑھ جاتی ہے اور غصے کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ سلطان اولیاءؒ بھی ایسے ہی نیک بندے تھے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ وہ شخص بھری محفل میں حضرت کے عقیدتمندوں میں گالی گلوچ کر کے خاموش ہوا تو اپنے خادم سے فرمایا۔ خدا کا بندہ جو کچھ چاہتا ہے دے کر احترام سے رخصت کرو۔ وہ گیا تو حاضرین اُس کی بدتمیزی پر تبصرہ کرنے لگے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا۔ میرے اس عمل کو یاد رکھو، میں نے اپنے استاد اور مرشد کا یہ عمل دیکھا تھا جس پر آج عمل کیا۔ فرمایا۔ ایک شخص بابا فرید گنج شکرؒ کی محفل میں آیا اور آتے ہی لڑ پڑا کہ لوگ کیوں تمہاری عزت کرتے ہیں حالانکہ تم بت بنے بیٹھے ہو جبھی تو تمہاری پوجا ہوتی ہے۔ حاضرین مجلس نے بُرا منایا، مگر بابا فریدؒ خاموش بیٹھے رہے۔ وہ شخص بار بار یہی کہتا رہا کہ تم بُت ہو تو باباجیؒ نے فرمایا۔ میاں، اللہ نے ایسا ہی بنایا ہے ورنہ ہماری کیا مجال کہ کچھ بن سکیں۔ انہوں نے یہ جملہ جس نرمی سے فرمایا اور جس طرح اُس کی بے ادبی پر خاموش رہے، یہی تربیت میں نے ان سے سیکھی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

Marfat.com

نے عقیدت مندوں سے فرمایا۔ میرا طرزِ عمل آپ کے لئے بھی درسِ موعظت ہے۔

لوگ ہمیشہ بزرگوں اور خدا کے نیک بندوں کی شہرت، عوام میں مقبولیت اور عقیدت سے جلتے رہتے ہیں۔ کچھ دنیادار لوگ بھی ایسی ہستیوں سے جلتے رہتے ہیں اور انہیں مشتعل کرنے کے لئے یا بے عزتی کی خاطر ایسے تلنگے لگا دیتے ہیں، مگر اللہ جنہیں عزت، مرتبہ اور بزرگی عطا فرمانا چاہے اُن کے ظرف اور حوصلے بھی بلند ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نفس پر قابو پایا ہوتا ہے تب ہی انہیں یہ مرتبے عطا ہوتے ہیں۔ ولمن صبر و غفر ان ذالک من عزم الامور۔ جو لوگ صبر اور معافی و درگذر سے کام لیتے ہیں وہ بڑے عزائم کے مالک ہوتے ہیں۔ غصے پر قابو رکھنا بہادری ہے، لیکن ایک مقام اس سے اُونچا ہے، وہ ہے گالیاں کھا کے بدمزہ نہ ہونا، غصّے کو تھامنا اور غصہ پیدا ہی نہ ہونے دینا اور بات ہے۔ پھر وہ مقام آتا ہے کہ آدمی دوسرے کو معاف ہی نہ کرے بلکہ احسان کرے۔ یہ واقعہ حسن کا ہے۔ وہ تابعین میں سے تھے۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مدینے میں ان سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ امام نووی رح لکھتے ہیں کہ ان کی بزرگی پر سب کو اتفاق تھا۔ حضرت امام حسین رض اور امام حسن رض کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ رض نے اُن کی تربیت میں حصہ لیا۔ ایک دن ایک شخص اُن کی خدمت میں آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کے لئے نامناسب الفاظ کہتا رہتا ہے۔ پوچھا۔ گالیاں دیتا ہے۔ کہا، ہاں۔ فرمایا۔ چلو اس کے پاس چلتے ہیں۔ دونوں چلے راستہ میں وہ شخص سوچتا رہا تیر نشانے پر بیٹھا ہے خوب لڑائی ہوگی، لیکن معاملہ برعکس ہُوا یعنی بزرگ گالیاں دینے والے کے پاس پہنچے تو فرمایا۔ تم نے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے اگر صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے، اگر جھوٹ ہے تو خدا تیری مغفرت فرمائے۔ یہ کہا اور وہاں سے لوٹ آئے۔ یہ واقعہ حضرت زین العابدین رح کا ہے۔ ایک دن مسجد سے نکلے کہ ایک شخص ساتھ ہوگیا۔ جانے اسے کیا ہُوا کہ آپ کو سنا سنا کر گالیاں دینے لگا۔ حضرت سے محبت کرنے والے دوڑے کہ اس گستاخ کا منہ بند کریں کہ آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمانے لگے۔ میری بہت سی کمزوریاں اور برائیاں تو چھپی ہوئی ہیں تمہیں معلوم ہی نہیں، جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں اس سے زیادہ بُرا ہوں۔ وہ شخص شرمندہ ہو کر ڈھیر ہوگیا۔ آپ سے اس کی یہ شرمندگی بھی نہ دیکھی گئی۔ اپنا کرتہ اتار کر اُسے دیا اور ہزار درہم سے بڑھ کر اسے دیئے۔ اس شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ بیشک آپ خاندانِ نبوت کے فرد ہیں، آپ ایسے نہ ہوں گے تو کون ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کے نبی ص نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا اور نہ کسی بُرا چاہنے والے کو بُرا کہا۔ ارشاد ربانی ہے۔ فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔ جو معاف کر دے اور حسن سلوک ۔ صلح ۔ روا رکھے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

حضور ص کی مجلس میں صحابہ کرام رض کے درمیان مدینے کی ایک عورت کا ذکر آیا تو کہا گیا کہ وہ بڑی نیک ہے، نماز پڑھتی ہے روزے رکھتی ہے، صدقہ اور خیرات بھی دیتی ہے۔ راتوں کو جاگ کر ذکر الٰہی میں مصروف رہتی ہے بس ایک بات اس میں مناسب نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ وہ کیا؟ جواب دیا گیا۔ حضور ص! وہ زبان کی سخت اور تند مزاج ہے۔ ذرا مرضی کے خلاف بات ہو تو بگڑ بیٹھتی ہے اور بگڑتی ہے تو کچھ نہ پوچھئے۔ لوگ اُس کی اس عادت اور مزاج سے تنگ ہیں۔ حضور ص نے فرمایا۔ پھر تو اس کی عبادتیں بیکار گئیں، عبادات کا مقصد مزاج کو شرافت بخشنا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ

Marfat.com

ہے۔ قُولُوا للنّاس حسنا۔ کسی سے بات کرو تو نرمی سے کرو، ترشی و تندی نہ آئے۔

کسی کو قید کرنا خوشی کی بات نہیں، مگر زبان کو قید کر کے خوش ہونے کا حکم ہے۔ روزہ میں خاموشی پرہیز گاری ہے۔ زیادہ بولنے والا اپنی زبان کو برائیوں سے نہ بچا سکے گا۔

ایک آدمی نے بکر بن عبداللہؓ کو بہت سی گالیاں دیں، بُرا بھلا کہا۔ آپ خاموش رہے۔ کسی نے کہا۔ آپ اُسے بُرا بھلا کیوں نہیں کہتے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس شخص کی کوئی برائی معلوم نہیں کہ برا کہہ سکوں۔ لا یحبّ اللہ الجہر بالسّوء الا من ظُلِم۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں پسند فرماتے کہ کوئی کسی کی بدگوئی پر اُتر آئے۔ ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غصے اور انتقام سے بچائے۔ آمین۔

Marfat.com

Marfat.com

سود خواری

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	سود کی حرمت کی آیت	ربٰو کی تعریف۔ سود کی صورتیں۔ سود اور تجارت کا اصولی فرق۔
۲	سود اور انسانی اخلاق	بخیلی، خود غرضی، سنگدلی، بے رحمی، زر پرستی جیسے اوصاف رذیلہ پیدا ہوتے ہیں
۳	فانتھی فلہ ما سلف کی تشریح	یہ گناہ معاف نہیں ہوا، قانونی رعایت ہے۔
۴	سود کی بے برکتی اور زکوٰۃ میں برکت	یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ کی تشریح۔ صدقہ اور سود کا موازنہ
۵	سود کا تمدنی و معاشی جائزہ	معاشرہ میں خود غرضی، سنگدلی و زر پرستی، باہمی ایثار و ہمدردی کا فقدان۔ سودی قرضہ کے اسباب، کاروبار میں دل شکنی۔ سود پر رقم دینے والا نفع و نقصان میں شریک نہیں ہوتا۔
۶	دولت اللہ کا فضل ہے	خدا کا فضل جائز امور میں صرف ہو حرام میں نہ ہو۔ شائیلاک کی ذہن کا رویہ اور خدا پرستانہ ذہنیت کا کردار۔
۷	اسلامی حکومت میں سود خور کی سزا	اگر باز نہ آئے تو واجب القتل ہے۔ بعض کے نزدیک قید کیا جا سکتا ہے۔ توراۃ میں سود کی ممانعت کا حکم اور یہودیوں کی سود خواری۔
۸	ارشاداتِ رسول ؐ	سود کے گناہ کے ستر حصّے۔ اپنی والدہ سے زنا کرنا۔ مقروض سے ہدیہ وصول کرنا سود میں شامل ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا تقویٰ۔ سود سے کوئی بھی نہ بچے گا۔

Marfat.com

سود خواری

آیت معہ ترجمہ

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبٰوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۗ وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ
جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهُ مَا سَلَفَ ۖ وَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۖ
هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۔ (البقرہ: ۲۷۵،

۲۷۶)۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں اُن کا حال ایسا ہے جیسے انہیں شیطان نے چھو کر باولا کر دیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سود ہی ہے اور اللہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اُس کے ربّ کی طرف سے نصیحت پہنچے اور وہ سود خواری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا ہے، کھا چکا ہے اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور جو اس کے خدا۔ حکم کے بعد پھر بھی سود خوری جاری رکھے وہ جہنمی ہے۔ جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

تفسیر و تشریح

ربوا کے لفظی معنیٰ عربی میں زیادتی کے ہیں۔ اصطلاح میں اس اضافی رقم کو کہا جاتا تھا جسے اصلی رقم پر مقررہ شرح کے مطابق قرضدار سے وصول کیا جاتا ہے، جس کی مختلف صورتیں اُس زمانہ میں رائج تھیں۔

سود کی صورتیں

۱۔ جب کوئی چیز فروخت کی جاتی اس کی قیمت کی ادائیگی کے لئے کوئی مُدت مقرر کر دی جاتی۔ اگر اس مُدت کے اندر قیمت ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت دے دی جاتی اور اس مہلت پر قیمت میں مزید اضافہ کر دیا جاتا۔

۲۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایک شخص کسی کو قرض دیتا تو دونوں کے درمیان یا قرض دینے والا اس شرط پر قرض دیتا کہ اتنی مُدت میں قرض کی اصل رقم پر اتنا مقررہ اضافہ ادا کرو گے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ قرض دار اور قرض خواہ کے درمیان ایک خاص مُدت کے لئے اصلی رقم پر اضافی شرح مقرر ہوتی، اگر اس مُدت میں وہ اصل رقم معہ شرح ادا نہ کرتا تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر مقرر کر دی جاتی۔

ان تینوں صورتوں کو قرآن کریم نے اس آیت میں حرام قرار دیا ہے اور اسے شیطان کے چھونے کی مثل قرار دیا ہے۔ شیطان کا چھونا مس کرنا ایسے آدمی کو کہا جاتا تھا جو دیوانہ اور آسیب زدہ ہو۔ عربوں میں جب کوئی ہوش حواس کھو بیٹھے تو اُسے کہتے تھے اسے شیطان نے مس کر دیا یا شیطان لگ گیا ہے۔ قرآن کریم نے سود خوار کے لئے یہی رائج محاورہ استعمال کیا ہے یعنی سود خوار بھی مخبوط الحواس کی طرح عقل سے عاری ہوتا ہے اور دولت کے

Marfat.com

پیچھے دیوانہ ہوتا ہے۔ خود غرضی اور پیسے کے لالچ میں اُس کے اندر انسانی ہمدردی، اخوت اور باہمی برتاؤ کا خیال تک نہیں آتا۔ وہ کتنے ہی لوگوں کی بدحالی اور تباہی پر اپنی خوشحالی اور فائدے کی بنیاد رکھتا ہے۔ دنیا میں تو اس کی دیوانگی اور خودغرضی کا یہ عالم ہے ہی، مگر آخرت میں بھی وہ باؤلا اور مخبوط الحواس اُٹھے گا۔

سود اور تجارت کا فرق

کفار اور سود خوار کہتے ہیں کہ خدا تجارت میں لگے ہوئے سرمائے کا منافع جائز کرتا ہے اور سود پہ دی ہوئی رقم پر زائد منافع کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔ اُن کے نزدیک جس طرح رقم دینے والا آدمی اپنی رقم سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اسی طرح جس کو قرض دیا جاتا ہے اس پر وہ بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے، اس لئے کیوں نہ قرض دینے والا اس فائدے سے کچھ حصّہ حاصل کرے۔

۱۔ دنیا میں جتنے بھی کاروبار ہیں، تجارت ہو، صنعت ہو، حرفت یا زراعت ہو، یہ سارے کاروبار اپنی محنت سے ہوں یا سرمائے اور محنت دونوں سے ہوں ۔ ان میں انسان نقصان اور خسارے کا خطرہ مول لیتا ہے، لیکن سود ایسا کاروبار ہے جس میں روپیہ لگانے والا مقررہ لازمی منافع کا حقدار ہوتا ہے وہ نقصان اور خسارے کا رسک (Risk) نہیں لیتا۔

۲۔ کاروباری لوگ اپنا وقت، محنت، قابلیت اور سرمایہ رات دن کھپاتے ہیں جن کی بے انتہا محنت سے کاروبار ترقی کرتا ہے یا اس کی ترقی ان کی محنت ومشقت اور وقت پر موقوف ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نہ مقررہ منافع کی ضمانت ہوتی ہے اور نہ نقصان کے اندیشے سے وہ فارغ ہوتے ہیں، اس کے برعکس سود خوار جس نے قرض دیا ہوتا ہے وہ کیوں بے خطر طے شدہ منافع وصول کرتا ہے۔ یہ کسی منطق، عقل اور معاشیات کی رُو سے درست نہیں ہے۔

۳۔ ایک شخص ایک کارخانے کو بیس سال کے لئے رقم قرض دے کر آج ہی یہ طے کرے کہ آئندہ بیس سال تک پانچ فیصدی کے حساب سے مقررہ منافع لیتا رہے گا۔ حالانکہ وہ کارخانہ جو مال تیار کرے گا کیا پتہ کہ مارکیٹ میں آئندہ بیس سالوں میں قیمتوں کا اتار چڑھاؤ کیا ہوگا۔

۴۔ پھر یہ کیسے درست ہے کہ ایک قوم کے سارے طبقے کاروبار کی لڑائی میں خطرات، نقصانات، اور قربانیاں برداشت کریں، مگر ساری قوم میں صرف سود خوار طبقہ ایسا ہو جو اپنے دیئے گئے قرضہ پر اپنی ہی قوم سے اس لڑائی میں صدیوں بعد سود وصول کرتا رہے۔ اسے نہ ملکی صورتِ حال سے دلچسپی ہو نہ قومی ضروریات کا احساس ہو۔

تجارت اور سود کا اصولی فرق

سودخوار اور تاجر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس کا مندرجہ ذیل صورتِ حال سے فرق ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ تجارت میں بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے۔ بیچنے والا اپنی محنت، وقت اور ذہانت کی اُجرت لیتا ہے جسے اُس نے خریدار کے لئے اسے مہیا کرنے پر صرف کی ہوتی ہے اور خریدار اس مہیا کی گئی چیز سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اس کے برعکس سود خوار برابر کی بنیاد پر منافع نہیں لیتا بلکہ وہ مقررہ مقدار۔ سود۔ مال کے عوض لیتا ہے جو یقیناً نفع بخش ہے۔

۲۔ اگر کسی نے ذاتی ضرورت کے لئے قرض لیا ہے تو ظاہر ہے کہ قرضہ کی ادائیگی کی مہلت اس کے لئے نفع بخش نہیں

ہے۔ اگر یہ قرض تجارت، زراعت اور صنعت کے لئے لیا ہے تو بھی اس کی مہلت میں نفع اور نقصانات کے امکانات موجود ہیں۔ سود ایک فریق کے یقینی مقررہ فائدے کے لئے ہوتا ہے لیکن دوسرے فریق کا فائدہ غیر یقینی اور غیر معین ہوتا ہے۔

۳۔ تاجر جتنا بھی منافع لے وہ ایک بار لیتا ہے، لیکن سود خوار اپنے سرمائے پر بار بار منافع وصول کرتا ہے بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ منافع بڑھتا رہتا ہے۔

۴۔ تجارت کی معاشی حیثیت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم الشان فرق ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت ہے جبکہ سود اُس کی تباہی و بربادی کا موجب ہے۔

سود کی اخلاقی حیثیت سود خوار انسان خواہ فرد ہو یا قوم، اس میں سود خواری کی وجہ سے بخیلی، کنجوسی، خودغرضی، سنگدلی، بے رحمی اور زر پرستی کی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس ہمدردی، امداد باہمی، سخاوت اور وسیع القلبی کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ سود معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نوع انسانی کے لئے تباہ کن ہے۔

جو کھا چکا کھا چکا۔ فانتھٰی فلہٗ ماسلف۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سود کی ممانعت کے بعد جو شخص سود خواری سے رُک جائے تو سابقہ سود کے متعلق فرمایا گیا کہ جو کچھ اُس نے اس خدائی ہدایت سے پہلے کھا لیا کھا لیا، یہ گنجائش رکھی ہے کہ اُسے معاف نہیں کیا گیا بلکہ ایک قانونی رعایت دی گئی ہے کہ اس سے سابقہ وصول کردہ سود واپس نہ ہوگا، نہ کوئی اپنے سود واپس لینے کا مطالبہ کرے گا۔ البتہ یہ بات سود کھانے والے پر چھوڑ دی ہے کہ اگر اسلام لانے کے بعد اور سود کی اس حرمت کے بعد اس میں خدا خوفی پیدا ہو جائے اور اس میں معاشی نقطہ نظر کی تبدیلی آ گئی ہو تو وہ خود اپنی سابقہ حرام کی کمائی کو خود پر خرچ نہ کرے گا بلکہ از خود اُن حقداروں کو دے دے گا اور جن تک واپسی ناممکن ہو اُن کا حق اجتماعی فلاحی کاموں پر خرچ کرے تو اس نیت اور عمل پر خدا کی سزا سے بچ جائے گا اور رہا وہ شخص جو سودی سابقہ مال حرام کے علاوہ اس کاروبار میں بدستور ملوث ہے اور ذاتی تصرف میں لا رہا ہے تو وہ اس حرام خوری کی سزا پا کر رہے گا۔

سود کی بے برکتی اور صدقات کے مال میں افزونی یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا — آیت کے اس فقرے میں ایسی سچائی کا اظہار ہے جو اخلاقی اور روحانی لحاظ سے بھی حق ہے اور معاشی اور تمدنی اعتبار سے بھی ناقابل انکار ہے۔ بظاہر سود خوار یہ سوچتا ہے کہ اس طرح اُس کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں خدا کا قانون فطرت یہی ہے کہ سود اخلاقی، روحانی، معاشی اور تمدنی ترقیوں میں مانع ہے بلکہ موجب تنزل ہے، اُس کے برعکس صدقات، جن میں بظاہر خرچ ہی خرچ نظر آتا ہے اور منافع دکھائی نہیں دیتا، مگر اس میں خیر اور بھلائی کو نشوونما ملتی ہے۔ سود خود غرضی، تنگدلی، سنگدلی، شقاوت قلبی جیسی صفات کا نتیجہ ہے اور اس کے ذریعہ معاشرے میں یہی صفات (ذریعہ نشوونما پاتی ہیں۔ صدقات) فیاضی، ہمدردی، فراخدلی، عالی ظرفی اور سخاوت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اس کے ذریعہ جن میں قرض حسنہ بھی شامل ہے، معاشرے میں یہی صفات بڑھتی پھلتی پھولتی ہیں۔ کون ہے جو اخلاق و کردار کے ان

Marfat.com

دونموں اور صفات میں سے پہلی رذیلہ صفات کو بدترین اور دوسری صفات حمیدہ کو بہترین نہ مانتا ہوگا۔

تمدنی جائزہ

جس سوسائٹی کے افراد ایک دوسرے سے خود غرضی کا معاملہ کریں، ذاتی غرض اور فائدے کے بغیر کوئی دوسرے کے کام نہ آئے کسی کی مجبوری کو ذاتی فائدے کا زرّیں موقعہ جانے اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ سرمایہ دار و مالدار لوگوں کا فائدہ عام لوگوں کے فائدے کی ضد ہو جائے تو ایسی سوسائٹی مستحکم اور پائیدار نہیں ہو سکتی۔ یہ کوّے، چیلوں، بھیڑیوں، کتوں اور گدھوں کی سوسائٹی تو ہو سکتی ہے جو مرنے والے جانور کی موت پہ پیٹ بھرتے ہیں یعنی کسی کی موت پہ ہی ان کی زندگی کا انحصار ہو تو اسے انسانوں کی سوسائٹی کون کہے گا۔

اس سوسائٹی اور معاشرے کے افراد باہمی محبّت و اخوّت کی بجائے حسد، بُغض، بیدردی، بے رحمی اور لاتعلقی کا شکار ہو کر اس کے اجزاء بکھر جائیں گے۔ اگر دوسرے اسباب بھی شامل ہو جائیں تو باہمی تصادم کی صورت پیدا ہونا یقینی ہوگی۔ اُس کے برعکس جس سوسائٹی میں اجتماعی نظام ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور اخلاص پہ مبنی ہو جس کے افراد ایک دوسرے سے فیاضی و سخاوت کا برتاؤ کریں، جس میں ہر شخص دوسرے کی حاجت و ضرورت میں فراخ دلی کا مظاہرہ کرے۔ جس میں باوسیلہ لوگ بے وسیلہ لوگوں سے منصفانہ و خوشگوار تعاون کا سلوک کریں تو ایسی سوسائٹی میں آپس کی محبّت، خیر خواہی اور دلچسپی بڑھے گی، اس کے اجزاء ایک دوسرے سے پیوستہ اور ایک دوسرے کے پُشتی بان ہوں گے۔ اس میں اندرونی نزاع اور تصادم کا موقعہ نہ ملے گا تو ترقی کی رفتار پہلی قسم کی سوسائٹی سے زیادہ تیز ہوگی۔

یہ صرف خیالی اور نظریاتی باتیں نہیں ہیں۔ ہمارے ملک کے بڑے بوڑھے اور بالخصوص دیہی علاقوں کے افراد جانتے ہیں کہ آج سے صرف چند سال پہلے جب بازاروں میں اشیاء کی فروخت کا رواج نہ تھا یعنی روپیہ بنانے اور روپیہ کمانے کی سوسائٹی وجود میں نہ آئی تھی تو برادریوں میں خلوص و محبّت کی فضا قائم تھی، خاندانوں میں اجتماعی رہائش اور اجتماعی خوراک کا چلن تھا، پورے کنبے اور برادریاں مل جل کر رہنے، غم اور خوشیوں میں شریک ہونے کی پابند تھیں۔ گاؤں میں، پورے علاقہ میں کہیں شادی یا غم ہوتا تو آپس کے تعلق کا یہ حال تھا کہ شادیوں غموں میں گھی اور غلّے کے ذخیرے ایک دوسرے کو اُدھار اور قرض کے طور پر دیئے جاتے تھے اور جس زمیندار کے گھر سے جتنا پرانا گھی اور غلّہ جتنی زیادہ مقدار میں قرض نکلتا تھا لوگ اس پہ فخر کرتے تھے اور معاشرے یا اس دَور کی سوسائٹی میں اس پہ فخر کیا جاتا تھا کہ فلاں کے گھر سے اتنا غلّہ اور گھی بطور امداد ملا ہے اور یہ امداد جنس کی صورت میں کئی سالوں تک لوٹائی جاتی تھی۔ شادی اور غموں میں ...... متعلقہ آبادیاں بستر، برتن اور چارپائیاں مہیا کرتی تھیں۔ کسی کو شادی اور غموں میں مہمانوں کے سنبھالنے کا غم ہی نہ ہوتا بستی کے افراد اپنا فرض سمجھ کر انجام دیتے تھے۔ اس وقت کی سوسائٹی اس باہمی شراکت میں ایک دوسرے سے پیوستہ رہتی۔ گاؤں میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ دودھ بیچنا باعث شرم سمجھا جاتا تھا۔ شیردار بھینسوں والے ایسے گھروں میں بالالتزام دودھ بھیجتے۔ جن کی بھینس شیردار نہ ہوتی تھی، مختلف گھروں سے اُس کے ہاں اتنا دُودھ جمع ہو جاتا تھا کہ اسے اس کی ضروریات سے بچ کر دودھ جمانے اور بلونے، لسّی، مکھن اور گھی تک روزمرّہ کی ضروریات میں کام آتا تھا۔ یہ تھا اس باہمی جذبۂ ہمدردی، باہمی خلوص، سیرچشمی اور فیاضی کا عالم، جو آجکل ناپید

ہوچکا ہے۔ کیونکہ تجارتی ذہنوں، اپنے ذاتی فائدوں اور منافعوں کے لالچ نے ایک دوسرے سے بیگانہ کر دیا اور سود کی لعنت نے تو معاشرے اور سوسائٹی کے ان اجزاء کو منتشر اور پراگندہ کر کے رکھ دیا۔

معاشی حیثیت معاشی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو سودی قرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ذاتی ضرورت کے لئے کوئی مجبور اور حاجتمند لیتا ہے۔ یہ قرض ایسا ہے کہ اس پر سود لینا نہایت تباہ کن ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں مہاجن لوگ یا ادارے غریب مزدوروں، کاشتکاروں اور قلیل المعاش لوگوں کا خون چوستے نہ ہوں۔ ایسا قرض سود کی وجہ سے ادا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ پھر ایک قرض کی ادائگی کیلئے دوسرا اور تیسرا قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اصل رقم سے کئی گنا سود دینے پر بھی اصل رقم جُوں کی توُں باقی رہتی ہے۔ محنت، پیسہ آدمی کی بیشتر آمدنی مہاجن لے جاتا ہے اور اس غریب کے پاس اپنی کمائی کا اتنا پیسہ بھی نہیں بچ پاتا کہ وہ اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے۔ یہ چیز رفتہ رفتہ معاشرے کے افراد کو اپنے کاموں میں دلچسپی ختم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ کیونکہ جب اس کی محنت کا پھل دوسرے لے اُڑیں تو وہ دل لگا کر محنت نہیں کر سکتا۔ سودی قرضوں کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو پریشانی اور فکر اس قدر تباہ کر دیتی ہے کہ تنگدستی کے ہاتھوں نہ صحیح غذا ملتی ہے نہ صحیح علاج ہوتا ہے، ان کی بگڑی ہوئی صحت انہیں معاشرے کا ناکارہ انسان بنا دیتی ہے۔ سودی معاشرے میں چند افراد لاکھوں آدمیوں کا خون چوس کر موٹے تو ہو جاتے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری قوم کی پیدائش دولت اپنے معیار سے گھٹتی رہتی ہے اور پھر خون چوسنے والے افراد بھی اس نقصان سے نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ ان کے ہاتھوں عوام کو جو تکلیف پہنچتی ہے ان کے لئے غصّے، نفرت کا طوفان دلوں میں اُٹھتا ہے اور کسی انقلابی ہیجان کے موقعہ پر یہ آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے تو ان ظالم مالداروں کو اپنے مال کے ساتھ اپنی جان اور آبرُو سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

۱۔ سود کی اس دوسری قسم میں کاروبار میں لگانے کے لئے ایک مقررہ شرح سود کے عائد ہونے سے بے شمار نقصانات پیدا ہوتے ہیں، چند یہ ہیں۔

(۱) جو کام رائج الوقت شرح سود کے برابر نفع نہ لا سکتے ہوں، ملک اور قوم کے لئے کتنے ہی ضروری ہوں، ان پر لگانے کے لئے روپیہ نہیں ملتا تو ملک کے تمام مالی وسائل کا بہاؤ ایسے کاموں کی طرف ہو جاتا ہے جو بازار کے شرح سود یا اس سے زیادہ منافع لا سکتے ہوں۔ چاہے اجتماعی حیثیت سے ان کی ضرورت اور فائدہ کم ہو یا سرے سے نہ ہو۔

(۲) چونکہ سرمایہ دینے والا کاروبار کے نفع و نقصان میں شریک نہیں ہوتا بلکہ منافع اور وہ بھی ایک مقررہ شرح منافع کی ضمانت پر روپیہ دیتا ہے۔ اس لئے کاروبار کی بھلائی اور برائی سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ خود غرضی کے ساتھ اپنے منافع پر نگاہ رکھتا ہے اسے جب بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ منڈی پر کساد بازاری کا حملہ ہونے والا ہے تو وہ اپنا روپیہ کھینچنے کی فکر کرتا ہے۔ اس طرح اس کے خود غرضانہ اندیشوں کے باعث کساد بازاری کا واقعی حملہ ہو جاتا ہے اور اگر دوسرے اسباب سے کساد بازاری آ گئی تو سرمایہ دار کی خود غرضی اس میں اضافہ کر کے اسے تباہ کن حد تک پہنچا دیتی ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے قانونِ فطرت کی رُو سے سود معاشی

Marfat.com

دولت کو بڑھاتا نہیں بلکہ گھٹاتا ہے۔ اس کے برعکس صدقات کے معاشی اثرات پر نظر ڈالیئے۔ سوسائٹی کے خوشحال افراد کا طریق کار یہ ہو کہ وہ اپنی معیشت کے مطابق پوری فراخدلی سے اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات خریدیں، جو روپیہ ضروریات سے بچ جائے اُسے غریبوں میں صدقات اور زکوٰۃ کے طور پر تقسیم کریں تاکہ وہ بھی ضروریات خرید سکیں۔ پھر بھی روپیہ بچ جائے تو کاروباری لوگوں کو بلاسود قرض دیں یا کاروبار میں نفع و نقصان کی بنیاد پر شرکت کریں یا حکومت کے پاس جمع کردیں کہ وہ اجتماعی خدمات کے لئے استعمال کرے تو ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ ایسی سوسائٹی میں تجارت صنعت اور زراعت بلکہ ہر چیز کو فروغ حاصل ہوگا۔ اُس کے عام افراد کی خوشحالی کا معیار بلند ہوتا چلا جائے گا اور اس میں بحیثیت مجموعی دولت کی پیداوار بدرجہا زیادہ ہوگی جس کے اندر سود کا رواج ہے۔

دولت اللہ کا فضل ہے

سود پر روپیہ وہی شخص چلا سکتا ہے جسے اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ دولت کا حصہ ملا ہوگا اور یہ زیادہ حصہ قرآن کی رُو سے دراصل اللہ کا فضل ہے اور اللہ کے فضل کا صحیح شکریہ یہ ہے کہ اسے جس طرح اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے وہ بھی اللہ کے دوسرے بندوں پر فضل کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ اللہ کے اس فضل کو دوسروں کے خون چوسنے اور اُن کی کمائی کے زیادہ تر حصے کو اپنی طرف کھینچنے میں استعمال کرتا ہے تو وہ ناشکرا بھی ہے، ظالم بھی اور جفاکار بھی ہے۔

آیت زیرِ موضوع میں اللہ تعالیٰ نے بار بار دو قسم کے کرداروں کو پیش کیا ہے۔ ایک خود غرض، زرپرست، شائیلاک قسم کے کردار ہیں جو خدا اور مخلوق دونوں کے حقوق سے بے پرواہ ہو کر روپیہ گننے اور گن گن کر سنبھالنے، ہفتوں اور مہینوں کے حساب سے اسے بڑھانے اور بڑھوتری کا حساب لگانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ دوسرا کردار خدا پرست، فیّاض اور ہمدردِ انسانوں کا ہے جو خدا اور مخلوق دونوں کے حقوق کا خیال رکھتا ہے۔ اپنی قوت بازو سے خود کما کر کھائے، دوسرے خدا کے بندوں کو کھلائے، نیک کاموں میں لگائے۔ پہلا کردار خدا کو سخت ناپسند ہے۔ ایسے کردار سے کوئی صالح سوسائٹی وجود میں نہیں آسکتی، آخرت میں ایسے کردار کے لئے غم واندوہ کے سوا کچھ نہیں۔ دوسرا کردار اللہ کو پسند ہے اس سے صالح سوسائٹی اور معاشرہ وجود میں آتا ہے اور ایسے ہی لوگ آخرت میں غم سے نجات پانے والے اور فلاح پانے والے ہوں گے۔

اسی رکوع میں اگلی آیات میں جو زمانہ نزول کے لحاظ سے فتح مکّہ کے بعد نازل ہوئی ہیں، مگر مضمون کی مناسبت سے اسی سلسلہ کلام میں شامل کردی گئی ہیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ: ۲۷۸، ۲۷۹)۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کرو اور سود لینا چھوڑ دو، اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو۔ تم ظلم نہ کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

Marfat.com

ان آیات سے پہلے اگرچہ سود کھایا جاتا تھا، لیکن اُسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا، لیکن قانوناً بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار فوجداری جرم بن گیا۔ عرب کے جو قبیلے سود کھاتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے عمّال کے ذریعہ آگاہ کر دیا کہ اگر اس لین دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔ نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت اندرونی خود مختاری دی گئی تو معاہدے میں یہ تشریح کر دی گئی کہ اگر تم سودی کاروبار کرو گے تو معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور ہمارے تمہارے درمیان حالتِ جنگ قائم ہو جائے گی۔ اس آیت کے آخری الفاظ کی بنیاد پر ابن عباسؓ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ اور ربیع بن انسؓ کی رائے یہ ہے کہ جو شخص اسلامی حکومت میں سود کھائے تو اسے توبہ پر مجبور کیا جائے، اگر باز نہ آئے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ دوسرے اسلامی قانون کے ماہرین کی رائے میں سود خوار کو قید کر دینا کافی ہے جب تک وہ سود خواری چھوڑنے کا وعدہ نہ کرے نہ چھوڑا جائے۔

سورۃ النساء کی آیت ۱۶۱ میں یہودیوں کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔ یہ سود کھاتے ہیں حالانکہ انہیں سود کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ توراۃ میں یہ صریح حکم موجود ہے "اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو، قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا ورنہ اس سے سود لینا۔ اگر تو کسی وقت اپنے ہمسایہ کے کپڑے گروی رکھ بھی لے تو سورج ڈوبنے تک اسے واپس کر دینا، کیونکہ وہی اس کا اوڑھنا ہے، اس کے جسم کا وہی لباس ہے، پھر وہ کیا اوڑھ کر سوئے گا۔ پس جب وہ فریاد کرے گا تو میں اس کی سنوں گا۔ کیوں کہ میں مہربان ہوں۔" (خروج باب ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷)۔ اس کے علاوہ کئی مقامات پر توراۃ میں سود کی حرمت کا حکم آیا ہے، لیکن اس کے باوجود اسی توراۃ کے ماننے والے یہودی آج دنیا کے سب سے بڑے سود خوار ہیں اور اپنی تنگدلی و سنگدلی کے لئے ضرب المثل بن چکے ہیں۔

ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سود

(۱) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم میں بیان کردہ سود کی حرمت کو اور زیادہ اصرار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں جن میں سے ایک معمولی سا حصہ یہ ہے کہ اس کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی والدہ سے جماع کرے۔ (ابن ماجہ، بیہقی، مشکوٰۃ)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے کہ جب کوئی کسی کو قرض دے تو پھر قرض لینے والے سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرے کہ وہ ہدیہ اس قرض پر سود نہ بن جائے۔ (بخاری و مشکوٰۃ)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے تو تھوڑی دیر تک انتظار کے لئے قریبی دیوار کے سائے میں کھڑے نہ ہوئے۔ کسی نے کہا کہ حضرت دیوار کے سائے میں آجائیں دھوپ سخت ہے تو فرمایا۔ اس دیوار کا مالک میرا مقروض ہے ایسا نہ ہو کہ اس کی دیوار کا سایہ قرض پر سود بن جائے۔

(۳) حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ سوائے سود کھانے والوں کے کوئی باقی نہ رہے گا، اگر کوئی

ہوگا بھی تو اس کو سود کا بخار۔ اثر۔ پہنچے گا۔ ایک روایت میں ہے، اس تک سود کا غبار پہنچے گا۔ (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ۔ راوی حضرت ابوہریرہؓ)۔ آجکل اس حدیث شریف کی صداقت کا یہ عالم ہے کہ معاشرے کا کوئی فرد بھی سودخواری سے پاک نہیں ہے۔ ملازمین جی پی فنڈ پر سود لیتے ہیں۔ تاجر پیشہ بنکوں میں مقررہ شرح لیتے ہیں۔ فکسڈ ڈیپازٹ بانڈز، زرعی قرضہ جات، ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن، محکمانہ ذاتی ضرورت کے لئے لیا گیا قرضہ، غرض کوئی بھی ایسا نہیں جو سودخواری سے محفوظ ہو، ورنہ اس کا غبار تو ہر ایک آدمی تک پہنچا ہوا ہے۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اور اس کے کھلانے والے یعنی دینے والے پر، اس کے رکھنے والے، اس کے گواہ پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں بعض باتوں میں۔ (بخاری ومسلم)

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں وفاقی شرعی عدالت نے سود اور اس سے متعلق تمام کاروبار کو ناجائز قرار دیا ہے۔ خدا کرے یہ فیصلہ عملی صورت میں نافذ ہو اور پاکستان سے سود کی یہ لعنت ختم ہو جائے اور ہم سب خدا کے غضب اور غصّے سے نجات پاسکیں۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

Marfat.com

سوال کی مذمت ـــــ گداگری

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیات	آیات کا مفہوم، باوقار اور خوددار انسانوں کا روّیہ کہ وہ اپنی حاجتمندی کے باوجود نظر اٹھا کر دوسروں کی دولت کو نہیں دیکھتے۔
۲	حضورؐ کے ارشادات	سوال نہ کرنے پر بیعت لینا۔ ہاتھ کی کمائی کی ترغیب۔ عابد و زاہد سے وہ بھائی بہتر ہے جو اس کے اخراجات پورے کرتا ہے۔ سوال کرنے والے کو لکڑیاں لا کر بیچنے پر لگایا۔
۳	تین آدمیوں کو سوال کرنا جائز ہے	(۱) آفت زدہ آدمی (۲) جو کسی کا ضامن بن جائے، ادائیگی ضمانت کے لئے سوال کرے۔ (۳) فاقہ کشی نے ستایا ہو۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ۔
۴	تمدنی و اخلاقی پہلو	قومی و شخصی ذلت کا موجب ہے۔ بیرونی قرضہ جات پر انحصار بھی سوال و گداگری ہے۔ خود اعتمادی کا فقدان۔
۵	حکومتی نقصانات	ا غیر ملکی امداد پر سود (۲) گداگروں کا اضافہ قومی معیشت پر اثر ڈالتا ہے۔ بے غیرتی، بے حیائی آتی ہے۔
۶	روحانی نقصانات	خدا پر توکل نہیں ہوتا۔ خدا کے نام اور رسولؐ کے واسطے سے سوال کرنا۔ توہین الٰہی توہین رسالت ہے۔ قیامت میں سوال کے عذاب سے بے خوفی۔ خدا کی عطا کردہ صلاحیت سے فائدہ نہیں لیتا۔ جھوٹا اور فریبی ہوتا ہے۔
۷	بزرگوں کے اقوال	اشعار، نصیحت آموز جملے۔ گداگری کے ڈھونگ۔
۸	واقعات و امثال	بوڑھی عورت کے ٹکڑے اونٹ نے کھا لئے۔ بدچلن عورت نے خاوند کو خیرات مانگنے پر لگا کر بے غیرت بنا دیا۔ بادشاہ کا گداگر لڑکی سے شادی کرنا۔
۹	حضرت علیؓ کے اشعار	مولانا جامیؒ نے ان اشعار کا ترجمہ کیا ہے کہ مشکل ترین کام انسان کے لئے یہی نسبت سوال کرنے کے۔
۱۰	ہمارا روّیہ	محض سوال کی عادت سے گداگروں کی حوصلہ شکنی کریں۔

Marfat.com

سوال کی مذمّت — گداگری

آیت معہ ترجمہ

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ ۔ اس چیز کی ہوس اور لالچ نہ رکھو جس میں اللہ نے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ ناواقف لوگ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انہیں آسودہ حال سمجھے گا، لیکن ان کی پہچان ان کے چہروں سے ہو جاتی ہے۔

تفسیر وتشریح

دین اسلام میں جس قدر کسی محتاج اور فقیر کے ساتھ حسنِ سلوک اور برتاؤ کا حکم ہے۔ صدقات وخیرات کی جتنی اہمیت ہے اور اس پر قرآن کریم میں زور دیا گیا ہے، اس سے کہیں زیادہ سوال کرنے، دوسروں سے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ ڈیڑھ سو سے کچھ کم ہی روایات احادیث میں اس کی مذمت اور برائی کے بارہ میں بیان ہوئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا توحید اور نماز کی ادائیگی پر زور دیا ہے اتنی ہی سوال کرنے سے ممانعت بھی فرمائی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف بن مالک اشجعیؓ سے روایت ہے کہ ہم سات آٹھ آدمی ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم خدا کے رسولؐ سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے فوراً ہاتھ بڑھا دیئے مگر چونکہ چند دن پہلے ہم آپؐ سے بیعت کر چکے تھے، اس لئے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! ہم تو بیعت کر چکے ہیں، اب آپؐ ہم سے کس بات کی بیعت چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس بات کی کہ خدا کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، احکامِ الٰہی بجا لاؤ اور پھر ارشاد فرمایا۔ لَا تَسْأَلُوْنَ النَّاسَ شَيْئًا۔ یعنی یہ کہ تم لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔ اس کے بعد عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس بیعت کے بعد لوگوں کا یہ حال تھا کہ سواری کی حالت میں کوڑا بھی گر جاتا تھا تو وہ اسے بھی سوال سمجھ کر کسی سے مدد طلب نہ کرتا بلکہ خود اُتر کر کوڑا اُٹھا لیتا تھا۔ اس حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ کے نزدیک سوال نہ کرنے کی کتنی اہمیت تھی اور بیعت کرنے والوں کے نزدیک اس کا کس قدر احترام واہتمام تھا کہ گھوڑے سے اُتر کر کوڑا اُٹھانے کی محنت تو برداشت کر لیتے مگر کسی سے یہ نہ کہتے کہ کوڑا اُٹھا کر دے دو!

حضورؐ کے ارشادات

بے شمار روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والوں کو اچھا نہ سمجھتے تھے اور کوئی اضطرار کی حالت کے بغیر لوگوں سے مانگتا پھرتا اُسے اس کے حق میں حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ گھر میں ایک وقت کے کھانے کی موجودگی کے باوجود سوال کے ذریعہ حاصل کرنے والے کو دوزخ کی آگ جمع کرنے کے برابر سمجھتے تھے۔ سوال کرنے کی مذمت اور ممانعت کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ

Marfat.com

گھر میں کھانے کو کچھ موجود نہ ہو اور بچّے یا خود مسلسل فاقے سے جاں بلب ہوں تو ایسے موقعہ پہ حرام چیز کا کھانا یعنی مُردار تک کھانا جائز ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ آدمی دوسرے کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کسی کی اتنی ہمّت ہو کہ وہ جنگل سے لکڑیاں لا کر بیچے، محنت مزدوری کر کے پیٹ پال لے تو یہ عمل بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ بھیک مانگے اور لوگ اس پہ ترس کھا کر کچھ دیں یا دھتکار کر دھکّے دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صحابۂ کرامؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ وہاں سے ایک شخص گزرا۔ جسے دیکھ کر صحابہؓ نے عرض کیا۔ یہ شخص بڑا نیک ہے، شبانہ روز عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کے کھانے پینے کا کیا ہوتا ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا۔ اس کا بھائی اس کے خورد و نوش کی کفالت کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ پھر تو اس کے بھائی کا درجہ ثواب اس کی عبادت کے اجر و ثواب سے بہتر اور زیادہ ہے جو اسے کھلا پلا کر عبادت کے لئے فارغ کرتا ہے۔ دوسروں کی کمائی پہ بوجھ بن کر عبادت و ریاضت سے تو حلال کی کمائی درجۂ عبادت سے بڑھ کر ہے جو دوسروں کی محتاجی سے بری الذمہ کرتی ہے۔

ع سختی اُٹھا کے جامۂ ہستی اتار ڈال   زنہار دوشِ خلق پہ اپنا نہ بار ڈال

عائذ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تمہیں علم ہوتا کہ سوال کرنے کے کیا نتائج پیدا ہو سکتے ہیں تو تم میں سے کوئی بھی دوسروں سے نہ مانگتا۔

متعدد روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کسی غیر مستحق سوال کرنے والے سے خوش نہ ہوتے تھے۔ ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ خدا کی قسم جو سائل مجھ سے اپنی ضرورت اور مطلب پورا کر کے جاتا ہے وہ فروخت اُس کے حق میں آگ ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ پھر آپؐ کیوں اُس کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا کروں لوگ سوال کرنے سے باز نہیں آتے اور مجھے سوال کرنے والے کے سوال کو رد نہ کرنے کا حکم ہے۔

سوال کی بجائے محنت

انصار میں سے ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں آ کر کچھ مانگا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تیرے پاس کچھ نہیں۔ اُس نے کہا۔ کیوں نہیں ایک موٹی سی کمبلی ہے اُسے اوڑھتا ہوں اور بچھاتا ہوں اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ دونوں کو یہاں لے آؤ۔ جب وہ لے آیا تو آپؐ نے حاضرین سے پوچھا، انہیں کوئی خریدنا چاہتا ہے؟ ایک شخص نے ایک درہم پہ خریدنے کا اظہار کیا۔ پھر آپؐ نے دوبارہ فرمایا۔ کوئی اس سے زیادہ پہ خریدتا ہے تو دوسرے شخص نے دو درہم پہ خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس طرح دو درہم پہ جب ان چیزوں کی بولی ختم ہو گئی تو آپؐ نے وہ کمبلی اور پیالہ اُسے دے دیا اور دو درہم لے کر انصاری سے فرمایا۔ ایک درہم کا کھانا لے کر گھر پہنچا دے اور ایک درہم کی کلہاڑی لے کر میرے پاس آ جا۔ انصاری نے تعمیل کی تو آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے اس میں دستہ ٹھونک دیا اور فرمایا۔ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور انہیں فروخت کرو اور پندرہ دنوں تک میرے پاس نہ آنا۔ پندرہ دن تک جب اس محنت مزدوری کے بعد وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو اس کے پاس اپنے اخراجات کے بعد دسؔ درہم جمع ہو چکے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تیرے لئے یہ بہتر ہے کہ

جب تو قیامت کے دن آئے تو تیرے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ نہ ہو۔ دیکھو سوال کرنا صرف اس صورت میں حلال ہے جب کوئی سخت مجبور و معذور ہو یا جس پر بھاری تاوان ہو یا جس کی گردن پر خون بہا ہو۔

حضرت عمرؓ کا رویہ

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کی آواز سنی اور یہ سمجھ کر کہ یہ بھوکا ہے اسے کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر اس کی آواز آئی۔ آپ نے اُسے بلایا تو دیکھا کہ اُس کی جھولی روٹیوں سے بھری ہوئی ہے آپ نے اس کے سارے ٹکڑے اُونٹوں کے آگے ڈال کر اُس کی جھولی خالی کر دی اور فرمایا تو سائل نہیں بلکہ تاجر ہے۔

قبیصہ بن مخارق رضؓ سے روایت ہے کہ میں کسی شخص کا ضامن ہو گیا۔ میں نے حضورؐ سے ضمانت کی ادائیگی کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا ٹھہرو زکوٰۃ کا مال آجائے تو اس میں سے تجھے دے دیں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ قبیصہ تین آدمیوں کے سوا سوال کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔ ایک وہ جو کسی آفت میں مبتلا ہو، جس سے اس کا مال ضائع ہو گیا ہو۔ اسے بقدر ضرورت سوال کرنا جائز ہے۔

۲۔ دوسرا وہ شخص جو کسی کا ضامن ہوا سے ضمانت کی ادائیگی کے لئے سوال کی اجازت ہے۔

۳۔ جسے فاقہ کشی نے ستایا ہو اور مانگنے پر مجبور ہو تو اُس کی قوم کے تین معزز افراد اُس کی تصدیق کریں۔ ان کے سوا جو کوئی سوال کرے وہ حرام کماتا اور کھاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ گداگر پیشہ آدمی کی گواہی رَد کی جاتی ہے۔

تمدنی، اخلاقی اور معاشی پہلو

معاشی اعتبار سے بھی گداگری اور سوال کسی قوم کے لئے اجتماعی طور پر اور فرد کے لئے انفرادی طور پر انتہائی ذلت آمیز حرکت ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے سے

مانگنے والا ہے گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج ❊ کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا

قومی لحاظ سے جب بھی قوم خود انحصاری کی پالیسی اختیار کرنے کی بجائے بیرونی امداد اور قرضہ جات پر انحصار کرتی ہے تو دوسرے ترقی یافتہ ممالک اور قومیں اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتی ہیں اور اسے بھاری قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبا دیتی ہیں اور پھر ان قرضہ جات کے نتیجے میں اس محتاج اور گداگر ملک کی داخلی خود مختاری اور آزادی سلب ہو کر ترقی یافتہ قوموں کی غلامی بلکہ فکری، نظریاتی اور تہذیبی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جاتی ہیں۔ قوم کے افراد اور حکمران اپنے ملکی وسائل پر انحصار چھوڑ دیتے ہیں۔ ذاتی محنت، مشقت کے عادی نہیں رہتے، اپنے اخراجات کو اپنے وسائل تک محدود نہیں رکھتے۔ بیرونی قرضوں کی افراط اور ریل پیل سے عیاشی، کاہلی اور سستی کی عادات پیدا ہو کر وہ قوم دوسروں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہی نہیں ہوتی بلکہ خود اس کے اپنے اندر بھی عزتِ نفس اور خود داری کے جذبات و احساسات مٹ جاتے ہیں۔ اس کا بال بال قرضوں میں جکڑا جاتا ہے۔ آج ہمارے ہاں قومی سطح پر یہی صورتِ حال درپیش ہے۔ خود انحصاری کا احساس اس وقت پیدا ہوا جب امریکہ نے قرضوں کی ادائیگی سے ذلت آمیز طور پر ہمیں دھتکار دیا۔ کوئی بھی ملک یا حکومت دوسرے ممالک کے اقتصادی، مالی، فنی اور تجارتی تعاون اور معاہدوں کے بغیر نہیں رہ سکتی، مگر اس کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

اپنے وسائل اور پاؤں پہ کھڑے ہونے کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح انفرادی طور پر کسی شخص کا چھوٹی سے چھوٹی ضرورتوں کے لئے دوسروں کے محتاج ہونے کی وجہ سے اسے اپاہج اور ناکارہ بنا دیتی ہے، اُس کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں، اپنی قوتِ بازو پر اعتبار نہیں رہتا۔ دوسروں کے سہارے کا ہر وقت طلبگار رہتا ہے، یہی حال قوموں کا بھی ہوتا ہے۔

۲۔سود کا اضافہ بیرونی امداد سود کے بغیر تو نہیں ملتی اور سود کی شرح بڑھتے بڑھتے اس رقم اور قرضے پر قائم منصوبے اور اُن کی افادیت قرضوں اور سود کی ادائیگی میں ادا ہوتے ہوتے ملکی معیشت تباہ ہوتی ہے اور پھر نئے سرے سے قرضوں کے حصول کے لئے نئے دروازے کھٹکھٹانے پڑتے ہیں اور دستِ سوال دراز کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ معاشیات کے ماہرین اور خود سمجھدار لوگ بھی یہ جانتے ہیں کہ جس قوم میں بھیک منگوں اور گداگروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر اس قوم میں گوناگوں خرابیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

۱۔ قوم میں کمانے والے اور محنت کرنے والوں کی تعداد کم ہو کر پیداوار روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے۔
۲۔ دولت کی کمی کے ساتھ ساتھ افرادی قوت اور قوم میں محنت و مشقت کی بے انتہا کمی واقعہ ہوتی ہے۔
۳۔ کاہلی، سستی اور فاقہ مستی کا رجحان اور ایسے لوگوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔
۴۔ ڈھٹائی، بےحمیتی اور بے حیائی و بزدلی ترقی کرتی ہے۔
۵۔ مفت خوری کی وجہ سے قوم میں آوارگی و بداطواری کو ہوا ملتی ہے۔
۶۔ مالِ مفت دلِ بے رحم کے باعث عیاشی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن کے اظہار کے بغیر احادیث نبویؐ نے سوال کی مذمت کے ذریعے ان کا تدارک اور انسداد فرمایا ہے۔

تمدنی خرابیوں سے قطعِ نظر سوال کی عادت سے روحانی امراض بھی اس قوم کے افراد میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ خدا پر توکل نہیں رہتا۔ ایسے لوگ خدا پر توکل اور اپنی صلاحیتوں پر اعتبار نہیں کرتے بلکہ وہ خدا کے نام کو بھیک مانگنے میں استعمال کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ملعون ہے وہ شخص جو اللہ کا نام لے کر سوال کرے۔
۲۔ رسولؐ کا احترام اور وقعت اُن کے دلوں میں نہیں ہوتی اور وہ خبیث لوگ ہر دروازے اور ہر شخص کے سامنے حضورؐ کی نسبت اور واسطے سے خیرات مانگتے ہیں اور مسلمان اس نام پر دینے کے لئے مجبور رہتا ہے۔ حالانکہ حضورؐ نے اپنی ذات کے لئے صدقات، خیرات اور زکوٰۃ کو حرام فرمایا ہے۔
۳۔ قیامت کے دن پر اعتقاد نہیں ہوتا کہ اس دن سوال کرنے والے کے لئے سخت وعید اور سخت عذاب کا وعدہ ہوا ہے، لیکن سوال کرنے والا قیامت کی اس رسوائی اور عذاب سے بے پرواہ ہو کر یہ سمجھتا ہے کہ کمائی کے لئے دوسرے لوگ پیدا ہوئے اور اس نے صرف ان کی خیرات اور اُن کے دیئے ہوئے ٹکڑوں پر پلنا ہے۔
۴۔ مانگنے والا آدمی اللہ کی دی ہوئی صحت، ہاتھ پاؤں اور جسمانی توانائی کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے۔ اس کے پاس جو

Marfat.com

کچھ ہوتا ہے اُسے چھپا کر اور انکار کر کے باوجود استطاعت کے اپنی مفلسی کا اظہار کرتا ہے۔

۵۔ دروغ گوئی اسلام میں سخت ترین گناہ ہے اور گداگر جھوٹی کہانیاں گھڑ کر، جھوٹے حادثات اور واقعات کا ذکر کر کے خود کو امداد کا مستحق بنا کر پیش کرتا ہے۔ دوسروں کے دلوں کو نرم اور اُن میں ہمدردی اور رحم کا جذبہ پیدا کر کے ڈرامائی انداز اختیار کرتا ہے۔ دھوکہ دہی، فریب اور حیلہ سازی جیسی عادات کا عادی ہو جاتا ہے اور اس قسم کی جھوٹی اداکاری سے کام لیتا ہے کہ اپنی اداکاری میں خود کو کامیاب سمجھتا ہے، لیکن جب بھانڈا پھوٹ جاتے تو دوسروں کی نظروں میں خود کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ہاتھ صرف تین ہیں۔ (۱) خدا کا ہاتھ، جو سب سے اونچا اور بالا ہے۔ ید اللہ ھی العلیا۔ اس کے بعد (۲) دینے والے کا ہاتھ، جسے خدا دیتا ہے۔ ید اللہ فوق عبادہ۔ (۳) تیسرا مانگنے والے اور لینے والے کا ہاتھ، جو سب سے نیچے ہوتا ہے اور یہ ہاتھ سب سے کہتر اور ذلیل ہوتا ہے۔ فرمایا سوال بدترین ذلت ہے خواہ حقیقی باپ سے ہی کیوں نہ ہو۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ کسی مزدور کو مزدوری کے دوران نماز تنہا پڑھنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ باجماعت نماز ادائیگی کے احساس سے مزدوری چھوڑ دے اور سوال کرنے پر مجبور ہو جائے۔

بزرگوں کے نصیحت آموز اقوال

مثل مشہور ہے رب سے مانگ سب سے نہ مانگ۔ یک در گیر و محکم گیر۔ خدا کا ایک ہی دروازہ مضبوطی سے تھامو، مختلف دروازوں پر نہ گھومو۔ سوال کرنے اور گداگری کا پیشہ اختیار کرنے کے لئے گودڑی سینے سے بہتر ہے کہ تو اپنے ہونٹ سی لے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ آدمی کا چہرہ جما ہوا پانی ہے جو سوال کی ذلت سے پگھل جاتا ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ سوال کرنے والا اسے خدا کے بغیر کہاں کہاں پگھلاتا ہے اور ٹپکاتا ہے۔ اشارہ ارشاد نبویؐ کی طرف ہے کہ قیامت کے دن سوال کرنے والے کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔ جو شخص مانگنے کی عادت ڈال لیتا ہے خدا اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (الحدیث)

بڑے آدمی کی پہچان یہ ہے کہ وہ بدلہ دیئے بغیر کسی سے کچھ لینا گوارا نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ انسان پر تمام مشکل کام آسان ہیں بہ نسبت اس ذلت کے کہ انسان کسی کے دروازے پر کھڑے ہوئے دربان کی ترش روئی برداشت کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ محنت مزدوری چھوڑ کر مسجد میں مت بیٹھو، جہاں یہ دعا مانگو کہ اے اللہ مجھے رزق دے، یہ بات اور یہ دعا اللہ کی سُنّت کے خلاف ہے کہ وہ کسی پر آسمانوں سے سونا اور چاندی برسائے، یعنی محنت کر کے خدا سے مانگنے میں مدد بھی ملتی ہے اور برکت بھی۔

چو کارساز حقیقی بہ حاجات آگہی دارد ۔۔۔ برائے چیست دُعا و چہ سود حرفِ سوال

جب کارساز حقیقی آپ کی ضروریات سے واقف ہے تو کسی اور سے مانگنا اور سوال کرنا بیکار ہے۔

کسی دانا نے عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے کہ کسی دروازے کا کُتّا گداگر پر اسی لئے بھونکتا ہے کہ وہ آدمی خدا کا در چھوڑ کر اس دروازے پر کیوں آیا جو اس کتے کے لئے مخصوص ہے۔ پھر آدمی اور کتے میں فرق کیا ہوا۔ یہی

Marfat.com

حال اس شعر میں بیان ہوا ہے۔

ہیچ میدانی کہ سگ را چیست غوغا با گدا
منع می سازد کہ جز حق بر در دیگر میا

عجیب بات یہ ہے کہ اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام بزرگوں کے فرمودات اور تعلیمات وہدایات کے باوجود دنیا میں دوسری قوموں سے زیادہ مسلمانوں میں گداگری، دامن کشائی اور سوال کرنے کی مذموم اور ذلت آمیز عادت زیادہ ہے۔ مسجدوں میں، شاہراہوں پہ، چوراہوں پہ، بازاروں میں، اڈوں پہ، بسوں، لاریوں اور ٹرینوں میں کونسی ایسی جگہ ہے جہاں گداگروں اور سوالی لوگوں سے واسطہ نہیں پڑتا۔ بزرگوں کے مزارات پر زائرین جاتے ہیں تو وہاں کپڑے پھاڑے جاتے ہیں۔ سوال کرنے کے مختلف روپ اور مختلف شکلیں ہیں۔ کوئی گا کر مانگتا ہے، کوئی برقعہ پوش ہو کر مانگتا ہے، کوئی معذور بچوں کو بٹھا کر مانگتا ہے، کوئی مصنوعی طور پر معذور و لنگڑا ہے۔ اندھے، بہرے اور گونگے کا روپ دھار کر اداکاری کرتا ہے، کوئی سید کہلا کر مانگتا ہے، کوئی پیر بن کر نذرانے مانگتا ہے، کوئی تعویذ اور گنڈے، جادو منتر اور ٹونے کے بازار سجا کر مانگتا ہے حتیٰ کہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق قیامت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حج کو آنے والوں میں سے ت مند لوگ تجارت کی غرض سے، علماء حاجی کہلانے کی ریاکاری کے لئے اور عوام بھکاری بن کر آئیں گے اور حج کے موقعہ پر خدا کے گھر میں خدا کو چھوڑ کر مانگنے والوں کی کمی نہیں ہوتی۔ چونکہ اسلام میں صدقہ وخیرات پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور مسلمان خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو آج بھی اہمیت دیتے ہیں، اسی لئے اس قوم میں حاجتمندی اور گداگری کو زیادہ مقبول عام اور مفید عام پیشہ سمجھا گیا ہے۔ لیکن گداگری کے مستقل پیشہ وروں نے خیرات وصدقات کے مستحق یتیموں، بیواؤں، گوشہ نشینوں اور معذور افراد کے لئے احسان وخیرات کے راستے مسدود کر دیئے۔

واقعات و امثال

گداگری اور خیرات خواہی کے انسانی اخلاق پر جو بزدلی، بے حیائی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان واقعات و امثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں ایک بڑھیا نے سرِ راہ چارپائی بچھا کر اس پر خیرات کے ٹکڑے سوکھنے کے لئے چھوڑ دیئے تھے کہ ایک راہ چلتے اونٹ نے گردن بڑھا کر دو چار ٹکڑے کھا لئے۔ بڑھیا نے اونٹ والے کو کوسنا اور گالیاں دینا شروع کر دیا۔ لوگ بھی جمع ہو گئے اور اس آدمی کو سخت سست کہا اور بڑھیا کو تسلی دلاسا دیا کہ دو چار ٹکڑوں کی کیا بات ہے کہ آسمان سر پہ اٹھا لیا جائے کہ اتنے میں دیکھا کہ اونٹ والا آ رہا ہے اور رو رہا ہے۔ لوگوں نے اس سے رونے کا بے مقصد سبب پوچھا تو بتایا کہ اس بڑھیا کے تو دو چار ٹکڑے ہی گئے میرے اونٹ کے منہ کو خیرات کے ٹکڑوں کا مزہ لگ کر بیکار ہو گیا ہے، اب یہ کام نہ کرے گا۔

ایک بدچلن عورت کو خاوند نے بہتیرا سمجھایا کہ اس کام سے رک جائے۔ خاوند کی نصیحتوں سے تنگ آ کر اس نے یہ شرط رکھی کہ اگر وہ اس کی شرط پوری کرے تو وہ بدچلنی کی راہ چھوڑ دے گی۔ خاوند نے کہا، جو شرط بھی ہے منظور ہو گی۔ اس کی مکار عورت نے کہا۔ اگر تو سات دنوں تک بھیک کے ٹکڑے مانگ کر کھائے گا تو میں پھر ایسا نہ کروں گی۔ خاوند نے اسی دن سے بھیک مانگنا شروع کر دیا۔ سات دن گزرے تو عورت نے کہا۔ اب میری شرط پوری ہو گئی ہے تو بھیک مانگنا چھوڑ دے میں بدچلنی چھوڑتی ہوں۔ خاوند نے رنگ برنگے کھانے بغیر محنت ومشقت کے کھا کر لذت پالی تھی

Marfat.com

اور اس لذّت کا عادی ہوگیا تھا، بیوی سے کہا۔ تُو نیک چلن رہتی ہے یا بد چلن، میں یہ ذائقہ اور لذت چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ بیوی کی بے خطا تدبیر پر خاوند کی غیرت اور حمیت جاتی رہی۔

کسی بادشاہ نے ایک حسین و خوبصورت گداگر لڑکی کے حسن میں گرفتار ہو کر اس سے شادی کر لی۔ شاہی محل میں لے آیا، انواع و اقسام کے کھانے اور شاہی محل کی آسائشوں کے باوجود ایک دن بادشاہ نے دیکھا کہ سات طاقوں میں سوکھے ٹکڑے اور کھانے رکھے ہیں اور وہ لڑکی ہر طاق کے سامنے فقیرانہ صدا کے بعد تھوڑا سا لے کر جھولی میں ڈالتی ہے۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ زندگی بھر بھیک کے ٹکڑے میرے گوشت پوست اور رگ و ریشہ میں سرایت کر چکے ہیں اور یہ عادت میری طبیعت ثانیہ بن گئی ہے اب دسترخوان پر انواع و اقسام کے لذیذ ترین کھانے مجھے مزہ نہیں دیتے۔

حضرت علیؓ نے سوال کی مذمت کے سلسلہ میں چند اشعار کہے ہیں۔ مولانا جامیؒ نے ان کا فارسی ترجمہ کیا ہے۔

خردمندانِ عالم را یکے پند — ازاین بے چارہ می باید شنیدن
بدنداں رخنہ در فولاد کردن — بناخن راہ در خارہ بریدن
بہ فرق سر گرفتن صد شتر بار — ز مشرق جانب مغرب دویدن
بآتش داں فرو رفتن نگوں سر — بہ پلک دیدہ آتش پارہ چیدن
بسے بر جامی آساں تر نماید — کہ یک جَو منّت دوناں کشیدن

ترجمہ: دنیا کے تمام عقلمندوں کو چند نصیحتیں مجھ عاجز سے سننی چاہئیں کہ دانتوں سے فولاد میں چھید کرنا اور ناخنوں سے پتھر میں راستہ نکالنا۔ سر پہ سو اونٹوں کا بوجھ اٹھانا اور مشرق سے مغرب تک دوڑنا۔ آگ میں سر کے بل چلنا۔ آنکھوں کی پلکوں سے آگ کے ٹکڑے چننا۔ یہ سب کام جامی کے لئے آسان ہیں بہ نسبت اس کے کہ کسی کمینے سے جَو کی روٹی مانگنے کا احسان اٹھایا جائے۔

تمام مسلمانوں کا یہ اخلاقی اور دینی فریضہ ہے کہ غیر مستحق گداگروں اور سائلوں کی امداد سے ہاتھ روک دیا جائے اور ایسے لوگوں کی امداد کی جائے جو باوجود استحقاق کے کسی سے سوال نہیں کرتے۔ غیر مستحق سائلوں کی امداد اُن کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے اور ملک و قوم کے لئے اس سے بہتر کوئی احسان نہیں ہے کہ گداگری کی حوصلہ افزائی نہ کر کے اس متعدی مرض کو ملک و قوم سے دُور کیا جائے۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

مرا از شکستن چناں عار ناید — کہ از خواستن دیگراں مومیائی

مجھے اپنے جسم کی کسی اندرونی شکست و ریخت پہ اتنی شرمندگی نہیں ہے جتنی اس شکست و ریخت کے لئے علاج کے طور پر دوسروں سے مومیائی مانگوں۔ چند اُردو اشعار بھی سُن لیجئے جن سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے لٹریچر میں اسے کتنا بُرا خیال کیا جاتا ہے کہ دوسروں سے سوال کریں۔

؎ آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز — وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

Marfat.com

غربت کے رنج، فاقہ کشی کے ملال کھینچ
اے داغ پر زمانے سے دستِ سوال کھینچ
دستِ سوال لاکھوں ہی عیبوں کا عیب ہے
جس ہاتھ میں یہ عیب نہ ہو دستِ غیب ہے

زیر بحث آیات میں اللہ تعالیٰ نے سچے، باوقار اور خوددار مسلمان کی یہی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنے احتیاج اور ضرورتوں کے باوجود ایسے باوقار اور خوددار رہتے ہیں کہ ناواقف لوگ انہیں آسودہ حال سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ اپنی ضرورتوں کے باوجود کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، ورنہ ان کی ضرورت مندی ان کے چہروں کی کیفیت سے بخوبی معلوم ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں یہی حکم دیا ہے کہ اگر کوئی آپ میں سے خدا کے فضل وکرم کی وجہ سے آسودہ حال ہے بہتر ہے تو تم اُس کی طرف ہوس و حرص کی نگاہ سے نہ دیکھو نہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلاکر اپنے احتیاج اور اُس کی آسودہ حالی کا احساس دلاؤ، ہوسکتا ہے اس طرح اس میں غرور پیدا ہو یا تم پر احسان دھرے اور تم عمر بھر ممنون اور احساسِ کہتری میں مبتلا ہو۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

Marfat.com

Marfat.com

فحاشی، بے حیائی و زناکاری

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت زیر بحث	سورہ معارج ۔ مستحقین جنت کی صفات، ازواج اور کنیز کا جدا ذکر ۔ فرق ۔ متعہ کا حکم ۔ زنا کی سزائیں ۔
۲	ناجائز جنسی تسکین حرمت کیوں ہے	(۱) انسانی معاشرہ اس کو برائی ماننے پر متفق ہے (۲) مرد اور عورت کے باہمی تعاون سے بچے کی تربیت ممکن ہے جبکہ زنا میں یہ ممکن نہیں ۔ غیر معروف پیدائش، غیر معروف تعلق میں نشوونما ممکن نہیں ۔
۳	زنا کے انسدادی احکامات	(۱) غیر محرموں سے میل جول پر بندش ۔ پردے کی پابندی ۔ نرم گفتگو سے منع فرمایا ۔ سورۂ احزاب میں پیغمبروں کی بیویوں کو حکم دیا ۔ گفتگو پہ پابندی، زیب زینت کے اظہار پر پابندی، عورت کے معنی مستور کے ہیں چھپائی جانے والی چیز ۔
۴	بیحیائی سے بچنے کے احکامات	شرمگاہوں کی حفاظت ۔ نظریں نیچی رکھنا ۔ چادروں کے گھونگھٹ ڈالنا ۔
۵	ستر کی حدود	عورت کا ستر ہاتھ اور چہرے کے سوا پورا جسم ہے جسے ظاہر نہ کیا جائے ۔
۶	زینت کا اظہار نہ ہو	شوخ کپڑے نہ ہوں ۔ آرائش کا اظہار نہ ہو ۔ چھاتیوں پر چادر ڈالنا ۔ شوخ رفتاری نہ ہو کہ زینت چھلک پڑے ۔ زینت کہاں اور کن کے سامنے ہو ۔
۷	بے حیائی کی اشاعت پر پابندی	فلمیں، رسائل، فحش لٹریچر، ڈرامے، گانے، کیسٹ، وڈیو فلمیں، نیم برہنہ تصاویر ۔
۸	بیحیائی کے معاشرتی اثرات	زناکاری، حرام اولاد، اغوا، بے غیرتی، قومی بزدلی، یورپ میں اثرات، خود مسلمانوں کے زوال کا سبب بنی، مسلمانوں کے تاریخی زوال، محمد شاہ رنگیلا جہاندار شاہ، واجد علی شاہ وغیرہ ۔ انگریزوں کی صد سالہ غلامی کا سبب یہی عورت اور شراب تھی ۔

Marfat.com

فحاشی، بے حیائی و زناکاری

آیت معہ ترجمہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ. اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ (معارج)

جنت کے مستحق افراد کی صفات بیان کرتے ہوئے سورۂ معارج میں جن صفات کا ذکر فرمایا گیا اُن میں چوتھی صفت یہ بیان فرمائی کہ مستحقینِ جنت اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ سوائے اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے اس سلسلہ میں جائز حدود سے آگے نہیں بڑھتے اور جو ایسا کرے یعنی خدا کی مقررہ حدود سے تجاوز کرے وہ متجاوز و باغی ہے۔

تفسیر و تشریح یعنی جنت کے لئے جن لوگوں کو مستحق ٹھہرایا جائے گا وہ اپنی جنسی تسکین کے جائز راستے اختیار کرتے ہیں کہ وہ بیویوں اور شرعی لونڈیوں تک محدود رہتے ہیں اور دوسرے ایسے ذرائع اختیار نہیں کرتے جو ان حدود سے باہر ہوں۔ شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد زنا سے اجتناب بھی ہے اور فحاشی، بے حیائی سے کنارہ کشی بھی۔ سورہ مومنون میں انہی الفاظ کے ساتھ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والوں کو ایماندار اور کامیاب لوگ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الخ — مومن لوگ کامیاب و بامراد ہوتے ہیں جو اپنی نمازوں میں خوفِ الٰہی کا اظہار کرتے ہیں — جو بُری اور بیہودہ باتوں سے بچتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے جن میں وہ قابلِ ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو ان کے علاوہ حدود سے تجاوز کریں وہ حدود سے گزرنے والے ہیں۔ مومن لوگوں کی کامیابی اور خدا کے ہاں بامرادی کا انحصار اس پر ہے کہ وہ جسم کے قابلِ شرم حصوں کو چھپائے رکھتے ہیں، ان کی سخت ترین حفاظت کرتے ہیں۔ عریانی و بے حیائی اور فحاشی سے پرہیز کرتے ہیں، وہ اپنا ستر دوسروں کے سامنے نہیں کھولتے۔ صنفی معاملات میں آزاد نہیں ہوتے اور نہ قوتِ شہوانی کے استعمال میں بے لگام ہوتے ہیں۔

بیویوں اور شرعی لونڈیوں کا ذکر فرما کر اس غلط فہمی کو دُور کر دیا کہ مومن اور جنت کے مستحق شہوت رانی کے استعمال میں جائز حدود کے اندر رہتے ہیں اور ایسا بھی نہیں کرتے کہ شادی بیاہ کے چکر میں پڑیں، سنیاسی اور راہب بن کر خدا کی دی ہوئی جائز رعایت اور حدود کے اندر رہ کر خواہشِ نفس کے پورا کرنے کو قابلِ ملامت سمجھتے ہوں۔

ازدواج کا تعلق ان عورتوں پر ہوتا ہے جنہیں نکاح میں لایا گیا ہو اور مَا مَلَکَتْ کا اطلاق ان عورتوں پر ہوتا ہے جو آدمی کی ملکیت ہوں۔ گویا اس جواز کی بنیاد نکاح نہیں بلکہ ملکیت ہے، نکاح شرط ہوتا تو بیویوں سے الگ اُن کا

Marfat.com

ذکر نہ ہوتا اور اس جملے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے اور جس کی روشنی میں قانون بنا دیا گیا ہے کہ لونڈیوں کے معاملے میں اجازت صرف مرد کو حاصل ہے۔ عورتوں کے معاملے میں اپنے مملوکہ غلاموں کے ساتھ جنسی تعلق کی اجازت نہیں ہے۔ اس آیت کا یہی وہ نکتہ ہے جسے نہ سمجھ کر ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک عورت اپنے غلام سے تمتع کر بیٹھی تو صحابہؓ کی مجلس میں اس کا معاملہ پیش ہوا تو سب نے بالاتفاق فیصلہ دیا کہ اس نے خدا کے حکم کا مفہوم غلط سمجھا ہے۔

بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کی استثنائی صورتوں کے سوا جنسی تسکین کی باقی تمام صورتوں کو حرام کر دیا۔ خواہ زنا ہو، قوم لُوط کا عمل ہو، جانوروں کے ساتھ ہو یا کوئی بھی اور ذریعہ ہو۔ بعض مفسرین نے متع کو بھی اس آیت کی رُو سے حرام قرار دیا ہے، کیونکہ ممنوعہ جس سے متعہ کیا جائے۔ عورت نہ بیوی کے زمرے میں آتی ہے نہ لونڈی کے حکم میں۔ سورۃ النور کے ابتداء ہی میں زنا کے احکام پر اور اُن کی سزاؤں پر سختی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ" ۔ (النور: ۲)۔ زانیہ مرد اور عورت دونوں کو سو کوڑے مارنے کی سزا دو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ تمہیں سزا دینے سے نہ روکے، اگر تم مومن ہو۔

ناجائز جنسی صورتیں کیوں حرام ہیں؟

اسلام کی جائز حدود کے سوا صنفی تعلقات کی تمام دوسری صورتیں اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی حیثیت سے اتنی بُری ہیں کہ زمانۂ قدیم سے اب تک سارا انسانی معاشرہ ان کی بُرائیوں پر متفق ہے، کیونکہ انسانی فطرت خود ہی زنا کو حرام کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ انسان کی ذاتی بقا اور اُس کے تمدّن کے قیام و استحکام دونوں کا انحصار مرد اور عورت دونوں کے پائیدار اور مستقل وعدۂ وفاداری پر موقوف ہے اور یہ وعدۂ وفاداری معاشرے میں معلوم بھی ہو اور معروف بھی ہو جسے معاشرے کی ضمانت حاصل ہو سکے جس کے بغیر نسل انسانی ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔

انسانی بچہ اپنی زندگی اور نشوونما کے لئے کئی برسوں تک دردمندانہ نگہداشت اور غمخوارانہ تربیت کا محتاج ہوتا ہے جس کے لئے تنہا عورت کا اسے اُٹھانا اور برداشت کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ جب تک مرد اس کا ساتھ نہ دے، جو اُسے وجود میں لانے کا سبب بنتا ہے۔ مرد اور عورت کی اس مشترکہ ذمہ داری کو وہ اسی وقت انسانی زندگی کی نشوونما میں ادا کر سکیں گے جبکہ وہ معاشرے میں جائز طریقے سے اکٹھے ہوں گے۔ چوری چھپے یکجائی کے نتیجہ میں، بچے کی پیدائش کے بعد نشوونما مشترکہ طور پر ناممکن بھی ہے، ناجائز بھی اور معاشرتی لحاظ سے غیر معروف بھی، جس کے نتیجہ میں بچہ ویرانوں میں پھینک دیا جاتا ہے اور اگر بچ جائے تو معاشرہ اُسے قبول نہیں کرتا۔

انسدادی احکام

اسلام نے زنا کی سخت ترین سزا تجویز کرنے کے علاوہ زنا کے تمام امکانات اور اسباب پر پابندی لگا دی ہے جو زنا کے دروازے کھولتے ہیں یا اُن میں آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ عورتوں مردوں کا باہمی میل جول بند کیا، بن سنور کر باہر نکلنا بند کیا، نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم ہوا، نظر دل پہ پہرے بٹھا دیئے تاکہ دیدہ بازی

Marfat.com

سے حسن پرستی تک، اور حسن پرستی سے عشق بازی اور عشق بازی سے زنا تک نوبت ہی نہ آئے۔ عورتوں سے کہا گیا کہ اپنے گھروں میں محرم اور غیر محرم کی تمیز کریں۔ یہ ساری پابندیاں اس لئے عائد کی گئیں کہ فحاشی، بے حیائی اور عریانی کی آخری منزل زنا تک آگے نہ بڑھا جا سکے۔

۱۔ سورۂ احزاب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے متعلق حکم ہوا۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ اے پیغمبرؐ کی بیویو! اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے گفتگو نہ کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص طمع میں نہ پڑ جائے یا اس کی نیت میں فتور آ جائے بلکہ صاف اور سیدھی بات کرو۔

پردے کے احکامات کے آغاز کے بعد پیغمبروں کی بیویوں کو یوں مخاطب کرنے سے تمام مسلمانوں میں اصلاحات کا نفاذ مقصود تھا تاکہ پاکیزگی کی ابتدا پیغمبرؐ کے گھر سے ہو کر دوسرے لوگ اس معیار اور نمونے کو اختیار کریں۔ باتوں کے مواقع مردوں سے آتے رہتے ہیں، مگر اُن کے ساتھ باتوں میں شیرینی گھلاوٹ نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ کسی مرد کے جذبات میں انگیخت پیدا ہو، دل میں بُرا خیال در آئے اور بُرے ارادوں کے طمعے پیدا ہو جائیں۔

جو دین عورتوں کو مردوں کے ساتھ گفتگو میں اتنی احتیاط کا حکم دیتا ہو وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی عورت مسلمان ہو کر سٹیج پر ناچے گائے، تھرکے، بھاؤ بتائے اور نخرے دکھائے، کیا وہ مذہب مسلمان عورت کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ ڈراموں میں ہیروئن کا کردار ادا کرے۔ ہوائی جہازوں اور تجارتی اداروں میں مسافروں اور گاہکوں کے دل لبھائے، کمرشل مصنوعات کا اشتہار بنے، اجتماعی مجالس میں بن ٹھن کر آئے۔ یہ تہذیب اور کلچر کس اسلام اور کس قرآن سے برآمد کیا گیا ہے۔ خدا کا قرآن تو سب کے سامنے ہے اس میں کہیں بھی ایسی اجازت نہیں ہے۔ قرآن کریم تو کہتا ہے: وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى۔ گھروں میں ٹک کر رہو اور سابقہ دور کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ عورت کا اصلی دائرۂ عمل اس کا گھر ہے، اسی کے اندر خانہ داری کے فرائض ادا کرے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ، مرد سارے ثواب کماتے ہیں۔ جہاد کرتے ہیں، جان لڑاتے ہیں، بڑے بڑے کارنامے انجام دیتے ہیں، نماز باجماعت پڑھتے ہیں، جنازوں میں شریک ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہم کیا کریں۔ ارشاد فرمایا۔ تم میں سے جو گھروں میں بیٹھ کر مردوں کی عزت اور شرم کا پاس اور لحاظ رکھے گی وہ مجاہدین کے عمل کا ثواب پائے گی۔ مجاہد تب ہی گھر سے نکل کر خدا کی راہ میں اطمینان سے لڑ سکتا ہے کہ اُسے یہ یقین ہو کہ پیچھے اُس کی بیوی کوئی گل نہ کھلائے گی۔

آج ہمارے ہاں ملازمتوں کے سلسلہ میں ملک کے دُور دراز حصوں یا ملک سے باہر کام کرنے والوں کے ہاں زیادہ تر نہیں تو بھی تھوڑے بہت ایسے گل کھلتے ہیں، ورنہ ایسے گلوں کے کھلنے کی خبریں عام کب ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ عورت مستور رہے، ڈھانپنے اور چھپائی جانے والی چیز ہے۔ جب تک گھر میں ہوتی ہے خدا کی رحمت قریب ہوتی ہے، جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہم سکوں، کپڑوں اور زیورات کو تو محفوظ

Marfat.com

رکھتے ہیں۔ بنک کے لاکروں میں بند کرتے ہیں، محفوظ تجوریوں میں رکھتے ہیں، دوسروں کی نظروں سے بچا بچا کر اور چھپا چھپا کر محفوظ جگہوں میں رکھتے ہیں، مگر اپنی غیرت، اپنی شرم یعنی عورتوں، بیٹیوں اور بہوؤں کو سر بازار، چوراہوں، گلیوں اور نیز روڈ میں کھلا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ جنسی جنون میں مبتلا آج کے معاشرے ہیں۔ جو بڑھ کر ہاتھ میں لے لے مینا اُسی کا ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے جسے بھی شوق ہو آئے کرے شکار انہیں

بیحیائی سے بچنے کا حکم

قرآن کریم میں بار بار شرمگاہوں کی حفاظت اور کھلی چھپی بے حیائی و فحاشی سے رُکنے کا حکم دیا ہے۔ سورۂ احزاب میں فرمایا گیا ہے۔ والحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت۔ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں مومن ہوتے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ارشادِ ربّانی ہے۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ اے پیغمبرؐ کہہ دیجئے کہ میرے ربّ نے بیحیائی اور فحاشی کے کام حرام کر دیئے ہیں خواہ وہ کھُلم کھلا ہوں یا چھپے ہوئے ہوں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن۔ بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ کھُلی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی ہو۔

۲۔ دوسرے مقام پر پیغمبرؐ کی بیویوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ۔ اے نبیؐ اپنی بیویوں بیٹیوں اور مومن مردوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اُوپر چادروں کے پلّے ڈال دیا کریں، گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور راہ چلتوں کے ذریعہ ستائی نہ جا سکیں۔

ستر کی حدود

شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد ناجائز شہوت رانی ہی نہیں بلکہ دوسروں کے سامنے اپنے ستر کھولنے سے بھی پرہیز کا حکم ہے۔ مرد کے لئے حدودِ ستر ناف سے گھُٹنے تک ہے۔ اس حصۂ جسم کو بیوی کے سوا دوسروں کے سامنے کھولنا منع فرمایا ہے۔ بہت سی احادیث میں رانیں ننگی کرنے سے روکا گیا ہے بلکہ تنہائی میں بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ خبردار کبھی ننگے نہ رہو، کیونکہ تمہارے نگران وہ ہیں جو کبھی تم سے جُدا نہیں ہوتے، سوائے اس کے جب تم رفع حاجت کرتے ہو یا بیویوں کے پاس ہوتے ہو۔ لہٰذا اُن سے شرم کرو اور اُن کا احترام کرو۔ ایک صحابیؓ نے سوال کیا۔ کیا تنہائی میں بھی ستر چھپایا جائے؟ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرمایا جائے۔ عورت کا ستر ہاتھوں اور منہ کے سوا اس کا پورا جسم ہے جسے شوہر کے سوا کسی دوسرے مرد حتیٰ کہ باپ اور بھائیوں کے سامنے بھی برہنہ نہ کرے۔ باریک چُست لباس نہ پہنے جس سے بدن کی ساخت یا جھلک دکھائی دے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ نے باریک کپڑے پہنے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُنہ پھیر لیا۔ فرمایا۔ اسماءؓ جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھوں کے سوا اُس کے جسم کا کوئی حصّہ نظر آئے۔ اس سلسلہ میں اتنی رعایت ہے کہ اپنے محرم رشتہ داروں، باپ بھائیوں کے سامنے جسم کا صرف اتنا حصّہ کھول سکتی ہیں جتنا کام کاج میں ضروری ہو۔ مثلاً آٹا گوندھنے، لیپائی میں آستین چڑھانا، فرش دھونے یا گارا کرنے میں پائنچے چڑھا لینا۔

زینت کا اظہار نہ ہو

حکم خداوندی ہے۔ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا۔ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ زینت کا اظہار تین طرح ہو سکتا ہے۔ ایک خوشنما کپڑے پہننا، سرمہ، ہاتھ پاؤں وغیرہ کی مختلف آرائش کا اظہار از خود نہ کریں بلکہ جو کچھ خود بخود ظاہر ہو جائے۔ اِلَّا مَا ظَھَرَ کا مطلب ہے کہ از خود زینت ظاہر ہو جائے۔ مثلاً ہوا سے چادر اُڑ جانا یا کسی اور غیر شعوری اور اتفاقی وجہ سے اس کا اظہار ہو جائے جس میں اس کے ارادے کا دخل نہ ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ ہاتھوں پر مہندی کے نقش و نگار بنا کر، انگلیوں میں انگوٹھیاں، چھلے پہن کر، منہ پر سرخی پوڈر جما کر، ہونٹوں پلکوں اور ابرؤوں پر سجاوٹ کر کے، کانوں پر آویزے لٹکا کر لوگوں کے سامنے آئیں اور اراداتاً اس کا اظہار کرتی پھریں یا اظہار کے بہانے ڈھونڈتی پھریں۔ وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوبِھِنَّ۔ اپنی چھاتیوں پر چادر ڈال دیا کریں۔ چھاتیوں پر دوپٹے ڈالنے کی اس آیت کے بعد دوپٹوں کا رواج ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت اُتری تو لوگ گھروں کو چل دیئے۔ اُنھوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور بہوؤں کو یہ حکم سنایا تو انصار کی عورتوں نے اُٹھ کر کسی نے کمر پٹہ، کسی نے چادر لے کر دوپٹے بنا لیے اور اوڑھ لیے۔ اُنھوں نے باریک کپڑے چھانٹ کر الگ کر دیئے اور موٹے موٹے کپڑوں سے دوپٹے بنا لیے۔ گویا اُنھوں نے اس حکم کو سُننے کا مطلب سمجھ لیا کہ دوپٹہ موٹے کپڑے کا ہو۔ آجکل کی صاحبزادیوں کی طرح دوپٹے کو تاؤ دے کر گلے کا ہار نہیں بنایا اور نہ خوشنما چادریں لیں جو آجکل خود بخود دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔ خدا کا حکم ہے کہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلو کیونکہ جس زینت کو چھپانا مقصود ہے وہ چھلک نہ پڑے اور ظاہر نہ ہو جائے۔

عورتوں کو اپنی زینت کا اظہار جس حلقے اور دائرے میں کرنا ہے اسی سورت میں خداوند تعالیٰ نے اُن کی تفصیل بھی بیان فرما دی ہے۔ وہ اُن کے شوہر، خُسر، اپنے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بھانجے، اپنی ملنے والی عورتوں، مملوکہ غلاموں اور زیر دست خدمتیوں، خدمتگاروں، جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور دوسرے وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ ان کے علاوہ جوان خانساموں، بٹ ہینوں، فیشن ایبل ڈرائیوروں کے سامنے ایسا نہ ہو۔ خیال رہے کہ خدمتگاروں میں "زیر دست" اور "جو ایسی غرض نہ رکھتے ہوں" کی حکمت اور اشارے کی نصیحت پر غور کرنا ہے یعنی ان کی طبعی زیر دستی جس سے کسی بُرائی کا امکان نہ ہو اور یہ کہ وہ کردار کے لحاظ سے بُرے خیالات اور ارادوں کے مالک نہ ہوں یعنی بوڑھے اور نیکو کار قسم کے ہوں، مگر ہمارے ہاں بڑے گھرانوں میں ایسے ملازمین اپنی وضع قطع، میل جول اور رہن سہن بود و باش کے اعتبار سے ایسے جاذبِ توجہ ہوتے ہیں کہ اُن پر گھر کے افراد کا گمان ہوتا ہے اور وہ آزادانہ طور پر ان گھرانوں میں ایسے گھلے ملے ہوتے ہیں کہ بہت سے سکینڈل منظرِ عام پر آجاتے ہیں اور بہت سے ایسے واقعات صاحب بہادروں کی چشم پوشی، مجبوری اور بیگمات کے حسنِ التفات کے باعث پوشیدہ رہتے ہیں۔

بے حیائی نہ پھیلائی جائے

قرآن کی اسی سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایک اسلامی اور ایمان والوں پر مشتمل معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔ فحاشی پھیلانے کے ذرائع، بدکاری کے اڈے چلانا، بداخلاقی کی ترغیب دینا، جذبات کو اُکسانے والے ناول، قصے کہانیاں، ڈرامے، فلمیں، وی سی آر، ننگی فلموں اور فحش گانوں کی کیسٹوں کا کاروبار، رسائل اخبارات، تصاویر ننگی اور نیم برہنہ اور اسی طرح تمام قسم کا لٹریچر۔ یہ سب چیزیں اور کاروبار تشیع الفاحشۃ، فحاشی پھیلانے کی ذیل میں آتا ہے۔ ان میں کلب، ہوٹل، رقص گاہیں اور مخلوط مجالس اور تقاریب بھی اسی حکم میں آتی ہیں۔ قرآن کریم دو ٹوک کہتا ہے کہ ان کاروباری اداروں سے متعلق لوگ آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔

بیحیائی کے معاشرتی نتائج

عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جانتا ہو کہ اس کی عورت فاحشہ اور بدکار ہے اور وہ اُس سے باوجود اس کا شوہر بنا رہے تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ زید بن طلحہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہر مذہب کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔ حیا انسانی طبیعت کی اس حالت کا نام ہے کہ ہر ناپسند بات اور کام کو طبیعت نہ چاہتی ہو۔ انسان کو حیا اس سے آتی ہے جس کا دل میں احترام ہو اور جس نے انسان پر احسان کیا ہو۔ خدا سے بڑھ کر قابلِ احترام اور احسان کرنے والی ہستی اور کون ہوگی۔ اس لئے اللہ کی مرضی اور پسند کے بغیر کام کرتے ہوئے شرم آئے اور طبیعت کو یہ کام بُرا لگے تو یہ ایمان کی علامت ہوتی ہے۔ کیونکہ "الحیاءُ نصفُ الایمان"۔ حضورؐ نے فرمایا: اذلم تستحیی فاصنع ما شئت۔ جب حیا نہ کرو تو پھر جو چاہو کرو۔ ہمارے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا جاتا ہے کہ آدمی کی آنکھوں میں شرم کے دو قطرے ہوتے ہیں وہ گر جائیں تو پھر انسان سب کچھ کر سکتا ہے اور اس سے متوقع ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

آج ہمیں اپنے معاشرے، گھروں، خاندانوں میں دیکھنا ہے کہ ہم خداوند تعالیٰ کے ان احکامات، قرآن کریم کی ان ہدایات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، جو شرمگاہ کی حفاظت، اُس کی انسدادی حدود اور زینتوں کے اظہار میں اوپر ذکر ہوئی ہیں، کہاں تک ان کی پیروی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے چاروں طرف کھلی بے حیائی، حسن کی نمائش، زینت کے اظہار کے نتیجے میں آئے دن زنا، اغوا اور عشق و محبت کی داستانیں وجود میں آتی رہتی ہیں۔ اسلامی معاشرتی روایات و اقدار کی پامالی ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے ہی معاشرے کی چند آزاد منش اور آوارہ مزاج عورتیں ذرائع ابلاغ کے صفحات اور ٹیلیویژن پر دگراموں میں عورتوں کی آزادی پہ لیکچر جھاڑتی اور ان کی غلامی و محکومی کا رونا روتی ہیں، لیکن اس آزادی کے پیچھے بے حیائی اور بے غیرتی کا جو طوفان اُٹھتا رہتا ہے، اُن ٹھوس حقائق سے آنکھیں بند کر لیتی ہیں۔ مسلمان ہو کر قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات پر دعوئ ایمان کے باوجود یورپ کے لادین معاشرے اور ملحدانہ تہذیب کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی۔

یورپ میں بیحیائی کے اثرات

حالانکہ اسی یورپ میں عورتوں کا حسن بے حجاب ہوا تو ساری دنیا میں رسوائی اور ذلت کا موجب بنا۔ اسی یورپ میں چائلڈ سٹڈی کے ڈائریکٹر ملٹن کی رپورٹ

کے مطابق یورپ میں لڑکیاں اعلیٰ جماعتوں تک پہنچنے سے پہلے حاملہ ہو جاتی ہیں۔ وہاں ایک سال میں لاکھوں حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ یورپین معاشرے میں تو جائز اور ناجائز کا تصوّر ہی ختم ہو چکا ہے۔ اُن کی خانگی زندگی تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ ہر سال لاکھوں عورتوں کو طلاق ملتی ہے۔ وہاں اس رواج کا بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے کہ خاوندوں کی اجازت سے ایک دوسرے کی بیویوں کے ساتھ ہمبستری کی جا سکتی ہے۔ اس بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور بدکاری و زناکاری کا نتیجہ یہ ہے کہ وہاں خودکشیاں عام ہو رہی ہیں۔ لاس اینجلز اور کیلیفورنیا میں علی الترتیب ایک سال میں پچھتّر ہزار اور پانچ لاکھ افراد نے خودکشی کی۔ اسلام نے عورت کے پاؤں کے نیچے جنّت کے اعزاز سے نوازا، اسے پاکیزگی اور تقدّس کی نعمت دی اور اسے ایک انتہائی قیمتی متاعِ جان کر سات پردوں میں چھپانے کی ہدایت دی۔ اُس کے ایک ہاتھ میں قرآن، دلوں میں نورِ ایمان، آنکھوں میں حیا دیا، مگر اس عورت نے خدا کے ان انعامات کو ٹھکرا دیا، آزادی کا نعرہ لگایا تو کیا بنی؟ داشتہ بنی، طوائف بنی، گلوکارہ و فنکارہ بنی۔ صابن کی ٹکیہ سے لے کر ہزاروں مصنوعات کا اشتہار بنی۔ کمرشل اداروں کا ماڈل بنی، تجارتی اداروں میں مسکراہٹیں بکھیرنے اور ادائیں نچھاور کرنے کی قیمت بنی۔ جس کی آواز کی کھنک کے اظہار پر پابندی تھی آج آواز کے جادو جگانے لگی۔ اس کے ہونٹ، ناک، آنکھیں اور ابرو بھی گاتے اور بجتے ہیں۔ اس کی تصاویر مصنوعات کے لیبلوں سے اُتر کر بازاروں، گلیوں اور کوچوں میں پاؤں تلے رُلتی ہیں اور خود بھی رُلتی ہے۔ رقص گاہوں کی زینت، سوشل مجالس میں خاوندوں کی تجارتی اور ملازمتی ترقیوں کا آلۂ کار بنی، پیسے کی ہوس اور فیشن کی حرص نے اس بیچاری کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور یہ پیسہ ایسی نامراد شے ہے کہ کمینوں کے ہاتھ میں آ کر بے حیائی اور بے غیرتی سکھاتا ہے اور شریفوں کے ہاتھ لگ کر جنت کی بہاریں خریدتا ہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ۔ (العنکبوت، ۴)۔ کیا یہ بدکار لوگ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے۔

بیحیائی میں حکمرانوں کی تباہی

زناکاری، بے حیائی اور فحاشی کی تباہ کاریوں کا اندازہ خود اپنی تاریخ سے لگایئے کہ مسلمانوں کو عرش سے فرش پر اتار دیا۔ عباسیہ، فاطمی، اغالبہ، مغلیہ کے جتنے حکمران تھے شراب اور عورتوں کے رسیا تھے۔ جتنے عیاش تھے اتنے ہی بزدل، بے غیرت اور تن آسان ہوئے کہ اپنے تاج و تخت کو بھی نہ بچا سکے۔ ملک اور قوم کی حفاظت تو چھوڑیئے۔ نادر شاہ ابدالی میدان مارتا ہوا دہلی کے قریب پہنچا تو اُس نے محمد شاہ بادشاہ کو پیغام بھیجا، جسے اُس نے پڑھے بغیر شراب کی صراحی میں ڈبو دیا اور کہا "ایں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ"۔ یہ بے معنی خط شراب میں غرق کرنا بہتر ہے۔ دربان نے کہا۔ حضرت، نادر شاہ آ گیا ہے تو کہا۔ کیوں پریشان کرتے ہو، یہیں مل لیں گے۔ اور یہ ملاقات ایسی ہوئی کہ قتل و غارت گری کا سیلاب آ گیا۔ خون کی ندیاں بہیں، محمد شاہ خود ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوا کہ فارسی میں مثل مشہور ہوئی کہ۔ شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت۔ ہماری بداعمالیوں کی سزا نادر شاہ کی شکل میں نمودار ہوئی۔ ہندوستان کی تمام دولت، تختِ طاؤس اور کوہ نور ہیرا تک لے گیا۔

اورنگ زیب عالمگیر جیسے نیکوکار، دیندار اور دیانتدار بادشاہ نے اسی لئے فحاشی کے اشاعتی ذرائع پر پابندی لگائی تھی، مگر اس کا پوتا جہاندار شاہ جب دہلی کے تخت پر بیٹھا تو خوش آواز طوائف پر عاشق ہو گیا اور عشق کے اس نشے

Marfat.com

میں حکومتی سکے "پہ اس کا نام لال کنور درج کرایا۔ اسی نے بادشاہ کو شہزادوں کی آنکھیں نکالنے کی فرمائش کی اور یہ بادشاہ ظلِ ابلیسی و شیطانی اپنی حرامکاریوں کے باعث صرف نو۹ ماہ حکومت کر سکا۔ اس کے بعد فرخ سیر چار ماہ حکومت کر سکا۔ وہ بھی ایک عورت کے عشق میں گرفتار ہوا، جس کے نتیجے میں اُس کے درباری امیر نجم الدین نے اُسے اندھا کر دیا۔ اس کے بعد اسی خاندان کا دوسرا شہزادہ رفیع الدولہ تین ماہ صرف حکومت کر سکا اور یہ رفیع الدولہ صاحب تیرہ سال کی عمر میں آٹھ بیویوں کے خاوند تھے۔ محمد شاہ جسے اس کی عیاشیوں اور زن پرستیوں کے باعث رنگیلا کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک محبوبہ نے قطب صاحب جانے کی فرمائش کی تو تمام راستے کو رومی مخمل بچھا کر آراستہ اور رنزم کیا گیا، جگہ کو فوارے لگا کر ٹھنڈا کیا گیا اور اس راستہ کو خوشبو میں لبانے کے لئے عطر چھڑکا گیا۔ لکھنؤ کا آخری تاجدار واجد علی شاہ تھا جس کے بعد ہم سوسالوں تک انگریزوں کی غلامی میں چلے آئے۔ وہ رقص کا ماہر تھا اور عورتوں کا شائق تھا۔ وہ جب ناچتا تو سر پہ پانی کا گلاس رکھ کر ناچتا تھا۔ کیا مجال گلاس یا پانی کا ایک قطرہ گر پڑے۔ اپنے اندر سبھا کے اکھاڑوں میں حسین عورتوں میں گھرا رہتا، عورتوں کا روپ دھارتا حتیٰ کہ اُن کی مخصوص بیماریاں، ماہواری اور دردِ زہ میں خود کو مبتلا کرتا۔

اسپین، اشبیلیہ اور غرناطہ جنہیں مسلمان مجاہدوں نے اپنا خون دے کر اور کشتیاں جلا کر فتح کیا تھا، وہ حکومتیں مسلمانوں کے آخری دور میں ان کی زناکاریوں، بدکاریوں اور فحاشیوں کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ غرناطہ کے آخری بادشاہ کی محبوبہ جو دیہاتن تھی، کیچڑ کے گارے میں پھرنے کی خواہش کی تو نرم و نازک چھنی ہوئی مٹی کے ڈھیر کو عرقِ گلاب سے گیلا کر کے گارا بنایا گیا تاکہ محبوبہ کے ساتھ محبت کا اظہار بھی ہو اور اس کی خواہش کا احترام بھی۔

بیحیائی قوم کو بزدل بناتی ہے

وطن اور وطن کی بیٹیوں کی عزّت غیور، بہادر اور غیرت مند قومیں بچایا کرتی ہیں اور جو قومیں اپنی بیٹیوں کی عزّت اور حفاظت نہ کر سکیں انہیں فحاشی اور بے حیائی کے راستوں پہ کھُلا چھوڑ دیں۔ وہ محمد بن قاسم بن کر قوم اور ملّت کی دوسری بیٹی کی آواز پہ کب کوسوں دُور کا سفر کر سکتی ہیں جن کے اپنے آزار بند ہر وقت کھلے ہوں وہ ملک اور قوم کی بیٹیوں کے آزار بند کب کھلنے سے روک سکتے ہیں۔ غیر ملکی مہمانوں کی عزّت و تکریم بجا، مگر اُن کے سامنے قطاروں میں لا کر اپنی معصوم بچیوں کو کھڑا کرنا اور اپنے قومی مال اور حسن کی نمائش کرنا اور بچیوں کے ذریعہ اُن پہ پھول نچھاور کرنا، اُن کے راستوں کو معصوم انسانی کلیوں کے حسن سے سجانا کونسی غیرت مند، بہادر اور خوددار قوم کا شیوا ہے کہ اپنی بیٹیوں کے توسط سے دوستی اور قرضے حاصل کئے جا سکیں۔

فحاشی، بے حیائی اور بزدلی سکھاتی ہے اور بزدلی بے غیرتی کا روپ دھارتی ہے۔ جنگی نغمے گانے والے اور جنگی گیت گانے والیاں صرف قوم میں رہی سہی غیرت اور حمیّت بھی نچوڑ لیتی ہیں۔ محاذوں پہ لڑنا نہ شاعروں کا کام ہے نہ جنگی ترانے الاپنے والیوں کا۔ ۱۸۵۷ء میں میرٹھ، کانپور اور لکھنؤ کے علاوہ دوسرے محاذوں پر انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہد جب دہلی پہنچے تو بہادر شاہ ظفر سے درخواست کی کہ آپ صرف بادشاہ بننا قبول کریں ہم

آپ کے لیے لڑیں گے۔ بہادر شاہ ظفر نے کہا۔ بابا ہم فقیر لوگ ہیں ہمیں نہ ستاؤ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کی شان و شوکت کا جنازہ نکل گیا اور اسی پاکستان کے ایک فوجی جرنیل صاحب جو اپنی شراب نوشی اور زناکاری میں ضرب المثل تھے۔ اس میں اتنے ڈوبے رہے کہ مشرقی پاکستان ہاتھوں سے نکل گیا۔

حرفِ آخر

آج بھی وہی کچھ ہو رہا ہے، اگر ہم نے فحاشی، بے حیائی، بے شرمی اور مرد و زن کے اس آزادانہ اختلاط کو نہ روکا اور خدا کے ان احکامات سے منہ موڑ دیا تو ہمارا بھی وہی انجام ہوگا۔ بحیثیت قوم کے بھی اور بحیثیت فرد کے بھی۔ ہمیں سیاسی مصلحتوں اور قرآن و اسلام کے خلاف معاشرتی تقاضوں پر لات مارنا ہوگی۔ ہماری بقا، ہماری عزّت اور ہماری سربلندی اسلام سے وابستگی اور اسلامی احکامات کی پاسداری میں ہے۔ ہم جنّت کے مستحق بننا چاہتے ہیں تو اپنی، اپنی قوم اور اپنی عورتوں کی حفاظت کا فریضہ ادا کرنا ہوگا اور یہ حفاظت اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات پر چلیں۔ اللہ تعالیٰ غیوّر ہے اور اس نے ہماری غیرت اور شرم کی حفاظت کے لیے یہ احکامات بھیجے ہیں۔

اہلِ جنت بے غیرت، بزدل، بے حیا اور فحش نہیں ہوتے اور نہ وہاں ایسے لوگوں کی جگہ ہے اگر خود کو اہلِ ایمان اور اہلِ جنت میں شامل کرنا ہے تو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ہوگی۔ اس میں خدا کی خوشنودی ہے اور ہماری اپنی بقا و سلامتی کی ضمانت بھی ہے۔

فحاشی و بے حیائی کے انسدادی پہلو

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت سورۂ الاعراف	ظاہری اور باطنی تمام فحاشی کو خدا نے حرام کر دیا۔
۲	انسدادی احکامات حضورؐ کے ارشادات	تانکا جھانکی۔ قل للمؤمنین یغضّوا من ابصارھم۔ نظریں بچانا آنکھوں کی بدکاری سے بچنا۔
۳	کمینے دشمن کا کردار	(۱) لڑنے کا حوصلہ نہ ہو تو فحاشی پھیلا کر بزدلی اور بے غیرتی میں مبتلا کرتا ہے۔ (۲) کردار کشی، بہتان تراشی کے الزامات۔
۴	نظر ڈالنے کی جائز صورتیں	نکاح کے لئے دیکھنا۔ جرائم کی تفتیش۔ طبیب یا ڈاکٹر سے بغرض علاج
۵	زینت کا اظہار نہ ہو	عورتیں دوسروں پر نظریں نہ ڈالیں۔ زینت کا اظہار نہ کریں۔ ولا یبدین زینتھنّ۔ عورتوں کی نفسیاتی بیماری۔ مالی اور معاشی نقصانات۔
۶	چھاتیاں ڈھانکنا	ولیضربن بخمرھنّ علیٰ جیوبھنّ۔ سورۂ نور
۷	مستیٔ رفتار نہ ہو	ولا یضربن بارجلھنّ۔ سورۂ نور۔ مست خرامی، چال کی فحاشی اور دعوتِ نظارہ و استفادہ ہے۔
۸	حرفِ آخر	تنبیہ اور نصیحت آموز کلمات۔

Marfat.com

فحاشی و بے حیائی کے انسدادی پہلو

آیت معہ ترجمہ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۔ (الاعراف) کہہ دیجئے اے پیغمبرؐ کہ میرے ربّ نے ہر قسم کی ظاہری و باطنی فحاشی و بے حیائی کو حرام قرار دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جنّت کے مستحق افراد اور ایمان والوں کے لئے جن اوصاف کا ذکر سورہ معارج میں فرمایا، ان میں ایک صفت اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا بھی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں ان صفات کا ہونا پسند فرما کر انہیں اس کے بدلے میں جنّت کے مستحق قرار دیں گے ۔

تاکا جھانکی شرمگاہوں کی حفاظت اسی صورت میں ممکن ہے کہ زنا کی نوبت آنے سے پہلے یا شرمگاہوں کے بھٹنے سے پہلے ایسی انسدادی تدابیر جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں کہ اگر ان پر سختی سے کاربند رہا جائے تو ہماری عزتوں عصمتوں اور ناموس کو کوئی خطرہ بھی درپیش نہیں ہو سکتا ۔ زنا سے پہلے پہلے دور ہی سے رُک جاتے اور زنا کی آخری منزل تک رسائی کی نوبت نہ آسکے ۔ ان انسدادی احکامات میں سے پہلی چیز تاکا جھانکی اور نظر بازی ہے ۔ سورۂ نور میں ارشاد ربانی ہے : قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔ اے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم، مومن مردوں سے کہو وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ۔ اُن کا یہ طریقہ زیادہ پاکیزہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے اور اے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اس طرح اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں ۔ یہ آیات اٹھارہویں پارہ میں واقع سورۂ نور سے تعلق رکھتی ہیں ۔

سورۂ نور سورۂ احزاب کے کئی ماہ بعد نازل ہوئی، زمانہ ۵ھ ہے ۔

کمینے دشمن کا کردار ان آیات کی تشریح سے پہلے ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے کہ کمینے اور رذیل دشمن کی ایک خاصیت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے حریف کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں واضح طور پر دیکھ لیتا ہے اور جان لیتا ہے کہ اس کا حریف اپنی خوبیوں کی وجہ سے عزت و احترام کرتا پاتا جا رہا ہے اور وہ اپنی اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے گرتا جا رہا ہے تو وہ اپنی کمزوریاں دُور کرنے اور حریف کی خوبیاں اپنانے کی بجائے اعلیٰ خوبیوں والے دشمن میں اپنی جیسی برائیاں پیدا کرتا ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس پر اتنی گندگی اچھالتا ہے کہ دنیا کو اس گندگی کے شور میں خوبیاں دکھائی نہ دیں ۔ یہی ذہنیت اُس وقت مشرکین مکّہ کی تھی اور یہی ذہنیت آج بھی ہر شریف آدمی کے کمینہ

دشمن میں پائی جاتی ہیں۔

کمزور اور بزدل بنانا

مشرکین مکہ مسلمانوں سے پے در پے شکستیں کھانے کے بعد مزید لڑنے کا حوصلہ نہ پاکر اس قسم کے رذیلانہ حملوں پر اُتر آئے تھے، آج بھی ہمارا دشمن خواہ ہندو ہو یا دوسرے باطل نظریات کا حامل مشرکانہ اور بے دین نظام حکومت کا فرد، انفرادی مخالف ہو یا خاندانی دشمن ہو وہ مسلمانوں میں اور خدا کے دین کو ماننے والوں میں بے حیائی، بے غیرتی اور فحاشی پھیلا کر انہیں بزدل اور کمزور بنانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش فحش لٹریچر کے ذریعہ ہو، امرتسر ٹیلی ویژن کی فلموں کے ذریعہ ہو یا جاسوسی کے روپ میں حسین لڑکیوں کا ملاپ ہو یا آوارہ مزاج اور آزاد خیال خاندانوں کے ذریعہ ہو، فحاشی، بے حیائی اور بدکاری کی اشاعت اور رواج کو جاری کر کے پوری قوم سے مسلمانوں میں بزدلی اور بے غیرتی کا نفوذ کر کے انہیں جرأت مندانہ اقدامات اور غیرت مندانہ انداز سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ہندوستان خود ایک ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف اتنا شور مچا رہا ہے کہ بڑی طاقتیں ہماری امداد سے رُک گئی ہیں اور اِدھر ہماری خوشامدانہ اور چاپلوسانہ حکمتِ عملی ہے کہ ہم موقعہ پر پکڑے ہوئے مجرم کی طرح معذرتیں کرتے ہیں، بہانے بناتے ہیں بلکہ پاؤں پڑتے ہیں کہ ہم جنگی طاقت بننا نہیں چاہتے۔ بزدلی کی اس سے بڑھ کر اور مثال کیا ہوگی۔ اپنا دفاع اپنی حفاظت اور خود کو محفوظ کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر ہمیں شرمانا چاہیئے۔

بہتان تراشی

بات مشرکین مکہ کی ہو رہی تھی کہ انہوں نے پہلی کمینگی یہ کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نکاح پر طوفان کھڑا کیا جو انہوں نے زید بن حارثہ رضؓ کی طلاق یافتہ بیوی سے کیا۔ چونکہ عربوں کے جاہلانہ رواج کے مطابق منہ بولے بیٹے کی طلاق یافتہ عورت سے نکاح نہ ہو سکتا تھا، حضورؐ نے اس جاہلانہ رسم کو توڑنے کیلئے خدا کے حکم کے مطابق نکاح کیا تھا۔ اس پر مشرکین مکہ نے طوفان کھڑا کر دیا۔ حضورؐ کی کردار کشی کی، الزام تراشیاں کیں۔ اسی قسم کی گھناؤنی حرکتوں میں سے دوسری حرکت واقعۂ افک کا ہے۔ مشرکین مکہ نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی پاک بی بی اور پاک نہاد ہماری ماں پر تہمت لگائی۔ تہمت کا یہ الزام اتنا بڑا تھا کہ اگر حضورؐ اور اُن کے جاں نثار صحابہؓ صبر و تحمل اور کمال درجہ کی حکمت اور ضبط سے کام نہ لیتے تو مدینہ کی مسلم سوسائٹی میں سخت خانہ جنگی برپا ہو جاتی، خون خرابہ ہو جاتا۔ حالانکہ عام غریب آدمی بھی ایسا الزام اپنے اوپر برداشت نہیں کر سکتا۔ اسے اسلامی غیرت اور جوشِ ایمانی کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ اور مسلمانوں کے صبر و تحمل پر یہ سورۂ نور حضرت عائشہ رضؓ کی معصومیت اور بے گناہی کو ثابت کرنے کے لئے اتاری اور کمال یہ ہے کہ اس سورت میں خداوند کریم نے کبھی کسی غصّے کے اظہار کے بغیر نہ مسلمانوں کو انتقام پر اکسایا ہے اور نہ واقعہ کی تفصیل بتائی بلکہ اس میں اپنی پوری توجہ مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے پر مرکوز کی ہے کہ تمہاری گھریلو زندگیوں میں جہاں کہیں بھی یہ اخلاقی رخنے اور کمزوریاں ہوں گی وہیں تمہیں ایسے الزامات اور تہمتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حفاظتی اقدام

اس لئے تم دشمنوں کو اس قسم کی تہمتوں کے فتنے کھڑے کرنے کا موقعہ ہی نہ دو اور اپنی گھریلو زندگی کے اخلاقی محاذ کو مضبوط بناؤ۔ سورۂ نور میں گھریلو زندگی اور معاشرتی روابط میں ایسے اصول اور

Marfat.com

قوانین بیان فرماتے ہیں جن پر چل کر اور جنہیں اپنا کر ہم معاشرتی برائیوں سے پاک ہو سکتے ہیں، ہماری شرمگاہوں کی حفاظت ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بے حیائی، فحاشی، عریانی اور جنسی آوارگی کی تمام لعنتوں سے بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ پہلی انسدادی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ مومن مرد اور عورتیں اپنی نظروں کو بچا کر رکھیں۔

یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے معنی کسی چیز کو کم کرنے، گھٹانے اور پست کرنے کے ہیں۔ نظریں نیچی رکھنے کا یہی مطلب ہے یعنی نگاہ بھر کر نہ دیکھا جائے، نگاہوں کو آزاد نہ چھوڑا جائے۔ درست ترجمہ نظریں بچانا ہے۔ مِنْ ابصارھم کا مطلب بعض نظروں کو بچانا ہے۔ یہ پابندی مردوں کے لئے عورتوں کو دیکھنے میں ہے۔ دوسروں کی طرف یعنی عورتوں پر نظریں گاڑنا، حریصانہ دیکھنا اور ہوس میں ڈوبی ہوئی نگاہیں جمانا اور کسی کی ستر گاہ پر نظر ڈالنا اور فحش مناظر کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ غیر عورت کو نگاہ بھر کر دیکھنا ایسی حرکت ہے جس کی کسی بھی شریف آدمی سے توقع نہیں ہو سکتی۔ اچانک نظر پڑنا بُری بات نہیں، بڑی بات یہ ہے کہ جہاں پہلی نظر نے کشش محسوس کی ہو اُس پر نظریں جما دے۔

حضورؐ کے ارشادات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی دیدہ بازی اور تاک جھانک کو آنکھوں کی بدکاری سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ آدمی اپنے حواس سے بھی زنا کرتا ہے۔ لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے، آواز سے لذت حاصل کرنا کانوں کا زنا ہے، دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے، ہاتھ سے چھُونا ہاتھوں کا زنا ہے اور ناجائز ارادے سے چلنا پاؤں کا زنا ہے۔ بدکاری کے یہ ابتدائی مرحلے جب طے ہو جاتے ہیں تو پھر شرمگاہوں کی محافظت ناممکن ہو جاتی ہے اور ان صورتوں کا مرحلہ خود بخود طے ہوتا ہے کہ شرم گاہ کی حفاظت کی رکاوٹیں دُور ہوتی چلی جا رہی ہیں اور شرمگاہ پر ڈاکہ پڑنے کا راستہ کھُل جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اللہ سے ڈر کر نظریں بچائے گا وہ اس کے بدلے میں اُسے ایسے ایمان سے نوازے گا جس کی لذت اور مٹھاس ہمیشہ اپنے دل میں پائے گا۔

حضرت ابو امامہؓ نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس مسلمان کی نگاہ کسی عورت پر پڑے اور وہ نگاہ کو ہٹا دے تو اللہ تعالیٰ اُس کی عبادت میں لطف اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔ اس حکم میں اتنی تاکید کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں آجکل کی طرح کھُلے بندوں اور کھُلے منہ پھرا کرتی تھیں بلکہ عورتوں کے باپردہ ہو کر بھی ایسے مواقع آ سکتے ہیں کہ اچانک مرد اور عورت کا آمنا سامنا ہو جائے۔ باپردہ ہو کر بھی ایسی صورت پیش آ سکتی ہے کہ عورت نقاب اُلٹ دے۔ پھر یہ حکم مسلمان مرد کو مسلمان عورتوں کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلم عورتوں کے ساتھ بھی ہے کہ وہ پردہ نہیں کرتیں، ان کے سامنے سے نظریں بچا کر گزر جانا مسلمان کا طریقہ ہونا چاہیئے۔

غم کے موقعہ پر بھی احتیاط

ابوداؤد میں کتاب الجہاد کے عنوان کے تحت یہ واقعہ درج ہے کہ ایک خاتون اُمِّ خلادؓ کا بیٹا جہاد میں شہید ہو گیا۔ وہ اُس کے متعلق دریافت کرنے حضورؐ کے پاس

Marfat.com

تشریف لائیں تو چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ ایسے موقعہ پر بھی کہ بیٹا شہید ہو گیا ہو یا کسی حادثہ یا طبعی موت مر جائے تو ماؤں کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ ہمارے ہاں عام موت پر بھی مائیں، بیویاں اور رشتہ دار خواتین گریبان پھاڑتی ہیں، منہ پر تھپڑ مارتی اور سر پیٹتی ہیں، بین کرتی ہیں اور چیختی چلاتی ہیں اور دیوانہ وار مردوں کے سامنے آ جاتی ہیں اور آجکل تو یہ بدعت بھی رواج پا چکی ہے کہ اس قسم کے "حسن مغموم" کو دیرپا بنانے کے لئے اور دوام بخشنے کے لئے فوٹوگرافی کی جاتی ہے، مووی فلمیں بنائی جاتی ہیں اور حسن پریشاں ان کے لمحات کو دوام بخشا جاتا ہے اور نہ جانے اس بہانے کس کس کی تصویریں اترتی ہیں اور کن کن کی فلمیں بنتی ہیں تاکہ سند رہیں اور بوقت تنہائی کام آسکیں۔ آخر کسی میّت کے ارد گرد شہر کی تمام باپردہ اور باحیا عورتیں بھی تو بیٹھی ہوتی ہیں جنہوں نے کبھی چہروں سے نقاب نہیں ہٹایا ہوتا وہ اس موقعہ پر غیر دانستہ اور غیر شعوری طور پر اس فحاشی اور بے حیائی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ رواج آجکل ان لوگوں میں ہے جو خود کو تعلیم یافتہ اور مہذّب سمجھتے ہیں۔ سوسائٹی میں شملہ اونچا رکھنے والے اور کہیں جانا ہو تو سب سے آگے جانا اپنا حق سمجھتے ہیں کہ وہ باعزت شمار ہوتے ہیں، کیونکہ عزّت، غیرت اور جوانمردی کے معیار بدل گئے ہیں۔

بہرحال وہ خاتون اُمّ خلادؓ جس کا بیٹا جنگ میں شہید ہو گیا تھا، حضورؐ کے ہاں نقاب اوڑھے ہوئے تشریف لائیں۔ اُن کے انداز میں وقار اور شرافت جھلکتی تھی۔ پوچھا گیا کہ اس قدر غم اور پریشانی کے عالم میں بھی تمہیں پردے کا احساس ہے؟ تو فرماتی ہیں کہ میں نے بیٹا کھویا ہے حیا اور شرم تو نہیں کھوئی!۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہم بحالتِ احرام مکہ کی طرف جاتیں، دوسرے صحابۂ کرامؓ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم چادریں منہ پر کھینچ لیتیں۔ قرآن کریم میں نظریں بچانے کا یہ فائدہ بتایا ہے کہ ذٰلک ازکٰی لہم۔ تاکہ تمہاری زندگی پاک صاف اور ستھری ہو جائے۔ تمہاری دیدہ بازی اور نظروں کا تعاقب اور شکار بازی ہو سکتا ہے دوسروں سے پوشیدہ ہوں، دیواروں کے روزنوں سے ہوں یا عمارتوں کے بالاخانوں اور کھڑکیوں کے پیچھے سے ہوں، خدا سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

نظریں نیچی رکھنے کا یہ حکم جیسا کہ مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے بھی ایسا ہی الگ ذکر کیا ہے۔ انہیں بھی ارادتاً غیر مردوں کو نہ دیکھنا چاہیئے۔ لیکن عورتوں کے لئے مردوں کو دیکھنے کے احکامات میں اختلاف ہے۔ احادیث میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ اُمّہات المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ، حضرت میمونہؓ حضورؐ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت اُمّ مکتومؓ اندر آ گئے جو آنکھوں سے اندھے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ان سے پردہ کرو۔ بیویوں نے فرمایا۔ حضورؐ، کیا یہ اندھے نہیں ہیں، جو نہ ہمیں دیکھ سکتے اور نہ جان سکتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا تم بھی اندھی ہو، کیا تم انہیں نہیں دیکھتیں؟ دوسری طرف حضرت عائشہؓ کی روایت ملتی ہے کہ ایک دفعہ حبشیوں کا وفد مدینہ آیا تو اُنہوں نے مسجد نبویؐ کے احاطہ میں اپنے کرتب اور تماشا دکھایا۔ حضورؐ نے خود یہ تماشا حضرت عائشہؓ کو دکھایا۔ ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کے معاملے میں مردوں کو دیکھنے میں اتنی سختی نہیں ہے جتنی کہ مردوں کے عورتوں کو دیکھنے کے سلسلے میں ہے۔ البتہ بعض مواقع ایسے ہیں کہ قطعی ممنوع ہیں۔ اپنے سامنے محفل میں ملنا ممنوع ہے۔ تقاریب میں میل ملاپ اور دیکھنا

Marfat.com

آزادانہ بے حجابی ممنوع ہے۔ راستہ چلتے ہوئے دُور سے دیکھنا یا تماشا کرنا ممنوع نہیں۔

امام شوکانیؒ نے ایک قول سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عورتوں کا مردوں کو دیکھنے میں جواز اسی سے ملتا ہے کہ مسجدوں، بازاروں اور سفر کے دوران عورتیں نقاب ڈال کر نکلتی ہیں، مگر مردوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے معاملے میں حکم مختلف ہے۔ تاہم یہ کسی طرح جائز نہیں کہ عورتیں اطمینان کے ساتھ مردوں کو دیکھتی رہیں اور ان کے جسم، جوانی اور حسن سے آنکھیں سینکتی رہیں اور لذت اندوز ہوتی رہیں۔

عورتوں کو دیکھنے کی جائز صورتیں

بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں مرد عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں، لیکن یہ دیکھنا کسی بُرے ارادے سے نہیں ہوتا بلکہ پرکھنے کی نیّت سے ہوتا ہے۔ مثلاً نکاح یا شادی کا ارادہ ہو تو لڑکی کو دیکھنا بلکہ دونوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا جائز ہی نہیں مستحب ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ میں نے ایک جگہ نکاح کرنا چاہا تو حضورؐ سے ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ لڑکی کو دیکھا ہے یا نہیں؟ پھر فرمایا۔ اُسے دیکھو اس طرح زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان موافقت ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے شادی کا پیغام دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ لڑکی کو دیکھ لو، کیونکہ انصار کی لڑکیوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔ لڑکی کی بےخبری میں بھی اُسے دیکھا جاسکتا ہے۔

جرائم کی تفتیش، عدالتوں میں گواہی یا علاج کے سلسلہ میں طبیب یا ڈاکٹر کا دیکھنا انہیں استثنائی صورتوں میں شامل ہے جہاں خود کو دکھانا پڑتا ہے۔

زینت کا اظہار نہ کرنا

سورۂ نور کی اسی آیت کے اگلے حصّے میں بے حیائی اور زنا سے بچنے کی دوسری انسدادی ہدایت یہ دی گئی ہے۔ ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ کہ اے نبیؐ مومنوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار، اپنی زینت اور آرائش نہ دکھاتی پھریں، بجز اس کے جو خودبخود اتفاقی طور پر ظاہر ہو جائے۔ فحاشی اور بے حیائی کی اس دوسری انسدادی ہدایت کی واقعیت اور اصلیت سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ عورتیں خوب بناؤ سنگھار کر کے اپنی آرائش پر گھنٹوں صرف کر کے آجکل محفلوں میں، بازاروں میں، شادی بیاہ کے ہنگاموں میں شریک ہوتی ہیں اور یہی آجکل کے معاشرے کا چلن ہے کہ اپنے زیورات، اپنے لباس اور آرائش کے مواقع اور بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ اپنی امارت، اپنے سماجی مرتبے اور اپنے لباسوں کے اظہار کے یہی مواقع ہوتے ہیں ورنہ گھر کی چاردیواری میں "جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا" کے مصداق ایسا نہیں ہوسکتا، ہو بھی تو محرم مردوں میں اس کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔ زینت کے اس اظہار میں شادی شدہ اور کنواری لڑکیاں ایک دوسری سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہیں میل ملاپ کے سلسلے پیدا ہوتے ہیں۔ زینت کے آزادانہ اور بھرپور اظہار میں پسند اور انتخاب کے چکر چلتے ہیں۔ دوستی اور تعلق کے عہدوپیماں ہوتے ہیں اور ان وعدوں کی آخری منزل تک پہنچتے پہنچتے اکثر نادان لڑکیاں راستوں میں لُٹ جاتی ہیں اور آخری منزل کی نوبت نہیں آتی۔ مشہور لطیفہ ہے کہ ایک محترمہ نے کسی ایسی ہی تقریب میں شرکت کے لئے خاوند سے نئے سوٹوں اور زیورات کے نئے ڈیزائن خرید کر لانے

کی فرمائش کی تو خاوند نے فرمایا کہ ابھی چند دن پہلے ہی تو سوٹ اور زیورات خرید چکا ہوں۔ فیشن ایبل اور ماڈرن بیوی نے کہا کہ وہ تو پچھلی تقریب میں سب لوگوں نے دیکھ لیئے ہیں اب اس تقریب میں دوبارہ انہیں پہن کر جاؤں گی تو لوگ کیا کہیں گے، بس وہی پرانے سوٹ اور زیور پہن کر آئی ہوئی ہماری ناک کٹ جائے گی، سوشل سٹیٹس باقی نہ رہے گا اور بڑی بے عزتی اور رسوائی ہوگی۔ خاوند نے بیوی کی یہ منطق سنی، تو پریشان ہوگیا کہ ہر نئی تقریب میں نئے جوڑے نئے زیورات مہیا کرنے نہ تو میری مالی حیثیت اجازت دیتی ہے اور نہ تنخواہ یہ بار برداشت کرسکتی ہے۔ یہ سوچ کر بیوی سے کہا۔ ایسا نہ کریں کہ اپنے ملنے ملانے والوں کو نئے نئے جوڑے اور زیورات دکھانے کی بجائے پرانے لباسوں اور زیورات کے لیئے نئے نئے ملنے والے ہی پیدا کر لیا کریں۔ بیوی نے کہا۔ کیا مطلب ہے میں نہیں سمجھی؟ خاوند نے پوری سنجیدگی سے کہا کہ ہم نئے نئے جوڑوں اور زیورات کو دکھانے کی بجائے دیس بدیس، شہر بشہر خانہ بدوشوں کی طرح گھومتے پھریں، تبدیلیاں کراتے رہیں اور رہائش بدلتے رہیں تاکہ نئے نئے لوگوں میں پرانے جوڑے اور زیورات کا رعب قائم و دائم رہے۔

عورتوں کی نفسیات

زیب و زینت کا یہ اظہار آخر اسی لیئے تو ہوتا ہے کہ اپنے حسن کی نمائش ہو لوگوں میں جوانی اور حسن کا بھرم قائم رہے۔ پسندیدگی کی راہیں ہموار ہوں، دوستی کے دائرے وسیع ہوں اور تعلقات کے نئے نئے میدان ہاتھ آئیں۔ انسانی فطرت کے اندر ذاتی تعریف و توصیف اور پسندیدگی کا یہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے جو فحاشی اور بے حیائی کے جال کا وہ دانہ ہوتا ہے جس میں شکار ہو کر وہ ساری عمر بد چلنی، بدراہی اور بدکاری کے قفس کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ کوّے کی چونچ میں سے روٹی کا ٹکڑا کسی ہوشیار جانور نے یہی کہہ کر گرایا تھا کہ تمہاری آواز نہایت خوبصورت ہے ذرا گانا گاؤ کہ میں اس آواز کو مدتوں سے ترس گیا ہوں اور جب کوّا اپنی تعریف کے نشہ میں سرشار ہو کر چونچ کھولتا ہے تو روٹی کا ٹکڑا خود بخود جانور کے قدموں میں آکر گرتا ہے۔ زیب و زینت کے اظہار میں مست مستورات اپنی تعریف و توصیف سے سمجھتی ہیں کہ دوسروں پر دام پھینک دیا ہے مگر وہ خود کوّے کی طرح دوسروں کے جال میں پھنس جاتی ہیں اور پھر دوسرا پہلو واضح ہے کہ زیب و زینت کے شوق اور اس کے لیئے نت نئے سامان اور مواقع کی تلاش میں گھر دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ خاوند اور باپ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیئے کیا کیا جتن کرتا ہے، رشوت لیتا ہے، غبن کا مرتکب ہوتا ہے، ہیرا پھیری کرتا ہے سمگلنگ کرتا ہے، جوا کھیلتا ہے اور پھر پکڑے جانے کا دائمی خوف اس پر مسلط ہو کر اس کا ذہنی سکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ پھر وہ شراب اور دوسرے نشہ آور نشوں کی گود میں پناہ لے کر وہی محبت کرنے والا خاوند اور والد اپنی بیوی اور اولاد کے لیئے برف کا گلیشیئر بن جاتا ہے۔ جذبات سرد ہو جاتے ہیں۔ محبت، پیار اور شفقت کی گرمی رخصت ہو جاتی ہے اور پھر اپنی زینت کے اظہار کے طبعی اور فطری تقاضوں کو پورا کرنے والی بیوی اور اولاد اس سے مایوس ہو کر دوسروں کو پھانسنے اور عیاشی کی تکمیل و لوازمات کے لیئے نت نئی منڈیاں اور وسائل ڈھونڈنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ ہر مالدار و سرمایہ دار کو زیر دام لایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ ختم ہونے میں

Marfat.com

نہیں آتا دن کہیں اور رات کہیں بسر ہوتی ہے۔

استثنائی صورت

اللہ تعالیٰ کی حکیم ذات نے زینت کے اظہار سے منع فرما کر انہی دُور رس نتائج اور پیش آنے والے منطقی اور قدرتی اثرات سے مسلمانوں کی بیویوں کو بچنے کی ہدایت اور حکم دیا ہے کہ اے نبیؐ مومن لوگوں کی بیویوں اور بیٹیوں سے کہو کہ وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کیا کریں۔ ہاں اتفاقی طور پر ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہوا کا جھونکا نقاب الٹ دے یا بے خیالی میں ایسا ہو جائے تو اور بات ہے مگر ارادتاً اپنی سج دھج دکھانا انتہائی خطرناک اور بُرے نتائج کا حامل ہوگا۔ البتہ اس سلسلہ میں بھی ایک استثنائی صورت موجود ہے۔ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (سورہ نور: ۶۰) اور جو عورتیں جوانی گزار بیٹھی ہوں اور نکاح کی امیدوار نہ ہوں یعنی شادی کی عمر میں نہ ہوں، تو وہ اگر اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ ایسا کرنا۔ اپنا ستر پردہ نہ کرنا۔ زینت کی نمائش میں شامل نہ ہو، تاہم وہ بھی حیاداری برتیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہونے والی عورتیں یعنی عمر کے ایسے مرحلے میں ہوں کہ اُن کی زینت کا اظہار فحش ارادے سے نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ چادر اتارنے کی اجازت ان بوڑھی عورتوں کو دی گئی ہے جن کے اندر بن ٹھن کر نکلنے کا شوق باقی نہ ہو اور نہ ان کی عمر کے اعتبار سے بدکاری و بے حیائی کے امکانات موجود ہوں۔ مگر اس کے باوجود اس راکھ میں کوئی چنگاری باقی ہو اور وہ زینت کے اختیار کرنے پر اکساتی ہو تو اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھائے۔ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ کا اشارہ اسی امکان کو ختم کرنے کے لئے ہے کہ وہ بھی حیا داری برتیں تو اُن کے حق میں بہتر ہے۔ خدا سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے، وہ دل کے ارادوں کا علم رکھتا ہے اور نیتوں سے باخبر ہے۔

چھاتیاں ڈھانپنا

فحاشی، بے حیائی اور شرمگاہوں کی حفاظت کا تیسرا محاذ عورتوں کی چھاتیوں کا اظہار ہے۔ اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں فرمایا ہے کہ وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ۔ مومن عورتوں کو کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چھاتیوں پر اوڑھنی یا چادر ڈال لیا کریں تاکہ جنسی تحریص و ترغیب کی یہ راہ بھی مسدود ہو جائے، جس سے دیکھنے والوں کی نگاہیں لذت یاب ہو کر نیتوں اور ارادوں کو خراب نہ کریں اور انہیں کسی لالچ اور ہوس میں مبتلا نہ کریں۔ بلوغت کی یہ نسوانی علامت فصل کی پختگی کا اعلان و اظہار ہوتی ہے جسے دیکھ کر میوہ فروشوں کے منہ میں پانی کا آنا قدرتی بات ہے جبکہ آج کے معاشرے میں میوہ فروشوں اور میوہ خوروں کے غول ہر طرف منڈلا رہے ہوں۔ بیری پر پھل آئے یا کسی بھی میوہ دار درخت پر پھل لگے تو اس پر پتھر ضرور پڑتے ہیں۔ چاہیئے کہ حیادار اور مومن عورتیں ان پتھروں سے خود کو محفوظ رکھیں۔ اپنی چھاتیوں پہ چادر ڈال دیں تاکہ ہوس کار نگاہوں کے تیر ان پر نہ لگیں۔ ان کی اس طرف سے غفلت، بے پردگی اور چھاتیوں کی نمائش خود دعوت نظارہ دے کر ان کے لئے

Marfat.com

تباہی و بربادی کے سامان پیدا کرے گی۔ بہتر ہے کہ ان تک کسی نگاہ اور ہاتھ کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کی حفاظت کی جائے اور تباہی کی نوبت نہ آنے دی جائے اور تب ہی ممکن ہے کہ عورتیں اسلامی احکام کے مطابق پردہ کی سختی سے پابندی کریں۔ ؎ اس دور میں زلیخا بہر کوچہ و بازار   ناپید مگر حضرت یوسفؑ کا ہے کردار

مستی رفتار سے گریز

سورۂ نور کی انہی آیات میں چوتھی چیز یا فحاشی اور بے حیائی کا انسدادی حکم یہ ہے مومن عورتیں زمین پر مست خرامی اور مست رفتاری کے لیے اچھلتی کودتی اور پاؤں مارتی ہوئی نہ جائیں، ایسا نہ ہو کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ چھلک پڑے اور ظاہر ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اے مسلمانو! تم سب اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو تاکہ تم بامراد ہو جاؤ۔ اچھل کود اور مست خرامی جہاں تکبر اور غرور کی علامت ہے وہاں بے وقار اور غیر سنجیدہ قسم کی رفتار بھی ہے۔ پھر عورتوں کے لیے تو اس لحاظ سے بُری بات اور حرکت ہے کہ اس سے غیر ضروری چلبلاپن اور کھلنڈرا پن نمایاں ہوتا ہے اور نسوانی اعضاء متحرک ہوتے ہیں جو کپڑوں میں چھپے ہوتے ہیں اُچھل کود سے حرکت کرتے نظر آتے ہیں اور خواہ مخواہ ان کی نمائش ہو کر دیکھنے والوں کے دلوں میں غلط خیال اور عورتوں کے بارہ میں غلط تصورات پرورش پاتے ہیں بشوخی، تیزی اور طرازی اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ایسی حرکت کرنے والا خود کو اور جسمانی پوشیدہ اعضاء کی نمائش کر کے دعوت نظارہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جسے ذرا سی عقل سلیم سے نوازا ہو اور ان کی فطرت مسخ نہ ہوئی ہو وہ غور کریں تو ستر پوشی کے یہ احکامات جذبہ حیا کے قدرتی تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں اور مکمل بھی کرتے ہیں۔ ان سے شیطانی اور شہوانی راستوں کا دروازہ بھی بند ہوتا ہے جو زندگی کو گندہ، معاشرے کو پراگندہ اور اخلاق و کردار کو تباہ کنندہ ہوتے ہیں اور اکثر اوقات بڑے شرمناک نتائج کا سبب بنتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر بھی جو خود دکھاتا ہے اور جسے دیکھا جاتا ہے۔ نفسِ انسانی کے معالج اعظم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جیسے حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ عورت شیطان کی طرح آتی جاتی ہے یعنی اس کی رفتار اور اس کا انداز شیطانی فتنہ سے کم نہیں ہوتا۔ حضورؐ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی نامحرم کسی عورت سے ملے اور وہاں شیطان موجود نہ ہو۔ شیطانی اثرات انسانی رگوں میں خون کی طرح دوڑتے ہیں۔

حرفِ آخر

ہمیں سوچنا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ دیکھنے اور دکھانے کے اس قسم کے مواقع فراہم کر کے ہم خود اپنی بیویوں اور بچیوں کو فتنوں کی آگ میں تو نہیں جھونکتے۔ بے حیائی اور بے غیرتی کے لئے خود اپنے گھروں کے دروازے تو نہیں کھولتے۔ موضوع کی آیت قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میرے ربّ نے فحاشی اور بے حیائی کے تمام کھلے اور چھپے ہوئے کاموں سے منع فرمایا ہے اور یہ کہ سب طور اطوار حرام ہیں۔ ان احکامات کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ ایمان والوں اور اہل جنت کے لئے جو صفات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں تو شرمگاہوں

Marfat.com

کی حفاظت تب ہی ہوسکتی ہے اور وہ اسی وقت محفوظ رہ سکتی ہیں جب تک کہ اُن کے بنیادی اسباب و علل کی روک تھام نہ کریں اور وہ اسباب نگاہوں کی نظر بازی، زینت کا اظہار یعنی کھلے بندوں محفلوں اور مجالس میں اپنی امارت، اپنی فیشن پرستی اور ترقی پسندی کے اظہار کے طور پر آراستہ و پیراستہ ہونا، بننا سنورنا، چھاتیوں کا نہ ڈھانکنا، مست خرامی اور مست رفتاری ہیں۔ ان سے پرہیز نہ کیا گیا تو کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ شرمگاہوں کی حفاظت کے آخری مرحلے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ جب ہم خود ہی زناکاریوں کے پہلے مورچوں میں ہتھیار پھینک دیں اور دشمن کی نگاہوں، کانوں، ہاتھوں کے لمس اور آزادانہ میل جول کے سارے دروازے کھول کر یہ سمجھ بیٹھیں کہ ہماری شرمگاہوں کی حفاظت کے قلعے پامال اور مفتوح نہ ہوں گے تو اس سے بڑھ کر حماقت اور خود فریبی اور کوئی نہ ہوگی حاشا و کلاّ۔

پھر نہ کرنا میری گستاخ نگاہی کا گلا — دیکھئے آپ نے پھر پیار سے دیکھا ہے مجھے

بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گزر نہ کر — ہر ذرّے کے نقاب میں دل بے قرار ہے

اور کون نہیں جانتا کہ آج کے مجنوں وادیوں کی بجائے ہر گلی، ہر موڑ اور ہر چوراہے پر کھڑے ہیں اور لیلاؤں نے محملوں سے کود کر انہی مقامات پر اپنی سج دھج، زینت اور سجاوٹ دکھانا شروع کر دیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

گھروں میں آمدورفت کے آداب اور زناکاری وفحاشی کا انسداد

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت قرآنی	یاایّھا الّذین اٰمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتّٰی تستانسو ۔ گھریلو آمدورفت معاشرتی ضرورت ہے مگر اس میں بے احتیاطی، بے حیائی، زناکاری اور فحاشی کا سبب بنتی ہے ۔ دین اسلام برائیوں کو حرام ہی نہیں ٹھہراتا بلکہ ان کے اسباب پر بھی پابندی لگاتا ہے ۔
۲	گھروں میں داخلے کے احکامات حضورؐ کے ارشادات	دوسرے کی رضامندی ضروری ہے ۔ جھانکنا ۔ اندر نظر ڈالنا ۔ دوسروں کی نجی زندگی میں مداخلت ۔ خط تک نہ پڑھنا ۔
۳	اجازت کے طریقے	دستک دے کر ایک طرف کھڑے ہونا ۔ وقفہ وقفہ سے دستک دی جائے اجازت یا جواب نہ ملنے پر بغیر ناراضگی کے واپسی ۔
۴	داخلہ کی استثنائی صورتیں	گھر میں آگ لگنا، مدد کی ضرورت ہونا، بیماری یا کسی اور ضرورت میں بلا اجازت جانا ضروری ہو ۔
۵	غیر سکونتی مکان میں داخلہ کی صورت	ہوٹل، سرائے، دفاتر وغیرہ اس رضامندی کے حصول سے مستثنٰی ہیں ۔
۶	گھریلو افراد کے لئے گھروں میں داخلہ کے اوقات	گھریلو ملازم، غلام لونڈیاں بچوں کے لئے صبح کی نماز سے پہلے نہ آنا ۔ دوپہر کا وقت ۔ عشاء کی نماز کے بعد پوری رات بچوں کیلئے بعد از بلوغت وہی حکم ہے جو پہلی آیت میں بیان ہوا ہے ۔ گھر کے پچھواڑے سے نہ آنا ۔
۷	واقعات و امثال	ملا نصیرالدین کا جھوٹ کہ گھر پر نہیں ہے ۔ معمولی حاجت کے لئے گھر والے کو بلانا موجب تکلیف ہوتا ہے جیسے فقیر کا مالک کو چوتھی منزل سے بلا کر خیرات مانگنا ۔

گھروں میں آمدورفت کے آداب و زناکاری و فحاشی کا انسداد

آیت معہ ترجمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۔ لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۔ اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ تم اُن گھر والوں کی رضا مندی نہ حاصل کرو اور ان گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر تم اُس گھر میں کسی مرد کو موجود نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جاؤ جب تک کہ تمہیں گھر کی مستورات یا گھر کے مرد کی طرف سے داخلہ کی اجازت نہ مل جائے اور اگر مرد کی عدم موجودگی میں اجازت نہ دی جائے اور کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جایا کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ البتہ ایسے گھروں میں تمہارے لئے بلا اجازت داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جو غیر سکونتی کسی کے رہائشی گھر نہ ہوں بلکہ وہاں تمہارے لئے فائدہ کا تعلق ہو تم جو کچھ کرتے ہو یا چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ کو سب کی خبر ہے۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ بالا آیات میں گھروں میں داخلے کے احکامات ہیں کہ ہمیں اپنی معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے اور مجلسی و خانگی تعلقات میں اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، لیکن یہ آمدورفت بسا اوقات بلکہ اکثر اوقات فحاشی، بے حیائی اور زناکاری و بدکاری کے مواقع بھی پیدا کر دیتی ہے اور اسی آمدورفت کے نتیجہ میں ابتدائً بے تکلفی بعد میں بیباکی اور شرمناکی کی حد تک پہنچ جانے کے امکانات اور احتمالات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو گھروں میں داخلے کے آداب و احکامات سکھائے تاکہ بے ضرر آمدورفت مضر اور نقصان دہ تعلقات کا موجب نہ بن جائے۔

آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ان آیات میں غیر محرم متعلقین اور ملنے جلنے والوں کو ایسے آداب سکھائے گئے ہیں جو ہماری سوسائٹی میں کسی برائی کے پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہیں چھوڑتے، بشرطیکہ دونوں فریق گھر والے اور ملنے ملانے والے ان آداب و احکامات کا خیال رکھیں۔ ہمارا دینِ اسلام ایسا پیارا دین ہے کہ وہ برائیوں کو حرام قرار دینا اور اُن کی سزا دینا ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ ان اسباب و وجوہات کی بھی نشاندہی کر کے اُن سے روکتا ہے جو برائی پر اکساتی ہیں۔ گویا ہمارا دین جرم، اس کی سزا

اس کے اسباب، محرکات، وسائل اور ذرائع جرم پر بھی پابندی لگاتا ہے۔ اسلام جرم کی حدود میں داخلے سے بہت دُور فاصلے پر اپنے ماننے والوں اور پیروکاروں کو روکتا ہے۔ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ اُس کے ماننے والے جرائم کی سرحدوں پہ ٹہلتے رہیں، پکڑے جاتے رہیں اور سزا پاتے رہیں۔ اس لحاظ سے اسلام جرم کی سزا دینے والا ہی نہیں بلکہ ہماری اصلاح اور اخلاقی درستی کرانے والا ہمارا مددگار اور ہمدرد مذہب ہے۔ اس لئے ہمارے مذہب اور ہماری شریعت نے ایسی تعلیم اور معاشرتی اخلاق سکھائے ہیں جو ہمیں برائیوں سے دُور رہنے میں مدد بھی دیتے ہیں اور ہماری غیرت، عزت اور شرم کی حفاظت بھی کرتے ہیں جن میں سے ایک روّیہ یہ بھی ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے گھروں میں داخلے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ ہم دوسرے کی رضامندی اور اجازت کے بغیر اُس کے گھر میں داخل نہ ہوں۔

رضامندی ضروری

اس آیت میں دوسروں کے گھروں میں داخلے کی شرط کے طور پر حتّٰی تستانسوا کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی عام طور پر اجازت کے کئے جاتے ہیں یعنی جب تک تم اس کی اجازت نہ لے لو۔ لیکن قرآن کریم میں اذن اجازت کی بجائے تستانسوا کے لفظ کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب تک تم یہ معلوم نہ کرلو کہ تمہاری آمدورفت گھر والوں کو ناگوار تو نہیں؟ وہ پسند کرتا ہے کہ تم اس کے گھر آمدورفت رکھو، اس لئے یہاں اجازت کی بجائے رضامندی حاصل کرنے کا ترجمہ زیادہ بہتر ہے۔ عرب میں جاہلیت کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حییّتم صباحًا حییّتم مساءً۔ صبح بخیر اور شام بخیر کہتے ہوئے بے تکلّف دوسرے کے گھروں میں اجازت لئے بغیر گھس جاتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ گھر والوں کو ایسی حالتوں میں دیکھ لیتے جنہیں دیکھنا مناسب نہ ہوتا۔ انگریزی میں ایسے مواقع کو "پرائیویسی" اور ہمارے ہاں ذاتی یا نجی اوقات کہا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے یہ اصول مقرر فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اپنے گھر میں تنہائی اور تخلیے کا حق حاصل ہے، دوسروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی مرضی کے بغیر اس کی تنہائی میں مخل ہوں۔

داخلے کے آداب

اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے گھروں میں داخلے کے لئے جو معاشرتی آداب اور ضابطے مقرر فرمائے ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے کہ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تنہائی اور علیحدگی کے حق کو گھروں تک ہی محدود نہیں فرمایا بلکہ عام قرار دے کر دوسروں کے گھروں میں جھانکنا، باہر سے نگاہ ڈالنا حتّٰی کہ دوسروں کا خط پڑھنا بھی جرم ٹھہرایا ہے۔ حضرت ثوبانؓ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آزاد کردہ غلام کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب کسی کے گھر میں کسی کی نگاہیں داخل ہو جائیں تو پھر اجازت لے کر اندر آنے کا موقعہ اور ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص عین دروازے پہ کھڑا ہو کر اجازت مانگنے لگا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اجازت تو اس لئے مانگی جاتی ہے کہ گھر میں نظر نہ پڑے، جب نگاہیں پڑ گئیں تو پھر اجازت کیسی؟ خود حضورؐ کسی دروازے پر جاتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے، آپؐ دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضورؐ کے حجرے (گھر) کے اندر جھانکا۔ حضورؐ اس وقت اندر ہاتھ میں تیر لئے بیٹھے تھے، حضورؐ

Marfat.com

اس انداز سے اُس کی طرف بڑھے گویا اس کے پیٹ میں گھونپ دیں گے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جب کسی نے اپنے بھائی کے خط پر نظر ڈالی اُس نے گویا آگ میں جھانکا۔ ایک روایت میں ایسے آدمی کی آنکھ پھوڑنے کو بھی جرم قرار نہیں دیا جو کسی کے گھر میں جھانکتا ہو۔ اسلامی قانون کے ماہرین نے گھروں میں جھانکنے اور نظریں ڈالنے کے علاوہ دیوار اور دروازے سے کان لگا کر آواز اور باتیں سننے کو بھی اس حکم میں شامل کیا ہے۔ گویا کسی کے کان بھی گھر والوں کی تنہائی میں مداخلت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اجازت لے کر دوسرے کے گھروں میں داخلہ تو درکنار خود اپنے گھروں میں اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ (عطا) ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا کہ میں اپنی ماں کے گھر میں داخل ہونے کے لئے بھی اجازت طلب کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں۔ اُس نے وضاحت طلب کی کہ میری ماں کی خدمت کرنے والا کوئی اور نہیں ہے اور مجھے اس کی خدمت اور ضروریات کی بجاآوری کے لئے بار بار جانا پڑتا ہے۔ کیا ہر بار جاکر داخلے کی اجازت ضروری ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھے بلکہ اپنے گھروں میں اجازت کی صورت یہ ہے کہ آدمی کھنکار کر یا کسی اور ذریعہ سے مطلع کر کے داخل ہو۔ (مشکوٰۃ شریف) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہی سلوک تھا۔

استثنائی صورتیں

بعض اوقات ایسی ضرورتیں پیش آسکتی ہیں جہاں اجازت کا حصول ضروری نہیں ہوتا مثلاً کسی کے گھر اچانک کوئی مصیبت پیش آجائے یعنی آگ لگ جائے یا چور گھس جائیں یا اور کوئی صورتِ حال پیش آجائے جہاں امداد کی ضرورت ہو، وہاں اجازت کے حصول سے زیادہ امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اجازت کے طریقے

کسی سے ملنے کی ضرورت پیش آئے یا گھر میں جانا ہو بیرونی دروازے کے ایک طرف کھڑے ہو کر بلند آواز سے السلام علیکم کہا جائے، پھر اجازت طلب کی جائے۔ آجکل دروازوں کے باہر برقی گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں انہیں ایک طرف کھڑے ہو کر بجایا جاسکتا ہے۔ گھنٹی نہ ہو تو دستک دی جاسکتی ہے اور پھر اجازت طلب کی جائے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ اگر اندر سے پکارا جائے کہ کون ہے؟ تو جواب میں یہ نہ کہا جائے کہ "میں ہوں"۔ اس لئے کہ "میں ہوں" سے کوئی کیا سمجھے گا کہ کون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آتے تو دروازے کے ایک طرف کھڑے ہو کر فرماتے۔ یا رسول اللہ! آپ پر سلامتی ہو کیا عمرؓ کو داخلے کی اجازت ہے۔ اجازت کے حصول کے لئے تین بار پکارنا ضروری ہے، اگر تین بار کی پکار کے بعد بھی اندر سے کوئی جواب نہ آئے تو برا محسوس کئے بغیر واپس ہونا چاہیئے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ ملنے والا گھر میں موجود نہیں، پردہ دار خواتین میں جواب دینے والا کوئی نہیں یا باہر آکر لپک چھپنے والا کوئی موجود نہیں ہے یا پھر یہ کہ صاحبِ خانہ کسی گھریلو مصروفیت اور کام کی وجہ سے ملاقات کے لئے فارغ نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں میں خاموشی کے ساتھ واپس ہونا بہتر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان تمام مجبوریوں کو محسوس کئے بغیر خواہ مخواہ ملنے اور داخلے پر اصرار کیا جائے جو گھر والوں کی پریشانی کا موجب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ حضورؐ ایک دفعہ سعد بن عبادہؓ کے ہاں گئے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر دوبارہ اجازت طلب فرمائی

Marfat.com

تیسری مرتبہ اسی طرح اجازت طلب کرنے پر آپؐ واپس ہونے لگے تو اندر سے حضرت سعدؓ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہؐ، میں آپؐ کی آواز سُن رہا تھا مگر دل چاہتا تھا کہ آپؐ کی زبان مبارک سے میرے لئے جتنی بار بھی سلامتی اور رحمت کی دعا نکل جائے تو اچھا ہے اس لئے خاموش رہا۔

۲۔ تین دفعہ یہ پکارنا، دستک یا گھنٹی بجانا مسلسل نہ ہو بلکہ وقفے وقفے سے ہو تاکہ اندر اگر کوئی آدمی ایسے کام میں مصروف ہو یا نماز پر کھڑا ہو تو جواب کے لئے فراغت کا موقعہ مل جائے۔ اجازت کے سلسلہ میں یہ یاد رکھا جائے کہ گھر میں داخلے کی اجازت صرف صاحبِ خانہ کی معتبر سمجھی جائے یا گھر کے کسی ذمہ دار فرد کی، جس کی اجازت صاحبِ خانہ کی اجازت تصور ہو کسی چھوٹے بچے یا اور کسی فرد کی اجازت اعتباری نہ ہو گی۔ اجازت کے سلسلہ میں اندر سے خاموشی اور پکار کا جواب نہ آنے پر اصرار نہ کیا جائے اور نہ مناسب ہے کہ دروازے پر جم کر کھڑا ہو جائے اور ملے بغیر نہ ٹلے۔ دروازے کی چولیں ہلانا یا نکالنا ضروری نہیں ہے۔ اس طرز عمل میں بہت سی دوسری خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اکثر اوقات اس قسم کی صورت حال میں جب کوئی خدا اور اُس کے رسولؐ کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتا تو اہل خانہ کو نہ ملنے یا اجازت نہ دینے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ مثلاً اہل خانہ اپنی کسی معذوری و مجبوری کے باعث گھر میں موجود ہو کر ملنا نہیں چاہتا تو ملازم یا بچے کے ذریعہ اپنی عدم موجودگی کا پیغام بھیج دیتا ہے کہ "گھر میں نہیں ہیں"۔ جس کے نتیجہ میں گھر کے بڑے فرد اور ذمہ دار شخص سے بچہ جھوٹ بولنے کی عادت سیکھتا ہے۔ ایسے ہی ایک موقعہ پر والد نے بچے سے کہا۔ باہر جا کر ملنے والے سے کہہ دو کہ "ابو گھر پر نہیں ہیں"۔ چنانچہ بچے نے اس دروغ مصلحت آمیز کی حکمت سمجھے بغیر ملنے والے سے کہہ دیا کہ "ابو کہتے ہیں کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں"۔ تو بتایئے کہ بچے کی معصومیت سے ابو کی کتنی سُبکی ہوئی اور ملنے والے کے دل میں ان کی دروغ بیانی سے کتنا بُرا تاثر پیدا ہوا۔

۱۔ ملا نصیر الدین ہماری کتابوں میں ایسا ہی ایک فرضی مسخرہ قسم کا کردار ہے جس کے بارے میں بہت سے لطیفے مشہور ہیں۔ ان لطائف میں معاشرے کی اصلاح کے بہت سے پہلو مضمر ہیں۔ وہ ایک دفعہ گھر کی بالائی منزل کی کھڑکی میں کھڑے تھے، اُن سے ملنے کے لئے چند دوست آئے۔ اُنہوں نے کھڑکی میں کھڑے مُلا نصیر الدین کا سر دیکھ لیا تھا۔ ملا نصیر الدین کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ ملنے والوں نے کھڑکی میں اُن کا سر اور چہرہ دیکھ لیا ہے۔ ملنے والوں نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے لونڈی آئی اور آنے کا سبب پوچھا تو خادمہ نے ملا نصیر الدین کی ہدایت کے مطابق جھوٹ بولا کہ "وہ گھر پر نہیں ہیں باہر سیر کو نکلے ہیں"۔ ملنے والوں نے اُن کا سر پہلے ہی اُوپر کھڑکی میں دیکھ لیا تھا، خادمہ کو یہ پیغام دے کر رخصت ہو گئے کہ وہ جب گھر آئیں تو انہیں کہہ دیجیے کہ اپنا سر کھڑکی میں رکھ کر باہر نہ جایا کریں۔

۲۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ملنے والا اپنی معمولی حاجت اور ضرورت کی خاطر صاحبِ خانہ کے لئے ملنے کا اصرار کر کے اس کے لئے تکلیف اور غیر ضروری تضیع اوقات کا سبب بن جاتا ہے حالانکہ وہ ضرورت اور حاجت صاحبِ خانہ کی ملاقات کے بغیر بھی گھر سے پوری ہو سکتی ہے جس میں صاحبِ خانہ کی بے حد مصروفیت اور ذاتی کام کی وجہ سے باہر آنا نہیں پڑتا اور نہ اُسے باہر آنے کی زحمت اُٹھانا پڑتی ہے۔ ایک عمارت کی چوتھی منزل پر مقیم ایک شریف آدمی کے ساتھ ایسا

Marfat.com

ہی معاملہ پیش آیا۔ ایک آدمی نے بے حد اصرار کے ساتھ انہیں نیچے آکر ملنے اور بات سننے پر مجبور کیا تو وہ چوتھی منزل سے
اُتر کر نیچے آئے تو معلوم ہوا کہ ملنے والا بھکاری ہے اور ایک روپیہ کا سوالی ہے۔ یہ سُن کر اس شریف آدمی کو بہت غصّہ آیا
کہ یہ بات اور سوال تو بلائے بغیر بھی کیا جاسکتا تھا اور پورا بھی ہوسکتا تھا، جس کے لئے خواہ مخواہ چوتھی منزل کی سیڑھیوں
سے اُترنے اور دوبارہ چڑھنے کی زحمت دی۔ اُس نے بظاہر بڑے تحمّل کے ساتھ فقیر سے کہا۔ میرے ساتھ آؤ۔ چوتھی منزل
پر اپنے فلیٹ کے دروازے کے سامنے پہنچ کر کہہ دیا۔ "بابا معاف کرو پیسے نہیں ہیں!"

صاحبِ خانہ کی عدم موجودگی

ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ صاحبِ خانہ واقعی گھر پہ نہیں ہوتے اور گھر میں مستورات
ہیں تو ایسے موقعہ پہ خدا کا حکم ہے کہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ۔ یعنی صاحبِ خانہ گھر میں نہیں ہے تو پھر گھر میں نہ داخل ہو جاؤ جب تک کہ اس کی اجازت نہ دی جائے
اور اُس کی غیر حاضری میں یہ اجازت اس نے دے رکھی ہو یعنی ایسا معمول ہوا یا وقتی طور پہ گھر والے صاحبِ خانہ کی واپسی تک
انتظار کی اجازت دے دیں تو صاحبِ خانہ کی واپسی یا اس تک مہمانوں کی اطلاع دینے اور ان تک گھر کے مردانہ حصّہ بیٹھک
یا ڈیوڑھی میں داخلہ ہوسکتا ہے۔ ورنہ صاحبِ خانہ کی عدم موجودگی میں اس قسم کی کسی اجازت کے بغیر نہ گھر والوں کو مناسب
ہے کہ مرد کی غیر موجودگی میں اجنبی لوگوں کو گھر میں داخل ہونے دیا جائے اور نہ اجنبی ملنے والوں کے لئے یہ بات مناسب ہے
کہ مرد کی غیر موجودگی میں اس گھر کی مستورات کے پاس آکر داخل ہوں، کیونکہ اس میل جول میں بہت سی اخلاقی برائیاں جنم لے
سکتی ہیں۔ شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کے امکانات رونما ہوتے ہیں۔ محلے میں مرد کی غیر موجودگی میں
غیر محرموں کو اندر لاکر بٹھانا خود اپنے کردار اور چال چلن کو ان کی نظروں میں مشکوک بنانا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اجنبی لوگوں
کا مرد کی غیر موجودگی میں آمد و رفت رکھنا دوسری بہت سی وارداتوں کا نتیجہ بھی ہوتا ہے۔ چوری چکاری، ڈاکہ زنی کے لیے
مخبری اور واردات تک کے امکانات کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے اور ایسا بھی بارہا ہوا ہے کہ بظاہر ملنے ملانے والوں کے
بھیس میں چوروں ڈاکوؤں نے یہ وقت منتخب کیا ہو کہ صاحبِ خانہ گھر پہ نہ ہو اور گھر والے ازراہِ اخلاق انہیں صاحب کے
دوست سمجھ کر بٹھا دیں تو وہ بدمعاش موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنا کام کر جائیں۔

اس قسم کی تمام ممکنہ برائیوں سے بچنے کا آسان اور پسندیدہ حکم خداوند تعالیٰ نے دے دیا ہے کہ صاحبِ خانہ گھر پر نہ
ہو تو داخل ہونا منع ہے اور ساتھ فرمایا کہ ایسی صورت میں انہیں گھر والے کہہ دیں۔ وَاِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ
اَزْكٰى۔ اگر صاحبِ خانہ موجود ہو کر بھی آپ کی دستک اور بلاوے کا جواب نہیں دیتا تو سمجھ لیا جائے کہ کسی معذوری کی
وجہ سے ملنا نہیں چاہتا یا مل نہیں سکتا تو بھی کسی ناراضگی کا اظہار کئے بغیر ملنے والوں کو واپس ہونا چاہیئے اور اگر صاحبِ
خانہ گھر پہ موجود نہیں تو پہلے تو اوپر والی آیت کے مطابق داخل ہی نہ ہونا چاہیئے اور اگر اہلِ خانہ کہہ دیں کہ مرد گھر پہ نہیں
ہے تو آپ کو واپس ہونا چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ جو انسانی نفسیات اور انسانی معاملات سے بخوبی واقف ہے، فرماتا ہے کہ
گھر کی مستورات کو انہیں واپسی کا کہنا چاہیئے اور ملنے والوں سے فرمایا کہ انہیں واپس ہونا چاہیئے، کیونکہ یہی طرزِ عمل دونوں کے
لیے۔ هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ۔ تمہاری پاکیزگی اور عفت مآبی کی دلیل ہے اور تمہاری اخلاقی اور عملی پاکیزگی کا ضامن بھی ہے۔ اب اگر

Marfat.com

کوئی خود اپنی اخلاقی پستی اور بے راہروی کو جدید تہذیب اور سوشل تعلقات کا نام دے کر ان قرآنی ہدایات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور غیر محرموں کو آزادانہ آمدورفت کی اجازت دیتا ہے تو اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے جسے آج بھگتا جا رہا ہے اور اسکینڈل جنم لیتے رہتے ہیں۔

غیر سکونتی مکانوں کا حکم لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ فِیْھَا مَتَاعٌ لَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ ۔ آیت کے اس حصے میں ان عمارتوں میں داخلے کا عام حکم ہے جو غیر سکونتی اور غیر رہائشی ہوں، اُن میں داخلہ جرم نہیں ہے کیونکہ ان میں داخلہ تمہارے لئے فائدہ مندی کا سبب ہو سکتا ہے۔ دنیاوی مفاد کے لئے ایسی عمارات ہوٹل ہو سکتے ہیں، سرائے خانے، مہمان خانے، منڈیاں، دفاتر وغیرہ ہو سکتے ہیں جن میں داخلے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی، یہاں داخلہ عام ہوتا ہے۔ گھروں میں یا سکونتی مکانوں میں اجازت لینے کا حکم عورتوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط وارتباط کی روک تھام کے لئے ہے جبکہ غیر سکونتی عمارتوں میں ایسی صورتِ حال درپیش نہیں ہوتی جس کے لئے اجازت لینا ضروری ہو۔

گھریلو افراد کے لئے اپنے علیم وخبیر اور دانا ومہربان خدا کی حکمتوں پر قربان جائیے کہ اس نے ہماری غیرت، عزت اور شرم کی پاسداری اور حفاظت کا کتنا اہتمام فرمایا ہے جتنا خود ہمیں بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے گھریلو افراد کے لئے بھی گھر میں داخلے کے ایسے اوقات مقرر فرما دیئے ہیں جن میں انہیں داخل ہونے کی اجازت کا حصول ضروری ہے۔ اندازہ لگائیں کہ خداوند تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ذاتی اوقات کا کس قدر خیال ہے۔ اور وہ اپنے تمام بندوں کے حق میں کتنا ہمدرد، غیرت مند اور ہمارے شرم وحیا کی حفاظت میں کتنا مخلص ہے۔ ہمارے شرم وحیا کی اس کے لئے کتنی اہمیت ہے اور یہ کہ برائی وبدکاری کے مناظر، خیال اور تصور تک کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ ہم خود بے حیا، بے غیرت اور بے شرم بدکار بن کر اس کے احکامات کو نہ مانیں تو اور بات ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۔ مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ ۔ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ ۔

اے ایمان والو! لازمی ہے کہ تمہارے غلام، لونڈیاں اور تمہارے وہ بچے جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچے، تین اوقات میں تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے پاس نہ آیا کریں (۱) صبح کی نماز سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اُتار کر رکھ دیتے ہو کر سو جاؤ (۳) اور عشاء کی نماز کے بعد پوری رات۔ یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ گھریلو ملازم اور بچے اجازت لئے بغیر تمہاری تنہائی میں یا گھر کے زنانہ حصہ میں آجائیں تو کوئی گناہ اور حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان فرماتے ہیں، وہ حلیم اور خبیر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ صبح کی اذان سے پہلے، دوپہر کا وقت بالخصوص گرمیوں میں اور عشاء کی نماز کے بعد کا وقت شادی شدہ افراد کے لئے بالخصوص اور جوان بچیوں بچوں کے لئے بالعموم آرام، استراحت اور پردہ کے اوقات ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں ترقی یافتہ مگر اخلاق باختہ سوسائٹی میں یہی اوقات گھریلو ملازمین، عام ملنے والوں اور آشناؤں کے ذریعے گل کھلانے، ملاقاتیں کرنے اور محبت کی پینگیں بڑھانے کے اوقات ہوتے ہیں اور

Marfat.com

بالخصوص گھریلو افراد کا گھر کے والدین کے ہاں ان مخصوص اوقات میں آمدورفت پر پابندی کی وجہ یہی ہے کہ ایک جائز اختلاط کے ان اوقات میں کہیں ایسا نہ ہو کہ گھر کے دوسرے افراد کی نگاہوں میں یہ بات آجائے اور ان کے ذہنوں میں ناجائز اختلاط و روابط کا خیال پیدا ہو جائے، جس سے گھر کی فضا میں بے حیائی، بے آبروئی اور برائی کے کھیل اور مشاغل کی راہ ہموار ہو جائے۔ ہم میں سے ہر شخص کا یہ مشاہدہ ہے کہ والدین کی ذرا سی بے احتیاطی کے باعث بچے یہ کھیل کھیلنا سیکھ جاتے ہیں جو خدا نے ان اوقات میں اُن پر پابندی لگا کر انسداد فرمایا ہے کہ وہ ان اوقات میں کھلی اجازت کے بغیر والدین کی تنہائیوں میں مخل نہ ہوں۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آزادی اور آزادانہ اختلاط کے تمام بُرے نتائج کا اُسے علم ہے، وہ علیم و حکیم ہے کہ بقول کسے ؏

دل و نظر کی تباہی ہے قربِ نامحرم

ان تین اوقات کے لئے عورات کا لفظ بولا گیا ہے۔ عربی زبان میں عورت اُسے کہا جاتا ہے جس کا کھُل جانا، ظاہر ہونا آدمی کے لئے باعثِ شرم و ندامت ہو اور ناگوار محسوس ہوتا ہو۔ ان تین اوقات میں آدمی تنہا یا خاوند بیوی ایسی حالت میں ہو سکتے ہیں کہ جن میں گھریلو ملازم اور بچے اچانک بغیر اجازت در آئیں تو مناسب نہ ہوگا بلکہ باعثِ شرمندگی ہوگا۔ لہٰذا انہیں ان اوقات میں اجازت کے بغیر پاس آنے سے سختی کے ساتھ منع کیا جائے۔

بچوں کی بلوغت میں اجازت

جب گھر کے بچے بالغ ہو جائیں تو وہ اسی طرح اجازت لے کر عام اوقات میں گھروں میں داخل ہوں، جیسے کہ پہلی آیات میں بڑوں کے لئے اجازت ضروری ہے اور حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ فَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ۔ جب تمہارے بچے بلوغت اور شعور کی عمروں تک پہنچ جائیں تو وہ اسی طرح عام اوقات میں اجازت لے کر گھر آیا کریں۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ جس طرح کہ اس سے قبل بڑوں کے لئے اجازت کا حکم ہے۔

حرفِ آخر قابلِ عمل بات

قرآن و سنت کی ان تعلیمات، ہدایات اور احکامات پر عمل کیا جائے تو اس سے نہ صرف انسان کے جذبۂ حیا کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ بہت سے شیطانی اور شہوانی فتنوں سے نجات بھی مل جاتی ہے بلکہ ان کا انسداد اور سدِّ باب ہو جاتا ہے جو انسانی زندگی کو گندہ اور پراگندہ بنا کر انسانی سوسائٹی کو عام جانوروں کی طرح کھُلم کھُلا اختلاط مرد و زن سے کلیتہً بچاتا ہے جس میں آجکل یورپین معاشرہ ڈوبا ہوا اور دھنسا ہوا ہے جس میں کھُلے عام اس فعل پر کوئی گرفت نہیں، وہاں عورت بور پر آئی ہوئی کُتیا کی طرح ہے جس کے پیچھے مردوں کے غول ہمارے ہاں کُتوں کی طرح منڈلاتے رہتے ہیں، مگر لوگ ایک نگاہِ غلط انداز ڈال کر گزر جاتے ہیں۔ چوراہوں اور پارکوں میں یہ مظاہرے روزمرّہ کا معمول ہیں۔

گھر میں داخلے کے سلسلہ میں ان دو باتوں کا خیال بھی ضروری ہے کہ ملنے والے کو سیدھے راستہ سے دروازے کی طرف سے آنا چاہیئے۔ گھروں کے پچھواڑے یا چھت کے اُوپر سے آکر ملنا یا آواز دینا خلافِ تہذیب ہی نہیں گھر میں نظریں پڑنے کا امکان بھی ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا

Marfat.com

ولکن البرّ من التقیٰ واتوا البیوت من ابوابھا۔ نیکی یہ نہیں کہ کوئی کسی کے گھر میں پچھواڑے سے داخل ہو بلکہ پرہیزگاری اور نیکوکاری کا تقاضا ہے کہ آپ گھروں میں دروازوں کی طرف سے آئیں۔

عرب کے بدّو دیہاتی لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے آتے تو گھروں کے پچھواڑے سے پکارتے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت کے حق اور احترام کے اعتبار سے تو کیا ایک عام آدمی کے لئے بھی ملنے اور بلانے کا انداز انتہائی گستاخانہ اور بے ادبانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے احترام اور عزت کے خیال سے انہیں منع فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ۔ (سورۂ الحجرات)

اے نبیؐ جو لوگ تمہیں ملنے کے لئے، بلانے کے لئے گھر کے پچھواڑے سے پکارتے ہیں ان کی اکثریت جاہلوں اور کم عقل لوگوں کی ہے، اگر ایسا کرنے کی بجائے وہ آپ کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ بہرحال دوسروں کے گھروں میں داخلے، اُن سے ملنے اور ملاقات کے یہ قرآنی احکامات اور حضورؐ کی ہدایات میں خود ہماری بہتری پوشیدہ ہے، ان کو اپنا کر ایک طرف ہم خدا کی خوشنودی، اس کے احکامات کی پیروی کر کے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کو دُور سے روک سکتے ہیں اور ان انسدادی احکامات پر عمل کر کے خود اپنی عزّت، غیرت اور شرم کو محفوظ کر کے گھروں کو، اپنی اولاد کو اور اپنے معاشرے کو بے حیائی، بے شرمی، بدکاری سے پاک اور صاف رکھ سکتے ہیں۔

یہ انسدادی احکامات اور ہدایات گویا شرمگاہوں کی حفاظت کے لئے بچھائی گئی دُور دُور تک بارودی سرنگیں ہیں جن کا قائم رکھنا ہماری عزّت اور حیا کے لئے نہایت ضروری ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

زناکاری کے خاندانی، معاشرتی و تمدّنی نقصانات

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت اور زنا کی سزا سورۂ نور	پارہ ۱۸ کی دوسری آیت ۔ سزا کی سختی و اہمیت
۲	زنا کی تعریف اور مفہوم	رشتہ نکاح کے معروف حکم اور طریقہ کے بغیر عورت اور مرد کی مباشرت حیوانانی طریقہ ۔
۳	اسلام کا قانونی نکتۂ نظر	شادی مرد اور عورت کی جائز ذریعہ سے ہوئی ناجائز ذریعہ اختیار کیا شادی شدہ عورت اپنے خاوند کے گھر جائیداد اور میراث میں ناجائز بیٹے کو شریک کرنے کا جرم کرتی ہے ۔
۴	قانونی سزا کے مرحلے	خاندانی سزا ۔ دوسرے مرحلے پر اسلام کی قانونی سزا
۵	شادی شدہ عورت کے زنا کی سزا	احادیث اور صحابہؓ کے طرز عمل سے ملتی ہے ۔ اعتراضات کا جواب ۔ زنا کے قریب نہ پھٹکنے کا حکم، جائز اور حقیقی والد اور اس کی اولاد کے ساتھ زنا سے پیدا شدہ بچّہ ناجائز حقدار بنتا ہے اور نسلوں تک ان کے خاندانی حقوق کا حقدار ہوتا ہے ۔

Marfat.com

زناکاری کے خاندانی، معاشرتی و تمدّنی نقصانات

آیت معہ ترجمہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ ۔ (سورۂ نور: ۲)۔ زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور اُن پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامنگیر نہ ہو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر و تشریح یہ آیت پارہ اٹھارہ سورۂ النور کی دوسری آیت ہے۔ اس سے پہلی آیت میں خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکامات کو ہم نے فرض کیا ہے جن میں صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں۔ اس مختصر مگر جاندار اور زوردار تمہید کے بعد سب سے پہلے زناکار عورت اور زناکار مرد کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سورت کی تمہید کا انداز بیان صاف بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان احکامات کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔

زنا کی تعریف اور مفہوم زنا کی تعریف اور مفہوم سے ہر شخص واقف ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی رشتہ نکاح کے بغیر مباشرت کریں۔ اس فعل کا اخلاقاً، مذہباً یا معاشرتی حیثیت سے معیوب ہونا ایسا متفقہ فیصلہ ہے کہ جس پر قدیم زمانہ سے لے کر آج تک ہر زمانہ کے لوگ اور معاشرے متفق رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت خود زنا کے حرام کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ انسانی تمدّن اور معاشرت کی پیدائش ایک مرد اور ایک عورت کے مل کر رہنے، ایک گھر، ایک خاندان وجود میں لانے سے ہے پھر خاندانوں کے درمیان رشتوں کا پیدا ہونا ہی انسانی تمدّن اور معاشرت کہلاتا ہے۔ اگر عورت اور مرد گھر اور خاندان بنانے اور تمدّن کی تخلیق سے قطع نظر محض لطف و لذت کے لئے ملنے لگیں، ان میں نکاح کی پائیداری اور وفاداری کا تعلق نہ ہو تو انسان حیوانات کی طرح بکھر جائیں گے۔ اجتماعی زندگی کی جڑ کٹ جائے گی اور وہ بنیاد باقی نہ رہے گی جس پر تہذیب اور تمدّن کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس لئے مرد عورت کا آزادانہ تعلق جو کسی معلوم و معروف اور تسلیم شدہ وفاداری کے عہد و پیمان پر نہ ہو۔ جسے اسلامی معاشرے میں نکاح کہا جاتا ہے، انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام کا قانونی نکتہ نظر اسی وجہ سے انسان زنا کو ہر زمانے میں سخت عیب، بڑی بداخلاقی اور مذہبی لحاظ سے شدید گناہ سمجھتا رہا ہے۔ دوسرے مذاہب اور قوانین کے برعکس اسلام

زنا کو ایسا جرم سمجھتا ہے جس کی سزا لازمی ہو اور شادی ہو کر زنا کرنا اسلام کے نزدیک زنا کے جرم کو اور بھی شدید کر دیتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ مجرم مرد نے اپنی بیوی سے عہد شکنی کی ہے یا بیوی نے شوہر کے حق میں بد دیانتی اور وعدۂ نکاح میں عہد شکنی کی ہے اور دوسرے کے بستر پر دست درازی کی ہے بلکہ یہ جرم اس بناء پر شدید ہے کہ مجرم نے اپنی خواہشِ نفس کا جائز ذریعہ ہوتے ہوئے ناجائز ذریعہ کیوں اختیار کیا۔ اسلام جرم زنا کو اس نکتۂ نظر سے دیکھتا ہے کہ اگر اس فعل کی آزادی ہو جائے تو ایک طرح نوعِ انسانی کی اور دوسری طرف تمدنِ انسانی کی جڑ کٹ جائے گی۔ نوعِ انسانی کی بقاء اور تمدنِ انسانی کے قیام اور تسلسل کے لئے ناگزیر ہے کہ عورت اور مرد کا تعلق صرف قانون کے مطابق اور معروف و معلوم رابطے کے مطابق ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب آزادانہ تعلقات کی گنجائش کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ آزادانہ تعلق کی صورت میں گھریلو اور خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالنے کے لئے کسے ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور کون یہ ذمہ داری اُٹھانے پر تیار ہوگا۔

۲۔ اسلام انسانی معاشرے کو زنا کی گندگی سے بچانے کے لئے صرف سزا کے قانون بنانے اور انہیں نافذ کرنے پر اصرار نہیں کرتا بلکہ زنا کی حد سے دُور اور بہت پہلے وسیع پیمانے پر اصلاحی اور انسدادی تدابیر بھی سکھاتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ۔ زنا کی انسدادی تدابیر۔ میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔ زنا کی سزا کا قانون تو آخری چارۂ کار ہے۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زنا کا ارتکاب ہی نہ کریں اور انسداد تدابیر پر عمل کر کے زنا اور اُس کی سزا کی نوبت ہی نہ آئے۔ اسلام سب سے پہلے نفس کی اصلاح کرتا ہے، خدا کی عالمگیر طاقت کا خوف دلاتا ہے۔ آخرت کی بازپرس کا احساس دل میں بٹھاتا ہے۔ خدا کے عذاب کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ خدا کی اطاعت اور ایمان کا جذبہ جگاتا ہے۔ یہ تمام مضامین قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔

پھر ان احکامات کے بعد انسانوں کے لئے نکاح کی ممکنہ آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ ایک بیوی سے تسکین نہ ہو تو چار تک سے جائز تعلق کی اجازت دیتا ہے۔ نباہ نہ ہو سکے، دل نہ مل سکیں تو مرد کو طلاق اور بیوی کو خلع کی سہولت دیتا ہے۔ میاں بیوی کی ناموافقت کی صورت میں خاندانی پنچایت سے لے کر سرکاری عدالت تک رجوع کا راستہ کھول دیتا ہے تاکہ مصالحت ہو جائے ورنہ خاوند بیوی ایک دوسرے سے آزاد ہو کر جہاں دل چاہے دوسرا نکاح کر لیں۔ یہ سارے احکامات سورۂ بقرہ، سورۂ نساء اور سورۂ طلاق میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی سورۂ نور میں بن بیاہے مرد اور بن بیاہی عورتوں کو سخت ناپسند کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے جلد نکاح کر دیئے جائیں حتیٰ کہ غلاموں اور لونڈیوں کو بھی مجرد نہ چھوڑا جائے۔ غرض اسلام معاشرے سے اُن اسباب کا خاتمہ کرتا ہے جو زنا کی ترغیب و تحریص کا باعث بنتے ہیں اور جنہیں گذشتہ صفحات میں بالتفصیل بیان کر دیا گیا ہے۔ جس سے اصلاح کی پوری سکیم سمجھ میں آ سکتی ہے۔ زنا کی یہ سزا اس ساری سکیم کے اختیار کرنے کے بعد مقرر ہوتی ہے کہ اگر داخلی اور خارجی اصلاحی تدابیر کے باوجود شریر النفس لوگ کھلے جائز طریقہ کو چھوڑ کر ناجائز طریقوں سے خواہش نفس پوری کریں تو ان کی کھال اُدھیڑ دی جائے اور ایسے ایک بدکار کو سزا دینے سے معاشرے کے دوسرے لوگوں کا آپریشن کر دیا جائے جو ایسا میلان رکھتے ہوں۔

یہ سزا محض جرم کا انجام نہیں بلکہ یہ اعلان ہے کہ اسلامی معاشرہ بدکاروں کی تفریح گاہ نہیں جس میں کوئی اخلاقی حدود

سے آزاد ہو کر مزے لوٹتا پھرے۔ اسلام کے اس نکتۂ نظر سے کوئی شخص اسلام کی اس اصلاحی سکیم کو سمجھے بغیر اعتراض کرے تو وہ وہی نادان کر سکتا ہے جو اسلام کے مزاج اور اس کی معاشرتی اصلاحی سکیم کو سمجھے بغیر دانشور اور مصلح بن بیٹھا ہے یا وہ مفسد لوگ اس سزا پر اعتراض کر سکتے ہیں جن کی نیّت اصل مقصد کو بدل کر جنسی آزادیوں کی خواہاں ہے۔

اسلامی قانون زنا کی تفصیل زنا کو قابل سزا فعل سنہ ۶ھ میں قرار دیا گیا تھا لیکن اس وقت یہ قانونی جرم نہ تھا جس پر پولیس یا عدالت کوئی کاروائی کرے بلکہ یہ ایک معاشرتی اور خاندانی جرم تھا جس کی سزا اہل خاندان دے سکتے تھے۔ حکم تھا کہ چار گواہ اس فعل کی شہادت دیں تو دونوں کو مارا پیٹا جائے اور عورت کو گھر میں قید کر دیا جائے اور ساتھ یہ اشارہ موجود تھا۔ یہ قاعدہ تا حکم ثانی ہے۔ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْہِدُوْا عَلَیْہِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَہِدُوْا فَاَمْسِکُوْہُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیْلًا۔ (سورہ النساء : ۱۵)۔ تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کی مرتکب ہوں اُن پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے۔ یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔

ان دونوں آیتوں میں زنا کی سزا ابتدائی طور پر دی گئی ہے۔ اس کے ڈھائی تین سال بعد یہ حکم نازل ہوا جو آج کی زیر بحث آیت میں موجود ہے۔ اس حکم کے ذریعے پہلا حکم منسوخ کر کے زنا کو باقاعدہ قانونی جرم اور دست اندازی سرکار قرار دے دیا گیا۔

۲۔ اس آیت میں زنا کی سزا کا جو ذکر ہے وہ محض زنا کی سزا ہے جو غیر شادی شدہ مرد اور عورت سے سرزد ہو، شادی کی صورتوں کی سزا نہیں جو اسلامی قانون میں سخت جرم ہے۔ گزشتہ آیت میں صرف غیر شادی شدہ فریقین کی سزا کا ذکر ہے۔ اس سے تھوڑی دور آگے چل کر آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے یعنی وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ فَتَیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ الخ۔ (سورہ نساء : ۲۵)۔ تم میں سے جو لوگ مومنوں میں سے محصنٰت کے ساتھ نکاح کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو وہ تمہاری مومن لونڈیوں سے نکاح کریں۔

سورۂ نساء کی ان دونوں آیات اور سلسلۂ کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ نور کی زیر بحث آیت میں زنا کی سزا صرف غیر شادی لوگوں کے لئے ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تفہیم القرآن جلد اوّل، سورہ النساء۔ حاشیہ ۴۶۔ و تفہیم القرآن جلد ۳، سورۂ النور ۳۲۵ تا ۳۲۷۔ حاشیہ ۲۔

شادی شدہ فریقین کی سزائے زنا یہ امر کہ شادی کے بعد زنا کی کیا سزا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔ اس کا علم احادیث سے ملتا ہے، بکثرت روایات بھی ہیں اور بکثرت عملی نظیریں بھی کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سزا قولی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی رجم ہی مقرر فرمائی ہے۔ پھر آپؐ کے چاروں خلفاء راشدینؓ نے اپنے اپنے دور میں یہی رجم کی سزا شادی شدہ مرد اور عورتوں کو زنا کے ارتکاب پر دی ہے اور اسی قانون کا عملاً اعلان فرمایا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں یہ مسئلہ متفق علیہ تھا، کسی ایک شخص کا بھی کوئی قول ایسا موجود نہیں جس سے

یہ ثابت ہو کر انہیں زنا کی اس سزا پر شک ہو جو شادی شدہ افراد کے لئے مقرر ہے۔ اس کے بعد تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہاء بھی اس پر متفق تھے۔

اسلام میں زنا کی اتنی احتیاطی، اصلاحی اور انسدادی تدابیر کے باوجود لوگ اس کی سزاؤں پر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں وحشیانہ سزا کہتے ہیں، لیکن وہ اُن تازیانوں کی سزاؤں کو کیا کہیں گے جو جیلوں میں دی جاتی ہیں۔ موجودہ قانون کی رُو سے جیل کا سپرنٹنڈنٹ بھی قیدی کی حکم عدولی پر تیس ضرب بید کی سزا دے سکتا ہے۔ اس سزا کے کے لئے باقاعدہ آدمی کو تیار کرایا جاتا ہے مشق دلائی جاتی ہے۔ اس کے لئے بید بھی بھگو بھگو کر تیار کئے جاتے ہیں تاکہ جسم کو کاٹے۔ مجرم کو ٹکٹکی کے ساتھ باندھا جاتا ہے، مجرم کو ننگا کیا جاتا ہے۔ جلّاد دُور سے بھاگ کر آتا ہے اور پوری طاقت سے مارتا ہے۔ ضربیں مخصوص حصۂ جسم پر لگائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ گوشت قیمہ ہو کر اُڑ جاتا ہے۔ یہ سزا جسے آج کے مہذب لوگ خود جیلوں میں نافذ کرتے ہیں وہ کس مُنہ سے اسلام کی سزائے تازیانہ کو وحشیانہ سزا کہتے ہیں۔ ان کی پولیس تو ثابت شدہ مجرموں کی نہیں، مشتبہ لوگوں کو بھی تفتیش کے دوران جیسے عذاب دیتی ہے وہ کسے معلوم نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی یہ تنبیہ قابل توجہ ہے کہ زانی اور زانیہ پر میری تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں تمہارے دلوں میں رحم کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ حضورؐ نے سزا کے اس نفاذ کو حدیث شریف میں یوں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک حاکم کو لایا جائے گا جس نے زانی اور زانیہ کی حد میں کوڑا کم کیا ہوگا۔ پوچھا جائے گا تم نے اس سزا میں یہ کمی کیوں کی؟ وہ کہے گا کہ خدایا، آپ کے بندوں پر رحم کھا کر ایسا کیا۔ ارشاد ہوگا، اچھا تو لوگوں پر مجھ سے زیادہ رحیم تھا۔ حکم ہوگا لے جاؤ اسے دوزخ میں۔ اسی طرح دوسرے حاکم کو لایا جائے گا جس نے اس سزا میں ایک کوڑے کا اضافہ کیا ہوگا۔ وہ خدا کی جواب طلبی اور حد میں اضافے کے سوال پر کہے گا کہ میں نے اس کو ایک کوڑا زیادہ مارا ہے تاکہ تیرے بندے آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہوگا۔ اچھا تو مجھ سے زیادہ حکیم تھا۔ حکم ہوگا اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۲۵)

معلوم ہوا کہ زانی اور زانیہ کو وہی سزا دی جائے جو خدا کی تجویز کردہ ہے اسے کسی اور سزا سے نہ بدلا جائے۔ کوڑوں کی بجائے کوئی اور سزا رحمت، وشفقت کی وجہ سے گناہ ہے اور اسے وحشیانہ سزا خیال کر کے کوئی اور سزا تجویز ہو تو یہ کفر ہے۔

سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵، آیت ۳۲ میں ارشاد ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاۗءَ سَبِيْلًا۔ اس آیت کے مخاطب افراد بھی ہیں اور پورا معاشرہ بھی ہے کہ تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ فحاشی اور بدکاری کا بُرا راستہ ہے۔ محض زنا سے بچنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ زنا کے محرکات سے بھی دُور رہو جو زنا تک لے جاتے ہیں۔ رہا معاشرہ تو اس کی رُو سے پورے معاشرے اور سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں زنا کے اسباب اور محرکات کا سدباب کرے۔ اس غرض کے لئے قانون کے ذریعے تعلیم و تربیت کے ذریعہ، اجتماعی ماحول کی اصلاح کے ذریعہ سے اور دوسری تمام مؤثر تدابیر سے کام لے کر زنا کی روک تھام کی کوشش کرے اور یہی آیت آخرکار اسلامی نظام

Marfat.com

زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی۔ اس آیت کے منشاء کے مطابق زنا اور تہمت زنا فوجداری جرم بنا، پردے کے احکامات جاری ہوئے، فواحش کی اشاعت کو سختی سے روک دیا گیا۔ شراب، موسیقی، رقص اور تصاویر، جو زنا کی قریبی متعلقات ہیں، پر پابندیاں لگیں اور ایک ایسا ازدواجی قانون بنایا گیا جس سے نکاح آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کی جڑ کٹ گئی۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مشتبہ ہیں جو شخص مشتبہ گناہوں سے بچے گا وہ بدرجۂ اولیٰ کھلے گناہوں سے بچے گا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کو کر ڈالنے کی جرأت دکھائے گا تو کھلے گناہوں میں اس کا پڑنا زیادہ متوقع ہے اور معصیتیں اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ ہیں جس کے اندر کسی کو جانے کی اجازت نہیں اور ان کے اندر گھس جانا حرام ہے جو جانور ممنوعہ علاقے کے آس پاس چرتا ہے اس کا ممنوعہ علاقہ میں گھس جانا زیادہ متوقع ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

مندرجہ بالا حدیث دوسرے گناہوں سے بچنے اور بالخصوص زنا کے انسدادی احکامات اور زنا سے دور رہنے کے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ زنا کے سلسلہ میں متعدد قوانین اور اس کی سزا کے متعلق دوسری تمام تفاصیل سے قطع نظر اس کے معاشرتی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو شادی شدہ عورتوں اور مردوں کے سلسلہ میں اس کے دور رس اثرات کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک زانی شادی شدہ مرد دوسری شادی شدہ زانیہ سے جب زنا کا ارتکاب ہوتا ہے اور یہ فعل باہمی رضامندی اور دونوں کے خفیہ پروگراموں کے مطابق ہوتا ہے تو جو نطفہ عورت کے پیٹ میں زنا کے ناجائز فعل سے ٹھہرے گا وہ بچہ پیدا ہو کر بظاہر تو عورت کے خاوند کا بچہ ہی کہلائے گا، مگر وہ غیر قانونی طور پر اس گھر میں اپنے معروف اور ظاہری والد کی کمائی پر پرورش پائے گا اور اس کا اصلی "زانی والد" اس کی پرورش کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ ناجائز طور پر اس گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے والد کی جائیداد کا وارث کہلاتا ہے اور اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی میراث میں حقدار بھی بن جاتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ نسلوں تک باقی رہتا ہے جبکہ خدا کے قانون کے مطابق وہ اپنے حقیقی والد کی اولاد نہیں ہوتا۔ جس کی بے خبری اور لاعلمی میں اس کی بیوی نے کسی اور کے ساتھ زوجیت کے تعلقات ۔ زنا۔ استوار کر کے اسے پیدا کیا ہوتا ہے۔ اس نکتۂ نظر سے دیکھا جائے تو شادی شدہ مرد کا کسی دوسری شادی شدہ عورت سے زنا معاشرتی، خاندانی اور قانونِ وراثت کی رو سے سنگین جرم ہے جس کی سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے زنا سے زیادہ سخت اور سنگین ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

جبکہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے معاملات میں قرآنی احکام واضح ہیں اور یہ امکان بھی ہے کہ وہاں زنا کا ارتکاب صرف ان تک ہی محدود رہتا ہے۔ اس میں دوسروں کے حقوقِ وراثت اور حقِ پرورش تک وہ متعدی نہیں ہوتا اور یہ امکان بھی ہے کہ شرعی سزا کے بعد یعنی کوڑوں کی سزا کے بعد ان کا باہمی نکاح ہی ہو جائے اور اس طرح الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت کے مطابق زانی زنا کارہ سے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی بیعت کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے۔ اگر وہ بیعت کے لئے آئیں تو وہ دوسری اخلاقی برائیوں چوری، وعدہ خلافی اور

Marfat.com

قتل وغیرہ کے ساتھ یہ اقرار اور عہد کریں کہ وہ زنا نہ کریں گی، تب ان سے بیعت لی جائے۔ (سورۃ الممتحنہ)

سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی بہت سی صفات کا ذکر فرمایا ہے اور ان صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا۔ رحمٰن کے بندے زنا کے مرتکب نہیں ہوتے، اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اپنے گناہوں کا بدلہ پائے گا اور یہ بدلہ دنیا و آخرت دونوں میں ملے گا اور تجربہ یہی بتاتا ہے کہ زناکار مرد اور عورت کا خود اپنا گھرانہ، اُن کی اولاد کی زناکاریوں تک پھیل جاتا ہے جس سے قرآنی الفاظ کی صداقت واضح ہوتی ہے کہ ایسے مردوں اور عورتوں کو اس کا بدلہ مل کر رہے گا اور قیامت کے دن بھی ان کا عذاب دوچند ہوگا اور وہ قیامت کے دن اس ذلت آمیز عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

Marfat.com

فضول خرچی اور اسراف کے ذاتی و معاشرتی نقصانات

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت مع ترجمہ	وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا ـــ الخ
۲	اخراجات کے دائرے	فضول خرچی، حد سے زیادہ بخیلی، درمیانی اعتدال
۳	بخیلی کی صورتیں	گھریلو حد تک کنجوسی۔ نیکی اور بھلائی کے امور میں کنجوسی
۴	اسراف کی تعریف اور صورتیں	ناجائز و فضول خرچ کرنا۔ جائز امور میں اعتدال سے گزرنا
۵	اسراف کے مواقع	گھریلو سامان خورد و نوش۔ ذاتی آرائش، شادی بیاہ
۶	حکومتی اور قومی فضول خرچیاں	بیرونی دورے، اندرونی جلسے جلوس، مراعات
۷	ہمارا قومی اور ذاتی روّیہ	معاشرتی رویّے، قومی روّیہ
۸	واقعات و امثال	حضرت صدیق اکبرؓ

Marfat.com

فضول خرچی اور اسراف کے مالی و معاشرتی نقصانات

آیت معہ ترجمہ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ اللہ تعالیٰ جن سے محبت فرماتے ہیں اور اپنے محبوب بندوں میں شامل فرماتے ہیں۔ ان کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ نہ فضول خرچ ہوتے ہیں اور نہ حد سے زیادہ کنجوس ہوتے ہیں بلکہ اخراجات کے معاملے میں اعتدال پسند ہوتے ہیں۔ (سورۂ الفرقان)

سورۂ الفرقان کی آیات جن میں اللہ تعالیٰ نے۔ رحمٰن یعنی اپنے پسندیدہ بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ اس سلسلہ میں اُن کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نہ فضول خرچ ہوتے ہیں اور نہ حد سے زیادہ بخیل و کنجوس ہوتے ہیں۔ بخیل اور کنجوس کے سلسلہ میں تو تفصیلی طور پر گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اس آیت میں فضول خرچی اور اسراف کے متعلق اظہار خیال مقصود ہے۔

تفسیر و تشریح فضول خرچی اور اسراف قوم کی تباہی اور معاشرتی و معاشی انحطاط کا سب سے بڑا سبب ہے۔ خواہ یہ اسراف فضول خرچیوں کے ذاتی اور گھریلو معاملات میں ہو یا بحیثیت مجموعی قومی، حکومتی اور اجتماعی معاملات میں ہو، دونوں لحاظ سے انتہائی نقصان دہ ہے۔ گھریلو اور ذاتی معاملات میں اس کا دائرہ اثر عیاشی، قماربازی، شراب نوشی، یار باشی، میلوں ٹھیلوں، شادی بیاہ کی رسومات، غم اور موت کی رسومات تک پھیلا ہوا ہے۔ ہماری آمدنیوں کا بیشتر حصہ بلکہ آمدن سے زیادہ ان اخراجات پر صرف ہوتا ہے۔ اپنی حیثیت اور مالی حالتوں کا لحاظ کئے بغیر محض اپنی شان دکھانے، ناک رکھنے اور وقار بحال رکھنے کے خیال سے بے جا اور بے ضرورت سرمایہ لٹانے کی عادت ہمارے مزاج کا حصہ بن کر رہ گئی ہے۔

اخراجات کے تین رویّے اپنی دولت اور مال کے متعلق تین قسم کے رویّے اختیار کئے جاتے ہیں۔ (۱) فضول خرچی اور اسراف کا رویّہ۔ (۲) حد سے بڑھ کر بخیلی اور کنجوسی کا رویّہ۔ (۳) اور ان دونوں حالتوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی کا رویّہ۔ اسلام کی ابتداء سے لے کر آج تک یہی تین قسم کے رویّے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ذاتی عیش و عشرت کے دلدادہ، شہر داری اور برادری میں ناک اونچا کرنے، شملہ نمایاں کرنے والے، دولتمندی کے ذاتی ڈنکے بجانے والے۔ دوسرے بخیل اور کنجوس، چمڑی جائے اور دمڑی نہ جائے کے اصولوں پر چلنے والے۔ تیسرے معتدل اور میانہ رو اور متوسط قسم کی زندگی گزارنے والے۔

اسراف کی تعریف اور طریقے فضول خرچی اور اسراف کی تین صورتیں اور نام ہیں۔ ناجائز فضول، غیر ضروری اور غیر مفید مقامات پر روپیہ خرچ کرنا، خواہ وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔ (۲) جائز کاموں میں حد سے تجاوز کرنا، خواہ اپنی طاقت اور توفیق سے زیادہ کیوں نہ ہو۔ ضرورت سے زیادہ پیسہ ہاتھ آ جائے تو اپنے ہی عیش اور ٹھاٹھ میں خرچ کرتا چلا جائے۔ (۳) نیکی کے کاموں میں خرچ کرے مگر ریا کاری، نمائش اور دکھاوے کی غرض سے خدا کی خوشنودی، رضامندی اور پسندیدگی کے خیال سے نہ ہو۔

بخیلی کی دو صورتیں بخیلی و کنجوسی کا اطلاق بھی دو صورتوں پر ہوتا ہے۔ اپنی، اپنے بچوں اور گھر کی جائز ضرورتوں پر اپنی طاقت اور حیثیت کے باوجود خرچ نہ کرے، گھر میں توفیق ہوتے ہوئے بھی فاقہ کشی، محتاجی اور غریبی کی صورت حال ہو۔ (۲) نیکی اور بھلائی کے اُمور میں اس کے ہاتھ سے پیسہ نہ نکل سکے۔

مسرف کی تعریف مسرف اس آدمی کو کہتے ہیں جو حد سے تجاوز کرے۔ اپنے مطلب کے لئے بُرے سے بُرا رویّہ اختیار کرے۔ اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگنے اور ہر قسم کا انتہائی رویّہ اختیار کرنے میں شرم محسوس نہ کرے۔ خداوند تعالیٰ کو نہ تو اپنے بندوں کی فاقہ کشی، خستہ حالی اور حلال رزق کے ہوتے ہوئے محرومی عزیز ہے اور نہ حد سے بڑھ کر اخراجات کی زیادتی پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں سے عمدہ کھاؤ، اچھا پہنو اور اس کی دی ہوئی توفیق اور رزق سے خوب فائدہ اُٹھاؤ، بشرطیکہ یہ سرمایہ حلال اور جائز طریقے سے کمایا ہوا ہو۔ اصل گناہ یہ ہے کہ خدا کی مقررہ حدود سے تجاوز نہ ہو، نہ کمانے میں اور نہ اس کے استعمال کرنے میں۔ یہ تجاوز حلال کو حرام کرنے کی شکل میں ہو یا حرام کو حلال کرنے کی صورت میں۔

اسراف کے مواقع، گھریلو اور ذاتی فضول خرچی اور اسراف کے گھریلو اور ذاتی مواقع آجکل زندگی کے تمام طبقات میں ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ بالخصوص ہمارے ملک کے سرمایہ دار اور کھاتے پیتے افراد ہیں جن کی دولت اپنی جائز اور متوسط انداز زیست اور ضروریاتِ حیات سے بچ کر قومی تعمیر، ملکی ضروریات اور رفاہی امور میں خرچ ہو کر قومی اور ملکی خوشحالی کا ذریعہ بننے کی بجائے صرف اور صرف ذاتی تعیّش اور سامان آرائش و آسائش پر خرچ ہو جاتی ہے۔

۱۔ سب سے پہلے رہائشی ضرورت کو دیکھا جائے تو چلئے حضورؐ، صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ جیسی قناعت، فقر اور مسکینی و فروتنی نہ سہی، زمانہ کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کے مطابق کسی بھی متوسط کنبے کے لئے تین یا چار کمرے، کچن، غسلخانہ و رفع حاجت کے لئے زیادہ سے زیادہ دو غسلخانوں اور جائے ضرورت کافی ہو سکتے ہیں، مگر ہوتا کیا ہے کہ کئی کنالوں کو گھیرے ہوئے کوٹھیاں بنتی ہیں جن کے اندر بے شمار رہائشی کمرے، کھانے کے کمرے، ڈرائنگ روم، ٹی وی لاؤنج، ہال، بالکونیاں، سن باتھ کے مقامات، نہانے کے حوض، کھیل کے لان، باغیچے باغات ہوتے ہیں۔ پھر ان سے ملحقہ ملازمین کے رہائشی کوارٹرز، گاڑیوں کے گیراج۔

۲۔ اندر کی آرائش: پھر ان کوٹھیوں اور بنگلوں پر اکتفا نہیں ہوتا بلکہ ہر بڑے شہر اور صحت افزا مقامات پر الگ

Marfat.com

الگ کوٹھیاں تعمیر ہوتی ہیں۔ ان میں نہ صرف بیش قیمت قالین، صوفے اور فرنیچر ہوتا ہے بلکہ ڈبل بیڈ اور ہر بیڈ کے ساتھ ٹیلیفون، ٹی وی، ریڈیو اور عیاشی کی سہولتیں ہوتی ہیں۔ ہر کمرے میں قیمتی سے قیمتی آرائشی وسجاوٹی سامان اس سے الگ ہوتا ہے بلکہ اب تو یہ معمول ہے کہ جس طرح گاڑیوں کے ہر سال ماڈل بدلے جاتے ہیں اسی طرح ہر ماہ بعد گھر کے فرنیچر اور قالین بدلے جاتے ہیں۔ ہر فرد کے لئے اگر نہ ہو تو کم از کم دو تین گاڑیاں ضرور ہوتی ہیں۔ اسی طرح بستروں، قیمتی کمبلوں کے انبار۔ لباس کی طرف آئیے تو ہر فرد کے بے شمار جوڑے ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر موسم ہر وقت اور ہر آن استعمال کے کپڑوں کے انبار لگے ہوتے ہیں اور اسی پر اکتفا نہیں ہوتا بلکہ آئے دن نت نئے ملبوسات خریدے جاتے ہیں اور پھر ان ملبوسات اور سامانِ آرائش کی نمائش اور دکھاوے کے بہانے ڈھونڈے جاتے ہیں، کہیں بازاروں میں، کہیں کلبوں میں، کہیں پارکوں میں، کہیں دوسروں کے ہاں تقریبات میں شرکت کے ذریعے، کہیں اپنے ہاں بلانے اور مہمانی کر کے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد دولت وامارت کا اظہار اور اپنی ذات کی آرائش وزیبائش ہی ہے۔

سامانِ خورد ونوش

ان امیر گھرانوں کے کچن دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیا چیز ہے جو وہاں موجود نہیں ہوتی۔ ٹی وی پر مشتہر جملہ اقسام کی اشیائے خورد ونوش اور کھانا پکانے کے تمام سامان، بجلی کے ہوں، گیس کے ہوں وہاں موجود ہیں۔ طرح طرح کے کھانے کے سامان اور پکانے کے آلات۔ برتنوں کے بے شمار غیر ملکی ڈنر سیٹ، ٹی سیٹ، واٹر سیٹ، قہوے اور کافی کے سیٹ، خشک اور تازہ فروٹ اور اُن کے برتن الگ۔ ایک گھر ہر ہر گھر پر الگ الگ جُدا جُدا جنت کا گمان بلکہ یقین ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ مومنوں کے لئے جنت ہیں۔ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔ کہ جنت میں مومنوں کو ہر وہ چیز مہیا ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے اور جن کا ان کے ربّ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ یہ خوان وانعام خدا کی طرف سے بچھائے دستر خوان ہوں گے، لیکن ہم نے نمرود کی طرح اپنے گھروں کو جنت بنا رکھا ہے، جس چیز کی خواہش ہو بٹن دبایئے تو تیار اور حاضر ہوتی ہے۔ حور وغلمان کی کمی کچھ گھر کی نوجوان اولاد پوری کر دیتی ہے، کچھ گھریلو ملازمین اور خادماؤں سے ہو جاتی ہے اور زیادہ ملنے والے افراد اور اپنی جنس کے دوسرے گھروں کی لڑکیاں اور لڑکے آزادانہ اختلاط، میل جول اور ایک، دوسرے کے ہاں تقریبات میں چہل پہل دکھا کر پوری کر دیتے ہیں۔ اس پُر تعیش و پُر آسائش زندگی اور گھرانوں میں بیماری، موت اور غم کا کوئی تصوّر، کوئی خیال اور فکر کی کوئی لہر کبھی محسوس نہیں ہوتی، لیکن موت، سے کسے مفر ہے وہ آتی ہے تو صرف اُسی دن ذرا نمائشی انداز میں اس کا اظہار بھی ہوتا ہے، کوئی نیند کی گولیاں پھانک کر سو جاتا ہے، کوئی ناک پر صرف رومال رکھ کر اس کا اظہار کرتا ہے اور مُردے کو نہلانے کفنانے، دفنانے اور ایصالِ ثواب کے تمام دوسرے امور گورکنوں، غسّالوں اور نیم مُلّاؤں کو ٹھیکے پر دے دیئے جاتے ہیں۔ پہلے دن رونے دھونے کی رسم بھی پیشہ ور رونے والیوں کے ذمّے ہوتی ہے اور یہ لوگ پھر زندگی کی پُر بہار لذّتوں میں کھو جاتے ہیں۔

آرائشِ حسن

مکانات کی اس کشادگی، سامانِ آرائش وزیبائش کی فراوانی، نا ؤ نوش کی ان کثیر التعداد سہولتوں سے ہٹ کر صرف اپنی ذات کی سجاوٹ کو دیکھئے تو مرد، عورتیں لڑکے اور لڑکیاں اس پر بھی بے انتہا

Marfat.com

دولت خرچ کرتی ہیں۔ بالوں اور چہرے کی سجاوٹ کے لئے گھروں میں میک اپ کے قیمتی سامان لوشن، کریمیں اور شیمپو کے رنگا رنگ سیٹ ایک سے ایک بڑھ کر، ایک سے ایک اعلیٰ، ایک سے ایک قیمتی چیز موجود ہے۔ پرفیوم کی بڑھیا سے بڑھیا شیشی، بالوں کی لہروں اور چمک کے لئے مشینیں ہیں، فوارہ نما بوتلیں ہیں۔ مردوں کے لئے داڑھی مونڈنے کی بیش قیمت مشینیں، صابن نما کریمیں ہیں۔ گھریلو سجاوٹ کمرے پر بازار کے کسی اونچے بیوٹی پارلر کا شبہ ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کی تقریبات

اسراف اور فضول خرچی کے مظاہرے دیکھنے ہوں تو جہیز کی فراوانیاں دیکھیں کہ گھر کا تمام سامانِ تعیّش جہیزوں میں دے کر دولت مندی کی نمائش کی جاتی ہے جس سے غریب اور متوسط لوگوں اور اُن بچیوں کا نہ صرف مُنہ چڑایا جاتا ہے بلکہ اُن کے مستقبل کو بھی تاریک کیا جاتا ہے۔ لڑکے والے سینکڑوں جوڑے، زیورات کے بے شمار سیٹ اور نہ جانے کیا کیا اور کس طرح اسراف سے کام لیتے ہیں۔ لڑکیوں کو سادہ انداز سے گھروں میں صرف اپنی برادری کے افراد کے ساتھ شرکت کے بعد بیاہنے کی بجائے لڑکوں کی سی آن بان سے شادی کی جاتی ہے اور اس بہانے تحفوں کے انبار وصول کئے جاتے ہیں۔ ہماری اسلامی اقدار و روایات کو تو چھوڑیئے، عام علاقائی روایت بھی یہ تھی کہ لڑکی کی شادی کی تشہیر کو حیاداری، غیرت اور مروّت کے منافی خیال کیا جاتا تھا اور اس میں انہی لوگوں کو شریک کیا جاتا تھا جو خالص برادری کے افراد ہوتے اور جن کی بچیوں کے تحفوں کے تبادلے خاندانی تعاون کی علامت ہوتی تھی، اس سے والدین کا بوجھ ہلکا کیا جاتا اور ایک گونہ لڑکی کے والد کا بوجھ ہلکا ہو بھی جاتا تھا مگر اب تو اسے بھی لڑکی کے والدین کارڈ چھپوا کر تشہیر کرتے ہیں۔ بلائے جانے والوں پر تحفوں کا بوجھ ڈالا جاتا ہے۔ بڑے لوگ بڑے شہروں میں ہوٹل بُک کرتے ہیں۔ مہمانوں کے لئے ہوٹل والوں کو ٹھیکہ دیا جاتا ہے۔ فائیو سٹار ہوٹل میں لڑکی مائیوں بیٹھتی ہے، ویڈیو فلمیں بنتی ہیں اور ہزاروں نہیں تو سینکڑوں براتیوں کے ہجوم میں دُلہن صاحبہ کی سجی سجائی ڈولی نکلتی ہے، دُولہا میاں ساتھ ہوتے ہیں اور یہ فلم کار میں بیٹھنے اور روانہ ہونے تک چلتی رہتی ہے اور والد صاحب کی چہیتی بیٹی کے ساتھ ساتھ گھریلو خواتین، رشتہ دار عورتیں اور سینکڑوں دوسری خواتین غیر مردوں کی چشمِ ہوس اور نظرِ التفات و انتخاب کا نشانہ بنتی ہیں اور وہ خود بھی ایسے موقعوں پر تمام تر رعنائیوں، دلفریبیوں، کج ادائیوں، نازک خرامیوں کے ساتھ کُھلم کُھلا دعوتِ نظارہ دیتی ہیں۔ دُلہن کو بیوٹی پارلر میں سجا کر لایا جاتا ہے۔ ایک دن کی اس شادی میں لاکھوں روپے تحفوں، رسومات کی ادائیوں اور سجاوٹوں پر خرچ ہونے کے علاوہ غیرت مندی، مردانگی، ایمان، اسلام اور خدا کے احکامات کا جنازہ بھی نکلتا ہے اور اس ایک شادی میں نہ جانے اور کتنی لڑکیوں کی بکارت اور عصمت تار تار ہوتی ہے اور کتنی لڑکیوں کا انتخاب ہو کر شادی کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ صرف اس ایک دن کے ایک وقت میں اتنے بڑے ہوٹل میں شادی پر کم از کم ساٹھ ستّر ہزار کا بل آتا ہے جو گھر کی دوسری بچیوں کی شادی کے لئے غریب لوگوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ یہی حال لڑکے کی شادی پر بھی ہوتا ہے بلکہ اس سے زیادہ وہاں شیطان کو خوش کیا جاتا ہے۔ یہ تو خیر امیروں کے چونچلے اور نخرے ہیں جنہیں پاکستان کی کریم کہتے ہیں اور جنہیں عوام کی سربراہی، نمائندگی اور حاکمیت کا مرتبہ حاصل ہے۔ غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے مطابق ہمارے ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ کی بیٹی کی شادی پر صدر مملکت، وزراء، ممبران اسمبلی، معززین پاکستان، سرکاری افسروں کی

Marfat.com

تعداد تیس ہزار تھی اور حفاظتی انتظامات کے سلسلہ میں اسی قدر پولیس کی جمعیت بھی موجود تھی اور اس ایک وقت میں ان شخصیات و افراد پہ کھانے اور رہائش کا جو خرچہ آیا ہوگا وہ کتنا ہوگا اس کا اندازہ مشکل نہیں ہے۔ یہ ہماری حکومت کے سربراہ ہیں جو قوم کو سادگی کا درس دیتے ہیں۔ جہیز کیا دیا ہوگا، دوسرے اخراجات کیا ہوں گے اس کا کوئی حساب نہیں۔

عام غریب لوگوں میں بھی اپنی حیثیت اور طاقت سے بڑھ کر شادی کے موقعہ پر فضول خرچیوں کے مظاہرے ہوتے ہیں، گانے والے اور گانے والیاں منگائی جاتی ہیں۔ انہیں ایک رات کا کرایہ اور معاوضہ ہزاروں روپیہ دیا جاتا ہے اور وہاں بلائے جانے والے اور گھر کے افراد دل کھول کر بیلیں اور رقمیں نچھاور کرتے ہیں۔ وی سی آر فلمیں منگائی جاتی ہیں اور کئی راتیں ان خرافات، فضولیات اور بیکار شیطانی مشاغل میں گزرتی ہیں۔ وقت کا اسراف اور ہر بات اور ہر چیز کا اسراف ہوتا ہے اور ایسی شادی کا انجام یہی ہوتا ہے کہ عام آدمیوں اور متوسط لوگوں کی کمریں قرضوں کے بوجھ تلے دب جاتی ہیں، سر اونچا ہو جاتا ہے مگر یہ اونچائی صرف ایک دن باقی رہتی ہے پھر ساری عمر قرض خواہوں کے آگے سر نیچا ہی رہتا ہے اور کمر دہری ہو جاتی ہے۔

حکومتی، قومی اور اجتماعی فضول خرچیاں

حکومتی اور اجتماعی سطح پر فضول خرچیوں کے مظاہرے اس سے بھی زیادہ خوفناک اور انتہائی حد تک تباہ کن ہیں۔ ہمارے ہاں پالیسیاں ایسی بنتی ہیں اور اخراجات کے جو تخمینے بنتے ہیں انہیں تو کوئی اقتصادی ماہر ہی بیان کر سکے گا، ہم صرف اتنی یہ بات دیکھتے ہیں کہ ہمارے وزرائے کرام اور اسمبلیوں کے ممبران کو باہر کے دوروں پر روانگی کے جو فضول اخراجات ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ اپنے حاشیہ نشینوں اور کاسہ لیسوں کی فوج ظفر موج ساتھ ہوتی ہے۔ ان میں سے دو چار افراد ہی ناگزیر ہوں گے باقی تمام لوگ صرف عیاشی و سیر و تفریح کرانے کی غرض سے ہوتے ہیں۔ انفرادی طور پر محض اس کے ووٹ کے حصول کے لئے امریکہ اور دوسرے ملکوں کی سیر کرائی جاتی ہے جو قوم کے خزانے پر بے جا اسراف ہوتا ہے۔ وزیر اعظم ہاؤس، وزراء کے رہائشی بنگلوں پر جو سالانہ خرچ آتا ہے، ہر سال فرنیچر اور قالین بدلتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کے سفر پر نکلے تو ایک اونٹ اور غلام ساتھ تھا جو باری باری اس پر سوار ہوتے۔ بیرونی وفد آتا تو اپنے پیوند لگے کپڑوں میں ملتے۔ وہ آدھی دنیا کی اسلامی مملکت کے سربراہ تھے، راتوں کو اکیلے گشت پر نکلتے۔ کیا ہمارے سربراہوں کا وجود ان رضؓ سے زیادہ قیمتی ہے۔ مملکت کے امور کے اعتبار سے انہوں نے جو کچھ کیا، کیا یہ لوگ، ان سے زیادہ کر سکتے ہیں، اپنی رعایا کے امن سکھ آرام اور خوشحالی کے لئے انہوں نے کیا، کیا یہ لوگ اس سے زیادہ دے سکتے ہیں یا دیا ہے۔ پھر ان کے بعد کسی اور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ سے زیادہ باعزت بنے، محترم ٹھہرے اور سرکاری خزانے سے ان سے زیادہ اپنے اوپر خرچ کرے۔ اندرون ملک جمہوریت کے یہ بادشاہ اور عوام کے یہ نمائندے جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو لاکھوں روپیہ ان کے استقبال اور ان کی تیاریوں پر خرچ آتا ہے۔ تین فرلانگ کی سڑک کی تعمیر کے بعد افتتاح کی رسم پر ایک وزیر صاحب کے استقبال اور دورے پہ جو خرچ آیا ہے اتنا اس سڑک کی تعمیر پہ نہ آیا تھا۔ ہمارے ملک کے ایک صاحب وزیر اعظم بنے تو پہلی تقریر میں قوم سے خطاب فرمایا کہ دو پیالی چائے پینے والا ایک پیالی پئے، دو مختلف کھانے کھانے والا ایک ہی قسم کا کھانا کھائے

نئے کپڑے پہننے والا ڈھلے ہوئے پہنے، دو ڈبیاں روزانہ سگریٹ پینے والا ایک ڈبیا سگریٹ پئے، دو چمچ چائے کی پیالی میں چینی ڈالنے والا ایک چمچ پر گزارہ کرے وغیرہ وغیرہ، کیونکہ ملک اقتصادی بحران کا شکار ہے اور رہبر سے ساتھ تعاون کی عوام کی طرف سے یہی ایک صورت ہے، مگر وہی وزیراعظم صاحب جو سادگی اور بچت کا درس دے رہے تھے، فضولیات اور اسراف سے منع فرما رہے تھے خوشامدیوں، کاسہ لیسوں، درباری شاطروں، سرکاری افسروں کی نکاریوں اور مکاریوں کے نرغے میں آئے تو لاکھوں روپے ایک ایک ملکی اجلاس اور جلسے میں لٹا کر آئے تھے۔ یہ لوگ ہیلی کاپٹروں سے قدم نیچے نہیں رکھتے، سڑکوں اور موٹروں کے ذریعہ اندرون ملک سفر ایک عمومی چیز سمجھ کر اجتناب کیا جاتا ہے۔ ہواؤں میں اُڑنے والوں کو زمین پر چلنے والوں کے دُکھ درد کا علم کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ سب کچھ اور اس سے بھی زیادہ بہت کچھ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی فضول خرچیوں اور اسراف کی سرسری سی تفصیل ہے۔ ورنہ ہر آدمی جانتا ہے کہ ہمارے ہاں کن کن دائروں میں ہم جائز حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ چادر سے زیادہ پاؤں پھیلاتے ہیں، یہ سب کچھ اسراف، تبذیر اور فضول خرچی کی ذیل میں آتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا اور اپنے محبوب بندوں میں یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ مسرف اور فضول خرچ نہیں ہوتے۔

امّتِ وسط

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کہا ہے۔ حضورؐ کی یہ اُمّت اپنے زبانی دعویٰ کے اعتبار سے ہو یا طرزِ حیات اور طریق زندگی کے لحاظ سے ہو، درمیانی اُمّت ہے وہ اپنی زندگی کے تمام امور میں خواہ عبادات ہوں یا معمولات امّتِ وسط ہے وہ حد سے تجاوز کرنے والی نہیں میانہ روی، اعتدال اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ ایسی اُمّت نہیں کہ ماننے پہ آئے تو اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے مجسّموں کو خدا مان لے اور نہ ماننے پہ آئے تو قادرِ مطلق اور خالقِ کائنات کی خدائی سے انکار کر دے۔ بندگی پہ آئے تو پتھروں کے بُتوں، مٹی کی مورتیوں کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے اور انکار کرے تو خدا کی کُھلی نشانیوں کو دیکھ کر بھی سر نہ جھکائے۔ خرچ کرنے پہ آئے تو شیطانی کاموں، گانے بجانے، عیاشی و عشرت کے سامانوں پہ لاکھوں روپیہ بہادے اور نہ خرچ کرنے پہ آئے تو نہ اپنے اُوپر، نہ بال بچوں پر، نہ خدا کے نام پہ دینا اور خرچ کرنا موت لگے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشادِ خداوندی ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔ نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو نہ بالکل کُھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔ ہاتھ گردن سے باندھنا محاورہ ہے بخیلی اور کنجوسی کے لیے، اور ہاتھ کُھلا چھوڑنے سے مراد فضول خرچی اور اسراف ہے۔ اس قرآنی ارشاد کے مطابق ہمارے اندر اتنا اعتدال ہو کہ ہم نہ بخیل بن کر دولت کے سانپ بن بیٹھیں اور اس کی گردش کو روک دیں یا اس پتھر کی طرح جو پانی کے دھانے پہ رکھا ہو جو نہ خود پانی سے فیضیاب ہوتا ہو اور نہ خشک کھیتوں کو سیراب ہونے دیتا ہو اور نہ اتنے فضول خرچ بن جائیں کہ اپنی تمام مالی و معاشی طاقت کو چند مہینوں میں ضائع کر دیں اور پھر کشکول گدائی لے کر بھیک مانگتے پھریں اور غیر ملکی امدادوں کے لئے کاسہ لیسی کرتے پھریں اور قوم کے بچے بچے کو قرضوں میں جکڑتے رہیں بلکہ ایسا ہو کہ بجا اور ضروری خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بے جا اخراجات کی خرابیوں کی وجہ سے دیوالیہ پن کا شکار بھی نہ ہوں۔

Marfat.com

فضول خرچی شیطانی فعل ہے

عیاشیوں اور فسق و فجور کے اخراجات، فخر و نمائش اور دوسرے تمام ایسے اخراجات جو انسانی ضرورتوں اور مفید کاموں میں صرف ہونے کی بجائے غلط راستوں پر دولت کو بہا دیں یہ قوم اور ملک کے ساتھ زیادتی ہی نہیں بلکہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری بھی ہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت سے پہلے خداوند تعالیٰ نے دولت خرچ کرنے کے مواقع خود بتاتے ہیں۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ اپنی دولت اور مال میں سے رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق دو۔ فضول خرچیوں پر دولت نہ برباد کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے ربّ کا ناشکرا ہے۔

ہمارا اسراف

آج ہم جس معاشرے میں سانس لے رہے ہیں وہاں فضول خرچیاں، اسراف اور بخل دونوں اپنی اپنی انتہاؤں کو چھُو رہے ہیں۔ ایک طرف فیشن کی دوڑ ہے اور معیارِ زندگی کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی فکر ہے۔ یہ معیارِ زندگی فیشن کے بدلتے ہوئے تقاضوں، ہماری زندگی کی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورتوں لباس، غذا چہروں کی زیبائش، بالوں کی تراش خراش سے لے کر رہائشی سہولتوں، ان کی سجاوٹ، کچن کے لوازمات، برتنوں کی افراط، گاڑیوں کے ماڈل بدلنے تک پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کے حصول میں زندگی کی تمام دوڑ دھوپ اور سرمائے کی فراہمی میں پُوری عمر بیت جاتی ہے اور اسی پر بس نہیں یہ سہولتیں میسّر آگئیں تو انہیں پر اکتفا کر لیا، نہیں بلکہ گھروں میں موجود آج کا سارا سامان فرنیچر، لباس، زیورات، کوٹھیوں کے نقشے کچھ دنوں بعد آؤٹ آف ڈیٹ اور آؤٹ آف فیشن بن کر نیلام گھروں میں فروخت ہوتے ہیں اور نئے فیشن کی ساری چیزیں دو گنے داموں خریدی جاتی ہیں۔ اچھی بھلی کوٹھیاں مسمار کر کے جدید طرزِ تعمیر پر لاکھوں روپیہ صرف ہوتا ہے، محض اس لئے کہ ہمارے ملنے والے، ہمارے فیشن، انتخاب اور جدیدیت سے مرعوب ہو کر ہمیں ماڈرن سمجھیں اور ہم پر رجعت پسندی، قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کا الزام نہ لگائیں اور ہمیں اَپٹوڈیٹ مانا جائے۔

شادی کسی کی بھی ہو، سوشل تقاریب کہیں بھی ہوں ہمیں اپنی امارت، منصب اور مراتب کے رُعب ڈالنے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے اور ہم "بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ" بن کر ہزاروں کی خریداری کر کے اپنی ناک اُونچی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان تمام اخراجات پر اُٹھنے والے اخراجات کا کوئی محاسبہ نہیں ہوتا کہ یہ "قارون کا خزانہ" کہاں سے ہاتھ لگا اور الہ دین کا یہ چراغ کیسے مہیا ہو گیا۔ ظاہر بات ہے کہ حلال کی کمائی سے یہ سب کچھ ممکن نہیں ہوتا، اس کے لئے قماربازی ہوتی ہے، اسمگلنگ ہوتی ہے، رشوت لی جاتی ہے، قومی دولت میں سے غبن اور بددیانتی ہوتی ہے، ملاوٹ ہوتی ہے، تجارت میں ہیرا پھیرا ہوتی ہے، ناجائز منافع خوری ہوتی ہے، ٹیکس چوری ہوتی ہے، چور بازاری ہوتی ہے، بھاری کمیشن لئے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ محض سوسائٹی میں اپنے معیارِ زندگی کی بلندی کے حیلے اور حربے ہیں اور شیطانی چونچلے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان خدا کی نعمتوں اور

Marfat.com

مہربانیوں کا شکر گزار نہیں ہوتا۔ شیطان انسانوں کو آرزوؤں اور تمناؤں میں الجھا کر انہیں گمراہ کرنے میں لگا رہتا ہے انہیں فرصت ہی نہیں ہوتی کہ اپنے اوقات۔ اور حیثیت پر غور کریں۔ یَعِدُھُمْ وَ یُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا یا پھر وَلَاُضِلَّنَّھُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّھُم۔ اس طرح شیطان نت نئی آرزوؤں، نت نئی خواہشات کے پیچھے دوڑا کر ہر قسم کے حربوں اور ہر برے انداز اختیار کرا کر ہمیں گمراہی میں لگا دیتا ہے۔

ہمارے مصائب کی وجہ

اپنی چادر سے بڑھ کر پاؤں پھیلانا خود اپنے لئے مشکلات پیدا کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رشتے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، ان کے بہت سے فضائل ہیں۔ حضورؐ کی انہیں نصیحت تھی کہ سعد اپنے رزق کو پاک رکھو اس طرح تمہاری دعا ہمیشہ قبول ہوگی۔ وہ اسی لئے مستجاب الدعوات تھے۔ یعنی اُن کی دعائیں ہمیشہ قبول ہوتی تھیں۔ آج مسلمان دولت کی اس ریل پیل کے باوجود اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی مصائب اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں فلسطین کے مسلمان ہوں یا افغانستان کے، عراق و ایران اور کویت کے درمیان جنگ ہو یا کشمیر اور ہندوستان کے درمیان۔ پاکستان، ہندوؤں اور امریکہ کے درمیان رنجشیں ہوں یا الجزائر کے مسلمانوں اور بے دین حکومتوں کے اہلکاروں کے درمیان چپقلش ہو، ہمارے گھروں، خاندانوں اور رشتہ داریوں کے تنازعات اور جھگڑے ہوں، اولاد کی نافرمانیاں ہوں یا والدین کے لئے بیزاریاں اور پریشانیاں، میاں بیوی کے تعلقات میں وہ ایثار، خلوص اور ہمدردی نہیں رہی۔ کفایت شعاری و غمخواری نہیں، ہر طرف نفرتوں کی آندھیاں، کدورتوں کے طوفان، حسد اور بغض کے کانٹے ہیں۔ ان سب حالات میں ہم گھبرا کر خدا کو پکارتے ہیں مگر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی، کیونکہ ہمارا کھانا پینا، اوڑھنا بچھونا حتیٰ کہ جسم میں دوڑنے والا خون تک حرام ہے تو بتایئے خدا کیسے ہمارا مددگار ہو اور کیسے ہماری دعا قبول ہو۔

ہمارے پاس حلال و حرام کی تمیز اور پہچان صرف اسی قدر رہ گئی ہے کہ گدھے، کتے، چیل، کوے اور سؤر کو حرام سمجھا جاتا ہے لیکن رشوت کی کمائی اور تمام ناجائز آمدنی کے طریقوں سے کمائی ہوئی دولت کو شیرِ مادر۔ ماں کا دودھ۔ سمجھ کر ہضم کر جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ دس درہم کے لباس میں ایک درہم بھی حرام کا ہو تو ایسے لباس میں پڑھی ہوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "منہ میں مٹی ڈال دینا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی منہ میں حرام کا نوالہ ڈالے"۔

اپنی ذات اور اپنے آرام و آسائش اور عیش و عشرت کے اس طوفانِ بدتمیزی کے مقابلے میں ہماری شقاوتِ قلبی کا یہ عالم ہے کہ نیکی کے کاموں، راستوں کی تعمیر، پلوں کی تعمیر، چشموں کی کھدائی، یتیموں، بیواؤں، نادار لوگوں اور غریب بچوں کی تعلیم و تربیت کے پروگراموں اور دوسرے سینکڑوں رفاہی اُمور اور دینی تبلیغی کاموں میں، کشمیر کے جہاد، زلزلوں اور آفاتِ سماوی میں امداد کے طور پر دینے کے لئے ہمارے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا۔ عام لوگوں کا یہ حال ہے کہ گھر کا کوئی فرد بیمار ہو جائے تو علاج معالجے کی کوئی فکر نہیں ہوتی، علاج پر خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے مگر جب وہی شخص فوت ہو جائے تو نمود و نمائش کے لئے گھی کی ندیاں بہائی جاتی ہیں، دیگیں چڑھائی جاتی ہیں حالانکہ یہ فضول خرچی

Marfat.com

اور خیرات کا یہ مظاہرہ مرنے والے کے یتیموں، بیوہ اور ورثا کے مال سے کیا جاتا ہے جو ناجائز ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ سونے کے کھونٹے سے گھوڑا باندھ کر اپنی امارت کے اظہار سے یہ بہتر ہے کہ گھوڑا اس پر پیشاب کرے بجائے اس کے کہ یہ کھونٹا کسی کے دل میں گاڑا ہوا ہو۔ اسلام کی یہ تعلیمات و احکام محض انفرادی و اجتماعی وعظ و تلقین نہ تھے جیسا کہ ہمارے آجکل کے لیڈر اور واعظ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں بلکہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی معاشرہ قائم ہوا تو اس میں قانونی طور پر بے جا مال و دولت کے خرچ پر پابندیاں عائد کی گئیں فضول خرچی کی بہت سی صورتوں کو حرام قرار دیا گیا تو دوسری طرف کنجوسی و بخیلی کے انسداد کے لئے زکوٰۃ و صدقات کے ترغیبی احکامات نافذ کئے گئے۔

واقعات و امثال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ اور حضورؐ کے یارِ غار تھے۔ اُن کی خلافت کے دَور میں اُن کی زوجہ محترمہؓ نے میٹھا کھانے کی خواہش ظاہر فرمائی چھوٹی سی خواہش تھی پوری ہو سکتی تھی جس سے نہ قومی خزانہ پر اور نہ اُن کی آمدن پر بوجھ پڑنے کا اندیشہ تھا، مگر صدیق اکبرؓ کی سوچ مختلف تھی۔ اُنہوں نے فرمایا۔ تم جانتی ہو میرے پاس کچھ بھی نہیں، پیسے ہوتے تو ضرور کھلا دیتا، جیسی زندگی گزرتی ہے تمہارے سامنے ہے۔ بیوی نے فرمایا۔ مجھے پتہ ہے اسی لیے تو کبھی کوئی شکایت ہونٹوں پہ نہیں لائی۔ البتہ یہ تبائیں کہ اگر میں روزمرہ کے اخراجات سے بچا کر اتنا جوڑ دوں کہ میٹھا کھانے کی خواہش پوری ہو جائے تو آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا؟ اعتراض کی کیا بات تھی، اجازت مل گئی۔ گھروں کی سگھڑ بیویاں ایسا ہی کرتی ہیں۔ کچھ نہ کچھ جوڑ کر رکھتی ہیں کہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ اس کے برعکس ایسی بھی بیویاں ہوتی ہیں جو گھر پھونک کر تماشا دیکھتی ہیں۔ خاوند کی آمدنی سَو ہو تو دو سو خرچ کرتی ہیں اور ہمیشہ روتی رہتی ہیں کہ آمدن کم ہے گزارہ کیسے ہو۔ فلاں بیگم کو دیکھو ایسا زیور ہے، ایسا لباس ہے، گھر میں یہ یہ سامان ہے میری تو قسمت پھوٹ گئی جس دن سے اس گھر میں آئی ہوں، صرف میک اَپ پر اتنا خرچ کرتی ہیں کہ ہماری آدھی تنخواہ سے تو اُن کے بال سنورتے ہیں، بیوٹی پارلر پر اُن کا اتنا خرچ ہے جتنی ہماری تنخواہ بھی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے نخرے، خواہشیں شوقین عورتوں کے ہوتے ہیں۔ عالیشان کوٹھی نہیں، موٹر بڑی نہیں، ماڈل نیا نہیں، خانسامے دو ہیں چار نہیں اور یہ کہ وارڈ روب چھوٹا ہے، شوہروں سے تقاضے ہوتے ہیں کہ آمدن بڑھاؤ، وہ الہ دین کا چراغ کہاں سے لائے۔ ایسے گھروں میں اپنائیت، خلوص، شرافت، باہمی محبّت اور ایثار و قربانی کا فقدان ہوتا ہے۔ ہر ادا بناوٹی اور ہر روّیہ نمائشی ہوتا ہے، ان کے باہمی تعلقات دولت کے پیمانوں پر استوار ہوتے ہیں خرچ جتنا کوئی چاہے بڑھایا جا سکتا ہے۔ خرچ ضروریاتِ زندگی کی جائز حدود پہ اتنا نہیں آتا یہ تو لالچ اور حرص سے بڑھتا ہے۔

صدیق اکبرؓ کی بیوی کی خواہش معصوم تھی، بے ضرورت ہوس نہ تھی۔ انسانی فطرت کا معمولی تقاضا تھا۔ بیوی نے جب بچت اُن کے سامنے رکھ کر میٹھا لانے کو کہا تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم اس بچت سے کم پر گزارہ کر سکتے ہیں۔ اُنہوں نے بیوی کی یہ بچت بیت المال میں جمع کرا دی اور اپنے وظیفہ میں سے روزانہ کی وہ بچت کم

Marfat.com

کردی جوانی کی بیوی بچا لیا کرتی تھی۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے بارِ خلافت اُٹھانے کے بعد ہمہ وقتی مصروفیت اور دینی و قومی اُمور میں مشغولیت کی وجہ سے تجارتی کاروبار چھوڑ دیا تھا اور بیت المال سے وظیفہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے، مگر بسترِ مرگ پر اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو بلا کر وصیّت فرمائی کہ فلاں زمین بیچ کر بیت المال سے خلافت کے دَوران لیئے ہوئے تمام وظیفہ کی رقم کو واپس بیت المال میں جمع کرا دو تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت بلامعاوضہ اور بے لوث رہ جائے۔

آخری بات آج قوم کی خدمت کا دعویٰ لے کر ایوانِ اقتدار میں براجمان ہونے والے غریبوں کے ہمدرد اور غمخوار ایسی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ اور ایسا کرنے پر آمادہ ہیں یا اپنی نظریاتی اور فکری دانشوری کے دعویدار اور مبلغ اپنے فکری پیشواؤں کی ایسی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں یا جمہوریت کی مغربی تعریف میں رَطب اللّسان "لوگوں کی حکومت، لوگوں کی بہبود کے لئے اور لوگوں کے ذریعے قائم ہونے والی" اپنی جمہوری تعریف کے ترازو پر پُورے اُتر سکتے ہیں؟ حضرت عبدالوہاب امام شعرانیؒ نے اپنی کتاب "البحرالمورود" میں لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ کے پاس کوئی جاتا تو اُن سے سوختہ دلی کی بُو آتی تھی، اُن کا دل عشقِ خدا، عشقِ رسولؐ اور عوام کے لئے دلسوزی کی آگ کے باعث پک گیا تھا، جس کا خدا سے جتنا تعلق بڑھتا ہے، خوفِ خدا اُتنا ہی بڑھتا ہے۔ حکمرانوں کے لئے یہ اور بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگیوں کا طرزِ عمل عوام کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ولید بن عبدالملک کو عمارتیں بنانے کا شوق تھا۔ اُس کے دَور میں لوگ ایک دوسرے سے ملتے تو مکانات اور عمارتوں کی باتیں کرتے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے دَور میں اُن کی پرہیزگاری اور خدا خوفی کے باعث لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے نفل کتنے پڑھے ہیں؟ قرآن کتنا پڑھا ہے؟ حکمرانی آزمائش ہے لوگوں نے اسے پھُولوں کا بستر بنا لیا ہے حالانکہ یہ کانٹوں سے بھرا ہُوا راستہ ہے۔ لوگوں نے اپنے اُوپر پھُول نچھاور کرنے کا وطیرہ بنا لیا ہے۔ یاد رکھیں کہ جو لوگ خود کو رحمٰن کا بندہ بنانے کے خواہشمند اور خدا کے محبوب بننے کے آرزومند ہیں انہیں اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنا ہو گی کہ اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما۔ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی اور عیاشی سے کام لیتے ہیں اور نہ بخیلی و کنجوسی کو شعار بناتے ہیں بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہمیں ان المبذرین کانوا اخوان الشیٰطین۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی کے بجائے اپنا محبوب بندہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ان الحمد للہ رب العالمین

Marfat.com

Marfat.com

جہالت اور جاہلوں سے کنارہ کشی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	سورہ فرقان کی آیت	رحمٰن کے بندے جاہلوں کے منہ نہیں لگتے ۔
۲	دو انسانوں، گروہوں کا مزاج اور نفسیات	متعصّب اور تنگ نظر جاہل، قبولیت حق والا گروہ، قرآن نے متعصّب اور تنگ نظروں کو ـــ بہرے اندھے گونگے کہا ہے، سننے اور دیکھنے کا ظاہری اور قبولیت و نصیحت آموزی کا فرق ۔
۳	تعصّب ہی جہالت ہے	قرآنی آیات میں تفصیل، سورۂ لقمان، سورۂ بقرہ، سورۂ یٰسٓ، سورۂ زمر
۴	تعصّب جاہلانہ ہٹ دھرمی اور فرقہ بندی کی دلیل	اختلاف مذاہب، اختلاف مسالک اور سیاسی گروہ بندیاں اسی کا نتیجہ ہیں۔ ان سے بحث کرنا، اُلجھنا کفر میں دھکیلنا ہے ۔
۵	ایسے گروہی اور مسلکی جہلاء سے گفتگو اور بحث سے پرہیز کی جائے، سلام کر کے رخصت ہونا چاہیئے۔	ایسے لوگوں سے الجھنے کی بجائے سلام کر کے پیچھا چھڑایا جائے صبر و تحمّل کا مظاہرہ کیا جائے ۔ گالی کا جواب گالی سے نہ دیا جائے ۔
۶	واقعات و امثال	حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نمونہ ۔

جہالت اور جاہلوں سے کنارہ کشی

آیت مع ترجمہ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (الفرقان: ٦٣)۔ رحمٰن کے بندوں کا واسطہ اور تعلق جب جاہلوں سے پڑتا ہے تو وہ انہیں سلام کر کے۔ اچھے انداز سے اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں یعنی ان سے بحث کرتے ہیں نہ جھگڑتے ہیں۔

تفسیر وتشریح سورۂ فرقان کی آیات میں خدا نے اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کی جو صفات بیان فرمائی ہیں اور جو گزشتہ مضامین وتقاریر کا موضوع رہی ہیں، ان میں سے ایک صفت یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے جاہلوں کے منہ نہیں لگتے۔ مگر اصل موضوع پر اظہارِ خیال سے پہلے ضروری ہے کہ انسانوں کے اس گروہ کی نفسیات، مزاج اور طبیعت پر تفصیلی گفتگو کی جائے جس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار مختلف مثالوں اور مختلف انداز کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

دو انسانی گروہوں کا مزاج

جاہلانہ مزاج یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید، گروہی تعصّب، قومی ونسلی غرور میں اسلامی تعلیمات یا کسی بھی معقول بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور جاہلیت کے افکار ونظریات اور اپنی جاہلانہ عادات پر جمے رہنا پسند کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں انسانوں کا دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو قومی، نسلی، گروہی اور ذاتی مزاج سے ہٹ کر دینِ حق اور معقول بات کو نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ اس پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی بعثت کے بعد اسی قسم کے دو انسانی گروہوں اور ان کی نفسیات اور مزاج سے تعلق اور واسطہ پڑا۔

انسانوں کے اس دوسرے گروہ نے حضورؐ کی بعثت، اسلامی تعلیمات اور ان کی معقولیت کو نہ صرف صحیح جان کر اُن پر ایمان لے آئے بلکہ اس پر ثابت قدم رہ کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ مسیحؑ پرست نہ تھے خدا پرست تھے۔ شخصیّت پرستی میں نہ مسیحؑ کے گرویدہ تھے نہ موسیٰؑ کے دلدادہ بلکہ خداوند تعالیٰ کے دین اسلام کے پیروکار ہیں اور یہی لوگ دینِ اسلام کا سرمایہ ثابت ہوئے۔

سورۂ الفرقان کی ہماری زیرِ بحث آیت میں رحمٰن کے بندوں کی جس صفت کا بیان ہوا ہے وہ انسانوں کے گروہ کی پہلی صورت کے ساتھ واسطے اور تعلق کے سلسلے میں ہے اور نصیحت فرمائی گئی ہے کہ رحمٰن کے بندوں کو جب پہلی قسم کے نسلی،

Marfat.com

قومی، وطنی یا دوسری قسم کے نظریات و افکار کے حامل کٹر متعصّب اور جاہل لوگوں سے تعلق پیدا ہوتا ہے تو رحمٰن کے بندوں کو اُن کی کج بحثی، جھگڑے اور انہیں خواہ مخواہ اسلام کے راستے پر ڈالنے کی سعیٔ ناکام، کوشش بیکار اور محنتِ بے ثمر سے بچ کر چپ چاپ سلام کر کے ان سے پیچھا چھڑانا چاہیئے۔

سورۂ یونس میں ایسے لوگوں کے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے واسطہ سے رحمٰن کے بندوں کو یہی نصیحت فرمائی گئی ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ. وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ۔ اے پیغمبرؐ انسانی گروہوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تیری باتیں سنتے ہیں مگر کیا تو بہروں کو سنائے گا۔ یعنی تمہاری بات سُن کر بھی اُن پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو کیا تُو ایسے لوگوں کو اپنی باتیں سناتا ہے جو عقل سے کورے ہیں اور ان لوگوں میں ایسے ہیں جو بے شک تمہاری طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر ان کا دیکھنا اندھوں جیسا ہے تو کیا تُو اندھوں کو راستہ بتاتا ہے جو عبرت آموز آنکھوں اور ہدایت یافتہ نگاہوں کے لحاظ سے اندھے ہیں تو کیا تُو اندھوں کو راہ دکھاتا رہے گا۔

سُننے اور دیکھنے کا فرق

ایک سُننا ایسا ہوتا ہے جیسے جانور سنتے ہیں مگر ان پر سنانے والے کا سنانا اثر نہیں کرتا۔ سُنتے تو ہیں مگر سمجھنے اور اس پر عمل کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ دوسرا سننا ایسا ہوتا ہے جس میں معنی و مفہوم کو سمجھنے کی صلاحیت اور اس پر عمل کرنے کی آمادگی پائی جاتی ہے کہ بات معقول ہوئی تو سُن کر مان لیں گے۔ اسی طرح ایک دیکھنا تو وہ ہے جیسے جانور دیکھتے ہیں کہ وہ کسی کام اور نصیحت آموز عمل کو دیکھ کر اور دکھانے والے کی ہدایت پر عمل کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں اور دوسرا دیکھنا وہ ہوتا ہے کہ کسی کام اور مقصد کا اچھا بُرا انجام دیکھ کر از خود یا کسی دوسرے کے دکھانے پر انہیں سمجھ آجاتی ہے تو وہ معقول بات کو مان کر اسے قبول کرتے ہیں اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔

تعصّب کی شدّت

گویا محض سر کی آنکھوں اور کانوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بات انسانی فطرت کی آمادگی اور معقولیت کی ہوتی ہے ورنہ سنتے اور دیکھتے تو جانور بھی ہیں بلکہ ان کی آنکھیں اور کان انسانوں سے بڑے ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے اُن کا دائرہ دید اور ذخیرہ شنید انسانوں سے زیادہ بھی ہو، مگر اصل چیز دل کی آنکھوں اور کانوں کا ہونا ہے کسی کو سمجھنے اور ماننے والے کان اور دیکھنے اور قبول کرنے والی آنکھیں ہی حاصل نہ ہوں تو وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے کے باوجود بہرے اور اندھے ہوتے ہیں۔

تعصّب اندھا کر دیتا ہے

جو لوگ تعصّب، بخیلی، دشمنی اور جہالت کی وجہ سے اپنے نظریات و خیالات پر ڈٹے ہوئے ہوں اور جنہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہو کہ وہ اپنے موروثی عقیدوں اور طریقوں کے خلاف، جاہلانہ نظریات و افکار کے خلاف، اپنے نفس کی رغبتوں اور لذّتوں کے خلاف، اپنے سیاسی خیالات کے خلاف، مذہبی مسلک کے خلاف کوئی بات خواہ وہ کتنی ہی معقول اور درست کیوں نہ ہو بالکل نہیں مانیں گے۔ یہ لوگ عُنی نہ مُنی، پشتو محاورے کے مطابق لوگ ہوتے ہیں۔ وہ سب کچھ سن کر بھی نہیں سنتے اور سب کچھ

Marfat.com

دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے۔ وہ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے، چرنے چُگنے کے سوا کسی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے، وہ اپنے نفس کی خواہشات کے پیچھے اتنے مست اور اتنے نشئی ہوتے ہیں کہ انہیں پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں صحیح ہے یا غلط ہے۔ ایسے کانوں کے بہرے اور آنکھوں کے اندھے بظاہر بہرے اور اندھے نہیں ہوتے مگر وہ دل و دماغ کی آنکھوں اور کانوں کے مالک نہیں ہوتے۔

متعصّب دراصل جاہل ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے انہیں کان بھی دیئے ہوتے ہیں، آنکھیں بھی دی ہوتی ہیں اور دل بھی دے رکھے ہوتے ہیں تاکہ وہ حق و باطل میں، جھوٹ اور سچ میں، بُرے اور بھلے میں، حقیقت اور افسانہ میں، نور اور ظلمت میں فرق کر سکیں، مگر ان لوگوں نے اپنی خواہشات کی بندگی، خیالات و نظریات کی غلامی، جہالت و گمراہی کی پرستش، تعصّب اور بخیلی کی پختگی اور دنیا کی لذتوں میں ڈوب کر اپنی آنکھیں خود پھوڑ دی ہوتی ہیں، کان بہرے کر دیئے ہوتے ہیں، دلوں کو مسخ اور دماغ کو شل کر دیا ہوتا ہے۔ ان میں اچھے اور بُرے کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ اور جب انہیں آیاتِ قرآنی اور ہدایاتِ ربّانی تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبّر اور غرور سے منہ پھیر لیتے ہیں گویا انہوں نے انہیں سُنا ہی نہیں جیسا کہ اُن کے کانوں میں روئی ٹھونسی ہو۔ اے پیغمبرؐ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

قرآن کریم کے شروع میں اس کتاب سے ہدایت پانے والوں کے اوصاف بیان کر کے اس چشمۂ فیض سے ہدایت نہ پانے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اے پیغمبرؐ جو لوگ کافر ہیں انہیں خدا کے عذاب سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ ایمان نہ لائیں گے کیونکہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ان کے دلوں پر موروثی عقائد، سیاسی نظریات، پرانے اور فرسودہ خیالات کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ ان کی آنکھوں پر جہالت اور حماقت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ اے پیغمبرؐ تو نے ان کے لئے شمع ہدایت اور نورِ رسالت کی روشنی پھیلا رکھی ہے، اس روشنی سے فارس کے سلمان فارسیؓ، حبش کے بلال حبشیؓ، روم کے صہیب رومیؓ اور دور دور کے پروانے اُڑ اُڑ کر آتے ہیں، اس سے مستفید اور مستنیر ہوتے ہیں مگر قریب ترین جگہ کے متعصّب ابوجہل اور ابولہب اپنے کٹر جاہلانہ خیالات کے باعث اپنی آنکھوں کا نور، دل کا فہم اور دماغ کا شعور کھو بیٹھے ہیں اور اپنے خیالات کی تاریکیوں میں بھٹک کر رہ گئے ہیں۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَاۤءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص آگ جلا کر روشنی کرے جب اُن کے ارد گرد روشنی پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ انہیں اندھیروں، جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دے۔ وہ ہدایت کی روشنی کی طرف نہیں

Marfat.com

مڑتے، نہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اندھے بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی جاہل لوگوں کا نقشہ اوں کھینچا گیا ہے کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔ اُن کے دل ہیں مگر سوچتے نہیں، آنکھیں ہیں مگر دیکھتی نہیں، کان ہیں مگر سنتے نہیں۔ یہ لوگ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اسی طرح سورۂ یٰسین میں فرمایا۔ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ ہم نے اُن کے آگے پیچھے جہالت کی دیواریں کھڑی کردی ہیں اور آنکھوں پہ جہالت کے پردے لٹکا دیئے ہیں، یہ نہیں دیکھ سکتے کہ ان کے اردگرد کیا ہو رہا ہے، کیا تبدیلیاں اور انقلاب رونما ہو رہا ہے۔ وہ اپنی اپنی اسی جہالت اور گمراہی کی دیواروں میں گھرے ہوئے کنوئیں کے مینڈک بنے ہوتے ہیں۔

کیا رویّہ اختیار کیا جائے

جب معاملہ ایسے عقل کے ماروں، آنکھوں کے اندھوں اور کانوں کے بہروں اور جاہلوں سے پیش آجائے تو پھر ایسے موقعوں پر خداوند تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم پیغمبروں اور اپنے محبوب بندوں کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا۔ جب معاملہ جاہلوں سے پیش آئے تو پھر اُن پر وقت ضائع کئے بغیر اچھے انداز سے بچ کر نکل جاؤ اور ان کی بجائے ہدایت پانے والوں پر توجہ دو۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ جو ہدایت پانے پہ آمادگی ظاہر کریں اُن کے لئے بازو پھیلا دو، خوش آمدید کہو، اُن کے سامنے عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرو اور جو لوگ تابعداری پہ آمادہ نہ ہوں تو اُن کے لئے یہی حکم ہے۔ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۔ گمراہی و سرتابی پر اصرار کرنے والوں سے بیزاری و برأت کا اعلان کر دو اور صاف کہہ دو کہ تم اپنے اعمال کے نتائج خود بھگتو، تمہیں خبردار کرنے کے بعد تمہارے عمل کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔

سورۂ زُمر میں فرمایا گیا ہے کہ قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ۔ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ۔ ان سے صاف صاف کہہ دو اے میری قوم تم اپنی جگہ اپنے کام کے محاذ میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کسے رُسواکن عذاب ملتا ہے اور کسے وہ سزا ملتی ہے جو ٹلنے والی نہیں۔ پھر اسی کے ساتھ فرمایا۔ إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۔ اے نبیؐ ہم نے یہ کتاب انسانوں کے لئے سچائی کے ساتھ اتاری ہے اب جو سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے لئے کرے گا اور جو اس راستہ سے بھٹکے گا اُس کا وبال خود اسی کی جان پہ ہوگا تم اس کے ذمّہ دار نہیں ہو۔

بہرحال قرآن کریم کی متعدد اور بے شمار آیات اس سلسلہ میں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں ایسے کج بحث جہلا، متعصب، اور بخیل لوگوں اور اپنے موروثی عقائد و خیالات پر کٹر قائم اور طبیعت مزاج اور عادات کے اڑیل پن اور دماغ کی نامعقولیت رکھنے کی وجہ سے معقول رویّہ کے اظہار، معقول بات کے ماننے اور درست فیصلے کرنے سے محروم ہوں۔

Marfat.com

ان سے اُلجھنے اور اُن کے پیچھے پڑ کر راہِ راست پر لانے سے روکا گیا ہے۔

جہالت فرقہ بندی کا نتیجہ ہے

یہ جو اُمت اور مسلمان اتنے فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے اس چھوٹے سے ملک میں، جو اتنی سیاسی جماعتوں کے گروہ پھیلے ہوئے ہیں جن کی پارٹی کے کُل ارکان ایک ٹانگے میں سما سکتے ہیں۔ یہ اتنے دینی مسالک، مذہبی گروہ اور روحانی سلسلے ہیں۔ یہ جو اتنے وطنی، علاقائی، لسانی اور نسلی جھگڑے چل رہے ہیں، جن سے سارے ملک کا امن وسکون درہم برہم ہے۔ اتحاد واتفاق اور یگانگت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ یہ سب اندھی، بہری، گونگی جہالتوں کے خرخشے ہیں کہ کوئی بھی کسی معقول بات کو سُننے پر آمادہ نہیں۔ ہر گروہ اپنی نظریاتی چار دیواری میں بند، عقائد کے حصار میں مُقیّد اور جہالت اور تعصّب کے کنویں کا مینڈک ہے۔ وجعلنا من بين ايديهم سدًّا ومن خلفهم سدًّا۔ ان کے ارد گرد آگے پیچھے تعصّب، دشمنی، بخیلی، تنگ نظری، تنگدلی اور تنگ دماغی کی دیواریں کھینچ دی گئی ہیں اور یہ گروہ یاجوج ماجوج کی طرح اپنے ہی افکار کی دیواروں کو چاٹنے میں مصروف ہیں، انہیں سے لذت یاب ہو رہے ہیں اور جب تعصّب کی دیواریں گرنے پر آجاتی ہیں تو گروہوں کی نگران شخصیات انہیں نئے کسی شوشے کا پلستر چڑھا کر پھر سے مضبوط کر دیتے ہیں۔

کہ پھر سُلا دیتی ہے ان کو حکمراں کی ساحری

تعصّب کے مقابلے میں روّیہ

سمجھنے کی بات صرف یہ ہے کہ تعصّب، تنگ نظری و بداعتقادی کے اس جاہلانہ طومارِ انتشار میں جب آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہوں اور عقلوں پر تالے پڑے ہوں تو اُن کے درمیان اصلاحی کوششوں کی مثال بھینس کے آگے بین بجانے اور پتھر میں جونک لگانے اور لوہے کے تھنوں سے دودھ برآمد کرنے کے برابر ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے الجھے اور بحث بغیر بے لوث اور بے غرض ہو کر صرف اپنے ربّ کی دی ہوئی امدادی صلاحیتوں، تبلیغی مصلحتوں اور اصلاحِ احوال کی تمام حکمتوں کے سرمائے اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنا کام کیا جائے اور نتائج خدا کے سپرد کر دیئے جائیں اور ایسے جاہلوں کے کسی تعصّب، پروپیگنڈے، فقرہ بازی، جھوٹے الزامات کی پرواہ نہ کی جائے اور انہیں یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔ ان سے بحثنے، تکرار کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ انہیں منہ لگایا جائے۔ یہی نصیحت اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بھی فرمائی ہے اور یہی نصیحت اپنے بندوں کو بھی کی ہے اور یہی صفت خدا کے محبوب بندوں میں خدا پسند بھی فرماتا ہے۔

اگر آپ ان سے الجھیں گے، بحث کریں گے تو یقیناً اپنی جہالت اور تعصّب کی وجہ سے وہ کُفر کے الفاظ بکیں گے، ضد اور ہٹ دھرمی پر اُتر آئیں گے۔ بہتر ہے کہ انہیں سرے سے بھلا دیا جائے تو خود بخود انہیں علیحدگی، کسمپرسی اور اہمیت کی کمی کا احساس ہوگا۔ اگر آپ نے اہمیت دے کر چھیڑ دیا تو پھر غرور، جہالت و تکبر میں یہی کہیں گے۔ قالوا وما الرحمٰن انسجد لما تامرنا وزادهم نفورًا۔ انہیں خدا کی بندگی کی طرف بلاؤ تو کہتے ہیں رحمان کیا ہوتا ہے جس کے آگے سجدہ کا حکم دیتے ہو۔ جاہلوں کو دعوت دینا ان کی نفرت میں اضافہ کا موجب ہوتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغی کوششیں اور توحید کی تعلیمات جب اُن کے والد کے عقائد اور جاہلانہ روّیہ کو نہ بدل

Marfat.com

سکیں اور انہیں والد نے گھر سے نکال دیا تو اُنہوں نے بھی یہی رَوّیہ اختیار فرمایا تھا۔ سلامٌ علیک سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّی۔ ابّا جان میں تمہیں سلام کرتا ہوں اور اپنے رب سے آپ کی مغفرت کی دعا مانگوں گا۔

جاہل سے مراد اَن پڑھ لوگ ہی نہیں ہوتے بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اپنی دانائی، دانشوری تعلیم اور عقلمندی کے گھمنڈ میں آکر تعصب اور اپنے افکار کے حصار سے باہر نکلنا اپنی دانشوری کی توہین سمجھتے ہیں۔ خود کو ترقی پسند، ماڈرن، مہذب سمجھ کر مذہب کو فرسودہ اور مذہبی افکار کو رجعت پسندی اور مذہب کے ماننے والوں کو بنیاد پرست کہہ کر اپنی جہالت اور غصے کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور دل کو تسکین دے لیتے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مار لیا ہے کہ آج کے دور میں مذہب کے نام لیواؤں کو ذلیل کر دیا، مگر رحمٰن کے بندے ایسے پڑھے لکھے جاہلوں کی گالی اور طنز کا جواب گالی اور طنز، پھبتی کا جواب پھبتی، بیہودگی کا جواب بیہودگی سے نہیں دیتے بلکہ سلام کرکے دامن چھڑاتے ہیں۔ رحمٰن کے بندے سورۂ قصص میں ارشاد خداوندی کے مطابق۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۔ اللہ پر ایمان لانے والے لوگ جب کسی جاہل گروہ کی بیہودہ بات سنتے ہیں تو اسے نظر انداز کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ بھائی ہمارے اعمال اپنے ہیں اور تمہارے اعمال، افکار وخیالات تمہارے ہیں۔ تم پر سلام ہو اور وہ جاہلوں کے منہ نہیں لگتے۔

جہالت کا جواب جہالت سے نہیں

اللہ تعالیٰ جنہیں ایمان کی روشنی عطا فرماتے ہیں اور اپنی بندگی کا اعزاز بخشتے ہیں۔ انہیں محبوبیت کی سند عطا فرماتے ہیں تو یہ اسی وقت اور انہی لوگوں کے لئے ہوتا ہے جنہیں صبر وتحمل، حوصلے، ہمت اور قوت برداشت کے سینکڑوں امتحانات سے گزار لیا ہوتا ہے۔ ہر طرح ہر لحاظ سے پرکھا جاتا ہے تب جاکر یہ اعزاز ملتا ہے۔ یہ مرتبہ حاصل ہوتا اور اللہ کے دوستوں کی فہرست میں آتا ہے، اگر خدا کے دوست بھی جہالت پر اُتر آئیں، تعصب اور بخیلی کو شعار بنائیں اور ہر وقت ناک پر غصہ دھرا رہتا ہو، منہ میں گالیوں کی غلاظت اور بدگوئی کی گندگی بھری رہتی ہو تو پھر خدا کے بندوں اور جاہلوں میں فرق کیا ہوا۔

واقعات وامثال

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں جارہے تھے کہ ایک آدمی نے ان کا راستہ روک لیا اور ان سے اُلجھنے کی خاطر بات شروع کردی، اُلٹی سیدھی ہانکنے لگا اور پیغمبرِ خداؑ کو بُرا بھلا کہنا شروع کردیا۔ وہ اسے نرمی سے سمجھاتے تو یہ کٹ حجتی پر اُتر آتا۔ بات ماننا تو درکنار سنتا ہی نہ تھا۔ راستہ کی بات تھی، خاصے لوگ جمع ہوگئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰؑ اس کی ہر سختی اور بدتمیزی کے جواب میں نرمی سے پیش آتے ہیں۔ کم ظرف لوگ ایسا ہی کرتے ہیں شریف لوگ ایسا نہیں کرسکتے، انہیں اپنی عزت کا خیال ہوتا ہے جس کا جتنا ظرف ہوتا ہے اتنا ہی خاموش رہتا ہے اور کم ظرف اس خاموشی پر اور بھی شیر ہوجاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے جب اُس کم ظرف نے بدکلامی کی انتہا کردی تو مجمع میں سے ایک شخص نے کہا۔ حضرت آپ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے کیوں نہیں دیتے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کام کرتا ہے، میں اس سے بُرائی نہیں سیکھ سکتا، ممکن ہے یہ مجھ سے ادب اور تمیز سیکھ جائے۔ سمجھدار لوگ کہتے ہیں کہ گندگی سے بھرے ہوئے

برتن سے بدبو ہی نکل سکتی ہے اس سے عرق گلاب کی خوشبو کی امید رکھنا خود فریبی ہے۔ گندگی کے ڈھیر سے پھولوں کے باغ کی مہک تو نہیں اُٹھ سکتی، سڑاند اور بدبو ہی آئے گی تو خدا وند تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کی جو صفت بیان فرمائی ہے اس پر غور فرمائیے کتنی بڑی نصیحت ہے جس پر عمل کرنے سے ہمارا دین اور ایمان ہی محفوظ نہیں رہتا بلکہ عزّت بھی بچ جاتی ہے۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ روایت بھی مشہور ہے کہ وہ ایک جاہل اور احمق آدمی سے بھاگ رہے تھے کہ ایک شخص نے انہیں ٹھہرا کر بھاگنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے وجہ بتائی کہ جاہل پیچھے پڑ گیا ہے اس سے بھاگ رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کے پاس اتنے معجزے ہیں۔ اندھوں اور بہروں کو ٹھیک کر سکتے ہیں، مُردوں کو زندہ کرنے کا خدائی اذن آپ کے پاس ہے تو آپ اس جاہل کو راہِ راست پر نہیں لا سکتے کہ بھاگنے پر مجبور ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ میری مشکل یہ ہے کہ بیوقوف پر میری بات کا اثر نہیں ہوتا اور اس کی مصیبت یہ ہے کہ میری بات کو یہ نہیں سمجھ سکتا۔ ظاہری اندھے پن اور بہرے پن کا علاج تو ممکن ہے اگرچہ اپنی جگہ وہ بھی مصیبت ہے مگر جہالت، احمق پن یا بیوقوفی خدا کا قہر ہے اور خدا کے قہر کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں۔ کٹ حجتی پر اُتر آنا، معقول اور سیدھی بات کو نہ ماننا خدا کا قہر ہے۔

جاہلوں، بیوقوفوں اور اپنے خیالات و نظریات پر اندھی عقیدت رکھنے والوں کے بُرے رویّے کے جواب میں انہیں سلام کر کے پیچھا چھڑانے میں ہماری عزّت، ہمارے دین کی حفاظت کے اور ہمارے محفوظ رہنے کا راز مضمر ہے۔ خدا کی باتیں اور قرآن کریم کی نصیحتیں ہمارے بھلے کے لئے ہیں۔ آیئے ان نصیحتوں کے خزانوں کو اپنی عادات اور مزاج کا حصّہ بنائیں اور دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی و کامیابی حاصل کریں۔ اسی سورۂ فرقان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ط اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا"۔ آپ کیا خیال کرتے ہیں کہ ان کی اکثریت آپ کی دعوت اور ہدایت کو سُنتی ہے اور اس پر غور کرتی ہے۔ نہیں یہ لوگ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں لہٰذا ان سے نہ اُلجھا جائے۔ واٰخر دعوانا انّ الحمد للہ ربّ العالمین۔

Marfat.com

بیہودہ اور غیر مفید مشاغل سے گریز

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	سورۂ لقمان کی آیت	تفسیر و تشریح، دو انسانی گروہ قرآن سے فائدہ اٹھانے اور ہدایت پانے والے۔ قرآن سے غفلت برتنے والے۔
۲	لھوالحدیث کی تعریف	ہر وہ مشغلہ جو خدا کی ہدایات سے غافل کر دے۔ ناچ گانا کھیل کود، ڈرامے، فلمیں، وی سی آر، ناول، فحش لٹریچر۔
۳	شانِ نزول	نضر بن حارث کا حضورؐ کے خلاف لھوالحدیث کا محاذ۔ گانا بجانا رنڈی بازی۔ آج کل ترقی یافتہ مشاغل کا بھی وہی کردار ہے۔ دین سے غفلت اور دینی امور سے بیزاری اسی نضر بن حارث کی شیطانی روایت ہے۔
۴	لھوالحدیث کی موجودہ صورتیں	ٹی وی ڈرامے فلمی کیسٹ، گانوں کے کیسٹ، وڈیو گیمز، وڈیو فلمیں، ڈرامہ سیریز، کرکٹ کے کھیل، ناچ گانوں کی محفلیں، طوائف بازی۔ فحاشی اور بے حیائی۔ تفریحی اور سیاحتی میلے اور ٹورز۔
۵	لھوالحدیث کے اخلاقی اور قومی نقصانات	دین سے بیزاری۔ اخلاق باختگی۔ تعلیم و تربیت کا نقصان۔ فلموں میں ایک ہی لڑکے لڑکی کے مختلف کردار ماں، بہن، بیٹی اور محبوبہ کے روپ میں آکر رشتوں کا تقدس ختم ہوتا ہے۔ شخصیت مسخ ہوتی ہے۔ ذاتی کردار سے محرومی۔
۶	آخری قابلِ غور بات	کیا ہم نضر بن حارث کا کردار ادا نہیں کر رہے ہے؟

Marfat.com

بیہودہ اور غیر مفید مشاغل سے گریز

آیت معہ ترجمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ (سورۂ لقمان: ۶، ۷)۔

انسانوں میں سے کئی ایسے ہیں جو دلفریب کلام خرید کر لاتے ہیں تاکہ لوگوں کو کسی علم کے بغیر اللہ کے راستہ سے ہٹا دیں اور آیاتِ الٰہی کو ٹھٹھوں میں اُڑا دیں۔ ایسے لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے۔ ایسے لوگوں کو جب ہماری۔ خدا۔ کی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بڑے غرور اور گھمنڈ کے ساتھ اپنا مُنہ دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ گویا اُنہوں نے سُنا ہی نہیں یا اُنہوں نے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے اُن کے کان بہرے ہیں۔ پس اے پیغمبرؐ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

تفسیر و تشریح مندرجہ صدر آیات قرآن کریم کی سورۂ لقمان کی ابتدائی آیات ہیں۔ اس سورہ کا نام لقمان علیہ السّلام کے نام پر رکھا گیا ہے جنہوں نے اس سورت میں اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا، تکبّر اور غرور سے روکا اور دوسری بہت سی نصیحتیں فرمائی ہیں۔ یہ سورہ حضورؐ کے مکّی دَور میں نازل ہوئی ہے۔ ان آیات سے پہلے قرآن کریم کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس میں حکمت اور دانائی سے بھرپور آیات ہیں جو دونوں جہانوں کے پالنے والے ربّ کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے اپنے اندر ہدایت اور رہنمائی کا سامان رکھتی ہیں مگر ہدایت اور رہنمائی انہیں لوگوں کو ملتی ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرتے ہیں، باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور قیامت کے آنے کا یقین رکھتے ہیں۔ ان اوصاف کے مالک لوگ خدا کے نزدیک ہدایت یافتہ اور عذابِ الٰہی سے نجات پانے والے لوگ ہیں اور دنیاوی و اخروی زندگی میں کامیاب اور بامراد لوگ ہیں۔

انسانوں کے دو گروہ اس سورہ کی ابتدائی ان آیات میں ایک طرف خدا کی آیات و ہدایات سے فائدہ اُٹھانے والے لوگوں کا ذکر اور اُن کے رویّے کا ذکر ہے تو دوسری طرف ان لوگوں کا گروہ ہے جو خدا کی ان آیات و ہدایات پر مشتمل آیات کے مقابلے میں ایسے بیہودہ مشاغل اور مصروفیات اختیار کئے ہوئے ہیں جو خدا کے سچے راستہ سے خود بھی بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کے ذریعہ دوسروں کو بھی بھٹکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اور ان مشاغل اور دلچسپیوں میں اتنے آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ خدا کی آیات و احکامات کا مذاق اُڑاتے اور انہیں ہنسی مذاق

Marfat.com

کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ ان آیات کو سُن کر نہایت تکبّر اور غرور سے اور تحقیر سے منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں گویا انہیں سننا پسند نہیں یا کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے اور اپنے بہرے پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دی جائے۔

تعریف لھوالحدیث ہر اُس کام اور مشغلے کو کہا جاتا ہے جو انسان کو اُس کے اصل مقصد سے ہٹا دے ہر وہ شغل یا مصروفیت جو انسان کو خدا کی یاد، عبادت اور اُس کے احکامات کی بجا آوری سے غافل کر دے۔ اصطلاحی طور پر جس پس منظر میں یہ آیات اُتری ہیں اُس کی رُو سے بُری، فضول اور بیہودہ باتوں کے علاوہ گپ شپ، خرافات، ہنسی مذاق کی محفلیں، داستانیں، افسانے، ناول، ڈرامے، کہانیاں، فلمیں، گانے اور ناچنے کی مجالس، کھیل کود کے سلسلے وغیرہ جن کی دلچسپیوں میں ڈوب کر اور لذّتوں میں کھو کر آدمی زندگی کے اصل مقصد، تعمیری اُمور، مذہبی تقاضوں اور دین کے اعلیٰ وارفع مدارج سے دُور ہوتا چلا جائے۔ اس آیت کا یہی مقصد ہے یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی زندگی کے لئے ایسے مشاغل خرید تے ہیں جنہیں اپنا کر اور جن پر چل کر آدمی غیر شعوری طور پر گمراہ ہوجاتا ہے اور اس کے مقابلے میں وہ قرآنی اور دینی اقدار و روایات، احکامات و ہدایات کا مذاق اُڑا کر اس قدر کور باطن اور عقل کا اندھا ہوجاتا ہے کہ وہ خدا کی طرف بلانے والوں کی پکار اور قرآن کی دعوت سے منہ موڑ کر بہرہ بن جاتا ہے۔

شانِ نزول ان آیات کی تفسیر و تشریح میں جو روایات تفاسیر میں بیان ہوئی ہیں وہ اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں۔ ابن ہشام نے محمد ابن اسحاقؒ کی روایت نقل کی ہے کہ جب نبیؐ کریمؐ کی دعوت مکّہ میں کفّارِ مکّہ کی تمام کوششوں کے باوجود پھیلتی چلی گئی تو نضر بن حارث نے مشرکین مکہ اور قریش کے اسلام دشمن سرداروں کو بُلا کر کہا کہ جس طرح تم محمدؐ کا مقابلہ اُن پر غلط الزامات لگا کر کرتے ہو اس سے تمہاری کامیابی ممکن نہیں ہے۔ تم انہیں کاہن، ساحر، شاعر، مجنون اور جادوگر کے الزامات لگاتے ہو، ان الزامات کو کوئی بھی نہیں مانتا۔ اس لئے کہ حضورؐ کی زندگی سے اس قسم کے الزامات ثابت نہیں ہوتے نہ اُنؐ پر یہ الزامات چسپاں ہو سکتے ہیں جن کا شور مچا کر تم لوگوں کو اُنؐ کی دعوت سے روکتے ہو، اس کی بجائے میں تمہیں اس دعوت کے بے اثر ہونے کا علاج بتاتا ہوں اور یہ ایسا علاج ہوگا کہ کوئی بھی اس دعوت کی طرف توجہ نہ دے گا۔ اس دعوت کے مقابلے میں میرا طریق کار زیادہ پُرکشش، جاذبِ نظر اور مبذولِ توجہ ہوگا، جس کی وجہ سے یہ دعوت خود بخود لوگوں کی عدم توجہ سے اپنی موت آپ مر جائے گی۔

چنانچہ نضر بن حارث مکّہ سے عراق چلا گیا اور وہاں سے عجمی بادشاہوں کے لذّت آمیز قصّے، رستم واسفندیار کی کہانیاں لا کر قصّہ گوئی کی محفلیں برپا کرنا شروع کر دیں تاکہ لوگوں کی توجہ اس طرف موڑ کر قرآنی آیات اور حضورؐ کی دعوت کو بے اثر اور عدمِ توجہ کا شکار بنا دے۔ اس کی یہ ابتدائی کوشش گویا اسلامی معاشرے کے خلاف تھیٹر، سینما، ٹی وی ڈراموں، وی سی آر اور ویڈیو فلموں کی ابتدائی صورت گری تھی جو اُس وقت بھی کامیاب رہی اور آج بھی اپنے پورے عروج کے بعد اسلام، دینی احکامات، مذہبی معاملات اور دینِ محمدیؐ کے نفاذ و رواج کے خلاف نہ صرف کامیاب ہے بلکہ ہماری

تہذیبی، معاشرتی، سماجی اور اسلامی اقدار و روایات کے لئے بھی زہر قاتل بنی ہوئی ہے۔

نضر بن حارث لوگوں سے کہتا پھرتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں میں تمہیں عجمی بادشاہوں اور رستم و اسفندیار کی کہانیاں سناتا ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ نے اس روایت میں اتنا اضافہ اور فرمایا ہے کہ نضر نے اس مقصد کے لئے گانے والی لونڈیاں بھی خریدی تھیں جو شخص بھی اسلامی دعوت سے متاثر ہوتا نظر آتا تو وہ اُس پہ گانے والی لونڈیوں کو مسلط کر دیتا جو اپنی دلفریب اداؤں، جادو بھری آوازوں اور حسن و خوبصورتی کی دلکش سجاوٹوں کے ذریعے اسے اسلام کے راستہ سے ہٹانے کی ہر ممکن کوششیں کرتی تھیں۔

روایات سے تصدیق

لھوالحدیث کی اس تفسیر کو صحابۂ کرام رضؓ کی اکثریت نے روایت فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا کہ لھوالحدیث کا مطلب کیا ہے؟ تو آپ نے تین دفعہ زور دے کر فرمایا۔ واللہ ھو الغنا۔ خدا کی قسم اس سے مراد گانا ہے۔ اس کے علاوہ صحابۂ کرامؓ کی اکثریت نے حضورؐ کی اس حدیث کو بھی نقل فرمایا ہے۔ لَا یَحِلُّ بَیْعُ الْمُغَنِّیَاتِ وَلَا شِرَاءُ هُنَّ وَلَا تِجَارَةٌ فِیْهِنَّ وَلَا ثَمَانُهُنَّ۔ یعنی گانے والی عورتوں کا بیچنا، خریدنا، اُن کی تجارت کرنا اور اُن کے فن کی قیمت وصول کرنا حلال نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے۔ لَا یَحِلُّ تَعْلِیْمُ الْمُغَنِّیَاتِ۔ گانے بجانے کی تعلیم دینا، اسے ذریعہ تجارت بنانا یا ذریعہ معاش بنانا حرام ہے۔

اسلام کے چاروں مذاہب کے امام اس کی حرمت کے قائل اور متفق ہیں۔ البتہ ایک حدیث بطور واقعہ اس سلسلہ میں یہ ملتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں سر پہ چادر اُوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ گھر کی عورتوں اور بچیوں کا دف بجا کر گانا سُنا یا کم از کم انہیں گاتے ہوئے منع نہ فرمایا۔ اسی موقعہ پہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تشریف لائے تو انہوں نے دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔ ہر قوم کی خوشی کا دن ہوتا ہے آج ان کی خوشی کا دن ہے۔ مگر جب اسی قسم کے موقعہ پہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو دف بجانے اور گانے والیاں دف چھپا کر اِدھر اُدھر ہو گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ حضرت عمر رضؓ سے شیطان بھی ڈرتا ہے۔ اس روایت میں گھریلو عورتوں اور بچیوں کا گھر کے اندر گانا اور خوشی کا اظہار اس ذیل میں نہیں آتا اور دوسرا حضورؐ کا یہ فقرہ کہ شیطان بھی ڈرتا ہے، خود اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ گانا اگرچہ بے ضرر ہے مگر کام بہرحال شیطانی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی روایات ایسی ہیں جن میں گانے کی حُرمت اور اس سے منع کرنے کی تنبیہ موجود ہے۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص گانے والی لونڈیوں میں بیٹھ کر گانا سُنے گا قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

کفر کا انتقام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گانے بجانے کی ثقافت تمام تر لونڈیوں کے ذریعہ ہوتی تھی۔ آزاد عورتیں اس زمانہ میں گلوکارائیں، فنکار اور آرٹسٹ یا صداکار نہ کہلاتی تھیں اور نہ ایسا ہوتا تھا اسی لئے حضورؐ نے "مغنیات" لونڈیوں کے بیع و شرا کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے معاوضہ کو قیمت سے تعبیر فرمایا

ہے۔ زیرِ موضوع آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یعنی جو شخص بھی اللہ کے کلام قرآن کریم کی ہدایات وحکمت سے بھری ہوئی آیات کو چھوڑ کر بیہودہ مشاغل، کھیل کود، قصے کہانیاں، ناول، افسانے، ڈرامے اور گانے بجانے والی لونڈیوں کے گانوں، کیسٹ خرید کر لوگوں کو اور خود کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور قرآنی آیات کی تحقیر اور مذاق کرتا ہے، اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ ایسے افراد اور ادارے نضر بن حارث کا کردار ادا کرتے ہیں جو خدا کے دین کے مقابلے میں براہ راست لڑائی کا نقشہ جماتے ہیں کہ ادھر مسجدوں میں اذانوں کے ذریعہ خدا کے لئے بلاوے، فلاح اور نماز کی طرف پکارا جاتا ہے۔ قرآن کے احکامات سنائے جاتے ہوں، دینی مجالس ومواعظ کا اہتمام ہو تو دوسری طرف وہ اشخاص اور ادارے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ خوش اندام اور خوش آواز گلوکاروں کے تجربے کا میوزک پروگرام بنائیں، کھیل کے میچ دکھائیں، ڈراموں کی سیریز چل رہی ہوں، ثقافتی میلے اور کلچرل شو دکھائے جا رہے ہوں، تفریحی پروگرام ہوں کہ لوگ ان کے نشے اور مزے میں اس موڈ میں ہی نہ ہوں کہ خدا اور آخرت کی باتیں سن سکیں تو ایسے تمام نجی، انفرادی، سرکاری، قومی اور قبائلی پروگرام لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اللہ کے راستے سے گمراہ کرنے کی ذیل میں آتے ہیں۔ خدا کے راستے سے بھٹکانے کی کوششیں اور اس کے دین سے منحرف کرنے اور عملی مذاق کی کھلم کھلا صورتیں ہیں۔ اردو کے ایک شاعر کے بقول ؎

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا

یعنی لوگوں کی دینداری، مذہبی ذوق وشوق اور خدا کے دین کے ساتھ عقیدت اور محبت کے نتیجہ میں مسجدیں آباد اور شراب خانے ویران تھے۔ شراب خانوں کے مالکوں نے اس صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے نضر بن حارث کی طرح خوبصورت اور مست آنکھوں والے دلکش چھوکرے بطور ساقی بھرتی کر لئے، جس کے نتیجے میں مسجدیں ویران ہو گئیں اور اب "مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے"۔ اس طرح شراب خانوں کے خوبصورت ساقیوں نے مسجدوں سے اپنی ویرانیوں کا انتقام لے لیا۔ چنانچہ دین سے برگشتگی، سرتابی، عدم توجہ اور غفلت کے لئے یہ سلسلے تفریحی اداروں، کمرشل کمپنیوں، مصنوعات فروشوں نے اپنا کر ملک کی دینی فضاؤں اور دینی کوششوں کے لئے دائرہ کار تنگ سے تنگ کر دیا۔

ہمارے حالات

آج اپنے ارد گرد دیکھئے تو خدا کا دین لوگوں کی اسی بے توجہی کا شکار ہے۔ ساری دنیا ان پروگراموں اور کھیلوں کے ساتھ دلچسپی میں سرشار اور بدمست ہے، مگر ہم پاکستان کے لوگ جو لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ لے کر اٹھے تھے اور خدا کے دین اور شریعت کے نفاذ کے وعدوں کے ساتھ الگ ملک کے حصول میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس ملک کے چھوٹے سے چھوٹے سے لے کر یونیورسٹیوں کے طلبہ تک، عام مزدور سے لے کر حکومت کے سربراہوں تک تعلیمی اداروں کے طلبہ وطالبات تک پوری قوم اس بیہودگی، لہو ولعب اور لھو الحدیث کی خباثتوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ کوئی گلی، کوئی سڑک، کوئی میدان ایسا نہیں جہاں کرکٹ نہ کھیلی جاتی ہو، جو کسی میدان میں نہیں ہوتے وہ ساری دنیا کے کام کاج چھوڑ کر ٹیلیویژن کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ کاروباری لوگ، سرکاری ملازم، دفتری وعدالتی عملہ، بازاروں، بسوں میں، دفتروں میں غرض زندگی کے ہر شعبے اور ہر دائرے میں ٹیلیویژن دیکھتے اور کمنٹری سنتے ہیں۔ چوکے اور چھکے دنیا کے کسی میدان میں لگتے ہیں قوم کے تمام چھوٹے بڑے یہاں اچھلتے اور تالیاں بجاتے ہیں۔

Marfat.com

۲۔ قرآنی آیات سے سرتابی تو چھوڑیئے، عبادات و احکامات کی بجا آوری کا کیا ذکر ہمارے بچوں اور نوجوان طالبعلموں کی اکثریت اپنی نصابی کتب کے مضامین سے اتنی واقف نہیں ہوتی جتنی اس کھیل کے کھلاڑیوں کی پوری کھیل ہسٹری سے واقف ہوتی ہے۔ زندگی کے سنجیدہ مسائل اور با مقصد اُمور کی طرف توجہ کا کسی کو ہوش ہی نہیں اور نہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم تباہی و بربادی کے کس راستہ پر چل پڑے ہیں۔ اسلام کے دورِ اوّل میں اور بعد تک مسلمان اس کھوج میں رہتے تھے کہ حضور ؐ کی زندگی کے معمولات کیا تھے۔ وہ چلتے کیسے، اُٹھتے اور بیٹھتے کیسے، کھاتے اور پیتے کیا تھے۔ زندگی کے فلاں معاملے میں اُن کا معمول کیا تھا، کس معاملے میں اُن ؐ کی ہدایت کیا تھی اور اب یہ حال ہے کہ ہمارے آئیڈیل اور معیار بدل گئے، ہمارے ہیرو اور محبوب فلمی فنکار، کھلاڑی، گلوکار اور صدا کار بن گئے۔ وہ چائے کونسی پیتے ہیں، صابن کونسا استعمال کرتے ہیں، کپڑے کیسے اور کونسے پہنتے ہیں، تیل کونسا استعمال ہوتا ہے، کریم کونسی استعمال ہوتی ہے۔ انہی کی تقلید ہو رہی ہے اور انہی کی پیروی اختیار کی جا رہی ہے اور اسی پر فخر ہوتا ہے انہی پہ ناز ہوتا ہے۔

کرکٹ کا کھیل

حالانکہ اس وقت دنیا میں جتنی بھی ترقی یافتہ قومیں اور ملک ہیں۔ جرمنی، امریکہ، روس، فرانس، جاپان، چین ان میں یہ بیہودہ کھیل اور تضیعِ اوقات کا یہ مشغلہ موجود نہیں ہے، لیکن جتنے غریب اور ترقی پذیر ملک ہیں وہ اس عیاشی، بیکاری و بے ثمری کے کھیل میں مصروف ہیں۔ چند کھلاڑی کھیلنے جاتے ہیں تو پوری قوم تماشائی بن جاتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں ان دنوں حاضری کم ہو جاتی ہے اور تعلیمی توجہ ختم ہو جاتی ہے۔ دین اور عاقبت تو برباد ہو ہی گئی ہے اب دنیا بھی برباد ہو رہی ہے۔

فحاشی کے سامان

لھوالحدیث کے یہ مشاغل اُس وقت کفارِ مکہ نے اسلام کے خلاف استعمال کئے اور رواج دیتے تھے، آج خود مسلمان اسلام کے خلاف اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس کھیل میں بغیرِ علم کا تعلق اس معنی میں بھی ہے کہ ہم اپنی دولت ان فضولیات اور عیاشیوں میں لٹا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ زندگی کا مقصد پالیا ہے۔ ٹیلیویژن بلیک اینڈ وائٹ تھا تو رنگین لے آئے۔ اس کے پروگراموں پر تسکین اور قرار نہ آیا تو ہمہ وقت مصروفیت کے لئے بیہودہ فحش فلمیں اور گانوں پر مشتمل کھیل لے آئے۔ وقت بچ رہا تو ویڈیو گیمز خرید لائے۔ ٹیپ ریکارڈر اور طرح طرح کے کیسٹ خرید لئے۔ رنگین، ناول، تصویری کتب اور فحاشی کے مناظر پر مشتمل تصویری کتب اور رسائل لے آئے۔ برہنہ اور عریاں تصویروں کے البم، فحش اور بے حیائی پر مبنی جنسی کتب، کیمرے یہ سب فضولیات خریدی جاتی ہیں اور ان پہ دولت کا بے انتہا صرفہ ہوتا ہے۔ انہی چیزوں کو اپنی برتری، فخر اور عزت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ ان کی بھول، بے وقوفی اور جہالت ہے۔ دنیا کی کامیابی ان باتوں پر نہیں خدا اور رسول ؐ کی خوشنودی اور اُن کے احکامات کی بجا آوری میں ہے۔ بغیرِ علم کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایسی قوم، ملک اور اس کے سرمایہ دار لوگ ان سرگرمیوں میں شریک ہو کر دوسروں کی رہنمائی اور قیادت کا دم بھرتے ہیں حالانکہ اُن کو علم نہیں کہ یہ فحاشی، گمراہی اور تباہی کا راستہ ہے۔ پچھلے دنوں شارجہ میں کھیلے جانے والے میچ کے دوران ہمارے وفاقی وزیر ایک انتہائی حسین اور نیم برہنہ عورت کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ وزیر صاحب اکثر گانے والیوں کے

Marfat.com

جھرمٹ میں فوٹو کھنچوانے کا بہت شوق رکھتے ہیں اور قوم کی لیڈری چمکاتے رہتے ہیں۔ ان کی زبان اسمبلی میں بھی سنجیدہ علمی محفلوں میں بھی انتہائی بازاری ہوتی ہے جس سے علم و شرافت کی بجائے جہالت اور رذالت ٹپکتی رہتی ہے۔

فضولیات کے اخلاقی اثرات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لھو الحدیث کے ان دلدادہ لوگوں کو ہمارے احکامات اور ہدایات پر مشتمل یعنی علم، حکمت اور دانائی سے بھرپور آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ بڑے گھمنڈ اور غرور کے ساتھ اس طرح سرتابی اور منہ موڑی کا مظاہرہ کرتے ہیں گویا انہوں نے سنا ہی نہیں یا ان کے کان بہرے ہیں۔ نیکی کی محفلوں میں، مقدس اور مبارک راتوں میں، وعظ و نصیحت کی مجالس میں، قرآن و حدیث کی تدریس میں، قرآن کریم کی تلاوت، رمضان شریف میں قرآن سننے اور پڑھنے میں ان کا دل نہیں لگتا، اس طرف سے منہ موڑے ہوئے اور کان بہرے کئے ہوتے ہیں، لیکن گانے کی محفلوں میں پوری رات آنکھوں میں بیت جاتی ہے۔ قمار بازی، رقص گاہوں، کلبوں میں دن اور راتیں صرف ہو جاتی ہیں۔ جنت نگاہ نظاروں اور فردوس گوش آوازوں کے ان دلدادگان کو قرآن کریم اور رب العالمین میں کوئی کشش، کوئی جذب اور کوئی دلبستگی کا سامان نظر نہیں آتا۔ اس سب کچھ کا اثر ہماری اخلاقی سماجی، تہذیبی اور معاشرتی و عائلی زندگی پر جو پڑتا ہے اس سے آنکھیں بند اور کان بہرے کر رکھے ہوتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں عشق پروان چڑھتے ہیں، محبت کے سلسلے پھیلتے اور تعلقات کے دائرے رسوائی، بے عزتی اور بے غیرتی کی سرحدوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی فلم میں جو لڑکی بیٹی کا کردار ادا کرتی ہے دوسری میں وہ بیوی بن کر آتی ہے، ایک کہانی میں جو ماں کا روپ دھارتی ہے دوسری میں وہ محبوبہ ہوتی ہے۔ ان مناظر سے بھائی بہن، ماں، بیوی کے رشتوں کا تقدس پامال ہی نہیں ہوتا بلکہ رشتوں کا احترام اور ان کی حدود بھی قائم نہیں رہتیں۔ زبانوں پر فلمی مکالمے اور ہونٹوں پر گیت اور نغمے ہوتے ہیں۔ سٹیج کے کردار گھروں میں ادا کئے جاتے ہیں، کہانیوں کے پلاٹ چار دیواریوں، کلبوں، پارکوں اور بازاروں میں عملی طور پہ تکمیل پاتے ہیں اور اللہ کا یہ فرمان درست ثابت ہوتا ہے کہ ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ـــ جاہل اور بے علم لوگ فضولیات اور لغویات خرید کر خود اپنی اور لوگوں کی گمراہی کا سامان پیدا کرتے ہیں بغیر اس علم کے کہ اس سے ان کے ہاں خود تباہی و بربادی کے کتنے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ وہ خدا کی آیات و احکامات سے منہ نہیں موڑتے اور کان بہرے نہیں کرتے بلکہ خود اپنی تباہی و بربادی، اپنی رسوائی اور ذلت، اپنی بے غیرتی و بے حیائی سے چشم پوشی اور بہرے پن کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

گھروں کی تباہی

لھو الحدیث کے اثرات ہمارے گھروں میں ایسے گھس آئے ہیں کہ ہماری بچیاں اور بچے گانوں کی سُریں، ڈانس کے زاویے اور بناوٹ و سجاوٹ کے تمام طریقے سیکھ سیکھ کر کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ ریڈیو یا ٹی وی کا بٹن آن ہوتے ہی چھوٹے چھوٹے بچوں میں تھرکنے اور ناچنے کی لہر دوڑ پڑتی ہے۔ ٹی وی کے فنکاروں اور اداکاروں کی شکل دیکھ کر ان کا نام پکارتے ہیں مگر نہیں آتے تو اپنے دینی اسلامی ارکان اسلامی مجاہدین، صحابہ کرامؓ اور دینی بزرگوں کے نام اور حالات ـــ گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچیں کہ ہم عبادات کی

Marfat.com

ادائیگی کو کتنا وقت دیتے ہیں، دینی معاملات میں کتنا خرچ کرتے ہیں اور گھروں میں بچوں کے سامنے دین کی باتوں کا کتنا تذکرہ ہوتا ہے۔

قابلِ غور بات

مجھے یقین ہے جب بھی اور جتنا بھی اس سلسلے میں سوچا جائے گا، اس پہلو پر غور کیا جائے گا تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم میں سے ہر شخص، ہر گھرانہ، ہر ادارہ نضر بن حارث کا کردار ادا کر رہا ہے جو خود بھی، اپنے گھرانے کو بھی اور اپنی نسلوں اور قوم کو بھی گمراہ کرنے میں مصروف ہے۔ ہمارے دیہاتی بازاروں میں بھی وی سی آر کی تجارت اور دکانداری ہوتی ہے۔ لوگ شادی کے موقعوں پر غریب زمیندار تک یہ لعنت گھروں میں لاتے ہیں اور دیہاتی معصوم ذہنوں میں گمراہی کے جراثیم چھوڑتے ہیں۔ ایسے بے شمار افراد ہماری بستیوں میں موجود ہیں جو پورا سال مسجد کا منہ نہیں دیکھتے، اس کے حقوق ادا نہیں کرتے، اس کے لوازمات اور ضروریات کی فکر نہیں کرتے مگر جب بھی دو چار پیسے ہاتھ آتے ہیں دوڑ کر وی سی آر لے آتے ہیں، بجلی نہیں تو جنریٹر لے آتے ہیں۔ کانوں اور آنکھوں کی لذت میں پیٹ کی فکر بھی نہیں ہوتی۔ علامہ اقبالؒ نے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کو چند لفظوں پر مشتمل دو مصرعوں میں بیان فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا عروج مقدر ہوتا ہے تو اس کے ہاتھوں میں شمشیر و سناں ہوتے ہیں، وہ مجاہدانہ کردار سے دنیا پر چھا جاتی ہے، عروج حاصل کرتی ہے اور ترقی کی منازل طے کرتی ہے، مگر جب یہی قوم گانے بجانے کے اوزار ہاتھ میں لے لیتی ہے، گانے بجانے میں لگ جاتی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اب یہ قوم تنزل و تباہی سے دوچار ہوگی ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ امم کیا ہے　　شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

آج ہر طرف سے مسلمانوں پر ذلت و خواری، نکبت و نحوست، غلامی، زیردستی کا جو عالم ہے وہ انہی عیاشیوں اور لہو الحدیث کی انہی فراوانیوں کا نتیجہ ہے۔ وہی عرب کے بدو، اونٹ چرانے والے جب اسلام کی دولت سے مالا مال تھے، اُن کے ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے تھے، دل ایمان کے نور سے معمور اور سینے قرآن کی آیات سے منور تھے تو ساری دنیا پر چھا گئے۔ اُنہوں نے دنیا کو آئینِ جہانداری و جہانبانی سکھائے، تہذیب و تمدن کے انداز بتائے، انکشافات و ایجادات کے انبار لگائے، علوم و فنون کے دریا بہائے اور آج عرب کے وہی شیوخ اپنی حکومت کے حصول اور بچاؤ کے لئے امریکہ، فرانس، برطانیہ، اٹلی اور دوسرے لادین ممالک پر اربوں روپیہ خرچ کر کے اپنے ہاں بلاتے ہیں کہ خدا را ہمیں بچایئے، ہماری امداد فرمایئے اور وہ بھی ایک دوسرے اسلامی ملک عراق کی تباہی و بربادی کے لئے "تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو"۔ کہتے ہیں روم جل رہا تھا تو نیرو بانسری بجانے میں مصروف تھا۔ اسلام کے دشمنوں نے ہمارے ہاتھوں سے نیزے اور تلواریں چھین کر بانسریاں دے دی ہیں کہ بجاؤ اور عیش کرو۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

Marfat.com

ماہ صفر کے حوالہ سے ایّام یا مہینوں کو منحوس جاننا

مختصر اشارات

مختصر حوالہ جات	اشارات	نمبر شمار
خدا کی دوستی روشنی کی طرف لے جاتی ہے اور شیطان نور سے تاریکی اور جہالت کی طرف ۔	خدا کے دوستوں کا گروہ شیطانی گروہ	۱
خدائی اختیارات دنوں اور مہینوں کو دینا شرک ہے۔ ماہ صفر کے اتفاقی واقعات۔ ہجرت سے لے کر حضورؐ کی بیماری اور وفات مختلف دوسرے واقعات ، جو اتفاقیہ تھے، اس مہینے کے اثر سے منسوب ہوئے ۔	ماہ صفر منحوس کیوں سمجھا گیا	۲
دنوں، مہینوں، موسموں، گھوڑوں، عورتوں، مکانوں کو منحوس سمجھنا۔ توہّم پرستی، فال گیری، شرک جلی، شرک خفی ۔	مشرکانہ عقائد، شرک کیا ہے؟ عقیدۂ توحید	۳
حضورؐ کا توکّل۔ خدا پر بھروسہ ہو تو کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی ۔ وہم ہو تو اسی کے مطابق اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔	خدا پر بھروسہ اور توکّل ہو ہفتوں، دنوں اور مہینوں پر اعتماد اور بھروسہ نہ ہو۔	۴
بُت پرست عورت کا بُت کُتّا لے گیا۔ حضرت زکریاؑ کا درخت سے مدد مانگنا۔ دو برہمن بھائیوں کا واقعہ۔ گلیوں میں پھر کر لوگوں کو قسمت بتانے والے کی بیوی اُس کے گھر میں بدچلن تھی اور علم نہ تھا۔	واقعات وامثال	۵

ماہ صفر کے حوالے سے ایّام یا مہینوں کو منحوس جاننا

آیت معہ ترجمہ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ خدا ایمان والوں کا ساتھی ہے، انہیں کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کے نور اور روشنی میں لے آتا ہے اور جو لوگ کافر ہوتے ہیں وہ شیطان کے ساتھی ہیں وہ انہیں نور کی روشنی سے نکال کر کفر کی تاریکیوں میں لے جاتا ہے۔ ایسے لوگ دوزخ کے رہائشی ہوں گے اور ہمیشہ اس میں مقیم رہیں گے۔

تفسیر و تشریح یہ آیات میں نے صفر کے مہینے میں عوام کے اندر پائی جانے والی رسومات، نظریات اور توہمات کے حوالے سے آپ کے سامنے پیش کی ہے۔ اس کے ترجمے سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ دُنیا میں دو قسم کے انسانی گروہ ہیں جن میں ایک گروہ خدا کی دوستی اور تعلق اور خدا پر ایمان و اعتقاد رکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہالت، توہّمات، غلط اعتقادات اور غلط رسومات پر اعتماد اور بھروسوں کی تاریکیوں سے نکال کر خود انہیں اپنی ذات اور ایمان کے بھروسے کی روشنی میں لے آتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے معاملات میں بُتوں، پتھروں، چاند تاروں اور دنوں یا مہینوں پر اعتبار نہیں کرتے کہ وہ ان کی تقدیر یا حالات بدل دیں گے جو سراسر جہالت کی بنیاد پر گھڑے جاتے ہیں۔ شرک اور بت پرستی گویا جہالت کی تاریکیاں ہیں۔

انسانوں کا اُس کے مقابلے میں دوسرا گروہ ہے جو علم کی روشنی اور خدا پر ایمان و اعتقاد کی بجائے شیطان کو اپنا دوست بنا لیتا ہے تو شیطان انہیں علم، روشن خیالی کے اُجالوں سے نکال کر بے علمی، وہم پرستی، جہالت، دنوں، مہینوں، پتھروں، بُتوں اور چاند ستاروں کی اندھی عقیدت کے اندھیروں میں ڈال دیتا ہے۔ جس طرح تاریکی ہر طرف مسلّط ہو تو انسان کو ہر چیز سے خوف آتا ہے، ہر سایہ آدمی لگتا ہے ہر جھاڑی آسیب اور بلا دکھائی دیتی ہے اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا تو ڈر اور خوف اور گھپ اندھیرے میں طرح طرح کے وہموں و گمانوں کا شکار ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی چیزوں کا سہارا لیتا ہے۔ اپنی ذات کے تحفّظ کے لئے ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے، ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے مگر تاریکی بہرحال تاریکی ہوتی ہے اور شیطانی وساوس کسی کا سہارا نہیں بن سکتے۔ خدا کا دامن چھوڑ کر اُس کے تعلق اور دوستی کے بغیر کمزور چیزوں اور خدا کی پیدا کردہ عارضی چیزوں کی دوستی، بھروسہ اور ان پر حالات کی تبدیلی کا عقیدہ شرک ہے اور خدا کے ساتھ شرک کرنے والوں کی سزا دائمی اور ابدی جہنّم ہے۔

Marfat.com

ماہ صفر کی نحوست کا سبب

چنانچہ شرک کی دوسری بہت سی قسموں میں سے ایک قسم یہ بھی ہے کہ ہم مہینوں اور دنوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ فلاں دن، فلاں وقت اور مہینہ مبارک ہے اس میں کام کریں اور فلاں دن، فلاں وقت اور فلاں مہینہ نامبارک ہے اور منحوس ہے اس کی نحوست ہمارے سفر پر، کاروبار پر، تجارت پر اور زندگی کے دوسرے معاملات پر بُرا اثر ڈالتی ہے۔ گویا ہم خیر و شر کی نسبت اللہ سے قائم کرنے کی بجائے دنوں مہینوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر خدا کے مقابلے میں ان ایّام، اوقات اور مہینوں کو اختیارات کا مالک بنا دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اپنے طور پر خدائی کے اختیارات انہیں سونپ کر اپنا خدا مانتے ہیں۔
ان مہینوں میں سے ایک مہینہ عربی مہینوں میں صفر کا مہینہ کہلاتا ہے جسے اسلام سے پہلے دورِ جہالت سے لے کر آج بھی مسلمانوں میں منحوس خیال کیا جاتا ہے۔

اتفاقی تاریخی اسباب

اس مہینے میں رونما ہونے والے تاریخی اور اتفاقی واقعات کے تسلسل پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعات کا یہ تسلسل ہی انسانی ذہنوں اور اُس کی نفسیات پر اس کی نحوست کا سبب بنا ہے جس کی وجہ سے مختلف ادوار میں مختلف اتفاقی بُرے واقعات نے اس نحوست کے تاثر یا عقیدے کو پختہ کر دیا۔ حالانکہ یہ سب وہم کی کرشمہ سامانیاں ہیں جو ایّامِ جاہلیت سے لے کر اب تک ہمارے دامنِ خیال اور گوشۂ اعتقاد سے چپک کر رہ گئی ہیں۔ بلاشبہ دورِ اسلام میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے دورِ جاہلیت کے وہم و گمان کو تقویت دی اور پختگی حاصل ہوئی، مگر یہ واقعات قدرتی اور خدا کی مشیّت سے ہوئے مہینے اور صفر کے مہینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

واقعاتِ ماہ صفر

اس مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم خداوندی ملا جو اس مہینے کے آخری عشرہ میں ہوا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں نے مکّہ معظمہ سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت فرمائی۔ مثبت انداز میں سوچا جاتا تو اسلام کی کامیابی، مسلمانوں کے سکون و آرام، کفّار کے ظلم و ستم سے نجات کا باعث یہی ہجرت بنی جو آگے چل کر اسلام کی قوت اور طاقت، اسلامی حکومت کے قیام، دینِ حق کی سربلندی و سرفرازی اور مسلمانوں کی دینی، روحانی اور معاشی و معاشرتی ترقیوں کا پیش خیمہ بنی اور ہجرت کے بالکل مختصر عرصہ کے بعد وہی مسلمان مکّہ مکرمہ میں بھرپور قوت، غلبے اور دبدبے کے ساتھ دوبارہ داخل ہوئے، مگر انسانی ذہن کی کمزوریوں، اُلٹی سوچ اور اندھی عقیدتوں کا کیا علاج کہ ہجرت کو مسلمانوں کے بے گھر ہونے، رشتہ داروں سے بچھڑنے املاک و مکانات کو چھوڑنے کو منحوس جان کر اسے مصیبت، ابتلاء اور تکلیف خیال کر کے اس کا ذمہ دار اسی مہینے کو ٹھہرا دیا گیا۔ جس بے وطنی اور مسافرت کو منحوس سمجھا گیا وہی بے وطنی، ہجرت اور مسافرت اقصائے عالم پر مسلمانوں اور اسلام کی روز افزوں فتوحات، بحر و بر پر قبضے کی ابتدا بنی، آمدنیوں کے سلسلے پھیلے، روزگار کے مواقع پیدا ہوئے، جوشِ جہاد، شوقِ شہادت، بہادری و شجاعت کے جوہر کھلے، معرکے سر ہوئے اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں و کامرانیوں کے مژدے سُنے، خدا کی خوشنودی و رضامندی کے سرٹیفکیٹ عطا ہوئے، انعامات ملے،

Marfat.com

کردار بنے اور اخلاق سُدھرے۔ شب بیداری کے پُرسکون و پُرآسائش لمحات واوقات میسّر آئے۔ خون کے پیاسے کفر سے متعلق رشتہ دار اگر بچھڑ گئے تو کیا ہوا ان کی بجائے مدینے کے انصار سے برادریوں کے تعلق قائم ہوئے اور ایسی برادریاں بنیں جن پہ ہزاروں خونی رشتے قربان کئے جا سکتے ہیں۔ ایثار و قربانی، پیار و محبّت کے ایسے مظاہرے دیکھنے میں آئے کہ خونی رشتہ دار بھی ایسا نہ کر سکیں۔

۲۔ اسی مہینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کی بیماری نے پکڑ لیا۔ موت یا بیماریاں تو ایسی چیزیں ہیں جو ہر مہینے اور ہر وقت انسانوں پہ آتی رہتی ہیں۔ حضورؐ نے بہرحال عام انسانوں کی طرح مالکِ حقیقی سے ملنا تھا اور بیماری ایک بہانہ تھی۔ اپنے اعلیٰ رفیق سے کسی پیغمبرؑ اور کسی ولیؒ کی وفات تو اس فانی دنیا کی نسبت بہتر ہے پھر اُن کی بیماری یا موت جولازماً آ کر رہنا تھی، کسی مہینہ میں واقعہ ہوتی تو دوسری طرف یہی مہینہ حضورؐ کے پیارے جاں نثار یارِ غار دوست کے اعزاز کا سبب بھی بنتا ہے۔

۳۔ اسی مہینے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ صفین چھڑی جو بلاشبہ اسلامی تاریخ کا قابلِ افسوس واقعہ ہے، مگر یہ تو اتفاقی بات ہے، جنگیں تو سال کے دوسرے مہینوں میں بھی چھڑتی رہی ہیں۔ واقعات اور جنگی کارروائی سے مہینوں کو منحوس سمجھنا ہی اگر درست مانا جائے تو پھر سال کا کوئی نہ کوئی مہینہ اس کی زد میں ضرور آئے گا۔

۴۔ اسی مہینے میں جلیل القدر صحابۂ کرام حضرت زیدؓ، حضرت عاصمؓ اور حضرت خبیبؓ بن عدی کی وفات اور شہادت ہوئی۔ اسی مہینے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اسلام کے جلیل القدر جرنیل اور فاتح سلطان صلاح الدین ایوبیؒ فوت ہوئے۔

۵۔ اسی مہینے میں ہلاکو خاں نے بغداد پہ حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی، خون کی ندیاں بہائیں۔ مگر یہ سب واقعات وقتی، اتفاقی اور دنیا کے روزمرہ واقعات و حادثات کی ذیل میں آتے ہیں۔

۶۔ اور آج اسی مہینے میں دورِ جدید کے ہلاکوؤں نے متحد ہو کر چنگیزیوں کی طرح کویت کی واگزاری کے بہانے سے سعودی عرب کی مقدس سرزمین پہ قدم رکھے اور پاک خطّہ پہ اپنی فوجیں اتاریں جو آگے چل کر اسی عراق و بغداد کی تباہی کا موجب بنیں اور وہاں کی روحانی ہستیوں کے مزارات و مساجد کی تحقیر و تباہی کا سبب بن گئیں لیکن ٹھنڈے دل اور دماغ سے یہ سوچا جائے تو یہ سب کچھ خود ہمارے اپنے اعمال، اپنی عیاشیوں اور اپنی دولت کے بے جا استعمال اور خود کو کمزور و درماندہ رکھ کر دوسروں پہ انحصار کا نتیجہ اور اسلام سے دُوری، کافرانہ اور مشرکانہ عقائد و نظریات کا سبب ہے۔ عراق نے خود اگر چوروں اور ڈاکوؤں کا کردار اپنایا ہے اپنی کافر اتحادی ممالک کی شہ پہ خود اپنے اسلامی ممالک پہلے ایران اور پھر کویت پہ حملہ کر کے لاکھوں انسانوں کا خون بہایا، کروڑوں روپیہ کی دولت، سونا، زیورات اور پیٹرول کے ذخائر کو ہتھیایا تھا تو اس کا یہی انجام ہونا تھا۔ اس میں کسی مہینے کی نحوست کی دلیل کہاں سے نکل آتی ہے۔ خودکشی کرنے والے اور خود کو موت کے حوالے کرنے اور دوسروں کے گھر پہ ڈاکہ ڈالنے کے دوران کوئی خود کو ہلاکت کے منہ میں ڈالتا ہو تو اس کا الزام کسی

Marfat.com

مہینے کو کیوں دیا جائے۔

۷۔ عام طور پر ماہ صفر کے اس مہینے کو منحوس قرار دینے میں جس حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ وَمَنْ بَشَّرَ نِي صَفَرَ بشرتهٗ بالجنّۃ۔ جس نے ماہ صفر کی بشارت مجھے دی اُسے جنّت کی بشارت دی گئی۔ پہلے تو اس حدیث کے الفاظ ہی صاف نہیں، دوسرا اسے مُلا علی قاری نے اپنی کتاب "الموضوعات الکبیر" میں من گھڑت بیان کیا ہے یعنی یہ حدیث حضورؐ سے مروی نہیں بلکہ انہی توہّمات کی تائید میں گھڑی گئی ہے۔ لہٰذا یہ غیر اعتباری اور احادیث کی اصطلاح میں بہت بڑی موضوع ہے۔

مشرکانہ و جاہلانہ عقائد

ان مندرجہ بالا واقعات کی وجہ سے جو سراسر اتفاقی طور پر پیش آتے رہے ہے اور جو تقریباً اسی مہینے کے لئے خاص نہیں ہیں دوسرے مہینوں میں بھی پیش آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے بعض لوگوں نے انہیں صفر کے مہینے کے ساتھ خاص کر کے اس کو منحوس قرار دے دیا اور اس میں شادی بیاہ سے گریز کیا جاتا ہے اور اس کے گزر جانے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ صفر کے مہینے کی یکم تاریخ سے تیرہ[۱۳] تک کو بطور خاص منحوس سمجھا جاتا ہے۔ تیرہ[۱۳] تاریخ گزرنے کے بعد بطور شکر گھنگھنیاں پکا کر تقسیم کی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس مہینے کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کے دن گھروں کی صفائی کی جاتی ہے، لیپائی ہوتی ہے، گھروں کے برتن وغیرہ باہر نکال کر پھینکے جاتے ہیں، پُرانے برتن توڑے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہم تیرہ تیزیاں نحوست نکال رہے ہیں۔ اس مہینے میں چاندی کے چھلّے اور تعویذ بنا کر نحوست اور آفات سے بچنے کی ذاتی طور پر کوشش ہوتی ہے اور یہ یقین یا عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ اب کوئی مصیبت اور آفت قریب نہ آئے گی۔

عقیدۂ توحید

اصل بات یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ اور اسلام پر ایمان کی بنیاد کن باتوں پر ہے۔ یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اُس کے ملائکہ پر، جبرئیلؑ کے ذریعہ خدا کی بھیجی ہوئی تمام پہلی اور آخری کتاب قرآن کریم پر کہ یہ خدا کا کلام ہے اور تمام پہلے اور آخری پیغمبر نبیؐ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم پر کہ سب خدا کے بھیجے ہوئے سچّے پیغمبر ہیں جنہوں نے خدا کا کلام ہمیں سنایا اور ان احکامات پر خود چل کر ہمیں بتایا اور اس بات پر کہ ہماری زندگی کے تمام کاموں، باتوں کے اچھے بُرے کا انعام اور سزا کے لئے قیامت کا دن اپنے مقرر وقت پر ضرور آئے گا، جس میں خدا کے سامنے پیش ہو کر ہمیں اپنے کئے کہے کا حساب دینا ہوگا۔ اور اس بات پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ اچھی بُری تقدیر، دُنیا میں ہمیں جو اچھائی برائی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملتی ہے اس میں کسی اور کا دخل اور اختیار نہیں ہے، اور اس بات پر ایمان ہے کہ ہمیں موت کے بعد خداوند تعالیٰ زندہ فرمائیں گے اور اپنے سامنے پیش کر کے ہمارے اعمال کا فیصلہ فرمائیں گے۔

یہ سب باتیں ہمارے ایمان اور خدا پر عقیدے کی بنیاد ہیں جنہیں "اٰمَنْتُ بِاللّٰہ" میں ہم پڑھتے ہیں۔ ان بنیادی

---

[۱] اگست ۱۹۹۰ء میں اتحادی نوجوں کا اجتماع ماہ صفر میں ہوا تھا، جب یہ تقریر کی گئی تھی۔

Marfat.com

باتوں کو جب ہم سچے دل سے مانتے ہیں اور جو ہمارے ایمان باللہ کا لازمی حصّہ ہیں تو پھر اس بات کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ ہم اچھائی یا بُرائی، خوشی یا غمی، مصیبت یا راحت کے لئے دنوں، مہینوں، ساعتوں اور موسموں کو منحوس یا مبارک سمجھ کر اپنے اُوپر اچھے یا بُرے حالات کا انہیں ذمہ دار ٹھہرائیں۔ ایسا کرنا خدا پر ایمان، اعتقاد اور یقین کی نفی ہے اور اس کے اختیار اور حکومت میں ان دنوں، ساعتوں یا دوسری چیزوں کو بھی شریک ٹھہرانا ہے۔ پھر خدا کی طرف سے اچھے بُرے حالات آنے کی نسبت تو ختم ہو جاتی ہے اور خدا پر اس عقیدے کی نفی ہو جاتی ہے۔

ایمان اور ہمارے عقیدۂ توحید کے سلسلہ میں ان بنیادی باتوں کے علاوہ خود قرآن کریم میں جس پر ہمارا ایمان ہے کہ یہ خدا کی کتاب ہے اور اس کے احکامات کو ماننا ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ اس میں خدا کا ارشاد ہے۔ مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلَا مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلَا مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے لئے اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے انہیں بند کرنے والا کوئی بھی نہیں اور جن کے لئے خدا اپنی رحمتوں کے دروازے بند کر دے انہیں کھولنے والا کوئی نہیں ہے۔ وہی خدا سب پر غالب ہے اور وہ حکمت و دانائی کا مالک ہے۔ یعنی اس کی دانائی اور حکمت بہتر جانتی ہے کہ کب، کہاں اور کس وقت اور کس پر اپنی رحمت، خوشی اور بہتری بھیجی جائے اور کیوں کسی کے لئے رحمت کا یہ سلسلہ روک دیا جائے۔

شرک کی تعریف شرک کیا ہے؟ خدائی کاموں اور اختیارات میں کسی اور فرد، چیز یا سبب کا عمل دخل اور اختیار تسلیم کرنا ہے۔ شرک یہی نہیں کہ مٹی، پتھر، تانبے وغیرہ کے بُت بنا کر انہیں پوجا جائے، انہیں خدا مانا جائے، انہیں بُت خانوں، مندروں، گرجوں یا دوسری مشرکانہ عبادت گاہوں میں سجا کر ان کی عبادت کی جائے۔ اُن کے سامنے ہاتھ جوڑے جائیں، انہیں سجدہ کیا جائے، اُن سے حاجتیں مانگی جائیں۔ غموں، بیماریوں اور مصیبتوں کو دُور کرنے کی درخواستیں کی جائیں۔ عبادت اور بندگی کے انداز اختیار کئے جائیں۔ یہ تو شرک کی ظاہری صورتیں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کچھ اور صورتیں ظاہری ہیں۔ مثلاً بزرگوں کی قبروں کو حاجت برآری اور حاجت طلبی کا ذریعہ بنایا جائے، اُن سے حاجات میں مدد طلب کی جائے یا زندہ پیروں اور اولیاء کے ساتھ عقیدت اور محبّت کا اس قدر اظہار کیا جائے کہ اُنہیں خدا کے کاموں میں شریک سمجھا جائے۔

شرک کی باطنی صورتیں شرک کی ان ظاہری صورتوں کے علاوہ باطنی صورتیں بھی ہیں جنہیں ہم اپنی نادانی کی وجہ سے اور ان کے شرک سے ناواقفی کی وجہ سے اختیار کئے ہوتے ہیں مثلاً گھروں، مکانوں، پرندوں، گھوڑوں اور بیویوں کو، بچّوں کو منحوس یا مبارک خیال کرتے ہیں اور اکثر کہا کرتے ہیں کہ یہ مکان بابرکت ہے یا منحوس، بہو یا بیٹی "سبز قدم" منحوس ہے یا اس کا پاؤں ہم پر اس آیا گھر میں برکت آگئی ہے۔ ان چیزوں سے اچھا شگون یا بُرا شگون لیتے ہیں۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اچھے دنوں اور اچھی ساعتوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ چاند دیکھتے وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ چاند دیکھنے کے بعد کسی خوش نصیب پر نظر پڑے تاکہ مہینہ اچھا گزر جائے۔ نئے گھر میں منتقلی کے لئے دنوں اور مہینوں کا پوچھتے ہیں۔ گھر سے نکلے تو سامنے

Marfat.com

آنے والے یا اتفاقی واقعات پر اچھے بُرے کی ذمہ داری ڈالنا۔ یہ ساری صورتیں باطنی شرک ہیں کہ ہم خدا کی بجائے ان باتوں پر حالات کی اچھائی یا برائی کا یقین رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ باقی نہیں رہتا کہ خیر اور شر انسان کو اللہ کے ذریعہ پہنچتی ہے اور ہم خدا کی بجائے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہماری خیر و شر ان باتوں میں ہے۔ یہ باتیں نفع و نقصان دے سکتی ہیں۔ ایسا سوچنا، ایسا خیال اور عقیدہ رکھنا قطعی شرک ہے اور شرک اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف نہ فرمائے گا۔

سورۂ فرقان میں جنت کے مستحق لوگوں کی یہ صفت بیان فرمادی ہے کہ ۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا آخَر ۔ یعنی جنتی لوگ وہی ہوتے ہیں جو خدا کے بغیر کسی کو عبادت کا مستحق سمجھتے ہیں نہ کسی سے خدا کے بغیر امداد طلب کرتے ہیں، نہ انہیں تکالیف اور مصائب میں خدا کے بغیر کسی کو مُشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔ اسلام کا یہی بنیادی ع ہے جس کی اشاعت کے لئے خدا نے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا ہے اور اُنہوں نے اپنی پوری زندگی خدا کی مخلوق کو خدا کے ساتھ جوڑنے اور ملانے میں لگادی ہے کہ تمہارا پیدا کرنے والا، تمہارا پالنے والا، تمہاری عبادت کا مستحق اور امداد کا سچا مددگار خدا ہے۔ اس کے بغیر نہ تمہارے بُت ہیں اور نہ اُس کی پیدا کی ہوئی دوسری چیزیں ہیں۔

ہم روزانہ اپنی نمازوں کی ہر رکعت میں یہی تو کہتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن ۔ اے اللہ میں تمہاری اور صرف تمہاری عبادت کرتا ہوں اور صرف تم سے ہی مدد چاہتا ہوں۔ پھر سورۂ اخلاص کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اللہ وہی ایک ہے جس کی خدائی کے اختیارات میں دوسرا کوئی شریک نہیں، سب اس کے محتاج ہیں، جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے، نہ کوئی ہمسر ہے۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کے پاس کوئی طاقت نہیں کسی کے پاس کوئی اختیار نہیں تو پھر ہم دوسری چیزوں کو، دنوں اور مہینوں کو مصیبت لانے اور مصیبتیں ہٹانے کا ذمہ دار کیوں قرار دیتے ہیں۔ یہ تو انہیں اُس کی خدائی میں شریک قرار دینے کے مترادف ہے صرف خدا پر بھروسے اور توکّل کی بجائے ان پر بھروسہ کیوں کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۔ وَلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا ۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ۔ لوگوں نے اپنے اختیارات اور قوت والے ربّ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں، جنوں، [illegible] بُتوں، بندوں وغیرہ کو خدا بنالیا ہے جو خود نہ اپنی ذات کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان، نہ زندگی دے سکتی ہیں نہ موت اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں اور یہ کہ اُنہوں نے ایسی چیزوں کو اپنا خدا بنالیا ہے جو کسی چیز کو پیدا کرنا تو درکنار خود خدا کی پیدا کردہ ہیں۔ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دس آدمی بیعت کے لئے آئے، آپؐ نے نو آدمیوں کی بیعت تو فرمالی مگر دسویں آدمی کے گلے میں تعویذ کی وجہ سے بیعت نہ فرمائی کہ اس کا بھروسا اور عقیدہ خدا کی بجائے تعویذ پر ہے جو شرک ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ نے روایت فرمائی ہے کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ ماہ صفر میں بیماری، بھوت پریت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بخاری شریف میں ہے

Marfat.com

ہماری بدشگونی یا نحوست کے اثرات ان مہینوں میں نہیں ہوتے۔ یہی مضمون مسلم شریف میں بھی ہے۔ ماہ صفر میں نحوست کا خیال بے بنیاد ہے۔

خدا پر توکّل ہو

بات ساری اس عقیدے میں ہے کہ خیر و شر کا مالک خدا ہے جو انسان کو بُرا بھلا ملتا ہے وہ خدا کے بنائے ہوئے قانونِ قدرت کے نتیجے کی وجہ سے ملتا ہے، آدمی کا بھروسا اور توکّل صرف خدا پر ہو۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسْبُہٗ۔ جو شخص اللہ پر توکّل اور بھروسہ رکھے خدا اس کے لئے کافی ہے۔ توکّل کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی سی کوشش کر کے نتیجہ خدا پر چھوڑ دے۔ نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو اُسے اپنی کوشش کا کمال نہ سمجھے خدا کی مہربانی اور انعام سمجھے اور اگر نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلے تو اسے خدا کی مشیّت اور مصلحت سمجھ کر راضی ہو جائے۔ توکّل عملی کوششوں کو چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ کوشش اور محنت جاری رکھتے ہوئے کامیابی و ناکامی کے لئے خدا پر بھروسے کا نام ہے۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ۔ کسی بھی کام سے پہلے مشورہ کر لیا کرو، جب ارادہ کر چکو تو پھر خدا پر مکمل بھروسہ اور توکّل کر کے سعی کرو۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا پر توکّل اور بھروسہ کس قدر تھا۔ ہجرت کے موقعہ پر مکّہ مکرمہ سے اپنے صرف ایک دوست کے ہمراہ نکلتے ہیں ایسے حالات میں کہ دشمن چاروں طرف سے تلاش میں ہے، اُنہیں پکڑنے کا انعام مقرر ہوتا ہے۔ دشمن قتل کے درپے ہے، ہر آن اور ہر قدم پر خطرہ ہے مگر خدا پر بھروسے کا یہ عالم ہے کہ کوئی فکر اور اندیشہ نہیں۔ غارِ ثور میں پناہ گزین ہیں، اُوپر قدموں کی چاپ اور گفتگو کی آواز سنائی دیتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ رفیقِ غار فکر مند ہوتے ہیں کہ مشرک اُوپر تک آ گئے کہیں سُراغ نہ پالیں، مگر ایسے حالات میں بھی خدا پر توکّل اور بھروسے کا یہ عالم ہے کہ ساتھی کو تسلّی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

ایک غزوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ایک مقام پر پڑاؤ کرتے ہیں اور حضورؐ ساتھیوں سے دُور ہٹ کر درخت کی چھاؤں تلے آرام فرماتے ہیں۔ تلوار درخت کی شاخ پر لٹکا دیتے ہیں۔ دشمنِ خدا و رسولؐ موقع غنیمت جان کر آتا ہے اور حضورؐ کی تلوار ہاتھ میں لے کر سر پہ پہنچ جاتا ہے۔ حضورؐ آہٹ سُن کر آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ دشمن تلوار تول کر پوچھتا ہے۔ بتاؤ اب تمہیں کون بچائے گا۔ حضورؐ نہایت اطمینان اور کامل بھروسے فرماتے ہیں، اللہ۔ دشمن پر رُعب طاری ہو جاتا ہے اور تلوار ہاتھ سے گر پڑتی ہے۔ حضورؐ لپک کر وہی تلوار لے کر پوچھتے ہیں۔ اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا۔ دشمن سر جھکا دیتا ہے۔ حضورؐ اپنے جانی دشمن اور سر کے قاتل کو معاف فرما دیتے ہیں۔

ہم خداوند تعالیٰ کو بھول کر اپنے رزق کے ظاہری ذرائع اور اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں، کتنی خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں۔ افسران مجاز کے نخرے برداشت کرتے ہیں اور ایسے ایسے انداز اختیار کرتے ہیں گویا ہمارا رزق انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ حالانکہ خدا کا وعدہ ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُہَا۔ زمین پر ایسی کوئی ذی رُوح چیز نہیں جس کا رزق خدا کے ذمّہ نہ ہو۔ حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں۔ شائستہ وہ ہے جو

Marfat.com

حق تعالیٰ سے ڈرے اور خدا کے بغیر کسی سے امید نہ رکھے۔

دنوں، مہینوں اور ساعتوں کے متعلق یہ خیال کہ یہ چیزیں ہماری برکت، بھلائی یا نحوست اور برائی کا سبب ہیں یہ محض ہمارا وہم ہے اور وہم کی وجہ سے ہمیں اُن سے نقصان پہنچتا ہے۔ آپ اگر کسی ملازم سے کہہ دیں کہ دیکھو برتن لوٹ نہ جائیں تو وہ برتن ضرور ٹوٹیں گے، کیونکہ آپ نے اُس کے ذہن میں وہم ڈال دیا ہے۔ اسی طرح کسی دیوار کی منڈیر پر چلنے والے سے کہہ دیں کہ خیال رکھو گر نہ جاؤ۔ آپ نے گرجانے کا احساس جب اس کے دل و دماغ میں ڈال دیا تو وہ ضرور گرے گا، حالانکہ دیوار پر اُس کے پاؤں کے نیچے اتنی ہی زمین ہوتی ہے جتنی زمین پر چلتے ہیں۔ مگر گرجانے کا وہم اُس پر سوار ہو کر ضرور گرا دیتا ہے جبکہ زمین پر چلتے ہوئے یہ وہم نہیں ہوتا۔ یہی حالت ان اشیاء، مہینوں اور ساعتوں کے متعلق بھی ہمارے ذہنوں میں پختہ ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں ہمیں ان ایام، ساعتوں، مہینوں اور دوسری اس قسم کی چیزوں سے ہمیں نفع و نقصان مل جاتا ہے۔ یہ کمال ان چیزوں کا نہیں ہوتا ہے ہمارے اپنے وہم اور برے عقیدے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمیں ان چیزوں سے وابستہ عقائد کو ترک کر کے خدا پہ کامل بھروسہ و توکّل رکھنا چاہیئے اور خیر و شر کا مالک اُسی کو سمجھنا چاہیئے۔

واقعات و امثال

۱۔ کوئی ہندو عورت آٹے کا بُت بنا کر پوجا کرتی تھی۔ ایک دن کُتا آیا تو اُسے لے کر بھاگ گیا۔ ہندو عورت بڑی چلائی، آخر خود کو تسلّی دے کر کہنے لگی۔ مہاراج، تم بڑے رحمدل تھے کہ کُتے کو منع نہ کیا اور چپ چاپ کُتے کی خوراک بن گئے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی عقل اندھی ہو جاتی ہے۔ وہ اچھا بھلا دیکھتا ہے کہ جسے میں خدا بنا رہا ہوں بے حقیقت و بے قیمت چیز ہے، وہ خود کو بچانے کی قدرت نہیں رکھتا تو مجھے کیا نفع دے سکتا ہے مگر اندھی عقیدت اس کے لئے بھی جواز ڈھونڈ لیتی ہے ــــ پیر ما خس است۔ مارا ہمیں بس است۔

سہ حقیقت آج تک بُت کی نہیں معلوم زاہد کو   خدا کی شان اس پہ دعوئی ایزد پرستی ہے

۲۔ بادشاہ بخت نصر ابتداء میں انتہائی نیک بخت اور صالح تھا۔ اپنے دَور کے پیغمبروں حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی علیہم السّلام کا عقیدتمند اور اطاعت گزار تھا۔ حضرت زکریا علیہ السّلام حضرت یحیٰی علیہ السّلام کے والد بزرگوار تھے اور حضرت مریم علیہا السّلام کے خالو تھے۔ قرآن کریم میں سورۂ انعام، سورۂ انبیاء، سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں ان کا ذکر ہے۔ اتفاقاً بخت نصر بادشاہ نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کے ہمراہ پہلے شوہر سے اُس کی لڑکی نہایت خوبصورت اور حسین و جمیل تھی۔ جب وہ لڑکی بالغ ہوئی تو بادشاہ اُس کی خوبصورتی پر فریفتہ ہو گیا۔ ماں کو اس لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا۔ اُس کی ماں دل میں خوش ہوئی مگر اندیشہ ہوا کہ بادشاہ پیغمبروں کا اطاعت گزار ہے اور ان پیغمبروں کی شریعت میں یہ نکاح جائز نہیں ہے، وہ اجازت نہ دیں گے۔ لڑکی کی ماں نے دل میں نہایت مکروہ سازش تیار کر کے بادشاہ سے کہا کہ میں تو خوش ہوں مگر آپ اس لڑکی کا مہر ادا نہ کر سکیں گے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کیا مہر ہے؟ اُس نے کہا۔ اس کا مہر آپ کے دونوں پیغمبروں کا سر ہے، اگر ادا کر سکو تو لڑکی حاضر ہے ورنہ

اس کا نام نہ لینا۔ بادشاہ نے کہا۔ وہ بیچارے مسکین بیت المقدس کے مجاور ہیں، خدا کے دوست ہیں اُن کا اس سے کیا تعلق ہے۔ وہ تو میرے خیر خواہ اور دعا گو ہیں، ان کے علاوہ جو کچھ مہر مانگو دینے کو تیار ہوں۔ لڑکی کی ماں نے کہا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ بادشاہ نفس کی خواہش سے مغلوب ہو گیا اور فوجی سپاہیوں کو حکم دیا کہ اُن کا سر کاٹ لاؤ۔ چنانچہ سپاہیوں نے حکم کے بموجب پہلے یحییٰ علیہ السلام کا سر کاٹ لیا۔ حضرت زکریاؑ جنگل کی طرف بھاگ نکلے۔ فوجی پیچھے لگ گئے، جب قریب پہنچے تو آپ نے ایک درخت سے پناہ مانگی۔ درخت پھٹ گیا، آپؑ اس کے اندر سما گئے، پھر تنا جڑ گیا۔ فوجیوں نے انہیں غائب دیکھا تو شیطان نے نشاندہی کی اور بتایا کہ آرہ لے کر درخت کو چیر دو۔ جب آرہ سر پہ پہنچا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے سسکی بھری۔ حکمِ الٰہی آیا۔ خبردار اُف کرو گے تو پیغمبری سے خارج کر دیئے جاؤ گے، تم نے ہمارے سوا درخت سے کیوں پناہ مانگی ہے، اب اس کی سزا بھگتو اور چپ چاپ چر جاؤ۔ سر سے پاؤں تک چر گئے مگر اس کے بعد اُف تک نہ کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے درخت سے پناہ مانگنے کے شرک کو برداشت نہ کر کے اپنے پیارے پیغمبرؑ پہ آرہ چلوا دیا تو آپ سوچیں کہ ہم خدا کے بغیر مہینوں، دنوں، ساعتوں اور دوسری بہت سی ایسی باتوں پہ اعتقاد رکھ کر انہیں اپنے اچھے بُرے حالات کا ذمہ دار ٹھہرا کر خدا کا شریک بنائیں گے تو ہماری کیا سزا ہو سکتی ہے۔ کہتے ہیں ان دو بے گناہ پیغمبروںؑ کے قتل کے بعد خدا کا غضب نازل ہوا۔ دن تاریک ہو گیا اور اس بادشاہ پر دوسرا بادشاہ حملہ آور ہوا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خون بند نہ ہوتا تھا، قبریں رکھتے تو خون سے بھر جاتی۔ حملہ آور بادشاہ نے قسم کھائی کہ جب تک حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خون بند نہ ہوگا میں بخت نصر کے شہریوں اور فوجیوں کا قتل بند نہ کروں گا۔ ہزاروں آدمی تہ تیغ ہوئے مگر خون بند نہ ہوا تو اس وقت ایک شخص یحییٰ علیہ السلام کی لاش پہ آیا اور کہا۔ آپ پیغمبر ہیں یا ظالم، اتنی خونریزی پر بھی آپ کا جوشِ انتقام سرد نہ ہوا، کیا ساری دنیا کو قتل کرائیں گے؟ اتنا کہنا تھا کہ خون بند ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی پر مصیبت آجائے تو وہ خدا کے بغیر کسی اور کو پکارے تو اُس پہ آسمان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ امام غزالی رح لکھتے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے خدا کو چھوڑ کر درخت سے پناہ مانگی تو انہیں یہ سزا ملی۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ یہ تو صرف خدا کی ذات ہے جو کسی بے قرار اور مصیبت زدہ کی فریاد سنتی ہے اور اُس کی مصیبت دُور فرماتی ہے۔ یہ ہے اللہ کے بغیر دوسروں، دنوں، مہینوں، ساعتوں اور دوسری تمام چیزوں کو خدا کی خدائی میں شریک کرتے انہیں اپنے بُرے بھلے حالات کا ذمہ دار قرار دینے اور اُن سے امداد و استعانت طلب کرنے کا انجام کہ یہ چیزیں ہمیں خوشی دے سکتی ہیں اور ماہ صفر کے ایام وغیرہ ہم پر مصیبت لا سکتے ہیں، یہ قطعی شرک ہے اور شرک ایسا گناہ ہے جو کسی صورت میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان توہمات اور بُرے عقائد سے بچائے اور صرف خدا پہ توکّل اور بھروسے کی توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

۳- دو بہن بھائی تھے۔ ایک بھائی گھر میں بُت بنا کر اُس کی پوجا کرتا رہتا - دوسرا بھائی رند مشرب تھا بُت کو گالیاں نکالتا رہتا اور ہر صبح بُت کے سر پر پانچ جوُتے لگاتا- ایک روز بُت پرست بھائی نے خواب دیکھا۔ بُت کہہ رہا تھا کہ اپنے بھائی کو میری بے عزتی کرنے سے روکو، ورنہ میں تمہاری گردن توڑوں گا- اُس نے کہا- مہاراج میں تو تمہاری پُوجا کرتا ہوں، ادب کرتا ہوں۔ آپ اُس کی گردن کیوں نہیں توڑتے جو آپ کی بے ادبی کرتا ہے -بُت نے کہا- وہ تو مجھے مانتا ہی نہیں اُس کی گردن کیسے توڑوں، اس لئے تیری ضرور خبر لوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو جو آدمی موجب نقصان خیال کرتا ہے وہی اس پر مؤثر ہوتی ہے۔ ماہ صفر کو بھی منحوس خیال کرنے اور دوسری چیزوں کو بُرا اثر ڈالنے والا خیال کرنے والوں کو وہی چیزیں نقصان دیتی ہیں۔ مانو تو دیوتا نہ مانو تو پتھر ہے۔ واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

Marfat.com

Marfat.com

خوشامد، چاپلوسی

مختصر اشارات

نمبر شمار	اشارات	مختصر حوالہ جات
۱	آیت معہ ترجمہ	سورۂ آلعمران، آیت نمبر ۱۸۸
۲	تفسیر و تشریح	شان نزول۔ پس منظر
۳	خوشامد کے اسباب۔ خرابی	خوشامدی طبقے اور خوشامد گر دونوں کے لئے وعید ہے۔ خوشامد سے شرک کا مرض پیدا ہوتا ہے۔ عقائد کے بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔
۴	اخلاقی خرابیاں	جرأت کا فقدان۔ وقار اور خودداری کے منافی ہوتی ہے۔ سچائی اور راستبازی نہ ہو تو مکّار اور فریبی ہوتا ہے۔
۵	ارشادات رسولؐ و اقوال	حضرت عمرؓ سے استفسار۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے سوال۔ امام جعفر صادقؒ کا فرمان۔ اورنگ زیب عالمگیر کا واقعہ۔

Marfat.com

خوشامد اور چاپلوسی

آیت مع ترجمہ

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔(آل عمران: ۱۸۸)

تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو انہوں نے فی الواقع نہیں کئے ہوتے۔ حقیقت میں ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

تفسیر و تشریح

مندرجہ بالا آیت سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۸ ہے۔ یہ آیت بنیادی طور پر یہودیوں کے بارہ میں ہے، مگر قرآن کریم کی عمومی تعلیم اور قیامت تک تعلیمات جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں، اسے ہر دور اور ہر زمانے کے ان لوگوں پر چسپاں کیا جا سکتا ہے جو ان افعال و کردار کے مالک ہوتے ہیں۔ اس آیت کے دور کے خود پسند اور خوشامد پسند لوگوں کے لئے وعید ہے کہ وہ لوگ دوسروں کے منہ سے یہ سننا پسند کرتے ہیں کہ حضرت بڑے متقی ہیں، دیندار اور پارسا ہیں، خادمِ دین اور حامیٔ شرع متین ہیں، مصلح تزکی ہیں۔ حالانکہ وہ حضرت حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتے یا ایسے لوگ جو اپنے درباریوں، حمایتوں، تنخواہ داروں اور وظیفہ خوار چند مراعات یافتہ لوگوں کے ذریعہ یہ ڈھنڈورا پٹواتے رہتے ہیں، پروپیگنڈہ کراتے ہیں، اخبارات، صحافی، قلمکار اور مضمون نگار لوگوں کے ذریعہ یا ذرائع ابلاغ کے ذریعہ یہ باور کراتے رہتے ہیں کہ وہ بڑے ایثار پیشہ مخلص اور دیانتدار رہنما ہیں اور انہوں نے قوم کی بڑی خدمت کی ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، تو خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جھوٹے خوشامد پسندوں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے اور یہ کہ وہ خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

خوشامد اور اس کے اسباب

مندرجہ صدر آیت میں اپنی تعریف پر خوش ہونا اگر موجب عذاب بن سکتا ہے کہ کوئی شخص خواہ وہ حاکم ہو یا وزیر و امیر، پیر ہو یا ولی، پیغمبر ہو یا کوئی عالم و رہنما ہو، بادشاہ ہو، افسر ہو یا سرمایہ دار و مالدار، جو بھی شخص دوسروں سے تعریف پر خوش ہوتا ہو بالخصوص ایسے امور و افعال میں یا اپنی ایسی صفات و عادات و کمال میں جو درحقیقت اس کے اندر پائے ہی نہ جاتے ہوں یا اس نے کئے ہی نہ ہوں تو وہ خدا کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ وہ اس آیت کی رو سے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ دوسری طرف ایسا شخص اگرچہ اس تعریف و توصیف کا بذاتِ خود فاعل تو نہیں ہوتا وہ صرف اس بات

Marfat.com

کا مجرم ہوتا ہے کہ اس کا نفس تعریف چاہتا ہے اور تعریف کو اپنے حق میں پسند کرتا ہے تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس قسم کی جھوٹی تعریف و توصیف کرنے والا بھی دوسروں کے نفس کو خوشامد اور تعریف کی غذا مہیّا کر کے انہیں موٹا کرتا ہے۔ انہیں خود فریبی، دھوکے اور غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہوئے ان میں غرور و تکبّر، خود بینی، خود پسندی و خود آرائی و خود پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، جرم کرتا ہے اس لئے وہ خوشامد پسند و توصیف پسند سے زیادہ سزا و عذاب کا مستحق نہیں تو اس کے برابر ضرور ہوتا ہے۔

دنیا میں جہاں تعریف چاہنے والوں کی کمی نہیں ہوتی جو جھوٹی تعریفوں کے متمنی ہوتے ہیں لیکن اگر انہیں تعریف کرنے والے خوشامدی، چاپلوس اور بے جا پر کی اڑانے والے نہ ملیں تو تعریف چاہنے والے خود بخود ختم ہو سکتے ہیں، نہ ہوں تو بھی ان کا مرض متعدی نہیں ہوگا جس سے ایک خوشامد کے باعث قوم میں سینکڑوں دوسرے عیوب پیدا نہ ہوں گے اور نہ افراد میں اخلاقی برائیاں جنم لیں گی۔ سب سے پہلی اور بڑی برائی تو یہی ہے کہ چاپلوسوں اور خوشامدیوں کی اسی اخلاقی خرابی کے باعث جو اپنی تعریفوں اور غلو سے کام لیتے ہیں، شرک کا ذہن پیدا ہوتا ہے کہ جن بتوں، پیغمبروں، اولیاءؒ اور دوسری سینکڑوں چیزوں میں خدائی صفات سرے سے موجود ہی نہ تھیں تو ایسے لوگوں نے انہیں خدا کی مسند اور خدا کی کرسئ اقتدار و اختیار پر بٹھا دیا۔

چنانچہ قرآن کریم نے ہر زمانے اور ہر قوم میں غلو سے پیدا ہونے والے مشرکانہ عقائد و نظریات کی پُرزور بیخ کنی کی اور اس کی جڑیں کاٹی ہیں۔ پیغمبروں کے متعلق، جو اللہ کے محض رسول تھے، انہیں خدا بنا دیا گیا، کہیں خدا کے بیٹے کہا اور خدائی کی صفات ان میں مجتمع کیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی اسی غلو، جو خوشامد ہی کی زبردست قسم ہے، کے تحت انہیں ان کی پیغمبرانہ حیثیت سے بڑھانا چاہا تو اس امکان کو سرے سے ختم کر دیا کہ۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (الاعراف: ۱۸۸)۔ کہہ دیجئے اے پیغمبرؐ کہ میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں بلکہ جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے۔ سب کچھ اسی خدا کی مشیّت اور فیصلے پر موقوف ہے، اگر میں غیب دان ہوتا تو سب کچھ نفع حاصل کر لیتا اور کبھی کوئی تکلیف یا خلاف مرضی بات مجھے پیش نہ آتی۔ میں تو بس برے افعال کے انجام سے ڈرانے والا اور نیک اعمال کے بدلے میں انعاماتِ الٰہیہ کی خوشخبری دینے والا ہوں، ان لوگوں کو جو خدا پر ایمان اور یقین کرنے والے ہیں۔

یہ اُس بے جا غُلو کے عقیدے کی بیخ کنی ہے جو آج بھی اپنی جہالت، خوشامد پسندی اور غلو کی وجہ سے مسلمانوں میں رائج ہے۔ اس سلسلہ میں سورۂ احقاف، رکوع ۱، سورۂ یونس، رکوع ۲ کا حوالہ بھی ضروری ہے جو انبیاءؑ کی واقعی حیثیت اور ان کے مقام کو اس طرح واضح کرتی ہیں کہ ان کے بارہ میں کسی قسم کی غلط فہمی اور گمراہی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ کا یہ ٹکڑا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ تم لوگ

میرے بارے میں جو عقیدہ رکھتے ہو یں اس سے خدا کی پاکی بیان کرتے ہوئے اتنا کہتا ہوں کہ میں صرف انسان اور خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔

ان مختصر اشارات کا مطلب یہ ہے کہ خوشامد اور غلو کی عادت اور ذہنیت عقائد کے بگاڑ کا موجب بن کر انبیاءؑ تک کو اُن کے منصب سے اُٹھا کر خدائی اختیارات اور صفات سے متصف کر دیتی ہے جس سے ہر دور کے افراد و اقوام میں شرک، بُت پرستی کے خلافِ حقیقت اور خلافِ واقعہ عقائد در آتے ہیں اور انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو تو خدا کی حفاظت اور راہنمائی میسّر تھی، اُنہوں نے بار بار وحی الٰہی کے ذریعہ بھی اور خود اپنی زبانی بھی ان عقائد کی تردید فرمائی۔ لیکن ان سے ہٹ کر، اُتر کر غلو، عقیدت، محبّت اور احترام کی شدّت نے اولیاء کرامؒ، صوفیاء عظام اور اُن کی قبور تک کو خدائی اختیارات سونپنے سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔ جس کی شدّت سے حقیقی اولیاء تو دامن بچا کر لے گئے مگر اُن کی روحانی مسندوں، خانقاہوں پر بیٹھنے والی اُن کی اولاد اور اُن کی قبوُر سے روحانی وابستگی رکھنے والے عوام اس غلو کی شدّت، عقیدے کی سختی و خوشامد کے نتیجے میں شرک سے دامن نہ بچا سکے۔ الّا ماشاء اللہ۔

جرأت و شجاعت

خوشامد اور چاپلوسی اور اس کی شدّت کے نتیجہ میں غلو کے مندرجہ بالا شرک کے نتیجہ سے ہٹ کر جو اخلاقی بیماری پیدا ہوتی ہے وہ جرأت و شجاعت کا فقدان ہوتا ہے۔

قرآن کریم اور ہماری اسلامی تعلیمات نے جذبۂ شجاعت و جرأت کو پیدا بھی کیا، اسے سراہا بھی اور ان اسباب علل کی نشاندہی کر کے ختم بھی کیا، جو جرأت و شجاعت کی بجائے کسی قوم اور دینِ اسلام کو ماننے والوں میں بزدلی اور خوف پیدا کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے جہاں عاجزی اور انکساری کی تعلیم دی کہ خوشامد پسندی اور خوشامد خواہی کے ذریعہ تکبّر اور غرور پیدا نہ ہو، وہاں جرأت، بے باکی اور حق گوئی کی تعلیم بھی دی تاکہ اسلام کے ماننے والے کسی کے غلط افعال پر نہ صرف یہ کہ انہیں ٹوکیں بلکہ کسی کے بُرے افعال ہوتے ہوئے ان کی تعریف بھی نہ کریں۔ جرأت اور شجاعت کی صفات مصائب اور تکالیف پر بھی کام آتی ہیں۔ غلبۂ اسلام کے لئے دشمن کی طاقت اور قوت سے مرعوب نہ ہونے کا سبب بھی بنتی ہیں۔ جیسے مجاہدینِ اسلام نے احزاب میں دشمن کے لشکر کو دیکھ کر ایمانی جرأت کا مظاہرہ کیا۔ (سورۂ احزاب رکوع ۲ - آل عمران، رکوع ۱۸)

موت کا خوف انسان کو بُزدل بنا دیتا ہے مگر قرآن کریم نے اس کے مقررہ وقت پر آنے اور کسی حال میں بھی اس سے نہ بچ سکنے کا تصور دلا کر بے خوفی، جرأت اور بہادری کے جذبات کو اُبھارا کہ جب مرنا ہے تو کیا ڈرنا ہی موت سے بے خوفی اور جرأت کا نتیجہ تھا کہ جابر حکمرانوں کے سامنے سینہ تان کر حق بات کہنے اور جامِ شہادت نوش کرنے کی مثالیں قائم ہوئیں اور بزدلی، چاپلوسی اور مصلحت کوشی کا خیال تک نہ آیا۔

حاکم مجاز و افسران با اختیار کے سامنے چاپلوسی اختیار کرنے والے لوگوں کے دلوں میں یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ کوئی مصیبت کھڑی نہ کر دیں، تکلیف و آزار نہ پہنچائیں، زندگی کو اجیرن نہ بنا دیں۔ اس خوف سے بچانے

اور اپنے پیروکاروں کو جرأت سکھانے کے لئے یہ بھی کہہ دیا کہ۔ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (سورۂ تغابن: ۱۱)

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (سورہ توبہ: ۵۱) خدا کے حکم کے بغیر کوئی مصیبت نہیں آسکتی۔ کہہ دیجیئے اے پیغمبر ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتا سوائے اس کے جو خدا نے ہمارے لئے لکھ دی ہے، وہی ہمارا مالک ہے اور اہلِ ایمان کے تمام کام اُسی کے سپرد ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کی ان چند آیات اور ان پر صمیم قلب سے ایمان اور عقیدے کے بعد کیا سوال اور ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ انسان جرأت و بے باکی شجاعت و بہادری، بے خوفی و حق کوشی و حق گوئی کی یہ روش چھوڑ کر دوسروں کی بے جا تعریف، ان کی غیر حقیقی صفات و کردار کی توصیف اور ان کے جھوٹے، بے اختیار و بے وقار اقتدار، عہدے اور مرتبے کی بزدلانہ خوشامد اور چاپلوسی میں لگا رہے اور اپنی ذات کے بہترین جوہر، جرأت، بہادری اور مردانگی کو کھو بیٹھے اور ہیجڑہ بن جائے۔

وقار اور خودداری

چاپلوسی اور خوشامد، وقار اور خودداری کے بھی منافی ہے جو ایک اخلاقی صفت ہے۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو وقار اور خودداری کی تعلیم دیتا ہے تاکہ مسلمان دوسروں کے عہدوں، مرتبوں، دولت، آرام و آسائش کو دیکھ کر طمع، لالچ اور ہوس میں مبتلا ہو کر ان کے آگے پیچھے دُم نہ ہلاتے پھریں، ہاں میں ہاں نہ ملائیں، ان کے جھوٹ کو سچ نہ کہیں، ان کی بتائی ہوئی رات کو رات ہی نہ کہیں۔ ان کے اخلاق و کردار کے کھوکھلے پن کے آگے نہ جھکیں، جی حضوری، عالیجاہی، عالم پناہی، ظلِ سبحانی، سایۂ ربّانی، اولیاء رحمانی، صفات یزدانی، رازق کل مکانی، حاجت روائے انسانی، شفاء الملک، مسیح الملک قسم کی بے ہودہ تراکیب اور آداب و القاب سے اپنی زبانوں کو آلودہ نہ کریں، قصیدے نہ پڑھیں، زمین و آسمان کے قلابے نہ ملائیں بلکہ باوقار اور خوددار بن کر رہیں اور خدا نے جیسی تیسی دی ہے اس پر قانع بن کر رہیں۔ خدا کی رضا اور اُس کے سلوک اور اس کے روّیہ پر خوش رہیں۔ دوسروں کی دولت کو للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھیں اور اپنی رال نہ ٹپکائیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ (طٰہٰ ع ۸)۔ ہرگز آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھو ان سامانوں کی طرف جن سے ہم نے لوگوں کو متمتع کر رکھا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (سورۂ نساء: ۳۲)۔ تم تمنا نہ کرو میرے اس فضل و کرم کا جس سے اللہ نے تم میں سے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

ابوبکر شبلیؒ کی مجلس میں ایک روز عبداللہ رازیؒ ایک قیمتی جُبہ پہن کر آئے جو اُنہیں کسی امیر نے عطا کیا تھا۔ ابوبکر شبلیؒ اس وقت کلاہ سر پر رکھے ہوئے تھے۔ عبداللہ رازی نے شبلیؒ کی کلاہ دیکھ کر دل میں کہا۔ کاش یہ کلاہ میرے پاس ہوتی اور میں اسے جُبے کے ساتھ پہنتا۔ رازیؒ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ شبلیؒ نے ان کی

Marfat.com

طرف دیکھا، پھر اُٹھے اور رازی کا ہاتھ پکڑ کر مکان کے اندر لے گئے اور کہا۔ اپنا جُبہ اتارو۔ رازیؒ نے ارشاد کی تعمیل کی، جُبہ اتار دیا۔ شبلیؒ نے جُبہ تہ کیا اور اپنی کلاہ اتار کر جُبے پر رکھی اور دونوں کو اُٹھا کر تنور میں پھینک دیا۔ دونوں جل کر راکھ ہو گئے۔ شبلیؒ نے رازیؒ سے فرمایا۔ میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ آئندہ تو دُوسروں کا لباس دیکھے تو تیرا نفس تجھے اُسے حصول کے لئے نہ بہکائے۔

اگر اللہ نے کسی کو دنیا کا مال و متاع دے دیا ہے تو یہ اس بات کا معیار نہیں کہ وہ خدا کا محبوب بھی ہے اور خدا کے ہاں عزت مند بھی، یہ اُس کے لئے آزمائش ہے اور جسے ایسے انعامات سے نہیں نوازا تو یہ اس بات کا ثبوت بھی نہیں ہے کہ وہ خدا کا مغضوب اور مردود بندہ ہے اور خدا کے ہاں اُس کی عزّت نہیں ہے۔ یہ بھی خدا کی آزمائش ہو سکتی ہے یا ہو گی۔ بلکہ ایسے غریب مگر خوددار اور باوقار بندوں کی تعریف یوں فرمائی ہے ــــ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۔ (سورہ بقرہ، ع ۳۷) مالدار لوگ ان کے پُروقار اور باوقار رویّے اور بے نیازی سے اندازہ کرتے ہیں کہ یہ مالدار اور غنی ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا، وہ اپنی غریبی پر قانع رہ کر خوشامد و چاپلوسی سے کام نہیں لیتے۔ یہی باوقار لوگ امداد کے مستحق ہوتے ہیں۔ وہ خوشامد اور سوال کر کے خود کو ذلیل نہیں کرتے۔

سچائی اور راستبازی

چاپلوس اور خوشامدی آدمی سچا نہیں ہوتا، راست گو نہیں ہوتا۔ جیسا کہ عنوان میں دی ہوئی آیت سے ظاہر ہے کہ خوشامد پسند اور توصیف طلب لوگ ان افعال کی تعریف چاہتے ہیں جو حقیقتاً ان سے سرزد نہیں ہوتے اور اُن باتوں کی تعریف چاہتے ہیں جو ان میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتیں تو پھر ایسے لوگوں کی تعریف کرنے والے درباری، حاشیہ نشین اور ہم مجلس، منہ چڑھے پسندیدہ اور محبوب بھی وہ لوگ ہوں گے جو راستباز، سچّے اور کھرے نہ ہوں گے من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو ـــ یا انجمن ستائش باہمی کے ارکان ہر غلط حرکت پر داد دینے والے ہر فضول و بیہودہ بات پر واہ واہ کہنے والے ہوں گے۔ راستبازی سچائی اور صداقت ایسی صفت ہے جس کی اہمیت و فضیلت قرآن کریم اور دین اسلام میں بہت زیادہ ہے۔ سچی بات کہنا اور سچّی بات پر سچّا اور کھرا عمل کرنا کسی کی پرواہ کئے بغیر سچ کا دامن نہ چھوڑنا، کسی کی تیوری کے چڑھنے اور جبینِ ناز کی شکنیں سچ کہنے اور سچ پر عمل کرنے سے باز نہ رکھیں تو یہ انبیاءؑ، صدیقین اور شہداء کا کردار ہوتا ہے ؎

نکل جاتی ہو جس کے مُنہ سے سچی بات مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

سچ کا اظہار کرنے والا اس عالم مصلحت شناس، فقیہ مصلحت بین اور واعظ حکمت جُو سے بہتر ہوتا ہے جو اپنے علم، قانونی مہارتوں اور وعظوں کو اقتدار اور صاحبانِ اختیار کا تابع بنا کر اپنے وظائف و انعام کو دوام اور نوکریوں کو پکّا کرتے ہوں۔ وہ تملق، خوشامد اور چاپلوسی سے کام لے کر سچ پر پردہ ڈالتے ہوں، اُسے چھپاتے ہوں اور اس کے بدلے میں خواص و عوام کی خوشنودی، واہ واہ اور تعریف و توصیف کے ڈونگرے وصول کرتے

Marfat.com

ہیں۔اقتدار تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور دنیاوی مفادات و اعزازات سمیٹتے ہیں۔

انسان بلکہ مومن آدمی کے لئے تو یہ ہونا چاہیئے کہ جسے خدا اور رسولؐ سچ کہے اُس کو سچ کہے اور اُس پر عمل بھی کرے، ظاہر و باطن ایک ہو، جو عقیدہ ہو اُس پر عمل ہو، مرغ بادنما نہ ہو کہ ہوا کا رُخ دیکھ کر اپنا رُخ پھیر دے۔ سچا آدمی جب کامل ہوتا ہے تو صدیق ہوتا ہے۔قرآن ایسی ہی صداقت کو اپنے ماننے والوں سے طلب کرتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (سورۂ توبہ: ۱۱۹)۔ اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ چاپلوسی اور خوشامد منافقین کا شیوہ ہے۔ لِیَجْزِیَ اللّٰہُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِھِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ الخ (سورۂ احزاب: ۲۴)۔ صدیقین کے مقابلے میں منافقین کا ذکر ہے جنہیں عذاب ملے گا۔ یہ منافقین ہی ہوتے ہیں جو منہ پر خوشامد کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے برائی کرتے ہیں۔ یہ کردار ''با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام'' مُذبذبین بین ذالک لا الیٰ ھٰؤلاءِ ولا الیٰ ھٰؤلاء۔ تمام انبیاء کرامؑ صدیقین تھے، وہ ہواؤں کے رُخ پر نہ گئے بلکہ ہواؤں کے رُخ بدلے۔ وہ حالات کے دھاروں پر بہنے والے نہ تھے، حالات کے دھارے بدلنے والے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ـــــ فرمایا گیا کہ سچے نبی تھے جنہوں نے کفر کے ایوانوں میں سچائی کا نعرہ لگایا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو صدیق پکارا گیا۔ حضرت مریمؑ کی شان میں فرمایا۔ اُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ یُوْسُفُ اَیُّھَا الصِّدِّیْقُ۔ (سورۂ یوسف)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق و امین تھے۔ صدیق خود خدا کی صفت ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔ (نساء ع ۱۱)۔ خدا سے زیادہ قول میں کون سچا ہو سکتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ مومن مسلمان اور صدیق خوشامدی، چاپلوس، مطلب پرست اور موقع شناس نہیں ہوتا وہ کھرا، سچا اور سُچا ہوتا ہے۔ وہ وہی کچھ کہتا ہے جو سچ ہوتا ہے۔

خوشامدی جھوٹا اور مکار ہوتا ہے

چونکہ خوشامدی آدمی اور خود پسند دونوں خلاف حقیقت اور خلافِ واقعہ باتوں کی تعریف کرتے اور تعریف چاہتے ہیں۔ اسی لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں دروغ گوئی سے منع فرمایا گیا ہے۔ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ جھوٹ بولنے سے بچو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ جھوٹے آدمی کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّارٌ۔ اللہ تعالیٰ جھوٹے اور منکرین حق کو ہدایت نہیں دیتے، بلکہ جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ سوچا جائے تو اگر خوشامدی اور چاپلوس آدمی نے کسی کی تعریف کی ہے اور وہ تعریف سچی ہے تو بھی منہ پر خوشامد اچھی بات نہیں اور اگر اُس نے کسی ایسی بات کی تعریف کی ہے جو محض دوسرے کی خوشنودی، ذاتی منافع اور لالچ کی غرض سے ہے، امر واقعہ اور حقیقتِ حال کے خلاف ہے تو جھوٹ بولا ہے۔ اہلِ جنت کی یہ تعریف ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ خلافِ واقعہ فعل اور خلافِ واقعہ خوبی کی تعریف جھوٹی گواہی کے ذیل میں آتی ہے اور عدالت میں جھوٹی گواہی تو اور بھی بہت بڑا جرم ہے کہ اس کے ذریعہ کسی

Marfat.com

کا حق مارا جاتا ہے۔ ولا یشھدون الزّور۔ اہلِ جنّت جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

حضرت امام یوسفؒ عباسی دَور کے پہلے چیف جسٹس تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ممتاز شاگرد تھے۔ محمد شیبانی زفر اور داؤد طائیؒ کے علاوہ کوئی بھی علم و تقویٰ میں ان کی برابری نہیں کرسکتا۔ قاضی امام ابو یوسفؒ کی عدالت میں اُس وقت کی مملکت کا وزیرِ اعظم فضل بن ربیع گواہی کے لئے ایک مقدمہ میں پیش ہوُا تو اُنہوں نے اس کی گواہی رد کردی تو وہ غصہ سے زخمی ناگن کی طرح پھنکارتا ہوُا سیدھا ہارون الرشید کے پاس پہنچا اور قاضی امام یوسفؒ کے روّیہ کی شکایت کی، اپنی بے عزّتی اور رسوائی پہ احتجاج کیا۔ قاضی صاحب نے ہارون الرشید کے کہنے پر ایک کتاب الخراج لکھی تھی، ہارون الرشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اپنے وزیرِ اعظم کی شکایت پر اُنہوں نے حقیقت معلوم کرنے کے لئے قاضی صاحب کو طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے تو ہارون الرشید نے پوچھا۔ کیا آپ نے فضل بن ربیع کی گواہی قبول نہیں کی؟ قاضی صاحبؒ نے فرمایا۔ ہاں میں نے ایک دفعہ اس کی زبانی سنا تھا کہ اُس نے خود کو آپ کا غلام کہا تھا، وہ اگر اپنے قول میں سچا ہے اور واقعی آپ کا غلام ہے تو غلام کی گواہی معتبر نہیں ہوتی اور اگر وہ اس دعوٰی میں جھوٹا ہے تب بھی اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی، کیونکہ جو آدمی آپ کے دربار میں بے باکی کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے تو میرے سامنے کیونکر باز رہے گا۔ اللہ کے بندوں سے ہر وقت سچی اور حق بات نکلتی ہے۔ ہارون الرشید نے جب قاضی صاحب کی حق بات سنی تو انہیں معذرت کے ساتھ رخصت کر دیا اور فضل بن ربیع وزیرِ اعظم مملکت جیسا صاحبِ اختیار منہ دیکھتا رہ گیا۔

اس واقعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فضل بن ربیع جیسا وزیرِ اعظم ہارون الرشید کی خوشامد میں خود کو اس کا غلام کہتا جو حقیقت کے خلاف تھا اور ہارون الرشید اس کی غلامی پہ خوش ہوتا۔ ادھر قاضی امام یوسفؒ جیسی حق گو حق پرست شخصیت نے وزیرِ اعظم اور ہارون الرشید کے سامنے حق کے اظہار میں بے خوفی و بے باکی سے کام لیا اور خوشامد نہ کی۔

حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاں حاضر ہوُا اور میں نے انہیں کہا کہ ہم لوگ امیروں کے پاس جاتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ حق اس کے خلاف ہے پھر بھی ہم تصدیق کرتے ہیں، یہ لوگ ظلم کے ساتھ فیصلے دیتے ہیں تو ہم تصدیق کرتے ہیں تائید کرتے ہیں، ان کے کاموں کو اچھا بتاتے ہیں، آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا۔ بھتیجے ہم حضورؐ کے ساتھ ایسا کرنا منافقت خیال کرتے تھے، پتہ نہیں آپ کے نزدیک کیا حکم ہے۔

اسی طرح ایک آدمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایسا ہی سوال کیا کہ ہم بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں اور جو کچھ وہاں کہتے ہیں باہر آتے ہیں تو اس کے خلاف کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے زمانہ میں ہم اُسے نفاق میں شمار کرتے تھے۔

حضرت علقمہ بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک واہیات قسم کا آدمی امراء کے پاس جاتا، انہیں ہنساتا، انہیں خوش کرتا تو میرے والد نے اُسے ایسا کرنے سے منع کیا اور حضرت بلال بن حارثؓ کی حدیث روایت کی کہ آدمی خدا کی رضا مندی کی گفتگو کرتا ہے تو خدا اس سے راضی ہوتا ہے اور جب کوئی آدمی خدا کی ناراضگی کی بات کرتا ہے تو خدا اس سے اپنی ملاقات کے دن تک ناراض رہتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔ اپنے آپ کو فتنوں کی جگہ سے بچاؤ۔ دریافت کیا گیا کہ فتنوں کی جگہ کونسی ہے؟ فرمایا، امراء کے دروازے، تم میں سے کوئی اُن کے دروازوں پہ جاتا ہے، اُن کے جھوٹ کی تصدیق کرتا ہے اور وہ باتیں کرتا ہے جو امیر میں نہیں ہوتیں۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے انصار و مہاجر صحابہؓ کی کثیر مجلس میں فرمایا کہ اگر میں بعض کاموں میں ڈھیل برتوں تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے یہ بات تین دفعہ دہرائی تو بشیر بن سعدؓ نے کہا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہیں تیر کی طرح سیدھا کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ انتم اذن انتم اذن۔ یعنی تم لوگ اس وقت مجلس کے قابل، بھلے، اچھے اور حق پہ ہو۔ کذا فی الکنز۔

ان تمام روایات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ امراء، درباروں اور رئیسوں کے سامنے حق بات نہ کہنے اور خوشامد چاپلوسی کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ خوشامد کو منافقت اور حق بات کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے جہاں حکام سیدھے، درست اور حق پرست ہوتے تھے وہاں عوام میں ٹھیک اسلامی سپرٹ، جرأت اور دلیری کے اوصاف پیدا ہوتے تھے۔ بعد میں جب حق سننے والے اور حق کہنے والے نہ رہے، خوشامدی، منافق، خودپسند درباروں سے منسلک ہو گئے تو امراء و سلاطین کے مزاج بگڑ گئے، انہیں روکنے ٹوکنے کا خطرہ نہ رہا تو معاشرہ ظلم و تشدد کا شکار ہوا۔ جب ابوالفضل اور فیضی جیسے قصیدہ گو درباری پیدا ہو گئے تو امراء کو بھی دینِ الٰہی تصنیف کرنا پڑا اور مجدد الف ثانیؒ و امام ابن تیمیہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسی شخصیتوں کا جو حشر ہوا اس سے کون واقف نہیں۔

حضورؐ سے زیادہ مسلمانوں کو کوئی بھی محبوب نہ تھا، مگر جب آپؐ صحابہؓ کی مجلس میں تشریف لاتے تو کوئی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہوتا، آپؐ کو اپنی ذات کے لئے کوئی امتیاز اور تعظیمی قیام پسند نہ تھا۔ مطرف بن عبداللہؓ نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپؐ سردار ہیں۔ آپؐ نے کہا، سردار اللہ ہے۔ اُس نے پھر کہا۔ آپؐ بزرگی میں افضل ہیں اور بخشش میں ہم سے زیادہ ہیں۔ فرمایا، ایسا کہہ لو یا اس سے بھی کم کہو مگر شیطان کے وکیل نہ بنو۔

حضرت علیؓ کا فرمان ہے۔ جس نے تیری تعریف کی اگرچہ تُو اس تعریف کے لائق ہو، مگر اُس نے تجھے نقصان پہنچایا۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کا فرمان ہے۔ خوشامدی لوگ تکبر کا تخم ہیں۔ حضورؐ کے متعلق حضرت عمرؓ نے روایت فرمائی ہے کہ آپؐ فرماتے لوگو میری تعریف حد سے زیادہ نہ کرو۔ عیسائیوں نے ابنِ مریمؑ کی تعریف کی۔

Marfat.com

میں خدا کا بندہ ہوں، تم اسی قدر کہہ سکتے ہو کہ محمدؐ خدا کا بندہ اور اس کا رسولؐ۔ (شمائل ترمذی)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک شخص کو دوسرے کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے سنا تو فرمایا تم نے اسے برباد کر دیا۔ ایک موقعہ پر اسی طرح تعریف کرتے ہوئے کسی کو سنا تو فرمایا۔ تم نے ساتھی کی گردن مار دی۔ اگر تمہیں تعریف ہی کرنا ہو تو یوں کہو کہ میرا گمان یہ ہے بشرطیکہ اس کے علم میں وہ واقعی ایسا ہو اور تطعیت کے ساتھ غیب پر حکم نہ لگانا چاہیئے۔ (صحیح بخاری)۔ دوسرے موقع پر فرمایا۔ جب وقت تم تعریف کرنے والے کو۔ بیجا تعریف کرتے ہوئے۔ دیکھو تو اس کے منہ میں مٹی جھونک دو۔ ناگواری کا اظہار کرو۔ (مشکوٰۃ)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس وقت فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو خدا اس پر غصے ہوتا ہے اور اس تعریف پر عرش دہل اُٹھتا ہے۔ حکیم اقلیدس کا قول ہے کہ جو شخص تمہاری ایسی تعریف کرے جو تجھ میں نہ ہو وہ ایسی برائی بھی تجھ سے منسوب کر سکتا ہے جو تجھ میں نہ ہو۔ خلیفہ مامون کا فرمان ہے کہ خوشامدی شخص برائیوں اور بھلائیوں دونوں کو پسندیدہ بتلائے گا۔
حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحؒ ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لئے دیر سے پہنچے تو خطیب صاحب کو اپنا منتظر پایا۔ عالمگیر بادشاہ نے کہا۔ نماز پڑھادی جاتی، میرے انتظار کی کیا ضرورت تھی؟ پھر امام کو برخاست کر دیا کہ خدا کے حکم کے مقابلے میں آدابِ شاہی کا خیال کیوں رکھا، تم امامت کے قابل نہیں ہو۔
حضرت جنید بغدادیؒ کے سامنے چند آدمیوں نے حضرت شبلیؒ کی موجودگی میں ان کی تعریف کی حضرت جنیدؒ نے فرمایا۔ تم غلط کہتے ہو وہ تو مردود و مخذول ہے۔ پھر شبلیؒ کو مجلس سے نکال کر تعریف کرنے والوں سے فرمایا تمہاری تعریف کے مقابلے میں میرے الفاظ اس کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔ تم نے تعریف کر کے تلوار چلائی میں نے ڈھال کھڑی کر دی۔
کسی نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ جسے روزی اور منافع کے حصول کے لئے دوسروں کو خوش رکھنا پڑے وہ خود کیسے خوش رہ سکتا ہے ؎

غلامی بُری گر ہو توقیر بھی ۔۔۔ کہ بھاری ہے سونے کی زنجیر بھی

وما علینا الا البلاغ۔

Marfat.com

حصّہ اوّل ۔ باب اوّل

قربِ الٰہی کے اوصاف

قرآن کریم
کے
پسندیدہ انسانی اوصاف

تقاریر جمعہ کے موضوعات

پروفیسر قاضی حلیم فضلی
شیر گڑھ، مانسہرہ، ہزارہ

Marfat.com